اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کی منفرد شرح

شرح کلام اعلیٰ حضرت

مسمّٰی بہ

عرفانِ رضا در مدحِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

کلام

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ



تقدیم و تشریح

حضرت علامہ عبد الستار ہمدانی المعروف برکاتی

مصنف مردانِ عرب

ناشر
اکبر بک سیلرز لاہور

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کی منفرد شرح

شرح کلام اعلیٰ حضرت

مسمّٰی بہ

عرفانِ رضا در مدحِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مع مقدمہ

فنِ شاعری اور حسّانُ الہند

کلام

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

تقدیم و تشریح

حضرت علامہ عبد الستار ہمدانی المعروف بہ کاتی

مصنف مروانِ عرب

تقاریظ

حضرت سید آلِ رسول حسنین میاں نظمی مارہروی

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم

تصحیح و تنقیح محمد رضاء الحسن قادری

ناشر

اکبر بک سیلرز

زبیدہ سنٹر ۴۰ اردو بازار لاہور

Ph: 37352022

نام کتاب: .... شرح کلام اعلیٰ حضرت

کلام .... اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی

تقدیم و تشریح .... حضرت علامہ عبد الستار ہمدانی المعروف برکاتی

تصحیح و تنقیح .... محمد رضاء الحسن قادری

کمپوزنگ .... محمد علی

صفحات: 784

تعداد: 600

ڈیزائننگ: .... ڈیسنٹ گرافکس

ناشر: .... محمد اکبر قادری

اشاعت 2014ء

قیمت: .... -/900روپے

ملنے کا پتہ

ناشر

اکبر بک سیلرز

زبیدہ سینٹر ۴۰ اردو بازار لاہور
Ph: 37352022

عرضِ ناشر

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء) جس طرح دینیات میں منصب تجدید پر فائز تھے اسی طرح ادبیات میں استاد کے درجہ پر فائز تھے۔ بیس ویں صدی کے نعتیہ ادب کے فروغ میں آپ کو نمایاں ترین نام اور مقام حاصل ہے۔ علمی اور عوامی حلقوں میں جو شہرت و مقبولیت آپ کے کلام کو ملی ہے وہ آپ کے ہم عصر نعت گویان میں سے شاید کسی کو نہیں حاصل ہوگی۔ آپ کی فکر اور فن پر گزشتہ ایک صدی بلا مبالغہ سیکڑوں کتابیں اور ہزاروں صفحات لکھے گئے، اگر اس سارے لٹریچر کو ایک جگہ اکٹھا کیا جائے تو ایک مستقل لائبریری وجود میں آجائے گی۔ پاک و ہند میں کئی ادارے آپ کے نام پر قائم ہوئے، ان میں کئی ادارے ایسے ہیں جن کا نصب العین فقط آپ کی تعلیمات، تخلیقات اور آپ پر ہونے والی تحقیقات کو منظر عام پر لانا اور انھیں عام کرنا ہے۔ بے شمار اہل علم نے آپ کے رشحاتِ قلم سے اثر حاصل کیا اور ہمیشہ کے لیے آپ کے گرویدہ ہو کر رہ گئے۔

حضرت علامہ عبد الستار ہمدانی مصروفؔ برکاتی (مؤسس مرکزِ اہل سنت برکاتِ رضا، گجرات، انڈیا) جو انڈیا اور پاکستان میں معروف ادیب سمجھے جاتے ہیں' ان میں سے ایک ہیں۔ آپ نے اپنے ممدوح حضرت رضاؔ بریلوی کے فن کو بھرپور انداز میں خراجِ قلم پیش کیا ہے، نیز آں حضرت کے کلام امام الکلام کے خصائص و محاسن کو فن شاعری کے تقاضوں اور شرعی اصولوں کے مطابق بیان کر دیا ہے۔ اس مشکل کام انھوں نے جس خوب صورتی اور کمال کے ساتھ انجام دیا ہے وہ انھی کا خاصہ ہے۔

زیر نظر کتاب دراصل ان کی دو تالیفات کا مجموعہ ہے:

۱- فن شاعری اور حسان الہند (رحمۃ اللہ علیہ)

یہ مقدمہ ہے جس میں حضرت رضاؔ بریلوی کے فن شعر پر کلام کیا گیا ہے اور اس فن میں دیگر شعرائے اردو پر آپ کا تفوق ثابت کیا گیا ہے۔

۲- عرفانِ رضا در مدحِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم)

یہ اصل کتاب ہے جو حضرت رضاؔ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ۱۳۰/ اشعار از قسم صنعت تجنیس کی تشریح اور فنی محاسن کے بیان پر مشتمل ہے۔

یہ دونوں کتابیں جو فی الحقیقت ایک ہی کتاب ہے' ماضی میں چھوٹے سائز کے ۱۲۰۰/ سے زائد صفحات (۳ جلد) میں

شائع ہوتی رہی ہے۔ادارہ نے قارئین کی سہولت کی خاطر اسے ایک جلد میں چھاپنے کا پروگرام بنایا اور الحمد للہ یہ تجربہ کامیاب رہا، امید ہے کہ قارئین کو بھی پسند آیا ہوگا۔

قبل ازیں ادارہ اعلیٰ حضرت امامِ اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا محدثِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی اور آپ کے حوالے سے لکھی گئی درجِ ذیل کتابیں شائع کر چکا ہے:

۱- الامن والعلی لبدافع المصطفیٰ بدافع البلا: امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ
۲- انگوٹھے چومیے (تنویر العینین فی حکم تقبیل الابھامین): امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ
۳- حدائقِ بخشش: امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ
۴،۵- حسام الحرمین علیٰ منحر الکفر والمین مع تمہید ایمان بآیات القرآن: امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ
۶- السنیۃ الانیقہ فی فتاویٰ افریقہ: امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ
۷- روحوں کی دنیا (حیاۃ الموات فی بیان سماع الاموات): امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ
۸- مزارات پر عورتوں کی حاضری (مروج النجاء لخروج النساء): امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ
۹- رسائل اعلیٰ حضرت: امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ
۱۰- خطباتِ رضویہ: امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ
۱۱- الوظیفۃ الکریمہ: امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ
۱۲- احکامِ شریعت، مرتبہ مولانا عرفان علی رضوی بیسل پوری رحمۃ اللہ علیہ
۱۳- عرفانِ شریعت، مرتبہ مولانا عرفان علی رضوی بیسل پوری رحمۃ اللہ علیہ
۱۴- تلخیص فتاویٰ رضویہ، مرتبہ مولانا محمد اسد قادری حفظہ اللہ
۱۵- تقاریظ امام احمد رضا: سیّد صابر حسین شاہ بخاری حفظہ اللہ
۱۶- ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت (الملفوظ)، مرتبہ مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ
۱۷- حیاتِ اعلیٰ حضرت: ملک العلما مولانا ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ
۱۸- سوانح امام احمد رضا: مولانا بدر الدین احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ
۱۹- اعلیٰ حضرت، اعلیٰ سیرت: محمد رضاء الحسن قادری حفظہ اللہ

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ادارہ کو اپنے باقی عزائم اور منصوبوں میں کامیابی عطا فرمائے، تاکہ دینی لٹریچر کی بڑے پیمانے پر اِشاعت کر سکیں۔ آمین بجاہ سیّد المرسلین!

محمد اکبر قادری

۲۴ ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ

فہرست (مقدمہ)

شمار	عنوان	صفحہ
	سببِ تصنیف	15
	تقریظ دل پذیر: حضرت سیّد آلِ رسول حسنین میاں نظمی مارہروی	16
	پیش لفظ: ڈاکٹر غلام یحیٰ انجم	24
	آغازِ سخن	27
(۱)	لوازمات	34
(۲)	حسن مطلع	37
(۳)	وزن اور بحر	41
(۴)	تقطیع	43
(۵)	اقسام	45
(۶)	حمد اور نعت	47
(۷)	حضرت رضا اور نعتیہ شاعری	48
(۸)	صنعاتِ فن شاعری	51
(۹)	صنعت استعارہ	52
(۱۰)	صنعت تشبیہ	52
(۱۱)	صنعت مبالغہ	53
(۱۲)	صنعت اِقتباس	54
(۱۳)	صنعت تضاد	57
(۱۴)	صنعت تلمیح	59

(۱۵) صنعت تلمیح	62
(۱۶) صنعت حسن تعلیل	65
(۱۷) صنعت تجاہل عارفانہ	68
(۱۸) صنعت تجنیس کامل (تام)	70
(۱۹) صنعت تجنیس ناقص	74
(۲۰) صنعت مراعات النظیر	77
(۲۱) صنعت ترصیع	80
(۲۲) صنعت مقابلہ	82
(۲۳) صنعت مستزاد	88
(۲۴) صنعت لف ونشر	92
(۲۵) صنعت تضمین	94
(۲۶) صنعت تشبیب	96
(۲۷) صنعت مرصعہ	98
(۲۸) صنعت تنسیق الصفات	101
(۲۹) صنعت اتصال تربیعی	103
(۳۰) صنعت مقلوب مستوی	104
(۳۱) صنعت مقلوب کل	106
(۳۲) صنعت حسن طلب	108
(۳۳) صنعت ترجیع بند	112
(۳۴) صنعت مسمط	114
(۳۵) صنعت عزل الشفتین	121
(۳۶) صنعت ایہام	125
(۳۷) صنعت توأم	128
(۳۸) صنعت اِشتقاق	130
(۳۹) صنعت شبہ اشتقاق	131
(۴۰) صنعت سیاق الاعداد	133

(۴۱) حضرت رضا کے کلام میں محاورات اور کہاوت 135
(۴۲) ہندوستانی رسم ورواج، معاشرہ، سماج، تجارت، شاہی دربار کے طور طریقے اور دیگر معاملاتِ زندگی سے تعلق رکھنے والے اُمور کا کلامِ رضا میں تذکرہ 143
(۴۳) حضرت رضا نے فن شاعری کس طرح سیکھی؟ 150
(۴۴) حضرت رضا بریلوی کو بحیثیت شاعر شہرت کیوں نہیں دی گئی؟ 152
(۴۵) حضرت رضا کے ایک شعر پر اعتراض 155
(۴۶) ۱۱۴ رعلوم وفنون میں حضرت رضا کی مہارت اور کلامِ رضا میں ان کا استعمال 159
(۴۷) اتنی عرض آخری سن لو ذرا 165
(۴۸) کلک رضا کی برق بار جولانیاں 171
(۴۹) ایک نظر ادھر بھی 175



فہرست (کتاب)

نمبر	شعر		صفحہ
	عرضِ مصنف		180
	تقریظ جلیل: سید آل رسول نظمی برکاتی		181
1	قرنوں بدلی رسولوں کی ہوتی رہی	چاند بدلی کا نکلا ہمارا نبی	184
2	مومن وہ ہے جو ان کی عزت پہ مرے دل سے	تعظیم بھی کرتا ہے نجدی تو مرے دل سے	186
3	کریم اپنے کرم کا صدقہ لئیم بے قدر کو نہ شرما	تو اور رضا سے حساب لینا رضا بھی کوئی حساب میں ہے	189
4	ترا قد مبارک گلبن رحمت کی ڈالی ہے	اسے بو کر ترے رب نے بنا رحمت کی ڈالی ہے	191
5	پھر پھر کر ہر جانب دیکھوں کوئی آس نہ پاس کہیں	ہاں اک ٹوٹی آس نے ہارے جی سے رفاقت پالی ہے	194
6	آئی بدعت چھائی ظلمت رنگ بدلا نور کا	ماہ سنت مہر طلعت لے لے بدلا نور کا	196
7	وہ رضا کے نیزہ کی مار ہے کہ عدو کے سینہ میں غار ہے	کسے چارہ جوئی کا وار ہے کہ یہ وار وار سے پار ہے	203
8	دین و دنیا کی مجھے برکات دے برکات سے	عشق حق دے عشقِ عشق انتما کے واسطے	212
9	فضل خدا سے غیب شہادت ہوا انہیں	اس پر شہادت آیت و وحی و اثر کی ہے	218
10	خاک ہوجائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضا	دم میں جب تک دم ہے ذکر ان کا سناتے جائیں گے	221
11	سونا پاس ہے سونا بن ہے سونا زہر ہے اٹھ پیارے	تو کہتا ہے نیند ہے میٹھی تیری مت ہی نرالی ہے	227
12	انبیاء کو بھی اجل آنی ہے	مگر ایسی کہ فقط آنی ہے	229
13	اس پاک کو میں خاک بسر سر بخاک ہیں	سمجھے ہیں کچھ یہی جو حقیقت بسر کی ہے	234
14	بلبل گل مدینہ ہمیشہ بہار ہے	دو دن کی ہے بہار فنا ہے مآل گل	236
15	میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا	دریا بہا دیے ہیں در بے بہا دیے ہیں	240
16	دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان	کان لعل کرامت پہ لاکھوں سلام	246

17	معصوموں کو ہے عمر میں صرف ایک بار بار	عاصی پڑے رہیں تو صلا عمر بھر کی ہے	249
18	ارے اے خدا کے بندو! کوئی میرے دل کو ڈھونڈھو	میرے پاس تھا ابھی تو ابھی کیا ہوا خدایا	251
19	یوں ملائک کریں معروض کہ اک مجرم ہے	اس سے پرسش ہے بتا تو نے کیا کیا کیا ہے	257
20	صدق صادق کا تصدق صادق الاسلام کر	بے غضب راضی ہو کاظم اور رضا کے واسطے	261
21	گیسو و قد لام الف کر دو بلا منصرف	لا کے تہ تیغ لا تم پہ کروڑوں درود	267
22	کروں مدح اہل دول رضاؔ پڑے اس بلا میں مری بلا	میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارۂ ناں نہیں	270
23	قضا حق ہے مگر اس شوق کا اللہ والی ہے	جو ان کی راہ میں جائے وہ جان اللہ والی ہے	272
24	ہے تو رضاؔ نرا ستم جرم پہ گر لجائیں ہم	کوئی بجائے سوز غم ساز طرب بجائے کیوں	275
25	ترا وقت اور پڑے یوں دین پر وقت	نہ تو عاجز نہ تو غافل ہے یا غوث	280
26	صدقہ میں ترے باغ تو کیا لائے ہیں بن پھول	اس غنچۂ دل کو بھی تو ایما ہو کہ بن پھول	284
27	واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا	"نہیں" سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا	288
28	تیرے بے دام کے بندے ہیں رئیسان عجم	تیرے بے دام کے بندی ہیں ہزاران عرب	290
29	جو گدا دیکھو لیے جاتا ہے توڑا نور کا	نور کی سرکار ہے کیا اس میں توڑا نور کا	296
30	وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں	تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں	305
31	خوش رہے گل سے عندلیب خار حرم مجھے نصیب	میری بلا بھی ذکر پر پھول کے خار کھائے کیوں	308
32	اللہ ہمیں خاک کرے اپنی طلب میں	یہ خاک تو سرکار سے تمغا ہے ہمارا	313
33	جنت ہے ان کے جلوہ سے جویائے رنگ و بو	اے گل ہمارے گل سے ہے گل کو سوال گل	317
34	اس میں زم زم ہے کہ تھم تھم اس میں جم جم ہے کہ بیش	کثرت کوثر میں زم زم کی طرح کم کم نہیں	324
35	ریش خوش معتدل مرہم ریش دل	ہالۂ ماہ ندرت پہ لاکھوں سلام	326
36	تشنہ نہر جناں ہیں عربی و عجمی	لب ہر نہر جناں تشنہ نیسان عرب	330
37	خوف نہ رکھ رضاؔ ذرا تو تو ہے عبد مصطفیٰ	تیرے لئے امان ہے تیرے لئے امان ہے	334
38	یاد رخ میں آہیں کرکے بن میں میں رویا آئی بہار	جھومیں نسیمیں نیساں برسا کلیاں چٹکیں مہکی شاخ	338
39	جود شاہ کوثر اپنے پیاسوں کا جویا ہے آپ	کیا عجب اڑ کر جو آپ آئے پیالی ہاتھ میں	342
40	پاؤں اٹھا اور ٹھوکر کھائی کچھ سنبھلا پھر اوندھے منھ	مینھ نے پھسلن کردی ہے اور دُھر تک کھائی نالی ہے	347
41	دو جہاں کی بہتریاں نہیں کہ امانیٔ دل و جاں نہیں	کہو کیا ہے وہ جو یہاں نہیں مگر اک نہیں کہ وہ واں نہیں	350
42	ہوئی کمخوابیٔ ہجراں میں ساتوں پردے کمخوابی	تصور خوب باندھا آنکھوں نے استار تربت کا	356

43	آس ہے کوئی نہ پاس اک تمہاری ہے آس	بس ہے یہی آسرا تم پہ کروڑوں درود	1
44	ملے لب سے وہ مشکیں مہر والی دم میں دم آئے	ٹپک سن کر قم عیسٰی کہوں مستی میں قلقل کو	5
45	شاہ برکات و برکات پیشینیاں	نوبہار طریقت پہ لاکھوں سلام	72
46	عکس سم نے چاند سورج کو لگائے چار چاند	پڑ گیا سیم و زر گردوں پہ سکہ نور کا	77
47	بلبلیں خامش پڑی ہیں خاک پر	کیوں ہیں منقاریں چھپائے زیر پر	79
48	بحر سائل کا ہوں سائل نہ کنویں کا پیاسا	خود بجھا جائے کلیجہ مرا چھینٹا تیرا	84
49	یعنی ہے سورۂ نور جن کی گواہ	ان کی پر نور صورت پہ لاکھوں سلام	87
50	ایسا گمادے ان کی ولا میں خدا ہمیں	ڈھونڈھا کرے پر اپنی خبر کو خبر نہ ہو	02
51	اے مدعیو! خاک کو تم خاک نہ سمجھے	اس خاک میں مدفوں شہ بطحا ہے ہمارا	04
52	جلی جلی بو سے اس کی پیدا ہے سوزش عشق چشم والا	کباب آہو میں بھی نہ پایا مزہ جو دل کے کباب میں ہے	07
53	تیری قضا خلیفۂ احکام ذی الجلال	تیری رضا حلیف قضا و قدر کی ہے	13
54	نظر اک چمن سے دوچار ہے نہ چمن چمن بھی نثار ہے	عجب اس کے گل کی بہار ہے کہ بہار بلبل زار ہے	120
55	کس سے کہیے کیا کیا کیا ہوگیا	خود ہی اپنے پر ملامت کیجئے	423
56	بندہ قادر کا ہے قادر بھی ہے عبد القادر	سر باطن بھی ہے ظاہر بھی عبد القادر	426
57	جس طرف اٹھ گئی دم میں دم آگیا	اس نگاہ عنایت پہ لاکھوں سلام	431
58	نصر ابی صالح کا صدقہ صالح و منصور رکھ	دے حیات دیں محی جاں فزا کے واسطے	433
59	جو مقصد زیارت کا بر آئے پھر تو	نہ کچھ قصد کیجئے یہ قصد دلی ہے	437
60	خط سیہ میں نور الٰہی کی تابشیں	کیا صبح نور بار ہے شام ابو الحسین	441
61	خلق تمہاری جمیل خُلق تمہارا جلیل	خلق تمہاری گدا تم پہ کروروں درود	445
62	اک ترے رخ کی روشنی چین ہے دوجہان کی	اِنس کا اُنس اسی سے ہے جان کی وہ ہی جان ہے	447
63	میں نثار تیرے کلام پر ملی یوں تو کس کو زباں نہیں	وہ سخن ہے جس میں سخن نہ ہو وہ بیاں ہے جس کا بیاں نہیں	453
64	جو تیرے در سے یار پھرتے ہیں	در بدر یوں ہی خوار پھرتے ہیں	458
65	لو وہ آیا مرا حامی مرا غمخوار امم	آگئی جاں تن بے جاں میں یہ آنا کیا ہے	461
66	تانوں کی بینوں میں پھر لہرا بجا	گیسوؤں کی ناگنیں لہرا چکیں	466
67	جس کے آگے سر سروراں خم رہے	اس سر تاج رفعت پہ لاکھوں سلام	469
68	خوب مسعٰی میں بامید صفا دوڑ لیے	رہ جاناں کی صفا کا بھی تماشا دیکھو	474

نمبر	مصرع اول	مصرع ثانی	صفحہ
69	مانگ من مانتی منھ مانگی مرادیں لے گا	نہ یہاں نہ ہے نہ منگتا سے یہ کہنا کیا ہے	478
70	رُسُل و مَلک پہ درود ہو وہی جانے ان کے شمار کو	مگر ایک ایسا دکھا تو دو جو شفیع روز شمار ہے	482
71	معراج کا سماں ہے کہاں پہنچے زائرو	کرسی سے اونچی کرسی اسی پاک گھر کی ہے	484
72	نہ دل بشر ہی فگار ہے کہ ملک بھی اس کا شکار ہے	یہ جہاں کہ ہژدہ ہزار ہے جسے دیکھو اس کا ہزار ہے	488
73	بے خودی میں سجدۂ در یا طواف	جو کیا اچھا کیا پھر تجھ کو کیا	497
74	اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں	مانگتے تاجدار پھرتے ہیں	512
75	خانۂ دل کو ضیا دے روئے ایماں کو جمال	شہ ضیا مولیٰ جمال الاولیا کے واسطے	515
76	کب سے پھیلائے ہیں دامن تیغ عشق	اب تو پائیں زخم دامن دار ہم	521
77	ثنا کا نشاں وہ نور فشاں کہ مہر وشاں بہ آں ہمہ شاں	بسا یہ کشاں موا کب شاں یہ نام و نشاں تمہارے لئے	527
78	اے عشق ترے صدقے جلنے سے چھٹے سستے	جو آگ بجھا دے گی وہ آگ لگائی ہے	529
79	یہ مرحمتیں کہ کچی متیں نہ چھوڑیں لتیں نہ اپنی گتیں	قصور کریں اور ان سے بھریں قصور جناں تمہارے لئے	532
80	ہم خاک اڑائیں گے جو وہ خاک نہ پائی	آباد رضا جس پہ مدینہ ہے ہمارا	534
81	پارۂ دل بھی نہ نکلا دل سے تحفے میں رضا	ان سگان کو سے اتنی جان پیاری واہ وا	537
82	شوریدہ سر سلام کو حاضر ہیں السلام	راحت انھیں کے قدموں میں شوریدہ سر کی ہے	542
83	بہہ چلی آنکھ بھی اشکوں کی طرح دامن پر	کہ نہیں تار نظر جز دو سہ تار دامن	548
84	دنداں کا نعت خواں ہوں نہ پایاب ہوگی آب	ندی گلے گلے مرے آب گہر کی ہے	552
85	دو جہاں میں خادمِ آل رسول اللہ کر	حضرت آل رسول مقتدا کے واسطے	555
86	آتا ہے در والا یوں ذوق طواف آنا	دل جان سے صدقے ہو سر گرد پھرے دل سے	561
87	نفس پُر زور کا وہ زور اور دل	زیر ہے زار ہے کیا ہونا ہے	569
88	اُف رے خود کام بے مروت	پڑتا ہے کام آدمی سے	572
89	ہے انھیں کے نور سے سب عیاں ہے انھیں کے جلوہ میں سب نہاں	بنے صبح تابش مہر سے رہے پیش مہر یہ جاں نہیں	575
90	میں تو کہا ہی چاہوں کہ بندہ ہوں شاہ کا	پر لطف جب ہے کہہ دیں اگر وہ جناب ہوں	581
91	نور و بنت نور و زوج نور و ام نور و نور	نور مطلق کی کنیز اللہ دے لہنا نور کا	592
92	جس مسلماں نے دیکھا انھیں اک نظر	اس نظر کی بصارت پہ لاکھوں سلام	595
93	بد کار رضا خوش ہو بد کام بھلے ہوں گے	وہ اچھے میاں پیارا اچھوں کا میاں آیا	598
94	طور کیا عرش جلے دیکھ کے وہ جلوۂ گرم	آپ عارض ہو مگر آئینہ دار عارض	604

95	حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو	کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو	607
96	لعل میں آب گہر شیشۂ مے میں اختر	پانی میں آتش تر شعلہ میں آب کوثر	612
97	عرض و طول ریش وافر باوقار	طول عرض سائلاں کے ذمہ دار	614
98	بہر معروف و سری معروف دے بیخود سری	جند حق میں گن جنید باصفا کے واسطے	617
99	ان پر درود جن کو کس بے کساں کہیں	ان پر سلام جن کو خبر بے خبر کی ہے	623
100	جان ہلکان ہوئی جاتی ہے	بار سا بار ہے کیا ہونا ہے	627
101	یہ گھر یہ در ہے اس کا جو گھر در سے پاک ہے	مژدہ ہو بے گھرو کہ صلا اچھے گھر کی ہے	630
102	پوچھتے کیا ہو عرش پر یوں گئے مصطفیٰ کہ یوں	کیف کے پر جہاں جلیں کوئی بتائے کیا کہ یوں	634
103	نہ دیکھوں شکل مشکل تیرے آگے	کوئی مشکل سی یہ مشکل ہے یا غوث	650
104	جلتی تھی زمیں کیسی تھی دھوپ کڑی کیسی	لو وہ قد بے سایہ اب سایہ کناں آیا	654
105	قد بے سایہ ظل کبریا ہے	تو اس بے سایہ ظل کا ظل ہے یا غوث	659
106	سبب ہر سبب منتہائے طلب	علت جملہ علت پہ لاکھوں سلام	663
107	گود میں عالم شباب حال شباب کچھ نہ پوچھ	گلبن باغ نور کی اور ہی کچھ اٹھان ہے	667
108	شر خیر شور سور شرر دور نار نور	بشریٰ کہ بارگاہ یہ خیر البشر کی ہے	673
109	اوج مہر ہُدیٰ موج بحر ندیٰ	روح روح سخاوت پہ لاکھوں سلام	679
110	دونوں ماہ عید کے یک جا ہے دید	لو مبارک قادریو عید عید	682
111	قافلے نے سوئے طیبہ کمر آرائی کی	مشکل آسان الٰہی میری تنہائی کی	684
112	تو کلام خدا کا حافظ ہے	تیرا حافظ خدا محبّ رسول	688
113	ان کے قدم سے سلعۂ غالی ہوئی جناں	واللہ میرے گل سے ہے جاہ و جلال گل	691
114	خالی پاؤں گا جب اس گل سے دماغ	زندگی کا مرے گل ہوگا چراغ	696
115	یہ ادب کہ بلبل بے نوا کبھی کھل کے کر نہ سکے نوا	نہ صبا کو تیز روش روا نہ چھلکتی نہروں کی دھار ہے	700
116	آقا سے میرے ستھرے میاں کا ہوا ہے نام	اس اچھے ستھرے سے رہے نام ابوالحسین	707
117	جو اذن بارگہ شاہ سے ملے مجھ کو	سناؤں مطلع برجستہ رشک مطلع نور	711
118	تیری رافت حفظ ہر آفت سے ہو	ان سے جو کچھ کام ہو رافت سے ہو	715
119	عین حق کا بنا محبّ رسول	عین حق کا بنا محبّ رسول	718
120	باغ میں شکر وصل تھا ہجر میں ہائے ہائے گل	کام ہے ان کے ذکر سے خیر وہ یوں ہوا کہ یوں	720

121 روئے شہ پیش نظر دست پیمبر پشت پر — کاش پاؤں برگ و پشت و ساز روئے آئینہ 724

122 فیض معروف سے ترا معروف — شہر شہرہ ہے احمد نوری 728

123 پردہ دم بھی دم جلوہ مکدر ساز ہے — اللہ اللہ جوش حرص و آرزوئے آئینہ 731

124 شام تک عید مہ نو ہے تمام — یہ مہ جاوید ہے عید دوام 735

125 دل کشا دل کش دل آرا دل ستاں — کان جان و جان جان و شان شاں 738

126 رنگ اڑے زرد رخ ماہ درخشاں ہوجائے — پنجہ خورشید کا اک پنجہ لرزاں ہوجائے 746

127 ہوئی کالے گورے کی پلٹن میں بدلی — کہ بدلی کے آتے ہی تارے تھے غائب 757

128 میرے حق میں مخالفوں کی نہ سن — حق یہ میرا ہے احمد نوری 763

129 یہ رضا آپ کا ادنیٰ سگ در ہے واللہ — اس پر ہو لطف و رضا حضرت غوث الثقلین 771

130 وہ گل ہیں لبہائے نازک ان کے ہزاروں جھڑتے ہیں پھول جن سے — گلاب گلشن میں دیکھے بلبل یہ دیکھ گلشن گلاب میں ہے 775

ماخذ و مراجع 778



سببِ تصنیف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم.

امامِ عشق و محبت، اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، مجدد دین وملت، شیخ الاسلام والمسلمین حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہٗ کے نعتیہ دیوان ''حدائق بخشش'' سے راقم الحروف نے صنعتِ تجنیس کامل کے ایک سوتیس (۱۳۰) اشعار کی تشریح بنام ''عرفانِ رضا در مدحِ مصطفیٰ'' تقریباً ایک ہزار صفحات میں اختصاراً مرقوم کی۔ بعدہٗ کتاب کا مقدمہ لکھنا شروع کیا۔ گمان تو یہ تھا کہ دس، پندرہ صفحات میں مقدمہ پورا ہوجائے گا۔ لیکن دورانِ تحریر ذہن میں مضامین کی آمد شروع ہوئی اور وہ مضامین بوسیلہ قلم صفحۂ قرطاس پر منقش ہوتے گئے اور اس تسلسل نے اتنا طول پکڑا کہ مقدمہ مقالہ بن گیا۔ جو کتابی شکل میں بنام ''فنِ شاعری اور حسان الہند'' قارئین کرام کی دست بوسی کا شرف حاصل کر رہا ہے۔

فقیر کی تصنیف ''عرفانِ رضا'' کا مقدمہ مرقوم کرنا تو باقی ہی رہا۔ بلکہ اب تو ایک کے بجائے دو مقدمات لکھنے کی نوبت پیش آئی۔ لیکن فقیر نے مقدمہ نہ لکھنے کی ٹھان لی اور یہ نیت کرلی کہ دونوں کتاب کا مقدمہ میرے پیرومرشد کے پیرزادے، امامِ عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی کے پیرخانے کے شہزادے، خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ، مارہرہ مقدسہ کے سجادہ نشین، میرے آقائے نعمت، میرے مُونس وغمگسار، میرے ماویٰ وملجا، میرے شافع ورافع، حضور قبلہ سیّد آلِ رسول حسنین نظمی صاحب مارہروی دامت برکاتہم القدسیہ کے دستِ پاک سے لکھواؤں گا تاکہ میری دونوں کتابوں کو حضور نظمی صاحب کے مبارک قلم کا سایہ حاصل ہوجائے۔ میں حقیر وفقیر، سراپا تقصیر، اردو زبان کا ابجد خواں، اپنی بے علمی و بے مائیگی کا اعتراف کرتے ہوئے عرض کرتا ہوں کہ میری مادری زبان گجراتی ہے۔ اردو میں کچھ لکھنا اور وہ بھی حضرت رضا بریلوی جیسی عبقری شخصیت کے ''امام الکلام'' کے تعلق سے کچھ لکھنا، میری بساط واستطاعت سے کالے کوسوں ہے۔ لیکن حضور نظمی صاحب جیسے میرے آقائے نعمت کی پشت پناہی اور حوصلہ افزائی کی نوازش پر مچل کر جرأت ارقام کرلیتا ہوں۔ راقم الحروف کی سابق تصنیف ''امام احمد رضا ایک مظلوم مفکر'' پر حضور نظمی صاحب قبلہ نے مفصل مقدمہ ارقام فرماکر مُہرِ سند ثبت فرمائی ہے۔ یہ ان کا کرم ہی ہے کہ ناکارہ فقیر کو اپنے لطف وکرم سے اُگال عطا فرماتے ہیں۔

قارئین کرام سے التماس ہے کہ محاسن کتاب کو فیضِ رضا پر محمول کریں اور اغلاط وکوتاہی کا ذمہ فقیر کے سر پر وضع فرماکر بنظرِ عفو اپنے مفید مشوروں اور رائے اصلاح سے نوازنے کی نوازش فرمائیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب پاک ﷺ کے صدقے میں میری اس کاوش کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور عوام وخواص اس سے مستفید ہوکر میرے حق میں دعائے خیر فرمائیں۔ فقط والسلام

خانقاہ عالیہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ اور خانقاہ رضویہ نوریہ بریلی شریف کا ادنیٰ سوالی

عبدالستار ہمدانی مصروف

۱۰ ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ / مطابق ۴ اگست ۱۹۹۸ء بروز سہ شنبہ

تقریظ دل پذیر

گل گلزارِ خاندانِ برکات سیدی سرکار آل رسول حسنین میاں نظمی مارہروی مدظلہ القوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم.

نحمدہ و نصلی و نسلم علیٰ حبیبہ الکریم علیہ و علیٰ آلہ و صحبہ افضل الصلاۃ و التسلیم.

میرے ساتھ ہی اکثر ایسا کیوں ہوتا ہے؟ میرا کوئی اپنا کوئی بہت ہی قریبی بالکل اچانک مجھ پر ایسا وار کرتا ہے کہ میرے لیے سنبھلنا دشوار ہو جاتا ہے۔ اس بار بھی ایسا ہی کچھ میرے ساتھ ہوا۔ ایک شام کو پور بندر سے میرے عزیز فرزند روحانی توصیف ہمدانی کا فون آیا کہ ای میل چیک کر لیجیے، والد صاحب کی ایک کتاب بھیج رہا ہوں، وہ چاہتے ہیں کہ اس پر مقدمہ یا تقریظ قسم کی کوئی چیز لکھ دیں۔ میں فکر میں پڑ گیا۔ ای میل چیک کیا تو یہ فکر تشویش میں بدل گئی۔ اس بار ممبئی سے روانہ ہوتے وقت جہاں بہت ساری ضروری چیزیں بھول آیا تھا وہیں حدائق بخشش کا نسخہ بھی نہیں لا پایا تھا۔ اب کیا ہوگا؟ خیر مسلمان کو اگر اپنے رب کے فضل پر پورا بھروسا ہو تو اس کے آگے یہ سوال کبھی نہ آئے کہ اب کیا ہوگا؟ وہ تو ہر مرحلے پر یہی کہے کہ جو کچھ ہوگا اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اچھا ہی ہوگا۔ میں نے بھی یہی کہا۔

علامہ عبد الستار ہمدانی سے میرے تعلقات کچھ زیادہ پرانے نہیں ہیں۔ یہی کوئی پانچ چھ سال پرانے۔ وہ میرے والد ماجد حضور سید العلماء علیہ الرحمۃ والرضوان کے شاگرد ہیں۔ میرے عم محترم حضور احسن العلماء علیہ الرحمۃ والرضوان انھیں بے حد چاہتے تھے، اس بات کی توثیق بہت ہی معتبر ذرائع سے ہو چکی ہے۔ میرے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ علامہ ہمدانی میرے اعلیٰ حضرت کی ذات گرامی پر تحقیقی کام میں مصروف ہیں اور رضویات ان کا اوڑھنا بچھونا ہے۔

یہ اعلیٰ حضرت کون ہیں؟

مجھے یاد ہے کہ میری عمر یہی کوئی تین چار سال کی رہی ہوگی جب میں نے اپنے والد ماجد سے یہ سوال کیا تھا۔ والد ماجد نے اس وقت کہا تھا: بیٹا، یہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف کے ایک بہت بڑے عالم دین حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب تھے جو چشم و چراغ خاندان برکات تھے۔ میرے چھوٹے سے ذہن میں یہ بات نہیں سما سکی کہ ایک خان صاحب کس طرح ہم سادات کے خاندان کے چشم و چراغ ہو سکتے ہیں۔ میں نے ابا حضرت سے مزید کچھ پوچھنے کی جرات نہیں کی نہ ہی انھوں نے مجھے آگے کچھ بتانا مناسب جانا۔

کہتے ہیں کہ بچے کا پہلا اسکول اس کی ماں کی گود ہوتی ہے۔ ابا حضرت کے جلال کی وجہ سے جو بات ان سے نہ پوچھ سکا، وہ بات امی جان سے پوچھ لی۔ امی جان نے بتایا: بیٹا! یہ اعلیٰ حضرت ہمارے خاندان کے ایسے مریدوں میں سے ہیں جن پر ان کے مرشد بھی ناز کرتے تھے۔ ان کی دینی خدمتوں کی وجہ سے انھیں نوری دادا نے چشم و چراغ خاندان برکات کا

لقب دیا تھا۔ اتنا تھا کہ امی جان اپنے کام میں مصروف ہو گئیں اور ہم اپنی پڑھائی میں لگ گئے۔ بات آئی گئی ہو گئی۔ مگر تحت الشعور کے کسی نہاں خانے میں یہ بات بیٹھ گئی کہ اعلیٰ حضرت کے بارے میں اور کچھ معلوم کرنا ضروری ہے۔

شاعری کے ساتھ میرا تعلق اس وقت سے ہے جب مجھے یہ شعور بھی نہ تھا کہ شعر کیا ہوتا ہے۔ ہوش سنبھالا تو دیکھا کہ آباء واجداد کی علمیت کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بج رہا ہے۔ خانقاہی ماحول میں آنکھ کھولی تھی۔ سال میں تین عرس ہوتے تھے۔ مقامی و بیرونی زائرین خانقاہ میں جمع ہوتے، دو چار دن کے لیے سارے قصبے کا ماحول روحانیت سے بھر جاتا۔ ابھی تسمیہ خوانی بھی نہ ہوئی تھی کہ والدہ معظمہ نے تین نعتیں یاد کرادی تھیں اور روز رات کو آموختہ دوہرایا جاتا تھا۔ یہ نعتیں تھیں: (۱) واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا، (۲) چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے، اور (۳) ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیے ہیں۔ عرس میں اور بھی نعت خواں آتے اور اپنا کلام پیش کرتے۔ ابا حضرت اور عم محترم ایک ایک شعر پر اپنی جیبیں خالی کر دیتے۔ اپنے پیروں کی دیکھا دیکھی مرید بھی نذر دینی شروع کرتے۔ ابا حضرت اور عم محترم کے دئے ہوئے پیسے (نوٹ) پہنچانے کا فریضہ ہمارے حصے میں آتا تھا۔ تھوڑی دیر میں نعت خواں کے سامنے نوٹوں کا ڈھیر لگ جاتا تھا۔ ہم اپنی جگہ بیٹھے یہی سوچا کرتے کہ اگر ہم بھی نعت پڑھتے تو شاید ہمیں بھی اتنے ہی روپے ملتے۔ پھر ان روپوں کے جا اور بے جا مصرف کا ایک نقشہ بھی ہمارے ذہن میں تیار ہو جاتا۔

ایک دن ہم نے ہمت کر ہی لی۔ ہمارے دادا مرشد حضرت سیدنا ابوالقاسم سید شاہ اسمٰعیل حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا عرس آیا جسے عرس قاسمی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ عرس کا پہلا دن، کڑاکے کی سردی۔ فجر کی نماز کے بعد درگاہ شریف میں زائرین جمع تھے اور حلقہ ذکر چل رہا تھا۔ مارہرہ مطہرہ میں ہر عرس کی شروعات حلقہ ذکر سے ہی ہوتی رہی ہے۔ ہم بھی روئی کی مرزئی اور کنٹوپ پہنے درگاہ شریف پہنچ گئے۔ بچوں کو حلقے سے باہر ہی رکھا جاتا تھا۔ سو ہم درگاہ کے خادم انعام اللہ ممّا کے پاس جا کر بیٹھ گئے اور ان کی بڑی سی ناند میں سلگ رہے لال لال انگاروں کی گرمی کا مزہ لینے لگے۔ حلقہ ختم ہوا تو قرآن خوانی شروع ہو گئی۔ اب ہم بھی شامل ہو گئے۔ اس وقت تک ہم تین پارے حفظ کر چکے تھے۔ قرآن خوانی ختم ہونے کے بعد ٹین کے سائبان میں ہی لاؤڈ اسپیکر نصب ہوا اور مرحوم شمس الحسن برکاتی، جنھیں ہم سب بچے شمّو چچا کہتے تھے، عرس کی تقاریب کے آغاز کے طور پر قرآن عظیم کی تلاوت کرنے چوکی پر بیٹھ گئے۔ ہم بھی چوکی کے ایک کونے میں ان کے پاس جا کر بیٹھ گئے۔ جیسے ہی انھوں نے تلاوت ختم کی ہم نے مائیک پر قبضہ جما لیا اور نعت شروع کر دی: چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے۔ پوری نعت پڑھ ڈالی مگر کسی نے ہمیں ایک روپیہ بھی نذر میں نہ دیا۔ ہم بڑے ہارے ہوئے انداز میں چوکی سے اترے اور گھر آ گئے۔ امی جان نے پوچھا تو انھیں بتایا کہ ہم نے درگاہ شریف میں نعت پڑھی تھی۔ امی جان بہت خوش ہوئیں۔ اور کہا: شاباش، اسی طرح پڑھا کرو۔ خرقہ پوشی والی رات کو ہم نے شمّو چچا سے درخواست کی کہ وہ اگلے دن قل کی محفل میں ہم سے نعت پڑھوائیں۔ عرس کا آخری دن قل کا دن کہلاتا تھا اس دن دوپہر تک نعت و وعظ کی محفل ہوتی اور بعد میں آثار شریف کی زیارت کرائی جاتی اس دن بڑا زبردست مجمع ہوتا کیونکہ بیرونی زائرین کے علاوہ مقامی لوگ بھی شرکت

کرتے۔ شمّو چچا ہم پر بڑے مہربان تھے۔ انھوں نے ہم سے کہا: نعت پڑھنا ہے تو کل نو بجے تک درگاہ شریف پہنچ جانا۔
دوسرے دن ہم نو کی جگہ آٹھ بجے ہی درگاہ شریف پہنچ گئے۔ اس وقت قرآن خوانی ہو رہی تھی۔ ٹھیک نو بجے شمّو چچا نے مائیک سنبھالا اور زائرین عرس کے لیے اعلان کیا کہ جو لوگ باہر ادھر ادھر ٹہل رہے ہیں وہ درگاہ شریف میں آ جائیں۔ اس کے بعد انھوں نے ہمیں اشارہ کیا۔ ہم تو گویا اسی اشارے کے منتظر تھے۔ جھٹ سے چوکی پر پہنچ گئے۔ اور نعت شروع کر دی۔ ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیے ہیں۔ ہم جب اس شعر پر پہنچے: اللہ کیا جہنم اب بھی نہ سرد ہوگا۔ رو رو کے مصطفیٰ نے دریا بہا دیے ہیں۔ تو ہمارے سامنے بیٹھے ہوئے ایک برکاتی بھائی نے رونا شروع کر دیا۔ ان کے پاس بیٹھے ہوئے ایک اور برکاتی بھائی نے نعرۂ تکبیر بلند کر دیا۔ ہمیں بھلا کہاں اس کا محاورہ تھا۔ ہم گھبرا گئے۔ مگر چوکی نہ چھوڑی۔ جیسے ہی اگلا شعر ہم نے پڑھا ایک تیسرے صاحب اٹھے اور ہمیں ایک روپے کا نوٹ پیش کیا۔ ہم نے شمّو چچا کی طرف دیکھا۔ انھوں نے ان صاحب کے ہاتھ سے نوٹ لے کر ہمارے ہاتھ میں تھما دیا۔ نعت کے چار اشعار ختم کرتے کرتے ہمیں پانچ دس روپے تو مل ہی گئے۔ نعت ختم کر کے ہم چوکی سے تقریباً کود کر اترے اور سیدھے گھر کی راہ لی۔ امی جان کے سامنے ہم نے اپنی ساری کمائی رکھ دی اور انھیں بتایا کہ ہمیں نعت پڑھنے پر یہ رقم ملی ہے۔ امی جان نے کہا: بیٹے تمھیں یہ نہیں لینی چاہیے تھی۔ جاؤ یہ روپے انعام اللہ مما کو دے آؤ۔ یہ ان کا حصہ ہے۔ بادل نخواستہ ہم درگاہ شریف گئے اور اپنے سارے روپے انعام اللہ مما کو دے آئے۔ مگر یہ الجھن ضرور رہی کہ آخر امی جان نے ہمارے پیسے انعام اللہ مما کو کیوں دلوائے۔
عرس کی تقاریب شام تک ختم ہو گئیں اور زائرین اپنے اپنے ٹھکانوں کو لوٹنے لگے۔ شام کو جب ہم سب ابا حضرت کے پاس بیٹھے تھے تو انھوں نے امی جان کو مخاطب کر کے کہا: سنتی ہو، شمّو نے بتایا، آج تمھارے للاّ نے نعت پڑھی اور روپے کمائے۔ امی جان نے کہا: جی ہاں، یہ مرید لوگ ابھی سے بچے کی عادت خراب کیے دیتے ہیں۔ میں نے سب روپے انعام اللہ مما کو دلوا دیے۔ ابا حضرت ہنسے اور فرمایا: ارے بھئی، وہ روپے تو للا کے ہی تھے۔ اس کی محنت کا پھل اور میرے اعلیٰ حضرت کا فیض۔ اس وقت ہم نے ابا حضرت سے پوچھا تھا: ابا، یہ اعلیٰ حضرت کون ہیں؟
آج ہم بڑھاپے کی سرحد سے گزر رہے ہیں، آج تک ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ اعلیٰ حضرت کون ہیں؟ ایک جید عالم دین؟ ایک متبحر فقیہ؟ ایک ماہر علوم قرآنی؟ ایک عظیم محدث؟ ایک کثیر التصانیف قلم کار؟ ایک چابک دست جفّار؟ ایک ماہر لسانیات؟ ایک مایہ ناز نعتیہ شاعر؟ یا پھر بقول علامہ ہمدانی صاحب ایک مظلوم مفکر؟ ہم نے آج تک اعلیٰ حضرت کے بارے جو کچھ پڑھا اور اپنے خاندان کے بزرگوں سے جو کچھ سنا، اس کی روشنی میں ہم صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت ایک سچے عاشق رسول تھے۔ انھوں نے اپنے ہمہ گیر علم اور اپنے مرشد کی دعاؤں سے روحانی زندگی کا یہ اہم راز جان لیا تھا کہ پہلے فنا فی الشیخ ہو جاؤ، پھر فنا فی الرسول اور آخر میں فنا فی اللہ۔ اعلیٰ حضرت علم، عشق اور عمل کے ایک ایسے مثلث تھے جس کے ہزار زاویے۔
اعلیٰ حضرت گمنام رہے، ایسا بھی نہیں۔ ان کی شہرت، ان کی عظمت، ان کی علمیت، ان کی فقہی بصارت کا لوہا تقریباً ہ

بڑا اعظم نے مانا۔ ابھی حال ہی میں ایک صاحب نے بتایا کہ انھوں نے چین کی ایک مسجد میں لوگوں کو مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام پڑھتے سنا۔ یہ اعلیٰ حضرت پر اس مقدس ذات گرامی کا کرم ہے جس کے لیے قرآن میں و رفعنا لک ذکرک کا روشن بیان موجود ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

یہ ہمدانی صاحب بھی عجیب شخصیت کے مالک ہیں۔ ایک اعلیٰ درجہ کے تاجر، ایک مصروف ترین بزنس مین، گروہ وہابیہ کے لیے اسکڈ میزائل، پھر بھی سو سے زیادہ کتابوں کے مصنف، کتابیں بھی کیسی! ویسی نہیں کہ قلم اٹھایا اور صنعت اقتباس سے استفادہ کرکے یعنی دوسروں کی کتابوں کا یہاں وہاں سے مضمون اڑا کر اکٹھا کر دیا اور بن بیٹھے مصنف۔ اتنی مصروف زندگی کے باوجود ہمدانی صاحب نے اب تک جو کچھ بھی لکھا ہے، بہت کچھ لکھا ہے اور بڑی جانفشانی اور محنت سے لکھا ہے۔ ان کے کام کرنے کا انداز بالکل ایک ریسرچ اسکالر کی طرح ہے۔ پہلے وہ اپنا موضوع منتخب کرتے ہیں، اور یہ موضوع عام روش سے ہٹ کر ہی ہوتا ہے، پھر وہ اس موضوع کے مختلف پہلوؤں کا باریکی سے جائزہ لیتے ہیں۔ بعدازاں وہ اپنے موضوع کو نبھانے کے لیے علمی لوازمات اور حوالہ جات اکٹھے کرتے ہیں۔ اور پھر شروع ہو جاتے ہیں۔ میں نے ان کی تقریباً ہر تصنیف کا مسودہ دیکھا ہے۔ وہ اپنی تحریر کو اس طرح سجاتے ہیں کہ مسودہ طبع شدہ کتاب سے زیادہ خوبصورت نظر آتا ہے۔ وہ ایک اچھے خاصے آرٹسٹ بھی ہیں۔

کچھ برس پہلے جب میں پوربندر گیا تھا اور ہمدانی صاحب کے ہی دولت کدہ پر ٹھہرا تھا، اس وقت ہمدانی صاحب نے تذکرہ کیا تھا کہ ایک کتاب شروع کی ہے جس میں فن شاعری کے مختلف پہلوؤں کو لے کر اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔ میں نے اس وقت سوچا تھا کہ شاید ہمدانی صاحب اپنی کتاب کا انداز یہ اپنائیں کہ اردو شاعری کی مختلف اصناف کا بیان کریں، ان میں اعلیٰ حضرت کی نعتوں اور دوسری تخالیق کا ذکر کر کے کتاب مکمل کر لیں۔ مگر اب جو یہ کتاب میرے سامنے آئی ہے تو میری تو آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔

برسوں ہو گئے مجھے بھی شاعری کرتے ہوئے مگر آج تک فن شاعری کے بارے میں مجھے بھی وہ کچھ معلوم نہ تھا جو ہمدانی صاحب نے اپنی اس کتاب میں بتایا ہے۔ غالباً میں ہائی اسکول میں پڑھ رہا تھا جب ابا حضرت کی کتابوں میں ایک کتاب علم عروض پر دیکھی تھی اور ابا حضرت سے مانگ کر اسے پڑھنے کی کوشش بھی کی تھی۔ مگر میرے لیے اس کتاب کے مشتملات معمے کے اشاروں کی طرح تھے جو دائیں سے بائیں اور اوپر سے نیچے کے زاویوں میں لوگوں کو الجھا دیتے ہیں۔ میں نے اس معمے کے حل کی کوشش ترک کر دی اور کتاب ابا حضرت کے کتب خانے میں واپس رکھ آیا۔ جب میں اپنی پہلی نعت لکھ کر ابا حضور کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے نعت کی اصلاح تو کی ہی، ساتھ ہی یہ مشورہ بھی دیا کہ نعت کے میدان میں کچھ بننا ہے تو اعلیٰ حضرت کو پڑھو یعنی ان کے نعتیہ دیوان حدائق بخشش کا مطالعہ کرو۔ میں نے حدائق بخشش پڑھنی شروع کی اور۔۔۔ اور مجھے شاعری آ گئی۔ یہ سراسر حضرت رضا بریلوی کا روحانی فیض تھا۔

ہمدانی صاحب نے اپنی اس تصنیف میں فن شاعری کے مختلف پہلوؤں کو جس ماہرانہ، فنکارانہ اور مشاقانہ انداز میں

پیش کیا ہے اس کی بدولت یہ کتاب ہمارے کالجوں اور یونی ورسٹیوں کے اردو ادب کے نصاب میں شامل کیے جانے کے قابل ہوگئی ہے۔ اتنا ضرور کہوں گا کہ ہمدانی صاحب نے یہ کتاب لکھ کر مستقبل قریب میں اعلیٰ حضرت کی شاعری پر ریسرچ کرنے والوں سے ایک موضوع یقیناً چھین لیا ہے۔ مگر ساتھ ہی ساتھ آنے والی نسل کے محققین کے لیے یہ دعوت اور تحریک بھی پیش کی ہے کہ حضرت رضا کے نعتیہ کلام کو گہرائی سے دیکھیں، ہوسکتا ہے کہ اس سمندر کی تہ میں اور کئی موتی پوشیدہ ہوں۔

حضرت رضا بریلوی کو اردو ادب میں وہ مقام نہیں دیا گیا جس کے وہ مستحق تھے، اس بات کو لے کر ہمدانی صاحب نے اردو ادب کے ٹھیکے داروں کو کافی لتاڑا ہے۔ ان کا لتاڑنا بالکل صحیح ہے۔ آج کل لچر سے لچر مضمون باندھنے والے شاعر کو بھی اردو ادب والوں نے کوئی نہ کوئی مقام دے رکھا ہے۔ مگر ایک ایسے شاعر کو گمنامی کی سزا صرف اس لیے سنائی گئی ہے کہ وہ نعتیہ شاعر ہے۔ جبکہ میرا دعویٰ ہے کہ غزل کہنے سے کہیں زیادہ مشکل کام نعت کہنا ہے۔ میں نے ایک ملاقات میں مجروح سلطان پوری سے پوچھا تھا کہ آپ اتنے اچھے شاعر ہیں پھر بھی آپ نے نعت کی طرف کوئی توجہ کیوں نہیں کی؟ مرحوم نے کہا تھا: میاں سفر حج سے واپسی پر کوشش کی تھی کہ نعت کہوں مگر ہاتھ کانپنے لگے اور قلم نے ساتھ نہیں دیا۔ غزل کا معاملہ اور ہے۔ کچھ بھی لکھو کوئی پوچھنے والا نہیں ہے کہ بھائی یہ کیوں لکھا۔ مگر نبی کی شان میں لکھتے وقت ہزار بار خیال آتا ہے کہ کہیں قلم سے کوئی ایسی بات نہ نکل جائے جو قابل گرفت ہو۔ نعت میں جو لغزش ہوئی تو دنیا والے الگ لعنت بھیجیں گے اور اللہ کا قہر الگ نازل ہوگا۔ اس لیے میاں، اپنی غزل ہی ٹھیک ہے۔

دراصل اس طرح کا خوف ان لوگوں کو ہوتا ہے جن کے پاس دینی شعور یا دینی علم کی کمی ہوتی ہے۔ ایک باعمل عالم دین یہ جانتا ہے کہ قلم کی آزادی کہاں سے شروع ہوتی ہے اور کہاں ختم ہوتی ہے۔ اچھے برے میں امتیاز علم کے ذریعہ آتا ہے، مگر اسی علم کے ذریعہ جس کی اساس قرآن اور رسول کے فرمان پر ہو۔ امام الکلام حضرت رضا بریلوی کو اللہ تعالیٰ نے علم الانسان ما لم یعلم کے اتھاہ خزانے سے کچھ قطرے عطا فرمائے اور یہ عطا ان کے آقا و مولیٰ سید عالم ﷺ کے صدقہ و طفیل میں ملی تھی۔ اعلیٰ حضرت نے اپنی زندگی کا ایک سطری مشن مقرر کیا تھا وہ یہ تھا: رسول اللہ ﷺ سے ایسی محبت کرو جیسی محبت کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ حضرت رضا بریلوی نے اس مشن کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا۔ دین وسنیت کے فروغ کی راہ میں ان کی ایک ہزار سے زیادہ تصانیف کی بات تو بہت بڑی ہو جائے گی، صرف ان کا دیوان حدائق بخشش ہی انھیں امتیازی حیثیت دلانے کے لیے کافی ہے۔ یہاں مجھے اپنے برادر بجان برابر سید محمد اشرف برکاتی کے چار مصرعے پیش کرنے کی اجازت دی جائے جو انھوں نے اعلیٰ حضرت کے مخالفین کے سامنے ایک چیلنج کی صورت میں رکھے ہیں: وہ کہتے ہیں:۔

منارِ قصرِ رضا تو بلند کافی ہے | تم اس کے ایک ہی زینے پہ چڑھ کے دکھلا دو
فتاوائے رضویہ تو اک کرامت ہے | ذرا حدائق بخشش ہی پڑھ کے دکھلا دو

دنیا کے تمام بڑے شعراء نے محبوب کے زلف و رخسار؛ حسن و ادا، سراپا (نکھ شکھ)، شباب، خوبی گفتار، جادوئے رفتار غرض ہر ہر ادا کی تعریف میں قلم اٹھایا ہے۔ انگریزی میں شیلی، ٹینی سن، بائرن، براؤننگ نے بہاریہ نظمیں لکھیں۔ ان میں

سے کچھ نظمیں تو اتنی عریاں ہیں کہ انگریزی ادب کی بہت آگے کی کلاسوں میں پڑھائی جاتی ہیں۔ ہندی میں بہاری ست سئی کے سات سو دوہوں میں سے کئی ایک دوہے ایسے ہیں جو منظر عام پر پڑھے جانے کے قابل نہیں ہیں۔ اردو ادب میں کئی شاعروں نے ایسے کلام لکھے ہیں جن میں محبوب کے سراپا کا ذکر ایسے بے باکانہ اور عریاں انداز میں کیا گیا ہے کہ وہ ادب لطیف کی جگہ ادب غلیظ بن کر رہ گئے ہیں۔ نعت کے میدان میں اس طرح کی کوئی آزادی نہیں ہے۔ نعت کہنا یعنی بر دم تیغ قدم رکھنا۔ حضرت رضا بریلوی نے اپنے کلام سے اردو شاعری کو ایک نیا وقار عطا کیا۔ ہمدانی صاحب نے لکھا ہے کہ مسلکی اختلاف رکھنے والوں کی گھنونی سازش سے حضرت رضا کو اردو ادب میں ایک شاعر کی حیثیت سے کوئی مقام نہیں دیا گیا۔ یہی ایک وجہ نہیں تھی، دراصل اردو والے، چاہے مسلکی ہوں یا غیر مسلکی (کمیونسٹ)، سب کو یہی خوف تھا کہ اردو ادب کے آسمان پر نعت کا سورج چمکا تو دوسروں کے چراغ ٹمٹمانے لگیں گے اور آخر میں بجھ ہی جائیں گے۔ رضا بریلوی اردو ادب کے ٹھیکیداروں کے لیے ایک ہوّا بن گیا۔ اس کے پاس اقبال سے کہیں زیادہ وسعت فکر تھی، غالب سے کہیں بڑھ کر رومانیت تھی، میر تقی میر سے کہیں زیادہ اونچی پرواز تخیل تھی، داغ دہلوی سے کہیں زیادہ زبان کی سلاست اور نشتریت تھی، جوش ملیح آبادی سے کئی گنا زیادہ ذخیرہ الفاظ تھا۔ جگر سے کہیں آگے کا تغزل تھا، فانی سے کئی گنا زیادہ مضمون کا تسلسل تھا۔ اس کے علاوہ اس کے پاس اور بھی بہت کچھ تھا جو اوروں کے پاس نہ تھا۔ اس کے پاس قرآنی علوم کی گہرائی تھی، حدیث رسول کی گیرائی تھی، فقہ حنفی کی محتاط روی تھی، مشرب قادریت کی متانت اور سنجیدگی تھی، اور اپنے پیر خانے یعنی مسلک برکاتیت کی درویشیت تھی۔ اور ان سب سے بڑھ کر اس کے پاس عشق رسول کی دولت تھی۔ آل رسول کی محبت تھی۔ اپنے مقصود کو ایسے چاہنے والے ہزاروں میں ایک ہوئے ہیں۔

میرے دادا حضور خاتم الاکابر سیدنا شاہ آل رسول احمدی نے حضرت رضا بریلوی کو اپنی بیعت و خلافت سے نوازا۔ اور اس کے بعد فرمایا: ایک عرصہ سے مجھے یہ فکر دامن گیر تھی کہ کل محشر کے روز میرا رب مجھ سے پوچھے گا آل رسول ہمارے لیے کیا لایا؟ تو میں کیا جواب دوں گا؟ مگر بفضلہ تعالیٰ آج وہ فکر دور ہوگئی۔ اب محشر کے دن رب پوچھے گا آل رسول ہمارے لیے کیا لایا؟ تو میں عرض کروں گا: احمد رضا کو لایا۔ دنیائے ارادت میں غالباً اپنی نوعیت کا یہ پہلا واقعہ ہے جب ایک مرشد اپنے رب کے حضور تحفے کے طور پر اپنے ایک مرید کو پیش کرنے کی خواہش ظاہر کر رہا ہے۔ دراصل شاہ آل رسول احمدی کی آنکھیں نوجوان احمد رضا کے اندر چھپے ہوئے اس مجدد کو دیکھ رہی تھیں جس کے قلم سے مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کے دین کی اشاعت کی راہ میں بیش قیمت تصانیف نکلنے والی تھیں، جو اپنے وقت کا ایسا عظیم عاشق رسول ہوگا کہ دشمنان رسول اس کی جان کے درپے رہیں گے۔ اور وہ اپنے مخالفوں کی دشنام طرازیوں کو یہ کہہ کر قبول کرے گا: مجھے برا کہتے ہیں تو کہنے دو، جتنے وقت تک وہ مجھے برا کہتے ہیں اتنے وقت تک کم از کم وہ میرے آقا و مولیٰ کی شان میں گستاخی کرنے سے تو دور رہتے ہیں۔ شاہ آل رسول احمدی نے یقیناً حضرت رضا بریلوی کے اندر چھپے ہوئے نعت گو شاعر کا بھی مشاہدہ کر لیا تھا۔ ان کے ولی عہد قطب مارہرہ سیدنا ابوالحسین احمد نوری نے **هل جزاء الاحسان الا الاحسان** کے بمصداق حضرت رضا بریلوی کو چشم و

چراغ خاندان برکات کے لقب سے نواز کر دنیا کو یہ جتلا دیا کہ دیکھو ہم سید زادے بخیل نہیں ہیں۔ احمد رضا نے ہمارے جان کے عشق میں خود کو فنائیت کے مقام پر لا کر کھڑا کر دیا تو اب وہ اہل بیت میں سے ہو گیا۔ اب وہ ہمارے خاندان کا ایک فرد بن گیا۔ اب ہر اس جگہ اس کا نام لیا جائے گا جہاں ہمارے خاندان کا ذکر کیا جائے گا۔ ع

خان زادہ سیدوں کا اعلیٰ حضرت بن گیا

علامہ عبدالستار ہمدانی صاحب کی طبیعت میں بڑی ضد ہے۔ وہ بڑے ہٹیلے ہیں۔ آج تک دنیا میں تین طرح کی ہٹ مشہور ہیں: راج ہٹ، بال ہٹ اور تریا ہٹ۔ میرے خیال سے اس میں ایک اور ہٹ کا اضافہ کر دیا جائے اور وہ ہے ہمدانی ہٹ۔ بہت پہلے ہمدانی صاحب نے مجھ سے کہا تھا کہ میں ایک کتاب اعلیٰ حضرت کی شاعری پر ترتیب دے رہا ہوں اس کی تقریظ آپ کو لکھنی ہے۔ میں نے اپنی مصروفیت کا بالکل سچا عذر پیش کیا۔ مگر ان کے بات کرنے کا انداز اتنا مسحور کن ہے کہ سامنے والے کے پاس انکار کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ مجھے کہنا ہی پڑا: ٹھیک ہے۔ وقت ملا تو ان شاء اللہ ضرور تقریظ لکھ دوں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ کا حکم یوں ہوا کہ میرا تبادلہ شیلانگ جیسے دور دراز علاقے میں ہو گیا۔ میں نے سوچا چلو اس طرح ہمدانی صاحب کی گرفت سے بچنے کا موقع ہاتھ آیا۔ مگر ہمدانی صاحب جسے پکڑتے ہیں اسے چھوڑتے نہیں۔ میرے ساتھ ان کا معاملہ بہت قریب کا ہے، ان کے اور میرے معاملات اور روابط میرے جد کریم سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے اس فارمولے پر مبنی ہیں: ان کا دوست میرا دوست اور ان کا دشمن میرا دشمن۔ ہمدانی صاحب جن دنوں زنداں میں تھے، ایک بار میں ان سے ملنے گیا تھا۔ اس وقت انھوں نے اپنی کچھ تصانیف کے مسودے مجھے دکھائے تھے۔ ایک لمحہ کے لیے میں تعجب میں پڑ گیا تھا کہ یہ شخص کس مٹی کا بنا ہے؟ اس کی پیشانی پر زنداں کی گھٹن کے آثار نہیں ہیں بلکہ زندگی کا نور ہے۔ اور وہ اس لیے کہ یہ کفار کی سرکار کی قید میں رہ کر دونوں عالم کے مختار، طیبہ کے تاجدار کے مشن کے فروغ کے لیے کام کر رہا ہے۔ میں نے ان سے کہا تھا: میں تو یہی دعا کر رہا ہوں کہ آپ یہیں رہیں، یہاں رہ کر آپ دین کی جتنی خدمت کر رہے ہیں وہ باہر رہ کر ممکن نہیں ہے۔ ان کے بچے جب بھی مجھ سے ان کی رہائی کے لیے تعویذ طلب کرتے اور میں تعویذ لکھنے کے لیے قلم اٹھاتا تو اللہ تعالیٰ کا حکم کچھ ایسا ہوتا کہ یا تو بسم اللہ شریف لکھنے میں ہی کوئی غلطی ہو جاتی یا تکسیر میں۔ اس طرح کئی دنوں تک ان کے لیے اپنے گھر کا بڑا تعویذ نہ لکھ سکا۔ مگر جب دوسری بار ان سے ملنے زنداں گیا تو ان کی صحت کی خرابی دیکھ کر میرا دل بھر آیا اور ممبئی واپسی پر میں تعویذ لکھنے بیٹھ گیا اور اس بار اللہ تعالیٰ کے حکم سے مجھے کامیابی ملی۔ ہمدانی صاحب باہر آ گئے اور ہم لوگوں کی عید ہو گئی۔

زیر نظر کتاب کے پیش لفظ میں ہمدانی صاحب نے میرے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ صنعت مبالغہ کے تحت آتا ہے۔ میں خود کو ان کا چھوٹا بھائی سمجھتا ہوں کیونکہ وہ عمر اور علم میں مجھ سے کہیں زیادہ بڑے ہیں۔ ان کا تجربہ بھی مجھ سے کہیں زیادہ ہے۔ یہ تو ان کی منکسر المزاجی ہے کہ وہ مجھے اتنی عزت سے یاد کرتے ہیں۔ ان کی یہ کتاب میں نے سطر سطر پڑھی ہے۔ اس کی وجہ بھی جان لیجیے۔ ہوا یوں کہ مجھے ای میل سے کتاب موصول ہوئی۔ جب میں نے ڈاک بکسہ کھولا تو میری نظر

پہلے صفحے پر لکھی ایک سرخی پر پڑی جو اس طرح تھی: ''اس کی پوری تصحیح ہو چکی ہے۔'' مجھے پہلی ہی نظر میں بہت خراب لگا۔ گویا یہ سطر مجھے یہ جتانے کے لیے لکھی گئی ہے کہ میں اس کتاب کے مشتملات میں قلم نہ لگاؤں اور صرف تقریظ لکھ کر روانہ کر دوں۔ میں نے اپنا غصہ پی لیا اور کتاب کی ورق گردانی کرنے لگا۔ یا اللہ! تقریباً ہر صفحے پر املا و انشاء کی ایسی فاش غلطیاں کہ خود اردو کو بھی شرم آجائے۔ یہ محض پروف ریڈر کی لاپرواہی کا نتیجہ ہے۔ میں نے تصحیح شروع کی۔ اور تین دن کی لگاتار محنت کے بعد تین سو سے زیادہ اغلاط کی نشاندہی کر پایا۔ کچھ چھوٹی موٹی غلطیاں ابھی باقی ہوں گی اس کا مجھے اعتراف ہے۔ چونکہ ہمدانی صاحب نے یہ کتاب بڑی محنت سے لکھی ہے اور موضوع کے اعتبار سے یہ ایک معرکۃ الآرا تصنیف ثابت ہوگی، اس لیے میں نے اس کی تصحیح میں اتنا وقت صرف کیا۔

حضرت رضا بریلوی کی شاعری کا شاید ہی کوئی پہلو ہمدانی صاحب نے چھوڑا ہو۔ اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں ہمدانی صاحب نے کلام رضا اور اردو کے نام نہاد صف اول کے شعراء کے کلام کے درمیان جو تقابلی موازنہ کیا ہے وہ اردو ادب میں اپنی نوعیت کا منفرد کارنامہ ہے۔ کسی شاعر کے دیوان میں سے زلف، رخسار، چشم محبوب، بہار، گلشن، وغیرہ وغیرہ موضوعات پر کہے گئے اشعار ڈھونڈ نکالنا بہت آسان ہے۔ مگر عروض کی کس صنف میں کس صنعت کے تحت کون سا شعر کہا گیا ہے اس کی تلاش ایسی ہی ہے جیسے بھوسے میں سوئی تلاش کرنا۔ ہمدانی صاحب کو تحقیق کا شوق جنون کی حد تک ہے۔ یہاں بھی وہی جنون کارفرما ہے۔ کتاب پڑھنے کے بعد آپ خود جان جائیں گے کہ تقابلی موازنہ میں انھوں نے کتنی محنت اٹھائی ہے۔ کہاں کہاں سے اتنی باریکیاں اکٹھی کر کے لائے ہیں کہ بے اختیار منہ سے واہ واہ نکل جاتا ہے۔

ایک بات ضرور کہوں گا: کہیں کہیں ہمدانی صاحب نے بہت ہی مشکل زبان استعمال کی ہے۔ کہیں کہیں ان کے جملے کافی طویل ہو گئے ہیں۔ ایک جملہ شروع کر کے آگے بڑھتے بڑھتے ڈر سا محسوس ہونے لگتا ہے کہ یہ جملہ کہاں ختم ہوگا۔ زبان کو سہل بنایا جا سکتا تھا۔ مگر شاید ہمدانی صاحب نے ادق زبان کا استعمال اپنے موضوع کی مناسبت سے روا رکھا ہے۔ بہرحال یہ طے ہے کہ یہ کتاب نہ صرف رضویات میں ایک بیش بہا اضافہ ہے بلکہ پورے اردو ادب میں بھی ایک ایسا نیا باب ہے جو آگے آنے والی نسل کو یہ سمجھنے کی صلاحیت عطا کرے گا کہ نعت گوئی بھی ایک مستقل فن ہے اور اس دریا کی غواصی عشق مجازی کے کنویں میں غوطے لگانے سے کہیں زیادہ مشکل ہے۔

اتنا کچھ لکھنے کے بعد سوچتا ہوں کہ ہمدانی صاحب کی ضد پوری کر پایا یا نہیں؟ انھیں نظمی کے قلم سے نکلی تقریظ درکار تھی۔ معلوم نہیں کہ نظمی ہمدانی صاحب کے حسن ظن کے معیار پر پورا اترا یا نہیں؟

فیضیاب کلک رضا

سیّد آل رسول حسنین میاں نظمی مارہروی

سجادہ نشین، مارہرہ مطہرہ

شیلانگ، ۱۶ ر صفر المظفر ۱۴۲۳ھ

پیش لفظ

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم
ریڈر شعبہ علوم اسلامیہ ہمدرد یونی ورسٹی، نئی دہلی

رہبر کی رہِ نعت میں گر حاجت ہو نقش قدم حضرت حسّان بس ہے

یہ شعر امام اہل سنت مولانا احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا ہے۔ اس کے مصرع ثانی میں حضرت
سے مراد شاعر النبی حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی ہے۔ یہ حضرت حسان وہی ہیں جن کی مو
شاعری کی عظمت وسربلندی کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اَللّٰھم اَیِّدْہُ بِرُوحِ القُدُسِ کے ذریعہ دعا فرمائی وہ دعا بارگا
میں مقبول ہوئی جس کا اثر یہ ہوا کہ حضرت حسان بن ثابت پوری دنیا میں شعر وسخن کا ملکہ رکھنے والے نعت گو شعرائے
کے امام بن گئے۔ دنیائے نعت نگاری میں ان کی امامت وسیادت کا جو سکہ ابتدائے اسلام میں جاری ہوا وہ تادم تحریر ج
ہے اور ان شاء اللہ تا قیام قیامت جاری وساری رہے گا۔

نعت گو شعرائے کرام نے حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کی شخصیت سے کس قدر استفادہ کیا ہے اس کا اندا
ان نعت گو شعراء کی نگارشات کے مطالعہ کے بعد لگایا جاسکتا ہے۔ البتہ بیسویں صدی کی عظیم نعت گو شخصیت حضرت م
احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ والرضوان جنہیں دنیائے شعر وسخن میں ''حضرت رضا بریلوی'' سے جانا جاتا ہے انہوں نے ن
نگاری میں نہ صرف قرآن واحادیث کے مضامین باندھے بلکہ دنیائے نعت میں حضرت حسان کو اپنا قائد ورہنما بنا کر ن
نگاری کی عظمت کو دوبالا کردیا۔

حضرت رضا بریلوی کا علمی مقام ومرتبہ کیا ہے اپنے اور بے گانے سبھی جانتے ہیں فرق صرف اتنا ہے کچھ لوگ ا
پڑھ کے جانتے ہیں اور کچھ لوگ صرف سن کر ہی ان کی عظمت کے معترف ہیں۔ یہاں ان کے فضائل ومناقب کا ذکر کر
ان کا علمی قد بلند کرنا مقصود نہیں بات صرف اتنی سی ہے کہ حضرت رضا بریلوی کا آشیانہ علم وفضل کی جس بلندی پر ہے اس
رسائی بیسویں صدی میں بہت ہی کم ارباب فضل وکمال کو ہوئی۔ جن اصحاب فکر ونظر نے ان کی شخصیت کا مطالعہ براہ راس
ان کی تصانیف سے کیا ہے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ بیسویں صدی میں جو سربرآوردہ شخصیتیں گذری ہیں، ان میں ک

ایک تو کسی کو دوسرے فن میں کمال تھا۔ مگر قربان جائیے حضرت رضا بریلوی کی علمی عبقریت پر ان کی نظر تمام علوم وفنون پر یکساں تھی۔ وہ بیک وقت کئی فنون اور مضامین پر نہ صرف درک رکھتے تھے بلکہ انہوں نے ہر فن میں اپنی قلمی نگارشات بھی چھوڑی ہیں۔ متعدد فنون میں چھوٹی بڑی ایک ہزار تصانیف ان سے یادگار ہیں۔ اس تعلق سے تفصیلی معلومات کتب سوانح میں دیکھی جاسکتی ہے۔

راقم کی معلومات کے مطابق ہندوستان کا یہ واحد عالم اور ادیب وشاعر ہے جس کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر ریسرچ وتحقیقی سرگرمیاں پورے عالم اسلام میں جاری ہیں اور خود برصغیر میں بیسویں صدی کے ربع آخر سے جس تیزی سے کام ہوا ہے وہ بھی قابل ستائش ہے اور عہدِ حاضر میں متعدد تحقیقی واشاعتی اداروں نے ان کی شخصیت کے اہم مخفی گوشوں کی تلاش اور اس کی اشاعت سے یہ ثابت کر دکھایا ہے۔

جو کچھ ہے اس صدی میں وہ تنہا رضا کا ہے

شعر وسخن ایک خداداد ملکہ ہے اس کا حصول ریاضت ومجاہدہ سے ممکن نہیں۔ حضرت رضا بریلوی کو اللہ تعالیٰ نے اس نعمت اور صلاحیت سے بھرپور نوازا تھا اور اس کی توفیق بھی بخشی تھی کہ وہ اپنی صلاحیت کا استعمال اس شخصیت کی تعریف و توصیف میں استعمال کریں جس کی شان اقدس میں اللہ رب العزت نے پورا قرآن کریم نازل فرمایا ہے۔ حالانکہ وہ اپنی شاعرانہ صلاحیت کو گل وبلبل، حسن وعشق، زلف وگیسو، شراب وکباب، سوز ودرد کی داستان کی نذر کر سکتے تھے۔ مگر نہیں جس طرح انہوں نے اپنی دیگر صلاحیتیں مذہب حق کی نشر واشاعت میں صرف کیں اسی طرح اپنی شاعرانہ صلاحیت کو بھی حمد خدا، نعت مصطفیٰ اور منقبت اولیاء میں استعمال کیا۔ جس کے طفیل ان کی شاعرانہ عظمت بلند سے بلند تر ہوگئی۔ اردو ادب کے دامن میں اگر صنف نعت کو کوئی جگہ ملتی تو بلاشبہ نعت گو شعراء میں حسان الہند حضرت رضا بریلوی سرفہرست ہوتے۔ اردو ادب کا دامن صنف نعت جیسی مقدس شاعری سے خالی ہے۔ اس میں کیا حکمت ومصلحت کارفرما ہے اس سلسلہ میں وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ البتہ اتنا مسلّم ہے کہ ان اردو کے مسیحاؤں میں اگر کوئی عاشق رسول ہوتا تو اردو کا دامن نعت جیسی مقدس صنف سے خالی نہیں رہتا۔ اردو ادب کے نصاب میں نعتیہ شاعری کی شمولیت کے سلسلہ میں نعت اکیڈمی الٰہ آباد، رضا اکیڈمی، بمبئی کے علاوہ انفرادی طور پر بھی کچھ کوششیں ہورہی ہیں۔ خدا کرے ان حضرات کی کوششیں بارآور ہوں اور نعتیہ شاعری کو عالمی ادب کے تناظر میں دیکھنے اور پرکھنے کا موقع فراہم ہو۔

حضرت رضا بریلوی وہ واحد شاعر ہیں جن کا نعتیہ سلام "مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام" اور چہار لسانی نعت "لم یات نظیرك فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا" برصغیر میں ہی نہیں بلکہ پورے عالم اسلام میں جہاں جہاں اردو خواں حضرات ہیں بڑی دلچسپی سے سنا اور پڑھا جاتا ہے۔

دینی مزاج رکھنے والے شعراء میں مدحت رسول کا مضمون باندھنے والے شاعروں کی کمی نہیں مگر جو عشق رسالت کی تڑپ اور محبت رسول کی جھلک حضرت رضا بریلوی کی شاعری میں ملتی ہے وہ دوسرے شعراء کے یہاں مفقود ہے۔ اگر کہیں

ملتی بھی ہے تو صرف بعض اشعار میں مگر اس کے برخلاف جب رضا بریلوی کی شاعری کا تجزیاتی مطالعہ کیا جاتا ہے تو ایسا
ہے کہ کوثر و تسنیم سے ڈھلی ہوئی زبان۔ ''ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر''۔ کا اہتمام کرتے ہوئے مدحت رس
میں مسلسل عطر بیزی کرتی ہوئی چلی جاتی ہے۔ ایک دو شعر یا ایک دو نعت نہیں بلکہ پورا دیوان سرکار دو عالم ﷺ سے والہ
عشق و محبت کا آئینہ دار بن جاتا ہے۔ یہی وہ قدر مشترک ہے جو عرب نژاد شاعر حضرت حسان بن ثابت اور ہند نژاد ش
حضرت رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری میں پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ فگن ہے۔ اس بنیاد پر اگر رضا بریلوی کو حسان ال
کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

ہمیں خوشی ہے کہ ہندوستان کے ماہر رضویات مشہور عالم دین حضرت مولانا عبدالستار ہمدانی جو صرف شعر پسند ہی نہ
بلکہ بذات خود نعت گو شاعر بھی ہیں۔ اور دنیائے شعر و سخن میں انہیں ''مصروف'' سے جانا اور پہچانا جاتا ہے۔ انہوں نے ''ف
شاعری اور حسان الہند'' لکھ کر دنیائے رضویات میں ایک گراں بہا اضافہ کیا ہے۔ کثرت مشاغل اور مسلسل اسفار ک
باعث کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ تو نہ کر سکا البتہ جستہ جستہ جس قدر بھی دیکھا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف نے ف
شاعری کو رضا بریلوی کی شاعرانہ عظمت کے آئینے میں دیکھنے اور رضا بریلوی کی شاعرانہ عظمت کو فن شاعری کی کسوٹی
پر پرکھنے کی ایک کامیاب کوشش کی ہے۔

حضرت مولانا عبدالستار ہمدانی صاحب گجرات کے نامور عالم دین ہیں ان کی قلمی و علمی نگارشات متعدد موضوعات
آئے دن زیور طبع سے آراستہ ہو کر اہل علم و صاحب قلم حضرات کے مطالعہ میز کی زینت بنتی رہتی ہیں۔ جس موضوع پر بھی قلم
اٹھاتے ہیں موضوع کا حق ادا کرنے کی بھرپور جدوجہد کرتے ہیں زیر نظر کتاب اس دعویٰ کی دلیل میں پیش کی جا سکتی ہے
مصنف نے فن شاعری کے جس بحث کو بھی عنوان قلم بنایا ہے معاصر اردو ادب کے نامور شعراء سے مثالیں دے کر حضرت
رضا بریلوی کی شاعرانہ عظمت کو خراج پیش کیا ہے۔ زبان صاف اور شستہ استعمال کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے۔ اگر اس
کتاب پر اس مقصد سے ایک طائرانہ نظر اور ڈال لی جائے تو زیر نظر کتاب سے عوام و خواص یکساں مستفید ہو سکیں گے۔

دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ کتاب و صاحب کتاب دونوں کو قبولیت اور سربلندی سے سرفراز فرمائے اور قارئین حضرات
کو حضرت رضا بریلوی کے طفیل سرکار دو عالم ﷺ سے سچی عقیدت اور والہانہ محبت کرنے کی توفیق رفیق عنایت فرمائے۔
(آمین)

غلام یحییٰ انجم
جامعہ ہمدرد، دہلی
یکم مارچ ۲۰۰۲ء



آغازِ سخن

پیار، محبت، چاہ، اُلفت، وِلا، حُبّ، وارفتگی، نثار، رغبت، پریم، مہر، اُنس، وغیرہ ''عشق'' کے الگ الگ نام ہیں اور اُس عشق کے نتیجے میں فراق، ہجر، وصل، فرحت، شادمانی، رنج، الم، غم، کلفت، درد، آہ، بُکا، گریہ، خندہ، خوشی، غمی، زاری، بے قراری، بے چینی، سکون، راحت، اضطراب، فُغاں، انبساط، تعریف، توصیف، مدح، ثناء، ستائش، ہجو، زخم، نشتر، وفا، جفا، وغیرہ کیفیت وحالت رونما ہوتی ہیں۔ اُن تمام کیفیات کا سیدھا اثر دل پر ہوتا ہے۔ اور یہ کیفیات اُسے ہی میسر ہوتی ہیں جو عشق کے سمندر میں غوطہ زن ہوتا ہے۔ بقول حضرت سید العلماء علیہ الرحمہ

محبت کرنا آساں ہے مگر مشکل ہے یہ سیّدؔ
کہ عمریں بیت جاتی ہیں محبت آزمانے میں

(سیّد مارہروی)

ایک عاشق کہ جس کو کسی کا عشق میسر ہوتا ہے وہ عشق کے نتیجے میں حاصل ہونے والی کیفیات سے اتنا مؤثر ہوتا ہے کہ وہ ہر لمحہ ولحظہ اُن کیفیات کے زیر اثر رہتا ہے۔ پھر چاہے وہ کیفیات سُرور وانبساط ہوں یا پھر غم واندوہ ہوں۔ کیفیت سُرور کے عالم میں اُس کا دل مچلتا ہے اور کیفیتِ غم کے وقت اس کا دل تڑپتا ہے۔ وہ غم وخوشی کو محسوس ضرور کرتا ہے لیکن اپنے احساسات کا اظہار نہیں کرسکتا۔ بقول شاعر:-

یہ وہ نازک حقیقت ہے، جو سمجھائی نہیں جاتی

ایک عاشق کے دل میں جذباتِ عشق کی جب بہتات ہوتی ہے، تب وہ جذبات اُچھل اُچھل کر دیوارِ دل عبور کر کے باہر نکلنے کو مچلتے ہیں۔ اور دل کے وہ بیتاب جذبات الفاظ کا لبادہ پہن کر مُہذّب انداز میں ایوانِ دل سے باہر تشریف لانے کی کوشش کرتے ہیں اور اسی کو شاعری کہتے ہیں۔ حُروف مرکّب ہو کر الفاظ بنتے ہیں اور الفاظ کے موتی بشکل لڑی جملہ اور کلمہ بنتے ہیں یا یوں کہو کہ الفاظ کے شاداب پھول گلدستہ کی شکل میں بطور جملہ صفحۂ قرطاس پر مہکتے ہیں۔ ہر شاعر کی شاعری اُس کے جذباتِ دل کی عکاسی ہوتی ہے۔ بقول شاعر:-

شاعری کیا ہے جذبۂ دل کا اظہار ہے

اس کے کلام سے اس کے دل کی کیفیت کا بآسانی اندازہ ہوجاتا ہے۔ اس کے پوشیدہ رازِ دل اُس کے اشعار سے عیاں وآشکار ہوجاتے ہیں۔ بقول شاعر:

کھلتا کسی پہ کیوں میرے دل کا معاملہ

انسان کے عشق کو دو اقسام میں منقسم کیا گیا ہے: (۱) عشقِ حقیقی اور (۲) عشقِ مجازی۔ لٰہذا اب یہ امتیاز کرنا پڑے گا کہ

اُس عاشق کے دلی جذبات عشقِ حقیقی کے تحت ہیں یا عشقِ مجازی کے زیرِ اثر ہیں۔ عشقِ حقیقی مُستحسن ہے بلکہ روحِ ایمان کی حیات ہے۔ عشقِ حقیقی کا اِطلاق اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ، اس کے محبوبِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یا دینِ اسلام اور اسلامی شخصیتوں کے ساتھ ''اَلْحُبُّ لِلّٰہِ'' کے جذبۂ صادق کے تحت کئے جانے والے عشق پر ہوتا ہے۔ عشقِ مجازی دنیا اور دنیاداروں کے ساتھ کئے جانے والے عشق کو کہتے ہیں اور اس عشق کو اگر شریعتِ مطہرہ کے دائرے میں محدود رکھا جائے تو جائز اور روا ہے۔ شریعتِ مطہرہ کے قوانینِ قاہرہ کے حدود سے تجاوز کر کے فسق وفجور، شہوت ونفسانی خواہشات وغیرہ مذموم اطوار سے کیا جانے والا عشق لائقِ تنفّر اور ملامت ہے۔ اور یہی حکم اُس عشق کے جذبے کے تحت کی جانے والی شاعری کا۔

قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ

''وَ الشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ، اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ، وَ اَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ''

(پارہ۱۹، سورۃ الشعراء، آیت ۲۲۵۔۲۲۶)

ترجمہ: ''اور شاعروں کی پیروی گمراہ کرتے ہیں۔ کیا تم نے نہ دیکھا کہ وہ ہر زمانے میں سرگرداں پھرتے ہیں''۔

(کنزالایمان)

اس آیت کی شانِ نزول میں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ آیت شعرائے کفّار کے حق میں نازل ہوئی ہے، جو سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں شعر کہتے تھے اور کہتے تھے کہ جیسا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں، ایسا ہم بھی کہہ لیتے ہیں اور اُن کی قوم کے گمراہ لوگ اُن سے اُن اشعار کو نقل کرتے تھے۔ اُن لوگوں کی اس آیت میں مذمت فرمائی گئی۔ نیز شعراءِ کفّار ہر طرح کی باتیں بناتے ہیں اور ہر لغو باطل میں سخن آرائی کرتے ہیں۔ جھوٹی مدح کرتے ہیں۔ جھوٹی ہجو کرتے ہیں۔ (تفسیر خزائن العرفان)

بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے کہ ''اگر کسی کا جسم پیپ سے بھر جائے تو یہ اُس کے لیے بہتر ہے کہ شعر سے پُر ہو''۔

لیکن شعرائے اسلام کہ جو اس طریقہ سے اجتناب کرتے ہیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ سورۂ شعراء کی مذکورہ آیات نمبر ۲۲۵/اور ۲۲۶ کے بعد فوراً آیت نمبر ۲۲۷ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ

''اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ ذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا''

ترجمہ: ''مگر وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے۔ اور بکثرت اللہ کی یاد کی''۔ (کنزالایمان)

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس میں شعراء اسلام کا استثنیٰ فرمایا گیا ہے۔ وہ کہ جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد لکھتے ہیں، حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت لکھتے ہیں، اسلام کی مدح لکھتے ہیں، پند ونصائح لکھتے ہیں، اس پر اجر وثواب پاتے ہیں۔ (تفسیر خزائن العرفان)

بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ مسجدِ نبوی میں حضرت حسّان کے لیے منبر بچھایا جاتا تھا، وہ اُس پر کھڑے ہوکر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مفاخر پڑھتے تھے اور کفّار ومشرکین کی بدگوئیوں کا جواب دیتے تھے اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے حق میں دعا فرماتے جاتے تھے۔

بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ ''اِنَّ بَعْضَ الشِّعْرَ لَحِکْمَۃٌ''یعنی ''بعض شعر حکمت ہوتے ہیں۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی مجلس مبارک میں اکثر شعر پڑھے جاتے تھے۔

اُمّ المومنین حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ''شعر کلام ہے، بعض اچھا ہوتا ہے، بعض بُرا۔ اچھے کو لو اور بُرے کو چھوڑ دو''۔

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ شعر کہتے تھے اور حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ ان سب سے زیادہ شعر فرمانے والے تھے۔

ملک عرب میں شاعری بہت رائج تھی۔ لہٰذا جب قرآن مجید نازل ہوا، تو کفار مکہ نے یہ افترا کیا کہ محمد (ﷺ) شاعر ہیں اور جو وہ فرماتے ہیں یعنی قرآن پاک، وہ شعر ہے اور اس سے ان کفار کی مراد یہ تھی کہ معاذ اللہ یہ کلام کاذب ہے۔ اُن کے رد میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

''وَ مَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَ مَا یَنْۢبَغِیْ لَهٗؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِیْنٌ'' (پارہ نمبر ۲۳، سورۂ یٰسٓ، آیت ۶۹)

ترجمہ: ''اور ہم نے ان کو شعر کہنا نہ سکھایا اور نہ وہ اُن کی شان کے لائق ہے۔ وہ تو نہیں مگر نصیحت اور روشن قرآن'' (کنزالایمان)

اس آیت میں کفارِ مکہ کا رد فرمایا گیا ہے کہ ہم نے اپنے حبیب ﷺ کو ایسی باطل گوئی کا ملکہ ہی نہیں دیا۔ اور یہ کتاب اشعار یعنی اکاذیب پر مشتمل نہیں کیونکہ کفار مکہ کی مُراد شعر سے کلام کاذب تھی۔ الحاصل! قرآنِ مجید میں جن اشعار کی مذمت کی گئی ہے اور حضور اقدس ﷺ سے جن اشعار کے صدور کی نفی کی گئی ہے، اُن اشعار سے مراد وہ اشعار ہیں جو کذب بیانی اور لغویات پر مشتمل ہیں۔

- ۸ھ جنگِ حنین (ہَوَازِن) کے دن حضور اقدس ﷺ اپنے بغلۂ بیضاء پر سوار تھے اور کفار پر اپنی عظمت کا اظہار فرماتے ہوئے رَجز اً یہ شعر ارشاد فرمارہے تھے کہ:

''اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ   اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ''

- بارگاہِ رسالت کے ایک شاعر تھے جن کا نام حضرت اعشیٰ بن مازن بن عمرو بن تمیم تھا۔ وہ بصرہ کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے ایک شعر بارگاہِ رسالت ﷺ میں پیش کیا جس میں عورتوں کی شکایت تھی۔ اس شعر میں ایک مصرعہ یہ تھا کہ

''وَ هُنَّ شَرٌّ غَالِبٌ لِمَنْ غَالَبَ''

حضور اقدس ﷺ نے اس مصرعہ کی اصلاح فرماتے ہوئے اس کو اس طرح بدل دیا کہ:۔

''اَمَنْ شَرٌّ غَالِبٌ لِمَنْ غَالَبَ'' (مدارج النبوۃ، اردو، جلد ۲، ص ۱۰۱۷)

بارگاہِ رسالت ﷺ کے شعرائے کرام کی فہرست بہت طویل ہے۔ چند شعرائے کرام کے اسمائے گرامی اس طرح ہیں

حضرت حسان بن ثابت   حضرت عبداللہ بن رواحہ

حضرت عامر بن اکوع | حضرت ابوسفیان بن الحارث
حضرت زہیر بن صرد جشمی | حضرت کعب بن مالک
حضرت عباس بن مرداس سلمی | حضرت عدی بن حاتم
حضرت حمید بن نور البلال | حضرت ابوالطفیل بن عامر بن واثلہ لیثی کنانی
حضرت ایمن بن خریمہ اسدی | حضرت اعشی بن مازن عمرو بن تمیم
حضرت ابوعبداللہ اسود بن سریع ساعدی تمیمی | حضرت لبید بن ربیعہ عامری

حضرت قیس بن عبداللہ عمرو بن عدس بن ربیعہ بن جعدہ المعروف ''نابغہ جعدی'' وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ارضاہم عنا۔

- حضور اقدس ﷺ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لیے مسجد نبوی شریف میں منبر رکھواتے تا کہ وہ اس پر کھڑے ہو کر حضور اقدس کی مدحت بیان کریں اور حضور اکرم کے دشمنوں کی ہجو اور مذمت کریں۔ ان کی اس خدمت سے خوش ہو کر حضور اقدس نے فرمایا کہ

''اِنَّ اللّٰهَ يُؤَيِّدُ حَسَّانًا بِرُوْحِ الْقُدُسِ مَا دَامَ يُنَافِحُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ''

ترجمہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ حسان کی روح القدس سے تائید کراتا ہے۔ جب تک وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے دشمنوں کی ہجو کرتے ہیں''۔ (مدارج النبوۃ)

- حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں کہ حسّان بن ثابت کا قول مشرکوں پر تیر کے آنے اور اس کے چبھنے سے زیادہ سخت تر ہے۔ اور فرمایا کہ حق تبارک وتعالیٰ جسے زبان عطا فرمائے اور گویائی کی طاقت وقدرت بخشے، اُسے چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ کی مدحت اور آپ کے دشمنوں کی ہجو اور مذمت میں کوتاہی نہ کرے۔
- ایک مرتبہ بنی تمیم کا وفد بارگاہِ رسالت میں آیا اور وہ لوگ حضور کی شان رفیع میں گستاخی کرنے لگے۔ بنی تمیم کا وفد اشعار پڑھ کر گستاخی کر رہا تھا۔ حضرت حسّان بن ثابت نے اسی وقت قصیدہ مرتب کیا اور بنی تمیم کے وفد کو ایسا دندان شکن جواب مرحمت فرمایا کہ بنی تمیم کو اپنے عجز کا اقرار واعتراف کر کے کہنا پڑا کہ محمد (ﷺ) کے شاعر ہمارے شاعر اور خطیب سے بہتر ہیں۔ نیز حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ حسّان مسلمانوں اور منافقوں کے درمیان علامت ونشانی ہیں۔ منافق ان کو دوست نہیں رکھتا اور مسلمان ان سے دشمنی وعداوت نہیں رکھتا۔ (مدارج النبوۃ)
- حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ کی مدح وثنا میں عرض کیا کہ:۔

''لَوْ لَمْ يَكُنْ فِيْهِ آيَاتٌ مُّبِيِّنَةٌ ... كَانَتْ بَدِيْهِيَةٌ بَيْنَكَ بِالْخَيْرِ''

- حضرت قیس بن عبداللہ بن عمرو المعروف ''نابغہ جعدی'' نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر حضور اقدس ﷺ کی شان میں ایک طویل قصیدہ مرتب فرمایا۔ اس قصیدہ میں وہ عرض کرتے ہیں کہ:۔

''اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ اِذَا جَآءَ بِالْھُدٰی وَ یَتْلُوْا کِتَابًا کَالْمُغْبِرِ بِیِرًّا''

حضرت نابغہ جعدی رضی اللہ عنہ کی نعت گوئی سے خوش ہو کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعا دی کہ ''لَا یَفْضُضِ اللّٰہُ فَاکَ'' یعنی اللہ تیرے منہ کو سلامت رکھے۔ حضور اقدس کی مبارک دعا کا یہ اثر ہوا کہ حضرت نابغہ جعدی کی عمر ایک سو اسی (۱۸۰) سال کی ہوئی لیکن ان کے منہ میں تمام دانت بہترین اور تمام لوگوں سے زیادہ سخت ترین تھے۔

- عہد رسالت میں ملک عرب میں عربی شاعری کا جادو پھیلا ہوا تھا۔ بڑے بڑے نامور شعراء نے بزبانِ فصیح و بلیغ عربی شاعری کر کے اپنا تسلّط قائم کر رکھا تھا لیکن قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کے سامنے ان کی شاعری ماند پڑ گئی اور عرب کے بڑے بڑے فصحا نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عاجزانہ زانوئے ادب تہہ کئے۔ قرآن مجید اور حضور اقدس کے دربار کے تعلیم یافتہ شعراء صحابۂ کرام نے کفارِ عرب کے شعراء کو اپنے ارفع و اعلیٰ کلام سے مبہوت اور ساکت کر دیا اور نعت گوئی کا ایک سلسلہ قائم ہوا۔ ہر دور میں عربی شعراء نے عشقِ رسول کے جذبے کو اپنی شاعری سے اُجاگر کیا۔ اور نعت گوئی کے چرخ کے درخشاں سیارے کی طرح جگمگائے۔ حضرت شیخ محمد بن احمد جمال الدین یحییٰ، ابو محمد عبد اللہ، ابو زید عبد الرحمٰن بن سعید، جمال الدین بن نباتہ، علامہ بوصیری، امام اعظم ابو حنیفہ وغیرہ نے عربی شاعری کے حسن کو دو چند کرنے کے ساتھ ساتھ عشقِ رسول کا پرچم بھی بلند فرمایا۔ خصوصاً علامہ بوصیری رضی اللہ عنہ کا ''قصیدہ بُردہ شریف'' اتنا رائج اور مقبول ہوا کہ وہ اہل دل اور اہل عشق کے دل کی دھڑکن بن گیا۔ مذکورہ شعراء نے اپنی سحر بیانی سے عربی شاعری کی زینت کو چار چاند لگا دیے اور ان کا کلام ہر مکان اور ہر محلے کی رونق بن گیا۔ عالم اسلام کو عشقِ رسول کی سچی تڑپ اور طلب صادق کا احساس انہوں نے کرا دیا۔
- نعتیہ شاعری صرف عربی زبان اور ملک عرب تک محدود نہ رہتے ہوئے ملک عرب کی سرحدوں کو عبور کر کے ایران کی سرزمین میں داخل ہوئی۔ اور ایران میں فارسی زبان میں نعتیہ شاعری کے عہد کا آغاز ہوا۔ فارسی زبان کی شاعری نے نئی زینت و آرائش اختیار کی اور ادب کے نئے نئے زیورات زیب تن کئے۔ تعین لغت، قوانین صرف و نحو، الفاظ بندی، مرکبات نظم و نثر، جملہ بندی، سخن سازی، ربط و روانی، سخن طرازی، فصاحت و بلاغت، سخن پروری، حُسن بیان، سخن آرائی، جوامع الکلم، سخن وری وغیرہ کے قوانین و ضوابط نافذ کئے گئے اور ان قوانین کے تحت ایک عاشق کے تخیلات، تصورات، مدعا، منشاء، تفکرات، جذبات دل، جوش و ولولہ، فکر رساں، فریفتگی، تاثر، غور و خوض، حالتِ قلب، سوختہ دلی، آزردگی، تفتہ دلی، اضطراری، آویزگی، جذبۂ عشق، جوش ایثار، ناکامی، مایوسی، یاس، امید، سرور، لگن، التفات، ارادت اور کیفِ دل نہاد کو حسن اسلوبی سے اشعار میں اظہار کرنے کا طرز اختیار کیا گیا۔ اور اس کے ضمن میں شاعری کا ایک مستقل فن متعین کر کے کئی صنعات ایجاد کی گئیں۔
- فارسی نعتیہ شاعری میں حکیم سنائی غزنوی، نظامی گنجوی، حضرت سعدی شیرازی، عطار نیشاپوری، علامہ جلال الدین رومی، حافظ شیرازی، سیدنا غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی، حضرت خواجہ معین الدین چشتی، حضرت خواجہ قطب الدین

بختیار کاکی، حضرت بوعلی شاہ قلندر، حضرت علامہ عبدالرحمٰن جامی، حضرت نظام الدین اولیاء، حضرت امیر خسرو وغ
جیسے شہرۂ آفاق ادباء اور جلیل القدر اولیائے ملّت اسلامیہ نے حمد، نعت، منقبت وغیرہ کہیں اور فارسی نعتیہ شاعری
شان وشوکت کو دوام بخشا۔ ان معزز اور معظم حضرات کے علاوہ میر درد، عزّت بخاری، مرزا غالب، اختر ایوا
اقبال، مظہر، قدسی، عرفی، نظیری، ظہوری وغیرہ جیسے قادر الکلام شعراء نے فارسی شاعری کو عروج کی منزل میں پہنچا
میں اہم کردار ادا کیا۔

- فارسی نعتیہ شاعری کے بعد اردو نعتیہ شاعری کے دور کا آغاز ہوا۔ حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز (التوفی ۸۲۶ھ)
فخر الدین نظامی (التوفی ۸۲۵ھ) اور محمد قلی قطب شاہ (التوفی ۹۸۸ھ) کے کلام میں اردو نعتیہ شاعری کے دید
ہوتے ہیں۔
- اردو شاعری میں عشق حقیقی کے علاوہ عشق مجازی کو بھی بہت فروغ حاصل ہوا۔ فارسی اور عربی شاعری میں اکثر وبیش
اولیاء، ائمہ، علماء، صوفیاء، صلحاء وغیرہ مذہبی ذہنیت رکھنے والے حضرات کا تسلّط رہا، لہٰذا عربی اور فارسی شاعری میں
زیادہ تر کلام عشق حقیقی کے تحت حمد، نعت، منقبت، تصوف پر مشتمل ہے لیکن اردو شاعری میں اولیاء وعلماء کے علاوہ ہ
طبقے کے لوگوں نے قلم کاری کی ہے۔ یہاں تک کہ اردو شاعری میں بہت سارے پیشہ ور شعراء بھی پھوٹ نکلے اور ارد
شاعری میں عشق مجازی کا بازار گرم کردیا۔ اردو شاعری نے مایوس اور اندوہ گیں لوگوں کو رنگینیِ سخن سے سکون وقرار
بخشا۔ یہی وجہ ہے کہ اردو شاعری کے میدان میں راجا سے لے کر رعیت کے ہر طبقے، ہر مذہب، ہر قوم، ہر ملّت، اور
ہر قسم کے شعراء جولانی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ بزرگان دین، صوفیائے کرام، علماء اور دیگر مذہبی شعراء کے علاوہ
دنیا دار، شرابی، کبابی، حسینوں کے دیوانے، دل پھینک عاشق بلکہ فٹ پاتھ چھاپ فحش شعراء بھی برساتی مینڈک کی
طرح نکل پڑے۔ نتیجۃً عشق حقیقی اور عشق مجازی کا فرق نمایاں طور پر عیاں ہوگیا۔ عشق حقیقی اور عشق مجازی کی الگ
الگ راہوں پر گامزن ہو کر شہرت حاصل کرنے والے اردو ادب کے کچھ نامور شعراء کے اسماء اس طرح ہیں:-

- ولی دکنی
- سودا
- میر تقی میر
- اکبر الٰہ آبادی
- امیر مینائی
- محسن کاکوروی
- عمر خیام
- تاباں
- علامہ اقبال
- میر عبدالحی دہلوی
- داغ دہلوی
- دالش
- ریاض خیر آبادی
- وصل
- عرش ملسیانی
- میر درد
- محشر
- حسن بریلوی
- جلیل
- آتش
- حفیظ جالندھری
- نشتر
- بیدل
- کرشن پرساد شاد
- فراق بیجاپوری
- مرزا اسداللہ خاں غالب
- جگر مراد آبادی
- رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری
- الطاف حسین حالی
- انشاء اللہ خاں انشاء
- میر ببر علی انیس لکھنوی
- محمد ابراہیم ذوق دہلوی

- اثرؔ لکھنوی
- جرأتؔ
- نظیرؔ
- شیخ امام بخش ناسخؔ لکھنوی
- سراجؔ
- ظفرؔ
- ہادیؔ
- حضرت رضاؔ بریلوی
- پیمیؔ مارہروی
- شکیلؔ بدایونی
- کاؔفی مرادآبادی
- سیمابؔ اکبرآبادی
- امجدؔ
- منورؔ
- فیض احمد فیضؔ
- کنور مہندر ناتھ بیدی سحرؔ
- بہزادؔ لکھنوی
- بیدمؔ وارثی
- اصغرؔ گونڈوی
- جوشؔ ملیح آبادی
- جاں نثار اخترؔ
- فانیؔ بدایونی
- ساحرؔ لدھیانوی
- مومن خاں مومنؔ
- حسرتؔ موہانی
- قتیلؔ شفائی
- آرزوؔ لکھنوی
- خمار بارہ بنکوی

وغیرہ وغیرہ

مذکورہ شعراء کے علاوہ کئی نامی۔ انامی شعراء نے اردو ادب کے فنِ شاعری کے بحر ذخّار میں غوطہ زنی کی۔ بہت سے ڈوب گئے اور بہت سے اس میں بہہ گئے۔ اس وقت ہم صرف عشق حقیقی کے جذبے کے تحت مرقوم کی گئی شاعری کے تعلق سے ہی گفتگو کریں گے۔ لیکن اس گفتگو کے قبل کچھ ضروری اور لازمی وضاحت بھی کر دینا چاہتے ہیں کہ اردو شاعری میں عشق حقیقی کے جذبے کے تحت وجود میں آنے والی تخلیق کو فن وادب کے اعتبار سے سمجھنے کے لئے ہم بالکل سَلیس زبان میں شاعری کے لوازمات قوانین، اقسام تخلیق، صفات وغیرہ پر گفتگو کریں گے تاکہ اردو زبان کا ابجد خواں بھی اردو شاعری کی حقیقت سے قدرے واقفیت حاصل کر سکے۔ حرف، لفظ، جملہ کی وضاحت کرنے کے ساتھ ساتھ اقسام یعنی غزل، نعت، قصیدہ وغیرہ پر سیر حاصل گفتگو کر کے صنعات کا تذکرہ بھی کریں گے اور ان تمام امور کی تفہیم کے لئے موقعہ سے مناسب مثال پیش کریں گے۔ علاوہ ازیں ان تمام کے انگریزی نام بھی درج کریں گے۔

اردو شاعری کے لوازمات، اقسام اور صنعات کو تین اقسام میں تقسیم کر کے پہلے ان کا اجمالی ذکر کیا جائے گا، بعدہٗ اس پر تفصیلی گفتگو کی جائے گی:

لوازمات:-

یعنی کسی شاعر کو شعر کہنے کے لیے ان لوازمات کی معلومات، ان کے استعمال پر عبور اور ملکہ ہونا چاہئے اور شاعر ان لوازمات کی رعایت و پابندی کرتے ہوئے اشعار کہتا ہے۔

- حرف
- لفظ
- اعراب
- کلمہ
- مصرعہ
- شعر
- بیت
- بند
- ردیف
- قافیہ
- مطلع
- حسن مطلع
- مقطع
- مقفّٰی
- مسجّع
- ٹیپ
- بحر
- تقطیع
- وزن
- ربط
- سکتہ
- تخلّص

اقسام:۔

شعر کی زمین، طرح، مضمون، انداز شعر گوئی وغیرہ امور کو ملحوظ رکھتے ہوئے شاعری کی تخلیق کو ایک مخصوص قسم قرار دیتے ہوئے اس تخلیق کو ایک منفرد نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ وہ حسب ذیل ہیں:۔

- نظم
- لوری
- گیت
- سُرود
- غزل
- حمد
- نعت
- مثنوی
- قصیدہ
- مرثیہ
- قطعہ
- مثلث
- رباعی
- مخمس
- منقبت
- مسدس
- مستزاد

وغیرہ

صنعات:۔

شاعر اپنی علمی اور ادبی صلاحیتوں کی بناء پر اپنے کلام میں فصاحت اور بلاغت کا حُسن پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ فن شاعری کی متعین صنعات کا استعمال کر کے، اپنے اشعار کو مزین کر کے، ان کی انفرادی حیثیت قائم کرتا ہے۔ وہ صنعات ذیل میں اجمالاً مذکورہ ہیں:۔

- استعارہ
- تشبیہ
- مبالغہ
- اقتباس
- تضاد
- تلمیح
- تلمیع
- تجاہل عارفانہ
- تجنیس کامل
- تجنیس ناقص
- مقابلہ
- مراعات النظیر
- مستزاد
- لف ونشر
- تضمین
- تشبیب
- تنسیق الصفات
- خط توأم
- گریز
- حسن تعلیل
- اتصال تربیعی
- قصیدہ مرصّعہ
- ترصیع
- ترجیع بند
- حسن طلب
- مقلوب مستوی
- مقلوب کل
- مسمّط
- عزل الشفتین
- ایہام
- اشتقاق
- شبہ اشتقاق
- صیاق الاعداد

وغیرہ وغیرہ

اب مذکورہ لوازمات اقسام اور صفات کے ہر شعبے کو انفرادی طور پر دیکھیں۔

(ا) لوازمات

- حرف: وہ کلمہ جس کے معنی دوسرے لفظ کے ساتھ ملے بغیر پورے سمجھ میں نہ آئیں۔ (فیروز اللغات صفحہ ۵۶۶)

[*Alphabet*]

- لفظ: وہ بامعنی کلمہ جو منہ سے نکلے۔ (فیروز اللغات، ص۱۱۵۸) [**Word**]
- اعراب: حروف کی حرکات ظاہر کرنے والی زیر، زبر، پیش کی علامتیں۔ (فیروز اللغات، ص۱۰۱)[**Vowel**]
- کلمہ: وہ بامعنی لفظ جو آدمی کے منہ سے نکلے۔ (فیروز اللغات، ص۱۰۲۲)[**Part of speech**]
- مصرعہ: آدھا شعر، نصفِ بیت۔ (فیروز اللغات، ص۱۲۵۴) [**Hemistich, Half poetic line**]
- شعر: موزوں مقفّی کلام، سخن موزوں۔ (فیروز اللغات ص۸۴۲)

[**Distich, Poem containing two hemistich**]

- بیت: ایک وزن کے دو مصرعے۔ (فیروز، ص۲۵۲)[**Couplet poetry**]
- بند: ٹیپ کا مصرعہ یا شعر۔ (فیروز اللغات، ص۳۱۷)

[**Verse of a song consisting of two or three couplets**]

- ٹیپ: اونچے سے نیچا سُر۔ اونچی سے اونچی الاپ۔ مسدّس کا تیسرا شعر، مخمس یا مثلّث وغیرہ کا آخری شعر۔ بند۔ گرہ۔ (فیروز اللغات، ص۴۳۳)
- ردیف: وہ لفظ جو غزل یا قصیدہ وغیرہ کے مصرعوں یا بیتوں کے آخر میں قافیہ کے پیچھے بار بار آئے۔

(فیروز اللغات، ص۷۰۸)

[**Rhyming word**]

- قافیہ: ردیف کے پہلے کا لفظ جو اپنے ہم وزن الفاظ میں مُتبدّل ہوتا رہے۔ [**Rhyme**]
- مطلع: غزل یا قصیدے کے شروع کا شعر جس کے دونوں مصرعوں میں ردیف اور قافیہ ہوں۔ (فیروز اللغات، ص۱۲۵۹)

[**First couplet of ode in which rhyme in every hemistich is must**]

- حسن مطلع: غزل یا قصیدے کا دوسرا مطلع۔ یعنی وہ دوسرا شعر جس کے دونوں مصرعوں میں ردیف اور قافیہ ہوں۔

(فیروز اللغات، ص۵۶۹)

[**Second couplet of ode. Rhyme in every hemistich is must**]

- مقطع: غزل یا قصیدے کا آخری شعر جس میں شاعر کا تخلص آتا ہے۔ (فیروز اللغات، ص۱۲۷۵)

[**Last verse of poem in which titular name of poet is must**]

- مقفّیٰ: قافیہ دار۔ قافیہ کیا گیا۔ مسجّع۔ (فیروز اللغات، ص۱۲۷۵)[**Rhythmically composed**]
- مسجّع: وہ عبارت یا مضمون جس میں قافیہ کا اہتمام ہو۔ (فیروز اللغات، ص۱۲۴۵)[**Harmonious**]
- بحر: شعر کا وزن۔ (فیروز اللغات، ص۱۸۴)[**Metre in Prosody**]
- تقطیع: شعر کے اجزاء کو بحر کے اوزان پر وزن کرنا۔ (فیروز اللغات، ص۳۶۹)

Dissection , The Ceasura or Pause in reading poetry]

- وزن:علم عروض کی اصطلاح میں شعر کی بحر (فیروز اللغات،ص۱۴۰۹)[**Poetry a shekel**]
- ربط: بندش، تناسب، تعلق۔ (فیروز اللغات،ص۷۰۳)، یعنی ایک لفظ کا دوسرے لفظ کے ساتھ موزوں ہوکر شعر کی بحر وغیرہ کو بالکل درست کرنا۔[**Well measured verse**]
- سکتہ:شعر کا وزن پورا نہ ہونا۔(فیروز اللغات،ص:۸۰۲)[**Pause**]
- تخلص: شاعر کا وہ مختصر نام جو اشعار میں مستعمل ہو۔(فیروز اللغات،ص۳۵۰) یہ نام شاعر اپنے لئے خود تجویز کرتا ہے۔

Titular name assumed by poet]

مذکورہ لوازمات میں سے بحر، تقطیع اور وزن کی تفصیلی وضاحت کو مؤخر کرتے ہوئے پہلے ہم بقیہ لوازمات کی تفہیم حاصل کریں اور اس کو آسان طریقہ سے سمجھنے کے لئے اشعار کو مثل بنائیں۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی نعتیہ غزل (قصیدہ) کے چند اشعار پیش خدمت ہیں:

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑہ نور کا — صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا
باغ طیبہ میں سہانا پھول پھولا نور کا — مست بو ہیں بلبلیں پڑھتی ہیں کلمہ نور کا
تیری نسل پاک میں ہے بچہّ بچہّ نور کا — تو ہے عین نور، تیرا سب گھرانا نور کا
چاند جھک جاتا جدھر انگلی اٹھاتے مہد میں — کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا
اے رضا یہ احمد نوری کا فیض نور ہے — ہوگئی میری غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا

مذکورہ اشعار میں ''صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا'' کا جملہ مصرعہ ہے۔اس کے ساتھ ''صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا'' کے کلمہ سے بنا ہوا جملہ مصرعہ ثانی ہے۔ یہ دونوں مصرعے مل کر شعر بنے۔اور یہ شعر غزل کا پہلا شعر ہونے کی وجہ سے شعروادب کی اصطلاح میں مطلع کہلائے گا۔ ہر شعر میں جو لفظ ''نور کا'' ہے وہ ردیف ہے۔ جو اپنی حالت پر رہتے ہوئے بلا کسی تبدیلی اور ترمیم کے بار بار یعنی مکرّر سکرّر آئے گا۔ مذکورہ اشعار میں باڑا، تارا، پھولا، کلمہ، بچہّ، گھرانا، کھلونا، اور قصیدہ کے جو الفاظ ہیں وہ قافیہ ہیں۔ قافیہ کا ہر شعر کے مصرعۂ ثانی میں ردیف سے پہلے ملحق ہوکر آنا ضروری ہے۔ قافیہ کا لفظ ہر شعر میں اپنے ہم وزن لفظ سے بدلتا رہے گا۔ مذکورہ اشعار میں قافیوں کا اہتمام کیا گیا ہے لہٰذا یہ اشعار مقفّٰی اور مسجّع ہیں اور ان اشعار میں ایک دوسرے سے مناسبت رکھنے والے الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے لہٰذا اشعار میں ربط قائم ہے کہیں بھی سکتہ نہیں ہے۔ اس نعتیہ غزل کے دوسرے شعر ''باغ طیبہ میں سہانا پھول پھولا نور کا'' کے دونوں مصرعوں میں ردیف اور قافیہ کا استعمال کیا گیا ہے لہٰذا غزل کا جو دوسرا شعر ہے وہ ''حسن مطلع'' ہے۔ کچھ سطور کے بعد حسن مطلع کے تعلق سے حضرت رضا بریلوی اور دیگر شعراء اردو ادب کے کلام کا تقابلی جائزہ لیں گے۔ مذکورہ اشعار کا جو آخری شعر ہے یعنی ''اے رضا یہ احمد نوری کا فیض نور ہے'' یہ غزل کا آخری شعر ہونے کی وجہ سے مقطع کہلائے گا اور اس شعر میں جو لفظ ''رضا'' ہے وہ امام عشق ومحبت

حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا تخلص ہے۔

(۲) حُسنِ مَطلَع

جس غزل یا قصیدے کے دوسرے شعر کے دونوں مصرعوں میں ردیف اور قافیہ ہوں اس کو حسن مطلع کہا جاتا ہے۔ عموماً ہر شاعر اپنی غزل یا قصیدے کے مطلع یعنی پہلے شعر کے دونوں مصرعوں میں ردیف اور قافیہ کا استعمال کرتا ہے۔ کیونکہ فن و ادب کے اعتبار سے وہ ضروری امر ہے۔ مطلع کے بعد دیگر اشعار میں وہ صرف مصرعۂ ثانی میں ردیف اور قافیہ کا التزام کرتا ہے۔ دونوں مصرعوں میں ردیف اور قافیہ کا استعمال کرنا ضروری نہیں لیکن پھر بھی کبھی کبھی شاعر مطلع کے بعد کے شعر میں اس امر کی طرف التفات کر کے دونوں مصرعوں میں ردیف اور قافیہ کا استعمال کر لیتا ہے اور اس کا شمار شاعر کے فن کی خوبی میں ہوتا ہے اور شاعر کی اس خوبیِ فن کو سراہنے کے لئے ایسے شعر کو ''حسن مطلع'' سے مُلقب کیا جاتا ہے۔ اردو ادب کے نامور شعرا کے کلاموں میں حسن مطلع کی بہت ساری مثالیں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً:-

(۱) مرزا غالبؔ:-

آبرو کیا خاک اس گل کی کہ گلشن میں نہیں
ہے گریباں ننگ پیراہن جو دامن میں نہیں (مطلع)

ضعف ہائے گریہ کچھ باقی مرے تن میں نہیں
رنگ ہو کر اُڑ گیا، جو خوں کہ دامن میں نہیں (حسن مطلع)

مرزا غالبؔ کے پورے دیوان میں صرف بارہ (۱۲) اشعار حسن مطلع کے پائے جاتے ہیں اور وہ بھی اس طرح کہ ایک غزل میں صرف ایک ہی حسن مطلع ہے۔ مرزا غالبؔ کی صرف گیارہ غزلوں میں حسن مطلع کا ایک شعر ہے اور قطعات میں سے صرف ایک قطعہ نمبر ۶ ''مسی آلودہ سر انگشت حسیناں لکھئے'' میں ایک شعر حسن مطلع کا ہے۔

(۲) فانیؔ بدایونی

ابتدائے عشق ہے لطف شباب آنے کو ہے
صبر رخصت ہو رہا ہے اضطراب آنے کو ہے (مطلع)

قبر پر کس شان سے وہ بے نقاب آنے کو ہے
آفتاب صبح محشر ہم رکاب آنے کو ہے (حسن مطلع)

فانیؔ بدایونی کے دیوان ''کلیات فانی'' میں کل انسٹھ (۵۹) اشعار حسن مطلع کے پائے جاتے ہیں اور وہ بھی اس طرح کہ کسی غزل میں ایک، کسی میں دو یا تین۔ جس غزل میں سب سے زیادہ حسن مطلع کے اشعار ہیں، وہ غزل ''زبان مدعا آشنا چاہتا ہوں ÷ دل اب زندگی سے خفا چاہتا ہوں'' والی غزل ہے۔ اس غزل میں حسن مطلع کے پانچ اشعار ہیں۔

(۳) اصغرؔ گونڈوی:-

مستی میں فروغ رُخِ جاناں نہیں دیکھا
سنتے ہیں بہار آئی گلستاں نہیں دیکھا (مطلع)

زاہد نے مرا حاصل ایماں نہیں دیکھا
رخ پہ تری زلفوں کو پریشاں نہیں دیکھا (حسنِ مطلع)

اصغر گونڈوی کے کلام کے مجموعے ''نشاطِ زندگی'' اور ''سرورِ زندگی'' میں حسن مطلع کے کل اڑتالیس (۴۸) اشعار پا[ئے] جاتے ہیں اور ایک غزل میں زیادہ سے زیادہ تین اشعار ہیں ایسی صرف دو غزلیں ہیں: ''رخ رنگیں پہ موجیں ہیں تبسّم ہا[ئے] پنہاں کی'' اور ''شاید کہ پیام آیا پھر وادیِ سینا سے'' ان دونوں غزلوں میں حسن مطلع کے تین تین اشعار پائے جاتے ہیں۔

(۴) شکیل بدایونی:-
ہوں دل میں عشرتِ غم جاناں لئے ہوئے
صحرا ہے رنگ و بوئے گلستاں لئے ہوئے (مطلع)
ذوق گناہ عزم پشیماں لئے ہوئے
کیا کیا ہنر ہیں حضرت انساں لئے ہوئے (حسنِ مطلع)

شکیل بدایونی کے کلام کے مجموعے ''رعنائیاں''، ''صنم وحرم''، ''شبستاں''، ''رنگینیاں'' میں کل ایک سو چوسٹھ (۱۶۴) اشعار حسن مطلع کے پائے جاتے ہیں۔ کل ایک سو چھیالیس (۱۴۶) غزلوں میں حسنِ مطلع کے اشعار پائے جاتے ہیں لیکن بجز ایک غزل کے کسی بھی غزل میں حسن مطلع کے دو سے زائد اشعار نہیں۔ صرف ایک غزل ''دانستہ سامنے سے جو وہ بے خ[بر] گئے ÷ دل پر ہزار طرح کے عالم گزر گئے'' میں حسن مطلع کے تین (۳) اشعار ہیں۔ سولہ (۱۶) غزلوں میں حسنِ مطلع کے دو دو اشعار ہیں اور ایک سو ستائیس (۱۲۷) غزلوں میں حسن مطلع کا صرف ایک ایک شعر ہی ہے۔

(۵) فیض احمد فیض:-
شاخ پر خونِ گل رواں ہے وہی
شوخیِ رنگِ گلستاں ہے وہی (مطلع)
سر وہی ہے، تو آستاں ہے وہی
جاں وہی ہے، تو جانِ جاں ہے وہی (حسنِ مطلع)

فیض احمد فیض کے کلام کے مجموعے ''دستِ صبا''، ''نقشِ فریادی''، ''زنداں نامہ''، ''دست تہِ سنگ'' اور ''سروادیِ سینا'' کی صرف تیرہ (۱۳) غزلوں میں سب ملا کر صرف سولہ (۱۶) اشعار حسنِ مطلع کے پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے صرف ایک غزل کے علاوہ بقیہ بارہ (۱۲) غزلوں میں حسن مطلع کا صرف ایک ایک ہی شعر پایا جاتا ہے۔ صرف ایک ہی غزل میں حسن مطلع کے تین (۳) اشعار ہیں اور وہ غزل ''طوفان بہ دل ہے ہر کوئی دلدار دیکھنا ÷ گل ہو نہ جائے مشعلِ رخسار دیکھنا'' ہے۔

(۶) جگر مرادآبادی:-
نظر ملتے ہی دل کو وقفِ تسلیم و رضا کردے
جہاں سے ابتداء کی ہے، وہیں پر اِنتہا کردے (مطلع)
وفا پر دل کو صدقے، جان کو نذرِ جفا کردے
محبت میں یہ لازم ہے کہ، جو کچھ ہو فنا کردے (حسنِ مطلع)

علی سکندر جگر مرادآبادی کے کلام کے مجموعے ''شعلۂ طور''، ''جذباتِ جگر''، ''آتشِ گل''، ''لمعاتِ طور''، ''تخیلاتِ جگر'' کی کل دوسوسولہ (۲۱۶) غزلوں میں کل چارسوپچپن (۴۵۵) اشعار حسنِ مطلع کے پائے جاتے ہیں۔ مذکورہ دوسوسولہ (۲۱۶) غزلوں میں سے صرف ایک غزل ہی ایسی ہے کہ جس میں حسن مطلع کے سب سے زیادہ آٹھ (۸) اشعار پائے جاتے ہیں۔ اور وہ غزل کلیاتِ جگر مرادآبادی صفحہ ۲۷ پر ہے۔ غزل کا مطلع ہے ''اک لفظِ محبت کا ادنیٰ یہ فسانہ ہے ÷ سمٹے تو دل عاشق، پھیلے تو زمانہ ہے''۔

اُردو ادب کے مذکورہ نامور شعراء کے کلام میں حسن مطلع کے اشعار کا جو اجمالی خاکہ پیش کیا ہے، اس کا ماحصل یہ ہے کہ مذکورہ شعراء میں سے صرف جگر مرادآبادی کے کلام میں ایک غزل میں سب سے زیادہ یعنی حسن مطلع کے آٹھ اشعار پائے جاتے ہیں لیکن جگر صاحب کو بھی جگر تھامنا پڑے ایسی مثال امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے کلام میں پائی جاتی ہے۔ ''حدائقِ بخشش'' حصہ دوم میں ایک قصیدہ حضرت رضا بریلوی نے غزل کے انداز میں مرقوم فرمایا ہے۔ اس قصیدہ کا نام ''قصیدۂ نور'' ہے۔ اس قصیدے میں حضرت رضا بریلوی نے حسن مطلع کے چھیالیس (۴۶) اشعار ارقام فرمائے ہیں۔ اردو ادب کے کسی بھی شاعر نے ایک غزل میں اتنے اشعار حسن مطلع کے نہیں کہے بلکہ دس (۱۰) اشعار کی تعداد تک بھی نہیں پہنچ سکے۔ جب کہ حضرت رضا بریلوی نے ایک نیا ریکارڈ قائم کردیا ہے۔ اور یہ ریکارڈ غیر مُکسّر (**Unbeaten**) رہے گا۔ قصیدۂ نور کا پہلا شعر مطلع ''صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا ÷ صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا'' ہے۔ مطلع کے بعد کا شعر جو حسن مطلع ہے وہ ''باغ طیبہ میں سہانا پھول پھولا نور کا ÷ مست بُو ہیں بلبلیں پڑھتی ہیں کلمہ نور کا'' سے شروع ہوکر ''یہ جو مہر ومہ پہ ہے اطلاق آتا نور کا ÷ بھیک تیرے نام کی ہے استعارہ نور کا'' تک کل چھیالیس (۴۶) اشعار حسن مطلع کے آپ نے قلمبند فرمائے ہیں۔

حضرت رضا بریلوی نے اپنے قصیدۂ نور میں کثرت سے قافیوں کا استعمال فرما کر اپنی قادر الکلامی کا ثبوت دیا ہے اور اپنی شانِ فصاحت وبلاغت کو اُجاگر فرمایا ہے۔ جب کہ جناب سکندر میاں جگر مرادآبادی صاحب چند قافیوں میں ہی الجھے رہے۔ حالانکہ جگر صاحب نے حسن مطلع کے صرف آٹھ اشعار ہی کہے ہیں۔ اس کے باوجود انہوں نے قافیوں کی قلت محسوس کی ہوا ایسا لگتا ہے کیونکہ ان کے اشعار میں ایک قافیہ چار چار مرتبہ مکرّر آیا ہے۔ اس کے برعکس امام الکلام حضرت رضا بریلوی کے کلام میں قافیوں کی بہتات ووسعت نظر آتی ہے۔

جگر مرادآبادی نے اپنی ایک غزل میں، جن آٹھ حسن مطلع کا استعمال کیا ہے، وہ حسب ذیل ہے:-

(۱) اک لفظ محبت کا ادنیٰ یہ فسانہ ہے
سمٹے تو دل عاشق، پھیلے تو زمانہ ہے — مطلع

(۲) یہ کس کا تصور ہے، یہ کس کا فسانہ ہے
جو اشک ہے آنکھوں میں، تسبیح کا دانہ ہے — حسنِ مطلع نمبر ۱

(۳) دل سنگ ملامت کا ہر چند نشانہ ہے
دل پھر بھی مرا دل ہے، دل ہی تو زمانہ ہے
۔حسنِ مطلع نمبر

(۴) ہم عشق کے ماروں کا اتنا ہی فسانا ہے
رونے کو نہیں کوئی، ہنسنے کو زمانا ہے
۔حسنِ مطلع نمبر

(۵) وہ اور وفا دشمن مانیں گے نہ مانا ہے
سب دل کی شرارت ہے آنکھوں کا بہانا ہے
۔حسنِ مطلع نمبر

(۶) شاعر ہوں میں شاعر ہوں میرا ہی زمانا ہے
فطرت مرا آئینہ، قدرت مرا شانا ہے
۔حسنِ مطلع نمبر

(۷) جواُن پر گزرتی ہے، کس نے اسے جانا ہے
اپنی ہی مصیبت ہے، اپنا ہی فسانا ہے
۔حسنِ مطلع نمبر

(۸) کیا حُسن نے سمجھا ہے، کیا عشق نے جانا ہے
ہم خاک نشینوں کی ٹھوکر میں زمانا ہے
۔حسنِ مطلع نمبر

(۹) آغاز محبت ہے، آنا ہے نہ جانا ہے
اشکوں کی حکومت ہے آہوں کا زمانا ہے
۔حسنِ مطلع نمبر

مذکورہ حسن مطلع کے آٹھ اشعار کے لئے سولہ قافیوں کی ضرورت تھی لیکن جگر صاحب صرف آٹھ قافیوں پر اکتفا کر
ہوئے سبکدوش ہوگئے۔ (۱) فسانا۔ ۳/مرتبہ (۲) زمانہ۔ ۵/مرتبہ (۳) دانہ۔ ا/مرتبہ (۴) نشانہ۔ ا/مرتبہ (۵) مانا
ا/مرتبہ (۶) بہانا۔ ا/مرتبہ (۷) شانا۔ ا/مرتبہ اور (۸) جانا۔ ۳/مرتبہ استعمال کر کے قافیوں کی قلت (**Shortage**)
اظہار فرمایا ہے۔ لیکن حضرت رضا بریلوی نے اپنے قصیدۂ نور کے حسن مطلع کے ۴۶/اشعار کے لئے ۹۲/قافیوں کے لیے کل
ستاسی (۸۷) الفاظ کا استعمال فرما کر دنیائے ادب پر اپنی سخن شاہی کا سکہ بٹھا دیا ہے۔ حضرت رضا نے ۸۷/قافیوں
استعمال فرمایا ہے وہ اس طرح ہیں: (۱) پھولا (۲) کلمہ۔ دومرتبہ (۳) سجدہ۔ دومرتبہ (۴) ستارہ۔ دومرتبہ (۵) کم
(۶) پودا (۷) والا (۸) اعلیٰ (۹) بدلا۔ بمعنی تغیر (۱۰) بدلا۔ بمعنی عوض قصاص (۱۱) سہرا (۱۲) پیالہ (۱۳) صدق
(۱۴) کعبہ (۱۵) شملہ (۱۶) صحیفہ (۱۷) عمامہ۔ دومرتبہ (۱۸) بالا (۱۹) بُکّہ (۲۰) پھریرا (۲۱) شفیعہ (۲۲) قبال
(۲۳) پسینہ (۲۴) سونا (۲۵) لمعہ (۲۶) شعلہ (۲۷) گپھا (۲۸) زجاجہ (۲۹) سورہ (۳۰) پُتلا (۳۱) کُرتا (۳۲) ماتھ
(۳۳) سیما (۳۴) ٹکڑا (۳۵) سایہ (۳۶) دولہا (۳۷) شہانہ (۳۸) دوبالا (۳۹) اِکّا (۴۰) ترانہ (۴۱) لہرا (۴۲) آ
(۴۳) معنی۔ دومرتبہ (۴۴) بھالا (۴۵) دکھایا (۴۶) مژدہ (۴۷) دھڑکا (۴۸) دریا (۴۹) اہلا (۵۰) رہا تھا (۵۱) کلیج
(۵۲) بٹھایا (۵۳) علاقہ (۵۴) توڑا۔ روپیوں کی تھیلی (۵۵) توڑا۔ بمعنی خسارہ (۵۶) کاسہ (۵۷) مہینہ (۵۸) دعوٰ

(۵۹) مچلکا (۶۰) تمغا (۶۱) ٹیکا (۶۲) اُس ہا (۶۳) رشتہ (۶۴) حلقہ (۶۵) ہالہ (۶۶) بچہ (۶۷) گھرانا (۶۸) دوشالہ (۶۹) جوڑا (۷۰) اندھا (۷۱) نگینہ (۷۲) تڑکا (۷۳) دھندلکا (۷۴) بڑھتا (۷۵) ذراسا (۷۶) مُعلّیٰ (۷۷) قبّہ (۷۸) پہرا (۷۹) پرندہ (۸۰) شیدا (۸۱) دوپٹا (۸۲) کُشتہ (۸۳) چھینٹا (۸۴) جملہ (۸۵) سچا (۸۶) آتا (۸۷) استعارہ۔

جگر مرادآبادی کے حسن مطلع کے مذکورہ اشعار میں کوئی علمی، تاریخی، یا مذہبی بات نہیں کہی گئی اور صرف ''حسن'' و ''عشق'' کے چکر میں پھنس کر معشوقہ کے عشق میں تڑپنے اور آنسو بہانے کی کیفیت کا ذکر ہے۔ علاوہ ازیں ان آٹھ اشعار میں عوامی سطح اور اصطلاح کے الفاظ کا ہی استعمال کیا گیا ہے اور محبت کے فسانے کا رونا رویا گیا ہے۔ کوئی معنی خیز الفاظ یا فنِ شاعری کی کسی صنعت پر دست آزمائی نظر نہیں آتی۔ جب کہ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ کے اشعار کا ایک ایک لفظ علم و عرفان کا گوہر نایاب معلوم ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں اردو ادب کی کئی صنعات مثلاً صنعت تشبیہ، تضاد، اقتباس، استعارہ، تلمیح، مقابلہ، تجنیس کامل وغیرہ بکثرت پائی جاتی ہیں۔ ہر شعر کی تشریح میں کئی سو صفحات لکھے جاسکتے ہیں۔ الفاظ کی بندش، روانی اور ربط کا حُسن بھی اپنی تمام آب وتاب کے ساتھ نکھرا ہوا نظر آتا ہے۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے مذکورہ قصیدۂ نور کے علاوہ دیگر چالیس (۴۰) نعتوں، منقبتوں وغیرہ میں بھی حسنِ مطلع کا کثرت سے استعمال فرمایا ہے۔

- ''واہ کیا جود وکرم ہے شہِ بطحا تیرا'' نعت میں تین (۳) حسن مطلع ہیں۔
- ''ماہ سیما ہے احمد نوری'' منقبت میں سات (۷) حسن مطلع ہیں۔
- ''اے امام الہدیٰ محبِّ رسول'' منقبت میں دس (۱۰) حسن مطلع ہیں۔

(۳) وزن اور بحر

شعر کے وزن سے مراد یہ ہے کہ شعر کو تولنے کے لئے جو پیمانے مقرر کئے گئے ہیں انہیں بحر کہا جاتا ہے۔ ان بحور میں سے کسی ایک بحر کے مطابق شعر کا ہونا ضروری ہے، کیونکہ جو کلام کسی بھی بحر کے وزن پر نہیں ہوتا وہ شعر نہیں ہوسکتا۔ اسے نثر (*Prose*) کہا جائے گا۔ شعر کے وزن کرنے کا جو فن ہے وہ ''علم عروض'' کہلاتا ہے۔ اس فن کے ذریعہ اشعار کا وزن یا ان کا موزوں یا ناموزوں ہونا معلوم ہوتا ہے۔ فنِ عروض کی اصطلاح میں شعر کو بحر کی ترازو میں تولنے کا نام وزن ہے۔ جس کو تقطیع کرنا بھی کہتے ہیں۔ اس فن کا موجد بصرے کا ایک مشہور عالم خلیل بن احمد ہے۔ جو ۱۰۳ھ مطابق ۷۲۱ء میں پیدا ہوا اور ۱۷۰ھ مطابق ۷۸۷ء میں وفات پائی۔ خلیل بن احمد نے شعر کے لئے پندرہ (۱۵) وزن قرار دیئے اور ہر وزن کا نام بحر رکھا۔ خلیل بن احمد کی مقرر کردہ بحور کے بعد ابوالحسن اخفش، برزجمہر، مولوی یوسف نیشاپوری اور ایک کسی نامعلوم شخص نے ایک ایک بحر ایجاد کی اور فن شاعری کے لیے کل انیس (۱۹) بحریں مقرر ہوئیں۔ پھر ان ۱۹؍ بحور کو الگ الگ بحروں میں تقسیم

کیا گیا اور کل چہتر (۷۶) بحریں متعین کی گئی ہیں۔ جن کی تفصیلی بحث یہاں ممکن نہیں لہٰذا ناظرین کی خاطر طبع کے لیے
شاعری کی سالم انیس (۱۹) بحور کا نقشہ مع ان کے اقسام و اوزان پیش خدمت ہے:-

''نقشۂ بحور مع کیفیت، اقسام و اوزان''

نمبر	بحر کا نام	کیفیت	کل اقسام	اس بحر سالم کا وزن
۱	ھزج	مفرد	۱۱	مَفَاعِیلُنْ - چار مرتبہ ایک مصرعہ میں
۲	رِجز	//	۵	مُسْتَفْعِلُنْ - چار مرتبہ ایک مصرعہ میں
۳	رَمل	//	۷	فَاعِلَاتُنْ - چار مرتبہ ایک مصرعہ میں
۴	مُتَقَارِبْ	//	۲	فَعُوْلُنْ - چار مرتبہ ایک مصرعہ میں
۵	کَامِلْ	//	۱	مُتَفَاعِلُنْ - چار مرتبہ ایک مصرعہ میں
۶	وَافِرْ	//	۱	مُفَاعِلَتُنْ - چار مرتبہ ایک مصرعہ میں
۷	مُتَدَارِكْ	//	۷	فَاعِلُنْ - چار مرتبہ ایک مصرعہ میں
۸	مُنْسَرَحْ	مرکب	۵	مُسْتَفْعِلُنْ مَفْعُوْلَاتُ - دو مرتبہ ایک مصرعہ میں
۹	مُضَارِعْ	//	۷	مَفَاعِیلُنْ فَاعِلَاتُنْ - دو مرتبہ ایک مصرعہ میں
۱۰	سریع	//	۲	مُسْتَفْعِلُنْ مُسْتَفْعِلُنْ مَفْعُوْلَاتُ - ایک مرتبہ ایک مصرعہ میں
۱۱	خفیف	//	۳	فَاعِلَاتُنْ مُسْتَفْعِلُنْ فَاعِلُنْ - ایک مرتبہ ایک مصرعہ میں
۱۲	مجتث	//	۳	مُسْتَفْعِلُنْ فَاعِلَاتُنْ - دو مرتبہ ایک مصرعہ میں
۱۳	مقتضب	//	۳	مَفْعُوْلَاتُ مُسْتَفْعِلُنْ - دو مرتبہ ایک مصرعہ میں
۱۴	طویل	//	۱	فَعُوْلُنْ مَفَاعِیلُنْ - دو مرتبہ ایک مصرعہ میں
۱۵	مدید	//	۱	فَاعِلَاتُنْ فَاعِلُنْ - دو مرتبہ ایک مصرعہ میں
۱۶	بسیط	//	۱	مُسْتَفْعِلُنْ فَاعِلُنْ - دو مرتبہ ایک مصرعہ میں
۱۷	جدید	//	۱	فَاعِلَاتُنْ مُسْتَفْعِلُنْ - ایک مرتبہ ایک مصرعہ میں
۱۸	قریب	//	۴	مَفَاعِیلُنْ مَفَاعِیلُنْ فَاعِلَاتُنْ - ایک مرتبہ ایک مصرعہ میں
۱۹	مشاکل	//	۱	فَاعِلَاتُنْ مَفَاعِیلُنْ مَفَاعِیلُنْ - ایک مرتبہ ایک مصرعہ میں
	میزان:		۷۴	

مذکورہ بحور میں سے سات (۷) بحریں مفرد (**Solitary**) ہیں اور بارہ (۱۲) بحریں مرکب (**Combined**)

ہیں۔کل انیس (۱۹) بحریں اصل ہیں اور یہ انیس بحریں منقسم ہو کر کل ۴۷ر بحریں ہو گئیں۔جس کا اندازہ مذکورہ بالا نقشہ کے معائنہ سے آجائے گا۔اردو ادب میں جو بھی شاعری لکھی جاتی ہے، وہ ان مذکورہ ۴۷ر بحور میں سے کسی ایک بحر کے وزن پر ہوتی ہے۔کسی شعر کے لئے یہ طے کرنا کہ یہ کس بحر کے وزن پر ہے یہ ایک مستقل فن ہے اور اس فن کو علم عروض کہا جاتا ہے لیکن علم عروض کا پورا دارومدار تقطیع پر ہے۔

(۴) تَقْطِیْعْ

تقطیع ہی علم عروض کا اصل اصول ہے۔اور تقطیع کا علم اور اس میں مہارت صرف علم عروض کے اصول اور قوانین کو یاد کر لینے سے نہیں آتا بلکہ مشق اور ممارست (Experience) سے اس پر عُبور حاصل ہوتا ہے۔اس فن میں مہارت حاصل کرنے کے لئے اُصول کی روشنی میں تقطیع کی مسلسل مشق جاری رکھنی چاہئے۔اس پر قابو پالینا علم وفن عروض پر حاوی ہونے کے مترادف ہے۔یہ کام اگر آ گیا تو گویا عروض آ گیا۔تقطیع کے لغوی معنی ہیں ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔چوں کہ بحر کے ارکان سے ہم وزن کرنے کے لئے شعر کے الفاظ کے ٹکڑے ٹکڑے کئے جاتے ہیں اس لئے اس فن کو تقطیع نام سے موسوم کیا گیا ہے۔
چونکہ شعر الفاظ کے مجموعہ سے بنتا ہے اور الفاظ حروف کے مرکب ہونے سے بنتے ہیں لہٰذا تقطیع میں حروف کو مدِ نظر رکھ کر وزن کیا جاتا ہے۔حروف کی تین صورتیں متعین کی گئی ہیں:

(۱) مکتوبی غیر ملفوظی یعنی وہ حروف جو لکھے جائیں لیکن بولنے اور پڑھنے میں نہ آئیں۔مثلاً ہائے مختفی، واؤ معدولہ، عربی کا الف وغیرہ۔تقطیع میں ان کا شمار نہیں ہوتا۔

(۲) ملفوظی ومکتوبی یعنی وہ حروف جو لکھنے میں بھی آئیں اور بولنے پڑھنے میں بھی آئیں۔ان کا شمار تقطیع میں ہوتا ہے۔

(۳) ملفوظی غیر مکتوبی یعنی وہ حروف جو بولنے اور پڑھنے میں آئیں مگر لکھنے میں نہ آئیں۔مثلاً حروف مشدد یعنی جب حرف پر تشدید کی علامت (ّ) ہو۔اضافت یا ہائے باطنی، وغیرہ۔تقطیع میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

تقطیع کی بہت ہی مختصر تشریح مندرجہ بالا کی گئی ہے حالانکہ تقطیع کے تعلق سے جو اصول وضوابط ہیں وہ اتنے کثرت سے ہیں کہ جن کو بیان کرنا یہاں ممکن نہیں۔قارئین کی فرحِ طبع کی خاطر ذیل میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ کے ایک شعر کی تقطیع پیش ہے:-

گنہ گاروں کو ہاتف سے نوید خوش مآلی ہے
مبارک ہو شفاعت کے لئے احمد سا والی ہے

یہ شعر بحر ہزج سالم کا ہے۔جس کا وزن مفاعیلن۔چار مرتبہ ایک مصرعہ میں ہے۔تقطیع یہ ہوئی:-

مفاعیلن	مفاعیلن	مفاعیلن	مفاعیلن
گنہ گاروں	کو ہاتف سے	نوید خوش	مآلی ہے
مبارک ہو	شفاعت کے	لئے احمد	ساوالی ہے

امام الکلام حضرت رضا بریلوی نے تمام بحور میں اشعار کہے ہیں مثلاً:-

- وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں، بحر وافر سالم میں ہے۔
- رشک قمر ہوں رنگ رخ آفتاب ہوں، بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف میں ہے۔
- وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں، بحر خفیف مسدس شعث مقصور میں ہے۔
- سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے، بحر متقارب اثرم مقبوض محذوف میں ہے۔
- زمین وزماں تمہارے لئے مکین ومکاں تمہارے لئے، بحر وافر سالم میں ہے۔

قریب الفنا متروک بحر کو نئی زندگی

حضرت رضا بریلوی نے اپنی مشہور زمانہ نعت ''زمین وزماں تمہارے لئے'' جس بحر میں کہی ہے وہ ''بحر وافر سالم صرف عربی زبان میں ہی رائج ہے''یہ بحر عربی سے مخصوص ہے اور اردو میں رائج نہیں۔''

(حوالہ: ''فن شاعری'' از اخلاق حسین دہلوی، صفحہ ۱۰۷

اس بحر میں اردو یا فارسی زبان میں شاید ہی کسی شاعر کی کوئی غزل ملے گی۔ بلکہ اس بحر کو فارسی اور اردو کے قریب قریب تمام شعراء نے بہت ہی مشکل اور کٹھن بحر محسوس کر کے بالکل متروک کر دیا تھا اور دنیائے ادب سے یہ بحر غیر مانوس ہو کر قریب الفنا ہو گئی تھی لیکن حضرت رضا بریلوی کے قلمِ حیات بخش نے اس بحر کو نئی زندگی بخشی۔ صرف نئی زندگی ہی نہیں بخشی بلکہ نیا جوبن اور شباب بخشا اور اس بحر کی سنگلاخ زمین میں عشقِ رسول کے مہکتے پھولوں کی شکل میں فصیح اور بلیغ الفاظ کا استعمال فرما کر اس بحر کو شباب کے ساتھ ساتھ حسن وزینت سے آراستہ کیا۔ جس بحر کو فارسی اور اردو کے شعراء نے اس کی سنگلاخی سے مایوس ہو کر فراموش کر دیا تھا، اس بحر کو حضرت رضا بریلوی نے بزم ابحار کی شمع درخشاں بنا دیا۔ بلکہ آنے والی نسل کے شعراء کے لئے اس بحر کی راہِ دشوار کو سہل بنا کر اس بحر میں شعر گوئی کی ترغیب دی ہے۔ حضرت رضا بریلوی نے اس دشوار بحر میں پورے حسنِ ترتیب سے الفاظ کی صف بندی فرما کر جو روانی پیدا کی ہے، اسے دیکھ کر اہل علم وادب عش عش پکار اٹھے ہیں۔ حضرت رضا بریلوی نے اپنی نگاہ التفات سے اُس مُتغائر اور متروک بحر کو وہ حُسن بخشا کہ حضرت رضا بریلوی کے بعد بہت سے شعرائے اردو ادب اس بحر پر وارفتہ ہو گئے اور اس بحر میں غزلیں کہی ہیں۔ جس بحر کو فارسی واردو کے شعراء تلخ اور ترش سمجھ کر اس سے کنارہ کش ہو گئے تھے، اس بحر میں حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے وہ شیرینی اور چاشنی پیدا کر دی کہ ہر شاعر کے لیے وہ بحر مرغوب طبع ہو گئی۔ حضرت رضا بریلوی نے اس بحر میں جو نعت ارشاد فرمائی ہے اس میں ایک خوبی یہ ہے کہ آپ نے شعر کے ہر رکن کو پورا جملہ دینے کے بجائے ہر رکن کو قافیہ کا حُسن عطا کیا ہے۔ اور ان ارکان شعر میں وہ ربط و روانی پیدا کر دی ہے کہ شعر پڑھنے یا سننے والا اگر شعر کے مطلب سے واقف نہیں بھی ہے، پھر بھی وہ الفاظ وقافیہ کی موزونیت اور نظم سنجی کے کیف میں جھوم اٹھے گا۔ مندرجہ ذیل اشعار ہمارے اس دعوے کی دلیل وبرہان ہیں:-

- تمہاری چمک، تمہاری دمک، تمہاری جھلک، تمہاری مہک
زمین و فلک، سماک وسمک میں سکہ نشاں تمہارے لئے
- کلیم و نجی، مسیح و صفی، خلیل و رضی، رسول و نبی
عتیق و وصی، غنی و علی، ثنا کی زباں تمہارے لئے
- عطائے ارب، جلائے کرب، فیوض عجب، بغیر طلب
یہ رحمت رب، ہے کس کے سبب، بربّ جہاں تمہارے لئے
- جناں میں چمن، چمن میں سمن، سمن میں پھبن، پھبن میں دلہن
سزائے محن، پہ ایسے منن، یہ امن و اماں تمہارے لئے
- اشارے سے چاند چیر دیا، چھپے ہوئے خور کو پھیر لیا
گئے ہوئے دن کو عصر کیا، یہ تاب و تواں تمہارے لئے
- صبا وہ چلے کہ باغ پھلے، وہ پھول کھلے، کہ دن ہوں بھلے
لِوا کے تلے ثنا میں کھلے، رضا کی زباں تمہارے لئے

اس نعت پاک کے ہر شعر میں الفاظ کی ندرت اور روانی کی شیریں مقالی اتنی پُر کیف ہے کہ نعت پڑھنے والے کے دہن میں شہد نایاب گھل جاتا ہے۔ گویا کہ حضرت رضا نے بحر وافر سالم کی پتھریلی راہ کو ہموار کر کے اس کو مخملی بنا دیا ہے۔

(۵) اقسام

- نظم: لڑی، سلک، کلام، شعر۔ (فیروز اللغات، ص۱۳۶۶)

[***Well measured poetry, Stringing as pearls***]

- لوری: ہلکی آواز کے سُریلے گیت، جو عورتیں بچوں کو سلانے یا بہلانے کے لئے آہستہ آہستہ گاتی ہیں۔

(فیروز اللغات، ص۱۱۶۸)

- گیت: راگ، بھجن، سُرود۔ (فیروز اللغات، ص۱۱۳۶) [***Song***]
- سُرود: نغمہ، گیت، راگ، ایک قسم کا باجا۔ (فیروز اللغات، ص۷۹۷) [***Melody***]
- غزل: نظم کی ایک صفت جس میں عشق و محبت اور اخلاق و تصوف کا ذکر ہوتا ہے۔ غزل کا ہر شعر جداگانہ مضمون کا حامل ہوتا ہے۔ جس کا پہلا شعر مطلع اور آخری شعر مقطع کہلاتا ہے۔ (فیروز اللغات، ص۹۱۳)

[***Ode, Amatory sonnet***]

- حمد: خدا کی تعریف۔ (فیروز اللغات، ص۵۷۶) [***Praise of Almighty Allah***]

- نعت: مدح، ثنا، تعریف، توصیف، رسول اللہ کی شان میں مدحیہ اشعار۔ (فیروز اللغات، ص ۱۳۶۶)

[Eulogy, Praise especially of Holy Prophet Hazrat Muhammad]

- منقبت: تعریف، توصیف، انبیائے کرام کے علاوہ بزرگان دین کی مدح وثنا کرنا۔ (فیروز اللغات، ص ۱۲۹۶)

[Virtue, Praise of saint except Prophets]

- مثنوی: نظم کی وہ قسم جس میں کوئی بات مسلسل بیان کی جائے اور اس کے ہر شعر کے دونوں مصرعوں میں قافیہ آئے اور ہر شعر کا قافیہ پہلے شعر کے علاوہ کوئی اور ہو۔ مثنوی میں اشعار کی تعداد مقرر نہیں۔ (فیروز اللغات، ص ۱۲۰۴)

[Heroic verse]

- قصیدہ: نظم کی وہ قسم جس میں کسی کی تعریف وتحسین یا ہجو ہو۔ اس کے پہلے دونوں مصرعوں میں اور بعد کے ہر شعر کے آخری مصرعہ میں قافیہ کا انتظام ہوتا ہے۔ اس کی شکل غزل سے ملتی جلتی ہو۔ (فیروز اللغات، ص ۹۵۸)

[Pith of a long ode]

- مرثیہ: وہ نظم جس میں مُردے کے اوصاف بیان کئے گئے ہوں۔ وہ نظم جس میں شہدائے کربلا کے مصائب اور شہادت کا ذکر ہو۔ رونا۔ (فیروز اللغات، ص ۱۲۲۵) [Elegy, Song of lamentation]
- قطعہ: نظم کی وہ قسم جس میں کوئی ایک چیز بیان کی جاتی ہے۔ اس میں مطلع نہیں ہوتا۔ (فیروز اللغات، ص ۹۵۹)

[The couplet poem]

- مثلّث: وہ نظم جس کے ہر بند میں تین مصرعے ہوں۔ (فیروز، ص ۱۲۰۴) [Triverses poetry]
- رباعی: وہ چار مصرعے جو اوزانِ مخصوص پر ہوں۔ اس کے پہلے، دوسرے اور چوتھے مصرعہ کا ہم قافیہ ہونا ضروری ہے۔ چوتھا مصرعہ عجیب ہوتا ہے کہ سننے والا متحیّر ہو جائے۔ رباعی کے چوبیس (۲۴) اوزان ہیں۔ (فیروز اللغات، ص ۷۰۳)

[Quatrain, A stanza of four lines]

- مخمس: وہ نظم جس میں ہر بند پانچ مصرعوں کا ہو۔ (فیروز اللغات، ص ۱۲۱۷)

[Pentagon, a king of verse containing five lines]

- مسدّس: نظم کی وہ قسم جس کے ہر بند میں چھ (۶) مصرعے ہوں۔ (فیروز، ص ۱۲۴۵)

[Poem consisting of six lines]

حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جس طرح تمام بحور میں اشعار نظم فرمائے ہیں اسی طرح آپ نے قریب قریب شاعری کی تمام اقسام میں اشعار فرمائے ہیں اور فن ادب کو اس انداز سے نکھارا ہے کہ رہتی دنیا تک فن اور اہلِ فن حضرت رضا بریلوی کے مرہونِ منّت رہیں گے۔ اقسام شاعری کے عنوان کے تحت کچھ مثالیں پیش خدمت ہیں۔ جن کے مطالعہ سے حضرت رضا بریلوی کے تبحر علم اور قادر کلامی کا تھوڑا بہت اندازہ آجائے گا۔ حضرت رضا بریلوی نے شاعری کی ہر قسم میں طبع

آزمائی فرمائی ہے۔آپ نے حمد،نعت، منقبت، مثنوی، قصیدہ، مرثیہ، قطعہ، مثلث، رباعی، مخمس، مسدس وغیرہ میں اشعار ارشاد فرمائے ہیں۔جن کا ذکر صنعات کی تفصیل میں ضمناً آئے گا لہٰذا انفرادی طور پر اس پر بحث نہ کرتے ہوئے کچھ ضروری امور کی طرف قارئین کرام کی توجہات ملتفت کرنا چاہتے ہیں۔

(۶) حمد اور نعت

اردو زبان ہو یا اور کوئی زبان ہو، اس زبان کی شاعری کی اصناف میں حمد اور نعت کی بہت ہی اہمیت ہے۔حمد اور نعت میں حمد آسان ہے جبکہ نعت بہت ہی مشکل فن ہے۔حمد میں خدائے تعالیٰ کی عظمت و بزرگی بیان کی جاتی ہے۔اللہ تعالیٰ کی تعریف میں جتنا بھی بڑھا جائے روا ہے۔حمد میں تعریف کی سمت میں کوئی حد ہی نہیں کہ خدا کی تعریف اس حد تک کی جائے اس سے آگے نہ بڑھا جائے بلکہ تعریف کرنے والے کو روا ہے کہ وہ خدا کی حمد وثنا میں اپنے قلبی تاثرات کا جتنا زیادہ اظہار کرنا چاہے کرسکتا ہے۔حمد میں صرف ایک امر کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے کہ خدائے قدوس کی شان میں کوئی ایسی بات یا لفظ نہ کہی جائے کہ جس کی وجہ سے شان الوہیت میں توہین وتنقیص ہو جائے۔جب کہ نعت میں دو حدیں مقرر ہیں۔یعنی حضور اقدس ﷺ کی شان میں اتنا غلو نہ کیا جائے کہ آپ کو بشریت سے خارج کر کے الوہیت سے ملحق کر دیا جائے اور ایسا کرنے پر شرک کا الزام عائد ہوگا۔لہٰذا حضور اقدس ﷺ کی شان میں ایک محدود حد تک ہی بڑھنا روا ہے۔اس حد سے تجاوز کرنا روا نہیں۔دوسری حد یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی شان میں ایسے الفاظ کا قطعاً استعمال نہ کیا جائے جو آپ کی شایان شان نہ ہوں اور ان الفاظ میں توہین وگستاخی کا پہلو نکلتا ہو۔اور ایسا کرنے پر شانِ رسالت میں گستاخی کرنے کا کفر لازم آئے گا۔مختصر یہ کہ حضور اقدس ﷺ کی تعریف میں اتنا نہ بڑھنا چاہئے کہ شرک لازم آئے اور نہ ہی اتنا گھٹانا چاہئے کہ کفر کا جرم عائد ہو۔ان دونوں سرحدوں کے درمیان رہ کر نعت گو نعت کہتا ہے اور یہ ایک دشوار منزل ہے۔

امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی اس معاملہ میں فرماتے ہیں کہ:۔

''حقیقۃً نعت شریف لکھنا نہایت مشکل فن ہے۔جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں۔اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہونچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں راستہ صاف ہے۔جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے۔غرض حمد میں ایک جانب اصلاً کوئی حد بندی نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت حد بندی ہے''۔ (حوالہ:۔الملفوظ، حصہ ۲، مرتب حضور مفتی اعظم ہند مصطفیٰ رضا علیہ الرحمہ)

نعت رسول لکھنے کے لئے پہلی شرط شاعر کا قلب عشق رسول کی لازوال دولت کے گوہر شاداب سے معمور ہونا ہے اور ساتھ میں اس جذبۂ صادق، عشق خالص اور بے پناہ عقیدت کو اعتدال وتوازن کے ساتھ حدود شناسی کے ساتھ ظاہر کرنا ہے۔شاعر کا عشق اس درجہ تک رساں ہونا چاہئے کہ اس کے دل کی ہر دھڑکن سے ''یا حبیبی یا رسول اللہ'' کی صدا آتی ہو۔اور سنت رسول کی پیروی اس کا مقصد حیات بن جائے۔جب یہ جذبہ شدت کی حالت اختیار کرتا ہے، تو اس کی زبان وقلم سے

سوائے محبوب کی یاد اور نعت کے اور کچھ ادا نہیں ہوتا۔ اس کی زبان وقلم سے عشقِ رسول کے بے بہا موتی جھڑتے ہیں
نعت کی صورت اختیار کرتے ہیں۔

(۷) حضرت رضاؔ اور نعتیہ شاعری

امام عشق ومحبت حضرت رضاؔ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ تک دنیائے اردو شاعری مجازی محبوب کی زلفوں کی اسیر تھی۔ شا
ہمہ وقت اپنی محبوبہ کے حُسن وجمال کی تعریف میں کھوئے رہتے تھے۔ کوئی اپنی محبوبہ کی زلفوں کی درازی میں طویل غزلیں
رہا ہے۔ کوئی محبوبہ کی مخموری آنکھوں کے نشے میں جھوم رہا ہے۔ تو کوئی رخسار، لب، کمر، نزاکت موزونیت کی شان کے ا
میں مصروف ہے۔ کوئی انگور کی بیٹی کے کڑوے گھونٹ کی شیرینی محسوس کر رہا ہے۔ غرض دنیا اور دنیا کے مجازی محبوبوں
عشق مجازی کا ایسا غلبہ اور تسلط تھا کہ شعراء اردو ادب کی اکثریت اسی کے دام فریب میں گرفتار تھی اور مجازی محبوب کے
کا عاشقانہ بیان اور اس کی سوقیانہ تشریح ان کا طرۂ امتیاز تھا۔ خلاف شریعت اقوال وافعال کی ترغیب وتشویق گویا کہ شا
کا معیارِ فن بن چکا تھا۔ اردو کے کچھ شرابی اور کبابی شاعروں نے کیفِ خمر کے زیر اثر ایسے ایسے ناروا اشعار کہے کہ
شاعری کی روح بھی شرمندہ تھی۔ خجل وندامت سے اس کی جبینِ احساس خم ہو گئی تھی اور ایسے شعراء اردو ادب وفن شا
کے لیے عار ووبال بن گئے تھے۔ ان ننگِ ادب شاعروں نے اپنے قلم کی سیاہی سے صفحۂ قرطاس ہی نہیں بلکہ اردو شاعر
دامن بھی داغ دار کر ڈالا تھا۔ ان کم ظرف وکم نظر شعراء کا یہ غلط نظریہ تھا کہ اردو شاعری میں جدّت اور رنگت کی چاشنی گھو
کے لئے عاشقانہ اور شرابیانہ طرز اختیار کرنا ضروری ہے، ورنہ اردو شاعری خشک اور تلخ رہ جائے گی۔ شراب وشباب کی رنگی
کا تذکرہ ہی اردو شاعری میں رنگ جما سکتا ہے۔ نوجوان اور عاشق طبقے کو اردو شاعری کی طرف مائل کرنے اور ان کو رغب
دلانے کا یہی واحد ذریعہ ہے۔ اور اسی سے اردو شاعری کے حسن کا نکھار ہے۔ مذہبی شاعری کی طرف بہت کم شعراء ملتفت
ہوئے تھے کیونکہ شعراء اردو ادب نے ماحول ایسا پراگندہ کر دیا تھا کہ عشق حقیقی میں کی جانے والی شاعری کو پرانی وضع قطع
ذہنیت کی تخلیق اور خشک عنوانی پر مشتمل شاعری سمجھا جاتا تھا۔ مذہبی شعراء کی مقبولیت اور شہرت ایک مخصوص طبقے اور حلقے تک
ہی محدود تھی، جب کہ عشق فسق سے لبریز کلام والے فساق شعراء عام شہرت اور مقبولیت کے ٹھیکیدار بنے ہوئے تھے۔ لیکن
حضرت رضاؔ بریلوی کا اردو شاعری پر احسان ہے کہ آپ نے اس غلط نظریہ کی عملی تردید فرما دی اور اپنے حسنِ کلام سے ار
شاعری کو زینت وزیبائش عطا کرنے کے ساتھ ساتھ مذہبی شاعری میں بھی اپنی رنگینیِ سخن سے رنگ ورس پیدا کر دیا اور جس
مذہبی عنوان کو خشک اور بے رنگ گردان کر اس کی طرف شعراء نظر التفات سے گریز کرتے تھے، اس عنوان کو اتنا رنگین وحسین
بنا دیا کہ اس عنوان کے شعر گو کو بلند منصب اور اعلیٰ معیار حاصل ہونے لگا۔ اردو شاعری کو عشق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں ا
رنگا کہ اردو شاعری کے چہرے کی زردی کو سرخ روئی میں بدل دیا اور ثابت کر دیا کہ اردو شاعری کا حسن ونکھار عشق مجاز
میں شعر گوئی سے نہیں بلکہ عشق حقیقی میں طبع آزمائی سے آتا ہے۔ خود فرماتے ہیں کہ:-

جو کہے شعر و پاسِ شرع دونوں کا حسن آئے کیوں لا اسے پیشِ جلوۂ زمزمۂ رضا کہ یوں

حضرت رضا بریلوی نے اپنے کلام بلاغت نظام سے اردو شاعری کو زینت بخشنے کے ساتھ ساتھ ایک عاشق صادق کے جذبات دل کو شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے تمام رعنائیوں کے ساتھ اظہار کرنے کا سلیقہ بھی تعلیم فرمایا۔ آپ کی شاعری حقیقت اور صداقت پر مبنی ہے۔ تصنع، بے جا غلو، روایاتی تکلف، کذب گوئی، دروغ بیانی، جذبات کے سیلاب میں بہنا وغیرہ قباحتوں سے بالکل پاک ومنزہ ہے۔ آپ کی شاعری وہبی تھی، خالق کائنات نے حضرت رضا کو موزونیت و معنویت کی وہ صلاحیتیں عطا فرمائی تھیں کہ عشق رسول کی پاکیزگی کے ساتھ ساتھ فن وادب کے اعتبار سے اپنی نظیر آپ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی شاعری میں صرف آمد آمد کی آمدِ بہار ہے۔ آورد کی کھینچا تانی کی خزاں کا نام ونشان نہیں۔ آپ دیگر شعراء کی طرح صبح سے شام تک اشعار بندی میں منہمک نہیں رہتے تھے بلکہ عشق رسول ﷺ کا جذبہ سمندر کی طغیانی کی طرح اُبھرتا اور یادِ محبوب میں آپ بے چین وبے قرار ہو جاتے، تو عشق رسول کا وہ جذبۂ سوز خود بخود بشکل اشعار زبان سے نکلتا اور وہ اشعار آپ کے سوزشِ عشق کا سامان بن کر آپ کے بیقرار دل کو سکون بخشتے۔ خود حضرت رضا فرماتے ہیں کہ:-

''جب سرورِ عالم ﷺ کی یاد تڑپاتی ہے تو میں نعتیہ اشعار سے بے قرار دل کو تسکین دیتا ہوں، ورنہ شعر وسخن میرا مذاق طبع نہیں۔ (حوالہ: ''سوانح اعلیٰ حضرت، از حضرت علامہ بدرالدین احمد، ص ۲۸۳)

حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے شاعری برائے شاعری نہیں بلکہ شاعری بطورِ عبادت کی ہے۔ حضور اقدس ﷺ کی مدح وثنا ہی مقصدِ اصلی تھا۔ اور اس مقصد میں صرف خلوص کا جذبہ ہی کارگر تھا۔ اس کا پتہ حسب ذیل واقعہ سے آئے گا:

''ایک مرتبہ کوئی ایک شاعر ایک نعت لکھ کر حضرت رضا بریلوی کی خدمت میں بغرض اصلاح حاضر ہوا۔ حضرت رضا نے جب اس نعت کو ملاحظہ فرمایا تو اس نعت کے اشعار میں ایسا تذکرہ تھا کہ یارسول اللہ! آپ کی یاد اور آپ کے فراق میں میرا یہ حال ہے کہ نہ راتوں کو نیند آتی ہے، نہ دن کو چین حاصل ہوتا ہے۔ آپ کے غم ہجر میں کھانا، پینا، سونا وغیرہ ترک ہو گیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ والرضوان نے ان شاعر صاحب سے فرمایا کہ واقعی اگر آپ کی وہی حالت ہے جو آپ نے اپنے اشعار میں بیان کی ہے، تو آپ کی یہ حالت قابل صد تحسین ہے اور اگر آپ کی حالت حقیقۃً وہ نہیں ہے جو آپ نے بیان کی ہے بلکہ شعر کو حسن اسلوبی سے آراستہ کرنے کے لئے محض شاعرانہ تکلفات کے تحت ہی آپ نے تصنع کرتے ہوئے اپنی حالت بیان کی ہے اور آپ کا حال اپنے بیان کے مطابق نہیں بلکہ آپ کھاتے، پیتے اور آرام سے سوتے بھی ہیں، تو یہ ایک جھوٹ ہوا۔ ذرا سوچو! جھوٹ اور وہ بھی اتنی عظیم بارگاہ میں؟ لہٰذا آپ اپنے اشعار میں اپنی وہی کیفیت بیان کیجئے جو واقعی آپ محسوس کر رہے ہیں۔ یعنی اپنے اشعار کو صداقت پر ہی محمول کریں اور کذب بیانی وتصنع سے احتراز کریں۔

مذکورہ واقعہ حضرت رضا بریلوی کی شاعری میں صداقت کے عناصر کی نشاندہی کرتا ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت رضا بریلوی نے اپنے نعتیہ اشعار میں صرف وہی لکھا ہے، جو آپ نے واقعی محسوس کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت

رضا کے اشعار میں صدق وخلوص کی گہرائیاں پائی جاتی ہیں۔آپ کی شاعری میں عشق رسول کے حقیقی جذبات جلوہ گر ہیں۔آپ کی نعتیہ شاعری رسمی اور روایتی نہیں بلکہ حقائق پر مبنی ہے۔اردو شاعری میں رسمی شاعری کی بدی گھر کئے ہوئے تھی مثال کے طور پر مرزا اسد اللہ غالب آزاد طبیعت کے آدمی تھے۔شراب نوشی ان کا محبوب مشغلہ تھا۔جوا (Gambling) کے وہ ایسے دلدادہ تھے کہ اُس لت کے طفیل کئی مرتبہ حوالات کی ہوا کھا چکے تھے۔مرزا غالب کے اطوارِ زندگی کو اور تصوّف کو دور کا واسطہ بھی نہ تھا لیکن پھر بھی غالب صاحب نے تصوّف میں بہت اشعار کہے ہیں۔غالب کے صوفیانہ اشعار صرف رسمی اور روایتی تھے، حقیقت سے اُنہیں کوئی سروکار نہ تھا۔لیکن حضرت رضا کا جُملہ کلام رسم وروایت سے مبرّا ومنزّہ ہے۔آپ کو اپنے آقا ومولیٰ ﷺ سے بے پناہ محبت تھی اور آپ کا سراپا حبِ رسول میں غرق تھا۔آپ کے کلام میں عشقِ رسول کی جو مہک ہے، وہ ذاتی مشاہدے اور تجربے پر مبنی ہے۔آپ نے اُسی صداقت وخلوص کے جذبے کے تحت ہی اشعار نظم فرمائے ہیں اور شعرائے اردو ادب کو نعتیہ شاعری میں راہِ خلوص اختیار کرنے کی ہدایت وتلقین فرمائی ہے۔

فن شاعری میں حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی استاذ نہ تھا اور نہ ہی آپ کسی سے اپنے اشعار کی اصلاح کراتے تھے۔علاوہ ازیں شعر گوئی آپ کا مشغلہ بھی نہ تھا اور نہ ہی آپ کو اتنی فرصت تھی کہ آپ شاعری کی طرف مُلتفت ہوں کیونکہ آپ تجدیدی خدمات میں ہمہ وقت منہمک تھے۔کثرت تصنیف میں آپ ایسے مصروف تھے کہ آپ شاعری کی طرف اپنی توجہات مرکوز ہی نہ کر سکے تھے کیونکہ شب وروز کے ۲۴ گھنٹوں میں سے تقریباً ۱۸ر یا ۲۰ر گھنٹے آپ تصنیفی خدمت میں صرف فرماتے تھے۔آپ کی شاعری وہبی تھی۔فنِ شاعری میں عشقِ رسول اللہ ﷺ آپ کا رہنما تھا۔قرآنِ مجید آپ کی شاعری کا ماخذ ومرجع تھا۔احکام شریعت آپ کے پاسدار تھے۔یہی وجہ ہے کہ آپ کی نعتیہ شاعری احکام شریعت سے سرِ مُو متجاوز نہیں۔حالانکہ نعت گوئی کے میدان میں کئی مشکل مراحل سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔نعت گو شاعر عموماً مضامین کے محدود دائرے میں جولانی کرتا ہے۔وہ ایک مضمون کو کئی طریقوں سے بیان کرنے کے لئے نئے نئے الفاظ کی تلاش وجستجو میں رہتا ہے۔اور جدّتِ الفاظ کی نُدرت جتانے کے شوق میں وہ کبھی ناروا لفظ کا بھی دامن تھام لیتا ہے۔کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مضمون کی تلاش میں شاعر اپنی بساط سے اونچی پرواز کرنے کی کوشش کرتا ہے اور الجھ جاتا ہے۔یا تو احکام شریعت کی خلاف ورزی کر بیٹھتا ہے یا اپنے کلام کو مہمل بنا ڈالتا ہے۔لیکن حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام اُن تمام امور سے منفرد اور ممتاز نظر آتا ہے۔آپ کی شاعری میں جو احتیاط پائی جاتی ہے وہ دیگر شعراء کے کلام میں بہت کم پائی جاتی ہے۔آپ نے جس مضبوطی سے ادب واحترام کے دامن کو تھاما ہے، اس کی مثال دیگر شعراء کے کلام میں بہت ہی قلت سے پائی جاتی ہے۔

حضرت رضا کے کلام کی عمدگی کی اہم وجہ یہ ہے کہ آپ نے نعت گوئی کے لئے قرآنِ مجید کو مشعلِ راہ بنایا اور حضور اکرم ﷺ کے صفات واعجاز، مناقب ومراتب اور بے مثل ومثال صفات کو قرآن مجید کی روشنی میں عام فہم انداز میں پیش کیا۔قرآن سے آپ نے نعت گوئی سیکھی اور نعت گوئی کے منازل کو اس کی تمام تر رعنائیوں سے طے کرنے کے لئے مداحِ رسول حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ جیسے واقفِ راہ عشق کو خضرِ راہ بنایا اور اُن کے نقش قدم کو اختیار کیا۔خود فرماتے ہیں کہ:

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ — بیجا ہے للہ المنت محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی — یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

اور یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ حضرت رضا بریلوی نعت گوئی کی راہ میں ایسے ایسے نازک مراحل سے گذرے ہیں کہ تھوڑی سی بے احتیاطی بھی ارتکابِ جرم عظیم کی زنجیروں میں جکڑ دینے کے لئے کافی تھی۔ لیکن حضرت رضا بریلوی نے بڑی احتیاط سے ان مضامین کو نبھایا، نعت گوئی کے احترام وتقدس کو ملحوظ رکھا اور شعر کو فن کے زیورات سے آراستہ کر کے شاعری کے حسن کو بھی دوبالا کیا ہے۔ ان مراحل کو بآسانی طے کرنے کے لئے آپ نے جو طریقہ اپنایا، اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

رہبر کی رہ نعت میں گر حاجت ہو — نقش قدم حضرت حسّان بس ہے

حضرت رضا بریلوی نے شاعری کے تمام اصناف میں شعر گوئی کی ہے لیکن آپ کے کلام میں زیادہ تر تغزل کا رنگ نظر آتا ہے۔ آپ نے غزل کے انداز میں نعت، منقبت، قصیدہ وغیرہ نظم فرمائے ہیں۔ علاوہ ازیں حمد، مثنوی، قطعات رباعیات وغیرہ میں بھی طبع آزمائی فرمائی ہے۔ آپ نے فن شاعری کو حیات نو بخشی ہے اور فن شاعری کی صنعات میں آپ نے اپنی قادرالکلامی کا سکہ بٹھاتے ہوئے جو کمال دکھایا ہے، اس کو دیکھ کر دنیائے اردو ادب کے بڑے بڑے شعراء اور ماہرین انگشت بدندان ہیں۔ اس وقت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی شاعری پر مزید کوئی تبصرہ نہ کرتے ہوئے صنعات فن شاعری پر کچھ گفتگو کریں اور اختتامِ مقالہ میں حضرت رضا کی شاعری کے محاسن پر کچھ تفصیل سے تبصرہ کریں گے۔

(۸) صنعاتِ فن شاعری

فن شاعری میں کچھ صنعات متعین کی گئی ہیں۔ اور ہر صنعت کے قواعد وضوابط مقرر کئے گئے ہیں۔ شاعر اپنے کلام کے حسن کو نکھارنے کے لئے ان صنعات کا اپنے اشعار میں استعمال کر کے اہل علم سے داد حاصل کرتا ہے۔ اردو ادب کے شہرہ آفاق شعراء اپنے کلام میں ان صنعات کو استعمال میں کوشاں رہے اور اپنی حسبِ استطاعت ان صنعات کا استعمال کیا۔ حضرت رضا بریلوی نے اپنے کلام میں ان صنعات کا بھرپور استعمال فرمایا اور اردو ادب میں ایک مثال قائم کر دی کہ نعتیہ شاعری میں ان صنعات کا حسین انداز میں استعمال کیا جا سکتا ہے اور فن وادب کو اُجاگر کیا جا سکتا ہے۔ حضرت رضا نے اپنے نعتیہ اشعار میں ان صنعات کو اتنے حسین پیرائے میں نظم فرمایا ہے کہ اہل ذوق کو مجبور ہو کر اس بات کا اعتراف کرنا پڑے کہ حضرت رضا کا مقام فن وادب کے اعتبار سے بھی تمام شعرائے اردو سے بلند واعلیٰ ہے۔ اب ہم صنعات کا ذکر کرتے ہیں اور ہر صنعت میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی مہارت، ندرت، قدرت، اور فوقیت کا تذکرہ کرتے ہوئے اُس صنعت میں حضرت رضا کے اشعار پیش کرتے ہیں۔

(۹)صَنعَتِ اِستِعَارَہ

اُس صنعت کو کہتے ہیں کہ شاعر اپنے کلام میں کسی لفظ کے حقیقی معنی ترک کر کے اس کو مجازی معنی میں استعمال کر
اوران حقیقی اور مجازی معنی کے درمیان تشبیہ کا علاقہ ہوتا ہے۔(فیروز اللغات،ص۱۴) [*Metaphorical*]

شکیل بدایونی کا شعر ہے کہ

اے میرے ماہ کامل پھر آشکار ہوجا اکتا گئی طبیعت تاروں کی روشنی سے

اس شعر میں شاعر نے اپنی محبوبہ کے لئے حقیقی معنی ترک کر کے ''ماہ کامل'' کے مجازی معنی کا استعمال کیا ہے یعنی ما
سے مراد اپنی محبوبہ ہے۔

حضرت رضا فرماتے ہیں:۔

(۱) آنکھیں ٹھنڈی ہوں جگر تازے ہوں جانیں سیراب سچے سورج وہ دل آرا ہے اُجالا
(۲) نعمتیں بانٹتا جس سمت وہ ذی شان گیا ساتھ ہی منشی رحمت کا قلمدان گیا
(۳) واللہ جو مل جائے میرے گل کا پسینہ مانگے نہ کبھی عطر، نہ پھر چاہے دُلہن پھول
(۴) اٹھا دو پردہ، دکھا دو چہرہ کہ نورِ باری حجاب میں ہے زمانہ تاریک ہو رہا ہے کہ مہر کب سے نقاب میں
(۵) کعبہ کے بدر الدجیٰ تم پہ کروڑوں درود طیبہ کے شمس الضحیٰ تم پہ کروڑوں درود

مذکورہ اشعار میں شعر نمبر ا میں سچے سورج، شعر نمبر ۲ میں منشی رحمت، شعر نمبر ۳ میں گل، شعر نمبر ۴ میں نور باری اور
شعر نمبر ۵ میں بدر الدجیٰ اور شمس الضحیٰ سے مراد حضور اقدس رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ذاتِ گرامی ہے۔ ایسے تو کئی اش
''حدائق بخشش'' میں دستیاب ہیں۔

(۱۰)صَنعَتِ تَشبِیہ

ایک چیز کو دوسری چیز کی مانند ٹھہرانا یا اس کی صفت میں شریک قرار دینا۔(فیروز اللغات،ص۳۶۱) [*Allegory*]

- میر تقی میر کا شعر ہے کہ:۔

نازکی اُن کے لب کی کیا کہیے پنکھڑی اِک گلاب کی سی ہے

اس شعر میں شاعر نے اپنی محبوبہ کے ہونٹ کو گلاب کی پنکھڑی سے مثال دی اور اپنی محبوبہ کے لب کو گلاب کی پنکھڑی
مانند ٹھہرایا۔

حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں:۔

پتلی پتلی گلِ قدس کی پتیاں ان لبوں کی نزاکت پہ لاکھوں سلام

اس شعر میں حضرت رضا اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک اور نازک ہونٹوں کو ان کی نزاکت کی بنا پر ''گلِ قدس کی

پتیوں" سے تشبیہ دے رہے ہیں۔

- ماہر چاند پوری کا شعر ہے:۔

چاند سے چہرے پہ بکھری ہے وہ زلف عنبریں رات کیوں ہے آج اتنی دل ربا معلوم ہے

اس شعر میں شاعر نے اپنی محبوبہ کے چہرے کو چاند سے تشبیہ دی ہے۔

حضرت رضا فرماتے ہیں:۔

دل کرو ٹھنڈا مرا، وہ کف پا چاند سا سینہ پہ رکھ دو ذرا، تم پہ کروڑوں درود

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کے "کف پا" یعنی تلووں کو چاند سے تشبیہ دی ہے۔

حضرت رضا فرماتے ہیں:۔

ریش خوش معتدل مرہم ریش دل ہالۂ ماہ ندرت پہ لاکھوں سلام

اس شعر میں حضرت رضا نے حضور اقدس ﷺ کی ریش مبارک یعنی ڈاڑھی شریف کو ہالۂ ماہ یعنی کہ چاند کے اردگرد جو کنڈل ہوتا ہے اس سے تشبیہ دی ہے۔

(۱۱) صَنْعَتِ مُبَالَغَہْ

کسی بات کو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کرنا۔ حد سے زیادہ تعریف و بڑائی کرنا۔ (فیروز اللغات، ص ۱۱۹۳) اس کو غلو بھی کہتے ہیں۔ یعنی حد سے زیادہ مبالغہ کرنا۔

اردو ادب کے شعراء نے اس صنعت میں بہت ہی گل کھلائے ہیں۔ مثلاً امیر مینائی کا شعر ہے:۔

ہنس پڑے آپ تو بجلی چمکی بال کھولے تو گھٹا لوٹ آئی

لیکن حضرت رضا کی نعتیہ شاعری میں مبالغہ یا غلو متصور ہی نہیں۔ آپ نے اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی شانِ اقدس میں جو کچھ بھی کہا اور لکھا ہے وہ حقیقت ہے اور حقیقت حال پر ہی محمول ہے۔ جس ذاتِ پاک کی تعریف کا جو حق ہے وہ حق ہی کماحقہٗ جب ادا نہیں ہوسکتا تو پھر مبالغہ اور غلو کی صورت ہی پیدا نہیں ہوسکتی۔ حضور اقدس ﷺ کی تعریف اور توصیف میں مبالغہ اور غلو کا سدِّ باب زور و شور سے فرماتے ہوئے حضرت رضا رقمطراز ہیں کہ:۔

اے رضا خود صاحب قرآن ہے مداحِ حضور تجھ سے کب ممکن ہے پھر مدحت رسول اللہ کی

جب تعریف و مدحت کا جو حق ہے وہی ہم سے ادا ہونا ممکن نہیں تو پھر مبالغہ یا غلو کو دخل ہی نہیں ہے اور حضور اقدس کی تعریف کا کماحقہٗ حق ادا کرنے سے اپنے عجز کا اقرار کرتے ہوئے حضرت رضا فرماتے ہیں کہ:۔

لیکن رضا نے ختم سخن اس پہ کردیا خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

مختصر یہ کہ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے کلام میں مبالغہ یا غلو کا امکان ہی نہیں۔ آپ نے جو بھی اپنے

آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کہا ہے، وہ نا قابلِ انکار حقیقت ہی ہے، غلو نہیں۔

(۱۲) صَنعَتِ اِقْتِبَاسْ

چُنا ہوا کلام۔ (فیروز اللغات، ص ۱۰۵) یعنی شاعر اپنے شعر میں قرآن مجید کی آیت یا حدیث کی عبارت کا ٹکڑا لے۔ اور اس عبارت کو عربی زبان میں ہی شعر میں نقل کرے۔ [*Quotation*]

صنعتِ اقتباس کی مثالیں اردو ادب کے نامور شعراء کے کلام میں بہت کم پائی جاتی ہیں بلکہ یوں کہنے میں کوئی مبالغہ نہیں کہ اُن شعراء کے کلام میں یہ صنعت برائے نام ہی پائی جاتی ہے، بجز ڈاکٹر اقبال صاحب۔ ڈاکٹر اقبال کے کلام میں صنعت اقتباس ضرور پائی جاتی ہے لیکن محدود تعداد میں:-

پہلے ہم اردو ادب کے کچھ نامور شعراء کے کلام سے کچھ مثالیں پیش کرتے ہیں:

- مرزا اسد اللہ غالب کا شعر ہے کہ:-

دھوپ کی تابش آگ کی گرمی وَ قِنَا رَبَّنَا عَذَابَ النَّارِ

مرزا غالب کے دیوان میں صنعت اقتباس کے کل دو ہی اشعار پائے جاتے ہیں۔ غالب کا وہ دوسرا شعر بھی پیش خدمت ہے:

جاں مطرب ترانۂ هَلْ مِنْ مَّزِیْدْ ہے لب پر وہ سنج زمزمۂ الاماں نہیں

- ڈاکٹر علامہ اقبال کا شعر:-

(۱) رنگ او ادنیٰ میں رنگین ہو کے اے ذوق طلب کوئی کہتا تھا کہ لطفِ مَا خَلَقْنَا اور ہے

(۲) زندگی از دہر و دہر از زندگی ست لَا تَسُبُّوا الدَّهْرَ [illegible] ست

(۳) کس کی ہیبت سے صنم سہمے ہوئے رہتے تھے منہ کے [illegible] ہُوَ اللّٰهُ اَحَدْ کہتے تھے

(۴) حکمت وتدبیر سے یہ فتنۂ آشوب خیز ٹل نہیں سکتا وَ قَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ

(۵) چشمِ اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے رفعتِ شانِ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكْ دیکھے

علامہ اقبال کے کلام سے صنعت اقتباس کے [illegible] پانچ اشعار درج کیے ہیں۔ [illegible] اردو کے کلام میں [illegible] مثالیں مشکل سے ملتی ہیں۔ جگر مرادآبادی، فیض احمد فیض، فانی بدایونی، فراق گورکھپوری، اصغر گونڈوی کے کلام تو اس صنعت سے محرومیت پر ماتم کناں محسوس ہوتے ہیں۔ لیکن امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے کلام میں صنعت اقتباس کی مثالیں اتنی کثرت سے پائی جاتی ہیں کہ عقلیں حیران ہیں۔ کچھ مثالیں پیش خدمت ہیں:-

- حضرت رضا فرماتے ہیں:-

(۱) وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكْ کا ہے سایہ تجھ پر — بول بالا ہے ترا، ذکر ہے اونچا تیرا

(۲) لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ تھا وعدۂ ازلی — نہ منکروں کا عبث بدعقیدہ ہونا تھا

(۳) اَنْتَ فِيْهِمْ نے عدو کو بھی لیا دامن میں — عیشِ جاوید مبارک تجھے شیدائی دوست

(۴) غنچے ما اَوْحٰی کے جو چٹکے دَنٰی کے باغ میں — بلبلِ سدرہ تک اُن کی بو سے بھی محرم نہیں

(۵) پائے کوباں پل سے گزریں گے تیری آواز پر — رَبِّ سَلِّمْ کی صدا پر وجد لاتے جائیں گے

(۶) نبی سرورِ ہر رسول و ولی ہے — نبی راز دار مَعَ اللّٰهِ لِيْ ہے

(۷) نہ عرشِ ایمن نہ اِنِّیْ ذَاهِبٌ میں مہمانی ہے — نہ لطف اُدْنُ يَا اَحْمَدْ نصیب لَنْ تَرَانِيْ ہے

(۸) کھلے کیا راز محبوب و محبّ مستانِ غفلت پر — شرابِ قَدْ رَاَی الْحَقْ زیب جامِ مَنْ رَاٰنِيْ ہے

(۹) ذِيَابٌ فِيْ ثِيَابٍ لب پہ کلمہ دل میں گستاخی — سلام اسلام ملحد کو کہ تسلیم زبانی ہے

(۱۰) مَنْ رَاٰنِيْ قَدْ رَاَی الْحَقْ جو کہے — کیا بیاں اُس کی حقیقت کیجئے

(۱۱) وَ الضُّحٰی حُجُرَاتِ اَلَمْ نَشْرَحْ سے پھر — مومنو! اتمام حُجت کیجئے

(۱۲) مَنْ زَارَ تُرْبَتِيْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِيْ — اُن پر درود جن سے نوید اِن بُشر کی ہے

(۱۳) ایسا اُمی کس لئے منّت کش استاذ ہو — کیا کفایت اس کو اِقْرَاْ رَبُّكَ الْاَكْرَم نہیں

(۱۴) ان پر کتاب اتری بَيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ — تفصیل جس میں مَا عَبَرْ وَ مَا غَبَرْ کی ہے

(۱۵) مجرم بلائے آئے ہیں جَاءُوْكَ ہے گواہ — پھر رد ہو کب یہ شان کریموں کے در کی ہے

(۱۶) مومن ہوں، مومنوں پہ رَءُوْفٌ رَحِيْمٌ ہو — سائل ہوں سائلوں کو خوشی لَا نَهَرْ کی ہے

(۱۷) تَبَارَكَ اللّٰهُ شان تیری، تجھی کو زیبا ہے بے نیازی
کہیں تو وہ جوشِ لَنْ تَرَانِيْ کہیں تقاضے وصال کے تھے

(۱۸) پر ان کا بڑھنا تو نام کو تھا، حقیقۃً فعل تھا اُدھر کا — تنزلوں میں ترقی افزا دَنٰی تَدَلّٰی کے سلسلے تھے

(۱۹) اٹھے جو قصرِ دَنٰی کے پردے، کوئی خبر دے تو کیا خبر دے
وہاں تو جا ہی نہیں دوئی کی نہ کہہ کہ وہ بھی نہ تھے ارے تھے

(۲۰) یعنی جو ہوا دفترِ تنزیل تمام — آخر میں ہوئی مہر اَكْمَلْتُ لَكُمْ

(۲۱) مژگان کی صفیں چار ہیں، دو ابرو ہیں — و الفجر کے پہلو میں لَيَالٍ عَشْرٍ

(۲۲) دیکھنے والوں نے کچھ دیکھا نہ بھالا نور کا — مَنْ رَاٰی کیسا؟ یہ آئینہ دکھایا نور کا

(۲۳) کٓ گیسو، ہٓ دہن، یٓ ابرو، آنکھیں عٓ صٓ — کٓھٰیٰعٓصٓ اُن کا ہے چہرہ نور کا

(۲۴) بجا لایا وہ امر سَارِعُوْا کو — تیری جانب جو مستعجل ہے یا غوث

(۲۵) نُحْتَ فَلَاحَ الْفَلَاحَ رُحْتَ فَرَاحَ الْمَرَاحَ — عُدْ لِيَعُوْدَ الْهَنَا تم پہ کروڑوں درود

(۲۶) گیسو وقد لام الف کر دو بلا منصرف — لا کے تہِ تیغ لا تم پہ کروڑوں درود

(۲۷) شمع بزم دَنٰی هُوَ میں گم کُنْ اَنَا — شرع متن ہُوِیّت پہ لاکھوں سلام

(۲۸) لَيْلَةُ الْقَدْرُ میں مَطْلَعُ الْفَجْرُ حق — مانگ کی استقامت پہ لاکھوں سلام

(۲۹) معنی قَدْ رَاٰی مقصد مَا طَغٰی — نرگسِ باغِ قدرت پہ لاکھوں سلام

(۳۰) مَنْزِلٌ مَنْ قَصَبْ لَا نَصَبْ لَا صَخَبْ — ایسے کوشک کی زینت پہ لاکھوں سلام

(۳۱) يِعِبَادِیْ کہہ کے ہم کو شاہ نے — اپنا بندہ کرلیا پھر تجھ کو کیا

(۳۲) لَا يَعُوْدُوْنَ آگے ہوگا بھی نہیں — تو الگ ہے دَائِمًا پھر تجھ کو کیا

(۳۳) فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ یہ ملا ہے تم کو مَنْصَبْ — جو گدا بنا چکے اب اُٹھو وقت بخشش آیا کرو قسمت عطایا

(۳۴) وَ إِلَى الْإِلٰهِ فَارْغَبْ کرو عرض سب کے مطلب — کہ تمہیں کو تکتے ہیں سب کرو ان پر اپنا سایا بنو شافع خطایا

(۳۵) وہ کنواری پاک مریم، وہ نَفَخْتُ فِيْهِ کا دم — ہے عجب نشانِ اعظم مگر آمنہ کا جایا وہی سب سے افضل آیا

(۳۶) یہ ہیں حَیٌّ اَبَدِیْ اُن کو رضا — صدق وعدہ کی قضا مانی ہے

(۳۷) اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهُمْ رِزْقًا سے دے رزق حسن — بندۂ رزاق تاج الاصفیاء کے واسطے

(۳۸) یا الٰہی جب سرِ شمشیر پر چلنا پڑے — رَبِّ سَلِّمْ کہنے والے غمزدہ کا ساتھ ہو

(۳۹) یا الٰہی جو دعائے نیک میں تجھ سے کروں — قدسیوں کے لب سے آمِیْن رَبَّنَا کا ساتھ ہو

حدائق بخشش حصہ اوّل ودوم سے مذکورہ ۳۹/اشعار اردو کلام سے اخذ کئے گئے ہیں حالانکہ ان دونوں حصص میں صنعت اقتباس کے اشعار فارسی کلام میں بکثرت ہیں۔ حدائق کے دونوں حصص میں فارسی کلام بمقابل اردو کلام چوتھائی حصہ (۱/۴) کے برابر ہیں اس کے باوجود فارسی کلام میں صنعت اقتباس کے ۵۹/اشعار ہیں۔ حصہ سوم کے اردو اور فارسی اشعار ان میں شامل کر لئے جائیں تو ان کی تعداد حسب ذیل ہوگی:۔

نمبر	کیفیت	حدائق حصہ اوّل ودوم کے اشعار	حدائق حصہ سوم کے اشعار		میزان
۱	اردو اشعار	۳۹	۴۰	=	۷۹
۲	فارسی اشعار	۵۹	۵	=	۶۴
			کل اشعار	=	۱۴۳

حضرت رضا بریلوی کا یہ کمال ہے کہ آپ نے صنعت اقتباس میں ۱۴۳ اشعار ارشاد فرما کر ایک ایسا ریکارڈ قائم کر دیا ہے، جو کبھی توڑا نہ جا سکے گا بلکہ اردو ادب کے تمام شعراء نے مل کر صنعت اقتباس میں جتنے اشعار کہے ہیں ان سے کہیں زیادہ اشعار حضرت رضا نے اکیلے نظم فرمائے ہیں اور وہ اشعار بھی ایسے اعلیٰ معیار و علمی وجاہت کے ہیں کہ ایک ایک شعر کی تشریح میں کئی کئی صفحات مرقوم کئے جا سکتے ہیں۔ اردو ادب کے دامن کو حضرت رضا نے گوہر شاداب سے بھر دیا ہے اور اردو ادب کے حُسنِ فن کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ صرف صنعت اقتباس میں اردو زبان کے کل ۷۹ اشعار اور فارسی زبان کے کل ۶۴ اشعار نظم فرما کر حضرت رضا نے اپنے فن کا کمال دکھایا ہے۔ راقم الحروف کا جہاں تک خیال ہے وہاں تک آج تک دنیائے اردو ادب میں ایک بھی ایسا شاعر پیدا نہیں ہوا، جس نے صنعت اقتباس میں اتنی کثرت سے اشعار کہے ہوں۔ اس میدان میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان منفرد اور یکتائے زمانہ ہیں۔ ان کا کوئی ثانی نظر نہیں آتا۔ جس کو بھی دیکھتے ہیں وہ حضرت رضا کے سامنے طِفلِ مکتب نظر آتا ہے۔

(۱۳) صَنعَتِ تَضَادْ

شعر میں ایسے دو الفاظ جمع کرنا جو معنی اور وصف میں ایک دوسرے کے خلاف ہوں یعنی ضد ہوں۔ پھر خواہ وہ دونوں اِسم ہوں یا فعل ہوں۔ اس صنعت کو صنعتِ طباق و تضاد بھی کہا جاتا ہے۔ [*Parody*]

- مرزا غالب کا شعر ہے:-

فرش سے تا عرش، واں، طوفاں تھا موجِ رنگ کا — یاں زمیں سے آسماں تک سوختن کا باب تھا

اس شعر میں فرش و عرش اور زمین و آسمان متضاد الفاظ ہیں۔

- اکبر الہ آبادی کا شعر ہے:-

نگاہِ ناز بُتاں پر نثار دل کو کیا — زمانہ دیکھ کے دُشمن سے دوستی کر لی

اس شعر میں دشمن اور دوستی ایک دوسرے کی ضد کے الفاظ ہیں۔

- شکیل بدایونی کا شعر ہے:-

کفر و خرد کو راس نہ آئے گی زندگی — جب تک جنوں ہے مشعلِ ایماں لئے ہوئے

اس شعر میں کفر و ایمان اور خرد و جنوں ایک دوسرے کے متضاد الفاظ ہیں۔

- اصغر گونڈوی کا شعر ہے:-

اس عالم ہستی میں نہ مرنا ہے نہ جینا ہے — تو نے کبھی دیکھا نہیں، مستوں کی نظر سے

اس شعر میں مرنا اور جینا ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

- فیض احمد فیض کا شعر ہے:-

وصل کی شب تھی تو کس درجہ سبک گزری تھی ہجر کی شب ہے تو کیا سخت گراں ٹھہری ہے

اس شعر میں وصل کی ضد ہجر، سبک کی ضد گراں اور ''تھی'' کی ضد ''ہے'' ہے۔

- فانی بدایونی کا شعر ہے:۔

موت ہستی پہ وہ تہمت تھی کہ آسان نہ تھی زندگی مجھ پہ وہ الزام کہ مشکل سے اٹھا

اس شعر میں موت کی ضد زندگی اور آسان کی ضد مشکل ہے۔

- جگر مرادآبادی کا شعر ہے:۔

خدا جانے محبت کونسی منزل کو کہتے ہیں نہ جس کی ابتدا ہی ہے، نہ جس کی انتہا ہی ہے

اس شعر میں ابتدا اور انتہا دو متضاد الفاظ ہیں۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے اشعار میں صنعتِ تضاد اتنی کثرت سے پائی جاتی ہیں کہ اُن کی تع
ہزاروں میں ہے۔ جن سب کو بطور مثال یہاں پیش کرنا ممکن نہیں۔ آپ کے کلام میں صنعت تضاد کی وہ بہتات ہے کہ ا
ایک شعر میں کئی صنعات ملتی ہیں اور ہر شعر میں صنعت تضاد کے لئے نئے نئے اور معنی خیز الفاظ مستعمل ہوئے ہیں۔ الفاظ
تکرار یا اعادہ بہت ہی کم پایا جاتا ہے۔ بلکہ ہر شعر میں جدّت کی لذّتِ نو پائی جاتی ہے۔ ذیل میں حضرت رضا کے کلام
چند اشعار بطور نمونہ پیش کرتے ہیں۔ ان اشعار پر کوئی تبصرہ نہ کرتے ہوئے صرف شعر پیش کرنے کے بعد ان کے ذیل م
صنعت تضاد کے الفاظ درج کر کے شعر میں مستعمل صنعت کی تعداد شمار کی گئی ہے:

- حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں:۔

(۱) بڑھ چلی تیری ضیا اندھیر عالم سے گھٹا کُھل گیا گیسو ترا، رحمت کا بادل گِھر گیا

تضاد:۔ (۱) بڑھ چلی v/s گھٹا، (۲) ضیا v/s اندھیر، (۳) کھل گیا v/s گھر گیا۔

(۲) نہ آسمان کو یوں سر کشیدہ ہونا تھا حضور خاک مدینہ خمیدہ ہونا تھا

تضاد:۔ (۱) نہ v/s ہونا، (۲) آسمان v/s خاک، (۳) کشیدہ (کھینچا ہوا) v/s خمیدہ (جُھکا ہوا)

(۳) ہلکا ہے اگر ہمارا پلّہ بھاری ہے ترا وقار آقا

تضاد:۔ ہلکا v/s بھاری، (۲) اگر v/s ہے، (۳) ہمارا v/s تیرا، (۴) پلّہ v/s وقار

(۴) نارِ دوزخ کو چمن کردے بہارِ عارض ظلمت حشر کو دِن کردے نہارِ عارض

تضاد:۔ (۱) نار v/s بہار، (۲) دوزخ v/s چمن، (۳) ظلمت v/s نہار

(۵) جب آ گئی ہیں جوشِ رحمت پہ اُن کی آنکھیں جلتے بجھا دیے ہیں، روتے ہنسا دیے ہیں

تضاد:۔ (۱) جلتے v/s بجھا دیے، (۲) روتے v/s ہنسا دیے

(۶) واں مطیعوں کا جگر خوف سے پانی پایا یاں سیہ کاروں کا دامن پہ مچلنا دیکھو

تضاد:-(۱) واں v/s یاں، (۲) مطیعون v/s سیہ کاروں، (۳) جگر v/s دامن، (۴) خوف v/s مچلنا

(۷) سر سبز وصل یہ ہے سیہ پوش ہجر وہ — چمکی دو پٹوں سے ہے جو حالت جگر کی ہے

تضاد:-(۱) سرسبز v/s سیہ پوش، (۲) وصل v/s ہجر، (۳) یہ v/s وہ

(۸) وہاں فلک پر یہاں زمیں میں رچی تھی شادی مچی تھی دھومیں
ادھر سے انوار ہنستے آتے، اِدھر سے نفحات اُٹھ رہے تھے

تضاد:-(۱) وہاں v/s یہاں، (۲) فلک v/s زمیں، (۴) پر (اوپر) v/s میں (اندر)، (۴) اُدھر v/s ادھر، (۵) آتے v/s اُٹھتے (جاتے)، (۶) انوار v/s نفحات

(۹) کبھی خاک پر پڑا ہے، سرِ چرخ زیرِ پا ہے — کبھی پیش در کھڑا ہے سر بندگی جھکایا

تضاد:-(۱) خاک v/s چرخ، (۲) پر (اوپر) v/s زیر (نیچے)، (۳) سر v/s پا (پاؤں)، (۴) کھڑا v/s جھکایا

(۱۰) کبھی گم کبھی عیاں ہے، کبھی سرد کبھی تپاں ہے — کبھی زیرِ لب فغاں ہے، کبھی چُپ کہ دم نہ تھایا

تضاد:-(۱) گم v/s عیاں، (۲) سرد v/s تپاں، (۳) فغاں v/s چپ، (۴) ہے v/s نہیں

مذکورہ صرف دس (۱۰) اشعار میں صنعت تضاد کی چھتیس (۳۶) مثالیں پائی جاتی ہیں۔ اس سے قارئین اندازہ کرلیں کہ حضرت رضا بریلوی کے نعتیہ کلام میں یقیناً ہزاروں مثالیں صنعت تضاد کی پائی جاتی ہیں۔

(۱۴) صَنْعَتِ تَلْمِیْح

کلام میں کسی قصے کی طرف اشارہ کرنا۔ (فیروز اللغات، ص ۳۸۵) یا کسی مشہور شعر اور کہاوت یا قرآن و حدیث کے واقعہ کی طرف اشارہ کرنا۔

- شکیل بدایونی کا شعر ہے:-

مئے کوثر پلاتے ہیں جناب مصطفیٰ شاید — علی اصغر کے رونے کی صدا کم ہوتی جاتی ہے

اس شعر میں میدان کربلا میں سید الشہداء حضرت سیدنا امام حسین کے شہزادے حضرت علی اصغر رضی اللہ عنہما کی پیاس اور ان کی شہادت کے واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

- مرزا غالب کا شعر ہے:-

قید میں یعقوب نے لی گو نہ یوسف کی خبر — لیکن آنکھیں روزنِ دیوار زنداں ہوگئیں

اس شعر میں حضرت یوسف علیہ السلام کے قید ہونے، حضرت یعقوب علیہ السلام کا ان کے فراق میں رو رو کے نابینا ہونے کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

- فانی بدایونی کا شعر ہے:-

طور نے جل کر ہزاروں طور پیدا کر دیئے ذرہ ذرہ میرے دل کی خاک کا دل ہو گیا

اس شعر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دیدار الٰہی کے لئے کوہ طور سینا پر تشریف لے جانا اور کوہ طور کا انوار الٰہی کی تجلی ایک کرن سے جل کر خاک ہو جانے کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

مذکورہ شعراء کے دیوان کی اوراق گردانی کرنے کے ثمرے میں مشکل سے دو۔ پانچ اشعار صنعت تلمیح کے نظر آ گے اور وہ اشعار بھی کوئی خاص دم دار نہیں۔ فن شاعری کی صنعت تلمیح میں اسلامی تاریخ کے واقعات کی طرف اشارہ کر میں اکثر شعراء کی معلومات محدود ہی رہی ہیں۔ اکثریت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کوہ طور کے واقعہ، حضرت یوسف علیہ اور حضرت زلیخا رضی اللہ عنہا اور واقعات کربلا تک ہی اپنی معلومات کو محدود رکھ کر اشعار تلمیحات نظم کئے ہیں لیکن حضرت رضا بریل کے نعتیہ دیوان ''حدائق بخشش'' کا معائنہ کرتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اوّل تا آخر پورا دیوان تلمیحات سے چھلک ہے۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے کلام کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ کا ہر شعر قرآنِ مجید کی کسی کسی آیت کا ترجمہ یا تفسیر ہے۔ یا تو پھر کسی حدیث کا مفہوم و معنی ہے یا تو پھر اسلامی تاریخ کے کسی اہم واقعہ کی روداد و تفصی ہے۔ اسی وجہ سے حضرت رضا کے کلام میں تلمیحات کی بھرمار ہے۔ صرف اُن تلمیحات کی تشریح لکھی جائے تو علم کا ایک خز وجود پذیر ہو جائے۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تلمیحات کے بیان کے سلسلہ میں علمی معلومات کی حد بندی قید میں مقید نہ رہتے ہوئے وسعتِ علم کے میدان میں جولانی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور آپ نے عظمتِ مصطفیٰ ﷺ سے تعلق رکھنے والے اکثر واقعات اپنے اشعار میں بحیثیت تلمیحات نظم بند فرمائے ہیں۔ حضرت رضا کے کلام سے صنعت تلمیح کے کچھ اشعار قارئین کے ذوق کے لئے پیش خدمت ہیں:

- حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں:۔

(۱) تیری مرضی پا گیا، سورج پھرا الٹے قدم تیری انگلی اٹھ گئی مہ کا کلیجا چر گیا

اس شعر میں دو تلمیحات یعنی دو واقعات کی طرف اشارہ ہے۔ مصرعۂ اولیٰ میں جنگ خیبر سے واپسی میں مقام صہبا میں حضرت مولیٰ علی مشکل کشا رضی اللہ عنہ کی نماز عصر کیلئے حضور اقدس ﷺ نے ڈوبے ہوئے سورج کو واپس پلٹایا اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے اور مصرعۂ ثانی میں معجزۂ شق القمر یعنی چاند کے دو ٹکڑے کرنے کے معجزے کی طرف اشارہ ہے۔

(۲) اپنے مولیٰ کی ہے بس شان عظیم جانور بھی کریں جن کی تعظیم
سنگ کرتے ہیں ادب سے تسلیم پیڑ سجدے میں گرا کرتے ہیں

اس شعر میں اُن کئی واقعات کا ذکر ہے کہ بارہا جانوروں نے باعثِ تخلیقِ کائنات حضور اقدس ﷺ کو سجدے کر کے تعظیم بجالائے، سنگریزوں نے کلمہ پڑھا، درختوں نے حکم کی بجا آوری اور سجدے کئے۔ ایسے بے شمار واقعات کی طرف صرف ایک شعر میں اشارہ کر دیا گیا ہے۔

(۳) ایک ٹھوکر میں اُحد کا زلزلہ جاتا رہا رکھتی ہیں کتنا وقار اللہ اکبر ایڑیاں

ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ اپنے اصحاب حضرت سیدنا صدیق اکبر، حضرت عمر فاروق اعظم اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ احد کے پہاڑ پر تشریف لے گئے۔ احد کا پہاڑ لرزنے لگا تو حضور اقدس ﷺ نے اپنے پائے اقدس کی ایک ٹھوکر رسید فرما کر احد کے پہاڑ کا زلزلہ دور فرما دیا۔ اس واقعہ کی طرف اس شعر میں اشارہ ہے۔

(۴) انگلیاں ہیں فیض پر، ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ وا

اس شعر میں اُن تمام واقعات کی طرف اشارہ ہے کہ کئی مرتبہ ایسا اتفاق ہوا ہے کہ کثیر تعداد پر مشتمل لشکر اسلام میں پانی ختم ہو گیا۔ وضو، غسل اور پینے پکانے کے لئے بھی پانی نہیں۔ کہیں سے پانی دستیاب ہونے کی کوئی امید نہیں۔ ایسی حالت میں مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کے دستِ اقدس کی مبارک انگلیوں سے پانی کے دریا جاری ہو گئے اور ہزاروں کی تعداد میں افراد اس مقدس پانی سے سیراب ہوئے۔ کسی نے وضو کیا، کسی نے غسل کیا، کسی نے شکم سیر ہو کر نوش کیا، یہاں تک کہ لشکر میں موجود برتنوں اور مشکیزوں میں پانی بھر لیا گیا۔

(۵) عصائے کلیم اژدہائے غضب تھا گِروں کا سہارا عصائے محمد

اس شعر میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ جب فرعون نے پورے ملک کے جادوگروں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کرنے کے لئے جمع کیا تھا۔ ان جادوگروں نے اپنے ہاتھوں کی لاٹھیاں اور رسّیاں زمین پر پھینکیں، تو وہ سب سانپ بن کر رینگنے لگیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ میں جو عصاء (لاٹھی) تھا اس کو زمین پر ڈال دیا تو وہ زبردست اژدہا بن گیا اور جادوگروں کے تمام کے تمام سانپوں کو نگل گیا۔

(۶) واللہ جو مل جائے مرے گُل کا پسینہ مانگے نہ کبھی عطر نہ پھر چاہے دلہن پھول

اس شعر میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ ایک مفلس وغریب شخص بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میری بیٹی کی شادی ہے۔ میں اتنا مفلس الحال ہوں کہ دلہن کے لئے عطر بھی نہیں خرید سکتا۔ یارسول اللہ! کچھ عطا فرما دیں۔ حضور اقدس ﷺ نے ایک شیشی میں اپنا پسینہ مبارک بھر کے اس شخص کو عطا فرمایا۔ جب دلہن کو وہ مقدس پسینہ لگایا گیا تو ایسی خوشبو مہکی کہ پورا شہر مدینہ مہک اُٹھا اور خوشبو کا یہ عالم تھا کہ اس خوشبو سے بہتر خوشبو کسی نے سونگھی نہ تھی۔

یہاں تک صرف چھ اشعار کی بہت ہی مختصر وضاحت کر دی ہے۔ حضرت رضا کے نعتیہ کلام میں سیکڑوں اشعار صنعت تلمیح کے پائے جاتے ہیں۔ ان تمام اشعار کو تشریح کئے بغیر بھی پیش کرنا ممکن نہیں۔ لہٰذا ناظرین کرام کے لطف وفرح کے لئے چند اشعار ذیل میں درج کرتے ہیں:

(۷) تیرے قدموں میں جو ہیں غیر کا منہ کیا دیکھیں کون نظروں پہ چڑھے دیکھ کے تلوا تیرا

اس شعر میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ نے پردہ فرمایا تو آپ کے فراق میں حضرت عبد اللہ بن زید انصاری نے نابینا ہونے کی دعا مانگی تھی اور ان کی دعا مقبول ہوئی تھی۔

(۸) قسمیں دے دے کے کھلاتا ہے پلاتا ہے تجھے پیارا اللہ تیرا چاہنے والا تیرا

اس شعر میں اشارہ ہے کہ حضور غوث اعظم کو اللہ تعالیٰ نے قسمیں دے کر کھلایا اور پلایا۔

(۹) اس نے لقبِ خاک شہنشاہ سے پایا جو حیدرِ کرار کہ مولیٰ ہے ہمارا

حضرت علی کو حضور اقدس نے "ابوتراب" لقب سے نوازا، اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

(۱۰) کیوں جناب بو ہریرہ تھا وہ کیسا جام شیر جس سے ستر صاحبوں کا دودھ سے منہ پھر گیا

ایک پیالہ دودھ سے ستر (۷۰) حضرات اصحابِ صُفہ کے سیراب ہو جانے کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

(۱۱) حسنِ یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں سَر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردانِ عرب

حضرت یوسف علیہ السلام کے بے مثال حُسن کو دیکھ کر مصر کی عورتوں کا اپنی انگلیاں کاٹ ڈالنے کے واقعہ کی طرف اس میں اشارہ ہے۔

(۱۲) چاند جُھک جاتا جدھر اُنگلی اُٹھاتے مہد میں کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عالم شیر خواری میں گہوارے سے انگلی کا اشارہ فرماتے تو چاند آپ کے اشاروں پر چلتا تھا۔

(۱۳) جس نے ٹکڑے کئے ہیں قمر کے وہ ہے نور وحدت کا ٹکڑا ہمارا نبی

معجزۂ شق القمر کی طرف اشارہ ہے۔

(۱۴) جان ہیں جان کیا نظر آئے کیوں عدو گردِ غار پھرتے ہیں

دورانِ ہجرت حضور اقدس کا غارِ ثور میں تشریف فرما ہونے کے باوجود دشمنوں کو نظر نہ آنے کا واقعہ۔

(۱۵) اشارے سے چاند چیر دیا، چھپے ہوئے خُور کو پھیر لیا گئے ہوئے دن کو عصر کیا، یہ تاب و تواں تمہارے لئے

معجزۂ شق القمر اور معجزۂ رجعت شمس کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے کلام میں صنعت تلمیح کے سینکڑوں اشعار پائے جاتے ہیں۔ اہل ذوق حضرات آپ کے نعتیہ دیوان کی طرف رجوع فرمائیں۔

(۱۵) صَنعَتِ تَلمِیعْ (مُلَمَّعْ)

اس صنعت کو صنعتِ ملمع بھی کہتے ہیں۔ اصطلاح عروض میں ایک زبان کی نظم میں دوسری زبان کا ایک مصرع یا شعر یا اشعار ملا دئے جائیں۔ (فیروز اللغات، ص ۱۲۸۴) یعنی ایسی نظم کہ جس کا ایک مصرع یا ایک شعر عربی میں ہو اور دوسرا فارسی میں ہو۔ اس صنعت کی بھی دو قسمیں ہیں:

(۱) ملمع مکشوف: یعنی جب ایک شعر ایک زبان میں اور دوسرا شعر دوسری زبان میں ہو۔

(۲) ملمع محجوب: یعنی جب ایک مصرعہ ایک زبان میں اور دوسرا مصرعہ دوسری زبان میں ہو۔

Species of poem, The distichs of which are written in persian and

***arabic alternate.** (The Royal Persian-Eng. Dict. Page.435)*

یہ ایک ایسی مشکل صنعت ہے کہ اچھے اچھے شاعروں کولوہے کے چنے چبانے پڑتے ہیں۔ اردوادب کے اکثر وبیشتر شعراء کے دیوان اس صنعت کی مثال کے اشعار سے محروم ہیں۔ یہاں تک کہ جن کا شمار اردوادب کے صف اوّل کے شعراء میں ہوتا ہے ان مرزا اسداللہ خاں غالب کے پورے دیوان میں صرف ایک شعر پایا جاتا ہے۔ وہ شعر یہ ہے:

دھوپ کی تابش آگ کی گرمی   وَ قِنَا رَبَّنَا عَذَابَ النَّارْ

یہ وہی شعر ہے جو صنعت اقتباس کی مثال میں بھی پیش کیا گیا ہے۔ یہ شعر ویسے دیکھو تو صنعت تلمیع (ملمع) کے ضوابط وقوانین کے میعار پر ٹھیک اُترتا بھی نہیں کیونکہ اس صنعت کی اہم شرط یہ ہے کہ اس شعر کا ایک حصہ عربی میں اور دوسرا حصہ فارسی زبان میں ہو۔ جب کہ غالب صاحب کے اس شعر کا پہلا مصرعہ اردو میں ہے اور دوسرا مصرعہ عربی میں ہے۔ پھر بھی اگر غالب صاحب کے ساتھ فراخ دلی سے رعایت کرتے ہوئے اس شعر کو صنعت تلمیع میں شمار کیا بھی جائے تب بھی وہ شعر صرف صنعت ملمع مجوب کا مانا جائے گا۔ کیونکہ جس شعر کا ایک مصرعہ ایک زبان میں اور دوسرا مصرعہ دوسری زبان میں ہو وہ شعر صنعت ملمع مجوب میں شمار ہوگا۔

اردوادب کے صف اوّل کے دیگر شعراء مثلاً شکیل بدایونی، فیض احمد فیض، جگر مرادآبادی، فانی بدایونی وغیرہ کے دیوان اس صنعت کے اشعار سے خالی ہیں۔ ایک شعر میں دوزبانوں کا استعمال کرنا کوئی بچوں کا کھیل نہیں۔ اچھوں اچھوں کے پسینے چھوٹ جاتے ہیں۔ شاعر کی علمی اور ادبی صلاحیتیں جواب دے چکتی ہیں۔ پروازِ تخیل دم توڑ دیتی ہے۔ اقلام جامد اور غیر متحرک ہوجاتے ہیں۔ ایک شعر میں دوزبانوں کا استعمال بہت ہی دشوار مرحلہ ہے۔ اکثر شعراء اس کی طرف اپنی بے مائیگی کی وجہ سے قصداً ملتفت نہیں ہوتے کیونکہ پھسل کر اوندھے منہ گرنے کا خطرہ لاحق ہوتا ہے۔ لہٰذا اردوادب میں صنعتِ تلمیع برائے نام ہی رہ گئی تھی۔ اس صنعت کے اصول اور ضوابط متعین کردئے گئے تھے لیکن اس صنعت کی عملی مثال دیکھنے کے لئے اہل ذوق کی آنکھیں ترستی تھیں لیکن حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اہل ذوق کی ترستی آنکھوں کو برف سے زیادہ ٹھنڈک کا لطف بخشا اور آپ نے اس صنعت میں ایک ایسی نعت قلمبند فرمائی کہ اہل ادب بھی عش عش پکار اٹھے۔ آپ نے ایک ایسی نعت نظم فرمائی کہ جس کا ہر شعر صرف دو نہیں بلکہ چار زبانوں سے مرکب ہے۔ اردوادب میں دوزبانوں میں مشترک ایک دو شعر کا جہاں قحط پڑا ہوا تھا وہاں حضرت رضا کے علوم وعرفان کی بارش ہوئی اور دوزبانوں سے مرکب ایک دو شعر نہیں بلکہ چار زبانوں سے مرکب ۹ (نو) اشعار پر مشتمل ایک نعت گلدستۂ شاداب کی حیثیت سے مہک اُٹھی اور دنیائے عشق ومحبت کو عشقِ رسول کا عالم گیر پیغام دینے کے ساتھ ساتھ دنیائے اردوادب پر احسانِ عظیم کی حیثیت سے وہ نعت ہر ہر گوشہ میں گونج رہی ہے۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے چار زبانوں سے مرکب جو نعت نظم فرمائی ہے، اس میں یہ اہتمام ہے کہ ہر شعر کے پہلے مصرعہ میں عربی اور فارسی زبان اور دوسرے مصرعہ میں بھوجپوری ہندی اور اردو زبان کا استعمال فرمایا ہے۔

اس نعت کے چند اشعار:-

(۱) لَمْ یَاتِ نَظِیْرُکَ فِیْ نَظَرٍ ، مثلِ تو نہ شُد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سَر سو ، ہے تجھ کو شہِ دوسرا جانا

(۲) اَنَا فِیْ عَطَشٍ وَ سَخَاکَ اَتَمْ ، اے گیسوئے پاک اے ابرِ کرم
برسن ہارے رم جھم رم جھم ، دو بوند ادھر بھی گرا جانا

(۳) اَلرُّوْحُ فِدَاکَ فَزِدْ حَرْقًا ، یک شعلہ دگر بر زنِ عشقا
مورا تن من دھن سب پھونک دیا ، یہ جان بھی پیارے جلا جانا

(۴) بس خامہ خام نوائے رضا ، نہ یہ طرز مری نہ یہ رنگ مرا
ارشادِ احبا ناطق تھا ، نا چار اس راہ پڑا جانا

نو (۹) اشعار صنعتِ تلمیح کے نظم فرمانے کے بعد حضرت رضا نے اس نعت کے مقطع یعنی آخری شعر میں اس انداز سے یہ نعت تخلیق کرنے کی وجہ بھی ظاہر فرمادی ہے۔ چار زبان پر مشتمل یہ نعت نظم فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ارشاد اور ناطق نام کے دو شاعر جو حضرت رضا کے معتقد تھے، انہوں نے حضرت رضا علیہ الرحمہ کی خدمت میں گذارش کی کہ اردو ادب میں صنعتِ تلمیح میں بہت ہی کم اشعار پائے جاتے ہیں لہٰذا آپ دو زبانوں پر مشتمل ایک نعت نظم فرمائیں تو اردو ادب پر آپ کا احسان ہوگا۔ حضرت رضا نے ارشاد صاحب اور ناطق صاحب کی گذارش کو شرف قبولیت سے نوازتے ہوئے دو کے بجائے چار زبانوں پر مشتمل مذکورہ نعت نظم فرمائی اور مقطع میں ارشاد اور ناطق لفظ کا استعمال فرما کر دونوں فرمائش کنندہ کے نام کا ذکر بھی فرمادیا ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا نے چار زبانوں کا استعمال فرما کر واقعی کمال کردیا ہے اور ساتھ میں نعت کا اعلیٰ معیار، مضمون، عشق و محبت کا جذبہ، سوز و گداز، الفت کی وارفتگی وغیرہ محاسن اپنی جگہ آپ ہیں۔ علاوہ ازیں چار متفرق زبانوں کا استعمال کرنے کے باوجود ہر شعر میں جو روانی اور ربط ہے، جو تسلسل و تطبیق ہے، اس کا تو لطف ہی نرالا ہے۔ علم عروض اور اصول تقطیع کے مطابق ہر شعر وزن میں پورا ہے۔ نہ کہیں سکتہ ہے اور نہ کہیں انقطاع ہے۔ الفاظ کی بندش اور اندازِ بیان اتنا دلکش اور دل نشین ہے کہ اشعار پڑھنے اور سننے والا بلا قصد و اختیار عشق رسول کے کیف و سرور میں جھومنے لگتا ہے۔ حضرت رضا بریلوی نے فن و ادب کی جاں بلب صنعت کو حیاتِ نو بخشی ہے۔ اہل فن و ادب تنگ نظری اور تعصب کی بنا پر حضرت رضا کے ساتھ چاہے ناانصافی اور احسان فراموشی کریں لیکن فن و ادب رہتی دنیا تک آپ کے مرہون منت رہیں گے۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے کلام میں مذکورہ نعت کے نو (اشعار) کے علاوہ دیگر پینتیس (۳۵) اشعار تلمیح کے پائے جاتے ہیں۔ آپ کے کلام میں کل چوالیس (۴۴) اشعار اس صنعت کے پائے جاتے ہیں۔ دیگر شعراء کے کلام میں اس صنعت کے ایک دو اشعار کے بھی لالے پڑتے ہیں لیکن حضرت رضا کے کلام میں اس صنعت کے اشعار

وافر تعداد میں دستیاب ہیں۔

حضرت رضا کے کلام سے صنعت تلمیح کے چند اشعار پیشِ خدمت ہیں:-

(۱)	در ایں جلوت بیا از راہِ خلوت تا خدا یابی	مَتٰی مَا تَلْقَ مَنْ تَھْوٰی دَعِ الدُّنْیَا وَ اَمْھِلْھَا
(۲)	رضائے مست جامِ عشق ساغر باز می خواہد	اَلَا یٰاَیُّھَا السَّاقِیْ اَدِرْ کَاسًا وَّ نَاوِلْھَا
(۳)	نیست فضلش بہر قدم بے ادب	یَخْطِفُ اَبْصَارَھُمْ بَرْقُ الْغَضَبْ
(۴)	پندہا دادیم و حاصل شد فراغ	مَا عَلَیْنَا یَا اَخِیْ اِلَّا الْبَلَاغْ
(۵)	ان کی دعوت میں ہو شامل اُن کا نام	یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ نَاسٍ بِالْاِمَام
(۶)	یَا ابْنَ ھٰذا الْمُرْتَجٰی یَا عَبْدَ رَزَّاقِ الْوَرٰی	تا کہ باشد رزق ما عشق شما امداد کن
(۷)	شَان فَضْلُ اللّٰہِ یَا ذَا الْفَضْلِ یَا فَضْلَ اِلٰہ	چشم در فضلِ تو بست ایں بینوا امداد کن
(۸)	اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرْ	ساری کثرت پاتے یہ ہیں
(۹)	ثَانِیْ اثْنَیْنِ اِذْھُمَا فِی الْغَارِ	میں نثار اور فدا محبِّ رسول
(۱۰)	وصف اہل بیعت آمد اے رشید	فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ یَدُاللّٰہِ الْمَجِیْدْ

مختصر یہ کہ حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فن وادب کی جس صنعت کی طرف التفات فرمایا، اس صنعت کی قسمت جاگ اُٹھی اور اس صنعت سے عہدِ خزاں کی ویرانی دور ہو کر بہار کا شباب و نکھار آ گیا۔

(۱۶) صَنْعَتِ حُسْنِ تَعْلِیْل

شاعر اپنے تخیل سے کسی چیز یا امر کی کوئی ایسی وجہ (علت) بیان کرے، جو دراصل اُس کی علت نہیں ہوتی (فیروز اللغات، ص۵۶۹) یعنی کسی وصف کے لئے ایسی علت کا دعویٰ کرنا جو حقیقی نہ ہو۔ [*Ascribing to a different cause*]

- شکیل بدایونی کا شعر ہے:-

شبِ غم کی تیرگی میں مری آہ کے شرارے ... کبھی بن گئے ہیں آنسو کبھی بن گئے ہیں تارے

شاعر نے اپنی آہ کے شرارے (چنگاری) کو ستارے کی تخلیق کی علت بتائی ہے، جو حقیقی نہیں۔

- مرزا غالب کا شعر ہے:-

میں چمن میں کیا گیا، گویا دبستاں کھل گیا ... بلبلیں سن کر مرے نالے غزل خواں ہوگئیں

شاعر نے بلبل کے غزل خواں ہونے کی علت شاعر کے نالے سننا بتائی ہے، جو حقیقی نہیں۔

- فیض احمد فیض کا شعر ہے:-

رنگ پیراہن کا، خوشبو زلف لہرانے کا نام ... موسم گل ہے تمہارے بام پر آنے کا نام

شاعر نے رنگ کی علت محبوبہ کا پیراہن، خوشبو کی علت محبوبہ کی زلف کا لہرانا اور موسم گل کی علت محبوبہ کا بام پر آنا بیان کیا ہے، جو حقیقی نہیں۔

- اصغر گونڈوی کا شعر ہے:-

ہے عشق کی سوزش سے رعنائی وزیبائی　　جو خون اُچھلتا ہے، وہ رنگِ گلستاں ہے

شاعر نے رعنائی وزیبائی کی علت سوزش عشق اور رنگ گلستاں کی علت خون کا اچھلنا بیان کیا ہے، وہ حقیقی علت نہیں بلکہ شاعرانہ تخیل ہے۔

- جگر مرادآبادی کا شعر ہے:-

برسائی آنسوؤں کی جھڑی چشمِ یار نے　　کیا اُٹھ کے کہہ دیا مری خاک مزار نے

شاعر نے چشم یار سے آنسو نکلنے کی علت خاک مزار کا کچھ کہہ دینا بیان کی ہے۔ جو حقیقی نہیں۔

- جوش ملیح آبادی کا شعر ہے:-

پھر گھنے جنگل میں چھیڑا غم کی دیوی نے ستار　　پھر خُنک تاروں کی آنکھیں اَشک برسانے لگیں

شاعر نے تاروں کی آنکھوں سے اشک برسنے کی جو علت بیان کی ہے، وہ محض تخیل ہے حقیقت نہیں۔

- فانی بدایونی کا شعر ہے:-

کس صبح کے مشتاق کا ماتم ہے کہ فانی　　روتی ہے گلے مل کے سحر شمع سحر سے

شاعر نے سحر سے شمع سحر ملنا اور اس کی علت بیان کی ہے۔ یہ سب تخیل شاعر ہے۔ حقیقت نہیں۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے کلام میں حسن تعلیل کی مثالیں بہت کثرت سے ملتی ہیں۔ ان مثالوں میں حضرت رضا نے جن تخیلات کا اظہار فرمایا ہے وہ علم وادب کے اعتبار سے بہت ہی اعلیٰ معیار کے ہیں۔ چند اشعار پیش خدمت ہیں:-

- حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں:-

(۱) خم ہوگئی پُشتِ فلک اِس طعنِ زمین سے　　سُن ہم پہ مدینہ ہے وہ رتبہ ہے ہمارا

کتنا بہترین تخیل ہے کہ آسمان کو اپنی بلندی پر ناز ہوا اور اس نے فخر محسوس کیا، تو زمین نے اس کو طعنہ دیا کہ اے ثرمت! میرا رتبہ تجھ سے بلند ہے کیونکہ مجھ پر مدینہ ہے اور مدینہ منورہ میں وہ ذات گرامی آرام فرما ہے کہ جن کے طفیل تیری بلکہ پوری کائنات کی تخلیق ہوئی ہے۔ زمین کا یہ طعنہ سن کر آسمان کی پشت خم یعنی پیٹھ ٹیڑھی ہوگئی۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم آسمان کے کناروں کو زمین سے ملتے ہوئے دیکھتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آسمان خم دار یعنی جُھکا ہوا اور ٹیڑھا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ آسمان کا یہ خم زمین کے طعنہ کی وجہ سے نہیں۔ جو علت آسمان کے خم ہونے کی شعر میں بیان کی گئی ہے وہ حقیقی علت نہیں۔ ایک تخیل ہے لیکن سراپا عشق رسول ﷺ میں ڈوبا ہوا پاکیزہ تخیل ہے۔

(۲) بُلبل و نیلپر و کبک بنو پروانو — مہ و خورشید پہ ہنستے ہیں چراغانِ عرب

اس شعر میں بلبل، نیلپر اور کبک (چکور) کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ تم تینوں چاند اور سورج کے بجائے مدینہ کے چراغ کے پروانے بن جاؤ۔ کیونکہ چاند اور سورج پر عرب کے چراغ ہنستے ہیں۔ اس شعر میں چاند اور سورج پر عرب کے چراغ کے ہنسنے کی جو علت بیان کی گئی ہے وہ ایک تخیل ہے۔

(۳) غفلتِ شیخ و شاب پر ہنستے ہیں طفلِ شیر خوار — کرنے کو گدگدی عبث آنے لگی بہائی کیوں

عوام الناس کا ایک غلط خیال ہے کہ شیر خوار بچہ جب ہنستا ہے تو یہ خیال کیا جاتا ہے کہ پریاں اس کو گدگدی کر کے ہنساتی ہیں۔ حضرت رضا اس خیال و وہم کے مقابل ایک نیا تخیل پیش کرتے ہیں کہ قوم مسلم کے بوڑھے اور جوانوں کی دین سے جو غفلت ہے، اس غفلت پر شیر خوار بچہ ہنستا ہے۔ حضرت رضا نے شیر خوار بچے کی ہنسی کی جو علت بیان کی ہے وہ ایک تخیل ہے اور قوم مسلم کو غفلت کی نیند سے بیدار کرنے کے لئے ایک مہذب طنز ہے۔

(۴) چمنِ طیبہ میں سنبل جو سنوارے گیسو — حور بڑھ کر شکن ناز پہ وارے گیسو

اس شعر میں حضرت رضا فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ کے چمن میں سنبل کا پھول کہ جس میں عورت کے بال کی مانند لمبے لمبے ریشے ہوتے ہیں۔ اُن ریشوں کو سنبل کی زلفیں یا گیسو کہا جاتا ہے۔ ان گیسوؤں میں سنبل کا پھول کنگھی کرے اور گیسوؤں کو سنوارے اور بال سنوارنے کی وجہ سے بالوں میں شکن یعنی پیچ پڑیں، تو اُن شکن کی دل کشی پر وارفتہ ہو کر جنت کی حور اپنے گیسو نثار و قربان کر دے۔ اس شعر میں حوروں کا اپنے بالوں کو قربان کرنے کی جو علت یعنی سنبل کے پھول کا اپنے بالوں کو سنوارنا، یہ ایک تخیل ہے۔

قارئین کرام! اس صنعت میں حضرت رضا کے چند اشعار رواں رواں ملاحظہ فرمائیں:

(۵) رخِ انور کی تجلّی جو قمر نے دیکھی — رہ گیا بوسہ دہِ نقشِ کفِ پا ہو کر
(۶) یہ اُن کے جلوہ نے کیں گرمیاں شب اسرا — کہ جب سے چرخ میں ہیں نقرہ وطلائے فلک
(۷) رنگ مژہ سے کر کے خجل یاد شاہ میں — کھینچا ہے ہم نے کانٹوں پہ عطرِ جمالِ گل
(۸) ہیں عکس چہرہ سے لب گلگوں میں سرخیاں — ڈوبا ہے بدر گل سے شفق میں ہلال گل
(۹) چرخ پر چڑھتے ہی چاندی میں سیاہی آگئی — کر چکی ہیں بدر کو ٹکسال باہر ایڑیاں
(۱۰) اے رضا مضمونِ سوزِ دل کی رفعت نے کیا — اس زمینِ سوختہ کو آسمانِ سوختہ
(۱۱) عرش کی عقل دنگ ہے، چرخ میں آسمان ہے — جانِ مراد اب کدھر ہائے تیرا مکان ہے
(۱۲) ہر اِک دیوار و در پر مہر نے کی ہے جبیں سائی — نگارِ مسجد اقدس میں کب سونے کا پانی ہے
(۱۳) ڈوبا ہوا ہے شوق میں زمزم اور آنکھ سے — جھالے برس رہے ہیں یہ حسرت کدھر کی ہے
(۱۴) نہا کے نہروں نے وہ چمکتا لباس آب رواں کا پہنا

کہ موجیں چھڑیاں تھیں دھار لچکا جبابِ تاباں کے تھل نکلے تھے

(۱۵) زبانیں سُوکھی دکھا کے موجیں تڑپ رہی تھیں کہ پانی پائیں
بھنور کو یہ ضعفِ تشنگی تھا کہ حلقے آنکھوں میں پڑ گئے تھے

(۱۶) سبزۂ گردوں جُھکا تھا، بہرِ پا بوسِ براق ۔۔۔ پھر نہ سیدھا ہوسکا کھایا وہ کوڑا نور کا

(۱۷) عکس سُم نے چاند سورج کو لگائے چار چاند ۔۔۔ پڑ گیا سیم وزرِ گردوں پہ سکہ نور کا

(۱۸) ہلال کیسے نہ بنتا کہ ماہِ کامل کو ۔۔۔ سلام ابروئے شہ میں خمیدہ ہونا تھا

(۱۹) دندان ولب کی یاد میں گریاں وخون چکاں ۔۔۔ دُرِ عدن نہیں ہے کہ لعلِ یمن نہیں

(۲۰) کون جاتا ہے کہ بے ہُش ہے جہاں ۔۔۔ گِر پڑا ہے آسماں پر آسماں

مذکورہ اشعار بطور نمونہ پیش کئے گئے ہیں۔ ایسے اشعار حضرت رضاؔ بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے کلام میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ حضرت رضاؔ کے اس صنعت میں جو اشعار ہیں ان میں ایک خوبی یہ ہے کہ تمام اشعار حسن تعلیل میں حضور اقدس شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عظمت کا اظہار کرنے کے لئے طرح طرح کے تخیلات پیش کئے گئے ہیں اور اُن تخیلات میں صرف عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ ہی کار گر ہے۔

(۱۷) صَنْعَتِ تَجَاهُلِ عَارِفَانَہْ

یعنی جان بوجھ کر انجان بننا۔ شاعر کا کسی معلوم چیز یا بات کو نامعلوم کی طرح بیان کر کے، اُس کی تمیز میں اپنی حیرانی اور عدم واقفیت کا اظہار کرنا۔ ارادۃً ناواقفیت ظاہر کرنا۔ (فیروز اللغات، ص ۳۴۵) اس صنعت کو مساق المجہول بھی کہتے ہیں۔

[***Pretending ignorance***]

- مرزا غالبؔ کا شعر ہے:-

کچھ تو کہئے کہ لوگ کہتے ہیں ۔۔۔ آج غالبؔ غزل سرا نہ ہوا

شاعر نے اس شعر میں غزل نظم کرتے ہوئے بھی غزل سرا نہ ہونے کی بات تجاہل عارفانہ کے تحت کہی ہے۔

- فیض احمد فیضؔ کا شعر ہے:-

یہ خون کی مہک ہے کہ لب یار کی خوشبو ۔۔۔ کس راہ کی جانب سے صبا آتی ہے دیکھو

شعر میں صبا کو خون کی مہک یا لب یار سے منسوب کرنے میں تذبذب کا اظہار تجاہل عارفانہ ہے۔

- شکیلؔ بدایونی کا شعر ہے:-

نہ فنا مری، نہ بقا مری، مجھے اے شکیلؔ نہ ڈھونڈ ھیے ۔۔۔ میں کسی کا حُسنِ خیال ہوں، مرا کچھ وجود وعدم نہیں

شعر میں شاعر کا اپنی فنا، اپنی بقا اور اپنے وجود وعدم کا انکار کر کے اپنے کو نہ ڈھونڈنے کی تلقین کرنا تجاہلِ عارفانہ ہے۔

- غلام ربانی تاباں کا شعر ہے:-

کسے ہے یاد کہ سعی وطلب کی راہوں میں — کہاں ملا ہمیں تیرا نشاں، کہاں نہ ملا

شعر میں محبوب کے نشان کے ملنے یا نہ ملنے کی جگہ سے اپنی بے علمی کا اظہار شاعر نے تجاہلِ عارفانہ سے کیا ہے۔

- جگر مرادآبادی کا شعر ہے:-

ہم نہیں جانتے محبت میں — رنج کیا چیز ہے؟ خوشی کیا ہے

شاعر نے رنج وخوشی سے اپنی عدم واقفیت کا اظہار تجاہلِ عارفانہ کے تحت کیا ہے۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے کلام میں صنعتِ تجاہلِ عارفانہ کی مثال کے اشعار بھی کافی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ ان اشعار کا معیار اتنا اعلیٰ ہے کہ حضرت رضا کا ایک شعر دیگر شعراء کے کئی اشعار پر بھاری ہے۔ چند اشعار پیشِ خدمت ہیں:-

- حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں:-

(۱) جنت کو حرم سمجھا، آتے تو یہاں آیا — اب تک کے ہر اک کا منہ کہتا ہوں کہاں آیا

اس شعر میں جنت کو حرم سمجھنے کے مغالطے کا ذکر اور جنت میں آکر متعجب ہو کر سوال کرنا کہ میں کہاں آگیا یہ عشق رسول کا جذبہ ہے کہ مدینہ کے مقابلے میں جنت بھی عاشق صادق کے لئے حیرت آمیز مقام معلوم ہو رہی ہے اور کہاں آگیا؟ کا سوال تجاہل عارفانہ کے تحت ہے۔

(۲) کس کے جلوے کی جھلک ہے یہ اُجالا کیا ہے — ہر طرف دیدۂ حیرت زدہ تکتا کیا ہے

یعنی میدانِ محشر میں حضور اقدس ﷺ کا جلوۂ زیبا اور اُس جلوے کے صدقے میں حاصل ہونے والا اُجالا یعنی نور دیکھ کر کوئی حیرت زدہ ہر طرف تکتا ہوا پوچھے گا کہ یہ اُجالا کیا ہے؟ یہ سوال اور اس کے تکنے کی حرکت کو تجاہلِ عارفانہ کے تحت بیان کیا گیا ہے۔

(۳) ارے اے خدا کے بندو! کوئی میرے دل کو ڈھونڈھو — مرے پاس تھا ابھی تو، ابھی کیا ہُوا خدایا، نہ کوئی گیا نہ آیا

اس شعر میں حضرت رضا اپنے دل کے کھو جانے کا حادثہ تجاہلِ عارفانہ کے تحت بیان فرما رہے ہیں۔

(۴) رخصت قافلہ کا شورِ غش سے ہمیں اٹھائے کیوں — سوتے ہیں اُن کے سایہ میں کوئی ہمیں جگائے کیوں

(۵) طیبہ سے ہم آتے ہیں کہیئے تو جناں والو — کیا دیکھ کے جیتا ہے جو واں سے یہاں آیا

(۶) کس بلا کی مے سے ہیں سرشار ہم — دن ڈھلا ہوتے نہیں ہُشیار ہم

(۷) اِس میں روضہ کا سجدہ ہو کہ طواف — ہوش میں جو نہ ہو، وہ کیا نہ کرے

مضمون کی طوالت کو مدنظر رکھتے ہوئے صرف سات اشعار پر اکتفا کرنے کی کوتاہی کا ارتکابِ جرم کرتے ہوئے قارئین کرام سے معذرت خواہ ہیں۔ اہل ذوق حدائق بخشش کی طرف رجوع فرمائیں۔

(۱۸) صَنْعَتِ تَجْنِیْسِ کَامِلْ (تام)

فن شاعری میں صنعتِ تجنیس ایک دلچسپ صنعت ہے۔ اس صنعت کے ذریعہ شعر کی معنویت میں ایک نئی جان پید کی جاسکتی ہے۔ صنعتِ تجنیس کے استعمال سے شاعر کی علمی معلومات کا پتہ چلتا ہے۔ خصوصا لغت میں اس کی گہری نظر کی نشان دہی ہوتی ہے۔ صنعت تجنیس کی کئی قسمیں ہیں۔ مثلاً تجنیس تام، تجنیس خطی، تجنیس محرّف، تجنیس زائد، تجنیس قلب تجنیس مرکب، تجنیس ناقص، تجنیس مماثل، تجنیس مستوفی وغیرہ۔ ان تمام اقسام میں قارئین کرام کو نہ الجھاتے ہوئے اور تجنیس کی صنعت کو بآسانی اچھی طرح ذہن نشین کرنے کے لئے صنعت تجنیس کو دو اقسام میں منقسم کرتے ہیں۔ (۱) تجنیس کامل (تام) اور (۲) تجنیس ناقص پہلے ہم تجنیس کامل (تام) کے تعلق سے کچھ گفتگو کریں۔

تجنیس کامل یعنی شعر میں دو ایسے الفاظ کا استعمال کرنا جو حروف اور اعراب میں مساوی ہوں لیکن دونوں لفظوں کے معنی الگ الگ ہوں۔ یعنی وہ دونوں الفاظ تلفّظ میں یکساں ہوں لیکن دونوں کا استعمال مختلف معنوں میں کیا گیا ہو۔

(فیروز اللغات، ص ۳۴۶)

[***Analogy, Play on words which sound the same but have different meanings***]

تجنیس کامل کی بھی دو قسمیں ہیں:

تجنیس کامل مماثل: شعر میں ایسے دو لفظ لانا جو تلفظ میں مشابہ ہوں مگر معنی میں مختلف ہوں لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ دونوں لفظ اسم ہوں یا فعل ہوں یا حرف ہوں۔

تجنیس کامل مستوفی: شعر میں ایسے دو لفظ لانا جو تلفظ میں یکساں ہوں مگر معنی میں مختلف ہوں لیکن یہ ضروری ہے کہ ان میں سے ایک لفظ اسم ہے تو دوسرا فعل یا حرف ہو ایک لفظ فعل ہے تو دوسرا اسم یا حرف ہو۔ ایک لفظ حرف ہے تو دوسرا اسم یا فعل ہو۔

تجنیسات کے اقسام میں نہ الجھتے ہوئے صرف دو اقسام ذہن میں رکھیں یعنی تجنیس کامل اور ناقص۔ تجنیس کامل یعنی دو ایسے الفاظ کا ایک شعر میں استعمال کرنا جو حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی ہوں لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق ہوں۔ مثلا:-

● مرزا اسد اللہ غالبؔ کے اشعار:-

(۱) جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی ۔۔۔ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

مصرعۂ ثانی میں پہلی مرتبہ جو لفظ ''حق'' ہے وہ سچ کے معنی میں اور دوسری مرتبہ ''حق'' یعنی فریضہ کے معنی میں ہے۔

(۲) کوئی دن گر زندگانی اور ہے ۔۔۔ اپنے جی میں ہم نے ٹھانی اور ہے

مصرعۂ اوّل میں لفظ اور کے معنی زیادہ اور مصرعۂ ثانی میں لفظ ''اور'' جدید، الگ، نیا، دیگر وغیرہ معنی میں ہے۔

- شکیل بدایونی کا شعر ہے:-

آغوش تلاطم میں سفینہ ہی نہ آیا　　ناصح کو محبت کا قرینہ ہی نہ آیا

مصرعۂ اوّل میں لفظ ''آیا'' کے معنی آنا اور مصرعۂ ثانی میں ''آیا'' کے معنی جاننا یا معلوم ہونا ہے۔

- فانی بدایونی کا شعر ہے:-

تو نے سب اپنے کام بگڑ کر بنا لئے　　میری وفا، وہ کام جو بن کر بگڑ گیا

مصرعۂ اولیٰ میں ''بگڑنا'' بمعنی خفا ہونا ہے اور مصرعہ ثانی میں بگڑنا بمعنی خراب ہونا، ضائع ہونا کے ہے۔

- مومن خاں مومن کا شعر ہے:-

صاحب نے اس غلام کو آزاد کر دیا　　لو بندگی کہ چھوٹ گئے بندگی سے ہم

مصرعۂ ثانی میں پہلی مرتبہ لفظ بندگی ''سلام'' کے معنی میں اور دوسری مرتبہ ''غلامی'' کے معنی میں ہے۔

- جگر مرادآبادی کا شعر ہے:-

دل تو یوں دل سے ملایا کہ نہ رکھا میرا　　اب نظر کے لئے، کیا حکم نظر ہوتا ہے

مصرعۂ ثانی میں پہلی مرتبہ لفظ نظر ''آنکھ'' کے معنی میں اور دوسری مرتبہ ''مہربانی'' کے معنی میں ہے۔

- اصغر گونڈوی کا شعر ہے:-

خاک کر دیں تپشِ عشق سے ساری ہستی　　پھر اسی خاک کو خاک در جاناں کر دیں

پہلی مرتبہ لفظ خاک ''جلانا'' کے معنی میں۔ دوسری مرتبہ ''راکھ'' کے معنی میں اور تیسری مرتبہ ''مٹی'' کے معنی میں ہے۔

- فراق گورکھپوری کا شعر ہے:-

زبان و گوش کی ناکامیوں کا کچھ ٹھکانا ہے　　کہ باتیں ہو کے بھی تجھ سے کبھی باتیں نہیں ہوتیں

مصرعۂ ثانی میں پہلی مرتبہ لفظ باتیں ''موقع''، ''معاملہ'' وغیرہ معنی میں اور دوسری مرتبہ ''گفتگو'' کے معنی میں ہے۔

نوٹ:- فیروز اللغات، ص ۱۵۷، پر لفظ ''بات'' کے کل ۱۲۵ معنی درج ہیں۔

صنعت تجنیس کامل (تام) تقریباً ہر اردو شاعر کے کلام میں پائی جاتی ہے لیکن کسی کے کلام میں کم ہے، کسی کے کلام میں بہت کم ہے اور کسی کے کلام میں بہت ہی کم ہے۔ علاوہ ازیں ان شعراء اردو ادب کے کلام میں اکثر و بیشتر ایسے اشعار ہی ہیں جن میں صنعت تجنیس کامل کے تحت آنے والا لفظ دو مرتبہ ہی پایا جاتا ہے۔ اردو ادب کے تمام شعراء کے دیوان میں بہت کم ایسے اشعار ملیں گے، جن میں کوئی لفظ تین مرتبہ آیا ہے۔ جیسے کہ مندرجہ بالا اصغر گونڈوی کے شعر میں لفظ ''خاک'' تین مرتبہ آیا ہے۔ لیکن حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے دیوان میں کثرت سے ایسے اشعار ملیں گے جن میں کسی لفظ کو تین یا چار مرتبہ الگ الگ معنوں میں استعمال کیا ہے۔ حضرت رضا کے دیوان میں ایک شعر صنعت تجنیس کامل کا ایسا ہے کہ جس میں ایک لفظ کو سات مرتبہ الگ الگ معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ وہ شعر ذیل میں پیش ہے:

نور۱ و بنتِ نور۲ و زوجِ نور۳ و امِ نور۴ و نور۵ نور۶ مطلق کی کنیز، اللہ دے لینا نور۷ کا

اس شعر میں لفظ "نور" کا کل سات مرتبہ استعمال فرمایا گیا ہے۔ یہ شعر جگر پارہ و راحتِ جانِ مصطفیٰ سیدۃ النساء، خاتو[ن] جنت، سیّدہ، زہرہ، زاہدہ، عابدہ، طیبہ، طاہرہ، فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی شان میں ہے۔ شعر میں لفظ نور سات الگ الگ معنو[ں] اور مرادوں میں استعمال کیا گیا ہے: (۱) پہلی مرتبہ سے مراد سیدہ فاطمہ (۲) دوسری مرتبہ سے مراد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذا[ت] گرامی (۳) تیسری مرتبہ سے مراد مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم (۴) چوتھی اور (۵) پانچویں مرتبہ سے مراد حضرت سیدنا امام حسن اور سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہما (۶) چھٹی مرتبہ سے مراد اللہ تبارک وتعالیٰ کا نور اور (۷) ساتویں مرتبہ [میں] لفظ نور ہے اس کے معنی ہیں نورِ ایمان، روشنی، چمک وغیرہ۔ لہٰذا شعر کے معنی یہ ہوئے کہ سیدۃ النساء خاتون جنت نور ہیں ا[ور] وہ نور۲ (نبی) کی بیٹی ہیں اور نور۳ (علی) کی زوجہ ہیں اور نور۴ (حسن) و نور۵ (حسین) کی والدہ ہیں اور نور۶ (اللہ تبارک [و] تعالیٰ) کی کنیز یعنی بندی۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی نور۷ نصیب فرمائے۔ یعنی ایمان اور ایمان کی چمک دمک عطا فرمائے۔ اور نو[ر] ایمان کی روشنی سے بہرہ مند فرمائے۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے نعتیہ دیوان "حدائق بخشش" کے صرف اردو کلام میں سے راقم الحروف نے ایک سوستر (۱۷۰) اشعار صنعت تجنیس کامل کے الگ چھانٹ کران میں سے ایک سوتیس (۱۳۰) اشعار کی تشریح کردی ہے۔ تشریح کیا کی ہے؟ بلکہ تشریح کرنے کی کوشش کی ہے۔ جو تقریباً ایک ہزار صفحات سے بھی زائد کتابی شکل میں عنقریب منظر عام پر آرہی ہے۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ وان شاء حبیبہ جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اس کتاب کا نام "عرفانِ رضا د[ر] مدحِ مصطفیٰ" ہے۔ یہ کتاب اوّل تا آخر چار ماہ اور ۱۹؍دن میں راقم الحروف نے پور بندر جیل میں لکھی ہے۔ لکھی کیا ہے؟ بلکہ بارگاہ رضا کے اس ادنیٰ سوالی سے پیرو مرشد، آقائے نعمت، تاجدار اہل سنت، حضور مفتی اعظم ہند حضرت مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمۃ والرضوان نے لکھوائی ہے۔ قارئین کرام فقیر کی اس تصنیف کی طرف بھی التفات ورجوع فرمائیں۔ لہٰذا یہاں پر صنعت تجنیس کامل کے تعلق سے مزید تفصیلی گفتگو نہ کرتے ہوئے بہت ہی اختصار کے ساتھ چند باتیں عرض خدمت کرتا ہوں۔

کسی ایک شاعر کے صرف اردو کلام میں صنعت تجنیس کامل کے ۱۷۰ اشعار پائے جانا بہت ہی حیرت اور تعجب کی بات ہے۔ اور وہ بھی عشق حقیقی میں۔ ہم اپنی کم علمی بلکہ بے علمی کا اعتراف کرتے ہوئے بھی سینہ ٹھونک کر یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ اردو ادب میں حضرت رضا کا مقابل کوئی ایسا شاعر پیدا ہی نہیں ہوا جو صرف صنعت تجنیس تام (کامل) کے اتنے کثیر تعداد میں اشعار نظم کر سکے۔ اردو ادب کے چمن میں حضرت رضا جیسا دیدہ ور دید و گمان سے ورا ہے۔ حضرت رضا نے کئی اشعار میں صنعت تجنیس کی دو دو اور تین تین مثالیں دی ہیں۔ کئی اشعار میں ایک لفظ کا تین اور چار مرتبہ استعمال فرمایا ہے۔ کچھ مثالیں قارئین کی خدمت میں پیش ہیں:-

- جنت ہے ان کے جلوہ سے جویائے رنگ و بو ‌ ‌ اے گل، ہمارے گل سے ہے، گل کو، سوال گل

اس شعر میں لفظ گل کا چار مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ چاروں مرتبہ لفظ گل الگ الگ معنی کا حامل ہے: (۱) پہلی مرتبہ بمعنی پھول (۲) دوسری مرتبہ میں مراد ہے محبوب یعنی حضور اقدس ﷺ کی ذاتِ گرامی۔ (۳) تیسری مرتبہ بمعنی سائل یعنی جنت اور (۴) چوتھی مرتبہ بمعنی رونق، چمک، نور، زینت وغیرہ۔

- وہ رضا کے نیزہ کی مار ہے کہ عدو کے سینہ میں غار ہے ۔۔۔ کسے چارہ جوئی کا وار ہے کہ یہ وار وار سے پار ہے

اس شعر میں لفظ وار تین مرتبہ الگ الگ معنیٰ میں مستعمل ہوا ہے۔ پہلی مرتبہ حوصلہ، دوسری مرتبہ زخم اور تیسری مرتبہ بھرنا کے معنی میں ہے۔

- میں نثار تیرے کلام پر، ملی یوں تو کس کو زباں نہیں ۔۔۔ وہ سخن ہے جس میں سخن نہ ہو وہ بیاں ہے جس کا بیاں نہیں

اس شعر میں لفظ ''سخن'' اور لفظ ''بیان'' کا دو دو مرتبہ الگ الگ معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظِ سخن ہے اس کے معنی ''گفتگو'' اور دوسری مرتبہ ''اعتراض'' ہے۔ اسی طرح پہلی مرتبہ جو لفظِ بیان ہے وہ ''خطبہ اور تقریر'' کے معنی میں اور دوسری مرتبہ ''وضاحت'' اور ''بیان کرنا'' کے معنی میں ہے۔ اس شعر میں دو تجنیسات ہیں۔ ایک سخن اور سخن سے اور دوسری بیان اور بیان سے۔

- ترا قدِ مبارک گلبنِ رحمت کی ڈالی ہے ۔۔۔ اُسے بو کر ترے رب نے بنا رحمت کی ڈالی ہے

پہلی مرتبہ لفظ ڈالی کے معنی ''شاخ'' ہیں اور دوسری مرتبہ ''بونا'' یا ''ڈالنا'' ہے۔

- قرنوں بدلی رسولوں کی ہوتی رہی ۔۔۔ چاند بدلی کا نکلا ہمارا نبی

پہلی مرتبہ لفظ بدلی کے معنی ''تبدیلی'' یا ''ایک شخص کے کام پر دوسرے کا جانا'' ہے۔ دوسری مرتبہ جو لفظ ہے بدلی وہ ''بادل کا ٹکڑا'' کے معنی میں ہے۔ لفظ بدلی بادل کی اسم تصغیر ہے۔

- معصوموں کو ہے عمر میں صرف ایک بار بار ۔۔۔ عاصی پڑے رہیں تو صلا عمر بھی کی ہے

پہلی بار لفظ بار کے معنی ''مرتبہ'' ہیں اور دوسری مرتبہ جو لفظ بار ہے اس کے معنی ''موقعہ'' ہیں۔

چند اشعار بغیر کسی وضاحت کے رواں رواں پیش خدمت ہیں:-

- میں تو کیا ہی چاہوں کہ بندہ ہوں شاہ کا ۔۔۔ پر لُطف جنب ہے کہہ دیں اگر وہ جناب ہوں
- طور کیا عرش جلے دیکھ کے وہ جلوۂ گرم ۔۔۔ آپ عارض ہو مگر آئینہ دار عارض
- بحر سائل کا ہوں سائل نہ کنوئیں کا پیاسا ۔۔۔ خود بجھا جائے کلیجا مرا چھینٹا تیرا
- اے مدعیو! خاک کو تم خاک نہ سمجھے ۔۔۔ اس خاک میں مدفون شہِ بطحا ہے ہمارا
- اس میں زم زم ہے کہ تھم تھم اس میں جم جم ہے کہ بیش ۔۔۔ کثرتِ کوثر میں زم زم کی طرح کم کم نہیں
- مومن وہ ہے جو اُن کی عزت پہ مرے دل سے ۔۔۔ تعظیم بھی کرتا ہے نجدی تو مرے دل سے
- بہر معروف وسری، معروف دے بے خودسری ۔۔۔ جند حق میں گن جنید باصفا کے واسطے

- قافلے نے سوئے طیبہ کمر آرائی کی ... مشکل آسان الٰہی مری تنہائی کی
- یوں ملائک کریں معروض کہ اِک مجرم ہے ... اس سے پرسش ہے بتا تو نے کیا کیا کیا ہے
- گود میں عالم شباب، حال شباب کچھ نہ پوچھ ... گلبنِ باغِ نور کی اور ہی کچھ اُٹھان ہے
- وہ گل ہیں لب ہائے نازک اُن کے، ہزاروں جھڑتے ہیں پھول جن سے
  گلاب گلشن میں دیکھے بلبل، یہ دیکھ گلشن گلاب میں ہے
- قضا حق ہے مگر اس شوق کا اللہ والی ہے ... جو اُن کی راہ میں جائے وہ جان اللہ والی ہے
- تیری قضا خلیفۂ احکام ذی الجلال ... تیری رضا حلیف قضا و قدر کی ہے
- آئی بدعت چھائی ظلمت رنگ بدلا نور کا ... ماہِ سنت مہر طلعت لے لے بدلا نور کا
- گیسو وقد لام الف کر دو بلا منصرف ... لا کے تہِ تیغ لاتم پہ کروڑوں درود
- سبب ہر سبب منتہائے طلب ... علّت جملہ علّت پہ لاکھوں سلام
- رسل وملک پہ درود ہو، وہی جانے ان کے شمار کو ... مگر ایک ایسا دکھا تو دو، جو شفیع روزِ شمار ہے
- انبیاء کو بھی اجل آنی ہے ... مگر ایسی کہ فقط آنی ہے
- ہے تو رضا نرا ستم جرم پہ گر لجائیں ہم ... کوئی بجائے سوزِ غم سازِ طرب بجائے کیوں

یہ تو صرف بطور نمونہ چند اشعار پیش کئے ہیں۔ ان اشعار میں کیا خوبی ہے، مضمون کی کتنی گہرائی ہے، قرآن وحدیث کی کس طرح کی ترجمانی ہے، عشقِ رسول کا کیسا جذبۂ لافانی ہے، اُن تمام محاسن سے کامل طور پر آشنا ہونے کے لئے فقیر سراپا تقصیر کی تصنیف ''عرفان رضا در مدح مصطفیٰ'' کا مطالعہ فرمائیں۔ اس کتاب میں کل ۱۲۱ر کتب معتبرہ کے حوالے دیے ہیں۔ ۱۳۰ر اشعار کی تشریح ایک ہزار صفحات سے بھی زیادہ پر مشتمل ہے اور تقریباً دو ہزار سات سو پچاس (۲۷۵۰) حوالے قرآن، حدیث، کتب سیر وتواریخ، تصانیف ائمہ دین، کتب لغت وغیرہ سے نقل کئے گئے ہیں۔

(۱۹) صَنعَتِ تَجْنِیْسِ نَاقِصْ

شعر میں ایسے دو الفاظ کا استعمال کرنا جو حروف میں یکساں ہوں لیکن اعراب میں مختلف ہوں اور دونوں لفظ مختلف معنی میں استعمال ہوئے ہوں۔

[*Resemblance, Pair of words whose initial letters only are diffrent*]

- جوش ملیح آبادی کا شعر ہے:-

اِدھر میرا دل تڑپ رہا ہے، تری جوانی کی جستجو میں ... اُدھر مرے دل کی آرزو میں مچل رہا ہے شباب تیرا

اس شعر میں لفظ اِدھر اور اُدھر باعتبار حروف مساوی ہیں لیکن اعراب میں جُداگانہ ہیں۔

- جگرؔ مرادآبادی کا شعر ہے:-

اِدھر دامن کسی کا جھاڑ کر محفل سے اُٹھ جانا ‌ ‌ ‌ ‌ اُدھر نظروں میں ہر ہر چیز کا بیکار ہو جانا

اس شعر میں بھی اِدھر اور اُدھر کے الفاظ ہیں۔

- فانیؔ بدایونی کا شعر ہے:-

اُدھر منہ پھیر کر ذبح کرتے ہو، اِدھر دیکھو ‌ ‌ ‌ ‌ مری گردن پہ خنجر کی روانی دیکھتے جاؤ

اس شعر میں بھی اُدھر اور اِدھر کے الفاظ باعتبارِ حروف مساوی لیکن باعتبار اعراب متفرق ہیں۔

- غلام ربانی تاباںؔ کا شعر ہے:-

اِدھر وفا کو گلہ ہے کہ دل لہو نہ ہوا ‌ ‌ ‌ ‌ اُدھر ستم کو شکایت کہ قدر داں نہ ملا

اس شعر میں شاعر نے اعراب کے فرق سے اِدھر اور اُدھر لفظوں کا استعمال کیا ہے۔

- اصغرؔ گونڈوی کا شعر ہے:-

اُس کی نگاہِ ناز نے چھیڑا کچھ اس طرح ‌ ‌ ‌ ‌ اب تک اُچھل رہی ہے رگِ جانِ آرزو

اس شعر میں لفظ اُس اور اِس کا باعتبار تجنیس استعمال ہوا ہے۔

- فیض احمد فیضؔ کا شعر ہے:-

اور ملے گا بھی تو اِس طور کہ پچھتاؤ گے ‌ ‌ ‌ ‌ اُس گھڑی اے دل آوارہ کہاں جاؤ گے

اس شعر میں بھی لفظ اِس اور اُس کا استعمال کیا گیا ہے۔

- شکیلؔ بدایونی کا شعر ہے:-

نہ ذکرِ عنواں نہ حرفِ مطلب، اِدھر خموشی اُدھر تغافل ‌ ‌ ‌ ‌ تو پھر یہ افسانۂ محبت زباں زدِ خاص و عام کیوں ہے

اس شعر میں شاعر نے مساوی حروف اور متفرق اعراب سے لفظِ اِدھر اور اُدھر کا استعمال کیا ہے۔

اردو ادب کے کچھ نامور اور صف اوّل کے شعراء کے اشعار مندرجہ بالا بطور مثال پیش کئے ہیں۔ حالانکہ اس صنعت میں شعرائے اردو ادب کے دیوان میں بہت ہی کم اشعار پائے جاتے ہیں۔ کسی کے دیوان میں پانچ، کسی کے دیوان میں سات یا آٹھ دس کی قلیل تعداد میں اشعار پائے جاتے ہیں اور ان اشعار میں زیادہ تر اشعار میں اِدھر- اُدھر، اِس- اُس کے الفاظ ہی استعمال کئے گئے ہیں۔ گویا کہ اس صنعت کی مثال میں شعر کہنے کی رسم و روایت مجبوراً ادا کی گئی ہو ایسا محسوس ہو رہا ہے کیونکہ کسی بھی شاعر کے کلام میں اس صنعت کی مثال کے اشعار میں الفاظ کی جدت اور نیا پن نہیں پایا جاتا۔ تقریباً تمام شعراء اِدھر اور اُدھر یا اِس اور اُس کے محدود دائرے میں مقید رہ کر اِدھر سے اُدھر تک کی حد میں اِس یا اُس کنارے تک ہی منتہی نظر آتے ہیں۔ لیکن حضرت رضاؔ بریلوی نے اس صنعت میں جدتِ الفاظ کے حسن کو نکھار کر تمام شعرائے اردو ادب پر اپنی انفرادی حیثیت قائم کر دی ہے۔

جیسا کہ اوراق سابقہ میں ہم نے عرض کیا ہے کہ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی یہ شان اور کمال ہے کہ آپ نے ادب کی جس صنعت کی طرف التفات فرمایا ہے اس صنعت کو اجاگر فرما دیا ہے۔ زیر بحث صنعت میں مثالی اشعار کی سخت قلت محسوس ہو رہی ہے اور جو اشعار پائے جاتے ہیں وہ بھی اِدھر-اُدھر یا اِس-اُس کے الفاظ سے اِدھر سے اُدھر ہو رہے ہیں اور جدت الفاظ کا یکسر فقدان ہے۔ ایسی اجڑی ہوئی صنعت پر بہارِ نو قائم کر کے حضرت رضا نے فن و ادب پر احسان کیا ہے۔ کچھ اشعار پیش خدمت ہیں:-

● حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

(۱) ترے خُلق کو حق نے عظیم کہا، تری خَلق کو حق نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے، نہ ہوگا شہا، تیرے خالقِ حُسن و ادا کی قسم

اس شعر میں لفظ خُلق کے معنی اخلاق اور لفظ خَلق کے معنی پیدائش ہے۔ خُلق اور خَلق حروف کے اعتبار سے مساوی ہیں لیکن اعراب میں متفرق ہیں۔

(۲) جیسے سب کا خدا ایک ہے ویسے ہی اِن کا اُن کا تمہارا ہمارا نبی

اس شعر میں زیر اور پیش کے فرق سے لفظ اِن اور اُن الگ معنی میں ہو گئے۔

(۳) عالِم علم دو عالَم ہیں حضور آپ سے کیا عرض حاجت کیجئے

اس شعر میں لفظ عالِم = جاننے والا اور لفظ عالَم = جہاں، دنیا ہے۔

(۴) سونے کو تپائیں جب کچھ مِیل ہو یا کچھ مَیل کیا کام جہنم کے دَھرے کو کَھرے دل سے

اس شعر میں لفظ مِیل = سلاخ، کیل اور لفظ مَیل = جوڑ، رغبت، کدورت وغیرہ ہے۔ لفظ مِیل اور مَیل حروف کے اعتبار سے یکساں ہیں لیکن اعراب میں جداگانہ ہیں۔

(۵) تف نجدیت نہ کفر نہ اسلام سب پہ حرف کافر اِدھر کی ہے، نہ اُدھر کی، اَدھر کی ہے

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے اعراب کے تفاوت سے اِدھر، اُدھر اور اَدھر کا ایک مصرعہ میں استعمال فرما کر کمال کر دیا ہے۔ اِدھر = یہاں (**Here**)، اُدھر = وہاں (**There**) اور اَدھر = بیچ میں یا لٹکا ہوا۔ (**Hung or Suspended**) ہے۔

(۶) سونا پاس ہے، سونا بن ہے، سونا زہر ہے اٹھ پیارے تو کہتا ہے میٹھی نیند ہے، تیری مت ہی نرالی ہے

اس شعر کے مصرعہ اولیٰ میں لفظ سونا = زر طلا (**Gold**) واؤ مجہول کے ساتھ ہے۔ دوسری مرتبہ جو لفظ سونا ہے اس میں واؤ معروف ہے اس کے معنی ہیں ویران اور سنسان۔ تیسری مرتبہ جو لفظ سونا ہے وہ واؤ مجہول کے ساتھ ہے اس کے معنی ہیں نیند لینا یا نیند کرنا۔ (**Sleep**)

(۷) اِس طرف روضہ کا نور، اُس سمت منبر کی بہار بیچ میں جنت کی پیاری پیاری کیاری واہ وا

اس شعر میں لفظ اِس اور اُس حروف میں مساوی اور اعراب میں متفرق ہیں۔

(۸) اک ترے رخ کی روشنی چین ہے دو جہان کی — اِنس کا اُنس اسی سے ہے جان کی وہ ہی جان ہے

اس شعر میں جو لفظِ اِنس ہے اس کے معنی ''انسان۔ آدمی'' ہے اور لفظ اُنس کے معنی ہمدردی، پیار، رغبت، میل جول وغیرہ ہے۔ زیر اور پیش کی علامت اعراب نے معنی میں عظیم فرق کردیا ہے۔

(۹) کس سے کہیے کیا کیا کیا ہوگیا — خود ہی اپنے پر ملامت کیجئے

اس شعر میں پہلی مرتبہ جو لفظ کیا ہے وہ کلمہ استفہام ہے جس کے معنی چہ، آیا، خواہ، کس قدر، کتنا وغیرہ ہیں۔ دوسری مرتبہ جو لفظ کیا ہے اس میں حرف کاف مکسور ہے یعنی حرف کاف کے نیچے زیر کی علامت ہے۔ وہ لفظ تابع فعل ہے اور اس کے معنی ہے کرنا، عمل کرنا، کیا ہوا کام وغیرہ ہیں۔

(۱۰) اُدھر سے پیہم تقاضے آنا، اِدھر تھا مشکل قدم بڑھانا — جلال وہیبت کا سامنا تھا، جمال ورحمت اُبھارتے تھے

اس شعر میں لفظ اُدھر اور اِدھر حروف میں یکساں لیکن اعراب میں الگ الگ ہیں

مذکورہ دس اشعار میں جدت الفاظ کے لطف سے قارئین کرام یقیناً محظوظ ہورہے ہوں گے۔

شعر نمبر (۱)	خُلق اور خَلق	شعر نمبر (۲)	اِن اور اُن
شعر نمبر (۳)	عالِم اور عالَم	شعر نمبر (۴)	مِیل اور مَیل
شعر نمبر (۵)	اِدھر، اُدھر اور اَدھر	شعر نمبر (۶)	سُونا، سُوْنا اور سَونا
شعر نمبر (۷)	اِس اور اُس	شعر نمبر (۸)	اِنس اور اُنس
شعر نمبر (۹)	کیا، کِیا اور کیا	شعر نمبر (۱۰)	اُدھر اور اِدھر

الفاظ کا استعمال فرما کر جدت الفاظ کے حسن سے اس صنعت کو مزین کیا ہے۔ علاوہ ازیں ایک اور کمال یہ ہے کہ شعر نمبر ۶، ۸، اور ۹ میں صنعت تجنیس ناقص کے ساتھ ساتھ صنعت تام (کامل) بھی ہے۔ ایک شعر میں اس طرح دو صنعات کو جمع کرنا یہ حضرت رضا کا کمال اور انوکھا پن ہے۔ صنعت تجنیس ناقص میں حضرت رضا بریلوی کے تیس سے بھی زائد اشعار پائے جاتے ہیں اور ان میں مضمون کی گہرائی، الفاظ کی جدت کی زیبائی، فن وادب کی اعلیٰ میعاری اور عشق رسول کے سوز و گداز کی بے مثالی پائی جاتی ہے۔

(۲۰) صَنْعَتِ مُرَاعَاتُ النَّظِیْرُ

یعنی شعر میں ایسی کئی چیزوں کا ذکر کرنا جن میں باہم مناسبت ہو۔ (فیروز اللغات، صفحہ ۱۲۲۴) اس کو رعایت لفظی بھی کہتے ہیں یعنی ایسی چیزوں کا ذکر کرنا جن میں آپس میں تضاد نہ ہو اور ان میں ایک دوسرے کے ساتھ مناسبت ہو۔ مثلاً چمن کے ذکر کے ساتھ گل وبلبل کا ذکر کرنا۔ اس کو صنعت تلفیق، تناسب اور ائتلاف بھی کہا جاتا ہے۔

Indulgent, Compliant]

- مرزا غالبؔ کا شعر ہے:-

قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں　　میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں

اس شعر میں قاصد، خط، آنا، لکھنا، جواب وغیرہ میں آپس میں تناسب ہے، ضد نہیں۔

- شکیلؔ بدایونی کا شعر ہے:-

شکیلؔ اب چند اشکوں پر گزارا کر رہا ہوں میں　　نہ ساغر ہے، نہ پیمانہ، نہ ساقی ہے نہ میخانہ

اس شعر میں ساغر، پیمانہ، ساقی اور میخانہ میں آپس میں مناسبت ہے، تضاد نہیں۔

- فیض احمد فیضؔ کا شعر ہے:-

شمع نظر، خیال کے انجم، جگر کے داغ　　جتنے چراغ ہیں تری محفل سے آئے ہیں

اس شعر میں شمع، انجم، چراغ، محفل میں آپس میں مناسبت ہے۔ تضاد نہیں۔

- علامہ اقبالؔ کا شعر ہے:-

نہ بادہ ہے، نہ صراحی، نہ دور پیمانہ　　فقط نگاہ سے رنگین ہے بزم میخانہ

اس شعر میں بادہ، صراحی، پیمانہ، مے خانہ میں اور رنگین و بزم میں آپس میں تناسب ہے۔

- اصغرؔ گونڈوی کا شعر ہے:-

نہ یہ شیشہ، نہ یہ ساغر، نہ یہ پیمانہ بنے　　جان میخانہ تری نرگس مستانہ بنے

اس شعر میں شیشہ، ساغر، پیمانہ، میخانہ میں آپس میں مناسبت ہے۔

- فانیؔ بدایونی کا شعر ہے:-

تیرے بغیر باغ میں پھول نہ کھل کے ہنس سکے　　کوئی بہار کی سی بات اب کے بہار میں نہیں

اس شعر میں باغ، پھول اور بہار کا شاعر نے ذکر کیا ہے۔ ان تینوں میں مناسبت ہے، تضاد نہیں۔

- جگرؔ مراد آبادی کا شعر ہے:-

سمجھائے کون، بلبلِ غفلت شعار کو　　محدود کرلیا ہے چمن تک بہار کو

اس شعر میں بلبل، چمن اور بہار کا ذکر ہے۔ جن میں آپس میں مناسبت ہے۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے نعتیہ کلام کو مذہبی اعتبار سے نہیں بلکہ فن وادب کی حیثیت سے دیگر شعرائے اردو ادب کے کلام کے مقابلے میں جس حیثیت سے بھی لاتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے تمام شعرائے ادب وفن جمع ہو کر مجموعی طور پر فن وادب کی جو خوبی پیدا نہیں کر سکے وہ حضرت رضا نے تن تنہا پیدا کر دی ہے بلکہ ایک نیا حسن پیدا کر دیا ہے۔ حضرت رضا کے کلام میں جو طمطراق، تجمل، شان وشوکت، انوکھا پن اور طنطنہ ہے وہ دیگر شعراء کے کلام میں نہیں ہے۔

ہمارے اس دعوے کی صداقت کی شہادت مندرجہ ذیل اشعار سے قارئین کو مل جائے گی۔

● حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں:۔

(۱) شاخ قامت شہ میں زلف وچشم ورخسار ولب ہیں سنبل نرگس گل پنکھڑیاں قدرت کی کیا پھولی شاخ

اس شعر میں شاخ، سنبل، نرگس، گل، پنکھڑیاں میں مناسبت ہے۔ اسی طرح قامت، زلف، چشم، رخسار، لب میں بھی مناسبت ہے۔ صرف ایک شعر میں حضرت رضا نے آپس میں مناسبت رکھنے والی کل دس چیزوں کا بیان کر کے فصاحت و بلاغت کی اعلیٰ مثال پیش کی ہے۔

(۲) نبوی مینھ، علَوی فصل، بتولی گلشن حسنی پھول، حسینی ہے مہکنا تیرا

اس شعر میں مینھ، فصل، گلشن، پھول، مہکنا، کا آپس میں تناسب ہے۔ علاوہ ازیں حضرت رضا نے اس شعر میں نبوی، علوی، بتولی، حسنی اور حسینی کا ربط وعلاقہ بیان کر کے رعایت لفظی کی دلکش بندش نظم فرمائی ہے۔

(۳) ظاہر وباطن، اول وآخر، زیب فروع وزین اصول باغ رسالت میں ہے تو ہی گل غنچہ جڑ پتی شاخ

اس شعر میں آپس میں مناسبت رکھنے والی چھ چیزوں کا صرف ایک مصرعہ میں بیان کیا گیا ہے۔ وہ چھ چیزیں باغ، گل، غنچہ، جڑ، پتی اور شاخ ہیں۔

(۴) سرتا بقدم ہے تن سلطان زمن پھول لب پھول، دہن پھول، ذقن پھول، بدن پھول

اس شعر میں سر، قدم، تن، لب، دہن، ذقن اور بدن کا ذکر ہے۔ ان تمام کا آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تناسب ہے، تضاد نہیں۔

(۵) انہیں کی بو مایہ سمن ہے، انہیں کا جلوہ چمن چمن ہے
انہیں سے گلشن مہک رہے ہیں، انہیں کی رنگت گلاب میں ہے

اس شعر میں بو، سمن، (چنبیلی) چمن، گلشن، رنگت اور گلاب کو باعتبار تناسب ذکر کیا گیا ہے۔

(۶) نہا کے نہروں نے وہ چمکتا لباس آب رواں کا پہنا
کہ موجیں چھڑیاں تھیں دھار لچکا حباب تاباں کے تھل ٹکے تھے

اس شعر میں نہر، آب (پانی)، دھار، حباب (بلبلہ) اور موج میں آپس کی مناسبت بیان کی گئی ہے۔

(۷) جناں میں چمن، چمن میں سمن، سمن میں پھبن، پھبن میں دلہن
سزائے محن پہ ایسے منن، یہ امن واماں تمہارے لئے

اس شعر میں جناں، چمن، سمن، پھبن اور دولہن کا ذکر ہے۔ جن میں مناسبت ہے تضاد نہیں۔

(۸) یہ سمن، یہ سوسن ویاسمن، یہ بنفشہ سنبل ونسترن گل وسرو ولالہ بھرا چمن، وہی ایک جلوہ ہزار ہے

اس شعر مین سمن یعنی چمیلی، سوسن **JLily**، یاسمن **Jasmine**، بنفشہ **Violet**، سنبل **Spikenard**، نسترن

White Rose، چمن Parterre، ہزار Marygold، لالہ Red Flower، سرو Cypress، گل Flower
ذکر کیا گیا ہے۔ کل گیارہ چیزوں کا آپس کی مناسبت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

(۹) وہی آنکھ ان کا جو منھ تکے وہی لب کہ محو ہوں نعت کے وہی دل جوان کے لئے جھکے، وہی سر جواُن پہ نثار
اس شعر میں آنکھ، منہ، لب، دل اور سر کا ذکر ہے۔ جن میں آپس مین مناسبت ہے۔

(۱۰) نظر اک چمن سے دوچار ہے، نہ چمن چمن بھی نثار ہے عجب اس کے گل کی بہار ہے، کہ بہار بلبل زار
اس شعر میں چمن، گل، بہار اور بلبل کا ذکر ہے۔ جن میں آپس میں تناسب ہے، تضاد نہیں۔

صنعت مراعات النظیر میں قارئین نے دیگر شعرائے اردو ادب کے اشعار کو ملاحظہ فرمایا اور حضرت رضا بریلوی الرحمۃ والرضوان کے اشعار بھی ملاحظہ فرمائے۔ لیکن حضرت رضا کے اشعار کے مقابلے میں دیگر شعراء کے اشعار پھیکے ہوتے ہیں۔ حضرت رضا کے اشعار میں جو فصاحت وبلاغت، ربط وتسلسل، زوانی وشائستگی، رعایت لفظی، مضمون کی بلا عشق کی پاکیزگی، عنوان کی عمدگی اور جدت الفاظ کی جو نُو روی ہے، وہ دیگر شعراء کے کلام میں نہیں۔ حیرت کی بات تو کہ دیگر شعراء شرعی قید وبند سے آزاد ہوکر، عشق مجازی میں اپنے قلم کو بے لگام اور بے قابو چلانے کے باوجود اپنے کلا جو رنگینی، رعنائی اور حسن پیدا نہ کر سکے وہ سب حضرت رضا نے شریعت کی حد بندی میں رہتے ہوئے اپنے کلام عشق حقیقی ایسے حسن اسلوبی سے بیان فرمادیا کہ بڑے بڑے ادباء اور فصحاء کے سر نیاز خم ہو گئے۔ اس صنعت میں حضرت رضا اشعار سینکڑوں میں ہے۔

(۲۱) صَنعَتِ تَرْصِیعْ

شاعری کی اس صنعت کو کہتے ہیں جس میں دونوں مصرعوں کے الفاظ ہم وزن ہوں (فیروز اللغات صفحہ ۳۵۵)
شاعر ایسا شعر کہے کہ جس شعر کے دوسرے مصرعہ کے تمام الفاظ پہلے مصرعہ سے ہم قافیہ ہوں۔ مثلاً:

نام تیرا ہے زندگی میری کام میرا ہے بندگی تیری

[Both hemistich of distich (prose) consisting of similar rhyme]

مذکورہ بالا جو شعر بطور مثال پیش کیا ہے، اس کے دونوں مصرعوں کے تمام الفاظ ہم قافیہ ہیں۔ جیسے کہ:۔

پہلا مصرعہ:۔	نام	تیرا	ہے	زندگی	میری
دوسرا مصرعہ:۔	کام	میرا	ہے	بندگی	تیری

مذکورہ تقسیم سے قارئین کرام اچھی طرح تفہیم کر چکے ہوں گے کہ پہلے مصرعہ کے تمام الفاظ دوسرے مصرعہ سے ہم قا ہیں۔ یہ ایک پیچیدہ اور بہت مشکل صنعت ہے۔

● مرزا غالب کے دیوان کی راقم الحروف نے اول تا آخر اوراق گردانی کی کہ شاید چند اشعار بطور مثال پیش کرنے کو

جائیں لیکن پورے دیوانِ غالب میں صنعت ترصیع کی مثال میں ایک بھی شعر نہ ملا اور اوراق گردانی کی محنت ضائع ہوئی۔

- شکیلؔ بدایونی کا مجموعۂ دیوان "کلیات شکیل" شروع سے آخر تک ہم نے دیکھ ڈالا لیکن شکیلؔ صاحب نے اس صنعت کو نا قابلِ اعتنا سمجھ کر شاید اس کی طرف التفات نہیں کیا کیونکہ شکیلؔ بدایونی کے کلام میں بھی صنعت ترصیع کا کوئی شعر نہیں پایا جاتا۔
- فیض احمد فیضؔ، فانیؔ بدایونی اور جگرؔ مرادآبادی کے دیوانوں کو سرسری نظر سے دیکھا کہ شاید اُن کے کلام میں اس صنعت میں ایک آدھ شعر ہو لیکن ہم کو ایک بھی شعر نظر نہیں آیا۔ تاکہ بطور مثال اس شعر کو پیش کیا جائے۔
- ایک نامعلوم شاعر کا شعر ہے:-

یہ	ہیں	وفا	اہل	ہیں	بصیر	یہ	ہیں	باصر
یہ	ہیں	سخا	اہل	ہیں	قدیر	یہ	ہیں	قادر

اس شعر کے مصرعۂ اولیٰ کے تمام الفاظ مصرعۂ ثانی سے ہم قافیہ ہیں۔

صنعتِ ترصیع میں حضرت رضاؔ کے اشعار:-

حضرت رضا بریلوی پر حضور اقدس ﷺ کا وہ فیض خاص تھا کہ جہاں بڑے بڑے علماء، فضلاء اور ادباء آ کے رُک جاتے ہیں۔ وہیں سے حضرت رضاؔ چلنا شروع کرتے ہیں۔ یعنی علم و ادب کے کسی معاملہ میں ماہرین زمانہ کے علم کی جہاں انتہا ہوتی ہے وہیں سے حضرت رضا کی ابتداء ہوتی ہے۔ صنعت ترصیع میں جہاں اردو ادب کے صف اوّل کے شعراء کے دیوان وائے محرومی کی آہ و بکا میں منہمک ہیں، وہاں حضرت رضا کا نعتیہ دیوان اس صنعت کے کئی اشعار مثال میں پیش کرنے کے لئے سرگرم ہے۔ چند اشعار پیش خدمت ہیں:

- دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے قطرہ تیرا تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرہ تیرا

اس شعر کے مصرعۂ اولیٰ کے تمام الفاظ مصرعۂ ثانی سے ہم قافیہ ہیں۔ ذیل میں تقابلِ الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

پہلا مصرعہ:	دھارے	چلتے	ہیں	عطا	کے	وہ	ہے	قطرہ	تیرا
دوسرا مصرعہ:	تارے	کھلتے	ہیں	سخا	کے	وہ	ہے	ذرہ	تیرا

- حضرت رضاؔ فرماتے ہیں:

سب سے اولیٰ واعلیٰ ہمارا نبی سب سے بالا ووالا ہمارا نبی

اس شعر کے مصرعۂ اوّل کے تمام الفاظ مصرعۂ ثانی سے ہم قافیہ ہیں۔ ذیل میں تقابل درج ہے:

پہلا مصرعہ:	سب	سے	اولیٰ	و	اعلیٰ	ہمارا	نبی
دوسرا مصرعہ:-	سب	سے	بالا	و	والا	ہمارا	نبی

● حضرت رضا فرماتے ہیں:-

کھبتی ہوئی نظر میں ادا کس سحر کی ہے
چبھتی ہوئی جگر میں صدا کس گجر کی ہے

اس شعر کے تمام الفاظِ مصرعۂ اوّل ہم قافیہ ہیں مصرعۂ ثانی سے:

پہلا مصرعہ:	کھبتی	ہوئی	نظر	میں	ادا	کس	سحر	کی	ہے
دوسرا مصرعہ:	چبھتی	ہوئی	جگر	میں	صدا	کس	گجر	کی	ہے

● حضرت رضا فرماتے ہیں:-

تو ہے وہ غوث کہ ہر غوث ہے شیدا تیرا
تو ہے وہ غیث کہ ہر غیث ہے پیاسا تیرا

اس شعر میں مصرعۂ اولیٰ کے تمام الفاظ مصرعۂ ثانی سے ہم قافیہ ہیں۔ تقسیم ملاحظہ فرمائیں:-

پہلا مصرعہ:	تو	ہے	وہ	غوث	کہ	ہر	غوث	ہے	شیدا	تیرا
دوسرا مصرعہ:	تو	ہے	وہ	غیث	کہ	ہر	غیث	ہے	پیاسا	تیرا

● حضرت رضا فرماتے ہیں:-

اغنیا پلتے ہیں در سے وہ ہے باڑا تیرا
اصفیا چلتے ہیں سر سے وہ ہے رستا تیرا

اس شعر میں بھی مصرعۂ اولیٰ کے تمام الفاظ مصرعۂ ثانی سے ہم قافیہ ہیں۔ ذیل میں تقابل الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

پہلا مصرعہ:	اغنیا	پلتے	ہیں	در	سے	وہ	ہے	باڑا	تیرا
دوسرا مصرعہ:	اصفیا	چلتے	ہیں	سر	سے	وہ	ہے	رستا	تیرا

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے نعتیہ دیوان ''حدائق بخشش'' میں کل ستائیس (۲۷) اشعار صنعت ترصیع میں پائے جاتے ہیں۔ اردو ادب کو بھی حضرت رضا کی ذاتِ گرامی پر ناز اور فخر ہوگا کہ ایسا ماہر فن، اردو ادب کی پاسداری کر رہا ہے۔

(۲۲) صَنعَتِ مُقَابَلَہ

شعر میں پہلے چند ایسے الفاظ کا استعمال کرنا جو ایک دوسرے کے ساتھ موافقت رکھتے ہوں۔ ان کا ذکر کرنے کے بعد پھر ایسے الفاظ کا استعمال کرنا جو اوّل الذکر کے اضداد ہوں۔ [***Confrontation of words***]

● مرزا غالب کا شعر ہے:-

ظلمت کدے میں میرے شبِ غم کا جوش ہے
اِک شمع ہے دلیل سحر سو خموش ہے

اس شعر میں ظلمت کدہ اور شب میں موافقت ہے۔ اسی طرح غم اور جوش میں بھی موافقت ہے۔ پھر ان الفاظ کے مقابلے میں مصرعۂ ثانی میں چند الفاظ اس طرح ہیں۔ ظلمت کے مقابلے میں شمع، شب کے مقابلے میں سحر اور جوش کے

مقابلے میں خموش۔

- شکیلؔ بدایونی کا شعر ہے:-

ہو کر جمودِ گلشنِ جنت سے بے نیاز دوزخ کے بے پناہ شراروں پہ رقص کر

اس شعر میں جمود کے مقابلے میں رقص، گلشن کے مقابلے میں شرارے، جنت کے مقابلے میں دوزخ اور بے نیاز کے مقابلے میں بے پناہ کے الفاظ صنعتِ مقابلہ کے تحت لائے گئے ہیں۔

- جوشؔ ملیح آبادی کا شعر ہے:-

نظر آتے ہیں کچھ شعلے سے تب ظلمت کے دامن میں شکن بجلی کی جب تبدیل ہو جاتی ہے روزن میں

اس شعر میں نظر آنا کے مقابلے میں تبدیل ہونا، ظلمت کے مقابلے میں بجلی اور دامن کے مقابلے میں روزن ہے۔

- فانیؔ بدایونی کا شعر ہے:-

حاصلِ علم بشر جہل کا عرفاں ہونا عمر بھر عقل سے سیکھا کئے ناداں ہونا

اس شعر میں جہل کے مقابلے میں عرفاں اور عقل کے مقابلے میں ناداں ہے۔

- جگرؔ مرادآبادی کا شعر ہے:-

حُسنِ ازل تو آج بھی بے پردہ ہے مگر نظارہ کے ہجوم نے مستور کر دیا

اس شعر میں حُسن کے مقابلے میں نظارہ اور بے پردہ کے مقابلے میں مستور ہے۔

اردو ادب کے شہرۂ آفاق شعراء کے اشعار میں صنعتِ مقابلہ کی مثالیں کافی تعداد میں ہیں لیکن ان میں کی اکثر مثالیں عشقِ مجازی کے زیر اثر ہجر اور وصل، شب اور دن، حجاب اور بے نقاب، حسن اور عشق، وغیرہ میں الجھی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ایک رسم و روایتی طرز سے غم عشق اور الم ہجر کا اظہار کرنے میں شعراء کی اکثریت ایک ہی پٹڑی کی گاڑی کی طرح چلتی نظر آتی ہے۔ایک ہی بات متفرق انداز میں معمولی سی تبدیلیِ الفاظ سے بیان کی گئی ہے اور مکرر سکرر ایک ہی بات سے مضمون کی لذت کی مرغوبیت برقرار نہیں رہتی۔ایک ہی کھانا الگ الگ برتنوں میں پروسا گیا ہوا ایسا لگتا ہے۔لیکن امامِ عشق و محبت حضرت رضاؔ بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے کلام میں عشقِ رسولِ اکرم ﷺ کے رنگ برنگ، شاداب اور مہکتے الفاظ کے پھولوں کی خوشبو روحِ ایمان کو معطر کر دیتی ہے۔علاوہ ازیں مضمون کی جدت اور تمثیل کی جدیدیت دل کو ایسی بھاتی ہے کہ کیف و سرور کا سماں بندھ جاتا ہے۔چند اشعار پیش خدمت ہیں:-

- حضرت رضاؔ بریلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:-

(۱) خوار و بیمار و خطاوار و گنہگار ہوں میں رافع و نافع و شافع لقب آقا تیرا

اس شعر کے مصرعۂ اولیٰ میں خوار، بیمار، خطاوار اور گنہ گار کا ذکر کیا گیا ہے جن میں آپس میں موافقت ہے۔پھر مصرعۂ ثانی میں اُن اوّل الذکر کے اضداد کا ذکر کیا گیا ہے۔خوار کے مقابلے میں رافع یعنی بلند کرنے والا، اُٹھانے والا کا استعمال

کیا گیا ہے۔ بیمار کے مقابلے میں نافع یعنی فائدہ مند یا نفع دینے والا کا ذکر کیا گیا ہے۔ خطاوار اور گنہ گار کے مقابلے میں شافع یعنی شفاعت کرنے والا کا ذکر کیا گیا ہے۔

(۲) حُسنِ یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں　　سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردانِ عرب

اس شعر میں مصرعۂ اولیٰ میں حسنِ یوسف، ملکِ مصر، اور مصر کی عورتوں کی انگلیوں کا کٹنا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ مصرع واقعہ کی طرف اشارہ کرر ہا ہے کہ جب مصر کی عورتوں نے حضرت سیدنا یوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا جمال دیکھا، تو عالم حیرت میں محو ہوکر بے ساختہ اپنی انگلیاں کاٹ ڈالیں۔ اس اعتبار سے یہ شعر صنعتِ تلمیح میں بھی شمار صنعت مقابلہ میں حضرت رضا کا یہ شعر اپنی ایک انفرادی شان رکھتا ہے۔ کیونکہ مصرعۂ اولیٰ کے تمام الفاظ کے مقابلے مصرعۂ ثانی میں الفاظ لائے گئے ہیں اور دونوں مصرعوں کے الفاظ میں ایسا تقابل کیا گیا ہے کہ زبان سے بے ساختہ آ صدآفرین کے الفاظ نکل پڑتے ہیں۔ مندرجہ ذیل نقشۂ تقابل ملاحظہ ہو۔

''تقابلی نقشہ''

مصرعۂ اولیٰ	مصرعۂ ثانی
(۱) حسنِ یوسف۔ یعنی حسن کو دیکھ کر اس پر فریفتہ ہونا۔	(۱) تیرا نام۔ صرف نام پر بتقاضائے محبت قربان ہونا۔
(۲) کٹیں۔ یعنی بے ساختگی میں صرف ایک مرتبہ کٹ گئیں۔	(۲) کٹاتے۔ یعنی قصداً اور بار بار اپنے دل کے اراد سے کٹاتے ہیں۔
(۳) مصر میں۔ یعنی انگلیاں کٹنے کا واقعہ مصر میں واقع ہوا۔	(۳) عرب۔ یعنی تمہارے نام پر ہمیشہ اپنے سر کٹانے واقعات عرب میں ہوئے ہیں۔
(۴) انگلیاں۔ مصر کی عورتوں نے حسنِ یوسف پہ اپنی انگلیاں کاٹیں۔ اور صرف ایک مرتبہ۔	(۴) سر۔ ملک عرب کے جوانمردوں نے نام مصطفیٰ اپنے سر کٹوائے۔ ایک مرتبہ نہیں بلکہ کئی مرتبہ۔
(۵) زناں۔ مصر میں حسن یوسف کو دیکھ کر اپنی انگلیاں کاٹ دینے والی عورتیں تھی اور عورتیں ناقص العقل ہونے کی وجہ سے کسی سے بہت جلد متاثر اور فریفتہ ہوجاتی ہیں۔	(۵) مرداں۔ ملک عرب میں نام مصطفیٰ پر اپنے سر کٹا والے ذی شعور اور دانشمند مرد تھے۔ جو کامل العقل ہو کے باوجود قصداً اور ارادۃً قربان اور نثار ہوتے ہیں۔

مذکورہ شعر کے ضمن میں بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے لیکن مضمون کی طوالت کا لحاظ کرتے ہوئے تفصیلی تبصرہ نہ کرتے ہو صرف اتنا ہی کہنا ہے کہ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس شعر میں فن وادب، عشق ومحبت اور فصاحت بلاغت کے بیش بہا جواہرات کی لڑی نظم فرمائی ہے۔ اردو ادب میں صنعت مقابلہ میں یہ شعر اپنی مثال آپ ہے۔

(۳) دندان ولب وزلف ورخِ شہ کے فدائی　　ہیں درِّ عدن، لعلِ یمن، مشکِ ختن پھول

اس شعر میں مصرعۂ اولیٰ میں دندان، لب، زلف، اور رخ کا ذکر کیا گیا ہے، جن میں آپس میں ایک دوسرے سے موافقت ہے۔ بعدہٗ مصرعۂ ثانی میں ان کے تقابل میں دُرِّ عدن، لعلِ یمن، مُشک ختن اور پھول کا ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی دندان کے مقابلے دُرِّ عدن یعنی عدن کے موتی، لب کے مقابلے میں ملک یمن کا لعل، زلف کی مہک کے مقابلے میں ملکِ خُتن کی مشک اور رُخ کے مقابلے میں پھول کا ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے اشعار کی تشریح کرنے والے یا حضرت رضا کی نعتیہ شاعری پر مقالہ قلم بند فرمانے والے اہل قلم کی اکثریت اس شعر کو صنعت تشبیہ میں شمار کرتی ہے اور اس شعر کو صنعت مقابلہ کے تحت شمار نہیں کیا۔ میں اُن تمام اہل قلم کا ادنیٰ خادم، ان کا سوالی، ان کا طفیلی ہونے کے ناطے ان کی خدمتِ عالی میں مؤدبانہ گذارش کرتے ہوئے اپنی ناقص رائے کا اظہار کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ یہ شعر صنعتِ مقابلہ میں زیادہ موزوں ہے۔ کیونکہ علمِ عروض کی اصطلاح کے مطابق صنعتِ مقابلہ میں پہلے چند ایسے الفاظ کا ذکر کرنا کہ جو ایک دوسرے کے ساتھ موافقت رکھتے ہوں۔ اس پہلی شرط کے موافق اس شعر کے مصرعۂ اول میں دانت، لب، زلف اور رخ کا ذکر ہے اور دانت، لب، زلف اور رخ میں آپس میں موافقت ہے۔ صنعت مقابلہ کی دوسری شرط یہ ہے کہ آپس میں موافقت رکھنے والے الفاظ کا ذکر کرنے کے بعد ان کے مقابلے اور تقابل کے الفاظ کا ذکر کرنا۔ اس شرط کے موافق مصرعۂ ثانی میں دُرّ عدن، لعل یمن، مشک ختن اور پھول کا ذکر پایا جاتا ہے۔ حالانکہ اس شعر کو صنعتِ تشبیہ سے ہم خارج نہیں مانتے، صرف یہی عرض کرتے ہیں کہ یہ شعر صنعتِ مقابلہ میں زیادہ موزوں ہے کیونکہ حضرت رضا بریلوی کا یہ شعر تین ۳؍ الگ الگ اور دلکش معنوں کا حامل ہے۔ اگر اس شعر کو صرف صنعت تشبیہ میں ہی شمار کریں گے تو شعر کے کثیر معانی و مطالب سے انحراف کر کے صرف ایک ہی معنی اپنانا پڑے گا۔ اگر اس شعر کو صنعت تشبیہ کے ساتھ ساتھ صنعت مقابلہ میں بھی شمار کیا جائے گا تو شعر کے کثیر المعنی حُسن کی جلوہ نمائی کا کیف و لُطف حاصل ہوگا۔ الحمد للہ! راقم الحروف نہ کسی پر اعتراض کرتا ہے اور نہ ہی تنقید بلکہ صرف اپنی ناقص رائے کا اظہار کرتا ہے۔

اگر اس شعر کو صنعت تشبیہ میں شمار کرتے ہیں جب بھی صحیح ہے اور اس صورت میں شعر کے معنی یہ ہوں گے کہ:-

''اے میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان، لب، زلف اور رُخ پہ فدا ہونے والے عاشق! تو جس دندان شریف پر فدا ہو رہا ہے وہ دندان (دانت) دُرّ عدن یعنی عدن کے موتی ہیں۔ تو جس مقدس لب پر فدا ہو رہا ہے وہ لب لعل یمن یعنی ملک یمن کے لعل ہیں۔ تو جس زلف پر فدا ہو رہا ہے وہ زلف معنبری مشک ختن یعنی ملک ختن کا نافہ ہے اور تو جس رُخ انور پر فدا ہو رہا ہے اس رُخ انور کی نزاکت کا یہ عالم ہے کہ وہ پھول ہے''۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس اعلیٰ منزل میں پہنچ چکے تھے کہ حضرت رضا بریلوی جب بھی اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس کے کسی عضو شریف یا آپ کی کسی صفت کو کسی چیز سے تمثیل دیتے تو مثال میں ایسی چیز کو ہی بیان کرتے کہ اس سے بہتر کوئی چیز نہ ہوتی۔ مثال کے طور پر اس شعر میں:-

- حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دندانِ اقدس کو ''دُرّ عدن'' یعنی ''عدن کا موتی'' سے تشبیہ دی ہے۔ دُر یعنی موتی (**Pearl**)

ہے۔عدن کے دو معنی ہیں:

(۱) بہشت کہ جس میں حضرت آدم علیہ السلام کو رکھا گیا تھا۔(فیروز اللغات،ص۸۹۲) اس کو انگریزی میں (Eden) Paradise کہتے ہیں۔

(۲) عرب کے جنوب مغربی کونے میں ایک چھوٹا سا جزیرہ جہاں سے عمدہ موتی حاصل ہوتے ہیں۔اس کو انگریزی Aden کہتے ہیں۔

ame of a town in the South Arabia which produces fine and costly

rls] (*The Royal Persian- English Dictionary- Page No. 261*)

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے شعر میں لفظ ''عدن'' سے اگر بہشت مراد لی جائے تو شعر کے معنی یہ گے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دندانِ اقدس ''جنت کے موتی'' ہیں اور جنت کے موتی سے بڑھ کر کوئی موتی ہو نہیں اور اگر عدن سے مراد Aden ہے تو دنیا میں سب سے اچھا اور قیمتی موتی عدن (Aden) کا ہی ہوتا ہے۔ال حضرت رضا کے شعر میں دی گئی تشبیہ کو آخرت پر محمول کریں تو جنت کا موتی مطلب ہوتا ہے اور اگر دنیا پر محمول کر عدن (Aden) کا موتی مطلب ہوتا ہے۔جو دنیا کے سب موتیوں سے افضل و قیمتی ہوتا ہے۔

- حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس لب کو ''لعل یمن'' یعنی ''یمن کا لعل'' سے تشبیہ دی ہے۔لعل یعنی Ruby ہوتا ہے۔ دنیا میں سب سے اچھا لعل یمن کا ہوتا ہے۔فیروز اللغات،ص ۱۴۷۰ پر ہے کہ ''یمن = جزیرہ نمائے عرب کے جن مشرق میں ایک ملک جہاں کا عقیق اور چادریں بہت مشہور ہیں'' علاوہ ازیں محبوب کے ہونٹ کو بھی لعل کہا جاتا۔ فارسی زبان کے شعراء نے محبوب کے ہونٹ کے لیے اکثر لعل کا استعمال کیا ہے۔حضرت رضا نے حضور اقدس مقدس لب کو لعلِ یمن سے تشبیہ دی ہے اور دنیا میں یمن کا لعل سب سے اچھی قسم کا لعل مانا گیا ہے۔
- حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زُلفِ معنبر ی کو ''مُشک ختن'' یعنی ''خُتن کا مُشک'' سے تشبیہ دی ہے۔مُشک یعنی کستوری اور اس نافہ بھی کہا جاتا ہے۔جو ہرن کے پیٹ سے دستیاب ہوتی ہے اس کو انگریزی میں Musk-deer کہتے ہیں۔خُتن ترکستان میں ایک علاقہ جہاں کا مُشک مشہور ہے۔(فیروز اللغات،ص۵۸۵) دنیا میں پانچ جگہ کا مُشک بہت مشہور ہے (۱) نیپال (۲) تبت (Tibet) (۳) تاتار جہاں چنگیز خاں اور ہلاکو نام کے ظالم بادشاہ ہوئے ہیں۔(۴) خطا یع چین کا ایک مشہور شہر جہاں کا مُشک مشہور ہے۔بحوالہ فیروز اللغات،ص۵۹۲۔(۵) خُتن = ترکستان میں ایک علا جہاں کا مشک مشہور ہے۔مختصر یہ کہ دنیا میں نیپال، تبت، تاتار، خطا اور خُتن کا مُشک مشہور ہے۔لیکن ان پانچ مقامات میں سے خُتن کا مشک سب سے زیادہ مشہور، خوشبودار اور بہترین ہے۔حضرت رضا نے ان میں سے بہترین مُشک یعنی خُتن کے مشک سے اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زلف کی خوشبو کو تشبیہ دی ہے۔

مذکورہ تینوں امثال سے حضرت رضا بریلوی کی معلومات عامہ (General Knowledge) کا بھی اندازہ لگ

ہے کہ موتی اور لعل کہاں کے مشہور ہیں اور کہاں کہاں کا مُشک مشہور ہے اوران مشہور مقامات کے مُشکوں میں سے کس مقام کا مشک سب سے بہتر ہے۔

- حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے رخ انور کو پھول سے تشبیہ دی۔ پھول کی خاصیت ہے کہ وہ ہمیشہ شاداب وخندہ نظر آتا ہے۔ اس میں رنگ کی جو آمیزش ہوتی ہے وہ ایسی جاذب النظر ہوتی ہے کہ دیکھنے والے کو خوشی اور سرور حاصل ہو۔ علاوہ ازیں اس کی خوشبو سے دل ودماغ کو تازگی حاصل ہوتی ہے۔ ان اوصاف اور محاسن کے ساتھ ساتھ نزاکت اور لطافت کا وصف پھول کے حسن وجمال میں مزید اضافہ کرتا ہے۔ لہٰذا حضرتِ رضا نے اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے رُخ انور کو پھول سے تشبیہ دی ہے۔

یہاں تک کی تفصیلی گفتگو اس شعر کو صنعت تشبیہ میں شمار کر کے کی گئی ہے۔ محترم علمائے کرام اس شعر کو صنعت تشبیہ سے شمار کر کے یہی معنی اور مطلب بیان فرماتے ہیں۔ راقم الحروف علماء اہل سنت کی علمی وجاہت اور مخدومیت کا تہِ دل سے قائل اور معترف ہو کر تشبیہ کے مذکورہ معنی اور مطلب سے اتفاق کرتے ہوئے، اپنی اصلاح کی غرض سے دیگر معنی عرض کرتا ہے۔

اگر اس شعر کو صرف صنعت تشبیہ سے نہ شمار کریں، تو ایک اور معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ:-

''حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان اقدس، لبہائے نازک، زلفِ مشکبو اور چہرۂ انور کے کچھ فدائی ہیں۔ جیسا کہ آپ نے مصرعۂ اولیٰ میں فرمایا ہے کہ ''دندان ولب وزلف ورخ شہ کے فدائی'' اور وہ فدائی یعنی کہ فدا اور نثار ہونے والے کون ہیں؟ خود ہی جواب دیتے ہیں کہ ''ہیں درِ عدن، لعلِ یمن، مشکِ ختن پھول'' یعنی کہ میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان اقدس کی چمک دمک اور نورانیت کا یہ عالم ہے کہ جنت یا ملکِ عدن کا بیش بہا موتی اپنی بے مثالی کے باوجود اُن دندانِ اقدس پر فدا ہونے کے لئے مچل رہا ہے۔ یمن کا لعل (Ruby) اپنی انفرادیت کے باوجود مصطفیٰ جانِ رحمت کے لبہائے نازک کی سرخی پر فدا اور نثار ہو رہا ہے۔ میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زلفِ معنبری پر ملکِ خُتن کی مشک فدا ہو رہی ہے اور میرے آقا کے رخِ زیبا پر پھول مع اپنی رنگت، خوشبو، لطافت اور نزاکت قربان وفدا ہو رہا ہے''

مذکورہ معنی کے علاوہ ایک دیگر معنی میں بھی یہ شعر معنون ہو سکتا ہے۔ مذکورہ بالا معنی اور مطلب میں دُرِ عدن کے مقابلے میں دندان، لعل یمن کے مقابلے میں لب، مشک ختن کے مقابلے میں زلف اور پھول کے مقابلے میں رخ کا ذکر کیا گیا ہے۔

- حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں:-

(۴) دل بستہ بے قرار جگر چاک اشک بار   غنچہ ہوں، گُل ہوں، برقِ تپاں ہوں سحاب ہوں

اس شعر میں دِل بستہ، بے قرار، جگر چاک اور اشکبار الفاظ کا ذکر کیا گیا ہے۔ جن میں آپس میں موافقت ہے۔ اس کے بعد مصرعۂ ثانی میں ان کے مقابلے میں چند الفاظ بیان کئے گئے ہیں۔ دل بستہ کے مقابلے میں غنچہ، بے قرار کے مقابلے میں برق تپاں، جگر چاک کے مقابلے میں گل اور اشکبار کے مقابلے میں سحاب یعنی بادل کا ذکر کیا گیا ہے۔

(۵) واں مطیعوں کا جگر خوف سے پانی پایا یاں سیہ کاروں کا دامن پہ مچلنا دیکھو

اس شعر میں واں کے مقابلے میں یاں، مطیعوں کے مقابلے میں سیہ کاروں، جگر کے مقابلے میں دامن، خوف سے پانی کے مقابلے میں مچلنا اور پایا کے مقابلے میں دیکھو کا استعمال کیا گیا ہے۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے نعتیہ دیوان ''حدائق بخشش'' میں صنعت مقابلہ کے کئی اشعار پائے جاتے ہیں۔ یہاں پر صرف پانچ اشعار مثال میں پیش کئے ہیں۔

(۲۳) صَنْعَتِ مُسْتَزَادْ

علم عروض کی اصطلاح میں وہ غزل جس کے ہر مصرعہ یا شعر کے بعد ایسا زائد ٹکڑا لگا ہو، جو اسی مصرعہ کے رکنِ اوّل اور رکنِ آخر کے برابر ہو۔ (فیروز اللغات، ص ۱۲۴۳)

Increased, The name of a kind of verse in which every line has a shorter line annexed to it] (***The Royal Persian–English Dictionary. Page No. 404***)

صنعت مستزاد ایک ایسی صنعت ہے کہ اس کی طرف تقریباً تمام شعراء اردو ادب نے التفات نہیں کیا۔ ہم نے اس صنعت کی مثال کی تلاش میں اردو ادب کے صف اول کے شعراء کے دیوان کی اوراق گردانی میں کئی گھنٹے صرف کیے لیکن اس صنعت کی مثالی تخلیق کی جستجو میں ناکام رہے۔ ہم نے جن شعراء کے دیوان ٹٹولے ان کے نام مع دیوان حسب ذیل ہیں:-

- فیض احمد فیض کے نقشِ فریادی، دستِ صبا، دست تہِ سنگ، سر وادیٔ سینا اور زنداں نامہ، کل پانچ دیوان
- اصغر گونڈوی کا دیوان ''کلیات اصغر'' یعنی نشاطِ زندگی اور سرودِ زندگی
- غلام ربانی تاباں کا دیوان ''ذوقِ سفر''
- مرزا اسد اللہ خاں غالب کا ''دیوانِ غالب''
- جاں نثار اختر کا دیوان ''پچھلے پہر''
- جگر مرادآبادی کے دیوان شعلۂ طور، تخیلاتِ جگر، آتشِ گل، جذباتِ جگر اور لمعاتِ طور، کل پانچ دیوان
- اکبر الہ آبادی کا ''انتخاب اکبر الہ آبادی''
- فانی بدایونی کا دیوان ''کلیاتِ فانی''
- علامہ اقبال کا دیوان ''بانگ درا''
- انتخاب ''فراق گورکھپوری''
- میر لکھنوی کے کلام کا انتخاب ''مزامیر''
- شکیل بدایونی کے دیوان رعنائیاں، صنم و حرم، شبستاں، رنگینیاں

● جوش ملیح آبادی کا دیوان "شعلہ و شبنم"

مذکورہ شعراء کے دیوانوں کے ایک ایک صفحے کو ہم نے اُلٹ پلٹ کر دیکھا کہ شاید ان کے کلام میں صنعت مستزاد میں دو چار اشعار پر مشتمل کوئی غزل پائی جائے لیکن غزل تو در کنار ان کے کلام میں اس صنعت میں ایک شعر بھی نہ ملا۔ ایسا محسوس ہوا کہ فنِ شاعری کی یہ صنعت برائے نام ہی رہ گئی ہے۔ لیکن امام عشق و محبت، امام الکلام، امام الشعراء، امام الفصحاء، امام الادباء، امام الفضلاء، امام الفن، حضرت رضا بریلوی نے اس صنعت کو بھی اُجاگر فرمایا ہے۔

حضرت رضا کے نعتیہ دیوان حدائق بخشش حصہ دوم میں ایک نعت ۱۵ اشعار پر ایسی پائی جاتی ہے جس کے ہر شعر کے بعد ایک زائد ٹکڑا لگا ہوا ہے۔ وہ نعت ذیل میں درج ہے۔

● حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں:۔

وہی رب ہے جس نے تجھ کو، ہمہ تن کرم بنایا ہمیں بھیک مانگنے کو، ترا آستاں بتایا
تجھے حمد ہے خدایا

اس شعر کو علم عروض کے ضوابط و قوانین سے صنعت مُستزاد کا ثابت کریں۔ صنعت مستزاد کی شرط یہ ہے کہ جو زائد ٹکڑا ہوتا ہے، وہ اسی مصرعہ کے رکن اوّل اور رکن آخر کے برابر ہوتا ہے۔ مذکورہ شعر میں دو مصرعے ہیں اور ہر مصرعہ دو رکن پر مشتمل ہے۔

پہلا مصرعہ:۔ وہی رب ہے جس نے تجھ کو (رکن اوّل ہے) اور ہمہ تن کرم بنایا (رکن آخر ہے)

ان دونوں ارکان کی تقطیع کریں:۔

رکن اوّل:۔ وہی رب ہے جس نے تجھ کو

رکن کے حروف:۔ و ہ ی + ر ب + ہ ی + ج س + ن ی + ت جھ + ک و

تعداد حروف:۔ ۳ + ۲ + ۲ + ۲ + ۲ + ۲ + ۳ = ۱۵ حروف

کٹنے کے بعد :۔ ۲ + ۲ + ۲ + ۲ + ۲ + ۲ + ۱ = ۱۳ حروف

رکن آخر:۔ ہمہ تن کرم بنایا

ہ م ہ ۔ ت ن ۔ ک ر م ۔ ب ن ا ی ا

۳ ۲ ۳ ۵ = ۱۳ حروف

پہلے مصرعہ کے رکن اوّل اور رکن آخر دونوں کے حروف ۱۳ اور ۱۳ ہیں۔

دوسرا مصرعہ:- ہمیں بھیک مانگنے کو (رکن اوّل ہے) اور ترا آستاں بتایا (رکن آخر ہے)

رکن اوّل:- ہمیں بھیک مانگنے کو

رکن کے حروف:- ہ م ی ں + بھ ی ک + م ا ن گ ن ی + ک و

تعداد حروف:- ۴ + ۳ + ۶ + ۲ = ۱۵ حروف

کٹنے کے بعد بقیہ حروف:- ۳ + ۳ + ۶ + ۱ = ۱۳ حروف

رکن آخر:- ترا آستاں بتایا

رکن کے حروف:- ت ر ا + آ س ت ا ں + ب ت ا ی ا

تعداد حروف:- ۳ + ۵ + ۵ = ۱۳ حروف

زائد ٹکڑا:- تجھے حمد ہے خدایا

ٹکڑے کے حروف:- ت جھ ی + ح م د + ہ ی + خ د ا ی ا

۳ + ۳ + ۲ + ۵ = ۱۳ حروف

مذکورہ تقطیع کے حساب سے شعر کے دونوں مصرعوں کے رکن اول اور رکن آخر کے ۱۳ر اور ۱۳ر حروف ہیں اور ان ارکان کے حروف کی تعداد سے زائد ٹکڑے کے حروف کی تعداد بھی مساوی ہے۔ لہٰذا یہ شعر صنعت مستزاد کا ہونے میں علم عروض کی اصطلاح کے اصول وضوابط پر پورا اترتا ہے۔ مذکورہ تقطیع میں شاید کسی کو یہ شک ہو کہ پہلے مصرعہ کے رکن اول میں پندرہ حروف ہیں، انھیں کاٹ کران کی تعداد ۱۳ر کس طرح ہوگی۔ اسی طرح دوسرے مصرعے کے رکن اول کے حروف پندرہ سے تیرہ ہو گئے ہیں۔ دونوں ارکان سے حرف ''ی'' اور حرف ''واؤ'' کاٹے گئے ہیں۔ یعنی علم عروض کی اصطلاح میں حذف کئے گئے ہیں۔ اور یہ حذف کرنا علم عروض کے ضوابط کے تحت ہے۔

- تقطیع کے اصول وضوابط کے قانون نمبر ۱۹ کو ملاحظہ فرمائیں:-

''وہ ہندی واؤ جس سے پہلے حرف پر مجہول (ہلکا سا) پیش یا زبر ہو، اُسے ضرورتِ شعری کی بنا پر گرایا جا سکتا ہے۔ اور اسے تقطیع میں شمار نہیں کیا جاتا۔ مثلاً تو، سو، دو، کو، ہو، رکھو، چکھو، آؤ، جاؤ، چلو، کرو، گنوا اور انھوں وغیرہ کی واؤ ضرورۃً گرائی جا سکتی ہے۔ (حوالہ:- ''فنِ شاعری'' از:- اخلاق حسین دہلوی، ص ۴۵)

- تقطیع کے اصول وضوابط کے قانون نمبر ۲۸ کو ملاحظہ فرمائیں:-

''وہ یائے معروف ومجہول جو ہندی الفاظ کے درمیان میں آتی ہے۔ وہ بھی گرائی جا سکتی ہے۔ مثلاً ہیں، میں،

کہیں، ہوئیں، ہمیں، کریں، سنیں، رہیں، نہیں وغیرہ کی یائے مجہول ومعروف گرائی جاسکتی ہے۔"

(حوالہ:۔فنِ شاعری"۔ص ۴۸)

مذکورہ قوانین کے تحت اس شعر کے دونوں مصرعوں کے رکن اول سے حرف "ی" اور حرف "واؤ" کو حذف کیا گیا ہے۔

صنعتِ مستزاد میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی یہ نعت شریف پندرہ اشعار پر مشتمل ہے۔نعت کے ہر شعر کے بعد ایک زائد ٹکڑا ہے۔مثلاً:۔

تمہیں حاکم برایا، تمہیں قاسم عطایا   تمہیں دافع بلایا، تمہیں شافع خطایا

کوئی تم سا کون آیا

یہی بولے سدرہ والے، چمن جہاں کے تھالے   سبھی میں نے چھان ڈالے، ترے پایہ کا نہ پایا

تجھے یک نے یک بنایا

ہر شعر کو علم عروض کے ضوابط کے تحت تقطیع کریں گے تو وہی نتیجہ حاصل ہوگا جو ہم نے ایک شعر کی تقطیع کر کے حاصل کیا ہے۔نعت کا ہر شعر صنعت مستزاد پر کامل اترتا ہے۔اردو ادب میں جہاں دیگر شعراء کے کلام میں اس صنعت کا قحط پڑا ہوا تھا، وہاں حضرت رضا نے اپنے علم وفن کی بارش سے سرسبز ماحول قائم کر دیا۔اردو ادب حضرت رضا کی ذات پر جتنا فخر کرے وہ کم ہے۔آپ نے ایسی کئی صنعات میں اپنی قادر الکلامی ثبت فرمائی ہے۔

- فارسی زبان میں صنعت مستزاد کی سات رباعیات حضرت رضا کے کلام میں پائی جاتی ہیں۔ان تمام رباعیات میں یہ التزام کیا گیا ہے کہ ہر مصرعہ کے بعد ایک زائد ٹکڑا لگایا گیا ہے۔اردو میں صنعت مستزاد میں آپ کی نعت شریف میں ہر شعر کے بعد یعنی کہ ہر دو مصرعوں کے بعد زائد ٹکڑا لگایا گیا ہے۔جب کہ فارسی کی آپ کی ساتوں رباعیات میں ہر مصرعے کے بعد ایک زائد ٹکڑا لگایا گیا ہے۔ایک رباعی بطور مثال پیشِ خدمت ہے:۔

- حضرت رضا فرماتے ہیں:۔

حمدًا لک یا مفضل عبد القادر   یاذا   الافضال

یا منعم یا مجمل عبد القادر   انت   المتعال

مولائے بما منت بالجود علیہ   من دون سوال

امنن و اجب سائل عبد القادر   جُد   بالآمال

حضرت رضا بریلوی دیگر شعراء کے مقابلے میں یقیناً اقلیم سخن کے تاجدار کی حیثیت رکھتے ہیں۔آپ نے فن شاعری کی بہت سی صنعات کی لاغری دور فرما کر اسے توانائی بخشی ہے۔حضرت رضا جیسا سخن ور ماضی میں بہت دور تک نظر نہیں آتا اور نہ ہی مستقبل میں بہت دور تک نظر آئے گا۔آپ کا ایک کمال یہ ہے کہ آپ ایک ساتھ کئی صنعات کو جمع کر دیتے ہیں اور اس

صنعت میں جو شعر نظم فرماتے ہیں وہ شعر بے مثل ومثال ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر صنعت متزاد میں آپ کی اردو نعت
آپ نے صنعت متزاد کے ساتھ ساتھ تجنیس کامل، تلمیح، تجاہل عارفانہ، مسمط، استعارہ، اقتباس وغیرہ کا استعمال فر
کوزے میں سمندر سمو دیا ہے۔

(۲۴) صَنعَتِ لَفّ و نَشْر

علم و بیان کی اصطلاح میں وہ صنعت جس میں اول چند چیزوں کا ذکر کریں۔ پھر چند اور چیزیں بیان کریں، جو
چیزوں سے نسبت رکھتی ہوں، مگر اس طرح کہ ہر ایک کی نسبت منسوب الیہ سے مل جائے۔ (فیروز اللغات، صفحہ ۱۱۵۷)
متعدد اشیاء کا تفصیلاً یا اجمالاً ذکر کیا جائے۔ پھر ان میں سے ہر ہر شی کے لئے ایک مناسب بات بغیر تعیّن کے لائی جائے
شاعر اپنی طرف سے طے نہ کر سکے کہ فلاں معنی فلاں چیز کے لئے مناسب ہیں۔

Twisting and scattering prosse]

فن شاعری کی یہ صنعت بہت ہی آسان صنعت ہے لہٰذا اردو ادب کے تمام شعراء کے کلام میں اس صنعت کی مثا
کے اشعار کافی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ اس صنعت میں شعر کہنا کوئی مشکل یا دشوار امر نہیں۔ اسی وجہ سے تمام شعراء
اس صنعت میں طبع آزمائی کی ہے۔

- مرزا غالبؔ کا شعر ہے:-

حیراں ہوں، دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں

اس شعر میں حیراں، رونا، پیٹنا، نوحہ گر، جگر وغیرہ کا یکے بعد دیگرے ذکر کیا گیا ہے۔ ہر ایک کی نسبت منسوب الیہ
ملتی ہے۔

- اصغرؔ گونڈوی کا شعر ہے:-

کس قدر پر کیف ہے ٹوٹے ہوئے دل کی صدا اصل نغمہ ایک آواز شکستِ ساز ہے

اس شعر میں پر کیف کے بعد نغمہ اور ٹوٹے دل کی صدا کے بعد آواز شکست ساز کا ذکر ہے۔

- جگرؔ مراد آبادی کا شعر ہے:-

عشق میں کیا لالہ وگل کیا چمن کیسا قفس میں خود ہی اپنا گلستاں ہوں خود ہی اپنا قفس

اس شعر میں لالہ، گل، چمن کا ذکر کرنے کے بعد گلستاں اور قفس کا ذکر کیا گیا ہے۔

- شکیلؔ بدایونی کا شعر ہے:-

گل چیں نے تو کوشش کر ڈالی سونی ہو چمن کی ہر ڈالی کانٹوں نے مبارک کام کیا، پھولوں کی حفاظت کر بیٹھے

اس شعر میں گل چیں، چمن، ڈالی کا ذکر کرنے کے بعد منسوب الیہ سے نسبت رکھنے والے پھول اور کانٹوں کا ذکر ہے۔

- غلام ربانی تاباںؔ کا شعر ہے:-

نظارے اور بھی ہیں عارض وجبیں کے سوا　　اٹھاؤ سر کہ ذرا دور تک نظر جائے

نظارہ، عارض اور جبیں کے ذکر کے بعد سر اور نظر کا ذکر ہے اور ان میں منسوب الیہ سے مناسبت ہے۔

- فانیؔ بدایونی کا شعر ہے:-

شمع وپروانہ بزم احدی ہوں فانیؔ　　عاشق وجلوہ معشوق سراپا میں ہوں

اس شعر میں پہلے شمع، پروانہ اور بزم کا ذکر ہے جن میں نسبت ہے۔ پھر عاشق، جلوہ اور معشوق کا ذکر کیا گیا ہے۔ ہر ایک کی نسبت منسوب الیہ سے ملتی ہے۔

اردو ادب کے صف اول کے کچھ شعراء کے اشعار مندرجہ بالا مثال میں پیش کئے گئے ہیں۔ ان اشعار کے معائنہ سے قارئین کرام کو صنعت لَف وَنَشر سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ ان اشعار کے مقابلے میں جب ہم حضرت رضاؔ بریلوی کے اشعار دیکھیں گے، تو ہم دعوے کے ساتھ کہتے ہیں کہ حضرت رضاؔ کے اشعار کا معیار بہت ہی بلند واعلیٰ ہے۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے کلام میں صنعت لف ونشر کے اشعار اتنی کثرت سے پائے جاتے ہیں کہ ان تمام اشعار کو الگ چھانٹ کر شمار کرنا بہت ہی مشکل امر ہے۔ لہٰذا ہم چند اشعار ناظرین کی فرحت طبع کے لئے پیش کرتے ہیں:

- حضرت رضاؔ بریلوی فرماتے ہیں:-

(۱) نبوی خور، علوی کوہ، بتولی معدن　　حسنی لعل، حسینی ہے تجلا تیرا

اس شعر میں پہلے خور، کوہ اور معدن کا ذکر ہے۔ پھر بعد میں لعل اور تجلا کا ذکر ہے جو اول الذکر سے نسبت رکھتی ہیں۔ خور اور تجلا میں اور اسی طرح معدن اور لعل میں منسوب کو منسوب الیہ سے نسبت ہے۔

(۲) گیت کلیوں کی چٹک، غزلیں ہزاروں کی چہک　　باغ کے سازوں میں بجتا ہے ترانا تیرا

اس شعر میں پہلے گیت کا اور بعد میں ترانا کا، کلیوں کے بعد چٹک، ہزاروں یعنی بلبلیں کے بعد چہک، ساز کے بعد بجنا کا ذکر ہے۔ اب کچھ اشعار رواں رواں ملاحظہ فرمائیں:-

(۳) یہاں چھڑکا نمک، واں مرہم کا فور ہاتھ آیا　　دل زخمی، نمک پروردہ ہے کس کی ملاحت کا

(۴) یاد رخ میں آہیں کر کے بن میں میں رویا آئی بہار　　جھومیں نسیمیں، نیساں برسا، کلیاں چٹکیں مہکی شاخ

(۵) دو قمر، دو پنجۂ خور، دو ستارے، دس ہلال　　ان کے تلوے پنجے ناخن پائے اطہر ایڑیاں

(۶) ہیں چتر و تخت سایہ دیوار و خاک در　　شاہوں کو کب نصیب یہ دھج کرّ و فر کی ہے

(۷) دلہن کی خوشبو سے مست کپڑے، نسیم گستاخ آنچلوں سے　　غلاف مشکیں جو اڑ رہا تھا، غزال نافے بسا رہے تھے

(۸) مشک سا زلف شہ ونور فشاں روئے حضور　　اللہ اللہ حلب جیب و تتار دامن

(۹) یہ شمس وقمر، یہ شام وسحر، یہ برگ وشجر، یہ باغ وثمر　　یہ تیغ وسپر، یہ تاج وکمر، یہ حکم رواں تمہارے لئے

(۱۰) یہ صبا سنک، وہ کلی چٹک، یہ زباں چہک، لب جو چھلک یہ مہک جھلک، یہ چمک دمک، سب اسی کے دم کی بہار ہے

قارئین کرام! حضرت رضا بریلوی کے اشعار اور دیگر شعراء اردو ادب کا بنظر عمیق تقابلی جائزہ لیں۔ حضرت رضا کے اشعار میں بیان کی سلاست، جذبات عشق کی شدت وصداقت، زبان کی شیرینی، محبت کی سرمستی میں فرزانہ روی، شستہ رواں اور سلیس جملہ بندی اور الفاظی جدت وندرت کا جو انوکھا پن پایا جاتا ہے، وہ دیگر شعراء کے کلام میں نہیں پایا جاتا۔

(۲۵) صَنعَتِ تَضمِینْ

فن شاعری کی اصطلاح میں وہ صنعت کہ شاعر کسی دوسرے شاعر کے مشہور اشعار پر مصرعہ یا بند لگائے۔

(فیروز اللغات، صفحہ ۳۶۳)

Inserting the verses of another in one's own poem]

صنعت تضمین کا بھی ایک عجیب معاملہ ہے۔ اردو ادب کے صف اول کے مشہور اور معروف شعراء کے کلام میں تضمین برائے نام ہی ہے، جب کہ غیر مشہور اور نئے نئے (*Junior*) شعراء کے کلام میں صنعت تضمین کی غزلیں کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ غیر مشہور شاعر کسی مشہور شاعر کی کسی مشہور تخلیق پر اس غرض سے تضمین لکھتا ہے کہ اس مشہور کلام کی وجہ سے اپنا کلام بھی شہرت حاصل کرے۔ یعنی ''نام پیروں کا کھائیں مجاور'' والی مثل پر عمل کرنا۔ صف اول کے شعراء نے کسی دوسرے کے کلام پر تضمین نہیں لکھی اس کی وجہ شاید یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جس کے کلام پر تضمین لکھی جاتی ہے اس کے کلام کی اہمیت تضمین لکھنے والے کے کلام سے زیادہ ہوتی ہے۔ کسی کے کلام پر تضمین لکھنا در پردہ اس کے کلام کی فوقیت کا اعتراف کرنے کے مترادف ہے۔ یعنی اس کے کلام کو متبوع اور خود کے کلام کو تابع تسلیم کرنے کا اقرار کرنا ہے، اور در پردہ ایسا اقرار کرنا صف اول کے شعراء نے اپنی شان اور معیار کے خلاف جان کر تضمین کو متروک کر دیا ہو۔ اس ترک کے پس پردہ خود ستائی، خود پسندی اور انانیت کا جذبہ کارگر ہوا ایسا لگتا ہے۔ البتہ فانی بدایونی کے کلام میں امیر مینائی کے نو اشعار کی غزل پر تضمین پائی جاتی ہے۔ راقم الحروف نے مرزا غالب، جگر مراد آبادی، شکیل بدایونی، جوش ملیح آبادی، اصغر گونڈوی، غلام ربانی تاباں، فیض احمد فیض وغیرہ کے دیوان کی اوراق گردانی کی لیکن صنعت تضمین سے ان کے کلام کو محروم پایا۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے دور کے امام الشعراء اور مقتداء الشعراء ہونے کے باوجود کبھی بھی اپنے آپ کو شاعر نہ کہتے تھے اور نہ سمجھتے تھے۔ آپ کبھی بھی اپنی قادر الکلامی پر اتراتے نہ تھے۔ خود ستائی، انانیت اور خود بینی سے آپ کو دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ آپ رشک عنادل اور بے مثال فصیح وادیب ہونے کے باوجود سراپا عجز وانکسار تھے۔ تواضع کے پیکر جمیل تھے۔ آپ اپنی علمی وجاہت کا ڈھنڈورا نہیں پیٹتے تھے بلکہ اپنی ہیچ مدانی کا اعتراف کرتے تھے۔ خود فرماتے ہیں کہ:-

کس منہ سے کہوں رشک عنادل ہوں میں — شاعر ہوں، فصیح بے مماثل ہوں میں

حقا کوئی صنعت نہیں آتی مجھ کو — ہاں یہ ہے کہ نقصان میں کامل ہوں میں

حضرت رضاؔ بریلوی نے کسی دوسرے کے کلام پر تضمین لکھنے میں چھوٹا پن محسوس نہیں کیا۔ آپ کے کلام میں صنعت تضمین میں تین نعتیں پائی جاتی ہیں۔ جن میں سے ایک نعت وہ ہے جو آپ نے خود اپنے ہی کلام پر تضمین لکھی ہے۔ اس کا ایک بند پیش خدمت ہے:

● حضرت رضاؔ بریلوی فرماتے ہیں:۔

کچھ تو جلوہ نظر آیا مرے اشکوں پر — تارے ٹوٹے ہیں مگر رنگ شفق سے مل کر
لعل میں آب گہر شیشہ مے میں اختر — پانی میں آتش تر، شعلہ میں آب کوثر
دل سوزاں نے کیا خون کا دریا ہوکر

مذکورہ بند میں کل پانچ مصرعے ہیں۔ جن میں پہلا، دوسرا اور تیسرا مصرعہ تضمین ہیں۔ چوتھا اور پانچواں مصرعہ اصل کلام ہے، جس پر تضمین کی گئی ہے۔

● حضرت قاسم کی دو نعتوں پر حضرت رضاؔ کی تضمین:۔

حضرت قاسم کی سولہ اشعار پر مشتمل ایک نعت پر حضرت رضاؔ بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے تضمین نظم فرمائی ہے۔ پہلے اس نعت کا مطلع (پہلا شعر) اور مقطع (آخری شعر) ملاحظہ ہو:

مطلع:۔ دم مرا صاحب لولاک کے در پر نکلا — اب تو ارمان ترا اے دل مضطر نکلا
مقطع:۔ حشر کے روز اٹھے شور عجب کیا قاسم — قبر سے دیکھو وہ مداح پیمبر نکلا

تضمین کے بعد مذکورہ مطلع اور مقطع کی صورت حسب ذیل ہے:

مطلع:۔ شعلہ عشق نبی سینہ سے باہر نکلا — عمر بھر منہ سے مرے وصف پیمبر نکلا
ساز گار ایسا بھلا کس کا مقدر نکلا — دم مرا صاحب لولاک کے در پر نکلا
اب تو ارمان ترا اے دل مضطر نکلا

مقطع:۔ ہے رضاؔ گرچہ سیہ کار سراپا قاسم — نعت احمد ہے مگر اس کا وظیفہ قاسم
ایک مصرعہ بھی گر آقا کو خوش آیا قاسم — حشر کے روز اٹھے شور عجب کیا قاسم
قبر سے دیکھو وہ مداح پیمبر نکلا

مذکورہ تضمین کے مطلع اور مقطع میں پہلے تین مصرعے حضرت رضاؔ نے تضمین میں نظم فرمائے ہیں۔ آخر کے دو مصرعے اصل نعت کے ہیں۔ اسی ترتیب سے نعت کے سولہ اشعار پر حضرت رضاؔ نے قافیہ، بحر اور مضمون کی رعایت و موافقت کے ساتھ تضمین فرمائی ہے۔ یہ نعت شریف ''حدائق بخشش'' حصہ سوم، صفحہ ۱۶ پر درج ہے۔

● حضرت قاسم کی ایک دوسری نعت کہ وہ بھی سولہ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس نعت پر بھی حضرت رضاؔ بریلوی نے تضمین فرمائی ہے۔ پہلے اس نعت کا مطلع اور مقطع ملاحظہ فرمائیں:۔

مطلع:- حسرت ہے یاالٰہی جب جان تن سے نکلے ‏ نکلے تو نام اقدس لیکر دہن سے نکلے
مقطع:- وہ دن بھی ہو الٰہی جو صورت شہیدی ‏ حضرت کی جستجو میں قاسم وطن سے نکلے

تضمین کے بعد مذکورہ مطلع اور مقطع مزین ہوکر حسب ذیل صورت اختیار کئے ہوئے ہیں:-

مطلع:- اے کاش شان رحمت میرے کفن سے نکلے ‏ جاں بوئے گل کی صورت باغ بدن سے نکلے
ارماں طفیل نام شاہ زمن سے نکلے ‏ حسرت ہے یا الٰہی جب جان تن سے نکلے
نکلے تو نام اقدس لے کر دہن سے نکلے

مطلع:- لاکھوں ہیں سینہ بریاں مثل رضاؔ و کاؔفی ‏ انجام کار سب نے اپنی مراد پائی
دشت طلب میں ہوکر آوارہ کھو گئے جی ‏ وہ دن بھی ہو الٰہی جو صورت شہیدی
حضرت کی جستجو میں قاسم وطن سے نکلے

مذکورہ تضمین کے مطلع و مقطع میں پہلا، دوسرا اور تیسرا مصرعہ حضرت رضا کا تضمین فرمودہ ہے۔ چوتھا اور پانچواں مصرعہ اصل نعت سے ہے۔ یہ نعت شریف ''حدائق بخشش'' حصہ ۳، صفحہ ۶۶ پر درج ہے۔

(۲۶) صَنعَتِ تَشْبِیْبْ

قصیدے کی ابتداء میں عاشقانہ مضامین نظم کرنا۔ (فیروز اللغات، صفحہ ۳۶۱)

[***Love song, Talking of adolescence***]

اس صنعت میں شعراء اردو ادب نے عشق مجازی میں طرح طرح کے عاشقانہ اشعار کہے ہیں۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے زمانہ تک اس صنعت کیلئے ایسا نظریہ قائم تھا کہ اس صنعت کا استعمال صرف عشق مجازی میں ہی ہوسکتا ہے۔ عشق حقیقی میں اس صنعت کا استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ عشق مجازی میں محبوبہ کی رنگینی حسن اور محبوبہ کے اٹھتے ہوئے شباب کی بہار کا ذکر کر کے اشعار میں رعنائی اور رنگینی پیدا کرنے کے لئے عاشقانہ مزاج کا اظہار کرنے کے لئے ہی یہ صنعت متعین کی گئی ہے۔ اردو ادب کے کبریٰ اور صغریٰ تمام طبقے کے شعراء نے اس صنعت میں طبع آزمائی کی ہے لیکن تمام کے تمام محبوبہ کے سراپا کے اسیر نظر آتے ہیں۔ بلکہ یوں کہیے کہ اکثر نے رسمی اور روایتی طرز ہی اختیار کیا ہے۔ مثلاً:-

- جناب فانیؔ بدایونی کا قصیدہ ہے:-

(۱) سنتے ہیں گلشن میں پھر فصل بہار آنے کو ہے ‏ پھر ہزار انداز سے بانگ ہزار آنے کو ہے
(۲) پھر نئی کلیاں گلابی رنگ کی کھلنے کو ہیں ‏ آنکھ ہے نرگس کی پھر ہلکا خمار آنے کو ہے
(۳) پھر کریں گی قُمریاں گلشن میں کوکو ہر طرف ‏ پھر نئی رونق پہ سَرو جو بہار آنے کو ہے
(۴) پھر کسی کے لب سے مل جائے گا رنگ برگ گل ‏ پھر چمیلی کی مہک سے بوئے پیار آنے کو ہے

مذکورہ اشعار میں شاعر نے ماحول کی منظر کشی کرتے ہوئے عاشقانہ مضامین نظم کئے ہیں۔

● جوش ملیح آبادی کے اشعار:۔

(۱) نظر جھکائے عروس فطرت، جبیں سے زلفیں ہٹا رہی ہے — سحر کا تارا ہے زلزلے میں، افق کی لو تھرتھرا رہی ہے

(۲) روش روش نغمۂ طرب ہے، چمن چمن جشن رنگ و بو ہے — طیور شاخوں پہ ہیں غزل خواں، کلی کلی گنگنا رہی ہے

(۳) ستارۂ صبح کی رسیلی جھپکتی آنکھوں میں ہیں فسانے — نگار مہتاب کی نشیلی نگاہ جادو جگا رہی ہے

(۴) کلی پہ بیلے کی کس ادا سے، پڑا ہے شبنم کا ایک موتی — نہیں، یہ ہیرے کی کیل پہنے، کوئی پری مسکرا رہی ہے

مذکورہ اشعار شاعر کی عاشق مزاجی کی نشاندہی کر رہے ہیں۔ اردو ادب کے کلام کے معائنہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ صنعت تشبیب عشق مجازی کا طرہ امتیاز بن کر رہ گئی تھی۔ اس صنعت میں عشق حقیقی میں اشعار کہنا محال سمجھا جاتا تھا لیکن حضرت رضا نے اس محال امر کو ممکن بنا دیا اور اہل ادب و اہل فن کو بتا دیا کہ اس صنعت میں عشق حقیقی میں بھی اشعار کہے جاسکتے ہیں۔ صرف اشعار ہی نہیں کہے جاسکتے بلکہ عشق و محبت کے شاداب پھول بھی کھلائے جاسکتے ہیں۔ محبت رسول کی پاکیزہ رنگت، عشق نبی کی ستھری رعنائی اور والہانہ عقیدت کے سنجیدہ جوش ولا کے رنگ برنگ اور مہکتے گلوں سے فضا کو معطر اور رنگین بنایا جاسکتا ہے۔ اشعار کی رنگینی کا ٹھیکہ صرف عشق مجازی نے نہیں لے رکھا ہے بلکہ عشق حقیقی کے اشعار میں وہ لالی اور سرخی پیدا کی جاسکتی ہے کہ عشق مجازی کا چہرہ اس کے سامنے زرد ہو جائے۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان ایک سچے عاشق رسول تھے۔ ان کے عشق کی صداقت کا اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بے پناہ عشق و محبت کرنے کے ساتھ ساتھ ہر اس چیز اور امر سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے جس کو آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبت ہو۔ ماہ ربیع الاول شریف میں محبوب خالق کائنات اور باعث تخلیق کائنات، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں بظاہر تشریف لائے اور اسی ماہ میں آپ نے ظاہری نظروں سے پردہ فرمایا۔ لہٰذا ماہ ربیع الاول شریف کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک خاص نسبت ہے۔ اسی نسبت کی وجہ سے امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی ماہ ربیع الاول شریف سے وارفتگی کے درجے میں محبت کرتے ہوئے اس ماہ مبارک کا غایت درجہ ادب و احترام اور تعظیم و حرمت بجالاتے تھے۔ اس ماہ کی آمد پر آپ مچل جاتے تھے اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کیف و سرور میں جھوم اٹھتے تھے۔ اس ماہ کا ہر دن آپ کے لئے عید کا دن تھا۔ ہر لمحہ آپ سرور و شادمانی محسوس کرتے تھے۔ روزانہ ایک دو مرتبہ نہیں بلکہ کئی مرتبہ محفل نعت کا انعقاد و اہتمام اپنے دولت کدہ میں فرماتے۔ ماہ ربیع الاول شریف کی بہار کی آمد کی خوشی اور طرب میں آپ نے بطرز تشبیب ایک قصیدہ نظم فرمایا ہے۔ اس قصیدے کے چند اشعار پیش خدمت ہیں:۔

● حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں:۔

(۱) اودی اودی بدلیاں گھرنے لگیں — ننھی ننھی بوندیاں برسا چلیں

(۲) جھومتی آئیں نسیمیں نرم نرم — پتلی پتلی ڈالیاں لچکا چلیں

(۳)	دل کھلے کانوں میں رس پڑنے لگے	خوشنوا چڑیاں ترانے گا چلیں
(۴)	تانوں کی بینوں میں پھر لہرا بجا	گیسوؤں کی ناگنیں لہرا چلیں
(۵)	پھر اٹھا پودوں کے جوبن میں اوبھار	ننھی ننھی کوپلیں ہریا چلیں
(۶)	پھول مہکے غنچے چٹکے گل کھلے	نو بہاریں جابجا اٹھلا چلیں
(۷)	بجرے چھوٹے کشتیاں پڑنے لگیں	نہریں لہروں کے مزے دکھلا چلیں

ایک عاشق صادق کے عشق کے پاکیزہ تصورات کوداد وتحسین دیں کہ جو عاشق اپنے محبوب آقا ﷺ سے نسبت رکھنے والے مہینے کی محبت میں مذکورہ جذبات عشق ومحبت کا حامل ہو، اس کے عشق رسول کے جذبات کا کیا عالم ہوگا۔ مذکورہ قصیدہ ''حدائق بخشش'' حصہ ۳، صفحہ ۵۰ پر درج ہے۔

(۲۷) قَصِیْدَہ مُرَصَّعَہْ

وہ قصیدہ جو مطلع یا حسن مطلع کے بعد کم از کم اٹھائیس اشعار پر اس طرح مشتمل ہو کہ ہر شعر کے پہلے مصرعہ کے آخر میں حروف تہجی کا بالترتیب ایک حرف آئے اور حرف ''الف'' سے بالترتیب شروع ہو کر حرف ''ی'' پر ختم ہو۔

[***Rhyming long ode consisting of mininum 28 proses in which first hemistich of each prose ends in alphabetical order***]

حضرت رضا بریلوی کا قصیدہ مرصعہ ذیل میں ملاحظہ ہو:-

شعر نمبر	پہلا مصرعہ	پہلے مصرعہ کے آخر آنے والا حرف	دوسرا مصرعہ
مطلع	کعبہ کے بدر الدجیٰ تم پہ کروڑوں درود	---	طیبہ کے شمس الضحیٰ تم پہ کروڑوں درود
حسن مطلع	شافع روز جزا تم پہ کروڑوں درود	---	دافع جملہ بلا تم پہ کروڑوں درود
" "	جان و دل اصفیا تم پہ کروڑوں درود	---	آب و گل انبیاء تم پر کروڑوں درود
۱	اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا	الف	جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود
۲	ذات ہوئی انتخاب وصف ہوئے لاجواب	ب	نام ہوا مصطفیٰ تم پہ کروڑوں درود
۳	تم سے جہاں کی حیات تم سے جہاں کا ثبات	ت	اصل سے ہے ظل بندھا تم پہ کروڑوں درود
۴	تم ہو حفیظ ومغیث کیا ہے وہ دشمن خبیث	ث	تم ہو تو پھر خوف کیا تم پہ کروڑوں درود
۵	وہ شب معراج راج وہ صف محشر کا تاج	ج	کوئی بھی ایسا ہوا تم پہ کروڑوں درود
۶	جان وجہان مسیح، داد کہ دل ہے جریح	ح	نبضیں چھٹیں دم چلا تم پہ کروڑوں درود
۷	اُف وہ رہِ سنگلاخ آہ یہ پا شاخ شاخ	خ	اے مرے مشکل کشا تم پہ کروڑوں درود

	مصرعہ اول	حرف	مصرعہ ثانی
۸	تم سے کھلا باب جود تم سے ہے سب کا وجود	د	تم سے ہے سب کی بقا تم پہ کروڑوں درود
۹	خستہ ہوں اور تم معاذ بستہ ہوں اور تم ملاذ	ذ	آگے جو شہ کی رضا تم پہ کروڑوں درود
۱۰	گرچہ ہیں بے حد قصور تم ہو عفو و غفور	ر	بخش دو جرم و خطا تم پہ کروڑوں درود
۱۱	بے ہنر و بے تمیز کس کو ہوئے ہیں عزیز	ز	ایک تمہارے سوا تم پہ کروڑوں درود
۱۲	آس ہے کوئی نہ پاس ایک تمہاری ہے آس	س	بس ہے یہی آسرا تم پہ کروڑوں درود
۱۳	طارم اعلیٰ کا عرش جس کف پا کا ہے فرش	ش	آنکھوں پہ رکھ دو ذرا تم پہ کروڑوں درود
۱۴	کہنے کو ہیں عام و خاص ایک تمہیں ہو خلاص	ص	بند سے کر دو رہا تم پہ کروڑوں درود
۱۵	تم ہو شفائے مرض خلق خدا خود غرض	ض	خلق کی حاجت بھی کیا تم پہ کروڑوں درود
۱۶	آہ وہ راہ صراط بندوں کی کتنی بساط	ط	المدد اے رہنما تم پہ کروڑوں درود
۱۷	بے ادب و بد لحاظ کر نہ سکا کچھ حفاظ	ظ	عفو پہ بھولا رہا تم پہ کروڑوں درود
۱۸	لو تہہ دامن کہ شمع جھونکوں میں ہے روز جمع	ع	آندھیوں سے حشر اٹھا تم پہ کروڑوں درود
۱۹	سینہ کہ ہے داغ داغ کہہ دو کرے باغ باغ	غ	طیبہ سے آکر صبا تم پہ کروڑوں درود
۲۰	گیسو وقد لام الف کردو بلا منصرف	ف	لا کے تہ تیغ لا تم پہ کروڑوں درود
۲۱	تم نے برنگ فلق جیب جہاں کر کے شق	ق	نور کا تڑکا کیا تم پہ کروڑوں درود
۲۲	نوبت در ہیں فلک خادم در ہیں ملک	ک	تم ہو جہاں بادشا تم پہ کروڑوں درود
۲۳	خلق تمہاری جمیل خلق تمہارا جلیل	ل	خلق تمہاری گدا تم پہ کروڑوں درود
۲۴	خلق کے حاکم ہو تم رزق کے قاسم ہو تم	م	تم سے ملا جو ملا تم پہ کروڑوں درود
۲۵	برسے کرم کی بھرن پھولیں نعم کے چمن	ن	ایسی چلا دو ہوا تم پہ کروڑوں درود
۲۶	اپنے خطا واروں کو اپنے ہی دامن میں لو	و	کون کرے یہ بھلا تم پہ کروڑوں درود
۲۷	کر کے تمہارے گناہ، مانگیں تمہاری پناہ	ہ	تم کہو دامن میں آ تم پہ کروڑوں درود
۲۸	کام وہ لے لیجئے تم کو جو راضی کرے	ی	ٹھیک ہو نام رضا تم پہ کروڑوں درود

مندرجہ بالا کروڑوں درود والا حضرت رضا کا قصیدہ مرصعہ ملاحظہ فرما کر ناظرین یقیناً محظوظ ہوئے ہوں گے۔ اردو ادب میں کسی بھی شاعر نے ایسا قصیدہ بانداز غزل نہیں کہا۔ مذکورہ قصیدہ ہم نے اختصار کے ساتھ پیش کیا ہے۔ یہ قصیدہ کل ۵۹ راشعار پر مشتمل ہے۔ ہم نے صرف ۳۱ راشعار اس طرح کے پیش کئے ہیں کہ ہر شعر کے مصرعہ اول میں حروف ہجی کا ایک حرف بالترتیب آتا ہے۔ اس طرح حرف ''الف'' سے شروع ہو کر حرف ''ی'' پر ختم ہوا ہے۔ قارئین کرام کو حیرت ہو گی کہ دنیائے اردو ادب کے نامور اور صف اول کے شعراء اس صنعت میں ایک ایک حرف کی مثال میں صرف ایک ایک شعر

مشتمل قصیدہ مرتب کرنے سے عاجز اور قاصر رہے ہیں، لیکن حضرت رضاؔ نے ایک حرف کی مثال میں کئی اشعار نظم فرمائے ہیں۔ اس قصیدہ میں ایک مطلع اور دو حسن مطلع ہیں۔ پھر حروف تہجی کو ہر شعر کے پہلے مصرعہ میں بالترتیب لایا گیا ہے لیکن حضرت رضاؔ نے صرف ایک ایک شعر پر اکتفاء نہ کرتے ہوئے ایک سے زائد اشعار نظم فرمائے ہیں۔ جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

- الف کی مثال میں ۴ اشعار
- ب کی مثال میں ۲ اشعار
- ت کی مثال میں ۲ اشعار
- ث کی مثال میں ۲ اشعار
- ح کی مثال میں ۲ اشعار
- ر کی مثال میں ۵ اشعار
- م کی مثال میں ۷ اشعار
- ن کی مثال میں ۶ اشعار
- و کی مثال میں ۳ اشعار
- ہ کی مثال میں ۲ اشعار
- ی کی مثال میں ۴ اشعار

ہم نے اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے مذکورہ حروف کے صرف ایک ایک شعر ہی پیش کئے ہیں۔ حضرت رضاؔ بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا یہ قصیدہ صنعت مرصعہ کے قوانین اور ضوابط کو کامل طور پر نہیں بلکہ اکمل طور سے بھی زیادہ پورا کر رہا ہے۔ جہاں کم از کم ایک شعر کا ہونا لازمی ہے وہاں آپ نے چار، پانچ، چھ اور سات کی تعداد میں اشعار فرما کر ادب کی دنیا میں اپنا سکہ بٹھا دیا ہے۔ اس قصیدہ میں حضرت رضاؔ نے دیگر کئی صنعات بھی شامل فرمالی ہیں۔ مثلاً صنعت حسن تعلیل، صنعت استعارہ، صنعت تلمیح، صنعت تلمیع، صنعت اقتباس، صنعت تجنیس کامل، صنعت تجنیس ناقص، صنعت لف ونشر وغیرہ۔ ان تمام کی وضاحت کرنا یہاں ممکن نہیں۔ مختصر یہ کہ حضرت رضاؔ کا یہ نعتیہ قصیدہ لاجواب ہے، بے مثل ہے، بے مثال ہے، بے نظیر ہے۔ اس قصیدے پر ادب اور اہل ادب کو بھی ناز ہے۔ فن وادب کی بے شمار خوبیوں کے ساتھ ساتھ حضور اقدس ﷺ کی شان ارفع واعلیٰ کا جس والہانہ کیفیت سے بیان کیا گیا ہے، اس کی مثال شاید نہیں بلکہ یقیناً دیگر شعراء کے کلام میں ڈھونڈے نہ پائی جائے گی۔

(۲۸) صَنْعَتِ تَنْسِیْقُ الصِّفَاتْ

کسی کا تذکرہ بہت ہی صفات کے ساتھ کرنا۔ پھر چاہے وہ تعریف میں ہو یا مذمت میں ہو۔

[**Arranged praise**]

اردو ادب کے شعراء نے عشق مجازی میں اپنی محبوبہ اور معشوقہ کے حسن و جمال، شباب و نکھار اور جوانی و بانکپن کی تعریف میں بہت گل کھلائے ہیں۔ مثلاً:-

- عرش ملسیانی کا شعر ہے:-

بلا ہے، قہر ہے، آفت ہے، فتنہ ہے، قیامت کا — حسینوں کی جوانی کو جوانی کون کہتا ہے؟

- نوح ناروی کا شعر ہے:-

ادا آئی، جفا آئی، غرور آیا، حجاب آیا — ہزاروں آفتیں لے کر حسینوں کا شباب آیا

- شکیل بدایونی کا شعر ہے:-

فصل گل، رنگ چمن، دور خزاں، حسن بہار — مختلف نام ہیں ساقی تیرے پیمانوں کے

- مرزا غالب کا شعر ہے:-

حسن بے پروا خریدار متاع جلوہ ہے — آئنہ زانوے فکر اختراع جلوہ ہے

- فانی بدایونی کا شعر ہے:-

جمال بے حجاب تھا کہ جلوہ تھا حجاب کا — کلیم برق طور تھی کہ تار تھا نقاب کا

- جگر مرادآبادی کا شعر ہے:-

تجاہل، تغافل، تبسم، تکلم — یہاں تک تو پہونچے وہ مجبور ہوکر

- جوش ملیح آبادی کا شعر ہے:-

وہ کلی چٹکی، وہ برسا رنگ، وہ پھوٹی کرن — ہنس کے وہ انگڑائی لی دریا نے بہنے کے لئے

- اصغر گونڈوی کا شعر ہے:-

روز روشن یا شب مہتاب یا صبح چمن — ہم جہاں سے چاہتے، وہ روئے دنیا دیکھتے

صنعتِ تنسیق الصفات کی مثال میں قارئین نے اردو ادب کے مشہور شعراء کے اشعار ملاحظہ فرمائے۔ اب حضرت رضا بریلوی کے چند اشعار پیش خدمت ہیں:

- حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں:-

(۱) وہی نور حق، وہی ظل رب، ہے انہیں سے سب، ہے انہیں کا سب

نہیں ان کی ملک میں آسماں کہ زمیں نہیں کہ زماں نہیں

اس شعر میں حضرت رضا نے اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کے لئے کئی صفات کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً نور حق، ظل رب، انہیں سب، انہیں کا سب، آسمان ملک، زمین ملک، زمان ملک۔

(۲) تو ہے خورشید رسالت پیارے، چھپ گئے تیری ضیا میں تارے
انبیاء اور ہیں سب مہ پارے، تجھ سے ہی نور لیا کرتے ہیں

اس شعر میں خورشید رسالت، تیری ضیا، تاروں کا چھپنا، انبیاء کا نور لینا، ماہ پاروں کا تجھ سے نور لینا وغیرہ الفاظ استعمال کر کے شعر کو صنعت تنسیق الصفات سے مزین کیا گیا ہے۔

(۳) وہ نامی کہ نام خدا نام تیرا رؤف ورحیم وعلیم وعلی ہے

اس شعر میں نامی (نام والا)، نام خدا نام تیرا، رؤف، رحیم، علیم اور علی کو حضور اکرم ﷺ کی صفات کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

(۴) شافی ونافی ہو تم، کافی ووافی ہو تم درد کو کر دو دوا، تم پہ کروڑوں درود

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے حضور اقدس ﷺ کے لئے شافی یعنی شفا دینے والے، نافی یعنی مرض اور بیماری روکنے والے، کافی یعنی مکتفی، وافی یعنی مخلص، درد کو دوا کرنا بطورِ صفتِ عالیہ کے بیان کیا ہے۔

(۵) اے مغیث، اے غوث، اے غَیث، اے غیاث نشاتین
اے غنی، اے مغنی، اے صاحب حیا امداد کن

اس شعر میں مغیث، غوث، غیث، غیاث، غنی، مغنی، صاحب حیا کا استعمال بطور صنعت اور مدح مصطفیٰ ﷺ کے ذکر کیا گیا ہے۔

(۶) اصالت کل، امامت کل، سیادت کل، امارت کل حکومت کل، ولایت کل، خدا کے یہاں تمہارے لئے

اس شعر میں اصالت کل یعنی کائنات کی اصلیت یعنی باعث تخلیق، امامت کل، سیادت کل، امارت کل یعنی سرداری، دولت مندی، حکومت کل اور ولایت کل کے اوصاف کا ایک نہایت ہی دل کش انداز میں استعمال کیا گیا ہے۔

(۷) تمہاری چمک، تمہاری دمک، تمہاری جھلک، تمہاری مہک
زمین وفلک، سماک و سمک میں سکّہ نشاں تمہارے لئے

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے کمال وضاحت وبلاغت کا مظاہرہ کرتے ہوئے چمک، دمک، جھلک، مہک، زمین وفلک، سماک وسمک اور سکہ نشاں کے الفاظ نظم کئے ہیں۔

(۸) وہی جلوہ شہر بشہر ہے، وہی اصل عالم ودہر ہے وہی بحر ہے، وہی لہر ہے، وہی پاٹ ہے، وہی دھار ہے

اس شعر میں حضور اقدس ﷺ کے اوصاف عظیمہ کا بیان کرتے ہوئے حضرت رضا نے جلوہ اصل عالم، اصل دہر، بحر،

لہر، پاٹ اور دھار کا استعمال فرمایا ہے۔

(۹) کل سے اعلیٰ، کل سے اولیٰ، کل کی جان کل کے آقا، کل کے ہادی، کل کی شان

اس شعر میں یہ کمال ہے کہ شعر کے دونوں امصار کا ہر لفظ و جملہ بطور صفت رسول اکرم ﷺ استعمال ہوا ہے۔ تنسیق الصفات میں ایسا بھر پور از صفت شعر دیگر شعرائے اردو ادب کے کلام میں خورد بین سے دیکھنے پر بھی نہیں ملے گا۔ حضرت رضاؔ بریلوی کے اشعار میں پیش شدہ امثال صفت میں اور دیگر شعراء کے اشعار میں مذکور صفات میں زمین و آسمان کا فرق ہے بلکہ حضرت رضاؔ کے مذکورہ اشعار میں کچھ الفاظ ایسے ہیں کہ وہ الفاظ کسی شاعر کے پورے دیوان میں نہیں پائے جاتے۔ حضرت رضاؔ بریلوی اور دیگر شعراء اردو ادب کے اشعار کے مابین قارئین تقابل و توازن کریں گے، تو بلا شک و شبہ حضرت رضاؔ کے اشعار ستاروں کی انجمن میں آفتاب و مہتاب کی حیثیت سے حاوی اور مسلط محسوس ہوں گے۔

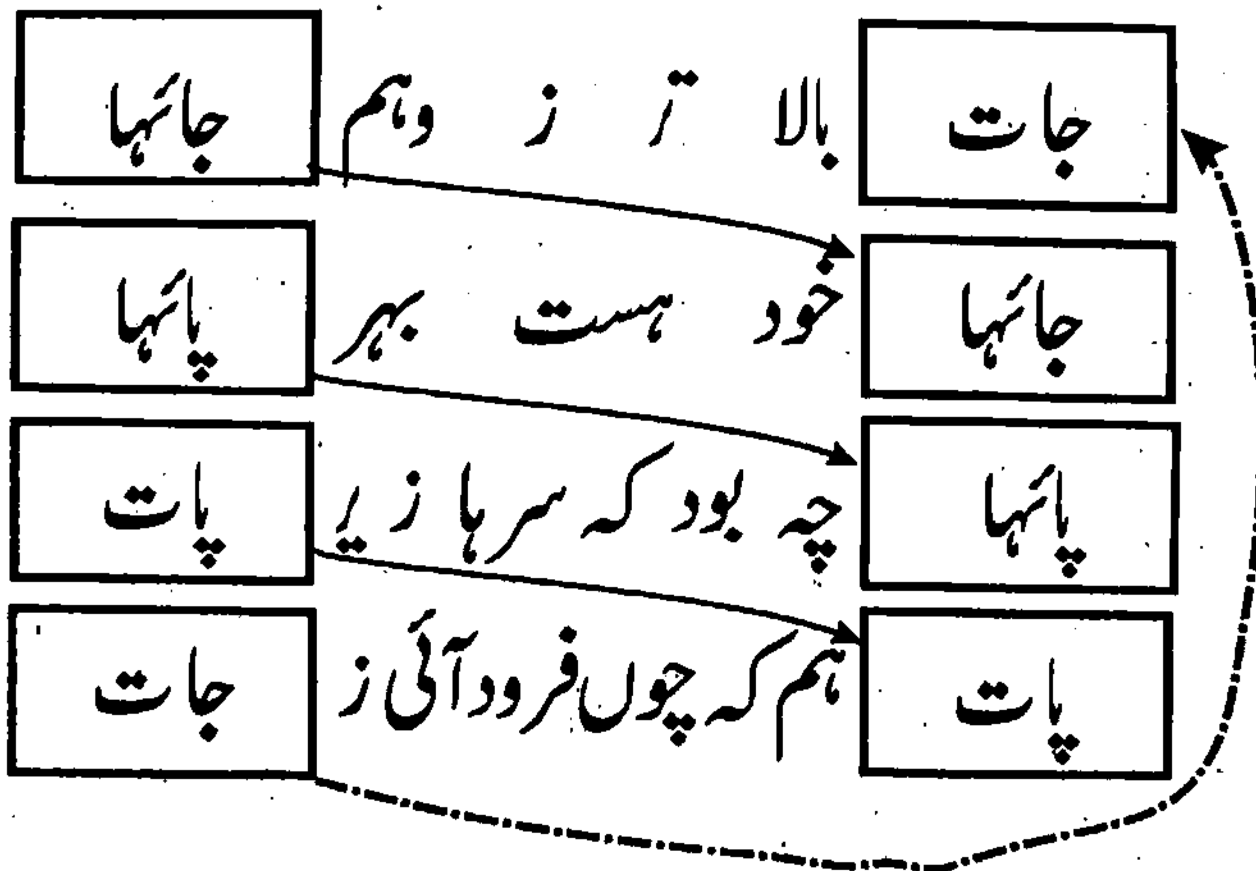
(۲۹) صَنْعَتِ اِتِّصَالِ تَرْبِیْعِیْ

ایسے چار مصرعوں کا مجموعہ کہ ہر مصرعہ کا آخری کلمہ اس کے بعد والے مصرعہ کا ابتدائی کلمہ ہو۔

[***Continuity of last word of hemistich***]

یہ ایک ایسی مشکل صنعت ہے کہ اچھے سے اچھے شعراء بھی اس میں طبع آزمائی کا تصور تک نہیں کرتے۔ اردو ادب کے تقریباً تمام شعراء کے دیوان اس صنعت سے خالی ہیں بلکہ فارسی زبان کے شعراء کے کلام میں بھی یہ صنعت بہت کم پائی جاتی ہے۔ لیکن حضرت رضاؔ بریلوی پر ان کے کریم آقا و مولیٰ ﷺ کا وہ فیض و کرم تھا کہ آپ نے مشکل سے مشکل صنعت میں بھی اپنی قادر الکلامی ثبت فرمادی ہے۔

● حضرت رضاؔ بریلوی کا ایک بند پیش ہے:-



مذکورہ چار مصرعوں کو بغور ملاحظہ فرمائیں:-

- پہلا مصرعہ لفظ ''جائہا'' پر ختم ہوتا ہے، اسی لفظ ''جائہا'' سے دوسرا مصرعہ شروع ہوتا ہے۔
- دوسرا مصرعہ لفظ ''پائہا'' پر ختم ہوتا ہے، اسی لفظ ''پائہا'' سے تیسرا مصرعہ شروع ہوتا ہے۔
- تیسرا مصرعہ لفظ ''پات'' پر ختم ہوتا ہے، اسی لفظ ''پات'' سے چوتھا مصرعہ شروع ہوتا ہے۔
- چوتھا مصرعہ لفظ ''جات'' پر ختم ہوتا ہے، اسی لفظ ''جات'' سے پہلا مصرعہ شروع ہوتا ہے۔

مذکورہ بند بزبان فارسی نظم فرمودہ ہے۔ جو ''حدائق بخشش'' ناشر:- رضا اکیڈمی، ممبئی، جلد دوم، صفحہ ۲۵ پر درج ہے۔

(۳۰) صَنعَتِ مَقلُوبِ مُستَوِی

شعر میں ایسے الفاظ کا استعمال کرنا کہ اس لفظ کو الٹا کر کے پڑھا جائے، تو بھی وہ سیدھی طرح رہتا ہے۔ یعنی سیدھا الٹا یکساں پڑھا جائے۔ مثلاً شاباش۔ (فیروز اللغات، ص۱۲۷۵) [***Inverted words in ode***]

- مرزا غالب کا شعر ہے:-

پیدا ہوئی ہے کہتے ہیں ہر درد کی دوا — یوں ہو تو چارۂ غمِ الفت ہی کیوں نہ ہو

اس شعر میں لفظ ''درد'' کو الٹا کر پڑھیں گے، تو بھی وہ لفظ ''درد'' ہی پڑھا جائے گا۔

- فانی بدایونی کا شعر ہے:-

عشق نے دل میں جگہ کی تو قضا بھی آئی — درد دنیا میں جب آیا تو دوا بھی آئی

اس شعر میں لفظ ''درد'' کا استعمال ہوا ہے۔ اس لفظ کو الٹا یا سیدھا جس طرح بھی پڑھیں گے، یکساں ہے۔

- شکیل بدایونی کا شعر ہے:-

احساس کی شمعیں جلتی تھیں جب ناز و ادا کی محفل میں — رکھا تھا قدم مدہوشی نے جب ہوش و خرد کی منزل میں

اس شعر میں جو لفظ ''ادا'' ہے، وہ سیدھا یا الٹا کسی طرح سے پڑھا جائے گا ''ادا'' ہی پڑھا جائے گا۔

- اصغر گونڈوی کا شعر ہے:-

رہی نہ وصل کی لذّت نہ ہجر کی کلفت — دوائے درد نہ اب درد بے دوا باقی

اس شعر میں جو لفظ ''درد'' ہے، وہ سیدھا یا الٹا دونوں طریقوں سے یکساں پڑھا جائے گا۔

- جگر مرادآبادی کا شعر ہے:-

زخم کو مرہم دل، درد کو درماں سمجھا — چارہ گر خوب علاج غم پنہاں سمجھا

اس شعر میں مستعمل لفظ ''درد'' کو صنعت مقلوب مستوی کے تحت شمار کیا جائے گا۔

- غلام ربانی تاباں کا شعر ہے:-

رنج شکست بھی ہے، غرورِ شکست بھی ہے — اس زندگی کو درد کہوں یا اثر کہوں

اس شعر میں الٹا اور سیدھا دونوں طرف سے یکساں پڑھے جانے والے لفظ ''درد'' کا استعمال کیا گیا ہے۔ صنعت مقلوب مستوی میں اکثر شعراء کے کلام میں زیادہ تر لفظ ''درد'' کا استعمال ہوا ہے۔ اس صنعت کے الفاظ اردو لغت میں بھی بہت محدود تعداد میں ہیں لہٰذا الفاظ کی جدّت کا حسن اس صنعت میں بہت کم پایا جاتا ہے۔ لیکن حضرت رضاؔ کے نعتیہ کلام میں نئے نئے الفاظ کے ساتھ کافی تعداد میں اشعار پائے جاتے ہیں۔ چند اشعار قارئینِ کرام کی ضیافتِ طبع کے لئے ذیل میں پیشِ خدمت ہیں:

● حضرت رضاؔ بریلوی فرماتے ہیں:۔

(۱) دل پہ کندہ ہو ترا نام کہ وہ دُزدِ رجیم — الٹے ہی پاؤں پھرے دیکھ کے طغرا تیرا

اس شعر میں لفظ ''دُزد'' کا استعمال کیا گیا ہے۔ یہ لفظ سیدھا یا الٹا یکساں ہی پڑھا جائے گا۔ لفظ ''دزد'' کے لغوی معنی چوری کرنے والا ہے۔ (فیروز اللغات، ص ۶۲۵) اس شعر میں دُزد سے مراد شیطان ہے۔

(۲) اب تو ہے گریۂ خوں گوہر دامانِ عرب — جس میں دو لعل تھے، زہرا کے وہ تھی کانِ عرب

اس شعر میں جو لفظ ''لعل'' ہے، وہ سیدھا اور اُلٹا دونوں طریقوں سے یکساں پڑھا جائے گا۔

(۳) زبانِ خار کس کس درد سے اُن کو سناتی ہے — تڑپنا دشتِ طیبہ میں جگر اُفگار فُرقت کا

اس شعر میں لفظ ''درد'' ہے۔ وہ سیدھا یا اُلٹا جس طرح بھی پڑھو ''درد'' ہی پڑھا جائے گا۔

(۴) دلِ عبث خوف سے پتا سا اڑا جاتا ہے — پلّہ ہلکا سہی بھاری ہے بھروسا تیرا

اس شعر میں مستعمل لفظ ''اُڑا'' کو صنعت مقلوب مستوی کے تحت شمار کیا جائے گا۔

(۵) ٹوٹ پڑتی ہیں بلائیں جن پر، جن کو ملتا نہیں کوئی یاور
ہر طرف سے وہ پُر ارماں پھر کر اُن کے دامن میں چھپا کرتے ہیں

اس شعر کی ابتداء میں جو لفظ ''ٹوٹ'' ہے، وہ سیدھا اور اُلٹا دونوں طریقوں میں یکساں پڑھا جائے گا۔

(۶) دیدِ گل اور بھی کرتی ہے قیامت دل پر — ہمصفیرو ہمیں پھر سوئے قفس جانے دو

اس شعر کی ابتداء میں جو لفظ ''دید'' ہے، وہ سیدھا اور اُلٹا دونوں طرح پڑھنے میں یکساں ہے۔

(۷) حاکم حکیم داد و دوا دیں، یہ کچھ نہ دیں — مردود یہ مراد کس آیت خبر کی ہے

اس شعر میں لفظ ''داد'' سیدھا اور اُلٹا یکساں پڑھا جائے گا۔

(۸) بابِ عطا تو یہ ہے جو بہکا اِدھر اُدھر — کیسی خرابی اِس نگھرے در بدر کی ہے

اس شعر میں لفظ ''باب'' ہے، وہ سیدھا اور اُلٹا دونوں طریقوں میں یکساں پڑھا جائے گا۔

حضرت رضاؔ بریلوی کے نعتیہ دیوان ''حدائق بخشش'' میں صنعتِ مقلوب مستوی کے اشعار کافی تعداد میں پائے جاتے

ہیں۔ یہاں صرف آٹھ اشعار بطور نمونہ پیش کیے گئے ہیں۔ ان تمام اشعار میں صنعت مقلوب مستوی کے تحت ذرد درد، اُڑا، ٹوٹ، دید، داداور باب کا استعمال فرمایا گیا ہے۔ یعنی جدت الفاظ کے میدان میں جولانی کرتے ہوئے اردو ادب کے شہسوار کی حیثیت سے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ نظر آتے ہیں۔ الفاظ کی جدت کے ساتھ ساتھ شعر کی مضمون کی عمدگی، اور عشق کا سوز وگداز اشعار کے محاسن میں مزید اضافہ کررہے ہیں۔ حضرت رضا کا کلام دنیائے اردو کے شعراء کو ایک نئی راہ دکھا رہا ہے۔ بلکہ دعویٰ اور دلیل کے شواہد سے ثابت کررہا ہے کہ شعروادب کے حسن اور رنگینی لئے عشق مجازی کے بجائے عشقِ حقیقی میں نظم کیے گئے اشعار میں زیادہ رنگت اور نکھار لایا جاسکتا ہے۔ لیکن اس کے لازمی ہے کہ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم صداقت اور خُلوص پر مبنی ہو۔

(۳۱) صَنعَتِ مَقلُوبِ کُل

شعر میں ایسے الفاظ کا استعمال کرنا کہ اس کو بالترتیب اُلٹادیں تو بامعنی لفظ بن جائے۔ مثلاً مان کو الٹا دیا تو ''نام'' اناج کو الٹایا تو ''جانا'' بنا۔ (فیروز اللغات، ص ۱۲۷۵)

- غلام ربانی تاباں کا شعر ہے:-

یہ اتفاق زمانہ ہے، اس کا رونا کیا ملا ملا کوئی دل کا مزاج داں نہ ملا

اس شعر میں جو لفظ ''ملا'' ہے، اس کو الٹا دینے سے لفظ ''الم'' یعنی رنج، غم، بنتا ہے۔

- جگر مرادآبادی کا شعر ہے:-

ساقی ہے، شراب ہے، سَبُو ہے اوّل وہ بڑھے جو با وضو ہے

اس شعر میں جو لفظ ''شراب'' ہے، اس کو اُلٹادینے سے لفظ ''بارش'' بنتا ہے۔

- شکیل بدایونی کا شعر ہے:-

غمِ عاشقی سے کہہ دو رہِ عام تک نہ پہنچے مجھے خوف ہے یہ تہمت مرے نام تک نہ پہنچے

اس شعر میں جو لفظ ''نام'' ہے، اس کو الٹا دینے سے لفظ ''مان'' (عزت) بنتا ہے۔

- فانی بدایونی کا شعر ہے:-

کچھ نظر کہہ گئی، زبان نہ کُھلی بات اُن سے ہوئی مگر نہ ہوئی

اس شعر میں جو لفظ ''بات'' ہے، اس کو اُلٹا دینے سے لفظ ''تاب'' (چمک) بنتا ہے۔

- مرزا غالب کا شعر ہے:-

چپک رہا ہے بدن پر لہو سے پیراہن ہماری جیب کو اب حاجت رفو کیا ہے

اس شعر میں جو لفظ ''جیب'' ہے، اس کو اُلٹا دینے سے لفظ ''بیج'' (اصل، نطفہ) بنتا ہے۔

● اصغرؔ گونڈوی کا شعر ہے:-

اُس نے اب تک نہ دکھایا رُخِ زیبا مجھ کو — توڑ ڈالے مہ و خورشید ہزاروں میں نے

اس شعر میں جو لفظ "رخ" ہے، اس کو اُلٹا دینے سے لفظ "خر" (گدھا) بنتا ہے۔

● جوشؔ ملیح آبادی کا شعر ہے:-

مُعترف میں بھی ہوں لیکن کھلونا پھر کھلونا ہے — کھلونا تو نہایت شوخ و رنگیں ہے تمدّن کا

اس شعر میں جو لفظ "شوخ" (شریر) ہے، اس کو اُلٹا دینے سے لفظ "خوش" بنتا ہے۔

● جاں نثار اخترؔ کا شعر ہے:-

چمن سے دور گلابوں کا قافلہ تو رہا — روش روش پہ جو کانٹے مہک اٹھے بھی تو کیا

اس شعر میں لفظ "روش" (باغ کی پٹڑی) کو اُلٹا دینے سے لفظ "شور" (دھوم) بنتا ہے۔

● فیض احمد فیضؔ کا شعر ہے:-

ہم لوگ سرخ رو ہیں کہ منزل سے آئے ہیں — سب قتل ہو کے تیرے مقابل سے آئے ہیں

اس شعر میں جو لفظ "لوگ" ہے، اس کو اُلٹا دینے سے لفظ "گول" (دائرہ) بنتا ہے۔

صنعتِ مقلوبِ کل میں ہم نے اردو ادب کے شہرۂ آفاق شعراء کے چند اشعار مثال میں پیش کئے ہیں۔ ناظرین کرام معائنہ سے محظوظ ہوئے ہوں گے۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے کلام سے اس صنعت کے اشعار اتنی کثرت سے پائے جاتے ہیں کہ جن کو شمار کرنا بہت ہی مشکل مرحلہ ہے اور بطورِ مثال ان تمام اشعار کو یہاں پیش کرنا امر محال ہے۔ لہٰذا ہم چند اشعار پر اکتفا کرتے ہیں۔ ذیل میں چند اشعار پیشِ خدمت ہیں:-

● حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:-

(۱) خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا — فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں

اس شعر میں لفظ "فرش" کو الٹا دینے سے لفظ "شرف" (بزرگی) بنتا ہے، "کیا" کو الٹا دینے سے "ایک" بنتا ہے، "عرش" کو الٹا دینے سے لفظ "شرع" (مذہب) بنتا ہے۔

(۲) نہ روحِ امیں، نہ عرشِ بریں، نہ لوحِ مبیں، کوئی بھی کہیں
خبر ہی نہیں، جو رمزیں کھلیں، ازل کی نہاں تمہارے لئے

اس شعر میں لفظ "روح" کو الٹا دینے سے لفظ "حور" بنتا ہے، "امین" کو الٹا دینے سے لفظ "نیما" (آدھا) بنتا ہے، "عرش" کو الٹا دینے سے لفظ "شرع" بنتا ہے، "لوح" کو الٹا دینے سے لفظ "حول" (ارد-گرد) بنتا ہے۔

(۳) نہ چھٹے ہاتھ سے دامانِ معلّٰی تیرا — نزع میں، گور میں، میزاں پہ، سرِ پل پہ کہیں

اس شعر میں لفظ "گور" کو الٹا دینے سے لفظ "روگ" (بیماری) بنتا ہے، "مین" کو اُلٹا دینے سے لفظ "نیم" (آدھا) بنتا

ہے، ''سر'' کوالٹادینے سے لفظ ''رس'' (عرق) بنتا ہے اور ''پل'' کولٹادینے سے لفظ ''لپ'' (مٹھی) بنتا ہے۔

(۴) ہے کلام الٰہی میں شمس وضحیٰ ترے چہرۂ نور فزا کی قسم — قسمِ شبِ تار میں راز یہ تھا کہ حبیب کی زلف دوتا کی قسم

اس شعر میں لفظ ''کلام'' کوالٹادینے سے لفظ ''مالک'' بنتا ہے، لفظ ''مین'' کوالٹادینے سے لفظ ''نیم'' (نصف) ہے، لفظ ''کی'' کوالٹادینے سے لفظ ''یک'' (ایک) بنتا ہے، لفظ ''تار'' (اندھیری) کواُلٹادینے سے لفظ ''رات'' بنتا لفظ ''راز'' کوالٹادینے سے لفظ ''زار'' (نالہ وفریاد) بنتا ہے۔

(۵) عارضِ شمس وقمر سے بھی ہیں انور ایڑیاں — عرش کی آنکھوں کے تارے ہیں وہ خوش ترایڑیاں

اس شعر میں لفظ ''انور'' کواُلٹادینے سے لفظ ''رونا'' (نوحہ) بنتا ہے، لفظ ''عرش'' کوالٹادینے سے لفظ ''شرع'' (شریعت) بنتا ہے، لفظ ''کی'' کوالٹادینے سے لفظ ''یک'' بنتا ہے، لفظ ''خوش'' کوالٹادینے سے لفظ ''شوخ'' (شریر) ہے، لفظ ''تر'' کوالٹادینے سے لفظ ''رُت'' (موسم) بنتا ہے۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے کلام میں صنعت مقلوب کل کے بہت سارے اشعار پائے جاتے ہیں یہاں صرف پانچ اشعار قارئین کرام کی خاطر داری کے لئے پیش کئے ہیں۔حضرت رضا اور دیگر شعراء اردو ادب کے کا تقابلی جائزہ لینے سے ایک بات یہ سامنے آئے گی کہ حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ایک شعر میں اس صنعت کے الفاظ پائے جاتے ہیں۔ دیگر شعراء کے کلام میں یہ خوبی نہیں۔اس صنعت میں بھی حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ دیگر شعرا فوقیت وسبقت لے گئے ہیں۔

(۳۲) صَنعَتِ حُسنِ طَلَب

لطیف اشارہ کرکے کوئی چیز مانگنا۔ مانگنے کا اچھا طریقہ (فیروز اللغات، ص ۵۶۹) یعنی دل پسند طریقے سے کسی کسی سے طلب کرنا۔ [*Nice way of asking*]

ہر مانگنے والا اپنے مطلوب سے اچھے طریقے سے مانگنے کی کوشش کرتا ہے۔اچھے طریقے سے مانگنے کا صرف یہی مقصد ہوتا ہے کہ اس کی التجا شرفِ قبولیت سے نوازی جائے اور اس کا مدعا حاصل ہو۔ سب مانگنے والوں نے کسی نہ کسی سے، کسی طریقے سے، بہت کچھ مانگا ہے۔ کسی نے خدائے تعالیٰ سے اور خدا کے محبوب سے مانگا ہے۔ تو کسی دل پھینک عاشق نے اپنے معشوق سے مانگا ہے۔ اور ہر مانگنے والے نے یہی کوشش کی ہے کہ اس کے مانگنے کا طریقہ اور انداز دلنشین ہو اردو ادب کے صفِ اوّل کے کچھ شعراء کے چند اشعار پیش ہیں:-

- شکیل بدایونی کا شعر ہے:-

گِن تو لیتے ہیں انگلیوں پہ گناہ — رحمتوں کا حساب کون کرے

اس شعر میں شاعر نے خدائے تعالیٰ کی بیشمار رحمتوں کو سراہتے ہوئے گناہوں کی مغفرت طلب کی ہے۔

- فانی بدایونی کا شعر ہے:-

تیری قدرت کا نظارہ ہے ، مرا عجز گناہ تیری رحمت کا اشارہ ہے، ندامت میری

اس شعر میں شاعر نے اپنے عجز گناہ کا اعتراف کرتے ہوئے ندامت سے خدا کی رحمت کی اُمید کا اظہار کیا ہے۔

- مرزا غالب کا شعر ہے:-

آتا ہے داغِ حسرتِ دل کا شمار یاد مجھ سے مرے گنہ کا حساب اے خدا نہ مانگ

اس شعر میں شاعر نے حسابِ گناہ سے معافی عطا کرنے کی بارگاہِ الٰہی میں استدعا کی ہے۔

- جگر مرادآبادی کا شعر ہے:-

شرمِ گنہ سے بڑھ کر ہے عفوِ گنہ کی شرم یا رب! کہاں میں جاؤں یہ نشتر لئے ہوئے

اس شعر میں شاعر نے ارتکابِ گناہ کی شرم اور گناہوں کے بدلے عفو کی عنایت سے نادم ہونا جتایا ہے۔

مذکورہ اشعار میں خالقِ کائنات، رب العالمین کی جناب میں حسنِ طلب کا اظہار کیا گیا ہے۔اب چند اشعار معشوقہ اور محبوبہ کے ساتھ حسنِ طلب کے پیش ہیں:-

- جوش ملیح آبادی کا شعر ہے:-

تجھ کو اپنے لبِ گلرنگ کی خوشبو کی قسم شامِ ہجراں کی ہواؤں کو معطر کر دے

اس شعر میں شاعر نے ہجر کی شام کو خوشبودار بنانے کے لئے محبوبہ کے پھول جیسی رنگت والے ہونٹوں کی قسم اپنی محبوبہ کو دی ہے اور اپنی طلب کو ایک حسین انداز میں بیان کیا ہے۔

- اصغر گونڈوی کا شعر ہے:-

تبسم کی ادا سے زندگی بیدار ہو جائے نظر سے چھیڑ دے، رگ رگ مری ہشیار ہو جائے

اس شعر میں شاعر نے حسین طریقے سے اپنے محبوب سے مسکرانے کی اور نگاہِ التفات کی گذارش کی ہے۔

- فیض احمد فیض کا شعر ہے:-

بے دم ہوئے بیمار دوا کیوں نہیں دیتے تم اچھے مسیحا ہو شفا کیوں نہیں دیتے

اس شعر میں شاعر نے اپنے محبوب کو مسیحا کے لقب سے نوازتے ہوئے مرض کی دوا اور شفا طلب کی ہے۔

صنعتِ حسنِ طلب میں حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار بہت ہی کثرت سے پائے جاتے ہیں۔آپ نے بارگاہِ خدائے تعالیٰ اور بارگاہِ محبوب خدا میں جس انداز سے حسن طلب کا اظہار فرمایا ہے، اس کی نظیر نہیں ملتی۔ پہلے چند اشعار حضرت رضا کے بارگاہ خداوندی میں حسن طلب کے پیش ہیں:-

- حضرت رضا بریلوی بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتے ہیں:-

(۱) نقصان نہ دے گا تجھے عصیاں میرا غفران میں کچھ خرچ نہ ہوگا تیرا

جس سے تجھے نقصان نہیں کر دے معاف　　　جس میں تیرا کچھ خرچ نہیں دے مولیٰ

راقم الحروف سے ایک کالج کے پروفیسر صاحب نے ایک مرتبہ شکیل بدایونی کا وہ شعر "گن تو لیتے ہیں انگلیو گناہ ÷ رحمتوں کا حساب کون کرے" سنایا اور کہا کہ شکیل صاحب کا طرز بیان اچھوتا اور بے مثل ہے۔ اس سے بہترین میں نے نہیں پایا۔ ان پروفیسر صاحب کو راقم الحروف نے حضرت رضا بریلوی کی مذکورہ رباعی سنائی، تو وہ تڑپ اٹھے اور کیف وسرور اُن پہ طاری ہو گیا اور انہوں نے اعتراف کیا کہ حسنِ طلب میں حضرت رضا کے مقابلے میں شکیل صاحب حیثیت مقتدی کی ہے۔ حضرت رضا بلا شک وشبہہ مقتدا نظر آتے ہیں۔

(۲)　کریم اپنے کرم کا صدقہ لئیم بے قدر کو نہ شرما　　　تو اور رضا سے حساب لینا رضا بھی کوئی حساب میں۔

ایک صاحب اہل ادب سے تھے۔ وہ ہمیشہ مرزا غالب کا شعر "آتا ہے داغ حسرت دل کا شمار یاد ÷ مجھ سے مرے حساب اے خدا نہ مانگ" گنگنایا کرتے تھے اور اس شعر کی غایت درجہ تعریف کیا کرتے تھے۔ انہوں نے غالب کے شعر کو اپنا وظیفہ بنا رکھا تھا۔ راقم الحروف نے غالب صاحب کے اس شعر کے مقابلے میں حضرت رضا بریلوی کا مذکورہ سنایا، تو وہ عش عش پکار اٹھے اور ایک وجدانی کیفیت میں مستغرق ہو گئے۔ حضرت رضا کے اور مرزا غالب کے شعر کے ال پر چند لمحات غور وفکر کرنے کے بعد انہوں نے کہا کہ خدائے تعالیٰ سے گناہوں کا حساب نہ لینے کی التجا کرنے میں حضرت کا انداز بیان غالب صاحب کے انداز سے اعلیٰ معیار کا، مؤدبانہ، عاجزانہ اور مہذبانہ ہے۔ اس کے بعد سے انہوں حضرت رضا کے مذکورہ شعر کو اپنا وظیفہ بنالیا۔

(۳)　اپنی ستاری کا یا رب واسطہ　　　ہوں نہ رسوا برسرِ دربار ہم

اللہ تبارک وتعالیٰ کا صفاتی نام "ستار" ہے۔ جس کے معنی ہیں چھپانے والا اور ڈھانپنے والا۔ (فیروز اللغات، ص۷۷۸)

حضرت رضا نے قیامت کے دن رسوائی سے بچنے اور عیب پوشی کے کرم سے بہرہ مند ہونے کے لئے خدائے تعالیٰ اس کی شانِ ستاری کا واسطہ دیا ہے۔ گویا کہ موصوف کو صفت سے متصف کیا ہے۔ ایک اچھوتے انداز میں بارگاہ خداوند میں التجا کی گئی ہے۔

(۴)　تو ہی بندوں پہ کرتا ہے لطف وعطا، ہے تجھی پہ بھروسا تجھی سے دعا
مجھے جلوۂ پاک رسول دکھا، تجھے اپنے ہی عز وعلا کی قسم

عشقِ مجازی میں اصغر گونڈوی کا اپنے شعر میں اپنی محبوبہ کو اس کے لب گل رنگ کی قسم دے کر یہ کہنا کہ "تجھے اپنے لب گل رنگ کی خوشبو کی قسم" اور اس قسم کے ذریعہ شام ہجراں کی ہواؤں کو خوشبودار کرنے کی گذارش کرنا محض شاعرانہ تخیل ہے۔ لیکن حضرت رضا کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مقدس جلوہ دیکھنے کی استدعا کرتے ہوئے رب تبارک وتعالیٰ سے "تجھے اپنے ہی عز وعلا کی قسم" عرض کرنا جذبۂ عشقِ صادق کی صداقت کی عکاسی کرتا ہے۔

(۵)　ہم سیہ کاروں پہ یا رب تپشِ محشر میں　　　سایہ افگن ہوں تیرے پیارے کے پیارے گیسو

میدانِ محشر کی دھوپ سے بچنے کے لئے اللہ کے پیارے کے پیارے گیسو کا سایۂ کرم حاصل ہونے کی یہ دعا حسنِ طلب کی صنعت میں اپنی مثال آپ ہے۔

(۶) ہم ہیں اُن کے وہ ہیں تیرے، تو ہوئے ہم تیرے　　اس سے بڑھ کر تری سمت اور وسیلہ کیا ہے

کتنا دل کش اندازِ بیان ہے۔ کتنے حسین طریقے سے اپنی طلب کا بارگاہِ خداوندی میں اظہار کیا گیا ہے اور نسبت کا کیا بہترین تعلق عرض کیا گیا ہے۔ ہم حضور اقدس کے غلام ہونے کے ناطے حضور کے، اور حضور اقدس ﷺ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہونے کے ناطے اللہ کے، لہٰذا اس نسبت سے ہم بھی اللہ کے ہوئے اور اللہ کے ہونے کے لئے اس سے بڑھ کر کون سا وسیلہ ہے۔

یہاں تک بارگاہِ الٰہی میں حُسنِ طلب کے حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے چند اشعار ناظرین کی خدمت میں پیش کئے گئے۔ اب چند اشعار بارگاہِ رسالت میں حُسنِ طلب کے حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نعتیہ دیوان سے پیش خدمت ہیں:-

(۷) سرکار ہم کمینوں کے اطوار پر نہ جائیں　　آقا حضور اپنے کرم پر نظر کریں

کریم آقا ﷺ کی بارگاہ میں حضرت رضا عرض کرتے ہیں کہ حضور! ہمارے طور طریقے اور ہمارے کردار کو نہ دیکھیں بلکہ آپ اپنی شانِ کریمی سے اپنے کرم کو دیکھتے ہوئے ہم کمینوں پر کرم فرمائیں۔

(۸) ہے یہ اُمید رضاؔ کو تری رحمت سے شہا　　نہ ہو زندانیٔ دوزخ ترا بندہ ہو کر

یا رسول اللہ! میں آپ کا غلام ہوں اور آپ کا غلام ہونے کے ناطے مجھے دوزخ کی قید نہ ہوگی، یہی امید مجھ کو آپ کی رحمت سے ہے۔

(۹) میرے عیسیٰ ترے صدقے جاؤں　　طور بے طور ہیں بیماروں کے

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کو "میرے عیسیٰ" کے محبت آمیز لقب سے پکارتے ہوئے بے طور بیمار پر کرم نوازی فرمانے کی حسنِ طلب کے تحت التجا کرتے ہیں۔

(۱۰) مجرم بلائے آئے ہیں جَآءُوْكَ ہے گواہ　　پھر رد ہو کب یہ شان کریموں کے در کی ہے

اپنا سوال شرفِ قبولیت سے نوازا جائے اور رد نہ ہو، اس طلب میں حضرت رضا قرآن مجید کی آیت "وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ" کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ ہم فرمانِ الٰہی کے تحت آپ کے دربار میں مجرمانہ حیثیت سے حاضر ہوئے ہیں۔ ہم آپ کے حضور بُلائے گئے ہیں اور کوئی بھی کرم نواز آقا اپنے در پر کسی کو بُلا کر اُس کا سوال رد نہیں کرتا۔ لہٰذا یا رسول اللہ آپ اپنی شانِ کریمی سے ہمارا سوال پورا فرمائیں۔ اب چند اشعار رواں رواں پیش خدمت ہیں:-

(۱۱) یا نبی جس کی اماں چاہے رضاؔئے خستہ　　تیرے دامن کے سوا اور ہے دامن کس کا

(۱۲) کون دیتا ہے دینے کو منھ چاہئے　　دینے والا ہے سچا ہمارا نبی

(۱۳) دعویٰ ہے سب سے تیری شفاعت پہ بیشتر　　دفتر میں عاصیوں کے شہا انتخاب ہوں

(۱۴) تیرے صدقے مجھے اِک بوند بہت ہے تیری جس دن اچھوں کو ملے جام چھلکتا تیرا

(۱۵) ہاتھ اُٹھا کر ایک ٹکڑا اے کریم ہیں سخی کے مال میں حقدار ہم

(۱۶) مانگیں گے، مانگے جائیں گے، منہ مانگی پائیں گے سرکار میں نہ ''لا'' ہے، نہ حاجت اگر کی ہے

(۱۷) بد ہیں تو آپ کے ہیں، بھلے ہیں تو آپ کے ٹکڑوں سے تو یہاں کے پلے، رُخ کِدھر کریں

(۱۸) خَلق کے حاکم ہو تم، رزق کے قاسم ہو تم تم سے ملا جو ملا، تم پہ کروڑوں درود

(۱۹) منگتا کا ہاتھ اُٹھتے ہی داتا کی دین تھی دوری قبول و عرض میں بس ہاتھ بھر کی ہے

(۲۰) نبی رحمت، شفیع اُمّت، رضؔا پہ للہ ہو عنایت
اُسے بھی اُن خلعتوں سے حصّہ، جو خاص رحمت کے واں بٹے تھے

صنعتِ حسن طلب میں حضرت رضؔا نے وہ حسن پیدا کیا ہے کہ جس کی وجہ سے فن وادب کا حسن بھی دہ چند ہوگیا ہے۔ بطور مثال چند اشعار ہم نے پیش کیے ہیں۔ اہلِ ذوق حضرات ''حدائقِ بخشش'' کی طرف رجوع فرمائیں تاکہ مزید اشعار سے لطف اندوز ہوں۔

(۳۳) صَنْعَتِ تَرْجِیْعْ بَنْدْ

شاعر کا چند ایسے بند نظم کرنا جو بحر میں موافق اور قافیہ میں مختلف ہوں اور وہ بند اس طرح نظم کرنا کہ ایک ہی بیت ہر بند کے آخر میں متواتر آئے اور ہر بند کے آخری شعر کے مضمون سے موافقت کرے۔ (فیروز اللغات، ص ۳۵۵)

صنعت ترجیع بند کی مثال میں اردو ادب کے صفِ اوّل کے شعراء کی تخلیق پیش کرنے کی غرض سے ہم نے کئی شعراء کے دیوان کی اوراق گردانی کی۔ لیکن معدودے چند کے علاوہ اکثر و بیشتر کے کلام اِس صنعت سے محروم ہیں۔ قارئین کرام کو حیرت ہوگی کہ اردو ادب کے شہرۂ آفاق شعراء میں جن کا شمار ہوتا ہے وہ مرزا غالبؔ، فانیؔ بدایونی، جگرؔ مراد آبادی، فیض احمد فیضؔ، اصغرؔ گونڈوی وغیرہ کے دیوان صنعت ترجیع بند سے تشنہ ہیں۔ اور جن کے دیوان میں راقم الحروف نے ترجیع بند کو پایا اس میں بھی کلام ہے یعنی کہ وہ صنعت ترجیع بند کے شرائط پر مکمل نہیں۔

- شکیلؔ بدایونی کے دیوان میں ترجیع بند کی مثال:-

(۱) چراغِ بزمِ تمنا بجھا نہیں سکتا میں بھول کر یہ قیامت اُٹھا نہیں سکتا
نشاطِ راحتِ ہستی مٹا نہیں سکتا تمام عُمر میں تجھ کو بھلا نہیں سکتا
تیرا خیال مرے دل سے جا نہیں سکتا

(۲) یہی تو باعثِ ضبطِ فغاں ہے میرے لئے یہی تو حاصلِ عمر رواں ہے میرے لئے
یہی تو زندگی جاوداں ہے میرے لئے یہی تو دولت کون ومکاں ہے میرے لئے

تیرا خیال مرے دل سے جا نہیں سکتا

شکیل بدایونی کی یہ تخلیق سات بند پر مشتمل ہے اور ہر بند کے بعد "تیرا خیال مرے دل سے جا نہیں سکتا" یہ ایک مصرعہ بار بار آتا ہے۔ حالانکہ صنعت ترجیع بند میں ہر بند کے بعد ایک مصرعہ نہیں بلکہ ایک بیت آنا چاہئے اور بیت = ایک وزن کے دو مصرعے = شعر (فیروز اللغات، ص ۲۵۲)

مذکورہ نظم میں ہر بند کے بعد دو مصرعے آنے ضروری تھے لیکن صرف ایک مصرعہ ہی آیا ہے۔ اسی طرح شکیل بدایونی صاحب کی دوسری نظم جو "کلیات شکیل" میں ص ۱۳۰ پر "بے خودی" کے عنوان سے ہے۔ اس میں ہر بند کے بعد "مجھے کسی کا ڈر نہیں میں اپنی دُھن میں مَست ہوں" والا صرف ایک مصرعہ آتا ہے۔ شکیل بدایونی کے دیوان میں صرف یہی دو نظمیں صنعت ترجیع بند کی پائی جاتی ہیں لیکن دونوں کا حال یہ ہے کہ ہر بند کے بعد بجائے دو مصرعوں کے صرف ایک مصرعہ آتا ہے۔ دراصل یہ نظم مخمس ہے۔

● جوش ملیح آبادی کے دیوان میں ترجیع بند کی مثال:-

(۱) کیا جوانی ہے فضا میں، مرحبا صد مرحبا — چل رہی ہے روح کو چھوتی ہوئی ٹھنڈی ہوا
آ رہی ہے دور سے کافر پپیہے کی صدا — حُسن اٹھا ہے خاک سے انگڑائیاں لیتا ہوا
جھوم کر برسی ہے کیا برسات کی پہلی گھٹا

(۲) آرزو میں ہے تلاطم، جوش ارمانوں میں ہے — حسرتوں میں ولولے ہیں، تازگی جانوں میں ہے
نوجوانی کا تبسم سرد میدانوں میں ہے — روشنی ہے دشت میں، خوشبو بیابانوں میں ہے
جھوم کر برسی ہے کیا برسات کی پہلی گھٹا

گیارہ بند پر مشتمل یہ نظم "شعلہ اور شبنم" (دیوانِ جوش ملیح آبادی، ص ۱۱۵۰) پر درج ہے۔ اس نظم میں ہر بند کے بعد ایک شعر (بیت یعنی دو مصرعوں) کے بجائے صرف ایک مصرعہ آتا ہے۔ جوش ملیح آبادی کے مذکورہ دیوان کے ص ۲۶، ص ۴۹ اور ص ۸۲ پر بھی ترجیع بند کی صنعت میں ایک ایک نظم پائی جاتی ہے لیکن ان تینوں میں بھی ہر بند کے بعد صرف ایک مصرعہ ہی ہے۔

● حضرت رضا بریلوی کے کلام میں ترجیع بند کی مثال:-

(۱) یہ وہ درگہ ہے کہ جُرم آئے تو غفراں ہو جائے — اِتقا شوقِ شفاعت میں گنہ یاں ہو جائے
نار بھی آئے تو نور چمنستاں ہو جائے — غازۂ روئے سحر شامِ غریباں ہو جائے
بے ادب پا منہ ایں جا کہ عجب درگاہ ست
سجدہ گاہ ملک وروضۂ شاہنشاہ ست

(۲) ہمہ تن قطب ہوں افلاک نہ کھائیں چکّر — موجِ دریا نہ بڑھے نوح کا طوفاں ہو کر

پاؤں پھولوں پہ ادب سے نہ رکھے بادِ سحر   گرچہ ایں بارگہ رحمتِ عام ست مگر

بے ادب پا منہ ایں جا کہ عجب درگاہ ست

سجدہ گاہ ملک وروضۂ شاہنشاہ ست   (حدائقِ بخشش،حصہ۳،ص۹

● کلامِ رضاؔ میں ترجیع بند کی دوسری مثال:-

(۱) غنچۂ دل ابھی کھلنے بھی نہ پایا تھا کہ آہ   آنکھ کو دل سے ہی تھا شوقِ نظارہ بجدا

بُلبلِ زار کو اِک دم بھی نہ خوش گزرا تھا   کہ ہوا پھر گئی، گلزاری موسم بدلا

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد

روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

(۲) کس قدر تیز گئی تیری سواری اے ماہ   حسرتیں دل کی رہیں دل ہی میں واللہ باللہ

پھر کے اے گل نہ کی اس شیفتہ پر تو نے نگاہ   تیرا بلبل یہی کہتا رہا با نالۂ و آہ

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد

روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

صنعتِ ترجیع بند میں حضرت رضاؔ کے اشعار تمام شرائط اور ضوابط پر کامل طور پر پورے ہیں۔علاوہ ازیں اشعار میں الفاظ کی بندش،عنوان کا طرزِ بیان، ماحول کی منظر کشی،اور عشق کا والہانہ جذبہ اشعار کے میعار کی بلندی کی گواہی دے رہے ہیں۔

(۳۴) صَنعَتِ مُسَمَّطْ

وہ نظم جس کے ہر شعر میں تین تین ٹکڑے ہم قافیہ ہوں۔اس نظم میں تین سے لے کر دس اشعار ہوں اور ان تمام اشعار میں کئی جگہ ایک قسم کا قافیہ ہو۔(فیروز اللغات،ص ۱۲۴۷)

صنعت مسمّط عموماً لمبی بحر کے اشعار میں ہوتی ہے۔شاعر اپنی لمبی بحر کی کئی نظموں میں سے ایک دو نظمیں اس صنعت میں نظم کرتا ہے۔اس صنعت میں نظم کہنا شاعر اپنے لئے باعثِ فخر جانتا ہے اور اس صنعت سے شاعر کے علم کی وسعت کا پتہ چلتا ہے۔

● جگر مرادآبادی کی ایک غزل صنعتِ مسمّط میں:-

(۱) کبھی شاخ وسبزہ و برگ پر، کبھی غنچہ وگل و خار پر   میں چمن میں چاہے جہاں رہوں،مرا حق ہے فصلِ بہار پر

(۲) مجھے دیں نہ غیظ میں دھمکیاں، گریں لاکھ بار یہ بجلیاں   مری سلطنت یہی آشیاں، مری ملکیت یہی چار پر

(۳) مری سمت سے اُسے اے صبا، یہ پیامِ آخرِ غم سنا   ابھی دیکھنا ہو تو دیکھ جا، کہ خزاں ہے اپنی بہار پر

شعر نمبر ۱ مطلع ہے۔شعر نمبر ۲ میں دھمکیاں، بجلیاں، اور آشیاں تین ہم قافیہ الفاظ ہیں اور شعر کے تین ٹکڑے ہوئے

ہیں۔ اسی طرح شعر نمبر ۳ میں بھی شعر کے تین ٹکڑے صبا، سنا اور جا ہم قافیہ الفاظ کے ساتھ استعمال کئے گئے ہیں۔ جگر مراد آبادی کی مذکورہ غزل کل نو اشعار پر مشتمل ہے۔ لیکن اس غزل کے شعر نمبر ۳ اور نمبر ۵ میں صنعت مسمّط کا التزام نہیں ہے۔

- جگر مراد آبادی کی دیگر غزل صنعتِ مسمّط میں:-

(۱) وہ کب کے آئے بھی اور گئے بھی نظر میں اب تک سما رہے ہیں
یہ چل رہے ہیں، وہ پھر رہے ہیں، وہ آرہے ہیں، وہ جارہے ہیں

(۲) شراب آنکھوں سے ڈھل رہی ہے، نظر سے مستی اُبل رہی ہے
چھلک رہی ہے، اُچھل رہی ہے، پیئے ہوئے ہیں پلا رہے ہیں

(۳) یہ مست بُلبل بہک رہی ہے، قریبِ عارض چہک رہی ہے
گلوں کی چھاتی دھڑک رہی ہے، وہ دستِ رنگیں بڑھا رہے ہیں

جگر مراد آبادی کی یہ غزل بیس اشعار پر مشتمل ہے لیکن اس غزل کے صرف نو ہی اشعار میں صنعتِ مسمّط کے قواعد و ضوابط کا التزام پایا جاتا ہے۔

مذکورہ دو غزلوں کے علاوہ جگر مراد آبادی کی صنعتِ مسمّط میں ایک غزل ان کے دیوان ''شعلۂ طور'' کے صفحہ نمبر ۴۶ پر ہے لیکن اس غزل کے تیرہ اشعار میں سے چار اشعار میں مذکورہ صنعت پائی جاتی ہے۔ جگر مراد آبادی کے دیوان میں لے دے کر یہی تین غزلیں صنعت مسمّط میں پائی جاتی ہیں۔

- مرزا غالبؔ کے دیوان میں اس صنعت میں ایک غزل بھی نہیں پائی جاتی۔
- فانیؔ بدایونی، فیض احمد فیضؔ، اصغر گونڈوی، جوشؔ ملیح آبادی اور غلام ربانی تاباںؔ کے کلام میں بھی یہ صنعت مفقود ہے، البتہ:-
- شکیلؔ بدایونی کے دیوان میں اس صنعت کی ایک غزل ''کلیاتِ شکیلؔ'' ص ۱۲۸، پر پائی جاتی ہے لیکن اس کا عنوان اور بیانِ عنوان دلکش نہیں اور نہ ہی اس کے اشعار میں الفاظ کی نُدرت ہے، نہ کوئی فصاحت و بلاغت ہے۔ جھونپڑی، کوٹھے، طوائف کے، گھر، پڑوسی، کمینہ، مکّار، ظالم، لیڈر، جنتا (پبلک)، دال، مرغی، جو، ستّو جیسے روز مرّہ کے عوامی مستعمل الفاظ سے ہی پوری غزل اُبل رہی ہے۔ ادب کا اعلیٰ معیار یا مضمون کی عُمدگی نہیں پائی جاتی۔

صنعتِ مسمّط میں جب ہم حضرت رضاؔ بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے نعتیہ دیوان کی اوراق گردانی کرتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ صنعتِ مسمّط درِ رضاؔ کی کنیز کی حیثیت سے قلم رضاؔ کی جنبش کے اشارے پر مطیع اور فرمانبردار ہو کر حاضرِ خدمت ہے۔ اس صنعت میں حضرت رضاؔ کے کلام میں اتنی کثرت پائی جاتی ہے کہ عقلیں دنگ ہیں، گمان چرخ میں ہیں۔ چند مثالیں پیش ہیں:-

- حضرت رضاؔ بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے کلام میں:-

ایک نعت صنعت مسمّط میں ۱۷ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس نعت کے ہر شعر میں یہ اہتمام ہے کہ ہر شعر میں تین تین قافیہ ٹکڑے ہیں۔ اُس نعت شریف کا مطلع یہ ہے:-

(۱) وصفِ رُخ اُن کا کیا کرتے ہیں، شرحِ والشّمس وضحیٰ کرتے ہیں
اُن کی ہم مدح وثنا کرتے ہیں، جن کو محمود کہا کرتے ہیں

مطلع کے بعد کے چند اشعار قارئین کی فرحتِ طبع کے لئے پیشِ خدمت ہیں:-

(۲) اپنے مولیٰ کی ہے بس شان عظیم، جانور بھی کریں جن کی تعظیم
سنگ کرتے ہیں ادب سے تسلیم، پیڑ سجدے میں گرا کرتے ہیں

اس شعر میں عظیم، تعظیم اور تسلیم ہم قافیہ کے ساتھ تین ٹکڑے شعر کا حُسن بڑھا رہے ہیں۔

(۳) تو ہے خورشید رسالت پیارے، چُھپ گئے تیری ضیا میں تارے
انبیاء اور ہیں سب مہ پارے، تجھ سے ہی نور لیا کرتے ہیں

اس شعر میں پیارے، تارے اور پارے کے تین ہم قافیہ ٹکڑے زینتِ شعر بنے ہوئے ہیں۔

(۴) لب پر آجاتا ہے جب نامِ جناب، منہ میں گھل جاتا ہے شہدِ نایاب
وجد میں ہو کے ہم اے جاں بیتاب، اپنے لب چوم لیا کرتے ہیں

اس شعر میں جناب، نایاب اور بے تاب کے قافیہ کے ساتھ تین جملے ہیں۔

(۵) اپنے دل کا ہے انہیں سے آرام، سونپے ہیں اپنے اُنہیں کو سب کام
لُو لگی ہے کہ اب اِس در کے غلام، چارۂ دردِ رضا کرتے ہیں

اس شعر میں آرام، کام اور غلام کی قافیہ بندی کے ساتھ تین ٹکڑے شعر کے حسن وجمال میں اضافہ کررہے ہیں۔

اس نعت شریف کے تمام اشعار مذکورہ طور پر ہم قافیہ تین تین ٹکڑوں کے ساتھ نظم کئے گئے ہیں۔ حضرت رضا بریلوی کی یہی ایک نعت شریف ہی صنعتِ مسمّط میں تمام شعراء اردو ادب کے کلام پر حاوی ہے۔

● حضرت رضا کا صنعت مسمّط میں عظیم شاہکار:-

صنعت مسمّط کی مثال میں اردو ادب کے شہرۂ آفاق اور نامور شاعروں کے دیوان سے کوئی غزل پیش کرنے کے لئے ہم نے ان شاعروں کے دیوان کی گہری نظر سے اوراق گردانی کی تو ایسا محسوس ہوا کہ ہم کسی صحرا میں میٹھے پانی کے چشمہ کی جستجو میں بھٹک رہے ہیں۔ بڑی مشکل سے جگر مرادآبادی اور شکیل بدایونی کے کلام میں غیر تسلی بخش مثالیں نظر آئیں۔ صحرا میں سرد اور شیریں پانی کی تلاش میں مارے مارے پھرنے والے کو جس طرح تلخ اور گولے پانی سے سبکدوش ہونا پڑتا ہے اسی طرح ہم کو بھی اِن غزلوں سے سبکدوش ہونا پڑا۔ لیکن حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں اس صنعت کی مثال نظم کی جستجو کی زحمت ہی نہ ہوئی۔ حضرت رضا کے کلام میں اس صنعت کی اتنی بہتات اور کثرت ہے کہ تلاش وجستجو کی حاجت

نہیں۔ جس طرح شیریں اور شفاف پانی سے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے دریا کے لب ساحل استادہ شخص کو پانی کی تلاش کی حاجت نہیں ہوتی بلکہ پانی کی موجیں خود اُچھل اُچھل کر اس تک رساں ہوتی ہیں۔ اسی طرح حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے دیوانِ سمندرِ عشق کی موجیں صنعتِ مسمّط جیسی کئی صنعات کے گوہر شاداب کے ہمراہ خود پیش قدمی کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نعتیہ دیوان میں ایک نعت شریف صنعت مسمّط میں ۲۵ رپچیس اشعار پر مشتمل ہے۔ وہ نعت پیش خدمت ہے:-

(۱) زمین و زماں تمہارے لئے ، مکیں و مکاں تمہارے لئے چنین و چناں تمہارے لئے ، بنے دو جہاں تمہارے لئے

یہ شعر نعت کا پہلا شعر ہے لہٰذا مطلع کی رعایت کرتے ہوئے اس شعر میں زماں، مکاں، چناں اور جہاں چار ہم قافیہ ٹکڑوں کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اس نعت کے چند مزید اشعار ملاحظہ فرمائیں:-

(۲) فرشتے خِدم، رسول حِشم، تمام اُمم، غلامِ کرم وجود وعدم، حدوث وقدم، جہاں میں عیاں تمہارے لئے

صنعت مسمّط کے لحاظ سے اس شعر میں حشم، کرم اور قدم ہم قافیہ کے ساتھ تین ٹکڑے آنے ضروری تھے اور ان تین ٹکڑوں کے لیے تین قافیہ لازمی تھے لیکن حضرت رضا نے اس شعر میں تین قافیوں کے بجائے خدم، حشم، اُمم، کرم، عدم اور قدم کل چھ قافیے ایسے حسین انداز میں نظم فرمائے ہیں کہ کسی بھی شاعر کے کلام میں ایسا بامعنیٰ اور باوقار شعر نہیں پایا جاتا، ایسا لگتا ہے کہ حضرت رضا کو قافیہ تلاش کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی تھی بلکہ قافیے مچل مچل کر از خود کلکِ رضا پر نثار ہونے چلے آتے تھے۔

(۳) اصالت کل، امامت کل، سیادت کل، امارت کل حکومت کل، ولایت کل، خدا کے یہاں تمہارے لئے

اس شعر میں بجائے تین کے چھ قافیے استعمال کئے گئے ہیں

(۴) کلیم و نجی، مسیح و صفی، خلیل و رضی، رسول و نبی عتیق و وصی، غنی و علی، ثنا کی زباں تمہارے لئے

اس شعر میں صنعت مسمّط کے ہم قافیہ تین ٹکڑوں میں تین قافیوں کی ضرورت تھی لیکن حضرت رضا بریلوی نے کمال فن کا مظاہرہ کرتے ہوئے تین کے بجائے نجی، صفی، رضی، نبی، وصی، غنی اور علی کل سات قافیوں کا التزام فرما کر فن وادب کے ماہرین کو ششدر کر دیا۔

(۵) جناں میں چمن، چمن میں سمن، سمن میں پھبن، پھبن میں دُلہن
سزائے محن پہ ایسے مِنن، یہ امن و اماں تمہارے لئے

اس شعر میں مستقل ہم وزن قافیہ کے علاوہ تین زائد قافیوں کی ضرورت تھی لیکن حضرت رضا نے تین کے بجائے چمن، چمن، سمن، سمن، پھبن، پھبن، دلہن، محن، منن۔ کل نو الفاظ ہم قافیہ استعمال فرما کر اپنی قادر الکلامی کا پرچم نصب فرما دیا ہے۔ مقطع پیش خدمت ہے:

(۶) صبا وہ چلے کہ باغ پھلے وہ پھول کھلے کہ دن ہوں بھلے لوا کے تلے ثنا میں کھلے رضا کی زباں تمہارے لئے

اس شعر میں صنعتِ مسمّط کے لوازمات کے تحت مستقل قافیہ کے علاوہ تین مزید قافیے درکار تھے لیکن حضرت رضا نے تین کے بجائے چلے، پھلے، کھلے، بھلے، تلے، اور گھلے کل چھ قافیے نظم فرما کر ملک سخن میں اپنی شاہانہ شان قائم فرمادی ہے۔

مختصر یہ کہ ۲۵/اشعار پر مشتمل اس نعت شریف میں غزل کے لوازمات کے تحت مستقل طور پر آنے والے قافیوں کے علاوہ صنعت مسمّط کے لوازمات کے تحت کل پچہتر (۷۵) زائد قافیوں کی ضرورت تھی۔ لیکن حضرت رضا نے پوری نعت شریف میں بجائے پچہتر (۷۵) کے ایک سو پچاس (۱۵۰) قافیوں کا استعمال فرما کر دنیائے ادب کے ناموروں کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔

● حضرت رضا کے کلام میں حیرت ہی حیرت:-

یہاں تک کی گفتگو میں صنعت مسمّط میں حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی دو نعتوں کا ذکر ہوا۔ ان میں سے ایک نعت ۱۷/اشعار پر اور دوسری نعت ۲۵/اشعار پر مشتمل ہے۔ علاوہ ازیں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے نعتیہ دیوان ''حدائق بخشش'' میں صنعتِ مسمّط میں ایک نعت ستائیس (۲۷) اشعار کی پائی جاتی ہے۔ اس نعت کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

(۱) نظر اک چمن سے دوچار ہے، نہ چمن چمن بھی نثار ہے عجب اُس کے گل کی بہار ہے، کہ بہار بلبل زار ہے

مطلع کے اس شعر میں دوچار، نثار، بہار (بسنت)، بہار (خوشی) اور زار کل پانچ قافیوں کا استعمال ہوا ہے اور شعر کا ہر مصرعہ دو ٹکڑوں کا ہے۔ یعنی شعر چار ٹکڑوں سے مُرکب ہے۔

(۲) یہ سمن، یہ سوسن و یاسمن، یہ بنفشہ سنبل و نسترن گل و سرو لالہ بھرا چمن، وہی ایک جلوہ ہزار ہے

اس شعر میں صنعتِ مسمّط کے تحت تین ہم قافیہ زائد الفاظ درکار تھے لیکن حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بجائے تین زائد قافیوں کے سمن، سوسن، یاسمن، نسترن اور چمن پانچ قافیوں کا استعمال فرمایا ہے۔

(۳) یہ صبا سنک، وہ کلی چٹک، یہ زباں چہک، لبِ جو چھلک یہ مہک جھلک یہ چمک دمک، سب اسی کے دم کی بہار ہے

اس شعر میں لازمی تین زائد قوافی کے بجائے سنک، چٹک، چہک، مہک، جھلک، چمک، اور دمک آٹھ زائد قوافی مستعمل کیے گئے ہیں۔

(۴) وہ رضا کے نیزہ کی مار ہے، کہ عدو کے سینہ میں غار ہے کسے چارہ جوئی کا وار ہے، کہ یہ وار، وار سے پار ہے

اس شعر میں مار، غار، وار (حوصلہ) وار (زخم) وار (بھرنا) اور پار، کل چھ ۶ قافیوں کا استعمال کیا گیا ہے۔ ستائیس اشعار پر مشتمل اس نعت کا ہر شعر فن وادب کا ایسا نمونہ ہے کہ جس کی مثال نہیں دی جاسکتی۔ اشعار میں الفاظ کا ربط، جملوں کی روانی، مضمون کی عمدگی، بیان کے انداز کی نُدرت، اور کلمات کی جدّت وغیرہ اوصاف ومحاسن کے اظہار کے لئے کما حقہ موزوں الفاظ نہیں ملتے۔ آیئے! مذکورہ تین نعت کے علاوہ حضرت رضا کی ایک بے مثال نعت دیکھیں:-

● فضل الٰہی کے بغیر ممکن ہی نہیں:-

مذکورہ تین نعتیں بزبان اردو ہیں۔ حالانکہ اردو زبان میں بھی صنعت مسمّط میں تخلیق نظم میں اچھے اچھے شاعروں کے

پسینے چھوٹ جاتے ہیں لیکن حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا یہ کمال ہے کہ آپ نے اپنی مشہور نعت جو صنعت تلمیع (ملمع مکشوف) میں ہے۔ اس چار زبان والی مشہور نعت میں بھی صنعت مسمّط کا استعمال کیا ہے۔ حضرت رضا بریلوی نے عربی، فارسی، ہندی (بھوج پوری) اور اردو چار زبانوں سے مرکب ایک نعت نظم فرمائی ہے۔ اس نعت کو بین الاقوامی شہرت حاصل ہوئی ہے۔ جس کا مطلع ہے:

(۱) **لم یات نظیرك فی نظر**، مثل تو نہ شد پیدا جانا　　جگ راج کو تاج تورے سر سو، ہے تجھ کو شہ دوسرا جانا

اس نعت کے کل دس (۱۰) اشعار ہیں۔ مطلع کے بعد کے تمام اشعار میں صنعتِ مسمّط پائی جاتی ہے۔ مثلاً:-

(۲) **البحر علا و الموج طغیٰ**، من بیکس وطوفاں ہوشربا　　منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا، موری نیا پار لگا جانا

اس شعر میں طغیٰ، ہوشربا اور ہوا تین ٹکڑوں کے آخر میں مزید قافیہ کی حیثیت سے استعمال کئے گئے ہیں۔

(۳) **انا فی عطشٍ و سخاك اتم**، اے گیسوئے پاک اے ابرکرم
برسن ہارے رم جھم رم جھم، دو بوند اِدھر بھی گرا جانا

اس شعر میں پہلے ٹکڑے کے آخر میں ''اتم'' دوسرے ٹکڑے کے آخر میں ''کرم'' اور تیسرے ٹکڑے کے آخر میں ''رم جھم'' صنعت مسمّط کے تحت تین مزید قافیوں کی حیثیت سے ہیں۔

(۴) **یا قافلتی زیدی اجلك**، رحمے برحسرتِ تشنہ لبک　　مورا جیرا لرجے درک درک، طیبہ سے ابھی نہ سنا جانا

اس شعر کے شروع کے تین ٹکڑوں کے آخر میں بالترتیب اجلك، لبک اور درک صنعت مسمّط کے تحت مزید قافیہ کی حیثیت سے وارد ہوئے ہیں۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان پر اللہ اور اللہ کے محبوب (جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا خاص فضل و کرم تھا کہ آپ نے وہ علمی جوہر دکھائے ہیں جو عام طور پر کسب و تعلم سے حاصل نہیں ہوتے بلکہ علم لدنی کے ذریعہ وہبی ہوتے ہیں۔ دیگر شعراء کے کلام صرف اردو زبان میں صنعت مسمّط میں خزاں رسیدہ معلوم ہوتے ہیں لیکن حضرت رضا کا کلام چاہے جس زبان میں ہو، بہارِ نو کے شاداب پھولوں کی طرح مہک رہا ہے۔ ہم دعوے کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ چار زبانوں سے مشترک نظم میں صنعت مسمّط میں حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ کسی بھی شاعر کی ایک غزل تو کیا بلکہ ایک شعر بھی نہیں پایا جاتا اور نہ ہی مستقبل میں دور تک پایا جائے گا۔ جو شعراء عشقِ مجازی میں زیبا، نازیبا، روا، ناروا بلکہ شریعت کی سرحد کو پھلانگ کر آزادانہ تخیّل کے اشعار کہہ گئے ہیں اور ان شعراء کو صفِ اوّل کے اردو شعراء میں شمار کرانے میں جن کے پاؤں زمین پر نہیں رہتے، ہم اُن اہل ادب سے عرض کرتے ہیں کہ حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ جیسا ایک شاعر تو دکھلاؤ! جو ہر صنعت میں کمالِ مہارت کا دھنی ہو۔ مذہبی علوم اور عشقِ رسول کی حیثیت سے نہیں بلکہ اردو ادب اور فنِ شاعری کے اعتبار سے بھی حضرت رضا کا کوئی مدِ مقابل نظر نہیں آتا۔

● صنعت مسمّط میں حضرت رضا کی ایک اور نعت:-

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے صنعتِ مستزاد میں ایک حمد نظم فرمائی ہے۔ یہ حمد بھی ملک و بیرون کے گوشے گوشے میں گونج رہی ہے۔ ملاحظہ ہو:-

(۱) وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا ہمیں بھیک مانگنے کو، تیرا آستاں بتایا
تجھے حمد ہے خدایا

اس حمد میں کل پندرہ اشعار ہیں۔ مطلع کے بعد کے بقیہ چودہ اشعار میں صنعتِ مسمّط ایک دلکش انداز میں پائی جاتی ہے۔ چند اشعار بطور مثال پیش ہیں:-

(۲) تمہیں حاکمِ برایا، تمہیں قاسمِ عطایا تمہیں دافعِ بلایا، تمہیں شافعِ خطایا
کوئی تم سا کون آیا

اس شعر میں شروع کے تین ٹکڑوں کے آخر میں بالترتیب برایا، عطایا اور بلایا کے الفاظ صنعت مسمّط کے تحت زائد قافیہ کی حیثیت سے استعمال کئے گئے ہیں۔

(۳) کبھی وہ تپک کہ آتش، کبھی وہ ٹپک کہ بارش کبھی وہ ہجوم نالش، کوئی جانے ابر چھایا
بڑی کوششوں سے آیا

اس شعر میں آتش، بارش اور نالش شروع کے تین ٹکڑوں میں بالترتیب زائد قافیہ کی حیثیت سے صنعت مسمّط کے تحت وارد ہوئے ہیں۔

(۴) کبھی وہ چہک کہ بلبل، کبھی وہ مہک کہ خود گل کبھی وہ لہک کہ بالکل، چمنِ جناں کھلایا
گلِ قدس لہلہایا

اس شعر میں بلبل، گل اور بالکل صنعت مسمّط کے تحت زائد قافیہ کی حیثیت سے استعمال کئے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں چہک، مہک اور لہک کی مزید قافیہ بندی نے شعر میں نُدرت پیدا کر دی ہے۔

اس نعت کا ہر شعر عشق رسول میں ڈوبا ہوا اور قابلِ دید ہے۔ اس نعت کے دو اشعار میں تو صنعت مسمّط کے ساتھ صنعت مستزاد، صنعت اقتباس، صنعت تلمیح، صنعت حسن طلب، صنعت مقلوب، وغیرہ پائی جاتی ہیں۔ ایک شعر میں اتنی کثیر تعداد میں صنعات کو جمع کر دینا اور شعر کے اوزان و ابحار کو برقرار رکھتے ہوئے شعر کے حسن کو دوبالا کرنا بازیچۂ اطفال نہیں اور نہ ہی یہ ہر کسی سے ممکن ہے۔ یہ تو حضرت رضا کا خاصہ اور کمال ہے کہ چھوٹی سی ڈبیا میں بڑا خزانہ بند کر دیا۔ ذٰلك فضل الله۔

- قصیدۂ معراج میں صنعت مسمّط:-

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے "تہنیت شادی اسرا" کے نام سے قصیدۂ معراج قلم بند فرمایا ہے۔ اس میں صنعت مسمّط کے تینتیس ۳۳ اشعار پائے جاتے ہیں چند اشعار پیش خدمت ہیں:-

- بچا جو تلوؤں کا اُن کے دھوون، بنا وہ جنّت کا رنگ و روغن

جنہوں نے دولہا کی پائی اُترن، وہ پھول گلزار نور کے تھے

شعر کے پہلے تین ٹکڑے دھوون، روغن اور اُترن کے زائد ہم قافیہ سے مزین ہیں۔

- نمازِ اقصیٰ میں تھا یہی سر، عیاں ہوں معنی اوّل آخر
  کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر، جو سلطنت آگے کر گئے تھے

شعر کے شروع کے تین ٹکڑے سر، آخر اور حاضر کے زائد قافیوں کے ساتھ نظم کئے گئے ہیں۔

- اُدھر سے پیہم تقاضے آنا، اِدھر تھا مشکل قدم بڑھانا
  جلال وہیبت کا سامنا تھا، جمال و رحمت ابھارتے تھے

صفتِ مسمّط کے تحت آنا، بڑھانا اور تھا کے زائد قافیے شعر کے ابتدائی تین ٹکڑوں میں ہیں۔

- وہ برجِ بطحا کا ماہ پارہ، بہشت کی سیر کو سدھارا چمک پہ تھا خُلد کا ستارہ، کہ اس قمر کے قدم گئے تھے

اس شعر کے شروع کے تین ٹکڑوں میں ہم قافیہ الفاظ پارہ، سدھارا اور ستارہ وارد ہیں۔

- صنعت مسمّط میں حضرت رضا کے اشعار اتنی کثرت سے ہیں کہ سب کا تذکرہ ممکن نہیں لہٰذا ان اشعار کی طرف صرف اشارہ کرتے ہیں:۔
- ''پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں'' اس نعت میں ۱۳/اشعار
- ''ہے کلام الٰہی میں شمس وضحیٰ'' اس نعت میں ۵/اشعار
- ''بندہ قادر کا بھی قادر بھی ہے عبد القادر'' اس منقبت میں ۶/اشعار
- ''رخ دن ہے یا مہر سماں'' اس نعت میں ۶/اشعار
- ''اٹھا دو پردہ دکھا دو چہرہ'' اس نعت میں ۵/اشعار
- ''صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑہ نور کا'' اس قصیدہ میں ۱۱/اشعار
- ''کعبہ کے بدر الدجیٰ تم پہ کروڑوں درود'' اس قصیدہ میں ۴/اشعار

مختصر یہ کہ حضرت رضا نے تن تنہا صنعت مسمّط میں جتنے اشعار نظم فرمائے ہیں، اتنے اشعار اردو ادب کے نامور شاعروں کی ایک جماعت مجموعی طور پر بھی نظم نہیں کر سکی۔ راقم الحروف نے عجلت اور سرسری نظر سے حضرت رضا کے نعتیہ دیوان کا طائرانہ معائنہ کیا تو ایک سو بہتر (۱۷۲) اشعار صنعتِ مسمّط میں پائے۔ اگر بنظر عمیق کوئی ورق گردانی کرے تو یہ تعداد متجاوز ہو سکتی ہے۔ صرف ایک صنعت میں اتنی کثرت سے اشعار واقعی ایک انفرادی حیثیت اور قادر الکلامی کی بین دلیل ہے۔

(۳۵) صَنْعَتِ عَزْلُ الشَّفَتَيْنِ

وہ اشعار کہ جن میں ایسے الفاظ کا استعمال کیا جائے کہ شعر پڑھنے والے کے دونوں ہونٹ الگ رہیں یعنی ہر لفظ پر لب

سے لب الگ رہیں۔ اس صنعت کو "وَاسِعُ الشَّفَتَیْن" بھی کہتے ہیں۔

یہ ایک بہت ہی مشکل صنعت ہے۔ کیونکہ حروف تہجی کے وہ حروف کہ جن کو ادا کرتے وقت لب سے لب ملتا ہے، ایسے حروف والے الفاظ کو مطلقاً ترک کر کے شعر کہنا بہت مشکل مرحلہ ہے۔ کیونکہ ایسے الفاظ کے عدم استعمال کی صورت میں جملہ بندی، اظہارِ بیان، شعر کا وزن وغیرہ ضروری لوازمات کی رعایت کرنے میں بہت دشواری ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو ادب کے شعراء کے کلام میں اِس صنعت کے اشعار بہت ہی مشکل سے پائے جاتے ہیں۔ ہم نے اس صنعت میں اردو ادب کے صفِ اوّل کے شعراء کے اشعار ڈھونڈھنے کے شوق میں مسلسل دو شب کی بیداری کی مشقت برداشت کر کے مرزا غالبؔ، فانیؔ بدایونی، فیض احمد فیضؔ اور شکیلؔ بدایونی کے دیوان "الف" سے لے کر "ی" تک پڑھ ڈالے۔ ایک ایک شعر کو ٹٹول ٹٹول کر دیکھا، تو ہم نے حسبِ ذیل نتیجہ پایا یعنی صنعت عزل الشفتین میں مذکورہ شعراء کے دیوان سے حسب ذیل تعداد میں اشعار پائے:

مرزا غالبؔ

مرزا غالب کے دیوان میں صرف پانچ اشعار اس صنعت میں پائے جاتے ہیں۔ اور وہ بھی کسی ایک غزل میں نہیں بلکہ متفرق غزلوں میں ایک ایک شعر کر کے پائے جاتے ہیں۔ ۳۱۲ر صفحات پر مشتمل مرزا غالبؔ کے دیوان کی ۲۳۲ر غزلیں، ۱۷ر قطعات، ۱۸ر رُباعیات، و دیگر صنعات مثلاً قصائد، منقبت، و متفرق اشعار کا ہم نے ایک ایک لفظ بغور پڑھا۔ گمان تو یہ تھا کہ غالبؔ صاحب کے دیوان میں اِس صنعت کے اشعار کافی تعداد میں ہوں گے لیکن پورے دیوان سے لے دے کر صرف پانچ اشعار ہی دستیاب ہوئے۔ غالبؔ صاحب کے تین اشعار پیشِ خدمت ہیں:-

- جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی — حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہو (غزل نمبر ۲۶)
- یار سے چھیڑ چلی جائے اسدؔ — گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی (غزل نمبر ۱۴۶)
- دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے — آخر اِس درد کی دوا کیا ہے (غزل نمبر ۱۶۰)

مذکورہ اشعار میں یہ خوبی ہے کہ پورا شعر پڑھنے کے دوران کسی بھی حرف یا لفظ کے تلفظ میں پڑھنے والے کے ہونٹ نہیں ملیں گے یعنی لب سے لب مَس نہیں ہوگا۔

فانیؔ بدایونی

فانیؔ بدایونی کا دیوان جو "کلیاتِ فانی" کے نام سے ۳۲۰ر صفحات پر مشتمل ہے۔ اس دیوان کی ۳۸۱ر غزلیں، نظمیں، مخمس، ۷ر قطعات، ۸۸ر رُباعیات اور دیوان کے آخر میں مطبوعہ تقریباً ایک سو کے قریب متفرق اشعار کو ہم نے بہت ہی آہستہ آہستہ، رک رک کر، غور و فکر کرتے ہوئے بنظرِ عمیق پڑھا۔ فانیؔ بدایونی کے وسیع التخلیق دیوان سے صرف سترہ ۱۷ر اشعار عزل الشفتین کی صنعت میں پائے گئے۔ لیکن وہ بھی متفرق طور پر۔ اس صنعت میں فانیؔ صاحب کی کوئی پوری غزل

نہیں۔ بلکہ متفرق غزلوں سے ایک ایک شعر کر کے کل ۱۷ اشعار پورے دیوان میں پائے جاتے ہیں۔ بڑی محنت و مشقت کر کے فانؔی صاحب کے دیوان کا ایک ایک لفظ مطالعہ کیا لیکن مذکورہ تعداد میں ہی اشعار ملے۔ چند اشعار پیش خدمت ہیں:

- دیکھا نہیں وہ جلوہ جو دیکھا ہوا سا ہے　　اس طرح وہ عیاں ہیں کہ گویا عیاں نہیں　　(کلیات فانی، ص۱۴۱)
- کچھ حیرت کے آثار سے ہیں، کچھ دل سا ٹھہرا جاتا ہے　　وحشت سے گزرے جاتے ہیں انداز ترے دیوانے کے　　(کلیات فانی، ص۲۰۵)
- شیوۂ عاشقی ہے یہ، حاصلِ زندگی ہے یہ　　آہ جگر گداز کھینچ، نالۂ دل خراش کو　　(کلیات فانی، ص۹۹)
- دل خوگر اندوہ ہے، کیا وصل سے خوش ہو　　ہر چند کہ ناشاد نہیں، شاد نہیں ہے　　(کلیات فانی، ص۲۳۵)

مذکورہ اشعار میں یہ کمال ہے کہ ان اشعار کو پڑھنے والے کے دونوں ہونٹ ایک دوسرے سے نہیں مَس ہوں گے۔

فیض احمد فیض

فیض احمد فیض کے دیوان (۱) نقش فریادی (۲) دستِ صبا (۳) دست تہ سنگ (۴) سر وادی سینا اور (۵) زنداں نامہ کا مجموعہ ''کلیات فیض'' جو ۲۲۴ رصفحات پر مشتمل ہے۔ اس کی کثیر التعداد تخلیقات سے صرف چار اشعار صنعتِ واسع الشفتین کے پائے جاتے ہیں۔ یہاں صرف دو اشعار پیش خدمت ہیں:-

- قصۂ سازشِ اغیار کہوں یا نہ کہوں　　شکوۂ یارِ طرحدار کروں یا نہ کروں　　(کلیاتِ فیض، ص۸۲)
- تیری صورت جو دل نشیں کی ہے　　آشنا شکلِ ہر حسیں کی ہے　　(کلیاتِ فیض، ص۱۰۶)

شکیل بدایونی

شکیل بدایونی کے دیوان (۱) رعنائیاں (۲) صنم و حرم (۳) شبستان اور (۴) رنگینیاں کا مجموعہ ''کلیات شکیل'' جو ۳۲۰ رصفحات پر مشتمل ہے۔ اس دیوان کو بھی ہم نے سابق الذکر دیوانوں کی طرح پڑھا۔ لیکن شکیل بدایونی صاحب کے دیوان میں صرف تیرہ اشعار اس صنعت میں پائے جاتے ہیں۔ یہاں صرف تین اشعار پیش خدمت ہیں:-

- نظر سے قید تعین اٹھائی جاتی ہے　　تجلی رُخِ جاناں دکھائی جاتی ہے　　(کلیاتِ شکیل، ص۱۰)
- ذرا حضرتِ دل کی جرأت تو دیکھو　　یہ نظارۂ حُسنِ جاناں کریں گے　　(کلیاتِ شکیل، ص۵۸)
- کسی کا وہ چہرے سے آنچل اٹھانا　　کسی کا کسی سے نگاہیں چُرانا　　(کلیاتِ شکیل، ص۹۱)

مذکورہ اشعار پڑھتے وقت دونوں لب ایک دوسرے سے الگ رہیں گے۔ ارادہ تو یہ تھا کہ مذکورہ چار سخنور شعراء کے علاوہ دیگر شعراء کے کلام کا بھی جائزہ لیں لیکن وقت کی عُجلت، مضمون کی طوالت اور کم ہمتی نے حوصلہ افزائی نہ کی لہٰذا ان چار شعراء کے کلام پر ہی اکتفا کیا ہے۔ حالانکہ ان کے کلام کے جائزے سے اندازہ آگیا کہ اردو ادب کے صف اوّل کے شعراء کے کلام میں صنعت واسع الشفتین کی کیا پوزیشن ہوگی۔ کیونکہ ہم نے جن کے کلام کا جائزہ پیش کیا ہے وہ اردو ادب کے

شعراء کی فہرست میں صفِ اوّل کے نامور شعراء کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اب ہم حضرت رضاؔ بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے نعتیہ دیوان کی طرف رجوع کریں۔ حضرت رضاؔ کا نعتیہ دیوان "حدائق بخشش" کوئی زیادہ ضخامت پر مشتمل نہیں۔ لیکن حضرت رضا کا دیوان باعتبار ضخامت نہیں بلکہ باعتبار وقار و کمالِ فن تمام شعراء اردو ادب کے کلام پر بھاری ہے۔

● **حضرت رضاؔ بریلوی کے کلام میں صنعت واسع الشفتین:۔**

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ۱۲/ اشعار پر مشتمل ایک نعت شریف نظم فرمائی ہے۔ اس نعت شریف میں یہ خوبی ہے کہ پوری نعت پڑھ جائیے۔ کسی شعر کے کسی لفظ پر ہونٹ سے ہونٹ مَس نہ ہوگا۔ وہ نعت شریف ذیل میں درج ہے:

(۱)	سیدِ کونین سلطانِ جہاں	ظلّ یزداں، شاہِ دیں، عرش آستاں
(۲)	کل سے اعلیٰ، کل سے اولیٰ، کل کی جان	کل کے آقا، کل کے ہادی، کل کی شان
(۳)	دل کشا، دل کش، دل آرا، دلستان	کانِ جان وجانِ جان و شانِ شاں
(۴)	ہر حکایت، ہر کنایت، ہر ادا	ہر اشارت دل نشین و دل نشاں
(۵)	دل دے، دل کو جان، جاں کو نور دے	اے جہانِ جان و اے جانِ جہاں
(۶)	آنکھ دے اور آنکھ کو دیدار نور	روح دے اور روح کی راحِ جناں
(۷)	اللہ اللہ یاس اور اس آس سے	اور یہ حضرت، یہ در، یہ آستاں
(۸)	تو نہ تھا تو کچھ نہ تھا، گر تو نہ ہو	کچھ نہ ہو، تو ہی تو ہے جانِ جہاں
(۹)	تو ثنا کو ہے، ثنا تیرے لئے	ہے ثنا تیری ہی دیگر داستاں
(۱۰)	تو ہو داتا اور اوروں سے رجا	تو ہو آقا اور یادِ دیگراں
(۱۱)	التجا اِس شرک وشر سے دور رکھ	ہو رضاؔ تیرا ہی، غیر از این و آں
(۱۲)	جس طرح ہونٹ اس غزل سے دور ہیں	دل سے یوں ہی دور ہو ہر ظن و ظاں

صنعت واسع الشفتین میں اردو ادب کے نامور شعراء کے اشعار تو ضرور ملتے ہیں لیکن اس صنعت میں پوری غزل کسی کے بھی کلام میں نہیں پائی جاتی۔

● **حضرت رضاؔ بریلوی کے کلام میں اس صنعت کے متفرق اشعار:۔**

حضرت رضاؔ بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے کلام میں صنعت واسع الشفتین کے کل کتنے اشعار ہیں یہ معلوم کرنے کے لئے ہم نے "حدائق بخشش" میں مرقوم اردو کلام کا ایک ایک لفظ پڑھا، تو مذکورہ نعت شریف کے ۱۲/ اشعار کے علاوہ دیگر ۱۵/ اشعار اس صنعت میں پائے گئے۔ یعنی حضرت رضا بریلوی کے صرف اردو کلام میں اس صنعت کے کل ستائیس (۲۷)

اشعار ہیں۔ وہ متفرق پندرہ (۱۵) اشعار پیشِ خدمت ہیں:-

(۱) دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ۔ ہے قطرہ تیرا ۔۔۔ تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرّہ تیرا

(۲) وہ تو چھوٹا ہی کہا چاہیں کہ ہیں زیرِ حضیض ۔۔۔ اور ہر اوج سے اونچا ہے ستارہ تیرا

(۳) آنکھیں رو رو کے سُجانے والے ۔۔۔ جانے والے نہیں آنے والے

(۴) کوئی اِن تیز رووں سے کہہ دو ۔۔۔ کس کے ہو کر رہیں تھکنے والے

(۵) دور جانا ہے رہا دن تھوڑا ۔۔۔ راہ دشوار ہے کیا ہونا ہے

(۶) اِک ترے رخ کی روشنی چین ہے دو جہان کی ۔۔۔ اِنس کا اُنس اُسی سے ہے، جان کی وہ ہی جان ہے

(۷) وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا، وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو ۔۔۔ جان ہیں وہ جہان کی، جان ہے تو جہان ہے

(۸) ذکرِ خُدا جو اُن سے جُدا چاہو نجدیو ۔۔۔ واللہ ذکرِ حق نہیں کُنجی سقر کی ہے

(۹) یہ شہ کی تواضع کا تقاضا ہی نہیں ۔۔۔ تصویر کھنچے ان کو گوارا ہی نہیں

(۱۰) تو ہے سایہ نور کا، ہر عضو ٹکڑا نور کا ۔۔۔ سایہ کا سایہ نہ ہوتا، ہے نہ سایہ نور کا

(۱۱) جو سر دے کر ترا سودا خریدے ۔۔۔ خدا دے عقل وہ عاقل ہے یا غوث

(۱۲) غذائے دِق یہی خوں استخواں گوشت ۔۔۔ یہ آتشِ دین کی آکل ہے یا غوث

(۱۳) قصرِ ''دَنیٰ'' تک کس کی رسائی ۔۔۔ جاتے یہ ہیں آتے یہ ہیں

(حدائق، حصہ ۳، ص ۵۲)

(۱۴) جس کو کوئی نہ کُھلوا سکتا ۔۔۔ وہ زنجیر ہلاتے یہ ہیں

(حدائق، حصہ ۳، ص ۵۳)

(۱۵) کیوں نہ ہو سینہ کشادہ دل کشا ۔۔۔ حاشیہ ہے شرح صدر شاہ کا

(حدائق، حصہ ۳، ص ۸۲)

مذکورہ پندرہ اشعار میں یہ خوبی ہے کہ اِن اشعار کو پڑھتے وقت کسی بھی لفظ پر پڑھنے والے کے ہونٹ ایک دوسرے سے جدا رہیں گے۔ ناظرینِ کرام فن وادب کے اعتبار سے حضرت رضا اور دیگر شعرائے اردو ادب کا تقابلی اور توازنی جائزہ لیں اور فیصلہ کریں کہ فن وادب میں کس کا مقام اعلیٰ وارفع ہے۔

(۳۶) صَنْعَتِ اِیْہَامْ

اصطلاح شعر میں وہ صنعت جس میں شاعر اپنے کلام میں ایک ایسا لفظ لائے جس کے دو معنی ہوں۔ ایک معنی قریب کے اور دوسرے معنی بعید کے ہوں۔ سننے والے کا خیال قریب کے معنی کی طرف جائے لیکن شاعر بعید کے معنی مراد لے۔

(فیروز اللغات، ص ۱۵۲)

Suspicion, doubt]

اس صنعت میں حضرت رضاؔ بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے اشعار کافی تعداد میں پائے جاتے ہیں اور ان اشعار میں
صنعت ایہام کا استعمال کرتے ہوئے حضرت رضاؔ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذو معنی الفاظ (Double meaning words)
ایسے حسین انداز میں استعمال فرمایا ہے کہ زبان سے بے ساختہ آفرین آفرین کے الفاظ نکل پڑتے ہیں۔ چند اشعار بطور
مثال پیش خدمت ہیں:-

- حضرت رضاؔ بریلوی فرماتے ہیں۔

(۱) حُور جناں ستم کیا طیبہ نظر میں پھر گیا　　چھیڑ کے پردۂ حجاز دیس کی چیز گائی کیوں

یہ شعر اتنا وسیع المعنی ہے کہ اس کی بالتفصیل وضاحت یہاں ممکن نہیں۔ اس شعر کے مصرعہ ثانی میں ''پردۂ حجاز'' کا جو کلمہ
ہے اس سے عموماً ''حجاز کا پردہ'' سننے والا مراد لیتا ہے لیکن یہاں پر ''پردۂ حجاز'' سے مراد حجاز یعنی عرب کا پردہ نہیں بلکہ ''پردۂ
حجاز'' موسیقی کی ایک دُھن ہے۔ اسی طرح مصرعہ ثانی میں ''دیس'' کا لفظ ہے۔ عموماً دیس کے معنی ملک، وطن یا علاقہ لیا جاتا
ہے لیکن یہاں ''دیس'' وطن یا ملک کے معنی میں نہیں بلکہ دیس یعنی ''ایک راگ کا نام، جو نصف شب کے وقت گایا جاتا
ہے''۔ (فیروز اللغات، ص ۶۷۱) پردہ = حجاب، راگ، آلاپ۔ (فیروز اللغات، ص ۲۸۸) لہٰذا اس شعر میں پردۂ حجاز موسیقی کی ایک
دُھن یعنی آلاپ یعنی سُر کے معنی میں ہے، اسی طرح دیس بھی۔ اس شعر میں حضرت رضاؔ بریلوی علیہ الرحمہ کے تبحر علم اور علوم
عامہ میں مہارت کا پتہ چلتا ہے۔ آپ کو علوم عامہ (General knowledge) میں اتنی وسیع معلومات حاصل تھی کہ فن
موسیقی میں ''دیس'' راگ کے مقابلہ میں ''پردۂ حجاز'' راگ اونچا اور اعلیٰ راگ ہے۔ یہ حقیقت آپ کو معلوم تھی، اسی لئے اس
شعر میں فرمایا ہے کہ پردۂ حجاز کا راگ چھیڑنے کے بعد اس راگ سے ہلکا راگ ''دیس'' کیوں گاتے ہو۔

(۲) خاک ہو کر عشق میں آرام سے سونا ملا　　جان کی اکسیر ہے اُلفت رسول اللہ کی

اس شعر کے مصرعۂ اولیٰ میں لفظ ''عشق'' اور لفظ ''سونا'' کا استعمال کیا گیا ہے۔ شعر سننے یا پڑھنے والے کا خیال
''عشق'' کے معنی میں اُلفت، محبت، پیار وغیرہ کی طرف اور ''سونا'' کے معنی میں نیند کرنا (Sleep) کے معنی کی طرف جائے
گا۔ بظاہر شعر کے معنی بھی اِن معنوں پر صحیح ہیں کہ عشق میں خاک ہو کر اب قبر میں آرام سے سونا یعنی نیند کرنا میسر ہوا لیکن
حضرت رضاؔ نے لفظ ''عشق'' سے مراد محبت و الفت نہیں بلکہ ''عشق پیچاں'' لیا ہے۔ علم کیمیا (Chemistry) میں سیماب
یعنی پارہ (Mercury) کو سونا یعنی طلا (Gold) میں تبدیل کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ پارے کو ''عشق پیچاں'' نام کی
بیل کے پتوں پر رکھ کر جلا کر خاک کر دیتے ہیں۔ نتیجۃً پارہ سونے میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ عشق پیچاں کے معنی میں وارد ہے
کہ ''ایک بیل جس کا پھول سرخ اور پتیاں باریک ہوتی ہیں۔ (فیروز اللغات، ص ۸۹۷) اس شعر میں جو لفظ ''سونا'' ہے اس
سے مراد زر طلاء یعنی گولڈ ہے۔

(۳) نور کی سرکار سے پایا دوشالہ نور کا　　ہو مبارک تم کو ذوالنورین جوڑا نور کا

ذوالنورین حضرت امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا لقب ہے۔ شعر پڑھنے والے کا خیال اس طرف جائے گا کہ نور یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سرکار سے حضرت ذوالنورین کو دوشالہ کا جوڑا یعنی ایک سی دو اونی چادریں ملیں۔ دوشالہ یعنی پشمینہ کی دوہری چادر۔ (فیروز اللغات، ص ٦٥٦) اور پشمینہ یعنی اُونی (*Wool*) کپڑا۔ (فیروز اللغات، ص ٦٩٨) جوڑا یعنی ایک سی دو چیزیں (*Pair*) اس شعر سے حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ مراد نہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سرکار سے پشمینہ کی دوہری چادر دو عدد ملیں بلکہ مراد یہ ہے کہ اُن کے عقد میں حضور اقدس کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے آئیں۔ یہاں جوڑا سے مراد زوجہ یعنی بیوی ہے۔

اس صنعت میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے اشعار اتنی کثرت سے ہیں کہ بلا کسی وضاحت و تشریح صرف اشعار پیش کرنا بھی دشوار ہے۔ اس صنعت میں حضرت رضا کے اشعار سیکڑوں کی تعداد میں ہیں۔ خصوصاً حصہ سوم میں علم ہیئت و نجوم کی اصطلاح میں جو نعتیہ قصیدہ ہے، وہ قصیدہ اس صنعت کے اشعار سے چھلک رہا ہے۔ ناظرین کی ضیافت طبع کی خاطر چند اشعار ''حدائق بخشش'' حصہ اوّل و دوم سے پیش کر رہے ہیں لیکن بلا کسی تبصرے اور تفصیل کے صرف رواں رواں پیش کر رہے ہیں:-

(۴) صف ہر شجرہ میں ہوتی ہے سلامی تیری — شاخیں جُھک جُھک کے بجا لاتی ہیں مُجرا تیرا
(۵) ہوئی کم خوابیِ ہجراں میں ساتوں پردے کمخوابی — تصوّر خوب باندھا آنکھوں نے استار تربت کا
(٦) چرخ پر چڑھتے ہی چاندی میں سیاہی آ گئی — کر چکی ہیں بدر کو ٹکسال باہر ایڑیاں
(۷) اشک برساؤں چلے کوچۂ جاناں سے نسیم — یا خُدا جلد کہیں نکلے بُخارِ دامن
(۸) کیوں نالہ سوز لے کروں، کیوں خونِ دل پیوں — سیخ کباب ہوں نہ میں جام شراب ہوں
(۹) بوئے کبابِ سوختہ آتی ہے مے کشو — چھلکا شرابِ چشت سے جامِ ابوالحسین
(۱۰) سونے کو تپائیں جب کچھ مَیل ہو یا کچھ مَیل — کیا کام جہنم کے دَھرے کو کھرے دل سے
(۱۱) ذبح ہوتے ہیں وطن سے بچھڑے — دیس کیوں گاتے ہیں گانے والے
(۱۲) عرش کی عقل دنگ ہے چرخ میں آسمان ہے — جانِ مراد اب کِدھر ہائے ترا مکان ہے
(۱۳) نہ چونکا دن ہے ڈھلنے پر تری منزل ہوئی کھوٹی — ارے او جانے والے نیند یہ کب کی نکالی ہے
(۱۴) سونا پاس ہے سونا بن ہے سونا زہر ہے اُٹھ پیارے — تو کہتا ہے نیند ہے میٹھی تیری مت ہی نرالی ہے
(۱۵) کچھ نعت کے طبقے کا عالم ہی نرالا ہے — سکتہ میں پڑی ہے عقل چکّر میں گماں آیا

مضمون کی طوالت کو مدّنظر رکھتے ہوئے اردو ادب کے نامور شعراء کے اشعار کا جائزہ ترک کر کے صرف حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے اشعار ہی پیش کیے ہیں۔ اس ضمن میں عرض ہے کہ صنعت ایہام کے اشعار جس کثرت سے حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں پائے جاتے ہیں، وہ کثرتِ تعداد دیگر شعراء کے کلام میں نہیں پائی جاتی۔ علاوہ

ازیں حضرت رضا کے کلام میں جس نفاست اور معنویت کے ساتھ ذو معنی الفاظ کا استعمال اور مراد پائی جاتی ہے، اس کی نظ
نہیں ملتی۔

(۳۷) خَطِّ تَوْاَمْ

لفظ توأم کے لغوی معنی ہیں: جُڑواں۔ ایک ساتھ کے پیدا شدہ بچے۔ (فیروز اللغات، ص ۳۸۷) اور عام طور پر مشاہدہ کی
گیا ہے کہ ایک ساتھ پیدا ہونے والے جڑواں بچے شکل، صورت اور سیرت میں بہت ہی مشابہت رکھتے ہیں۔ اسی لغوی لف
''توام'' کے ساتھ لفظ ''خط'' کی اضافت کر کے ''خط توام'' ایجاد کیا گیا ہے۔ کیونکہ خط توام دو ورقوں میں ہوتا ہے اور دونو
اوراق میں صرف حروف تہجی منفرد طور پر لکھے ہوتے ہیں اور دونوں اوراق بنظر ظاہر بالکل مشابہ ہوتے ہیں۔

خط توام اس خط کو کہتے ہیں کہ جس کے ذریعے عاشق و معشوق کے درمیان کے نازک ترین معاملات اور عشق و محبت
کے راز اور پیغام ایک دوسرے تک پہنچائے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں ملکی، فوجی، سیاسی اور حکومت سے تعلق رکھنے والے او
دیگر نوعیت کے اہم اور خفیہ راز اور احکام و فرامین بھی اس خط کے ذریعے پہنچائے جاتے ہیں کیونکہ اس خط کے طرزِ تحریر او
اس کے ارسال کے ضوابط کی وجہ سے افشاءِ راز کا اندیشہ نہیں ہوتا بلکہ پوشیدہ رہتے ہیں۔ خط و کتابت کا یہ طریقہ نہایت سلامت
و محفوظ ہونے کی وجہ سے ازراہِ احتیاط معاملات کی سنجیدگی اور اہمیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے خط توام کا طریقہ اپنایا جاتا ہے۔

خط توام لکھنے کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے خط کا مضمون طے کیا جاتا ہے۔ پھر ایک کاغذ کے دو ٹکڑے کر کے اس مضمون کو
ان دو ٹکڑوں میں اس طرح تقسیم کر دیا جاتا ہے کہ صفحہ نمبر ۱ پر مضمون کے جملے کے لفظ کا ایک حرف اور صفحہ نمبر ۲ پر دوسرا حرف لکھ
دیا جاتا ہے۔ اسی ترکیب سے پورا مضمونِ خط ان دونوں ٹکڑوں میں لکھ کر پورا کیا جاتا ہے۔ پھر مکتوب الیہ کو ان میں کا ایک ٹکڑا
پہلے بھیجا جاتا ہے۔ جب مکتوب الیہ کی طرف سے مکتوب منہ (خط لکھنے والے) کو اطلاع ملتی ہے کہ پہلا حصہ خیریت سے پہنچ
گیا ہے، تب وہ دوسرا حصہ ارسال کرتا ہے۔ مکتوب الیہ دونوں ٹکڑے مل جانے پر دونوں کو ملا کر مضمون حل کر لیتا ہے۔ اس
خط لکھنے کے کئی طریقے ہیں۔ قارئین کی آسانی کے لیے ہم ذیل میں ایک سہل طریقہ پیش کرتے ہیں:-

صفحۂ اول

6	5	4	3	2	1
ھا	ک م ا	م ن	ات ا	خ ن	م ب ب

صفحۂ دوم

6	5	4	3	2	1
و	ای ب	ی	م ح ن	ا	ح و

مذکورہ دو صفحات میں سے اگر کسی کے ہاتھ میں ایک صفحہ آ گیا یا نامہ بر نے راہ میں خط کو لفافے سے نکال کر پڑھنے کی

کوشش کی، تو اس کے پلّے کچھ بھی نہ پڑے گا۔ لیکن مکتوب الیہ جو اس خط کے طور طریقے سے واقف ہے، وہ دونوں ٹکڑوں کی وصولی پر آسانی سے خط حل کرلے گا۔

مندرجہ بالا جو دو ٹکڑے لکھے ہوئے ہیں، اس کو حل کرنے کی ترکیب یہ ہے۔ صفحۂ اول اور صفحہ دوم میں خط کا مضمون دو حصّوں میں لکھا ہوا ہے۔ دونوں مضمون پر نمبر ۱ سے نمبر ۶ تک کے کل چھ ۶ / الفاظ ہیں۔ اس کو حل کرنے کے لئے یہ قاعدہ ہے کہ ہر لفظ کا پہلا حرف صفحہ اوّل سے لیا جائے اور دوسرا حرف صفحۂ دوم سے لیا جائے۔ صفحہ اول کے لفظ نمبر ۱ کے کالم میں ''م ب ب'' حروف ہیں۔

صفحہ دوم کے لفظ نمبر ۱ کے کالم میں ''ح وٗ'' حروف ہیں۔

اب صفحہ اوّل سے پہلے حرف ''م'' لو اس کے بعد صفحہ دوم سے ''ح'' لو۔ پھر صفحۂ اوّل سے ''ب'' لو۔ پھر صفحۂ دوم سے ''وٗ'' لو۔ پھر صفحۂ اول سے ''ب'' لو۔ نتیجہ یہ آیا ''م ح ب و ب یعنی ''محبوب''۔ اس طریقے سے صفحۂ اول اور دوم دونوں کے الفاظ کے کالم نمبر ۱ سے ''محبوب'' کا لفظ حاصل ہوا۔ اسی طریقے پر پھر صفحہ نمبر ۱ کے الفاظ نمبر ۲ سے حرف لینے کی ابتداء کرکے تمام الفاظ حل کریں گے تو حسب ذیل نتیجہ آئے گا:-

صورت حل

6	5	4	3	2	1
ھ وا	ک ا م ی ا ب	م ی ن	ا م ت ح ا ن	خ ا ن	م ح ب و ب

ماحصل (نتیجہ)

6	5	4	3	2	1
ہوا	کامیاب	مین	امتحان	خان	محبوب

مذکورہ ترکیب سے صفحہ نمبر ۱ اور نمبر ۲ کو حل کرنے سے ''محبوب خان امتحان میں کامیاب ہوا'' کا جُملہ حاصل ہوا۔ یعنی دو ٹکڑے جمع ہوئے اور اُن دونوں ٹکڑوں کو عارف یعنی جاننے والے کی نظر نے دیکھا، تو اُس نے دونوں ٹکڑوں کو ملا کر ایک مضمون حاصل کرلیا۔ اسی طرز خطِ توام میں حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ایمان افروز مثال پیش کی ہے جو ذیل میں ملاحظہ ہو:

● حضرت رضا فرماتے ہیں:-

حسن سبطین اُن کے جاموں میں ہے نیما نور کا
ایک سینہ تک مشابہ، اک وہاں سے پاؤں تک

صاف شکلِ پاک ہے دونوں کے ملنے سے عیاں
خطِ توام میں لکھا ہے یہ دو ورقہ نور کا

یعنی شہزادۂ رسول، سیدنا سرکار امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ اپنے نانا جان، حضور اقدس، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سینہ تک مشابہ تھے اور شہید کربلا، دافع کرب وبلا، شہزادۂ گل گوں قبا سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ سینے سے لے کر پاؤں تک اپنے نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم سے

مشابہ تھے۔ سیدنا امام حسن اور سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہما کو ایک جگہ ساتھ میں جمع کر دیا جائے، تو ان دونوں شہزادوں کو ایک دیکھنے سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا جسم اقدس اپنے پورے وجود نورانی کے ساتھ صاف اور نمایاں طور پر نظر آئے گا جس طرح خط توام کے دو ٹکڑوں کو ملا دینے سے خط کا مضمون سامنے آجاتا ہے، اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر نورانی ٹکڑوں کو ملا دینے سے حضور کا سراپا نظر آجائے گا۔ اسی مضمون کو حضرت رضا بریلوی نے ایک نرالے ایمانی اندا اپنی رباعی میں اس طرح بیان کیا ہے:-

معدوم نہ تھا سایۂ شاہِ ثقلین　　　اُس نور کی جلوہ گہ تھی ذاتِ حسنین
تمثیل نے اُس سایہ کے دو حصّے کئے　　　آدھے سے حسن بنے ہیں آدھے سے حسین

خطِ توام کے ذکر کے ساتھ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے جو دو اشعار نظم فرمائے ہیں، اس کی مثال میں اردو ادب کسی بھی شاعر کا ایسا شعر نہیں پایا جاتا۔ علاوہ ازیں حضرت رضا نے دو شہزادوں کے ملانے پر نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم کا سراپا نظر آ جو تخیل بیان کیا ہے، ایسا تخیل عربی، فارسی، اردو، ہندی یا دیگر کسی بھی زبان کے شاعر کے کلام میں نہیں پایا جاتا۔

(۳۸) صَنْعَتِ اِشْتِقَاقْ

اشتقاق = ایک کلمہ سے دوسرا کلمہ بنانا۔ (فیروز اللغات) یعنی شاعر کا اپنے شعر میں ایسے چند الفاظ کا استعمال کرنا ج ہی ماخذ اور ایک ہی اصل سے ہوں۔ نیز وہ الفاظ معنی کے اعتبار سے بھی موافقت رکھتے ہوں۔

erivation of one world from another word]

اس صنعت میں اردو ادب کے صفِ اوّل کے شعراء نے اشعار کہنے کی ضرور سعی کی ہے۔ ان کے کلام میں اس صن کے اشعار بھی پائے جاتے ہیں لیکن بہت ہی محدود تعداد میں۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے کلام میں صنعت کے اشعار کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ اُن تمام اشعار کو یہاں پیش کرنا ممکن نہیں۔ قارئین کرام کی فرح طبع غرض سے چند اشعار پیشِ خدمت کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں:-

- مِٹ گئے، مٹتے ہیں، مٹ جائیں گے اعدا تیرے　　　نہ مٹا ہے، نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

اس شعر میں مٹ، مٹتے، مٹ جائیں گے، مٹا، مٹے گا کے الفاظ ہیں۔ یہ تمام الفاظ ایک ہی ماخذ سے اور معنی میں موافقت رکھتے ہیں۔

- طور پر کوئی کوئی چرخ پہ یہ عرش سے پار　　　سارے بالاؤں پہ بالا رہی بالائی دوست

اس شعر میں تین متفرق الفاظ بالاؤں، بالا اور بالائی کا استعمال کیا گیا ہے۔ یہ تمام الفاظ کی اصل ایک ہی ہے۔ تمام الفاظ کے معنی الگ ہونے کے باوجود ان تمام الفاظ میں باعتبار معنی موافقت پائی جاتی ہے۔

- سارے اچھوں سے اچھا سمجھئے جسے　　　ہے اس اچھے سے اچھا ہمارا نبی

اس شعر میں اچھوں، اچھا، اچھے اور اچھا کے الفاظ ایک ہی ماخذ سے ہیں۔

- قادری کر قادری رکھ، قادریوں میں اُٹھا   قدرِ عبدالقادر قدرت نما کے واسطے

اس شعر میں قادری، قادری، قادریوں، قدر، قادر، قدرت کے الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے۔ ان تمام الفاظ کا ایک ہی ماخذ ہے۔

- مانگ من مانتی منہ مانگی مرادیں لے گا   نہ یہاں ''نا'' ہے، نہ منگتا سے یہ کہنا ''کیا ہے''

اس شعر میں مانگ، مانگی اور منگتا کے الفاظ ایک ہی ماخذ سے ہیں۔ اسی طرح لفظ ''نہ'' اور ''نا'' بھی ایک ہی ماخذ سے ہیں۔

- وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا، وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو   جان ہیں وہ جہان کی، جان ہے تو جہان ہے

اس شعر میں تھے اور تھا ایک ماخذ سے ہیں۔ اسی طرح لفظ ہوں اور ہو کا ماخذ بھی ایک ہے، ہیں اور ہے یہ دونوں الفاظ کی اصل بھی ایک ہے۔

- ذیابٌ فی ثیابٍ، لب پہ کلمہ دل میں گستاخی   سلام اسلام ملحد کو کہ تسلیم زبانی ہے

اس شعر میں سلام، اسلام اور تسلیم کے الفاظ ایک ماخذ سے ہیں۔

- رفعِ ذکر جلالت پہ ارفع درود   شرحِ صدرِ صدارت پہ لاکھوں سلام

اس شعر میں لفظ رفع اور ارفع ایک ماخذ سے ہیں۔ اسی طرح لفظ صدر اور صدارت بھی ایک ماخذ سے ہیں۔

- ان کو تملیک ملیک الملک سے   مالک عالم کیا پھر تجھ کو کیا

اس شعر میں لفظ تملیک، ملک اور مالک ایک ہی ماخذ سے ہیں۔

- نصر و بونصر اس کے نصر نصیر   ناصر اپنا ہے احمد نوری

(حدائق، حصہ ۳، ص ۵۷

اس شعر میں لفظ نَصر، نَصر، نَصِیر اور نَاصِر ایک ہی ماخذ سے ہیں۔

مندرجہ بالا صرف دس (۱۰) اشعار بطور مثال پیش کئے ہیں۔ اس صنعت کے اشعار حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں ایک سو (۱۰۰) سے بھی زائد ہیں۔

(۳۹) صَنعَتِ شُبہِ اِشتِقَاق

شبہ = گمان، وہم۔ (فیروز اللغات، ص ۸۳۷) یعنی اشتقاق کا گمان کرنا۔ یہ اس صنعت کو کہتے ہیں کہ شاعر اپنے شعر میں چند ایسے الفاظ لائے جو آپس میں ملتے جلتے ہوں لیکن ایک ماخذ سے نہ ہوں۔ حالانکہ بنظرِ ظاہر وہ الفاظ ایک ماخذ سے محسوس ہوں۔

صنعت اشتقاق کے مقابلے میں صنعت ''شبہ اشتقاق'' مشکل ہے۔ اس صنعت میں شعر گوئی کے لئے شاعر کا لغت پر کامل عبور ہونا ضروری ہے۔ علاوہ ازیں علم الصرف اور علم النحو میں بھی کمال مہارت کا حامل ہونا لازمی ہے۔ اسی وجہ سے

اردو ادب کے نامور شعراء کے کلام میں اس صنعت کے اشعار بہت ہی قلیل تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ کئی شاعروں کے دیوان اس صنعت کے اشعار سے خالی پائے جاتے ہیں۔ اردو ادب کے اصاغر شعراء کو تو اس صنعت کی بھنک تک بھی محسوس ہونا دُشوار ہے۔ لیکن حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے نعتیہ دیوان ''حدائق بخشش شریف'' میں اس صنعت کے اشعار اتنی کثرت سے پائے جاتے ہیں کہ عقلیں حیران ودنگ ہیں۔ خوبی کی بات تو یہ ہے کہ حضرت رضا بریلوی نے مختلف اور متفرق ماخذ ومعنی کے یکساں محسوس ہونے والے الفاظ کو اتنی عمدگی سے استعمال فرمایا ہے کہ داد وتحسین کے لئے موزوں الفاظ نہیں ملتے۔ چند اشعار پیشِ خدمت ہیں:-

● ابنِ زہرا سے تیرے دل میں ہیں یہ زہر بھرے　　بل بے او منکر بے باک یہ زہرا تیرا

اس شعر میں لفظ زہرا، زہر اور زہرا تین الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے۔ تینوں الفاظ بظاہر ایک ماخذ سے محسوس ہوتے ہیں لیکن تینوں الگ ماخذ سے ہیں اور تینوں الگ معنوں میں ہیں۔ ● زہرا = حضرت خاتون جنت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا لقب ہے۔ ● زہر = سم، بس، ہلاہل (*Poision*) ● زہرا = حوصلہ، دلیری۔ الفاظ کے معنی جاننے کے بعد اب شعر کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجائے گا۔ حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:-

''ابنِ زہرا یعنی سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے بیٹے یعنی حضور قطب الاقطاب، غوثِ اعظم شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے لئے تیرے دل میں زہر بھرا ہوا ہے۔ یعنی تیرے دل میں بُغض اور عداوت ہے۔ ''زہر بھرا ہونا'' محاورہ ہے۔ جس کے معنی ہیں کسی کو نقصان پہنچانے کا ارادہ ہونا یا کسی کی طرف سے بُغض یا بدی ہونا۔ (فیروز اللغات، ۷۵۵) یہ خطاب منکروں سے کرتے ہوئے حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ منکرِ بارگاہِ غوثیت کو تنبیہ فرماتے ہیں کہ ''بل بے'' یعنی آہا۔ واہ۔ خوب۔ (فیروز اللغات، ص ۲۱۰) اے منکر! تو اتنا بے باک یعنی بے ادب اور بے پروا ہو گیا ہے کہ تیری دلیری پر اور تیرے آوارہ حوصلوں پر تعجب ہے''۔

● مُشک بو کوچہ یہ کس پھول کا جھاڑا ان سے　　حوریو عنبر سارا ہوئے سارے گیسو

اس شعر میں لفظ سارا اور سارے بظاہر ایک ماخذ سے محسوس ہوتے ہیں لیکن دونوں کے ماخذ الگ ہیں۔ سارا = خوشبودار۔ (فیروز اللغات، ص ۷۶۳) اور سارے = تمام، کُل (ایضاً) معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔

● سونا پاس ہے، سونا بن ہے، سونا زہر ہے اُٹھ پیارے　　تو کہتا ہے نیند ہے میٹھی تیری مت ہی نرالی ہے

اس شعر میں سونا = طلا، (*Gold*)، سونا = ویران اور سونا = نیند کرنا بظاہر ایک ہی ماخذ کے الفاظ محسوس ہوتے ہیں لیکن تینوں الفاظ کے ماخذ الگ الگ ہیں۔

● شر خیر شور شرر دور نار نور　　بشریٰ کہ بارگاہ یہ خیرالبشر کی ہے

اس شعر میں شر، شور، شرر یہ تینوں بظاہر ایک ماخذ سے محسوس ہوتے ہیں۔ اسی طرح بشریٰ اور بشر بھی بظاہر ایک ماخذ سے محسوس ہوتے ہیں لیکن یہ تمام الفاظ کے الگ الگ ماخذ ہیں۔ ● شر = بدی، برائی۔ (فیروز اللغات، ص ۷۴۸) ● شور =

غُل، غوغا۔ (فیروز اللغات، ص ۸۴۹) ● شَرر= آگ کی چنگاری، کینہ۔ (فیروز اللغات، ص ۸۴۹) ● بُشریٰ= بشارت، خوشخبری اور ● بشر= آدمی، انسان۔ (فیروز اللغات، ص ۲۰۵) کے معنی میں الگ الگ ماخذ سے استعمال ہوئے ہیں۔

● کیا بنا نامِ خدا اُسرا کا دولہا نور کا ‏ ‏ سر پہ سہرا نور کا بر میں شہانہ نور کا

اس شعر میں لفظ اسرا، سرا اور سہرا بظاہر ایک ماخذ سے محسوس ہوتے ہیں لیکن ان تینوں الفاظ کے ماخذ جُدا ہیں۔

● مدینہ جانِ جنان وجہاں ہے وہ سن لیں ‏ ‏ جنہیں جنون جناں سوئے زاغ لے کے چلے

اس شعر میں جان، جنان، جہاں، جنون اور جناں کے الفاظ بظاہر ایک ماخذ سے محسوس ہوتے ہیں لیکن یہ تمام الفاظ الگ الگ ماخذ سے ہیں۔

● جو تیرا طِفل ہے کامل ہے یا غوث ‏ ‏ طُفیلی کا لقب واصل ہے یا غوث

اس شعر میں لفظ طفل اور طفیلی بظاہر ایک ماخذ کے معلوم ہوتے ہیں لیکن دونوں الگ الگ ماخذ سے ہیں۔ ● طفل= لڑکا، بچہ۔ (فیروز اللغات، ص ۸۷۸) اور ● طفیلی= دوسروں کی بدولت گزارہ کرنے والا۔ (فیروز اللغات، ص ۸۷۹)

● فرشتے خدم، رسول حشم، تمام اُمم، غلام کرم ‏ ‏ وجود وعدم، حدوث قدم، جہاں میں عیاں تمہارے لئے

اس شعر میں خِدم، حشم، عدم، قِدم، اُمم، تمام، کرم، غُلام کے الفاظ پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ ان کا ماخذ ایک ہے لیکن الفاظ الگ الگ ماخذ سے ہیں۔

● سِر میں ساری ہے سِرّ پاک ترے ‏ ‏ سِر یہ سارا ہے احمد نوری

(حدائق، حصہ ۳، ص ۴۷)

اس شعر میں سِرّ، ساری، سِرّ اور سارا بنظر ظاہر ایک ماخذ سے محسوس ہوتے ہیں لیکن ان کا ماخذ ایک نہیں۔

● رحم فرمایئے یا شاہ کہ اب تاب نہیں ‏ ‏ تا بکے خون رُلائے غمِ ہجراں ہم کو

اس شعر میں لفظ تاب اور تا بکے بنظر ظاہر ایک ماخذ سے محسوس ہوتے ہیں لیکن دونوں الگ ماخذ سے ہیں۔

● تاب= صبر، برداشت، تحمل، طاقت، مجال وغیرہ۔ (فیروز اللغات، ص ۳۳۳) اور ● تا بکے= کب تک۔ (فیروز اللغات، ص ۳۳۳)

مذکورہ اشعار کے معائنہ سے ناظرین کرام لطف اندوز ہوئے ہوں گے۔ ناظرین کرام کی فرحِ طبع کی خاطر دس اشعار مثال میں پیش کیے ہیں۔ اس صنعت کے دیگر اشعار کے لئے اہل ذوق حضرات ''حدائق بخشش'' کی طرف رجوع فرمائیں!

(۴۰) صَنْعَتِ سِیَاقُ الْاَعْدَادُ

شاعر اپنے شعر میں مختلف اعداد کا استعمال کرے۔ پھر وہ اعداد چاہے ترتیب وار ہوں خواہ بے ترتیب ہوں۔ لفظ ''سیاق'' کے لغوی معنی ربطِ مضمون، حساب، گنتی، دفتری اصطلاح، حساب کے قاعدے وغیرہ ہیں (فیروز اللغات، ص ۸۲۵)

[***Enumeration by the Arabic alphabet***]

اردو ادب کے شعراء کے کلام میں اس صنعت کے معدودے اشعار پائے جاتے ہیں۔

- ظفر کا شعر ہے:۔

عمر دراز مانگ کے لائے تھے چار دن　　دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں

اس شعر میں شاعر نے چار اور دو کے اعداد کا اپنے شعر میں استعمال کیا ہے۔ شاعری کی اس صنعت کے لوازمات میں یہ امر بھی ہے کہ شعر میں ایک سے زیادہ اعداد کا ذکر کرنا لازمی ہے۔ اگر شاعر نے شعر میں کسی ایک ہی عدد کا ذکر کر دیا تو وہ شعر اس صنعت میں شمار نہ ہوگا۔ مثلاً

- شکیل بدایونی کا شعر ہے:۔

نالہ کشو اٹھادو آہ و فغاں کی رسمیں　　دو دن کی زندگی ہے، کاٹو ہنسی خوشی سے

اس شعر میں شاعر نے دو کا ایک ہی عدد استعمال کیا ہے۔ لہٰذا یہ شعر صنعت سیاق الاعداد میں شمار نہیں کیا جائے گا۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے کلام میں اس صنعت کے اشعار کافی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ چند اشعار پیش خدمت ہیں:۔

- ایک میں کیا مرے عصیاں کی حقیقت کتنی　　مجھ سے سو لاکھ کو کافی ہے اشارہ تیرا

اس شعر میں ایک، سو اور لاکھ کے اعداد کا استعمال کیا گیا ہے۔

- ہائے غافل وہ کیا جگہ ہے جہاں　　پانچ جاتے ہیں چار پھرتے ہیں

اس شعر میں پانچ اور چار کے اعداد کا ذکر کیا گیا ہے۔

- پانسو سال کی راہ ایسی ہے جیسے دو گام　　آس ہم کو بھی لگی ہے تری شنوائی کی

اس شعر میں ۵۰۰ اور ۲ کے عدد کا استعمال کیا گیا ہے۔

- شش جہت سمت مقابل شب و روز ایک ہی حال　　دھوم والنجم میں ہے آپ کی بینائی کی

اس شعر میں شش یعنی چھ اور ایک کے اعداد کا استعمال کیا گیا ہے۔

- ترے چاروں ہمدم ہیں یک جان یک دل　　ابوبکر فاروق عثمان علی ہے

اس شعر میں چار اور یک یعنی ایک کے اعداد کا استعمال کیا گیا ہے۔

- وہ دیکھو جگمگاتی ہے شب اور قمر ابھی　　پہروں نہیں کہ بست و چہارم صفر کی ہے

شعر میں بست یعنی بیس اور چہارم یعنی چار کے اعداد کا استعمال کیا گیا ہے۔

- جو ایک بار آئے دو بارہ نہ آئیں گے　　رُخصت ہی بارگاہ سے بس اس قدر کی ہے

اس شعر میں ایک اور دو کے اعداد استعمال کئے گئے ہیں۔

- قسمت میں لاکھ پیچ ہوں، سو بل ہزار کج　　یہ ساری گتھی اِک تری سیدھی نظر کی ہے

اس شعر میں لاکھ، سو، ہزار اور اک کے اعداد کا استعمال کیا گیا ہے۔

- دو قمر دو پنجۂ خور دو ستارے دس ہلال ان کے تلوے پنجے ناخن پائے اطہر ایڑیاں

اس شعر میں دو تین مرتبہ اور دس کے اعداد کا استعمال کیا گیا ہے۔

- ہاں نہ ان دو کا تیسرا دیکھا آنکھیں کھلتیں ذرا محب رسول

(حدائق، حصہ ۳، ص ۴۲)

اس شعر میں دو اور تین کے اعداد کا استعمال کیا گیا ہے۔
مذکورہ اشعار کے علاوہ دیگر اشعار صنعت سیاق الاعداد کے لئے قارئین کرام حدائق بخشش کی طرف رجوع فرمائیں۔

حضرت رضاؔ کے کلام میں محاورات اور کہاوت

دنیا کی ہر زبان میں عوام کی بول چال اور عوامی اصطلاحات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کسی خاص مفہوم بیان کرنے کے لیے لغوی اور اصطلاحی معنی کی مناسبت سے کچھ جملے اور مقولے متعین کئے گئے ہیں اور کچھ خود بخود متعین ہو گئے ہیں۔ عوام اور خواص اپنی روزمرہ کی گفتگو میں اُن کلمات کو استعمال کرتے ہیں۔ ان جملوں یا کلمات کو محاورہ، کہاوت اور مثل کہا جاتا ہے۔

- محاورہ: بول چال، بات چیت، وہ کلمہ یا کلام جسے اہل زبان نے لغوی معنی کی مناسبت یا غیر مناسبت سے کسی خاص مفہوم کے لئے مخصوص کر لیا ہو۔ (فیروز اللغات، ص ۱۲۱۰) [**Idiom**]
- کہاوت: قول، بچن، مثل، ضرب المثل۔ (فیروز اللغات، ص ۱۰۴۹) [**Proverb**]
- مثل: کہاوت، مثال۔ (فیروز اللغات، ص ۱۲۰۳) [**Metaphor Proverb**]

مذکورہ تفصیل سے محاورہ اور کہاوت کے طور پر دو قسم کے مقولے اور کلمے خواص و عوام میں رائج ہیں۔ مثل اور کہاوت ایک ہی معنی میں ہیں۔ شاعر اپنی شاعری میں محاورات اور کہاوت کا استعمال کرتا ہے لیکن محدود تعداد میں۔ کیونکہ محاورات و کہاوت کے رائج الفاظ کو شعر میں نظم کرنا اور ان الفاظ کو شعر میں استعمال کرنے کے بعد شعر کا وزن برقرار رکھنا اور مضمون کا تسلسل قائم رکھنا نہایت دشوار مرحلہ ہے۔ لیکن پھر بھی موقعہ اور محل کی مناسبت اور موافقت کی حصولی پر شاعر اپنے کلام میں محاورہ یا کہاوت کا استعمال کرنے میں تامل نہیں کرتا بلکہ حتی الامکان سعی کرتا ہے کہ اس کا کلام ضرب المثل کلمات سے آراستہ ہو کیونکہ اُن محاورات اور کہاوت کا اشعار میں استعمال کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ شاعر کو زبان (**Language**) پر کامل عبور حاصل ہے۔ علاوہ ازیں شاعر اپنے کلام کے ذریعہ بہت سے امور کی ترجمانی کرتا ہے۔ شاعر کا کلام معاشرے سے بھی تعلق رکھتا ہے لہٰذا معاشرے کی رائج بولی، محاورے، مقولے، ملفوظات، کہاوت، ضرب المثل کلمے وغیرہ سے واقفیت رکھنا شاعر کے لئے ضروری ہے۔ لہٰذا اسی لئے اسلامی قوانین میں ''رسم الافتاء'' کی شاخ میں یہ بات لوازمات سے ہے کہ مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ زمانے کی رائج زبان کی لغت اور محاورات سے کامل طور پر واقفیت رکھتا ہوتا کہ کسی کے قول پر کوئی

شرعی حکم نافذ کرنے سے پہلے وہ متکلم کے قول کو لغت اور کہاوت کی میزان میں تول پرکھ کر متکلم کے قول کی تاویل، اس کی مراد، منشاء وغیرہ کی تہ تک پہنچ سکے اور اس کے بعد ہی وہ کوئی فتویٰ صادر کرے۔

عوام کی اصطلاح اور عوام میں ضرب المثل کلمات سے مطلع ہونا اور ان کلمات کا اپنے اشعار میں استعمال کرنا شاعر کی علمی وسعت اور لغت کی مہارت کی دلیل ہے۔ اردو ادب کے چند نامور شاعروں کے کلام سے بطور نمونہ ایک ایک شعر پیش خدمت کرتے ہیں:-

- مرزا غالب کا شعر ہے:-

غالب خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں روئیے زار زار کیا؟ کیجئے ہائے ہائے کیوں

اس شعر میں دو محاورے ہیں: (۱) زار زار رونا = آٹھ آٹھ آنسو رونا۔ بہت رونا۔ (فیروز اللغات، ص۷۳۷)

(۲) ہائے ہائے کرنا = واویلا کرنا، غُل مچانا، کراہنا۔ (فیروز اللغات، ص۱۴۳۰)

- جگر مراد آبادی کا شعر ہے:-

لکھے خط اُن کا کیا ضبط بہت کچھ لیکن تھرتھرائے ہوئے ہاتھوں نے بھرم کھول دیا

اس شعر میں دو محاورے ہیں: (۱) ہاتھ تھرانا = ہاتھ کانپنا۔ (فیروز اللغات، ص۱۴۲۲)

(۲) بھرم کھلنا = بھید ظاہر ہونا۔ (فیروز اللغات، ص۲۴۴)

- شکیل بدایونی کا شعر ہے:-

پھیکا سا ہو چلا ہے کچھ افسانۂ حیات آؤ کہ اِس میں رنگ بھریں ابتدا سے ہم

اس شعر میں ایک محاورہ ہے: رنگ بھرنا = داستان کو دلچسپ بنانا۔ (فیروز اللغات، ص۷۲۱)

- فراق گورکھپوری کا شعر ہے:-

بدلتا ہے جس طرح پہلو زمانہ یونہی بھول جانا، یونہی یاد آنا

اس شعر میں ایک محاورہ ہے: پہلو بدلنا = دوسرا طرز اختیار کرنا۔ (فیروز اللغات، ص۳۱۱)

- اکبر الٰہ آبادی کا شعر ہے:-

بوٹ ڈاسن نے بنایا، میں نے اک مضمون لکھا ملک میں مضمون نہ پھیلا اور جوتا چل گیا

اس شعر میں ایک محاورہ ہے جو شاعر نے اپنے مضمونِ شعر کا ماحصل بنایا ہے: جوتا چلنا = ایک دوسرے کو جوتے سے مارنا۔ (فیروز اللغات، ص۴۸۱)

- جوش ملیح آبادی کا شعر ہے:-

اس زمانے میں کہ ہر ذرّہ ہو جب جاذبِ دل نرگسِ ناز کے دھوکے میں نہ آنا کیسا؟

اس شعر میں ایک محاورہ ہے: دھوکے میں آنا = دھوکا کھانا۔ (فیروز اللغات، ص۶۶۸)

- فیض احمد فیض کا شعر ہے:-

اب جنوں حد سے بڑھ چلا ہے　　　اب طبیعت بہل چلی ہے

اس شعر میں ایک محاورہ ہے: طبیعت بہلنا = جی لگنا، وقت خوشی میں گزرنا، دل کا سیر تماشے کی طرف مصروف ہونا۔
(فیروز اللغات، ص ۸۷۵)

- اصغر گونڈی کا شعر ہے:-

دیر و حرم بھی منزل جاناں میں آئے تھے　　　پر شکر ہے کہ بڑھ گئے دامن بچا کے ہم

اس شعر میں ایک محاورہ ہے: دامن بچانا = الگ رہنا، سلامت روی۔ (فیروز اللغات، ص ۶۱۰)

- فانی بدایونی کا شعر ہے:-

ہر تبسم کو چمن میں گریہ ساماں دیکھ کر　　　جی لرز جاتا ہے اِن غنچوں کو خنداں دیکھ کر

اس شعر میں ایک محاورہ ہے: جی لرزنا = خوف یا اندیشہ ہونا، ڈرنا۔ (فیروز اللغات، ص ۵۰۳)

اردو ادب کے ہر شاعر کے کلام میں اسی طرح محاورات پائے جاتے ہیں لیکن محدود تعداد میں۔ ان شعراء کے کلام میں زیادہ تر ''چبے چبائے'' ہی محاورات پائے جاتے ہیں۔ ایک ہی محاورہ کئی اشعار میں استعمال ہوا ہے۔ لہٰذا لطفِ جدّت نایاب ہے۔ لیکن حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے کلام میں محاورات اور کہاوت کی اتنی کثرت ہے کہ عقلیں دنگ ہیں۔ اردو ادب کے صفِ اوّل کے شعراء کے دیوان ہم نے طائرانہ نظر سے دیکھ کر ہی اندازہ لگالیا کہ اُن کے کلام میں محاورات کا استعمال کرنے میں بخل سے کام لیا گیا ہے۔ حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نعتیہ دیوان ''حدائق بخشش'' کو ہم نے پہلے سرسری نظر سے دیکھا۔ اس طرح کے مطالعہ میں ہم کو بہت سارے محاورات نظر پڑے لہٰذا ارادہ کیا کہ حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں استعمال شدہ محاورات کو چھانٹ کر اس کی ایک فہرست مُرتب کرلی جائے۔ بڑی اُمنگ، بڑے حوصلے اور شوق سے ہم نے اس کام کو حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے فیض کے بھروسے پر شروع کیا۔ مسلسل دو شب تک کام جاری رکھا۔ چند نعتوں کا محاورات ڈھونڈھنے کے لئے گہری نظر سے معائنہ کیا اور محاورات کی فہرست مرتب کرنی شروع کی، تو ایسا لگا کہ اس عنوان پر تو ایک ضخیم کتاب مرتب ہوسکتی ہے۔ اتنی کثرت سے محاورات پائے گئے کہ ان تمام کو یہاں صرف اشارۃً یا کنایۃً ذکر کرنا بھی ممکن نہیں۔ چند نعتوں میں ہی کئی صفحات بھر گئے۔ لہٰذا مجبوراً پوری ''حدائق'' سے محاورات الگ چھانٹ کر فہرست مرتب کرنے کا کام ادھورا چھوڑنا پڑا۔ حوصلہ جواب دے چکا۔ اگر کوئی صاحب قلم ہمت اور حوصلے سے یہ کام انجام دے تو ایک ضخیم کتاب اس عنوان پر مرتب ہوسکتی ہے، جو رضویات کے خزانے میں اضافہ کرے گی۔ ہماری اس تمہیدی گذارش کی شہادت ذیل میں درج حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے چند اشعار کے معائنہ سے حاصل ہوجائے گی کہ جب دو چار نظم میں محاورات کی اتنی بہتات و کثرت ہے تو پوری ''حدائق بخشش'' کا عالم کیا ہوگا؟

- حضرت رضا کے کلام میں محاورات کی جھلک:-

(۱) دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے قطرہ تیرا تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرہ تیرا

- تارے کھلنا=صاف رات میں تارے نکلنا۔(فیروز اللغات ص۳۳۶)

(۲) تیرے قدموں میں جو ہیں غیر کا منہ کیا دیکھیں کون نظروں پہ چڑھے دیکھ کے تلوا تیرا

- قدموں میں=زیر سایہ۔(فیروز اللغات ص۹۵۲)
- منہ دیکھنا=صورت دیکھنا، چہرہ دیکھنا۔(فیروز اللغات ص۱۳۰۳)
- نظر پر چڑھنا=پسند آنا۔(فیروز اللغات ص۱۳۶۴)

(۳) تیرے ٹکڑوں پہ پلے غیر کی ٹھوکر پہ نہ ڈال جھڑکیاں کھائیں کہاں چھوڑ کے صدقہ تیرا

- ٹکڑوں پر پڑے ہونا=مفت کی روٹیاں کھانا۔(فیروز اللغات ص۴۱۸)
- ٹھوکر مارنا=ٹھکرانا۔(فیروز اللغات ص۴۳۰)
- جھڑکیاں کھانا=عتاب سننا۔(فیروز اللغات ص۴۹۵)
- صدقہ دینا=خیرات کرنا۔(فیروز اللغات ص۸۶۱)

(۴) دل عبث خوف سے پتا سا اڑا جاتا ہے پلّہ ہلکا سہی بھاری ہے بھروسہ تیرا

- دل اڑ چلنا=دل کا بے قابو ہونا۔(فیروز اللغات ص۶۳۲)
- بھاری ہونا=وزنی اور قیمتی ہونا۔(فیروز اللغات ص۲۲۹)

(۵) جان تو جاتے ہی جائے گی قیامت یہ ہے کہ یہاں مرنے پہ ٹھہرا ہے نظارہ تیرا

- قیامت ہے=آفت ہے، بلا ہے۔(فیروز اللغات ص۹۶۸)
- جان جانا=وفات پانا، مرجانا۔(فیروز اللغات ص۴۴۴)
- مرنے کو ٹھہرا ہے=موت کے قریب ہے۔(فیروز اللغات ص۱۲۳۴)

(۶) میری قسمت کی قسم کھائیں سگانِ بغداد ہند میں بھی ہوں تو دیتا رہوں پہرا تیرا

- پہرا دینا=حفاظت کرنا، نگرانی کرنا۔(فیروز اللغات ص۳۱۱)
- قسم کھانا=حلف اٹھانا، عہد کرنا۔(فیروز اللغات ص۹۵۵)

(۷) گردنیں جھک گئیں، سر بچھ گئے، دل لوٹ گئے کشفِ ساق آج کہاں یہ تو قدم تھا تیرا

- گردن جھکنا=مطیع ہونا۔(فیروز اللغات ص۱۰۹۰)
- دل لوٹ ہونا=فریفتہ ہونا، شیدا ہونا۔(فیروز اللغات ص۶۳۹)
- سر بچھنا=عاجزی وانکساری کرنا

(۸) شاخ پر بیٹھ کے جڑ کاٹنے کی فکر میں ہے کہیں نیچا نہ دکھائے تجھے شجرا تیرا

- جڑ کاٹنا = بنیاد کھودنا۔ (فیروز اللغات ص ۴۵۷)
- فکر میں ہونا = خیال میں محو ہونا۔ (فیروز اللغات ص ۹۳۶)
- نیچا دکھانا = شرمندہ کرنا۔ (فیروز اللغات ص ۱۳۹۳)

(۹) بازِ اشہب کی غلامی سے یہ آنکھیں پھرنی — دیکھ اڑ جائے گا ایمان کا طوطا تیرا

- آنکھ پھرنا = بیزار ہونا، رُخ پھرنا۔ (فیروز اللغات ص ۳۵)
- غلام ہونا = تابع ہونا۔ (فیروز اللغات ص ۹۱۵)
- طوطا اڑ جانا = بدحواس ہو جانا۔ (فیروز اللغات ص ۸۸۱)

(۱۰) دل پہ کندہ ہو ترا نام کہ وہ دُزدِ رجیم — اُلٹے ہی پاؤں پھرے دیکھ کے طُغرا تیرا

- دل پر کندہ ہونا = دل میں بیٹھ جانا۔ (فیروز اللغات ص ۶۳۴)
- اُلٹے پاؤں پھرنا = فوراً واپس ہونا۔ (فیروز اللغات ص ۱۱۳)

(۱۱) دلِ اعدا کو رضؔا تیز نمک کی دُھن ہے — اک ذرا اور چھڑکتا رہے خامہ تیرا

- دُھن ہونا = شوق ہونا۔ (فیروز اللغات ص ۶۶۶)
- نمک چھڑکنا = تکلیف میں اضافہ کرنا۔ (فیروز اللغات ص ۱۳۷۹)

(۱۲) منجدھار پہ آکے ناؤ ٹوٹی — دے ہاتھ کہ ہوں پار آقا

- ناؤ منجدھار میں پڑنا = سخت مشکل آن پڑنا۔ (فیروز اللغات ص ۱۳۴۹)
- ہاتھ دینا = مدد دینا۔ (فیروز اللغات ص ۱۴۲۳)
- پار ہونا = مراد پا جانا، بچ جانا۔ (فیروز اللغات ص ۲۶۳)

(۱۳) ٹوٹی جاتی ہے پیٹھ میری — للہ یہ بوجھ اتار آقا

- پیٹھ ٹوٹنا = ناامید ہونا۔ (فیروز اللغات ص ۳۲۵)
- بوجھ اتارنا = چھٹکارا پانا۔ (فیروز اللغات ص ۲۲۲)

(۱۴) ہلکا ہے اگر ہمارا پلّہ — بھاری ہے تیرا وقار آقا

- ہلکا ہونا = کم وزن ہونا۔ (فیروز اللغات ص ۱۴۴۵)
- بھاری ہونا = وزنی ہونا۔ (فیروز اللغات ص ۲۲۹)

(۱۵) پھر منہ نہ پڑے کبھی خزاں کا — دے دے ایسی بہار آقا

- منہ نہ پڑنا = حوصلہ نہ ہونا۔ (فیروز اللغات ص ۱۳۰۷)
- بہار دکھانا = سماں دکھانا۔ (فیروز اللغات ص ۲۲۵)

(۱۶) یہاں چھڑکا نمک واں مرہم کافور ہاتھ آیا — دل زخمی نمک پروردہ ہے کس کی ملاحت کا

- نمک چھڑکنا = تکلیف میں اضافہ کرنا۔ (فیروز اللغات ص ۱۳۷۹)
- مرہم لگانا = زخم پر مرہم چپڑنا۔ (فیروز اللغات ص ۱۲۳۵)
- ہاتھ آنا = میسر ہونا، حاصل ہونا۔ (فیروز اللغات ص ۱۴۱۹)

(۱۷) غم تو ان کو بھول کر لپٹا ہے یوں — جیسے اپنا کام ہو ہی جائے گا

- بھول جانا = یاد سے اتر جانا۔ (فیروز اللغات ص ۲۴۰)
- لپٹ جانا = زبردستی کسی سے گتھ جانا۔ (فیروز اللغات ص ۱۱۴۷)
- کام ہونا = مطلب حاصل ہونا۔ (فیروز اللغات ص ۹۷۹)

(۱۸) بے نشانوں کا نشاں مٹتا نہیں — مٹتے مٹتے نام ہو ہی جائے گا

- نشان مٹنا = نام ونشان باقی نہ رہنا۔ (فیروز اللغات ص ۱۳۵۹)
- نام ہونا = شہرت ہونا۔ (فیروز اللغات ص ۱۳۴۷)

(۱۹) عاقلو! ان کی نظر سیدھی رہے — بوروں کا بھی کام ہو ہی جائے گا

- نظر سیدھی ہونا = مہربانی کی نظر ہونا۔ (فیروز اللغات ص ۱۳۶۴)
- کام ہونا = مطلب حاصل ہونا۔ (فیروز اللغات ص ۹۷۹)

(۲۰) الٰہی منتظر ہوں وہ خرام ناز فرمائیں — بچھا رکھا ہے فرش آنکھوں نے کمخواب بصارت کا

- ناز کرنا = لاڈ کرنا۔ (فیروز اللغات ص ۱۳۴۱)
- منتظر رہنا = امید میں رہنا۔ (فیروز اللغات ص ۱۲۹۱)
- آنکھیں بچھانا = نہایت تعظیم وتکریم کرنا۔ (فیروز اللغات ص ۷۶۰)

(۲۱) اے رضاؔ ہر کام کا اک وقت ہے — دل کو بھی آرام ہو ہی جائے گا

- وقت ہونا = موقع ہونا۔ (فیروز اللغات ص ۱۴۱۳)
- آرام ہو جانا = تکلیف کا دور ہونا۔ (فیروز اللغات ص ۱۶)

(۲۲) مفت پالا تھا کبھی کام کی عادت نہ پڑی — اب عمل پوچھتے ہیں ہائے نکما تیرا

- عادت پڑنا = عادی ہونا۔ (فیروز اللغات ص ۸۸۷)
- نکما ہونا = بے کار ہونا۔ (فیروز اللغات ص ۱۳۷۴)

(۲۳) تو جو چاہے تو ابھی میل میرے دل کے دھلیں — کہ خدا دل نہیں کرتا کبھی میلا تیرا

- دل میلا کرنا = دل کو اُداس ومتفکر کرنا۔ (فیروز اللغات ص ۶۳۹)

(۲۴) فخرِ آقا میں رضا اور بھی اک نظمِ رفیع ‏ ‏ چل لکھا لائیں ثنا خوانوں میں چہرا تیرا

● چہرا لکھوانا = درج کروانا۔ (فیروز اللغات ص ۵۴۷)

قارئین کرام کے مَیلان طبع کی خاطر مذکورہ نقشہ ہم نے صرف اس نیت سے پیش کیا ہے کہ ہر شعر میں کتنے محاورات ہیں اور ہر محاورے کا کیا مطلب ہے اور اس محاورے کے مطلب سے شعر کا مطلب کیا ہے؟ وہ بآسانی سمجھ میں آجائے۔ مثلاً شعر نمبر ۲۳ ''تو جو چاہے تو ابھی میل میرے دل کے ڈھلیں ÷ کہ خدا دل نہیں کرتا کبھی میلا تیرا'' اس شعر کے مصرعۂ اولیٰ میں حضرت رضا دل کے میل یعنی گناہ، خیالات بد، برے ارادے وغیرہ صیقل ہونے کی گذارش اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی بارگاہ میں کرتے ہیں اور مصرعۂ ثانی میں عرض کرتے ہیں کہ یارسول اللہ! خدا آپ کا دل میلا نہیں کرتا۔ یہاں دل میلا ہونے سے مراد وہ نہیں جو مصرعۂ اولیٰ میں ''دل کے میل'' سے ہے لیکن یہاں پر ''دل کا میلا نہ ہونا'' بطور محاورہ استعمال ہوا ہے اور اس کا مطلب ہے دل کا اُداس نہ ہونا۔ مصرعۂ ثانی میں حضرت رضا نے محاورے کا استعمال فرما کر شعر کو عظمتِ مصطفیٰ کی شان کے اظہار میں معنی خیز بنادیا ہے کہ یارسول اللہ! آپ کا مہربان خدا آپ کو کبھی اُداس اور مایوس نہیں کرتا۔

ہم نے اشعار میں محاورات کی نشاندہی کرنے والا جو نقشہ مرتب کیا ہے، اس کو دیکھ کر ''حدائق بخشش'' سے واقفیت رکھنے والے کسی صاحب کو یہ سوال ہوگا کہ اس نقشہ میں حدائق بخشش کی ابتدائی نعتوں کے ہی اشعار ہیں۔ دیگر مشہور نعتوں کے اشعار کیوں شامل نہیں کئے گئے؟ جواباً عرض ہے کہ ہم نے یہ ارادہ کیا تھا کہ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے پورے دیوان ''حدائق بخشش شریف'' کے تمام اشعار میں مستعمل محاورات اور کہاوت کو الگ چھانٹ کر اس کی فہرست مرتب کریں اور اسی نیک ارادے سے ہم نے کام کا آغاز کیا۔ ''رضا اکیڈمی بمبئی'' نے حدائق بخشش کا جو لاجواب و بے مثال نسخہ شائع کیا ہے، اس کو سامنے رکھا اور اشعار سے محاورات شمار کرنے شروع کئے۔ صفحہ نمبر ا سے صفحہ نمبر ۲۰ تک کی پانچ نعت اور تین منقبت کا ہی جائزہ لیا اور ان کے اشعار سے محاورات الگ کیے، تو ان کی تعداد ایک سو ایک (۱۰۱) پہنچ گئی۔ ہم نے صفحہ نمبر ۲۰ پر درج نعت شریف ''لطف ان کا عام ہو ہی جائے گا'' تک محاورہ شماری کرنے کے بعد محاورہ شماری کا کام اس لئے روک دیا کہ صرف بیس (۲۰) صفحات کا جائزہ لینے کے نتیجے میں محاورات کی کثرت کا یہ عالم ہے کہ سینچری پوری ہوگئی، تو حصہ اوّل کے صفحات ۱۵۷/ اور حصہ دوم کے صفحات ۱۳۷/ ملا کر کل ۲۹۴/ صفحات سے تقریباً ایک ہزار سے زائد محاورات برآمد ہونے کا امکان ہے۔ اور فی الحال یہ امر راقم الحروف کے لئے دشوار ہے۔ لہٰذا صرف بیس صفحات پر کام روک دیا۔ ان شاء اللہ وان شاء حبیبہ (جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ایک مستقل کتاب کی صورت میں یہ کام انجام دوں گا۔ فی الحال صفحہ نمبر ۲۰ تک کے کلام سے ۲۴/ اشعار کا خاکہ ناظرین کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ ۲۴/ اشعار میں ۵۶/ محاورات پائے جاتے ہیں۔ اس حساب سے ایک شعر میں دو محاورے سے بھی زائد کی اوسط (Average) پائی جاتی ہے۔ مندرجہ بالا خاکہ میں ہر شعر کے سامنے شعر میں مستعمل محاورہ اور اس کے معنی ''فیروز اللغات'' سے نقل کر کے صفحہ نمبر بھی درج کر دیا ہے تا کہ اگر کوئی صاحب حوالہ دیکھنا چاہیں تو ان کو آسانی رہے۔

الحاصل ! حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے امام الکلام کی شایانِ شان اپنے کلام میں محاورات کا ایسے حسین پیرا
استعمال فرمایا ہے کہ شعر کی روانی، شیرینی اور تسلسل میں ذرّہ برابر بھی فرق نہیں آیا۔

کلامِ رضاؔ میں سنسکرت اور ہندی زبان کا استعمال

حضرت رضاؔ بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے کلام کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ آپ کے کلام میں عربی، فارسی،
بھوجپوری اور سنسکرت زبان کا استعمال کیا گیا ہے۔ حضرت رضا مذہبیات میں امام العلماء والفضلاء کے درجۂ اعلیٰ
ہونے کے ساتھ ساتھ فن ادب اور مختلف زبانوں پر عبور رکھنے میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ آپ کے کلام میں سنسکرت
اور ہندی کے الفاظ، محاورات اور کہاوت کا بھرپور استعمال کیا گیا ہے۔ چند اشعار بطورِ مثال پیش ہیں:-

● حدائقِ بخشش حصہ اوّل:- (شائع کردہ:- رضاؔ اکیڈمی، بمبئی ۱۹۹۷ء)

نمبر	صفحہ نمبر	شعر نمبر	شعر اختصار کے ساتھ	شعر میں مستعمل لفظ اور اس کے معنی	کون سی زبان	حوال
۱	۱	۲	دھارے چلتے ہیں	دھارا = چشمہ، منبع	سنسکرت	فیروزالل صفحہ۰
۲	۴	۳	جوت پڑتی ہے تیری نور	جوت = روشنی، اجالا، نور	ہندی	ص۰
۳	۶	۱	کون سے چک پہ پہنچا نہیں	چک = قطعہ، پٹی، کاشت	ہندی	ص۳۰
۴	۱۰	۳	برسا نہیں جھالا تیرا	جھالا = مقامی بارش	ہندی	ص۹۰
۵	۱۳	۲	بَل بے او منکرِ بے باک یہ زہرا تیرا	بل = زور، طاقت، قوت	سنسکرت	ص۱۰
۶	۲۱	۴	تورے چندن چندر پرو کنڈل	چندن = صندل، صندل کی لکڑی	سنسکرت	ص۳۷
۷	//	//	// // //	چندر = چاند، ماہتاب	سنسکرت	ص۳۷
۸	//	//	// // //	کنڈل = دائرہ، چکّر، ہالہ	سنسکرت	ص۳۵
۹	۲۲	۲	پت اپنی بپت میں کاسے کہوں	بپت = مصیبت، آفت، دُکھ	ہندی	ص۷۷
۱۰	۱۰۱	۴	دیس کا جنگلا سنانے والے	جنگلا = ایک راگنی کا نام	ہندی	ص۷۵
۱۱	۱۱۷	۲	قاتل ڈائن شوہر کش	دائن = جادوگرنی، بدصورت عورت	ہندی	ص۷۷
۱۲	۱۱۳	۸	اندھیرا پاکھ آتا ہے یہ دو دن	پاکھ = پندرہ روزہ، نصف ماہ	سنسکرت	ص۶۵
۱۳	۱۱۶	۴	ڈر سمجھائے کوئی پون ہے	پون = ہوا، باد، سانس	سنسکرت	ص۳۱۰
۱۴	۱۴۳	۳	جو پی کے پاس ہے وہ سُہاگن کنور کی ہے	پی = پریتم، معشوق، پیارا	ہندی	ص۳۲۲
۱۵	//	//	// // //	سہاگن = وہ عورت جس کا شوہر زندہ ہو	ہندی	ص۸۲۴

١٦	//	//	// // //	کنور=شہزادہ	ہندی	ص١٠٣٧
١٧	١٣٨	٨	برسوں کہ یہ سُبھ گھڑی پھری	سبھ=مبارک، مسعود	سنسکرت	ص٧٧٥
١٨	١٤٩	٢	جنہوں نے دولہا کی پائی اُترن	اُترن = پہنے ہوئے پرانے کپڑے	ہندی	ص٦٣
١٩	//	٣	کہ رُت سہانی گھڑی پھرے گی	رُت =موسم، سماں، فصل	ہندی	ص٧٠٤
٢٠	//	٨	گھرے تھے بادل بھرے تھے جل تھل	جل تھل = پانی سے بھری ہوئی زمین	سنسکرت	ص٤٦٦
٢١	١٥٣	١	کسے ملے گھاٹ کا کنارہ	گھاٹ = دریا سے اُترنے کا مقام	ہندی	ص١١١٩

ناظرین کرام کی ضیافت طبع کی خاطر حدائق بخشش حصہ اول سے چند اشعار بطور نمونہ پیش کئے ہیں۔ حصہ اول، دوم اور سوم میں سنسکرت اور ہندی کے اتنے الفاظ پائے جاتے ہیں کہ ان کو شمار کرنا مشکل ہے۔ اور جن اشعار میں سنسکرت اور ہندی کے الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے، ان تمام اشعار کو یہاں پیش کرنا ممکن نہیں۔ ان اشعار کے چند الفاظ ذیل میں پیش ہیں:

● حضرت رضاؔ کے اشعار میں سنسکرت اور ہندی الفاظ:-

بَن، کٹر، بھیانک، دھار، پتیم، باڑا، مت، چرن، ٹکسال، سنسان، پاٹ، بپتا، چھالا، موا، دھوون، ماتھا بھنور، جنم، داتا، باٹ، پتنگ، کوپل، ٹھگ، کوڑی، پت، مد، مدھ، جڑاؤ، گھپّا، پھانس، کنول، دھیان، پتلا، گٹھری، سہاگ، بھبوکا، لاج، گتھی، ماتا، پل، جگنو، بدرا، چھینٹ، گانٹھ، مہاراجہ، مکھ، جگ راج، بین، سیس، چھوٹ، دمک، گودی، سکھیَن، گھٹا، دیو، سپنا، رس، بوٹی، ان داتا، چُنریا، دھان، نین، مالا، ادھار، کرپا، نیر، بھرن، کتھا، برھا، آنچل، برکھا، درشن، نَیا، چیوں، لہنا، کلس، چھاگل، ناگنی وغیرہ

مذکورہ الفاظ کے علاوہ سنسکرت اور ہندی زبان کے بہت سارے الفاظ، محاورے اور کہاوت کو حضرت رضاؔ بریلوی علیہ الرحمہ نے اپنے اشعار میں ایسے حسن اسلوب سے استعمال فرمایا ہے کہ شعر کی روانی، بحر، تسلسل، عنوان، فصاحت وغیرہ پر ان الفاظ کے بزبانِ دیگر ہونے کے باوجود بھی کوئی اثر نہیں پڑا اور نہ شعر کے حسن میں کوئی نقص پیدا ہوا بلکہ شعر کے حسن میں مزید اضافہ ہو گیا۔

● ہندوستانی رسم و رواج، معاشرہ، سماج، تجارت، شاہی دربار کے طور طریقے اور دیگر معاملاتِ زندگی سے تعلق رکھنے والے اُمور کا کلام رضاؔ میں تذکرہ:-

ہر انسان کو سماج اور معاشرہ سے سابقہ پڑتا ہے۔ آدمی اکیلے پن سے گھبراتا ہے اور ڈر محسوس کرتا ہے۔ اپنی حفاظت، ترقی، فلاح، بہبود، خوشی، غم اور دیگر معاملاتِ زندگی آسانی سے طے کرنے کے لئے آدمی جماعتی زندگی بسر کرتا ہے اور جماعت، سماج، یا معاشرہ سے منسلک رہتا ہے۔ معاشرہ میں بہت سے رسم و رواج رائج ہوتے ہیں۔ ہر شخص حتی الامکان اُن رسومات کی ادائیگی کر کے معاشرہ کے ساتھ اتفاق، انضمام اور انطباق ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ شادی، بیاہ، تولّد،

موت، طلاق، لین دین، تعاون، مدد، جرم، سزا، حق تلفی، حق طلبی، تجارتی معاملات، بڑوں کا ادب، چھوٹوں پر شفقت، و
امور میں آدمی سماجی رسم و رواج کو ملحوظ رکھ کر اس کی ادائیگی میں کوشاں رہتا ہے۔ ہر معاملے کے تعلق سے سماج میں کوئی نہ
رسم یا رواج متعین کیا ہوا ہوتا ہے۔ اور وہ رسم و رواج بطور سماجی قانون کے ہر فرد کو معلوم ہوتے ہیں۔ ان سماجی رسومات
سے کچھ شریعت کے مطابق ہوتے ہیں اور کچھ خلاف شرع بھی ہوتے ہیں۔

شاعر کا چونکہ معاشرہ سے سیدھا تعلق ہوتا ہے اور وہ جس طرح سماج میں رائج محاورات و کہاوت کو اپنے کلام میں
پیوست کرتا ہے، اسی طرح وہ سماج کے رسم و رواج کو بھی کسی نہ کسی طرح اپنے کلام میں بیان کر کے سماج کے ساتھ ا
گہرے تعلقات کا اظہار کرتا ہے۔ کبھی وہ تمثیل کے طور پر ان رسومات کا ذکر کرتا ہے تو کبھی خود کو درپیش معاملے کو
رسومات کے ضمن میں بیان کرتا ہے۔ اردو ادب کے شعراء کے کلام میں رسم و رواج کے تعلق سے کافی تعداد میں اشعار پا
جاتے ہیں۔ لیکن ان اشعار کا پس منظر اکثر ان کا کسی کے ساتھ عشق کا معاملہ ہی ہوتا تھا۔ عشق مجازی کے نتیجے میں موص
وصل، ہجر، رنج، الم، وفا، جفا و دیگر کیفیات کا اظہار ان رسم و روایت کے ضمن میں بیان کیا جاتا ہے۔ مثلاً سماج کا رواج
کہ جانے پہچانے لوگ آپس میں ملتے ہیں تو دعا سلام کرتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی جانا پہچانا شخص دعا سلام کرنے کی رسم تر
کرتا ہے، تو اسے سماجی اعتبار سے بے لحاظ یا بے مروت سمجھا جاتا ہے۔

● شکیل بدایونی کا شعر ہے:-

یہ ادائے بے نیازی تجھے بے وفا مبارک　　　مگر ایسی بے رخی کیا کہ سلام تک نہ پہنچے

اس شعر میں شاعر نے اپنے محبوب کو سلام کا جواب نہ دینے کے عوض بے رخی کا طعنہ دیا ہے۔ اردو ادب کے د
شعرائے صفِ اول کے کلام میں ایسے اشعار بکثرت پائے جاتے ہیں لیکن ان تمام اشعار کے پسِ پردہ عشقِ مجازی کا جذ
کارگر ہے۔

عاشق صادق وہ ہوتا ہے جس کا سراپا، جس کے ہوش و حواس اور اس کے تمام حرکات و سکنات یادِ محبوب میں محو ہو۔
ہیں۔ اس کو کائنات کے ہر ذرّے میں محبوب کے ہی جلوے نظر آتے ہیں۔ دنیا کا کوئی بھی معاملہ ہو، چاہے وہ ذاتیات سے
متعلق ہو یا عمومی ہو، وہ ہر معاملے کو اپنے محبوب کے ساتھ محمول کریگا۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا شمار عشق
حقیقی میں فنائیت کی حد تک پہنچنے والے عاشق صادق میں ہوتا ہے۔ جنہوں نے زندگی کے ہر محاذ پر اور ہر لمحہ اپنے محبوب آ
صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد و ذکر کو اپنا سببِ حیات و زندگی بنا رکھا تھا۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے کلام میں ہندوستانی رسم
رواج کے بیان میں کافی اشعار پائے جاتے ہیں لیکن ان تمام اشعار کا معائنہ کرنے سے صرف یہی بات سامنے آتی ہے کہ
حضرت رضا نے ان رسومات کا ذکر بھی صرف اور صرف اپنے محبوب آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ عظمت کا اظہار کرنے کے لئے
کیا ہے۔

● شادی کے رسومات:-

صرف ایک شادی کا ہی ذکر کرلو۔ جب کسی کی شادی ہوتی ہے تو ڈھیر ساری رسمیں ادا کی جاتی ہیں مثلاً ● خوشی اور طرب کے سامان مہیا کئے جاتے ہیں ● جس گھر میں شادی ہوتی ہے اس گھر کو بجلی کے قمقموں سے مرصع کیا جاتا ہے اور رات کے وقت ان قمقموں کے ذریعہ رات کو جگمگاتی شب بنائی جاتی ہے ● دولھا دلہن کے لئے نئے نئے کپڑے اور خوشبو کا انتظام کیا جاتا ہے ● دولھا کے دوست احباب خادم کی حیثیت سے دولھا کو جھرمٹ میں لے کر نئے کپڑوں سے آراستہ کرکے دولھا بنانے کے لئے سجاتے ہیں ● دولھا جب نکاح خوانی کے لئے جاتا ہے تو اس کے ساتھ براتی چلتے ہیں ● اس موقعہ پر دولھا کا صدقہ اتار کر باٹا جاتا ہے ● اس خوشی کے موقعہ پر خیرات دی جاتی ہے ● نوشہ کے لئے پھولوں کا ہار گوندھا جاتا ہے ● دولھا کے ماتھے پر سہرا باندھا جاتا ہے ● عورتیں شادی کے گیت گاتی ہیں ● بینوں اور باجوں سے موسیقی کی مترنم دھن و لئے بجائی جاتی ہیں ● دولھا کے پاؤں دھوکر اس دھوون کا مکان میں چھڑکاؤ کیا جاتا ہے ● دولھا کی آمد پر پٹاخے پھوڑے جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ مذکورہ تمام امور شادی بیاہ کے تعلق سے ہندوستانی رسم ورواج کے طور پر سماج و معاشرہ میں رائج ہیں۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ان تمام رسم ورواج کو اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی مدح وثنا اور تعریف وتوصیف میں ایسے حسین انداز سے بیان کردیا ہے کہ معاشرہ میں رائج رسم کو مثال بنا کر اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی شان عظمت ظاہر فرمادی ہے۔ بہت ہی اختصار کے ساتھ مذکورہ چند رسومات سے متعلق حضرت رضا بریلوی کے کچھ اشعار پیش خدمت ہیں:-

● شادی رچانا اور خوشی کا سامان مہیا کرنا:- (رسم)

(۱) وہ سرور کشور رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لئے تھے

(۲) وہاں فلک پر، یہاں زمیں میں رچی تھی شادی مچی تھی دھومیں
اُدھر سے انوار ہنستے آتے، اِدھر سے نفحات اٹھ رہے تھے

● شادی والے مکان پر روشنی کرنا:- (رسم)

(۱) یہ چھوٹ پڑتی تھی ان کے رخ کی کہ عرش تک چاندنی تھی چھٹکی
وہ رات کیا جگمگا رہی تھی جگہ جگہ نصب آئینے تھے

● خوشبو اور نئے کپڑوں کا انتظام:- (رسم)

(۱) دلھن کی خوشبو سے مست کپڑے نسیم گستاخ آنچلوں سے

غلاف مشکیں جو اڑ رہا تھا غزال نافے بسا رہے تھے

(۲) خبر یہ تحویل مہر کی تھی کہ رُت سہانی گھڑی پھرے گی وہاں کی پوشاک زیب تن کی یہاں کا جوڑا بڑھا چکے تھے

(۳) واللہ جو مل جائے مرے گل کا پسینہ مانگے نہ کبھی عطر نہ پھر چاہے دلھن پھول

● دوست خادم بن کر دولھا کو سجاتے ہیں:-(رسم)

خدا ہی دے صبر جانِ پُرغم دکھاؤں کیوں کر تجھے وہ عالم
جب ان کو جھرمٹ میں لے کے قدسی جناں کا دولھا بنا رہے تھے

● دولہا کے ساتھ براتی کا چلنا:-(رسم)

(۱) تو ہے نوشاہ براتی ہے یہ سارا گلزار لائی ہے فصل سمن گوندھ کے سہرا تیرا

(۲) جھلک سی اک قدسیوں پر آئی، ہوا بھی دامن کی پھر نہ پائی
سواری دولھا کی دور پہنچی برات میں ہوش ہی گئے تھے

(۳) دولھا سے اتنا کہہ دو، پیارے سواری روکو مشکل میں ہیں براتی، پُرخار بادیے ہیں

● دولہا کے رخ کا صدقہ اور اُترن خیرات کرنا:-(رسم)

(۱) اتار کر ان کے رخ کا صدقہ، یہ نور کا بٹ رہا تھا باڑا کہ چاند سورج مچل مچل کر، جبیں کی خیرات مانگتے تھے

(۲) نور کی خیرات لینے دوڑتے ہیں مہر و ماہ اٹھتی ہے کس شان سے گردِ سواری واہ وا

(۳) جو ہم بھی واں ہوتے خاک گلشن لپٹ کے قدموں سے لیتے اُترن
مگر کریں کیا نصیب میں تو یہ نامرادی کے دن لکھے تھے

● دولہا کے لیے پھولوں کا ہار اور سہرا:-(رسم)

(۱) کیا بنا نامِ خدا اسرا کا دولہا نور ہے سر پہ سہرا نور کا بر میں شہانہ نور کا

(۲) ادھر تھیں نذر شہ نمازیں، ادھر سے انعام خسروی میں سلام و رحمت کے ہار گندھ کر گلوئے پرنور میں پڑے تھے

(۳) اجابت کا سہرا، عنایت کا جوڑا دلہن بن کے نکلی دعائے محمد (ﷺ)

● عورتوں کا شادی کے گیت گانا اور بینوں، باجوں پر موسیقی کی دُھن:-(رسم)

وصفِ رخ میں گاتی ہیں حوریں ترانہ نور کا قدرتی بینوں میں کیا بجتا ہے لہرا نور کا

● دولہا کے پاؤں کا دھوون:-(رسم)

(۱) بچا جو تلووں کا ان کے دھوون، بنا وہ جنت کا رنگ و روغن

جنھوں نے دولھا کی پائی اترن، وہ پھول گلزار نور کے تھے

(۲) جس کے تلووں کا دھوون ہے آب حیات ہے وہ جان مسیحا ہمارا نبی

● دولہا کی آمد پر پٹاخے پھوڑنا:-(رسم)

(۱) ابھی نہ آئے تھے پشت زیں تک کہ سر ہوئی مغفرت کی شلّک
صدا شفاعت نے دی مبارک گناہ مستانہ جھومتے تھے

نوٹ:- شلّک = بندوقوں یا توپوں کی باڑ جو سلامی کے لئے چھوڑی جائے۔(فیروز اللغات،ص ۸۴۷)

(۲) اسرا میں گزرے جس دم بیڑے پہ قدسیوں کے ہونے لگی سلامی پرچم جُھکا دئے ہیں

نوٹ:- سلامی = توپیں، بندوقیں، گولے چلا کر تعظیم کرنا وغیرہ وغیرہ۔(فیروز اللغات،ص ۸۰۶)

مذکورہ اشعار میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ہندوستانی رسم ورواج کے تحت شادی بیاہ کے سماجی رسومات کو کتنے نفیس انداز میں اپنے آقا ومولیٰ ﷺ کی تعریف وتوصیف میں ڈھال دیا ہے۔چند اور رسم ورواج ذیل میں پیش ہیں:-

● پالتو کتوں کے گلوں میں پٹّے:-(سماج میں رائج رواج)

ہر گاؤں اور شہر میں بلکہ ہر محلے اور گلی میں مفت کے چوکیدار کی حیثیت سے کتے پائے جاتے ہیں۔کسی اجنبی یا غیر مانوس شخص کو دیکھ کر کتا بھونکتا ہے اور کبھی کبھی کاٹ بھی لیتا ہے۔کتا جب کاٹتا ہے تو اس کے کاٹنے سے اتنی اذیت نہیں ہوتی جتنی اس کے علاج سے ہوتی ہے کیونکہ کتا کاٹنے کے نتیجے میں **Hydrophobia** نہ ہوجائے اس لیے ناف کے نیچے چودہ (۱۴) دن تک روزانہ انجکشن لگوانا پڑتا ہے۔جب کتوں کی کاٹنے کی شرارت حد سے بڑھ جاتی ہے تب بلدیہ (**Municipality**) والے کتا گاڑی لے کر نکلتے ہیں اور کتوں کو پکڑ لیتے ہیں یا مار ڈالتے ہیں۔لیکن جس کتے کے گلے میں پٹا ہوتا ہے اس کو چھوڑ دیتے ہیں لہٰذا پالتو کتوں کے مالک اپنے اپنے کتوں کے گلے میں چمڑے کا پٹا باندھ دیتے ہیں۔سماج کے رسم ورواج کے تحت یہ بات عام ہوگئی ہے کہ جس کتے کے گلے میں پٹا ہوتا ہے وہ کسی نہ کسی کا پالتو ہے، فالتو نہیں۔بلدیہ والے بھی اس رواج سے واقف ہوتے ہیں لہٰذا وہ گلے میں پٹا پڑے ہوئے کتے کو نہیں مارتے۔سماج کے اس رواج کو حضرت رضا بریلوی بارگاہِ غوثیت مآب رضی اللہ عنہ میں اپنی عقیدت اور غلامی کا اظہار کرنے کی غرض سے اس طرح بیان کرتے ہیں

اس نشانی کے جو سگ ہیں،نہیں مارے جاتے حشر تک میرے گلے میں رہے پٹا تیرا

● عیب اور نقص والا مال خریدار واپس دے گا:-(سماج کا تجارتی دستور)

ہر شخص کو تجارتی امور کے تحت خرید اور فروخت کرنے کا سابقہ پڑتا ہے۔سماج میں تجارت کا دستور ہے کہ کسی خریدار نے کسی دوکان سے کوئی چیز خریدی اور دوکاندار پر اعتماد کرتے ہوئے اس نے دام بھی چُکا دیے اور جب وہ گھر آکر اس چیز کو

بکس یا پیکیٹ سے نکالتا ہے تو وہ چیز نقص والی پاتا ہے۔ اس صورت میں وہ شخص دوکاندار کو وہ عیب دار چیز واپس پلٹا کر مول دوکاندار سے وصول کرلے گا اور دوکاندار عیب دار چیز کو واپس لینے اور مول چکانے سے انکار نہیں کرسکتا۔ سماج کے اس دستور اور رواج کو حضرت رضا اس طرح بیان فرماتے ہیں:-

رکھئے جیسے ہیں، خانہ زاد ہیں ہم   مول کے عیب دار پھرتے ہیں

اس شعر میں حضرت رضا نے بیع وشریٰ یعنی خرید اور فروخت کے تعلق سے فقہ کا ایک مسئلہ، قرآن مجید کی ایک آیت کا مفہوم اور چند احادیث کا مغز بیان کردیا ہے۔ یہاں اتنی گنجائش نہیں کہ شعر کی تفصیلی وضاحت کی جائے۔

● عید کا چاند نظر آنے پر مبارکباد دینا:- (رسم)

عید کا چاند نظر آتے ہی ماحول میں خوشی کی لہر پھیل جاتی ہے۔ عید کا چاند نظر آتے ہی ہر شخص خوشی میں مچلتا ہے اور اپنے دینی بھائیوں کو مبارکباد پیش کرتا ہے۔ حالانکہ عید تو صبح کو ہے لیکن مغرب کے بعد سے ہی آپس میں مبارک بادی کی لین دین شروع ہوجاتی ہے، ہر شخص اپنے اقرباء اور رفقاء کو عید کی بشارت دیتا ہے۔ سماج کے اس رواج کو کلام رضا میں ملاحظہ فرمائیں:

عید مشکل کشائی کے چمکے ہلال   ناخنوں کی بشارت پہ لاکھوں سلام

● میت کا آخری دیدار:- (رسم)

جب کسی کا انتقال ہوتا ہے تو اسے غسل دے کر کفنا کر جنازے پر رکھا جاتا ہے اور جنازہ لے کر قبرستان میں دفن کرنے کے لئے روانہ ہونے سے پہلے میت کا آخری دیدار کرایا جاتا ہے۔ اعزا، اقرباء، رفقاء اور خاص خاص لوگوں کو میت کا منہ دکھایا جاتا ہے اور مردے کا منہ دکھانے کے لئے اس کے چہرے سے کفن ہٹادیا جاتا ہے۔ سماج میں اس کو آخری دیدار کی رسم کہا جاتا ہے۔ اس رسم کو حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شعر میں نصیحت آمیز انداز میں بیان فرماتے ہیں کہ:-

● مجرم کو نہ شرماؤ احباب کفن ڈھک دو   منہ دیکھ کے کیا ہوگا، پردے میں بھلائی ہے
● آخری دید ہے آؤ مل لیں   رنج بے کار ہے کیا ہونا ہے

● سہاگن اور بیوہ کے دوپٹے کا رنگ:- (رسم)

بیوہ عورت اکثر وبیشتر سیاہ رنگ کا دوپٹہ اوڑھتی ہے۔ اس کے دوپٹہ کے رنگ سے ہی اس کے بیوہ ہونے کا پتہ چل جاتا ہے۔ جب کہ سہاگن رنگ برنگ کے دوپٹوں سے آراستہ ہوتی ہے، اسی سماجی رواج کو حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے خانۂ کعبہ کے سیاہ غلاف اور گنبد خضراء کے سبز (Green) رنگ پر قیاس کیا ہے۔ جس کا آقا (خاوند) رخصت ہوجاتا ہے وہ عورت اپنے آقا کے ہجر میں سیاہ لباس اختیار کرتی ہے اور جو وصل کی لذتوں سے فیضیاب ہوتی ہے وہ سبز جوڑا زیب تن کرتی ہے۔ خانۂ کعبہ کے غلاف کا سیاہ رنگ ہجر کی علامت اور گنبد خضرا کا سبز رنگ وصل کی کیفیت ظاہر کررہے ہیں۔ اس تخیل کو حضرت رضا کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں:-

- دونوں بنیں سجیلی انیلی بنی مگر ❊ جو پی کے پاس ہے وہ سہاگن کنور کی ہے
- سر سبز وصل یہ ہے، سیہ پوش ہجر وہ ❊ چمکی دوپٹوں سے ہے جو حالت جگر کی ہے

● بادشاہوں کے دربار سے خطاب پانا:-(شاہی رسم)

بادشاہوں اور راجاؤں کے دربار کا دستور ہوتا ہے کہ کسی ذی علم، ماہر فن وہنر، یا حکومت کے وفادار اور بہادر شخص کی حوصلہ افزائی اور عزت افزائی کے لئے شاہی دربار سے اس کو کوئی نہ کوئی خطاب عنایت کیا جاتا ہے۔ مثلاً مغل بادشاہوں کی طرف سے خان بہادر، رائے بہادر، جنگ بہادر وغیرہ القاب دیئے جاتے تھے۔ ابوالحسن نام کے مشہور ظریف یعنی لطیفہ گو (Jocose) کو "مُلّا دو پیازہ" کا لقب دیا گیا تھا۔ برطانوی حکومت کی طرف سے "سر" (Sir) کا خطاب دیا جاتا تھا۔ موجودہ دور میں بھارت رتن، پدم شری، وغیرہ خطاب سے نوازا جاتا ہے۔ الغرض ہر حکومت کا دستور اور رواج ہوتا ہے کہ وہ ذی مرتبت شخصیتوں کی عزت افزائی کے لئے اس کی شایان شان خطاب عنایت کرتی ہے۔ دنیا کے شاہی درباروں کے اس دستور کو حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شعر میں اس انداز سے بیان کیا ہے:-

پائے جبریل نے سرکار سے کیا کیا القاب ❊ خسرو خیل ملک، خادم سلطانِ عرب

● انعام واکرام پر بادشاہ کی واہ وا:-(رسم)

جب کوئی بادشاہ کسی شخص پر فیاضی کرتے ہوئے اسے انعام واکرام سے نوازتا ہے تو بادشاہ کی فیاضی کا شہرہ ہوتا ہے۔ بادشاہ کے درباری اور رعیت بادشاہ کی فیاضی کی ہر جگہ تعریف کرتے ہیں۔ ایسی تعریف کو عوامی محاورے میں واہ واہ کرنا کہا جاتا ہے۔ (فیروز اللغات، ص ۱۴۰۴) بادشاہ کی فیاضی کی واہ وا کر کے اس کی سخاوت کو داد وتحسین دینا اور بادشاہ کو مزید سخاوت کرنے کے لئے ابھارنا ہندوستانی عوام میں رسم ورواج کے طور پر رائج تھا۔ اسی رسم ورواج کو حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے محبوب وکریم آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف میں بیان کرتے ہوئے اپنے ایک شعر میں اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے انعام و اکرام پر صدقے اور قربان ہونے اور دونوں عالم میں "واہ وا" ہونے کا ذکر کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ:-

- صدقے اس انعام کے قربان اس اکرام کے ❊ ہو رہی ہے دونوں عالم میں تمہاری واہ وا

یہاں چند اشعار بطور مثال پیش کئے ہیں۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے کلام میں ایک سو (۱۰۰) کے قریب اس قسم کے اشعار پائے جاتے ہیں۔ ان تمام اشعار کو یہاں پیش کرنا ممکن نہیں۔ لہٰذا چند اشعار رواں رواں پیش خدمت ہیں:-

- سائلو دامن سخی کا تھام لو ❊ کچھ نہ کچھ انعام ہو ہی جائے گا
- تاج والوں کا یہاں خاک پہ ماتھا دیکھا ❊ سارے داراؤں کی دارا ہوئی دارائی دوست
- مرے غنی نے جواہر سے بھر دیا دامن ❊ گیا جو کاسۂ مہ لے کے شب گدائے فلک

- وردیاں بولتے ہیں ہر کارے / پہرہ دیتے سوار پھرتے ہیں
- دستگیر ہر دو عالم کر دیا سبطین کو / اے میں قرباں جان جاں انگشت کیا لی ہاتھ میں
- میں مجرم ہوں آقا مجھے ساتھ لے لو / کہ رستے میں ہیں جابجا تھانے والے
- بہ ادب جھکا لو سر ولا کہ میں نام لوں گل و باغ کا / گل تر محمد مصطفیٰ چمن ان کا پاک دیار ہے
- اے دل یہ سلگنا کیا جلنا ہے تو جل بھی اُٹھ / دم گھٹنے لگا ظالم، کیا دھونی رمائی ہے
- جاروکشوں میں چہرے لکھے ہیں ملوک کے / وہ بھی کہاں نصیب فقط نام بھر کی ہے
- برسے کرم کی بھرن، پھولیں نعم کے چمن / ایسی چلا دو ہوا، تم پہ کروڑوں درود

مذکورہ اشعار میں سب سے آخری شعر میں لفظ ''بھرن'' کا استعمال کیا گیا ہے۔ شعر میں لفظ بھرن سے ایک مراد بارش برسانے کی ہے اور دوسری مراد لفظ ''بھرن'' سے اُس ہندوستانی رسم ورواج کی طرف اشارہ ہے، جو راجستھان کے راجاؤں میں رسم رائج تھی۔ جب کوئی شخص راجاؤں کے حضور خراج ونذر پیش کرتا، تو راجاؤں کا دستور تھا کہ وہ ایسے شخص کو اس کے حسب مرتبہ ''بھرن'' عطا کرتے یعنی انعام، اکرام اور خلعت سے نوازتے۔ بھرن ایک پیمانہ (*Goblet*) ہوتا تھا جو لگن یعنی بڑے پیالے کی طرح ہوتا تھا۔ اس میں روپے، جواہرات، اور دیگر اشیاء بھر کر دی جاتی تھیں۔ اس کو ''بھرن دینا'' یا ''بھرن برسانا'' بھی کہا جاتا ہے۔ صوبۂ راجستھان کے میواڑی راجاؤں میں یہ رسم ورواج آزادیٔ ہند تک جاری تھی۔ حضرت رضا بریلوی نے اس رواج کی جھلک اپنے شعر میں پیش فرمائی ہے۔

حضرت رضا نے فن شاعری کس طرح سیکھی

فنِ شاعری میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی مہارت، قادر الکلامی، عبور، سخن وری، جملہ اصناف پر طبع آزمائی، تمام صنعات میں بے نظیر شعر گوئی، نظمِ اشعار میں کامل طور پر دسترس وغیرہ محاسن کو دیکھ کر ہر کوئی شخص یہ سوچتا ہوگا کہ فنِ شاعری میں آپ کا استاد کون تھا؟ اور آپ اپنے اشعار کی اصلاح کے لئے کس کی طرف رجوع فرماتے تھے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ نے اس فن کے لئے کسی کے سامنے زانوئے ادب طے نہیں کئے اور نہ ہی کسی سے اصلاح کرائی ہے بلکہ بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل شدہ کثیر علوم وفنون میں فنِ شاعری بھی شامل تھی۔ اس حقیقت کا انکشاف کرتے ہوئے حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:-

- جبیں طبع ہے نا سودہ داغِ شاگردی / غبارِ منتِ اصلاح سے ہے دامن دور

(حدائق، حصہ ۳، ص ۳۴)

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شاگردی کے کلنک کے ٹیکے سے میری جبیں یعنی پیشانی سیاہ نہیں بلکہ طبع ہے یعنی اچھے نشان سے سرشت ہے۔ اور اصلاح کی منت کے غبار سے میرا دامن بھی دور یعنی بے داغ ہے۔ یہ

حقیقت حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحدیث نعمت کے طور پر بیان کی ہے۔ حضرت رضا بریلوی نے کبھی بھی شاعری برائے شاعری نہیں کی بلکہ شاعری بھی جانِ ایمان ﷺ کی مدح وثنا کے لئے ہی نظم فرمائی ہے اور وہ بھی اس طرح کہ آپ کاغذ اور قلم لے کر شاعری لکھنے کے لئے بیٹھتے نہ تھے، جیسا کہ اکثر شاعروں کا دستور ہوتا ہے۔ بلکہ حضرت رضا بریلوی شاعری کس طرح کرتے تھے وہ خود انہیں کے مبارک الفاظ میں سماعت فرمائیں۔ حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:-

- مگر جو مُلہم غیبی مجھے بتاتا ہے — زباں تک اوسے لاتا ہوں میں بمدحِ حضور

(حدائق، حصہ ۳، ص ۳۴)

یعنی الہام غیبی سے مجھ کو جو کچھ معلوم ہوتا ہے، اس کو میں اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی تعریف و مدح کے طور پر اپنی زبان پر لاتا ہوں اور وہ بھی اس طرح کہ:-

- جو اِذن بارگہ شاہ سے ملے مجھ کو — سناؤں مطلع برجستہ رشکِ مطلع نور

یعنی شہنشاہِ کونین ﷺ کی مقدس بارگاہ سے مجھے اجازت ملے تو اجازت پاتے ہی برجستہ یعنی فی الفور یعنی اُسی وقت مطلع یعنی غزل کا پہلا شعر سنادوں اور اس پہلے شعر پر نور کا مطلع بھی رشک کرے۔ اس شعر کی تشریح فقیر کی کتاب ''عرفان رضا در مدح مصطفیٰ'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی فنِ شاعری میں بے مثالی حیثیت ہونے کے باوجود آپ نے اپنی باکمال سخن وری پر کبھی بھی غرور و گھمنڈ نہیں کیا اور نہ ہی اپنے آپ کو شعراء کی صف میں داخل مانا، نہ آپ نے کبھی یہ کوشش کی کہ ارباب فن وسخن آپ کی شاعری کو داد و تحسین دیں اور آپ بحیثیت شاعر مشہور ہوں۔ اسی لئے آپ نے شاعروں سے تعلقات قائم نہیں کئے اور شاعروں کے ساتھ نشست و برخاست سے آپ ہمیشہ کنارہ کش رہے۔ بلکہ از راہِ تواضع اور انکساری آپ نے فن شاعری سے اپنے عجز اور بے شعوری کا اظہار کیا ہے۔ خود فرماتے ہیں:-

- نہ لفظ شُستہ نہ مضمون کوئی نہ بندش چست — نظامِ نظم نہ مجھ سے نہ شاعری میں شعور
- رہا نہ شوق کبھی مجھ کو سیر دیواں سے — ہمیشہ صحبتِ ارباب شعر سے ہوں نفور
- نہ اپنے کاموں سے تضیع وقت کی فرصت — نہ اپنی وضع کے قابل کہ اس میں ہوں مشہور
- رہے وبال سے اس کے تجھے سبکدوشی — کہ ویسے ہی ہے گراں سر پہ بارِ جرم وقصور
- عُلوم میں ہو تبحر تو ورثۂ آباء — ڈبوؤں آبرو کیوں کرکے بحر شعر عبور

حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری وہبی تھی۔ خالقِ کائنات جل جلالہ نے اپنے محبوبِ اعظم کے عاشقِ صادق کو وہ صلاحیتیں ودیعت فرمائی تھیں کہ فن شاعری کے میدانِ سخن گوئی میں رضا کا کوئی مدِ مقابل نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے کلام میں صرف ''آمد ہی آمد'' کا شور شورہ ہے ''آورد'' کا نام ونشان نہیں۔ آپ کا جملہ کلام دیوانگی عشقِ رسول ﷺ کی مستی اور کیفیت سے سرشار ہے۔ آپ اپنی اس دیوانگی عشق کے سمندر میں غوطہ زن ہوکر اپنے کلام میں تمام مقامات میں سراپا عشق و

محبت نظر آتے ہیں لیکن عشق کی سرمستی میں آپ ذرّہ برابر بھی بہکے نہیں بلکہ حضرت حسّان رضی اللہ عنہ کے نقشِ قدم کو اختیار کر کے قرآن مجید سے محبوب صاحبِ قرآن کی مدح وثنا کی ہدایت پائی اور اسی ہدایت کی رہنمائی میں آپ نے جوشِ اُلفت پر ہوشِ حدودِ شریعت کی لگام لگا کر دیوانگی میں بھی فرزانگی کا مُظاہرہ کیا ت یہی وجہ ہے کہ حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بلند پایہ تخّیل عشق کا مظاہرہ کرتے ہوئے جو نعتیں نظم کی ہیں، اُن میں آپ کا بڑے سے بڑا مخالف بھی صرفِ نظر کر کے آپ کی کمال گوئی میں کوئی نقص نکال نہیں سکتا۔ آپ کے کلام کو میزانِ شریعت میں تول کر ٹٹولا جائے تو ایک شعر تو کیا بلکہ ایک لفظ بھی ایسا نہ پایا جائے گا کہ کسی مخالف یا نقاد کو اُنگلی رکھنے کی جگہ ملے۔ حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام اردو ادب میں حرفِ آخر کی حیثیت کا حامل ہے۔ اردو شاعری کے وہ سارے اوصاف جو اردو کے نامور شعراء کے کلام میں متفرق طور پر پائے جاتے تھے، وہ تمام اوصاف حضرت رضا بریلوی کے کلام میں مجتمع ہو گئے ہیں۔ جن اوصاف پر اہلِ زبان کو ناز تھا، ان تمام اوصاف کو حضرت رضا بریلوی نے اپنے کلام میں ایسے حسین اور اچھوتے انداز سے جمع فرما دیا ہے کہ اردو ادب کے ان اوصاف کو بھی کلام رضا پر ناز ہے۔ حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے شوخی طبع کے باوجود عروسِ فنِ شاعری کو نعت گوئی کے تقدس اور احترام کے گوہر بے بہا کے زیورات سے آراستہ کر کے اس کے حُسن و جمال کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ جن صنعات میں شعر گوئی بڑے بڑے شاعروں کے لئے لوہے کے چنے چبانے کے مترادف تھی، اُن صنعات میں حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو شعر گوئی کا کامل ملکہ تھا۔ آپ نے اپنی نعتیہ شاعری سے اردو ادب کو تقویت اور زینت بخشی بلکہ نعتیہ شاعری کو ایک مستقل فن کی حیثیت دیتے ہوئے نعتیہ شاعری کی نسیم عشق سے اردو ادب کو بہارِ جانفزا سے روشناس کرایا۔ حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے گوہر بار قلمِ عشق سے اردو ادب کے دامن کو فن کے جواہرات سے بھر دیا۔ شاعری کی سنگلاخ ابحار میں اشعار نظم کر کے ویران اور بنجر راہوں پر عشقِ رسول اور فراقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بہنے والے اشکوں کی آبشاری کر کے، اُسے آبِ حیات کا تحفہ دے کر، اُسے عروج و ترقی کی راہ پر گامزن کیا اور اس راہ میں عشقِ رسول کے شاداب پھول اور سایہ دار شجر ثمر دار کھلائے۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا تمام کلام عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مستی اور درد و سوز کی دولت سے مالا مال ہے۔ آپ نے عشق کی مخصوص حالت و کیفیت سے متاثر ہو کر جو کچھ بھی لکھا ہے وہ اتنا بہترین ہے کہ اغیار کو بھی مجبور ہو کر آپ کے کلام کو دادِ تحسین دینی پڑی۔ آپ کی شاعری اُردوئے معلّٰی کا اعلیٰ شاہکار ہے۔ اور رہتی دنیا تک ادب اور اہلِ ادب حضرت رضا کے مرہونِ منّت رہیں گے۔

حضرت رضا بریلوی کو بحیثیت شاعر شہرت کیوں نہیں دی گئی؟

اوراقِ سابقہ میں قارئین کرام نے فن و ادب کے اعتبار سے اردو ادب کے صفِ اول کے شعراء اور حضرت رضا کے مابین تقابلی جائزہ ملاحظہ فرمایا۔ یہاں تک کے مطالعہ سے یہ بات روزِ روشن کی طرح ظاہر و ثابت ہو چکی ہوگی کہ شعر گوئی کی راہ میں فن و ادب کے اعتبار سے حضرت رضا کی حیثیت میرِ کارواں کی رہی ہے۔ بلکہ رہبر کامل کی حیثیت سے آپ قیامت

تک ہونے والے شاعروں کے مقتدا بن کر رہیں گے۔ اردو شاعری کی شاید ہی کوئی ایسی صنعت ہوگی جس کو حضرت رضا نے مزین و آراستہ نہ کیا ہو۔ جب کہ اردو ادب کے صفِ اول کے شاعر کہلانے والے نامور شاعروں کے دیوان اردو شاعری کی بہت سی صنعات سے محروم ہیں۔ اردو ادب کے نامور شعراء فن و ادب کے اعتبار سے جو کمال ''عشق مجازی'' میں کی گئی شاعری میں مجموعی طور پر بھی پیدا نہ کر سکے، اس سے بڑھ چڑھ کر کمال و حسن حضرت رضا بریلوی نے تنِ تنہا ''عشق حقیقی'' میں کی گئی شاعری میں دکھا دیا ہے۔ جن شاعروں کو بڑے بڑے اور وزنی خطابات سے نواز کر ان کے نام سے منسوب اکیڈمیاں، ادارے، اسکول وغیرہ قائم کرنے میں اہلِ ادب فخر محسوس کرتے ہیں، وہ تمام شعراء فن و ادب کے اعتبار سے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے مقابلے میں آفتاب کے سامنے چراغ کی طرح ہیں لیکن افسوس ہے کہ حضرت رضا بریلوی کا مبارک نام سرِ فہرست درج کرنا تو درکنار، شعرائے اردو ادب میں حضرت رضا بریلوی کا شمار کرنے، کرانے میں بھی تعصب کے جذبے کے تحت قصداً انحراف کیا جا رہا ہے۔ حضرت رضا بریلوی کے ساتھ کی جانے والی ناانصافی کی چند وجوہات ہیں۔

حضرت رضا بریلوی نے اپنی شاعری کو اپنے مسلکِ حق کی نشر و اشاعت کا ذریعہ بنانے کے ساتھ ساتھ عشق رسول اکرم ﷺ کا عالم گیر پیغام کا واسطہ قرار دیا اور احکام شریعت اور آداب عشق رسول کی پاسداری کرتے ہوئے اپنے کلام کو صرف اور صرف ''عشق حقیقی'' تک محدود رکھا۔ لیکن اس کے باوجود آپ کے کمال فن کا یہ عالم تھا کہ فن اور ادب کے اعتبار سے بھی آپ تمام دل پھینک اور مجازی عشق کے متوالے شاعروں پر چھا گئے۔ جو رنگینی اور رعنائی عشق مجازی میں شعر گو شعراء پیدا نہ کر سکے، وہ حضرت رضا بریلوی نے عشق حقیقی میں کی گئی شاعری میں پیدا کر دیا۔ اور یہ دنیائے ادب کے لئے ایک چیلنج تھا۔ علاوہ ازیں حضرت رضا بریلوی نے جو زمانہ پایا وہ برطانوی حکومت کی غلامی کا دور تھا۔ سیاسی اعتبار سے مسلمانوں کے لئے زوال کا دور تھا لیکن اس کے باوجود علمی تہذیب اور فنون لطیفہ کی دلکشی کا حسن برقرار تھا۔ حالانکہ فن و ادب پر ماحول کی پراگندگی اثر پذیر تھی۔ شرعی اعتبار سے ہزاروں عیوب شامل تھے۔ اس کے باوجود بھی شعر و سخن کا چرچا تھا اور بزم شعر و سخن سابقہ طمطراق قائم رکھتے ہوئے گرم تھیں۔ معاشرے پر سخن گوئی اور زبان دانی کا تسلط تھا۔ اگر حضرت رضا اپنی تمام تر صلاحیتوں اور بے شمار خوبیوں کے ساتھ صرف شعر گوئی میں ہی مصروف رہتے تو آپ کا کوئی مقابل ہی نہ تھا۔ لیکن آپ نے ایسی محفلوں سے اعراض و احتراز فرمایا بلکہ دنیا کے عشق میں الجھے شاعروں کی صحبت سے بھی اجتناب کیا اور آپ زہد و تقوی اور روحانی تصرفات کی عملی مثال بنے رہے۔ اور اپنی تمام علمی صلاحیتوں کو ملت اسلامیہ کی صحیح خدمت اور رہنمائی میں صرف فرمایا۔ فرقہ نجدیہ، وہابیہ و دیگر باطل فرقوں کے اٹھتے ہوئے سیلاب کے سامنے آپ آہنی چٹان کی طرح جمے رہے اور ملت اسلامیہ کی ایک بھاری اکثریت کو بے دینی کے سمندر میں غرق ہونے سے بچا کر صحیح و سالم کنارے تک پہنچایا۔ صدہا فتنوں کا سد باب اور استیصال فرمانے میں آپ ہمہ وقت ایسے منہمک رہے کہ شاعرانہ تخلیقات کی طرف آپ کو توجہ کرنے کا وقت ہی نہ تھا۔ آپ شعر گوئی کے لئے وقت نکال کر کاغذ اور قلم لے کر تخلیق اشعار میں منجمد ہو کر بیٹھتے نہیں تھے۔ البتہ آپ نے عشق

رسول کے جذبے کے تحت کثرت سے اشعار گوئی فرمائی ہے لیکن آپ کی تمام شاعری عشق رسول کی نشر و اشاعت اور بارگاہ رسالت کے گستاخوں کی ہجو اور تذلیل میں ہے اور اس طرح آپ نے اپنے عقائد حقہ کا بے لاگ اظہار فرمایا۔ حضرت رضا بریلوی نے ملت اسلامیہ کو جو علمی سرمایہ دیا ہے، وہ اتنا معتمد اور وسیع ہے کہ تمام عالم اسلام کے علماء حضرت رضا بریلوی کی علمی وجاہت اور شان تجدید کے معترف اور مداح ہیں۔ آپ نے اپنے تبحر علم اور وہبی صلاحیتوں سے مسلمانوں میں ذہنی اور ایمانی انقلاب پیدا کر کے عشق رسول اکرم ﷺ کا جذبہ قلوب مسلمین میں اس طرح نقش فرما دیا کہ بے دینی کے فتنوں کے سیلاب اس نقش کو کبھی مٹا نہیں سکتے۔ حضرت رضا بریلوی اپنی بے لوث دینی اور علمی خدمات کی وجہ سے ''عالم دین'' کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہوئے اور آپ کی شاعرانہ تخلیقات کی طرف بہت کم توجہ دی گئی۔ عوام نے انہیں ایک شاعر کی حیثیت سے جانا ہی نہیں۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے بارگاہ رسالت ﷺ کے شاعر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چلنا اختیار کر کے مجازی راہ سخن سے اعراض فرما کر، نعت رسول اور تذلیل گستاخ رسول کو موضوع سخن بنا کر ''کلک رضا'' کے جو جوہر دکھائے ہیں، اس کی تاب لانے کی کسی میں ہمت نہ تھی۔ حضرت رضا نے دین کے معاملے میں کسی کی بھی رعایت نہ کی اور نہ ہی کسی بڑے سے بڑے کو خاطر میں لائے بلکہ پورے طنطنہ اور طمطراق کے ساتھ اپنے کلک خنجر خونخوار برق بار سے صدائے چقاچاق بلند فرماتے رہے اور آپ کی اس حق گوئی اور صداقت پسندی کی وجہ سے آپ بہت سے حلقوں میں مورد طعن و مخالفت رہے اور آپ کی شاعرانہ مقبولیت کی راہ میں حائل ہونے والا یہی بڑا سبب ہے۔ مسلکی اختلاف رکھنے والوں نے تعصب اور تنگ نظری کی راہ اپنا کر ایک منظم سازش کے تحت حضرت رضا بریلوی کی شاعرانہ شخصیت کو ناروا داری، ناانصافی، ناالتفاتی اور ناحق شناسی کی دبیز تہ کے تحت نہاں کر دینے کی مہم چلائی اور فن وادب کے دامن کو بھی داغدار کیا۔ عدل وانصاف کا تو تقاضا یہی تھا کہ مسلکی اختلاف کی چشم مخالفت سے عصبیت کی عینک ہٹا کر غیر جانبدارانہ طور پر فن وادب کے اعتبار سے حضرت رضا بریلوی کے نعتیہ کلام کا جائزہ لینے میں اہل ادب تامل نہ کرتے اور فن وادب کے کمال کی میزان میں حضرت رضا کے کلام اور دیگر شعرائے اردو ادب کے کلام کا توازن کرتے۔ لیکن بُرا ہو اس تنگ نظری اور تعصب پذیر ذہنیت کا جس نے فن وادب سے وابستگی رکھنے والے ذی شعور طبقے کو بھی طوطا چشمی کے مرض میں مبتلا کر رکھا ہے۔

ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ فن شاعری کی تمام صنعات میں کہے گئے حضرت رضا بریلوی کے لاجواب اشعار پر اہل ادب فخر کرتے اور ان اشعار کو بطور مثال پیش کرتے کہ اردو ادب میں ایک ایسا عظیم سخن ور پیدا ہوا ہے، جس نے تمام صنعات میں اشعار کہہ کر فن شاعری کو سربلندی بخشی ہے لیکن وائے! حسرتا! حضرت رضا بریلوی سے مسلکی اختلاف کے تعصب کی بنا پر حضرت رضا جیسے ''امام فن وادب'' کو شاعروں کے زمرے میں شمار کرانے سے بھی گریز کیا جا رہا ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ کچھ جہلاء اور کم فہموں کو حضرت رضا بریلوی کے کلام پر مضحکہ خیز اعتراضات قائم کرنے کے لیے متعین کر رکھا ہے۔

حضرت رضا کے ایک شعر پر اعتراض

کچھ لوگوں کی یہ ذہنیت ہوتی ہے کہ تعصب کی بنا پر اعتراض برائے اعتراض کرنا۔ پھر چاہے اس اعتراض کا ''سر نہ پیر'' کچھ بھی نہ ہو۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان سے مسلکی اختلاف رکھنے والے گروہ کا یہ وتیرہ رہا ہے کہ حضرت رضا بریلوی جیسی ذی وقار شخصیت کو مجروح کرنے کے لئے کسی نہ کسی بہانے اعتراض ونکتہ چینی کرنا۔ خصوصاً فرقہ نجدیہ وہابیہ دیوبندیہ تبلیغیہ کے متبعین اور ان کے ہم نوا ہمہ وقت حضرت رضا بریلوی کے دامن تقدس کو بے تکے اعتراضات سے تار تار کرنے کی سعی ناکام کرتے رہتے ہیں۔ پھر چاہے ان کے قائم کردہ اعتراض ''منہ میں آیا سو بک دیا'' ثابت ہو اور ان کے قائم کردہ اعتراض سے خود ان کے ''منہ میں کالک لگ جائے''۔

۱۹۹۶ء میں راقم الحروف کی قسمت کی معراج ہوئی اور اس عبد مذنب کو رشک جنت اور افضل مقام کائنات، شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار عالی کی حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ مدینہ منورہ سے واپسی پر جدہ شریف میں میرے مخدوم ومحترم، ناصر مسلک اعلیٰ حضرت، میرے برادر طریقت، حضرت قبلہ سید شوکت حسین صاحب نوری دامت برکاتہم القدسیہ کے اصرار پر چار دن تک ان کے دولت کدہ پر فقیر کا قیام رہا۔ سید شوکت صاحب کے دولت کدہ پر روزانہ شب میں علمی محفل جمتی تھی۔ خوش قسمتی سے جناب شیخ بدرالدین صاحب قبلہ کی ملاقات کا شرف بھی حاصل ہوا۔ شیخ بدرالدین صاحب کا جدہ شریف میں وسیع حلقہ ہے۔ ان کو اکثر وبیشتر ایسے افراد سے سابقہ پڑا کرتا ہے، جو امام عشق ومحبت حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی سے بغض وعناد رکھتے ہیں اور گاہے گاہے اعتراضات کی بھرمار کرتے رہتے ہیں۔ محترم ومکرم شیخ بدرالدین صاحب قبلہ نے ایسے کئی اعتراضات کا فقیر سے تذکرہ کیا اور ان اعتراضات کے معقول جوابات طلب فرمائے۔ فقیر سراپا تقصیر نے اپنی علمی بے مائگی کے باوجود ان تمام اعتراضات کے کافی، وافی اور شافی جوابات پیش کیے۔ اعتراضات اور ان کے جوابات کا سلسلہ چار شب تک جاری رہا۔ تمام گفت وشنید کو ٹیپ کر لیا گیا۔ ان اعتراضات میں ایک اعتراض حضرت رضا کے ایک شعر پر تھا جس کی تفصیل ذیل میں مرقوم ہے:

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی مشہور ومعروف نعت شریف ''چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے ÷ مرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے'' اس نعت کا ایک شعر ہے ''حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا ÷ ارے سر کا موقع ہے او جانے والے''۔ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لبریز حضرت رضا بریلوی کے اس شعر پر وہابیوں نے اعتراض کیا ہے کہ اس شعر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار کی توہین کی گئی ہے۔ اعتراض سن کر تعجب ہوا کہ سراسر عشق سے بھرے ہوئے شعر میں توہین کا شائبہ تک نہیں۔ لہٰذا ہم نے عرض کیا کہ اس شعر میں ایسی کونسی بات ہے جو باعث توہین ہے؟ جواب ملا کہ حضرت رضا بریلوی ''ارے سر کا موقع ہے او جانے والے'' کہہ کر ادب کے نام پر زائرین مدینہ طیبہ کو جانوروں کی ہیئت تعلیم کر رہے ہیں۔ کیونکہ سر کے بل چلنا جانوروں کی ہیئت ہے۔ بندر (**Monkey**) شرارت کرتے ہوئے سر کے بل یعنی الٹا ہو کر چلتا ہے۔

اگر کوئی شخص کسی حاکم یا معزز شخص کو ملنے کے لئے جائے اور سر کے بل چلے تو حاکم کے دربار کی بے عزتی ہے۔ لوگوں کا ہجوم تماشائی کی حیثیت سے جمع ہو جائے گا کہ آج حاکم کے دربار میں کوئی مسخرہ آ پہنچا ہے۔ حاکم بھی خجلت اور شرم محسوس کرے گا کہ اس کے دربار کو موردِ تمسخر بنایا گیا ہے۔ بلکہ اس طرح سے آنے والے پر حاکم غضبناک ہوگا کہ جانوروں کی ہیئت سے کون آیا ہے؟ اس طرح الٹا ہو کر چل کر اس نے ہمارے دربار کا مذاق اڑا کر ہماری شان میں توہین کی ہے۔ اسی طرح حضور ﷺ کے دربار میں سر کے بل چل کر جانے سے بھی یقیناً توہین ہوتی ہے۔ اعتراض کی مذکورہ وضاحت سن کر ہم واقعی ششدر رہ گئے۔ ہمارے وہم گمان میں بھی نہیں تھا کہ حضرت رضا کے شعر پر مخالفین ایسا گھنونا اعتراض کریں گے۔

جواباً ہم نے عرض کیا کہ جناب! حضرت رضا بریلوی کے شعر میں جو کہا گیا ہے کہ "ارے سر کا موقعہ ہے او جانے والے" یہ بتقاضائے ادب و احترام کہا گیا ہے اور اردو زبان میں "سر کے بل چلنا" اور "سر سے چلنا" یہ دونوں جملے محاورات سے ہیں۔ ان محاورات کا مطلب ہے "بے حد تعظیم و تکریم سے جانا" (فیروز اللغات ص ۷۹۲) شعر میں یہ نہیں کہا گیا کہ سر نیچے اور پاؤں اوپر اٹھا کر جانوروں کی ہیئت سے چلو بلکہ اردو زبان کے محاورے کا فن و ادب کے اعتبار سے استعمال کر کے یہ کہا گیا ہے کہ "نہایت تعظیم و تکریم سے مدینہ منورہ میں جانا"۔ ہم نے سوچا کہ شعر میں مستعمل محاورے کے معنی اور وضاحت سے معترض صاحب کے اعتراض کا اطمینان بخش جواب دے دیا گیا ہے لیکن اعتراض برائے اعتراض کا سلسلہ قائم رکھتے ہوئے ایک نیا شوشہ نکالا گیا کہ ہمدانی صاحب! آپ محاورے کی بات جانے دو۔ اگر کوئی شخص شعر میں استعمال شدہ محاورے کے مطلب سے آگاہ نہ ہو اور وہ شخص اس شعر کے جملے کا ظاہری معنی اخذ کر کے، مولانا احمد رضا بریلوی کی تعلیم پر عمل کرتے ہوئے مدینہ شریف میں سر کے بل چلے، تو کیا حشر ہوگا؟ ایام حج میں لاکھوں کی تعداد میں زائرین کرام کا مدینہ منورہ میں ہجوم ہوتا ہے۔ لوگوں کی کثرت اور بھیڑ کا یہ عالم ہوتا ہے کہ راستہ چلنے میں بھی دشواری ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں کوئی شخص مولانا احمد رضا بریلوی کے شعر پر عمل کرتے ہوئے الٹا ہو کر سر کے بل چلے، تو ایک ہنگامہ برپا ہو جائے گا۔ لوگ حیرت اور تعجب میں پڑ جائیں گے کہ یہ کون دیوانہ یا مسخرہ آ گیا ہے، جو جانوروں کی ہیئت اپنائے ہوئے ہے۔ اس شخص کو قریب سے دیکھنے کے لئے لوگ تماشا کی شکل اختیار کرتے ہوئے شور و غل مچائیں گے، لوگوں کی بھیڑ لگ جائے گی، دھکا دھکی ہوگی، لوگ ایک دوسرے پر گریں گے، جھگڑا اور فساد ہو جائے گا اور حرم شریف کا احترام ملحوظ نہ رہے گا۔ مختصر یہ کہ مولانا احمد رضا ادب کا بہانہ بنا کر لوگوں کو جانوروں کی ہیئت سکھا کر در پردہ دربار رسالت کی بے عزتی اور توہین کر رہے ہیں۔

اب بات بہت ہی نازک موڑ پر آ گئی تھی۔ ہم نے ہر چند سمجھانے کی سعی کی کہ جناب! شعر میں استعمال کردہ محاورے کے الفاظ سے نہیں بلکہ اس کے مطلب اور مفہوم سے استدلال کرنا چاہیے اور اس ضمن میں ہم نے کئی محاورات بطور مثال پیش کیے لیکن ہماری ایک بھی نہ سنی گئی اور اسی بات پر اصرار ہوتا رہا کہ جانوروں کی ہیئت سکھائی جا رہی ہے۔ اب ہم بھی پریشان کہ اس عقدہ کو کس طرح حل کریں۔ امام احمد رضا محدث بریلوی کا تصور کیا اور ان کی بارگاہ میں استدعا کی کہ میں اس قابل نہیں کہ آپ کے اشعار کا صحیح مفہوم و مطلب جان سکوں اور کسی کو سمجھا سکوں۔ آپ اپنا فیض جاری کرو اور اپنے در کے

سوالی اور منگتا کے دماغ میں مدلل جواب القا فرماؤ تا کہ آپ کا یہ غلام آپ کے شعر پر عائد اعتراض کا مثبت اور مسکت جواب دے سکے۔ ہماری اس التجا پر "فیضِ رضا" جاری ہوا اور ہمارے ذہن میں شعر کا جو مفہوم آیا اس کو جواباً پیش کرتے ہوئے ہم نے عرض کیا کہ جناب! پہلے آپ یہ بتائیے کہ عشق کے جو دو مقام ہیں یعنی (۱) مقامِ ادب اور (۲) مقامِ فنا۔ ان دونوں میں کس کا درجہ اعلیٰ ہے؟ جواب ملا کہ "مقامِ فنا" کا۔ ہم نے کہا الحمد للہ! یہ حضرت رضا پر حضور اقدس ﷺ کا فیض وکرم ہے کہ حضرت رضا بریلوی کی شخصیت کو جتنی دبانے کی کوشش کی جاتی، اتنی ہی ان کی شخصیت اُبھرتی ہے۔ چونکہ حضرت رضا کا یہ شعر مقامِ ادب میں ہے لیکن اب اس شعر پر اعتراض عائد ہوا ہے لہٰذا اب یہ شعر مقامِ ادب سے نکل کر مقامِ فنا کا شعر ہوگیا۔ ہم سے سوال ہوا "وہ کس طرح؟ ہم نے کہا کہ جناب! اب آپ پھر سے ایک مرتبہ اس شعر کا مطلب بیان کرو۔

مطلب بیان کیا گیا کہ "مولانا احمد رضا بریلوی مدینہ منورہ میں جانے والے کو مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اے مدینے میں جانے والے! حرم کی زمین میں قدم رکھ کر مت چلنا بلکہ یہ موقع سر سے چلنے کا ہے۔ ہم نے کہا کہ آپ نے شعر کا جو مطلب بیان فرمایا ہے وہ مطلب تو مقامِ ادب کا ہے۔ حالانکہ یہ شعر مقامِ فنا کا ہے۔ اور شعر کو مقامِ فنا میں شمار کرنے پر شعر کا مطلب ہی دیگر ہے۔ اس شعر میں حضرت رضا بریلوی "مدینہ میں" جانے والے کو مخاطب نہیں کرتے بلکہ "مدینہ سے" جانے والے کو مخاطب فرما رہے ہیں۔ اگر مدینہ میں جانے والے کو مخاطب فرماتے تو شعر اس طرح ہوتا کہ:

- حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا ۔۔۔ ارے سر کا موقع ہے او آنے والے

لیکن حضرت رضا نے شعر اس طرح ارشاد فرمایا ہے کہ:-

- حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا ۔۔۔ ارے سر کا موقع ہے او جانے والے

یعنی شعر میں "جانے والے" کا کلمہ ہے۔ "آنے والے" کا کلمہ نہیں۔ اس سے یہ مطلب ہوا کہ مدینہ منورہ میں حاضری دینے کے بعد "مدینہ منورہ سے" جانے والے زائر کو مدینہ سے زندہ رخصت ہونے پر حضرت رضا بریلوی متعجب لہجے میں فرماتے ہیں کہ "اے مدینہ منورہ کے زائر۔ کیا یہی تیرے عشق کا تقاضا ہے کہ مدینہ منورہ میں تو آیا اور تیرا آنا اس طرح کہ مدینہ میں قدم رکھنا یعنی پاؤں دھرنا اور پھر چلنا یعنی روانہ ہونا یا رخصت ہونا؟ ارے یہ وہ موقع ہے کہ جو بار بار نصیب نہ ہوگا۔ ارے سر کا موقع ہے یعنی مدینہ منورہ میں پاؤں رکھنا یعنی تھوڑا سا قیام کرنا اور چلنا یعنی رخصت ہونے کا موقع نہیں بلکہ یہاں پر سر کو ہمیشہ کے لئے رکھنے کا موقع ہے۔ اور کسی زمین میں ہمیشہ کے لئے سر کو رکھنے کے لئے اس زمین میں دفن ہونا پڑتا ہے اور دفن تب ہی ہوتا ہے، جب وہ مرجاتا ہے۔ الحاصل اے مدینے سے رخصت ہونے والے! پیارے آقا و مولیٰ ﷺ کی جدائی اور فراق کس طرح برداشت کرے گا؟ فراقِ نبی کے غم میں مرجا۔ اور مدینہ منورہ کی سرزمین میں دفن ہو جا۔ تا کہ ہمیشہ کے لئے تیرے سر کو اس مقدس سرزمین سے مس ہونے کا موقع میسر ہو۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے اس شعر کو "مقامِ فنا" میں شمار کرنا ہی زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس شعر میں جو "چلنا" کا لفظ ہے وہ شعر کو "مقامِ فنا" کے معنی میں موزوں کر رہا ہے۔ اس شعر میں جو لفظ "چلنا" ہے وہ چلنے یعنی مشی

کرنا (Walking) کے معنی میں نہیں ہے بلکہ ''چلنا'' رخصت یا روانہ ہونا (Departure or Exit) کے معنی میں ہے۔ لغت کا حوالہ ملاحظہ ہو!

- چلنا = روانہ ہونا، رخصت ہونا۔ (فیروز اللغات، ص ۵۳۴)
- قدم رکھنا = پاؤں دھرنا، آنا وغیرہ۔ (فیروز اللغات، ص ۹۵۱)
- دھرنا = رکھنا۔ (فیروز اللغات، ص ۶۶۳)
- جانا = روانہ ہونا، رخصت ہونا، چلنا، سدھارنا، سرکنا، ٹلنا۔ (فیروز اللغات، ص ۴۴۷)

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے مذکورہ شعر میں ''چلنا'' اور ''جانے والے'' کے الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت رضا نے یہ شعر ''مدینہ منورہ میں آنے والے'' کو مخاطب بنا کر نہیں کہا بلکہ ''مدینہ منورہ سے جانے والے'' کو مخاطب بنا کر ارشاد فرمایا ہے کیونکہ شعر کے اختتام میں ''او جانے والے'' کا جملہ ہے۔ اور لغت کے مندرجہ بالا حوالے کے اعتبار سے ''جانے والے'' کا مطلب ''رخصت ہونے والے'' ہوتا ہے۔ اپنی بات کو اور بھی زیادہ آسانی سے تفہیم کراتے ہوئے ہم نے شیخ صاحب قبلہ سے عرض کیا کہ قدم رکھنا اور چلنا کو بآسانی سمجھنے کے لئے ایک مثال پیش خدمت ہے کہ آپ کا یہ خادم ہمدانی آپ کے دولت کدے پر حاضر ہوا۔ آپ نے ''مرحباً'' اور ''اہلاً وسہلاً'' فرماتے ہوئے خادم کا استقبال فرمایا۔ دعا اور سلام کے بعد مصافحہ اور معانقہ ہوا۔ آپ نے ''تَفَضَّلْ'' کہہ کر بیٹھنے کا حکم فرمایا۔ حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ہم آپ کے والان میں رکھے ہوئے سوفہ پر بیٹھ گئے۔ آپ اپنے نوکر کو چائے۔ ناشتہ کا حکم دینے ہی والے تھے کہ ہم نے عرض کیا کہ شیخ مخدوم صاحب! چلنے (رخصت) کی اجازت مرحمت فرمایئے۔ خادم کی اس گذارش پر آپ نے تعجب کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ واہ! ہمدانی صاحب! یہ کیا محبت ہوئی؟ آئے، قدم رکھا اور چل دیے؟ اسی انداز میں حضرت رضا بریلوی نے اپنے شعر میں ''قدم رکھنا'' اور ''چلنا'' فرمایا ہے۔

ہماری اس مختصر سی وضاحت سے حضرت رضا بریلوی کے شعر پر عائد اعتراض رفع اور دفع ہو گیا اور شعر کا جو مطلب اور مفہوم ہم نے بیان کیا وہ محترم و مخدوم شیخ بدر الدین صاحب کو اتنا پسند آیا کہ انہوں نے حضرت رضا علیہ الرحمہ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے راقم الحروف کو اپنی پرخلوص دعاؤں سے نوازا۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے مذکورہ شعر کے جملے ''ارے سر کا موقع ہے'' کی تشریح میں ہم نے جو مفہوم بیان کیا کہ مدینہ میں مر جاؤ، اس پر بہت سی احادیث وارد ہیں کہ حضور اقدس، رحمت عالم ﷺ نے مدینہ منورہ میں انتقال کرنے اور مدینہ منورہ میں مدفون ہونے کے فضائل بیان فرمائے ہیں بلکہ ترغیب فرمائی ہے۔ ان تمام احادیث کو یہاں ذکر کرنا ممکن نہیں۔ قارئین کرام کی ضیافت طبع کی خاطر صرف ایک حدیث شریف پیش کرتے ہیں۔ ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ

''مَنِ اسْتَطَاعَ اَنْ يَّمُوْتَ بِالْمَدِيْنَةِ فَلْيَمُتْ فَمَنْ مَاتَ بِالْمَدِيْنَةِ كُنْتُ لَهٗ شَفِيْعًا وَّ شَهِيْدًا''

ترجمہ:- جو شخص مدینہ میں مرنے کی طاقت رکھتا ہے، تو اسے چاہیے کہ اسی جگہ مرے۔ وہ میری شفاعت اور شہادت با سعادت سے مشرف ہوگا۔'' (حوالہ:- ''جذب القلوب الی دیار المحبوب'' از:- شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی، ص ۲۲)

اس حدیث کی ترجمانی کرتے ہوئے عاشق رسول حضرت رضا بریلوی ایک شعر میں فرماتے ہیں کہ:-

- طیبہ میں مر کے ٹھنڈے چلے جاؤ آنکھیں بند　　سیدھی سڑک یہ شہر شفاعت نگر کی ہے
- امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین، سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اکثر یہ دعا کرتے تھے کہ

''اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِی شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِکَ وَ اجْعَلْ مَوْتِیْ فِیْ بَلَدِ رَسُوْلِکَ۔''

ترجمہ:- ''اے اللہ! مجھے تیری راہ میں شہادت نصیب کر اور میری موت تیرے رسول کے شہر میں کر!''

(حوالہ:- جذب القوب، از شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی)

جدہ شریف میں حضرت رضا کے دیگر چند اشعار پر بھی اعتراض قائم کیے گئے تھے۔ ان اشعار میں ''وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں ÷ تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں'' اور ''یاد گیسوذکر حق ہے آہ کر ÷ دل میں پیدا لام ہو ہی جائے گا'' خصوصی طور پر تھے لیکن بحمد اللہ تعالیٰ تمام اعتراضات کا تسلی بخش جواب دیا گیا۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے صرف مذہبی شاعری تک محدود رہ کر ہی شعر گوئی میں اپنا ایسا کمال دکھایا ہے کہ آپ تمام سخنوروں کے امام کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حضرت رضا کو زبان و بیان پر وہ عبور اور ملکہ حاصل تھا، کہ آپ زبان کی لغت میں مہارت رکھنے کے ساتھ ساتھ مقامی اصطلاحات، محاورات کا بھی ستھرا اور سنجیدہ شعور رکھتے تھے۔ اردو زبان میں آپ دہلی یا لکھنؤ کے پابند نہ تھے بلکہ شعر کے عنوان کے ساتھ موازنت اور موافقت میں جو محاورہ اور مثال زیادہ صحیح اور فصیح ہوتا تھا، اسے اختیار فرماتے تھے۔ اور اسی وجہ سے حضرت رضا کے کلام کا ایک نرالا اور انوکھا رنگ ڈھنگ ہے۔ ان کی اردو میں کہیں خالص لکھنؤ کی ٹکسالی بیگماتی زبان کا رنگ نظر آتا ہے، تو کہیں خالص دہلی کی اردو کی سنجیدگی محسوس ہوتی ہے۔ حضرت رضا بریلوی کے کلام میں حقیقت اور اصلیت کی سادگی کے ساتھ ساتھ تخیل کی بلندی اور باریکی بھی پائی جاتی ہے۔ کلام کی متانت و تہذیب کی استواری کو برقرار رکھتے ہوئے آپ نے ہمیشہ شستہ، شفاف اور شگفتہ الفاظ میں اشعار نظم فرمائے ہیں۔

۲۱۵ر علوم وفنون میں حضرت رضا کی مہارت اور کلام رضا میں ان کا استعمال

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان حدیث شریف کے ارشاد کے بموجب مجدد بن کر دنیا میں تشریف لائے تھے۔ مجدد ہر سو سال کے بعد دنیا میں تشریف لاتے ہیں اور وہ اپنی علمی صلاحیتوں اور عملی کوششوں سے تجدید و احیائے دین کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ حضرت رضا بریلوی کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل علوم کثیرہ عطا فرمائے تھے۔ حضرت رضا بریلوی ''علم لدنی'' کی زندہ مثال تھے کیونکہ آپ نے اپنی زندگی میں ایک ہزار سے بھی زائد کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ ان کتب میں آپ نے متعدد علوم وفنون پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے۔ الحمد للہ! راقم الحروف کے پاس

حضرت رضا بریلوی کی تصانیف کثیر تعداد میں ہیں۔ راقم الحروف کے پاس حضرت رضا کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تصانیف کا ج
ذخیرہ ہے، وہ شاید ہی کسی کے پاس ہوگا۔ ہم نے انفرادی طور پر حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی تصانیف پر
ریسرچ کا کام تقریباً دس سال سے جاری رکھا ہے۔ حضرت رضا کے ۹۶۸ رسائل، حواشی، وغیرہ کی فہرست باعتبار فن او
عنوان مرتب کرلی ہے، جو عنقریب منظر عام پر آجائے گی۔ حضرت رضا بریلوی کی تصانیف میں جو علوم وفنون پائے جا
ہیں ان کو ہم نے شمار کیا، تو ان کی تعداد ایک سو پندرہ تک پہنچتی ہے۔ یہ کوئی مبالغہ یا غلو پر مشتمل گپ نہیں بلکہ حقائق او
صداقت پر مبنی دعویٰ ہے۔ کیونکہ ہم نے ہر علم وفن میں حضرت رضا کی کونسی تصنیف ہے؟ وہ چھانٹ کر اس تصنیف کا نام، م
سن تصنیف، وغیرہ تفصیلات کے ساتھ متعین کرلیا ہے۔ اور ان شاء اللہ وحیبہ بہت جلد کتابی شکل میں اسے شائع کریں گے۔
حضرت رضا مجدد کی حیثیت سے دین متین کی خدمت میں منہمک تھے لہٰذا علم قرآن، علم تفسیر، علم حدیث، علم اصول حدیث
علم اسماء الرجال، علم فقہ، علم اصول فقہ، علم الفرائض وغیرہ میں مہارت رکھنا لازمی تھا لیکن آپ کو دنیوی علوم وفنون اور خصوص
علوم جدیدہ مثلاً ٹاپولوجی (*Topology*) جیسے علوم میں بھی کمال حاصل تھا۔ جس کی تفصیلی گفتگو اس کتاب میں ملاحظہ خاطر
ہوگی، جو عنقریب شائع ہوگی۔ یہاں پر ہم صرف اتنا ہی عرض کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت رضا بریلوی کے نعتیہ دیوان ''حدائق
بخشش شریف'' میں وہ تمام علوم پائے جاتے ہیں۔ ہر فن کے تعلق سے حضرت رضا کے دیوان میں اشعار پائے جاتے ہیں۔
لہٰذا ہم اپنی آئندہ تصنیف میں ان ۱۱۵ رعلوم وفنون کو حسب ذیل ترتیب سے شائع کریں گے:

(۱) علم اور فن کا نام اور اس کی کیفیت۔

(۲) یہ علم یا فن کب ایجاد ہوا؟ اور اس کے موجد کا نام۔

(۳) انبیاء سابقین علیہم الصلاۃ والسلام کے عہد میں اس علم وفن کی کیا حیثیت تھی؟ اور اُن ادوار میں اس علم وفن کے ماہرین کے نام اور اس فن کا استعمال کس مقصد کے تحت تھا؟

(۴) حضور اقدس ﷺ کے دورِ ظاہری حیات میں اس علم وفن کی حیثیت، اس کے ماہرین اور استعمال کی کیفیت۔

(۵) عہد رسالت مآب ﷺ سے لے کر حضرت رضا بریلوی کے زمانے تک ہر دور میں اس علم وفن کی کیا حیثیت رہی؟ اور ہر دور کے ماہرین کے نام۔

(۶) حضرت رضا بریلوی کے دور میں اس فن وعلم کی حیثیت اور ماہرین کے نام۔

(۷) حضرت رضا بریلوی نے اس فن وعلم میں کس طرح مہارت حاصل کی؟ اور کس لئے کی؟

(۸) اس علم وفن میں حضرت رضا کی مہارت کی کیفیت اور حضرت رضا نے اس علم وفن کو علم شریعت کے تابع بنا کر خدمتِ دین کی غرض سے کس طرح استعمال فرمایا؟

(۹) اس علم وفن میں حضرت رضا کی تصنیف اور اس کا نام۔

(۱۰) اس علم وفن میں حضرت رضا کا شعر اور اس شعر کی تشریح۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے نعتیہ دیوان میں ان علوم وفنون کے تعلق سے جو اشعار ہیں، وہ تمام اشعار خصوصی طور پر اپنے آقا ومولیٰ، مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کی مدح وثنا میں اور دیگر نفوس قدسیہ کی تعریف وتوصیف میں ہیں۔ یہاں اتنی گنجائش نہیں کہ اختصار کے ساتھ بھی ان اشعار پر گفتگو کی جائے۔ پھر بھی ناظرین کرام کی ضیافت طبع کی خاطر رواں رواں چند مثالیں پیش خدمت ہیں:-

- **علم نجوم کی اصطلاح میں:-(Astronomy)**

(۱) بارہویں کے چاند کا مجرا ہے سجدہ نور کا — بارہ برجوں سے جھکا اک اک ستارہ نور کا

یہ شعر حضور اقدس ﷺ کی تعریف وتوصیف میں علم نجوم کی اصطلاح میں ہے۔ اس شعر میں بارہ برجوں کا ذکر ہے۔

برج(Zodiac signs)بارہ ہیں:

(۱)	اسد	***Leo***	(۲)	ثور	***Tauras***
(۳)	جدی	***Capricorn***	(۴)	جوزہ	***Gemini***
(۵)	حمل	***Aries***	(۶)	حوت	***Pisces***
(۷)	دلو	***Aquarius***	(۸)	سرطان	***Cancer***
(۹)	سنبلہ	***Virgo***	(۱۰)	شرف	***Sagittarius***
(۱۱)	عقرب	***Scorpio***	(۱۲)	میزان	***Libra***

(۲) سعدین کا قران ہے پہلوئے ماہ میں — جھرمٹ کئے ہیں تارے تجلی قمر کی ہے

- سعدین = دو مبارک ستارے زہرہ اور مشتری۔ (فیروز اللغات، ص۸۰۰) ***Jupiter and venus.***
- قران = دو ستاروں کا ایک برج میں جمع ہونا۔ (فیروز اللغات، ص۹۵۳)

- **علم ہیئت پر مبنی اشعار-(Astrophysics)**

(۱) مہر میزاں میں چھپا ہو تو حمل میں چمکے — ڈالے اک بوند شب دے میں جو باران عرب

- مہر = آفتاب۔ (فیروز اللغات، ص۱۳۲۲)
- میزان = آسمان کا ساتواں برج۔ (فیروز اللغات، ص۱۳۳۰)
- حمل = آسمان کا پہلا برج۔ (فیروز اللغات، ص۵۷۶)

(۲) ہیں عکسِ چہرہ سے لب گلگوں میں سرخیاں — ڈوبا ہے بدرِ گل سے شفق میں ہلال گل

- **علم نباتات پر مبنی اشعار:-(Botany)**

(1) یہ سمن یہ سوسن و یاسمن یہ بنفشہ سنبل و نسترن — گل و سرو و لالہ بھرا چمن وہی ایک جلوہ ہزار ہے

(۲) شاخِ قامتِ شہ میں زلف وچشم ورخسار ولب ہیں سنبل، نرگس، گل، پنکھڑیاں قدرت کی کیا پھولی شاخ

● علمِ ہندسہ پرمبنی اشعار:-(Geometry)

(۱) محیط و مرکز میں فرق مشکل رہے نہ فاصل خطوطِ واصل
کمانیں حیرت میں سر جھکائے عجیب چکّر میں دائرے تھے

(۲) کیا لکیروں میں یداللہ خط سرو آسا لکھا راہ یوں اس راز لکھنے کی نکالی ہاتھ میں

● علمِ موسیقی پرمبنی اشعار:-(Music)

(۱) حورِ جناں ستم کیا طیبہ نظر میں پھر گیا چھیڑ کے پردۂ حجاز دیس کی چیز گائی کیوں

(۲) ارے بد فال بُری ہوتی ہے دیس کا جنگلا سنانے والے

● علمِ ارضیات ومعدنیات پرمبنی اشعار:-(Geology & Mineralogy)

(۱) نبوی خور، علوی کوہ، بتولی معدن حسنی لعل، حسینی ہے تجلّا تیرا

(۲) کوہ سرمکھ ہو تو اِک وار میں دو پر کالے ہاتھ پڑتا ہی نہیں، بھول کے اوچھا تیرا

● علمِ موسمیاتی پرمبنی اشعار:-(Meteorology)

(۱) درودیں صورتِ ہالہ محیط ماہِ طیبہ ہیں برستا امّتِ عاصی پہ اب رحمت کا پانی ہے

(۲) اشک برساؤں چلے کوچۂ جاناں سے نسیم یا خُدا جلد کہیں نکلے بخارِ دامن

● علمِ اکسیر پرمبنی اشعار:-(Alchemy)

(۱) سونے کو تپائیں جب کچھ مَیل ہو یا کچھ مَیل کیا کام جہنم کے دھرے کو کھرے دل سے

(۲) خاک ہو کر عشق میں آرام سے سونا ملا جان کی اکسیر ہے اُلفت رسول اللہ کی

● علمِ منطق پرمبنی اشعار:-(Logic)

(۱) تم سے خدا کا ظہور اُس سے تمہارا ظہور ''لِم'' ہے وہ، یہ ''اِن'' ہوا تم پہ کروڑوں درود

(۲) سببِ ہر سبب منتہائے طلب علّتِ جملہ علّت پہ لاکھوں سلام

● علمِ نفسیات پرمبنی اشعار:-(Psychology)

(۱) یہ مرحمتیں کہ کچی متیں نہ چھوڑیں لتیں نہ اپنی گتیں قصور کریں اور ان سے بھریں قصورِ جناں تمہارے لئے

(۲) سرکار ہم گنواروں میں طرزِ ادب کہاں ہم کو تو بس تمیز یہی بھیک بھر کی ہے

قارئینِ کرام اپنے عفو اور معافی سے ہمیں نوازیں کہ طوالتِ تحریر کے خوف سے ہم نے مذکورہ متفرق علوم کی مثال میں پیش شدہ اشعار کی کوئی تشریح نہیں کی۔ ورنہ مطالعہ کا لطف مزید بڑھ جاتا۔ ہم خود بھی اپنی اس کوتاہی پر ملول اور خجل ہیں اور قارئینِ کرام سے معذرت خواہ ہیں۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کو جن علوم وفنون میں مہارت تامّہ حاصل تھی ان میں سے چند علوم وفنون کے نام اور کیفیت ذیل میں پیشِ خدمت ہیں:۔

نمبر	اسمائے علوم وفنون	کیفیت	انگریزی
۱	علم موسمیات	موسموں کی معلومات کا علم	Meteorology
۲	علم حشریات	کیڑے مکوڑوں کا علم	Entomology
۳	علم المعیشت	اقتصادیات ومعاشیات کا علم	Economics
۴	علم حرکت	حرکت اور سرعت کی بحث کا فن	Dynamics
۵	علم حیوانات	حیوانات کے حالات کا علم	Zoology
۶	علم طبیعات	چیزوں کی خاصیت کا علم	Temprament Physics
۷	علم کیمیا	چیزوں کے اجزاء وبناوٹ کا علم	Chemistry
۸	علم نباتات	نباتات، پھول وغیرہ کی معلومات	Botany
۹	علم ہندسہ	لکیروں، خطوط اور زاویوں کا علم	Geometry
۱۰	علم نجوم وزیجات	ستاروں کا علم	Astronomy
۱۱	علم الحقیقت	حقائق اشیاء کی بحث کا علم۔ تصوّف	Theology
۱۲	علم نفسیات	انسان کے تحت الشعور ولاشعور کی شرح کا علم	Psychology
۱۳	علم جنسیات	مرد۔ عورت کے جسمانی تعلق کی تحقیق	Temperament
۱۴	علم وبائیات	وباؤں کی تحقیق اور روک تھام کا علم	Epidemiology
۱۵	علم صوتیات	وہ علم وفن جو آواز سے تعلق رکھے	Phonetics
۱۶	علم جغرافیہ	زمین کی طبعی تقسیم کا علم	Geography
۱۷	علم شماریات	اعداد وشمار کی باضابطہ فراہمی کا علم	Statistics
۱۸	علم معاشرت	مل جل کر جماعتی زندگی بسر کرنے کی تحقیق	Sociology
۱۹	علم منطق	دلائل کا علم	Logic
۲۰	علم اکسیر	کیمیا۔ تانبے کو سونا بنانا وغیرہ کا علم	Alchemy
۲۱	علم فلسفہ	حکمت، دانائی اور موجودات کا علم	Philosophy

۲۲	علم لوگارثم	حساب کے پھیلاؤ کو مختصر کرنے کا علم	*Logaritham*
۲۳	علم الانساب	نسل، نسب اور خاندانی شجرے کا علم	*Ancestrology*
۲۴	علم سلوک	قربِ الٰہی اور تلاشِ حق کا علم	*Mysticism*
۲۵	علم زائچہ وزائرچہ	بچے کے پیدائش پر جنم کنڈلی کا علم	*Horoscopology*
۲۶	علم ہیئت	اجرام فلکی، زمین کی گردش وکشش کا علم	*Astrophysics*
۲۷	علم اخلاقیات	اخلاق کی تعلیم وتربیت کا علم	*Ethics*
۲۸	علم الفرائض	میراث کی تقسیم اور ورثاء کے حقوق کا علم	*Law of Inheritance*
۲۹	علم قراءت وتجوید	حروف کی صحیح ادائیگی اور مخارج کا علم	*Recitation*
۳۰	علم توقیت	طلوع، غروب، ودیگر اوقات کا علم	*Ephemeris*
۳۱	علم الاعداد	عدد، حساب، شمار وغیرہ کا علم	*Numerology*
۳۲	علم بین الاقوامی امور	عالمی پیمانے پر ملکی امور وسیاست کا علم	*affairsInternational*
۳۳	علم جفر	ایک علم جس سے غیب کا حال معلوم ہو	*Foretelling astrology*
۳۴	علم رمل	ہندسوں اور خطوط سے غیب کا حال بتانا	*Augury*
۳۵	علم ریاضی	وجود خارجی میں مادہ کا محتاج عقلی کا علم	*Abstract of science*
۳۶	علم طب وحکمت	امراض اور اس کے علاج کا علم	*Medical science*
۳۷	علم ادویات	دوائیوں کا علم	*Pharmacy*
۳۸	علم تکسیر	حساب کے حاصل اور کسر کا علم	*Arithmetic*
۳۹	علم جبر ومقابلہ	علامات وحروف سے عمل کا علم (شاخِ ریاضی)	*Equation & Algebra*
۴۰	علم مربعات	مربع خانے، تعویذ کے خانے بھرنے کا علم	*Squarology*
۴۱	علم ارضیات	زمین کے طبقوں کا علم	*Geology*
۴۲	علم معدنیات	زمین سے برآمد ہونے والی اشیاء کا علم	*Minerology*
۴۳	علم سیر وتواریخ	تاریخ اور ماضی کے واقعات کا علم	*Viru & History*
۴۴	علم استنباط واستخراج	قرآن وحدیث سے مسائل نکالنے کا علم	*Research & Analysis*
۴۵	علم حاشیہ نگاری	کتاب کے متن پر شرح وتفسیر لکھنے کا علم	*Marginal Explanation*
۴۶	علم لغات	الفاظ کے معنیٰ اور اصل کا علم	*Vocabulary*
۴۷	علم عروض	شعر گوئی اور شعر کے اوزان وقواعد کا علم	*Versificationof Art*

۴۸	علم خطِ نسخ	عربی تحریر کی ایک قسم	Arabic Chirography
۴۹	علم بدیع	کلام کی لفظی و معنوی خوبیوں کا علم	Curiosity
۵۰	علم ردّات	پھیرنے اور رد کرنے کا علم	Art of Refutation

مندرجہ بالا فہرست میں صرف پچاس علوم وفنون کا ہی ذکر کیا ہے۔ حالانکہ حضرت رضا بریلوی کی تصانیف کثیرہ سے کل ۲۱۵ علوم وفنون ثابت ہوتے ہیں۔ جس کا تفصیلی تذکرہ ہم اپنی آئندہ تصنیف میں کریں گے۔ ایک اہم بات قارئین کرام کے گوش گزار کر دیں کہ مذکورہ ایک دوسو پندرہ (۲۱۵) علوم وفنون کی حضرت رضا کو صرف معلومات ہی نہ تھی بلکہ مہارت تامہ (Mastery) حاصل تھی۔ ان علوم وفنون میں حضرت رضا بریلوی کے ہمعصر ماہرین کو جب حضرت رضا بریلوی سے ان علوم فنون کے تعلق سے سابقہ پڑا تو انہوں نے دانتوں تلے انگلیاں دبالیں اور حضرت رضا کے تبحر علم کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے آپ کو حضرت رضا کے مقابل طفلِ مکتب محسوس کیا۔ علی گڑھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر سر ضیاء الدین، امریکی منجم البرٹ پورٹا، مشہور سائنسداں آئن سٹائن وغیرہ کے واقعات ہمارے اس دعوے کی شہادت دیتے ہیں۔

اتنی عرضِ آخری سن لو ذرا......

یہاں تک کے مطالعہ سے قارئین کرام پر روشن ہو گیا ہوگا کہ حضرت رضا بریلوی جیسی نادرزمن شخصیت صدیوں کے بعد ہی پیدا ہوتی ہے۔ حضرت رضا نے جس جس علم وفن کی طرف توجہ فرمائی، اس فن کے ماہرین پر فوقیت وسبقت لے گئے۔ فن شاعری میں حضرت رضا کی قادر الکلامی میں کوئی کلام نہیں بلکہ اظہر من الشمس ہے کہ اردو ادب کے شعراء کے شہنشاہ ہونے کے ناطے امام الکلام کا تاج آپ کے سر پر ہی زیب دیتا ہے۔ فنِّ عروض کی میزان میں ایک پلّے میں حضرت رضا بریلوی کے کلام کو رکھا جائے اور دوسرے پلّے میں تمام شعرائے اردو ادب کے کلام کو رکھا جائے تو بلاشبہ حضرت رضا کے کلام کا پلہ بھاری رہے گا۔ حضرت رضا کے کلام میں فن وادب کے اعتبار سے جو محاسن پائے جاتے ہیں، وہ کسی ایک شاعر کے کلام میں نہیں پائے جاتے۔ لیکن صد افسوس! باوجود بے شمار فنی محاسنِ فنّ شاعری کے حامل ہونے کے باوجود اردو ادب کی تاریخ میں جہاں دیگر شاعروں کو خراجِ تحسین دینے میں غلو اور مبالغہ کرنے میں پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا جاتا، وہاں حضرت رضا جیسے باکمال سخنور کہ جن کو فن شاعری میں اپنے وقت کا امام کہنا، درحقیقت فنّ وادب کی آبرو کو چار چاند لگانا ہے، ایسے باکمال شاعر کے ساتھ غیر منصفانہ رویہ اپنایا گیا ہے۔ جیسا کہ اوراقِ سابقہ میں ہم نے عرض کیا ہے کہ حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کی گئی ناانصافی کے پس پردہ مسلکی اختلاف کا تعصب ہی کارفرما ہے۔ اس حقیقت کو حضرت رضا جانتے تھے اور آپ نے اس حقیقت کا برملا انکشاف کرتے ہوئے اپنے ایک شعر میں یہاں تک فرمایا ہے کہ:-

سنّیت سے کھٹکے سب کی آنکھ میں　　پھول ہو کر بن گئے کیا خار ہم

لیکن حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے عقائد کی بنا پر کی جانے والی ایسی ناحق مخالفت کی قطعاً پرواہ نہیں کی

اور ایسی مخالفت ولعن۔طعن سے ذرہ برابر بھی ملول وبددل نہیں ہوئے بلکہ اس کو بھی اپنے آقا ومولیٰ ﷺ کے سچے عشق کے جذبے کے تحت خندہ پیشانی سے جھیلتے ہوئے، اپنے آقا کی بارگاہ میں یوں عرض کرتے ہیں کہ:۔

مجھ کو رسوا بھی اگر کوئی کہے گا تو یوں ہی　　　کہ وہی نا، وہ رضا بندۂ رسوا تیرا

حضرت رضا بریلوی متعصب اور مخالف گروہ کی بے اعتدالیوں سے بالکل بے اعتنائی کا مظاہر کرتے ہوئے یہاں تک فرماتے ہیں کہ:۔

خاک ہو جائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضا　　　دم میں جب تک دم ہے ذکر اُن کا سناتے جائیں گے

حضرت رضا بریلوی کو فنِ شاعری میں جو عبور حاصل تھا اور آپ فن کی جس بلندی پر پرواز کناں تھے۔ وہاں پہنچ کر بہت سے حضرت انسان کو بتقاضائے بشری تکبر اور خودستائی کی بانگ پکارنے کی گدگدی ہوتی ہے لیکن حضرت رضا بریلوی نے خودآرائی کے عیب سے اپنے دامن کو داغدار نہیں ہونے دیا بلکہ تواضع اور انکساری اختیار فرماتے ہوئے اپنے عجز ونقائص کا اقرار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

• کس منھ سے کہوں رشکِ عنادل ہوں میں　　　شاعر ہوں، فصیح بے مماثل ہوں میں
حقا کوئی صنعت نہیں آتی مجھ کو　　　ہاں یہ ہے کہ نقصان میں کامل ہوں میں

اردو ادب کے بہت سے شاعروں نے اپنے ہی منھ سے تعریف کے پُل باندھے ہیں اور فنِ شاعری میں اپنے کمال کے گن گانے کے غلو میں کمال کر دیا ہے لیکن حضرت رضا بریلوی نے تواضع اور انکساری اپناتے ہوئے اپنے کمال کا نہیں بلکہ اپنی ''بے کمالی'' کا اظہار فرمایا ہے:۔

محصور جہاندانی و عالی میں ہے　　　کیا شبہ رضا کی بے مثالی میں ہے
ہر شخص کو اِک وصف میں ہوتا ہے کمال　　　بندے کو کمال بے کمالی میں ہے

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں شاعر ہوں یا اپنی شاعری کو کھانے کمانے کا پیشہ بنایا۔آپ نے اپنی شاعری، شاعری برائے پیشہ یا برائے پیسا نہیں کی بلکہ شاعری برائے عبادت کی۔اور ایمان کی جان عظمت ومحبت رسول کا عالمگیر پیغام عام فرمایا لیکن آپ نے اپنے آقا ومولیٰ ﷺ کی مدح وثنا میں عشق کی دیوانگی پر پاسِ شریعت کے ہوش کی فرزانگی کی لگام دی۔اور اس امر کا پورا لحاظ فرمایا کہ حضور کی تعریف کرنے میں حضور ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی نہ ہو۔

پیشہ مرا شاعری نہ دعویٰ مجھ کو　　　ہاں شرع کا البتہ ہے جنبہ مجھ کو
مولیٰ کی ثنا میں حکمِ مولیٰ کا خلاف　　　لوزینہ میں سیر تو نہ بھایا مجھ کو

● جنبہ = حمایت، طرفداری وغیرہ۔ (فیروز اللغات، ص ۴۷۳)
● لوزینہ = بادام کا حلوا، ایک قسم کی مٹھائی جس میں بادام ڈالتے ہیں۔ (فیروز اللغات، ص ۱۱۶۹)

- سیر=لہسن(Garlic)(فیروز اللغات،ص۸۲۷)

مذکورہ رُباعی کے آخری مصرعہ میں ایک مثال دیتے ہوئے حضرت رضاؔ فرماتے ہیں کہ جس طرح بادام کے حلوے میں لہسن ڈالنا طبّاخی یعنی کھانے پکانے کے امور کے خلاف ہے اور بادام کی مٹھائی میں لہسن کی آمیزش کسی کو نہیں بھاتی، یونہی حضور اقدس ﷺ کی مدح وثنا کرنے میں کوئی ایسی بات کہنی جو حضور کے حکم کے خلاف ہو، تو یہ امر بھی شریعت میں ناروا ہے۔لہٰذا میں یہ تو نہیں کہتا کہ میں شاعر ہوں، البتہ شریعت کے احکام کی میں ضرور حمایت ولحاظ کرتا ہوں۔

نعتِ رسول اکرم ﷺ لکھنے میں احکامِ شریعت جو قرآنِ شریف سے واضح ہیں، اُن کا لحاظ کرنا ازبس ضروری ہے۔ حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں:-

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ — بیجا سے ہے المنۃ للہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی — یعنی رہے احکامِ شریعت ملحوظ

- محظوظ=مسرور، بہرہ مند، خوش وخرم، شاد، مگن وغیرہ۔(فیروز اللغات،ص۱۲۱۳)
- بیجا=ایک ڈراؤنی شکل کا کاغذی چہرہ جسے بچے منہ پر رکھ کر ڈراتے ہیں۔(فیروز اللغات،ص۲۵۳)
- المنۃ للہ=خدا کا شکر کرنا۔(فیروز اللغات،ص۱۱۹)
- محفوظ=حفاظت کیا گیا، صحیح سلامت۔(فیروز اللغات،ص۱۲۱۳)
- ملحوظ=لحاظ کیا گیا، خیال کیا گیا۔(فیروز اللغات،ص۱۲۸۳)

یعنی میں اپنے کلام سے مسرور ہوں کیونکہ اس راہ میں جو ڈراؤنی صورت پیش آتی ہے اس سے اللہ کا شکر ہے کہ میں حفاظت کیا گیا ہوں۔قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی ہے لہٰذا مجھ پر لازم ہے کہ میں شریعت کے احکام کا پورا خیال کروں۔

نعت گوئی کی راہ میں حضرت رضاؔ بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کو جب بھی رہبر کی ضرورت محسوس ہوئی، تب آپ نے دنیادار شاعروں اور ادیبوں کی طرف رجوع نہ کیا بلکہ بارگاہِ رسالت مآب ﷺ کے نعت گو شاعر عاشقِ رسول حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا نقشِ قدم اختیار کیا۔حضرت رضا فرماتے ہیں:-

توشہ میں غم واشک کا ساماں بس ہے — افغانِ دل زار حُدی خواں بس ہے
رہبر کی رہِ نعت میں گر حاجت ہو — نقشِ قدمِ حضرتِ حسّاں بس ہے

- توشہ=زادِ راہ، وہ کھانا جو مسافر ساتھ لے جائے، وغیرہ۔(فیروز اللغات،ص۳۹۰)
- افغان=فریاد، فُغان، وغیرہ۔(فیروز اللغات،ص۱۰۴)
- زار=نالہ، فریاد، غمگین۔(فیروز اللغات،ص۷۳۷)
- حُدی=عرب شُتربانوں کا نغمہ۔(فیروز اللغات،ص۵۶۴)
- شُتربان=اونٹ ہانکنے والا۔(فیروز اللغات،ص۸۳۷)

مذکورہ رُباعی میں حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں سفر کے توشہ میں غم اور آنسوؤں کا سامان کافی ہے اور غمگین دل کی فریادو نالہ کے لیے عرب کے شُتر بانوں کا نغمہ کافی ہے۔ نعت کی راہ میں اگر رہبر کی حاجت ہو تو حضرت حسّان بن ثابت کا نقشِ قدم اختیار کرنا کافی ہے۔

دل تو یہ چاہتا ہے کہ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی مذکورہ رباعی کی تشریح لکھیں لیکن مضمون کی طوالت مانع ہونے کی وجہ صرف اہم نکات کی طرف اشارہ کر کے سبکدوش ہوتے ہیں۔ رباعی کی ابتداء میں لفظ ''توشہ'' کا استعمال کیا گیا۔ جب آدمی سفر کرتا ہے تو کھانے اور پینے کا سامان ساتھ لے کر چلتا ہے۔ صرف کھانے کا یا صرف پینے کا سامان نہیں لیتا بلکہ کھانے اور پینے دونوں کا سامان ساتھ لے کر چلتا ہے۔ اسی کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے حضرت رضا نے ''غم'' اور ''اشک'' کا ذکر فرمایا ہے یعنی کھانے کے لئے غم اور پینے کے لئے اشک یعنی آنسو۔ حالانکہ روزمرہ کی اصطلاح میں ''غم کھانا'' اور ''آنسو پینا'' کے محاورے رائج ہیں۔

- غم کھانا = صدمہ اٹھانا، رنج سہنا، دُکھ بھوگنا۔ (فیروز اللغات، ص ۹۱۷)
- آنسو پینا = ضبط کرنا، صبر کرنا، دکھ درد کے وقت خاموش رہنا۔ (فیروز اللغات، ص ۳۴)

یعنی عشق کی منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے جو سفر درکار ہے اس سفر میں ایک عاشق صادق کے لئے لازمی ہے کہ زادِ سفر کے لئے ''غم عشقِ رسول'' اور ''اشک درفراق نبی'' کا سامان ساتھ لے کر چلے۔ مصرعہ ثانی میں فرمایا ہے کہ غمگین دل کی فریادو نالہ کے لئے عرب کے شُتر بانوں کا نغمہ کافی ہے۔ ملک عرب میں اکثر و بیشتر اونٹ پر ہی سفر کیا جاتا تھا کیونکہ وہاں کی زمین ریتیلی (Sandy) ہونے کی وجہ سے صرف اونٹ کی سواری موزوں ہوتی۔ اونٹ کے سارَبان یعنی ہانکنے والے اکثر سفر میں رہتے تھے۔ آج اس مسافر کے ساتھ تو کل دوسرے مسافر کے ساتھ سفر کرنا پڑتا تھا۔ وہ اپنے اہل وعیال سے جُدا ہو کر ملک عرب کی ریتیلی زمینوں میں سفر میں رہتے تھے کیونکہ یہی اُن کا پیشہ تھا۔ رات کے وقت جب قافلہ کہیں پڑاؤ کرتا اور ٹھہرتا تب اونٹ کے ساربان جمع ہو کر حلقہ بنا کر بیٹھتے اور اپنے اہل وعیال کو یاد کر کے ان کے فراق و ہجر میں نہایت پُر درد لہجے میں نغمے گاتے تھے۔ اونٹ کے ساربانوں کے درد بھرے نغمات اتنے رقّت آمیز ہوتے تھے کہ سننے والے پر بھی رنج و غم کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی اور ان کے بھی آنسو ٹپک پڑتے تھے۔ اُن شتر بانوں کے پُر درد نغموں کو ملک عرب میں غم کے نغموں کی حیثیت سے بہت ہی شُہرت حاصل ہوئی تھی اور ان نغمات کو ''حُدی'' یعنی Elegy کہا جاتا ہے۔ تیسرے اور چوتھے مصرعے میں فرماتے ہیں کہ نعت کی راہ میں اگر رہبر کی حاجت ہے تو حضرت حسّان کا نقشِ قدم اختیار کرنا کافی ہے۔ یہاں اتنی گنجائش نہیں کہ اس رباعی شریف پر تفصیلی گفتگو کریں۔ مختصر یہ کہ اس رباعی میں حضرت رضا نے سفر سے تعلق رکھنے والے تمام اُمور مثلاً توشہ، سامان، سواری، ساربان، فراق، نغمہ، رہبر، راہ، نقشِ قدم وغیرہ کا بالترتیب ذکر ایسے حسین انداز میں فرمایا ہے کہ شعر کا ربط و تسلسل قائم رہتے ہوئے شعر میں الفاظ کی نُدرت، بیان کی شائستگی، زبان کی شیرینی، جذبات کی شدت، عشق کی صداقت، سخن کی سلاست، محبت کی وارفتگی وغیرہ کئی محاسن مجتمع نظر آتے ہیں۔

مذکورہ رُباعی کے آخری دو امصار میں حضرت رضا بریلوی نے حضرت حسّان بن ثابت کا نقشِ قدم اختیار کرنے کا فرما رہے ہیں۔ حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا نقشِ قدم اختیار کرنے سے مراد یہ ہے کہ جس طرح حضرت حسّان نے ہر موقعہ پر اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثنا اور آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کے گستاخوں کی تذلیل اور ہجو کرنے میں کسی قسم کی کمی، کسر، کوتاہی، کاہلی، تاخیر، یا تامّل نہیں کیا۔ اِسی طرح حضرت رضا بریلوی نے بھی اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف اور آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کے گستاخوں کی تردید اور تذلیل کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔ حضرت رضا کا نعتیہ دیوان اس کی کھلی شہادت ہے۔ مثلاً

اپنے آقا و مولیٰ، رحمتِ عالم، جانِ ایمان صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے بے پناہ عشق کا اظہار اور پیارے آقا کی مدح و ثنا کرتے ہوئے حضرت رضا رقمطراز ہیں کہ:-

- اللہ کی سر تا بقدم شان ہیں یہ — اِن سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
  قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں — ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ
- فرش والے تیری شوکت کا عُلو کیا جانیں — خُسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا
- وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا، وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو — جان ہیں وہ جہان کی، جان ہے تو جہان ہے
- کون دیتا ہے دینے کو منھ چاہیئے — دینے والا ہے سچّا ہمارا نبی
- وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا — کہ کلامِ مجید نے کھائی شہا، ترے شہر و کلام و بقا کی قسم
- ہشت خُلد آئیں وہاں کسب لطافت کو رضا — چار دن برسے جہاں ابرِ بہارانِ عرب
- خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم — خدا چاہتا ہے رضائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم
- میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا — دریا بہا دیئے ہیں دُر بے بہا دیئے ہیں
- مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے ہیں — دو جہاں کی نعمتیں ہیں اُن کے خالی ہاتھ میں
- وہی نورِ حق وہی ظلِّ رب، ہے انہیں سے سب ہے انہیں کا سب
  نہیں ان کی ملک میں آسماں، کہ زمیں نہیں کہ زماں نہیں
- اپنے مولیٰ کی ہے بس شان عظیم جانور بھی کریں جن کی تعظیم
  سنگ کرتے ہیں ادب سے تسلیم، پیڑ سجدے میں گِرا کرتے ہیں
- حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو — کعبہ تو دیکھ چکے کعبہ کا کعبہ دیکھو
- اے رضا خود صاحبِ قرآں ہے مداحِ حضور — تجھ سے کب ممکن ہے پھر مدحت رسول اللہ کی
- تو زندہ ہے واللہ، تو زندہ ہے واللہ — مرے چشمِ عالم سے چُھپ جانے والے
- لیکن رضا نے ختمِ سخن اس پہ کر دیا — خالق کا بندہ، خلق کا آقا کہوں تجھے

- ترا قدِ مبارک گلبنِ رحمت کی ڈالی ہے — اُسے بو کر ترے رب نے بنا رحمت کی ڈالی ہے
- شفاعت کرے حشر میں جو رضا کی — سوا تیرے کس کو یہ عزّت ملی ہے
- وہی ہے اوّل، وہی ہے آخر، وہی ہے باطن، وہی ہے ظاہر
  اُسی کے جلوے اُسی سے ملنے اُسی سے اُس کی طرف گئے تھے
- تیری نسلِ پاک میں ہے بچّہ بچّہ نور کا — تو ہے عینِ نور تیرا سب گھرانا نور کا
- ملکِ خاص کبریا ہو — مالکِ ہر ما سوا ہو
- اصالتِ کل، امامتِ کل، سیادتِ کل، امارتِ کل — حکومتِ کل، ولایت کل خدا کے یہاں تمہارے لئے
- وہ نہ تھا تو باغ میں کچھ نہ تھا، وہ نہ ہو تو باغ ہو سب فنا
  وہ ہے جان، جان سے ہے بقا، وہی بُن ہے، بن سے ہی بار ہے
- کل سے بالا، رُسل سے اعلیٰ — اجلال و جلالِ مصطفائی
- میرے آقا کا وہ در ہے جس پر — ماتھے گِھس جاتے ہیں سرداروں کے
- وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا — ہمیں بھیک مانگنے کو، ترا آستاں بتایا
  تجھے حمد ہے خدایا
- صاحبِ رجعتِ شمس وشق القمر — نائبِ دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے کلام سے چند اشعار بطور مثال پیش کئے ہیں حالانکہ حضرت رضا کا نعتیہ دیوان ''حدائق بخشش شریف'' اوّل تا آخر عشق رسول کے گوہرِ شاداب سے لبریز ہے۔ حضرت رضا کے کلام میں غیرتِ عشق، آدابِ عشق، سوزشِ عشق، نوائے عشق، توقیر عشق، جوش عشق، ہوش عشق، احترام عشق، لحاظ عشق، آرزوئے عشق، خلوص عشق، صداقتِ عشق اور فنائیتِ عشق کی جو گہرائی اور گیرائی پائی جاتی ہے، وہ صرف آپ کا ہی خاصہ اور کمال ہے۔ اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وثنا میں حضرت رضا بریلوی نے ایسے اچھوتے اور انوکھے اشعار نظم فرمائے ہیں کہ دور تک ان اشعار کی مثال نظر نہیں آتی۔ حالانکہ زمانۂ ماضی کے عُشّاق شاعروں نے اپنے عشق کی رعنائی کو بہترین انداز میں نظم بند فرمایا ہے۔ مثال کے طور پر لسان العرب علامہ امام بوصیری علیہ الرحمۃ والرضوان بارگاہ رسالت میں یوں عرض کرتے ہیں کہ:-

كَاَنَّمَا اللُّؤْلُؤُ الْمَكْنُوْنُ فِى صَدَفٍ — مِنْ مَّعْدَنِىْ مَنْطِقٍ مِّنْهُ وَ مُبْتَسِمٍ

یعنی یارسول اللہ! آپ کے دندان مبارک ایسے چمکدار موتی ہیں جو سیپ میں چھپے ہوئے ہیں یعنی دہن شریف میں نہاں ہیں۔ اور وہ موتی گفتگو اور تبسم کرنے کے وقت اپنی معدن سے نمایاں ہوتے ہیں۔

اس شعر میں علامہ بوصیری نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دندانِ مبارک کو ''لؤلؤ'' یعنی موتی سے تشبیہ دی ہے اور صرف دندان مبارک کی توصیف میں پورا ایک شعر نظم فرمایا ہے۔ لیکن حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ نے بارگاہِ رسالت میں اس

طرح عرض کیا ہے کہ:-

دندان ولب وزلف ورُخ شہ کے فدائی | ہیں دُرّ عدن لعل یمن مُشک خُتن پھول

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک کو ''دُرِّ عدن'' یعنی جنت کا موتی کہنے کے ساتھ ساتھ ایک ہی شعر میں دندان، لب، زلف اور رخ کی تعریف کر کے شعر کو جامعیت کا حسن بخشا ہے۔

اگر حضرت رضا بریلوی علامہ بوصیری کے ہمعصر ہوتے اور علامہ بوصیری علیہ الرحمۃ حضرت رضا کا یہ شعر ملاحظہ فرماتے تو یقیناً علامہ بوصیری حضرت رضا کو اپنے سینے سے لگا کر حضرت رضا کے اس شعر کو داد دیتے ہوئے سراہتے۔

کلکِ رضا کی برق بار جولانیاں

حضرت رضا بریلوی نے بارگاہِ رسالت کے مقبول نعت گو شاعر حضرتِ حسان بن ثابت کے نقشِ قدم پر چل کر بارگاہِ رسالت کے گستاخوں کے سینے اپنے نیزے (قلم) کی نوک سے چھلنی کرنے میں کوئی جھجک اور ڈر محسوس نہیں کیا اور بلا خوف لومۃ لائم احقاقِ حق اور ابطال باطل کا فریضہ انجام دیا۔ حضرت رضا کے کلام میں ایسے اشعار کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ چند اشعار قارئین کرام کی طبع خاطر کے لئے پیش خدمت ہیں:-

- آج لے اُن کی پناہ، آج مدد مانگ اُن سے | پھر نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا
- جو تیرے در سے یار پھرتے ہیں | در بدر یوں ہی خوار پھرتے ہیں
- کرے مصطفیٰ کی اہانتیں کھلے بندوں اس پہ یہ جراتیں
  کہ میں کیا نہیں ہوں محمدی! ارے ہاں نہیں ارے ہاں نہیں
- مومن وہ ہے جو اُن کی عزت پہ مرے دل سے | تعظیم بھی کرتا ہے نجدی تو مرے دل سے
- سورج الٹے پاؤں پلٹے چاند اشارے سے ہو چاک | اندھے نجدی دیکھ لے قدرت رسول اللہ کی
- ترا کھائیں تیرے غلاموں سے الجھیں | ہیں منکر عجب کھانے غرانے والے
- سُنّیو! اُن سے مدد مانگے جاؤ | پڑے بکتے رہیں بکنے والے
- سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے | سونے والو جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے
- دشمنِ احمد پہ شدت کیجئے | ملحدوں کی کیا مروت کیجئے
- شرک ٹھہرے جس میں تعظیم حبیب | اُس بُرے مذہب پہ لعنت کیجئے
- ذکرِ خدا جو اُن سے جُدا چاہو نجدیو! | واللہ ذکرِ حق نہیں کنجی سقر کی ہے
- حشر تک ڈالیں گے ہم پیدائش مولیٰ کی دھوم | مثلِ فارس نجد کے قلعے گراتے جائیں گے
- تُف نجدیت نہ کفر، نہ اسلام سب پہ حرف | کافر اِدھر کی ہے نہ اُدھر کی، اُدھر کی ہے

- کمانِ امکاں کے جھوٹے نقطو،تم اوّل آخر کے پھیر میں ہو — محیط کی چال سے تو پوچھو، کدھر سے آئے کدھر گئے تھے
- وہ جسے وہابیہ نے دیا ہے لقب شہید وذبیح کا — وہ شہید لیلیٰ نجد تھا، وہ ذبیح تیغ خیار ہے
- وہ حبیب پیارا تو عمر بھر کرے فیض و جود ہی سر بسر — ارے تجھ کو کھائے تپ سقر ترے دل میں کس سے بخار ہے
- نجدی مرتا ہے کہ کیوں تعظیم کی — یہ ہمارا دین تھا پھر تجھ کو کیا
- پڑی ہے اندھے کو عادت کہ شوربہ ہی سے کھائے — بٹیر ہاتھ نہ آئی تو زاغ لے کے چلے
- اُف رے منکر یہ بڑھا جوشِ تعصّب آخر — بھیڑ میں ہاتھ سے کم بخت کے ایمان گیا
- دیو کے بندوں سے ہم کو کیا غرض — ہم ہیں عبدِ مصطفیٰ پھر تجھ کو کیا
- وہ رضاؔ کے نیزہ کی مار ہے کہ عدو کے سینہ میں غار ہے — کسے چارہ جوئی کا وار ہے کہ یہ وار وار سے پار ہے

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے بارگاہِ رسالت کے گستاخوں کے سینے اپنی قلم کی ضربِ کاری سے ایسے چھلنی کئے کہ پورے گروہ نے براہین وشواہد کے میدان سے مبہوت ہوکر راہ فرار اختیار کی۔ انتقام کی آگ سے دہکتے ہوئے شقاوت سے بھرے اُن کے دل حضرت رضاؔ بریلوی کی عالمگیر شخصیت کو مجروح اور غیر معروف کردینے کے لئے ہمہ وقت مستعد تھے۔ فن شاعری اور ادب کے اعتبار سے حضرت رضاؔ کے کلام میں جو محاسن تھے اُن کو ارادۃً پسِ پردہ رکھنے کی منظّم مہم چلائی۔ حضرت رضاؔ کے کلام کو دادِ تحسین دینے کے بجائے غلط پروپیگنڈے اور افواہیں پھیلا کر حضرت رضاؔ کے کلام کو ہلکی اور گھٹیا سطح کا ٹھہرایا بلکہ حضرت رضا کو اردو ادب کے شعراء میں شمار کرنے سے بھی اعراض واحتراز کیا۔ لیکن حضرت رضا ایسے مخالف پروپیگنڈوں سے بے پرواہ تھے۔ خود فرماتے ہیں:-

- نہ مرا نوش زتحسین، نہ مرا نیش زطعن — نہ مرا گوش بمدحے، نہ مرا ہوش زمے
  منم وکنج خمولی کہ نہ گنجد در وے — جزمن وچند کتابے و دوات وقلمے

یعنی میری تعریف کی جائے یہ مجھے خوشگوار نہیں اور مجھ پر کوئی طنز اور ملامت کرے تو مجھے اُس سے کوئی ڈنک نہیں لگتا یعنی کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ میں اپنی تعریف کی نہ تو پروا کرتا ہوں اور نہ اپنی بُرائی پر کان دھرتا ہوں۔ میں ہوں اور میرا انتہائی و گمنامی کا گوشہ ہے۔ جس میں چند کتابیں، قلم ودوات اور میری اپنی ذات کے سوا کوئی نہیں۔

مذکورہ بالا قطعہ امامِ عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی مکمل سوانح حیات کی عکاّسی کرتا ہے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت رضا نے دنیوی جاہ وجلال اور سماجی اقتدار حاصل کرنے کی مُطلق پروا نہیں کی اور بقول خود:-

- اُن کا منگتا پاؤں سے ٹھکرا دے وہ دنیا کا تاج — جس کی خاطر مر گئے منعم رگڑ کر ایڑیاں

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان ہمہ وقت تجدید واحیاءِ دین کی خاطر تصنیفی خدمت میں ایسے مصروف ومنہمک رہے کہ آپ نے یہ جاننے کے لئے بھی وقت ضائع نہیں کیا کہ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے فریضے کی ادائیگی کے ثمرے میں آپ کی تعریف وتحسین کی جارہی ہے یا تذلیل وتکذیب کی جارہی ہے۔ آپ کا صرف ایک ہی مشن تھا اور وہ تھا عشقِ

رسول کا پیغام عالمی پیمانے پر عام کرنا۔ پھر چاہے وہ نثر و نظم سے ہو، چاہے تقریر و تصنیف سے ہو۔ ویران، مرجھائے ہوئے اور اُجڑے ہوئے دلوں کو عشقِ صادق کی آبشاری سے آپ نے عشقِ رسول کے شاداب اور مہکتے پھولوں سے اس طرح آباد فرمایا ہے کہ اس گلستانِ عشق پر ہمیشہ نو بہار ہی رہے گی اور خزاں کا منہ دیکھنا نہ پڑے گا۔ حضرت رضا نے قلوب مسلمین پر جو عشق کا ولولہ اور جذبہ نقش فرمایا ہے وہ کبھی مٹنے والا نہیں۔ ایک مومن کے لئے نبی کی محبت ہی جانِ ایمان و جانِ جان و جانِ جہان ہے، یہ سبق آپ نے عالم اسلام کو از بر کرایا اور پیارے آقا و مولیٰ ﷺ کے نام پر اپنا سب کچھ نچھاور کر دینے کی سچی تڑپ اور جذبہ پیدا کیا۔ ذیل میں درج حضرت رضا کے کچھ اشعار ہماری اس بات کی پرزور تائید کرتے ہیں۔ ناظرین کرام ان اشعار سے یقیناً محظوظ ہوں گے:

- تیرے قدموں میں جو ہیں غیر کا منہ کیا دیکھیں — کون نظروں پہ چڑھے دیکھ کے تلوا تیرا
- جان دے دو وعدۂ دیدار پر — نقد اپنا دام ہو ہی جائے گا
- الروح فداك فزد حرقًا یک شعلہ دگر برزن عشقا
  موراتن من دھن سب پھونک دیا یہ جان بھی پیارے جلا جانا
- دل ہے وہ دل جو تیری یاد سے معمور رہا — سر ہے وہ سر جو ترے قدموں پہ قربان گیا
- دمِ نزع جاری ہو میری زباں پر — محمد محمد خدائے محمد ﷺ
- یہی عرض ہے خالقِ ارض و سما، وہ رسول ہیں تیرے میں بندہ تیرا
  مجھے اُن کے جوار میں دے وہ جگہ کہ ہے خُلد کو جس کی صفا کی قسم
- دل کے ٹکڑے نذر حاضر لائے ہیں — اے سگانِ کوچۂ دلدار ہم
- جان ہے عشق مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا — جس کو ہو درد کا مزہ نازِ دوا اٹھائے کیوں
- بد ہیں تو آپ کے ہیں بھلے ہیں تو آپ کے — ٹکڑوں سے تو یہاں کے پلے رُخ کدھر کریں
- کروں تیرے نام پہ جانِ فدا نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
  دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں
- لب پر آجاتا ہے جب نامِ جناب، منہ میں گھل جاتا ہے شہد نایاب
  وجد میں ہو کے ہم اے جاں بیتاب اپنے لب چوم لیا کرتے ہیں
- خاک ہو جائیں درِ پاک پہ حسرت مٹ جائے — یا الٰہی نہ پھرا بے سر و ساماں ہم کو
- ایسا گما دے اُن کی ولا میں خدا ہمیں — ڈھونڈھا کرے پر اپنی خبر کو خبر نہ ہو
- دل کو ان سے خُدا جدا نہ کرے — بے کسی لوٹ لے خدا نہ کرے
- حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا — ارے سر کا موقع ہے او جانے والے

- جیتے کیا دیکھ کے ہیں اے حورو! — طیبہ سے خُلد میں آنے والے
- عاصیو! تھام لو دامن اُن کا — وہ نہیں ہاتھ جھٹکنے والے
- لو وہ آیا مِرا حامی مرا غم خوار امم — آ گئی جان تن بے جاں میں یہ آنا کیا ہے
- جلی جلی بو سے اُس کی پیدا ہے سوزشِ عشقِ چشمِ والا — کبابِ آہو میں بھی نہ پایا، مزہ جو دل کے کباب میں ہے
- نصیبِ دوستاں گر اُن کے در پر موت آنی ہے — خدا یوں ہی کرے پھر تو ہمیشہ زندگانی ہے
- اے عشق ترے صدقے جلنے سے چھُٹے سستے — جو آگ بجھا دے گی، وہ آگ لگائی ہے
- اُن کے در پر جیسے ہو مٹ جایئے — ناتوانو! کچھ تو ہمّت کیجئے
- غیظ میں جل جائیں بے دینوں کے دل — "یا رسول اللہ" کی کثرت کیجئے
- نور اللہ کیا ہے؟ محبت حبیبؐ کی — جس دل میں یہ نہ ہو وہ جگہ خوک وخر کی ہے
- زندہ رہیں تو حاضری بارگہ نصیب — مر جائیں تو حیاتِ ابد عیش گھر کی ہے
- نزع میں لوٹے گا خاکِ در پہ شیدا نور کا — مر کے اوڑھے گی عروسِ جاں دوپٹا نور کا
- دہن میں زباں تمہارے لئے، بدن میں ہے جاں تمہارے لئے
  ہم آئے یہاں تمہارے لئے، اُٹھیں بھی وہاں تمہارے لئے
- وہی آنکھ اُن کا جو منہ تکے، وہی لب کہ محو ہوں نعت کے — وہی دل جو اُن کے لئے جھکے، وہی سر جو اُن پہ نثار ہے
- بُلبلو! مالک فردوس تمہارا گل ہے — باغباں کس کا ہے، گل کس کا، گلستاں کس کا
- ان کے نام کے صدقے جس سے — جیتے ہم ہیں جلاتے یہ ہیں
- ہجرِ مولیٰ میں تڑپنے دے، قرار اچھا نہیں — کیوں ہے اے تصویرِ دامن گیر پشتِ آئینہ
- ہمارے دردِ جگر کی کوئی دوا نہ کرے — کمی ہو عشقِ نبی میں کبھی خُدا نہ کرے
- یہ دل کو بھایا گل زخمِ عشق کا لکھا — ہزار پھولے چمن قصد انتہا نہ کرے
- قبر میں آپ کو دیکھا تو رضا نے یہ کہا — دیکھئے آئے وہ مردوں کو جلانے والے
- پروانہ کوئی شمع کا، بلبل کوئی گل کا — اللہ ہے شاہد مرا جاناں ہے تو تو ہے
- جس کو اُس کے مکاں کا پتہ مل گیا — بے نشاں، بے نشاں، بے نشاں ہو گیا
- بے نشانوں کا نشاں مٹتا نہیں — مٹتے مٹتے نام ہو ہی جائے گا
- سائل ہوں ترا، مانگتا ہوں تجھ سے تجھی کو — معلوم ہے اقرار کی عادت تیری ہم کو
- بھیجتا خود ہے خدا جس کے سلامی پہ سلام — عرضِ تسلیم ہے اُس شاہ پر ایمان اپنا
- تری تعریف میں جتنا بڑھیں، سب تجھ کو شایاں ہے — فقط اک ناروا یہ ہے کہ یوں کہئے خدا تو ہے

- کیوں نہ گزرے خیر سے دن حشر کا جب خواب سے　　ان کا منھ دیکھیں گے اُٹھ کر خفتگانِ کوئے دوست
- کون ہے وہ جو نہ چاہے تم کو　　قسمت اس کی ہے جسے تم چاہو

مذکورہ اشعار میں بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ اپنی بے پناہ محبت کی پُر اضطراب کیفیت کو حضرت رضا بریلوی نے اپنے خونِ جگر سے دھوئے ہوئے پُر کیف الفاظ میں نظم فرما کر عشقِ صادق کے صحیح سوز وگداز کو حقیقت اور لطافت کے پھولوں کی مانند کھلایا ہے۔ حضرت رضا بریلوی ایسے عاشقِ جاں سوختہ تھے کہ اپنی پوری زندگی اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی مدح وثنا میں بسر کرنے کے باوجود ان کی تشنگی میں کوئی کمی نہ ہوئی بلکہ عشق کا ولولہ روز افزوں ترقی پذیر ہوتا رہا اور اب مرنے کے بعد قبر میں اور قبر سے اُٹھ کر میدانِ محشر میں بھی اپنے آقا و مولیٰ کی تعریف وتوصیف کرنے کی سعادت کے حصول کی آرزو اور تمنا کرتے ہیں:

- لحد میں عشقِ رُخِ شہ کا داغ لے کے چلے　　اندھیری رات سنی تھی چراغ لے کے چلے
- صبا وہ چلے کہ باغ پھلے، وہ پھول کھلے کہ دن ہو بھلے　　لِوا کے تلے، ثنا میں کھلے، رضا کی زباں، تمہارے لئے

حضرت رضا بریلوی کے عشقِ صادق نے حضرت رضا کو قلوبِ مؤمنین وعاشقین میں وہ بلند مقام عطا فرمایا کہ اُن کا کلام ہر عاشقِ سوختہ جان کے دل کا قرار بن چکا ہے۔ حضرت رضا کے نغمات سے گلستانِ عشق گونج اٹھے ہیں اور قبر باغ جناں کی ترنم ریزیاں بلند صدا میں کہہ رہی ہیں کہ:-

- یہی کہتی ہے بلبل باغ جناں کہ رضا کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصفِ شاہِ ہُدیٰ مجھے شوخیٔ طبعِ رضا کی قسم

ایک نظر اِدھر بھی......!!!

حضرت رضا بریلوی کے ساتھ متعصبین اور تنگ نظروں نے مسلکی اختلاف کی بنا پر فن وادب کے معاملے میں بھی ناانصافی اور بے اعتدالی کا رویہ اپنا کر حضرت رضا بریلوی کے نعتیہ کلام کو ناآشنا اور نابود کرنے کی تمام کوششیں کرلیں لیکن حضرت رضا کے کلام کو بارگاہِ رسالت میں مقبولیت حاصل تھی لہٰذا ان کے کلام کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ محفل نعت ومیلاد میں جب تک کلامِ رضا نہیں پڑھا جاتا، کمالِ لطف حاصل نہیں ہوتا۔ بالخصوص ''مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام'' تو ہر محفل کی جان بن چکا ہے۔ حضرت رضا بریلوی کا نظم فرمودہ یہ سلام ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ ہر نعت گو شاعر جب تک کوئی سلام نہیں لکھتا، تب تک وہ اپنے مجموعۂ نعت کو غیر مکمل ہی محسوس کرتا ہے۔ اردو نعتیہ کلام میں کئی نعت گو شعراء نے سلام لکھے ہیں لیکن حضرت رضا کے سلام کو جو شہرت حاصل ہوئی ہے وہ کسی کے سلام کو حاصل نہیں ہوئی۔ دنیا کے گوشے گوشے میں حضرت رضا کا یہ سلام عشق کے ولولے کے ساتھ جھوم جھوم کر پڑھا جاتا ہے۔ یہ صرف سلام ہی نہیں بلکہ اس میں حضورِ اقدس ﷺ کے جسمِ اقدس کے ایک ایک عضو کی عظمت ورفعت کا ذکر والہانہ طور پر کیا گیا ہے۔ ایک مومن کے ایمان کی حیات وبقا اور ضیا وجلا کے لئے قرآن وحدیث کی روشنی میں جو لازمی اعتقاد ہیں، وہ تمام کے تمام حضورِ اقدس شہنشاہِ کونین، جانِ رحمت

صلی اللہ علیہ وسلم کے عام صفات، خصائصِ کبریٰ، مدارجِ عالیہ، مراتبِ رفیعہ، درجاتِ عظیمہ، اوصافِ جمیلہ، حسنِ لطیفہ، مناصبِ بدیعہ، اعجازِ قاہرہ، وقارِ مخصوصہ، اور معجزاتِ اعتلا یہ کے طور پر ایمان کے موتیوں کی لڑی کی شکل میں نظم بند کئے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں پورا سلام فن وادب کی تمام صنعات کا گنجینہ محسوس ہوتا ہے۔ ایک سو اکہتر (۱۷۱) اشعار پر مشتمل یہ سلام ہر مومن کے دل کی دھڑکن بن چکا ہے۔ اس سلام نے اردو ادب اور فن شاعری کا سر اونچا کر دیا ہے کیونکہ جس بحر میں یہ سلام نظم کیا گیا ہے اُس بحر سے غالباً اس سے قبل اردو شاعری نا آشنا تھی۔

حضرت رضا بریلوی نے ''لاکھوں سلام'' کے علاوہ ''کروڑوں درود'' والا جو قصیدہ مرتب فرمایا ہے وہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔ اوراقِ سابقہ میں قصیدۂ مرصّعہ کے عنوان کے تحت اس قصیدہ کے تعلق سے مختصر گفتگو کی گئی ہے۔ حضرت رضا بریلوی نے حضور اقدس، مالک کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے سفرِ معراج کے ذکر میں جس انداز سے طبع آزمائی فرمائی ہے اس کی نظیر اردو نعتیہ شاعری میں نہیں۔ ''تہنیتِ شادی اسرا'' کے نام سے حضرت رضا بریلوی کا منظوم معراج نامہ ۶۷/اشعار پر مشتمل ہے۔ اس قصیدہ میں حضرت رضا بریلوی نے شبِ معراج کے پُر کیف سماں کی عشق کی وارفتگی کے ساتھ جو منظر نگاری کی ہے اور فن وادب کو تمام محاسن اور صنعات کے ساتھ جس خوش اسلوبی سے نکھارا ہے، اُسے دیکھ کر بڑے سے بڑا ادیب بھی متحیر ہے۔ اندازِ بیان اتنا دلکش ہے کہ معراج کا منظر نظروں کے سامنے اُبھر آیا ہوا ایسا محسوس ہوتا ہے۔ زبان کی حلاوت ولطافت کا یہ عالم ہے کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ قصیدہ کوثر وتسنیم میں ڈھلی ہوں زبان میں نظم کیا گیا ہے۔ حضرت رضا بریلوی کے اس قصیدۂ معراج کو سن کر اردو کے نامور شاعروں اور ادیبوں نے اپنے سرِ نیاز خم کئے ہیں۔

حضرت محسن کاکوری نے ایک قصیدہ معراج کے بیان میں نظم فرمایا تھا۔ آپ اپنا وہ قصیدہ سنانے کے لئے حضرت رضا بریلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ لیکن انہوں نے حضرت رضا بریلوی کا قصیدہ معراج سماعت فرمایا تو اپنا قصیدہ جیب میں رکھ لیا اور عرض کیا کہ یہ قصیدہ سننے کے بعد اب میں اپنا قصیدہ نہیں سنا سکتا۔

حضور محدث اعظم ہند، سیّد محمد کچھوچھوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ لکھنؤ کے ادیبوں کی محفل میں حضرت رضا کا قصیدۂ معراج سنایا تو اس کے کیف وسرور میں تمام حاضرین جھومنے لگے اور تمام نے یک زبان اعتراف کیا کہ اس کی زبان کوثر میں ڈھلی ہوئی ہے۔

المختصر! حضرت رضا بریلوی نے شاعری کی تمام اصناف کو ایک نیا حسن اور رعنائی بخشی ہے۔ اردو کا کوئی بھی نعت گو شاعر معلوماتِ دینیہ کی وسعت، شریعتِ مطہرہ کے اسرار ورموز کی اطلاع، کتاب وسنت کے علوم ونکات کی شناسائی، اور فضل وکمال کے نوادرات وندرت میں حضرت رضا کے مقابلے میں طفلِ مکتب کی بھی حیثیت نہیں رکھتا۔ نعت گوئی کی راہ میں پاسِ شریعت کو ملحوظ رکھتے ہوئے حزم واحتیاط کی باکمال شان دکھاتے ہوئے اور ہوش وجوش کا توازن برقرار رکھتے ہوئے حضرت رضا بریلوی نے فن وادب کے جو نادر نمونے اور تحفے اردو شاعری کو عطا فرما کر اردو شاعری پر جو احسان کیئے ہیں، رہتی دنیا تک دنیائے اردو ادب آپ کی مرہونِ منت رہے گی۔

حضرت رضاؔ بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان جیسے بلند مقام نعت گو کی شاعری پر خامہ آرائی کرنا اور آپ کے کلام کے محاسن کو احاطہ تحریر میں لانا مجھ جیسے اردو زبان کے ابجد خواں کہ جس کو اپنی بے مائیگی اور بے بضاعتی کا پورا احساس واعتراف ہے، کچھ لکھنا استطاعت وبساط سے خارج ہے۔ راقم الحروف کا یہ مضمون حضرت رضاؔ بریلوی کی شاعری پر حرف آخر نہیں بلکہ حرف اوّل ہے اور اہل علم وادب کو دعوتِ فکر وترغیب ہے کہ حضرت رضاؔ بریلوی کے کلام کے بحرِ ذخار میں غوطہ زنی کر کے عشق وادب کے بیش بہا موتیوں کو ڈھونڈ ھ نکالیں اور اُن موتیوں کو صفحہ قرطاس میں جڑ دیں۔ میرا دعویٰ ہے کہ اہلِ علم وادب اگر بنظرِ عمیق حضرتِ رضاؔ بریلوی کے دیوان کا مطالعہ اور معائنہ فرمائیں گے تو ان کی زبانِ انصاف سے بے ساختہ یہی فیصلہ سننے میں آئے گا کہ:-

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلّم ۔۔۔ جس سمت آ گئے ہو، سکّے بٹھا دیئے ہیں

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے محبوبِ اعظم ﷺ کے اس سچے عاشق کے دل میں عشقِ رسول کا جو سمندر جوش زن تھا اس کی کچھ لہریں ہم کو بھی عطا فرمائے۔ آمین!



إن الله وملئكته يصلون على النبي يا أيها الذين امنوا صلوا عليه وسلموا تسليما

الصلوة والسلام عليك يا سيدي

يا رسول الله

وعلى آلك واصحابك يا سيدي يا حبيب الله

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رضی اللہ عنہ کے کلام کی منفرد شرح

شرح کلام اعلیٰ حضرت

مسمیٰ بہ

عرفان رضا در مدح مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

کلام

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

تقدیم و تشریح

حضرت علامہ عبدالستار ہمدانی المعروف برکاتی

مصنف مروان عرب

ناشر

اکبر بک سیلرز زبیدہ سنٹر ۴۰ اردو بازار لاہور

Ph: 37352022

عرض مصنف

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَ حَبِیْبِہٖ الْکَرِیْمِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَ عَلٰی آلِہِ الْمُطَھَّرِیْنَ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

اما بعد

اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے اور اس کے پیارے محبوب اعظم ﷺ کے صدقہ وطفیل، حضور سیدنا غوث اعظم دستگیر رضی اللہ عنہ کے فیض وکرم سے، مارہرہ مطہرہ مقدسہ کے اولیاء کاملین حضور سیدنا شاہ برکت اللہ، حضور خاتم الاکابر سید آل رسول، حضور سید شاہ ابوالحسن احمد نوری ودیگر اولیاء خانقاہ برکاتیہ کی نظر عنایت سے، عاشق رسول، مجدد دین وملت، امام اہل سنت، اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت امام احمد رضا محدث بریلوی، میرے پیرومرشد میرے ماویٰ وملجا، میرے آقا ومولیٰ، آقائے نعمت، تاجدار اہل سنت، شہزادۂ اعلیٰ حضرت، حضور مفتی اعظم ہند مصطفیٰ رضا رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وارضاہم عنا کے فیض وکرم اور نگاہ لطف وعنایت سے فقیر سراپا تقصیر نے امام اہل سنت، امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی کے نعتیہ دیوان "حدائق بخشش" سے فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل (تام) کے ۱۳۰ر اشعار کی تشریح وتوضیح کا کام تکمیل کو پہنچایا۔ اس کتاب کا نام "عرفان رضا در مدح مصطفیٰ" میرے مخدوم ومعظم، واجب التعظیم والاحترام حضرت قبلہ سید آل رسول حسنین میاں نظمی مارہروی دامت برکاتہم القدسیہ نے تجویز فرمایا ہے۔ "عرفان رضا" کا کام مؤرخہ ۱۰ر اکتوبر ۱۹۹۷ء کو آغاز کیا اور آج ۱۴ر مئی ۱۹۹۸ء کو تکمیل کو پہنچا، کل ۶ر ماہ اور ۴ر دن میں کام پورا ہوا۔ لیکن اس دوران راقم الحروف کو شدید بیماری وعلالت کی وجہ سے دومرتبہ جیل سے ہسپتال منتقل کیا گیا۔ اس طرح ایک ماہ اور ۱۵ر دن (ڈیڑھ ماہ) بیماری وعلالت میں ضائع ہوئے۔ اس حساب سے کل ۴ر ماہ اور ۱۹ر دن میں "عرفان رضا" کا تصنیفی کام پورا ہوا۔

مولیٰ تعالیٰ اپنے حبیب پاک ﷺ کے صدقہ میں میری اس کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے اور عوام کے لئے فائدہ بخش اور میرے لئے نجات کا ذریعہ بنائے اور گناہوں کی مغفرت فرما کر مسلک سرکار اعلیٰ حضرت پر تصلب کے ساتھ قائم رکھتے ہوئے خیر البلاد مدینہ منورہ میں مدفن عطا فرمائے! آمین بجاہ سید المرسلین۔

خاکپائے سادات مارہرہ مقدسہ وبارگاہ رضا کا ادنیٰ سوالی

عبدالستار ہمدانی مصروفؔ

۱۷ر محرم الحرام ۱۴۱۹ھ / مطابق ۱۴ر مئی ۱۹۹۸ء بروز پنج شنبہ، خاص جیل، پوربندر

تقریظ جلیل

حضرت الحاج سید آل رسول حسنین میاں نظمی

سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ مقدسہ

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّی وَ نُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ عَلَیْهِ وَ عَلٰی آلِهٖ وَ صَحْبِهٖ اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ وَ التَّسْلِیْمِ۔

میں آج بھی اکثر یہی سوچتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مولانا احمد رضا خاں محقق بریلوی کو کیسا غیر معمولی ذہن عطا کیا تھا کہ علوم عقلیہ ونقلیہ کے علاوہ فلسفہ، ریاضی وہیئت، فقہ تقریباً ۵۴ علوم میں اتنا کچھ سرمایہ عطا کیا کہ دنیا انہیں علوم ظاہر و باطن کا امام ماننے پر مجبور ہوگئی۔ مسند افتاء پر تشریف فرما ہیں اور بیک وقت کئی کاتبوں کو مختلف زمروں کے فتوے املا کرا رہے ہیں۔ ایک ایک پیراگراف سب کو باری باری لکھواتے ہیں، مگر جب بھی پہلے کاتب کی طرف لوٹتے ہیں تو مضمون کا تسلسل وہی کا وہی، کہیں ذرہ بھر کنفیوژن نہیں۔ مکان کے باہر بیٹھک میں متوسلین کا ہجوم ہے۔ دور دور سے لوگ آئے ہیں، اپنے ساتھ الگ الگ مسائل لائے ہیں، مگر سوداگران محلہ کا یہ درویش سب کی تسلی کر رہا ہے۔ مصلیٰ بچھا ہوا ہے عبادت میں مصروف ہیں۔ مرشد کے آستانے سے جو اجازتیں عطا ہوئی ہیں انہیں وظیفے کے روپ میں ڈھالا جا رہا ہے۔ کبھی مراقبے میں چلے جاتے ہیں تو مارہرہ شریف ہو کر مدینہ پہنچ جاتے ہیں، پھر زمینداری کے معاملات بھی تو ہیں۔ کہیں زمین کا مقدمہ ہے، کہیں کھیت کا، کہیں لگان کا، کہیں چک بندی کا سب کچھ انہیں ہی دیکھنا ہے۔ اور سارے کاموں کے ساتھ ساتھ اللہ اور رسول کے دشمنوں کی دشنام طرازیوں اور بہتان تراشیوں کا جواب دینا ہے۔ سنی لٹریچر تیار کرنا ہے۔ یہ کیسا دماغ ہے کہ ایک ساتھ یہ سارے کام کر رہا ہے۔ اور وہ بھی انتہائی نظم وضبط کے ساتھ۔ مجھے جو خیال اکثر ستاتا ہے، وہ یہ کہ اتنی ساری مصروفیات کے ہوتے ہوئے اعلیٰ حضرت محدث بریلوی اتنا وقت کیسے نکال لیتے تھے کہ عروس شاعری بھی کیسی! کہ جس کے قدم قدم پر خطرے۔ مگر امام احمد رضا نے یہ ثابت کر دیا کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ایک مفتی، ایک فقیہ، ایک مفسر، ایک محدث، ایک محقق، ایک مجدد کا ذہن بھی ہے اور ایک سچے عاشق کا دل بھی۔ انہوں نے شاعری کی اور اس میدان میں یگانہ روزگار اساتذۂ فن سے اپنی سخن وری کا لوہا منوایا اعلیٰ حضرت نے ہندوستان میں اردو شاعری کو ایک نیا سلیقہ، ایک نیا آہنگ، نیا رنگ، نیا روپ عطا کیا۔ اعلیٰ حضرت نے شاعری کی سب سے مشکل صنف یعنی نعت کو مشق سخن کے لئے منتخب کیا۔

انگریزی ادب میں لارڈ ٹینی سن، فارسی میں سعدی شیرازی اور اردو میں جوش کے ذخیرۂ الفاظ کی بڑی دھوم ہے۔ ذرا حدائق بخشش کے اوراق الٹیے زبان وادب کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ انہوں نے اپنی شاعری میں جس رنگ و آہنگ کو پیش کیا وہ دوسروں کے نصیب میں اس لئے نہیں کہ دوسرے یا تو معشوق کی زلفوں کے خم میں پھنسے رہ گئے یا پھر غلو مبالغہ کی دلدل میں۔ اعلیٰ حضرت نے جو کچھ لکھا قرآن مقدس اور حدیث حمید کی روشنی میں لکھا۔

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ　　بے جا سے ہے المنۃ للّٰہ محفوظ



قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی　　یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

اعلیٰ حضرت کی سیرت کا مطالعہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے شاعری میں کسی استاد سخن کے آگے زانوئے تلمذ نہیں تہ کیا۔ وہ اپنے ہی شاگرد تھے اور اپنے ہی استاد۔ میرا خیال ہے کہ امام احمد رضا کو شاعری کا سلیقہ رب تعالیٰ کی بارگاہ سے ملا تھا اور داد گنبد خضریٰ سے۔ امام احمد رضا کی نعتوں میں جو خاص بات میں نے نوٹ کی ہے وہ یہ ہے کہ جتنی بار پڑھی جائیں نئی لگتی ہیں۔ انھوں نے الفاظ کی ایسی بندشیں استعمال کی ہیں کہ ان میں نغمگی ہے، صوتی ہم آہنگی ہے، موسیقیت ہے اور ان سب کے ساتھ ساتھ احتیاط ہے، تقویٰ ہے، صداقت پسندی ہے، قرآن ہے، حدیث ہے۔

پاکستان میں پروفیسر مسعود احمد صاحب نے اعلیٰ حضرت پر بہت کام کیا ہے اور کر رہے ہیں۔ پچھلی دو دہائیوں میں رضویات پر اتنا کچھ سرمایہ سینوں کے پاس جمع ہو گیا ہے کہ آج برصغیر ہند و پاک کی یونیورسٹیوں میں امام احمد رضا پر باقاعدہ ریسرچ ہو رہا ہے اور ڈاکٹریٹ حاصل کی جا رہی ہے۔ اعلیٰ حضرت کی سند اپنے وطن ہندوستان میں اس میدان میں کام فی الحال شروع ہوا ہے وہ بھی پاکستان سے تحریک پا کر۔ اعلیٰ حضرت کی شخصیت ایسی ہے کہ فی زمانا ان کی عظمت کا اعتراف سبھی کو کرنا پڑ رہا ہے۔ کسی نے مسرور ہو کر کیا ہے کسی نے مجبور ہو کر۔ اعلیٰ حضرت سے عناد رکھنے والے اپنی نجی نشستوں میں کچھ بھی بکتے رہیں مگر جب وہ عوام کے سامنے آتے ہیں تو امام احمد رضا کا قصیدہ پڑھتے نظر آتے ہیں۔

گجرات کے ایک نامور تاجر ہیں عبد الستار ہمدانی، اعداد و شمار کی دنیا کے بادشاہ۔ کس کو کتنا دیا کس سے کتنا لیا، اس لین دین میں ماہر، مگر مثل مشہور ہے۔ نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں، حضور مفتی اعظم ہند مولانا شاہ مصطفیٰ رضا برکاتی، نوری کے حلقہ ارادت میں آتے ہی ہمدانی صاحب کی کایا پلٹ گئی اور ان کی صلاحیتوں کا دھارا رضویات کی طرف مڑ گیا۔ ہمہ دانی ہمدانی کی خصوصیت بن گئی۔ غالباً پچھلے سال کی معرکۃ الآرا تصنیف ''امام احمد رضا ایک مظلوم مفکر'' جب ان کی منظر عام پر آئی تو ہر شخص یہی کہتا تھا کہ امام احمد رضا کو مظلوم لکھ دیا ہے۔ مگر پھر لوگوں نے غور کیا تو احساس ہوا کہ واقعی ان پر ظلم ہوا ہے۔ اپنوں کی طرف سے بھی اور غیروں کی طرف سے بھی اعلیٰ حضرت کے اپنے خاندان میں ان کا چرچا بہت کم ہے۔ بریلی شریف سے رسالہ نکلتا ہے ''اعلیٰ حضرت''۔ سچ بتایئے! اعلیٰ حضرت پر کتنے مضمون اس میں شامل کئے جاتے ہیں؟ اور جو مضمون کبھی کبھار آتے بھی ہیں ان میں اعلیٰ حضرت کی شخصیت اور ان کے دینی علمی کارناموں کا کیا تناسب ہوتا ہے؟ تو کیا

ہمدانی صاحب نے لفظ ''مظلوم'' درست نہیں لکھا؟

ہمدانی صاحب کو ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت پچھلے تین چار برس سے سلاخوں کے پیچھے رکھا گیا ہے۔ اس سازش میں پوربندر کے ایک نام نہاد برکاتی کا بھی ہاتھ ہے، لیکن اللہ جسے چاہتا ہے اپنی محبوبیت سے نوازتا ہے اور اس سے اپنے دین کا کام لیتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو زنداں میں ڈالا گیا وہ بھی ایک سازش تھی، مگر اللہ کے اس پیارے بندے نے زنداں میں بھی اپنا راستہ نہیں چھوڑا اور تبلیغ جاری رکھیں۔ بلاتشبیہ و بلاتمثیل، ہمدانی صاحب نے بھی جیل کی چار دیواری میں رہ کر دین کی خدمت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ بظاہر وہ قید میں ہیں مگر ان کی اس قید پر سازشی کپڑے کے تاجر کی ہزار آزادیاں قربان! قابل رشک ہے وہ زنداں جس کی ایک بند کوٹھری میں بیٹھ کر ہمدانی صاحب رات دن سنی لٹریچر تیار کرنے میں لگے ہوئے ہیں، اور یہ لٹریچر سارا کا سارا رضویات سے متعلق ہے۔ زنداں کا باشی تذکرہ رضا کو زندہ رکھے ہوئے ہے اور ببانگ دہل اعلان کر رہا ہے۔

خبر کرو میرے خرمن کے خوشہ چینوں کو لگا رہا ہوں مضامین نو کے میں انبار

ہمدانی صاحب کی یہ نئی کاوش جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، اپنی نوعیت کی انفرادی تصنیف ہے۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ کتاب آپ کو اعلیٰ حضرت سے ملواتی ہے، انہیں پہنچواتی ہے، ان کی شاعری کی گہرائیوں میں لے جاتی ہے اور جب آپ محسوس کریں گے امام احمد رضا کی شاعری تو ہم برسوں سے سنتے اور سر دھنتے آئے ہیں مگر یہ معنی یہ مفہوم تو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھے۔ آپ کا یہ احساس ہی درحقیقت ہمدانی صاحب کی محنت کی قیمت ہے۔ ورق ورق سے ان کی محنت آشکار ہے۔ کتاب کی معنویت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمدانی صاحب نے اپنی قید کا ایک ایک لمحہ ایک عاشق رسول میں گزارا ہے۔ سبحان اللہ! یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا۔

کاغذ اور وقت کی بچت کا خیال نہ ہوتا تو میں ہمدانی صاحب کے قلم کی اس انگڑائی کی باریکیوں سے آپ کو روشناس کراتا۔ لیکن مجھے پوری امید ہے کہ آپ ان اوراق کی شناوری کر کے علم و آگہی کے سچے موتی ضرور چنیں گے۔

ایک قلم کار کے لئے اس کی ہر نئی تصنیف ایک نئی زندگی ہوتی ہے۔ لہٰذا میں علامہ عبدالستار ہمدانی کو ان کی اس نئی زندگی پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔

سید آل رسول نظمی برکاتی

سجادہ نشیں خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ، ممبئی

۲۱ر شوال المکرم ۱۴۱۹ھ



①

قرنوں بدلی رسولوں کی ہوتی رہی
چاند بدلی کا نکلا ہمارا نبی

حل لغت:

قرن: ستاروں کا ملاپ، دس یا بارہ یا چالیس یا اسّی یا ایک سو برس کا زمانہ، بڑی مدت، زمانۂ دراز، حیوان کی شاخ یعنی سینگ، جگ۔ (فیروز اللغات، ص ۹۵۴ ☆ لغات کشوری، ص ۵۵۶ ☆ کریم اللغات، ص ۱۲۲)

بدلی: تبدیلی، منتقلی، بادل کا ٹکڑا، بادل کی تصغیر، ایک شخص کے کام پر دوسرے کا جانا۔ (فیروز اللغات، ص ۱۸۸)

پہلے مصرع میں جو لفظ ''بدلی'' ہے، اس کا مطلب ''تبدیلی'' ہے۔

دوسرے مصرع میں جو لفظ ''بدلی'' ہے، اس کا مطلب ''بادل کا ٹکڑا'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

امامِ عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس شعر میں اپنے آقا و مولیٰ کی مدح و ثنا میں سمندر کو کوزے میں سمو دیا ہے۔ ظاہری معنی کے اعتبار سے یہ شعر بآسانی سمجھ میں آجاتا ہے کہ ہر زمانے میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسولوں کی بدلی ہوتی رہی ہے اور اب بدلی کا چاند یعنی کہ ہمارے نبی جلوہ فگن ہو گئے ہیں۔ اس شعر میں لفظ ''بدلی'' کا استعمال دو مرتبہ ہوا ہے۔ لیکن دونوں کے معنی الگ الگ ہیں۔ پہلے مصرع میں جو لفظ ''بدلی'' ہے وہ تبدیلی یا ایک شخص کے کام پر دوسرے کا جانا کے معنی میں ہے اور دوسرے مصرع میں جو لفظ ''بدلی'' ہے اس کے معنی بادل کا ٹکڑا ہے۔ پہلے مصرع میں لفظ بدلی قابل غور اور قابل توجہ ہے۔ بدلی کا ایک معنی یہ ہے کہ ایک شخص کے کام پر یا جگہ پر دوسرے کا جانا، اور یہی معنی اس شعر میں موزون ہے۔ کیوں کہ انبیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام کی بدلی یعنی یکے بعد دیگرے کی آمد کا سلسلہ اسی منشاء کے تحت ہوتا رہا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے عالم بالا میں تمام ارواح عالمین سے ایک میثاق یعنی کہ وعدہ و اقرار لیا ''اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ'' کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تمام ارواح نے متفقہ طور پر جواب دیا: ''بَلٰی'' کیوں نہیں، بیشک تو ہمارا رب ہے۔ اس جلسہ میثاق میں نبی رسول، مومن، کافر، مشرک، نیک، بد، فاسق، فاجر، وغیرہ تمام انسان کی ارواح موجود تھیں۔ جب تمام نبی اور رسول موجود تھے تو ہمارے آقا و مولیٰ بھی یقیناً موجود تھے۔ اتنی بات ذہن کے ایک گوشہ میں محفوظ

رکھ کر اب ایک اور بات کی طرف خاص توجہ فرمایئے۔ میثاق مذکور عام تھا۔ اس میں سب شامل ہیں۔ لیکن اس میثاق اول کے بعد ایک اور میثاق بھی لیا گیا۔ لیکن وہ میثاق عام نہیں۔ بلکہ خاص تھا۔ وہ دوسرا میثاق صرف انبیاء کرام ہی کی ارواح طیبہ سے لیا گیا۔ اور اس کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں ہے:

''وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ۔'' (سورہ آل عمران، آیت ۸۱)

ترجمہ: اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا، جو تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔ فرمایا کیوں تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا؟ سب نے عرض کیا کہ ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں آپ تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔ (کنزالایمان)

مندرجہ بالا آیت اور اس کا ترجمہ چند مرتبہ تلاوت کر کے ذہن نشیں کر لیں، اس میثاق ثانی میں انبیاء کرام کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب پر ایمان لانے اور مدد کرنے کی کتنی سخت تاکید فرمائی ہے۔ اب آیئے میثاق اول کو سمجھئے۔ اس میں تمام ارواح کے ساتھ حضور اقدس ﷺ نے بھی اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار فرمایا، حضور ﷺ سید الموحدین ہیں۔ خدا کی توحید کا پرچم لہرانے میں آپ سب پر فوقیت رکھتے ہیں۔ آپ نے اپنی ظاہری زندگی میں توحید کے علم کو لہرانا ہی اپنا مقصد اصلی بنایا اور یہی آپ کی حیات طیبہ کا اہم کام تھا۔ سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت ''سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰی'' کی تفسیر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب سے فرمایا کہ

''جَعَلْتُكَ اَوَّلَ النَّبِیّٖنَ خَلْقًا وَ آخِرَهُمْ بَعْثًا وَ جَعَلْتُكَ فَاتِحًا وَ خَاتِمًا۔''

یعنی اے محبوب! میں نے تمام نبیوں سے پہلا نبی خلق میں آپ کو بنایا مگر ان تمام کے آخر میں مبعوث کیا۔ اور میں نے آپ ہی کو افتتاح کرنے والا اور انتہاء کرنے والا بنایا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، جلد ۳، ص ۲۰)

اب اس شعر میں وارد لفظ بدلی کا صحیح مفہوم معلوم کریں، حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اول نبی بنایا اور نبی کا کام ہوتا ہے توحید کا پرچم لہرانا، پرچم وحدانیت لہرانے کی سب سے پہلی ذمہ داری حضور ﷺ کی تھی، لیکن بعثت کے اعتبار سے آپ آخر میں تشریف لانے والے تھے۔ کام آپ کا تھا، لیکن انجام دینے کے لئے حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ السلام تک یکے بعد دیگرے انبیاء آتے رہے، جتنے بھی انبیائے کرام تشریف لائے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا اپنا میثاق (وعدہ) کامل طور پر پورا کیا۔ اس میثاق میں صرف دو ہی باتیں تھیں ایک یہ کہ حضور ﷺ پر ایمان لانا، اور دوسرا یہ کہ آپ کی مدد کرنا، ایمان تو تمام انبیائے کرام یقیناً لائے، لیکن مدد کس طرح کی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور کا جو کام توحید کا پرچم لہرانا تھا، وہ کام بخوبی انجام دیا اور وہ کام انجام دینے ہی میں حضور کی مدد کرنی ہوئی۔ اب جب حضرت

آدم علیہ السلام تشریف لائے تو ان کے ذمہ دو کام تھے۔ پہلے جو کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ ہے اس میں حضور کا ہاتھ بٹانا اور ساتھ میں اپنے امتیوں کو حضور کی آمد کا مژدہ سنانا، اور ان پر ایمان لانے کی تاکید کرنا، گویا حضرت آدم علیہ السلام تبلیغ و توحید کے فرائض منصب نبوت کے تحت انجام دے رہے تھے۔ لیکن در حقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ کا کام آگے بڑھا رہے تھے اور یہی معنی ہے بدلی کا یعنی ''ایک شخص کے کام پر دوسرے کا جانا'' تو مطلب یہ ہوا کہ حضور کے کام پر حضرت آدم آئے تھے، پھر جب حضرت آدم علیہ السلام نے وصال فرمایا تو ان کے بدلے (بدلی) میں حضرت نوح آئے۔ حضرت آدم کو حضور کا کام انجام دینے کے ساتھ ساتھ حضور کی رسالت کا مژدہ بھی سنانا تھا۔ بعینہٖ یہی کام حضرت نوح علیہ السلام نے بھی انجام دیا۔ اور یہ سلسلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جاری رہا۔ ہر نبی اپنی ظاہری حیات میں اپنی قوم کو توحید کا پیغام دینے کے ساتھ سید الانبیاء والمرسلین کی آمد کا مژدہ سناتے رہے۔ آپ کے مناقب بھی بیان کرتے رہے۔ نیز آپ پر ایمان لانے کی بھی تاکید کی۔ اور یہی مفہوم ادا کیا ہے حضرت رضا بریلوی نے اپنے شعر میں لفظ ''بدلی'' کے استعمال سے۔ قرنوں یعنی برس ہا برس نبیوں کی بدلی کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ تمام انبیاء کرام آسمان نبوت پر درخشندہ ستارے کی حیثیت سے چمکتے رہے۔ بالآخر وہ وقت آیا کہ آسمان نبوت کا چاند بدلی سے نمودار ہوا۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور مصلحت کے تحت نبوت کے سلسلے کو ختم کر کے اسے خاتم النّبیین کے منصب پر فائز فرمایا۔



(۲)

مومن وہ ہے جو ان کی عزت پہ مرے دل سے
تعظیم بھی کرتا ہے نجدی تو مرے دل سے

حل لغت:

مرے: مرجانا، بجھ جانا، انتقال کر جانا، فریفتہ ہو جانا، عاشق ہونا، تباہ ہو جانا، فرو ہو جانا، سخت نقصان ہو جانا، کسی دھات کا کشت ہو جانا، شرمندہ ہونا۔ (فیروز اللغات، ص ۱۲۳۳)

مرے: مردہ، بے جان، بے روح، مرا ہوا، فوت شدہ، متوفی، کمزور، ناتواں، نحیف، لاغر، بہت بوڑھا، مرجھایا ہوا، افسردہ، لاش، میت، جنازہ۔ (فیروز اللغات، ص ۱۲۲۸)

پہلے مصرع میں جو لفظ ''مرے'' ہے اس کا مطلب ''مرجائے'' ہے۔

دوسرے مصرع میں جولفظ ''مرے'' ہے اس کا مطلب ''مرا ہوا'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے یہ کمال کردکھایا ہے کہ ایک مصرع میں مومن کی شان ایمان کا ذکر کردیا اور دوسرے مصرع میں منافقین اسلام یعنی نجدی وہابی کی تقیہ بازی اور فریب کاری کو ظاہر کردیا۔ اس شعر کی ایک خوبی یہ ہے کہ مومن کے ایمان کی تعریف، اور منافق کے نفاق کی مذمت کے لئے آپ نے دونوں مصرعوں میں ''مرے دل'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ اور ان دونوں ''مرے دل'' میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ پہلے مصرع میں ''مرے دل'' کی تفسیر یہ ہے کہ مومن وہ ہے جو حضور اقدس ﷺ کی عزت وعظمت اور حرمت پر جان ودل سے نثار وقربان ہوجائے اور شرعاً مومن کی یہی تعریف ہے جس کو عہد رسالت میں صحابۂ کرام اور ان کے بعد تابعین، تبع تابعین سے لے کر آج تک ہر دور کے عشاقان نبی نے عملی جامہ پہنایا، اور ناموس رسالت پر مرمٹنے کا پیغام ملت اسلامیہ کو دیا، دوسرے مصرع میں ''مرے دل سے'' دور حاضر کے نجدی، وہابی اور عظمت وتعظیم نبی کے منکرین مراد ہیں جو ہارے اور مرجھائے ہوئے دل سے کبھی کبھار تعظیم نبی کرلیتے ہیں لیکن ان کا یہ فعل دل کی رغبت کی بجائے ریاکاری، تقیہ، دکھاوا اور نفاق پہ مشتمل ہوتا ہے۔

پہلے مصرع میں ''مرے'' فعل مضارع ہے، اور دوسرے مصرع میں ''مرے'' دل کی صفت ہے اور دونوں میں معنوی اعتبار سے ایسا ہی فرق ہے جیسا کہ ایمان وکفر، نور وظلمت، زمین وآسمان، بہار وخزاں، گل وخار کے مابین ہے۔ یہ ہے امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی کے علم وفن کا کمال اور جذبۂ عشق رسول کا سوز وگداز۔

مومن کی تعریف میں حضرت رضا نے ''مرے دل سے'' فرما کر سیر وتاریخ کے ان تمام واقعات کی طرف اشارہ فرمادیا ہے کہ مجاہدین اسلام نے عشق رسول کے جذبے کے تحت ناموس رسالت کے تحفظ وبقا کے لئے اپنا سب کچھ بلکہ اپنی جان تک قربان کردیں ''سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردان عرب'' میں امام احمد رضا نے یہی اشارہ فرمایا ہے۔

- حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیت المقدس کے کافروں سے جہاد کرنے کے لئے اپنی قوم کو حکم دیا تو ان کی قوم نے کہا کہ

''فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ۔'' (سورہ مائدہ، آیت ۲۴)

ترجمہ: آپ جایئے اور آپ کا رب، تم دونوں لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ (کنزالایمان)

لیکن جب کفار مکہ نے مدینہ طیبہ پر چڑھائی کرنے کا منصوبہ بنایا، اور حضور ﷺ نے اس کے دفاع کے لئے صحابۂ کرام کی رائے طلب فرمائی، تو شمع رسالت کے پروانوں نے ایک زبان ہوکر عرض کیا کہ ہم یوں نہ کہیں گے جیسا کہ قوم موسیٰ نے کہا تھا کہ جاؤ تم اور تمہارا رب لڑو، حضور! ہم تو آپ کے دائیں بائیں اور آپ کے آگے پیچھے ہوکر لڑیں گے۔

(بخاری شریف، جلد ۲، ص ۵۶۴)

عزت رسول پہ مرمٹنے کا جذبہ مومنین کے دلوں میں اتنا موجزن تھا کہ چھوٹے چھوٹے بچوں نے بھی عزت رسول پہ

اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا۔ جنگ بدر کے موقع پر حضرت معاذ، حضرت معوذ رضی اللہ عنہما نام کے دو چھوٹے بچوں نے دشمن رسول ابو جہل کو قتل کر دیا۔ اور وہ دونوں لڑتے لڑتے جام شہادت نوش فرما گئے۔ ناموس رسالت پر مر مٹنے کا جذبہ وہ مقدس جذبہ ہے کہ جس نے صحابۂ کرام اور دیگر عشاق کو حیات جاودانی بخشی اور جذبۂ فدا کاری کا نتیجہ ہے کہ اسلام حدود عرب سے نکل کر اسپین تک پھیل گیا۔ علامہ واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام واقعات کو اپنی کتاب "فتوح الشام" میں بالتفصیل ذکر فرمایا ہے۔

نجدی منافق کی ہجو میں حضرت رضا بریلوی نے "مرے دل سے" فرما کر منافقین کی خصلت، تقیہ بازی اور خوئے مکر کا پردہ چاک کیا اور ان کو دنیا کے سامنے بے نقاب بھی کیا۔ بارہا کا مشاہدہ ہے کہ عظمت رسول کا منکر اور تعظیم رسول سے کدورت رکھنے والا اور صلاۃ وسلام پڑھنے کو طنطنے کے ساتھ شرک و بدعت کہنے والا اگر کسی سنی کی محفل میں آ پھنستا ہے تو وہ شرک کے سارے فتوے اپنے لمبے کرتے کے گہرے جیب میں ڈال لیتا ہے۔ اور لوگوں کو دکھانے کے لئے کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھنے لگتا ہے۔ لیکن اس کا یہ فعل فقط دکھاوا اور ریا کاری ہوتا ہے۔ رغبت دل بالکل مفقود ہوتی ہے۔ اور مردہ دلی سے یہ عمل کرتا ہے۔ اسی کا نام تو نفاق ہے۔ منافقین کا یہی شیوہ ہوتا ہے کہ زبان پر کچھ ہوتا ہے دل میں کچھ اور۔ لوگوں کو دھوکہ دے کر اپنے جال میں پھنسانے کے لئے نت نئے ہتھکنڈے آزماتے رہتے ہیں۔ اس لئے ان کے دام فریب سے بچنے کے لئے آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کی روشنی میں ان کو جانچ کر ان کی صحیح شناخت کر لینی اشد ضروری ہے۔ اور اسی ضرورت کے پیش نظر حضرت رضا بریلوی نے ان کی تعظیم کو مرے دل کی تعظیم کہہ کر قرآن وحدیث کی تعلیم کا مدعا بیان کر دیا۔

منافقین کی دھوکہ بازی سے مومنین کو بچانے کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں مستقل ایک سورہ بنام "منافقون" نازل فرمائی اور اس سورہ کی پہلی ہی آیت میں منافقین کی زبانی اقرار ایمان کو کذب صریح کہتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ" (سورہ منافقون، آیت ۱)

ترجمہ: اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق ضرور جھوٹے ہیں۔ (کنز الایمان)

علاوہ ازیں سورۂ توبہ میں اور دیگر مقامات پر منافقین کی خوئے نفاق اور حیلہ سازیاں تفصیل سے مذکور ہیں۔ ان آیات قرآنیہ کی تفسیر اور احادیث نبویہ کی تشریح میں کتب موجود ہیں۔ اور محبوب رب العالمین سید القاہرین علی المنافقین (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عین خطبۂ جمعہ کے دوران منافقین کی پوری جماعت کے افراد کو نام لے لے کر کھڑا کیا اور ان کو اپنی مسجد سے باہر نکال دیا۔



۴

کریم اپنے کرم کا صدقہ لئیم بے قدر کو نہ شرما
تو اور رضا سے حساب لینا رضا بھی کوئی حساب میں ہے

حل لغت:

کریم: بخشنے والا، سخی، بزرگ، فیاض، مہربان، گناہ بخشنے والا، خداتعالیٰ کا ایک صفاتی نام۔

(فیروز اللغات، ص۱۰۰۶ ☆ لغات کشوری، ص۵۸۸ ☆ کریم اللغات، ص۱۲۹)

کرم: بزرگی، بخشش، دان پن، عنایت، مہربانی، ہمت، جواں مردی، سخاوت۔

(فیروز اللغات، ص۱۰۰۴ ☆ لغات کشوری، ص۵۸۷ ☆ کریم اللغات، ص۱۲۹)

صدقہ: قربان، فدا، طفیل، بدولت، واری، خیرات، وہ کھانا وغیرہ جو سر پر اتار کر دیا جائے، فقیروں کو دینا۔

(فیروز اللغات، ص۸۶۱ ☆ لغات کشوری، ص۴۴۴ ☆ کریم اللغات ص،۱۰۲)

لئیم: کنجوس، جو نہ خود کھائے اور نہ دوسروں کو کھلائے، کمینہ، رذیل، سفلہ، کم ظرف، نالائق، ناکس۔

(فیروز اللغات، ص۱۱۷۳ ☆ لغات کشوری ص،۶۴۶ ☆ کریم اللغات، ص۱۳۸)

حساب: گنتی، شمار، نرخ، بھاؤ، قیمت، حالت، کیفیت، سمجھ، میزان، جوڑ، قاعدہ، ڈھنگ، طور، علم۔

(فیروز اللغات، ص۵۶۸ ☆ لغات کشوری، ص۲۳۲ ☆ کریم اللغات، ص۵۷)

بے قدر: ذلیل، بے عزت، ناشکرا، ناقدر دان، قدر نہ کرنے والا۔ (فیروز اللغات، ص۲۴۸)

حساب لینا: حساب پوچھنا، پڑتال کرنا، آمد و رفت کا جائزہ لینا۔ (فیروز اللغات، ص۵۶۸)

شرمانا: لجانا، ذلیل کرنا، شرمندہ کرنا، شرمندہ ہونا، نادم ہونا۔ (فیروز اللغات، ص۸۴۱)

دوسرے مصرع میں پہلا جو لفظ ''حساب'' ہے، اس کا مطلب ''حساب پوچھنا'' ہے۔

دوسرے مصرع میں دوسرا جو ''حساب'' ہے، اس کا مطلب ''گنتی میں ہونا'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان بارگاہ خداوندی میں ایک انوکھے انداز میں اپنی مغفرت و بخشش کی التجا کرتے ہیں۔ شعر کے الفاظ اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ حضرت رضا بریلوی کو اللہ تبارک وتعالیٰ

کی شان رحیمی اور کریمی پر کامل اعتماد ہے اور ساتھ ہی ساتھ ازراہ تواضع وانکساری اپنی بے مائیگی ناکسی اور ذنوب وعصیاں کا بھی اعتراف فرمارہے ہیں۔ شعر کے دوسرے مصرع میں دو مرتبہ لفظ ''حساب'' کا استعمال فرمایا ہے۔ پہلی مرتبہ جو حساب ہے وہ فعل ہے اور حساب پوچھنا یا آمد ورفت کا جائزہ لینے کے معنی میں ہے۔ اور دوسری مرتبہ جو لفظ حساب ہے وہ اسم ہے اور گنتی یا شمار کے معنی میں ہے۔

شعر کا مفہوم یہ ہے کہ اے رب کریم! تو اپنے کرم کے طفیل مجھ جیسے رذیل اور ذلیل کو شرمندہ مت کر، کیوں کہ میرے نامۂ اعمال میں صرف عصیاں ہی عصیاں ہیں اور حساب لینے میں وہ میری ذلت ورسوائی کا باعث ہوں گی۔ اے رب کریم تو رحیم ورحمٰن مولیٰ ہے۔ اپنے اعمال کا حساب دینا تو ہم پر لازم ہے، لیکن حساب لینا تجھ کو لازم نہیں۔ اگر تو چاہے تو حساب لے اور نہ چاہے تو حساب بھی نہ لے۔ اگر حساب لے تو یہ تیرا عدل وانصاف ہے اور اگر حساب نہ لے تو تیرا رحم وکرم ہے۔ اگر حساب لے کر برائی کے بدلے بندے کو سزا دے تو کسی کو مجال شکایت نہیں اور اگر بے حساب لئے بخش دے تو کسی کو مجال اعتراض بھی نہیں۔ اے رب کریم! تو سب کا مالک اور سب سے اعلیٰ احکم الحاکمین ہے۔ گنہگار کو سزا دے یا معاف کردے تیرے اختیار میں ہے، اس سے تیری قدرت میں کوئی فرق نہیں آنے والا، اور نہ ہی تیری شان کریمی میں کوئی کمی واقع ہوگی۔ اے رب کریم! تیری ہی صفت شان ستاری ہے۔ تو اپنے بندوں کے عیوب ونقائص کو چھپاتا ہے۔ اس پر پردہ رکھتا ہے۔ لہٰذا اے رب کریم! اے ستار! اگر تو نے رضا سے آج یعنی میدان محشر میں حساب لیا تو مخلوق کا جم غفیر جو ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ میرا نامۂ اعمال کیسا ہے وہ تو بھی جانتا ہے اور میں بھی جانتا ہوں۔ حساب لینے میں میری رسوائی ہے، انکشاف عیوب میں ذلت ہی ہے اور کھچا کھچ بھرے ہوئے میدان میں بے شمار لوگوں کے سامنے مجھے نادم اور شرمندہ ہونا پڑے گا۔ اور تیری شان ستاری یہ ہے کہ تو اپنے بندوں کے عیوب چھپاتا ہے۔ اے رب کریم! تیرے کرم کا واسطہ حساب نہ لے اور حساب لئے بغیر مغفرت فرما۔ اے خالق کائنات، اے مالک حقیقی! اگر تو نے رضا سے حساب نہ لیا تو تیرا کچھ بھی نقصان نہیں کیوں کہ رضا کس حساب اور کس شمار میں؟ میری حیثیت اور وقعت ہی کیا ہے! تیرے کرم کے ایک اشارے میں ہے کہ میرے نامۂ اعمال کے حساب وکتاب کا معاملہ رفع دفع ہو جائے گا۔ میرا کام بن جائے گا۔ میرا بھلا ہو جائے گا۔ اور تیرا نہ تو کچھ نقصان ہوگا اور نہ ہی تیرا کچھ خرچ ہوگا۔ لہٰذا جس میں تیرا کسی قسم کا نقصان نہیں اسے معاف فرمادے۔ اور جس میں تیرا کچھ خرچ نہیں عطا فرمادے۔ ایک اور مقام پر حضرت رضا بریلوی نے ایک دل کش اور اچھوتے انداز میں بارگاہ خداوندی میں استدعا کرتے ہوئے عرض کیا ہے:

نقصان نہ دے گا تجھے میرا عصیاں　　　غفران میں کچھ خرچ نہ ہوگا تیرا

●

جس میں تجھے نقصان نہیں کردے معاف　　　جس میں تیرا کچھ خرچ نہیں دے دے مولیٰ

حضرت رضا بریلوی نے حساب نہ لینے کی گزارش کر کے خدائے تعالیٰ کی عنایت تامہ کو سراہا ہے۔ کیوں کہ ایک تو ہوتا

ہے حساب لینا، لیکن رعایت کرنا اور کمی بیشی کو درگزرنا اور معاف کر دینا، اور دوسرا یہ کہ سرے سے حساب ہی نہ لینا، دونوں میں بڑا فرق ہے۔ پہلے میں خجالت اور شرمندگی کی گنجائش ہے مگر دوسرے میں شرمندگی کا امکان ہی نہیں۔ اور پورا معاملہ ڈھکا چھپا رہ جائے گا۔ بند مٹھی لاکھ کی والا معاملہ ہے۔ مثال کے طور پر ایک آقا نے اپنے خادم کو سو روپیہ دے کر سودا لانے کے لئے بازار بھیجا۔ دوپہر کا وقت تھا، شدت کی گرمی تھی۔ خادم نے نوے روپیہ کا سودا خریدا اور بچے ہوئے باقی دس روپیہ کا ٹھنڈا شربت پی لیا۔ سو کی نوٹ ختم، اب وہ سودا لے کر واپس آقا کی خدمت میں آیا۔ اگر آقا حساب لے تو کہنا پڑے گا۔ دس روپئے کا شربت پیا ہے، غلطی ہوگئی ہے، میری تنخواہ سے کاٹ لینا۔ پھر آقا اگر چاہے تو اس کو معاف کر دے اور تنخواہ سے نہ کاٹے۔ حساب دیتے وقت آقا کے پاس کچھ ملنے والے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ حساب دینے میں ان مہمان لوگوں کے سامنے نادم ہونا پڑے گا اور کہنا پڑے گا کہ تمہارے پیسہ سے شربت پی لیا، اس کے برعکس خادم سودا لے کر آیا اور آقا کو حساب دینا ہی چاہتا تھا کہ آقا نے از راہ کرم کہا اجی رہنے دو، حساب دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ عیش کرو! اس صورت میں خادم کو آقا اور دیگر لوگوں کے سامنے شرمندہ نہیں ہونا پڑے گا۔ اسی لئے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے بارگاہ خداوندی میں حساب نہ لینے کی درخواست کی ہے۔



(۴)

ترا قدّ مبارک گلبن رحمت کی ڈالی ہے

اسے بو کر ترے رب نے بِنا رحمت کی ڈالی ہے

حل لغت:

قد: جسم کی لمبائی، قامت، ڈیل، بدن، جسم۔ (فیروز اللغات، ص۹۴۹ ☆ لغات کشوری، ص۵۵۲ ☆ کریم اللغات، ص۱۲۳)

گلبن: گلاب کا پودا، گلاب کے پودے کی جڑیں، کسی درخت کا وہ حصہ جو زمین کے ساتھ لگا ہے۔ درخت، گل سرخ۔
(فیروز اللغات، ص۱۱۰۰ ☆ لغات کشوری، ص۶۱۸ ☆ کریم اللغات، ص۱۳۴)

ڈالی: شاخ، ٹہنی، چمڑے کی پٹی، ٹوکری جس میں پھول یا پھل سجا کر امراء کو پیش کئے جاتے ہیں۔ (فیروز اللغات، ص۶۷۶)

ڈالی: بمعنی ڈالنا، بنیاد رکھنا، جوڑنا، لگانا، ملانا، رکھنا، دھرنا، پرونا۔ (فیروز اللغات، ص۶۷۶)

بِنا: جڑ، بنیاد، نیو، اصل، باعث، سبب، شروع، آغاز۔ (فیروز اللغات، ص۲۱۶ ☆ لغات کشوری، ص۱۰۵)

پہلے مصرع میں جو لفظ ''ڈالی'' ہے۔اس کا مطلب ''ٹہنی'' ہے۔
دوسرے مصرع میں جو لفظ ''ڈالی'' ہے۔اس کا مطلب ''لگانا'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے افضل الخلق ﷺ کے جسم اقدس کو گلبن رحمت کی ڈالی یعنی شاخ سے تشبیہ دی ہے۔اور گلبن رحمت کی ڈالی کہنے میں حضور اقدس ﷺ کے تمام اوصاف عالیہ کی مدح ثنا ہے۔رحمٰن ورحیم رب العالمین جل جلالہ نے اپنے محبوب اعظم کو رؤف، رحیم، رحمۃ للعالمین بنا کر کائنات پر عظیم احسان فرمایا ہے۔

قرآن مجید میں صاف ارشاد ہے:

''وَ مَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ''

یعنی نہیں بھیجا آپ کو مگر رحمت تمام جہان کے لئے۔

جس ذات مقدسہ کو خود ان کا رب اور ان کا خالق ہی رحمت فرمارہا ہے۔اس کی رحمت عامہ کا کیا کہنا! خالق رب العالمین اور اس کا محبوب رحمۃ للعالمین دونوں عالمین کا ذکر ہے، ایک عالمین کا رب ہے جو حقیقی مالک وخالق ہے۔اور اس کی عطا سے اس کا محبوب عالمین کے لئے رحمت ہے تو جہاں جہاں خدا کی خدائی پائی جائے گی وہاں وہاں محبوب کی رحمت پائی جائے گی۔اور بلاشبہ کائنات کا ذرہ ذرہ خدا کی قدرت کے تحت ہے۔تو ثابت ہوا کہ کائنات کا ذرہ ذرہ محبوب کی رحمت سے بہرہ مند ہے۔حضور اقدس کی رحمت کا تذکرہ ایک دو اوراق میں ممکن ہی نہیں۔اس کے لئے تو دفاتر درکار ہیں۔یہاں اختصاراً شعر اچھی طرح ذہن نشیں کرنے کے لئے کچھ عرض کرنے کی جرأت کرتا ہوں۔اس شعر کے دونوں مصرعوں میں ''ڈالی'' لفظ استعمال ہے۔پہلے مصرع میں جو لفظ ڈالی ہے وہ ٹہنی کے معنی میں ہے اور اسم ہے اور دوسرے مصرع میں جو لفظ ڈالی ہے وہ ڈالنا، لگانا، بونا کے معنی میں ہے۔اور فعل ہے۔اس اعتبار سے یہ شعر اردو ادب کی صنعت تجنیس مستوفی ہے۔پہلے مصرع میں لفظ ڈالی جو اسم ہے وہ باعتبار تشبیہ استعمال کیا گیا ہے۔اور دوسرے مصرع میں جو لفظ ڈالی ہے وہ فعل ہے اور اس کا ذکر باعتبار فعل ماضی کیا گیا ہے۔جس کا مطلب یہ ہوا کہ اسے ''بو کر تیرے رب نے بنا رحمت کی ڈالی ہے۔'' اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رب تبارک وتعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے کون سی ٹہنی (ڈالی) کی بنیاد (ڈالی)؟ یہ معمہ حل کرنے کے لئے قرآن مجید کی آیات کی روشنی درکار ہے۔

اہل جنت پر اپنے انعامات کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

''وَ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ وَ طَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ وَ ظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ''

(سورہ الواقعہ، آیت ۲۷،۳۰)

ترجمہ: اور داہنی طرف والے کیسے داہنی طرف والے، بے کانٹوں کی بیریوں میں اور کیلے کے گچھوں میں اور ہمیشہ کے سایہ میں۔ (کنزالایمان)

اس آیت میں مذکور ظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ کی تفسیر حدیث شریف میں موجود ہے۔ بخاری، مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ میں سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظل ممدود کی تفسیر میں فرمایا:

''اِنَّ فِی الْجَنَّةِ شَجَرَةً یَسِیْرُ الرَّاکِبُ فِی ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ لَا یَقْطَعُهَا۔''

ترجمہ: جنت میں ایک درخت ہے اگر سوسال تک سوار اس کے سایہ میں سفر کرے تو بھی وہ ختم نہ ہوگا۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ''اِنَّ اللّٰهَ غَرَسَهَا بِیَدِهٖ'' یعنی اللہ نے اس درخت کو خود اپنے دست قدرت سے لگایا ہے۔ علاوہ ازیں متعدد احادیث ''ظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ'' کے تعلق سے وارد ہیں۔ مثلاً:

- اس کی ٹہنیاں جنت کے احاطے کے باہر تک چھائی ہوئی ہیں۔
- جنت میں جو بھی نہر ہے وہ اسی درخت کی جڑ سے نکلتی ہے۔
- اس کے پتوں سے جنت کو رنگ وروغن کیا جاتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔
- ''ظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ'' کی تشریح میں تفسیر نیشاپوری میں لکھا ہے کہ وہ سایہ دراز ہر طرف پھیلا ہوا ہے جو نہ سمٹے، نہ سکڑے، جو دائم اور باقی ہے اور کبھی بھی زائل نہ ہو یہاں تک کہ اسے سورج بھی ختم نہ کر سکے۔

''ظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ'' کے جتنے بھی اوصاف ذکر ہوئے وہ تمام اوصاف آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں کامل طور پر جلوہ افروز ہیں۔

''ظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ'' کے درخت کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے لگایا ہے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق بھی دست قدرت کا سب سے بہترین شاہ کار ہے۔ جس طرح جنت کی ہر نہر اس درخت سے فیضیاب ہے۔ اسی طرح وہ درخت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض یافتہ ہے۔

کیوں کہ حدیث میں وارد ہے کہ

''اَنَا مِنْ نُوْرِ اللّٰهِ وَ کُلٌّ مِّنْ نُوْرِیْ''

یعنی میں اللہ کے نور سے ہوں اور میرے نور سے سب۔

تو ثابت ہوا کہ حضور کا سایۂ رحمت تمام مخلوق پر اللہ کی رحمت کا کبھی نہ زائل ہونے والا سایہ ہے۔ اور اسی کو رحمت کی ڈالی کہنا مناسب اور موزوں ہے۔ اس شعر کے دوسرے مصرع میں حضرت رضا بریلوی نے ''بنا رحمت کی'' یعنی رحمت کی جڑ کا استعمال کر کے سارا معاملہ ہی حل کر دیا کہ کائنات میں جس کو بھی، جہاں بھی، جب بھی، جیسے بھی نعمت ملی یا مل رہی ہے یا آئندہ ملے گی وہ سب اس رحمت عالم کی رحمت کا صدقہ ہے۔ جو تمام نعمتوں اور رحمتوں کی اصل اور بنیاد ہے۔



۵

پھر پھر کر ہر جانب دیکھوں کوئی آس نہ پاس کہیں
ہاں اک ٹوٹی آس نے ہارے جی سے رفاقت پالی ہے

حل لغت:

آس: اردگرد، قرب و جوار، اغل بغل، گرد و پیش، پڑوس، ایک پھل کا نام۔ (فیروز اللغات، ص۱۹ ☆ لغات کشوری، ص۳۱)
آس: آشا، امید، خواہش، آرزو، آسرا، بھروسہ، سہارا، آٹا پیسنے کی چکی۔ (فیروز اللغات، ص۱۹ ☆ لغات کشوری، ص۳۱)
رفاقت: ہمراہی، ساتھ، اتحاد، خیر خواہی، ہمدردی، وفاداری، معاونت، محبت، دوستی۔
(فیروز اللغات، ص۷۱۳ ☆ لغات کشوری، ص۳۲۷ ☆ کریم اللغات، ص۸۰
ہارا: آشا، امید، خواہش، آرزو، آسرا، بھروسہ، سہارا، آٹا پیسنے کی چکی۔ (فیروز اللغات، ص۱۴۲۸)
پالی: پالا کی تانیث، تعلق، واسطہ، سروکار، سابقہ، جان پہچان۔ (فیروز اللغات، ص۲۶۶)
پہلے مصرع میں جو لفظ "آس" ہے اس کا مطلب "قریب، قریب" ہے۔
دوسرے مصرع میں جو لفظ "آس" ہے اس کا مطلب "امید" ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے دور میں پھیلے ہوئے فتنے اور الحاد و بے دینی کے ماحول سے دل برداشتہ ہو کر اس بگڑے ماحول سے ٹکرانے میں اپنی تنہائی اور عدم حمایتی کا افسوس کرتے ہوئے بڑی حسرت سے فرماتے ہیں کہ میں اس الحاد اور بے دینی کے دور میں دین پاک مصطفیٰ کی خدمت اور نصرت کرنے میں اپنے کو تنہا محسوس کرتا ہوں۔ میری دلی خواہش ہے کہ مجھے کوئی مضبوط ساتھی مل جائے جو "اِعْلَاءِ کَلِمَةِ الْحَقّ" کا فریضہ انجام دینے کی صلاحیت اور جذبہ رکھتا ہو اور اس امید میں ہر طرف نگاہ دوڑاتا ہوں کہ شاید کوئی ساتھی مل جائے لیکن حال یہ ہے کہ نہ کوئی آس (گرد) ہے اور نہ کوئی پاس (قریب) ہے، الحاد و بے دینی کے لشکر عظیم سے مجھے تنہا ہی ٹکر لینی ہے۔ میں حسب استطاعت سعی پر خلوص کر ہی رہا ہوں اور ساتھ میں کسی معاون و ہمدرد ملت مل جانے کی امید بھی رکھتا ہوں کہ وہ میرا ہاتھ بٹائے لیکن میری آس (امید) پوری نہیں معلوم ہوتی، گویا ہمت ہار چکا ہوں۔ کوئی یار نہیں۔ کوئی رفیق نہیں۔ کوئی معین و

مددگار نہیں، کوئی ساتھی نہیں۔ لیکن ان تمام حالات کے باوجود ایک ٹوٹی ہوئی آس (امید) ہے اور اسی آس نے میرے ٹوٹے ہوئے دل سے رفاقت یعنی ہمراہی و ہمدردی اور دوستی قائم کی ہے اور اسی کے سہارے میں اپنے حوصلے کو بلند رکھ کر فریضۂ اعلاء کلمۃ الحق ادا کر رہا ہوں اور حوادث زمانہ سے ٹکر لے رہا ہوں۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے لفظ ''آس'' کا استعمال دو مرتبہ کیا ہے۔ مصرع اول میں لفظ ''آس'' کا مطلب اردگرد، قرب و جوار وغیرہ ہے۔ اور مصرع ثانی میں لفظ آس کا مطلب امید، آشا، بھروسہ، آسرا وغیرہ ہے۔ دونوں لفظ ''آس'' حروف و اعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی و مفہوم کے اعتبار سے متفرق۔ لہٰذا یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا نمونہ ہے۔ یہ شعر حضرت رضا بریلوی کی اس نعت کا ہے جس میں آپ نے ملت اسلامیہ کے افراد کو ایمان کے لٹیروں سے ہوشیار رہنے کی تلقین فرمائی ہے۔ جس کا پہلا شعر یہ ہے:

سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے ۔۔۔ سونے والو جاگتے رہیو، چوروں کی رکھوالی ہے

آپ نے ملت اسلامیہ کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لئے اپنے اس کلام کے ذریعہ جھنجھوڑا ہے اور ایمان کے لٹیروں کی فریب کاریوں سے آگاہ کرتے ہوئے یہاں تک فرمایا ہے:

یہ جو تجھ کو بلاتا ہے یہ ٹھگ ہے مار ہی رکھے گا ۔۔۔ ہائے مسافر دم میں نہ آنا، مت کیسی متوالی ہے

●

آنکھ سے کاجل صاف چرالیں، یاں وہ چور بلا کے ہیں ۔۔۔ تیری گٹھری تاکی ہے اور تو نے نیند نکالی ہے

●

سونا پاس ہے، سونا بن ہے، سونا زہر ہے اٹھ پیارے ۔۔۔ تو کہتا ہے نیند ہے میٹھی، تیری مت ہی نرالی ہے

حضرت رضا بریلوی ملت اسلامیہ کی خیر خواہی اور اس کے ایمان کے تحفظ کے لئے غایت درجہ فکرمند تھے اور آپ نے ہر ممکن کوشش کر کے بھولے بھالے مسلمانوں کو ایمان کے لٹیروں اور ٹھگوں کے دام فریب میں آنے سے بچایا اور اپنی زندگی کا ہر لمحہ اور ہر ساعت ملت اسلامیہ کی خدمت میں صرف فرمائی۔ آپ اپنے ذاتی معاملے کے لئے کبھی پریشان اور فکرمند نہیں ہوئے۔ البتہ ملت اسلامیہ کی بھلائی، اصلاح اور فلاح و بہبود کے لئے آپ ہمہ وقت فکرمند اور بے چین رہے۔ آپ نے دشمنان رسول کے عقائد باطلہ کی دھجیاں اڑانے کے لئے اپنے قلم کو مسلسل حرکت میں رکھا۔ عقائد باطلہ کی تردید میں قرآن و حدیث کے قوی براہین پیش فرما کر منافقوں کو دم بخود اور مسکت کردیا۔ انبیائے کرام اور اولیائے عظام کی محبت میں کئے جانے والے جائز اور مستحسن امور کے ثبوت میں آپ نے دلائل کے انبار لگادیئے اور ملت اسلامیہ کی بھاری اکثریت کو گمراہ ہونے سے بچالیا۔

آپ کو اپنے آقا و مولیٰ مصطفیٰ جان رحمت ﷺ سے والہانہ عشق تھا اور اپنے آقا و مولیٰ کی نصرت و امداد پر غایت درجہ اعتماد تھا۔ جس کی تفصیل شعر نمبر 9، 21، 27، 37، 43، 63، 65، 87، 96، 97، 104 کی تشریح میں ملاحظہ فرمائیں۔ آپ

کواپنے آقاو مولیٰ ﷺ کی ذات پر جو اعتماد و یقین تھا اس کا آپ نے کچھ اس طرح اظہار فرمایا ہے:

ڈوبی ناویں تراتے یہ ہیں — ہلتی نیویں جماتے یہ ہیں

●

ٹوٹی آسیں بندھاتے یہ ہیں — چھوٹی نبضیں چلاتے یہ ہیں

●

جلتی جانیں بجھاتے یہ ہیں — روتی آنکھیں ہنساتے یہ ہیں

●

لاکھوں بلائیں کروڑوں دشمن — کون بچائے بچاتے یہ ہیں

●

مرقد میں بندوں کو تھپک کر — میٹھی نیند سلاتے یہ ہیں

آپ نے اپنے آقا و مولیٰ پر اعتماد و بھرسہ کا ذکر کرتے ہوئے مصرع ثانی میں فرمایا ہے کہ "ہاں ایک ٹوٹی آس نے ہارے جی سے رفاقت پالی ہے" اور آپ کی امید یقین کے درجہ تک پہنچی ہے اور بارگاہ رسالت سے آپ پر فضل و کرم کی بے شمار نوازشیں ہوئی ہیں۔



(٦)

آئی بدعت چھائی ظلمت رنگ بدلا نور کا
ماہ سنت مہر طلعت لے لے بدلا نور کا

حل لغت:

بدعت: دین میں کوئی نئی بات یا رسم نکالنا، نیا دستور، نئی رسم، نیا رواج سختی، ظلم جھگڑا، فساد، شرارت۔

(فیروز اللغات، ص ۱۸۸ ☆ لغات کشوری، ص ۸۹ ☆ کریم اللغات، ص ۲۲)

ظلمت: تاریکی، اندھیرا، سیاہی (فیروز اللغات، ص ۸۸۵ ☆ لغات کشوری، ص ۲۷۷ ☆ کریم اللغات، ص ۱۰۷)

رنگ: لون، فام، رنگت، روپ، انداز، طرز، روش، وہ سفوف اور سیاہ چیز جس سے رنگتے ہیں، قسم، نوع، بہار، خوبصورتی،

رونق، مانند، نظیر، دستور، قاعدہ، رسم، حال، تماشا، سیر، سماں، موسم، خون، حصہ، نصیب، طریقہ، طاقت، قوت، سلوک، برتاؤ، ہم سیر، جوڑ، مکر، حیلہ، فریب، کیفیت حالت، عیب، شرم، رنج، محنت، خوبی، زبردست، خوشی، تندرستی، غصہ، غضب، خیانت وغیرہ۔ (فیروز اللغات، ص۲۰۷☆لغات کشوری، ص۳۳۲☆کریم اللغات، ص۸۱)

طلعت: چہرہ، شکل، رخ، دیدار، نظارہ۔ (فیروز اللغات، ص۸۸۰☆کریم اللغات، ص۴۷۰)

بدلا: بدل جانا، تبدیل ہو جانا، اور کا اور ہو جانا، پھر جانا، مکر جانا، وعدہ خلافی کرنا۔ (فیروز اللغات، ص۱۸۸)

بدلا: انتقام، عوض لینا، معاوضہ لینا، قصاص، اجر، صلہ، احسان، بخشش۔ (فیروز اللغات، ص۱۸۸)

پہلے مصرع میں لفظ ''بدلا'' کا مطلب ''تبدیل ہونا'' ہے۔

دوسرے مصرع میں لفظ ''بدلا'' کا مطلب ''انتقام'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کی مدح وثنا کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین، نور مبین، سید الموحدین، ماحی شرک و بدعت، قاطع ظلمات ہادی الناس کی دنیا میں تشریف آوری سے پہلے پوری دنیا اور خصوصاً ملک عرب کی حالت بہت ہی خستہ تھی۔ انسانیت اور اخلاق سے لوگوں کو بہت ہی کم واسطہ تھا۔ شرک و کفر، بدعت و ضلالت، ظلم و جفا، قتل و غارت، ظلمت و جہالت، بداخلاقی و بد تہذیبی، بت پرستی و شراب نوشی، حرام خوری و زنا کاری، قمار بازی و چوری اور ڈکیتی وغیرہ جیسے بے شمار امور مذمومہ کا بازار گرم تھا۔ شرم و حیا کا نام و نشان نہ تھا۔ انبیاء سابقین علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات و ہدایات کو لوگوں نے فراموش کر دیا تھا۔ رشد و ہدایت کی شمع گل ہو چکی تھی۔ بلکہ انبیاء سابقین جو پیغام توحید لائے تھے اس کو بھی پس پشت ڈال دیا گیا تھا۔ ان کی شریعتوں کے قوانین و ضوابط بھی مسخ ہو کر اصل صورت پر برقرار نہ تھے۔ بلکہ لوگ اپنی مرضی و منشاء کے موافق اس میں تحریف و ترمیم کرنے میں قطعاً جھجک محسوس نہیں کرتے تھے۔ لوگ دین میں نئی نئی باتیں ایجاد و اختراع کرتے تھے۔ دنیا نور ہدایت سے بچھڑ کر ظلمات ضلالت میں بھٹک رہی تھی۔ دین ابراہیمی صرف نام کا رہ گیا تھا۔ جس خانۂ کعبہ کو حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنے دست اقدس سے تعمیر کر کے اس کو خدا کی عبادت و بندگی کے لیے خاص فرمایا تھا وہی خانۂ کعبہ بتوں کا مسکن اور گہوارہ بنا دیا گیا تھا۔ الغرض کفر و شرک و ضلالت کا ہر طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ نئی نئی باتیں اور رسمیں مذہب کے نام پر ایجاد کی جارہی تھیں۔ ہر طرف بدعت کا دور دورہ تھا۔ اور نور یعنی ہدایت جو دین ابراہیمی کے ذریعہ پہلے قائم و رائج تھی اس کا دستور ہی تبدیل ہو گیا تھا۔ لوگوں نے اپنے مفاد کے لئے آسمانی کتابوں یعنی توریت و انجیل میں بھی تحریف و ردوبدل کرنے سے احتراز نہیں کیا۔ جس کے جی میں جو آتا تھا کرتا تھا۔ خوف خدا، پاس شریعت، لحاظ دین، شرم و حیا، مروت، ایفائے عہد اور ایمان وغیرہ سے خالی ہو کر لوگ عیش و عشرت، شراب و شباب، فسق و فجور اور لہو و لعب میں بد

تھے۔ تقویٰ و پرہیزگاری، خداترسی اخلاق حسنہ، ایمانداری، دیانت داری، فرائض کی بجا آوری، ہمدردی، بردباری، شفقت و محبت، احسان مندی، احسان شناسی اور وفاداری وغیرہ کا فقدان تھا۔ شریف انسان کو شرافت سے جینا دشوار تھا۔ الغرض ماحول اتنا سنگین تھا کہ بقول حضرت رضا بریلوی ''آئی بدعت چھائی ظلمت رنگ بدلا نور کا'' ماحول تھا۔

اس شعر میں لفظ ''بدلا'' کا استعمال دو مرتبہ کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ بدلا ہے وہ بدل جانا، تبدیل ہونا، متغیر ہونا، مکر وغیرہ کے معنی میں ہے اور دوسری مرتبہ جو لفظ بدلا ہے وہ انتقام، معاوضہ، اجر، قصاص وغیرہ کے معنی میں ہے۔ دونوں لفظ ''بدلا'' حروف و اعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کی مثال ہے۔

شعر کی ابتدا میں حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ آئی بدعت، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ بدعت پہلے نہ تھی بلکہ بعد میں آئی۔ اس کی وضاحت کرنے سے پہلے قارئین سے ایک ضروری گزارش یہ ہے کہ یہاں بدعت سے مراد بدعت اعتقادی ہے جو کفر اور شرک پر مشتمل ہوتی ہے۔ حالاں کہ بدعت کی بہت سی قسمیں ہیں: بدعت عملی، بدعت حسنہ، بدعت سیئہ، بدعت جائزہ، بدعت مستحبہ، بدعت واجبہ، بدعت مکروہہ اور بدعت حرام، یہاں اس کی تفصیلی بحث ممکن نہیں، اس شعر کی تشریح کے اختتام پر ممکن ہوا تو بحث کروں گا۔ ورنہ ان شاء اللہ کسی اور موقع پر۔

لفظ آئی صیغہ ماضی مونث ہے۔ لفظ آیا کا اور آنا کا مطلب ہے وارد ہونا، نمودار ہونا، آپہنچنا، داخل ہونا جو جانا کی ضد ہے۔ (فیروز اللغات ص ۳۲)

تو حضرت رضا بریلوی کے شعر میں آئی بدعت کا جملہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مکہ معظمہ اور دیگر جزیرہ عرب میں بدعت پہلے نہ تھی، بلکہ باہر سے بعد میں لائی گئی۔

ابوالمنذر ہشام کلبی (متوفی ۸۱۹ھ) نے اپنی تصنیف ''کتاب الاصنام'' جو مصر سے ۱۳۴۲ھ میں شائع ہوئی ہے، اس میں ذکر کیا ہے کہ پہلے عرب دین ابراہیمی پر تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد ان کے صاحبزادے نابت خانۂ کعبہ کے متولی ہوئے تھے۔ ان کے بعد قبیلہ جرہم متولی ہوا۔ اس قبیلہ کو بیت اللہ شریف سے نکال کر قبیلہ خزاعہ کا مورث اعلیٰ عمرو بن ربیعہ بن حارثہ بن عمرو بن عامر ازدی متولی بن گیا۔ یہی عمرو بن ربیعہ عرب میں بت پرستی کا بانی اور موجد ہے اور اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ عمرو بن ربیعہ بیمار ہوا۔ بہت علاج ہوا لیکن صحت یاب نہ ہوا۔ کسی نے اس سے کہا کہ ملک شام (syria) میں بلقاء نامی مقام پر گرم پانی کا ایک چشمہ ہے اگر تم اس میں غسل کر لو تو تندرست ہو جاؤ گے۔ عمرو بن ربیعہ بلقا گیا اور چشمہ میں غسل کر کے اچھا ہو گیا۔ عمرو بن ربیعہ نے ملک شام میں لوگوں کو بتوں کی پوجا کرتے دیکھا اس نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ شام کے لوگوں نے کہا کہ ہم ان کے وسیلہ سے بارش کی دعا کرتے ہیں اور انھیں کے وسیلہ سے دشمن پر فتح پاتے ہیں۔ یہ سن کر اس نے درخواست کی کہ ان میں سے کچھ مجھے عنایت کیجئے۔ چنانچہ وہ ملک شام سے کچھ بت اپنے ساتھ لایا، اور مکہ آکر اس نے ان بتوں کو خانۂ کعبہ کے گرد نصب کر دیا اور لوگوں کو ان کی پوجا کی دعوت دی۔ اس طرح ملک عرب میں

بت پرستی رائج ہوئی۔

ملک عرب میں بت پرستی اتنی پھیلی کہ لوگ ہر بات میں بتوں کی طرف رجوع کرنے لگے۔ توحید سے منہ موڑ کر لوگ بت پرستی میں ایسے منہمک ہوئے کہ ہر قبیلہ کا بت الگ تھا۔ ہر قبیلہ والا اپنے بت کو اپنا حاجت روا، محافظ، نگہبان اور معبود سمجھ کر اس کی پرستش کرتا تھا۔ خانۂ کعبہ کے علاوہ ہر مقام پر بت نصب کئے گئے اور ان کی پوجا کی جانے لگی۔ عرب میں جن بتوں کو بہت اہمیت اور شہرت دی جاتی تھی ان میں سے چند بتوں کے نام یہ ہیں: لات، عزیٰ، منات، فلس، نسر، یعوق، یغوث، سواع، ود، ذوالخلصہ، سعد، ذوالکفین، ذوی الشری، اقیصر، نہم، رضی، سعیر، عمیانس، ہبل وغیرہ ان کے علاوہ عرب میں اور بھی کثیر تعداد میں بت تھے۔ بت پرستی کے علاوہ اور بھی بہت سارے خرافات عرب میں رائج تھے۔ ایک طائرانہ نظر سے اس وقت کے ماحول کا جائزہ لیں:

- ستاروں کی بھی پوجا ہوتی تھی، قبیلہ حمیر سورج کی پوجا کرتا تھا، قبیلہ کنانہ چاند کو، قبیلہ بنوتمیم دبران کو، قبیلہ قیس شعری کو، قبیلہ اسد عطارد کو، قبیلہ لخم اور قبیلہ جذام مشتری کو پوجتے تھے۔ (طبقات الامم، از ابن سعد اندلسی، مطبوعہ بیروت، ص ۴۳)
- عرب میں درخت پرستی بھی پائی جاتی تھی مکہ شریف کے قریب ایک بڑا سبز درخت تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں لوگ سال میں ایک دفعہ وہاں آتے اور اپنے ہتھیار اس درخت پر لٹکاتے اور اس درخت کے پاس جانوروں کو ذبح کرتے۔ کہتے ہیں کہ عرب جب حج کو آتے تو اپنی چادریں اس درخت پر لٹکا دیتے اور حرم شریف میں تعظیم کی غرض سے بغیر چادر کے داخل ہوتے اسی لئے اس درخت کو ''انواط'' کہتے ہیں۔ (سیرت ابن ہشام)
- بتوں پر عموماً حیوانات کا خون بہایا جاتا تھا۔ اور بعض اوقات تو انسان کو بھی بتوں کی بھینٹ چڑھا دیتے تھے۔ عرب میں دومہ کے باشندے سال میں ایک بار اپنے بتوں کو ایک لڑکے کی بھینٹ دیتے تھے۔ اور اس لڑکے کو بھینٹ چڑھانے کے بعد اسے قربان گاہ کے نیچے دفن کر دیتے تھے۔ (مذہب واخلاق کی انسائیکلوپیڈیا، تحت عرب قدیم)
- عرب میں یہودیت، نصرانیت اور مجوسیت بھی رائج تھی۔ چنانچہ قبیلہ حمیر، کنانہ، بنوحارث بن کعب اور کندہ میں یہودیت، قبیلہ ربیعہ، غسان اور قضاعہ میں نصرانیت اور قبیلہ بنوتمیم میں مجوسیت تھی۔ مدینہ منورہ میں یہودیوں کا زور اور تسلط تھا۔ خیبر میں بھی یہودیوں کی اکثریت تھی، مجوسیت بھی تھی لیکن کم تھی۔ کیوں کہ مجوسیت، بت پرستی، یہودیت سب نصرانیت میں جذب ہو گئی تھی۔ (حیات الحیوان، جزء اول، ص ۱۶۹)
- عرب میں ازواج کی کثرت تھی۔ چنانچہ جب حضرت غیلان ثقفی ایمان لائے تو ان کے تحت دس عورتیں تھیں۔ علاوہ ازیں دو بہنوں کو ایک ساتھ اپنے نکاح میں رکھنا جائز سمجھتے تھے۔ چنانچہ ضحاک بن فیروز کا بیان ہے کہ جب میرے والد ایمان لائے تو ان کے تحت دو سگی بہنیں تھیں۔ (سیرت رسول عربی، از توکلی ص ۵۳)
- جب کوئی شخص مرجاتا تو اس کا بیٹا اپنی سوتیلی ماں کو میراث میں پاتا، چاہتا تو اس سے شادی کر لیتا ورنہ اپنے کسی بھائی یا رشتہ دار کو شادی کے لئے دے دیتا۔ (ایضاً)

- شراب خوری اور قمار بازی (جوا) معاشرہ میں عام طور سے رائج تھیں، مہمان نوازی کی طرح ان دونوں میں مال و دولت لٹانے میں لوگ فخر محسوس کرتے تھے۔ ملک عرب میں انگور یا کھجور سے جو شراب بنائی جاتی تھی وہ ان کے لئے کافی نہ تھی، اس لئے شراب بڑی مقدار میں دیگر ممالک سے منگائی جاتی تھی۔ جو بہت تیز ہوتی تھی۔ ملک شام فلسطین وغیرہ سے شراب آتی تھی۔ (سیرت رسول عربی، ص ۵۴)
- بعض عرب اجرام فلکیہ، آفتاب و ماہتاب اور ستاروں کی پوجا کرتے تھے۔ بعض تشبیہ کے قائل تھے۔ اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں سمجھ کر ان کی پوجا کرتے تھے۔ توریت اور انجیل میں تحریف اور ترمیم کی جا چکی تھی۔ یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے تھے اور تین خدا کے قائل تھے۔
- قساوت قلب کا یہ حال تھا کہ لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیتے تھے۔ لڑائیوں میں آدمیوں کو زندہ جلا دینا، عورتوں کا پیٹ چاک کرنا، اور بچوں کو تہ تیغ کر دینا عموماً جائز سمجھتے تھے۔ (سیرت رسول عربی، ص ۵۵)

خلاصہ یہ ہے کہ دین ابراہیمی جو عرب کا اصل دین تھا، سوائے چند رسموں کے عرب میں معدوم ہو چکا تھا۔ بجائے توحید کے عموماً بت پرستی اور دیگر مراسم شرک رائج تھے، یہ حالت صرف ملک عرب تک ہی محدود نہ تھی بلکہ تمام دنیا میں اس طرح کی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔

- اہل فارس آگ کی پوجا کرتے تھے اور اپنی ماؤں کے ساتھ وطی (ہم بستری) کرنے میں شرم محسوس نہیں کرتے تھے۔ (شرح فقہ اکبر، از ملا علی قاری)
- ترکستان کے لوگ شب و روز بستیوں کو تباہ کرنے اور بندگان خدا کو اذیت دینے میں مصروف رہتے تھے، ان کا دین بتوں کی پوجا کرنا اور ان کا کام مخلوق پر ظلم وستم کرنا تھا۔ (سیرت رسول عربی، ص ۵۵)

مذکورہ حالات کے سبب تقریباً پوری دنیا پر بے دینی اور گمراہی کے بادل چھا گئے تھے۔ اصل دین یعنی دین ابراہیمی جو اللہ کا دین تھا، جو ہدایت کا نور تھا، شریعت ابراہیمی جو نور و روشنی تھی، معرفت الٰہی کا اجالا تھی اس شریعت کو لوگوں نے اپنے ارتکاب مذمومہ سے بدل ڈالا تھا۔ اور وہ دین ابراہیمی سوائے چند رسموں کے معدوم ہو گیا تھا، دین داری کا ماحول نام کا رہ گیا تھا۔ توحید کے بجائے شرک عام ہو چکا تھا۔ گویا مذہب کا رنگ ہی بدل گیا تھا۔ بقول رضا بریلوی ''رنگ بدلا نور کا'' ماحول ہو چکا تھا۔ ایسے پرفتن ماحول میں ایک ہادیٔ کامل کی اشد ضرورت تھی، جو ''ماہ طلعت لے لے بدلا نور کا'' کی شان عالی وقار سے، اپنے اسوۂ حسنہ سے اور دنیا کو توحید کے نور سے منور کر دے۔

مصرع ثانی میں حضرت رضا بریلوی نے ''ماہ سنت'' اور ''مہر طلعت'' استعمال فرمایا ہے، لفظ ''ماہ'' سے مراد چاند اور ''مہر'' سے مراد سورج کے علاوہ مہربانی بھی ہے۔

- لغت میں مہر کے معنی محبت، الفت، دوستی، ہمدردی، رحم اور ترس وغیرہ بھی ہیں۔ (فیروز اللغات، ص ۱۳۲۲)

یعنی اے سنت کے چاند! آپ طلوع یعنی ظاہر ہونے کی مہربانی فرمائیں، یا اے دستور خداوندی کے ماہتاب آپ

طلوع فرماؤ، یعنی دنیا کو اپنے دیدار سے مشرف فرمائیں! کیوں کہ آپ اللہ کے نور ہیں۔ اور دنیا میں کفر وضلالت کی گھٹا چھا گئی ہے۔ اس ظلمت کو صرف آپ کا نور منور ہی دور فرما سکتا ہے۔ حضرت رضا بریلوی کے اس شعر کے مصرع ثانی کا ہر لفظ اتنا معنی خیز ہے کہ اس کی کماحقہ تشریح کرنا مجھ جیسے ناکارہ اور کم علم کے بس کی بات نہیں، ماہ سنت کا معنی تو میں نے اپنی بساط کے مطابق سنت کا چاند کیا ہے۔ لیکن یہاں سنت سے مراد دستور الٰہی زیادہ مناسب ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں لفظ سنت وارد ہے:

- ''سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا'' (پارہ ۲۶، سورۃ الفتح، آیت ۲۳)

ترجمہ: اللہ کا دستور ہے کہ پہلے سے چلا آتا ہے اور ہرگز تم اللہ کا دستور بدلتا نہ پاؤ گے۔ (کنزالایمان)

اس آیت میں سنت سے مراد دستور ہے۔ اللہ کا دستور یہ ہے کہ جب گمراہیت اور بے دینی بڑھ جاتی ہے اور لوگ اندھیروں میں بھٹکتے ہیں تو خالق کائنات، رب العالمین جو رحمٰن ورحیم ہے اپنے بندوں پر رحم فرما کر ان کی ہدایت اور بھلائی کی خاطر نبی اور رسول کو بھیجتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل اللہ کے بہت سے برگزیدہ انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے اور ان حضرات نے اپنا فریضۂ تبلیغ وہدایت اچھی طرح انجام دیا اور پھر وہ پردہ فرما گئے، ان کے پردہ فرمانے کے بعد اب پھر گمراہیت اور ضلالت کا بازار گرم ہے اور اللہ تعالیٰ کے دستور کے مطابق اب پھر ایک ہادی ورہنما کی تشریف آوری ہونے والی ہے۔ لیکن ان ہادی کی شان یہ ہے کہ وہ دستور الٰہی کے تحت آنے والے انبیاء ومرسلین کی انجمن کا چاند ہے۔

کیا خبر کتنے تارے کھلے چھپ گئے پر نہ ڈوبے نہ ڈوبا ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم

اس رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا شدت سے انتظار ہے، جن کی تشریف آوری کی سخت ضرورت ہے۔ جو قرآن مجید کے ارشاد کے مطابق ''نور'' ہے اور اس کے نور کی برکت سے ظلمت کی گھنگھور گھٹائیں بکھر جانے والی ہیں۔ اس نور منور کی تشریف آوری سے عالم جگمگا اٹھنے والا ہے۔ اس نور کی بارگاہ میں عرض ہے کہ ''مہر طلعت'' اپنا دیدار کرانے کی مہربانی کرو۔ شعر کے دوسرے جز میں حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ ''لے لے بدلا نور کا'' اس کے ظاہری معنی تو یہ ہوئے کہ نور کا انتقام لے لے۔ لیکن اس جملے کے معنی بہت ہی اعلیٰ معیار کے ہیں جو بعد میں عرض کرتا ہوں۔ پہلے یہ عرض کردوں کہ حضرت رضا بریلوی کے اشعار کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کے کئی کئی مطالب ہوتے ہیں۔ کم واقفیت رکھنے والا مجھ جیسا کم علم بلکہ بے بضاعت اس کے باطنی معنی اور رموز تک پہنچ ہی نہیں سکتا۔ صرف شعر کے الفاظ کو لغت سے حل کرنے کی کوشش کرتا ہوں اور اسی پر اکتفاء کرتا ہوں۔ اسی شعر کو لے لیجئے، ایک صاحب نے اس شعر کی تشریح یہ کی ہے کہ جب بدعت آئی تو ظلمت چھا گئی، تو نور کا رنگ بدل گیا۔ یعنی جلال آ گیا اور کہا کہ اے سنت کے چاند! اے طلعت کے سورج! بدلا لے لے۔ اب آپ غور کریں کہ اس شرح میں شعر کا صحیح مفہوم ومطلب ہی بدل گیا۔ آخری جملہ لے لے بدلہ نور کا اتنا وسیع المعنی ہے کہ اس کی تشریح میں دفاتر مرقوم کرنے کے باوجود بھی اس کی تشریح کا حق ادا نہ ہو سکے گا۔ لے لے بدلا نور کا مطلب یہ نہیں کہ انتقام لے لے یعنی دشمنوں نے جو ظلم کیا ہے اس کے انتقام میں دشمنوں پر سختی کرو بلکہ یہاں بدلہ سے مراد نعم البدل ہے۔ اور

معنی کو ذہن نشین کرنے کے لیے وضاحت ضروری ہے۔

حضرت سیدنا ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ پاک میں لوگوں کا جو ایمان تھا توحید الٰہی کی جو عظمت تھی، دین کی پاسداری تھی، شریعت ابراہیم علیہ السلام کی جو پابندی تھی، خدا اور رسول کی جو اطاعت تھی، دین و مذہب کا جو غلبہ تھا، لوگوں میں جو جذبۂ ایمان تھا، تقویٰ اور پرہیزگاری تھی، اعمال صالحہ کی جو رغبت تھی، اجتناب معاصی کا جو حوصلہ تھا، وہ بدعت وظلمت کے دور میں کالعدم ہو گیا۔ لہٰذا دستور الٰہی کے مطابق لوگوں کی ہدایت کے لئے تشریف لانے والے گروہ انبیاء کے چاند! آپ طلعت کی مہربانی فرماؤ اور لے لے بدلا نور کا یعنی جو ماحول حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ پاک میں تھا اس سے بھی اچھا ماحول قائم فرما کر دور ابراہیم کا نعم البدل دور محمدی کو فرما دو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں دین حنیفی ایک محدود سرحد تک ہی پھیلا تھا۔ لیکن یارسول اللہ! آپ طلعت فرما کر، دین محمدی کو دنیا کے گوشے گوشے تک پھیلا دو۔ دین اسلام دنیا کے تمام ادیان پر غالب آجائے اور قیامت تک غالب رہے۔

کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے مقدس کلام قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ

"هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ" (پارہ ۲۶، سورۃ الفتح، آیت ۲۸)

ترجمہ: وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب فرمادے۔

(کنزالایمان)

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ خواہ وہ مشرکین کے دین ہوں یا اہل کتاب کے دین ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت عطائی فرمائی اور اسلام کو تمام ادیان پر غالب فرمادیا۔ (تفسیر خزائن العرفان)

قرآن مجید کے ارشاد کے مطابق دین اسلام کو بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ اور طفیل وہ فروغ اور عروج حاصل ہوا کہ تمام ادیان مغلوب ہو گئے اور اسلام جزیرۂ عرب کی سرحدوں میں مقید نہ رہ کر دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل گیا۔ اور ملک عرب جو زمانہ جاہلیت میں شرک، کفر، بدعات اور دیگر رذائل کا مرکز ومنبع تھا۔ وہ ملک عرب شریف مالک عرب وعجم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے امن وآشتی کا گہوارہ بن گیا، اور صرف نور نہ ہو کر بلکہ منارۂ نور بن کر دنیا کو توحید ورسالت کی معرفت سے روشن کرنے لگا، شرک وکفر کی بدی، بدعات ومنہیات کی برائی اور دیگر افعال قبیحہ وارتکاب سیئہ کا ایسا استیصال ہوا کہ ایک زمانہ میں جو شرک کے ٹھیکہ دار تھے وہ اب توحید کے علمبردار بن گئے، اور یہی مطلب ہے لے لے بدلا نور کا کے جملہ کا۔ اس کو اور اچھی طرح سمجھنے کے لئے ایک بہت آسان مثال عرض خدمت ہے۔

کسی شہر میں شریف لوگوں کا محلہ ہے۔ لیکن اس محلّہ میں آہستہ آہستہ کچھ بدمعاش اور غنڈے قسم کے لوگ آکر بس گئے اور ماحول کو خراب کر دیا، محلے کے نوجوانوں کو شراب وزنا، چوری وجوا اور لوٹ مار میں ملوث کر دیا اور ایک زمانے میں جو شریفوں کا محلّہ کہلاتا تھا۔ وہ اب بدمعاشوں کے محلّہ کے نام سے مشہور ہو گیا۔ محلّہ کا ماحول اب اتنا خراب ہو گیا کہ برائی کے خلاف آواز اٹھانا اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ اس محلّہ کے چند محدود خاندان ہی برائی سے محفوظ تھے۔ باقی

محلے کے اکثر لوگ برائیوں میں سر سے لے کر پاؤں تک غرق تھے، ایک نیک بخت شہزادہ دوسرے شہر سے یہاں چند دنوں کے لئے مہمان آیا، محلے کی حالت دیکھ کر اسے ملال ہوا۔ لیکن وہ مایوس نہ ہوا۔ اس نے برائیوں کے خلاف بہت ہی سنجیدگی سے مہم چلائی، حالاں کہ بدمعاشوں کی جماعت کے سردار بہت ہی خطرناک لوگ تھے۔ اس شہزادے نے اپنے اخلاق حسنہ اور حسن تدبیر سے غنڈوں کی اصلاح شروع کی اور چند دنوں میں یہ تبدیلی پیدا کردی کہ جو غنڈوں کے ہمنوا تھے، جو تمام برائیوں کے دلدادہ تھے وہی ان غنڈوں کے برے ارتکاب سے بیزار ہو گئے۔ اور نیکی کی راہ پر گامزن ہو گئے۔ اور ایک دن وہ آیا کہ اس محلہ میں برائی بالکل باقی نہ رہی، بلکہ پہلے سے زیادہ اس محلہ میں شرافت اور اچھائی اب نظر آنے لگی بلکہ اس محلہ کی شرافت کا اثر پورے شہر نے لے لیا۔ محلہ کو اچھی حالت میں واپس لانے کے بعد وہ شہزادہ واپس چلا گیا۔ اس نے غنڈوں کے ساتھ مار پیٹ کر کے بدلہ نہ لیا۔ بلکہ برائی کو ہی نیست و نابود کر کے فضا کو برائیوں سے پاک اور منزہ کر دیا اور یہی سب سے بڑا بدلہ تھا۔ بلا تمثیل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بدعت و ظلمت کو دور فرما کر دین ابراہیمی سے بھی زیادہ پرچم توحید کو بلند فرمایا۔



⑦

وہ رضاؔ کے نیزہ کی مار ہے کہ عدو کے سینہ میں غار ہے
کسے چارہ جوئی کا وار ہے کہ یہ وار وار سے پار ہے

حل لغت:

نیزہ: برچھی، بھالا، بلم، کلک، قلم کی چھڑ، پتلے اور لمبے بانس سے بنایا ہوا قلم۔

(فیروز اللغات، ص ۱۳۹۳ ☆ لغات کشوری، ص ۷۹۴ ☆ کریم اللغات، ص ۱۸۹)

مار: چوٹ، ضرب، مار، پیٹ، زدوکوب، دھکا، صدمہ، آسیب، دکھ، درد، تکلیف، عذاب، رنج، کوفت، تنگی، مفلسی، ٹوٹا، خسارہ، گھاٹا، حق تلفی، خیانت، لوٹ، غارت، سزا، غضب الٰہی، وبال، کثرت، بہتات، افراط، لالچ، طمع، علاج، دفعیہ، مصلح، فریب، دغا، دھوکہ، چال، توڑ، زور، سعی، کوشش، کاروبار، خرچ، لعنت، بددعا، دھمکی، ہلاک کرنے والا، سانپ، ظالم، بے رحم۔ (فیروز اللغات، ص ۱۱۸۱ ☆ لغات کشوری، ص ۴۸۴ ☆ کریم اللغات، ص ۱۱۲)

غار: پہاڑ کی کھوہ، گڑھا، بھٹ، جنگلی جانوروں کا مسکن، جنگلی جانوروں کے رہنے کا بل، زمین پست۔

(فیروز اللغات، ص ۸۹۲ ☆ لغات کشوری، ص ۵۰۹)

وار: حملہ، چوٹ، مار، زخم، گھاؤ، موقع، گھات، بوجھ، بھرا ہوا، مثل، مانند، لائق، روش، دستور، باری، داؤں، الزام، بہتان، دن، روز، ڈھیر، مقدار، صدقہ، نچھاور، دریا کا قریبی کنارہ، اس طرف، ادھر، طرز، مناسب، بموجب، بموافق، پانے والا، رکھنے والا۔ (فیروز اللغات، ص ۱۴۰۱ ☆ لغات کشوری، ص ۷۹۷ ☆ کریم اللغات، ص ۱۸۹)

پار: گزرا ہوا سال، پچھلا سال، جھیل یا دریا کا دوسرا کنارہ، دوسری طرف، آخری حد، تمام، عمق، گہرائی، غیر بے گانہ۔ (فیروز اللغات، ص ۲۶۳ ☆ لغات کشوری، ص ۱۱۵)

غار پر جانا: گڑھا ہو جانا، گہرا زخم ہو جانا، ناسور ہو جانا۔ (فیروز اللغات، ص ۹۰۹)

چارہ: علاج، تدبیر، مدد، مکر و فریب، درد، دوستی، سرانجام۔ (فیروز اللغات، ص ۵۱۲ ☆ لغات کشوری، ص ۱۱۵)

جوئی: نرالی، جدا، علاحدہ، الگ۔ (فیروز اللغات، ص ۴۸۶)

چارہ جوئی: استغاثہ، یا دعویٰ کرنا، نالش و فریاد کرنا۔ (فیروز اللغات، ص ۵۱۲)

دوسرے مصرع میں پہلے لفظ ''وار'' کا مطلب ''موقع'' ہے۔

دوسرے مصرع میں درمیان والے دوسرے لفظ ''وار'' کا مطلب ''زخم'' ہے۔

دوسرے مصرع میں تیسرے لفظ ''وار'' کا مطلب ''بھرنا'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان بارگاہ رسالت کے گستاخ اور بے ادب ملت اسلامیہ کے عدو یعنی دشمن فرقوں پر اپنے قلم کی ضرب کاری کا تذکرہ فرما رہے ہیں اور ''وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ'' پر عمل کرتے ہوئے تحدیث نعمت کے ساتھ ساتھ دشمنان رسول کو للکار بھی رہے ہیں کہ اے بارگاہ رسالت کے گستاخو! اے دشمنان رسول! دنیوی مال و متاع اور جاہ و منصب کی لالچ میں آکر چند سکوں کے عوض اپنی دولت ایمان فروخت کر کے تم قرآن کی آیات کے غلط تراجم اور احادیث رسول کے غلط معانی و مطالب بیان کر کے تعلیمات دین کی آڑ میں ملت اسلامیہ کے ایمان پر ڈاکا ڈالتے ہو۔ اگر تم میں دم خم ہے تو میدان دلائل و براہین میں آؤ اور بارگاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادنیٰ غلام کے نیزے یعنی قلم سے مقابلہ کرو۔ لیکن الحمد للہ! در مصطفیٰ کے ادنیٰ غلام احمد رضا کے نیزے کی وہ مار ہے کہ اس نیزے کا وار دشمنان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے میں غار یعنی پہاڑ کی مانند گہرا زخم کر دیتا ہے۔ اور رضا کے قلم (نیزے) کا جو وار (زخم) ہے وہ وار (بھرنے) سے پار یعنی غیر ممکن ہے اور اس زخم کی چارہ جوئی یعنی علاج، مدد یا استغاثہ و فریاد کرنے کا کسی کو وار (موقع) نہیں ملتا۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے لفظ ''وار'' کا استعمال تین مرتبہ فرمایا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ وار ہے اس کا مطلب موقع ہے۔ دوسری مرتبہ جو لفظ وار ہے اس کا مطلب بھرنا ہے۔ تینوں لفظ وار حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں، لیکن معنی اور مفہوم کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے قلم کو نیزہ سے تعبیر کیا۔ حالاں کہ قلم کے لئے اردو زبان میں کلک، خامہ وغیرہ الفاظ بھی وارد ہیں۔ اور لفظ نیزہ بھی قلم کے معنی میں مستعمل تو ہے لیکن بہت کم۔ لفظ نیزہ کا زیادہ تر استعمال برچھی، بھالا اور بلم کے لئے ہوتا ہے، اور یہ تینوں چیزیں آلات جنگ میں سے ہیں۔ ان کا استعمال دشمن پر حملہ کرنے، اس کو زخمی کرنے، یا اس کا سر قلم کرنے، یا اس کا سینہ چاک کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ عوام کی اصطلاح مین لفظ نیزہ بولنے سے لڑائی کا ہتھیار بھالا ہی مراد ہوتا ہے۔ حالاں کہ نیزہ کا معنی قلم صحیح ہے۔

صحت معنی کے باوجود اس کا استعمال قلم کے معنی میں شاذ و نادر ہے۔ بلکہ نیزہ بمعنی بھالا ہی مشہور ہے۔ قلم کے لیے کلک، خامہ یا قلم ہی لفظ اکثر و بیشتر استعمال کیا جاتا ہے۔ حضرت رضا بریلوی نے اپنے نعتیہ کلام میں اس کا استعمال اس طرح فرمایا ہے:

بس خامۂ خام نوائے رضاؔ نہ یہ طرز مری نہ یہ رنگ مرا ارشادِ احبا ناطق تھا ناچار اس راہ پڑا جانا

●

نعمتیں بانٹتا جس سمت وہ ذیشان گیا ساتھ ہی منشیِ رحمت کا قلم دان گیا

●

کلک رضاؔ ہے خنجر خوں خوار برق بار اعداء سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

مذکورہ اشعار میں حضرت رضا بریلوی نے لفظ خامہ، قلم اور کلک استعمال فرمایا ہے۔ لیکن اس وقت ہم جس شعر کی تشریح کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ اس میں قلم کے بجائے لفظ ''نیزہ'' استعمال فرمایا ہے۔

ویسے باعتبار لغت قلم، کلک، خامہ اور نیزہ ہم معنی الفاظ ہیں۔ لیکن ان کا استعمال سیاق وسباق اور موقع ومحل کی مناسبت کے اعتبار سے بدلتا ہے۔ مثلاً: کسی کو انعام واکرام کے طور پر کوئی جاگیر یا دستاویز تحریر کرنے کے لیے لفظ قلم کا استعمال ہوتا ہے۔ جیسے دستاویز قلم بند کرنا۔ یہاں پر دستاویز نیزہ بند کرنا نہیں کہا جائے گا۔ اسی طرح محرر اور منشی کو قلم زن کہا جاتا ہے۔

(فیروز اللغات، ص ۹۲۲)

اب اگر کوئی شخص قلم اور نیزہ کو ہم معنی گردان کر اور سیاق وسباق کا لحاظ نہ کرتے ہوئے منشی جی یا محرر صاحب کے لئے قلم زن کے بجائے نیزہ زن اور قلم کار کے بجائے نیزہ باز کا لقب استعمال کرے تو معنی میں فتور لاحق ہوں گے، کیوں کہ لغوی اعتبار سے نیزہ باز کے معنی ہیں بلم بردار یا بھالا لے کر جنگ کرنے والا۔ (فیروز اللغات، ص ۱۳۹۳)

الحاصل! قلم، کلک، خامہ اور نیزہ چاروں الفاظ ہم معنی ہونے کے باوجود ان کا استعمال سیاق وسباق کے اعتبار سے بدلتا ہے۔ قلم، کلک اور خامہ عام تحریر کے وقت کسی کی تعریف میں یا فن وادب یا علمی بات مرقوم کرنے میں مستعمل ہیں، لیکن لفظ نیزہ کا قلم کے معنی میں استعمال اسی وقت ہوتا ہے جب کہ قلم سے دشمن کی ہجو کی جائے یا کسی کے لئے کوئی سزا تجویز کی جائے یا کسی کو صدمہ پہنچایا جائے یا کسی کے الزامات واتہامات کا دندان شکن رد لکھا جائے۔ ایسے ماحول میں قلم کے لئے لفظ

نیزہ کا استعمال کرنا زیادہ مناسب ہے۔ کیوں کہ اس وقت قلم کے ذریعہ مخالف کو مجروح وزخمی کرنا مقصود ہوتا ہے۔

ایک بات اور بھی ہے کہ نیزہ آلات جنگ میں سے ہے اور نیزہ کا استعمال ہمیشہ حملہ اور وار کرنے کے لئے ہوتا ہے اور دفاع یعنی بچاؤ کے لئے ڈھال ہوتی ہے۔ ڈھال حملہ کرنے کے لئے نہیں بلکہ دفاع اور حفاظت کے لئے ہوتی ہے۔ جب نیزہ کا استعمال حملہ کر کے دشمن کو قتل وزخمی کرنا ٹھہرا، لہٰذا قلم کے ذریعہ دشمن پر وار کیا جانا ممکن ہوا اس وقت قلم کو نیزہ سے تشبیہ دے کر استعمال اس لیے درست ہوتا ہے کہ اس سے بھی مخالف مجروح ہوتا ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ نیزہ کے علاوہ تلوار، چھری، برچھی، سیف وغیرہ آلات بھی زخم پہنچانے کے لیے ہیں۔ اور ان سب کے ذریعہ بھی دشمن پر حملہ کیا جاتا ہے۔ لیکن کیا وجہ ہے کہ علمی جنگ میں استعمال ہونے والے قلم کو نیزہ کہا جاتا ہے۔ سیف، تلوار، چھری یا برچھی نہیں کہا جاتا اس کی کئی وجوہات ہیں پہلی وجہ تو یہ ہے کہ تلوار، برچھی، چھری وغیرہ نیزہ کے مقابل چھوٹی ہیں۔ نیزہ ان آلات حرب سے لمبا ہوتا ہے اور دشمن پر فاصلے سے وار کرنے میں آسانی ہوتی ہے جب کہ تلوار، چھری یا برچھی کا وار کرنے کے لئے مدمقابل سے بہت قریب ہونا پڑتا ہے اور اس صورت میں دشمن کے حملہ کا نشانہ بننا زیادہ ممکن ہوتا ہے۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ نیزے کا وار زیادہ تر سینہ یا سر اور حلق پر ہوتا ہے اور سامنے سے ہوتا ہے، پیٹھ کے پیچھے سے بہت ہی کم وار ہوتا ہے۔ پیٹھ کے پیچھے سے وار کرنا بزدلی اور نامردی کی علامت ہے۔ اور سینے پر سامنے سے للکار کر وار کرنا بہادری اور جواں مردی کی علامت ہے۔

مختصر یہ کہ نیزہ بمقابل دیگر آلات جنگ نمایاں، محفوظ اور بہادری سے جنگ کرنے کی علامت ہے۔ لہٰذا قلم کو نیزہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کیوں کہ قلم کا وار کرنے والا اپنے مقابل سے قریب نہیں ہوتا بلکہ فاصلہ اور دوری پر ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں قلم سے وار کرنے والا ہمیشہ اپنے نام سے مضمون شائع کرتا ہے اور اپنے تردیدی بیان میں مخالف کو للکارتا ہے۔ اپنے براہین وشواہد کی تیز دھار سے دشمن کے سینے کو چھلنی کرتا ہے۔ ملامت گر کی ملامت سے بے پروا بہادری اور دلیری سے قلم کا جوہر دکھاتا ہے۔

لہٰذا صاحب قلم کی دلیری اور بے باکی کے پیش نظر اس کے قلم کو نیزہ سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ لغت میں نیزہ اس قلم کو کہتے ہیں جو پتلے اور لمبے بانس سے بنایا گیا ہو، حالاں کہ چھوٹے قد کے قلم کو بھی قلم ہی کہتے ہیں اور درمیانی قد کے قلم کو کلک یا خامہ کہتے ہیں، لیکن ان چھوٹے اور درمیانی قد کے اقلام پر نیزہ کا اطلاق نہیں ہوتا ہے۔ حضرت رضا بریلوی بھی اکثر لمبے اور پتلے بانس کے تراشے ہوئے قلم سے تصنیف وتالیف فرمایا کرتے تھے لہٰذا ان تمام وجوہات کی بناء پر حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں: ''وہ رضا کے نیزہ کی مار ہے''

اس جملے میں حضرت رضا بریلوی نے لفظ ''مار'' کا استعمال فرمایا ہے۔ مار کے لغوی معنی چوٹ، ضرب، مار، پیٹ، زدوکوب، دھکا، وغیرہ ہیں۔ (فیروز اللغات، ص ۱۱۸۱)

اس اعتبار سے شعر کے ابتدائی جملے کا مطلب یہ ہوا کہ رضا کے قلم کی وہ چوٹ ہے، یا ضرب ہے، یا زدوکوب ہے یا دھکا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ قلم کی لمبائی ایک بالشت ہوتی ہے۔ ایک بالشت لمبے اور ایک انگشت چوڑے اور وہ بھی بانس جیسی

نرم لکڑی سے بنے ہوئے قلم سے کسی کو چوٹ کرنا ممکن نہیں۔ قلم سے کسی کو ضرب لگانے کی صورت میں خود قلم ہی ٹوٹ کر رہ جائے گا۔ مضروب کا کچھ بھی نقصان نہ ہوگا۔ وہ زخمی اور مجروح نہ ہوگا۔ تو پھر قلم کی مار کا مقصد کیا؟

جیسا کہ ابھی تمہید میں گزرا کہ نیزہ سے اکثر و بیشتر سینہ پر وار کیا جاتا ہے اور سینہ پر کیا گیا وار مہلک اور کارگر ہوتا ہے۔ نیزہ کی ہیئت سے قلم کے ذریعہ کیا گیا وار بھی ہمیشہ مخالف کے سینہ پر اثر انداز ہوتا ہے۔ بلکہ اہل ضمیر کے نزدیک نیزے کے وار سے قلم کا وار شدید تر ہوتا ہے۔ نیزے کا زخم تو بھر سکتا ہے۔ مگر قلم کا زخم جلدی مندمل نہیں ہوتا، اسی لئے اردو زبان میں ایک مثل مشہور ہے کہ "تلوار کا گھاؤ بھر جاتا ہے، زبان کا نہیں" یعنی طعن و تشنیع کا اثر دل سے کبھی نہیں جاتا۔

(فیروز اللغات ص ۳۷۷)

قلم زبان کی ترجمانی کرتا ہے۔ بلکہ زبان سے نکلی ہوئی بات کو الفاظ کی زنجیروں میں مقید کر کے اسے ثبات و دوام بخشتا ہے۔ قلم کی طاقت کے سامنے دنیا کی بڑی بڑی طاقتیں اور سلطنتیں جھک گئی ہیں، قلم کی مار سے زخمی ہونے والا کبھی صحت یاب نہیں ہوا ہے۔ قلم کی غیر محصور طاقت کے سبب اردو زبان میں قلم کے تعلق سے کئی مثل اور کہاوت رائج ہیں۔ مثلاً: قلم جاری رہے یعنی حکم چلتا رہے۔ حکومت برقرار رہے۔ (فیروز اللغات، ص ۹۶۳)

قلم زد کرنا یعنی کسی چیز کو مٹا دینا، کاٹ دینا وغیرہ (فیروز اللغات، ص ۹۶۲) قلم روشن رہے یعنی حکومت قائم رہے۔

حاصل گفتگو یہ ہے کہ قلم کی طاقت کا اندازہ نہیں ہو سکتا آج کے پر فتن دور میں منافقین کے ساتھ قلمی جنگ جاری ہے۔ پہلے کے زمانے میں تلوار، بلم، برچھی، بھالے تیر و تفنگ وغیرہ سے جنگیں لڑی جاتی تھیں۔ لیکن دور حاضر میں قلمی جنگ لڑی جا رہی ہے۔ پہلے عیسائی، یہودی، رومی، مجوسی، کافر، مشرک اور دیگر ادیان باطلہ کے متبعین متفق ہو کر اسلام سے لڑے تھے لیکن اسلامی لشکر کے بہادر جاں نثار مجاہدین کے سامنے ان کا کوئی بس نہیں چلتا تھا۔ اسی طرح آج کے پر فتن دور میں نجدی، وہابی، دیوبندی، تبلیغی، غیر مقلد، نیچری، چکڑالوی، قادیانی وغیرہ باطل فرقے متحد اور متفق ہو کر اہل سنت و جماعت سے ٹکراتے ہیں، لیکن ان کا کچھ بس نہیں چلتا اور ان کا حربہ کارآمد نہیں ہوتا کیوں کہ اہل سنت و جماعت کے امام اہل سنت، بہادر مجاہدین کی فوج کے سپہ سالار کی حیثیت سے اپنے ہاتھ میں نیزہ (قلم) لئے ہوئے قلمی میدان جنگ میں سینہ سپر ہیں، منافقوں کو اپنے نیزے (قلم) سے ضرب کاری لگا کر ان کے سینوں کو چھلنی کرنے کے لیے برسرپیکار ہیں۔ عظمت مصطفیٰ ﷺ کا پرچم ہر سو لہرانے کے لیے آمادہ ہیں۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اس شعر کے مصرع اول میں فرما رہے ہیں کہ وہ رضا کے نیزے کی مار ہے کہ عدو کے سینے میں غار ہے۔ یعنی رضا کا نیزہ (قلم) دشمن پر ہی وار کرتا ہے۔ یہاں جن اعداء کا ذکر ہے اس سے مراد کون ہیں؟ اور ان پر رضا کے نیزے کی مار کیوں اور کس طرح پڑی؟ اس کی کچھ مختصر گفتگو یوں ہے۔ مسلمانوں کا اتحاد پاش پاش کر کے ملت اسلامیہ کا شیرازہ منتشر کرنے کے ناپاک ارادوں سے حکومت برطانیہ نے وہابی نجدی فرقہ ایجاد کیا۔ اس فرقۂ باطلہ کے مورث اعلیٰ اور موجد مولوی ابن عبد الوہاب نجدی، مولوی اسماعیل دہلوی، مولوی قاسم نانوتوی، مولوی رشید احمد

گنگوہی، مولوی خلیل احمد انبیٹھوی، مولوی غلام احمد قادیانی، مولوی اشرف علی تھانوی وغیرہم نے اپنی رسوائے زمانہ کتابوں میں گندی اور گستاخانہ عبارتیں لکھ کر اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کی شان میں کھلی ہوئی گستاخیاں اور بے ادبیاں کیں اور اس پر طرفہ یہ کہ اپنی ان کفری عبارات کو صحیح ثابت کرنے کے لئے قرآن مجید کی آیات کے غلط تراجم وتفاسیر اور احادیث نبوی کے جھوٹے مفاہیم تراش کر غلط استدلال کیا اور اپنے غلط نظریات کو عین اسلامی وایمانی قرار دیا۔ قرآن وحدیث کے نام اور ان کی ریاکاری اور تقیہ بازی پر مشتمل ظاہری ٹیپ ٹاپ کی وجہ سے بھولے بھالے اور سیدھے سادے مسلمان دام فریب میں آگئے اور ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ مذہب کے نام پر پھیلائی جانے والی لامذہبیت نے ماحول کو پراگندہ بنا رکھا تھا۔ حکومت برطانیہ کی پشت پناہی اور صاحب اقتدار لوگوں کی شمولیت واعانت کی وجہ سے ان کے خلاف بلند کی جانے والی ہر آواز کو بزور بازو دبا دیا جاتا تھا۔ فرقۂ باطلہ کا لٹریچر کوڑیوں کے دام فروخت یا مفت تقسیم ہوتا تھا۔ مسلمان آپسی خانہ جنگی میں مذہب کے نام پر الجھ گئے تھے۔ حق کیا اور باطل کیا ہے؟ اس کا امتیاز بآسانی عوام المسلمین کے لئے دشوار ہو گیا تھا۔ کیوں کہ دونوں فریق اپنے حق اور صادق ہونے کے ثبوت میں قرآن واحادیث کے دلائل وبراہین پیش کرتے تھے۔ لوگ اس بنا پر شش وپنج کی گہری کھائی میں گر گئے تھے۔ ایسے سنگین ماحول میں امام احمد رضا محدث بریلوی تن تنہا ان فتن سے ٹکرائے اور اپنے قلم کا جوہر دکھا کر دشمنان رسول کے گروہ میں ماتم برپا کر دیا۔ حضرت امام احمد رضا کے دور میں تقریباً ایک سو سے زائد فتنوں نے سر اٹھایا تھا اور حشر برپا کر رکھا تھا۔ ان میں اہم فتن یہ تھے:

- امکان کذب باری تعالیٰ
- عدم اعتقاد علم غیب انبیاء واولیاء
- نفاذ شرک دراستغاثہ وتوسل مع انبیاء واولیاء
- انکار عقیدۂ ختم نبوت
- توہین انبیاء واولیاء
- حرمت ذبیحہ برائے ایصال ثواب
- انکار حیات انبیاء
- دعویٰ تماثل مع انبیاء کرام
- انکار شفاعت مصطفیٰ
- عدم جواز تقبیل ابہامین عند سماع اسم النبی
- عدم جواز کتابت علی الکفن
- عدم جواز معانقہ عید
- عدم جواز سفر زیارت مزارات اولیاء

- انکار معراج جسمانی
- حلت اکل زاغ
- انکار ایمان ابوین کریمین لرسول اللہ
- عدم جواز اذان قبر
- انکار اختیارات وتصرفات انبیاء واولیاء وغیرہ

ان فتنوں نے مسلمانوں کے ناک میں دم کر رکھا تھا اور ان تمام فتنوں کا اصل مقصد ومنشاء صرف اور صرف توہین و تنقیص انبیائے کرام اور اولیائے کرام تھا۔ ان تمام فتن کے رد وابطال کے لئے حضرت رضا بریلوی نے کمر باندھی، معرکۃ الآراء شہرۂ آفاق تصانیف کے ذریعہ دلائل وشواہد کے انبار لگا دیئے اور اپنے نیزے (قلم) کو ہر وقت جنبش میں رکھا اور اس نیزے کی چقاچاق سے اعدائے دین لرزنے اور کانپنے لگے۔ کیوں کہ رضا کے نیزے (قلم) کی ضرب کی تاب لانے کی کسی میں جرأت نہ تھی۔ حضرت رضا نے اپنی حیات میں تقریباً ایک ہزار کتابیں تصنیف فرمائیں اور ان میں سے کسی بھی کتاب کا مدلل جواب یا رد لکھنے سے آج تک فرقۂ باطلہ کے علماء عاجز وقاصر رہے۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے دور میں کل کتنے فتنے تھے؟ ان فتنوں کی کیا تفصیل تھی؟ ان فتنوں کے رد میں حضرت رضا نے کون کون سی کتاب لکھی؟ اس کی تفصیلی معلومات حاصل کرنے کے لئے فقیر کی کتاب ''امام احمد رضا ایک مظلوم مفکر'' کا ضرور مطالعہ کریں۔

بات کہاں سے کہاں نکل گئی، آیئے! ہم پھر حضرت رضا کے شعر میں مستعمل لفظ عدو پر گفتگو کریں۔ لفظ عدو کے لغوی معنی ہیں دشمن، بدخواہ، مخالف، وغیرہ۔ شعر میں حضرت رضا اپنے نیزے (قلم) سے دشمن کے سینے میں زخم لگنے کا ذکر فرما رہے ہیں۔ تو وہ عدو یعنی دشمن کیا ان کے ذاتی دشمن تھے؟ ہرگز نہیں۔ آپ نے کبھی بھی کسی سے ذاتی دشمنی نہیں کی۔ حدیث شریف کے فرمان عالی، ''اَلْحُبُّ فِی اللّٰہِ وَ الْبُغْضُ فِی اللّٰہِ'' یعنی اللہ ہی کے لئے محبت اور اللہ ہی کے لئے عداوت۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَ اَبْغَضَ لِلّٰہِ وَ اَعْطٰی لِلّٰہِ وَ مَنَعَ لِلّٰہِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ''

ترجمہ: جس نے اللہ کے لئے محبت کی اور اللہ کے لئے دشمنی کی اور اللہ کے لئے دیا اور اللہ کے لئے روکا، تو بیشک اس نے اپنا ایمان مکمل کرلیا۔

ان دونوں احادیث پر حضرت رضا بریلوی نے کامل طور پر عمل کیا۔ علاوہ ازیں قرآن مجید کی آیت کریمہ

''لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ وَ لَوْ کَانُوْٓا اٰبَآءَ ھُمْ اَوْ اَبْنَآءَ ھُمْ اَوْ اِخْوَانَھُمْ اَوْ عَشِیْرَتَھُمْ اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ وَ اَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ وَ یُدْخِلُھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَ رَضُوْا عَنْہُ اُولٰٓئِکَ حِزْبُ اللّٰہِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔'' (سورۂ مجادلہ، آیت ۲۲)

ترجمہ: تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی، اگر چہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں یہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرمادیا اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد کی۔ اور انہیں باغوں میں لے جائے گا۔ جن کے نیچے نہریں بہیں، ان میں ہمیشہ رہیں۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔ یہ اللہ کی جماعت ہے سنتا ہے اللہ کی جماعت کامیاب ہے۔ (کنزالایمان)

اس آیت مقدسہ کا ماحصل یہ ہے کہ سچا مومن اللہ اور رسول کے معاملہ میں کسی کی بھی رعایت نہیں کرتا اگر اللہ و رسول کا دشمن اس کا باپ ہو، یا بیٹا ہو، یا بھائی ہو، یا کوئی رشتہ دار ہو، مومن کبھی بھی اس کی رعایت نہیں کرتا اور جو اس طرز عمل کو اختیار کرتا ہے اس کے لئے خوشخبری ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ایمان نقش فرمادے گا اور اپنی طرف سے فرشتوں کے ذریعہ اس کی مدد فرمائے گا اور اس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ وہ اللہ سے راضی اور اللہ اس سے راضی۔ اور وہ اللہ کی جماعت والا کہلائے گا۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس آیت کریمہ پر مکمل طور پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے دنیا میں ضرب المثل ہوئے۔ انہوں نے اللہ اور رسول کے مقابلے میں اپنے باپ، بیٹے، بھائی یا کسی رشتہ دار کی مطلق پرواہ نہیں کی۔ چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

- عبداللہ بن ابی بن سلول منافقین کی جماعت کا رئیس اور سردار تھا، اس کے بیٹے کا نام بھی عبداللہ تھا لیکن حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ مخلص مومن اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق تھے۔ حضرت عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے منافق باپ عبداللہ بن ابی بن سلول کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اگر حضور چاہیں تو میں اپنے باپ کا سر اتار کر لے آؤں؟ کیوں کہ اس منافق نے یہ کہا تھا کہ ''لَئِنْ رَّجَعْنَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ'' یعنی اگر ہم مدینہ لوٹے تو ضرور ہم عزت والے وہاں سے ذلیل لوگوں کو نکال دیں گے۔ (معاذ اللہ) اور اس نے اَعَزُّ یعنی عزت دار سے خود کو اور اَذَلَّ یعنی ذلیل تر سے اصحابِ رسول کو مراد لیا تھا۔ یہ ناپاک جملہ کہنے کے بعد عبداللہ بن ابی بن سلول منافق جب مدینہ لوٹا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تلوار سونت کر شہر کے دروازے پر کھڑے ہیں۔ جب وہ قریب آیا تو حضرت عبداللہ نے اپنے منافق باپ سے کہا اب تو اپنی زبان سے یہ کہہ کہ ''اَنَا اَذَلُّ النَّاسِ وَ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ اَعَزُّ النَّاسِ'' یعنی میں لوگوں میں سب سے زیادہ ذلیل ہوں اور اصحاب رسول لوگوں میں سب سے زیادہ عزت والے ہیں۔ اگر تو اپنی زبان سے اس کا اعتراف نہیں کرتا تو میں تیری گردن اڑا دوں گا۔ عبداللہ بن ابی بن سلول منافق اپنے بیٹے کی بات سن کر حیرانی میں پڑ گیا اور اس نے بیٹے سے کہا کہ تو سچ کہتا ہے اور ایسا ہی کرے گا۔ حضرت عبداللہ نے اپنے منافق باپ سے فرمایا کہ ہاں! میں تیری گردن اڑا دوں گا۔ اپنے بیٹے کے تیور دیکھ کر وہ منافق لرز گیا اور اپنی جان بچانے کے لئے اپنی زبان سے مذکورہ الفاظ ادا کئے اور اس کا اقرار کیا۔ تب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اسے چھوڑا۔ (مدارج النبوۃ، از: شیخ محقق، شاہ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۵۳۱)

- امین ملت حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا شمار عشرۂ مبشرہ یعنی ان دس اشخاص میں ہوتا ہے جن کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں ہی جنت کی بشارت دی ہے۔ وہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ جنہوں نے جنگ احد میں اپنے باپ عبد اللہ کو قتل کر دیا۔ نیز اپنے حقیقی باپ کو دنیا سے مٹانے کے بعد باپ کے نام کو بھی ہمیشہ کے لئے مٹا دیا۔ اور تا حیات اپنے نام مبارک کے ساتھ اپنے دادا کا نام لکھتے تھے۔ (تفسیر خزائن العرفان، ص ۹۸۰)
- امیر المومنین خلیفۃ المسلمین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جنگ احد میں اپنے بیٹے کو جو اس وقت تک ایمان نہ لائے تھے۔ مبارزت یعنی اپنے سامنے لڑنے کے لئے طلب فرمایا۔ (تفسیر خزائن العرفان، ص ۹۸۰)
- حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے اپنے حقیقی بھائی عبداللہ بن عمیر کو قتل کیا۔ (ایضاً)
- جنگ بدر میں امیر المومنین خلیفۃ المسلمین سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے رشتہ دار ولید بن عتبہ کو قتل کیا۔
- اسی طرح حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے اپنے رشتہ دار شیبہ بن ربیعہ کو اور حضرت عبید بن الحارث نے عتبہ بن ربیعہ کو قتل کیا۔ (مدارج النبوۃ، از: شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص ۱۴۹)
- امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جنگ بدر میں اپنے ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ کو قتل کیا تھا۔ (تفسیر خزاین العرفان، ۹۸۰)
- حضرت حویصہ اور حضرت محیصہ رضی اللہ عنہما نامی دو حقیقی بھائی تھے۔ ان میں سے چھوٹا بھائی پہلے ایمان لے آیا ان کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی شخص کو قتل کرنے پر مقرر فرمایا تھا جو بہت بڑا فسادی تھا۔ چھوٹے بھائی سے ان کے بڑے بھائی نے کہا کیا تم اس آدمی کو مار ڈالو گے جس کی نعمتوں کے آثار ہمارے پیٹ کی چربیوں میں ہیں؟ چھوٹے بھائی نے جواب میں کہا کہ کیا ہوا؟ اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مجھے حکم دیں کہ میں تجھے مار ڈالوں، میں اسی وقت تجھے قتل کر دوں گا۔ چھوٹے بھائی کی زبانی یہ بات سننے کے بعد بڑا بھائی اپنے گھر آیا اور انصاف سے سوچنے لگا اور کہنے لگا کہ عجیب دین ہے جسے تو نے اختیار ہے۔ اس سے تیری کتنی محبت ہے؟ اس کے بعد بڑا بھائی بھی مسلمان ہو گیا۔

(مدارج النبوۃ، از: شیخ محدث عبدالحق دہلوی، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۵۳۱)

مذکورہ تمام واقعات اس امر کی نشاندہی کر رہے ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اللہ و رسول کے معاملہ میں اپنے باپ، بیٹے، رشتہ دار یا کسی بھی عزیز کا لحاظ نہ کرتے تھے۔ حضرت رضا بریلوی نے صحابۂ کرام کے نقش قدم پر چل کر سورۂ مجادلہ شریف کی مذکورہ آیت مقدسہ پر کامل طور پر عمل کیا، بلکہ اس آیت کو اپنی زندگی کا دستور العمل بنایا اور علی الاعلان للکارتے ہوئے فرمایا:

شرک ٹھہرے جس میں تعظیم حبیب   اس برے مذہب پہ لعنت کیجئے

حضرت رضا بریلوی نے اپنی زندگی کی آخری سانس تک اللہ اور اللہ کے رسول کے دشمنوں سے اپنی علمی جنگ جاری رکھی اور اپنے نیزے (قلم) کے وار سے وہابیت کے سینے کو چھلنی کرتے رہے اور اپنے اعزاء و متوسلین کو اس کی تلقین کرتے رہے۔ شعر میں حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں "وہ رضا کے نیزہ کی مار ہے کہ عدو کے سینے میں غار ہے" اس مصرع کے لفظ

نیزہ، مار اور عدو کی مختصر وضاحت قارئین نے ملاحظہ فرمائی اب سینے میں غار ہے پر کچھ التفات فرمائیں۔ سینے میں غار کے ذریعہ حضرت رضا بریلوی نے اپنے نیزے (قلم) کے وار کا نتیجہ بیان فرمایا ہے کہ رضا کے نیزہ کی ضرب پڑی تو دشمن کا سینہ غار ہو گیا، یعنی کہ مثل غار کے زخم پڑ گیا۔ لفظ غار کا استعمال فرما کر حضرت رضا نے شعر کو معنی خیز بنا دیا ہے۔ غار کے لغوی معنی پہاڑ کی کھوہ، گڑھا، بھٹ وغیرہ ہے۔ پہاڑ کی کھوہ، گڑھا اور بھٹ وغیرہ کی ہیئت ایک مسکن کی طرح ہوتی ہے جس میں آدمی یا جانور پناہ لے سکتا ہے اور اس میں ٹھہر سکتا ہے اس کھوہ کا عرض و طول اکثر یکساں ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ کھوہ اور بھٹ سخت پتھر میں ہی ہوتا ہے۔ نرم مٹی یا ریت کے ڈھیر میں غار نہیں۔



(۸)

دین و دنیا کی مجھے برکات دے برکات سے
عشق حق دے عشقی عشق انتما کے واسطے

حل لغت:

برکات: برکت کی جمع، زیادتی، بہتات، کثرت، نیک بختی، نعمت کی زیادتی، خوش قسمتی، رونق، عروج، بنئے تولتے وقت پہلے تول پر ایک کی بجائے برکت کہتے ہیں، افزائش۔ (فیروز اللغات، ص۱۹۶☆لغات کشوری، ص۹۴)

عشق: محبت، فریفتگی، پریم، پیار، چاہ، شوق، خواہش، عادت، لت، سلام رخصت۔

(فیروز اللغات، ص۸۹۷☆لغات کشوری، ص۴۹۲)

عشقی: عشق سے منسوب ہے۔ (فیروز اللغات، ص۸۹۷)

عشقی: حضرت سیدنا شاہ برکت اللہ مارہروی علیہ الرحمۃ کا تخلص ہے۔

اِنتما: انتساب، نسبت عشق رکھنے والا، بڑھنا، افزوں ہونا، پھولنا۔ (لغات کشوری، ص۶۴)

پہلے مصرع میں پہلے والے لفظ "برکات" کا مطلب "نعمتیں" ہے۔

پہلے مصرع میں بعد والے لفظ "برکات" کا مطلب "کثرت" ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان بارگاہ خداوندی میں استدعا کرتے ہیں کہ اے رب العالمین! مجھے دین اور دنیا کی نعمتوں اور برکتوں سے ہم کنار کردے، اور وہ برکتیں مجھے تھوڑی نہیں بلکہ کثرت سے عطا کر اور اے خالق کائنات مجھے عشق حق دے، عشق سے نسبت رکھنے والے عشقی یعنی حضرت سیدی شاہ برکت اللہ مارہروی رضی اللہ عنہ کا تجھے واسطہ۔ یہ تو ہوئے شعر کے ظاہری اور لغوی معنی، حالاں کہ لغوی معنی بھی وضاحت سے نہیں کیے گئے۔ آئندہ سطور میں وضاحت کی جائے گی، اس شعر کے مصرع اول میں حضرت رضا نے دومرتبہ لفظ ''برکات'' کا استعمال فرمایا ہے۔ دونوں جگہ یہ لفظ اسم ہے لیکن دونوں کے معنی الگ الگ ہیں۔ لہٰذا تجنیس کامل مماثل کی صنعت ہوتی ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ برکات ہے اس کے معنی ہیں نعمتیں اور دوسری مرتبہ جو لفظ برکات ہے اس کا مطلب کثرت وزیادتی ہے۔ یعنی نعمتیں وہ بھی بہت زیادہ لیکن وہ نعمتیں صرف دنیوی نہیں بلکہ ساتھ میں دینی ہوں بلکہ دین کو ترجیح دیتے ہوئے دین کو مقدم لاکر آپ نے پہلے دین کی نعمتیں مانگی ہیں۔ اور دین کی نعمتوں کے صدقہ میں دنیا کی نعمتیں چاہی ہیں۔ حضرت رضا بریلوی نے مصرع اول میں مالکِ بے نیاز سے دل کھول کر مانگا۔ عطا کرنے والے کے خزانے میں جب کمی کا امکان ہی نہیں تو پھر مانگنے میں کیوں کوتاہی کی جائے، جب مانگ ہی رہے ہیں تو جتنا ہو سکے زیادہ ہی مانگ لیا جائے۔ اور اس نظریہ کی تائید مصرع کے ابتدائی الفاظ کررہے ہیں دین اور دنیا کی نعمتیں کیا کیا ہیں؟ اس کا تو ہم شمار ہی نہیں کرسکتے بلکہ ممکن ہی نہیں۔ اللہ کی نعمتوں کی تعداد وحصار ناممکن ہے کہ قرآن میں تمام ذریت انسانی کو للکار کر اعلان کیا گیا ہے:

''وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا''

یعنی اللہ کی نعمتوں کو تم گننا چاہو تو نہیں گن سکتے۔

اسی طرح سورۂ رحمٰن میں تو تکرار کے ساتھ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اے لوگو! تم اللہ کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

الحاصل! اللہ کی نعمتیں شمار اور تعداد میں منحصر کرنا محال ہے۔ حضرت رضا بریلوی اپنے رب غنی وحمید سے دین ودنیا کی لا تعداد نعمتیں مانگ رہے ہیں اور ان بے شمار نعمتوں کو بھی کثرت سے مانگ کر ملت اسلامیہ کو یہ مزاج دے رہے ہیں کہ جب خدا سے مانگو تو فراخ دلی سے مانگو۔ جتنا ہو سکے اتنا زیادہ مانگو مانگنے والا لیتے لیتے تھک جائے گا مگر وہ دینے والا کریم مولیٰ نہیں روکنے والا۔ مصرع ثانی میں حضرت رضا بریلوی عرض کرتے ہیں کہ ''عشق حق'' دے۔ ظاہری معنی تو یہ ہوتے ہیں کہ سچا عشق دے۔ لفظ حق کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ لغت میں بھی اس کے بہت معنی وارد ہیں۔ مثلاً: سچ، صدق، لائق، واجب، ثابت، فرض، جائز، انعام وغیرہ۔ (فیروز اللغات، ص ۵۷۱)

عشق کے لغوی معنی حل لغات میں درج ہیں۔ اس کے صرف ایک ہی معنی محبت ہی کو لیجیے، عشق یعنی محبت کا تعلق دل سے ہوتا ہے۔ محبت کا اثر سیدھا دل پر ہوتا ہے۔ اور نتیجتاً دل جوش وجذبات سے متاثر ہو کر بے خود ہو جاتا ہے۔ عالم بے

خودی میں راہ عشق کی مسافت جلد از جلد طے کر کے منزل مقصود تک پہنچنے کی سعی کرتا ہے اور جلد بازی میں اپنے قدم صحیح یا غلط ہونے کے بارے میں مطلقاً نہیں سوچتا۔ لہٰذا خطا کا امکان زیادہ رہتا ہے۔ علم نفسیات اور علم تصوف کے ضوابط کے مطابق انسان کے جسم کے تمام اعضاء دل کے متبوع ہوتے ہیں۔ کیوں کہ آدمی کے دل میں جو آتا ہے وہی کرتا ہے اور اس کے حکم کی تعمیل دیگر اعضائے بدن بجالاتے ہیں۔ برعکس اس کے دل دیگر اعضا کا تابع نہیں ہوتا بلکہ خود مختار ہوتا ہے اسی لئے اردو زبان کے محاورات میں آزاد یا خود مختار آدمی کو دل کا بادشاہ کہتے ہیں۔ دل کو بادشاہ کا منصب ضرور حاصل ہے مگر وہ بے چارہ بھولا ہوتا ہے کسی کے دام فریب میں بہت جلد گرفتار ہو جاتا ہے۔ آدمی کی عقل کو ماہرین نفسیات وزیر کی حیثیت دیتے ہیں۔ اس وزیر (عقل) کا کام ہوتا ہے۔ بادشاہ (دل) کو مشورہ دینا اور غلط فیصلوں سے روکنا۔ حالاں کہ وزیر ضرورت سے زیادہ چالاک ہے۔ اس میں سوء ظن (*Negative thinking*) کا مادہ زیادہ ہوتا ہے۔ صرف دل کے فیصلے پر چلنے میں بھی خطرہ ہے اور صرف عقل کے پروں سے پرواز کرنا بھی مہلک ہے۔ دل اور دماغ دونوں کا مشترکہ فیصلہ مفید ہے۔ اسی لئے اردو زبان میں کسی اہم اور پیچیدہ معاملے کے فیصلے کے وقت کہا جاتا ہے کہ "دل و دماغ سے سوچو" صرف دل کا فیصلہ اس لئے خطرناک ہے کہ دل میں جب ایک بار کوئی بات گھر کر جاتی ہے تو آدمی اس کو راست اور درست مانتا ہے اور اپنے اعتقاد کو ہی حق مانتا ہے۔ چاہے وہ غلط ہی کیوں نہ ہو۔ علاوہ ازیں دل اپنے فیصلے کے مقابلہ میں کسی کی بات قبول نہیں کرتا۔ چاہے وہ بات سو فیصد حق ہی کیوں نہ ہو۔ اپنے فیصلے کے حق ہونے کے گمان کی اسے بیماری لگ جاتی ہے۔ اسی لئے قرآن میں ارشاد ہے:

"فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَرَضٌ"

یعنی ان کے دلوں میں بیماری ہے۔

اور اسی بیماری کی وجہ سے دل میں گھس کر قبضہ کر لینے والی غلط بات دور نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی سچی بات اندر جا سکتی ہے۔ دل مقفل ہو جاتا ہے۔ اسی بات کو قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ"

یعنی اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی۔

دماغ یا عقل یعنی جسم کا وزیر اپنی رائے اور فیصلے کے حق ہونے کے اصرار میں ضد کی حد تک پہنچ کر حق و صداقت سے منحرف ہو کر کذب و ابطال کے سمندر میں غوطہ زن رہتا ہے اور آدمی کو دینی، دنیوی اور سماجی اعتبار سے مفلوج کر دیتا ہے۔ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ آدمی غلط نظریات اور فاسد خیالات کا شکار ہو کر سچائی کی مخالفت اور برائی کی موافقت پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اسی لئے تو قرآن مجید میں متنبہ کیا گیا ہے:

"اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ"

بیشک کچھ گمان گناہ ہیں۔

اسی طرح حدیث میں ارشاد ہے:

''ظُنُّوا الْمُؤْمِنِیْنَ خَیْرًا''

کہ مومن کے ساتھ اچھا گمان رکھو!

بدگمانی سے بچنے اور اچھے خیالات اپنانے کے تعلق سے احادیث میں بہت تاکید کی گئی ہے۔ یہ سب تاکیدیں دماغ (وزیر) کو سرکشی سے قابو میں رکھنے کے لئے ہی وارد ہیں۔ البتہ دماغ اپنی صلاحیتوں کا صحیح استعمال کرے تو جسم کے بادشاہ (دل) کو امورِ حسنہ کی ہی ترغیب دے گا۔ اسی لئے تو حضرت رضا بریلوی نے عشق حق مانگا۔ کیوں کہ ہر عشق حق نہیں ہوتا، عشق کے جذبات میں آدمی بہہ کر راہ راست سے ہٹ جاتا ہے۔ مثلاً: عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عشق میں اتنے بڑھے کہ غلو کی حد تک پہنچے۔ اور معاذ اللہ حضرت عیسیٰ روح اللہ کو خدا کا بیٹا کہہ دیا۔ رافضی اور شیعہ فرقہ حضرت علی مرتضیٰ مشکل کشا رضی اللہ عنہ کی شریعت کے قوانین سے متجاوز محبت میں گمراہ ہوئے۔ حالاں کہ ان عیسائیوں اور رافضیوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بے پناہ عشق ہے لیکن عشق حق نہیں۔ اسی طرح عشق سے خالی دل پر صرف عقل کا تسلط ہو جائے اور آدمی ہر بات کو عشق سے پرے ہو کر صرف عقل کے میزان میں اگر تولنا شروع کر دے تو بھی گمراہ ہو جائے گا۔ مثلاً: یہودی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عداوت میں اور خارجی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عداوت میں گمراہ ہوئے۔ لہٰذا امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو درمیانی امت بنایا گیا ہے جو عشق اور عقل دونوں کے درمیان رہ کر تقاضائے عشق اور ایفائے قوانین کو باہم بجالانے کا توازن برقرار اور قائم رکھے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

''وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا'' (سورۃ البقرہ، آیت ۱۴۳)

ترجمہ: اور بات یوں ہے ہم نے تم کو بنایا درمیانی امت۔ (کنز الایمان)

مذکورہ آیت کے فرمان کے مطابق امت مسلمہ کو درمیانی امت اس لئے کہا گیا ہے کہ سچا مومن وہ ہے جو عشق اور عقل کے درمیان رہے۔ ایک طرف عشق کی لکیر حد ہے اور دوسری طرف عقل کی حد کی نشان دہی کرنے والی لکیر ہے۔ مومن ان دونوں حدوں کے درمیان رہ کر تقاضائے عشق اور قوانین دین کی پاسداری کرتا ہے۔ اور کسی دینی معاملہ میں حد سے تجاوز نہیں کرتا۔ بلکہ دونوں حدود کے بیچ میزان کے کانٹے کی مانند رہتا ہے۔ یہی سچا اور درست عشق ہے جس میں افراط وتفریط کی کوئی گنجائش نہیں۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے رب سے وہی عشق مانگ رہے ہیں اسی عشق کی زندہ تصویر حضرت سیدنا صدیق اکبر، حضرت سیدنا فاروق اعظم، حضرت سیدنا عثمان غنی، حضرت سیدنا مولیٰ علی اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ جنہوں نے اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم ناز پر اپنا سر کٹا دیا لیکن ہرگز ہرگز ان کو لائق پرستش سمجھ کر ان کے آگے سجدے میں سر نہ جھکایا۔ اور نہ ہی کسی کو جھکانے دیا اپنے آقا کو افضل الخلق کہا اور مانا لیکن خالق نہ کہا اللہ کا نور ضرور کہا لیکن الٰہ نہ کہا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا محبوب اعظم ضرور مانا لیکن بشریت اور عبدیت سے خارج نہ مانا۔ باعث تخلیق کائنات مانا لیکن

الوہیت کی منزل تک نہ پہنچایا۔ اسی طرح اپنے آقا کو بندہ اور بشر ضرور مانا لیکن عام انسانوں کی طرح شمار نہ کیا۔ زمین پر جلوہ افروز ضرور مانا لیکن آسمان اور بالائے آسمان کی خبر سے بے خبر نہ مانا، زمانہ حال میں ضرور دیکھا لیکن زمانہ مستقبل کے ہر امر سے باخبر مانا۔

الحاصل! حضرت رضا بریلوی اپنے رب سے صحابۂ کرام والا عشق حق مانگ رہے ہیں۔ عیسائیوں اور رافضیوں جیسا عشق نہیں مانگ رہے ہیں جو اندھی محبت میں حدود عشق دیکھنے سے قاصر ہو کر گمراہ ہو جائیں۔ یہ عشق نہیں ہے بلکہ عقل کا اندھا پن ہے۔ جیسے کہ مرزائی لوگ غلام احمد قادیانی کے عشق میں اندھے ہو کر اس کو نبی و رسول مان بیٹھے اور اسی طرح زمانہ حال کے وہابی، نجدی، دیوبندی، غیر مقلد، تبلیغی جماعت کے متبعین نجدی ابن الوہاب، شہید لیلیٰ نجد، مولوی اسماعیل دہلوی، گنگوہی، نانوتوی، تھانوی وغیرہم کی محبت میں اندھے ہو کر بارگاہ رسالت کے گستاخوں کو شہید، امام ربانی، قاسم العلوم، حکیم الامت، محدث، مقتداء، پیشوا وغیرہ مان کر گمراہی وارتداد کی راہ پر چل نکلے ہیں۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے شعر کے مصرع ثانی میں جس عشق حق کا تذکرہ فرمایا ہے اس کی مندرجہ بالا سطور میں بہت ہی مختصر وضاحت کی گئی ہے۔ لیکن اس وضاحت میں حق کے معنی سچ، اور درست اخذ کر کے میں نے اپنی ناقص معلومات کے تحت وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اگر حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ کے شعر کے لفظ حق کو راست، سچا وغیرہ معنی کے بجائے دیگر معنوں میں لیا جائے تو بھی شعر اپنی جامعیت اور معنویت کے اعتبار سے اصلاً متغیر نہ ہوگا۔ لفظ حق کے لغوی معنی سچ، صدق، لائق، واجب، ثابت، فرض، جائز اور عدل وغیرہ ہیں۔ ان میں سے سچ اور صدق کے معنی اخذ کر کے سطور سابقہ میں کچھ گفتگو ہم کر چکے ہیں علاوہ ازیں حق اللہ تبارک وتعالیٰ کا صفاتی نام ہے۔ قرآن شریف میں متعدد مقامات پر لفظ حق اللہ تبارک وتعالیٰ کے صفاتی نام کی حیثیت سے وارد ہے۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے زیر بحث شعر کے مصرع کا بہ اعتبار وضاحت بالا ایک معنی یہ بھی ہوا کہ عشق دے یعنی سچا یا صادق عشق دے۔

لیکن حضرت رضا بریلوی کے اس شعر میں مستعمل حق کے معنی لائق لئے جائیں تو معنی یہ ہوا کہ اے اللہ! ہم کو وہ عشق دے جو لائق ہے۔ اس معنی کے ساتھ بھی شعر کا مطلب درست ہے۔ یعنی وہ عشق دے جو ہر مومن کو لائق ہے۔ یعنی اللہ اور اللہ کے محبوب اور دیگر محبوبوں سے عشق ومحبت رکھنا۔ ہر مومن کو لائق یعنی مناسب ہے۔ (لائق کے معنی مناسب۔ فیروز اللغات، ص ۱۱۴۵) اللہ اور اس کے محبوبان بارگاہ کے علاوہ ہر اس شخص سے محبت کرنا ہر مومن کو مناسب ہے جس کی وجہ سے اللہ اور رسول کی خوشنودی حاصل ہو۔ مثلاً: ماں باپ سے محبت کرنا ہر مومن بھائی سے محبت کرنا وغیرہ۔

اگر لفظ حق کے معنی فرض لئے جائیں تو معنی یہ ہوں گے کہ اے اللہ! ہم کو وہ عشق دے جو فرض ہے اور وہ عشق مصطفیٰ ﷺ ایمان کے لیے پہلی شرط ہے۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے کہ حضور اقدس سید المحبوبین لرب العالمین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

"لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَ وَلَدِہٖ وَ النَّاسِ اَجْمَعِیْنَ"
یعنی تم میں کا کوئی مومن ہو ہی نہیں سکتا جب تک میں اس کے نزدیک زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں اس کی اولاد سے اس کے ماں باپ سے اور تمام انسانوں سے۔ (مشکوٰۃ)

بعض روایات میں "وَ نَفْسِہٖ" یعنی (اس کی جان سے) کے الفاظ وارد ہیں۔

تو جو شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اولاد، والدین تمام انسان بلکہ اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ جانے وہ مومن نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہر ایمان والے پر فرض ہے بلکہ حضور کی محبت کا نام ہی ایمان ہے۔

قرآن تو ایمان بتاتا ہے انھیں ایمان یہ کہتا ہے میری جان ہیں یہ

اور بقول دوسرے شاعر:

محمد کی محبت دین حق کی شرط اول ہے اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

اسی طرح لفظ حق دیگر مندرجہ بالا معنوں میں لیں۔ تو عشق حق کے کئی معنی ہوں گے۔ مثلاً: عشق واجب، عشق ثابت، عشق جائز، بلکہ ہر عشق کے تعلق سے الگ بحث کی جاسکتی ہے۔ لیکن خوف طوالت سے صرف اشارہ ہی کر دیا ہے۔ اہل علم و فن حضرات اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق تشریح کر لیں۔

اگر لفظ حق کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے صفاتی نام کے معنی میں لیا جائے تو یہ مطلب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنا عشق عطا فرمائے اور یہ فنا فی اللہ کی منزل ہے۔ اللہ کے عشق سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں۔ تمام انبیاء کرام اور خصوصاً سید الانبیاء حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فنا فی اللہ تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام انبیائے کرام کو بے شمار نعمتوں رحمتوں اور انعامات سے نوازا تھا۔ اور انہیں نعمت عظمیٰ کے طور پر فنا فی اللہ کا درجہ عطا فرمانا ہے۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے شعر کے مصرع ثانی میں ایک عجیب حسن پیدا کر دیا ہے۔ آپ بارگاہ الٰہی میں عشق حق کی دعا کی مقبولیت کے لئے عرض کرتے ہیں۔ عشق انتما کے واسطے۔ اور اس کے لغوی معنی یہ ہوں گے کہ عشق سے نسبت بڑھانے کی عادت رکھنے والے، عشقی کے لغوی معنی یہ ہیں کہ عشق سے نسبت رکھنے والا، یہاں عشق کے معنی ہیں عادت اور انتما کے معنی ہیں بڑھانے والا، مصرع ثانی میں لفظ عشق کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے، اور دونوں کے معنی الگ الگ ہیں، پہلی مرتبہ جو لفظ عشق ہے وہ محبت کے معنی میں ہے۔ اور دوسری مرتبہ جو لفظ عشق ہے وہ عادت کے معنی میں ہے۔ لہٰذا مصرع ثانی میں بھی تجنیس کامل ہے۔ ایک شعر کے دونوں مصرعوں میں تجنیس کامل بیان کرنا اور وہ بھی معنی خیز انداز میں، صرف حضرت رضا بریلوی ہی کا حصہ ہے۔

مصرع ثانی کا مطلب باعتبار لغت آپ نے ملاحظہ فرمایا، لیکن حضرت رضا بریلوی کی مراد دیگر ہے۔ عشق سے مراد سلطان العاشقین، قدوۃ الواصلین، سید المتوکلین، ہادی السالکین، صاحب البرکات، حضرت سید شاہ برکت اللہ مارہروی رضی اللہ عنہ کی ذات ستودہ صفات ہے۔ آپ عربی، فارسی، اردو اور ہندی زبان میں شاعری میں کمال رکھتے تھے۔ عربی فارسی اور

اردو میں اپنا تخلص "عشقی" اور ہندی میں "پیمی" استعمال فرماتے تھے۔ لہٰذا حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے آپ کے تخلص عشقی کو ذکر فرما کر بارگاہ خداوندی میں آپ کے واسطہ کا اظہار کیا ہے۔ حضرت رضا نے لفظ عشقی کو ذومعنی استعمال فرمایا ہے۔ یعنی شعر کے مصرع میں آپ نے ایک کمال یہ بھی پیدا کیا ہے کہ عشق لفظ کا استعمال تین مرتبہ کیا ہے لیکن درمیانی لفظ عشق میں ی کی اضافت کر کے اس کو لفظ عشقی بنایا۔ لیکن عشقی ایک ہی لفظ دو معنوں میں اور اول و آخر جو لفظ عشق ہیں ان دونوں کو بھی دو الگ معنوں میں استعمال فرمایا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک لفظ دو معنوں میں اور دو معنی ایک لفظ میں استعمال فرما کر حضرت رضا نے بڑے بڑے ماہرین فن کو حیرت زدہ کر دیا ہے۔ مصرع ثانی میں حضرت رضا علیہ الرحمہ والرضوان کی مراد کے مطابق معنی یہ ہوں گے کہ اے رب کریم! مجھے عشق حق عطا فرما، واسطہ حضرت سید شاہ برکت اللہ "عشقی" مارہروی رضی اللہ عنہ کا جو عشق کی نسبت بڑھانے کی عادت رکھتے ہیں، اور اللہ و رسول کے ساتھ رشتہ محبت خود بھی بڑھاتے ہیں اور اپنے متوسلین کا بھی بڑھاتے ہیں۔ عشق کی راہ میں اپنی منزل کے حصول کے عشق میں سرشار ہو کر عشق کے مراحل طے کرتے کرتے سراپا عشق بن کر، عشق میں فنا ہو کر "عشقی" بن گئے۔ اور عشق سے عشق کرنے کا اہل جہاں کو انداز سکھایا کہ عشق کی برکت سے خاندان برکاتیہ اور سلسلہ برکاتیہ میں عشق کی بہتات نظر آتی ہے۔

حضرت سلطان العاشقین، سید شاہ برکت اللہ "عشقی" مارہروی رضی اللہ عنہ کی حالات زندگی، فضل و کمال اور کرامات وغیرہ کا ذکر اختصاراً شعر نمبر 45 میں ملاحظہ فرمائیں۔



⑨

فضل خدا سے غیب شہادت ہوا انہیں

اس پر شہادت آیت و وحی و اثر کی ہے

حل لغت:

فضل: زیادتی، افزونی، علم و ہنر، رحم، مہربانی، بخشش، بزرگی، غلبہ کرنا کسی پر فضیلت میں۔

(فیروز اللغات، ص ۹۳۳ ☆ لغات کشوری، ص ۵۳۷)

غیب: غیر موجود، غائب، پوشیدہ، اوجھل، ناپید اہونا، پست زمین، شک، گمان، جمع غیوب۔

(فیروز اللغات، ص ۹۱۸ ☆ لغات کشوری، ص ۵۲۲)

شہادت: علم ہونا، گواہی، خبر درست، ظاہر ہونا، سرٹیفکیٹ۔ (فیروز اللغات، ص ۸۵۱ ☆ لغات کشوری، ص ۴۳۳)
آیت: فقرۂ قرآن، فقرۂ توریت، فقرۂ انجیل، شان، حجت ظاہری۔
(فیروز اللغات، ص ۴۵ ☆ لغات کشوری، ص ۴۷ ☆ کریم اللغات، ص ۱۹)

وحی: خدائی پیغام، کتاب الٰہی، خدا کے احکام و پیغام جو نبیوں پر اترتے تھے، سخن نرم۔
(فیروز اللغات، ص ۱۴۰۷ ☆ لغات کشوری، ص ۸۰۱ ☆ کریم اللغات، ص ۱۹۱)

اثر: سنت نبوی، حدیث، حدیث کی قسموں سے ایک قسم، تاثیر، نشان، کھنڈر، زخم کا داغ، کھوج، نتیجہ، فائدہ، آسیب کا سایہ، جمع آثار۔ (فیروز اللغات، ص ۶۸ ☆ لغات کشوری، ص ۱۵)
پہلے مصرع میں لفظ ''شہادت'' کا مطلب ''علم ہونا'' ہے۔
دوسرے مصرع میں لفظ ''شہادت'' کا مطلب ''گواہی'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت، حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ کی شان غیب کو ایک نرالے انداز میں بیان کرتے ہیں۔

ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدائے تعالیٰ کے فضل سے غیب کا علم بھی ملا ہے۔ ہمارے آقا کو علم غیب حاصل ہے۔ یہ کوئی بے بنیاد بات نہیں ہے، بلکہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کی صداقت پر قرآن مجید کی آیات اور احادیث شاہد ہیں۔

حیرت تو ان لوگوں پر ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی مانتے ہیں لیکن آپ کے علم غیب کا انکار کرتے ہیں حالاں کہ نبی کا لغوی معنی ہی نبی کی غیب دانی پر دلالت کرتا ہے۔ لفظ نبی نباء مصدر کا اسم فاعل ہے اور نباء کا لغوی معنی ہے خبر، اطلاع۔
(لغات کشوری، ص ۷۶۸)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت، دوزخ، عذاب، قبر، حشر، جزاء اور سزا وغیرہ متعدد ایسی باتوں کی خبریں دی ہیں جو ہم سے مخفی اور پوشیدہ ہیں لہٰذا نبی کا معنی ہوا غیب کی خبر دینے والا۔ لفظ نبی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جو صاحب نبوت ہے یقیناً غیب پر مطلع ہوتا ہے بلکہ نبی کے لئے غیب داں ہونا ضروری ہے۔ اس بات کو بہت آسانی سے ذہن نشیں کرنے کے لئے ایک مثال عرض کرتا ہوں۔

موٹر کار وغیرہ چلانے والے کو ڈرائیور کہا جاتا ہے۔ ایک شخص بیش قیمت موٹر کار چلا کر آیا۔ اس کے پاس ڈرائیونگ لائسنس بھی ہے اور ایک عرصہ سے وہ بہت اچھی طرح کار چلا رہا ہے۔ اب اگر کوئی خبط الحواس شخص اس موٹر کار چلانے والے کے متعلق یہ کہے کہ اس کو موٹر کار ڈرائیونگ کرنے کا علم نہیں تو لوگ اسے یہی مشورہ دیں گے کہ آپ جلد از جلد آگرہ کے پاگل خانے میں داخل ہو جائیں، کیوں کہ ڈرائیور لفظ ہی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ ڈرائیونگ جانتا ہے۔

ڈرائیونگ کرنے والے کو ہی ڈرائیور کہتے ہیں اسی طرح غیب جاننے والے کو ہی نبی کہتے ہیں۔ تو جب آپ نے کسی مقدس ذات گرامی کو نبی تسلیم کرلیا ہے۔ تو اس کو غیب داں بھی خود بخود تسلیم کرلیا۔ نبی کے بتانے سے بے شمار غیب کی باتوں پر ایمان لے آنا لیکن نبی کو غیب کے علم سے بے خبر ہونے کا عقیدہ رکھنا بیوقوفی نہیں تو اور کیا ہے؟

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے قرآن وحدیث کی گواہی سے حضور ﷺ کے لئے غیب کا علم ثابت فرمایا ہے۔ قرآن شریف میں کئی مقامات پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم ﷺ اور انبیائے کرام کے لئے غیب کا اثبات فرمایا ہے۔ مثلاً:

''وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ''

یعنی اور اللہ کی شان یہ نہیں کہ اے عام لوگ تمہیں غیب کا علم دے دے۔ ہاں چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے۔ (سورۂ آل عمران، آیت نمبر ۱۷۹، کنز الایمان)

''وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ'' (سورہ نساء، آیت ۱۱۳)

ترجمہ: تمہیں سکھادیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے۔ (کنز الایمان)

- اسی طرح پارہ ۷، سورۂ الانعام میں آیت نمبر ۲۸
- پارہ ۱۱، سورۂ یونس کی آیت نمبر ۲۷
- پارہ ۱۴، سورۂ النحل کی آیت نمبر ۸۹
- پارہ ۲۷، سورۂ الرحمٰن کی آیت نمبر ۱، ۲
- پارہ ۲۹، سورۂ الجن کی آیت نمبر ۲۷
- پارہ ۳۰، سورۂ تکویر کی آیت نمبر ۴

اور بھی دیگر آیات سے انبیائے کرام خصوصاً حضور سید الانبیاء ﷺ کا علم غیب اظہر من الشمس کی طرح عیاں ہے۔

آیات قرآن کے علاوہ علم غیب کے ثبوت میں کتب احادیث لبریز ہیں، جس کی تفصیلی گفتگو یہاں ممکن نہیں۔ صرف تبرکاً عرض کرتا ہوں کہ جب سورۂ النساء کی مذکورہ آیت نازل ہوئی تو غیب جاننے والے پیارے مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا:

''عَلِمْتُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ''

یعنی زمین وآسمان کی ہر چیز میرے علم میں آگئی۔ (مشکوٰۃ شریف)

اور فرماتے ہیں:

''فَرَاَیْتُ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا''

یعنی میں نے زمین کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھ لیا۔ (مشکوٰۃ شریف، ص ۵۰۴)

اور ارشاد فرماتے ہیں کہ ساری کائنات اور اس میں ہونے والے واقعات میرے سامنے اس طرح ہیں جیسے یہ میری

ہتھیلی میرے سامنے ہے۔ (المواہب اللدنیہ، جلد۲، ص۱۹۲)

انبیاء واولیاء کے لئے علم غیب کے اثبات میں امام احمد رضا کی چودہ تصانیف ہیں جن میں سے:

(۱) **الدولة المکیة بالمادة الغیبیة**

(۲) **خالص الاعتقاد**

(۳) **انباء المصطفیٰ بحال سر و اخفیٰ**

(۴) **ازاحة العیب بسیف الغیب**

کا ضرور مطالعہ کریں۔ علم غیب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ثبوت میں امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمة والرضوان نے علم کا دریا بہا کر عاشق نبی کے لئے بے بہا موتی صفحۂ قرطاس پر بکھیر کر مومن کے ایمان کو ضیاء بخشی ہے۔



(۱۰)

خاک ہوجائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضاؔ

دم میں جب تک دم ہے ذکر ان کا سناتے جائیں گے

حل لغت:

خاک: مٹی، دھول، زمین، کچھ، ذرا، کچھ نہیں، کیوں کہ، کس طرح، راکھ، خمیر، سرشت، دھرتی، بالکل نہیں۔

(فیروز اللغات، ص۵۸۱ ☆ لغات کشوری، ص۲۴۹ ☆ کریم اللغات، ص۶۱)

دم: سانس، نفس، پل، منٹ، لحظہ، وقت، زندگی، روح، جان، ذات، حقے کا کش، بھٹی یا تنور کی ہوا، پانی کا گھونٹ، کھانے کو دھیمی آگ پر رکھنا، طاقت، قوت، زور، تلوار کی دھار، نیزے کی نوک، خوبی، مضبوطی، لچک، خوشی، فرحت، اولو العزمی، بلند حوصلگی، دھوکہ، فریب، مکر، دغا، افسوں، منتر، دعا جو پڑھ کر پھونکی جائے، غرور، تکبر، گھر، خانہ، وطن، خون، لہو، شیخی۔ (فیروز اللغات، ص۶۴۱ ☆ لغات کشوری، ص۲۹۷ ☆ کریم اللغات، ص۴۷)

دوسرے مصرع کے شروع والے لفظ ''دم'' کا مطلب ''زندگی'' ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد والے لفظ ''دم'' کا مطلب ''سانس'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت، حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان ملت اسلامیہ کو ایک ایمانی درس دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر اور بارگاہ رسالت کے گستاخ اپنے غیظ میں چاہے جل کر خاک ہو جائیں، لیکن اے رضا! ہم تو یہی کریں گے کہ اپنی زندگی کی آخری سانس تک اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک ذکر کرتے رہیں گے۔ ان کا ذکر جمیل سنتے بھی جائیں گے اور سناتے بھی جائیں گے۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس شعر کے مصرعہ ثانی میں لفظ "دم" کا استعمال دو مرتبہ کیا ہے۔ دونوں لفظ دم حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں۔ لیکن باعتبار معنی و مطلب الگ الگ ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔ شعر کی ابتدا آپ نے لفظ "خاک" سے فرمائی ہے۔ اور یہ خاک بھی دشمن رسول کے اوپر ہی ڈال رہے ہیں۔ کون سی خاک؟ عداوت میں جلن کی خاک، بغض و حسد کی خاک، بلکہ وہ خاک جو فرقۂ وہابیہ کے امام نے اپنی رسوائے زمانہ کتاب "تقویۃ الایمان" میں حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لکھا ہے کہ معاذ اللہ "میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں" امام الوہابیہ کی عقل پر واقعی مٹی پڑ گئی تھی۔ جبھی تو اس نے ایسا ناپاک جملہ لکھا۔ خیر اس پر تفصیلی گفتگو کسی اور مقام پر کریں گے۔

شعر میں ارشاد ہے کہ "خاک ہو جائیں"، یعنی مٹی ہو جائیں، کون مٹی ہو جائیں؟ عدو یعنی دشمن۔ لیکن کن کے دشمن؟ محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن۔ کس طرح مٹی ہو جائیں؟ جل کر مٹی ہو جائیں۔ کیوں جل جائیں؟ حسد کی آگ میں۔ دشمنی کی اگنی میں جل جائیں۔ لیکن کس طرح؟ اس طرح کہ اے رضا! ہم اپنے آقا کا ذکر کریں، کب تک؟ جب تک ہمارے جسم میں روح ہے، جب تک ہماری سانس چلتی ہے۔ جب تک ہماری رگوں میں خون جاری ہے، جب تک ہماری حیات باقی ہے۔ بس ہر وقت انہیں کا ذکر پاک کرتے رہیں گے اور اپنے ایمان کو تازگی اور تقویت دیتے رہیں گے۔ لیکن جو عظمت رسول کا منکر ہے۔ جو بزرگی رسالت کا منکر ہے وہ ہماری زبان و قلم ہمارے قول و فعل سے ذکر مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا دیکھ کر عداوت کی آگ میں جل کر خاک ہو جائے گا۔ خاک ہوتا ہے تو ہو جائے، بلکہ ضرور ہو جائے ہم کو اس کی پرواہ نہیں۔ ہم کو تو صحابۂ کرام کے نقش قدم پر چلنا ہے۔ خصوصاً ان مقدس صحابۂ کرام کے نقش قدم پر چلنا ہے جنہوں نے اپنے آقا و مولیٰ کی تعریف و توصیف میں نعت پڑھ کر دشمنوں کے دلوں کو جلا کر خاک کر دیا۔ ان کا یہ فعل آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند آیا کہ آپ نے ان حضرات کو سراہا۔ ان کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ ان کو دعائیں دیں۔ انعام و اکرام سے نوازا اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و ستائش کرنے کے ساتھ بارگاہ رسالت کے دشمنوں کی مذمت و ہجو کرنے کے عوض ثواب کے حقدار بھی ہوئے لیکن بہترین صلہ ان کو یہ ملا کہ وہ قلوب مسلمین میں بس گئے اور قیامت تک بسے رہیں گے۔ مداح رسول کی حیثیت سے ان کا نام عزت و احترام کے ساتھ لیا جاتا رہا ہے۔ ان میں حضرت حسان بن ثابت کا نام سرفہرست ہے۔

- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان کے لئے مسجد نبوی میں منبر رکھواتے تا کہ وہ اس پر کھڑے ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی

مدحت بیان کریں۔ اور آپ کے دشمنوں کی ہجو اور مذمت کریں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

''اِنَّ اللّٰهَ يُؤَيِّدُ حَسَّانًا بِرُوْحِ الْقُدُسِ مَا دَامَ يُنَافِحُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ''

یعنی بیشک اللہ تعالیٰ حسان کی روح القدس سے تائید کراتا ہے۔ جب تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے دشمنوں کی ہجو کرتے ہیں۔

- حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں کہ حق تبارک وتعالیٰ جسے زبان عطا فرمائے اور گویائی کی طاقت وقدرت بخشے اسے چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ کی مدحت اور حضور اکرم ﷺ کے دشمنوں کی ہجو اور مذمت میں کوتاہی نہ کرے۔

(مدارج النبوۃ، از: شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص ۱۰۱۲)

- جب بنی تمیم کا وفد حضور اقدس ﷺ کے پاس آیا تب حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فی البدیہہ منتخب اشعار کا ایک قصیدہ مرتب کیا اور حضور کے سامنے پڑھا، جس کو سن کر بنی تمیم کے وفد نے اپنے عجز اور نادانی کا اقرار واعتراف کیا اور کہا کہ محمد (ﷺ) کے شاعر ہمارے شاعر اور خطیب سے بہتر ہیں۔ (مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص ۱۰۱۲)
- حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے متعلق حضور اقدس ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ''حسان مسلمانوں اور منافقوں کے درمیان علامت ونشانی ہیں۔ منافق ان کو دوست نہیں رکھتا۔ اور مسلمان ان سے دشمنی اور عداوت نہیں رکھتا۔'' (ایضاً)
- حضرت حسان بن ثابت بن منذر بن حرام، یہ چاروں یعنی حضرت حسان اور ان کے والد، ان کے دادا، اور ان کے پردادا سب کی عمر ایک سو بیس سال ہوئی۔
- حضور اقدس ﷺ کے دوسرے شاعر کا نام کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ہے۔ ان کا ایک ہی کام تھا کہ وہ کافروں کو جنگ سے ڈرانے کے لئے رجز کے اشعار پڑھتے اور کافروں کی ہجو کر کے ان کی برائیاں اور قباحتیں بیان کرتے تھے۔ ستر سال کی عمر میں انہوں نے ۵۰ھ یا ۵۳ھ میں انتقال فرمایا۔
- حضور اکرم ﷺ کے تیسرے شاعر کا نام حضرت عبداللہ بن رواحہ ہے۔ ان کا کام یہ تھا کہ وہ مشرکوں کو شرک وبت پرستی پر تنبیہ وتوبیخ کرتے تھے۔ غزوۂ احد وخندق اور تمام مشاہدات میں حاضر تھے۔ بجز فتح مکہ اور بعد کے غزوات۔ کیوں کہ وہ غزوۂ موتہ ۸ھ میں شہید ہوگئے۔

حضور اکرم ﷺ کے دیگر شعراء میں: (۱) حضرت ابوسفیان بن الحارث بن عبدالمطلب (۲) حضرت عباس سلمی اور (۳) حضرت عدی بن حاتم کا شمار ہوتا ہے۔ وہ کفار اور مشرکین کو شاعرانہ انداز میں جواب دے کر للکارتے تھے اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی مدح وثنا اور اپنے آقا کے دشمنوں کی مذمت اور ہجو کرتے تھے۔ (مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص ۱۰۱۴)

بارگاہ رسالت کے ایک اور عمدہ شاعر، جن کا نام حضرت حمید بن نور الہلالی ہے۔ انہوں نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر فی البدیہہ ایک قصیدہ حضور اقدس ﷺ کی شان میں مرتب کیا جس کا پہلا شعر یعنی مطلع حسب ذیل ہے:

اَصْبَحَ قَلْبِىْ مِنْ سَلِيْمِىْ مَقْصِدًا ۔۔۔ اِنْ اَخْطَأَ مِنْهَا وَ اِنْ تَعْبُدًا

اس قصیدہ کا آخری شعر یوں ہے:

حَتّٰی اَتَانَا رَبُّنَا بِحَمْدِہٖ نَتْلُو مِنَ اللّٰہِ کِتَابًا مُّرْشِدًا

سرتاج مؤرخین زبیر بن بکار محمد بن سلام جمحی اور مرزبانی نے حضرت حمید بن نور الہلالی کو فصحاء شعراء میں شمار کیا ہے۔ ان کا حال یہ تھا کہ اگر کوئی شخص مسلمانوں کی ہجو کرتا تو آپ فوراً اس کا دنداں شکن جواب دے کر اس پر غالب آجاتے تھے۔

(مدارج النبوۃ، از: شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد۲، ص۱۰۱۴ تا ۱۰۱۵)

- بارگاہ رسالت کے ایک اور شاعر ہیں۔ ان کا نام مبارک حضرت ابوالطفیل بن عامر واثلہ لیثی کنانی رضی اللہ عنہ ہے۔
- حضرت لبید بن ربیعہ جن کی کنیت ابو عقیل ہے انھوں نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اپنے مذموم بنو جعفر بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ کا رد کیا۔ حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر شریف پر فرمایا:

اَصْدَقُ کَلِمَۃٍ قَالَھَا الشَّاعِرُ لَبِیْدٌ اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہَ بَاطِلٌ"

یعنی لبید شاعر نے کتنی سچی بات کہی ہے کہ اللہ کے سوا ہر چیز باطل ہے۔

- ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھ سے لبید (رضی اللہ عنہ) کے بارہ ہزار اشعار بیان کئے گئے ہیں۔ حضرت لبید نے ایک سو چالیس سال کی عمر پائی، بعض روایتوں میں ایک سو ستاون اور بعض میں ایک سو ساٹھ کا بھی ذکر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم
- ایک اور شاعر اسلام قیس بن عبداللہ بن عمر بن عدس بن ربیعہ بن جعدہ ہیں لیکن وہ "نابغہ جعدی" کے نام سے مشہور تھے۔ وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت وصفت پر مشتمل دو سو اشعار کا قصیدہ پڑھا جس کو سن کر حضور بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ ٹھیک کہا تم نے اور اچھا کہا۔ بعدہٗ حضور نے ان کو دعا دی کہ "لَا یَفِیْضَ اللّٰہُ فَاکَ" یعنی اللہ تمہارے منہ کو سلامت رکھے۔ حضرت ابن عبدالرب فرماتے ہیں کہ میں نے نابغہ جعدی کو ایک سو بیس سال کے بعد دیکھا تو ان کے تمام دانت بہترین اور دوسرے لوگوں سے زیادہ سخت ترین تھے۔ اگر کوئی دانت اکھڑ جاتا تو دوسرا دانت بہت جلد اس کی جگہ نمودار ہو جاتا۔ اور ان کے تمام دانت ژالہ (اولا، پالہ) کی طرح روشن اور چمکدار تھے۔ اور برق (بجلی) کی مانند تاباں تھے۔ اس سبب سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے منہ کو دعا دی تھی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد حضرت نابغہ مسلسل خلفائے راشدین کی خدمت میں آتے رہے۔ اور مسجد نبوی میں اشعار کہتے۔ اس پر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے نابغہ! تمہارے یہ اشعار تمہارے وسیلہ اور مددگار ہیں۔ بارگاہ الٰہی میں ذکر ہیں تمہیں اس کی جزا ضرور ملے گی۔ حضرت نابغہ نے ایک سو اسی سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔
- بارگاہ رسالت کے دیگر شعراء میں حضرت ایمن بن خزیمہ اسدی، حضرت اعشٰی بن مازن، بن عمرو بن تمیم، حضرت ابوعبد اللہ اسود بن سریع ساعدی تمیمی، حضرت عامر بن اکوع، حضرت زبیر بن صرو جشمی وغیرہم رضی اللہ عنہم کا شمار ہوتا ہے۔ یہ تمام

حضرات اپنے آقا و مولیٰ کی بارگاہ میں والہانہ انداز سے اپنے جذبات عشق و محبت کو اشعار کا جامہ پہنا کر ولولہ انگیز طریقہ سے سناتے اور اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی مدح و ثنا اور تعریف و توصیف کرنے کے ساتھ ساتھ بارگاہ رسالت کے دشمنوں کی مذمت و ہجو کر کے ان کا دندان شکن جواب دے کر ساکت و مبہوت کرتے رہے۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان انہیں مقدس شعرائے کرام کے نقش قدم پر چلنے کی خواہش و تمنا کر رہے ہیں۔ حضرت رضا بریلوی کا نعتیہ دیوان ''حدائق بخشش'' اس پر شاہد عادل ہے کہ آپ اپنے کریم و رحیم آقا و مولیٰ ﷺ کی مدح و ثنا اور تعریف و توصیف میں ہمیشہ محو رہے اور ایسے محو رہے کہ خود اپنے رب سے ایسی بے خودی کی دعا کی:

ایسا گما دے ان کی ولاء میں خدا ہمیں ڈھونڈا کریں پر اپنی خبر کو خبر نہ ہو

●

سنگ در حضور سے ہم کو خدا نہ صبر دے جانا ہے سر کو جا چکے دل کو قرار آئے کیوں

●

یاد میں جس کی نہیں ہوش تن و جاں ہم کو پھر دکھادے وہ رخ اے مہر فروزاں ہم کو

بارگاہ رسالت کے گستاخوں کی ہجو و مذمت میں حضرت رضا بریلوی کو دسترس حاصل تھی۔ یہاں کچھ منتخب اشعار بطور نمونہ حاضر خدمت ہیں:

آج لے ان کی پناہ، آج مدد مانگ ان سے پھر نہ مانیں گے، قیامت میں اگر مان گیا

●

کلک رضاؔ ہے خنجر خوں خوار برق بار اعداء سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

●

سورج الٹے پاؤں پلٹے چاند اشارے سے ہو چاک اندھے نجدی دیکھ لے قدرت رسول اللہ کی

●

شہد دکھائے زہر پلائے قاتل ڈائن شوہر کش اس مردار پہ کیا للچایا دنیا دیکھی بھالی ہے

●

غیظ میں جل جائیں بے دینوں کے دل یا رسول اللہ کی کثرت کیجئے

●

اور تم پر میرے آقا کی عنایت نہ سہی! نجدیو! کلمہ پڑھانے کا بھی احسان گیا

●

ذکر خدا جو ان سے جدا چاہو نجدیو! واللہ ذکر حق نہیں کنجی سقر کی ہے

●

وہ جسے وہابیہ نے دیا لقب شہید و ذبیح کا   وہ شہید لیلیٰ نجد تھا وہ ذبیح تیغ خیار ہے

●

تجھ سے اور جنت سے کیا مطلب وہابی دور ہو   ہم رسول اللہ کے جنت رسول اللہ کی

●

شرک ٹھہرے جس میں تعظیم حبیب   اس برے مذہب پہ لعنت کیجئے

●

ان کے نام پاک پر دل، جان و مال   نجدیا سب تج دیا پھر تجھ کو کیا

●

دیو کے بندوں سے ہم کو کیا غرض   ہم ہیں عبد المصطفیٰ پھر تجھ کو کیا

●

پڑی ہے اندھے کو عادت کہ شوربے ہی سے کھائے   بٹیر ہاتھ نہ آئی تو زاغ لے کے چلے

●

وہ رضا کے نیزہ کی مار ہے کہ عدو کے سینے میں غار ہے   کسے چارہ جوئی کا وار ہے کہ یہ وار، وار سے پار ہے

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے بارگاہ رسالت کے مقدس شعرائے کرام کے نقش قدم کی پیروی کی۔ا اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں عشق و محبت سے لبریز نعتیں قلم بند فرمائیں۔اور ساتھ میں بارگاہ رسالت کے گستاخوں مذمت و ہجو میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ فرمایا۔جس کا صلہ ان کو بارگاہ رسالت سے یہ ملا کہ ان کا کلام ”امام الکلام“ حیثیت سے مشہور ہو گیا۔اور وہ اہل سنت کے دلوں کی دھڑکن بن کر ”امام اہل سنت“ کے اعلیٰ منصب پر فائز ہو گئے۔



(۱۱)

سونا پاس ہے سونا بن ہے سونا زہر ہے اٹھ پیارے
تو کہتا ہے نیند ہے میٹھی تیری مت ہی نرالی ہے

حل لغت:

سونا: زرد رنگ کی مشہور دھات جس سے زیورات بنتے ہیں۔ زر، طلاء۔ (فیروز اللغات، ص۸۲۱)
سونا: خالی، غیر آباد، اکیلا، اجاڑ، ویران، بے رونق، سنسان، خاموش۔ (فیروز الغات، ص۸۲۲)
سونا: نیند لینا، آنکھ لگنا، مرنا، ہمیشہ کے لئے آنکھ بند ہونا۔ (فیروز اللغات، ص۸۲۲)
زہر: سم، بس، جس کو کھانے سے انسان مرجائے، ہلاہل، مہلک، قاتل، کڑوا، تلخ، مضر، آزار رساں، کوئی چیز جو نہایت کڑوی ہو، غصہ، غضب۔ (فیروز اللغات، ص۷۵۵☆لغات کشوری، ص۳۵۵)
مت: سمجھ، بوجھ، عقل، دانش، فہم، ادراک، دانائی، رائے، نصیحت، عبادت، مذہب، ملت، دھرم، عقیدہ، اعتقاد۔ (فیروز اللغات، ص۱۱۹۴)
نرالی: نرالا کی تانیث، انوکھی، سب سے الگ۔ (فیروز اللغات، ص۱۳۵۶)

پہلے مصرع میں پہلا لفظ ''سونا'' کا مطلب ''سونا'' یعنی زر، گولڈ (Gold) ہے۔
پہلے مصرع میں دوسرے لفظ ''سونا'' کا مطلب ''نیند لینا'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان قوم مسلم کو خواب غفلت سے بیدار کرنا چاہتے ہیں اور ان کو اپنی متاع بیش قیمت کا احساس دلاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے غفلت کی نیند سونے والو! بیدار ہو جاؤ، تمہارے پاس قیمتی مال سونا ہے اور تم ایسے مقام و ماحول میں ہو جو سونا یعنی ویران ہے، چاروں طرف لٹیرے گھوم رہے ہیں۔ ایسے وقت میں تیرا نیند سے سونا مناسب نہیں۔ لیکن پھر بھی تو میٹھی نیند میں غرق ہے۔ تیری عقل و دانش انوکھی ہے۔ یہ تو ہوئے ظاہری معنی لیکن پند و نصیحت اور فن شاعری کے اعتبار سے یہ شعر اپنی مثال آپ ہے۔ اس شعر میں اردو ادب کی دو صنعتیں (۱) تجنیس کامل (۲) تجنیس ناقص ایک ساتھ مجتمع ہیں۔ اردو ادب میں تجنیس کامل اور تجنیس ناقص کی مثالیں کئی

شعراء کے کلام میں موجود ہیں۔ لیکن وہ الگ الگ اشعار میں۔ ایک ہی شعر میں دو تجنیسات کا جمع کر دینا وہ بھی ایسے حسین انداز سے ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ اس شعر میں پہلے مصرع کی ابتداء اور مصرع کے آخر میں جو سونا ہے۔ وہ حروف اور اعراب دونوں اعتبار سے مساوی ہیں دونوں سونا میں واؤ مجہول ہے۔ ابتداء میں جو سونا کا لفظ ہے وہ اسم ہے۔ اور اس کے معنی ہیں زرد رنگ کی مشہور دھات جس کے زیورات بنتے ہیں۔ جس کو انگریزی میں گولڈ (Gold) کہتے ہیں اور آخر سونا مصدر ہے۔ اور اس کے معنی ہوتے ہیں نیند لینا۔ البتہ درمیان میں جو لفظ سونا ہے وہ حروف کے اعتبار سے شروع اور آخر والے لفظ سونا سے مساوی ہے۔ لیکن اعراب کے اعتبار سے مختلف ہے کیوں کہ اس کا واؤ معروف ہے۔ علاوہ ازیں وہ نہ اسم ہے اور نہ ہی مصدر بلکہ اسم صفت ہے اور اس کے معنی ویران، سنسان وغیرہ ہیں۔ علاوہ ازیں اس شعر میں نیند اور اٹھنا دو متضاد لفظ کے استعمال کی وجہ سے یہ شعر اردو ادب کی صنعت تضاد کا بھی حامل ہے۔ الختصر! اس شعر میں فن شاعری کے اعتبار سے تجنیس کامل، تجنیس ناقص اور تضاد تینوں صنعتیں پائی جاتی ہیں۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرما رہے ہیں کہ اے پیارے مومن بھائی ایمان کے لٹیرے بھیس بدل کر گھوم رہے ہیں۔ ملت اسلامیہ کی جڑیں کھوکھلی کر ڈالنے، ان کی جان و روح ایمان اور ایمان کی روح، محبت و عظمت رسول کو دلوں سے نکال دینے کے لئے منافقین اسلامی ٹوپیاں پہن کر ناصح امت کا لبادہ اوڑھ کر شب و روز اپنی تحریک باطل میں منہمک ہیں۔ ان منافقین کا استیصال کرنے والے حضرات کا فقدان ہے۔ جس کے جی میں جو آتا ہے بکتا رہتا ہے۔ ماحول کی سنگینی کے پیش نظر ایمان کی حفاظت سے لا ابالی ہو کر تیرا سونا، یعنی غفلت کرنا تیرے ایمان کے حق میں زہر قاتل ہے۔ نیند سے بیدار ہو جا! منافقین زمانہ وہابیہ نجدیہ کے مکر و فریب سے آگاہ ہو کر اپنے ایمان (سونے) کی حفاظت کے لئے غفلت کو ترک کر، مگر افسوس کہ تو بے اعتنائی کا دبیز لحاف اوڑھ کر میٹھی نیند کی آغوش میں پڑا ہے۔ تو جسے میٹھی نیند سمجھ رہا ہے وہ تیرے ایمان کے لئے سم قاتل اور زہر ہلاہل ہے۔ تیری عقل پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ تیرا یہ طرز عمل بھی انوکھا اور عقل و فہم سے وراء ہے۔ دنیا کا دستور ہے جب چور ڈاکو کا دور دورہ ہوتا ہے اور چوری یا ڈکیتی کا ڈر ہوتا ہے تو ہر شخص اپنے قیمتی متاع کی حفاظت و فکر کرتا ہے۔ اور اپنے قیمتی متاع کو ایسی محفوظ جگہ چھپا دیتا ہے کہ کسی چور یا ڈاکو کے ہاتھ نہ لگے۔ متاع ایمان کے آگے دنیا کے سونا چاندی کی کوئی وقعت نہیں۔ دنیا کی متاع فانی اور ایمان کی متاع باقی ہے۔ اے پیارے اپنی مت (عقل) کو فہم سلیم سے آراستہ کر، اور سوچ کہ ایمان کی متاع کی حفاظت کے سلسلے میں غفلت کرنا اور دنیا کی حقیر متاع کے تحفظ کے لئے ہر وقت مستعد رہنا کوئی عقل مندی ہے؟ ہرگز نہیں، لہٰذا غفلت کو چھوڑ، اور اپنے ایمان کی حفاظت میں لگ جا۔ بارگاہ رسالت کے گستاخوں کے کفری عقائد سے آگاہ ہو کر ان سے کنارہ کش ہو جا۔ دشمن رسول کے ساتھ اٹھنا، بیٹھنا، کھانا، پینا ان کے یہاں نکاح کرنا، ان کے پیچھے نماز پڑھنا ان کے وعظ و بیان سننا جو بھی معاملات اور موالات ہیں تمام ترک کر دے۔ اور ان سے یک لخت قطع تعلق کر لے، ان کے کلمہ، نماز، زہد و تقویٰ، علم و عمل، لباس، چال ڈھال، عبادت و پرہیز گاری وغیرہ سب کچھ دکھاوا، تصنع، تقیہ اور مکر و فریب ہے۔ لہٰذا تو اس سے دھوکہ مت کھا، منافقین اور

مرتدین کے متعلق قرآن وحدیث میں جو احکام وارد ہیں، ان پر مطلع ہو کر ان احکام کی روشنی میں ایمان کے لٹیروں سے کنارہ کشی اختیار کر۔

یہ شعر امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی اس غزل کا ہے جو آپ نے منافقین زمانہ فرقہ وہابیہ، نجدیہ غیر مقلدیہ وغیرہ کی ہجو میں مرقوم فرمائی ہے۔ ان کے دام فریب سے بچانے کے لئے اپنے دینی بھائیوں کو غفلت کی نیند سے جھنجھوڑا ہے۔ جس کا پہلا شعر یہ ہے:

سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے　　سونے والو! جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے

●

آنکھ سے کاجل صاف چرالیں یاں وہ چور بلا کے ہیں　　تیری گٹھری تاکی ہے اور تو نے نیند نکالی ہے

●

یہ جو تجھ کو بلاتا ہے یہ ٹھگ ہے مار ہی رکھے گا　　ہائے مسافر دم میں نہ آنا مت کیسی متوالی ہے



(۱۲)

انبیاء کو بھی اجل آنی ہے
مگر ایسی کہ فقط آنی ہے

حل لغت:

اجل: وقت، موت، مرگ، قضا، وقت مقرر، موت کا وقت، تقدیر۔
(فیروز اللغات، ص ۶۹ ☆ لغات کشوری، ص ۱۷ ☆ کریم اللغات، ص ۵)

آنی: آنا کی تانیث، آپہنچنا، نمودار ہونا، حاضر ہونا، نازل ہونا، جانا کی ضد۔ (فیروز اللغات، ص ۳۲)

فقط: صرف، تنہا، اکیلا، نرا، محض، بس، خاتمہ، ختم شد۔ (فیروز اللغات، ص ۹۳۵ ☆ لغات کشوری، ص ۵۳۹)

آنی: آن کی تانیث، لمحہ، ساعت، لحظہ، وقت۔ (فیروز اللغات، ص ۳۱ ☆ لغات کشوری، ص ۶۲ ☆ کریم اللغات، ص ۱۷)

پہلے مصرع میں لفظ ''آنی'' کا مطلب ''آنا'' ہے۔
دوسرے مصرع میں لفظ ''آنی'' کا مطلب ''لمحہ'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عظمت شان بیان کرتے ہیں کہ ان تمام نفوس قدسیہ کو موت آئے گی لیکن صرف ایک لحہ کے لئے ہوگی۔ اس شعر کے پہلے مصرع میں جو لفظ ''آنی'' استعمال کیا گیا ہے۔ یہ لفظ آنا کی تانیث اور مصدر ہے، دوسرے مصرع میں جو لفظ آنی ہے وہ آن کی تانیث ہے۔ دونوں آنی کے معنی الگ الگ ہیں۔ اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے پہلے مصرع میں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے اجل آنے کا اقرار کر کے اپنے اقرار کو قرآن کی مشہور آیت کریمہ

''کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ'' (سورۂ آل عمران، آیت نمبر ۱۸۵)

ترجمہ: ہر جان کو موت چکھنی ہے۔ (کنز الایمان)

کا شعری ترجمہ فرمایا ہے۔ اس آیت میں تمام نفس کو موت کا مزہ چکھنے کا اعلان فرمایا ہے۔ لہٰذا اس آیت کا مصداق بننے کے لئے صرف ایک آن کے لئے انبیاء کرام پر موت طاری ہوتی ہے۔ دوسرے مصرع میں حضرت رضا بریلوی نے انبیائے کرام کی اجل (موت) کو صرف آنی فرما کر ان تمام فرقۂ باطلہ کا رد بلیغ فرمایا۔ جو حیات انبیائے کرام کے منکر ہیں۔ خصوصاً فرقۂ نجدیہ، وہابیہ، تبلیغیہ کے امام اول فی الہند، قتیل لیلیٰ نجد و تیغ خیار مولوی اسماعیل دہلوی نے اپنی رسوائے زمانہ کتاب ''تقویۃ الایمان'' میں خود ایک جملہ گڑھ کر حضور اقدس ﷺ کی طرف منسوب کر دیا۔ ''میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں۔'' (معاذ اللہ) یہ جملہ لکھنے کا مقصد صرف یہی ہے کہ مومنین حضور ﷺ کو پکارنا اور مدد طلب کرنا بند کر دیں۔ انبیاء کی حیات دائمی کے متعلق لوگوں کا جو اعتقاد ہے اس کو متزلزل کر دیا جائے۔ اور مٹی میں ملنے کی بات تو ایک گھناؤنی توہین ہی ہے۔ انبیائے کرام کی حیات حق ہے۔ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اپنی اپنی قبروں میں اپنے جسم کے ساتھ باحیات ہیں۔ اور ان کے اجسام ان کی ظاہری حیات کی طرح صحیح سالم اور محفوظ ہیں۔ انبیائے کرام کے مقدس اجسام سڑنے، گلنے اور تعفن سے پاک ہیں۔ کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انبیائے کرام کے جسم کو کھانا روئے زمین پر حرام کر دیا ہے۔ امام بیہقی نے اس عنوان پر ایک رسالہ بنام ''حیات الانبیاء'' تالیف فرمایا ہے۔ علاوہ ازیں صاحب تفسیر جلالین، حافظ الحدیث امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ''انباء الاذکیاء فی حیاۃ الانبیاء'' تصنیف فرما کر حیات انبیاء کے دلائل قاہرہ ثبت فرمائے ہیں۔ اجلۂ صحابہ، مثلاً: حضرت انس بن مالک، حضرت اوس بن اوس، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت یوسف بن عطیہ، حضرت ابو ہریرہ، حضرت سعید بن میسب وغیرہم رضی اللہ عنہم اور ائمہ ملت اسلامیہ نے حیات انبیاء کے اثبات میں متعدد روایات نقل فرمائی ہیں۔

- امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

''اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ لَیْلَۃَ اُسْرِیَ بِہٖ مَرَّ عَلٰی مُوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ وَ ھُوَ

یُصَلِّی فِی قَبْرِہٖ''

ترجمہ: نبی ﷺ شب معراج حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرے وہ اپنے مزار انور میں نماز پڑھ رہے تھے۔ (انباء الاذکیاء)

- امام ابویعلیٰ نے اپنی مسند میں اور امام بیہقی نے کتاب ''حیات الانبیاء'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

''اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِی قُبُوْرِہِمْ یُصَلُّوْنَ''

ترجمہ: تمام انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں۔ (انباء الاذکیاء)

- امام ابوداؤد اور امام بیہقی نے حضرت اوس بن اوس ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے افضل دنوں میں جمعہ کا دن ہے۔ لہٰذا اس دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجو۔ اس لئے کہ تمہارا درود میرے پاس پیش ہوتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہمارا درود آپ پر کیسے پیش ہوگا۔ جب کہ آپ کا جسم باقی نہ رہے گا؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ

''اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ۔''

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کے جسموں کو کھانا زمین پر حرام کر دیا۔

- بیہقی نے اپنی کتاب ''حیات الانبیاء'' میں اور اصبہانی نے اپنی کتاب ''ترغیب'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ

''اِنَّ عِلْمِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ کَعِلْمِیْ فِی الْحَیَاۃِ''

یعنی بے شک وصال کے بعد میرا علم ایسا ہی رہے گا جیسا کہ دنیاوی حیات میں ہے۔

- امام ابویعلیٰ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی، انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: قسم اس کی جس کے قبضے میں میری جان ہے!

''لَیَنْزِلَنَّ عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ ثُمَّ لَئِنْ قَامَ عَلٰی قَبْرِیْ فَیَقَالُ یَا مُحَمَّدُ لَاُجِیْبَنَّہٗ''

یقیناً عیسیٰ بن مریم (آسمان سے) اتریں گے اس کے بعد میری قبر کے پاس کھڑے ہو کر مجھ کو پکاریں گے تو میں ان کو جواب دوں گا۔ (انباء الاذکیاء، اردو ترجمہ ۱۳)

- ابونعیم کی روایت دلائل النبوۃ میں حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے ہے کہ فرمایا جنگ حرہ یعنی مدینہ منورہ پر یزید کی چڑھائی کے زمانے میں صرف میں ہی مسجد نبوی شریف میں تھا۔ اور

''وَ مَا یَاْتِی وَقْتُ الصَّلٰوۃِ اِلَّا سَمِعْتُ الْاَذَانَ مِنَ الْقَبْرِ''

یعنی ہر نماز کے وقت مزار انور سے میں اذان سنتا تھا۔

- حافظ الحدیث، حضرت امام جلال الدین سیوطی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شہیدوں کی شان میں فرمایا کہ

"وَ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ۔"

(سورۂ آل عمران، آیت ۱۶۹)

ترجمہ: اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے، ہرگز انہیں مردہ خیال نہ کرو بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور روزی پاتے ہیں۔

اور انبیاء اس حیات ورزق کے زیادہ حقدار ہیں۔ اس لئے کہ وہ شہیدوں سے بہت بزرگ اور بہت بڑے ہیں۔

"وَ كُلُّ نَبِيٍّ اِلَّا وَ قَدْ جَمَعَ مَعَ النُّبُوَّةِ وَصْفُ الشَّهَادَةِ"

یعنی اور ہر نبی نبوت کے ساتھ شہید بھی ہے۔ (انباء الاذکیاء اردو ترجمہ، ص ۱۶)

- بخاری و بیہقی نے روایت کی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرض وصال میں فرماتے تھے کہ میں اس کھانے کی تکلیف ہمیشہ پاتا رہا جو میں نے خیبر میں کھایا تھا۔ اسی تکلیف کی وجہ سے یہ میرے وصال کا وقت ہے۔

"فَثَبَتَ كَوْنُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ حَيًّا فِيْ قَبْرِهٖ بِنَصِّ الْقُرْآن"

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر شریف میں زندہ رہنا صریح قرآن عظیم سے ثابت ہے۔

- امام بیہقی نے کتاب الاعتقاد میں فرمایا کہ

"اَلْاَنْبِيَاءُ بَعْدَ مَا قُبِضُوْا رُدَّتْ اِلَيْهِمْ اَرْوَاحُهُمْ فَهُمْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ كَالشُّهَدَاءِ"

یعنی انبیائے کرام کو وصال کے بعد ان کی روحیں واپس دی گئیں، تو وہ شہیدوں کی طرح اپنے رب کے یہاں زندہ ہیں۔

اور امام قرطبی نے تذکرہ میں اپنے شیخ سے نقل کیا کہ انبیاء کا وصال عدم خالص نہیں۔ بلاشبہ ان کا وصال ایک حال سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہونا ہے۔ اور اس پر یوں رہنمائی ہوتی ہے کہ شہید قتل ہوئے اور اپنے وصال پانے کے بعد زندہ ہیں۔ رزق پاتے ہیں، خوش وخرم ہیں۔ اور دنیا میں زندوں کا یہی حال ہے۔

"وَ اِذَا كَانَ فِي الشُّهَدَآءِ فَالْاَنْبِيَاءُ اَحَقُّ بِذٰلِكَ وَ اَوْلٰى"

یعنی اور جب یہ کیفیت شہداء میں ہے تو نبی اس کے زیادہ حقدار اور بہت لائق ہیں۔ (انباء الاذکیاء فی حیاۃ الانبیاء، ص ۱۸)

- حافظ الحدیث امام جلال الدین سیوطی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انبیائے کرام کے وصال کا حاصل یہ ہے کہ وہ ہم سے اس طرح غائب ہو گئے ہیں کہ ہم ان کو دیکھ نہیں سکتے۔ اگرچہ وہ موجود ہیں، زندہ ہیں۔

"وَ لَا يَرَاهُمْ اَحَدٌ مِّنْ نَوْعِنَا اِلَّا مَنْ خَصَّهُ اللّٰهُ بِكَرَامَتِهٖ مِنْ اَوْلِيَائِهٖ"

یعنی اور ہماری نوع انسانی میں سے صرف وہ اولیاء نبیوں کو دیکھتے ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے کرامت سے سرفراز فرمایا۔

- استاذ العلماء، ابو المنصور عبد القاہر بن بغدادی رضی اللہ عنہ نے "اَجْوِبَةُ مَسَائِلِ اَنْجَازٍ مُبِيْن" میں فرمایا ہے کہ متکلمین و محققین اہل سنت کا ارشاد ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وصال کے بعد زندہ ہیں۔

"وَ اَنَّهٗ يُبْشَرُ بِطَاعَاتِ اُمَّتِهٖ وَ يَحْزَنُ بِمَعَاصِي الْعُصَاةِ مِنْهُمْ"

یعنی اور یہ کہ سرکار اپنی امت کی نیکیوں سے خوش ہوتے ہیں اور گناہگاروں کے گناہ سے رنجیدہ ہوتے ہیں۔
اور یہ بھی فرمایا کہ انبیاء بوسیدہ نہیں ہوتے نہ ان کا کوئی حصہ زمین کھا سکتی یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے زمانے میں وصال فرما گئے اور ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ میں نے موسیٰ کو ان کی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا۔

(انباء الاذکیاء، ص ۲۱

- شیخ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قبر میں انبیاء اور شہداء کی حیات دنیا کی حیات کی طرح ہے اور اس کی گواہی دیتا ہے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا، اس لئے کہ نماز زندہ جسم ہی پڑھ سکتا ہے۔
- امام بیہقی اپنی کتاب ''حیات الانبیاء'' میں فرماتے ہیں کہ

''بِاَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَرُدُّ اِلَیْہِ رُوْحَہٗ بَعْدَ الْمَوْتِ عَلَی الدَّوَامِ''

یعنی اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی روح وصال کے بعد ہمیشہ کے لئے واپس دے دی ہے۔
تو حضور ہمیشہ زندہ ہیں یہاں تک کہ اگر کوئی ان پر سلام پیش کرتا ہے، تو اس کا جواب عطا فرماتے ہیں۔ کیوں کہ حضور زندہ ہیں۔

- حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے ایک شعر میں بہت سی احادیث اور بہت سے اقوال ائمہ کرام کی ترجمانی کردی ہے۔ اس شعر کے بعد اسی نعت شریف میں دوسرا شعر بھی اسی مفہوم کا ہے، جس میں حضرت رضا بریلوی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

پھر اسی آن کے بعد ان کی حیات مثل سابق وہی جسمانی ہے

یعنی صرف ایک آن (لحہ) کے لئے انبیائے کرام پر موت طاری ہوتی ہے۔ اور پھر اس آن کے بعد انبیائے کرام مثل سابق یعنی پہلے کی طرح جسمانی طور پر زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے۔ حیات انبیاء کے تعلق سے حضرت رضا بریلوی کی دل پذیر وضاحت قابل صد تحسین ہے۔



۱۳

اس پاک کو میں خاک بسر سر بخاک ہیں
سمجھے ہیں کچھ یہی جو حقیقت بسر کی ہے

حل لغت:

کو: گلی، کوچہ، محلہ۔ (فیروز اللغات، ص۱۰۳۸ ☆ لغات کشوری، ص۶۰۱ ☆ کریم اللغات، ص۱۳۱)

خاک: مٹی، دھول، زمین، کچھ، ذرا، کچھ نہیں، کیوں، کیوں کر، کس طرح، راکھ، خمیر، دھرتی، بالکل نہیں، سرشت۔
(فیروز اللغات، ص۵۸۱ ☆ لغات کشوری، ص۲۴۹ ☆ کریم اللغات، ص۶۱)

ب: ساتھ، مع، لئے، واسطے، سے، از، قسم، مطابق، میں، اندر، پر، اوپر، مقابل۔ (فیروز اللغات، ص۱۵۳)

سر: سر، کھوپڑی، کسی چیز کا اوپر کا حصہ، ابتداء، فکر، خیال، زور، قوت، سردار، خلاصہ، خواہش، ارادہ، کنارہ، عنوان، عشق، دماغ، برابر، بالکل۔ (فیروز اللغات، ص۷۸۶ ☆ لغات کشوری، ص۳۷۴)

بسر: ب+سر=بسر، یعنی سر پر۔ (فیروز اللغات، ص۲۰۲)

بخاک: ب+خاک=بخاک، یعنی خاک پر۔

بسر: گزر، گزارنا۔ (فیروز اللغات، ص۲۰۲)

پہلے مصرع میں وارد لفظ "بسر" کا مطلب "سر پر" ہے۔

دوسرے مصرع میں وارد لفظ "بسر" کا مطلب "گزر" ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان خیر الدیار، افضل البلاد، مدینہ منورہ کی عظمت و فضیلت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مدینہ طیبہ میں سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی جہاں عرش سے بھی افضل، مقدس آرام گاہ ہے اس گلی کی خاک کو سر پر اور سر کو اس مقدس خاک پر رکھنا ہی معراج زندگی ہے۔ جو حضرات اس حقیقت کو سمجھتے ہیں، یعنی عارفین ہیں وہ اس سعادت عظمیٰ اور اس نعمت کبریٰ کے حصول کی تمنا میں اپنی زندگی بسر کر دیتے ہیں۔

اس شعر میں لفظ "بسر" کا استعمال دو مرتبہ کیا گیا ہے۔ لیکن دونوں بسر میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مصرع اول میں

جو لفظ "بسر" ہے وہ "ب+سر=بسر" ہے۔ لیکن حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ان دونوں الفاظ کا ایسے حسین طریقہ سے استعمال فرمایا کہ بڑے بڑے شعراء وادباء بھی اس طرح کے استعمال سے اکثر عاجز وقاصر ہوتے ہیں۔ حضرت رضا بریلوی نے اس شعر کے ذریعہ اردو نعتیہ شاعری کے حسن میں چار چاند لگا دیا ہے۔ دونوں لفظ بسر حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں۔ لیکن باعتبار معنی ومطلب دونوں میں مشرق ومغرب کا بعد ہے۔ لہٰذا یہ شعر فن شاعری کے اعتبار سے صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

شعر کے الفاظ پر توجہ فرمائیں کہ "خاک بسر سر بخاک" یعنی خاک سر پر ہو اور سر خاک پر" کتنی نفیس بندش ہے۔ اور کتنی عظیم آرزو وتمنا ہے کہ خاک سر پر ہو اور سر خاک پر ہو۔ اور یہ کیفیت صرف ایک ہی صورت میں پیدا ہو سکتی ہے جب آدمی زیر زمین مدفون ہو۔ کیوں کہ جب میت کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کا سر خاک پر ہی ہوتا ہے۔ اور دفن کے بعد اس کے سر پر خاک ہوتی ہے۔ یہ حقیقت بیان کر کے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ یہ ترغیب دے رہے ہیں کہ مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کے کوچے میں دفن ہو جاؤ اور جس کو وہاں دفن ہونے کی سعادت حاصل ہوگئی اس کی دنیا اور آخرت دونوں سنور گئی۔ یعنی اس کی دنیاوی زندگی بھی کامیاب رہی اور قبر کی منزل میں حشر تک عیش وآرام سے رہے گا۔ اور جو اس حقیقت کو جان گئے، وہ ہمیشہ مدینہ منورہ میں مرجانے کی تمنا رکھتے ہیں۔ اور کیوں نہ ہو کہ احادیث میں بھی وارد ہے۔

- ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں:

"مَنِ اسْتَطَاعَ اَنْ یَّمُوْتَ بِالْمَدِیْنَۃِ فَلْیَمُتْ فَمَنْ مَاتَ بِالْمَدِیْنَۃِ کُنْتُ لَہٗ شَفِیْعًا وَّ شَہِیْدًا"

یعنی جو شخص مدینہ میں مرنے کی طاقت رکھتا ہے تو اسے چاہیئے کہ اسی جگہ مرے، پس جو مدینہ میں مرا وہ میری شفاعت اور میری شہادت باسعادت سے مشرف ہوگا۔

من جملہ خود حضور اقدس ﷺ نے اپنی امت کو اس شہر پاک میں اقامت کی ترغیب دی ہے۔ اور اپنے شہر مبارک میں موت کو پسند فرمایا ہے۔ (جذب القلوب الی دیار المحبوب، از: شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، ص ۲۲)

- حدیث میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ یہ دعا فرماتے تھے:

"اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْ مَنَایَانَا بِمَکَّۃَ"

یعنی اے اللہ! میری موت مکہ میں مت کر اور میری روح سوائے مدینہ کے نہ نکال!

- ایک حدیث میں تو یہاں تک آیا ہے کہ روئے زمین پر مدینہ منورہ کے سوا کوئی خطہ زمین ایسا نہیں جس کو میں اپنی قبر کے لئے پسند کروں۔ (جذب القلوب، ص ۲۳)

- امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین، سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہمیشہ یہ دعا کرتے تھے:

"اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِکَ وَ اجْعَلْ مَوْتِیْ فِیْ بَلَدِ رَسُوْلِکَ"

یعنی اے اللہ! مجھے اپنی راہ میں شہادت نصیب کر اور مجھے موت اپنے رسول کے شہر میں دے۔

- حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ میری امت سے جو لوگ سب سے پہلے میری شفاعت کا شرف حاصل کریں گے وہ اہل مدینہ ہیں۔ ''ثُمَّ اَھلَ مَکَّۃَ ثُمَّ اَھلَ الطَّائِفِ'' ان کے بعد اہل مکہ، پھر اہل طائف۔

(جذب القلوب، ص

- جب امیر المومنین خلیفۃ المسلمین سیدنا عثمان بن عفان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو باغیوں نے گھیر لیا تھا تو بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کو مشورہ دیا کہ مصلحت اور وقت کی نزاکت یہ ہے کہ آپ اہل شام کے ساتھ ملک شام چلے جائیں تا کہ اس بلا اور مصیبت سے آپ نجات پائیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں جائز نہیں سمجھتا کہ اپنے ہمسایوں کو چھوڑوں۔ (مدارج النبوۃ، از: شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد۲، ص ۷۶۸)

المختصر! حضرت امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ کی جدائی کو گوارا نہ کیا۔ اور اپنی جان کی حفاظت سے بھی زیادہ اہمیت مدینہ طیبہ کی حاضری کو دی۔ ماحول دن بدن مخالف ہوتا گیا۔ لیکن آپ نے اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقدس دیار نہ چھوڑا۔ آپ نے بے شمار مصائب و تکالیف برداشت فرمائے۔ بالآخر مدینہ طیبہ میں سکونت پذیر رہتے ہوئے ہی آپ نے جام شہادت نوش فرمایا۔ اور سرزمین مدینہ میں مدفون ہونے کی سعادت حاصل کی۔

بقول حضرت رضا بریلوی:

یہ سر ہو اور وہ خاک در وہ خاک در ہو اور یہ سر	رضاؔ وہ بھی اگر چاہیں تو اب دل میں یہ ٹھانی ہے



(۱۴)

بلبل گل مدینہ ہمیشہ بہار ہے
دو دن کی ہے بہار فنا ہے مآل گل

حل لغت:

بلبل: عندلیب، ایک نہایت خوش آواز پرندہ، ہزار داستاں۔ (فیروز اللغات، ص ۲۱۲ ☆ لغات کشوری، ص ۱۰۳ ☆ کریم اللغات، ص ۲۵)

گل: پھول، جسم کو داغنے کا نشان، چراغ کی بتی کا جلا ہوا یا جلتا ہوا سرا، جوتے کی ایڑی کا چمڑا، معشوق، داغ، دھبہ، پھانسی، حقے کا جلا ہوا تمباکو، وہ سفید دھبہ جو آنکھوں میں پڑ جائے، آگ سے جل جانے کا نشان، آگ کا انگارہ، نتیجہ، بہتر، خوب۔ (فیروز اللغات، ص ۱۱۰۰ ☆ لغات کشوری، ص ۶۱۷ ☆ کریم اللغات، ص ۱۳۴)

بہار: پھول کھلنے کا موسم، بسنت رُت، موسم ربیع، نارنج کا پھول، گٹے کا پھول، لطیف، مزہ، جوبن، خوشی، شباب، سرسبزی، شادمانی، ایک نفیس کپڑے کی قسم، نام ایک بت خانہ کا، رونق صریح، فرحت، تروتازگی، اسیر، تماشا، آنند، سرور، نشہ کا چڑھاؤ۔ (فیروز اللغات، ص ۲۲۵ ☆ لغات کشوری، ص ۱۰۸ ☆ کریم اللغات، ص ۲۶)

دودن: قلیل عرصہ، تھوڑا سا زمانہ۔ (فیروز اللغات، ص ۶۵۰)

فنا: نیستی، موت، ہلاکت، بربادی، نابود، نیست، مرنا، ہلاک ہونا۔ (فیروز اللغات، ص ۹۳۸ ☆ لغات کشوری، ص ۵۴۲)

مآل: مرجع، جائے بازگشت، جائے رجوع، لوٹنے کی جگہ، انجام، نتیجہ، خاتمہ، اخیر۔
(فیروز اللغات، ص ۱۱۷۸ ☆ لغات کشوری، ص ۶۵۱)

پہلے مصرع میں لفظ ''بہار'' کا مطلب ''شادمانی'' ہے۔
دوسرے مصرع میں لفظ ''بہار'' کا مطلب ''بسنت'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان مدینہ کے پھول اور مدینہ طیبہ کے علاوہ دیگر مقامات کے پھولوں کا تذکرہ کرتے ہوئے پھول سے بے انتہا محبت رکھنے والی بلبل کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ اے بلبل! صرف مدینہ کے پھول کی ہی یہ خصوصیت ہے کہ جس پر ہمیشہ بہار رہتی ہے اور مدینہ کے علاوہ دیگر مقامات کے جو پھول ہیں ان پھولوں پر صرف دو دن یعنی قلیل عرصہ کے لئے ہی بہار ہے اور پھر انجام یہ ہوگا کہ دو دن کی بہار کے بعد وہ پھول فنا کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان مدینہ طیبہ کے پھول کی تعریف و تحسین اور اس کی شادمانی کی بقا کا تذکرہ کر کے مدینہ کے مکین، گنبد خضریٰ میں آرام فرمانے والے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور آپ کے فیض و کرم کی شان رفیع کا اظہار کر رہے ہیں۔ اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مسعود کے طفیل شہر مدینہ ہمیشہ آباد رہے گا۔ برکت ظاہر و باطن کے آثار اس شہر مقدس میں آشکار ہوتے رہیں گے۔ یہاں آپ کی تشریف آوری کے بعد ہمیشہ خیر و برکت کا نزول ہوا اور تا قیام قیامت ہوتا رہے گا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے محبوب اعظم کے قدم ناز کی برکت اور پاکیزہ دعاؤں کا صدقہ اور طفیل ہے۔

- امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت ہے کہ ایک دن وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مدینہ سے نکلے اور بحرہ سقیا جو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا مقام ہے وہاں پہنچے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی طلب فرمایا اور وضو کیا، اس کے بعد آپ نے روبقبلہ کھڑے ہو کر یہ دعا فرمائی، اے اللہ! ابراہیم تیرا بندہ اور تیرا خلیل ہے۔ انہوں نے تجھ سے اہل مکہ کی بابت دعا کی تھی کہ یہاں خیر و برکت دے اور میں بھی تیرا بندہ اور تیرا رسول ہوں اہل مدینہ کے لیے میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ اے میرے رب! اہل مدینہ کے مد اور صاع (اناج ناپنے کے پیمانے) میں ویسی ہی

برکت دے جیسی تو نے اہل مکہ کو برکت دی لیکن اہل مدینہ کو اہل مکہ سے دوگنی برکت عطا فرما۔

(جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب، از: شیخ عبد الحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، ص ۲۵)

- صحیح بخاری شریف میں آیا ہے:

"اِنَّهَا طَيْبَةٌ تَنْفِي الذُّنُوْبَ كَمَا يَنْفِي الْكِيْرُ خُبْثَ الْفِضَّةِ"

یعنی وہ مدینہ پاک ہے جو گناہوں کی نجاست کو اس طرح دور کرتا ہے جس طرح سناروں کی بھٹی چاندی کے میل کچیل صاف کرتی ہے۔

مدینہ طیبہ میں گناہوں کی نجاست دور ہونے کے ساتھ ساتھ امراض باطنی وظاہری اور ہر قسم کے مصائب وآفات بھی دور ہو جاتے ہیں۔ کیوں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: مدینہ کے دروازوں پر فرشتے ہیں، اس میں طاعون اور دجال داخل نہیں ہو سکتے۔ (بخاری شریف)۔

تاریخ وسیر کی کتابوں میں ایسے کئی واقعات مروی ومنقول ہیں۔ لیکن یہاں پر طول تحریر کے خوف سے صرف ایک عجیب وغریب آگ کا واقعہ قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ اس آگ کے واقعہ کو مدینہ طیبہ کے کئی مؤرخین نے اپنی اپنی کتابوں میں مرقوم فرمایا ہے۔ مثلاً: جمال مصری، علامہ قسطلانی، قرطبی، شاہ عبد الحق محدث دہلوی وغیرہ۔

- قرطبی کہتے ہیں کہ مدینہ طیبہ میں ۶۵۴ھ کے جمادی الاولیٰ کے شروع سے تیسری جمادی الآخرۃ تک زبردست زلزلے آئے، جن کی آواز ایسی تھی گویا بادل گرج رہے ہوں۔ تمام مکانات اور دیواریں جنبش میں آ گئیں۔ ایک رات میں چودہ یا اٹھارہ مرتبہ متواتر زلزلہ آتا رہا۔ اس زلزلے کے تین مہینے کے بعد جب کہ لوگ عشاء کی نماز سے فارغ ہو چکے تھے، ایک آگ حجاز کی جانب سے ظاہر ہوئی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ آگ بہت بڑا قلعہ بند شہر ہے جس میں بڑے بڑے برج دکھائی دیتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آدمیوں کی ایک بڑی جماعت ہے جو اس کو کھینچ لا رہی ہے۔ جو پہاڑ اس آگ کے درمیان آجاتا یہ آگ اسے جلا کر خاکستر کر دیتی۔ اکثر پہاڑوں کو رانگ کی طرح پگھلا دیتی، یہ آگ بجلی کے مانند آواز کرتی اور دریا کے مثل موجیں مارتی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے اس آگ کے درمیان سے سرخ اور نیلی نہریں نکلتی ہوں۔ لیکن جب یہ آگ مدینہ کے قریب پہنچی تو ان تمام باتوں کے باوجود ایک ٹھنڈی ہوا اس آگ کی طرف سے مدینہ میں آتی ہے۔
- امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ جو اس زمانہ میں مدینہ منورہ میں موجود تھے وہ کہتے ہیں کہ اس آگ کی روشنی تمام اطراف آبادی اور جنگل کو گھیرے ہوئے تھی، حرم نبوی اور مدینہ منورہ کے جملہ مکانات کو مثل آفتاب کے روشن کئے ہوئے تھی، یہاں تک کہ لوگ راتوں کو اس کی روشنی میں کام کر لیتے تھے۔ ان ایام میں آفتاب اور ماہتاب کو گہن لگ گیا تھا۔ اور ان کی روشنی زائل ہو گئی تھی۔
- بعض لوگوں نے مکہ معظمہ میں بھی اس آگ کی روشنی کو دیکھا۔ اور تیما وبصریٰ میں بھی مشاہدہ کیا۔ حضور اقدس ﷺ نے

اس آگ کی پیشین گوئی فرمائی تھی کہ ایک آگ حجاز کی جانب سے نکلے گی اور اس کی روشنی میں اونٹوں کی گردنیں بصریٰ میں دکھائی پڑیں گی، مؤرخوں نے بیان کیا ہے کہ اس آگ کا طول (لمبائی) چار فرسنگ کے برابر اور عرض (چوڑائی) چار میل اور گہرائی آدمیوں کے ڈیڑھ قد کے برابر تھی، اس کی رفتار اولے کے مانند اور اس کی موجیں مثل دریا کے تھیں۔

- اس آگ میں ایک خاص بات یہ تھی کہ اس کی گرمی سے پتھر پگھل جاتے تھے اور اس سے بھی زیادہ اچنبھے کی بات یہ ظاہر ہوئی کہ ایک بہت بڑی دیوار نمودار ہوئی، جس نے مدت دراز تک لوگوں کو چلنے سے روک دیا اور مویشی اور چوپایوں کی رہ گزر بند ہوگئی۔ لیکن یہ دیوار ایک بڑی حکمت پر مشتمل تھی۔ وہ یہ کہ دوسری جانب سے فسادی بدو مدینہ میں پہنچ کر ساکنان شہر مقدس کو پریشان کیا کرتے تھے۔ اس دیوار کے وجود نے ان کے داخلے کو روک دیا۔
- اس آگ کے عجائبات اور اس کے حیرت انگیز واقعات احاطۂ تحریر و بیان سے باہر ہیں۔ جمال مصری جو مدینہ منورہ کے مؤرخین میں سے ہیں بیان کرتے ہیں کہ اس آگ کی عجیب باتوں میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ یہ پتھروں کو خاک کر دیتی تھی۔ لیکن درختوں کو اس سے کچھ نقصان نہ پہنچتا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ امیر عز الدین کے آزاد کردہ غلام مجھ سے کہتے تھے کہ مجھے ایک دوسرے شخص کے ساتھ امیر عز الدین نے اس آگ کی تحقیقات کے لئے حکم فرمایا۔ ہم دونوں سوار ہو کر اس آگ کے قریب پہنچے، کسی قسم کی گرمی ہم کو اس سے محسوس نہ ہوئی، حالاں کہ یہ پہاڑوں اور قلعوں کو بھی بھسم کر دیتی تھی، میں نے ترکش سے ایک تیر نکالا اور اس کی طرف پھینکا تیر کے سارے پر تو جل گئے لیکن اس کی لکڑی سلامت رہی، جمال مصری کہتے ہیں کہ یہ حالت سن کر میرے دل میں ایک دوسری بات آئی کہ اس آگ کا درختوں کو نہ جلانا گویا علامت ہے نبی ﷺ کے حرم بنانے کی۔ جس طرح کہ حرم مدینہ کی شان میں آپ نے فرمایا کہ تمام مخلوقات پر اس کی اطاعت واجب اور کائنات پر اس کے ادب کا لحاظ رکھنا واجب ہے۔
- امام قسطلانی فرماتے ہیں کہ ایک صاحب جن کی خبریں وثوق اور اعتماد کے لائق ہیں۔ میں نے ان سے سنا ہے کہ میدان میں ایک بڑا پتھر پڑا ہوا تھا۔ جس کا آدھا حصہ حرم میں داخل تھا۔ اور باقی نصف حصہ خارج از حرم تھا۔ اس آگ نے خارجی حصہ کو تو جلا دیا۔ لیکن جب داخلی حصہ تک پہنچی تو گل ہوگئی۔
- مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ مدینہ منورہ کے قاضی و امیر نے تمام باشندگان کے ساتھ جمع ہو کر گریہ وزاری شروع کی، غلاموں کو آزاد کر کے داد سخاوت دی، جمعہ اور ہفتہ کی شب میں تمام اہل مدینہ حتیٰ کہ ان میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے۔ سب نے مل کر حرم شریف میں رات گزاری اور حجرہ شریف کے گرد برہنہ سر گریہ وزاری کرتے رہے۔ حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی برکت سے اس آگ کا رخ شمال کی طرف پھیر دیا۔ اور باشندگان شہر مدینہ منورہ کو اپنے کرم کا امیدوار بنایا۔ بڑھتی ہوئی آگ اور اس کے شعلے جنگلوں کو چلے گئے۔
- اس آگ کی مدت بقول مورخین تین مہینہ تھی۔ اور علامہ امام قسطلانی نے اس آگ کی مدت بارہ روز بتائی ہے۔ اتنی طویل مدت تک یہ آگ جلتی رہی اس کے باوجود حضور اقدس ﷺ کی برکت سے مدینہ اور اہل مدینہ کو کوئی نقصان نہ

ہوا۔(جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب، از: شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، ص۴۵ تا ۴۸)

مذکورہ واقعہ میں ایک بات خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ آگ نے پتھر کا وہ حصہ جو حرم نبوی کی حد سے باہر تھا اس کو تو جلا دیا، لیکن جو حصہ حدود حرم میں داخل تھا۔ اس کو آگ نہ جلا سکی، یہ سب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت تھی۔ تو ثابت ہوا کہ جس پتھر کو حرم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت ہوگی وہ آگ میں جلنے سے محفوظ رہا۔ تو جس کو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت عشق ومحبت ہے۔ وہ بھی ان شاء اللہ یقیناً جہنم کی آگ میں جلنے سے محفوظ رہے گا۔ اور اسی عشق نبی کی برکت ونسبت کو ملحوظ رکھتے ہوئے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس شعر میں بلبل سے مخاطب ہو کر فرمایا ہے کہ اے بلبل! اگر تجھے عاشق ہونا ہے تو مدینہ منورہ کے پھول پر عاشق ہو کیوں کہ گل مدینہ ہمیشہ پُر بہار ہے اور مدینہ کا گل فنا ہونے سے محفوظ ومامون ہے۔



⑮

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا

دریا بہا دیے ہیں در بے بہا دیے ہیں

حل لغت:

کریم: بخشنے والا، سخی، بزرگ، فیاض، مہربان، گناہ بخشنے والا، خدائے تعالیٰ کا ایک صفاتی نام۔

(فیروز اللغات، ص۱۰۰۶ ☆ لغات کشوری، ص۵۸۸ ☆ کریم اللغات، ص۱۲۹)

بہا: بہانا، جاری کرنا، رواں کرنا۔ (فیروز اللغات، ص۲۲۶)

دُر: موتی، گوہر، کان میں پہننے کا ایک زیور، بڑا موتی، جواہر۔

(فیروز اللغات، ص۶۱۹ ☆ لغات کشوری، ص۲۸۳ ☆ کریم اللغات، ص۷۰)

بہا: مول، قیمت، دام۔ (فیروز اللغات، ص۲۲۵ ☆ لغات کشوری، ص۱۰۸ ☆ کریم اللغات، ص۲۶)

بے بہا: بیش قیمت، انمول، بے انداز قیمت والی چیز، بہت زیادہ قیمت کی شے، نایاب، کم یاب، نفیس، عمدہ، عجیب، وغیرہ۔

(فیروز اللغات، ص۲۴۴)

دوسرے مصرع میں پہلے لفظ ''بہا'' کا مطلب ''بہانا'' ہے۔

دوسرے مصرع میں دوسرے لفظ ''بہا'' کا مطلب ''قیمت'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا ومولیٰ ﷺ کے جود وکرم اور عنایت و سخاوت کی تعریف وتوصیف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میرے فیاض ومہربان آقا کی سخاوت وبخشش کا یہ عالم ہے کہ میرے آقا سے اگر کسی نے پانی کا ایک قطرہ مانگا۔ اور اپنا دامن اس بارگاہ میں پھیلایا تو میرے آقا نے مانگنے والے کو صرف قطرہ ہی نہیں دیا، بلکہ اس کے لیے دریا بہادیئے ہیں۔ صرف پانی کا دریا ہی نہیں بہایا، بلکہ بیش قیمت موتی بھی عطا فرمائے ہیں۔ اس شعر کے مصرع ثانی میں لفظ ''بہا'' کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ ''بہا'' ہے وہ بہانا یا جاری کرنا یا رواں کرنے کے معنی میں ہے۔ دوسری مرتبہ جو لفظ ''بہا'' ہے، وہ قیمت اور دام کے معنی میں ہے۔ دونوں لفظ ''بہا'' حروف و اعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں، لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے الگ الگ ہونے کی وجہ سے یہ شعر اردو ادب کی فن شاعری کے اعتبار سے صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر میں میں حضرت رضا بریلوی نے قطرہ، دریا اور دُر جیسے تین الفاظ کا استعمال فرمایا ہے کہ ان تینوں میں آپس میں گہری مناسبت ہے۔ مثل مشہور ہے کہ ''قطرہ قطرہ دریا می شود'' یعنی قطرہ قطرہ مل کر دریا بنتا ہے، نیز دریا بے شمار قطرات کا مجموعہ ہے۔ قطرے سے دریا ہوتا ہے اور دریا میں قطرہ ہوتا ہے۔ یعنی قطرہ اور دریا کا چولی دامن کا رشتہ ہے۔ تیسرا لفظ ''دُر'' یعنی موتی کا استعمال فرمایا ہے۔ موتی اور قطرہ دونوں کا دریا سے مضبوط رشتہ ہے۔ کیوں کہ موتی دریا سے برآمد ہوتا ہے۔ لیکن اس موتی کی تخلیق کا سبب ایک قطرہ ہے۔ سیپ نام کی ایک دریائی مخلوق پانی کی سطح پر آکر آسمان کی طرف اپنا منہ کھلا رکھتی ہے۔ اس کے کھلے منہ میں ابر نیساں کا قطرہ ٹپکتے ہی اس کا منہ بند ہوجاتا ہے۔ اور وہ سیپ پانی کے اندرونی حصہ میں چلی جاتی ہے۔ کچھ عرصہ تک ابر نیساں کا قطرہ سیپ میں رہتا ہے۔ ماہرین علم جواہرات اور ماہرین علم الحقیقت کے اقوال و نظریات کے مطابق سیپ کے پیٹ کی گرمی کی وجہ سے وہ ابر نیساں کا قطرہ آہستہ آہستہ پکتا رہتا ہے اور بالآخر وہ ابر نیساں کا قطرہ موتی میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ موتی ڈھونڈھنے کا پیشہ کرنے والے دریا کے سیپ کا پیٹ چاک کرکے موتی برآمد کرتے ہیں۔ تو موتی قطرے سے بنا اور دریا کے اندر رہا۔ اس ناطے موتی کو قطرے اور دریا دونوں سے رشتہ ہے۔

علاوہ ازیں حضرت رضا بریلوی نے اس شعر میں قطرہ، دریا اور دُر کو ایسی ترتیب سے استعمال فرمایا ہے کہ ربط منقطع نہیں ہوتا۔ پہلے قطرہ کا لفظ استعمال فرمایا۔ بعد میں دریا اور بعدہ موتی، یعنی قطرہ سے دریا بنا اور دریا سے موتی برآمد ہوا۔ شعر کا تیور اور انداز بیان دیکھتے ہی دل عشق رسول کی مستی میں سرشار ہوکر جھوم اٹھتا ہے۔ مانگنے والے نے ''قطرے'' نہیں مانگے بلکہ ''قطرہ'' مانگا اور عطا کرنے والے پیارے آقا نے دریا نہیں ''بہادیا'' بلکہ ''بہادیئے'' ہیں۔ صرف ایک قطرہ کا سوال کیا گیا تھا لیکن سخی آقا نے ایک قطرہ یا ایک دریا نہیں بہایا بلکہ کئی دریا بہادیے۔ صرف دریا ہی نہیں بلکہ دریا کے ساتھ ساتھ دربے بہا یعنی انمول موتی بھی عطا فرمائے ہیں، کیوں کہ عطا فرمانے والا ماوشما جیسا بشر نہیں ہے بلکہ قاسم نعمت اللہ یعنی

اللہ کی رحمت کو تقسیم فرمانے والے محبوب خدا، اور اجود الناس یعنی انسانوں میں سب سے زیادہ سخی ہیں۔

ایک اہم بات کی وضاحت ضروری ہے کہ جود وعطا میں دینے والے کا کردار ہی اہم ہوتا ہے۔ مانگنے والا تو کچھ بھی مانگ لیتا ہے لیکن عطا کا پورا دار و مدار دینے والے کی استطاعت و سخاوت پر منحصر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر کسی مالدار سے ایک فقیر نے پانچ سو روپیہ کا سوال کیا۔ فقیر کی مراد پوری ہونے کے لئے دو امر کا ہونا ضروری ہے۔ اول یہ ہے کہ جس سے سوال کیا گیا ہے اس کے پاس اتنا مال ہونا ضروری ہے کہ وہ سائل کا سوال پورا کر سکے، اور دوم یہ ہے کہ اس میں فراخ دلی ہونا لازمی ہے کہ وہ بخل سے کام نہ لے۔ دونوں میں سے کسی کے فقدان کی صورت میں سائل کا سوال پورا ہونے کا امکان نہیں۔ مثلاً: فقیر نے جس شخص سے پانچ سو روپیہ کی مدد کا مطالبہ کیا وہ شخص دل سے چاہتا ہے کہ فقیر کا سوال پورا کر دوں، لیکن وہ خود بھی مفلس الحال ہے۔ فقیر کو پانچ سو روپیہ دینا تو درکنار، صرف پانچ روپیہ بھی اس کے پاس نہیں یا یہ کہ اس کے پاس اتنا مال ہے کہ فقیر کو پانچ سو تو کیا پانچ ہزار بھی دے سکتا ہے، لیکن وہ شخص اول نمبر کا بخیل ہے۔ ایک پھوٹی کوڑی بھی کسی کو دینے میں ہزار بار سوچتا ہے۔ ان صورتوں میں فقیر کا سوال کبھی بھی پورا نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا عطا کرنے والے کا صاحب استطاعت اور صاحب دل ہونا ضروری ہے۔ مفلس ہو اور دینے کا ارادہ رکھتا ہو۔ یا مال ہو مگر دینے والا بخیل (کنجوس) ہو تو کام نہیں بنے گا۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی داد و دہش کے متعلق یہاں تک فرماتے ہیں کہ:

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا دریا بہا دیے ہیں دربے بہا دیے ہیں

جس کا مطلب یہ ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کے اختیار و قبضہ میں تمام خزانے بھی ہیں۔ اور حضور دینے کے معاملے میں قطعاً بخیل نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے بعد انسانوں میں سب سے بڑھ کر سخی ہیں۔

- حدیث میں ہے کہ حضور اقدس، اجود الناس، مالک و مختار، آقا ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ

"اَللّٰہُ اَجْوَدُ جُوْدًا ثُمَّ اَنَا اَجْوَدُ بَنِیْ اٰدَمَ"

یعنی اللہ سب سے بڑا اجواد (سخی) ہے، پھر میں بنی آدم میں سب سے بڑا اجواد ہوں۔ (مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۹۱)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور اقدس ﷺ تمام انسانوں سے زیادہ جواد یعنی سخی ہیں۔ آپ کی سخاوت کا کوئی ثانی ہی نہیں۔ اب کچھ ایسی احادیث ملاحظہ فرمائیں، جن سے یہ ثابت ہو کہ حضور ﷺ کے قبضہ واختیار میں کیا کیا تھا؟

- حضرت امام بخاری اور امام مسلم حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں:

"بَیْنَنَا اَنَا نَائِمٌ، اِذْ جِیْءَ بِمَفَاتِیْحِ خَزَائِنِ الْاَرْضِ فَوُضِعَتْ فِیْ یَدَیَّ"

ترجمہ: میں سو رہا تھا کہ تمام خزائن زمین کی کنجیاں لائی گئیں اور میرے دونوں ہاتھوں میں رکھ دی گئیں۔

- امام احمد اور ابوبکر بن ابی شیبہ امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے راوی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں کہ

"اُعْطِیْتُ مَا لَمْ یُعْطَ اَحَدٌ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ قَبْلِی نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیحَ الْاَرْضِ"

ترجمہ: مجھے وہ عطا ہوا جو مجھ سے پہلے کسی بھی نبی کو نہ ملا، رعب سے میری مدد فرمائی گئی، اور مجھے ساری زمین کی کنجیاں عطا ہوئیں۔

- امام احمد اپنی مسند میں اور ابن حبان اپنی صحیح میں اور ضیاء مقدسی اپنی صحیح مختارہ میں اور ابو نعیم دلائل النبوۃ میں بسند صحیح حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ

"اُتِیتُ بِمَقَالِیدِ الدُّنْیَا عَلٰی فَرَسٍ اَبْلَقٍ جَاءَنِیْ بِهِ جِبْرِیْلُ عَلَیْهِ قَطِیْفَةٌ مِنْ سُنْدُسٍ"

ترجمہ: دنیا کی کنجیاں ابلق گھوڑے پر رکھ کر میری خدمت میں حاضر کی گئیں۔ جبرئیل اسے لے کر آئے اس پر نقش و نگار کیا ہوا ریشم کا کپڑا پڑا ہوا تھا۔

- امام اجل علامہ احمد بن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب جوہر منظم میں فرماتے ہیں کہ

"هُوَ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ خَلِیْفَةُ اللّٰهِ الْاَعْظَمُ الَّذِیْ جُعِلَ خَزَائِنُ کَرَامِهِ وَ مَائِدَةُ نِعَمِهِ طَوْعَ یَدَیْهِ وَ اِرَادَتِهِ یُعْطِیْ مَنْ یَشَاءُ۔"

ترجمہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تبارک و تعالیٰ کے وہ خلیفہ اعظم ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم کے خزانے اپنی نعمتوں کے خوان سب ان کے ہاتھوں کے مطیع اور ان کے ارادے کے زیر فرمان کر دیئے ہیں۔ جسے چاہیں عطا فرمائیں۔

- حضرت ربیعہ نے ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت کا سوال کیا تو حضور نے ان کے سوال کو شرف قبولیت سے نوازا، اس حدیث کو شعر نمبر 85 کی تشریح میں ملاحظہ فرمائیں، اس حدیث کے ضمن میں علامہ علی قاری علیہ رحمۃ الباری اپنی مستند کتاب "مرقاۃ شرح مشکوٰۃ" میں فرماتے ہیں کہ

"یُؤْخَذُ مِنْ اِطْلَاقِهٖ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ الْاَمْرُ بِالسُّوَالِ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی مَکَّنَهٗ مِنْ اِعْطَاءِ کُلِّ مَا اَرَادَ مِنْ خَزَائِنِ الْحَقِّ"

فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگنے کا مطلق حکم دیا، اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضور کو عام قدرت بخشی ہے کہ خدا کے خزانوں سے جو کچھ چاہیں، عطا فرمائیں۔

- اسی کتاب میں مذکور ہے کہ

"لَمْ یَکُنْ اَحَدٌ مِنَ الصَّحَابَةِ اِلَّا وَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اَنْعَمَ عَلَیْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ"

یعنی صحابہ سب ایسے ہی تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے نعمت بخشی اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نعمت بخشی۔

- حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ سیدتنا آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سرکار تولد ہوئے تو آسمان سے پکارنے والے نے پکارا کہ نصرت، فتح اور نبوت کی سب کنجیوں پر حضور نے قبضہ فرمالیا۔ یہ حدیث طویل ہے۔ اور اس حدیث کو

بالتفصیل ملاحظہ فرمانے کے لئے شعر 89 کی تشریح کا مطالعہ کرنے کی زحمت گوارا کریں۔

اب ہم احادیث کی کتابوں سے کچھ ایسے واقعات نقل کرتے ہیں جن میں صراحت موجود ہے کہ حضور ﷺ سائلوں کو کس قدر نوازا اور مالا مال فرما دیا۔

- حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار بکریوں سے بھرا جنگل حضور ﷺ کی ملکیت میں آیا، حضرت صفوان امیہ نے حضور سے سوال کیا، تو آپ نے از راہ سخاوت دو پہاڑوں کے درمیان جتنی بکریاں تھیں انہیں دے دیں اپنی قوم میں آئے اور کہنے لگے کہ اے میری قوم! مسلمان ہو جاؤ، محمد (ﷺ) اتنا عطا کرتے ہیں کہ انہیں اپنے فقر کی فکر ہی نہیں۔ اس حدیث کو حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے بھی روایت فرمائی ہے۔
- امام ترمذی روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کی خدمت میں ایک مرتبہ نوے ہزار (۹۰۰۰۰) درہم لائے گئے۔ آ نے ان دراہم کو چٹائی پر رکھ کر تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ اور کسی سائل کو محروم نہ رکھا یہاں تک کہ سب تقسیم فرما دیے۔
(مدارج النبوۃ، جلد اول،
- صحیح بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ''بحرین'' سے کچھ مال گیا۔ آپ نے فرمایا کہ اسے مسجد میں پھیلا دو، پھر آپ مسجد سے باہر تشریف لائے تو نماز سے فارغ ہو کر مال نزدیک تشریف فرما ہوئے اور ہر کسی کو وہ مال عطا فرمایا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے ا مال سے عنایت فرمائیے۔ حضور ﷺ نے ان کی چادر میں اتنا بھر دیا کہ وہ اٹھا نہ سکے۔ پھر جب حضور اٹھے تو ایک در بھی باقی نہ رہا۔ ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے وہ ایک لاکھ درہم تھے۔ جسے علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ نے بحرین کے خرا سے بھیجا تھا۔ اور یہ پہلا مال تھا جو حضور کی خدمت میں لایا گیا تھا۔ (مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد اول، ص ۹۵)
- ایک عورت طبق میں ایسی کھجوریں کہ جن پر دھاریاں اور نرم روئیں تھے، لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں۔ ا کھجوریں حضور ﷺ بہت پسند فرمایا کرتے تھے۔ حضور نے سونے کے زیورات سے ان کھجوروں کو لانے والی خاتو کے دونوں ہاتھ بھر دیے۔ (مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد اول، ص ۹۷)
- ایک شخص کے کھیت میں لمبی ککڑیاں پیدا ہوئیں۔ وہ ان ککڑیوں کو لے کر بطور تحفہ پیش کرنے بارگاہ اقدس میں حا ہوا۔ حضور ﷺ نے اس کا تحفہ قبول فرمایا۔ اور اس کے عوض میں اس کو لپ بھر کر سونا عنایت فرمایا۔

ایسے اور بھی بہت سے واقعات ہیں اور ان سب کا حاصل یہ ہے کہ حضور ﷺ کی ذات گرامی جود و سخاوت میں قیامت تک کے انسانوں کے لئے نمونہ عمل ہے۔ اور اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوا فرماتے ہیں کہ:

دریا بہا دیے ہیں ، در بے بہا دیے ہیں

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے سخی و کریم آقا ﷺ کی شان میں جود و عطا، سخاو کرم اور عنایت کا تذکر

کرتے ہوئے اپنی الگ الگ نعتوں میں اس طرح رقم طراز ہیں کہ:

دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے قطرہ تیرا
تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرہ تیرا

●

سائلو! دامن سخی کا تھام لو
کچھ نہ کچھ انعام ہو ہی جائے گا

●

نعمتیں بانٹتا جس سمت وہ ذیشان گیا
ساتھ ہی منشیٔ رحمت کا قلمدان گیا

●

مرے غنی نے جواہر سے بھر دیا دامن
گیا جو کاسۂ مہ لے کے شب گدائے فلک

●

اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں
مانگتے تاجدار پھرتے ہیں

●

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

●

صدقے اس انعام کے قربان اس اکرام کے
ہو رہی ہے دونوں عالم میں تمہاری واہ وا

●

کون دیتا ہے دینے کو منہ چاہیے
دینے والا ہے سچا ہمارا نبی ﷺ

●

لَا وَرَبِّ الْعَرْشِ جس کو جو ملا ان سے ملا
بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی

●

مانگ من مانتی منہ مانگی مرادیں لے گا
نہ یہاں نہ ہے، نہ منگتا سے یہ کہنا کیا ہے

●

کریم ایسا ملا کہ جس کے کھلے ہیں ہاتھ اور بھرے خزانے
بتاؤ اے مفلسو کہ پھر کیوں تمہارا دل اضطراب میں ہے

●

اسی سرکار سے دنیا و دیں ملتے ہیں سائل کو
یہی دربار عالی کنز آمال و امانی ہے



(۱۶)

دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان
کان لعل کرامت پہ لاکھوں سلام

حل لغت:

کان: گوش، سننے کا عضو، سماعت، سننے کی قوت، چارپائی کی ٹیڑھ، بل، کھینچاؤ، توجہ، دھیان، عورتوں کے کان کا ایک زیور، ستار اور تنبورہ وغیرہ کی کھونٹی۔ (فیروز اللغات، ص۹۷۹)

کان: معدن، کھان، معدہ، وہ جگہ جہاں سے کھود کر دھات یا جواہرات وغیرہ نکالتے ہیں، منبع، سرچشمہ۔

(فیروز اللغات، ص۹۸۲ ☆ لغات کشوری، ص۵۷۹ ☆ کریم اللغات، ص۱۲۷)

لعل: سرخ رنگ کا جوہر، معشوق کے ہونٹ، ایک جوہر سرخ رنگ کا جو مشہور ہے۔

(فیروز اللغات، ص۱۱۵۶ ☆ کریم اللغات، ص۶۳۸)

کرامت: بزرگی، بڑائی، فضیلت، بخشش، سخاوت، خرق عادت، انوکھاپن، خوبی، عمدگی۔

(فیروز اللغات، ص۱۰۰۱ ☆ لغات کشوری، ص۵۸۵ ☆ کریم اللغات، ص۱۲۸)

پہلے مصرع میں لفظ ''کان'' کا مطلب ''گوش'' ہے۔

دوسرے مصرع میں لفظ ''کان'' کا مطلب ''معدن'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امامِ عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ حضور اقدس ﷺ کے گوش ہائے مبارک (کان) کی مدح وثنا کرتے ہوئے ہدیہ سلام پیش کرتے ہیں۔ یہ امر مسلم ہے کہ ایک عاشق کو اپنے محبوب کی ہر چیز و ہر ادا محبوب ہوتی ہے۔ سچا عاشق وہی ہے جو اپنے محبوب کی خوبیوں کو احسن طریقے سے بیان کرے، اور یہ تو محبوب خدا کی بارگاہ ہے جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مخزن خوبی بنا کر اس دنیا میں بھیجا ہے۔ جن کی ہر ادا بے مثل ومثال ہے۔ اس شعر میں پہلے اور دوسرے دونوں مصرعوں میں لفظ کان کا استعمال ہوا ہے، پہلے مصرع میں جو لفظ کان ہے اس کا مطلب گوش، سننے کا عضو ہے اور دوسرے مصرع میں جو لفظ کان ہے۔ اس کے معنی کھان، معدن (*Mine*) ہے۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کے مبارک کان کی توصیف وتعریف کرتے ہوئے شعر کی ابتداء میں فرماتے ہیں کہ

''دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان'' یہ مبارک کان دور کی آواز بھی سن لیتے ہیں اور نزدیک کی آواز بھی سن لیتے ہیں۔ شعر میں صرف دور اور نزدیک مطلق کہا گیا۔ دوری اور نزدیکی کی مسافت اور فاصلہ نہیں بتایا گیا، کہ اتنے دور تک ہی یا اتنے نزدیک تک ہی سن سکتے ہیں۔ بلکہ دور کی اور بہت ہی نزدیک کی بات سن سکتے ہیں۔ اس شعر کی ایک خوبی اور واضح کردوں کہ حضرت رضا بریلوی نے ''سننے والے'' کی اضافت کر کے مزید وضاحت کردی ہے کہ یہ کان بذات خود سنتے ہیں۔ کسی آلہ کے وسائط سے نہیں سنتے۔ آج کے جدید سائنسی اور ٹکنالوجی کے دور میں ٹیلی فون اور موبائل کے ذریعہ آدمی دنیا کے ایک کونے میں بیٹھ کر دوسرے کونے کی بات سماعت کر لیتا ہے۔ لیکن وہ آدمی ٹیلی فون کے آلات کا محتاج ہوتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ برقی لائن اور سٹیلائٹ کے رابطے کا بھی مرہون منت ہے۔ لیکن یہ وہ مقدس کان ہیں جو کسی وسائط کے محتاج نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان مقدس کانوں کی قوت سامعہ اتنی تیز اور قوی بنائی ہے کہ چاہے جتنی بھی دوری ہو سماعت کے لئے مانع نہیں۔ بلکہ ان کی سماعت کا تو یہ عالم ہے کہ سرزمین مدینہ منورہ پہ رہ کر آسمان کی آواز سماعت فرما لیتے تھے۔

حضرت ابوذر اور حکیم بن حزام رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ

''اِنِّی لَاَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ وَ اَسْمَعُ مَا لَا تَسْمَعُوْنَ اِنِّی اَسْمَعُ اَطِیْطَ السَّمَاءِ''

یعنی میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ اور وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے، اس وقت میں آسمان کی چر چراہٹ سن رہا ہوں۔ یہ خطاب آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا ہے۔ اور اس وقت آپ جسم اقدس کے ساتھ بشری لبادہ میں صحابہ کے روبرو تھے۔ اب ایک حدیث ایسی ملاحظہ ہو جس میں ذکر ہے، کہ جب آپ شکم مادر میں جلوہ افروز تھے تب آپ کی قوت سامعہ کا کیا عالم تھا؟ اور آپ کیا کیا سماعت فرماتے تھے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم حضرت عباس رضی اللہ عنہ یہ روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

''وَ الَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَقَدْ کُنْتُ اَسْمَعُ صَرِیْرَ الْقَلَمِ عَلَی اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ وَ اَنَا فِیْ ظُلْمَۃِ الْاَحْشَاءِ وَ کُنْتُ اَسْمَعُ سُجُوْدَ الْقَمَرِ اَمَامَ الْعَرْشِ وَ اَنَا فِیْ ظُلْمَۃِ الْاَحْشَاءِ۔''

ترجمہ: قسم اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں شکم مادر میں لوح محفوظ پر چلنے والے قلم کی آواز سنتا تھا۔ اور اسی طرح شکم مادر میں میں چاند کے عرش کے سامنے سر بہ سجود ہونے کی آواز بھی سنتا تھا۔ وہ مقدس کان قوت سامعہ کی خرق عادت طاقت رکھنے کے ساتھ ساتھ ظاہری حسن میں بھی بے نظیر تھے۔

محبوبۂ محبوبِ رب العالمین، ام المومنین حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ان مقدس کانوں کے حسن کی منظر کشی کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ

''وَ لَتَخْرُجُ الْاُذُنُ بِبَیَاضِہَا مِنْ تَحْتِ تِلْکَ الْغَدَائِرِ کَاَنَّمَا تُوْقَدُ الْکَوَاکِبُ الدُّرِّیَّۃُ بَیْنَ ذٰلِکَ السَّوَادِ''

یعنی آپ کی مبارک زلفوں کے درمیان دونوں سفید کان یوں محسوس ہوتے تھے جیسے تاریکی میں دو چمکدار ستارے

طلوع ہوں۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ان مقدس کانوں کو "لعل کرامت" کہہ کر عشق نبی کے جواہرات کی لڑی پروئی ہے۔ کان لعل کرامت یعنی کرامت کے جواہرات کی کھان یا معدن، جواہرات کا خزانہ نہیں کہا بلکہ کان یعنی معدن کہا۔ جو خزانے سے ہزار ہا گنا زیادہ ہے۔ بارہا ہم نے سنا اور پڑھا ہے کہ بادشاہ کا خزانہ، حکومت کا خزانہ، لیکن ان خزانوں کی بساط یا وسعت کتنی ہوتی ہے؟ یہی کوئی ایک یا دو کمرہ یا بہت زیادہ تو ایک مکان یا ایک حویلی، سونے چاندی اور جواہرات سے لبالب بھری ہوئی ہو۔ لیکن وہ ذخیرہ معدن کے سامنے کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتا اس ذخیرہ سے کئی گنا تو معدن کے ایک گڑھے کے ایک کونے سے بہ آسانی دستیاب ہوسکتا ہے۔ جن حضرات کا تعلق معدنیات سے ہے۔ یا جن حضرات نے کبھی معدن کا معاینہ کیا ہے وہ اچھی طرح واقف ہوں گے کہ کھان (معدن) ایکڑوں اور میلوں زمین میں پھیلی ہوئی ہوتی ہے۔ کھود کھود کر تھک جاؤ گے۔ لیکن ختم نہیں ہوگی۔ تو ذرا سوچو جواہرات کی ایک کان سے کتنے جواہرات دستیاب ہوسکتے ہیں؟ کوئی حساب نہیں لگایا جاسکتا۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے مصطفیٰ جان وکان رحمت ﷺ کے مبارک کان کو کان لعل کرامت کہہ کر اس بات کی نشان دہی فرمائی ہے کہ میرے آقا ﷺ کے مبارک کان سے ایک، دو، پچاس، سو معجزات کا ہی صدور نہیں ہوا بلکہ جس طرح کان (معدن) سے بے حساب لعل و جواہر نکلتے ہیں اس طرح میرے آقا ﷺ کی ذات گرامی کرامت یعنی معجزہ کے جواہرات کی کان ہے۔ جن سے بے حساب و بے شمار معجزات صادر ہوئے ہیں۔ اور قیامت تک ہوتے رہیں گے۔ کرامت یا معجزہ دونوں کا ایک ہی مطلب ہوتا ہے۔ یعنی خرق عادت کسی فعل کا صادر ہونا جس کو دیکھ کر لوگ متحیر ہو جائیں۔ مثلاً: چاند کے دو ٹکڑے ہونا، ڈوبے ہوئے سورج کا پلٹنا، مردے کا زندہ ہونا۔ لیکن کرامت اور معجزہ میں یہ فرق ہے کہ ایسا کوئی خرق عادت فعل کسی نبی سے ظہور میں آئے تو اسے معجزہ کہتے ہیں، اور کسی ولی سے صادر ہو تو اسے کرامت کہتے ہیں۔



(۱۷)

معصوموں کو ہے عمر میں صرف ایک بار بار
عاصی پڑے رہیں تو صلا عمر بھر کی ہے

حل لغت:

معصوم: بچایا گیا، نگاہ رکھا گیا گناہ سے، بے گناہ، بے قصور، پاک دامن، بھولا، سیدھا سادہ۔

(فیروز اللغات، ص۱۲۶۴ ☆ لغات کشوری، ص۲۰۷ ☆ کریم اللغات، ص۱۶۱)

نوٹ: معصوم صرف انبیائے کرام اور فرشتے ہیں، اس شعر میں معصوموں سے مراد فرشتے ہیں۔

بار: عرصہ، دہر، نوبت، مرتبہ، دفعہ، موقع، گھر کے ساتھ بطور تابع بمعنی اہل وعیال، مثلاً: گھر بار۔ (فیروز اللغات، ص۱۶۴)

عاصی: نافرمان، گنہگار، مجرم، تقصیروار، خطاکار، وہ سیاہ ابر جو برسے نہیں۔

(فیروز اللغات، ص۸۸۸ ☆ لغات کشوری، ص۴۸۰ ☆ کریم اللغات، ص۱۰۷)

صلا: پکار، آواز، دعوت، عام کرنا، آواز دینا واسطے کھانا کھلانے یا کچھ دینے کے، دعوت عام کرنا۔

(فیروز اللغات، ص۸۶۴ ☆ لغات کشوری، ص۴۴۹ ☆ کریم اللغات، ص۹۰۴)

پہلے مصرع میں پہلے لفظ ''بار'' کا مطلب ''مرتبہ، دفعہ'' ہے
پہلے مصرع میں بعد والے لفظ ''بار'' کا مطلب ''موقع'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان بارگاہ رسالت کی عظمت کا ذکر کرتے ہیں کہ:
مالک کونین، سید الانس والملک والجان ﷺ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے محبوب اعظم کا منصب عطا فرما کر اپنے محبوب کے دربار کی عظمت وتعظیم بے مثل ومثال باور کرایا ہے۔ حضور اقدس ﷺ کی ظاہری حیات میں حضور کے دربار رسالت کے آداب جو تھے وہی آداب آج بھی ملحوظ ہیں۔ قرآن مجید میں کئی مقامات پر دربار رسالت کے آداب مومنین کو تعلیم فرمائے گئے ہیں۔ مثلاً: سورۂ حجرات شریف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ'' (پارہ۲۶، سورہ حجرات، آیت۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو، اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے۔ (کنزالایمان)

اس طرح کئی جگہ دربار رسالت آداب اللہ تعالیٰ نے نافذ فرمائے۔ جو احکام وآداب حضور کی ظاہری حیات میں نافذ تھے وہی آداب آج بھی جاری ہیں۔ کیوں کہ حضور اقدس ﷺ ظاہری دنیا سے پردہ کرنے کے باوجود بھی اپنی مقدس قبر میں بقید حیات ہیں۔ جن حضرات کو مدینہ طیبہ کی حاضری کا شرف حاصل ہوا ہے انہوں نے مذکورہ آیت شریف کو مواجہہ شریف میں سنہری جالیوں کے بالائی حصہ میں لکھی ہوئی ملاحظہ فرمائی ہوگی۔ کیوں کہ جو ادب واحترام اس مقدس دربار کا زمانہ نبوی میں تھا وہی ادب واحترام اس زمانے میں بھی موجود ہے۔ اس لئے ایک عاشق صادق نے اس دربار کے آداب واحترام کے تعلق سے یہاں تک کہا ہے کہ:

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

ترجمہ: اس آسمان کے نیچے ایک ادب کی جگہ ایسی ہے کہ جس کی نزاکت وعظمت عرش سے بھی زیادہ ہے۔ یہ وہ جگہ ہے کہ اس جگہ پر حضرت جنید بغدادی اور حضرت بایزید بسطامی (رضی اللہ عنہما) جیسے جلیل القدر اولیاء اللہ حاضر ہوتے ہیں تو وہ اپنی سانس روک لیتے ہیں۔

کیوں کہ سانس لینے سے بھی ایک ہلکی سی اور موہوم سی آواز پیدا ہوتی ہے اور اللہ کے محبوب اعظم ﷺ کے حضور سانس کی آواز بھی وہ لوگ خلاف ادب سمجھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے محبوب اعظم ﷺ کا دربار وہ دربار ہے کہ جہاں حدیث کے ارشاد کے مطابق روزانہ ستر ہزار فرشتے ہر وقت حاضر رہ کر صلاۃ وسلام عرض کرتے ہیں۔ ستر ہزار فرشتے صبح آتے ہیں اور عصر تک بارگاہ رسالت کا مجرا بجالاتے ہیں۔ ہر وقت وہ ستر ہزار فرشتے درود وسلام پیش کرتے رہتے ہیں۔ عصر کے وقت یہ فرشتے بدل دیئے جاتے ہیں۔ اس طرح یہ بدلی قیامت تک جاری رہے گی لیکن جو فرشتہ ایک مرتبہ حاضری دے چکا ہے اس کو قیامت تک دوسری مرتبہ حاضری کا موقع نہیں ملے گا۔ یہ طریقہ اور ترکیب اسی لئے طے کیا گیا ہے کہ اسی طرح بار دوم کی اجازت ہوتی تو کروروں فرشتے حاضری سے محروم رہ جاتے اور منظور تمام ملائکہ کو حاضری سے مشرف فرمانا ہے۔ اس کو ذکر کرتے ہوئے امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ ہم چاہے گنہگار وبدکار سہی لیکن دربار رسالت کی حاضری میں فرشتوں کے مقابلے میں ہم خوش قسمت ہیں۔ حالاں کہ فرشتے معصوم ہیں ہم انسان عاصی ہیں۔ لیکن ہماری بلند تقدیر پر معصوموں کو بھی رشک آتا ہے کیوں کہ معصوم فرشتے ایک مرتبہ اس مقدس دربار کی حاضری دینے کے بعد تا قیامت دوبارہ کی حاضری سے محروم کردیے جاتے ہیں۔ لیکن ہم گنہگاروں پر اس رؤف ورحیم آقا کی کتنی نوازش ہے کہ صرف ایک مرتبہ ہی نہیں وہ کریم آقا اپنے کرم سے اپنے گنہگار امتی کو اپنے دربار میں بار بار بلاتے ہیں۔ اور جس امتی پر لطف وعنایت کی کثرت ہوتی ہے اسے عمر بھر کے لئے اپنے دربار کی حاضری عنایت فرماتے ہیں۔

مذکورہ شعر اردو ادب کے حسن وجمال کو زینت وآرائش عطا کررہا ہے۔ کیوں کہ اس میں صنعت تجنیس کامل ہونے کے ساتھ ساتھ ہی صنعت تضاد بھی ہے۔ جس کی تفصیلی گفتگو اس جگہ بخوف طوالت ممکن نہیں ہے۔ صرف اشارہ کئے دیتا ہوں کہ

معصوم کی ضد میں عاصی، ایک بار کی ضد میں عمر بھر، بار کی ضد میں صلا کا استعمال، اوراس سے بھی بڑھ کر مصرع اول میں عمر میں اور مصرع ثانی میں عمر بھر کی جو بندش ہے اس پر کئی صفحات مرقوم کیئے جاسکتے ہیں۔اہل ادب حضرات اس کے حسن سے واقف ہوگئے ہوں گے۔ حضرت رضا بریلوی نے اس شعر کے مصرع ثانی میں لفظ ''صلا'' کا استعمال فرما کر اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کے جودوکرم کا شکرانہ بھی ادا کیا ہے۔صلا کے لغوی معنی ہیں پکار، دعوت دینے کے لئے آواز دینا وغیرہ۔

الحاصل! یہ کہ آقا کا ہم غریبوں اور گنہگاروں پر کرم ہی ہے کہ معصوم فرشتوں کو زندگی میں صرف ایک مرتبہ ہی حاضری کا موقع دیا گیا۔اور ہم گنہگاروں کو تو دعوت دی جارہی ہے۔ کچھ دینے کے لئے پکارا جارہا ہے، بلکہ اپنے قدموں میں دفن ہونے کی ترغیب دی جارہی ہے۔حدیث میں ہے کہ ''جس سے ممکن ہو کہ مدینہ میں آکر مرے تو اسے چاہیے کہ مدینہ میں ہی مرے کیوں کہ جو مدینہ میں مرے گا میں اس کی شفاعت کروں گا'' واہ کیا کرم ہے۔مدینہ میں مرنے سے مدینہ میں ہی مدفن بھی میسر ہوگا۔اور تا قیامت سرکار کے قدموں میں حاضر رہنے کا شرف بھی حاصل ہوگا۔



⑱

ارے اے خدا کے بندو! کوئی میرے دل کو ڈھونڈھو
میرے پاس تھا ابھی تو ابھی کیا ہوا خدایا

حل لغت:

دل: ایک اندرونی عضو، قلب، کسی شے کا باطن، حوصلہ، کلیجا، جرأت، دلیری، ہمت، رخ، توجہ، مرضی، خوشی، خواہش، رغبت، ہوس، سخاوت، وسط، فیاضی، درمیان، مرکز۔(فیروز اللغات، ص ۶۳۴)

پاس: قریب، نزدیک، قابو میں، قبضے میں، تصرف میں، ملکیت میں۔(فیروز اللغات، ص ۲۶۴)

ابھی: فی الحال، فوراً، اس وقت، تھوڑی دیر پہلے، ذرا سی دیر پہلے، اتنی جلدی، ہنوز، اب تک۔(فیروز اللغات، ص ۵۴)

ابھی ابھی: اس وقت، فوراً، اسی وقت، اسی دم، ذرا دیر پہلے۔(فیروز اللغات، ص ۵۴)

دوسرے مصرع میں پہلے لفظ ''ابھی'' کا مطلب ''تھوڑی دیر پہلے'' ہے۔
دوسرے مصرع میں بعد والے لفظ ''ابھی'' کا مطلب ''اتنی جلدی'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا ومولیٰ ﷺ کے ساتھ اپنے بے پناہ عشق ومحبت اور اس کی سوزش سے اپنے دل کی بے قراری اور اس بے قراری کے عالم میں محبوب کی جستجو اور اس جستجو میں دل کا گم ہونا اور دل کے گم ہونے پر دل کو ڈھونڈھنا اور ڈھونڈھنے پر بھی دل کو نہ پانا، اور نہ پانے پر خدا کے بندوں کو پکارنا، اور پکار کر اپنے دل کی گم شدگی کا ذکر کر کے، دل کی تلاش میں مدد کرنے کی التجا کرتے ہیں اور اپنے معین و مددگار خدا کے ان بندوں کو اپنے دل کا حال بھی سنا رہے ہیں۔ کہ جس دل کو ڈھونڈھنے کی تم سے التجا کرتا ہوں وہ دل ابھی یعنی تھوڑی دیر پہلے تو میرے پاس تھا، لیکن اس وقت (ابھی) یعنی فی الحال خدا جانے کیا ہوا، یعنی کیا بات ہے کہ دل کا پتہ نہیں۔

اس شعر میں لفظ ابھی کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ ابھی ہے وہ تھوڑی دیر پہلے کے معنی میں ہے۔ مثال کے طور پر زید اپنے دوست بکر کے ساتھ بیٹھا ہے۔ تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد وہ اپنے کسی کام سے چلا گیا اتنے میں اس کا چھوٹا بھائی آیا اور بکر سے زید کے متعلق پوچھا تو بکر یہی جواب دے گا کہ زید ابھی تو یہاں تھا۔ یعنی تھوڑی دیر پہلے تو یہاں تھا۔ لیکن ابھی کہاں چلا گیا نہیں معلوم۔ اس شعر میں دوسری مرتبہ جو لفظ ''ابھی'' کا استعمال کیا گیا ہے وہ فی الحال اس وقت اور اسی دم کے معنی میں ہے۔ دونوں لفظ ابھی حروف واعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں لیکن معنی ومطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے عالی معیار عشق کا اظہار فرمایا ہے۔ اس شعر میں حضرت رضا بریلوی اپنے دل کے کھو جانے کا ذکر کرتے ہیں۔ اور اپنے کھوئے ہوئے دل کو ڈھونڈھنے کی خدا کے بندوں سے التجا کرتے ہیں۔ اب یہ معلوم کرنا ہے کہ حضرت رضا بریلوی اپنے کھوئے ہوئے دل کو ڈھونڈھنے کی جن بندگان خدا سے التجا کر رہے ہیں وہ کون ہیں؟ تو جواب حاضر ہے کہ وہ اللہ کے نیک بندے ہیں۔ لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ نیک بندے کس قسم کے اور کس درجے کے ہیں؟ تو اس کا جواب التجا ہی سے ظاہر ہے، کیوں کہ حضرت رضا اپنے دل کو ڈھونڈھنے کا سوال کر رہے ہیں۔ اور کھوئے ہوئے دل کو ڈھونڈھنا ہر کس وناکس کے بس کی بات نہیں۔ کیوں کہ دل کھو گیا ہے۔ انسان نہیں کھو گیا ہے کہ اس کو تلاش کرنے کی صلاحیت ہر آدمی رکھتا ہے۔ یا اس کی گم شدگی پر پولیس اسٹیشن میں رپورٹ درج کرائی جاسکتی ہے۔ بلکہ ایسی چیز کھوگئی ہے جو کھونے سے پہلے عیاں نہ تھی اور نہ کھو جانے کے بعد پنہاں ہوئی ہے۔ ایک عجیب حادثہ ہو گیا ہے۔ وہ چیز کھوگئی ہے جس کے کھونے کا امکان شاذ ونادر ہوتا ہے۔ ایسی چیز کھوگئی ہے جس کو کوئی لوٹ کر یا چوری کر کے نہ کہیں چھپا سکتا ہے۔ نہ فروخت کر کے اس کا نرخ حاصل کر سکتا ہے۔ اور نہ ہی اس کھوئی ہوئی چیز کو استعمال میں لا سکتا ہے۔ جو پہلے بھی نظروں سے اوجھل تھی، اور اب بھی پوشیدہ ہے۔ وہ چیز کھوگئی ہے جو انمول ہے۔ اس کی قیمت کوئی لگا ہی نہیں سکتا۔ لیکن وہ چیز انمول ہونے کے باوجود حفاظت کی غرض سے مقفل الماری یا تجوری میں بھی نہ رکھی

جاتی تھی۔ اور نہ ہی بے التفاتی و بے توجہی سے سڑک یا فٹ پاتھ پر پھینک دی جاتی۔ وہ چیز کھوگئی کہ جس کی کھو جاتی ہے اس کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کا سب کچھ کھوگیا۔ اس کی دنیا اجڑ گئی۔ وہ بے سروسامان ہوگیا۔ گویا کہ اس کا وجود ہی کالعدم ہوگیا۔ وہ کوئی لمبی چوڑی یا بھاری بھرکم چیز نہیں، ایک چھٹا نک گوشت کا لوتھڑا ہے جس کو دل یا قلب کہا جاتا ہے۔

وہی دل کھوگیا ہے اور بات ہے کھوئے ہوئے دل کو تلاش کر کے ڈھونڈھ لانے کی۔ یہ کوئی معمولی کام نہیں۔ دل جب کھو جاتا ہے تو وہ کہاں سے کہاں چلا جاتا ہے۔ لیکن خوبی کی بات تو یہ ہے کہ نہ اس کے ہاتھ پاؤں ہیں کہ جس کے بل بوتے پر وہ چل سکے اور نہ ہی اس کے پر ہیں کہ ہوا میں اڑ سکے۔ البتہ اس کے پاس ایک تیز رفتار سواری ہے جو برق کے مانند ہے اور وہ عشق کی سواری ہے جس کو براق عشق کہا جاسکتا ہے۔ وہ دل براق عشق پر سوار ہو کر آن کی آن میں مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب پہنچنے کی ضرور استطاعت رکھتا ہے۔ لیکن اس کی سواری اور اس کا سفر عام انسانوں کو نظر نہیں آتا۔ صرف اہل نظر ہی اس کو بھانپ سکتے ہیں اور ان میں اس کھوئے دل کو ڈھونڈھ نکالنے کی طاقت وصلاحیت بھی ہوتی ہے اور وہ ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے کچھ نیک بندے جن کا ذکر احادیث میں ہے۔ انہیں کو مخاطب کر کے حضرت رضا نے یہ شعر کہا ہے اور حضرت رضا بریلوی کو معلوم ہے کہ یہی وہ خدا کے نیک بندے ہیں جو میرے کھوئے ہوئے دل کو ڈھونڈ سکتے ہیں۔ یہ انہیں حضرات کے تصرفات واختیارات کی بدولت ممکن ہے۔ ہر کسی کا یہ کام نہیں۔ مثال کے طور پر کسی تیز بھاگنے والے شخص کو پکڑنے کے لئے اسی کی مثل یا اس سے بھی تیز تر دوڑنے والے کو ہی اس کے پیچھے دوڑایا جائے۔ کسی ایسے شخص کو معمور نہ کیا جائے جو بیساکھی کے سہارے چلنے والا معذور ہو۔ اسی طرح کسی تیز رفتار موٹر کار کے تعاقب میں اونٹ یا ہاتھی نہیں۔ بلکہ اسی کی مثال یا اس سے بھی تیز رفتار موٹر کار استعمال کیا جائے۔ دل کی تیز رفتاری اور بے نشاں گم شدگی کی صورت میں اس کی تلاش کے لئے کسی عام بندے کی مدد لینا بے سود ہے۔ بلکہ وہی حضرات معاون وناصر ہوسکتے ہیں جو اس کام کے کرنے کی طاقت رکھتے ہیں اور اس کے اہل ہیں۔

- طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ

"اِنَّ لِلّٰهِ تَعَالٰی عِبَادًا اِخْتَصَّهُمْ بِحَوَائِجِ النَّاسِ يَفْزَعُ النَّاسُ اِلَيْهِمْ فِیْ حَوَائِجِهِمْ"

ترجمہ: اللہ عزوجل کے کچھ بندے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں خلق کی حاجت روائی کے لئے خاص فرمالیا ہے۔ لوگ گھبرائے ہوئے اپنی حاجتیں ان کے پاس لاتے ہیں۔

(الامن والعلی لناعتی المصطفیٰ بدافع البلاء، از: امام احمد رضا محدث بریلوی، ص ۳۰)

- طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت عبد اللہ بن عباس سے، اور اوسط میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے، اور بزار نے حضرت جابر بن عبد اللہ سے، اور ابن حبان نے حضرت عبد اللہ بن عمر سے، اور ابن نجار نے حضرت مولیٰ علی سے، اور طبرانی نے کبیر میں حضرت ابو حنیفہ سے، اور بخاری وابو الدنیا وابو یعلی وطبرانی، عقیلی، وبیہقی وابن عسا کر نے ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ

"اُطْلُبُوا الْخَیْرَ وَ الْحَوَائِجَ مِنْ حَسَّانِ الْوُجُوْہِ"

ترجمہ: بھلائی اور اپنی حاجتیں خوش رُویوں (یعنی حَسین چہرے والوں) سے مانگو۔

یہ خوش رو حضرات اولیائے کرام ہیں کہ نور ایمان اور کثرت عبادت و ریاضت سے ان کے چہرے چمکتے ہیں، ان اولیائے کرام میں ابدال بھی شامل ہیں، ابدال کون ہیں؟ اور ان ابدال کی کیا خصوصیت و برکت ہے؟ وہ احادیث کی روشنی میں ملاحظہ ہو!

- طبرانی معجم کبیر میں بہ سند صحیح حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ

"اَلْاَبْدَالُ فِی اُمَّتِی ثَلٰثُوْنَ بِهِمْ تَقُوْمُ الْاَرْضُ وَ بِهِمْ تُمْطَرُوْنَ وَ بِهِمْ تُنْصَرُوْنَ"

ترجمہ: ابدال میری امت میں تیس ہیں۔ ان سے زمین قائم ہے اور انہیں کے سبب تم پر مینہ اترتا ہے، اور انہیں کے باعث تمہیں مدد ملتی ہے۔

اس حدیث میں ابدال کی تعداد تیس بتائی گئی ہے، لیکن ایک اور حدیث میں روئے زمین میں کل چالیس ابدال کا بھی ذکر ہے۔

- طبرانی معجم کبیر میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بہ سند حسن روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ

"لَنْ تَخْلُوَ الْاَرْضُ مِنْ اَرْبَعِیْنَ رَجُلًا مِثْلَ خَلِیْلِ الرَّحْمٰنِ فَبِهِمْ تُسْقَوْنَ وَ بِهِمْ تُنْصَرُوْنَ"

ترجمہ: زمین ہرگز خالی نہ ہوگی چالیس اولیاء سے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پرتو (عکس) ہوں گے۔ انہیں کے سبب تمہیں مینہ ملے گا اور انہیں کے سبب مدد پاؤ گے۔

- طبرانی نے معجم اوسط میں امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ سے اور معجم کبیر میں حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ابدال شام میں ہیں انہیں کی برکت سے لوگ مدد پاتے ہیں اور انہیں کے وسیلہ سے رزق۔ (الامن والعلیٰ، ص ۲۴)

- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ

"لَا یَزَالُ اَرْبَعُوْنَ رَجُلًا یَحْفَظُ اللّٰہُ بِهِمُ الْاَرْضَ کُلَّمَا مَاتَ رَجُلٌ اَبْدَلَ اللّٰہُ مَکَانَهُ الْاٰخَرَ وَ هُمْ فِی الْاَرْضِ کُلِّهَا"

ترجمہ: چالیس مرد قیامت تک ہوا کریں گے۔ جن سے اللہ تعالیٰ زمین کی حفاظت لے گا، جب ان میں سے کوئی ایک انتقال کرے گا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے بدلے دوسرا قائم فرمائے گا اور وہ ساری زمین میں ہیں۔

مذکورہ احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ نیک بندے مخلوق کی حاجت روائی اور فریاد رسی کے لئے اس روئے زمین پر ہمیشہ رہیں گے۔ اور ان نیک بندوں کے سبب اللہ تعالیٰ مخلوق کی مرادیں، اور حاجت پوری فرماتا ہے۔ وہ اللہ کے نیک بندے اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت سے حصہ پا کر امت مسلمہ کے ساتھ رحم دلی اور مہربانی فرماتے ہیں۔ اور ایسے

رحم دلوں سے حاجتیں مانگنے کا خود سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔

- عقیلی، طبرانی، ابن حبان، خرائطی، قضاعی، ابوالحسن، موصلی اور حاکم حضرت ابوسعید خدری سے اور حاکم مستدرک میں امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ

"اُطْلُبُوا الْحَوَائِجَ اِلٰی ذَوِی الرَّحْمَةِ مِنْ اُمَّتِیْ تُرْزَقُوْا وَ تُفْلَحُوْا وَ فِیْ لَفْظٍ اُطْلُبُوا الْفَضْلَ عِنْدَ الرُّحْمَاءِ مِنْ اُمَّتِیْ تَعِیْشُوْا فِیْ اَکْنَافِهِمْ فَاِنَّ فِیْهِمْ رَحْمَتِیْ"

ترجمہ: میرے رحم دل امتیوں سے حاجتیں مانگو، ان سے فضل طلب کرو، ان سے بھلائی چاہو، رزق پاؤ گے، مرادوں کو پہنچو گے، ان کے دامن میں آرام سے رہو گے، ان کی پناہ میں چین سے رہو گے، بے شک ان میں میری رحمت ہے۔

اب یہاں کوئی صاحب یہ اعتراض بھی کر سکتے ہیں کہ مذکورہ احادیث تو حضرات اولیاء وابدال کے حق میں وارد ہیں لیکن حضرت رضا بریلوی تو "ارے اے خدا کے بندو" کہہ کر مطلق بندوں سے اپنی استعانت کرنے کی التجا کر رہے ہیں اور اس التجا میں اللہ کے بندوں اور اولیاء وابدال کی تخصیص نہیں۔ آیئے! اللہ کے بندوں سے مطلق استعانت کے تعلق سے احادیث کریمہ کی تلاوت کا شرف حاصل کریں!

- طبرانی نے عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ

"اِذَا ضَلَّ اَحَدُکُمْ شَیْئًا اَوْ اَرَادَ عَوْنًا وَ هُوَ بِاَرْضٍ لَیْسَ بِهَا اَنِیْسٌ فَلْیَقُلْ یَا عِبَادَ اللّٰهِ اَعِیْنُوْنِیْ یَا عِبَادَ اللّٰهِ اَعِیْنُوْنِیْ یَا عِبَادَ اللّٰهِ اَعِیْنُوْنِیْ فَاِنَّ لِلّٰهِ عِبَادًا لَا یَرَاهُمْ"

ترجمہ: جب تم میں کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے یا راہ بھول جائے اور مدد چاہے اور ایسی جگہ ہو جہاں کوئی ہمدم نہیں تو اسے چاہیے کہ یوں پکارے۔ اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔ اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔ پس بے شک اللہ کے کچھ بندے ہیں جنہیں یہ نہیں دیکھتا۔ (وہ اس کی مدد کریں گے)

(برکات الامداد لاہل الاستمداد، از: امام احمد رضا محدث بریلوی، ص۱۱، حدیث ۳۱)

- ابن السنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب جنگل میں کسی کا جانور چھوٹ جائے تو وہ یوں ندا کرے کہ "یَا عِبَادَ اللّٰهِ اِحْبِسُوْا" یعنی اے اللہ کے بندو! روک دو، تو عباد اللہ اسے روک دیں گے۔ (برکات الامداد، ص۱۱، حدیث ۳۲)

ان احادیث میں جو "عباد اللہ" کا ذکر ہے، اس سے مراد وہی حضرات اولیاء وابدال ہیں، کیوں کہ حدیث کے مبارک الفاظ یہ ہیں کہ "اللہ کے کچھ بندے ہیں جنہیں یہ نہیں دیکھتا" اسی حدیث کی روشنی میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ و الرضوان نے اپنے شعر میں مطلق "اے خدا کے بندو" کہہ کر انہیں اولیاء وابدال کو مراد لیا ہے۔ مذکورہ تمام احادیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں اولیاء، ابدال، قطب، غوث وغیرہ سے اپنی حاجتیں مانگنا، ان کو پکارنا، اور ان

سے مدد چاہنا شرعاً جائز اور بموجب ارشاد حدیث ہے۔

اب ہم حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے شعر کے مصرع ثانی میں کچھ گفتگو کریں، مصرع اول میں تو آپ نے اللہ کے نیک بندوں یعنی اولیاء وابدال سے التجا کی کہ براہ کرم میرا دل ڈھونڈھو، اتنا کہنے کے بعد اپنے دل کی خود ہی نشان دہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "میرے پاس تھا ابھی تو ابھی کیا ہوا خدایا" یعنی میرا دل ابھی تھوڑی دیر پہلے تو میرے پاس تھا، لیکن ابھی (اس وقت) خدا جانے کہ میرا دل کہاں چلا گیا؟ حضرت رضا بریلوی کی التجا پر حضرات اولیاء، ابدال حضرت رضا کے دل کو تلاش کرنے میں مدد کرنے پر مستعد ہوئے۔ اور وہ حضرات "دل رضا" کی تلاش میں مصروف ہوئے۔ زمین سے لے کر آسمان تک ہر جگہ تلاش کیا لیکن کہیں بھی پتہ نہ چلا۔ وہ حضرات بھی پریشان کہ آخر دل رضا گیا کہاں؟ کسی کو ڈھونڈھنا اور جستجو کرنا یہ بھی مشکل امر ہے لیکن اگر ڈھونڈھنے والا اپنے دماغ پر زور دے کر مفقود کی خود خصلت کا جائزہ لے تو اسے گم ہونے والے کا سراغ ضرور مل جاتا ہے۔ مثال کے طور پر کوئی شخص پان کھانے کا بہت شوقین ہے اور شہر میں ایک مخصوص دوکان کے ہی پان اسے پسند ہیں۔ وہ گھر سے جب نکلتا ہے تو اسی دوکان پر پان کھانے جاتا ہے۔ ایک دن اس کا کوئی دوست اس کے گھر آیا اور گھر پر اسے موجود نہ پایا۔ پس اگر وہ دوست اس کی عادتوں سے واقف ہے تو وہ اسے ادھر اُدھر تلاش کرنے کے بجائے اسی پان کی دوکان پر پہنچ جائے گا اور اس کو پالے گا۔ بلا تمثیل حضرت رضا کے کھوئے ہوئے دل کو تلاش کرنے والے حضرات نے حضرت رضا کی محبوب جگہ کا سراغ لگا لیا کہ یہ دل ایک سچے عاشق کا دل ہے۔ جو عشق میں فنافی الرسول کی منزل میں پہنچ چکا ہے۔ یہ دل کہیں بھی نہیں ملے گا۔ اس کو ادھر اُدھر تلاش کرنا، وقت وقوت دونوں کو ضائع کرنا ہے۔ یہ دل اگر کہیں ملے گا تو صرف ایک ہی جگہ ملے گا۔ اور وہ مقدس جگہ گنبد خضریٰ علیٰ بانیہا الصلوٰۃ والسلام ہے۔ کیوں کہ یہی در اقدس اس کی جائے قرار ہے، یہیں اس کو چین حاصل ہوتا ہے۔ یہاں آنے کے لئے وہ ہمہ وقت بے تاب ہوتا ہے۔ چلو وہیں جا کر دیکھیں۔ اور جب وہ حضرات اولیاء وابدال روضۂ اقدس پر حاضر ہوئے تو کیا ملاحظہ فرمایا:

ہمیں اے رضا تیرے دل کا پتہ چلا بمشکل　　در روضہ کے مقابل وہ ہمیں نظر تو آیا
یہ نہ پوچھ کیسا پایا

کبھی خندہ زیر لب ہے کبھی گریہ ساری شب ہے　　کبھی غم کبھی طرب ہے نہ سبب سمجھ میں آیا
نہ اسی نے کچھ بتایا

یعنی اے رضا! آخر کار ہم نے تمہارے دل کا پتہ معلوم کر لیا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کے دروازے کے سامنے وہ ہمیں نظر آیا ہے۔ لیکن اس کی حالت کیا ہے وہ ہم سے مت پوچھو، ایک عجیب حالت میں تمہارا دل ہے۔ کبھی وہ زیر لب خندہ ہے، یعنی مسکراتا ہے اور کبھی یہ حالت ہے کہ ساری رات روتا ہے۔ کبھی غمگین نظر آتا ہے۔ تو کبھی خوش نظر آتا ہے۔ اس کے غم اور اس کی خوشی کا سبب ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ اور نہ ہی تمہارے دل نے اپنی اس کیفیت کی کوئی وجہ ہم کو بتائی۔

ناظرین کی معلومات کے لئے گوش گزار ہے کہ یہ اشعار اس نعت شریف کے ہیں جو آپ نے مثلث کے طرز پر لکھی

ہے اور جس کا پہلا شعر (مطلع) یہ ہے کہ

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا ۔ ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بتایا
تجھے حمد ہے خدایا

اس پوری نعت میں آپ نے اپنے جذبۂ عشق اور ولولۂ ذوق وشوق کی جو عکاسی کی ہے، وہ بڑی کیف آور ہے۔ پڑھنے والا کیف وسرور میں مست عشق نبی ﷺ میں جھوم اٹھتا ہے۔ اسی نعت میں آپ نے عالم تصور میں دل کھونے کی بات کہی ہے، اور پھر اس کا در اقدس ﷺ پر پائے جانے کی تصویر کشی ایک اچھوتے انداز میں کی ہے جو آپ کے دل میں موجزن بحرِ عشق رسول کی نشان دہی کرتا ہے۔ آپ اپنے ان تصورات کو حقیقت میں تبدیل کرنے کی بارگاہ خداوندی میں تمنا کرتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت رضا بریلوی دعائیہ شعر بارگاہ الٰہی میں یوں عرض کرتے ہیں:

یہ تصورات باطل تیرے آگے کیا ہیں مشکل ترى قدرتیں ہیں کامل انہیں راست کر خدایا
میں انہیں شفیع لایا



(۱۹)

یوں ملائک کریں معروض کہ اک مجرم ہے
اس سے پرسش ہے بتا تو نے کیا کیا کیا ہے

حل لغت:

ملائک: مَلک کی جمع، فرشتے۔ (فیروز اللغات، ص۱۲۸۲ ☆ لغات کشوری، ص۷۳۵ ☆ کریم اللغات، ص۱۶۵)

معروض: عرض، گزارش، التماس، درخواست، عرض کیا گیا، پیش کیا گیا۔
(فیروز اللغات، ص۱۲۶۴ ☆ لغات کشوری، ص۷۱۹ ☆ کریم اللغات، ص۱۶۰)

پرسش: پوچھ گچھ، تفتیش، پوچھنا، استفسار، سوال پوچھنا، دریافت کرنا، حساب لینا، پوچھ پاچھ۔
(فیروز اللغات، ص۲۹۰ ☆ لغات کشوری، ص۱۱۹ ☆ کریم اللغات، ص۲۹)

کیا: کرنا، عمل میں لانا۔ (فیروز اللغات، ص۱۰۰۴)

کیا: کیا ہوا فعل، عمل، برے اعمال۔ (فیروز اللغات، ص۱۰۷۱)

کیا: کون کون سا، سب کچھ، کس قدر، کیسے کیسے۔ (فیروز اللغات، ص ۱۰۷۰)

دوسرے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''کیا'' ہے اس کا مطلب ''عمل'' ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''کیا'' ہے اس کا مطلب کون سا'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان میدان محشر کا نقشہ کھینچتے ہوئے اپنی مجرمانہ حالت کا اس انداز سے بیان کررہے ہیں کہ میں ایک مجرم کی حیثیت سے فرشتوں کی گرفت میں ہوں، اور وہ فرشتے مجھ سے حساب وکتاب لیتے ہوئے پوچھتے ہیں کہ اے احمد رضا! تو نے کون سا (کیا) عمل کیا (کیا) کیا ہے اور میں فرشتوں کی گرفت میں رہتے ہوئے اپنے آقا ومولیٰ شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کو استعانت کے لئے پکارتا ہوں اور شور مچاتا ہوں اور میرے شور مچانے پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ میری جانب ہوتی ہے۔ اور سرکار اپنے خدام یعنی فرشتوں کو حکم فرماتے ہیں کہ جاکر دیکھو، کس نے یوں شور وغل مچا رکھا ہے؟ میری خبر لیجئے! کہہ کر کس سے استعانت طلب کررہا ہے؟ ہاں ذرا جاکر دیکھو کہ معاملہ کیا ہے؟ وہ پکارنے والا بے چین وبے قرار ہوکر کیوں روتا ہے؟ ارے میرے مقرب خادمو! اے فرشتو! جاؤ جاؤ، جاکر دیکھو، اس پکارنے والے کی غایت درجہ بے چینی کی وجہ سے ہمارے خاطر (دل) کو ناگواری محسوس ہورہی ہے۔ جاؤ اور تفتیش کرو، کہ اس کی بے کسی اور بے چینی کی کیا وجہ ہے؟ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی سن کر خدمت اقدس پر معمور ملائکہ میری طرف آتے ہیں اور کیا دیکھتے ہیں کہ ایک مجرم کی حیثیت سے پوچھ پاچھ اور جانچ پڑتال کے مشکل مرحلے سے دوچار ہوں، میری اس حالت کا جائزہ لے کر تفتیش کرنے والے ملائکہ یعنی فرشتے خدمت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوکر عرض کرتے ہیں کہ اے کائنات کے مالک! یہ جو شور وغوغا ہے وہ ایک مجرم کا مچایا ہوا ہے، کیوں کہ اس مجرم سے حساب اعمال لیا جارہا ہے اور اس سے پوچھا جارہا ہے کہ ''بتا، تو نے کیا کیا کیا ہے؟'' یہاں تک تو حضرت رضا بریلوی کے شعر کے معنی اور اس کے پس منظر کا ذکر ہوا۔

اس شعر کے مصرع ثانی میں حضرت رضا بریلوی نے ''کیا کیا کیا ہے'' کا جملہ استعمال فرما کر قلم توڑ دیا ہے۔ ایک مختصر سے جملہ میں وسیع معنی پیدا کرنے کے ساتھ فن وادب کے لحاظ سے ادبی نکات کو حسن اسلوبی کے ساتھ بیان کردینا کوئی بچوں کا کھیل نہیں۔ بڑے بڑے ادیب اور کہنہ مشق شاعر بھی ایسے موقع پر بغلیں جھانکتے ہیں۔ شعر میں استعمال شدہ جملہ کیا کیا کیا ہے کو دو طرح سے پڑھا جاسکتا ہے۔ اور دونوں طرح سے پڑھنے سے شعر کے حسن وجمال میں کوئی فرق نہیں آتا ہے۔ اس جملہ کو ''کیا۔ کیا کیا ہے اور ''کیا کیا۔ کیا ہے'' دونوں طریقوں سے پڑھنا صحیح ہے اور دونوں طرح سے پڑھنے میں معنی اور مفہوم اپنے مقام پر برقرار رہتے ہیں۔ اگر اس جملہ کو:

- ''کیا، کیا کیا ہے'' پڑھا جائے تو معنی یہ ہوں گے ''عمل کون کون سا کیا ہے؟''

اور اگر:

- ''کیا کیا، کیا؟'' پڑھا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ ''کون کون سا عمل کیا ہے؟''

اس شعر میں لفظ ''کیا'' کا استعمال تین مرتبہ کیا گیا ہے۔ تینوں لفظ ''کیا'' حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں، لیکن معنی و مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔ اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے ''معروض'' اور ''پرسش'' دو ایسے الفاظ کا استعمال فرمایا ہے کہ جس کے لغوی معنی ہی سے عرض رس اور عرض نواز اور سائل و مسئول کی حیثیت و منزلت اور جاہ و جلال کا خود بخود اظہار ہو جائے۔ جیسا کہ حضرت رضا بریلوی نے لفظ ''معروض'' کا استعمال فرشتوں کی گزارش کے سلسلہ میں فرمایا کہ فرشتے گزارش کرتے ہیں۔ اور گزارش کس سے کی جاتی ہے؟ جو اپنے سے بڑے ہوں۔ جو عمر میں بڑے ہوں، علم میں بڑے ہوں، عمل میں، عہدے میں، مرتبہ میں، جاہ و جلال میں، شان و شوکت میں، قدر و منزلت میں وغیرہ وغیرہ۔ مختصر یہ کہ بڑوں سے گزارش کی جاتی ہے۔ اور گزارش کرنے وال چھوٹا اور خادم ہوتا ہے۔ تو اس شعر میں ''معروض'' یعنی گزارش کرنے والے فرشتے ہیں اور جن سے گزارش کی جارہی ہے و ذات گرامی افضل الخلق سید المرسلین حضور اقدس ﷺ ہیں۔ تو فرشتے خادم ہوئے اور حضور مخدوم ہوئے، فرشتے اس بارگا اقدس کے غلام ہوئے اور حضور ﷺ فرشتوں کی مقدس جماعت کے بھی آقا و مولیٰ ہوئے، اسی طرح لفظ ''پرسش'' میں بھی یہی معنویت پوشیدہ ہے کہ پوچھنے والا حاکم، منصف اور اختیارات پرکھنے والا ہوتا ہے۔ اور جس کے بارے میں پوچھا جا ہے وہ محکوم، مجرم اور بے اختیار ہوتا ہے۔ جیسے کہ کسی جرم میں گرفتار شخص کو حکام اور پولیس پوچھ تاچھ کرتی ہے۔ بلا تمثیل یہاں پرسش ایک مجرم سے ہو رہی ہے اور پرسش کرنے والے رب کی بارگاہ کے مقرب فرشتے ہیں جو اس خدمت پر معمور ہیں۔ اور بارہا کا مشاہدہ ہے کہ مجرم سے جب کبھی پرسش کی جاتی ہے تب اس کے سامنے دو ہی راستے ہوتے ہیں۔ دنیا کے مختلف ممالک کے قوانین کے اعتبار سے مجرم اقبال جرم کرتا ہے۔ اقبال جرم سے وہ سزا کا مستحق ہوتا ہے اور انکار جرم میں جھوٹ بولنے کا مرتکب ہوتا ہے۔ کذب بیانی اور سچائی سے کامل طور پر منحرف ہو کر اس کا وکیل کورٹ میں مقدمہ لڑتا ہے اور اس مجرم کو چھڑاتا ہے۔ لیکن میدان محشر میں معاملہ ہی الگ ہے۔ یہاں احکم الحاکمین کی عدالت ہے۔ کوئی دنیوی کورٹ نہیں، یہاں کذب بیانی سے کام نہیں چلے گا، یہاں تو زبان پر مہر لگادی جائے گی، اور ہاتھ پاؤں و دیگر اعضائے بدن کو قوت گویائی عط کی جائے گی، اور جسم کے اعضاء خود اقرار کریں گے کہ میں نے فلاں فلاں گناہ کئے ہیں۔ دنیاوی معاملات میں تو وکیل صاحب کورٹ میں مقدمہ چلاتے وقت جرم نامہ کے ہر لفظ پر بحث کر کے ہندی کی چندی کر کے ابتداء سے انتہا تک کذب پر مشتمل انکاری پہلو ہی اختیار کرتے ہیں۔ اسی لئے جو وکیل ہندی کی چندی کرنے میں مہارت و ملکہ رکھتا ہے اس کی وکالت کا پیشہ زور و شور سے چلتا ہے۔ لیکن رب العالمین اور احکم الحاکمین کی عدالت میں کذب و انکار کام نہیں آئے گا۔ دنیوی معاملات میں کورٹ میں اقرار جرم پر سزا یقینی ہے۔ وکیل مجرم کو یہی مشورہ دیتا ہے کہ کسی بھی حال میں اقرار جرم مت کرنا ورنہ عمر قید میں کوڑیوں کے دام جاؤ گے۔ لیکن رب العالمین و احکم الحاکمین عزوجل کی عدالت میں اقبال جرم کے بغیر چار نہیں۔ اس عدالت صدق دلالت میں جو ہمارے شفیع المذنبین ہیں وہ احکم الحاکمین کے دربار عدالت میں ہمارے جرم کا

انکارنہیں کریں گے۔ بلکہ اپنے امتیوں کے جرم وگناہ کا اقرار کرنے کے باوجود بھی سزا سے بچائیں گے اور بارگاہ الٰہی میں عرض کریں گے کہ اے رب العالمین! میری امت نے بے شمار گناہ کئے ہیں، تو رحیم وکریم ہے۔ تو رب العالمین ہے اور تو نے مجھ کو رحمۃ للعالمین بنا کر شفاعت کبریٰ و مقام محمود کا منصب عالی عطا فرمایا ہے۔ اے احکم الحاکمین تو نے مجھ کو اپنا حبیب ومحبوب بنایا ہے۔ اے پروردگار عالم! میرے امتیوں کو بخش دے، ان کی خطائیں معاف فرمادے۔ اور حضور ﷺ اپنے گنہگار امتیوں کی شفاعت فرمائیں گے۔

امام احمد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث در باب شفاعت روایت فرمائی ہے۔ اس میں ہے کہ میں کھڑا ہو کر عرش کے نیچے جاؤں گا۔ اور اپنے رب کے حضور سجدہ میں گر جاؤں گا اور اپنے رب کی ایسی حمد وثنا کروں گا کہ ایسی حمد وثنا مجھ سے پہلے کسی نے نہیں کی۔ اور نہ میرے بعد کوئی کرے گا۔ میں سجدہ کو طویل کروں گا یہاں تک کہ رب تبارک و تعالیٰ فرمائے گا:

"یَا مُحَمَّدُ! اِرْفَعْ رَأْسَكَ وَ سَلْ تُعْطَ وَ اشْفَعْ تُشَفَّعْ"

یعنی اے محبوب! اپنا سر اٹھاؤ اور مانگو کہ دیا جائے گا اور شفاعت کرو کہ شفاعت قبول کی جائے گی۔

(خصائص کبریٰ، از: امام اجل، علامہ جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد۲، ص۴۹۹)

شیخین نے حضرت انس سے اور امام احمد نے بہ سند صحیح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی یہ حدیث روایت کی ہے۔

امام احمد وابو یعلی نے بھی حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث روایت فرمائی ہے۔ شفاعت کے تعلق سے امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ و الرضوان نے ایک ایمان افروز کتاب بنام "اسماع الاربعین فی شفاعۃ سید المحبوبین" تصنیف فرمائی ہے، اس کتاب سے کچھ احادیث، شعر نمبر 37، 78 اور 79 میں بیان کی جائیں گی۔ قارئین کرام وہاں ملاحظہ فرمائیں!

المختصر! حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا یہ شعر اس نعت کا ہے جس میں آپ نے میدان محشر کا نقشہ کھینچا ہے۔ اس شعر سے ماقبل اشعار کا ماحصل تو اس شعر کی تشریح میں ذکر کردیا ہے۔ اب شعر کے بعد کے کچھ اشعار ملاحظہ فرمائیں۔ فرشتے جب بارگاہ رسالت میں عرض کریں گے مجرم سے پرسش ہے کہ بتا تو نے کیا کیا کیا ہے۔ اور:

آپ سے کرتا ہے فریاد کہ یا شاہ رسل | بندہ بے کس ہے شہا رحم میں وقفہ کیا ہے

●

سن کے یہ عرض مری بحر کرم جوش میں آئے | یوں ملائک کو ہو ارشاد ٹھہرنا کیا ہے

حضور ﷺ کے اس ارشاد پر مچل جاؤں گا اور کہوں گا کہ:

لو وہ آیا مرا حامی مرا غمخوار امم | آ گئی جاں تن بے جاں میں یہ آنا کیا ہے

●

پھر مجھے دامن اقدس میں چھپالیں سرور
اور فرمائیں ہٹو اس پہ تقاضا کیا ہے

بندہ آزاد شدہ ہے یہ ہمارے در کا
کیسا لیتے ہو حساب اس پہ تمہارا کیا ہے

صدقہ اس رحم کے اس سایہ دامن پہ نثار
اپنے بندے کو مصیبت سے چھڑایا کیا ہے

اے رضا جان عنادل تیرے نغموں کے نثار
بلبل باغ مدینہ ترا کہنا کیا ہے



(۲۰)

صدقِ صادق کا تصدق صادق الاسلام کر
بے غضب راضی ہو کاظم اور رضا کے واسطے

حل لغت:

صدق: سچ، سچائی، راستی، خلوص۔ (فیروز اللغات، ص ۸۶۱ ☆ لغات کشوری، ص ۴۴۴ ☆ کریم اللغات، ص ۱۰۲)

صادق: یعنی حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ۔

تصدق: طفیل، طفیلی، وجہ سے، بدولت، وسیلہ سے، صدقے، واسطے، صدقہ دینا، خیرات کرنا، قربانی، صدقہ کرنا، وسیلہ۔
(فیروز اللغات، ص ۳۶۲ ☆ لغات کشوری، ص ۱۴۸ ☆ کریم اللغات، ص ۳۷)

صادق: سچا، درست، راست گو، منصف مزاج، وفادار، ٹھیک، موزوں، معنی کا کسی چیز پر چسپاں ہونا، درست آنا معنی کا کسی شے پر۔ (فیروز اللغات، ص ۸۵۷ ☆ لغات کشوری، ص ۴۴۰ ☆ کریم اللغات، ص ۱۰۱)

کاظم: غصہ مارنے والا، لقب حضرت امام موسیٰ کاظم بن جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا۔ (فیروز اللغات، ص ۹۷۴ ☆ لغات کشوری، ص ۵۷۷)

رضا: خوشنودی، خوشی، مرضی، لقب حضرت علی بن موسیٰ بن جعفر صادق رضی اللہ عنہ۔ (فیروز اللغات، ص ۷۱۲ ☆ لغات کشوری، ص ۳۲۵)

واسطہ: درمیانی چیز یا شخص، نسبت، سبب، باعث، وجہ، وسیلہ، ذریعہ، طفیل، صدقہ، آشنائی، سروکار، غرض، مطلب، ثالث۔
(فیروز اللغات، ص ۱۴۰۲ ☆ لغات کشوری، ص ۹۸۔

پہلے مصرع میں شروع میں جولفظ ''صادق'' ہے اس سے مراد ''حضرت امام جعفر صادق'' ہیں۔
پہلے مصرع میں بعد میں جولفظ ''صادق'' ہے اس کا مطلب ''وفادار'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان بارگاہ الٰہی میں دعا کرتے ہوئے عرض کررہے ہیں کہ اے پروردگار عالم! صادق یعنی حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی سچائی کا واسطہ ہم کو صادق الاسلام یعنی اسلام کا وفادار اور ٹھیک طور سے اسلام کے فرامین پر عمل کرنے والا بنا، اور اے اللہ! ہم پر تو بے غضب یعنی ناراض ہوئے بغیر راضی ہوجا، تجھے واسطہ کاظم یعنی غصہ کو مارنے والے حضرت امام موسیٰ بن امام جعفر صادق اور تیری خوشنودی حاصل کرنے والے حضرت علی بن موسیٰ بن امام جعفر صادق کا۔

حضرت رضا نے شعر کے پہلے مصرع میں صدق، صادق، تصدق اور بار دوم صادق کا استعمال بڑی متانت اور نفاست سے کیا ہے۔ صادق اور تصدق دونوں الفاظ ''صدق'' مصدر سے مشتق ہیں۔ اور آپس میں ایک دوسرے سے مربوط ہیں، مصرع اول میں لفظ ''صادق'' کا استعمال دو مرتبہ کیا گیا ہے، اور دونوں مرتبہ یہ لفظ الگ الگ معنی میں وارد ہے۔ پہلی مرتبہ لقب حضرت امام جعفر صادق کی حیثیت سے اور دوسری مرتبہ سچا اور وفادار کے معنی میں۔ مصرع ثانی کے الفاظ بے غضب، راضی کاظم اور رضا کے درمیان بھی ایک خفیہ ربط ہے۔ اور ان چاروں الفاظ کے مطالب کا ماحصل قہر اور غصہ کو رخصت کر کے رضامندی کا اظہار ہے۔

علاوہ ازیں صرف ایک ہی شعر میں سرتاج اولیاء ملت اسلامیہ کی تین بزرگوار شخصیتیں

(۱) حضرت امام جعفر بن محمد صادق
(۲) حضرت امام موسیٰ بن جعفر صادق
(۳) حضرت امام علی بن موسیٰ (رضی اللہ عنہم)

کا تذکرہ مع ان کے القاب واوصاف کے کرتے ہوئے ان کے واسطے اور وسیلے سے بارگاہ الٰہی میں انہیں حضرات کے اوصاف سے منسلک اور متصف امور خیر کے حصول کی دعاء فرمارہے ہیں۔ گویا کہ ایک شعر کو معنویت کا گنجینہ بنادیا ہے۔ شعر میں تجنیس کامل کی صنعت ہونے کے ساتھ ساتھ صنعت تضاد بھی ہے۔ غضب اور رضا دونوں متضاد الفاظ ہیں۔ شعر کی ابتداء کتنے اچھے اور پیارے انداز میں کی گئی ہے کہ صدق، صادق کا تصدق یعنی اچھے کی اچھائی کا واسطہ، اور یہ واسطہ بھی حصول صدق کے لئے ہی دیا جارہا ہے۔ مصرع ثانی میں بھی وہی لفظ، وہی روانی، وہی فصاحت، وہی بلاغت، وہی متانت، وہی نفاست، وہی خوبی اور اسی انداز کا احساس ہورہا ہے۔ مصرع کی ابتداء میں ''بے غضب'' لفظ کا استعمال کرنے کے فوراً بعد ہی لفظ ''راضی'' کا استعمال کر کے جملہ میں تاکید کی شان پیدا کی گئی ہے۔ بے غضب ہونا ہی بمعنی راضی ہونا ہے۔ لیکن بے

غضب ہونا اور راضی ہونا بہ اعتبار لغت ہم معنی نہیں، لیکن بے غضب ہونا ہی بمعنی راضی ہونا ہے۔ مثال کے طور پر ایک شخص کی موٹر کار جو بالکل نئی خریدی گئی ہو اس کے لڑکے نے چلانے کے لئے مانگی، اس نے کار چلانے کا نااہل سمجھ کر انکار کر دیا، لڑکے کے دل میں کار چلانے کی حسرت جوں کی توں ہی دب کر رہ گئی، دوپہر کا کھانا تناول کرنے کے بعد اس نے دیکھا کہ والد صاحب قیلولہ فرمارہے ہیں۔ اور موٹر کار کی چابی ڈرائنگ روم میں میز پر پڑی ہوئی ہے۔ سوئی ہوئی حسرتیں پھر انگڑائی لینے لگیں، کار کی چابی اٹھائی اور تھوڑی دیر میں وہ کار کے ہمراہ ہوا سے باتیں کرنے لگا، ادھر والد صاحب نیند سے بیدار ہوئے، کمپاؤنڈ میں دیکھا تو موٹر کار غائب، تفتیش کرنے پر پتہ چلا کہ صاحبزادے نے گل کھلایا ہے۔ غصہ میں آپے سے باہر ہوکر گھر سر پر اٹھالیا۔ ہاتھ میں چھڑی تھام کر مکان کے صدر دروازہ پر کھڑے ہوکر اپنے دلبند کا انتظار کرنے لگے، کہ تشریف آوری پر ہدیہ ضرب چھڑی سے شاندار استقبال کروں، بات گھر میں پھیل گئی، بیگم صاحبہ دوڑی چلی آئیں، اور منت وسماجت کر کے ہاتھ سے چھڑی واپس لیں، اور سفارش کے دو چار جملے عرض خدمت کر کے ان کا غصہ پانی کر دیا، اب وہ شخص حالاں کہ اپنے لڑکے سے راضی تو نہیں ہے بلکہ ''بے غضب'' تو ضرور ہے۔ حالت غضب میں تھوڑی دیر پہلے تھا، اس وقت اس کی ذہنیت یہ تھی کہ وہ صاحبزادے کو کڑی سے کڑی سزا دے کر ہی چین کی سانس لے گا۔ لیکن اب وہ حالت یک لخت تبدیل ہوگئی۔ قہر وغضب کی منزل سے نکل کر اب وہ ''بے غضب'' ہونے کی منزل میں آگیا ہے۔ اب صرف ایک زینہ باقی ہے راضی ہونے کی منزل میں داخل ہونے میں۔ نفسیاتی علم کے ماہرین کے تجربات کا ماحصل یہ ہے کہ آدمی غضب سے سیدھا ''رضا'' کی منزل میں نہیں آتا۔ بلکہ پہلے اس کو دونوں منازل کے درمیان حائل ''بے غضب'' کا میدان جوان دونوں منازل کے وصل کے لئے اہم کڑی کی حیثیت رکھتا ہے اس کی مسافت طے کرنی پڑتی ہے۔ المختصر! بے غضب اور راضی میں معنوی اعتبار سے بظاہر کوئی مساوات نہیں۔ پھر بھی دونوں لازم اور ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں اور بہ اعتبار ادب اس طرح کے الفاظ کا استعمال کر کے اپنی بات کو پر اسرار اور رموز سے لبریزی بخشنا فن کا کمال ہے ماہر فن ہی اس میں دسترس رکھتا ہے۔

حضرت رضا نے مصرع ثانی کے آخر میں ''کاظم'' اور ''رضا'' کے الفاظ کا استعمال فرما کر اور ہی کمال کر دیا ہے۔ کیوں کہ مصرع ثانی کی ابتداء میں ''بے غضب'' اور ''راضی'' کے الفاظ ہیں۔ لیکن بے غضب اور راضی کے معنی اور فوائد اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتے جب تک کاظم اور ''رضا'' کی تائید اور تاثیر کارگر نہ ہو۔ مثلاً: ایک آدمی کسی پر شدید غصہ ہوا، حالت جلال کا یہ عالم ہے کہ وہ اس کو کچا کھا جائے۔ کسی کی سفارش اور سمجھانے پر اس آدمی سے جس پر غصہ آیا ہوا ہے فوراً راضی نہ ہوگا۔ پہلے اس کو اپنے غصہ کو تھوک دینا پڑے گا۔ اور غصہ پی جانا یا مارنا یہ شان کاظمین کی ہے۔ وہ پہلے کاظم بن کر بے غضب بنے گا۔ پھر اس کے دل میں رضا یعنی خوشنودی کا جذبہ پیدا ہوگا۔ تب جا کے وہ اس سے راضی ہوگا۔ میری اس طویل گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ آدمی کسی پر جلال اور غصہ ہو اور وہ جلال کی حالت سے راضی ہونے کی حالت میں آنے سے قبل کاظم، بے غضب اور رضا کے اوصاف سے متصف ہوتا ہے اور آخری منزل راضی ہونے کی آتی ہے۔ یہ تمام مثالیں فطرت انسانی کے تقاضائے بشریت کے پیش نظر زیر بحث لائی گئی ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات پر ان کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا۔ قارئین کو

شعر کے محاسن سے آشنا کرانے کے لئے صرف مثال کے طور پر پیش کیا ہے۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس شعر میں خدائے تعالیٰ سے دو چیزیں مانگی ہیں۔ پہلی وہ جو مصرع اول میں مذکور ہے کہ "صادق الاسلام" کر اور دوسری وہ جو مصرع ثانی میں مذکور ہوئی ہے کہ بے غضب راضی ہو۔ اور دونوں میں ایسی ترتیب دے دی ہے کہ مراد اوّل کے حصول کے نتیجہ میں مراد ثانی خود بخود حاصل ہو جائے گی۔ کیوں کہ جو صادق الاسلام ہو گیا اس پر رب کریم ضرور بے غضب راضی ہو جائے گا۔ جیسا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے حزب اللہ یعنی اللہ کی جماعت یا گروہ کا جہاں ذکر فرمایا ہے، وہیں اس گروہ پر انعامات باری تعالیٰ کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ

"رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ" (سورۂ المجادلہ، آیت ۲۲)

ترجمہ: اللہ ان سے راضی۔ (کنز الایمان)

معلوم ہوا کہ جو صادق الاسلام ہو کر جند حق یا حزب اللہ کا فرد بن گیا۔ قرآن مجید کے دعوائے صادق سے اللہ ان سے راضی ہو گیا۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس شعر میں تین بزرگ اور شہرۂ آفاق اولیاء ملت اسلامیہ کا واسطہ دیا ہے اور ان کے وسیلے اور طفیل سے بارگاہ الٰہی میں دعا کی ہے۔ تینوں کا ذکر ان کے القاب سے کیا ہے یعنی (۱) صادق (۲) کاظم (۳) رضا۔

صادق:

حضرت امام جعفر بن محمد کا لقب ہے۔ آپ کی ولادت ۸۰ھ یا ۸۳ھ میں مدینہ طیبہ میں ہوئی۔ آپ حضرت امام باقر کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ آپ اپنے وقت کے امام اہل ذوق اور پیشوائے عشق ومحبت تھے۔ راہ طریقت کے آپ شیخ الشیوخ تھے۔ آپ انتہائی بلند مقام عابد اور نیک خصلت تھے۔ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک زمانے تک میں آپ کی خدمت مبارکہ میں آتا رہا۔ مگر میں نے ہمیشہ آپ کو تین عبادتوں میں سے ایک میں مصروف پایا۔ یا تو آپ نماز پڑھتے ہوتے، یا تو تلاوت میں مشغول ہوتے، یا روزہ دار ہوتے۔ آپ بلا وضو کبھی حدیث روایت نہیں فرماتے تھے۔

(اولیاء رجال الحدیث، ۱۱۲)

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اس درجہ مستجاب الدعوات اور کثیر الکرامات تھے کہ آپ کو جب کسی چیز کی ضرورت محسوس ہوتی تو آپ ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے کہ اے میرے رب! مجھے فلاں چیز کی حاجت ہے۔ آپ کی دعا ختم ہونے سے پہلے وہ چیز آپ کے پہلو میں موجود ہو جاتی۔ (ریاض الصالحین، ص ۵۷)

حضرت بایزید بسطامی آپ کی بارگاہ میں پانی بھرنے کی خدمت انجام دیتے تھے، ایک دن آپ نے نظر شفقت سے توجہ فرمائی اور آپ کی فیض صحبت سے روشن ضمیر اور اکابر اولیائے عظام سے ہو گئے۔ (مسالک السالکین، جلد ۱، ص ۲۲۰)

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے بھی آپ سے اکتساب فیض فرمایا ہے۔

ایک مرتبہ آپ زیارت حرمین شریفین کو تشریف لے جا رہے تھے۔ راستے میں ایک خرمے کے خشک درخت کے پاس قیام فرمایا، اور چاشت کے وقت اس درخت سے آپ نے خرمے طلب فرمائے۔ فوراً درخت سرسبز وشاداب ہو گیا۔ اور ساتھ ہی تازہ خرما بھی پیدا ہو گیا۔ ایک اعرابی نے آپ سے جب اس عظیم کرامت کو دیکھا، تو وہ دنگ رہ گیا۔ اور کہنے لگا کہ یہ جادو ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ جادو نہیں ہے۔ اس لئے کہ رب کائنات نے مجھے وہ قوت عطا فرمائی ہے۔ کہ اگر میں دعا کر دوں تو ابھی تیری شکل کتے کی شکل ہو جائے گی، آپ نے صرف اتنا فرمایا تھا کہ وہ اعرابی کتے کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔ اعرابی نے اپنی یہ کیفیت دیکھی تو بہت پریشان ہوا، اور نادم ہو کر معافی کا طلب گار ہو۔ آپ کو رحم آیا، اور پھر دعا فرمائی تو وہ اپنی اصلی حالت میں ہو گیا۔ (مسالک السالکین، جلد اول، ص ۲۲۳)

آپ نے ۱۵؍ رجب المرجب ۱۴۸ھ مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا۔ آپ کا مزار شریف مدینہ منورہ کے مشہور قبرستان جنت البقیع میں اپنے والد ماجد حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں ہے۔

کاظم:

حضرت امام موسیٰ بن امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا لقب ہے۔ آپ کی ولادت بتاریخ ۷؍ یا ۱۰؍ صفر المظفر ۱۲۸ھ بمقام ابوا جو مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے۔ وہاں ہوئی۔ آپ عالم متجر اور ولی کامل اور صاحب مناقب فاخرہ تھے۔ آپ مستجاب الدعوات تھے۔ جو لوگ آپ کو اپنا وسیلہ بناتے یا آپ سے دعا کراتے وہ اپنے مقصود کو پہنچتے اور ان کی جملہ حاجات پوری ہو جاتیں۔ یہی وجہ ہے کہ اہل عراق آپ کو "باب الحوائج" یعنی حاجتوں کے پورا ہونے کا دروازہ کہتے تھے۔ چنانچہ بعد وصال بھی آپ کا مزار اقدس باب الحوائج ہے۔ آپ بڑے عابد، زاہد، قائم اللیل اور صائم النہار تھے۔ کثرت عبادت ریاضت اور شب بیداری کی وجہ سے آپ کو سب عبد الصالح کہتے تھے۔ حلم اور بردباری کا یہ عالم تھا کہ آپ کا لقب کاظم یعنی غصہ کو پی جانے والا مشہور ہوا۔ جود و کرم کا یہ عالم تھا کہ فقراء مدینہ کو تلاش کر کے ہر ایک کو حسب ضرورت مال ونقد راتوں کو پہنچا دیتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ خلیفہ ہارون رشید کی مجلس میں تشریف فرما تھے، دوران گفتگو عصائے موسیٰ علیہ السلام کا ذکر چھڑ گیا۔ فرش پر ایک قالین بچھی ہوئی تھی جس میں شیر کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ قالین میں جو تصویر ہے اس کو اگر میں کہوں کہ شیر ہو جا۔ بس صرف اتنا ہی کہا تھا تصویر کو ابھی حکم نہیں دیا تھا کہ دفعتاً وہ تصویر شیر اصل ہو گئی، آپ نے اس شیر کو حکم دیا کہ ٹھہر جا۔ میں نے ابھی تم کو حکم نہیں دیا، اتنا فرمانے کے ساتھ ہی وہ شیر بدستور قالین کی تصویر بن گیا۔

(مسالک السالکین، جلد اول، ص ۲۲۸)

آپ نے بتاریخ ۵؍ یا ۲۵ رجب المرجب ۱۸۳ھ میں وصال فرمایا۔ آپ کا مزار شریف بغداد شریف میں بمقام کاظمین میں واقع ہے۔

رضا:

حضرت سیدنا امام علی بن امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہما کا لقب ہے۔آپ کی ولادت مدینہ منورہ میں ۱۱ر ربیع الاول ۱۵۳ھ کو ہوئی۔آپ نہایت ذہین وفطین اور اعلیٰ درجے کے عالم وفاضل تھے۔حضرت ابراہیم بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ سے زیادہ علوم معارف کا عالم نہیں دیکھا۔آپ بہت ہی کم سوتے اور اکثرت روزہ رکھتے تھے۔آپ نے اپنے علم وعمل سے اسلام کی بے لوث و بے مثال خدمات انجام دیں۔آپ کی کوشش اشاعت دین نے بے شمار افراد کو اسلام کا شیدائی بنایا۔آپ کی کوشش کی بدولت حضرت معروف کرخی رضی اللہ عنہ اپنے پرانے مذہب سے تائب ہوکر آپ کے دست حق پر ایمان لائے۔اور آپ کی فیض بخش صحبت نے ان کو اولیائے اکابر کی صف میں کھڑا کردیا۔

ملک سندھ کا ایک باشندہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر سندھی زبان میں گفتگو کرنے لگا۔آپ اس کی ہر بات کو سمجھ کر سندھی زبان میں ہی جواب دیتے رہے۔رخصت کے وقت اس سندھی شخص نے عرض کیا کہ حضور! میں عربی زبان نہیں جانتا۔اور تمنا رکھتا ہوں کہ عربی زبان سیکھ لوں۔آپ نے دست مبارک اس کے لبوں پر پھیر دیا۔معاًوہ عرب کے فصیحوں کی طرح فصیح وبلیغ عربی زبان بولنے لگا۔

حضرت جعفر صالح بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ میری بیوی حاملہ ہے دعا فرمایئے کہ لڑکا ہو۔آپ نے فرمایا تیری بیوی دو بچوں کی حاملہ ہے۔میں اس بشارت عظمیٰ کو سن کر وہاں سے رخصت ہونے لگا۔اور دل میں یہ خیال آیا کہ ولادت کے بعد ایک کا نام محمد اور دوسرے کا علی رکھوں گا۔دل میں یہ خیال آنا ہی تھا کہ آپ نے آواز دے کر مجھے واپس بلایا۔اور فرمایا کہ ایک بچے کا نام علی اور دوسرے کا نام اُمّ عمر رکھنا۔چنانچہ جب ولادت ہوئی تو ایک لڑکا تھا اور ایک لڑکی تھی،لڑکے کا نام علی اور لڑکی کا نام ام عمر رکھا۔ایک روز میں نے اپنی والدہ سے پوچھا کہ ام عمر نام کیسا ہے؟انھوں نے کہا کہ میری ماں کا نام ام عمر تھا۔

آپ کو انگور میں زہر ملا کر کھلایا گیا۔اور زہر کی ہی وجہ سے آپ نے ۲۱ر رمضان المبارک ۲۰۳ھ میں شہادت پائی۔

آپ کا مزار پرانوار ''طوس'' میں بمقام ''سنایا'' جو بغداد شریف کے قریب ہے وہاں ہے۔اس مقام کو اب مشہد مقدس کہتے ہیں۔



(۲۱)

گیسو و قد لام الف کر دو بلا منصرف

لا کے تہ تیغ لا تم پہ کروڑوں درود

حل لغت:

گیسو: سر کے لمبے بال، زلف، کاکل، لٹ، لپٹے ہوئے لمبے بال۔

(فیروز اللغات، ص ۱۱۳۷ ☆ لغات کشوری، ص ۶۲۸ ☆ کریم اللغات، ص ۱۳۵)

قد: جسم کی لمبائی، قامت، ڈیل، بالا قامت، بدن کی لمبائی۔

(فیروز اللغات، ص ۹۴۹ ☆ لغات کشوری، ص ۵۵۲ ☆ کریم اللغات، ص ۱۲۲)

منصرف: پھر جانے والا، ایک حال سے دوسرے حال پر لوٹ جانے والا، باغی، منحرف۔

(فیروز اللغات، ص ۱۲۹۴ ☆ لغات کشوری، ص ۷۴۵ ☆ کریم اللغات، ص ۱۷۰)

لا: لانا مصدر کا صیغۂ امر، لاؤ، لا دو، کر دو۔ (فیروز اللغات، ص ۱۱۳۹)

تہ: تحت، نیچے، نچلا حصہ، تلی، تھاہ، انتہا، پیندا، تلا، فرش، سطح، زمین، تلچھٹ، تلے، جھلک، تحریر، بنیاد، باریک اور پتلا ورق، نکتہ، باریکی، کنایہ، رمز۔ (فیروز اللغات، ص ۳۹۲ ☆ لغات کشوری، ص ۱۷۳ ☆ کریم اللغات، ص ۴۴)

تیغ: تلوار، شمشیر، چھری، خنجر، پیٹھ، چاندنی۔ (فیروز اللغات، ص ۴۰۴ ☆ لغات کشوری، ص ۱۷۶ ☆ کریم اللغات، ص ۴۵)

لا: کلمۂ نفی، نہیں، نا، بغیر، بنا۔ (فیروز اللغات، ص ۱۱۳۹ ☆ لغات کشوری، ص ۶۲۸)

دوسرے مصرع کے شروع میں جو لفظ ''لا'' ہے اس کا مطلب ''لا دو'' ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''لا'' ہے اس کا مطلب ''نہیں'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان انوکھے اور بے نظیر انداز میں اپنے آقا و مولیٰ جان عالم ﷺ کے گیسو یعنی زلفیں، قد یعنی جسم اقدس اور آپ کی سخاوت فاخرہ کا ذکر کرتے ہوئے بارگاہ رسالت میں کروڑوں درود کا نذرانہ پیش کر رہے ہیں۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ گیسوئے اقدس کہ جو بشکل ''ل'' ہے اس کے ساتھ قد اقدس جو بشکل ''ا'' (الف) سیدھا ہے وہ دونوں ملے تو ''ل+ا=لا'' یعنی کہ نہیں ہو گیا۔ لہٰذا اے اللہ کے حبیب! ہم پر جو

بلا آئی ہوئی ہے اس بلا کو پھیر دو، لوٹا دو، ختم کر دو۔ ہم آپ کی بارگاہ عالیہ میں بلا ٹالنے کا سوال کرتے ہیں اور آپ نے کبھی بھی کسی سائل کو سوال کے جواب میں "لا" یعنی "نہیں" نہ کہا۔ کسی کا بھی سوال رد نہیں فرمایا۔ سب کی مراد پوری فرمائی ہے۔ کیوں کہ "لا" کہنا آپ کی عادت ہی نہیں۔ لہٰذا ہم پر جو بلائیں وارد ہوئی ہیں ان کو "لا" یعنی کہ "نہیں" کی تلوار کے نیچے "لا" کر ان بلاؤں کو کاٹ دو۔ صدقہ آپ کی زلف معنبر یا ور جسم اقدس کا جنہوں نے باہم مل کر "لا" کی شکل اختیار کی ہے۔ آپ پر کروڑوں درود و سلام ہوں۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے کاکل مصطفیٰ کو "لام" اور جسم اقدس کو "الف" کہا ہے۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ کے کلام کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ کے کلام کا ہر جملہ بلکہ ہر لفظ قرآن وحدیث کے دلائل اور شواہد پر مبنی ہوتا ہے۔ آپ نے جو کچھ بھی کہا وہ قرآن وحدیث کی روشنی میں ہی کہا ہے۔ آپ کے کلام کا ماخذ آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ اور اقوال اولیاء ہیں۔

حضرت ابوقتادہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ

"كَيْفَ كَانَ شَعْرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ"

یعنی پیارے آقا کی زلفیں کیسی تھیں؟

جواب میں آپ نے فرمایا کہ

"لَمْ يَكُنْ بِالْجَعْدِ وَ لَا بِالسَّبْطِ كَانَ رَجِلًا"

یعنی نہ تو پیچ دار تھیں اور نہ ہی سیدھی۔ اکڑی ہوئی تھیں، بلکہ کنڈل والی تھیں۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

"مَا رَأَيْتُ مِنْ ذِيْ لِمَّةٍ اَحْسَنَ فِيْ حُلَّةٍ حَمْرَاءَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ لَهٗ شَعْرٌ يَضْرِبُ مَنْكِبَيْهِ"

یعنی میں نے سرخ جبہ پہنے کانوں کی لو کے نیچے زلفوں والا آپ سے بڑھ کر حسین نہیں دیکھا۔ آپ کی مبارک زلفیں کاندھوں کو چوم رہی ہوتیں۔

زلفوں کی مذکورہ تعریف میں حضرت سیدنا فاروق اعظم، سیدتنا حضرت عائشہ، حضرت ہند بنت ابی ہالہ، حضرت سیدنا مولیٰ علی، حضرت انس، حضرت ابوقتادہ وغیرہ اجلہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایات وارد ہیں۔ ان تمام کا خلاصہ یہ کہ گیسوئے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم "ل" کی شکل کے تھے۔ جو "ل" (لام) کی اضافی شکل ہے۔ اب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قد زیبا کے متعلق کچھ روایات ملاحظہ ہوں۔ تمام حروف میں حرف الف کی ایک امتیازی شان ہے کہ وہ دیگر حروف کے جھرمٹ میں ہونے کے باوجود بھی بلند نظر آتا ہے۔

محبوبۂ محبوب رب العالمین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قد مبارک کے متعلق فرماتی ہیں کہ

''بسااوقات دوبلند قامت آدمیوں کے درمیان چلتے تو ان سے بلند تر نظر آتے۔''

سفر ہجرت میں حضور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہونے والی خاتون اُمّ معبد رضی اللہ عنہا حضور کے قد انور کا تقابل حضرت سیدنا صدیق اکبر اور حضرت عامر بن فہیرہ سے کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ ''وہ دونوں شاخوں کے درمیان تروتازہ شاخ کی مانند تھے۔ اوران تینوں میں بلند اور حسین نظر آرہے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''آپ ساتھ چلنے والے سے بلند قامت دکھائی دیتے تھے۔'' ان تمام کا خلاصہ یہ کہ سرکار کا مبارک جسم ''ا'' (الف) کی شکل میں معتدل تھا۔ اب اس ''ا'' کی ''ل'' کے ساتھ اضافت کرنے سے ''لا'' ہو جائے گا۔ حضور اقدس ﷺ کے جود وکرم کا یہ عالم تھا کہ کبھی بھی کسی کو ''لا'' یعنی ''نہیں'' کہتے ہی نہ تھے۔

بخاری شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ''حضور ﷺ سے جب بھی کوئی سوال ہوا تو آپ نے ''نہیں'' نہ فرمایا۔

اس شعر کے مصرع ثانی میں حضرت رضا بریلوی بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں کہ ''لا کے تہ تیغ لا'' یعنی کہ ہم پر جو بلائیں مسلط ہوئی ہیں ان بلاؤں کو ''تہ تیغ لا'' یعنی کہ ''نہیں کی تلوار تلے'' لا کر اسے کاٹ دو۔ اس جملہ میں تیغ لا یعنی نہیں کی تلوار کا حضرت رضا بریلوی نے استعمال کر کے کمال کر دیا ہے۔ کیوں کہ تلوار کا کام ہے کاٹنا۔ فطری بات ہے کہ ایک شخص کو کسی سے بے حد امید ہو اور یقین کے درجے میں اسے امید ہو کہ میرا سوال ضرور پورا ہوگا، اور وہ اس سے سوال کرے لیکن اس کا سوال رد کر دیا جائے تو اس کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے اور ٹکڑے کاٹنے سے ہی ہوتے ہیں۔ اسی لئے تو حضور اقدس ﷺ نے کسی کا کبھی سوال رد نہیں فرمایا۔ کیوں کہ آپ دلوں کو کاٹنے والے نہیں بلکہ کٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے والے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ تیغ لا یعنی نہیں کی تلوار سے دل کٹتا ہے۔ لیکن حضرت رضا اس شعر میں اپنے آقا سے تیغ ''لا'' یعنی ''نہیں'' کی تلوار استعمال کرنے کی گزارش کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ! جو دلوں کو کاٹنے والی ''نہیں کی تلوار'' ہے اسے آپ کسی کا دل کاٹنے کے لئے کبھی بھی استعمال نہیں فرماتے۔ لیکن اے آقا! آج معاملہ ہی ایسا ہے کہ اس ''تیغ لا'' کا استعمال ہمارے دلوں کو کاٹنے کے لئے نہیں، بلکہ ہم پر جو بلائیں آپڑی ہیں ان بلاؤں کو کاٹنے کے لئے استعمال کرنے کا کرم فرمائیے۔ آپ پر کروڑوں درود ہوں۔



(۲۲)

کروں مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارۂ ناں نہیں

حل لغت:

مدح: تعریف، توصیف، ستائش، وہ نظم جس میں کسی کی تعریف کی گئی ہو۔
(فیروز اللغات، ص۱۲۱۹ ☆ لغات کشوری، ص۶۸۰ ☆ کریم اللغات، ص۱۴۹)

اہل دول: دولت مند، مال دار، امراء، وزراء۔ (فیروز اللغات، ص۱۴۲)

دول: دولت کی جمع، بہت سلطنتیں۔ (فیروز اللغات، ص۶۵۶ ☆ لغات کشوری، ص۳۰۴ ☆ کریم اللغات، ص۷۵)

بلا: سختی، زحمت، مصیبت، دکھ، بپت، آفت، قہر، غضب، چڑیل، ڈائن، آسیب، قیامت، چست وچالاک، ہیبت ناک، خوفناک، ڈراؤنا، بہت، نہایت، بے حد۔ (فیروز اللغات، ص۲۱۱ ☆ لغات کشوری، ص۱۰۳ ☆ کریم اللغات، ص۲۵)

گدا: فقیر، بھکاری، منگتا، مانگنے والا۔ (فیروز اللغات، ص۱۰۸۴ ☆ لغات کشوری، ص۶۱۰ ☆ کریم اللغات، ص۱۳۳)

پارہ: پارچہ، ٹکڑا، ریزہ، جزء، پرچہ، پرزہ، قاش، پھانک، پیوند، جوڑ، پتھر کی چھوٹی سی دیوار، تحفہ، تبرک، نام ایک مشہور دھات کا، لوہے کا گز، ایک میٹھائی جس کو شکر پارہ کہتے ہیں، عورت جو کنواری نہ ہو۔
(فیروز اللغات، ص۲۶۴ ☆ لغات کشوری، ص۱۱۵ ☆ کریم اللغات، ص۲۸)

ناں: روٹی، تنور کی روٹی، موٹی روٹی، وہ روٹی جو خانقاہوں میں ملتی ہے۔
(فیروز اللغات، ص۱۳۴۸ ☆ لغات کشوری، ص۶۷۷ ☆ کریم اللغات، ص۱۷۹)

پہلے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''بلا'' ہے اس کا مطلب ''غضب'' ہے۔
پہلے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''بلا'' ہے اس کا مطلب ''مصیبت'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا ومولیٰ ﷺ کے ساتھ والہانہ عشق و محبت اور دنیا و دنیاداروں کے ساتھ اپنی بے رغبتی اور بے اعتنائی کا مظاہرہ فرما رہے ہیں۔ یہ شعر تاریخی شعر ہے۔ یہ شعر ایک واقعہ کے پیش نظر کہا گیا ہے۔ پہلے اس شعر کے معنی باعتبار لغت حل کرنے کی کوشش کریں۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ

الرضوان فرماتے ہیں کہ میں اور اہل دول یعنی دنیا کے دولت مندوں کی تعریف کروں؟ ارے دنیا کے اہل ثروت کی تعریف کرنا ایک بلا (آفت) ہے۔ ان دنیا داروں کی خوشامد اور چاپلوسی کرنا غضب الٰہی کا مستحق ہو کر بلا میں مبتلا ہونے کے مترادف ہے۔ مجھے ان کی کیا پڑی ہے؟ ان کی خوشامد سے مجھے کیا تعلق؟ ارے ان کی خوشامد کرنے کی بلا (زحمت) میں میری بلا (مصیبت) پڑے۔ دولت مندوں کی تعریف کرنے سے مجھے کوئی سروکار نہیں، کیوں کہ میں تو اپنے کریم آقا ﷺ کا منگتا ہوں۔ میرا دین یعنی میرا ایمان و مذہب پارۂ نان یعنی روٹی کا ٹکڑا نہیں ہے۔

نان پارہ ضلع بہرائچ (یو. پی) کے نواب صاحب، فن و ادب سے کافی دلچسپی رکھتے تھے۔ اور اہل ادب کے بہت ہی قدرداں تھے۔ خصوصاً شعراء کو وہ گاہے بہ گاہے کسی جشن کے بہانے جمع کر کے تحائف و انعامات سے نوازا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کی سالگرہ کے موقع پر مشاعرہ کا انعقاد کیا گیا۔ دن اور وقت کا تعین کر کے منتخب شعرائے کرام کو دعوت نامے ارسال کیے گئے۔ دعوت نامے کے ساتھ نواب نانپارہ کی شان میں منقبت لکھنے کی فرمائش و گزارش بھی کی گئی تھی، اور اچھی تخلیق پر شایان شان قدردانی کی فہمائش بھی پیش کی گئی تھی، اکثر شعرائے وقت انعام کی طمع میں نواب صاحب کی شان میں منقبت مرتب کرنے میں مصروف ہو گئے۔ کسی نے امام عشق و محبت کی خدمت میں آکر اس کی اطلاع دیتے ہوئے مشورہ دیا کہ آپ کو اردو شاعری میں عبور حاصل ہے۔ لہٰذا آپ بھی نواب نانپارہ کی شان میں کچھ مرقوم فرمائیں۔ امید ہے کہ وہ آپ کی اچھی قدردانی کریں گے۔ ایک عاشق رسول، فنافی الرسول اور رسول کے نام پر اپنا سب کچھ نثار کرنے کا ہر لحہ جذبہ رکھنے والے فدائی سے دنیا دار کی مدح و ستائش کی فرمائش کی گئی۔ گویا کہ اس کی حمیت عشق کو للکارا گیا، متاع دنیا کی طمع دلائی گئی۔ لیکن وہ تو دنیا داروں سے بے پرواہ ہو کر، ان سے اپنا علاقہ منقطع کر کے اپنے کریم آقا کی ولا اور حب میں ایسا گم ہو گیا تھا کہ اس کے عشق کی بلندی و رفعت کی خبر سے دنیا والے بے خبر تھے۔ اس فرمائش پر امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے لکھا، اور ضرور لکھا لیکن کس کی شان میں؟ نانپارہ کا نواب بھی جس کے در کا ادنیٰ بھکاری ہے اور اسی در کا صدقہ کھا رہا ہے۔ اس قاسم نعمت ﷺ کی شان میں ایک نعت لکھی جس کا مطلع (پہلا شعر) یہ ہے:

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں　　یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

اس نعت کے مقطع (آخری شعر) میں آپ نے فرمایا ''میرا دین پارۂ ناں نہیں'' اور اس طرف اشارہ کیا ہے کہ احمد رضا کا دین ''پارۂ ناں نہیں'' کہ نانپارہ کے نواب کی تعریف کرے، نانپارہ جو ضلع بہرائچ کے ایک شہر کا نام ہے اسی لفظ کو الٹا کر کے پارہ ناں میں تبدیل کر کے حضرت رضا نے فن و ادب کے اعتبار سے بھی کمال کر دکھایا ہے۔ حضرت رضا بریلوی اپنے دور کے ممتاز شاعر تھے آپ امام الکلام تھے۔ لیکن عشق مجازی میں کبھی بھی کچھ نہیں لکھا۔ صرف عشق حقیقی پر ہی آپ کا کام مبنی ہے۔ اور اس میں بھی اکثریت نعت رسول کی ہے۔ علاوہ ازیں آپ نے ہمیشہ شریعت مطہرہ کے دائرے میں رہ کر قرآن و حدیث کی روشنی میں ہی لکھا ہے۔ خود فرماتے ہیں:

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی　　یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

(حضرت رضا بریلوی)

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے عالم اسلام میں عشق رسول کے جذبہ وولولہ کی وہ لہر پیدا کی ہے کہ مردہ دل بھی جی اٹھے اور عشق رسول کی تڑپ کو اپنے دل کی دھڑکن بنالے۔ حضرت رضا بریلوی نے جو کچھ بھی لکھا ہے وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب اعظم ﷺ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہی لکھا ہے۔ دنیا کی لالچ، مال زر کی طمع، داد وتحسین کی آرزو، طعنہ وتشنیع کا خوف وغیرہ کو اس میں اصلاً دخل نہیں تھا، خود فرماتے ہیں:

نہ مرا نوش زتحسین نہ مرا نیش زطعن　　نہ مرا گوش بمدحے نہ مرا ہوش ذمے



منم و کنج خمولی کہ نہ گنجد دروے　　جز من و چند کتابے و دوات و قلمے

ترجمہ: مجھے نہ اپنی تعریف خوشگوار و میٹھی لگتی ہے اور نہ مجھ پر کئے گئے طعن وطنز برے اور کڑوے لگتے ہیں۔ میں نہ تو اپنی تعریف پہ کان دھرتا ہوں اور نہ اپنی برائی کی پرواہ کرتا ہوں۔ بس میں اپنی چند کتابیں، دوات، اور قلم کو لے کر اپنے گوشۂ تنہائی میں ہوں جہاں اور کوئی سما نہیں سکتا۔

یہی وہ تواضع اور انکساری ہے جو عشق رسول کے طفیل حضرت رضا بریلوی کو حاصل ہوئی اور اسی نے آپ کو گوشۂ تنہائی سے نکال کر اہل ایمان وعشق کے ایوان قلب میں جگہ عطا کی۔

❁……❁……❁

(۲۳)

قضا حق ہے مگر اس شوق کا اللہ والی ہے

جو ان کی راہ میں جائے وہ جان اللہ والی ہے

حل لغت:

قضا: حکم، حکم خدا، مشیت ایزدی، فرمان الٰہی، تقدیر، موت، قسمت، وفات، اجل، وہ عبادت جو وقت کے بعد ادا کی جائے، حکم کرنا، ادا کرنا، تمام کرنا۔ (فیروز اللغات، ص ۹۵۸ ☆ لغات کشوری، ص ۵۶۰ ☆ کریم اللغات، ص ۱۲۳)

شوق: خواہش، آرزو، تمنا، اشتیاق، رغبت، میل، شغل، کام، جوش، سرگرمی، محبت، عشق، چسکا، امنگ، دھن، ترنگ، دریافت کرنے کی خواہش، لطف، بلند ہونا، ابھرنا۔ (فیروز اللغات، ص ۸۵۰ ☆ لغات کشوری، ص ۴۳۲ ☆ کریم اللغات، ص ۱۰۰)

والی: مالک، آقا، سردار، حاکم، بادشاہ، دوست، رشتہ دار، حمایتی، مددگار، مربی، محافظ، نگہبان، سرپرست، گورنر، صوبے دار

حاکم صوبہ۔ (فیروز اللغات، ص ۱۴۰۳ ☆ لغات کشوری، ص ۷۹۹ ☆ کریم اللغات، ص ۱۹۰)

والی: والا کی تانیث، مرکبات میں اسم، مصدر کے ساتھ آکر اسم فاعل اور صفت کا معنی دیتا ہے۔ مثلاً: دودھ والا، گھر والا، پڑھنے والا، گنجائش والا، بمبئی والا۔ (فیروز اللغات، ص ۱۴۰۳/۱۴۰۴)

حق: سچ، راست، درست، لائق، واجب، قائم، بجا، انصاف، بدلہ، جائز، ملکیت، فرض، مزدوری، وغیرہ۔
(فیروز اللغات، ص ۵۷۰ ☆ لغات کشوری، ص ۲۳۷)

پہلے مصرع میں جو لفظ ''والی'' ہے اس کا مطلب ''مددگار'' ہے۔
دوسرے مصرع میں جو لفظ ''والی'' ہے اس کا مطلب ''والا، اللہ والا'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ:
''موت کا آنا تو سچ ہے لیکن اس خواہش کا اللہ والی و مددگار ہے کہ کاش ان کی راہ میں جاتی، یعنی جس کو ان کی راہ میں موت آتی ہے وہ مرنے والا اللہ والا ہوتا ہے۔

اس شعر میں دو مرتبہ لفظ ''والی'' کا استعمال کیا گیا ہے۔ مصرع اول میں جو لفظ ''والی'' ہے وہ اسم ہے۔ نیز وہ لفظ عربی زبان کا ہے اور اس کا مطلب آقا، مددگار وغیرہ ہے۔ مصرع ثانی میں جو لفظ ''والی'' ہے وہ صفت ہے۔ نیز وہ ہندی زبان کا لفظ ہے۔ اور اس کے معنی ہوتے ہیں والا، نیز اس شعر میں ''جان جائے'' کے محاورے کو الٹا استعمال کیا گیا ہے۔ دونوں مصرعوں میں لفظ والی کو لفظ اللہ کے ساتھ اضافت کر کے حضرت رضا نے روئے ادب کے حسن کو دوچند کیا ہے۔ اب مصرع ثانی میں ''ان کی راہ'' کا جملہ ہے اس سے کیا مراد ہے؟ پہلے تو یہ دیکھیں کہ ''ان'' سے کون مراد ہے، اور پھر یہ دیکھیں کہ ''راہ'' سے کون مراد ہے؟ ''ان'' سے مراد اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ کیوں کہ ان کا لفظ ضمیر جمع غائب ہے۔ اس کا اطلاق اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات پاک کے لئے مناسب نہیں۔ وہ واحد ہے، احد ہے اس کے لئے واحد کی ضمیر کا استعمال ہی موزوں ہے۔ یعنی اس کا۔ اگر یہاں مراد اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہوتی تو شعر اس طرح ہوتا کہ ''جو اس کی راہ میں جائے وہ جان اللہ والی ہے''۔ لیکن حضرت رضا نے شعر میں اس کی بجائے ان لفظ کا استعمال فرمایا ہے۔ لیکن اس سے ہرگز یہ معنی اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ اس سے راہ خدا مراد نہیں، بلکہ حق یہی ہے کہ راہ نبی ہی دراصل راہ خدا ہے اور جس امر یا شے کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت ہو جاتی ہے وہ اللہ کو بھی محبوب ہوتی ہے۔ اسی لئے تو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی رحمت کی امید اور اپنے کرم کی ڈھارس دی، تو انہیں اپنے محبوب کے بندوں سے متنذکر کیا۔

قرآن شریف میں ہے کہ:
''قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ'' (سورہ الزمر، آیت ۵۳)

ترجمہ: تم فرماؤ اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی۔ (کنزالایمان)

اس آیت میں اللہ نے اپنے بندوں کو "عبادالنبی" سے ملقب فرما کر یہ بات بھی منکشف فرمادی کہ جو نبی کا بندہ (غلام) ہے وہی اللہ کا بندہ (عبادت کرنے والا) ہے اسی طرح راہ نبی بھی راہ خدا ہے۔

اب آیئے شعر کو حل کرنے کی کوشش کریں۔ قضا حق ہے یعنی موت یقینی ہے۔

"كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ" (سورۂ آل عمران، آیت ۱۸۵)

ترجمہ: ہر جان کو موت چکھنی ہے۔ (کنزالایمان)

تو جب موت یقینی ہے تو پھر کیوں نہ یہ تمنا کریں کہ ان کی راہ میں موت آئے۔ ہماری اس تمنا (شوق) کا مددگار، نگہبان (والی) اللہ ہے۔ جس طرح قضا حق ہے اسی طرح یہ بھی حق ہے کہ اللہ کے حبیب کی راہ میں جو مراد وہ اللہ والا ہے۔

اب راہ کے متعلق گفتگو سنیں۔ راہ کے لغوی معنی ہیں: راستہ، غرض، مطلب، وضع، دوستی، انتظار وغیرہ۔

(فیروز اللغات، ص ۷۰۱ ☆ لغات کشوری، ص ۳۱۷)

اب اس شعر کے اتنے زیادہ معنی ہو گئے کہ ایک مستقل کتاب صرف اسی شعر کی تشریح میں مرتب کی جاسکتی ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ راہ میں شہید ہو جانا۔ اعلاء کلمۃ الحق کی خاطر دین کے دشمنوں سے جہاد کرتے کرتے اپنی جان قربان کر دینا اور شہدائے اسلام کے زمرے میں شامل ہو کر بفرمان قرآن "بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ" کا شرف حاصل کرنا، ایک معنی یہ بھی ہے کہ اپنی زندگی کی غرض اور طلب صرف ذات مصطفیٰ ﷺ کو بنا کر فنافی الرسول کی منزل میں داخل ہو جانا۔ بے شمار واقعات اس ضمن میں وارد ہیں کہ شمع رسالت کے پروانے صرف اور صرف شمع بزم ہدایت میں ہی مست رہ کر اپنی زندگی کا مقصد ان کی طلب اور غرض بنا کر حیات جاودانی پا گئے۔ ایک معنی یہ بھی ہے کہ اپنی وضع یعنی اپنی چال، ڈھال، رفتار، گفتار، کردار، بلکہ اپنی زندگی کا ہر لمحہ پھر چاہے جلوت ہو یا خلوت اپنے مہربان اور رؤوف رحیم آقا کی شریعت پر عمل کر کے اپنی وضع اسلامی بنالینا، اور ایمان کی درستگی کے ساتھ کامل طور پر اپنے آقا کی شریعت پر عمل کر کے اپنی وضع اسلامی بنالینا۔ ایک معنی یہ بھی ہے کہ ان کے ساتھ دوستی محبت کا صحیح حق ادا کرنا، دوستی کے یہ معنی نہیں کہ صرف دوستی کا دعویٰ کر لینا۔ سچا دوست وہی ہے کہ جو دوستی کے تمام تقاضوں کو پورا کرے، اور دوستی کا ایک اہم تقاضہ یہ ہے کہ دوست کے محبوں سے دوستی کرنا، اور دوست کے دشمنوں سے عداوت رکھنا۔ بقول حضرت رضا:

دشمن احمد پہ شدت کیجئے ملحدوں کی کیا مروت کیجئے

محبت رسول کا دم بھرنے والے لیکن ساتھ ساتھ بارگاہ رسول کے گستاخوں کے ساتھ میل جول اور ان سے محبت رکھنے والے اپنی روش کو ترک کر کے سچی محبت کا حق ادا کریں۔

اور ایک اہم معنی یہ بھی ہے کہ ان کی راہ میں یعنی ان کے دربار دیار مدینہ طیبہ کی راہ میں موت آئے، پھر چاہے مدینہ کے عزم سے کئے گئے سفر کے دوران موت آجائے۔

قرآن شریف میں ہے کہ

''وَ مَنْ یَّخْرُجْ مِنْ بَیْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ یُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ''

ترجمہ: وہ شخص جو اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کے ارادے سے نکلا، اور پھر اسے موت نے پالیا۔ تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے۔

دربار رسالت میں حاضری کی غرض سے دور سے سفر کر کے آنا اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت ہی تو ہے۔

اور ایک معنی یہ بھی ہے کہ ان کی راہ میں یعنی کہ ان کی راہ گزر کہ جہاں وہ چلتے تھے یعنی کہ مدینہ طیبہ کی مقدس گلیاں اور راستے وہاں اگر کسی خوش نصیب کو موت آگئی تو بقول حضرت رضا بریلوی:

طیبہ میں مر کے ٹھنڈے چلے جاؤ آنکھیں بند سیدھی سڑک یہ شہر شفاعت نگر کی ہے



(۴۴)

ہے تو رضاؔ نرا ستم جرم پہ گر لجائیں ہم
کوئی بجائے سوزِ غم سازِ طرب بجائے کیوں

حل لغت:

نرا: صرف، محض، اکیلا، سراسر، بالکل، صاف، نرمل، فقط۔ (فیروز اللغات، ص ۱۳۵۵)

ستم: ظلم، زیادتی، جفا، شرمانا، جبر و تشدد، آزاد، ایزا، بے انصافی، ناحق، اندھیر، غضب، قباحت۔
(فیروز اللغات، ص ۷۷۹ ☆ لغات کشوری، ص ۳۷۰ ☆ کریم اللغات، ص ۸۸)

لجائیں: لجانا، شرمانا، شرمندہ ہونا، جھینپنا، خجل ہونا۔ (فیروز اللغات، ص ۱۱۵۰)

جھینپنا: شرمانا، لجانا، آنکھیں چرانا۔ (فیروز اللغات، ص ۵۰۰)

آنکھیں چرانا: چشم پوشی کرنا، کترانا، تجاہل عارفانہ۔ (فیروز اللغات، ص ۴۲)

تجاہل: انجان بننا، ٹالنا، چشم پوشی، بے پروائی، جان بوجھ کر جاہل بننا۔
(فیروز اللغات، ص ۳۴۵ ☆ لغات کشوری، ص ۱۳۵ ☆ کریم اللغات، ص ۳۴)

تجاہل عارفانہ: جان بوجھ کر انجان بننا، ارادتاً ناواقفیت ظاہر کرنا۔ (فیروز اللغات، ص ۳۴۵)

بجائے: بعوض، بدلے میں، جگہ پر، قائم مقام کے طور پر۔ (فیروز اللغات، ص۱۸۱)

سوز: جلن، سوزش، دکھ، درد، مرثیہ خوانی کی ایک طرز۔ (فیروز اللغات، ص۸۲۰ ☆ لغات کشوری، ص۴۰۰ ☆ کریم اللغات، ص۹۴)

غم: رنج، دکھ، افسوس، صدمہ، ملال، حزن، الم۔ (فیروز اللغات، ص۹۱۷ ☆ لغات کشوری، ص۵۲۰ ☆ کریم اللغات، ص۱۱۴)

ساز: سامان، اسباب، باجہ، جنگ کے ہتھیار، گھوڑے کا زیور، وہ سامان جو گھوڑے کو گاڑی میں جوتنے کے لئے درکار ہوتا ہے، میل، جول، موافقت، ربط، تیاری، سرانجام، قابل، ناچنے کا سامان، بناؤ، سفر کا سامان، کام کی رونق، مثل، مانند، نفع بازی، مرکبات میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً: کارساز وغیرہ، مکر، حیلہ۔

(فیروز اللغات، ص۷۶۴ ☆ لغات کشوری، ص۳۶۱ ☆ کریم اللغات، ص۸۶)

طرب: خوشی، شادمانی، شوق، انبساط، شادی۔ (فیروز اللغات، ص۸۷۶ ☆ لغات کشوری، ص۸۲۶ ☆ کریم اللغات، ص۱۰۵)

دوسرے مصرع میں شروع میں جو لفظ "بجائے" ہے اس کا مطلب "بدلے میں" ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد میں جو لفظ "بجائے" ہے اس کا مطلب "بجانا" ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان ملت اسلامیہ کو ایک دینی اور اخلاقی درس نصیحت دے رہے ہیں۔ اور خود اپنے کو مخاطب کر رہے ہیں۔ یہ بھی اخلاق حسنہ کا طریقہ ہے کہ کسی کو رشد و ہدایت کرتے وقت یہ طرز اپنایا جائے کہ سیدھا اس کو مخاطب نہ بنایا جائے تا کہ اس کو احساس ذلت و احساس کمتری نہ ہو۔ بارہا کا مشاہدہ ہے کہ کسی مرتکب گناہ کو گناہ گار کی حیثیت سے ذلیل و رسوا کر کے اس کی اصلاح کرنا مشکل ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں وہ بہ تقاضائے انسانی ضد پر آجاتا ہے۔ اکڑتا ہے اور گناہ کو ترک کرنے کی بجائے اس پر اور دلیر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک محفل میں ایک سو آدمی بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس میں ایک شخص شرابی بھی ہے۔ اگر وعظ بھری محفل میں اس شخص کا نام لے کر یہ کہا جائے کہ اے فلاں بن فلاں ہم کو معلوم ہے کہ تم روزانہ شراب پیتے ہو۔ شراب پینا گناہ عظیم ہے۔ لہٰذا تم توبہ کرو۔ اور شراب پینے کی بری عادت ترک کر دو۔ اس طرز سے نصیحت کرنے سے بجائے فائدے کے نقصان ہوگا۔ وہ شخص چڑ جائے گا۔ بلکہ ضد پر آجائے گا۔ اس کو توبہ کی رغبت اور توفیق نہ ملے گی۔ ہوسکتا ہے کہ وہ شراب پینے میں اور دلیر ہو جائے۔ اس کے برعکس ناصح اگر یہ کہے کہ میرے دینی اور اسلامی بھائیو! شراب پینا گناہ عظیم ہے۔ قرآن میں شراب پینے کی سخت ممانعت ہے۔ اور شراب کی ممانعت اور شراب کی برائیوں میں متعدد احادیث وارد ہیں۔ پھر وہ واعظ ان آیات و احادیث کا مفصل بیان کرے۔ اور بعد میں یہ کہے کہ ہم اللہ اور رسول کی جناب میں عہد کریں کہ ہم کبھی شراب نہیں پئیں گے۔ اور اگر ماضی میں ہم نے پی لینے کی غلطی کی ہے تو صدق دل سے توبہ کریں۔ اس طریقے سے کی گئی نصیحت مؤثر اور فائدہ مند ہوگی۔ واعظ کی بات اس کے دل میں اثر کرے گی۔ اور وہ شراب نوشی ترک کر دے گا۔ قرآن مجید میں نصیحت اور دین کی دعوت دینے کے طور

طریقے بتائے گئے ہیں۔ واعظ کو چاہئے کہ وہ اسی طرز پر عمل کرے۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

''اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ''

(سورۃ النحل، آیت ۱۲۵)

ترجمہ: اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے اور ان سے اس طریقہ پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو۔ (کنز الایمان)

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان قرآن کے ارشاد کے مطابق عمل کرتے ہوئے بہترین طریقہ سے نصیحت کرتے ہیں۔ پہلے ہم شعر کا لغوی اور ظاہری معنی سمجھنے کی کوشش کریں۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ اے رضا! یہ تو سراسر ظلم ہے کہ ہم گناہوں پر شرمانے کے بجائے لجائیں یعنی جھینپیں۔ یعنی گناہ کر کے بے پروا ہو جائیں اور غفلت برتیں۔ حالاں کہ اگر شامت نفس کی وجہ سے گناہ ہو بھی جائے تو اس گناہ پر ''سوزِ غم'' دکھ سے افسوس کرنا چاہیے لیکن افسوس کرنے کے ''بجائے'' کوئی شخص اس گناہ پر اپنی دلیری کا اظہار کر کے ''سازِ طرب'' یعنی ''خوشی کا باجہ'' بجائے تو یہ ایک مومن کے لئے مناسب نہیں۔

اس شعر کے مصرع ثانی میں لفظ ''بجائے'' کا دوبار استعمال کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ ''بجائے'' ہے وہ تابع فعل ہے۔ اور اس کے معنی ہوتے ہیں۔ ''بدلے میں'' بعوض اور قائم مقام کے طور پر، دوسری مرتبہ جو لفظ ''بجائے'' ہے وہ بجانا کے معنی میں ہے۔ لفظ بجانا مصدر ہے اور اس کے معنی ہے باجے کی آواز نکالنا۔ دونوں لفظ ''بجائے'' الگ الگ معنی کے حامل ہیں۔ حالاں کہ حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں۔ لہٰذا یہ شعر صنعت تجنیس کامل کا ہوا۔

اس شعر کے مصرع اول میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ ''جرم پہ گر لجائیں ہم'' اس جملہ میں آپ نے لفظ ''ہم'' کا استعمال فرمایا ہے تم نہیں فرمایا، اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ملت اسلامیہ کو بہ احسن طریق نصیحت فرماتے ہیں۔ اور نصیحت کنندہ میں خود اپنے کو بھی شامل کر رہے ہیں تا کہ آپ کی پند و نصیحت مؤثر ہو۔ مخاطب کو یہ احساس نہ ہو کہ ہم کو ذلیل کیا جا رہا ہے۔ بلکہ مجموعی حیثیت سے خطاب کیا جا رہا ہے۔ جس میں ہم اور تم سب شامل ہیں۔ کسی مخصوص افراد یا اقوام کو نہیں بلکہ عام طور پر پوری ملت اسلامیہ سے خطاب کیا جا رہا ہے کہ اگر ہم سے گناہ ہو جائے تو اس گناہ سے بے پروانہ ہو جائیں۔ بلکہ اس پر افسوس کریں اور کف ندامت ملیں، اور اس افسوس و ندامت کے جذبے کے تحت صدق دل سے توبہ و استغفار کریں۔ جرم پر گر لجائیں ہم میں لفظ ''لجائیں'' بہت ہی معنی خیز ہے۔ اصطلاح عوام میں لفظ ''لجائیں شرمانے'' کے معنی میں مستعمل ہے۔ اگر یہاں شرمانے کے معنی لئے جائیں تو شعر کا مطلب ہی الٹا اور غلط ہو جائے گا۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ''لجائیں'' کا جو لفظ استعمال فرمایا ہے وہ ''جھینپنا'' کے معنی میں ہے۔ جس کا مطلب ہوتا ہے آنکھیں چرانا، اور آنکھیں چرانے کا مطلب ہوتا ہے ''تجاہل'' کرنا۔ اور تجاہل کے معنی ہوتے ہیں بے پروائی کرنا، چشم

پوشی کرنا، اور ٹالنا، اس تقدیر پر "لجائیں" کا معنی ہوا، بے پروائی کرنا، چشم پوشی کرنا، یا ٹالنا، اب شعر کے مصرع اول کا صاف صاف مطلب سامنے آ گیا کہ گناہ کرنے کے بعد گناہ کو ہلکا سمجھ کر اس کی سزا سے بے پروا ہو جانا سراسر ظلم ہے۔ خود گناہ بھی ایک ظلم ہے اور اس کے ارتکاب کے بعد اس سے چشم پوشی کرنا، ظلم بالائے ظلم ہے۔ انسان سے اگر گناہ سرزد ہو جائے تو اسے اپنے گناہ پہ نادم ہونا چاہیے۔ شعر کے مصرع ثانی میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ "کوئی بجائے سوزِ غم سازِ طرب بجائے کیوں" اس مصرع کے آخر میں آپ نے "کیوں" کا لفظ استعمال فرما کر پورے مصرع کو جملہ استفہامیہ بنا دیا، اور اس جملہ کے ذریعہ ہر ذی شعور سے سوال فرما رہے ہے کہ اپنے گناہ پہ دکھ اور افسوس کرنے کے بجائے خوشی کا اظہار اور اپنے گناہ کا فخریہ ڈھنڈھورا پیٹنے کی وجہ کیا ہے؟ ہر شخص اپنے گریبان میں جھانکے اور اپنے نفس کی شرارتوں کے متعلق سوچے۔ بہت سے لوگ گناہ کرنے میں اپنی بہادری اور جواں مردی یا اپنی ذہانت سمجھتے ہیں۔ اسی لئے گناہ کے ارتکاب کے بعد اس گناہ کا اپنے دوست واحباب کے سامنے فخریہ ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً: کوئی شخص جوا کھیلنے گیا اور اتفاق سے بڑی رقم جیت کر آیا۔ تو وہ اس پر پھولا نہیں سماتا۔ اور اپنے حلقے میں اسے فخریہ بیان کرتا ہے کہ اتنا جیت کے آیا ہوں۔ اسی طرح کوئی آدمی تجارت کا ہنر جانتا ہے اور ناجائز طریقہ سے حاصل شدہ منافع کا تذکرہ اپنے رفقاء کے سامنے کرتا ہے۔ بے حیائی اور بے شرمی کے افعال قبیحہ کو بہت لوگ اپنی فتح و کامیابی کے طور پر بیان کرتے ہوئے نہیں شرماتے اور خوشی کے ساتھ اس کا اعلان کرتے پھرتے ہیں۔ یہی ہے "سازِ طرب بجانا" اور اسی کی حضرت رضا بریلوی مذمت فرما رہے ہیں۔ اور گناہ پر اکڑنے کے بجائے گناہ پر افسوس کر کے توبہ واستغفار کی تلقین فرما رہے ہیں۔

آج کے جدید فیشن والے معاشرے میں تو یہ حالت ہے کہ گناہ کو گناہ تک نہیں سمجھتے۔ بے حیائی اور بے شرمی کو ترقی اور فیشن سے موسوم کیا جاتا ہے۔ گناہ کبیرہ اور صغیرہ کا کوئی امتیاز ہی نہیں ہے۔ گناہ کا ڈر دلوں سے رخصت ہو گیا ہو ایسا محسوس ہوتا ہے۔ آدمی جتنا زیادہ بے حیا و بے شرم ہو اتنا ہی زیادہ ترقی یافتہ اور فیشن والا سمجھا جا رہا ہے۔ دین و مذہب کی پابندی کرنے میں شرم سی محسوس کی جا رہی ہے اور دین و مذہب کی خلاف ورزی میں دلیری دکھائی جا رہی ہے۔ بڑے سے بڑے گناہ کو ہلکا بلکہ کالعدم سمجھا جا رہا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام کے ساتھ ایک ایسے میدان میں قیام پذیر تھے جہاں نہ لکڑیاں تھیں اور نہ کوئی دیگر چیز تھی۔ حضور نے صحابہ کرام کو لکڑیاں جمع کرنے کا حکم فرمایا، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! لکڑیاں تو نظر ہی نہیں آتیں، فرمایا کہ کسی چیز کو حقیر نہ جانو جو چیز ملے اسے لے آؤ، چنانچہ صحابہ کرام اِدھر اُدھر گئے اور جس کو جو بھی سوکھی لکڑی کا چھوٹا بڑا ٹکڑا ہاتھ لگا وہ کچھ نہ کچھ اٹھا لایا۔ اور ایک جگہ جمع کرنا شروع کر دیا۔ دیکھتے دیکھتے ایک اچھا خاصہ ڈھیر بن گیا۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم کو معلوم نہیں کہ یہی حال اس نیکی اور بدی کا ہے جس کو حقیر سمجھا جاتا ہے۔ چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی نیکی سے نیکی مل کر اور بدی سے بدی مل کر انبار ہو جاتا ہے۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ کسی نیکی کو حقیر نہ سمجھنا چاہئے۔ اسی طرح کسی گناہ کو بھی حقیر نہ سمجھنا چاہیے۔ انسان اگر چھوٹے گناہ

کی پرواہ نہ کرے تو وہ چھوٹے چھوٹے گناہ مل کر گناہ کبیرہ کی صورت اختیار کرلیں گے۔

آدمی گناہ کو بالکل معمولی سمجھ کر اسے اہمیت ہی نہ دے اور حقارت سے کہے کہ اس میں کون سا بڑا گناہ ہے؟ یہ تو ایک تفریح ہے۔ ذرا دیر کے لئے دل کو بہلاتے ہیں۔ اس طرح خواہ مخواہ چھوٹا گناہ بھی بڑا بن کر رہ جاتا ہے۔ گناہ کو بڑا خیال کیا جائے تو وہ کم ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ گناہ کو بڑا سمجھنا خوف خدا اور ایمان کی سلامتی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس کے برعکس گناہ کو معمولی اور حقیر سمجھنا گناہ کی سزا سے بے خوف ہونے کی علامت ہے۔

حدیث میں ہے کہ مسلمان کے نزدیک تو گناہ ایک پہاڑ سے کم نہیں ہوتا۔ اور اسے ہمیشہ خوف رہتا ہے کہ پہاڑ کہیں اس کے سر پر پھٹ نہ پڑے اور منافق کے نزدیک گناہ کی حیثیت ایک مکھی سے زیادہ نہیں۔ جو ناک پر بیٹھ جائے اور اڑ جائے۔ اس لئے وہ گناہ سے خائف نہیں رہتا۔

بزرگوں کا کہنا ہے کہ جس گناہ کی بخشش ناممکن ہے وہ یہ ہے کہ اس گناہ کو آدمی معمولی اور حقیر خیال کرے اور تمنا کرے کہ کاش! کیا ہی اچھا ہوتا کہ سبھی گناہ ایسے ہی ہوتے۔

ایک صحابی کا قول ہے کہ لوگ بڑے بڑے گناہ کر گزرتے ہیں اور اسے بال کے برابر حقیر سمجھتے ہیں۔ حالاں کہ ہمارے نزدیک ہر گناہ پہاڑ کے برابر ہوتا ہے۔ کیوں کہ ہم اس بھید کو جانتے ہیں کہ کوئی گناہ ایسا نہیں جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا غضب پوشیدہ نہ ہو۔ گناہ جتنا ہی بڑا ہوگا اتنا ہی قہر الٰہی اس میں پنہاں ہوگا۔ اور ہوسکتا ہے کہ جس گناہ کو لوگ آسان ترین تصور کر رہے ہیں وہی حق تعالیٰ کے قہر وغضب کا باعث ہو۔ کہ ارشاد ہوا ہے کہ تم جس کو ہلکی بات سمجھ رہے تھے وہ اللہ کے نزدیک بہت بھاری تھی۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے شعر کے مصرع ثانی کے آخر میں ''ساز طرب بجائے کیوں'' کا جملہ استعمال فرمایا ہے۔ وہ چھوٹا سا جملہ معنویت کا خزانہ ہونے کے اعتبار سے بہت کچھ کہہ رہا ہے۔ ''ساز طرب'' یعنی خوشی کا باجا، باجے کا کام کیا ہوتا ہے؟ یہ تو سب جانتے ہیں۔ جو خوشی اور سرور ہوتا ہے اسے بڑھا چڑھا کر اظہار کرنا۔ اردو محاورات میں ڈھول تاشہ اور دھوم دھام کو باجا کہا جاتا ہے۔ یعنی خوشی کی دھوم دھام کرنا یعنی کہ بہت خوشیاں منانا۔ حضرت رضا نے ساز طرب جملہ کا استعمال فرما کر ان لوگوں کے چہروں پر طنز کا طمانچہ رسید کیا ہے۔ جو گناہ پر نادم ہونے کے بجائے گناہ کی خوشی کا باجا بجاتے پھرتے ہیں۔ مثلاً: کسی نے شراب خانہ (**Bar**) میں جا کر آدھی بوتل شراب پی، اور دوسرے دن اپنے دوستوں کے سامنے شیخی مارتے ہوئے کہا کہ یار کل تو مزہ آ گیا۔ ڈیڑھ بوتل پی گیا۔ مگر چڑھی نہیں۔ (معاذ اللہ) اسی طرح کوئی جوا کھیلنے گیا۔ اور پانچ ہزار جیت کر آیا، وہ شوخی نفس سے کہتا ہے کل تو اپنا ستارہ بلندی پر تھا۔ بیس ہزار جیت کر آیا۔ وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام گناہوں کو حضرت رضا بریلوی ''ساز طرب'' فرما کر آخر میں سوال کرتے ہیں کیوں؟ یعنی یہ شیخی کس لئے مار رہا ہے؟ کیا ایسی شیخی مارنے سے تیری عزت اور رزق میں اضافہ ہوگا؟ ہرگز نہیں، بلکہ الٹا ذلیل وخوار ہوگا۔ اے گناہ پر اڑنے والے اور شیخی مارنے والے تو اپنی خیر منا اور شکر یہ ادا کر اس ذات مقدسہ کا جو رحمۃ للعالمین بن کر تشریف لائے ﷺ۔

اگلی امتوں پر خدا کا عام عذاب نازل ہونے کے بہت سے واقعات کا قرآن مجید میں تذکرہ ہے۔ قوم نوح، قوم لوط، قوم
قوم ثمود وغیرہ پر خدا کا ایسا عذاب آیا کہ پوری پوری بستیاں اجڑ گئیں۔ ان اقوام نے جو گناہ کئے تھے ان سے کئی گنا زیاد
کر رہے ہیں لیکن پھر بھی ہم پر عذاب مسلط نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے محبوب اُ
صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا ہے کہ:

''وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ''

یعنی اللہ ان پر عذاب نہ فرمائے جب تک اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو۔ (کنز الایمان)

چوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے ظاہری پردہ کرنے کے باوجود اپنے مزار پُر انوار میں قیامت تک کے لئے تشریف
ہیں۔ لہٰذا آپ کے وجود بابرکت کے طفیل ہم پر اگلی امتوں کی طرح عام عذاب نہیں آتا۔ تاہم گناہوں کے باعث دنیا
ذلت وخواری کے شکار ہیں۔ ہمارے گناہوں کی شامت کی وجہ سے ہمارا رزق تنگ ہو گیا ہے۔ آئے دن ہم پر طرح طر
کے مصائب آتے رہتے ہیں اور اکثر اوقات ہم پر ظالم حکمراں مسلط کر دیے جاتے ہیں۔ لہٰذا ہم گناہ سے دور رہیں اور
شامت نفس کی وجہ سے کوئی گناہ ہو جائے تو اس گناہ کو ہلکا سمجھ کر اس پر اکڑیں نہیں۔ بلکہ گناہ کے صدور پر دل میں خوف
افسوس کے جذبات پیدا کریں اور صدق دل سے اللہ اور رسول کی بارگاہ میں توبہ واستغفار کریں۔ آئندہ کے لئے ان گناہو
سے اور ہر گناہ سے شدت سے اجتناب اختیار کر کے اپنی توبہ پہ ثابت قدم رہیں۔ یہی پیغام ملت اسلامیہ کو حضرت ر
بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس شعر میں دیا ہے۔



(۲۵)

ترا وقت اور پڑے یوں دین پر وقت
نہ تو عاجز نہ تو غافل ہے یا غوث

حل لغت:

وقت: گھڑی، ساعت، دم، عرصہ، مدت، میعاد، تسلط، حکومت، حکمرانی، زمانہ، عہد، دور، جگ، موقع، وقفہ، ہنگامہ، فصل
رت، فرصت، مہلت، باری، نوبت، دفعہ، بار، حالت، گت، عمر، زندگی، حیات، موت کی گھڑی، مصیبت، وقت
دشواری۔ (فیروز اللغات، ص ۱۴۱۲ ☆ کریم اللغات، ص ۱۹۳)

عاجز: کمزور، بےبس، مجبور، لاچار، ناچار، جس سے کچھ نہ ہو سکے، مغلوب، تھکاماندہ، غریب، مایوس، ناامید، مسکین۔
(فیروز اللغات، ص ۸۱۷ ☆ لغات کشوری، ص ۴۷۹ ☆ کریم اللغات، ص ۱۰۷)

غافل: غفلت کرنے والا، بے پرواہ، بےخبر۔ (فیروز اللغات، ص ۹۰۹ ☆ لغات کشوری، ص ۵۱۰ ☆ کریم اللغات، ص ۱۱۳)

پہلے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''وقت'' ہے اس کا مطلب ''حکومت'' ہے۔
پہلے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''وقت'' ہے اس کا مطلب ''مصیبت'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقائے نعمت پیران پیر، پیر دستگیر، غوث اعظم حضرت سید شاہ عبد القادر جیلانی بغدادی رضی اللہ عنہ کی بارگاہ عالیہ میں خراج عقیدت پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ملت اسلامیہ کی موجودہ دور کی دشواریوں اور مصیبتوں کا ذکر کرتے ہوئے آپ کی بارگاہ میں استغاثہ پیش کرتے ہیں اور آپ کے تصرف اور آپ کی توجہ کی درخواست کرتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ آپ کے وقت (حکومت و تسلط) میں دین پر وقت (مصیبت) پڑے؟ نہیں نہیں، ایسا نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ آپ اپنے متوسلین اور معتقدین و مریدین کی نصرت و حمایت کرنے سے عاجز نہیں۔ اور نہ ہی آپ غافل (بےخبر) ہیں۔

اس شعر میں لفظ ''وقت'' دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ ''وقت'' ہے وہ حکومت، تسلط، حکمرانی وغیرہ کے معنی میں ہے۔ اور دوسری مرتبہ جو لفظ ''وقت'' ہے وہ مصیبت، دشواری دقت، وغیرہ کے معنی میں ہے۔ دونوں لفظ ''وقت'' حروف و اعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے مناقب بیان کرتے ہوئے بارگاہ غوثیت میں عرض کرتے ہیں کہ ''ترا وقت'' یعنی آپ کی حکومت ہے، آپ کا ہی زمانہ ہے، آپ کی حکمرانی کا دور دورہ اور تسلط ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم، مالک و مختار مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل آپ کو وہ اختیار و تصرف عطا فرمایا ہے کہ روئے زمین پر آپ کی حکومت کا تسلط و غلبہ ہے۔ اور یہ بات شواہد و براہین میں حق اور ثابت ہے۔

امام اجل سیدی نور الدین ابو الحسن علی شطنوفی رضی اللہ عنہ اپنی کتاب مستطاب ''بہجۃ الاسرار شریف'' میں بہ سند خود روایت فرماتے ہیں کہ امام اجل حضرت ابو القاسم عمر ابن مسعود بزاز اور حضرت حفص عمر کیمانی رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ سید عبد القادر جیلانی بغدادی رضی اللہ عنہ اپنی مجلس میں برملا زمین سے بلند کرۂ ہوا میں چلتے اور فرماتے کہ آفتاب طلوع نہیں کرتا یہاں تک کہ مجھ پر سلام کرے، جب نیا سال آتا ہے مجھے خبر دیتا ہے کہ جو کچھ اس میں ہونے والا ہے۔ نیا مہینہ جب آتا ہے مجھے خبر دیتا ہے جو کچھ اس میں ہونے والا ہے۔ نیا ہفتہ جب آتا ہے مجھ پر سلام کرتا ہے اور مجھے خبر دیتا ہے جو کچھ اس میں ہونے

والا ہے، نیا دن جو آتا ہے مجھ پر سلام کرتا ہے اور مجھے خبر دیتا ہے جو اس میں ہونے والا ہے۔ مجھے اپنے رب کی عزت کی قسم! کہ تمام نیک اور بد مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں۔ اور میری آنکھ لوح محفوظ پر لگی ہے یعنی لوح محفوظ میرے پیش نظر ہے۔ میں اللہ عز وجل کے علم اور مشاہدہ کے دریاؤں میں غوطہ زن ہوں میں تم سب پر حجت الٰہی ہوں، میں رسول اللہ ﷺ کا نائب اور زمین میں حضور کا وارث ہوں۔

(الامن والعلی لناعتی المصطفیٰ بدافع البلاء، از: امام احمد رضا محدث بریلوی، ص ۱۱۸ ☆ بہجۃ الاسرار اردو ترجمہ، ص ۵۲)

امام اجل ابوالحسن شطنوفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شیخ ابوالقاسم نے کہا کہ میں، ابوالسعود، ابوبکر حوض، شیخ ابوالخیر، بشر بن محفوظ بن غنیمہ، شیخ ابوحفص عمر کیمانی، شیخ ابوالعباس احمد اسکانی، شیخ سیف الدین عبدالوہاب بن شیخ عبدالقادر جیلانی، ہم سب کے سب اپنے شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے پاس جمعہ کے دن کے آخری حصہ میں ۳۰ر جمادی الآخرہ ۵۶۰ھ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ہم کو وعظ سناتے تھے۔ تب ایک جوان خوبصورت آیا، شیخ کے پاس ایک طرف بیٹھ گیا اور کہنے لگا، اے ولی اللہ! تم کو سلام ہو، میں ماہ رجب ہوں، آپ کے پاس اس لئے آیا ہوں کہ آپ کو خوشخبری سناؤں اور آپ کو خبر دوں کہ جو کچھ معاملات مجھ میں ہونے والے ہیں یہ مہینہ لوگوں پر بہتر ہوگا۔ راوی کہتا ہے کہ اس رجب کے مہینہ میں نیکی کے سوا لوگوں نے کسی قسم کی برائی نہ دیکھی۔ اور جب اتوار کا دن آیا اور رجب کا مہینہ پورا گزر گیا تو ایک بدشکل شخص آیا اس وقت بھی ہم سب حضور سیدنا شیخ غوث اعظم عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے آ کر کہا کہ اے ولی اللہ! تم کو سلام ہو، میں شعبان کا مہینہ ہوں۔ آیا ہوں تا کہ آپ کو خوشخبری سناؤں اور آپ کو وہ امور بتلاؤں جو مجھ میں ہونے والے ہیں۔ بغداد میں بہت لوگ مریں گے، حجاز میں گرانی ہوگی، خراسان میں تلواریں چلیں گی، راوی کا کہنا ہے کہ سو ویسے ہی ہوا۔ بغداد میں بڑی بیماری پڑی، اور خبر آئی کہ حجاز (عرب) میں بڑی گرانی ہے۔ اور خراسان میں تلوار چلی ہے۔

(بہجۃ الاسرار، اردو ترجمہ، ص ۵۳)

شیخ ابوالحسن علی بن ہیتی روایت کرتے ہیں کہ حضور سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنے مریدوں سے فرمایا کہ مجھ کو عراق سپرد کیا گیا۔ پھر ایک مدت بعد ان سے فرمایا کہ میں تم سے پہلے یہ کہتا تھا کہ مجھے عراق سپرد کیا گیا لیکن اب تمام روئے زمین سپرد کی گئی ہے۔ (بہجۃ الاسرار، اردو ترجمہ، ص ۵۷)

اس قسم کے بے شمار واقعات منقول ہیں۔ لیکن یہاں پر اختصار کو اختیار کر کے صرف تین روایات پر اکتفا کرتا ہوں جس کے مطالعہ سے حضرت رضا کے شعر کے جملے ''تیرا وقت'' کی وضاحت ذہن نشیں ہو جائے گی۔

اس شعر کے مصرع ثانی میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان بارگاہ غوثیت میں عرض کرتے ہیں کہ:

''نہ تو عاجز ہے نہ تو غافل ہے یا غوث'' یعنی اے سرکار بغداد! آپ ہماری مدد کرنے سے نہ تو عاجز ہیں، اور نہ ہی آپ ہماری حالت سے بے خبر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم ﷺ کے طفیل محبوب سبحانی کو بھی علم واختیارات سے نوازا تھا۔ آپ کو اپنے متوسلین کے مستقبل کی حالت معلوم تھی، اور مستقبل میں پیش آنے والے مصائب کا آپ تدارک فرمادیتے تھے۔

حضرت شیخ ابو السعود احمد بن ابی بکر حریمی بغدادی روایت فرماتے ہیں کہ ابو المظفر حسن بن نجم بن احمد بغدادی نام کا ایک تاجر حضرت شیخ حماد رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ اے میرے سردار میں نے ملک شام کی طرف تجارت کی غرض سے تیاری کی ہے۔ اور قافلہ روانہ ہونے کو تیار ہے، میرے ساتھ سات سو دینار کا مال ہے۔ حضرت شیخ حماد نے اس تاجر سے فرمایا کہ اگر تم اس سال سفر کرو گے تو قتل کئے جاؤ گے۔ اور تمہارا مال چھین لیا جائے گا۔ شیخ حماد رضی اللہ عنہ کی زبان سے مذکورہ بات سن کر وہ تاجر ان کے پاس سے غمزدہ ہو کر نکلا، اور حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے ملا، ان دنوں حضرت ابھی جوان تھے۔ اس تاجر نے شیخ حماد کی بات بیان کی۔ حضرت غوث اعظم نے اس تاجر سے فرمایا کہ تم سفر کر دتم صحیح جاؤ گے اور مال لے کر خیریت سے واپس آؤ گے۔ اس کا ضمان مجھ پر ہے۔ یعنی میں اس کی ضمانت لیتا ہوں۔

وہ تاجر سفر کر کے ملک شام گیا۔ اور اپنا مال جو سات سو کا تھا اسے ایک ہزار دینار میں فروخت کیا۔ ایک دن حلب کے سقایہ میں انسانی ضرورت کے لئے گیا۔ ہزار دینار سقایہ کے طاق میں رکھ کر بھول گیا۔ اور باہر نکل کر اپنی قیام گاہ پر آ کر سو گیا۔ خواب میں دیکھتا ہے کہ وہ قافلے میں ہے اور اس قافلے کو ڈاکوؤں نے آ گھیرا ہے۔ اور قافلے کو لوٹ لیا۔ اور تمام اہل قافلہ کو قتل کر دیا۔ ایک ڈاکو نے آ کر اس کو حربہ مار کر قتل کر دیا۔ یہ خواب دیکھ کر وہ تاجر گھبرا کر نیند سے اٹھ کھڑا ہوا تو کیا دیکھتا ہے کہ خون کا اثر اس کی گردن پر موجود ہے۔ اور حربہ کی مار کا درد بھی محسوس ہو رہا ہے۔ اسی اثنا میں اس کو اپنا مال یاد آیا۔ گھبراہٹ میں جلدی جلدی جا کر سقایہ میں دیکھا تو اس کا مال ہزار دینار وہیں پڑا ہوا تھا۔ اس کو لے لیا اور بغداد کی طرف واپس روانہ ہو گیا۔ جب بغداد پہنچا تو دل میں کہنے لگا کہ اگر میں پہلے حضرت شیخ حماد کی خدمت میں جاؤں تو مناسب ہے کیوں کہ وہ ضعیف العمر بزرگ ہیں۔ اور اگر شیخ عبد القادر کی خدمت میں جاؤں تب بھی مناسب ہے کیوں کہ ان کی بات سچی ثابت ہوئی ہے۔ وہ اسی سوچ و فکر میں تھا کہ اتفاق سے شیخ حماد اس کو سلطانی بازار میں مل گئے اور کہنے لگے کہ اے ابو المظفر! پہلے شیخ عبد القادر کی خدمت میں جا، کیوں کہ وہ خدا کے محبوب ولی ہیں۔ انھوں نے تیرے حق میں خدا تعالیٰ سے سترہ دفعہ دعا مانگی ہے۔ حتیٰ کہ خدا تعالیٰ نے تیرے حق میں قتل بیداری میں لکھا تھا۔ اس کو خواب میں کر دیا۔ اور تیرے مال کا لٹنا اور فقیر ہونا لکھا تھا اس کو نسیان میں کر دیا۔ جب وہ تاجر حضور سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اس کو بتانے سے پہلے ہی فرمایا کہ تم سے شیخ حماد نے کہا ہے کہ میں نے تمہارے لئے سترہ دفعہ خدا کی جناب میں دعا مانگی ہے۔ مجھے معبود کی عزت کی قسم ہے میں تمہارے حق میں سترہ در سترہ سے لے کر ستر مرتبہ تک دعا مانگی ہے۔ حتیٰ کہ جو قتل تیرے لئے عالم بیداری میں لکھا تھا وہ خواب میں کر دیا۔ اور جو مال کا لٹنا لکھا تھا وہ نسیان اور بھول میں کر دیا۔ (بہجۃ الاسرار، اردو، ص ۲۴۷)

اس ایک واقعہ میں حضور سیدنا غوث اعظم شیخ عبد القادر بغدادی رضی اللہ عنہ کے بہت سارے اختیارات و تصرفات کا ثبوت ملتا ہے۔ اور آپ کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سارے معجزات کا بشکل کرامات اعادہ ہو رہا ہے۔ مثلاً: علم غیب، دل کی بات پر مطلع ہونا، اعانت و امداد کرنا، فریاد رسی، مستجاب الدعوات ہونا، تقرب عند اللہ وغیرہ وغیرہ۔ اور انہیں تمام امور کو حضرت رضا بریلوی پیش نظر رکھتے ہوئے بارگاہ غوثیت میں عرض کرتے ہیں کہ: "نہ تو عاجز ہے نہ تو غافل ہے یا غوث" اور

آپ سے استغاثہ کرتے ہیں کہ "پڑے دین پر وقت" یعنی ملت اسلامیہ موجودہ دور میں مشکلات ومصائب میں پھنسی ہوئی ہے، اور ہر دور میں آپ کی حکومت کا سکہ رائج ہے لہٰذا ہماری استعانت وامداد فرمائیے۔



(۲۶)

صدقہ میں ترے باغ تو کیا لائے ہیں بن پھول

اس غنچۂ دل کو بھی تو ایما ہو کہ بن پھول

حل لغت:

بن: جنگل، بیلا، بیابان، صحرا، میدان، ریگستان، کپاس کا پودا، باڑی، وہ مقام جہاں پر کثرت سے درخت ہوں۔ (فیروز اللغات، ص۲۱۵)

غنچہ: پھول کی کلی، شگوفہ، کلی، گل ناشگفتہ۔ (فیروز اللغات، ص۹۱۷ ☆ لغات کشوری، ص۵۲۱ ☆ کریم اللغات، ص۱۱۵)

ایما: اشارہ، اشارہ کرنا۔ (فیروز اللغات، ص۱۵۰ ☆ لغات کشوری، ص۵۷ ☆ کریم اللغات، ص۱۹)

بن: مصدر کا صیغۂ امر، بننا۔ (فیروز اللغات، ص۲۱۵)

بننا: درست ہونا، آراستہ ہونا، تعمیر ہونا، گڑھا جانا، تہذیب سیکھنا، ایجاد ہونا، حاصل ہونا، دولت مند ہونا، خفیف ہونا، احمق بننا، بناؤ سنگار کرنا، بننا ٹھننا، مشکل پیش آنا۔ (فیروز اللغات، ص۲۲۰)

پہلے مصرع میں جو لفظ "بن" ہے اس کا مطلب "جنگل" ہے۔

دوسرے مصرع میں جو لفظ "بن" ہے اس کا مطلب "ہوجا" ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت وبرکت کی مدح وثنا کرتے ہوئے بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں کہ یارسول اللہ! آپ کی ذات مقدسہ کا صدقہ اور آپ کے فیض وکرم کا طفیل ہے کہ باغ تو کیا بلکہ جنگل میں (بن میں) بھی پھول کھل رہے ہیں تو جب آپ کے لطف وکرم سے ویران جنگل بھی گلشن ہوجاتے ہیں تو اپنے اس غلام پر نظر کرم فرمادیں اور اس کے دل کی کلی کو اشارہ فرمادیں کہ وہ بھی کلی سے شاداب پھول

بن جائے۔اس شعر میں لفظ ''بن'' دومرتبہ استعمال کیا گیا ہے پہلے مصرع میں جولفظ ''بن'' ہے اس کا معنی بیابان،جنگل وغیرہ ہیں۔اور دوسرے مصرع میں جولفظ ''بن'' ہے وہ بننا،آراستہ ہونا وغیرہ کے معنی میں ہے۔ پہلا لفظ ''بن'' اسم ہے اور دوسرا لفظ ''بن'' مصدر کا صیغۂ امر ہے۔دونوں لفظ ''بن'' حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی،لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

عام طور سے پھول باغ میں ہی کھلتے ہیں،کیوں کہ باغ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں متفرق اقسام کے کثیر تعداد میں پھول اگتے ہیں۔اسی لئے باغ کو گلزار یا پھلواری بھی کہا جاتا ہے۔جہاں ایک خاص اہتمام سے پھول لگائے جاتے ہیں۔اور باغ بانی کی جاتی ہے۔جنگل اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں کثرت سے درخت ہوں لیکن ان درختوں کو کسی خاص اہتمام سے نہیں اگائے جاتے۔ بلکہ قدرتی طور پر اگ جاتے ہیں۔باغ میں تو پھولوں کی کیاری ہوتی ہے،قطار میں اہتمام سے پودے لگائے جاتے ہیں۔ان پودوں کو کھاد،پانی وغیرہ دیا جاتا ہے۔منظم باغبانی کی جاتی ہے،لیکن جنگل یا صحرا میں ان تمام امور کا فقدان ہوتا ہے۔لہٰذا جنگل میں پھول نہیں کھلتے،اور جو پھول کھلتا بھی ہے تو اسے جنگلی پھول کہا جاتا ہے۔جو رنگ و روپ اور خوشبو،اور مہک میں باغ میں کھلے ہوئے پھول کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔جنگل میں زیادہ تر پیڑ و درخت ہی اگتے ہیں،پھول کے کھلنے کا امکان کم ہوتا ہے۔حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اس شعر میں یہی فرما رہے ہیں حالاں کہ بن (جنگل) میں پھول کھلنے کا امکان کم ہے،لیکن یا رسول اللہ! آپ کے صدقے میں،آپ کے طفیل میں اور آپ کی نگاہ کرم کی توجہ سے باغ تو کیا بلکہ صحرا اور بیابان میں بھی شاداب پھول کھلتے ہیں۔جب خاردار بن میں خوشبو سے معطر حسین رنگین اور نازک پھول کھل سکتے ہیں تو اے میرے آقا! میرا دل جو گل ناشگفتہ ہے اس پر نگاہ کرم فرما کر اشارہ کر دیں تاکہ میرا مرجھایا ہوا دل بھی پھول کی طرح کھل جائے۔

بن (جنگل) میں پھول کھلنا بظاہر مشکل ہے۔لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے محبوب اعظم ﷺ کے اعجاز میں ہر مشکل امر آسان فرما دیتا ہے۔جنگل میں پھول کھلنا تو درکنار بلکہ ویران جزیرے میں اللہ تبارک و تعالیٰ گلاب کے پھول کھلا دیتا ہے اور اس پھول پر بخط قدرت اپنا اور اپنے محبوب کا اسم تحریر فرما دیتا ہے۔جنگل تو سطح زمین پر ہوتا ہے لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کے اعزاز میں عالم سفلیات یعنی زمین کے نیچے بھی اپنے محبوب کے اسم شریف کی دلالت رکھی ہے۔

علامہ قاضی عیاض قدس سرہٗ شفاء شریف میں فرماتے ہیں کہ ایک قدیم اور پرانے پتھر پر ''مُحَمَّدٌ تَقِیٌّ مُصْلِحٌ اَمِیْنٌ'' لکھا پایا گیا۔

ابن ظفر نے کتاب ''السیر'' میں معمر ازہری سے ذکر کیا ہے کہ ایک پتھر پر عبرانی خط میں لکھا ہوا پایا گیا کہ ''بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ جَاءَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ كَتَبَهٗ مُوْسٰی بْنُ عِمْرَانَ''

خراسان کے ایک شہر میں مشاہدہ کیا گیا ہے کہ ایک بچہ پیدا ہوا جس کے ایک پہلو پر ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْ

اللّٰہِ'' لکھا ہوا ہے، اور بلادِ ہند میں ایک پھول کی پتی ہے، جس پر بخطِ سفید کلمۂ طیبہ لکھا ہوا ہے۔

(تینوں روایات منقول از مدارج النبوۃ، از: شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اردو، جلد ۱، ص ۴۶۱)

ابن عساکر اور ابن نجار نے اپنی تاریخوں میں ابوالحسن بن عبداللہ ہاشمی سے روایت کیا کہ میں بلادِ ہند گیا، تو میں نے ایک گاؤں میں سیاہ رنگ کے پھول کا ایک درخت دیکھا، وہ سیاہ پھول نہایت پاکیزہ خوشبو والا تھا۔ اس پھول کی سیاہ پتیوں پر سفید حروف سے ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ، اَبُوْ بَکْرِ الصِّدِّیْقُ، عُمَرُ الْفَارُوْقُ'' لکھا ہوا تھا۔ مجھے شبہ ہوا اور میں نے گمان کیا کہ شاید یہ پھول مصنوعی ہیں۔ اس کے بعد میری نظر دیگر کلی پر گئی میں نے ہاتھ سے اسے کھولا تو دیکھا کہ اس میں بھی ویسا ہی لکھا ہوا تھا۔ اس بستی میں میں نے ایسے پھول بکثرت دیکھے۔ حالاں کہ اس بستی کے باشندے بت پرست تھے اور وہ اللہ عزوجل کو جانتے بھی نہیں تھے۔ (خصائص کبریٰ، علامہ جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۲۱)

علامہ ابن مرزوق، عبداللہ بن صوحان سے نقل کرتے ہیں، انھوں نے بیان کیا ہے کہ ہم بحرِ ہند میں سفر کر رہے تھے کہ ہم پر تیز ہوائیں چلنے لگیں اور سمندر میں موجیں اٹھنے لگیں، تو ہم نے اپنی کشتی ایک جزیرے میں لنگر انداز کر دی، وہاں ہم نے گلاب کا پھول دیکھا، جس کی تیز بھینی بھینی خوشبو تھی، اس پر بہ خطِ سفید ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ'' لکھا ہوا تھا۔ اور ایک سفید پھول دیکھا جس پر بخطِ زرد یہ لکھا ہوا دیکھا کہ

''بَرَاءَۃٌ مِنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اِلٰی جَنَّاتِ النَّعِیْمِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ''

(مدارج النبوۃ، اردو، جلد ۱، ص ۴۶۲)

تاریخ ابن الغریم بن علی بن موسیٰ ہاشمی شرقی سے منقول ہے کہ ہند کے دیہات میں تیز خوشبو کا ایک بڑا پھول پایا گیا جس پر سفید حروف سے ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ، اَبُوْ بَکْرِ الصِّدِّیْقُ، عُمَرُ الْفَارُوْقُ'' لکھا ہوا تھا۔

(مدارج النبوۃ، اردو، جلد ۱، ص ۴۶۲)

ابن ظفر بن سیاف کی کتاب ''بطنِ مفہوم'' میں منقول ہے کہ انھوں نے ایک بڑے درخت کو دیکھا، جس کے پتے بڑے اور خوشبودار تھے اور ہر پتہ پر پیدائشی طور پر سرخی اور سفیدی سے خوب روشن اور واضح خط میں قدرتِ الٰہی سے تین سطریں لکھی تھیں۔ پہلی سطر میں ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ''، دوسری سطر میں ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ'' اور تیسری سطر میں ''اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ'' لکھا ہوا تھا۔ (مدارج النبوۃ، اردو، جلد ۱، ص ۴۶۳)

ابوالبقائن صافی اپنی کتاب ''منسک'' میں ابوعبداللہ بن مالک سے بیان کرتے ہیں کہ میں بلادِ ہند گیا، اور میں نے ایک شہر کی سیر کی جسے نمیلہ بنوں، یا تمیلہ بتا کہتے ہیں، وہاں میں نے ایک بہت بڑا درخت دیکھا جس کے پھل بادام کے مانند ہیں، اور اس کا چھلکا ہے یعنی پھل پر پوست ہے۔ پھر جب پھل کو توڑا گیا، اور اس میں سے گدی (مغز) نکالی گئی اور چیرا گیا تو، بیچ میں ایک سبز پتہ نکلا جس پر سرخ حروف سے یہ لکھا ہوا تھا: ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ'' اہلِ ہند اس سے برکت حاصل کرتے ہیں، اور اس کے ذریعہ خشک سالی میں بارش مانگتے ہیں۔ (مدارج النبوۃ، اردو، جلد ۱، ص ۴۶۲)

روضۃ الریاحین میں علامہ یافعی نقل کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ مجھکو یہ بات ابو یعقوب صیاد نے سنائی کہ میں نہر ابلہ میں شکار کررہا تھا تو میں نے ایک ایسی مچھلی پکڑی جس کے داہنے پہلو پر ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' اور بائیں پہلو پر ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' لکھا ہوا ہے، جب میں نے یہ دیکھا تو تعظیم واحترام کے خاطر پانی ہی میں اسے دفن کردیا۔ (ایضا)

۸۰۹ھ میں انگور کا ایک دانہ پایا گیا، جس پر بخط ظاہر برنگ سیاہ ''محمد'' لکھا ہوا تھا، قصیدہ بردہ شریف کی شرح میں ابن مرزوق سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ مچھلی لائی گئی جس کے ایک کان کی جلد پر ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' اور دوسری جلد پر ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' لکھا ہوا تھا۔ (ایضا)

منقول ہے ایک جماعت نے زرد رنگ کا خربوزہ پایا، جس پر سفید لکیریں تھیں، اور ہر لکیر پر عربی میں ایک جانب ''اللہ'' اور دوسری جانب ''احمد'' خوب واضح لکھا ہوا تھا، جس میں کوئی عقلمند تحریر شناس شک نہیں کرسکتا ہے۔

درخت اور درخت کے پھول وپھل حضور ﷺ کے زیر حکم واطاعت تھے۔ عہد رسالت کا ایک واقعہ قارئین کی خدمت میں پیش ہے!

ایک دن حضور اقدس ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لے کر ابوالہثیم بن التیہان کے گھر تشریف لے گئے، ابوالہثیم نے حضور کو مرحبا کہا اور عرض کیا کہ میری دلی خواہش تھی کہ حضور اپنے اصحاب کے ساتھ تشریف لائیں، میرے پاس جو چیز تھی، وہ سب ہمسایوں کو بانٹ دی ہے، حضور نے فرمایا، بہت اچھا کیا، مجھے جبرئیل علیہ السلام نے ہمسایہ کے اتنے حقوق بتائے ہیں کہ مجھے ڈر تھا کہ ہمسایہ وراثت کا حقدار تو نہیں ہوجائے گا، پھر آپ نے نگاہ اٹھائی تو دیکھا ابوالہثیم کے گھر میں کونے میں ایک کھجور کا درخت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر اجازت ہو تو ہم چند کھجوریں کھالیں، انھوں نے عرض کیا کہ مدت ہوئی اس درخت پر کبھی پھل نہیں آیا، اب آپ کو اختیار ہے، حضور نے فرمایا کہ اللہ خیر وبرکت دے گا، پھر حضور اقدس نے حضرت علی کو حکم دیا کہ ایک پانی کا پیالہ لائیں، جب پانی آیا تو آپ نے تھوڑا سا پانی کلی کرکے اس درخت پر ڈالا اسی وقت اس درخت پر کھجور کے خوشے لٹکنے لگے۔ اور ان میں بعض بڑی بڑی کھجوریں تھیں، ان بڑی بڑی کھجوروں کے متعلق آپ نے فرمایا یہ باغ جنت کی کھجوریں ہیں، جو تمہیں قیامت کے دن ملیں گی۔

(شواہد النبوۃ، از: علامہ نور الدین عبد الرحمٰن جامی، اردو، ص ۲۰۷)



(۲۷)

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا
''نہیں'' سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

حل لغت:

جود: بخشش، سخاوت، فراخ دلی، کرم۔ (فیروز اللغات، ص۴۸۲ ☆ لغات کشوری، ص۲۰۳ ☆ کریم اللغات، ص۵۰)

کرم: بزرگی، ہمت، جواں مردی، بخشش، دان پن، عنایت، مہربانی، عزیزی۔

(فیروز اللغات، ص۱۰۰۴ ☆ لغات کشوری، ص۵۸۷ ☆ کریم اللغات، ص۹

شہ: شاہ کا مخفف، یعنی بادشاہ، دولہا، بڑا، اعلیٰ، حمایت، ترغیب، بہکانا، اشتعال، رد، ڈھیلی۔

(فیروز اللغات، ص۸۵۰ ☆ لغات کشوری، ص

بطحا: فراخ اور کشادہ زمین، مراد مکہ معظمہ۔ (فیروز اللغات، ص۲۰۵ ☆ لغات کشوری، ص۱۰۰)

نہیں: کلمۂ نفی، انکار، حرف شرط، ورنہ، وگرنہ۔ (فیروز اللغات، ص۱۳۹۰)

واہ: کلمۂ تحسین وآفریں، ماشاءاللہ، سبحان اللہ، آفرین، شاباش، مرحبا، کیا بات ہے، بے شک، کیسے، کیوں، ہائے۔

(فیروز اللغات، ص۱۴۰۴ ☆ لغات کشوری، ص۹۹

دوسرے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''نہیں'' ہے اس کا مطلب ''انکار'' ہے۔
دوسرے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''نہیں'' ہے اس کا مطلب ''نہیں'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان بارگاہ رسالت ﷺ میں عرض کرتے ہیں کہ:
سبحان اللہ! اے شہ بطحا یعنی کہ اے مکہ معظمہ کے بادشاہ! آپ کی سخاوت اور بخشش کا کیا کہنا! آپ کے دربار سخاوت کی ممتاز شان یہ ہے کہ آپ کی بارگاہ میں سوال کرنے والے کو کبھی بھی اس کے سوال کے جواب میں ''نہیں'' سننے کا سابقہ ہی نہیں پڑتا، بلکہ مانگنے والے کا سوال ضرور پورا ہوتا ہے۔ یہ دربار دنیا کے عام بادشاہوں کے دربار کے مثل نہیں، بلکہ مالک کونین ﷺ کا دربار ہے۔ یہ دربار تو شہنشاہ یعنی کہ بادشاہوں کے بھی بادشاہ کا دربار ہے۔ دنیا کے بادشاہوں کے دربار میں ہر کسی کا سوال پورا نہیں ہوتا۔ کسی کا پورا ہوتا ہے اور کسی کا رد ہوتا ہے۔ لیکن یہ اس شہنشاہ کا دربار ہے کہ جہاں ہر ایک کا دامن

کو ہر مراد سے بھرتا ہے۔ کسی کو بھی خالی ہاتھ یا مایوس لوٹایا نہیں جاتا۔ یہاں کسی کو بھی ''نہیں'' کہہ کر بے مراد واپس نہیں کیا جاتا۔ یہاں تو صرف ہاں ہی ہاں ہے۔ مانگو، جو جی میں آئے وہ مانگو، تمہارا ہر سوال پورا کیا جائے گا۔ یہاں کسی کو بھی نہیں کہہ کر بے مراد واپس نہیں کیا جاتا۔ لہٰذا کسی کے سوال کے جواب میں نہ، نا، نہیں، کہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ چاہے دنیا کی چیز مانگو، چاہے عقبیٰ کی مانگو، سخی داتا کے دربار میں تمہاری مانگ کو شرف قبولیت سے ضرور نوازا جائے گا۔ کیوں کہ یہ محبوب رب العالمین اور خالق کل کے حبیب کا دربار ہے۔ خالق کل نے اپنے حبیب کو مالک کل بنایا ہے۔

بخاری شریف میں محبوبۂ محبوب رب العالمین ام المومنین، سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ

''وَ مَا سُئِلَ عَنْ شَیْءٍ فَقَالَ لَا''

یعنی جب بھی آپ سے سوال ہوا تو آپ نے ''نہیں'' نہیں فرمایا۔

کتب احادیث سے بکثرت واقعات شہادت دے رہے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار سے کوئی بھی سائل نامراد اور محروم نہیں لوٹا، سب کا سوال اس دربار عالی سے پورا ہوا۔ بحرین سے آئے ہوئے مال غنیمت میں تقریباً ایک لاکھ درہم تھے جو علاء بن الحضرمی نے بحرین سے خراج میں بھیجا تھا۔ وہ تمام آپ نے ایک ہی نشست میں تقسیم فرمادیا۔ تفصیل کے لیے بخاری شریف، کتاب الجہاد، ملاحظہ ہو!

اسی طرح مشکوٰۃ شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے ایک ایک شخص کو سو سو اونٹ عنایت فرمائے۔

جامع ترمذی میں بہ روایت حضرت سعید بن مسیب، آپ نے صفوان بن امیہ کو اتنا دیا کہ وہ مالا مال ہوگئے۔

صحیح بخاری، کتاب اللباس میں ہے کہ حاکم فدک نے کپڑے اور غلے سے لدے ہوئے چار اونٹ خدمت اقدس میں بھیجے۔ آپ نے فوراً تقسیم فرمادیا۔

اسی طرح حضرت جابر، حضرت ربیعہ بن کعب اور دیگر صحابۂ کرام کے سوالوں کو بھی فراخ دلی سے پورا فرمایا۔

یہاں تک کہ حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت اور جنت میں آپ کی رفاقت کا سوال کیا وہ بھی شرف قبولیت سے نوازا گیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا قوت حافظہ نہایت ہی کمزور تھا۔ میں نے بارگاہ رسالت میں اس کی شکایت کی، حضور نے مجھ سے فرمایا کہ اپنی چادر بچھاؤ۔ میں نے اپنی چادر بچھائی تو حضور نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اس میں کچھ ڈال دیا۔ اور فرمایا کہ اب چادر کو سمیٹ لو۔ میں نے چادر کو سمیٹ کر اپنے سینے سے لگالیا۔

''فَمَا نَسِیْتُ حَدِیْثًا بَعْدَہٗ''

پھر میں کوئی حدیث نہیں بھولا۔ (بخاری شریف، جلد ۱، ص ۲۲ ☆ حجۃ اللہ البالغہ، ص ۴۳۶)

ذرا غور کرو اور سوچو! قوت حافظہ عطا کرنا کیا دنیا کے کسی بھی بادشاہ کے اختیار میں ہے؟ دنیوی بادشاہ، حکمراں اور امرا

بہت بہت تو مال، دولت، زمین وغیرہ اشیاء دے کرسوال پورا کرسکتے ہیں۔ لیکن کسی کو قوت حافظہ کی دولت عطا کرنا ان بس کی بات نہیں۔ لیکن اللہ کے پیارے محبوب ﷺ کے دربار میں کسی بھی چیز کی کمی نہیں، یہاں تو مانگنے کا حوصلہ چاہیے۔ اور پاؤ۔ اس دربار عالی میں مانگنے والے کو "نہیں" سننے کا اتفاق ہی نہیں ہوا۔

اس شعر میں حضرت رضا نے جود اور کرم دو الفاظ استعمال فرمائے ہیں، دونوں الفاظ حضور اقدس ﷺ کی صفت طور پر ذکر کیے ہیں، دونوں لفظوں کے لغوی معنی میں بہت فرق نہیں، بلکہ قریب قریب ہم معنی ہیں لیکن دونوں کے اصطلا معنی میں بہت فرق ہے۔

علمائے ملت اسلامیہ کی تشریح کے مطابق "اَلْجُوْدُ مَا کَانَ بِلَا سُؤَالٍ وَ الْکَرَمُ بِسُؤَالٍ" یعنی جود وہ ہے جو بلا مانگے عطا ہو۔ اور کرم وہ ہے جو مانگنے پر ملے۔ اور یہ دونوں صفتیں حضور اقدس ﷺ میں بدرجہ اتم واکمل تھیں۔ مانگنے والے تو عطا فرماتے ہی تھے، لیکن نہ مانگنے والے کو بھی اپنے دریائے جود سے انمول خزانے عطا فرماتے تھے۔ حضرت رضا علیہ الرحمۃ نے پہلے مصرع میں جود اور کرم دونوں لفظوں کا استعمال کرکے اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کے دونوں اوصاف جلیلہ بیان فرمادیے ہیں۔



(۲۸)

تیرے بے دام کے بندے ہیں رئیسان عجم
تیرے بے دام کے بندی ہیں ہزاران عرب

حل لغت:

دام: جال، پھندا، مول، فریب، دھوکہ، نرخ، بھاؤ، نقدی، رقم، دولت، روپیہ، گھاس کھانے والے چوپائے۔
(فیروز اللغات، ص ۶۰۹ ☆ لغات کشوری، ص ۲۷۹ ☆ کریم اللغات، ص ۱۹

بے دام: بے قیمت، مفت۔ (فیروز اللغات، ص ۲۴۶)

بے دام کا غلام: مفت کا نوکر، فرماں بردار، بے حد مطیع۔ (فیروز اللغات، ص ۲۴۶)

بندہ: غلام، نوکر، ملازم، نیاز مند، خاکسار، انسان، بشر، آدمی، عابد، زاہد، تابعدار، سر جھکا دینے والا، حکم ماننے ولا، داس۔
(فیروز اللغات، ص ۲۱۸ ☆ لغات کشوری، ص ۱۰۶ ☆ کریم اللغات، ص ۲۵

رئیسان: جمع ہے رئیس کی، امیر لوگ، سردار لوگ، دولت مند لوگ۔ (فیروز اللغات، ص۷۳۲)
عجم: گونگا، عرب کے سوا ملک، چھوہارے، انگور، اور ہر چیز کی گٹھلی اور تخم یعنی بیج۔
(فیروز اللغات، ص۸۹۱ ☆ لغات کشوری، ص۴۸۳ ☆ کریم اللغات، ص۱۰۸)

ہزاران: جمع ہزار کی، ہزاروں۔ (فیروز اللغات، ص۱۴۴۰)
بندی: قیدی، اسیر، گرفتار۔ (فیروز اللغات، ص۲۱۹ ☆ لغات کشوری، ص۱۰۶)
پہلے مصرع میں جو لفظ ''بے دام'' ہے اس کا مطلب ''بے قیمت'' ہے۔
دوسرے مصرع میں جو لفظ ''بے دام'' ہے اس کا مطلب ''بے جال'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی قاہر سلطنت و عالمگیر حکومت کا تذکرہ کرتے ہوئے بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں: کہ یا رسول اللہ! آپ کی سلطنت کا رعب اور آپ کی حکومت کا دبدبہ عالمگیر پیمانے پر اس طرح مسلط ہے کہ عجم یعنی ملک عرب کے سوا تمام ملک کے رؤوسا اور بادشاہ آپ کے دربار کے بے دام یعنی بے قیمت کے بندے یعنی غلام ہیں۔ اور ملک عرب کے ہزاروں سورما، رؤوسا اور بادشاہ اور بہادر آپ کے در کے بے دام یعنی بے جال کے بندے یعنی قیدی ہیں۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے لفظ ''بے دام'' کا دو مرتبہ استعمال فرمایا ہے۔ دونوں لفظ بے دام حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں۔ لیکن باعتبار معنی و مطلب الگ ہیں لہٰذا یہ شعر فن شاعری کے قوانین سے صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔ مصرع اول میں جو لفظ ''بے دام'' ہے اس کا مطلب بے قیمت، یعنی مفت ہے، اور مصرع ثانی میں جو لفظ بے دام ہے اس کا مطلب بے جال ہے۔ یعنی غیر مقید اور آزاد۔ اسی طرح مصرع اول میں لفظ ''بندے'' سے مراد غلام ہے۔ اور یہ لفظ بندے لفظ بندہ کی جمع کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن مصرع ثانی میں جو لفظ بندی ہے، وہ لفظ بندی یعنی ''قیدی'' سے مشتق ہے۔ اس کے معنی ہوتے ہیں بہت سے قیدی یا اسیر۔ اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے زمانہ اقدس کے بہت سارے واقعات کو حسن اسلوبی کے ساتھ بیان کر کے کوزے میں سمندر کو سمو دیا ہے۔ پہلے مصرع میں آپ فرماتے ہیں کہ ''تیرے بے دام کے بندے ہیں رئیسان عجم''، یعنی عجم کے بڑے بڑے رُؤساء، امراء اور سلاطین آپ کے بندے یعنی غلام ہیں۔ بندے کے معنی غلام، نوکر، ملازم، خدمتگار، خاکسار، مطیع، فرمانبردار، وغیرہ ہوتے ہیں۔

لفظ بندہ کی تفصیلی بحث شعر نمبر 90 ''میں تو کہا ہی چاہوں کہ بندہ ہوں شاہ کا'' کی تشریح میں ملاحظہ فرمائیں۔
حضرت رضا نے رئیسان عجم کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بے دام غلام کہا ہے۔ بے دام کا غلام یعنی مفت کا نوکر۔ حالاں کہ

عموماً نوکر یا ملازم مفت میں نہیں ملتے بلکہ اجرت یا تنخواہ پر ہی ملتے ہیں۔ نوکر یا ملازم کو اس کے کام کے اعتبار سے مناسب اجرت یا تنخواہ دی جاتی ہے، اور یہ اجرت یا تنخواہ عوض ہوتی ہے خدمت گزاری اور وفاداری کی۔ حالاں کہ ملازمت یا نوکری بھی ایک قسم کی غلامی ہی ہے۔ فطری طور پر ہر انسان غلامی کے بجائے آزادی پسند کرتا ہے۔ لیکن حالات کے پیش نظر آدمی مجبوراً کسی کی نوکری یا ملازمت کرتا ہے۔ نوکری میں نوکر کو ہر معاملے میں اپنے آقا یعنی اپنے سیٹھ کا تابع ہو کر رہنا پڑتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی امر نوکر کی نظر میں اچھا نہیں ہوتا لیکن سیٹھ صاحب کے حکم کی وجہ سے مجبوراً کرنا پڑتا ہے۔ اور وہ مجبوری اس کی مالی ضرورت ہے۔ جو تنخواہ کے طور پر پاتا ہے۔ اگر نوکر سیٹھ کے حکم کی خلاف ورزی کرے تو اسے نمک حرام اور غدار کہہ کر نوکری سے رخصت کر دیا جاتا ہے۔ یہ اصول ہر نوکر جانتا ہے لہٰذا وہ بادل ناخواستہ بھی سیٹھ کے حکم کی تعمیل کرتا ہے۔ آقا کے حکم کے سامنے نوکر کو چوں و چرا کرنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ یہ تو ہوئی دنیوی آقاؤں اور دنیوی غلاموں کی بات۔ لیکن دنیا کے تمام آقاؤں، بلکہ پوری کائنات کے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعجاز و کمال کی شان نرالی ہے۔ ان کے غلام رئیسان عجم ہیں، جو کسی مالی ضروریات کے پیش نظر غلامی اختیار نہیں کرتے، بلکہ اپنا تمام مال و مملکت بلکہ اپنی سلطنت و بادشاہت کو بھی آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر قربان کر دینے میں اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔ یہاں اتنی گنجائش نہیں کہ ان تمام رئیسان عجم کا تذکرہ بالتفصیل کیا جائے، لیکن چند اہم رئیسان عجم کا اختصار کے ساتھ اجمالی جائزہ لیتے ہیں:

(۱) شاہ حبشہ نجاشی جس کا نام اصحمہ بن الحر تھا، وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا عاشق و دیوانہ ہو گیا تھا۔ اور وہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت ہوا۔ اور اسلام لایا، کلمۂ شہادت اپنی زبان پر جاری کرتے ہوئے یہاں تک کہا کہ اگر مجھ میں طاقت ہوتی تو خود چل کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر شرف حضوری سے بہرہ مند ہوتا۔ اس نے بارگاہ رسالت میں اپنے بیٹے ارحی بن اصحمہ کو اس مفہوم کا خط دے کر بھیجا کہ ''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ خدا کے راست گو رسول ہیں اور گزشتہ نبیوں نے اور پچھلی کتابوں نے آپ کی تصدیق کی ہے۔ میں آپ کے چچا کے صاحبزادے کے واسطے سے آپ کی بیعت کرتا ہوں۔ اور آپ کے دست اقدس پر اسلام قبول کرتا ہوں۔ والحمد للہ رب العالمین۔ میں آپ کی خدمت اقدس میں اپنے بیٹے ارحی بن اصحمہ کو حاضر کرتا ہوں۔ اے خدا کے رسول! اگر آپ حکم فرمائیں تو میں بھی آپ کی خدمت مبارک میں حاضر ہو جاؤں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ جو کچھ آپ نے فرمایا وہ حق و صدق ہے۔ و السلام علیکم یا رسول اللہ''

۹ھ میں شاہ حبشہ نجاشی کی رحلت ہوئی۔ (مدارج النبوہ، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص ۴۷۶)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس دن نجاشی بادشاہ نے وفات پائی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام سے فرمایا کہ آج تمہارے بھائی مرد صالح اصحمہ نے وفات پائی۔ اٹھو اور نماز جنازہ پڑھو، اور اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو۔ اس کے بعد ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہو گئے اور نماز جنازہ ادا کی گئی۔

(مدارج النبوۃ، اردو، جلد ۲، ص ۶۳۷)

نوٹ: احناف کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ جائز نہیں، نجاشی بادشاہ کی نعش اگر چہ ملک حبشہ میں تھی لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وہ غائب نہیں تھی، بلکہ آپ اپنے عاشق کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہے تھے۔

بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نجاشی کی نعش کو حضور کے سامنے لے آئے تھے۔ علامہ واقدی رضی اللہ عنہ اپنی تفسیر میں حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نجاشی کے جنازہ کو پیش نظر کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ آپ نے ملاحظہ فرما کر نماز پڑھی اور مقتدیوں یعنی جماعت والوں کے لئے جنازہ دیکھنا شرط نہیں۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نجاشی کی قبر سے ہمیشہ نور کی شعاعیں نکلتی دیکھی گئیں۔

(شواہد النبوۃ، از: علامہ نورالدین جامی، اردو، ص ۱۹۱)

(۲) ہرقل، شاہ روم کے اسلام لانے میں اختلاف ہے، بعض نے کہا ہے کہ وہ اپنے قوم کے ڈر کی وجہ سے اپنا اسلام لانا ظاہر نہ کرتا تھا، بلکہ خفیہ طور پر ایمان لایا تھا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

تاہم شاہ روم ہرقل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا گرویدہ تھا۔ اور اس نے حضور کی تعظیم و توقیر بجالانے میں کمال عقیدت کا اظہار کیا تھا۔

(۳) کسریٰ شاہ فارس، جس کا نام پرویز بن ہرمز بن نوشیرواں تھا۔ جب اس کے پاس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی (مبارک خط) پہنچا تو اس نے گستاخانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے مکتوب گرامی کو پارہ پارہ کر دیا۔ بعدہ اس نے اپنے یمن کے حاکم باذان کو حکم نامہ لکھا کہ ایسا سنا گیا ہے کہ ایک شخص ملک عرب حجاز میں نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔ لہٰذا لازم ہے کہ دو بھروسہ مند شخص کو اپنی طرف سے بھیجو۔ تاکہ انہیں گرفتار کر کے باندھ کر میرے سامنے لے آئیں۔ پرویز کی طرف سے یہ حکم سنتے ہی حاکم یمن باذان نے باتویہ اور خرخرہ نام کے دو شخصوں کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس مضمون کا خط لکھ کر بھیجا، کہ ان شخصوں کے ساتھ کسریٰ کے پاس پہنچو۔ اس نے تم کو بلایا ہے۔ باتویہ اور خرخرہ حضور کی خدمت میں مدینہ آئے۔ حضور کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں قاصدوں سے فرمایا کہ باذان کو خبر کر دو کہ میرے پروردگار نے تیرے پروردگار کسریٰ کو قتل کر دیا ہے۔ ''سات گھنٹہ پہلے رات کا وقت تھا کہ پرویز کو اس کے بیٹے ''شیرویہ'' نے اس کا پیٹ چاک کر کے ہلاک کر دیا۔ یہ ۱۰ر جمادی الآخرہ ۷ھ کی رات تھی۔ یہ دونوں قاصد مدینہ شریف سے روانہ ہو کر یمن پہنچے۔ اور حاکم یمن باذان کو اس بات کی خبر دی۔ اسی دوران پرویز کے بیٹے شیرویہ کا خط باذان کو پہنچا۔ جس کا مضمون یہ تھا کہ کسریٰ فارس بڑے بڑے لوگوں اور اعیان سلطنت کو بغیر جرم و خیانت کے مار ڈالتا تھا۔ اور مملکت کی جماعت عظیمہ کے درمیان تفرقہ اندازی کرتا رہتا تھا۔ اس بنا پر میں نے اسے قتل کر دیا ہے۔ جب حاکم باذان نے یہ خط پڑھا تو کہا کہ بیشک حضور نبی مرسل اور رسول صادق ہیں۔ وہ اسلام میں داخل ہوا۔ اور اہل یمن کے بہت لوگ مسلمان ہو گئے۔

(شواہد النبوۃ، اردو، ص ۱۶۹ ☆ الخصائص الکبریٰ، از: امام جلال الدین سیوطی، اردو، جلد ۲، ص ۲۷ ☆ مدارج النبوۃ، اردو، جلد ۲، ص ۳۸۶)

شیرویہ نے حاکم یمن باذان کو خط لکھا اس میں اس نے صاف تاکید کردی تھی کہ "اس صاحب دولت سے" کہ جنھوں نے زمین عرب وعجم میں دعوئے نبوت فرمایا ہے" قطعاً تعرض نہ کرنا"۔ (مدارج النبوۃ، اردو، جلد۲، ص ۳۸۶)

(۴) مقوقس شاہ مصر اور اسکندریہ، حالاں کہ ایمان نہ لایا، لیکن اس نے حضور اقدس ﷺ کے قاصد حضرت حاطب بن بلتعہ رضی اللہ عنہ کا بہت ہی ادب واحترام کیا، اور حضور اقدس ﷺ کی خدمت اقدس میں بہت سے تحائف بھیجے۔ حضور کے لئے ہزار مثقال سونا، نبہان کا شہد ایک دل دل حضور کی سواری کے لئے، ایک دراز گوش اور چار کنیزیں بھیجی تھیں۔ ان چار کنیزوں میں ام المومنین حضرت سیدہ ماریہ قبطیہ تھیں۔ جو ایمان لائیں اور انہیں حضور کی زوجیت کا شرف حاصل ہوا۔ جن کے بطن اطہر سے حضور ﷺ کے صاجزادے حضرت ابراہیم تولد ہوئے تھے۔ دوسری کنیز بہن ان کی شیرین تھیں، وہ بھی ایمان لائیں، اور حضور نے ان کو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں دے دیا۔ اور ان سے عبدالرحمٰن بن حسان پیدا ہوئے۔ دل دل کو حضور نے اپنے تصرف میں رکھا۔ یہ دل دل ایک سفید اونٹ تھا۔ حضور کے بعد حضرت علی اور حضرت علی کے بعد حضرت سیدنا امام حسن کی سواری کے کام میں آتا تھا۔ دراز گوش کہ جس کا نام عفیر یا یعفور تھا اس پر حضور ﷺ کبھی کبھی سواری فرماتے تھے۔ اس دراز گوش کو حضور سے اتنی محبت تھی کہ حضور کے پردہ فرمانے کے بعد اس نے حضور کے غم وفراق میں ایک کنویں میں ڈوب کر اپنی جان دے دی۔

(مدارج النبوۃ، جلد۲، ص ۳۸۸ ☆ شواہد النبوۃ، اردو، ص ۱۶۷ ☆ خصائص کبریٰ، اردو، جلد۲، ص ۳۰

(۵) والی عمان، فروت بن عمرو الحدامی، ایمان لایا۔ اور بہت سے تحائف خدمت اقدس میں ارسال کئے۔ ان کے اسلام لانے کی اطلاع قیصر کو ملی تو اس نے فروت بن عمرو کو عہدے سے معزول کردیا اور قید میں ڈال دیا۔ لیکن حضرت فروت اسلام پر اس سختی سے کاربند رہے کہ زنداں (جیل) ہی میں ان کا انتقال ہوا۔ (شواہد النبوۃ، اردو ترجمہ، ص ۱۶۷)

مذکورہ رئیسان عجم کے علاوہ بہت سے ممالک کے سلاطین، حاکم اور بادشاہوں کے حالات کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بقول حضرت رضا بریلوی "تیرے بے دام کے بندے ہیں رئیسان عجم"۔ حضور اقدس ﷺ کے رعب دبدبہ کا یہ عالم تھا کہ دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ اپنے آپ کو ان کا غلام کہتے تھے۔

شعر کے مصرع ثانی میں حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ "تیرے بے دام کے بندے ہیں ہزاران عرب" اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جو ایک مرتبہ بھی حضور ﷺ کے جمال جہاں آرا کا دیدار کرلیتا تھا وہ حضور کا ایسا عاشق ہوجاتا تھا کہ اس کے نزدیک کائنات کی کوئی بھی چیز حضور سے بڑھ کر محبوب نہ تھی۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ زمانۂ جاہلیت میں اپنی والدہ کے ساتھ ننہال جارہے تھے۔ راستہ میں بنوقیس نے اس قافلے کو لوٹا۔ اور حضرت زید کو غلام بنا کر مکہ کے بازار میں فروخت کردیا۔ حکیم بن حزام نے حضرت زید کو اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لئے خریدا۔ جب حضور اقدس ﷺ کا نکاح ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوا تو حضرت خدیجہ نے حضرت زید کو حضور کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا۔ اور حضرت زید تب سے حضور کی خدمت اقدس میں رہنے لگے۔ ادھر

حضرت زید کے والد کو حضرت زید کے فراق کا بہت صدمہ تھا۔ وہ اپنے بیٹے کے فراق میں روتے تھے۔ اور اشعار کہا کرتے تھے۔ ان کو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ حضرت زید زندہ ہیں، یا انتقال کر گئے ہیں۔ اور اگر زندہ ہیں تو کہاں ہیں؟ یہ بھی معلوم نہیں تھا۔ لیکن پھر بھی وہ حضرت زید کو مسلسل تلاش کر رہے تھے۔ اور اپنے رشتہ داروں کو بھی حضرت زید کی جستجو میں لگا رکھا تھا۔ اتفاق سے ان کی قوم کے چند لوگ حج کو گئے۔ اور مکہ معظمہ میں ان کو حضرت زید مل گئے۔ انھوں نے حضرت زید کو پہچان لیا۔ اور حضرت زید کو ان کے والد کا حال سنایا۔ ان کے شعر سنائے اور یاد و فراق کی داستان سنائی۔ حضرت زید نے اس قافلہ والوں کے ساتھ اپنے والد کو تین اشعار بھیجے۔ جن کا مطلب یہ تھا کہ میں مکہ معظمہ میں خیریت سے ہوں۔ حضرت زید کے والد کو جب یہ پتہ چلا کہ حضرت زید مکہ معظمہ میں ہیں تو حضرت زید کے والد اور چچا فدیہ کی رقم لے کر ان کو غلامی سے چھڑانے کی خاطر مکہ معظمہ پہنچے۔ وہاں جا کر حضرت زید کا پتہ معلوم کیا، اور حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے ہاشم کی اولاد! اور اپنی قوم کے سردار! تم لوگ حرم کے رہنے والے ہو۔ اللہ کے گھر کعبہ کے پڑوسی ہو، تم خود قیدیوں کو رہا کراتے ہو، بھوکوں کو کھانا کھلاتے ہو، ہم اپنے بیٹے کی طلب میں تمہارے پاس آئے ہیں۔ ہم پر احسان و کرم فرمائیں۔ فدیہ کی رقم قبول کر و اور اس کو رہا کر دو۔ بلکہ جو فدیہ ہو اس سے بھی زیادہ لے لو۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ ''بس اتنی سی بات ہے؟'' عرض کیا حضور بس یہی عرض ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر وہ تمہارے ساتھ آنا چاہے تو بغیر فدیہ ہی کے وہ تمہاری نذر ہے۔ حضرت زید بلائے گئے۔ حضور نے فرمایا کہ اے زید کیا تم ان کو پہچانتے ہو؟ حضرت زید نے کہا جی ہاں۔ پہچانتا ہوں۔ یہ میرے والد اور یہ میرے چچا ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ تمہیں اختیار ہے اگر میرے پاس رہنا چاہتے ہو تو میرے پاس رہو۔ اور اگر ان کے ساتھ جانا چاہتے ہو تو اجازت ہے۔ حضرت زید نے عرض کیا کہ حضور میں آپ کے مقابلے میں بھلا کسی کو پسند کر سکتا ہوں؟ آپ ہی میرے لئے سب کچھ ہیں۔ حضرت زید کے والد نے کہا کہ اے بیٹے! غلامی کو آزادی پر ترجیح دیتے ہو؟ حضرت زید نے کہا کہ ہاں۔ میں نے حضور ﷺ میں ایسی بات دیکھی ہے کہ جس کے مقابلے میں کسی چیز کو پسند نہیں کرتا۔ حضور نے جب یہ جواب سنا تو حضرت زید کو گود میں لے لیا۔ اور فرمایا کہ میں نے اس کو اپنا بیٹا بنا لیا۔ حضرت زید کے والد اور چچا بھی یہ منظر دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اور خوشی سے ان کو حضور کی خدمت میں چھوڑ کر چلے گئے۔ (تاریخ خمیس)

حضرت زید اس وقت بچے تھے۔ اور بچپن کی حالت میں سارے گھر بار، عزیز و اقارب کو حضور کی غلامی پر قربان کر دینا پسند فرمایا۔

صرف حضرت زید ہی نہیں بلکہ عرب کے بڑے بڑے بہادر، دانا، شجاع، جو ایک زمانے میں حضور اقدس ﷺ کے خون کے پیاسے تھے۔ جب ان پر نگاہ مصطفےٰ پڑی تو بقول حضرت رضا بریلوی ''تیرے بے دام کے بندے'' یعنی بلا زنجیر و جال کے قیدی بن گئے۔ یعنی عشق رسول میں دیوانہ ہو کر ''اسیر مصطفیٰ'' بن کر اسلام کی مخلصانہ خدمات کرنے کے لئے اپنی جانیں پیش کیں۔ مثلاً: حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب، حضرت عباس بن عبد المطلب، حضرت حمزہ بن عبد المطلب وغیرہ رضی اللہ عنہم، ملک عرب کے بڑے بڑے قبائل شمع رسالت کے پروانے بن گئے۔ اور اپنی جاں نثاری کا ثبوت پیش کیا۔ مثلاً:

قبیلۂ بنی ثقیف، قبیلہ عبدالقیس، قبیلہ دوس، قبیلۂ بنی سلیم، قبیلۂ طے، قبیلۂ حضرموت، قبیلۂ بنوالشعر، قبیلہ مزینہ، قبیلۂ شیبان قبیلۂ عذرہ، قبیلہ اہل جرش، قبیلۂ بنی فزارہ، قبیلۂ مرہ بن قیس، قبیلۂ بنی دار، قبیلۂ تجیب، قبیلۂ سلامان، قبیلہ محارب، ودیگر عرب کے اہم قبائل وارفتگی سے آپ کی غلامی کا پٹا اپنی گردن میں ڈال کر اپنا سب کچھ آپ کے قدموں پر قربان کرنے کے لئے ہمہ وقت مستعد رہتے تھے۔

تعجب کی بات تو یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی دشمنی ہی جن کا مقصد حیات تھا۔ اور جنہوں نے حضور کی ایذا رسانی میں کوئی کسر باقی نہ رکھی تھی۔ ایسے سخت اور کٹر دشمنوں کی اولاد حضور کی محبت میں دیوانہ تھی۔ مثلاً: عاص بن وائل کے فرزند حضرت عمرو بن عاص، ولید بن مغیرہ کے فرزند حضرت خالد بن الولید، عتبہ بن ربیعہ کے فرزند حضرت ابو حذیفہ، ابولہب کے فرزند عتیبہ، ابی ابن سلول منافق کے فرزند جن کا نام بھی عبداللہ تھا۔ ابوجہل کے فرزند حضرت عکرمہ وغیرہ ان تمام حضرات کی جاں نثاری اور خدمت اسلام کتب تاریخ وسیر میں سونے کے حروف سے منقش ہے اور ان حضرات کی سوانح حیات کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا ہے:

تیرے بے دام کے بندی ہیں ہزاران عرب



(۲۹)

جو گدا دیکھو لیے جاتا ہے توڑا نور کا
نور کی سرکار ہے کیا اس میں توڑا نور کا

حل لغت:

گدا: فقیر، بھکاری، منگتا، مانگنے والا۔ (فیروز اللغات، ص۱۰۸۴ ☆ لغات کشوری، ص۶۱۰ ☆ کریم اللغات، ص۱۳۳)

توڑا: کمی، قلت، نقصان، خسارا، ٹوٹا، اشرفیوں کی تھیلی یا روپیوں کی تھیلی، سونے یا چاندی کی زنجیر جو گلے میں پہنتے ہیں، سونے اور چاندی کی زنجیر جو پگڑی میں لپیٹتے ہیں، ہل کی لمبی لکڑی جس کے دونوں طرف بیل جوتتے ہیں، ریت کا جزیرہ جو سمندر میں بن جائے، بندوق داغنے کا فتیلہ، رسی کا ٹکڑا، ناچ میں گیت کا سلسلہ توڑ کر کوئی اور حرکت کرنا۔ (فیروز اللغات، ص۳۹۰)

سرکار: حکومت، گورنمنٹ، آقا، مالک، سردار، شاہی دربار، عدالت، بارگاہ، بے تکلف معشوق ویار۔ (فیروز اللغات، ص۷۹۶)

پہلے مصرع میں جو لفظ ''توڑا'' ہے اس کا مطلب ''روپیوں کی تھیلی'' ہے۔
دوسرے مصرع میں جو لفظ ''توڑا'' ہے اس کا مطلب ''کمی اور قلت'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی رضی اللہ عنہ اپنے آقا و مولیٰ جان عالم، قاسم نعمت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بیکس پناہ میں تقسیم ہونے والی نعمتوں اور رحمتوں کا تذکرہ اور ان کی مدح و ثنا کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ مرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا جو دربار ہے اس دربار کی شان یہ ہے کہ وہاں کا ہر گدا اور سوالی اپنا سوال پورا ہوتا پاتا ہے۔ ہر گدا نور کی بارگاہ سے نور کا توڑا (اشرفیوں یا روپیوں کی تھیلی) لئے ہوئے ہی جاتا ہے۔ یہاں کسی کو بھی محروم و نامراد واپس نہیں پھرایا جاتا۔ کیوں کہ یہ نور کی بارگاہ ہے کہ اس سرکار کے خزانے میں کبھی کمی و قلت نہیں آتی۔ پوری کائنات کے سوالی اپنے خالی دامن اور خالی جھولیاں پھیلائے اس بارگاہ میں آتے ہیں اور ہر ایک کا دامن گوہر مراد سے بھر دیا جاتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی اس بارگاہ کے خزانے میں کوئی توڑا (کمی، قلت، یا نقصان) نہیں آتا۔ لاکھوں کروڑوں، اربوں بلکہ بے شمار سوالی کیوں نہ ہوں۔ یہاں خزانہ ختم ہو جائے یا کم ہونے کے خوف سے کسی کو محروم نہیں رکھا جاتا۔ یہ نور کی سرکار کا نورانی خزانہ ہے۔ یہ وہی سرکار ہے جہاں سے اللہ کی رحمتیں اور نعمتیں بٹتی ہیں۔ اس شعر میں لفظ ''توڑا'' کا استعمال دو مرتبہ کیا گیا ہے۔ مصرع اول میں جو لفظ ''توڑا'' ہے اس سے مراد روپیوں کی تھیلی، یا حصہ ہے۔ اور مصرع ثانی میں جو لفظ ''توڑا'' ہے اس کے معنی نقصان، قلت، کمی، خسارا، ٹوٹا وغیرہ ہیں۔ دونوں لفظ حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے ''جو گدا'' استعمال کر کے شعر کی معنویت میں اضافہ کر دیا ہے۔ لفظ ''جو'' کا گدا کے ساتھ اضافہ کر کے آپ نے اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دریائے جود و کرم کی فراوانی اور وسعت کا ذکر کیا ہے۔

لغت میں لفظ ''جو'' کے متعدد معنی ہیں: جو، جو شخص، جو بات، جو قدر، جیسا، جو کوئی، جو کچھ، جس وقت، جب کہ وغیرہ۔

(فیروز اللغات، ص ۴۷۶)

اب ان متفرق معنوں میں لفظ ''جو'' کے ساتھ ''گدا'' کی اضافت کر کے شعر کے معنی کریں گے تو متعدد ہوں گے۔ مثلاً:

جو شخص بھی اس دربار کا سوالی بن کر آئے۔

جو چیز اور جو بات کا اس دربار میں سوال کیا جائے۔

جو قدر یعنی جتنی بھی تعداد میں گدا آ کر سوال کریں۔

جیسا بھی سوالی ہو۔

جو بھی سوال ہو۔

جس وقت بھی سوالی آئے اور

جب بھی سوالی آئے تو اس وقت یہ نہیں دیکھا جاتا کہ کون شخص ہے، کیا چیز مانگ رہا ہے، کیسا اور کون سا سوالی ہے، ک
وقت سوال کرر ہا ہے؟ بلکہ صرف یہ دیکھا جاتا ہے کہ آنے والا سوالی ہے اور اس کا سوال پورا کر دو۔ یہ سخی بادشاہ کا دربار
یہاں صرف سخاوت ہی سے کام لیا جاتا ہے۔ بخل اور ہاتھ تنگ کرنا یہاں کے دستور میں شامل نہیں، کیوں کہ ان کے خال
خالق کائنات نے ان کو اپنے خزانوں کا مالک اور قاسم بنا دیا ہے۔ حقیقۃً اللہ تبارک وتعالیٰ ہی دیتا ہے لیکن تقسیم اللہ کے محبو
صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''وَ اللّٰہُ یُعْطِیْ وَ اَنَا قَاسِمٌ''

یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ عطا فرماتا ہے اور میں تقسیم کرتا ہوں۔

رب ہے معطی یہ ہیں قاسم — رزق اس کا ہے کھلاتے یہ ہیں
اس کی بخشش ان کا صدقہ — دیتا وہ ہے دلاتے یہ ہیں

(از: حضرت رضا بریلو

بخاری اور مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت فرمایا کہ حضور اقدس، مالک خزائن ارض وسماء صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرما
ہیں کہ

''بَیْنَنَا اَنَا نَائِمٌ اِذْ جِیْءَ بِمَفَاتِیْحِ خَزَائِنِ الْاَرْضِ فَوُضِعَتْ فِی یَدَیَّ''

یعنی میں سو رہا تھا کہ تمام خزائن زمین کی کنجیاں لائی گئیں اور میرے دونوں ہاتھوں میں رکھ دی گئیں۔

(الامن والعلیٰ لناعتی المصطفیٰ بدافع البلا، از: امام احمد رضا بریلوی، ص

بخاری اور مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک دن میں
استراحت تھا کہ اچانک زمین کے خزانوں کی کنجیاں لائی گئیں اور میرے آگے رکھی گئیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو دنیا سے تشریف لے گئے مگر تم لوگ زمین کے خزانوں کو نکالتے ہو۔

(خصائص کبریٰ، از: امام اجل، علامہ جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص

امام اجل سیدی ابن حجر مکی قدس سرہٗ اپنی کتاب ''جوہر منظم'' میں فرماتے ہیں کہ

''وَ اَنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ خَلِیْفَۃُ اللّٰہِ الَّذِیْ جُعِلَ خَزَائِنُ کَرَمِہٖ وَ مَوَائِدَ نِعَمِہٖ طُوعَ یَدَیْہِ وَ تَحْتَ اِرَادَتِہٖ یُعْطِیْ مِنْھَا مَنْ یَّشَاءُ وَ یَمْنَعُ مَنْ یَّشَاءُ''

ترجمہ: بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ کے وہ خلیفہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم کے خزانے اور اپنی نعمتوں
کے خوان حضور کے دست وقدرت کے فرماں بردار اور حضور کے زیر حکم وارادہ واختیار کر دیئے ہیں کہ جسے

چاہیں عطا فرمائیں۔ اور جسے چاہیں نہ دیں۔ (برکات الامداد لاہل الاستمداد، از: اعلیٰ حضرت، ص ۸)

علامہ علی قاری علیہ رحمۃ الباری "مرقاۃ" میں فرماتے ہیں کہ:

"اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی مَکَّنَہٗ مِنْ اِعْطَاءِ کُلِّ مَا اَرَادَ مِنْ خَزَائِنِ الْحَقِّ"

ترجمہ: اللہ تبارک وتعالیٰ نے بے شک حضور کو قدرت بخشی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں سے جو کچھ چاہیں عطا فرمائیں۔ (برکات الامداد، ص ۸)

حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم اور عطا سے تمام خزائن دنیا اور آخرت کا مختار بنایا ہے۔ اس تعلق سے متعدد احادیث سے دفاتر بھرے پڑے ہیں۔ جن تمام احادیث کا ذکر یہاں پر ممکن نہیں۔ لہٰذا چند احادیث پر اکتفاء کیا گیا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ تمام خزانوں کے مالک ہیں۔ اب چند روایات وہ پیش کر رہا ہوں کہ اس سرکار عالی میں سوال کرنے والا اپنی مراد کسی طرح حاصل کرتا ہے۔ بڑے سے بڑا سوال ہو، یا چھوٹے سے چھوٹا سوال ہو، ہر سوال کو شرف قبولیت وعطا سے نوازا جاتا ہے۔

فقیہ ابو محمد اشبیلی بیان کرتے ہیں کہ اہل غرناطہ میں سے ایک شخص کو ایسا مرض لاحق ہو گیا کہ اطباء اس کے علاج سے عاجز اور شفاء سے مایوس ہو گئے، وزیر ابو عبد اللہ محمد بن ابی الخصال نے ایک نامہ حضور اقدس ﷺ کے نام لکھا۔ اور اس خط میں مریض کی شفا کے لئے اشعار میں حضور ﷺ سے توسل کیا۔ اور مدینہ منورہ جانے والے ایک شخص کے ہاتھ بھیج دیا۔ جب وہ اشعار حضور اقدس ﷺ کے روضہ پاک پر پڑھے گئے تو بیمار اپنے وطن میں اسی وقت تندرست ہو گیا۔ کہ گویا وہ کبھی بیمار ہی نہ ہوا تھا۔ (وفاء الوفاء، جلد ۲، ص ۴۳۰)

ابو محمد عبد اللہ بن محمد ازدی کمال جو ملک اندلس کے رہنے والے تھے۔ وہ ایک نیک شخص تھے۔ بیان کرتے ہیں کہ اندلس میں ایک شخص کا بیٹا قید ہو گیا۔ وہ اپنے بیٹے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے فریاد کرنے کے لئے اپنے شہر سے نکلا۔ راستے میں اس کا کوئی واقف اسے ملا۔ اور پوچھا کہ کہاں جاتے ہو؟ اس شخص نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے فریاد کرنے جاتا ہوں، کیوں کہ رومیوں نے میرے بیٹے کو گرفتار کر لیا ہے۔ اور تین سو دینار زر فدیہ قرار دیا ہے۔ رقم ادا کرنے کی مجھ میں استطاعت نہیں۔ اس واقف نے اس شخص سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے استغاثہ ہر جگہ مفید نہیں، مگر وہ نہ مانا۔ جب وہ مدینہ منورہ میں پہنچا تو روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر اپنا حال عرض کرنے لگا۔ اور حضور ﷺ سے توسل کیا۔ بعدہٗ اس نے مدینہ منورہ میں ہی خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اس سے فرما رہے ہیں کہ تم اپنے وطن کو لوٹ جاؤ جب وہ اپنے شہر واپس آیا، تو اپنے بیٹے کو موجود پایا۔ اس نے اپنے بیٹے سے اس کی رہائی کا حال دریافت کیا تو بیٹے نے کہا کہ فلاں رات میں مجھ کو اور بہت سے قیدیوں کو خدائے تعالیٰ نے رہائی دی۔ وہ رات وہی تھی جس میں اس کا باپ رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اقدس پر حاضر ہوا تھا۔ (شواہد الحق، بحوالہ سیرت رسول عربی، از: علامہ محمد نور بخش توکلی، ص ۲۰۷)

اب ناظرین کی خدمت میں ایک ایسا واقعہ جو ایک مستند کتاب "وفاء الوفاء" کے مصنف، عالم جلیل، علامہ دہر، علامہ

سمہودی رحمۃ اللہ علیہ کا ذاتی تجربہ ہے اور یہ واقعہ انھوں نے اپنی کتاب ''وفاء الوفاء'' میں نقل فرمایا ہے۔ ایک معمولی اور چھوٹی
ضرورت کا سوال بھی دربار رسالت سے کس طرح پورا ہوتا ہے؟ ملاحظہ فرمائیں!

علامہ سمہودی علیہ الرحمہ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد نبوی میں تھا۔ مصر کے حاجیوں کا قافلہ تجارت کو آ
میرے ہاتھ میں خلوت کی کنجی تھی۔ جس میں میری کتابیں تھیں۔ ایک مصری عالم نے مجھ سے کہا کہ میرے ساتھ رو
شریف چلو، میں ان کے ساتھ گیا اور جب میں واپس آیا تو میرے کمرے کی کنجی گم ہوگئی، میں نے ہر چند مختلف جگہ تلاش
مگر نہ ملی۔ مجھ کو سخت پریشانی لاحق ہوئی، کیوں کہ مجھے کمرے کی کنجی کی سخت ضرورت تھی۔ واپس میں روضہ اقدس پر حا
ہوا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا کہ ''یا سیدی! یا رسول اللہ! میرے خلوت (کمرہ) کی کنجی گم ہوگئی ہے، مجھے ا
کی ضرورت ہے، میں دروازے سے مانگتا ہوں'' یہ عرض کرکے میں واپس آیا تو دیکھتا ہوں کہ ایک لڑکا جس کو میں پہچانت
تھا۔ وہ میرے کمرے کے قریب کھڑا ہے اور اس کے ہاتھ میں وہ کنجی ہے۔ میں نے اس لڑکے سے پوچھا کہ تمہیں یہ کہ
سے ملی؟ اس نے جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مواجہہ شریف کے پاس تھی، میں نے وہاں سے اٹھالی۔

ناظرین! غور کریں کہ کائنات کی اعلیٰ وارفع سرکار میں مانگنے والے نے صرف کنجی کا سوال کیا، تو اس سوال کو
خلاف شان نہ سمجھا گیا بلکہ سائل کی ضرورت کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہ سوال بھی پورا کر دیا گیا۔ ایسا عظیم المرتبت شہنشاہ کہ ج
کی شہنشاہی کے سامنے دنیا کے بادشاہ ایک فقیر کی بھی حیثیت نہیں رکھتے، اس شہنشاہ نے اپنی ظاہری حیات میں دنیا کو تو
وانکساری کا پیغام اور درس دیا۔ اور اب پردہ فرمانے کے بعد بھی اپنے خلق عظیم سے خلق خدا کو بہرہ مند فرمارہے ہیں۔ آ
اگر کوئی دنیوی بادشاہ یا سیاسی لیڈر یا حکومت کے کسی منسٹر کے پاس یہ شکایت کرے کہ میرے مکان کی چابی کھوگئی ہے۔ ب
کرم آپ میری مدد کرتے ہوئے، چابی تلاش کردو، تو اس سائل کو دھکے مار کر باہر پھینک دیں گے کہ کیا ہمارے پاس اور ک
کام نہیں؟ یہی کام رہ گیا ہے کہ تمہارے مکان کی چابی تلاش کروں، منسٹر صاحب کا دماغ چوتھے آسمان پر پہنچ جائے گا۔
چھوٹا اور معمولی سوال وہ اپنی شان کے خلاف تصور کرے گا کہ میں اتنا بڑا منسٹر اور ایسا معمولی کام کروں! لیکن شہنشاہ کونین صلی
کے دربار ہر کس پرور میں سائل کا ہر سوال پورا کیا جاتا ہے۔ چاہے چھوٹا ہو یا بڑا، یا چاہے کسی بھی معاملے سے تعلق رکھتا ہو

ابو عبد اللہ محمد بن زرعہ صوفی ذکر کرتے ہیں کہ میں اور میرے والد ابو عبد اللہ بن حنیف شیراز سے مدینہ منورہ آئے،
رات کو بھوکے رہے میں ابھی بالغ نہ ہوا تھا۔ اور مجھے شدت کی بھوک لگی تھی۔ لہٰذا میں اپنے والد سے بار بار کہتا تھا کہ م
بھوکا ہوں۔ میرے والد نے قبر شریف پر حاضر ہوکر عرض کیا۔ ''یا رسول اللہ! آج رات میں آپ کا مہمان ہوں'' یہ کہ
میرے والد مراقب ہوگئے۔ کچھ دیر کے بعد انہوں نے اپنا سر اٹھایا تو کبھی روتے اور کبھی ہنستے تھے۔ ان سے سبب دریاف
کیا تو فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے کچھ درہم میرے ہاتھ میں رکھ دیئے تھے جو کھولا تو اس میں وہ در
موجود تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان درہموں میں اتنی برکت دی کہ ہم شیراز (ایران) آگئے اور وہاں بھی ان میں سے خرچ کر
رہے۔ (سیرت رسول عربی، ص ۶۲۸)

علامہ سمہودی اپنی مسموعات میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے سید شریف ابو محمد عبدالسلام بن عبدالرحمٰن حسینی فارسی کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں مدینہ منورہ میں تین دن رہا۔ مجھے کھانے کو کچھ نہ ملا، میں نے مسجد میں منبر شریف کے پاس دوگانہ ادا کر کے یوں عرض کیا کہ اے میرے جد اکرم! میں بھوکا ہوں، اور آپ سے ثرید (ایک قسم کا کھانا) مانگتا ہوں۔ یہ عرض کر کے میں سو گیا، ناگاہ ایک شخص نے مجھے جگا دیا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے پاس ایک لکڑی کا پیالہ ہے۔ جس میں ثرید، گھی، مصالحہ، اور گوشت ہے۔ اس نے مجھ سے کہا کہ کھالو، میں نے پوچھا کہ تم یہ کہاں سے لائے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میرے بچے تین دن سے اسی کھانے کی تمنا کرتے تھے۔ آج اللہ تعالیٰ نے کچھ کشائش کر دی تو میں نے یہ کھانا تیار کیا۔ پھر میں سو گیا میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ فرما رہے ہیں کہ تمہارا ایک بھائی مجھ سے اسی کھانے کی آرزو کرتا ہے، تم اس میں سے اسے بھی کھلاؤ۔ (سیرت رسول عربی، ص ۷۳۰)

اس شعر کے مصرع ثانی میں حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ "نور کی سرکار ہے، کیا اس میں توڑا نور کا" یعنی یہ سرکار نور کی سرکار ہے۔ اور یہاں سے سب گدا نور کی خیرات لے کر ہی جاتے ہیں۔ اور اس دربار کی یہ خصوصیت ہے کہ جتنا تقسیم کیا جائے بڑھتا ہے۔ گھٹتا نہیں، مثال کے طور پر ایک جگہ ایک بڑا فانوس روشن ہے اور اس فانوس کی لو سے روشنی پھیل رہی ہے، کسی نے اس جلتی ہوئی لو سے ایک ساتھ دس موم بتی جلالی۔ تو اس لو سے فانوس کی روشنی میں کوئی کمی یا خسارہ واقع نہ ہوگا۔ بلکہ روشنی اور بڑھے گی اگر اس فانوس کی لو سے دس کی بجائے پچاس موم بتیاں روشن کی گئی ہوتیں تو اس سے بھی زیادہ روشنی بڑھ گئی ہوتی۔ کیوں کہ موم بتی نے فانوس سے نور کی خیرات پائی تو فانوس کا اجالا کم نہیں ہوا۔ بلا تمثیل اللہ تبارک وتعالیٰ نے جس ذات گرامی کو اپنے نور سے پیدا فرمایا، وہ نوری ذات نے اپنے نور سے پوری کائنات کو منور فرمایا، اور تا قیامت منور فرماتے رہیں گے۔ اس نور کی سرکار سے ہمیشہ نور کی خیرات تقسیم ہوتی رہی ہے، لیکن اس نوری سرکار کے خزانے میں کبھی کمی، قلت، خسارہ یا ٹوٹا نہیں آتا۔ بلکہ برکت ہی برکت ہے۔ کچھ واقعات احادیث کی روشنی میں پیش خدمت ہیں کہ جن کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ نور مصطفیٰ ﷺ کی برکتیں کتنی عظیم ہیں۔

ابن سعد، بیہقی اور ابو نعیم نے بطریق ابو العالیہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ لوگ سخت بھوک میں مبتلا تھے، حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ اے ابو ہریرہ! تمہارے پاس کچھ ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! توشہ دان میں کچھ کھجوریں ہیں، فرمایا انہیں میرے پاس لے آؤ، پھر جب وہ توشہ دان حضور کی خدمت میں لے کر آیا۔ تو حضور ﷺ نے اپنا دست مبارک توشہ دان میں ڈالا۔ اور ایک مٹھی کھجوریں نکال کر برکت کی دعا مانگی، پھر دس آدمیوں کو بلایا، یہاں تک کہ تمام لشکر سیر ہو گیا۔ اس کے بعد حضور نے مجھ سے فرمایا کہ جو کچھ تم لائے تھے اسے لے جاؤ اور حفاظت سے رکھ لو۔ جب تمہیں ضرورت ہو اس توشہ دان میں اپنا ہاتھ ڈال کر نکال لینا۔ نہ کبھی اسے شمار کرنا، نہ کبھی توشہ دان کو الٹ کر جھاڑنا، تو میں جتنا لایا تھا اس سے زیادہ پایا۔ اس کے بعد میں رسول اللہ ﷺ کی تمام مدت حیات اور حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہم کے زمانہ خلافت تک اس میں سے کھاتا اور کھلاتا رہا۔ پھر جب حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ شہید کئے

گئے اور میرا گھر لوٹا گیا تو وہ توشہ دان مجھ سے جاتا رہا۔ حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کتنے ہی وسق کھجور نکال کر راہ خدا میں اس توشہ دان سے تقسیم کی ہیں یا اونٹ پر لاد کر دی ہیں۔ علماء ومحدثین فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنا توشہ دان لے کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے تب اس توشہ دان میں اکیس دانوں سے زیادہ کھجوریں نہ تھیں۔

(مدارج النبوۃ، از: شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۳۴۱ ☆ خصائص کبریٰ، از: امام جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص ۷۲)

نوٹ: ''وسق ایک وزن کا ناپ ہے۔ ساٹھ صاع کا ایک وسق ہوتا ہے اور ایک صاع کے ساڑھے چار سیر یعنی ایک وسق = ۲۷۰، سیر پرانے وزن کا مثل ایک کلوگرام کے ہوتا ہے۔''

حاکم اور بیہقی نے حضرت نوفل بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ انھوں نے اپنی شادی کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد چاہی، حضور نے انہیں تیس صاع جو مرحمت فرمائے، حضرت نوفل فرماتے ہیں کہ ہم نے اس جو کو چھ مہینے تک کھایا۔ اس کے بعد ہم نے اس کو ناپا (وزن کیا) تو اتنا ہی پایا جتنا کہ ہم نے رکھا تھا۔ میں نے اس کا تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے فرمایا کہ تم نہ ناپتے تو تم ساری زندگی اس سے کھاتے رہتے۔ (خصائص کبریٰ، اردو، جلد ۱، ص ۱۲۹)

امام بخاری اور مسلم نے غزوۂ خندق کے ضمن میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ میں اپنی بیوی کے پاس آیا، ان سے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس کچھ کھانا ہے؟ کیوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کے چہرہ انور پر سخت بھوک کے آثار ہیں تو میری بیوی نے ایک تھیلا نکالا، جس میں ایک صاع جو تھے۔ اور ایک فربہ بکری کا بچہ تھا۔ میں نے ذبح کیا۔ بیوی نے جو کا آٹا پیسا، گوشت کے ٹکڑے کر کے دیگچی میں چڑھا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے ایک بکری کا بچہ ذبح کیا ہے اور میری بیوی نے جو کا آٹا پیسا ہے۔ حضور اپنے چند صحابہ کو لے کر میرے غریب خانہ پر تشریف لے چلیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے باآواز بلند تمام لشکر کو پکار کر فرمایا کہ جابر نے کھانا تیار کیا ہے، آؤ ان کے یہاں چلیں، پھر حضور نے حضرت جابر سے فرمایا کہ میرے پہنچنے تک دیگچی کو چولھے سے نہ اتارنا، اور گوندھے ہوئے آٹے کو یوں ہی رکھنا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار (ایک روایت میں بارہ سو) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ میرے مکان پر تشریف لائے۔ حضور نے میرے گھر آ کر آٹے اور گوشت کی ڈیگ میں اپنا لعاب دہن شریف ڈال دیا۔ اور برکت کی دعا فرمائی، اور فرمایا کہ روٹی پکاتے رہو، اور ڈیگ سے گوشت نکالتے رہو مگر اس میں جھانک کر نہ دیکھنا۔ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم ان ہزار آدمیوں نے شکم سیر ہو کر کھایا۔ لیکن ڈیگ میں بدستور گوشت جوش مار رہا تھا اور آٹا بھی باقی تھا۔ (مدارج النبوۃ، جلد ۱، ص ۳۳۶)

امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں بھوک سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھا کرتا تھا۔ ایک دن میں سر راہ بیٹھا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ میرے پاس سے گزرے، میں نے ان سے قرآن کریم کی ایک آیت کے متعلق پوچھا۔ میں نے ان سے محض اس لئے پوچھا تھا کہ میری بھوک کی حالت

دیکھ کر مجھے اپنے ساتھ اپنے گھر کھانا کھلانے لے جائیں۔ لیکن انھوں نے میرے سوال کا جواب دیا اور چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ میرے پاس سے گزرے میں نے ان سے بھی قرآن کریم کی ایک آیت کی بابت پوچھا اور میرا ان سے پوچھنا اسی غرض سے تھا کہ وہ مجھے اپنے ساتھ لے جائیں مگر وہ بھی چلے گئے۔ اس کے بعد حضور اکرم ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے آپ نے مجھے دیکھا اور آپ نے میری دلی کیفیت جان کر جو میرے چہرے سے ظاہر تھی، تبسم فرمایا۔ اس کے بعد فرمایا: اے ابوہریرہ! میں نے عرض کیا لبیک یارسول اللہ! آپ نے فرمایا میرے ساتھ چلو اور آپ تشریف لے چلے اور میں آپ کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ پھر آپ کاشانہ اقدس (مکان) کے اندر تشریف لے گئے۔ میں اندر داخل ہو گیا۔ میں نے وہاں ایک دودھ کا پیالہ پایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر والوں سے دریافت فرمایا کہ یہ دودھ کہاں سے آیا ہے؟ گھر والوں میں سے کسی نے عرض کیا کہ فلاں مرد، یا فلاں عورت نے آپ کے لئے تحفہ بھیجا ہے۔ حضور نے فرمایا اے ابوہریرہ! میں نے عرض کیا لبیک یارسول اللہ! آپ نے فرمایا کہ تم اہل صفہ کے پاس جاؤ، اور انھیں میرے پاس بلا لاؤ، حضرت ابوہریرہ نے فرمایا کہ اہل صفہ اسلام کے مہمان تھے۔ نہ تو ان کا گھر بار تھا اور نہ مال و دولت۔

نوٹ: اہل صفا کی تعداد ستر (۷۰) تھی۔

جب حضور کے پاس کوئی صدقہ آتا تو حضور اس صدقہ کو ان کی طرف بھیج دیتے اور خود اس میں سے کچھ نہ لیتے۔ اور جب کوئی آپ کے پاس ہدیہ بھیجتا تو آپ اسے قبول فرماتے اور اس ہدیہ میں اہل صفہ کو بھی شریک فرمالیتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ یہ بات میرے دل میں گراں گزری اور میں نے اپنے دل میں کہا کہ اہل صفہ کے لئے اتنا سا دودھ کیا کام دے گا؟ اور میں خواہش رکھتا تھا کہ یہ تمام دودھ مجھے ہی مل جاتا۔ تاکہ میں اسے پی کر توانائی حاصل کرتا۔ میں چوں کہ حضور کا قاصد ہوں اور جب وہ لوگ آئیں گے تو آپ مجھے حکم دیں گے کہ یہ پیالہ انہیں دے دوں، اور شاید ہی اس دودھ کا کوئی حصہ مجھے مل سکے لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ تو لازماً میں اہل صفہ کے پاس آیا اور ان کو بلایا، وہ سب آئے اور کاشانہ اقدس میں اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ حضور نے فرمایا اے ابوہریرہ! میں نے عرض کیا لبیک یارسول اللہ! آپ نے فرمایا کہ پیالہ اٹھاؤ۔ اور انھیں دو، تو میں نے پیالہ اٹھا کر ایک شخص کو دے دیا، اس نے پیا، یہاں تک کہ وہ سیر ہو گیا، اس کے بعد اس نے پیالہ مجھے واپس کر دیا۔ اس طرح یکے بعد دیگرے پیتے ہوئے وہ پیالہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا، اور تمام اصحاب صفہ خوب سیر ہو چکے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ لے کر دست اقدس پر رکھا اور میری طرف نظر کر کے تبسم فرمایا، اور ارشاد فرمایا، اے ابوہریرہ! میں نے عرض کیا لبیک یارسول اللہ! اب ہم اور تم باقی رہ گئے ہیں میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نے سچ فرمایا، پھر آپ نے مجھ سے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ اور پیو، میں نے پیا، پھر آپ نے فرمایا: اور پیو تو میں نے پیا، اور آپ برابر یہی فرماتے رہے۔ اور میں آپ کے ارشاد کی تعمیل میں پیتا رہا۔ یہاں تک کہ میں نے عرض کیا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ اب دودھ کے گزرنے کی بھی راہ باقی نہیں ہے۔ اور میں نے وہ پیالہ حضور کو پیش کر دیا۔ حضور نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور اللہ کا نام لے کر بچا ہوا دودھ نوش فرمالیا۔

(خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص ۳

اسی واقعہ کو حضرت رضا بریلوی اپنے شعر میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

کیوں جناب بوہریرہ کیسا تھا وہ جام شیر　　جس سے ستر صاحبوں کا دودھ سے منہ پھر گیا

قارئین کرام! صرف ایک دودھ کے پیالے سے ستر حضرات نے شکم سیر ہر کر دودھ پیا۔ یہ اس بات کی گواہی ہے "نور کی سرکار ہے کیا اس میں توڑا نور کا"۔

ابونعیم نے بطریق قاسم بن عبداللہ بن ابورافع ان کے والد سے انہوں نے ان کے دادا سے روایت کی، انھوں نے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے۔ آخر شب میں قیام فرمایا۔ حضور نے فرمایا ہر شخص اپنے مشکیزے میں پانی تلاش کرے تو کسی کے پاس سے پانی نہ نکلا۔ بجز ایک شخص کے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پانی کو برتن میں الٹ دیا۔ اور فرمایا تم سب وضو کرو۔ اس وقت میں نے پانی کی طرف دیکھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس انگلیوں کے درمیان سے پانی جوش مار رہا تھا، یہاں تک کہ تمام لشکر نے پانی پیا۔ اس کے بعد حضور نے اپنا دست مبارک اس پانی میں سے نکالا۔ تو اس میں اتنا ہی پانی موجود تھا۔ جتنا پہلی مرتبہ مشکیزے سے ڈالا گیا تھا۔ (خصائص کبریٰ، اردو، جلد ۲، ص ۱۰۸)

حارث بن ابی اسامہ نے اپنی مسند میں اور بیہقی اور ابونعیم نے حضرت زیاد بن حارث صدائی سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے۔ اور آپ نے طلوع فجر کے وقت نزول فرمایا۔ رفع حاجت کے بعد میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا، اے صداء کے بھائی! کیا پانی ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں تھوڑا پانی ہے وہ پانی آپ کو کفایت نہ کرے گا، حضور نے فرمایا، اس پانی کو ایک برتن میں ڈال کر برتن میرے پاس لے آؤ۔ پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک پانی میں رکھا میں نے دیکھا کہ آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی چشمہ کی مانند جوش مار رہا تھا۔ آپ نے فرمایا میرے صحابہ کو آواز دو کہ جسے پانی کی ضرورت ہو آ کر لے لے تو میں نے آواز دی۔ پھر ان میں سے جن لوگوں کو پانی کی ضرورت تھی انھوں نے پانی حاصل کر لیا۔ (خصائص کبریٰ، اردو، جلد ۲، ص ۱۰۶)

دست اقدس کی انگشتان مبارک سے دریا اور ندی کی طرح پانی جاری ہونے کے متعدد واقعات ہیں۔ ان تمام واقعات کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ:

انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر　　ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ وا



(۳۰)

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

حل لغت:

پھرنا: ٹہلنا، گھومنا، چہل قدمی کرنا، سیر کرنا، گردش میں آنا، چکر لگانا، تبدیل ہونا، بدل جانا، متوجہ ہونا، براز کی حالت رفع کرنا، ٹیڑھا ہونا، مکرنا، چکر آنا۔ (فیروز اللغات، ص ۳۱۵)

لالہ زار: وہ کھیت جس میں لالہ کے بوٹے ہوں، باغ، چمن، گلزار۔ (فیروز اللغات، ص ۱۱۴۴)

بہار: پھول کھلنے کا موسم، بسنت رت، موسم ربیع، نارنج کا پھول، گٹے کا پھول، لطف، مزہ، جوبن، خوشی، شباب، سرسبزی، شادمانی، ایک نفیس کپڑے کی قسم، نام ایک بت خانہ کا، تروتازگی، سیر، تماشا، آنند، سرور، نشہ کا چڑھاؤ۔

(فیروز اللغات، ص ۲۲۵ ☆ کریم اللغات، ص ۲۶)

دن پھرنا: اچھے دن آنا، خوش حال ہونا، مصیبت کے بعد راحت ہونا۔ (فیروز اللغات، ص ۶۴۶)

پہلے مصرع میں جو لفظ ''پھرتے ہیں'' ہے اس کا مطلب ''متوجہ ہونا'' ہے۔
دوسرے مصرع میں جو لفظ ''پھرتے ہیں'' ہے اس کا مطلب ''واپس آنا، تبدیل ہونا'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ گری اور کرم نوازی کا ذکر فرما رہے ہیں۔ اور موسم بہار کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ اے بہار! باغ عالم کی بہار کی جان، پیارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم لالہ زار یعنی چمن کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔ لہٰذا اے بہار! تجھے شادمانی اور مبارکبادی ہو کہ اب تیرے اچھے دن آرہے ہیں۔ اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے ''پھرتے ہیں'' کا جملہ دو مرتبہ استعمال فرمایا ہے۔ لیکن دونوں کے معنی اور مطلب الگ الگ ہیں۔ پہلی مرتبہ ''متوجہ ہونا'' کے معنی میں اور دوسری مرتبہ ''اچھے دن آنا'' کے معنی میں ہے۔ یہ شعر جس نعت کا مطلع ہے، وہ آپ نے تغزل کے انداز میں اور بہت چھوٹی بحر میں لکھی ہے۔ جو حضرات فن شاعری سے دلچسپی رکھتے ہیں وہ اچھی طرح واقف ہوں گے کہ غزل کے اشعار چھوٹی بحر میں لکھنا بہت مشکل مرحلہ ہے۔ تقطیع کے اصول کے مطابق

چھوٹی بحر میں الفاظ کے اوزان کی رعایت کرتے ہوئے موزوں الفاظ کی بندش اور ساتھ میں ردیف وقافیہ کا تناسب
رکھنا بہت ہی کٹھن ومشکل ہے۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی لکھی ہوئی یہ نعت اردو ادب کی شہرۂ آفا
شاعری جناب داغ دہلوی نے جب دیکھی تو داغ صاحب بھی عش عش پکار اٹھے۔ اوران کی زبان سے بیساختہ یہ الفاظ
پڑے کہ تعجب کی بات ہے کہ مولانا احمد رضا بریلوی ایک مولوی ہونے کے باوجود چھوٹی بحر میں اتنی اچھی نعتیہ شاعری کر
ہیں۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی نعتیہ شاعری سے جناب داغ دہلوی اتنے متاثر ہوئے کہ انہوں نے ای
شعر حضرت رضا کے تعلق سے کہا کہ:

ملک سخن کی شاہی تم کو رضؔا مسلم   جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیے ہیں

مذکورہ شعر کو حضرت رضا بریلوی نے اپنی نعت:

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیے ہیں   جس راہ چل گئے ہیں کوچے بسا دیے ہیں

میں مقطع کے طور پر شامل فرمالیا ہے۔ حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں

یہاں لالہ زار سے مراد باغ، چمن، گلزار یا وہ کھیت ہے جس میں لالہ کے پھول اور بیل بوٹے ہوں، علاوہ ازیں "لا
زار" سے باغ عالم، کائنات یا چمن دنیا بھی مراد لیے جاسکتے ہیں، کیوں کہ کائنات میں جو نور ورونق جو چمک دمک جو روشنی
بہار جو چہل پہل جو خوش حالی ہے وہ تمام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا طفیل ہے۔ جیسا کہ دیگر اشعار کی تشریحات میں ذکر ہوا کہ حضو
اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "میں اللہ کے نور سے ہوں۔ اور سب میرے نور سے ہیں۔"

یہ بات تو واضح ہوگئی کہ سب حضور کے نور سے ہیں۔ تو باغ عالم یعنی دنیا بھی حضور کے نور سے بنی ہوئی ہے۔ لیکن اب
وہ دنیا اپنی قامت پہ ناز کررہی ہے، دنیا آباد تو تھی، رونق بھی اس میں تھی، لیکن اب اس کی آبادی اور رونق کے "دن پھر
ہیں" یعنی کہ اچھے دن آتے ہیں۔ اس کی آبادی اور رونق میں مزید اضافہ ہورہا ہے، کیوں کہ وہ نور حق، وہ ظل رب صلی اللہ علیہ وسلم
بشکل بشری حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے دولت کدے میں ظہور پذیر ہوکر دنیا کو منور فرمانے تشریف لا رہے ہیں۔ اس شعر میں "دن
پھرتے ہیں" کا جملہ اردو زبان میں بطور محاورہ استعمال ہوتا ہے اور یہ محاورہ اس شعر میں معنی خیز حیثیت رکھتا ہے۔ اردو ادب
سے واقفیت رکھنے والے حضرات اس کی معنویت کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ حالاں کہ حضرت رضا بریلوی سے بغض وعنا
رکھنے والے اس شعر پر بھی اعتراض کرتے ہیں اور حضرت رضا بریلوی پر توہین رسول کا بہتان تھوپتے ہیں۔

راقم الحروف زیارت حرمین شریفین کے لئے ۱۹۹۶ء میں گیا تھا، واپسی میں تین دن جدہ شریف میں رکنے کا موقع ملا
دوران قیام جدہ میں میرے کرم فرما حامی سنیت وناشر مسلک اعلیٰ حضرت قبلہ سید شوکت صاحب نوری مدظلہ العالی کے دولت
کدہ پر محافل گفت وشنید کا سلسلہ رہا۔ موافقین ومخالفین آتے اور مسلک اعلیٰ حضرت اور عقائد باطلہ کے متعلق سوالات و
جوابات کا غیر منقطع سلسلہ جاری ہوگیا۔ ایک صاحب نے راقم الحروف سے کہا کہ حضرت رضا بریلوی نے "تیرے دن اے

بہار پھرتے ہیں'' کا جملہ استعمال کر کے بارگاہ رسالت میں گستاخی کی ہے۔ کیوں کہ بہار کا دن پھرنا یعنی خزاں (پت جھڑ) کا موسم آنا ہوا۔ لہٰذا شعر کے معنی یہ ہوئے کہ موسم بہار میں حضور آئے اور نتیجہ یہ ہوا کہ بہار کا موسم خزاں میں تبدیل ہو گیا۔ معترض کا یہ بے سروپا اعتراض سن کر اس کی علمی بے مائیگی پر ترس آنے کے ساتھ ساتھ اس کے متعصب رویہ پر افسوس بھی ہوا کہ اعتراض کرنے کا اطمینان حاصل کرنے کے لئے اس قسم کے مضحکہ خیز اعتراض کر کے معترض خود ہلکا بنتا ہے۔ اس کے اعتراض کے جواب میں راقم الحروف نے کہا کہ حضرت بہار کے دن پھرنا خزاں آنا، آپ نے کیسے تجویز کر لیا؟ اس نے کہا صاف بات ہے کہ بہار کی ضد خزاں ہے تو جب بہار کے دن پھرے تو خزاں کے دن آئے، معترض صاحب کا جواب سن کر واقعی ہنسی آئی، ہم نے معترض صاحب سے جواباً عرض کیا کہ آپ اردو زبان کی کسی بھی معتبر لغت کو اٹھا کر دیکھ لیں۔ دن پھرنا ایک کہاوت اور محاورہ ہے، اور اس کے معنی ہیں اچھے دن آنا، خوش حال ہونا یا مصیبت کے بعد راحت ہونا۔ اور اسی معنی میں حضرت رضا بریلوی نے ''دن پھرنا'' کا جملہ استعمال فرمایا ہے، معترض صاحب نے دوسرا اعتراض کیا کہ جب بہار کے ہی دن ہیں، تو اب دن پھرنے کے کیا معنی؟ ہم نے جواب میں کہا کہ اس کی مثال یوں سمجھو کہ ایک شخص کسی کمپنی میں ملازمت کرتا ہے اور اس کی ماہانہ تنخواہ دو ہزار روپے ہے۔ اس تنخواہ میں وہ شخص اپنے خورونوش و دیگر ضروریات زندگی پوری کر لیتا ہے۔ یہ تنخواہ اس کے لئے ایک بہت بڑا سبب ہے۔ خوش حال زندگی بسر کرنے کے لئے۔ وہ شخص بے کار و بے روزگار نہیں۔ پھر اچانک اس نے ملازمت چھوڑ دی اور اپنے ایک پرانے دوست کے ساتھ شرکت میں تجارت شروع کر دی، اور اس کی ماہانہ آمدنی پندرہ ہزار ہو گئی۔ پہلے ملازمت میں بھی وہ خوش تھا اس پر فاقہ کشی کا عالم نہ تھا، لیکن فضل مولیٰ سے اب تجارت میں اس کی آمدنی میں اضافہ ہو گیا، تو ایسے شخص کے لئے اردو زبان کے محاورے میں کہا جائے گا کہ اب اس کے دن پھر گئے ہیں۔ یعنی وہ اب پہلے سے زیادہ خوش حال ہے۔ اب اس کے دن پہلے سے اچھے ہیں اور اب اس کو پہلے سے بہت راحت ہے۔ لغت میں یہی معنی وارد ہیں۔ (دیکھو! فیروز اللغات، ص ۶۴۶)

تو حضرت رضا بریلوی کے شعر کا مطلب یہ ہوا کہ اے بہار! وہ جان عالم و بہار عالم ﷺ تشریف لا رہے ہیں اب تیرے اچھے دن آ رہے ہیں۔ تیرے نکھار اور سنگار میں اضافہ ہوگا۔ تیرا حسن و جمال دوبالا و دوچند ہوگا۔ تیری رونق میں مزید ترقی ہوگی، اب تو پہلے سے بھی خوش نما و خوش حال ہو جائے گی۔ اب آپ ہی فرمائیے کہ اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے بارگاہ رسالت کی توہین و تنقیص کی ہے یا تعریف و تحسین کی ہے؟ اس وضاحت کے بعد اعتراض کرنے والے کو اطمینان ہو گیا اور انھوں نے حضرت رضا کی عظمت کا اعتراف کیا۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے مذکورہ بالا شعر کا مصرع ثانی ''تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں'' کی تشریح میں کتب و احادیث سے سینکڑوں واقعات پیش کئے جا سکتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی تشریف آوری اور آپ کی توجہ و عنایت سے اجڑے ہوئے دل و مقامات آباد ہو گئے۔ ریگستان آپ کے قدموں کی برکت سے نخلستان بن گئے، خزاں بہار میں تبدیل ہو گئی۔ اور بہار بھی پُر بہار ہو گئی۔ ان تمام واقعات کو یہاں بیان کرنا ممکن نہیں۔

- حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضعہ یعنی دودھ پلانے والی اور رضاعی والدہ محترمہ ہیں۔ان کا بیان ابن راہویہ، ابویعلی، طبرانی بیہقی، ابونعیم اور ابن عساکر نے عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کی سند سے روایت کیا۔ آپ فرماتی ہیں کہ ہمارے علاقہ بنوسعد میں سخت خشک سالی تھی، ہمارے علاقے کی عورتیں مکہ معظمہ سے دودھ پلانے کے لئے بچوں کو لاتیں اور دودھ پلانے کا جو معاوضہ ملتا اسی سے اپنی ضروریات زندگی کا گزارا کرتیں، میں بھی عورتوں کے ساتھ مکہ معظمہ گئی اور میری خوش قسمتی سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلانے کا مجھے شرف حاصل ہوا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر اپنے گھر آئی۔ پھر ہمارا چھوٹا قافلہ اپنے علاقہ بنوسعد کے دیہات کی طرف روانہ ہوا۔ سفر میں ہم جس منزل پر قیام کرتے حق تعالیٰ اس منزل کو سرسبز و شاداب فرمادیتا۔ باوجود کہ وہ قحط سالی کا زمانہ تھا۔ جب ہم بنی سعد کی بستی میں پہنچ گئے، اس بستی کی پہلے یہ حالت تھی کہ وہ خطہ بالکل خشک اور ویران تھا۔ لیکن اب حالت ہوئی کہ بکریاں چراگاہ میں جاتیں تو شام کو خوب شکم سیر ہوکر تر وتازہ اور دودھ سے بھری ہوئی لوٹتیں۔ تو ہم ان کا دودھ دوہتے اور ہم سب خوب سیر ہوکر پیتے اور دوسروں کو پلاتے۔ ہماری قوم کے لوگ اپنے چرواہوں سے کہتے کہ اپنی بکریوں کو ان چراگاہوں میں کیوں نہیں چراتے جن میں بنت ابوذویب (حلیمہ) کی بکریاں چرتی ہیں؟ اس کے بعد ہماری قوم کے چرواہوں نے ہمارے چرواہوں کے ساتھ بکریاں چرانی شروع کردیں۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے ان کے اموال اور ان کی بکریوں میں خیر و برکت پیدا کردی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے تمام قبیلہ میں خیر و برکت پھیل گئی۔ میں جانتی ہوں کہ یہ سب حضور کے وجود گرامی کی برکت سے ہے۔

(خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد ا، ص ۱۳۹ ☆ مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص ۳۲ ☆ شواہد النبوۃ، اردو ترجمہ، ص ۷۵)

الحاصل! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری نے قبیلہ بنوسعد کے علاقے کو بھی سرسبز و شاداب بنادیا، یعنی دن پھیر دیے۔



(۳۱)

خوش رہے گل سے عندلیب خار حرم مجھے نصیب
میری بلا بھی ذکر پر پھول کے خار کھائے کیوں

حل لغت:

عندلیب: بلبل، گل دم، ہزار داستان، جمع عنادل۔ (فیروز اللغات، ص ۹۰۶ ☆ لغات کشوری، ص ۵۰۳ ☆ کریم اللغات، ص ۱۱۲)

خار: کانٹا، پھانس، رشک، حسد، جلن، سول، ڈاڑھی کے سخت بال، مرغ کے پاؤں کا وہ کانٹا جو ٹخنے کے اوپر ہوتا ہے۔
(فیروز اللغات، ص۵۷۹ ☆ لغات کشوری، ص۲۴۷ ☆ کریم اللغات، ص۶۰)

بلا: سختی، زحمت، مصیبت، دکھ، آفت، قہر، غضب، چڑیل، ڈائن، ڈراونا، آسیب، قیامت، ہیبت ناک، خوفناک، بہت، نہایت، بے حد۔ (فیروز اللغات، ص۲۱۱ ☆ لغات کشوری، ص۱۰۳ ☆ کریم اللغات، ص۲۵)

ذکر: تذکرہ، چرچا، بیان، تعریف، شہرت، تلاوت قرآن، ذکر خدا، شکر خدا، دعاء، نماز، دل یا زبان سے یاد کرنا۔
(فیروز اللغات، ص۶۹۰ ☆ لغات کشوری، ص۲۶۱)

بلا سے: کیا پرواہے، جوتی سے، بے پرواہی ظاہر کرنے کے لئے کہتے ہیں۔ (فیروز اللغات، ص۲۱۱)
خار کھانا: (محاورہ) حسد کرنا، جلنا، دشمنی کرنا۔ (فیروز اللغات، ص۵۷۹)

پہلے مصرع میں جو لفظ ''خار'' ہے اس کا مطلب ''کانٹا'' ہے۔
دوسرے مصرع میں جو لفظ ''خار'' ہے اس کا مطلب ''حسد، رشک'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امامِ عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان ایک عاشق رسول کے جذبۂ ایثار و قربانی اور اس جذبہ کے صلہ اور ثمرہ میں حاصل ہونے والی سعادت و رفعت کا تذکرہ فرمارہے ہیں، اور اس تذکرے کو بلبل و گل اور خار (کانٹا) اور خار (حسد) کو ایک اچھوتی، اور انوکھی تمثیل سے بیان کر رہے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ بلبل وصال پھول سے چاہے خوش رہے۔ بلبل کو وصال گل مبارک، لیکن مجھے حرم کے کانٹے نصیب ہو جائیں۔ عشق نبی کی وفاداری میں چاہے جو بھی مصیبت آئے وہ مصیبت اور بلا مجھے پیاری ہے۔ کیوں کہ یہ بلا اور مصیبت راہ عشق میں حاصل ہوئی ہے۔ اور جو عاشق عشق کی راہ میں بلا و آفت برداشت کرتا ہے اسے رہتی دنیا تک لوگ یاد رکھتے ہیں، اور ہمیشہ اس کا ذکر لوگوں میں رہتا ہے اور اس تذکرے کی وجہ سے بلا و آفت جھیلنے والے عاشق کا نام ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔ اور وہ دیگر عاشقوں کے لئے ایک مثال اور مشعل راہ بن جاتا ہے۔ لوگ اس عاشق کے عشق صادق کو داد تحسین دیتے ہیں۔ اور بڑے ہی ادب و احترام سے اس عاشق کا ذکر کرتے ہیں۔ اس عاشق صادق کے ذکر خیر کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ وہ راہ عشق میں ''بلا'' اور ''آفت'' برداشت کر کے ثابت قدم رہا۔ بلا جھیلنے کی وجہ سے اس کا عشق چمکا، اور اس کو ناموری حاصل ہوئی تو اب اس بلا کی بھی ایک اہمیت ہوگئی کیوں کہ اس بلا کی وجہ سے ہی اس کے عشق کا چرچا ہوا۔ اور اتنی شہرت حاصل ہوئی۔ اگر اس عاشق پر کوئی بلا نہ آتی تو اس کے عشق کی وفاداری کا نہ تو کوئی امتحان ہوتا، اور نہ ہی اس امتحان عشق میں استقلال و ثبات قدمی سے حاصل ہونے والی کامیابی کا ذکر خیر ہوتا۔

الحاصل! اس عاشق کے برگ عشق کو مثل حنا بلا کی چکی میں جب پیسا گیا تو بموجب ''رنگ لاتی ہے حنا پتھر پہ پس

جانے کے بعد'' اس کا عشق بھی رنگ لایا۔ اور رنگ عشق کو کھلانے اور نکھارنے میں بلانے اہم کردار ادا کیا ہے۔ لہٰذا اس عاشق کی ہر بلا پر پھول بھی رشک وحسد کرتا ہے اور بقول رضا بریلوی ''میری بلا بھی ذکر پر پھول کے خار کھائے کیوں'' یعنی میرے عشق کی شہرت میں میری بلا، جو میں نے راہ عشق میں برداشت کی ہے اس بلاء کا جب ذکر آتا ہے تو اس بلا پر پھول بھی خار کھاتا ہے یعنی حسد کرتا ہے۔ یہاں پر پھول سے مراد راحت اور آرام ہے، ظاہر بات ہے کہ عشق کے نتیجے میں دو ہی کیفیت رونما ہوتی ہیں، پہلی راحت و آرام، اور دوسری تکلیف و بلا۔ ایک شخص کو راہ عشق میں راحت و آرام حاصل ہوتا ہے اور دوسرے کو تکلیف و بلا میسر ہوتی ہے۔ لیکن جس عاشق کو راہ عشق طے کرنے میں راحت و آرام ہوتا ہے اس کا عشق اتنا مشہور نہیں ہوتا جتنا کہ تکلیف و بلا برداشت کرنے والے عاشق کا عشق مشہور ہوتا ہے، اور جب بلا و مصیبت برداشت کرنے والے کے عشق کو عالمگیر شہرت حاصل ہوتی ہے تب اسے دیکھ کر راحت و آرام پانے والے عاشق کا عشق یہ آرزو کرتا ہے کہ کاش مجھے بھی بلا و مصیبت نصیب ہوتی تو میرا نصیب بھی جاگ اٹھتا، لہٰذا اب راحت و آرام کو بلا اور مصیبت پر رشک وحسد ہو رہا ہے۔ یہی ظاہری مطلب و معنی ہے۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے اس شعر کا۔

اس شعر میں لفظ ''خار'' کو دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے، دونوں لفظ ''خار'' حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔ پہلے مصرع میں جو لفظ ''خار'' ہے وہ کانٹا اور جلن کے معنی میں ہے اور دوسرے مصرع میں جو ''خار'' ہے وہ حسد اور رشک کے معنی میں ہے۔

اب اس شعر کے پہلے مصرع میں ''خوش رہے گل سے عندلیب، خار حرم مجھے نصیب'' پر غور کریں۔ خوش رہے یعنی خوشی و سرور سے دوچار رہے، راحت و سکون میسر ہو، دل کا چین حاصل ہو، لیکن کس کو؟ عندلیب یعنی بلبل کو، اور یہاں بلبل سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر تادم تحریر جتنے بھی عاشق رسول ہوئے ہیں اور جتنے بھی قیامت تک ہونے والے ہیں، وہ تمام عشاق بلبل کے مانند گل سے خوش رہیں۔ اور یہاں گل سے مراد گل گلزار نبوت و رسالت، محبوب خدا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے، یعنی تمام عاشق ''بلبلیں'' اپنے آقا و مولیٰ (گل) صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت کے حصول میں اور آپ کی بارگاہ عالی میں بلا تکلیف تک رسائی حاصل کر کے راحت و آرام سے راہ عشق طے کئے ہوئے ہیں۔ لیکن ان کے بعض وہ ہیں جنہوں نے عشق کی راہ میں ناقابل برداشت مصائب جھیل کر کٹھن سے کٹھن امتحان دیئے ہیں اور ان امتحان دینے والوں نے خندہ پیشانی سے وہ مصائب و تکالیف برداشت کر کے دنیا کو سلوک و وفا کی عمدہ مثالیں دی ہیں اور ان کا نام ہر دور میں عنوان بحث و گفتگو رہا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی تعداد لاکھوں سے بھی متجاوز ہے لیکن تمام کے تمام صحابہ کرام کو وہ شہرت اور ناموری حاصل نہیں ہوئی، جو مخصوص حضرات صحابہ کو حاصل ہے۔ اور ان مخصوص حضرات میں ان نفوس قدسیہ کا ہی شمار ہوتا ہے جنہوں نے بلا و مصیبت برداشت کیں، تکلیفیں جھیلیں اور جذبۂ ایثار و قربانی میں دیگر صحابۂ کرام سے سبقت لے گئے۔ ان حضرات میں سے اکثر کے حالات زندگی کا مطالعہ کرنے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے۔ وہ حضرات عشق رسول میں دیوانگی کی حد تک پہنچ گئے تھے۔ ان کی زندگانی کا صرف اور صرف یہی مقصد تھا کہ آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر اپنا سب کچھ اور

خود کو بھی نثار کر دو۔ یہی جذبہ ہے کہ جس کی وجہ سے وہ عاشق رسول قیامت تک کے لئے ہر مومن کے دل کی دھڑکن بن گئے۔ اور جنہوں نے اپنی بیش بہا قربانیوں سے "عشق" کو بھی سرخ روئی اور سربلندی بخشی۔ احادیث کی روشنی میں کچھ واقعات ہدیۂ ناظرین ہیں:

- امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے صحابی رسول حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی پیٹھ پر ایک مرتبہ دیکھا کہ حضرت خباب کے پشت میں سفید سفید زخموں کے نشان ہیں۔ آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ اے خباب! تمہاری پیٹھ میں یہ زخموں کے نشان کیسے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ اے میرے امیر المومنین! آپ کو ان زخموں کی کیا خبر؟ یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ ننگی تلوار لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کے لئے گھومتے تھے۔ اس وقت ہم نے محبت رسول کا چراغ دل میں جلایا اور مسلمان ہو گئے تھے۔ میرے اسلام لانے کی خبر کفار مکہ کو ہوئی تو مجھے اسلام سے منحرف کرنے کے لئے کفار مکہ نے مجھے جلتے ہوئے کوئلوں پر پیٹھ کے بل لٹا دیا۔ میری پیٹھ سے اتنی چربی پگھلی کہ کوئلے بجھ گئے۔ اور میں گھنٹوں بے ہوش رہا۔ مگر رب کعبہ کی قسم! جب مجھے ہوش آیا تو سب سے پہلے میری زبان سے کلمہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" (صلی اللہ علیہ وسلم) نکلا۔ امیر المومنین حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی مصیبت سن کر آبدیدہ ہو گئے۔ اور فرمایا کہ اے خباب! کرتا اٹھا دو، میں تمہاری پیٹھ کی زیارت کروں گا۔ اللہ اللہ یہ پیٹھ کتنی مبارک اور مقدس ہے، جو محبت رسول کی بدولت آگ میں جلائی گئی ہے۔ (طبقات ابن سعد، جلد ۳، باب تذکرہ خباب)
- حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کو قبیلۂ عضل اور قبیلۂ قارہ کے کفار نے عہد شکنی کر کے گرفتار کر لیا۔ اور ان کو کفار مکہ کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔ صفوان بن امیہ نامی شخص نے آپ کو پچاس اونٹوں کے بدلہ میں خریدا، تاکہ آپ کو اپنے باپ امیہ کے بدلے میں قتل کر دے۔ (اور بخاری کی روایت میں ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو حارث بن عامر کی اولاد نے خریدا، حارث بن عامر جنگ بدر میں حضرت زید بن دثنہ کے ہاتھوں قتل ہوا تھا) صفوان نے اپنے غلاموں کے ساتھ حضرت زید کو شہید کرنے کے لئے حرم سے باہر بھیج دیا۔

جب حضرت زید کو حرم سے شہید کرنے کے لئے نکلے تو اس کا تماشا دیکھنے کے لئے بہت سے لوگ جمع ہوئے۔ جن میں ابو سفیان بن حرب بھی تھے۔ (جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے) ابو سفیان نے ان سے کہا کہ اے زید! میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ کیا تم دل سے یہ چاہتے ہو کہ اس وقت تمہاری جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوتے کہ ہم انہیں شہید کرتے اور تم اپنے اہل وعیال میں آرام سے رہتے۔ اس پر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! مجھے اس وقت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے اور میں دل سے چاہتا ہوں کہ آپ اپنی جگہ آرام سے رہیں۔ اور میں نہیں چاہتا کہ ان کے قدم مبارک میں کانٹا بھی چبھے۔ اور میں اپنے گھر خوش رہوں۔ ابو سفیان نے کہا کہ میں نے کسی شخص کو ایسی محبت رکھنے والا نہیں دیکھا جتنا کہ اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان سے محبت اور وارفتگی رکھتے ہیں۔ بعدہ کفار مکہ نے حضرت زید کو شہید کر دیا۔

(مدارج النبوۃ، از: شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اردو، جلد ۱، ص ۵۲۳ ☆ سیرت ابن ہشام بروایت ابن اسحٰق)

- جب مشرکین مکہ نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو تختۂ دار یعنی سولی پر شہید کیا تو تختۂ دار پر حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے بار گاہ خداوندی میں دعا کی کہ اے اللہ! میں نے اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات پر عمل کیا۔ یہاں اس وقت ایسا کوئی نہیں۔ جو میرا پیغام ان تک پہنچادے، اے اللہ! تو قادر و قیوم ہے میرا اسلام ان تک پہنچادے۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ کہ وحی کے آثار ظاہر ہوئے، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک آنکھوں میں آنسو آئے اور آپ نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے خبیب کا سلام مجھے پہنچایا ہے۔ اس کے بعد آپ نے بشارت دی کہ جو شخص خبیب رضی اللہ عنہ کو تختۂ دار سے نیچے اتارے گا اس کا مقام جنت ہے۔ حضرت زبیر بن العوام اور حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہما نے یہ مبارک کام انجام دینے کا عزم کیا، یہ دونوں حضرات رات کو سفر کرتے اور دن میں چھپ رہتے۔ اس طرح سفر کرتے کرتے مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ پہنچے۔ پتہ معلوم کر کے اس جگہ پہنچے جہاں حضرت خبیب کو سولی دی گئی تھی۔ رات کا وقت تھا۔ تمام پہرہ دار سوئے ہوئے تھے۔ یہ دونوں آہستہ آہستہ بہت ہی احتیاط سے تختۂ دار پر پہنچے اور آہستگی سے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے جسم شریف کو نیچے اتارا۔ خدا کی شان کہ حضرت خبیب کے جسم سے خون بہہ رہا تھا اور خون رنگین سے خوشبو پھوٹ رہی تھی۔ بدن میں بھی کسی قسم کا کوئی تغیر یا تبدل رونما نہ ہوئی تھی۔ اگر چہ انہیں شہید ہوئے چالیس دن کا عرصہ گزر چکا تھا۔ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ حضرت خبیب کی لاش کو اپنے گھوڑے پر رکھ کر روانہ ہوئے۔ گھوڑے کے قدموں کی آہٹ سے مشرکین بیدار ہو گئے۔ اور ستر آدمی ان کے تعاقب میں نکلے۔ اور ان کو پالیا۔ دونوں نے حضرت خبیب کو زمین پر لٹا دیا۔ فوراً زمین نے ان کو اپنے اندر لے لیا۔ اسی لئے حضرت خبیب کو ''بلیع الارض'' کہتے ہیں۔ پھر حضرت زبیر بن العوام اور حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہما نے مشرکین کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ مشرکین بھاگ نکلے، یہ دونوں بہادر مجاہد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، تو جبرئیل علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے، اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کی امت کے ان دو جوانوں پر فرشتے بھی ناز کرتے ہیں۔ (شواہد النبوۃ، اردو، جلد ۱، ص ۱۵۱/۱۵۲)
- ابن وہب نے ابن لہیعہ سے روایت کی کہ اسود عنسی نے جب نبوت کا دعویٰ کیا اور وہ صنعاء پر غالب آ گیا تو ذریب بن کلیب رضی اللہ عنہ کو پکڑ کر آگ میں ڈال دیا۔ اس بنا پر کہ حضرت ذریب نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی تھی۔ مگر آگ نے ان کو کوئی نقصان نہ پہنچایا۔ (خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص ۱۸۶)
- ابن عساکر نے بروایت ابو بشیر وحشیہ بیان کیا ہے کہ قبیلۂ خولاں میں سے ایک شخص اسلام لایا۔ اس کی قوم نے چاہا کہ اسے پھر کفر پر لے آئیں۔ چنانچہ انہوں نے اسے آگ میں ڈال دیا۔ مگر آگ نے انہیں نہ جلایا۔ بجز ان جگہوں کے جہاں پہلے وضو کا پانی نہ پہنچا تھا۔ پھر وہ حضرت امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور دعا کا طالب ہوا۔ آپ نے فرمایا: تم زیادہ مستحق ہو اور فرمایا تم چوں کہ آگ میں ڈالے گئے اور آگ نے تمہیں نہ جلایا۔ پھر آپ نے اس کے لئے دعا فرمائی اس کے بعد وہ شخص ملک شام چلا گیا۔ (خصائص کبریٰ، اردو، جلد ۲، ص ۱۸۶)

- ابن اسحٰق سے مروی ہے کہ روز احد جب یہ افواہ پھیلی کہ حضور اقدس ﷺ مع بہت سے اصحاب شہید ہو گئے تو مدینہ کی عورتیں نالہ وفریاد کرتی ہوئی گھروں سے نکل پڑیں۔ ایک انصاری عورت بھی سامنے آئی، جس کے باپ، شوہر اور بیٹے سب شہید ہو چکے تھے۔ لوگ اس کے بھائی، باپ، شوہر اور بیٹے کی لاشیں اس کے سامنے لائے مگر اس عورت نے ان کی طرف کچھ بھی التفات نہ کیا، اور وہ یہی پوچھتی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کہاں ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ آگے ہیں تو وہ بے اختیار آگے بڑھی۔ اور حضور اکرم ﷺ کے پاس پہنچ گئی اور آپ کا دامن اقدس پکڑ کر کہنے لگی کہ یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، مجھے کوئی اندیشہ وفکر نہیں، جب کہ آپ سلامت ہیں، اب کسی کے مرنے کا غم نہیں۔ "كُلُّ مُصِيبَةٍ بَعْدَكَ قَلِيلٌ" "یعنی آپ زندہ سلامت ہیں تو ہر مصیبت آسان ہے"۔

(مدارج النبوۃ، اردو، جلد ۱، ص ۵۲۳)

ایسے بہت سے واقعات کتب احادیث وسیر میں منقول ہیں۔



(۳۲)

اللہ ہمیں خاک کرے اپنی طلب میں
یہ خاک تو سرکار سے تمغا ہے ہمارا

حل لغت:

خاک: مٹی، دھول، زمین، کچھ، ذرا، کچھ نہیں، بالکل نہیں، کیوں کر، کس طرح، راکھ، خمیر، دھرتی، سرشت۔

(فیروز اللغات، ص ۵۸۱ ☆ لغات کشوری، ص ۲۴۹ ☆ کریم اللغات، ص ۱)

سرشت: خو، خصلت، عادت، مزاج، پیدائش، طینت، خلقت، خاصیت، گن، ملا ہوا، خمیر، مخلوط۔

(فیروز اللغات، ص ۷۹۵ ☆ لغات کشوری، ص ۲۷۹)

سرکار: حکومت، گورنمنٹ، آقا، مالک، سردار، شاہی دربار، عدالت، بارگاہ، بے تکلف دوست، بے تکلف معشوق۔

(فیروز اللغات، ص ۷۹۴)

طلب: خواہش، مانگ، مانگنا، آرزو، لت، دھت، جستجو، تلاش، بلاوا، طلبی، وہ چیز جو مانگی جائے، تنخواہ، مشاہرہ۔

(فیروز اللغات، ص ۸۷۹ ☆ لغات کشوری، ص ۴۷۰ ☆ کریم اللغات، ص ۱۰۶)

تمغا: مہر سلطانی، سونے چاندی وغیرہ پر مہر، نشان، مہر، نشان جو جانوروں پر لگائے جاتے ہیں، تجارتی نشان، سند، معافی کی سند، معافی یا انعامی رہن، سونے اور چاندی کا بنا ہوا نشان جو انعام کے طور پر دیا جاتا ہے، سکہ، ٹھپا، نشان، علامت، محصول چنگی، ڈپلوما کا نشان جو حاکم یا یونیورسٹی یا کالج وغیرہ کی طرف سے دیا جاتا ہے۔

(فیروز اللغات، ص ۳۸۰ ☆ لغات کشوری، ص ۱۶۳)

پہلے مصرع میں جو لفظ ''خاک'' ہے اس کا مطلب ''راکھ'' ہے۔
دوسرے مصرع میں جو لفظ ''خاک'' ہے اس کا مطلب ''مٹی'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان مدینہ طیبہ کی مقدس خاک کی تمنا میں خاک ہو جانے کی آرزو فرماتے ہیں اور دعاء کرتے ہیں کہ مدینہ طیبہ کی طلب میں اللہ ہمیں خاک (راکھ) کردے، ہمارے آقا، ہمارے مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ہمارے لئے تمغا یعنی معافی کی سند ہے۔ اس شعر میں لفظ ''خاک'' کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ خاک ہے وہ راکھ کے معنی میں ہے اور دوسری مرتبہ جو لفظ ''خاک'' ہے وہ مٹی، دھول اور زمین وغیرہ کے معنی میں ہے۔ دونوں لفظ خاک حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان دعا کرتے ہیں کہ ''اللہ ہمیں خاک کرے'' یعنی اللہ ہمارے وجود کو راکھ کردے یہاں خاک بمعنی راکھ ہے۔ اور راکھ کے معنی ہی زیادہ موزوں ہیں۔ کیوں کہ کوئی چیز راکھ ہونے سے پہلے اچھی طرح جلتی ہے۔ اردو زبان میں اس کے تعلق سے محاورہ ہے کہ ''جل کر خاک کرنا''

- اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اتنا زیادہ جلانا کہ چیز بالکل خاک ہو جائے۔ (فیروز اللغات، ص ۴۶۶)

تو خاک ہونے سے پہلے جلنا لازمی ہے اور جلنے کے لئے کسی سے دلی محبت (محاورہ) کرنی چاہیے۔ پھر اس محبت کا جوش (محاورہ) پیدا ہونا چاہیے۔ اور محبت کا دم بھرنا چاہیے (محاورہ)۔ اور اس محبت کے دم میں محبوب کے فراق و ہجر کے مارے سدا گور کنارے۔ (مقولہ) کے مطابق غم و اضطراب میں محو ہو کر محبوب کی جستجو اور طلب صادق پیدا کرنی چاہیے۔ اور محبوب کی جستجو میں دیوانگی کی حد تک پہنچ کر اپنے وجود کو عشق کی آگ میں جلانا چاہیے، اور اتنا زیادہ جلانا چاہیے کہ اپنا وجود جل کر راکھ ہو جائے۔ اور خاک ہونے کے لئے صرف جلنا نہیں بلکہ خوب جلنا لازمی و ضروری ہے۔ کیوں کہ اگر ہم صرف جلے ہی اور راکھ نہ ہوئے تو ہمارا مقصد حل نہ ہوگا۔ اور وہ مقصد کیا ہے؟ وہ ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔ ایک تو ہوتا ہے جلنا، اور ایک ہوتا ہے جل کر راکھ ہونا۔ مثال کے طور پر کوئی شخص آگ میں جل گیا۔ اور مر گیا۔ لیکن راکھ نہیں ہوتا۔ وہ آگ میں جلا ضرور، جل کر اپنی جان بھی دے دی۔ لیکن اس کا جسم جلا بھنا نہیں جسم جل کر کوئلہ ہو گیا۔ اور پورے جسم کی جلد سیاہ ہو گئی۔

پورے جسم میں پھپھولے پھوٹ نکلے۔ چہرہ جل کر بھیانک نظر آنے لگا۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود اس کا جسم اپنی ہیئت پر برقرار ہے۔ ہاتھ، پاؤں، پشت و شکم و دیگر اعضائے بدن کی شناخت ہورہی ہے تو ایسا جلنا مقصد کے حصول کے لئے کارآمد نہیں ہے۔ کیوں کہ اس طرح جل کر مرجانے والے کو زمین میں اسلامی طریقے پر دفن کیا جائے گا۔ قبر میں اس کی لاش مردہ مجسمے کی حیثیت سے رکھی جائے گی۔ اور قبر کی مٹی اور لاش میں بنظر ظاہر ایک امتیاز رہے گا۔ اور زمین کی مٹی اور میت کے جسم کی الگ الگ شناخت ہوگی۔ لیکن دوسری صورت ہے کہ آدمی اتنا جلے اتنا جلے کہ اس کے جسم کا وجود ہی نیست و نابود ہوجائے۔ اور آخر کار وہ راکھ کا ایک ڈھیر بن جائے۔ اب اس صورت میں اس کے جسم کی کوئی ہیئت و شناخت باقی نہیں رہے گی۔ وہ ایک راکھ ہے جو مرکب ہے جسم کے مختلف اعضائے سوختہ سے، اور وہ تمام اعضائے بدن اپنی مخصوص شناخت سے غیر مقید اور لاابالی ہوکر مساوی ہوکر ایک دوسرے میں مخلوط اور پیوستہ ہوکر اپنے وجود کو فنا کرچکے ہیں۔ اور تمام اعضائے بدن مرکب ہوکر صورت راکھ اختیار کرچکے ہیں۔ اور تمام اعضائے بدن کی فنائیت کا یہ راکھ معجون ہے، جو ایک دوسرے میں فنا ہوکر بنا ہے۔ لیکن اب وہ معجون جو راکھ کی صورت میں ہے وہ اپنے اندر مجموعی حیثیت سے فنا ہونے کا مادہ رکھتا ہے۔ تیز ہوا آئے گی تو ہوا کے ساتھ اڑکر فضا میں مخلوط ہوجائے گا۔ اور اگر گڑھا کھود کر زمین میں دفن کردیا جائے تو زمین میں دفن ہوکر مٹی کے ساتھ مٹی ہوجائے گا۔ اور اپنا جوہر فنائیت کا اظہار کرتے ہوئے زبان حال سے یہی کہے گا کہ جو عاشق صادق اپنے محبوب کے عشق میں فنا ہوکر جل کر راکھ ہوجاتا ہے اس کی راکھ بھی اپنی شان فنائیت کو برقرار رکھتے ہوئے مٹی میں فنا ہوجاتی ہے۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے شعر کا بھی یہی مقصد ہے کہ ہم اپنی طلب میں اتنے بیتاب رہیں کہ اللہ ہمیں اپنی طلب میں راکھ کردے اور ہماری طلب کیا ہے بقول حضرت رضا بریلوی:

رضاؔ وہ بھی اگر چاہیں تو اب دل میں یہ ٹھانی ہے ۔۔۔ یہ سر ہو اور وہ خاک در وہ خاک در ہو اور یہ سر

ہر مومن کی یہی طلب ہوتی ہے کہ کاش در مصطفیٰ پر اجل آجائے اور جس کو در مصطفیٰ پر اجل آجائے اس کی تقدیر کا کیا کہنا؟ وہ بھی اس طرح کہ ہمارا وجود سوزش عشق سے سوختہ ہوکر راکھ بن جائے۔ اور خاک مدینہ میں مل جائے، خاک مدینہ کی مدح و ثنا میں حضرت رضا بریلوی کا مصرع ثانی بھی کتنا پیارا ہے کہ ''یہ خاک تو سرکار سے تمغا ہے ہمارا'' یعنی مدینہ کی خاک (مٹی) ہم جیسے عاصیوں کے لیے گناہوں سے معافی کی سند ہے۔

- حدیث میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

''مَنْ مَّاتَ بِاَحَدِ الْحَرَمَیْنِ بُعِثَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ''

جو شخص کہ دونوں حرمین میں سے کسی حرم میں مرے وہ قیامت کے دن امن پانے والوں کے گروہ میں اٹھایا جائے گا۔

(جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب، از: شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، ص ۱۷۵)

- حضور اقدس رحمت عالم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ

''اَلْمَدِیْنَۃُ خَیْرٌ لَّھُمْ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ''

مدینہ بہتر ہے ان کے لئے کاش کہ جانتے ہوتے۔ (جذب القلوب اردو، ص۱۰)

- ابن ماجہ اور عبد الحق نے ان لفظوں میں روایت کیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ

''مَنْ اِسْتَطَاعَ اَنْ یَمُوْتَ بِالْمَدِیْنَةِ فَلْیَمُتْ، فَمَنْ مَّاتَ بِالْمَدِیْنَةِ کُنْتُ لَهٗ شَفِیْعًا وَ شَهِیْدًا''

ترجمہ: جو شخص مدینہ میں مرنے کی طاقت رکھتا ہے تو اس کو چاہیے کہ مدینہ میں مرے، پس جو شخص مدینہ میں مرا میں اس کے لئے قیامت میں شفاعت کروں گا اور اس کے حق میں گواہی دوں گا۔ (جذب القلوب، اردو، ص۲۲)

اسی حدیث کی امام احمد رضا محدث بریلوی ترجمانی فرماتے ہیں کہ ''یہ خاک تو سرکار سے تمغا ہے ہمارا'' مدینہ منورہ مقدس خاک کی قدر و منزلت وہی جانتا ہے کہ جس کے دل میں حضور ﷺ کی عظمت و محبت کا دریا موجزن ہوتا ہے۔ سرزمین مدینہ منورہ کو اگر شرف حاصل ہے تو وہ حضور ﷺ کی ذات گرامی کے طفیل حاصل ہے۔ یہی شرف مکہ معظّمہ کو بھی حاصل ہے

- قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

''لَاۤ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَ اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ'' (پارہ۳۰، سورۃ البلد، آیت ۱/۲)

ترجمہ: مجھے اس شہر کی قسم کہ اے محبوب تم اس شہر میں تشریف فرما ہو۔ (کنز الایمان)

اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ مقدس شہر کی قسم یاد فرماتا ہے۔ اس آیت میں مکہ معظّمہ یا مدینہ منورہ کا ذکر نہیں، بلکہ مطلق فرمایا گیا کہ آپ جس شہر میں تشریف فرما ہو، اس شہر کی قسم۔ چوں کہ یہ آیت کریمہ مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی ہے اور اس وقت شہر سے مراد مکہ تھا کیوں کہ قرآن شریف میں اس شہر کو ''وَ اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ'' یعنی تم اس شہر میں تشریف فرما ہو سے مقید کر دینا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ شہر کی قسم یاد فرمانا صرف محبوب کی جلوہ گری سے ہے اور جب وہ محبوب ہجرت فرما کر مکہ معظّمہ سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو قسم کا سبب اور وصف مکہ معظّمہ سے منتقل ہو گیا۔ اور سرزمین مدینہ طیبہ کو شرف حاصل ہو گیا۔ اب محبوب اعظم ﷺ مدینہ طیبہ میں اپنی ظاہری زندگی بسر فرما رہے ہیں۔ اور اب وہ قسم مدینہ منورہ سے متعلق ہو گئی۔ اور پھر ظاہری زندگی سے پردہ فرما کر محبوب سرزمین مدینہ منورہ میں تا قیام قیامت آرام فرما ہیں۔ لہٰذا قسم تا قیامت تک شہر مدینہ منورہ کے لئے ہو گئی۔

- حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نہ سنا کہ خدا نے حضرت محمد ﷺ کے سوا کسی کے شہر اور عمر کی قسم یاد فرمائی ہو۔

اسی آیت کریمہ کے نازل ہونے کے بعد امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ

''بِاَبِیْ اَنْتَ وَ اُمِّیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ قَدْ بَلَغَتَ مِنَ الْفَضِیْلَةِ عِنْدَهٗ اَنْ اَقْسَمَ بِتُرَابِ قَدَمَیْكَ فَقَالَ لَاۤ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ''

ترجمہ: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ کی بزرگی اس حد تک پہنچی کہ خدا نے آپ کے قدموں کی خاک کی قسم یاد فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ ''لَاۤ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ''

(المواہب اللدنیہ، و تفسیر سورہ الم نشرح، ص۸۱)

ظاہر امر ہے کہ کسی شہر کی قسم یاد فرمانے سے مراد شہر کی خاک ہی ہوتی ہے۔ کیوں کہ شہر سے مراد سرزمین ہے جس کی خاک اس شخصیت کے قدموں سے مس کررہی ہو۔ اور مدینہ منورہ کی خاک؟ اللہ اکبر! اس مقدس خاک میں تمام امراض روحانی وجسمانی کی شفا ہے۔ اور ہر بلا اور آفت ومصیبت، امراض وعذاب سے نجات کا تمغا یعنی سند ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص کو استسقاء کی بیماری ہوئی، اس بیماری میں پیٹ بہت بڑھ جاتا ہے اور شدت سے پیاس لگتی ہے۔ اس شخص نے کسی کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے مرض کی شفایابی کے لئے بھیجا۔ حضور نے ایک مٹھی خاک دست اقدس میں لے کر اپنا لعاب دہن اس میں ڈالا اور اس فرستادہ کو عطا فرمادیا، وہ متعجب اور حیران ہوا اس نے گمان کیا کہ شاید اس کے ساتھ استہزاء فرمایا ہے، مگر وہ اس خاک کو لے کر مریض کے پاس پہنچا، تو وہ مرنے کے قریب تھا۔ مریض کو جلدی سے وہ خاک چٹائی اور وہ فوراً شفایاب ہوگیا۔ (مدارج النبوۃ، جلد ا، ص ۳۵۸)



(۳۴)

جنت ہے ان کے جلوہ سے جویائے رنگ و بو
اے گل ہمارے گل سے ہے گل کو سوال گل

حل لغت:

جلوہ: نمائش کرنا، خود کو دوسروں کو دکھانا، کسی خاص انداز سے سامنے آنا، نمودار ہونا، تجلی، نور، رونق، نظارہ کرنا، معشوق کا ناز و انداز سے چلنا، دولہا، دولہن کا آمنے سامنے ہوکر آئینہ میں ایک دوسرے کی صورت دیکھنا۔

(فیروز اللغات، ص ۴۶۹ ☆ لغات کشوری، ص ۱۹۸)

جویا: ڈھونڈنے والا، تلاش کرنے والا۔ (فیروز اللغات، ص ۴۸۶ ☆ لغات کشوری، ص ۲۰۵)

رنگ: برن، لون، فام، رنگت، روپ، طرز، روش، قسم، نوع، بہار، خوبی، خوبصورتی، رونق، مثل، مانند، نظیر، رسم، طریقہ، دستور، قاعدہ، مزہ، لطف، خمار، نشہ، طاقت، سلوک، عیب، شرم، ہم سر، جوڑا، مکر، حیلہ، ہنسی، مذاق، نام، راگ۔

(فیروز اللغات، ص ۷۲۰ ☆ لغات کشوری، ص ۳۳۱)

بو: باس، مہک، خوشبو، بدبو، خبر، بھنک، راز، آن بان شان، شک وشبہ کی جگہ، امید، طمع، سراغ، محبت، خوبی، کاش، شاید۔

(فیروز اللغات، ص ۲۲۱ ☆ لغات کشوری، ۱۰۶)

رنگ و بو: شان و شوکت، رونق، کرّوفر۔ (فیروز اللغات، ص۷۲۲)
گل: پھول، جسم کو داغنے کا نشان، چراغ کی بتی کا جلا ہوا یا جلتا ہوا سرا، جوتے کی ایڑی کا چمڑا، معشوق، داغ، دھبہ، حقے کا جلا ہوا تمباکو، وہ سفید دھبہ جو آنکھوں میں پڑ جائے، آگ سے جل جانے کا نشان، آگ کا انگارہ، نتیجہ، خوب۔ (فیروز اللغات، ص۱۱۰۰ ☆ لغات کشوری، ص۶۱۷ ☆ کریم اللغات، ص۱۳۴)
گل بو: پھول کی خوشبو۔ (فیروز اللغات، ص۱۱۰۰)
گل و بلبل: عاشق و معشوق۔ (فیروز اللغات، ص۱۱۰۲)
گل زار: رونق۔ (فیروز اللغات، ص۱۱۰۱)
گل کھانا: عاشق ہونا۔ (فیروز اللغات، ص۱۱۰۲)

دوسرے مصرع میں پہلی مرتبہ جو لفظ ''گل'' ہے اس کا مطلب ''پھول'' ہے۔
دوسرے مصرع میں دوسری مرتبہ جو لفظ ''گل'' ہے اس کا مطلب ''معشوق'' ہے۔
دوسرے مصرع میں تیسری مرتبہ جو لفظ ''گل'' ہے اس کا مطلب ''عاشق'' ہے۔
دوسرے مصرع میں چوتھی مرتبہ جو لفظ ''گل'' ہے اس کا مطلب ''رونق'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ مالک جنت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف ایک عالی شان انداز میں بیان فرما رہے ہیں۔ یہ شعر آپ کی اس نعت کا ہے جو آپ نے غزل کے انداز میں ہے اور جس میں آپ نے لفظ ''گل'' کو بحیثیت ردیف استعمال فرمایا ہے۔ نعت کا مطلع یعنی پہلا شعر یہ ہے:

کیا ٹھیک ہو رخ نبوی پر مثال گل　　　پامال جلوہ کف پا ہے جمال گل

پوری نعت شریف عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شاداب پھولوں سے لہلہاتی ہے اور کیف و سرور عشق رسول سے مہک رہی ہے جس کی دل شاد خوشبو سے مومن کا ایمان بھی معطر ہو رہا ہے۔ یہ شعر اس نعت کا دوسرا شعر ہے جس میں آپ ایک پھول سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ

جنت ہے ان کے جلوے سے جویائے رنگ و بو　　　اے گل ہمارے گل سے ہے گل کو سوال گل

پہلے شعر کو لغت سے حل کرنے کی کوشش کریں۔ آپ فرماتے ہیں کہ میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بے مثل و مثال حسن و جمال کا یہ عالم ہے کہ خود جنت بھی ان کے جلوے سے رنگ اور بو (خوشبو) تلاش کرتی ہے۔ لہٰذا اے گل (پھول) ہمارے گل (معشوق و محبوب، یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم) سے گل (عاشق، جنت) بھی گل (رونق و جمال) کا سوال کرتا ہے۔ اس شعر میں لفظ ''گل'' کا چار مرتبہ استعمال کیا گیا ہے اور چاروں مرتبہ الگ الگ معنی میں اس کا استعمال ہوا ہے۔ حل لغت کے کالم میں چاروں معنی ملاحظہ فرمائیں۔ چاروں لفظ ''گل'' حروف و اعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی و مطلب کے اعتبار

سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔ اور اس شعر میں ایک ساتھ دو تجنیسات ہیں اور خوبی کی بات یہ ہے کہ دونوں تجنیسات ایک ہی لفظ ''گل'' میں بیان کی گئی ہیں۔ اردو ادب کے کسی بھی شاعر نے اس طرح ایک ہی لفظ سے چار الگ الگ معنی اخذ کر کے ایک ہی شعر میں ایک ساتھ دو تجنیسات کی مثال پیش نہیں کی۔ یہ تو صرف حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے کلام کا خاصہ ہے۔ کیوں کہ ''کلام الامام، امام الکلام'' یعنی امام کا کلام جو ہوتا ہے وہ کلام کا بھی امام ہوتا ہے۔

پھول کی اہمیت اس کی خوشبو اور رنگ و روپ کی وجہ سے ہی ہے۔ خوشبو اور رنگ کی وجہ سے ہی پھول پیارا لگتا ہے۔ حالاں کہ پھول نزاکت و لطافت کا بھی حامل ہوتا ہے۔ لیکن صرف نزاکت جاذب ہونے کے لئے کافی نہیں۔ ویسے تو روئی اور کپاس کا پودا بھی اپنے اندر نزاکت کا وصف رکھتا ہے لیکن خوشبو اور رنگ نہ ہونے کی وجہ سے اس کی نزاکت غیر جاذب بن کر رہ جاتی ہے اور خوشبو اور رنگ میں زیادہ اہمیت خوشبو کو حاصل ہے۔ اگر کسی پھول میں رنگ کی سجاوٹ ہے، لیکن خوشبو کا فقدان ہے تو پھول صرف دکھاوے کے پھول میں شمار ہوگا اور اس کی اہمیت نہ ہوگی۔ مثال کے طور پر دھتورا کا پھول جاذب النظر نہیں لیکن اس کی خوشبو دلکش ہے تو وہ پھول ضرور دل کو لبھانے اور دماغ کو معطر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، سیاہ رنگ ہرگز جاذب النظر نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض لوگ سیاہ رنگ کو رنج وغم کی علامت کا غلط نظریہ رکھتے ہیں۔ لیکن اگر سیاہ رنگ میں بھی خوشبو کی آمیزش ہو جائے گی تو وہ خوشبو رنگ کی نحوست کو بھی زائل کر دیتی ہے۔ مثال کے طور پر ''گل مشکی'' یہ ایک سیاہ رنگ کا خوشبودار پھول ہوتا ہے جو اپنی نرالی خوشبو و مہک کی وجہ سے سیاہ رنگ ہونے کے باوجود بھی دلکش ہوتا ہے۔

المختصر! پھول کی اہمیت، نزاکت کے ساتھ ساتھ خوشبو اور رنگ کے ہونے کی وجہ سے ہی ہے۔ گل آفتاب، گل احمر، گل داؤدی، گل سر سبد، گل سوسن، گل شب افروز، گل شبو، گل صد برگ، گل عباسی، گل لالہ، گل مہندی، گل نسرین، گل نیلوفر، گل ہزارہ، گل نسترن جیسے مشہور و معروف پھول نزاکت کے ساتھ ساتھ رنگ و خوشبو کا بھی وصف رکھنے کی وجہ سے شہرت یافتہ ہیں۔

اب اسی نزاکت، رنگ اور خوشبو کے حامل پھول کو مخاطب ہو کر حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں: ''اے پھول! تجھ میں نزاکت، خوشبو اور حسن کا سنگم ہے۔'' یہ تینوں وصف جنتی وصف ہیں کیوں کہ جنت میں لطافت خوشبو اور رنگ ہی ہوگا۔ دنیا کے اعلیٰ سے اعلیٰ حسن و جمال اور دنیا کی خوشبو و مہک اور دنیا کی لطافت و نزاکت کو جنت کی کسی چیز کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں۔ یہاں تک کہ جنت کی کوئی حور زمین کی طرف جھانکے تو زمین سے آسمان تک روشن ہو جائے۔ اور خوشبو سے بھر جائے اور چاند سورج کی روشنی جاتی رہے۔ تو جب وہ جنت کا جو بقعۂ نور اور قبہ خوشبو ہے۔ وہ جنت بھی میرے آقا و مولیٰ ﷺ کے جلوے یعنی تجلی نور سے رنگ و نور کی طلب گار ہے۔ بلکہ میرے آقا و مولیٰ ﷺ کے طفیل وجود میں آئی ہے۔

- امام اجل سیدنا امام مالک رضی اللہ عنہ کے شاگرد اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے استاذ اور امام بخاری و امام مسلم کے استاذ الاستاذ حافظ الحدیث، احد الاعلام، حضرت عبد الرزاق ابو بکر بن ہمام رضی اللہ عنہ نے اپنی مصنف میں حضرت سیدنا و ابن سیدنا جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ:

''قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ بِاَبِیْ اَنْتَ وَ اُمِّیْ اَخْبِرْنِیْ عَنْ اَوَّلِ شَیْءٍ خَلَقَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی قَبْلَ الْاَشْیَاءِ قَالَ یَا جَابِرُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی قَدْ خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْیَاءِ نُوْرَ نَبِیِّكَ مِنْ نُوْرِهٖ فَجَعَلَ ذَالِكَ النُّوْرَ یَدُوْرُ بِالْقُدْرَةِ حَیْثُ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَ لَمْ یَكُنْ فِیْ ذَالِكَ الْوَقْتِ لَوْحٌ وَ لَا قَلَمٌ وَ لَا جَنَّةٌ وَ لَا نَارٌ وَ مَلَكٌ وَ لَا سَمَاءٌ وَ لَا اَرْضٌ وَ لَا جِنٌّ وَ لَا اِنْسٌ، فَلَمَّا اَرَادَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَنْ یَّخْلُقَ الْخَلْقَ قَسَّمَ ذٰلِكَ النُّوْرَ اَرْبَعَةَ اَجْزَاءٍ فَخَلَقَ مِنَ الْجُزْءِ الْاَوَّلِ الْقَلَمَ وَ مِنَ الثَّانِیْ اَللَّوْحَ وَ مِنَ الثَّالِثِ الْعَرْشَ ثُمَّ قَسَّمَ الْجُزْءَ الرَّابِعَ اَرْبَعَةَ اَجْزَاءٍ فَخَلَقَ مِنَ الْاَوَّلِ حَمَلَةَ الْعَرْشِ مِنَ الثَّانِیْ الْكُرْسِی وَ مِنَ الثَّالِثِ بَاقِی الْمَلَائِكَةَ ثُمَّ قَسَّمَ الرَّابِعَ اَرْبَعَةَ اَجْزَاءٍ فَخَلَقَ مِنَ الْاَوَّلِ السَّمٰوَاتِ وَ مِنَ الثَّانِیْ الْاَرْضِیْنَ وَ مِنَ الثَّالِثِ الْجَنَّةَ وَ النَّارَ ثُمَّ قَسَّمَ الرَّابِعَ اَرْبَعَةَ اَجْزَاءٍ۔''(الحدیث بطوله)

ترجمہ:وہ فرماتے ہیں، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے ماں باپ حضور پر قربان، مجھے بتادیجئے کہ سب سے پہلے اللہ عزوجل نے کیا چیز بنائی ،فرمایا: اے جابر! بیشک بالیقین اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات سے پہلے تیرے نبی (ﷺ) کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا وہ نور قدرت الٰہی سے جہاں خدا نے چاہا دورہ کرتا رہا۔اس وقت لوح و قلم، جنت ودوزخ ،فرشتے ،آسمان ، زمین ،سورج چاند، جن آدمی کچھ نہ تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نور کے چار حصے کئے ۔ پہلے حصہ سے قلم ،دوسرے سے لوح ،تیسرے سے عرش بنایا۔ پھر چوتھے حصے کے چار حصہ کئے پہلے سے عرش کو اٹھانے والے فرشتے دوسرے سے کرسی اور تیسرے سے باقی تمام فرشتے بنائے پھر اس چوتھے حصے کے چار حصے بنائے ۔ پہلے حصے سے آسمان دوسرے سے زمینیں اور تیسرے سے جنت ودوزخ بنائے پھر اس چوتھے حصے کے چار حصے کیئے۔ آخر حدیث تک۔

(صلات الصفاء فی نور المصطفیٰ ،از: امام احمد رضا محدث بریلوی،ص ۳)

- اس حدیث کو امام بیہقی نے ''دلال النبوۃ''میں
- امام قسطلانی نے ''المواہب اللدنیہ''میں
- امام ابن حجر مکی نے ''افضل القریٰ''میں
- علامہ فاسی نے ''مطالع المسرات''میں
- علامہ زرقانی نے ''شرح المواہب اللدنیہ''میں
- علامہ دیار بکری نے خمیس میں اور
- شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی نے ''مدارج النبوۃ''میں روایت کیا ہے۔ یہ حدیث حسن، صالح مقبول اور معتمد ہے۔

جنت کا رنگ وروغن، نور ورونق اور جنت کی خوشبو ومہک کیسی ہوگی؟ اب وہ دیکھیں ۔ احادیث مصطفیٰ ﷺ کی روشنی میں علماء وائمہ ملت اسلامیہ نے جنت کے جو اوصاف بیان فرمائے ہیں ان میں سے ہے کہ:

- جنت کی دیواریں سونے اور چاندی کی اینٹوں اور مشک کے گارے سے بنی ہیں۔ ایک اینٹ سونے کی ایک اینٹ چاندی کی۔ زمین زعفران کی اور کنکریوں کی جگہ موتی اور یاقوت ہیں۔ (بہار شریعت، حصہ ۱، ص ۴۴)
- جنت میں چار دریا ہیں۔ ایک پانی کا، دوسرا دودھ کا، تیسرا شہد کا اور چوتھا شراب کا پھر ان سے نہریں نکل کر ہر ایک مکان سے جاری ہیں، وہاں کی نہریں زمین کھود کر نہیں بہتیں۔ بلکہ زمین کے اوپر اوپر رواں ہیں نہروں کا ایک کنارہ موتی کا دوسرا یاقوت کا، اور نہروں کی زمین خالص مشک کی۔ وہاں کی شراب دنیا کی شراب کی طرح نہیں کہ جس میں بدبو، کڑواہٹ اور نشہ ہوتا ہے کہ جس کے پینے والے بے عقل ہو جاتے ہیں اور آپے سے باہر ہو کر بیہودہ بکواس کرتے ہیں۔ وہ پاک شراب ان سب باتوں سے پاک اور منزہ ہے۔ (بہار شریعت، حصہ اول ۴۴)

ان تمام اقتباسات کا ماحصل یہ ہے کہ جنت میں ہر طرح کی غایت درجہ نزاکت، رنگت، لطافت خوشبو اور مہک ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ حدیث جو مندرجہ بالا مذکور ہوئی۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کے چار حصے کیئے، چوتھے حصے کے چھوتھے حصے سے جنت بنائی ہے۔ تو جنت کی اصل اور جنت کا مبدا و بنیاد نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ جنت اس نور مصطفیٰ کی ایک فرع اور شاخ ہے اور ظاہر ہے کہ فرع اور شاخ میں جو رنگ اور رونق اور خوشبو اور مہک ہوتی ہے۔ وہ اس کی اصل اور جڑ کی بنیاد پر ہی ہوتی ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نور سے پیدا فرمایا ہے۔ تو جو ذات پاک اللہ کے نور سے بنی ہو اس کے نور، حسن و جمال اور نورانیت میں شک کی گنجائش ہی نہیں۔ اور اس نوری جسم کو اللہ تعالیٰ نے ایک خصوصیت عطا فرمائی ہے کہ اس جسم اطہر سے جو بھی شی خارج ہوتی ہے وہ نور اور خوشبودار ہی ہوتی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس کی خوشبو کے تعلق سے کچھ واقعات حدیث کی روشنی میں شعر نمبر 114

خالی پاؤں گا جب اس گل سے دماغ	زندگی کا میرے گل ہوگا چراغ

کی تشریح میں ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں تبرکاً ایک دو روایات پیش خدمت ہیں:

- حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ہر ایک خوشبو مشک ہو یا عنبر سونگھی ہے۔ لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبوئے اطہر سے زیادہ کوئی نہ تھی۔ (مدارج النبوۃ، از شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۴۷)
- حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا جو آپ کی خدمت مین رہا کرتی تھیں، وہ فرماتی ہیں کہ رات کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تخت مبارک کے نیچے پیالہ رکھا جاتا تا کہ اگر رات میں ضرورت ہو تو اس میں بول (پیشاب) فرمادیں۔ چنانچہ ایک رات جب آپ نے بول مبارک فرمایا اور صبح ہوئی تو حضور نے ام ایمن سے فرمایا کہ اس تخت کے نیچے ایک پیالہ ہے اسے زمین کے سپرد کر، لیکن انہوں نے اس پیالہ میں کچھ نہ پایا۔ ام ایمن نے عرض کیا یا رسول اللہ! رات مجھے پیاس معلوم ہوئی تو میں نے اسے پی لیا، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا۔ اور ام ایمن سے فرمایا کہ "اب تمہیں کبھی پیٹ کا درد لاحق نہ ہوگا۔" (مدارج النبوۃ، اردو، جلد ۱، ص ۵۰)

- ایک عورت تھیں جن کا نام ''برکہ'' رضی اللہ عنہا تھا۔ وہ بھی آپ کی خدمت میں رہا کرتی تھیں، انہوں نے بھی ایک مرتبہ آپ کا بول شریف پی لیا تھا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم ہمیشہ کے لئے تندرست بن گئیں اب کبھی بیمار نہ ہوگی، چنانچہ وہ عورت کبھی بھی بیمار نہ ہوئیں۔'' (مدارج النبوۃ، جلد ا، ص ۵۰)
- شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ بعض روایتوں میں ہے کہ ایک شخص نے آپ کا بول شریف پی لیا تھا۔ تو اس کے جسم سے ہمیشہ خوشبو مہکتی رہتی۔ حتیٰ کہ اس کی اولاد میں کئی نسلوں تک یہ خوشبو رہی۔

(مدارج النبوۃ، جلد ا، ص ۵۰)

اب آیئے! حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے شعر کے مصرع اول پر غور کریں کہ ''جنت ہے ان کے جلوے سے جویائے رنگ و بو'' یعنی جنت بھی میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلوے سے رنگ و بو یعنی شان و شوکت تلاش کر رہی ہے۔ اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے لفظ ''جلوے'' مفرد استعمال فرمایا ہے۔ جمع ''جلووٴں'' استعمال نہیں فرمایا۔ یعنی صرف ایک جلوے نے جنت کو شان و شوکت بخش دی۔ اور وہ جلوہ ہے شب معراج کا۔ شب معراج میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جسم اقدس کے ساتھ جنت کی سیر کرنے تشریف لے گئے تھے۔ واقعۂ معراج اور اس کے اسرار شعر نمبر 71

معراج کا سماں ہے کہاں پہنچے زائرو ۔۔۔ کرسی سے اونچی کرسی اسی پاک در کی ہے

اور شعر نمبر 102

پوچھتے کیا ہو عرش پر یوں گئے مصطفیٰ کہ یوں ۔۔۔ کیف کے جہاں جلیں کوئی بتائے کیا کہ یوں

کی تشریح میں ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں پر صرف اتنا ہی ملاحظہ ہو کہ شب معراج حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قدم ناز سے جنت کی سیر فرما کر جنت کی شان و شوکت کو دوبالا فرمایا۔ جسم اقدس کی خوشبو نے جنت کو معطر کر دیا ہے۔ صرف ایک مرتبہ جنت کی سیر فرما کر اپنے ایک ہی جلوے سے جنت کو زینت بخشی، اور تن مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو سے بہشت بھی عنبر سارا ہو گئی۔ لیکن یہاں ایک پیچیدہ مسئلہ وہ لوگ کھڑا کر رہے ہیں۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمانی معراج کے منکر ہیں۔ عظمت رسول سے جلنے والے گروہ نے ایک فتنہ یہ مچا رکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج خواب میں ہوئی تھی۔ آپ اپنے جسم اقدس کے ساتھ معراج میں تشریف نہیں لے گئے تھے۔ تو جب یہ منکرین جسمانی معراج کے قائل نہیں تو پھر شب معراج جسم اقدس کے ساتھ جنت میں تشریف لے جانے کے بھی قائل نہیں۔ تو لامحالہ وہ جنت کو قدم ناز سے زینت بخشنے کے منکر ہیں۔ ایسے منکرین کو ساکت و مبہوت کرنے کے لیے الحمدللہ! اہل سنت و جماعت کے پاس دلائل و شواہد موجود ہیں۔

- صحیح مسلم میں حضرت حذیفہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے اور تصانیف طبرانی ابن ابی حاتم و ابن مردویہ میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے جو حدیث شفاعت مروی ہے اس طویل حدیث کے اختتام پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ ''فَيَاْتُوْنِیْ فَيَاْذَنُ اللّٰهُ لِیْ اَنْ اَقُوْمَ اِلَيْهِ فَيَثُوْرُ مِنْ اَطْيَبِ رِيْحٍ مَا شَمَّهَا اَحَدٌ قَطُّ حَتّٰى اٰتِیْ رَبِّیْ

فَشَفَّعَنِیْ وَ یَجْعَلُ لِیْ نُوْرًا مِنْ شَعْرِ رَأْسِیْ اِلٰی ظِفْرِ قَدَمِی۔''

ترجمہ: لوگ میری خدمت میں حاضر آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اذن دے گا۔ میرے کھڑے ہوتے ہی وہ خوشبو مہکے گی جو آج تک کسی دماغ نے نہ سونگھی ہوگی۔ یہاں تک کہ میں اپنے رب کے پاس حاضر ہوں گا، وہ میری شفاعت قبول فرمائے گا۔ اور میرے سر کے بالوں سے پاؤں کے ناخن تک نور کر دے گا۔

(تجلی الیقین بان سیدنا شفیع المرسلین، از: امام احمد رضا محدث بریلوی، ص ۱۳۲، حدیث نمبر ۳۵)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ بروز قیامت جب حضور ﷺ اپنے رب کے حضور استادہ ہوں گے، تب ایک انوکھی اور بے مثال خوشبو مہکے گی اور حضور سر سے لے کر پاؤں تک نور سے بھر جائیں گے۔ پھر کیا ہوگا؟ حضور جنت میں سب سے پہلے تشریف لے جائیں گے۔

● مسند احمد اور صحیح مسلم شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سید المرسلین، شفیع المذنبین ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ

''اٰتِیْ بَابَ الْجَنَّةِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَاَسْتَفْتِحُ فَیَقُوْلُ الْخَازِنُ مَنْ اَنْتَ؟ فَاَقُوْلُ مُحَمَّدٌ، فَیَقُوْلُ بِكَ اُمِرْتُ اَنْ لَّا اَفْتَحَ لِاَحَدٍ قَبْلَكَ۔''

ترجمہ: میں روز قیامت جنت کے دروازے پر تشریف لا کر کھلواؤں گا تو داروغہ عرض کرے گا کون؟ میں فرماؤں گا، محمد (ﷺ) داروغہ عرض کرے گا مجھے آپ ہی کے واسطے حکم تھا، کہ آپ کے پہلے کسی کے لئے نہ کھولو۔

(تجلی الیقین، ص ۱۲۷، حدیث نمبر ۳۰)

● ابو نعیم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی کہ حضور سید المرسلین ﷺ فرماتے ہیں کہ

''اَنَا اَوَّلُ مَنْ یَدْخُلُ الْجَنَّةَ وَ لَا فَخْرَ''

ترجمہ: میں سب سے پہلے جنت میں رونق افروز ہوں گا اور کچھ فخر مقصود نہیں۔

حضور کے جنت میں سب سے پہلے تشریف لے جاتے ہی جنت کی رونق اور مہک میں اضافہ ہو جائے گا۔ اور جنت کی نورانیت و مہک شباب پر آجائے گی۔ معراج کی شب حضور کے جسم اقدس کے ساتھ جنت میں تشریف لے جانے کا انکار کرنے والوں کو یہاں انکار کرنے کی گنجائش نہیں۔

خیر! حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان ان احادیث کی روشنی میں پھول سے خطاب کرتے ہوئے مصرع ثانی میں فرماتے ہیں کہ

اے گل ہمارے گل سے ہے گل کو سوال گل

یعنی اے پھول ہمارے گل (محبوب ﷺ) سے گل (عاشق یا جنت) کو سوال گل (یعنی رونق) ہے۔



(۴۲)

اس میں زم زم ہے کہ تھم تھم اس میں جم جم ہے کہ بیش
کثرت کوثر میں زم زم کی طرح کم کم نہیں

حل لغت:

زم زم: سریانی زبان میں اس کا معنی تھم تھم ہے۔ (حدائق بخشش، حصہ ۲، ص ۲۴)

تھمنا: رکنا، ٹھہرنا، وقفہ کرنا، چپ ہو جانا۔ (فیروز اللغات، ص ۳۹۷)

تھم: تھمنا کا صیغہ امر ہے، رک جا، ٹھہر جا، وقفہ کرنا، چپ ہو جا، تھم تھم کے معنی ہوں گے رک جا، رک جا، ٹھہر جا ٹھہر جا۔ (فیروز اللغات، ص ۳۹۷)

جم جم: عربی زبان کا لفظ ہے معنی ہیں کثیر کثیر، زیادہ زیادہ، بہت بہت۔

بیش: زیادہ، افزوں، بہت، ادھک۔ (فیروز اللغات، ص ۲۵۶ ☆ لغات کشوری، ص ۱۱۲ ☆ کریم اللغات، ص ۲۷)

کثرت: زیادتی، بہتات، انبوہ، ہجوم، بھیڑ، جھرمٹ۔ (فیروز اللغات، ص ۹۹۴ ☆ لغات کشوری، ص ۵۸۳ ☆ کریم اللغات، ص ۱۲۸)

کوثر: بہشت کی نہر، جنت کا حوض، بڑا سخی، بڑی بخشش والا۔ (فیروز اللغات، ص ۱۰۴۱ ☆ لغات کشوری، ص ۶۰۲ ☆ کریم اللغات، ص ۱۳۱)

کم کم: تھوڑا تھوڑا، کبھی کبھی، آہستہ آہستہ، بتدریج۔ (فیروز اللغات، ص ۱۰۲۷)

نوٹ: بزبان عربی کم کے معنی ہوتے ہیں کتنا، یعنی مقدار جاننے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

زم زم: بیت اللہ کے کنویں کا نام ہے۔ ایک کنواں ہے کعبہ کے پاس۔ (فیروز اللغات، ص ۷۴۸ ☆ لغات کشوری، ص ۳۵۲ ☆ کریم اللغات، ص ۸۴)

پہلے مصرع میں جو لفظ "زم زم" ہے اس کا مطلب "رک جا" ہے۔

دوسرے مصرع میں جو لفظ "زم زم" ہے اس کا مطلب "زم زم کا کنواں" ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان عشق نبی آخر الزماں، افضل الانبیاء والمرسلین ﷺ کی وجدانی کیفیت ایک عجیب وغریب انداز میں بیان کر رہے ہیں۔ اور یہ باور کرا رہے ہیں کہ جس طرح محبوب خدا

ﷺ تمام مخلوق سے افضل واعلیٰ ہیں اسی طرح ان سے نسبت رکھنے والی ہر چیز افضل واعلیٰ ہے۔اس شعر میں آپ نے چاہ زم زم اور حوض کوثر کا تقابل کیا ہے۔ چوں کہ زم زم کے چشمے کو حضرت سیدنا اسماعیل علیہ السلام سے نسبت ہے اس چشمہ کے وجود میں آنے کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا آپ کو لے کر مکہ جیسے بیابان میں تھیں۔اور آپ پیاس کی شدت سے بے چین و بے قرار تھے۔آپ کی یہ حالت دیکھ کر آپ کی والدہ ماجدہ تڑپ اٹھیں اور آپ کو ایک درخت کے نیچے چھوڑ کر پانی کی تلاش میں صفا اور مروہ کی دو پہاڑیوں کے درمیان دوڑتی تھیں۔شدید جستجو کے بعد بھی آپ کو پانی دستیاب نہ ہوا، ناچار مایوس ہو کر اپنے لختِ جگر کے پاس واپس پلٹیں کہ دیکھوں میرے لال کی کیا حالت ہے؟ ادھر یہ معاملہ ہوا کہ جب حضرت ہاجرہ پانی کی تلاش میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو تنہا چھوڑ کر گئیں، تو حضرت اسماعیل شدت پیاس کی وجہ سے تڑپ رہے تھے، اور اپنے ننھے ننھے مقدس پاؤں سے زمین رگڑ رہے تھے۔رحمت خداوندی کا دریا جوش میں آیا اور جس جگہ آپ اپنے پاؤں کی ایڑی رگڑ رہے تھے۔اس جگہ سے قدرتی طور پر اچانک پانی ابلنا شروع ہوا۔حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا جب اپنے نورِ چشم کے پاس واپس آئیں، تو وہ حیرت میں پڑ گئیں۔کیوں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قدموں سے ملحق زمین سے آہستہ آہستہ پانی ابل رہا تھا۔ حضرت ہاجرہ پانی کو دیکھتے ہی فرطِ مسرت سے جھوم اٹھیں، پانی آہستہ آہستہ ابل کر زمین پر پھیل رہا تھا۔زمین ریتیلی تھی آپ کو یہ خوف تھا کہ کہیں پانی ریت میں مل کر خشک ہو کر ضائع نہ ہو جائے، اسی لئے انہوں نے پانی کے اردگرد دائرہ کھینچ کر فرمایا۔زم زم یعنی ٹھہر ٹھہر یہ لفظ زم زم سریانی زبان کا لفظ ہے۔اس کے معنی ہیں، تھم تھم۔حضرت ہاجرہ کا زم زم خطاب اس پانی سے تھا۔لہٰذا اس پانی کی وجہ تسمیہ ٹھہرا اور اس پانی کا نام آبِ زم زم مشہور ہوا۔حضرت ہاجرہ کا حکم پا کر وہ پانی اس دائرے میں محدود ہو کر کنواں ہو گیا۔حدیث میں ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ ”اگر حضرت ہاجرہ اسے نہ روکتیں تو وہ سمندر ہو جاتا۔“

الحاصل! زم زم کو حضرت اسماعیل علیہ السلام سے نسبت ہے۔زم زم کا پانی دنیا کے سب پانی سے افضل واعلیٰ، خوش ذائقہ، مفید اور مفرح ہے۔احادیث میں زم زم کے پانی کی بے شمار فضیلتیں وارد ہیں۔زم زم کے کنویں میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے وہ برکت عطا فرمائی ہے کہ کروڑوں آدمی اس کا کثرت سے استعمال کرتے ہیں پھر بھی وہ کبھی خشک نہ ہوا۔آبِ زم زم کی کثرت و برکت کا سب کو اقرار ہے۔لیکن آبِ زم زم کی کثرت اپنی جگہ مسلم، مگر حوضِ کوثر کی کثرت اس سے بہت ہی زیادہ ہے۔

قرآن مجید میں ہے کہ

”اِنَّا اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ“ (پارہ ۳۰، سورۃ الکوثر، آیت ۱)

ترجمہ: اے محبوب! بیشک ہم نے تمہیں کوثر عطا کیا۔یعنی بہت سی خوبیاں عطا کیں۔(کنزالایمان)

حضرت عبداللہ بن عمر اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ حضور اقدس، مالک کوثر و جنت ﷺ نے فرمایا کہ

”اَلْكَوْثَرُ نَهْرٌ فِی الْجَنَّةِ“

یعنی کوثر جنت کی ایک نہر کا نام ہے۔

جس کی درازی ایک ماہ کی راہ ہے۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔ برف سے زیادہ ٹھنڈا اور مشک سے زیادہ خوشبودار ہے۔ اس کے کوزے ستاروں کی طرح روشن ہیں اور ان کوزوں کی تعداد ستاروں سے زیادہ ہے۔ جو شخص اس سے ایک مرتبہ پیئے گا کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ ثابت ہوا کہ چاہ زم زم کے مقابلے میں حوض کوثر میں کثرت ہے۔ اس کے پانی کے اوصاف میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ دودھ سے زیادہ سفید ہوگا۔ دودھ جیسا سفید نہیں کہا گیا، جیسا میٹھا نہیں کہا گیا بلکہ یہ کہا گیا کہ سفیدی میں مٹھاس میں ٹھنڈک اور خوشبو میں زیادہ ہوگا۔ حوض کوثر میں تو کثرت ہے بلکہ اس کے پانی کے اوصاف میں بھی کثرت ہے۔ اسی کثرت کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت رضا بریلوی ایک اچھوتے انوکھے انداز میں زم زم اور کوثر کا تقابل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس میں زم زم کی طرح تھم تھم ہے یا کوثر کی طرح یعنی کثرت ارے زم زم میں تو کم کم یعنی کتنا ہے۔ یہ سوال ہے۔ کم کم کے معنی عربی زبان میں کتنا کتنا ہوتا ہے۔ اور اردو میں تھوڑا تھوڑا ہوتا ہے۔ دوسرے مصرع کا مطلب یہ ہوا کہ حوض کوثر کہ جس کو میرے آقا ﷺ سے نسبت ہے اس کے مقابلے میں حضرت اسماعیل علیہ السلام سے نسبت رکھنے والے زم زم کی مقدار تھوڑی اور کم ہے۔ کتنی کم ہے؟ کوثر کی کتنی کثرت ہے؟ جتنی کثرت درجہ و مرتبہ میں حضور اقدس ﷺ کو حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ہے اتنی کثرت کوثر کو زم زم سے ہے۔



(۳۵)

ریش خوش معتدل مرہم ریش دل

ہالۂ ماہ ندرت پہ لاکھوں سلام

حل لغت:

ریش: ڈاڑھی، مرد کے چہرے کے بال، خط۔ (فیروز اللغات، ص ۷۴۷ ☆ لغات کشوری، ص ۳۳۹)

معتدل: اعتدال، درمیانی درجہ کا، متوسط، مدھم، موافق، مساوی یعنی جس میں زیادتی اور کمی نہ ہو، مزاج جس میں افراط اور تفریط نہ ہو۔ (فیروز اللغات، ص ۱۲۶۲ ☆ لغات کشوری، ص ۷۱۷ ☆ کریم اللغات، ص ۱۶۰)

مرہم: وہ گاڑھی اور نرم و چکنی دوا جو زخم پر لگائی جائے، کسی قسم کے زخم کا علاج، وہ چیز جو تسکین دے۔

(فیروز اللغات، ص ۱۲۴۵ ☆ لغات کشوری، ص ۶۹۱ ☆ کریم اللغات، ص ۱۵۲)

ریش: زخم، زخمی، زخم کرنے والا، اردو میں صرف مرکبات میں استعمال ہوتا ہے مثلاً: دل ریش۔

(فیروز اللغات، ص ۷۴۷ ☆ لغات کشوری، ص ۳۳۹)

ہالہ: دائرہ، کنڈل، چاند کا کنڈل جو بخارات ارض سے چاند کے گرد پڑتا ہے اس کو فارسی میں خرمن ماہ بھی کہتے ہیں۔ یہ کبھی سورج کے گرد بھی پڑتا ہے، بعضوں نے لکھا ہے کہ چاند کا ہالہ دلیل ہے مینھ کے برسنے کی، اور سورج کا ہالہ دلیل ہے جنگ اور مقاتلہ کی۔ (فیروز اللغات، ص۱۴۲۹ ☆ لغات کشوری، ص۸۱۰ ☆ کریم اللغات، ص۱۹۴)

ندرت: عمدگی، انوکھا پن، کمیابی، نادر، تنہائی، کمی، اکیلا، فرد ہونا، تحفگی۔

(فیروز اللغات، ص۱۳۵۴ ☆ لغات کشوری، ص۷۷۲ ☆ کریم اللغات، ص۱۸۱)

پہلے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''ریش'' ہے اس کا مطلب ''ڈاڑھی'' ہے۔

پہلے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''ریش'' ہے اس کا مطلب ''زخم'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک ریش اطہر یعنی ڈاڑھی کی زینت، جاذبیت، اعتدال، حسن و جمال، رونق، نورانیت، عمدگی اور فیض و کرم کا ذکر کرتے ہوئے لاکھوں سلام پیش کر رہے ہیں۔ حضرت رضا فرماتے ہیں کہ ریش خوش معتدل، یعنی اعتدال والی ڈاڑھی مبارک کی وہ کرم نوازی ہے کہ وہ مرہم ریش دل یعنی زخمی دلوں کا مرہم و علاج ہے۔ یہ ڈاڑھی مبارک ہالہ، دائرہ یا کنڈل کی شکل میں انوکھے چاند کے اردگرد یعنی کہ چہرۂ اقدس کے اردگرد پھیلی ہوئی ہے۔ اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے کلام کی ایک خوبی یہ ہے کہ آپ کے کلام کا ہر لفظ قرآن وحدیث کی روشنی سے منور ہوتا ہے۔ کوئی بھی بات بغیر دلیل وثبوت کے آپ نہیں کہتے تھے۔ شعر میں جو ریش خوش معتدل کا جملہ ہے وہ بعینہٖ حدیث کا ترجمان ہے۔

- حضرت ہند بنت ابی ہالہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ

  ''كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ كَثَّ اللِّحْيَةِ''

  یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک گنجان یعنی گھنی اور متصل تھی۔

- مشہور تابعی حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے آپ کی داڑھی مبارک کا تذکرہ ان الفاظ میں سنا کہ

  ''كَانَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اَسْوَدَ اللِّحْيَةِ''

  یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی مبارک خوب سیاہ یعنی کالی تھی۔

- حضرت ابن عساکر رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ

  ''اَسْوَدُ اللِّحْيَةِ حُسْنُ الشَّعْرِ مَفَاضُ اللِّحْيَيْنِ''

  یعنی ڈاڑھی مبارک کے بال نہایت سیاہ اور خوبصورت تھے۔ اور وہ دونوں طرف سے برابر تھی۔

- حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہ جن کا شمار عشرۂ مبشرہ میں ہے وہ فرماتے ہیں کہ آپ کی ریش مبارک نہ
خوبصورت اور خوب سیاہ تھی۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک کے متعلق اور بھی کئی روایات ہیں لیکن یہاں پر بلحاظ اختصار مذکورہ بالا روایا
اکتفاء کیا گیا۔

انسان کے جسم کے حسن و جمال کا آئینہ اس کا چہرہ ہوتا ہے۔ بلکہ انسان کا چہرہ اس کے اطوار و اخلاق کی ترجمانی
ہے، آدمی کے چہرہ کی زینت ڈاڑھی ہے اور ڈاڑھی وہی خوبصورت لگتی ہے جو گھنی ہو، اور ساتھ میں وہ دونوں رخسار
فراخی سے پھیلی ہو۔ اور اس میں بھی خوبصورت آدمی کے چہرہ پر سیاہ ڈاڑھی تو ایسی محسوس ہوتی ہے کہ کالے بادلوں
درمیان چاند طلوع ہے۔ لیکن سیاہ فام مکھڑے پر ہلکی ہلکی اور پتلی پتلی غیر متصل ڈاڑھی میں وہ زینت نہیں جو خوبصورت
پر سیاہ ڈاڑھی میں ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کی خوبصورتی کے سامنے تو چودھویں رات کے چاند کی خوبصورتی
ماند پڑ جاتی ہے۔ اس خوبصورت رخ انور پر جو ڈاڑھی تھی وہ بالکل سیاہ، گنجان اور دونوں طرف سے اعتدال والی تھی
معتدل ڈاڑھی کی وجہ سے رخ انور کے حسن میں چار چاند لگ گئے تھے۔ اس چہرۂ انور کی زینت یعنی ڈاڑھی مبارک کو حض
رضا بریلوی نے زخمی دلوں کا مرہم اور علاج کہا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ کئی زخمی دلوں نے صرف اس مقدس چہرے کا د
کر کے اپنے زخمی اور مردہ دلوں کی صحت و حیات حاصل کی ہے۔ تاریخ کے صفحات ایسے بے شمار واقعات سے مزین ہیں
اس شعر میں حضرت رضا بریلوی آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی مبارک کو ''ہالہ ماہ ندرت'' یعنی انوکھے چاند کا کنڈل ک
تعریف کا حق ادا کرنے کی سعی بلیغ کے ساتھ ساتھ فلکیات سے تعلق رکھنے والے علم ہیئت کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے
ہیئت میں ہالہ اس دائرے یا کنڈل کو کہتے ہیں جو کبھی کبھی چاند اور سورج کے ارد گرد بن جاتا ہے اور چاند سورج اس گھیر
میں آجاتے ہیں۔ یہ ہالہ بخارات ارضی کی وجہ سے بنتا ہے۔ یہ ہالہ زمین سے صاف نظر آتا ہے۔ بہت سے لوگوں نے د
ہے بلکہ اکثر نے دیکھا ہے۔ چاند کے ہالہ کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ جب چاند کے ارد گرد ہالہ بنتا ہے تو علم نجوم کے اع
سے بارش ہونے کی امید کی جاتی ہے چاند کے بدلے اگر یہ ہالہ سورج پہ بنتا ہے تو جنگ اور مقاتلہ سے آگاہی ہوتی ہے
حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان ڈاڑھی مبارک کو ''ہالہ'' سے تشبیہ دے کر امید نہیں بلکہ یقین کے درجہ میں کہہ ر
ہیں کہ جب آسمان کے چاند پر ہالہ بنتا ہے تو پانی برستا ہے۔ لیکن یہ ڈاڑھی مبارک تو رحمت کے چاند پر بشکل ہالہ رحمت
بارش ہونے کی آگاہی کر رہی ہے۔ علاوہ ازیں چاند پر ہالہ ہمیشہ نہیں بنتا۔ آسمان کے چاند پر تو کبھی کبھار ہی ہالہ بنتا ہے لیکن
خدا کی رحمت کے چاند صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس پر مستقل طور پر ہالہ (ڈاڑھی) ہے۔ تو رحمت کی بارش بھی مستقل ہوتی رہے
حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ماہ ندرت سے چہرۂ اقدس کو متصف کیا ہے اس میں یہ راز ہے کہ یہ چاند آسم
دنیا کے چاند کی طرح نہیں جو طلوع اور غروب ہوتا ہے۔ گھٹتا اور بڑھتا ہے۔ روشنی میں قلت و کثرت، فضا کی تبدیلی سے م
ہوتا ہے۔ بادل کے سبب چھپ جاتا ہے۔ چہرے پر داغ ہے۔ سورج کی روشنی کی تاب نہیں لا سکتا وغیرہ وغیرہ، کیوں ک

ماہ ندرت، انوکھا چاند ہے۔ اس میں غروب، گھٹنا، قلب نور، ماحول کے اثرات سے موثر ہونا، چہرے کا داغدار ہونا، غیر کی روشنی کی تاب نہ لاسکنا، جیسے عیوب ونقائص کا کوئی امکان ہی نہیں۔ بلکہ چاند سورج بھی اپنی روشنی کے حصول کے لئے اسی ماہ ندرت کی گدائی کرتے ہیں۔ اس ماہ ندرت کے چہرۂ اقدس پر داغ ہونے کی بات تو بہت بعید ہے، بلکہ اگر چاند ان کے مقدس تلوے کی رہ گزر کی خاک اپنے چہرے پر مل لیتا تو چاند کا چہرہ بھی داغ سے صیقل ہوجاتا۔ حضرت رضا بریلوی اس بات کو ایک مقام پر ایک نرالے انداز میں یوں بیان کرتے ہیں کہ:

ستم کیا کیسی مت کٹی تھی قمر وہ خاک ان کی رہ گزر کی اٹھا نہ لایا کہ ملتے ملتے یہ داغ سب دیکھنا مٹے تھے

حضرت رضا بریلوی کے مندرجہ بالا شعر کو مشعل راہ و ماخذ بنا کر در رضا کے گدا وفقیر نے یوں عرض کیا ہے کہ:

جو ملتا چاند ان کی رہ گزر کی خاک چہرے پر طفیل خاک کے مٹتے یہ سارے داغ صورت سے

(مصروفؔ، ہمدانی)

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم کو ایسا ''ماہ ندرت'' بنا کر بھیجا کہ جس کے نور نے پوری کائنات کو منور فرمادیا۔ حضرت رضا بریلوی نے اس شعر میں اپنے آقا و مولیٰ کے چہرہ کو ماہ ندرت کہا۔ لیکن مہر ندرت نہیں کہا۔ اگر مہر ندرت کہتے تو معنی ہوتے ''انوکھے سورج'' اور یہ بات مسلم ہے کہ چاند کے مقابلے میں سورج کی روشنی ہزارہا درجہ زیادہ ہے۔ لہٰذا چاند کے بجائے سورج کہتے تو زیادہ مناسب تھا۔ بظاہر تو یہ بات مناسب معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت میں مناسب نہیں کیوں کہ ہیئت اور علم نجوم کے اعتبار سے جب چاند کے بجائے سورج پر ہالہ بنتا ہے تو وہ علامت ہوتی ہے جنگ اور مقاتلہ کی۔ جنگ اور مقاتلہ میں ضرب وشدت ہوتی ہے۔ اور فریقین میں سے ایک کے لئے نتائج نقصان دہ ہوتے ہیں۔ جب کہ بارش کے نتائج میں فوائد ہی فوائد ہیں۔ اور اللہ کے حبیب ﷺ کی ذات گرامی تمام عالمین کے لئے سراپا رحمت ہی رحمت ہے، ان کی رحمت کی بارش سے کائنات کا ذرہ ذرہ بہرہ مند ہورہا ہے۔ اور ہوتا رہے گا، اسی لئے حضرت رضا نے ''مہر ندرت'' کے بجائے ''ماہ ندرت'' کا استعمال فرمایا ہے۔



(۳۶)

تشنۂ نہر جناں ہیں عربی و عجمی
لب ہر نہر جناں تشنۂ نیسان عرب

حل لغت:

تشنہ: پیاسا، خواہش مند۔ (فیروز اللغات، ص۳۶۱ ☆ لغات کشوری، ص۱۴۷ ☆ کریم اللغات، ص۴۷)

نہر: آب جو، چشمہ، دریا کی شاخ، پانی کی بڑی نالی جو آب پاشی کے لئے کھودی جائے، کسی پر چلا کر غصہ کرنا، منع کرنا، گھڑکنا، وہاراہ۔ (فیروز اللغات، ص۱۳۸۹ ☆ لغات کشوری، ص۷۹۳ ☆ کریم اللغات، ص۱۸۸)

جناں: جنت کی جمع، بہشتیں، دل، بہشت۔ (فیروز اللغات، ص۴۷۳ ☆ لغات کشوری، ص۲۰۱ ☆ کریم اللغات، ص۴۹)

لب: ہونٹ، کنارہ، طرف، جانب، ساحل، کراڑا، لعاب دہن، ہونٹوں کے اوپر کے بال، مونچھ، لبالب۔ (فیروز اللغات، ص۱۱۴۵ ☆ لغات کشوری، ص۶۳۲ ☆ کریم اللغات، ص۱۳۶)

نیساں: قدیم شام کی ساتویں مہینہ کی بارش، بیساکھ، اپریل مئی کا موسم، اس مہینہ بھر آفتاب برج حمل میں ہوتا ہے اور اس مہینہ کے قطروں سے سیپ میں موتی پیدا ہوتا ہے۔

(فیروز اللغات، ص۱۳۹۴ ☆ لغات کشوری، ص۷۹۴ ☆ کریم اللغات، ص۱۸۹)

پہلے مصرع میں جو لفظ ''تشنہ'' ہے اس کا مطلب ''خواہش مند'' ہے۔
دوسرے مصرع میں جو لفظ ''تشنہ'' ہے اس کا مطلب ''پیاسا'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی حمد و ثنا میں کمال عشق اور حسن ظن کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: جنت کی نہر یعنی نہر کوثر کا عرب کا ہر باشندہ اور عجم کا ہر باشندہ یعنی تمام انسان قیامت کے دن خواہش مند ہوں گے۔ لیکن جنت کی ہر نہر کے لب حضور اقدس محمد عربی ﷺ کی رحمت کی بارش کے پیاسے (تشنہ) ہوں گے۔ اس شعر میں لفظ ''تشنہ'' کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ تشنہ ہے اس کا معنی خواہش مند ہے، اور دوسری مرتبہ جو لفظ ''تشنہ'' ہے اس کا معنی ''پیاسا'' ہے۔ یہ دونوں لفظ ''تشنہ'' حروف و اعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر کی ابتداء میں حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ: ''تشنہ نہر جناں ہیں'' یعنی جنت کی نہر کے خواہش مند ہیں۔ کون؟ عربی و عجمی؟ یعنی بنی نوع انسان کا ہر فرد، پھر چاہے وہ ملک عرب کا رہنے والا ہو یا غیر ملک عرب کا باشندہ ہو۔ وہ مرد ہو یا عورت، نیک ہو یا بد، ہر انسان جنت کی نہر یعنی نہر کوثر کا خواہش مند ہے۔ کہاں اور کیوں؟ میدان محشر میں جہاں لوگ پیاس کی شدت سے بے چین و بے قرار ہوں گے۔ اس دن آفتاب میں دس سال کی گرمی ہوگی اور آفتاب بالکل سر کے قریب ہوگا۔ آفتاب کی حرارت و گرمی کی وجہ سے پیاس کا یہ عالم ہوگا کہ زبانیں باہر آجائیں گی۔ اور لوگ ''العطش العطش'' یعنی ''پیاس، پیاس'' پکاریں گے۔

- امام احمد، امام بخاری، امام مسلم اور امام ترمذی حضرت ابو ہریرہ سے اور بخاری و مسلم و ابن ماجہ نے حضرت انس سے اور ترمذی و ابن خزیمہ نے حضرت ابو سعید خدری سے اور احمد و بزار و ابن حبان و ابو یعلی نے حضرت ابو بکر صدیق سے اور احمد و ابو یعلی نے حضرت عبد اللہ بن عباس سے مرفوعاً اور عبد اللہ بن مبارک و ابن ابی شیبہ و ابن ابی عاصم و طبرانی نے بسند صحیح حضرت سلمان فارسی (رضی اللہ عنہم) سے موقوفاً روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ''روز قیامت اللہ تعالیٰ اولین و آخرین کو ایک میدان وسیع و ہموار میں جمع کرے گا کہ سب دیکھنے والے پیش نظر ہوں اور پکارنے والے کی آوازیں سنیں، وہ دن طویل ہوگا اور آفتاب کو اس روز دس برس کی گرمی دیں گے۔ پھر لوگوں کے سروں سے نزدیک کریں گے۔ یہاں تک کہ بقدر دو کمانوں کے فرق رہ جائے گا۔ پسینے آنے شروع ہوں گے۔ قد آدم پسینہ تو زمین میں جذب ہو جائے گا پھر اوپر چڑھنا شروع ہوگا، یہاں تک کہ آدمی غوطہ کھانے لگیں گے۔ (آخر حدیث تک)

(تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین، از امام احمد رضا محدث بریلوی، ص ۱۱۳ تا ۱۱۵)

- امام احمد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اولین و آخرین کو ایک میدان میں جمع فرمائے گا اور ہر ایک پکارنے والے کی آواز سنیں گے، ان کی نگاہیں ماخذ ہوں گی اور سورج قریب ہوگا۔ لوگوں کو اتنا کرب و غم پہنچے گا کہ وہ برداشت نہ کر سکیں گے۔ اور نہ اس کا تحمل کر سکیں گے۔

(خصائص کبریٰ، از: امام اجل جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص ۴۶۷)

- بخاری نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آفتاب بہت نزدیک ہوگا، یہاں تک کہ پسینہ آدھے کان تک پہنچے گا۔ (خصائص کبریٰ، اردو، جلد ۲، ص ۴۶۷)

ایسے سنگین ماحول میں لوگ پیاس کے مارے تڑپتے ہوں گے اور تمنا کرتے ہوں گے کہ کاش تھوڑا سا پانی مل جائے لیکن اس دن تو سوائے حوض کوثر کہاں سے پانی میسر ہو؟ لہٰذا لوگ تمنا کریں گے کہ حوض کوثر کا پانی میسر ہو جائے، اسی کو حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ:

تشنہ نہر جناں ہیں عربی و عجمی

اب نہر کوثر اور حوض کوثر کے متعلق کچھ معلومات اور تفصیل ملاحظہ ہو!

- شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ حوض کوثر کے تعلق سے وارد احادیث کثیرہ کا ماحصل بیان کرتے ہو
فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو حوض کوثر کے ساتھ خصوصی فضیلت بخشی، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما
حدیث میں ہے کہ حضور اکرم نے فرمایا میرے حوض کی درازی ایک ماہ کی مسافت ہے۔ اور اتنی ہی اس کی چوڑائی
ایک روایت میں ہے چاندی سے زیادہ سفید اور بعض روایتوں میں برف سے زیادہ سفید آیا ہے، اس کی خوشبو مش
نافہ سے زیادہ تیز ہے اور اس کے پیالے آسمان کے ستاروں کی مانند ہیں اور اردگرد موتیوں کے قبے ہیں۔

(مدارج النبوۃ، اردو، جلد ۱، ص ۴۸۳

- ابونعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے حوض کوثر دیا گیا، جس کے
پیالے آسمان کے ستاروں کی گنتی کے برابر ہیں۔ (خصائص کبریٰ، جلد ۱، اردو ترجمہ، ص ۴۸۴)
- حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب میں جنت کی سیر کر رہا تھا تو میرے سامنے ای
نہر آئی، جس کے دونوں جانب موتیوں کے قبے تھے۔ میں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے کہا کہ یہ کیا ہے؟ انہوں
جواب دیا کہ کوثر یہی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مرحمت فرمائی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے کوثر کی مٹی لینے کے
ہاتھ بڑھایا اور دیکھایا کہ وہ مشک ہے۔

(کتاب الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ، از: حضرت قاضی عیاض مالکی اندلسی، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۳۴۳

- حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کوثر مرحمت فرمائی ہے۔ جو جنت
میں ایک نہر ہے اور میرے حوض میں آکر گرتی ہے۔ (کتاب الشفا شریف، اردو، جلد ۱، ص ۳۴۴)

یہاں تک تو حوض کوثر کے تعلق سے گفتگو ہوئی کہ قیامت کے دن اس مقدس نہر کا پانی بلکہ اس پانی کا ایک قطرہ حاص
کرنے کے لیے لوگ تڑپتے ہوں گے۔ جیسا کہ حضرت رضا بریلوی عرض کرتے ہیں:

جس دن اچھوں کو ملے جام چھلکتا تیرا تیرے صدقے مجھے اک بوند بہت ہے تیری

- یہاں ایک خاص نکتہ کی نشان دہی کرنا ضروری ہے کہ نہر کوثر اور حوض کوثر دونوں الگ ہیں، نہر کوثر جنت کی ایک نہر کا نا
ہے، جس کی تفصیل اوپر گزری۔ یہ نہر کوثر بہتی بہتی حضور اقدس ﷺ کے حوض کوثر میں آکر گرتی ہے۔ جیسا کہ مندرجہ با
حدیث میں حضرت حذیفہ کے الفاظ وارد ہیں کہ "کوثر جنت میں ایک نہر ہے اور میرے حوض میں آکر گرتی ہے۔" تو ثابت
ہوا کہ نہر کوثر کا پانی حوض کوثر میں جمع ہوگا۔ اور حوض کوثر سے مالک کوثر ﷺ اپنی امت کو پلائیں گے۔
- مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: میری امت میر
پاس میرے حوض پر مجتمع ہوگی۔ (مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۴۸۴)

اس حدیث میں یہ فرمایا گیا کہ میری امت میرے حوض پر آئے گی یعنی کہ حوض کوثر پر آئے گی۔ حدیث میں نہر کوثر نہیں
کہا گیا، کیوں کہ نہر کوثر خود حوض کوثر میں گرے گی۔ اب حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے شعر کے الفاظ کو بغو

دیکھیں۔آپ مصرع ثانی میں فرماتے ہیں کہ ''لب نہر جناں تشنہ نیسان عرب'' یعنی جنت کی ہر نہر کا لب یعنی نہر کا کنارہ، جانب، طرف، ہونٹ، نیسان عرب کا پیاسا ہے۔ نیسان عرب سے مراد ''حوض کوثر'' ہے اور نیسان عرب سے مراد حوض کوثر کیوں ہے؟ وہ اس شعر کی تشریح کے اختتام پر عرض کروں گا۔ ''لب ہر نہر کا کنارہ'' یعنی جنت کی جتنی بھی نہریں ہیں ان کا کنارہ۔ تو ثابت ہوا کہ جنت میں اور بھی نہریں ہیں۔ مثلاً:

- تسنیم: بہشت کی ایک نہر کا نام ہے۔ (فیروز اللغات، ص ۳۶۰)
- سلسبیل: بہشت کی ایک نہر ہے۔ (فیروز اللغات، ص ۸۰۶)
- کوثر: بہشت کی ایک نہر ہے۔ (فیروز اللغات، ص ۱۰۴۱)

کوثر، تسنیم اور سلسبیل یہ تینوں جنت کی نہروں کے نام ہیں۔ اور بقول حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان پوری نوع انسانی تو قیامت کے دن جنت کی نہر کی خواہش مند ہوگی لیکن اس دن جنت کی ہر نہر حوض کوثر کی پیاسی ہوگی۔ کیوں کہ حوض کوثر کا کنارہ اتنا وسیع ہے کہ اس میں کئی نہریں سما جائیں گی۔ جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہے کہ حوض کوثر کا طول وعرض یعنی لمبائی اور چوڑائی ایک ماہ کی مسافت ہے اور جس کی اتنی وسیع پیمانے پر لمبائی اور چوڑائی ہو اس میں کئی نہروں کا پانی سما سکتا ہے۔ جنت کی ہر نہر تشنہ نیسان عرب اس لئے ہے کہ جنت کی ہر نہر یہ چاہتی ہے کہ امت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء میرا پانی پیے، تاکہ اس بہانے سے امت مصطفیٰ کی میں خدمت کر کے رضائے مصطفیٰ حاصل کروں۔ لیکن امت مصطفیٰ ﷺ نہر کوثر سے نہیں بلکہ حوض کوثر سے پانی پیے گی۔ اس لئے جنت کی ہر نہر چاہتی ہے کہ میں جلد از جلد حوض کوثر سے جاملوں اور اپنے وجود کو حوض کوثر میں تبدیل کردوں۔ اپنے وجود کو حوض کوثر میں فنا کر دینے کی ہر نہر جنت اس لئے تمنا کرتی ہے کہ حوض کوثر سے حضور اقدس ﷺ جام بھر بھر کر غلاموں کو پلائیں گے اور حضور جب حوض کوثر سے اپنے دست اقدس سے جام بھریں گے تو یقیناً حوض کوثر کے پانی سے آپ کا دست اقدس مس ہوگا اور اس دست اقدس کو چھونے کی سعادت حاصل کرنے کے لئے جنت کی ہر نہر وصال دست اقدس کی پیاس کی شدت میں بے قرار ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تاخیر ہو جائے اور میرا پانی حوض کوثر میں دیر سے پہنچے۔ اور میں دست اقدس ﷺ کا بوسہ لینے سے محروم رہ جاؤں۔ یہی مطلب ومعنی ہے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے شعر کے مصرع ثانی ''لب ہر نہر جناں تشنہ نیسان عرب'' کا۔

حوض کوثر کو نیسان عرب کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ''نیسان'' اس بارش کو کہتے ہیں کہ جس برسات کے قطروں سے سیپ میں موتی پیدا ہوتا ہے۔ سیپ سمندر میں ہوتا ہے۔ جب آفتاب برج حمل میں ہوتا ہے تب سمندر کے پانی کی سطح پر سیپ آجاتے ہیں اور آسمان کی طرف اپنا منھ کھول کر تیرتے رہتے ہیں۔ جیسے ہی سیپ کے منھ میں بارش کا قطرہ گرتا ہے وہ اپنا منھ بند کر کے پانی کے اندر گہرائی میں چلا جاتا ہے۔ اور چند عرصہ کے بعد وہ پانی کا قطرہ موتی بن جاتا ہے۔ قطرے سے موتی بننے کی صلاحیت صرف نیسان بارش کے پانی کے قطروں میں ہوتی ہے۔ دیگر مہینوں کی بارش کے قطروں میں یہ خوبی نہیں۔ اسی طرح حضور اقدس ﷺ کے دست اقدس سے جو بھی حوض کوثر کے پانی کا قطرہ پی لے گا اس کو ایمانی اور روحانی سیرابی کا

موتی میسر آجائے گا اور بہ ارشاد حدیث جو ایک مرتبہ حوض کوثر سے پانی پی لے گا وہ پھر کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ اس کو پیاس کا احساس نہ رہے گا اور نہ ہی اسے حاجت رہے گی۔ وہ صرف ایک مرتبہ میں ہی سیراب ہو جائے گا۔ جیسا کہ سمندر کا سیپ اپنے اندر ایک مرتبہ پانی کا قطرہ آجانے کے بعد مزید پانی کے قطروں کا متمنی اور خواستگار نہیں ہوتا۔ صرف ایک مرتبہ میں وہ سیراب ہو جاتا ہے اور ایک مرتبہ اس کے منھ میں قطرہ ٹپکنے پر وہ فوراً اپنا منھ بند کر لیتا ہے اور مزید پانی کی طمع ترک کر کے لا ابالی ہو کر اپنی راہ پکڑتا ہے۔ اسی طرح حوض کوثر سے ایک مرتبہ پانی لینے کے بعد پھر وہ چاہے وہ ایک قطرہ ہی پینے والا ہو ایسا سیراب ہو جاتا ہے کہ اس کو پھر پیاس کا احساس ہی نہیں رہے گا۔

''نیسان عرب'' کہتے ہیں کہ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ''نیسان'' اس بارش کو کہتے ہیں جو قدیم شام کے ساتویں مہینے کی بارش ہوتی ہے۔ اس بارش کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ موسلا دھار برستی ہے۔ اس بارش کی وجہ سے جل تھل بھی پانی سے لبریز ہو جاتے ہیں۔ پانی کی فراہمی اس کثرت سے ہوتی ہے کہ پانی کی قلت یا فقدان کا تصور تک نہیں ہوتا۔ ہر طرف پانی ہی پانی نظر آتا ہے۔ اور پانی کی ضرورت پوری کرنے کے لئے دور دراز تک جانا بھی نہیں پڑتا بلکہ دو ہاتھ کے فاصلے پر ہی پانی دستیاب ہوتا ہے۔ بلا تمثیل حوض کوثر میں پانی کی فراہمی کا وہ عالم ہوگا کہ کوثر و تسنیم اور سلسبیل جیسی نہریں اس میں امنڈ امنڈ کر گریں گی۔ اور حوض کوثر ہمیشہ چھلکتا ہوا اور پانی سے لبریز ہی نظر آئے گا۔ خلق خدا اس حوض سے جام بھر بھر کر خوب سیراب ہو کر پانی نوش کرے گی لیکن اس حوض کوثر نبی ﷺ میں پانی کی کمی یا قلت نہ ہوگی کیوں کہ وہ مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کی رحمت وجود و کرم کا دریا ہے۔ بقول حضرت رضا بریلوی:

جس کی دو بوند ہیں کوثر و سلسبیل ۔۔۔ ہے وہ رحمت کا دریا ہمارا نبی

یعنی حضور اقدس ﷺ کی رحمت کا یہ عالم ہے کہ جنت کی نہریں کوثر اور سلسبیل بھی آپ کی رحمت کے دریا کی دو بوند ہیں۔



(۴۷)

خوف نہ رکھ رضاؔ ذرا تو تو ہے عبد مصطفیٰ
تیرے لئے امان ہے تیرے لئے امان ہے

حل لغت:

خوف: ڈر، دہشت، ہراس، ہول، ڈرنا۔ (فیروز اللغات، ص ۶۰۱ ☆ لغات کشوری، ص ۲۷۳ ☆ کریم اللغات، ص ۶۸)

عبد: بندہ، غلام، ملازم، نوکر۔ (فیروز اللغات، ص ۸۹۰ ☆ لغات کشوری، ص ۴۸۱ ☆ کریم اللغات، ص ۱۰۸)

امان: پناہ، حفاظت، آرام، آسائش، عافیت، تکلیف نہ دینا۔ (فیروز اللغات، ص ۱۲۰ ☆ لغات کشوری، ص ۵۹ ☆ کریم اللغات، ص ۱۶)

دوسرے مصرع میں شروع میں جو لفظ "امان" ہے اس کا مطلب "پناہ" ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد میں جو لفظ "امان" ہے اس کا مطلب "آرام" ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ، حضور اقدس، شفیع المذنبین ﷺ کی رحمت و شفاعت پر یقین کامل کا اظہار کرتے ہوئے خود اپنے آپ سے مخاطب ہیں کہ اے احمد رضا! تم قیامت کے ہولناک ماحول و منظر، میدان حشر کی سختیاں اور حساب و کتاب وغیرہ کا خوف مت رکھو۔ کیوں کہ تم عبد مصطفیٰ یعنی حضور اقدس ﷺ کے غلام ہو۔ اور غلام مصطفیٰ کے لئے آخرت میں پناہ اور آرام ہے۔ اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے لفظ "امان" کا دو مرتبہ استعمال فرمایا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ امان ہے وہ پناہ کے معنی میں ہے۔ اور دوسری مرتبہ جو لفظ امان ہے وہ آرام کے معنی میں ہے۔ دونوں لفظ "امان" حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے الگ الگ ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کے اعتبار سے تجنیس کامل کا شعر ہے۔

شعر کے مصرع اول میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے آپ کو عبد مصطفیٰ کہا ہے۔ عبد المصطفیٰ، عبد الرسول، عبد النبی وغیرہ ناموں سے دور حاضر کے منافقین کو سخت جلن ہے۔ اور ایسے ناموں کے رکھنے پر بغض و عداوت نبی اور ولی کی شقاوت سے وہ لوگ شرک کا فتویٰ صادر کرتے ہیں۔ لفظ عبد کے کیا معنی ہیں؟ اللہ کے سوا کسی کے ساتھ لفظ عبد کی اضافت کرنے کے متعلق قرآن وحدیث، اقوال صحابہ اور ائمہ دین میں کیا حکم ہے؟ اس کی تفصیلی بحث شعر نمبر 90 "میں تو کہا ہی چاہوں کہ بندہ ہوں شاہ کا" کی تشریح میں ملاحظہ فرمائیں۔ ان شاء اللہ تمام شکوک وشبہات کا ازالہ ہو جائے گا۔

شعر کے مصرع ثانی میں حضرت رضا بریلوی نے "تیرے لئے امان ہے" کا جملہ تکرار کے ساتھ استعمال فرمایا ہے۔ حالاں کہ دونوں مرتبہ یہ جملہ الگ الگ معنی کا حامل ہے۔ یعنی کہ تیرے لئے پناہ بھی ہے اور تیرے لئے آرام بھی ہے۔ صرف پناہ سے آدمی کا کام نہیں چلتا۔ بلکہ پناہ کے ساتھ آرام بھی ہونا ضروری ہے۔

اس کی مثال یوں سمجھو کہ ایک شخص کے پیچھے اس کے دشمن بہ ارادہ قتل پڑ گئے۔ وہ شخص دشمنوں سے اپنی جان بچانے کے لئے بھاگتا ہوا اپنے ہمدرد دوست کے گھر پہنچ گیا۔ اور دوست کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ اس کے دوست نے اس کو اپنے مکان کے تہہ خانے میں چھپا دیا اور پناہ دے دی۔ وہ شخص دشمنوں کے شر سے ضرور محفوظ ہو گیا۔ اس کے دشمن اب تہ خانے تک نہیں پہنچ پائیں گے، لیکن صرف پناہ ملنے پر وہ شخص کامل طور پر مامون نہیں۔ کیوں کہ زندہ رہنے کے لئے اسے خورو نوش کی بھی ضرورت ہے۔ اس شخص کا دوست اس کو ایک ماہ کے لئے اپنے مکان کے تہہ خانے میں پناہ دے دے۔ لیکن اس

کے کھانے پینے اور دیگر ضروریات کا قطعاً لحاظ نہ کرے۔ تو اس کی پناہ کا کوئی مطلب نہیں۔ وہ تہہ خانے میں بھوک پیاس کی وجہ سے ہلاک ہو جائے گا۔

اسی نظریہ کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے شعر کے مصرع ثانی میں پناہ کے ساتھ آرام کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ یعنی قیامت کے دن حضور اقدس، شفیع المذنبین ﷺ ہم کو تکالیف و مصائب سے پناہ دیں گے۔ جہنم کے عذاب سے میدان محشر کی سختیوں سے اور پل صراط کے خطروں سے ان شاء اللہ ضرور پناہ دیں گے۔ لیکن آپ کا پناہ دینا صرف پناہ دینے کی منزل تک محدود نہ ہوگا۔ بلکہ جہنم سے پناہ دینے کے ساتھ ساتھ ہم جیسے گنہگاروں کو آرام آسائش عطا فرمانے کے لئے جنت میں داخلہ بھی عطا فرمائیں گے۔ یعنی حضور اقدس ﷺ اپنے امتیوں کو دوزخ سے پناہ اور جنت کا آرام دونوں عطا فرمائیں گے۔ حضور اقدس، شفیع المذنبین ﷺ قیامت کے دن اپنے گنہگار امتیوں کی شفاعت فرما کر انہیں جہنم سے نجات دلائیں گے۔ لیکن افسوس! کہ دور حاضر کے منافقین فرقہ وہابیہ نجدیہ، دیوبندیہ تبلیغیہ، شفاعت مصطفیٰ ﷺ کا انکار کرتے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی شفاعت کا حق ہونا قرآن وحدیث کے دلائل قاہرہ سے ثابت کیا جائے۔ حضرت رضا بریلوی نے شفاعت مصطفیٰ کے تعلق سے کئی تصانیف مرقوم فرمائی ہیں۔ ان تصانیف میں سے (۱) سمع وطاعۃ لاحادیث الشفاعۃ ۱۳۰۲ھ (۲) اسماع الاربعین فی شفاعۃ سید المحبوبین ۱۳۰۵ھ کو بہت شہرت حاصل ہوئی ہے۔ ان دونوں مبارک رسائل کے کچھ اقتباسات ناظرین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں:

● قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

"عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔" (پارہ ۱۵، سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۷۹)

ترجمہ: قریب ہے کہ تمہارا رب ایسی جگہ کھڑا کرے جہاں سب تمہاری حمد کریں۔ (کنز الایمان)

● بخاری شریف میں ہے کہ حضور اقدس شفیع المذنبین ﷺ سے عرض کی گئی مقام محمود کیا چیز ہے؟ فرمایا کہ

"هُوَ الشَّفَاعَةُ"

یعنی وہ شفاعت ہے۔

● قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

"وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى" (پارہ ۳۰، سورۂ والضحیٰ، آیت ۵)

ترجمہ: اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔ (کنز الایمان)

● دیلمی مسند الفردوس میں امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے راوی کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ

"اِذَنْ لَا اَرْضٰى وَ وَاحِدٌ مِنْ اُمَّتِيْ فِي النَّارِ"

یعنی جب اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی کر دینے کا وعدہ فرماتا ہے تو میں راضی نہ ہوں گا اگر میرا ایک امتی بھی دوزخ میں رہا

- امام احمد بسند صحیح اپنی مسند میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اور ابن ماجہ حضرت ابوموسیٰ اشعری سے راوی کہ حضور اقدس، شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ

"خُيِّرْتُ بَيْنَ الشَّفَاعَةِ وَ بَيْنَ اَنْ يَّدْخُلَ شَطْرُ اُمَّتِي الْجَنَّةَ فاخترت الشفاعة لانها اعم و اكفين"

یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا یا تو شفاعت لو یا یہ کہ تمہاری آدھی امت جنت میں جائے۔ میں نے شفاعت لی کہ وہ زیادہ تمام اور زیادہ کام آنے والی ہے۔

- ابن عدی حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے راوی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ

"شَفَاعَتِيْ لِلْهَالِكِيْنَ مِنْ اُمَّتِيْ"

یعنی میری شفاعت میرے ان امتیوں کے لئے ہے جنہیں گناہوں نے ہلاک کر ڈالا۔

- ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم اور بیہقی بافادۂ تصحیح حضرت انس بن مالک سے، اور ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان و حاکم حضرت جابر بن عبد اللہ سے اور طبرانی معجم کبیر میں حضرت عبد اللہ بن عباس سے اور خطیب بغدادی حضرت عبد اللہ بن عمر فاروق سے و حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہم سے راوی ہیں کہ حضور اقدس، شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ

"شَفَاعَتِيْ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِيْ"

یعنی میری شفاعت میری امت میں ان کے لئے ہے جو کبیرہ گناہ والے ہیں۔

- طبرانی اور بیہقی حضرت بریدہ سے اور طبرانی معجم اوسط میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے راوی کہ حضور اقدس، شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ

"اِنِّيْ لَاَشْفَعُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَاَكْثَرَ مِمَّا عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ مِنْ شَجَرٍ وَحَجَرٍ وَمَدَرٍ"

یعنی روئے زمین پر جتنے پیڑ (گھاس) پتھر اور ڈھیلے ہیں قیامت میں میں ان سب سے زیادہ آدمیوں کی شفاعت کروں گا۔

- بخاری، مسلم، حاکم اور بیہقی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی کہ حضور اقدس، شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ

"شَفَاعَتِيْ لِمَنْ شَهِدَ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصًا يُصَدِّقُ لِسَانَهٗ قَلْبُهٗ"

یعنی میری شفاعت ہر کلمہ گو کے لئے ہے جو سچے دل سے کلمہ پڑھے کہ زبان کی تصدیق دل کرتا ہو۔

- طبرانی معجم اوسط میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی کہ حضور شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ

"اٰتِيْ جَهَنَّمَ فَاَضْرِبُ بَابَهَا فَيُفْتَحُ لِيْ فَاَدْخُلُهَا فَاَحْمَدُ اللّٰهَ مَحَامِدَ مَا حَمِدَهٗ اَحَدٌ قَبْلِيْ مِثْلَهٗ وَ لَا يَحْمَدُهٗ اَحَدٌ بَعْدِيْ مِثْلَهٗ ثُمَّ اُخْرِجُ مِنْهَا مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصًا۔"

یعنی میں جہنم کا دروازہ کھلوا کر تشریف لے جاؤں گا۔ وہاں خدا کی تعریف کروں گا۔ ایسی کہ نہ مجھ سے پہلے کسی نے کی، نہ میرے بعد کوئی کرے پھر دوزخ سے ہر اس شخص کو نکال لوں گا جس نے خلوص دل سے کلمہ پڑھا۔

احادیث کی کتابیں شفاعت کی حدیثوں سے لبریز ہیں۔ یہاں اختصاراً چند احادیث کا ذکر کیا گیا ہے۔ جن سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ حضور اقدس، شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن بے شمار لوگوں کی شفاعت فرمائیں گے۔ لیکن دور حاضر کے منافقین شفاعت کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت نہیں کریں گے۔ ان منافقین کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ حضور شفاعت نہیں کریں گے۔ لیکن کن کی؟ تمہاری شفاعت نہیں کریں گے کیوں کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ

''شَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ حَقٌّ فَمَنْ لَّمْ یُؤْمِنْ بِھَا لَمْ یَکُنْ مِنْ اَھْلِھَا''

یعنی میری شفاعت روز قیامت حق ہے جو اس پر ایمان نہ لائے گا۔ اس کے قابل نہ ہوگا۔

اس حدیث کو ابن منیع نے حضرت زید بن ارقم وغیرہ چودہ (۱۴) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت فرمایا ہے۔

منکرین شفاعت اس حدیث متواتر کو دیکھیں اور اپنی جان پر رحم کر کے شفاعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں۔ بقول حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان:

آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے — پھر نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا



(۳۹)

یاد رخ میں آہیں کر کے بن میں میں رویا آئی بہار
جھومیں نسیمیں نیساں برسا کلیاں چٹکیں مہکی شاخ

حل لغت:

بن: جنگل، بیلا، صحرا، بیابان، میدان، ریگستان، باڑی، کپاس کا پودا، جہاں کثرت سے درخت ہوں۔ (فیروز اللغات، ص ۲۱۵)

میں: اپنی ذات، خود، آپ، تکبر، غرور۔ (فیروز اللغات، ص ۱۳۳۲)

میں: اندر، بھیتر۔ (فیروز اللغات، ص ۱۳۳۲)

نسیمیں: نسیم کی جمع، پچھلی رات کی نرم و معطر ہوا، صبح کی ٹھنڈی ہوا۔ (فیروز اللغات، ص ۱۳۵۹)
نیساں: قدیم شام کے ساتویں مہینہ کی بارش، بیساکھ، اپریل مئی کا موسم، اس مہینہ بھر آفتاب برج حمل میں ہوتا ہے اور اس مینھ کے قطروں سے سیپ میں موتی پیدا ہوتا ہے۔ (فیروز اللغات، ص ۱۳۹۴ ☆ لغات کشوری، ص ۷۹۴ ☆ کریم اللغات، ص ۱۸۹)
چٹکنا: ٹوٹنا، تڑقنا، کلی کا کھلنا، پھٹنا، رنگ اڑنا، پھیکا پڑنا، بگڑنا، خفا ہونا، جھنجھلانا، آگ میں کوئلہ یا کالے دانے کا آواز کرنا، انگلیوں کا بلائیں لیتے وقت یا موڑتے وقت آواز دینا، ناراض ہو کر بات کرنا۔ (فیروز اللغات، ص ۵۲۱)
پہلے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''میں'' ہے اس کا مطلب ''اندر'' ہے۔
پہلے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''میں'' ہے اس کا مطلب ''خود'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخ انور کی یاد میں تڑپ اور اس تڑپ کے نتیجے میں اپنی گریہ وزاری کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ پیارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخ انور کی یاد میں آہیں کر کر کے میں صحرا میں اتنا رویا کہ بہار آگئی اور اس بہار کے آتے ہی نسیم یعنی شاندار ہوائیں چلنے لگیں۔ مینھ برسا، کلیاں کھل اٹھیں، اور شاخ مہک اٹھی، یہ تو ہوئے شعر کے ظاہری اور لغوی معنی۔ اس شعر کے مصرع اول میں لفظ ''میں'' کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ ''میں'' ہے وہ اندر اور بھیتر کے معنی میں ہے اور دوسری مرتبہ جو لفظ ''میں'' ہے وہ اپنی ذات خود کے معنی میں ہے۔ دونوں لفظ حروف و اعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔
اس شعر کی ابتداء میں حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ ''یاد رخ میں آہیں کر کے'' یعنی اپنے مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس چہرۂ انور کی یاد میں ''آہیں کر کے بن میں میں رویا'' میں صحرا میں رویا۔ پہلی بات یہ کہ یاد اور رونا، یہ دونوں فعل قریب قریب لازم و ملزوم ہیں۔ دونوں میں چولی دامن کا رشتہ ہے یعنی ایک کے ہوتے ہی دوسرا خود بخود نمودار ہو جاتا ہے۔ محبوب کی یاد آئی، یاد کا غلبہ ہوا، وہ وقت یاد آیا کہ محبوب کے جلوؤں سے بہرہ مند ہو رہے تھے۔ محبوب کے جمال سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ وصل کی لذتوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ لیکن اب وہ دن کہاں؟ محبوب کے جلوے کے لئے آنکھیں تڑپتی ہیں۔ محبوب کے جمال کے بغیر گویا ظلمت و تاریکی چھا گئی ہے۔ ہجر یار میں تڑپ تڑپ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ یہ تمام حالات و کیفیات اب ناقابل برداشت ہیں۔ اور ضبط و تحمل کا مادہ بھی جواب دے چکا ہے۔ احساس ہجر غم نے رونے پر مجبور کر دیا ہے۔ اور ہجر یار میں پھوٹ پھوٹ کر روتا ہوں۔ ہر عاشق کو اس مرحلے سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ محبوب کی یاد میں تڑپنا اور تڑپ تڑپ کر رونا اور آنسو بہانا خوش قسمتوں کو ہی میسر ہوتا ہے۔ یاد محبوب میں تڑپنے والے ''اشک'' کی قیمت کا کوئی اندازہ ہی نہیں لگا سکتا۔ اور محبوب رب العالمین، محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد و فراق میں بہنے والے آنسو بیش بہا در سے بھی ''بے بہا''

ہیں۔فقیر راقم الحروف نے ایک جگہ عرض کیا ہے کہ:

تمہاری یاد میں جو چھلکتے ہیں آنسو ابھرتے ہیں موتی مری چشم تر میں

(معروف،ہدا

خیر! حضور اقدس ﷺ کی مقدس یاد میں تڑپنا اور رونا عاشق صادق کا مرغوب شیوہ ہوتا ہے۔اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی میں آنسو بہا کر وہ اپنی زندگی کے لمحات بسر کرتا ہے اور ہر لمحہ وصال محبوب کی آس و تمنا میں محو رہتا ہے۔اس کی زبان پر حض اقدس ﷺ کے احوال و صفات کا ذکر ہمیشہ رہتا ہے اور وہ اسے ورد جان بنائے رکھتا ہے اور یہ کیفیت اسی کو حاصل ہوتی جو جمال مبارک کی شبیہ اور تصور ہمیشہ ملحوظ نظر رکھتا ہے۔آپ کی خیالی شبیہ اور تصور یا اتصال باطنی میں قوی و متصل ہوتی ہے ا اس کی لذت دل میں سرایت کئے ہوئے ہوتی ہے۔صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا حضور اقدس ﷺ کے وصال کے بعد یہ حال تھا ک جب حضور کا ذکر کرتے تو رونے لگتے اور حضور کی غایت درجہ تعظیم اور آپ کی محبت و ہیبت کا وہ لحاظ تھا کہ ان کے جسموں رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔اور یہی حال تابعین اور ان کے بعد والوں کا تھا۔

- صاحب المواہب اللدنیہ بحوالہ ابن منیر لکھتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کا وصال شریف ہوا۔تو اس صدمے میں آپ کے اصحاب کرام کا عجب حال ہو رہا تھا۔حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ روتے ہوئے حاضر ہوئے اور حضو اقدس ﷺ کے چہرۂ پاک سے کپڑا اٹھا کر یوں عرض کرنے لگے کہ

"وَ لَوْ اَنَّ مَوْتَكَ كَانَ اِخْتِيَارًا لَجُدْنَا لِمَوْتِكَ بِالنُّفُوْسِ اُذْكُرْنَا يَا مُحَمَّدُ عِنْدَ رَبِّكَ وَ لْنَكُنْ مِنْ بَالِكَ"

اگر آپ کی موت میں ہمیں اختیار دیا جاتا تو ہم آپ کی موت کے بدلے اپنی جانیں قربان کر دیتے۔یارسول اللہ اپنے پروردگار کے پاس ہمیں یاد کرنا اور ضرور ہمارا خیال رکھنا۔(سیرت رسول عربی،از علامہ نور بخش توکلی،۷۰۸)

- حضرت ابو ایوب سختیانی کا یہ حال تھا کہ جب ان کے پاس حضور اکرم ﷺ کا ذکر کیا جاتا تو وہ اتنا روتے تھے کہ لوگوں کو ان کے حال پر رحم آ جاتا۔(مدارج النبوۃ،از:شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی،اردو ترجمہ،جلد ۱،ص ۵۳۸)

- حضرت عامر بن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ جب ان کے سامنے حضور اقدس ﷺ کا ذکر کیا جاتا تو وہ رونے لگتے۔یہاں تک کہ ان کی آنکھوں میں آنسو تک باقی نہ رہتے۔اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ حضور ﷺ کا نام مبارک سنتے ہی ان پر لرزہ طاری ہو جاتا اور رونے لگتے۔(مدارج النبوۃ،اردو ترجمہ،جلد ۱،ص ۵۳۹)

ایسے بے شمار واقعات ہیں جن میں بارگاہ رسالت کے عاشقوں کا حالت ہجر و فراق میں گریہ و زاری کرنا مذکور ہے۔اور بعض واقعات تو ایسے ہیں کہ عاشقوں نے روتے روتے اپنی جان تک دے دی۔ان تمام واقعات کو یہاں درج کرنا ممکن نہیں۔حاصل گفتگو یہ کہ حضور اقدس ﷺ کی یاد میں بے شمار عاشق روتے آئے ہیں اور رو رہے ہیں اور کائنات کے وجود تک روتے رہیں گے۔آدمی جب روتا ہے تب اس کی آنکھوں سے اشک بہتے ہیں اور جس آنکھ سے عشق رسول میں آنسو

بہتے ہیں وہ آنکھ بھی خوش نصیب ہے۔ عشق رسول میں بہنے والا آنسو اتنا قیمتی، موثر اور فیض رساں ہے کہ یہ آنسو جہاں ٹپک کر گرتا ہے اسے آباد و شاد بنا دیتا ہے اور بن میں یعنی جنگل میں یہ آنسو بہایا جائے تو آنسو کی برکت سے بن بھی لالہ زار بن جاتا ہے۔ اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے بن کا ذکر کیا ہے۔ ظاہری معنی تو اس کے جنگل، بیاباں اور صحراء کے ہوتے ہیں۔ لیکن تصوف اور اہل عشق کی اصطلاح میں اداس اور غمگین دل کو بن یا صحرا کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ کیوں کہ اداس اور غمگین دل رنج والم کی تپش سے متاثر ہو کر مرجھایا ہوتا ہے۔ اس کی شادمانی، فرحت و ترو تازگی، نکھار وغیرہ سوزش غم سے جل کر خاکستر ہو جاتے ہیں۔ بہار کی جگہ خزاں آجاتی ہے۔ خوشی کے پھولوں کے بجائے رنج و غم کے خار و مغیل نمودار ہو جاتے ہیں۔ ایسے اجڑے ہوئے دل پر عشق رسول کے آنسوؤں کی جب بوچھار ہوتی ہے اور جب موسم بہار آتا ہے۔ تب فضا یک لخت تبدیل ہو جاتی ہے۔ تو بقول رضا ''آئی بہار'' اس مردہ اور خزاں رسیدہ دل پر از سر نو بہار کی آمد ہوتی ہے۔ خشک پیڑ سر سبز و شاداب ہو جاتے ہیں۔ اور ان پیڑوں پر پرندے اپنے گھونسلے بناتے ہیں۔ اور آمد بہار کی خوشی اور مسرت میں جھوم جھوم کر شادمانی کے گیت گاتے ہیں۔ ہلکی ہلکی بارش ہوتی ہے، شبنم برستی ہے اور کلیاں چٹک اٹھتی ہیں اور شاخوں میں خوشبو اور مہک سے بھرے ہوئے شاداب پھول کھل اٹھتے ہیں۔ ان پھولوں کی خوشبو اور مہک سے شاخ درخت بھی مہک اٹھتی ہے اور فضا کو معطر بنا دیتی ہے۔

ٹھیک یہی منظر کشی حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے شعر میں کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے رخ زیبا اور چہرۂ انور کی یاد اور فراق و ہجر میں بے تاب ہو کر جو روتا ہے اور اپنی آنکھوں سے اشک بہاتا ہے اس کے دل کی دنیا آباد و شاداب ہو جاتی ہے۔ اس کا پژمردہ، ویران اور اجڑا ہوا دل جو ایک بیابان اور ریگستان کی مانند خشک و ویران ہوتا ہے وہ ان اشکوں کی بدولت آباد و شاداب ہو جاتا ہے۔ رحمت و عرفان کی بارش سے آب پاشی ہوتی ہے۔ اور دل میں شجر عشق اپنی جولانی سے نصب ہوتا ہے جس میں محبت و عظمت رسول کے مہکتے پھول کھل کر فضا کو معطر کر دیتے ہیں اور اس کے دل کے شجر عشق پر طوطی رنگیں مزاج اپنا آشیانہ تعمیر کر کے سکونت پذیر ہو کر ہمہ وقت جھوم جھوم کر نعت رسول کی دل کش اور دل آرا دھن میں نغمات عشق کی لوریاں گاتی ہیں۔ اور ان نغمات عشق کی سماعت سے وہ عاشق ایسا محسوس کرتا ہے کہ فضا میں ہر جگہ میرے آقا کی مدح و ثنا میں مست کلیاں چٹکی ہیں اور شاخیں مہکی ہیں۔ اور اس احساس کی عکاسی کرتے ہوئے حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں:

جھومیں نسیمیں نیساں برسا کلیاں چٹکیں مہکی شاخ

عشق رسول ﷺ کی بدولت بے شمار ویران دل عرفان و علوم کے نور سے آباد ہوئے ہیں۔ ایک زمانے میں جو دل ضلالت، جہالت، ظلم، ستم اور دیگر امور قبیحہ کے مرکز تھے وہ اجڑے ہوئے دل عشق رسول کی ہی بدولت ایسے جگمگائے کہ جن کی روشنی راہ عشق کے مسافروں کے لئے مشعل و رہبر ثابت ہوئی۔ اور میدان عشق میں وہ ایسے چمکے کہ تا قیام قیامت ان کا نام عاشقوں کی فہرست میں جلی حروف سے مرقوم اور نمایاں رہے گا۔ اور لوگ ان کو نیک نامی سے یاد کرتے رہیں گے۔

(۳۹)

جود شاہ کوثر اپنے پیاسوں کا جویا ہے آپ
کیا عجب اڑ کر جو آپ آئے پیالی ہاتھ میں

حل لغت:

جود: بخشش، سخاوت، فراخ دلی، کرم۔ (فیروز اللغات، ص۴۸۲ ☆ لغات کشوری، ص۲۰۳ ☆ کریم اللغات، ص۵۰)

شاہ: آقا، مالک، بادشاہ، سلطان، فقیروں کا لقب، نوشہ، دولھا، بڑا، عظیم، سیدوں کے نام کا مخصوص لفظ۔

(فیروز اللغات، ص۳۵

کوثر: بہشت کی ایک نہر، جنت کا حوض، بڑا سخی، بڑی بخشش کرنے والا۔

(فیروز اللغات، ص۱۰۴۱ ☆ لغات کشوری، ص۶۰۲ ☆ کریم اللغات، ص

جویا: ڈھونڈنے والا، تلاش کرنے والا۔ (فیروز اللغات، ص۴۸۶ ☆ لغات کشوری، ص۲۰۵)

آپ: خود، اپنی ذات سے، ذات خدا، روح، آتما، غائب اور حاضر کے لئے تعظیماً مستعمل ہوتا ہے۔ (فیروز اللغات، ص۶)

عجب: تعجب، حیرت، انوکھا، نادر، تعجب انگیز، نیا، عمدہ، طرفہ، تعجب خیز، انوکھاپن، تعجب کرنا۔

(فیروز اللغات، ص۸۹۱ ☆ لغات کشوری، ص۴۸۳ ☆ کریم اللغات، ص

پہلے مصرع میں جو لفظ ''آپ'' ہے اس کا مطلب ''خود'' ہے۔

دوسرے مصرع میں جو لفظ ''آپ'' ہے اس مطلب ''اپنی ذات سے'' (اپنے آپ) ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جود و کرم، لطف عنایت، عطا و سخاوت اور اپنے امتیوں کے ساتھ ہمدردی، شفقت اور انسیت کا ذکر کر رہے ہیں اور میدان محشر میں حوض ک پر جمع اپنے امتیوں کی پیاس بجھانے کے لئے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست اقدس سے جام بھر بھر کر عنایت فرمائیں گے۔ ا کی منظر کشی فرماتے ہوئے اور آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جود و کرم کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم شان کرم اور فیاضی و عنایت کا یہ عالم ہے کہ میدان محشر میں جب لوگ پانی کے لئے تڑپتے اور بلکتے ہوں گے تب مالک ک صلی اللہ علیہ وسلم خود (بذات خود) بنفس نفیس اپنے پیاسے امتیوں کو ڈھونڈھ کر، اور تلاش فرما کر حوض کوثر کے جام سے سیراب فرمائ

گے۔اس وقت اربوں، کروروں، کھربوں بلکہ ان گنت لوگ حوض کوثر سے جام مصطفیٰ حاصل کرنے کے لئے کوشاں ہوں گے۔غضب کی بھیڑ ہوگی۔لوگوں کی بھیڑ اور ازدہام لگا ہوگا۔آدمی پر آدمی گرتا ہوگا۔ایسی صورت میں اگر آقا کا مزید کرم ہوجائے اور ہم کو بھیڑ میں جانے کی تکلیف سے بھی چھٹکارا مل جائے اور سرکار کے کرم سے ہم جہاں پر ہوں وہیں حوض کوثر کا جام (بھری ہوئی پیالی) اڑ کر خود بخود ہمارے ہاتھ میں آجائے تو کیا عمدہ ہے۔اور اگر اس طرح حوض کوثر سے چھلکتی ہوئی پیالی اڑ کر ہمارے ہاتھ میں آجائے تو یہ انوکھا کرم ہوگا اور ایسا ہونا کوئی ناممکن بات نہیں بلکہ ان کے تصرفات واختیارات کی بنا پر ایسا ہونا ممکن ہے۔اس میں تعجب اور حیرت کی کوئی بات نہیں یہ سب ان کے کرم کی بات ہے۔وہ آقا اپنے امتیوں پر غایت درجہ رحم وکرم فرماتے ہیں۔کیوں کہ قرآن مجید نے ان کی شان رحیمی کا اس طرح ذکر فرمایا ہے:

- اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے محبوب اعظم ﷺ کی شان وعظمت کا اظہار فرمارہا ہے:

"لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔" (پارہ ۱۱،سورۃ التوبہ،آیت نمبر ۱۲۸)

ترجمہ: بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے ایک رسول، جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے۔تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے،مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان۔(کنز الایمان)

اور ایک مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

- "اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔" (پارہ ۲۱،سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۶)

ترجمہ: یہ نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے بھی زیادہ مالک ہے۔(کنز الایمان)

- اس آیت کی تفسیر میں حضرات مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ نبی مومنین پر ان کی جان سے بھی زیادہ رافت ورحمت اور لطف وکرم فرماتے ہیں اور نافع تر ہیں۔(تفسیر خزائن العرفان)
- امام احمد، بخاری، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ

"اَنَا اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔"

میں مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ والی ہوں۔

- اس حدیث کی شرح میں علامہ مناوی فرماتے ہیں کہ

"لِاَنِّيْ خَلِيْفَةُ الْاَكْبَرِ الْمُمِدُّ لِكُلِّ مَوْجُوْدٍ"

اس لئے کہ میں اللہ تعالیٰ کا نائب اعظم اور تمام مخلوق الٰہی کا مددگار ہوں۔(ﷺ)

(الامن والعلی، از: اعلیٰ حضرت، ص ۲۲۴، حدیث ۳

- بخاری، مسلم اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور ابوداؤد وترمذی نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت

فرمایا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''مَا مِنْ مُؤْمِنٍ اِلَّا وَ اَنَا اَوْلٰی بِهٖ فِی الدُّنْیَا وَ الآخِرَةِ''

ترجمہ: کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ میں اس کا دنیا و آخرت میں سب سے زیادہ والی نہ ہوں۔

- اس حدیث کے تحت امام عینی اپنی مشہور و معروف کتاب ''عمدۃ القاری'' میں فرماتے ہیں کہ

''اَلْمَوْلٰی اَلنَّاصِرُ''

یعنی یہاں مولیٰ بمعنی مددگار ہے۔ (الامن والعلی ص ۲۲۵)

مذکورہ بالا اقتباس سے ثابت ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے امتیوں پر اور وہ بھی مسلمان امتیوں پر نہایت مہربان، ان کی جانوں کے مالک ہیں، رحم و کرم فرمانے والے، ان کے والی اور ان کے مددگار ہیں۔ اور انہیں تمام اوصاف کریمہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت رضا بریلوی نے اس شعر کے مصرع اول میں ''اپنے پیاسوں کا جویا'' جملہ استعمال فرمایا ہے۔ پیاسوں کے ساتھ لفظ ''اپنے'' کی اضافت فرما کر حضرت رضا نے جملے کو بہت ہی معنی خیز اور عمیق المطالب بنا دیا ہے اور اس کی وضاحت و تشریح کے لئے کثیر اوراق درکار ہیں۔ لہٰذا یہاں پر اس کی بحث سے قصداً احتراز کرنے کی کوتاہی کرنے کا اقبال جرم کرتے ہوئے عفو و معافی کا خواستگار ہوں۔ ان شاء اللہ کسی اور موقع پر عرض کروں گا۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی یہ تمنا کرتے ہیں کہ کاش میدان محشر میں ایسا ہو کہ حوض کوثر سے چھلکتی ہوئی پیالی خود بخود دوڑ کر ہمارے ہاتھ میں آجائے، تو لطف آجائے۔ ایک انوکھا اور نادر حادثہ ہو جائے۔ ایک تعجب انگیز بات ہو جائے۔ ایک حیرت خیز معاملہ ہو جائے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا ہونا ممکن ہے؟ یا ایسا کبھی ہوا ہے؟ جواباً عرض ہے کہ ایسا ہونا یقیناً ممکن ہے۔ ایسا بہت مرتبہ ہوا ہے کہ پیاسوں کے پاس آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے کرم سے خود بخود پانی گیا ہے۔ بلکہ سرکار خود اپنے پیاسوں کی دستگیری فرماتے ہوئے پانی کے ساتھ تشریف لائے ہیں۔ دنیا کا تو یہ قاعدہ ہے کہ پیاسا کنوے کے پاس جاتا ہے کنواں پیاسے کے پاس نہیں جاتا۔ لیکن اس بارگاہ بیکس پناہ کی تو بات ہی نرالی ہے۔ اگر پیاسا نہیں آسکتا تو آپ خود پیاسے کے پاس تشریف لے جاتے۔ کتب احادیث ایسے کئی واقعات سے بھری ہیں جن میں سے چند واقعات پیش خدمت ہیں جن کے مطالعہ سے ایمان کو تازگی حاصل ہوگی۔ (ان شاء اللہ)

- ابن منیع نے اپنی مسند میں بطریق نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ روایت کی کہ جب امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ محصور ہو گئے۔ اور بلوائیوں نے ان کے گھر کو محاصرے میں لے کر پانی بند کر دیا تو آپ روزے سے رہنے لگے۔ ایک دن افطار کا وقت آیا تو آپ نے ان بلوائیوں سے افطار کے لئے پانی مانگا۔ لیکن بلوائیوں نے پانی دینے سے انکار کر دیا آپ نے تشنگی کے عالم میں رات بسر کی۔ پھر جب سحر کا وقت آیا۔ تو آپ نے ملاحظہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکان کی چھت سے رونق افروز ہوئے۔ حضور کے ساتھ پانی کا ڈول تھا۔ آپ نے فرمایا: اے عثمان پانی پیو۔ حضرت عثمان فرماتے ہیں کہ میں نے پیا، یہاں تک کہ میری پیاس بجھ گئی۔ حضور نے فرمایا کہ اور زیادہ پیو۔ تو میں نے

پھر پیا۔ یہاں تک کہ میں سیراب ہوگیا۔ (خصائص کبریٰ)

- بیہقی نے ثابت ابوعمران جونی اور ہشام بن حسان سے روایت کی ان سب نے روایت کی کہ جب حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی تو ان کے پاس کچھ بھی زادراہ نہ تھا۔ جب وہ روحا نام کے مقام کے قریب پہنچیں تو شدید تشنگی معلوم ہوئی وہ فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے سر کے اوپر تیز ہوا کی آواز سنی میں نے اپنا سر اٹھایا تو دیکھا کہ آسمان سے سفید رسی سے بندھا ڈول لٹک رہا ہے میں نے اسے اپنے ہاتھ سے تھام لیا۔ اور میں اسے تھامے رہی اور میں نے اس میں سے اتنا پیا کہ سیراب ہوگئی۔ وہ فرماتی ہیں کہ اسی ڈول سے پانی پینے کے بعد شدید گرمی کے دن میں روزہ رکھتی اور دھوپ میں پھرتی تا کہ مجھے پیاس لگے مگر اس کے باوجود مجھے پیاس نہ لگتی۔

(خصائص کبریٰ، اردو جلد ۲، ص ۱۷۲)

اس روایت کو ابن منیع نے اپنی مسند میں نقل کیا ہے کہ ہم سے روح نے، ان سے ہشام اور ان سے عثمان بن قاسم نے اس کی مثل حدیث بیان کی ہے۔ اور ابن سعد نے ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے جریر بن حازم سے اور انہوں نے عثمان بن قاسم سے اسے روایت کیا۔

حضرت سیدہ ام شریک رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت ابوالعکر جب مسلمان ہوئے تو وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور دیگر دوسی (قبیلہ کا نام) لوگوں کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دیار پاک مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کر گئے۔ ابوالعکر رضی اللہ عنہ کی غیر موجودگی میں ابوالعکر کے گھر والے حضرت ام شریک کے پاس آئے۔ حضرت ام شریک نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے آکر مجھ سے پوچھا کہ اے ام شریک کیا تم ان کے دین پر ہو؟ میں نے کہا ہاں خدا کی قسم میں ان کے دین پر ہوں۔ انہوں نے کہا کہ پھر تو ہم تجھے ضرور شدید عذاب دیں گے۔ پھر وہ مجھے ایک ایسے اونٹ پر سوار کر کے لے چلے جو بہت سست رفتار اور ان کے سواریوں میں سب سے زیادہ شریر اور خراب تھا۔ وہ مجھے شہد کے ساتھ روٹی کھانے کو دیتے اور پینے کے لئے پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں دیتے تھے یہاں تک کہ جب دوپہر اور سخت دھوپ کا وقت ہوتا اور ہم پڑاؤ کرتے تو وہ اتر کر اپنے خیمے نصب کرتے اور مجھے دھوپ میں چھوڑ دیتے یہاں تک کہ میری عقل، سماعت اور بصارت جاتی رہی۔ ایسا سلوک انہوں نے میرے ساتھ تین دن کیا۔ پھر تیسرے دن انہوں نے مجھ سے کہا کہ کیا تو اپنے اس دین کو جس پر تو ہے چھوڑتی ہے یا نہیں؟ ام شریک رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں قطعاً کچھ نہ سمجھی کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ بجز اس کے کہ ایک جملے کے بعد دوسرا جملہ سنائی دیتا تھا۔ گویا میری سمجھ بالکل جاتی رہی۔ اس وقت میں نے اپنی انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کر کے توحید کا اقرار کیا۔ میرے اس رویہ سے مایوس ہو کر مجھے دھوپ میں تڑپتی چھوڑ کر وہ اپنے اپنے خیموں میں چلے گئے۔ میں اسی حال میں تھی اور تیز دھوپ کی وجہ سے مجھے شدت و تکلیف پہنچ رہی تھی کہ اچانک ٹھنڈے پانی کا ایک ڈول میں نے اپنے سینے پر پایا۔ میں نے اس ڈول کو تھام کر اس میں سے ایک گھونٹ ٹھنڈا پانی پیا۔ پھر وہ ڈول مجھ سے جدا ہوگیا۔ اور میں اسے جاتا دیکھتی رہی۔ میں نے دیکھا کہ وہ آسمان اور زمین کے درمیان معلق ہے۔ اس کے بعد تیسری مرتبہ وہ ڈول میرے قریب آیا اور میں نے خوب سیر ہو کر

پیااوراس کے پانی کو اپنے سر، اپنے چہرے، اور کپڑوں پر بہالیا۔ ام شریک کہتی ہیں کہ اسی وقت وہ لوگ اپنے خیموں سے نکل کر میرے قریب آئے اور انہوں نے مجھ کو پانی سے سیراب دیکھ کر پوچھا کہ یہ پانی تیرے پاس کہاں سے آیا؟ میں نے کہا اللہ کی جانب سے آیا ہے۔ اور اسی نے مجھے عنایت فرمایا۔ پھر وہ لوگ تیزی کے ساتھ اپنے خیموں میں گئے اور اپنے چھاگلوں اور مشکیزوں کو دیکھا تو بدستور سر بند تھے۔ انہیں کھولا ہی نہ گیا تھا۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ تمہارا رب ہی ہمارا رب ہے اس جگہ تجھے جو پانی نصیب ہوا ہے۔ بیشک اسی نے تجھے عنایت کیا ہے۔ اب تک جو تیرے ساتھ ہم نے کیا وہ کیا۔ لیکن اب ہم اقرار کرتے ہیں کہ اسی نے اسلام کو مشروع کیا ہے۔ پھر وہ سب مسلمان ہو گئے۔

(خصائص کبریٰ، اردو، جلد ۲، ص ۵۸، ۵۷)

ابو یعلی، بیہقی اور ابن عساکر نے متعدد سندوں کے ساتھ ابو غالب سے اور انہوں نے حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے میری قوم کی طرف اپنے نمائندہ کی حیثیت سے اسلام کی دعوت دینے کے لئے بھیجا۔ جب میں اپنی قوم کے پاس پہنچا تو میں بھوکا تھا۔ اس وقت میری قوم کے لوگ کھانا کھا رہے تھے۔ اور کھانے میں وہ جانور کا خون پکا رہے تھے۔ انہوں نے مجھ سے کہا آؤ کھانا کھاؤ۔ میں نے کہا میں تمہارے پاس اس لئے آیا ہوں کہ میں تم سے خون کھانا، چھڑاؤں اس پر انہوں نے میرا مذاق اڑایا۔ اور میری تکذیب کرتے ہوئے میری بات نہ مانی۔ میں نے کہا افسوس ہے تم پر مجھے ایک گھونٹ پانی تو دو میں سخت پیاسا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ ہم نہیں دیں گے بلکہ ہم دعا کریں گے کہ تم پیاسے ہی مر جاؤ۔ اس پر میں غمگین ہوا اور اپنا سر عبا (یعنی جبہ، یا چغہ جو پاؤں تک ہوتا ہے) میں چھپالیا۔ اور سخت گرم ریت پر سو گیا۔ خواب میں میرے پاس آنے والا آیا اور مجھے پیالہ دیا جس میں دودھ تھا۔ میں نے اسے لے کر پیا۔ اور خوب سیراب ہو گیا۔ اور میرا پیٹ اتنا بھر گیا کہ وہ اونچا ہو گیا۔ میرے سو جانے کے بعد میری قوم میں سے کسی نے قوم کو ملامت کرتے ہوئے کہا تمہارے پاس تمہاری قوم کے سرداروں میں سے ایک شخص آیا اور تم نے اسے واپس کر دیا۔ اور کھانے پینے تک کو بھی نہ پوچھا۔ جاؤ اسے کھانا پینا دو۔ جیسا بھی وہ چاہے۔ میری قوم کے لوگ میرے پاس کھانا پینا لے کر آئے میں نے ان سے کہا کہ اب مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے تمہیں بھوک کی حالت میں دیکھا ہے۔ میں نے کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے کھلا، پلا دیا ہے۔ اور شکم سیر ہو گیا ہوں۔ میں نے ان کو اپنا پیٹ دکھایا، یہ دیکھ کر وہ سب مسلمان ہو گئے۔ حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم اس کے پینے کے بعد نہ کبھی تشنگی معلوم ہوئی اور نہ کبھی بھوک کی تکلیف ہوئی۔ (خصائص کبریٰ، اردو، جلد اول، ص ۱۷۲)

انہیں تمام واقعات کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت رضا نے آخرت کی یہ تمنا کی ہے:

کیا عجب اڑ کر جو آپ آئے پیالی ہاتھ میں



(۴۰)

پاؤں اٹھا اور ٹھوکر کھائی کچھ سنبھلا پھر اوندھے منھ
مینھ نے پھسلن کر دی ہے اور دُھر تک کھائی نالی ہے

حل لغت:

کھائی: کھایا کی تانیث، سہنا، برداشت کرنا، طعام دعوت، ضیافت، نوش کرنا، خوراک، بھوجن، مہمانی، نگلنا، حلق سے اتارنا، ہضم کرنا، اٹھانا، غبن کرنا، رشوت لینا، فضول خرچی کرنا، ڈسنا، ڈنک مارنا، مارڈالنا، قتل کرنا، گلا دینا، بوسیدہ کرنا، سنن برباد کرنا، پریشان کرنا، پیٹنا، زدوکوب کرنا، ستیاناس کر دینا۔ (فیروز اللغات، ص1052)

اوندھے منھ گرنا: منھ یا پیٹ کے بل گرنا، الٹا گرنا، آگے کو گرنا، ذلیل ہونا، مات کھانا۔ (فیروز اللغات، ص۱۴۱)

مینھ: بارش۔ (فیروز اللغات، ص۱۳۳۳)

پھسلن: رپٹن، کھسکن، پاؤں پھسلنے کی جگہ۔ (فیروز اللغات، ص۳۱۶)

دُھر: اختتام، اخیر، انتہا، فاصلہ، حسد، شروع، ابتداء، سیدھا راستہ جو منزل تک پہنچے۔ (فیروز اللغات، ص۶۶۲)

نالی: موری، پانی نکلنے کا راستہ۔ (فیروز اللغات، ص۱۳۴۵)

کھائی: گڑھا، کھڈ۔ (فیروز اللغات، ص۱۰۹۶)

پہلے مصرع میں جو لفظ ''کھائی'' ہے اس کا مطلب ''کھانا، برداشت کرنا'' ہے۔

دوسرے مصرع میں جو لفظ ''کھائی'' ہے اس کا مطلب ''گڑھا'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے لفظ ''کھائی'' کا دو مرتبہ استعمال فرمایا ہے مصرع اول میں جو لفظ ''کھائی'' ہے اس کا مطلب کھانا یعنی کہ برداشت کرنا ہے مثلاً: کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے ٹھو کھائی۔ زید نے خطا کھائی، بکر نے گالی کھائی، عمر نے مار کھائی، یہاں کھانا بمعنی برداشت کرنا ہے۔ کھانا کھانا، پھل کھا پان کھانا وغیرہ معنی میں نہیں ہے۔ حضرت رضا بریلوی نے شعر میں لفظ کھانا کے بجائے ''کھائی'' کا استعمال فرمایا ہے۔ لف کھائی کھایا کی تانیث (*Feminine*) ہے۔ اور لفظ کھانا کے لغوی معنی سہنا۔ برداشت کرنا وغیرہ ہیں۔ مصرع ثانی میں

لفظ کھائی ہے وہ گڑھا اور کھڈ (Pit) کے معنی میں ہے۔ دونوں لفظ "کھائی" حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی و مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی تجنیس کامل کا شعر ہے۔

یہ شعر حضرت رضا بریلوی کی اس نعت کا ہے جو آپ نے اپنے دور میں پھیلے ہوئے الحاد اور بے دینی کے ماحول سے ملت اسلامیہ کو آگاہ اور متنبہ کرنے کے لئے کہی ہے۔ جس کی مختصر وضاحت شعر نمبر 5:

پھر پھر کے ہر جانب دیکھوں کوئی آس نہ پاس کہیں   ہاں اک ٹوٹی آس نے ہارے جی سے رفاقت پالی ہے

اور شعر نمبر 11:

سونا پاس ہے سونا بن ہے سونا زہر ہے اٹھ پیارے   تو کہتا ہے نیند ہے میٹھی تیری مت ہی نرالی ہے

کی تشریح میں مذکور ہوئی۔ یہ شعر اس بے دینی کے ماحول میں پھنسے ایک بھولے بھالے اجنبی شخص کی حالت بیان کرتا ہے۔ جس کا صحیح اندازہ اس شعر سے ماقبل جو تین اشعار ہیں ان سے ہوتا ہے۔ وہ تینوں اشعار قارئین کی معلومات کے لئے ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

آنکھیں ملنا جھنجھلا پڑنا لاکھوں جمائی انگڑائی   نام پر اٹھنے کے لڑتا ہے اٹھنا بھی کچھ گالی ہے

•

جگنو چمکے پتا کھڑکے مجھ تنہا کا دل دھڑکے   ڈر سمجھائے کون پون ہے یا اگیا بیتالی ہے

•

بادل گرجے بجلی چمکے دھک سے کلیجہ ہوجائے   بن میں گھٹا کی بھیانک صورت کیسی کالی کالی ہے

مذکورہ تین اشعار کے بعد آپ نے یہ شعر ارشاد فرمایا ہے۔ ان اشعار کے ذریعہ ایک بے کس و تنہا شخص کی دلی کیفیت کا عالم تصور میں اظہار فرمایا ہے۔ دور حاضر میں جہاں ہر طرف نئے نئے کفری عقیدے اور فرقے پھیلے ہوئے ہیں۔ اور جس انداز سے وہ اپنے عقائد باطلہ ضالہ کی نشر و اشاعت کررہے ہیں۔ اس سے ایک دیندار مومن کی حالت ایسی ہے جیسے گھنگھور گھٹا اور بھیانک جنگل میں پھنسا ہوا اور بھٹکا ہوا مسافر جو تن تنہا ہے۔ ساتھ میں مال و دولت اور زیور ہیں۔ کوئی ہم سفر یا رفیق ساتھ میں نہیں۔ ڈاکوؤں کا ڈر ہے کہ نہ جانے کب آکر ٹوٹ پڑیں، اور میری متاع چھین لیں۔ جنگل کے بیچ آپھنسا ہے۔ ماحول بھی ڈراؤنا ہے۔ رات کا اندھیرا چھایا ہوا ہے۔ سفر کی تھکان ہے۔ جسم چکنا چور ہے۔ دماغ پریشانی کی وجہ سے کند اور ماند ہوگیا ہے۔ نیند کا غلبہ ہے۔ جمائی اور انگڑائی کا تسلسل ہے۔ نیند کی آغوش میں جانے کے لئے پلکیں بوجھل ہو کر جھکی پڑتی ہیں، لیکن ایسی حالت میں نیند مہلک ہے۔ لہٰذا وہ آنکھیں مل مل کر نیند کو بھگانے کی متواتر کوشش کررہا ہے۔ سنسان بن اور وہ اکیلی جان جنگل کے درندوں کا بھی خوف ہے کہ وہ مجھے اپنا لقمہ نہ بنالیں۔ شب کی تاریکی بڑھتی جارہی ہے۔ اس وقت آدمی کو ذرا سی آواز سے بھی ڈر لگتا ہے وہ بھی ڈراؤنی معلوم ہوتی ہے۔

قارئین کرام! تھوڑی دیر کے لئے یہ تصور کرلیں، میں اس وقت جنگل میں ہوں اور پھر اس کی خوفناکی کا احساس

کریں۔ رات کے اندھیرے میں جب ہاتھ نہیں سوجھتا اس وقت ایک انجان ڈر دل میں گھس جاتا ہے۔ ہزاروں ڈراؤنے خیالات اس کے دماغ پر قبضہ جما لیتے ہیں۔ جسمانی اور ذہنی طور پر وہ مسافر اب ہار چکا ہے۔ رات کاٹے نہیں کٹتی۔ وقت گویا جامد ہو گیا ہے۔ چور، ڈاکو اور جنگلی درندوں کے ساتھ ساتھ اب اس کو جن و بھوت کا بھی ڈر لگ رہا ہے اور اچانک تیز ہوا کا جھونکا آیا۔ درخت کے پتے ترنم ریز ہوئے اور اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا کہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی آ رہا ہے۔ کسی کے قدموں کی آہٹ معلوم ہوتی ہے اور ساتھ میں نظر کے سامنے ایک وحشت ناک منظر کھڑا ہو جاتا ہے۔ رات کی تاریکی میں اچانک چکا چوند چھوٹی اور کچھ کچھ فاصلے پر روشنی نظر آنے لگی۔ اور یہ مارے خوف کے لرزنے لگا کہ اگیا بیتال آ گیا۔
اگیا بیتال ایک دخانی مادہ ہے جو اکثر دلدل، پرانے قبرستان یا مرگھٹ میں رات کو جلتا ہوا نظر آتا ہے۔ عام لوگ اسے بھوت پریت خیال کرتے ہیں۔ (فیروز اللغات، ص ۱۱۱)

ایک طرف سے پون یعنی ہوا کی ڈراؤنی آواز۔ دوسری طرف نظر کے سامنے چکا چوند روشنی چمک اور بھوت پریت کا تصور اسے گھبراہٹ میں ڈال دیتا ہے۔ حالاں کہ ایسا کچھ نہیں ہوتا۔ ذرا سا پون کا جھونکا آیا تو پتے ہل اٹھے اور جگنو اڑنے لگے۔
جگنو: ایک اڑنے والا کیڑا جس کے جسم سے رات کے وقت روشنی نکلتی ہے۔ (فیروز اللغات، ص ۴۶۵)

اب اس کی ذہنی حالت کا اندازہ لگائیے کہ جگنو کو وہ اگیا بیتال سمجھ کر ہل گیا۔ اس کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ اس گھبراہٹ کے عالم میں وہ جلد از جلد جنگل پار کرنے کی غرض سے تیز تیز چلنے لگتا ہے کہ اچانک بادل کی گرج اور بجلی کی کڑک نے اس کا کلیجہ تھرتھرا دیا، اور دفعتاً بارش شروع ہو گئی۔ ایک تو رات کا اندھیرا، اوپر سے کالی بدلی اور ساتھ میں موسلا دھار بارش۔ اب کرے تو کیا کرے؟ کچھ سمجھ میں نہیں آتا دماغ گویا کام نہیں کرتا، لیکن پھر بھی وہ ہمت کر کے چلتا ہے۔ ابھی دو چار قدم مشکل سے چلا ہوگا کہ ٹھوکر لگی اور وہ زمین پر گرا۔ لیکن چوٹ کا کچھ خیال نہ کرتے ہوئے پھر سنبھل کر کھڑا ہو گیا۔ اور چلنے لگا لیکن اب بارش کے پانی نے مٹی کے ساتھ مل کر پھسلن پیدا کر دی تھی اس لئے وہ اب پھسلا اور منہ کے بل زمین پر دو بارہ گرا۔ اب اس کا حوصلہ ٹوٹ چکا ہے۔ اب وہ کسی ساتھی کی شدت سے ضرورت محسوس کرتا ہے۔ اور:

ساتھی ساتھی کہہ کے پکاروں ساتھی ہو تو جواب آئے　　　پھر جھنجھلا کے سر دے پٹکوں چل رے مولیٰ والی ہے

وہ ساتھی ساتھی کہہ کر متواتر و مسلسل پکارتا ہے لیکن ساتھی ہو تو جواب آئے نہ! پکارتے پکارتے تھک گیا۔ اس کا گلا بیٹھ گیا لیکن کہیں سے کوئی جواب نہ آیا۔ وہاں اس کو کون جواب دے؟ جب کہیں سے بھی کوئی جواب آنے کی امید نہ رہی تو وہ جھنجھلا اٹھا۔ طیش میں آ گیا اور غصے کے عالم میں تلملا اٹھا اور بہت افسوس کرتے ہوئے کہہ اٹھا کہ جب کوئی ساتھی نہیں تو اب مولیٰ تعالیٰ اور آقا و مولیٰ ﷺ کے بھروسے پر چل نکلوں اور وہ اللہ و رسول کے بھروسے پر چل نکلا۔
یہ ایک مثال ہے۔ اسی تصورانہ واقعہ کو بطور تمثیل حضرت رضا نے بیان فرمایا ہے۔ اس واقعہ کو موجودہ پرفتن دور پر قیاس کر کے اس کا اندازہ کرو کہ جو حالت جنگل میں راہ بھٹکے ہوئے اور مصیبت میں پھنسے ہوئے مسافر کی ہے وہی حالت الحاد و بے دینی کے ماحول میں پھنسے ہوئے ایک مومن کی ہے۔ جس طرح وہ مسافر گھنگھور جنگل میں پھنسا ہے اسی طرح یہ مومن

الحادوبے دینی وارتداد کے جنگل میں پھنسا ہے۔اس کے چاروں طرف گمراہیت کا اندھیرا چھایا ہوا ہے۔بداعمالی کی تار
پھیلی ہوئی ہے۔ نئے بنئے فتنوں کی آندھی چل رہی ہے۔جھوٹے قائدین ورہبراس اندھیرے ماحول میں دھوکے باز
فریب کار جگنوکی طرح رونما ہورہے ہیں۔وہابیت اور دیگر باطل تحریکیں سیاہ بادل کی مانند منڈلا رہی ہیں۔توہین انبیاء
تنقیص اولیاء پر مشتمل کفری بولی کی بجلی بھیانک روپ میں کڑک رہی ہے۔اس مومن کو اپنے متاع ایمان لٹ جانے کا خط
ہے۔مذہب کے نام پر گمراہیت اور لامذہبیت پھیلانے والے سیاسی لیڈروں کے وحشیانہ اور قاتلانہ طرزِ عمل کا خطرہ لا
ہے۔وہ اس ماحول میں اپنے کو تنہا محسوس کررہا ہے۔ساتھی ساتھی کہہ کر پکار رہا ہے۔لیکن اس کی پکار نقار خانے میں طوطی
آواز کی طرح دب کررہ جاتی ہے۔

مذہب کے نام پر کئی نئے فرقے نکل پڑے ہیں۔جیسے جنگل میں کئی پگ ڈنڈی ہوتی ہیں وہ مومن الحادوبے دینی
جنگلی ماحول میں سیدھے راستے یعنی صراط مستقیم پر چلنے کا قصد کرتا ہے۔لیکن منافقین زمانہ کی فریب کاری سے ٹھوکر کھا کر
پڑتا ہے۔لیکن پھر وہ سنبھل کر کھڑا ہوتا ہے اور چلنے کا عزم کرتا ہے کہ دنیا کی حرص وطمع اور اقتدار کی لالچ کی بارش راہ می
پھسلن پیدا کردیتی ہے اور وہ پھسل کر منہ کے بل گر پڑتا ہے کوئی ساتھی (رہبر) نظر نہیں آتا۔بالآخر وہ یہی کہتا ہوا راہ حق
گامزن ہوجاتا ہے کہ"چل رے مولیٰ والی ہے"۔

حضرت رضا بریلوی نے جنگل میں پھنسے ہوئے مسافر کی کیفیت بیان فرما کر دور حاضر میں الحادوبے دینی کے ماحو
میں گھرے ہوئے ایک مومن کی حالت کی مثال بیان فرمائی ہے اور ملت اسلامیہ کو اپنے ایمان کے تحفظ کے لئے غفلت
نیند سے بیدار فرمایا ہے۔



(۴۱)

دو جہاں کی بہتریاں نہیں کہ امانیٔ دل و جاں نہیں
کہوں کیا ہے وہ جو یہاں نہیں مگر اک نہیں کہ وہ وہاں نہیں

حل لغت:

دو جہاں: دنیا اور آخرت، دنیا اور دین۔(فیروز اللغات، ص ۶۴۹ ☆ لغات کشوری، ص ۳۰۲ ☆ کریم اللغات، ص ۶۷)۔
بہتریاں: بہتر کی جمع، بھلائی، نیکی، خوبی، فائدہ، فضیلت، بڑائی، بزرگی۔(فیروز اللغات، ص ۲۲۷)

امانی: امنیہ کی جمع، امیدیں، وہ کام جو اپنے طور پر کرایا جائے، ٹھیکہ کی ضد۔ (فیروز اللغات، ص ۱۲۱ ☆ لغات کشوری، ص ۵۹)
نہیں: کلمۂ نفی، انکار، حرف شرط، ورنہ، وگرنہ، نہ۔ (فیروز اللغات، ص ۱۳۹۰)
ہاں: کلمۂ ایجاب، اچھا ہوں، بھلا، ضرور، ٹھیک، بے شک، البتہ، اقرار، حکم کا اشارہ، تاکید، تنبیہ، واقعی۔
(فیروز اللغات، ص ۱۴۲۹)

دوسرے مصرع میں شروع اور آخر میں جو لفظ ''نہیں'' ہے اس کا مطلب ''نہیں'' ہے۔
دوسرے مصرع میں درمیان میں جو لفظ ''نہیں'' ہے اس کا مطلب ''انکار'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وثنا اور تعریف و توصیف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ در پاک ہے کہ جہاں دنیا اور آخرت یعنی دونوں جہاں کی بھلائی ملتی ہے اور اسی در سے ہماری امیدیں وابستہ ہیں۔ اور جو اس در سے امیدیں وابستہ کرتا ہے وہ کبھی بھی مایوس نہیں ہوتا کیوں کہ اس در پر سب ہے۔ البتہ یہاں پر ''نہیں'' نہیں ہے۔ یعنی یہاں پر کسی بھی سائل کے سوال کے جواب میں ''نہیں'' کہہ کر اس کا سوال ٹھکرایا نہیں جاتا بلکہ سائل کا دامن گوہر مراد سے بھر دیا جاتا ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے لفظ ''نہیں'' کا استعمال مصرع ثانی میں جو کیا ہے وہ دونوں لفظ ''نہیں'' حروف و اعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔ مصرع ثانی میں پہلی مرتبہ جو لفظ ''نہیں'' ہے وہ نہیں، نہ ہونا کے معنی میں ہے اور دوسری مرتبہ جو لفظ ''نہیں'' ہے وہ انکار کے معنی میں ہے حالاں کہ اس شعر کے مصرع اول میں بھی لفظ ''نہیں'' کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے لیکن دونوں ہم معنی ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے سوال کو رد نہ فرماتے تھے۔ آپ نے ہر سائل کا سوال پورا فرمایا۔ اس کی تفصیلی بحث

شعر نمبر 15: میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا
شعر نمبر 21: گیسو وقد لام الف، کر دو بلا منصرف
شعر نمبر 27: واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا
اور شعر نمبر 69: مانگ من مانتی منہ مانگی مرادیں لے گا

کی تشریح میں ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں پر ہم صرف مصرع اول کی تشریح میں کچھ گفتگو کریں گے۔
حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ میرے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار عالی سے دنیا اور آخرت کی بھلائی اور نعمتیں

حاصل ہوتی ہیں۔ بلکہ دل وجان کی امیدیں اور آرزوئیں پوری ہوتی ہیں۔اس ضمن میں کچھ واقعات احادیث اور ائ
کی مستند اور معتمد کتب سے پیش خدمت ہیں:

- حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ رات کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں رہا کرتے تھے۔حضور کے لئے پانی حاضر کرنا اور جامہ، مسواک اور کنگھی وغیرہ حاضر کرنے کی خدمت بھی بجالاتے تھے۔ایک روز مالک کونین کا دریائے کرم جوش میں آیا اور حضرت ربیعہ سے فرمایا ''سَلْ'' یعنی ''مانگو'' اس فرمان میں حضور نے کوئی تخصیص نہ کہ فلاں قسم کا ہی سوال کرنا اور فلاں قسم کا سوال نہ کرنا۔ بلکہ مطلق فرمایا کہ مانگو یعنی جو بھی جی میں آئے مانگو تبارک وتعالیٰ کی عطا سے مجھے سب کچھ عطا کرنے کا اختیار وتصرف ہے۔وہ صحابی آج کے زمانے کے وہابی کی طر تھے کہ جو معاذ اللہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ''جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مالک ومختار نہیں۔'' (تقویۃ الایمان، از اسماعیل دہلوی) بلکہ حضرت ربیعہ کو یقین کامل تھا کہ اللہ کے محبوب کو اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات کی سلطنت کا مالک ہے۔ یہ سب کچھ عطا فرما سکتے ہیں۔چاہے دنیا کی چیز مانگوں، چاہے آخرت کی۔حضرت ربیعہ نے آخرت کی مانگی اور وہ بھی ایسی افضل واعلیٰ نعمت کہ ''اَسْئَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ'' یعنی میں آپ سے جنت میں آپ رفاقت (ساتھ) چاہتا ہوں۔یہ جواب سن کر حضور نے مزید ارشاد فرمایا کہ ''فَقَالَ اَوَ غَيْرَ ذٰلِكَ'' یعنی فرمایا کے سوا اور کچھ۔جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے علاوہ اور کچھ بھی چاہتے ہو؟ اور اگر چاہتے ہو تو وہ بھی مانگ لو۔ فرمائیں گے۔حضرت ربیعہ عرض کرتے ہیں: ''فَقُلْتُ هُوَ ذَاكَ'' یعنی میں نے کہا کہ میری مراد تو صرف یہی۔ جیسا کہ:

سائل ہوں تیرا مانگتا ہوں تجھ سے تجھی کو | معلوم ہے اقرار کی عادت تیری مجھ کو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو میری اعانت کر اپنے نفس پر کثرت سجود سے۔یہ حدیث مسلم شریف، ابوداؤد، سنن ابن اور معجم کبیر طبرانی میں ہے۔

- اس حدیث کی شرح میں علامہ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ والرضوان، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں کہ حضور اق صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگنے کا حکم مطلق دیا۔اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ اللہ عزوجل نے حضور کو عام قدرت بخشی ہے کہ خدا خزانوں سے جو کچھ چاہیں عطا فرمائیں۔ (الامن والعلیٰ، از امام احمد رضا محدث بریلوی، ص ۱۲۰)

اہل عشق ومحبت نے ہمیشہ اپنی حاجتیں اور مرادیں اسی بارگاہ بیکس پناہ سے طلب کیں اور حاصل کی ہیں مصیبت وقت اسی بارگاہ مختار میں استغاثہ کیا اور نجات پائی۔

- حضرت ابوالحسن علی بن مصطفیٰ عسقلانی ذکر کرتے ہیں کہ ہم بحر عیذاب میں کشتی پر سوار ہو کر جدہ کو روانہ ہوئے۔سمن میں طغیانی آگئی۔ہم نے اپنا سامان واسباب سمندر میں پھینک دیا۔جب ہم ڈوبنے لگے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے استغ کرنے لگے اور یوں پکارنے لگے: ''یَا مُحَمَّدَاهُ، یَا مُحَمَّدَاهُ'' ہمارے ساتھ مغرب کا ایک نیک دل شخص تھا۔

بولا: حاجیو! گھبراؤ مت، تم بچ جاؤ گے کیوں کہ ابھی میں خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا ہوں۔ میں نے حضور سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کی امت آپ سے استغاثہ کر رہی ہے۔ حضور نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ مدد کرو۔ مغربی کا قول ہے کہ میں اپنی آنکھ سے دیکھ رہا تھا کہ حضرت صدیق اکبر سمندر میں گھس گئے۔ انہوں نے کشتی کے پتوار پر اپنا ہاتھ رکھا اور کشتی کو کھینچتے رہے یہاں تک کہ خشکی سے جا لگی۔ چنانچہ اس خواب کے بموجب ہم صحیح و سالم رہے اور اس کے بعد بجز خیر ہم نے کچھ نہ دیکھا اور صحیح و سالم خشکی پر پہنچ گئے۔ (حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین، از علامہ نبہانی، ص ۷۸۷)

- ابراہیم بن مرزوق بیانی علیہ الرحمۃ روایت کرتے ہیں کہ جزیرۂ شقر کا ایک شخص قید ہو گیا۔ اسے بیڑیوں اور کاٹھ میں جکڑ دیا گیا۔ وہ یا رسول اللہ پکار پکار فریاد کرتا تھا۔ اس کے بڑے دشمن نے اس سے طنزیہ کہا کہ جس کو تم پکارتے ہو اس سے کہو کہ تمہیں چھڑا دے۔ جب رات ہوئی تو ایک شخص نے اسے بلایا اور کہا کہ اذان کہو! وہ بولا کہ تم نہیں دیکھتے کہ میں کس حال میں ہوں؟ پھر اس نے اذان کہی۔ جس وقت وہ "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ" پر پہنچا، تو اس کی بیڑیاں وغیرہ خود بخود ٹوٹ گئیں اور اس کے سامنے ایک باغ نمودار ہوا وہ باغ میں گھومتا رہا اور اچانک اسے باغ سے نکلنے کا ایک راستہ مل گیا۔ جس سے وہ جزیرۂ شقر میں پہنچا اور اس کا قصہ اس کے شہر میں مشہور ہو گیا۔

(شواہد الحق، از علامہ نبہانی، بحوالہ سیرت رسول عربی، از علامہ محمد نور بخش توکلی ۷۴۰)

امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اسلامی لشکر زیر سرداری امین الامت حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ ملک شام گیا ہوا تھا۔ حضرت خالد بن ولید، حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق، حضرت شرحبیل بن حسنہ، حضرت فضل بن عباس عم رسول، حضرت ضرار بن ازور، حضرت عکرمہ بن ابوجہل، حضرت زبیر بن العوام، حضرت ربیعہ بن عامر، حضرت رافع بن عمیرہ، حضرت کعب بن مالک انصاری، حضرت حذیفہ بن الیمان، حضرت قیس بن سعید خزرجی، حضرت عبادہ بن صامت، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت ابوایوب انصاری، حضرت رافع بن سہیل، حضرت عبد اللہ بن عمر فاروق، حضرت صفوان ابن امیہ، حضرت صفوان بن فضل، حضرت سہیل بن عمرو، حضرت دامس ابوالہلول جو غلام تھے۔ حضرت سراقہ بن مرداس، حضرت فضل بن ثابت وغیرہ۔ جیسے جلیل القدر اصحاب رسول رضی اللہ عنہم اس لشکر میں شامل تھے۔

اسلامی لشکر نے ملک شام کے اہم اہم مقامات مثلاً: اجنادین • اریکہ • سخنہ • تدمر • بصرہ • دمشق • توما • حصن القدس • قنسرین • بعلبک • جوسیہ • حمص • جابیہ • یرموک • بیت المقدس • حلب • اعزاز • انطاکیہ کو فتح کر لیا۔

انطاکیہ فتح ہو گیا ہے۔ یہ خبر امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچانے کے لئے حضرت ابوعبیدہ ابن جراح رضی اللہ عنہ نے ایک خط دے کر حضرت زید بن وہب رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ روانہ کیا۔ حضرت زید امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ دن ۲۵ ذیقعدہ ۱۷ھ کا تھا۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے خط پڑھ کر تمام کیفیت معلوم کی اور خط کا جواب لکھ کر حضرت زید بن وہب کے ہاتھوں روانہ کیا۔

حضرت زید خط لے کر جب واپس آئے تو اسلامی لشکر انطا کیہ سے کوچ کر کے دحازم میں پڑاؤ کئے ہوئے تھا۔ جب حضرت زید بن وہب وہاں پہنچے تو لشکر میں خوشی اور سرور کا شور وغل تھا۔ کیوں کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے دریا فرات کے ساحلی علاقے کے شہر • بنج • براعہ • نابلس اور قلعہ نجم کو فتح کر لیا تھا۔ حضرت زید بن وہب نے امیر المومنین کا اسلامی لشکر کے سپہ سالار حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو دیا۔ انہوں نے وہ خط کھولا اور تمام حاضرین کو سنایا۔ اس خط میں امیر المومنین نے لشکر اسلام کے سردار کو یہ حکم دیا تھا کہ تم ایک جگہ بیٹھے نہ رہو بلکہ اطراف کے پہاڑی علاقوں کو بھی فتح کر کے وہاں بھی اسلامی حکومت قائم کرو۔ چنانچہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح نے حضرت میسرہ بن مسروق العبسی کی سرداری میں پہاڑی علاقوں کی طرف ایک سریہ یعنی چھوٹا لشکر روانہ کیا۔

اس لشکر کی تعداد چار ہزار (۴۰۰۰) تھی جن میں سے تین ہزار مجاہدین گروہ یمن کے تھے اور ایک ہزار مجاہدین عرب کے غلاموں سے تھے۔ ان ایک ہزار غلاموں پر حضرت دامس ابوالہلول کو سردار مقرر کر کے حضرت ابوعبیدہ نے ان کو لشکر کا مقدم یعنی آگے چلنے والا دستہ مقرر کیا۔ حضرت ابوعبیدہ نے ایک نشان مثل نشان رسول اللہ بنایا اور وہ نشان سیاہ کپڑے کا تھا جس میں سفید حروف سے ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' لکھا ہوا تھا۔ پس جنبش دی اس نشان کو جو ایک نیزے پر بنا ہوا تھا اور سپرد کیا اس کو حضرت میسرہ بن مسروق کو۔ پورے چار ہزار کا لشکر حضرت میسرہ بن مسروق کی سرداری میں وہاں سے پہاڑی علاقوں کی طرف روانہ ہوا۔ حضرت میسرہ بن مسروق نے ملک شام کے جغرافیہ سے واقفیت رکھنے والے چند اشخاص کو بحیثیت راہبر کے ساتھ لیا۔ ان راہبروں کے مشورے اور راہبری کے موافق اسلامی لشکر شہر قورس پہنچا جو پہاڑی علاقے میں واقع تھا۔ یہاں سے آگے بڑھ کر بقعۂ جنداس نامی مقام سے ہوتے ہوئے نہر ساحور پر پہنچے۔ وہاں سے کوچ کر کے پہاڑی کے شگاف میں ایک گاؤں میں پہنچے۔ لیکن پورا گاؤں انسانوں سے خالی تھا۔ کیوں کہ وہاں کے رہنے باشندوں کو اسلامی لشکر کی آمد کی اطلاع مل گئی تھی۔ لہٰذا وہ اپنے اہل وعیال سمیت فرار ہو گئے تھے۔ حالاں کہ ان کا مال اسباب، جانور مویشی وغیرہ گاؤں ہی میں تھے لیکن آدمی کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ اس اسلامی سریہ یعنی چھوٹے لشکر کے سردار حضرت میسرہ بن مسروق نے مجاہدین سے فرمایا کہ ہوشیار ہو جاؤ اور احتیاط برتو۔ کیوں کہ میں گمان کرتا ہوں کہ شاید ان لوگوں نے کوئی مکر وفریب ہمارے ساتھ کیا ہے تھوڑی ہی دیر میں لشکر کے ایک مجاہد کو سب نے دیکھا کہ وہ کسی رومی گبر یعنی آتش پرست رومی کو مثل چوپائے کے گھسیٹ کر لا رہے ہیں۔ جب اس کو حضرت میسرہ کے سامنے لایا گیا تو اس نے بتایا کہ جب ہمارے بادشاہ کو یہ اطلاع ملی کہ انطا کیہ عربوں نے فتح کر لیا ہے اور انطا کیہ کے حاکم کو سولی دے دی گئی ہے تو اس نے اپنے بطارقہ یعنی پادریوں کو جمع کیا ہے اور پہاڑی علاقوں کو عربوں سے محفوظ کرنے کے لئے تیس ہزار (۳۰،۰۰۰) کی مسلح فوج لے کر نکلا ہے اور وہ فوج تم سے صرف دو فرسخ کے فاصلے پر ہے۔ حضرت میسرہ بن مسروق اور اس رومی گبر کے درمیان یہ گفتگو چل ہی رہی تھی کہ اچانک رومیوں کے لشکر کے نشان اور صلبان دکھائی دیئے اور وہ اسلامی لشکر سے کچھ فاصلے پر آکر ٹھہر گیا۔ رومیوں نے اپنے لشکر کو تین صفوں میں تقسیم کیا، تیس ہزار کے لشکر کے سامنے مسلمانوں کا صرف چار ہزار کا لشکر

مقابل ہوا۔ اور جب جنگ کی آگ تیز ہوئی اور رومیوں نے مسلمانوں پر شدت کا حملہ کیا اور بظاہر غالب ہوتے نظر آنے لگے، تب اسلامی لشکر کے مجاہدین نے "اَلنَّصْرُ ، اَلنَّصْرُ یَا مُحَمَّدُ، یَا مُحَمَّدُ" پکارنا شروع کیا اور مسلمانوں نے کامل شجاعت اور دلیری دکھائی۔ یہ جنگ بمقام "مرج البقائل" ہوئی تھی۔ اس جنگ میں سب سے زیادہ دلیری اور شجاعت کا مظاہرہ حضرت دامس ابوالہلول نے کیا تھا۔ ان کے لڑائی کے کرتب اور فن سپہ گری سے رومی پریشان ہو گئے تھے۔ کیوں کہ وہ دشمن پر قہر الٰہی کی بجلی کی مانند ٹوٹ پڑتے تھے اور آن کی آن میں صفوں کی صفیں الٹ دیتے تھے۔ پہلے دن کی جنگ ختم ہوئی تو رومی لشکر کے گیارہ سو (۱۱۰۰) سپاہی قتل ہوئے اور نو سو (۹۰۰) سپاہی گرفتار ہوئے۔ اسلامی لشکر کے پچاس مجاہدین نے جام شہادت نوش فرمایا۔ اور حضرت دامس ابوالہلول اور ان کے ساتھ دس/۱۰ حضرات کو رومیوں نے گرفتار کر لیا تھا۔

وہ دس حضرات: (۱) عامر بن طفیل (۲) راشد بن زبیر (۳) مالک بن حاتم (۴) سالم بن مفرح (۵) دارم بن صابر (۶) عون بن قارب (۷) مشعر بن حسان (۸) مفرح بن عاصم (۹) نبہان بن مرہ (۱۰) اور عدی بن شہاب تھے۔ رومیوں نے ان کو بیڑیوں میں جکڑ رکھا تھا۔

یہ پورا واقعہ بیان کرنے کا جو اصل مقصد ہے وہ یہ کہ بقول حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان "کہ امانِ دل و جاں" اور بلا سے نجات حضور اقدس ﷺ کے دربار سے حاصل ہوتی ہے۔ ان قیدیوں کو کس طرح رہائی حاصل ہوئی؟ خود حضرت دامس ابوالہلول کی زبانی سنئے۔ جس کو علامہ واقدی نے اپنی کتاب "فتوح الشام" ص ۲۸۶ پر نقل فرمایا ہے۔

اور دامس نے کہا کہ اپنے سردار (یعنی میسرہ بن مسروق) جانو تم اس امر کو کہ رومیوں نے مجھ کو گرفتار کیا اور جکڑ لائے تھے ہم کو بیڑیوں میں اور ایسا ہی کیا تھا انہوں نے میرے ہمرائیوں کے ساتھ اور ناامید ہو گئے تھے ہم اپنی جانوں سے۔ پس جب چھپایا رات نے سو گیا میں پس دیکھا میں نے رسول اللہ ﷺ کو اور گویا آپ یہ ارشاد فرماتے ہیں:

"لَا بَاسَ عَلَیْكَ یَا دَامِسُ وَ اعْلَمْ اِنَّ مَنْزِلَتِیْ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمًا"

(نہیں سختی ہے تجھ پر اے دامس اور جان تو کہ میرا مرتبہ اللہ کے نزدیک بڑا ہے۔)

پھر کھینچا آپ نے اپنے بزرگ ہاتھ سے بیڑیوں کو، پس کھل گئیں وہ اور طوقوں کو، پس دور ہو گئے وہ اور ایسا ہی کیا آپ نے میرے ہمرائیوں کے ساتھ اور فرمایا:

"اَبْشِرُوْا بِنَصْرِ اللّٰهِ فَاَنَا مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ"

تم خوش ہو تم ساتھ مدد ہی اللہ کے، پس میں محمد رسول اللہ ہوں ﷺ۔

پھر پوشیدہ ہو گئے آپ ہم سے پس لیا ہم نے اپنی تلواروں کو اور کھینچ لیا ہم نے ان کو قدم کے بیچ اور حملہ کیا ہم نے قوم (رومیوں) پر پس مدد دی ہم کو اللہ نے ان پر اور مدد رسول اللہ نے اور یہ حال اور بیان ہمارا ہے پس شور کیا مسلمانوں نے ساتھ تہلیل اور تکبیر کے اور درود بھیجا بشیر اور نذیر پر۔

(ملخصاً حوالہ ماخوذ از: فتوح الشام، مصنف علامہ امام اجل محمد بن عمر و واقدی۔ ناشر نولکشور لکھنؤ، اردو ترجمہ، سال طباعت ۱۹۰۳ء، ص ۲۷۶ تا ۲۸۶)

قارئین کرام! مذکورہ واقعہ میں صاف بیان کیا گیا ہے کہ حضرت دامس ابوالہلول اوران کے ساتھیوں کو رومیوں کی قید سے رہائی عطا کرنے کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست اقدس سے ان کی بیڑیاں کھول دیں اوران کو فتح کی خوشخبری بھی سنائی۔ اوراس خوشخبری کے عین مطابق مجاہدین اسلام نے رومیوں کے تیس ہزار کے لشکر پر فتح پائی۔ ایسے تو کئی واقعات علامہ واقدی اپنی کتب سیر وتواریخ مثلاً: (۱) مغازی صادقہ ترجمہ مغازی الرسول (۲) فتوح الشام (۳) فتوح مصر اور (۴) فتوح عجم میں روایت کرتے ہیں۔ ان تمام واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ جلیل القدر صحابہ کرام جنگ کے دوران اور دیگر مراحل میں مصیبت کے وقت یا رسول اللہ کہہ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارتے تھے اور آپ سے استغاثہ کرتے تھے اور اپنے جاں نثاروں کی نصرت واعانت کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر موقع وہر مقام پر ان کی دستگیری اور مشکل کشائی فرماتے تھے۔ اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا اور آپ سے مدد طلب کرنا شرک ہوتا تو صحابۂ کرام نے کیوں پکارا؟ اور کیوں مدد طلب کی؟ کیا وہ شرک کے معنی، اصطلاح اور احکام سے واقف نہ تھے؟ کیا اسلام کو وہ نہ جانتے تھے؟ ان تمام سوالات کا جواب قارئین کرام اپنے دل سے حاصل کریں۔



(۴۲)

ہوئی کمخوابی ہجراں میں ساتوں پردے کمخوابی
تصور خوب باندھا آنکھوں نے استار تربت کا

حل لغت:

کمخوابی: نیند نہ آنے کا مرض۔ (فیروز اللغات، ص ۱۰۲۷)

ہجراں: جدائی، مفارقت، ہجر، قطع تعلق۔ (فیروز اللغات، ص ۱۴۳۴ ☆ لغات کشوری، ص ۸۱۲)

ساتوں پردے: بہت زیادہ پردہ کرنے لگنا، اس عورت پر طنز جو یکا یک صاحب ثروت ہوجانے پر بہت زیادہ پردہ کرنے لگے۔ (فیروز اللغات، ص ۷۶۰)

کمخواب: ایک قسم کا ریشمی کپڑا، جو زری کے تاروں کی آمیزش سے بنایا جاتا ہے، زربفت۔ (فیروز اللغات، ص ۱۰۲۹)

تصور: دل میں تصویر بنانا، دھیان، مراقبہ، خیال، منصوبہ، سوجھ۔

(فیروز اللغات، ص ۳۶۲ ☆ لغات کشوری، ص ۱۴۸ ☆ کریم اللغات، ص ۴۲)

استار: ستر کی جمع بمعنی پردہ۔ (لغات کشوری، ص ۳۲)

تربت: قبر، مزار، گور، مٹی۔ (فیروز اللغات، ص ۳۵۳ ☆ لغات کشوری، ص ۱۴۱ ☆ کریم اللغات، ص ۳۵)

پہلے مصرع میں شروع میں جو لفظ "کمخوابی" ہے اس کا مطلب "نیند نہ آنا" ہے۔

پہلے مصرع میں بعد میں جو لفظ "کمخوابی" ہے اس کا مطلب "ریشمی کپڑا" ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان عشق رسول کی اعلیٰ منزل میں پہنچ کر اپنے پیارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق و ہجر کی بے چینی و تڑپ کا ذکر فرمار ہے ہیں۔

اس شعر کے مصرع اول میں لفظ "کمخوابی" کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ کمخوابی ہے اس کا مطلب ہوتا ہے کمخوابی یعنی نیند نہ آنے کا مرض اور دوسری مرتبہ جو لفظ کمخوابی ہے اس کا مطلب ہوتا ہے ریشمی کپڑا، جس کو عوام "کن خواب" بھی کہتے ہیں۔ کن خواب کا کرتا یا کن خواب کا پردہ عوام کی اصطلاح میں کہا جاتا ہے لیکن درحقیقت کن خواب کا لفظ "کم خواب" کا بگڑا ہوا ہے۔ صحیح لفظ کمخواب ہے۔ کمخواب کا کپڑا ریشم اور سونے کے تاروں کی آمیزش سے بنایا جاتا ہے۔ اور اس کپڑے کا ایک دوسرا نام زربفت بھی ہے، زربفت کے کپڑے کا زیادہ تر استعمال بادشاہوں کے محل اور امیروں کے ایوانوں کے پردے میں ہوتا ہے۔ زربفت یعنی کہ کمخواب کا کپڑا ایک نرالی شان و شوکت کا حامل ہوتا ہے۔ یہ کپڑا قیمت کے اعتبار سے بہت مہنگا ہوتا ہے۔ کیوں کہ اس کی بنائی میں سونے کے تار کی آمیزش ہوتی ہے۔ کم خواب کا کپڑا دن کو آفتاب کی روشنی کی وجہ سے اور رات کو چراغ کی وجہ سے جگمگا اٹھتا ہے۔ اور وہ ہر ایک کی نظر کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔ کمخواب کا کپڑا صاحب خانہ کی جاہ و جلال کا مظہر ہوتا ہے۔ کمخواب کے کپڑے کا استعمال مفلس الحال یا متوسط مالی حیثیت رکھنے والے کے لئے مشکل ہے۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے شعر کے مصرع اول میں دونوں لفظ "کم خواب" اسم ہیں۔ لیکن دونوں کے معنی الگ الگ ہیں۔ لہٰذا یہ شعر صنعت تجنیس کامل مماثل کا ہے۔

پہلے ہم شعر کے لغوی اور ظاہری معنی دیکھیں۔ شعر کا ظاہری معنی یہ ہے کہ ہجراں اور جدائی میں نیند نہ آنے کا مرض لاحق ہو گیا اس محبوب کے فراق میں جو کمخواب کے کپڑے کے پردوں میں اپنے آپ کو خوب چھپائے ہوئے ہے۔ وہ محبوب سات پردوں میں پوشیدہ ہونے کی وجہ سے اس کا ظاہری دیدار و نظارہ ممکن نہیں۔ لہٰذا اس کے عشاق محبوب کی مقدس قبر کے پردے کا تصور اپنی آنکھوں میں باندھ کر لطف اندوز ہوتے ہیں۔ یعنی کہ تربت کا تصور باندھنے سے آنکھوں میں محبوب کی تربت کا جو نقشہ جمتا ہے اور تربت کا جو صاف یا دھندلا نظارہ ابھرتا ہے۔ یہ تو ہوئے باعتبار لغت شعر کے ظاہری معنی۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس شعر میں ہجر و فراق صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے جذبات دل سوختہ کا اظہار فرمایا ہے۔ اب شعر کے مفہوم کی گہرائی میں غوطہ زن ہونے سے پہلے شعر میں "ساتوں پردے" جملہ کی وضاحت کرلیں۔ ساتوں پردے چھپنا یہ

اردو زبان کا محاورہ ہے۔ اس محاورے کا استعمال اس وقت کیا جاتا ہے کہ کوئی ذات اپنے آپ کو خوب پردے میں چھپا لے
لگے، یا اس عورت پر بطور طنز اس محاورے کا استعمال ہوتا ہے جو یکا یک صاحب ثروت ہونے کی وجہ سے خوب پردہ کرنے
لگے۔ لیکن یہاں یہ معنی مراد نہیں۔ بلکہ کوئی ذات اپنے آپ کو چھپانے کے لئے خوب پردہ کرے۔ یہ مراد ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہم گنہگاروں پر عظیم رحمت ہے کہ آپ نور ہونے کے باوجود ہم میں بصورت بشری
تشریف لائے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نور سے پیدا ہوئے ہیں۔ جیسا کہ حدیث حضرت جابر میں ہے کہ حضور نے ارشاد
فرمایا ہے: اے جابر! اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء میں سے پہلے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا۔

- قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

"قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِيْنٌ" (پارہ ۶، سورۂ مائدہ، آیت ۱۵)

ترجمہ: بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب۔ (کنز الایمان)

- اس آیت کی تفسیر میں امام اجل علامہ فخر الدین رازی فرماتے ہیں کہ

"اَلْمُرَادُ بِالنُّوْرِ مُحَمَّدٌ وَ بِالْكِتَابِ الْقُرْآنُ"

یعنی نور سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور کتاب سے قرآن مراد ہے۔ (تفسیر کبیر پارہ ۶، ص ۱۸۹)

- حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس کی اصلیت نور ہے۔ حقیقت نور محمدیہ کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی نے نہیں پہچانا۔ خود حضور
فرماتے ہیں کہ

"لَمْ يَعْرِفْنِيْ حَقِيْقَةً غَيْرُ رَبِّيْ۔"

- حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی نور تھی۔ آپ نے اپنی نوری ذات پر بشریت کے پردے ڈال رکھے تھے۔ اور اپنی
حقیقت نوریہ کو بقول حضرت رضا بریلوی "ساتوں پردے میں چھپا رکھا تھا"

خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ

"اَيُّكُمْ مِثْلِيْ"

یعنی تم میں سے کون ہے جو میری مثل ہو؟

- حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم شہادت و دنیا میں نوع انسانی کی بھلائی کے لئے اگرچہ لباس بشریت میں تشریف لائے
اس کے باوجود بھی آپ کی مبارک بشریت نور سے مغلوب ہی رہی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے جسم اقدس کا سایہ نہ تھا۔
آپ کے جسم اقدس سے خارج ہونے والا پسینہ، بول و براز میں دنیا کی سب سے بہترین خوشبو ہوتی تھی۔ آپ کا جسم
اقدس کائنات کی ہر شئ سے بڑھ کر لطیف تھا۔ ایک مقام پر آپ نے اجسام انبیاء کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ

"نُبِتَتْ اَجْسَادُنَا عَلٰى اَرْوَاحِ الْجَنَّةِ"

یعنی ہمارے اجسام اہل جنت کی مانند پیدا کئے گئے ہیں۔ (زرقانی شریف)

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اس کی طرف اشارہ فرمار ہے ہیں کہ پیارے آقا و مولیٰ ﷺ کی ذات گرامی نوری تھی۔ اس ذات گرامی کی حقیقت نور ہے۔ اور اس حسین وجمیل ذات نے اپنے آپ کو چھپانے کے لئے لطیف جسم پر بشری پردہ ڈال رکھا ہے۔ بلکہ سات پردوں میں چھپا رکھا ہے۔ ظاہری حیات میں جب آپ نے اپنی نورانی ذات کو بشریت کے پردے میں چھپا رکھا تھا۔ اب دنیا سے ظاہری طور پر پردہ کرنے کے بعد ساتوں پردوں میں اور اضافہ ہو گیا۔ اب نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ وہ تو ضرور ہم کو ملاحظہ فرمار ہے ہیں۔ لیکن ہماری قاصر نظریں ان کے ظاہری دیدار سے محروم ہیں۔ اور اسی محرومی کے احساس نے رفیق غار، خلیفۃ المسلمین، امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر اور دیگر صحابہ کرام ﷺ کی راتوں کی نیند اور دن کا چین چھین لیا تھا۔ فراق و ہجر یار میں ایسے تڑپتے تھے کہ جیسے ماہیٔ بے آب۔ صحابہ کرام نے تو اپنے ماتھے کی آنکھوں سے حالت بیداری میں ظاہری حیات میں اس جان جاناں ﷺ کا نظارہ کیا تھا۔ لہٰذا ان پر تو فراق و ہجر بہت ہی شاق گزرے یہ فطری وطبعی بات ہے۔ لیکن ہزار سال کے بعد بھی ایسے عاشق پیدا ہوئے ہیں جو اپنے محبوب آقا کے ہجر وفراق میں تڑپتے ہیں۔ اور پوری رات ان کے تصور میں بیدار رہتے ہیں۔ نیند ان کی آنکھوں سے میلوں دور ہو جاتی ہے۔ اور وہ کمخوابی کے عالم میں کمخواب کے ساتوں پردوں میں محجوب اپنے آقا کے ہجر وفراق میں بے چین و بے قرار رہتے ہیں۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ:

حسن بے پردہ کے پردے نے مٹا رکھا ہے — ڈھونڈنے جائیں کہاں جلوۂ ہرجائی دوست

●

تمہاری یاد میں گزری تھی جاگتے شب بھر — چلی نسیم ہوئے بند دیدہائے فلک

●

یاد میں جس کی نہیں ہوش تن و جاں ہم کو — پھر دکھا دے وہ رخ اے مہر فروزاں ہم کو

●

اٹھا دو پردہ دکھا دو چہرہ کہ نور باری حجاب میں ہے — زمانہ تاریک ہو رہا ہے کہ مہر کب سے نقاب میں ہے

مصرع ثانی میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ "تصور خوب باندھا آنکھوں نے استار تربت کا" اس مصرع میں حضرت رضا بریلوی ایک عاشق کی ذہنی وقلبی حالت کی عکاسی فرمار ہے ہیں۔ جب ایک عاشق بظاہر اپنے محبوب کے وصال سے محروم ہو جاتا ہے تو وہ تصور میں وصل محبوب سے لطف اندوز ہونے کی راہ اختیار کرتا ہے۔ بلکہ راہ خود بخود رونما ہو جاتی ہے۔ ہجر وفراق کی سنگین گھڑیاں اس کے لئے ناقابل برداشت ہوتی ہیں۔ ہجر وفراق کے تعب کے ازالہ کے لئے اس کے پاس کوئی راہ نہیں ہوتی، بجز اس کے کہ وہ ہمہ وقت یاد محبوب میں محو رہے۔ ایک عاشق صادق کے لئے اپنے محبوب کے خیال میں کھو جانے سے بڑھ کر کوئی چیز فرحت بخش اور راحت افزا نہیں ہوتی، قلب حزیں کا سکون صرف یاد محبوب ہوتا ہے۔ صحابۂ کرام ﷺ کے حالات زندگی کا جائزہ لینے سے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ انہوں نے فراق محبوب کی

آگ کو یادِ محبوب کے پانی سے راحت بخش بنالیا تھا۔ جس کو دیکھو وہ اپنے کریم کی مدح وثناء میں مصروف ہے۔ کوئی حس
جمال رخ انور کا ذکر کر رہا ہے، کوئی خصائص کا تذکرہ کر رہا ہے، کوئی معجزات کا بیان کر رہا ہے، کوئی خلق وخلق کی نعت
مصروف ہے، کوئی اختیارات وتصرفات کے واقعات روایت کر رہا ہے۔

الغرض اعاشق ہر لمحہ ہر ساعت اپنے آقا کے ذکر میں رطب اللسان ہے۔ ان حضرات کے سوز عشق نے ملت اسلا
پر ایک عظیم احسان یہ کیا کہ لاکھوں احادیث کا ذخیرہ، سرمایہ علم وعرفان وایمان کی حیثیت سے میراث میں انھیں عطا کیا۔
آنے والی نسل ان کے مطالعہ یا سماعت سے عشق رسول کی چاشنی سے بہرہ مند ہوتی رہے گی۔ حضور اقدس ﷺ کے دنیا
ظاہری طور پر پردہ کرنے کے بعد صحابہٴ کرام کا مرکز توجہ وارادت مزار انور رہا۔ ان تمام واقعات کی تفصیلی گفتگو یہاں م
نہیں، صرف ایک واقعہ عرض خدمت ہے:

- حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے وصال سے پہلے وصیت فرمائی کہ میرے جنازے کو حضور اقدس ﷺ
روضہٴ انور کے سامنے رکھ دینا اور ''اَلصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْكَ
سَلَّمَ'' کہہ کر عرض کرنا کہ حضور! ابوبکر آپ کے آستانہ عالیہ پر حاضر ہوا ہے۔ اگر اجازت ہوئی تو دروازہ کھل جا
گا۔ تو تم مجھے اندر لے جانا اور دفن کر دینا اور اگر اجازت نہ ملنے کی وجہ سے دروازہ نہ کھلے تو مجھے جنت البقیع میں د
کر دینا۔ راوی کا بیان ہے کہ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے رحلت فرمائی تو لوگوں نے آپ کی وصیت کے مطا
عمل کیا۔ ابھی اجازت حاصل کرنے کے کلمات پایۂ اختتام کو نہ پہنچے تھے کہ پردہ اٹھ گیا، دروازہ کھل گیا۔ اور م
اقدس سے آواز آئی کہ ''حبیب کو حبیب کی طرف لے آؤ'' چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو روضہٴ اقدس میں دفن
گیا۔ (شواہد النبوۃ، از علامہ نور الدین جامی، اردو، ۲۷۵)

انہیں حضرات کے نقش قدم پر چل کر حضرت رضا بریلوی راہ عشق کی منزلیں طے کر رہے ہیں۔ اور ہر لمحہ اپنے آقا ومو
ﷺ کی تربت اطہر کے تصور میں کھوئے رہتے تھے۔ ایک نعت میں اپنے عشق کے سوز وگداز کو اس طرح بیان فرماتے ہیں

جان ودل ہوش وخرد سب تو مدینے پہنچے تم نہیں چلتے رضا سارا تو سامان گیا



نام مدینہ لے دیا چلنے لگی نسیم خلد سوزش غم کو ہم نے بھی ایسی ہوا بتائی کیوں



۴۳

آس ہے کوئی نہ پاس اک تمہاری ہے آس
بس ہے یہی آسرا تم پہ کروڑوں درود

حل لغت:

آس: ارد، گرد، قرب و جوار، اغل بغل، گرد و پیش، پڑوسی، ایک پھل کا نام۔ (فیروز اللغات، ص۱۹☆لغات کشوری، ص۳۱)
آس: امید، آشا، خواہش، آرزو، آسرا، بھروسہ، سہارا۔ (فیروز اللغات، ص۱۹)
بس: کافی، بہت، صرف، فقط، معنی آفرینی چپ رہو، خاموش رہو۔ (فیروز اللغات، ص۲۰۲)
آسرا: سہارا، بھروسہ، وسیلہ، توقع، آس، امید۔ (فیروز اللغات، ص۱۹)
پاس: قریب، نزدیک، قابو میں، قبضے میں، ملکیت میں۔ (فیروز اللغات، ص۲۶۴)

پہلے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''آس'' ہے اس کا مطلب ''اردگرد'' ہے۔
پہلے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''آس'' ہے اس کا مطلب ''بھروسہ'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان مایوسی اور امید کے جذبے کو مشترک طور پر ظاہر کرتے ہیں۔ شعر کی ابتداء جذبہ مایوسی سے کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''آس ہے کوئی نہ پاس'' یعنی: میرے اردگرد اور قریب کوئی نہیں اور یہ جملہ محاورۃً ارشاد فرمایا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ میرا ہمدرد، مونس، مددگار، دستگیر اور معین کوئی بھی نہیں۔ میں اکیلا ہوں۔ بے یار و مددگار ہوں۔ بے بس و بے کس ہوں۔ مجھے مشکل کے وقت کام آئے ایسا کوئی نہیں۔ اس طرح اپنی بے بسی اور بے کسی کا اظہار ایک مایوسی کے طور پر کرتے ہوئے فوراً ہی ایک امید کا تذکرہ کرتے ہوئے بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں کہ ''اک تمہاری ہے آس'' یعنی اے میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس مایوسی کے عالم میں کہ جب میرے پاس (گرد) اور پاس (قریب) کوئی نہیں۔ ایسے عالم میں مجھے صرف آپ کی آس (امید) ہے اور اس امید کو یقین کامل کی منزل گردانتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ ''بس ہے یہی آسرا'' یعنی یارسول اللہ! آپ کی ذات گرامی جو سراپا رحمت ہے اس کی آس (امید) ہی میرا آسرا ہے۔ تم پہ خدا کی رحمت کے کروڑوں درود نازل ہوں۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے مصرع اول میں لفظ "آس" کا دو مرتبہ استعمال فرمایا ہے۔ پہلی مرتبہ "آس" ہے وہ اردگرد، قرب و جوار اغل بغل وغیرہ معنی میں ہے۔ دوسری مرتبہ جو لفظ "آس" ہے وہ امید، بھروسہ سہارا وغیرہ معنی میں ہے۔ دونوں لفظ "آس" حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں لیکن معنی اور مطلب کے سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے پہلے مایوسی کا اظہار فرمایا ہے۔ بعدہ ایک امید ظاہر فرمائی ہے اور آخر میں امید پر یقین کامل کا اعتماد ظاہر فرمایا ہے اور یہ ترتیب احادیث میں مذکور قیامت کے دن کی ہولناک حالت کو پیش نظر ہوئے بیان کی ہے۔ میدان محشر کی سخت تکالیف سے بیزار ہو کر لوگ مایوسی کے عالم میں کسی شفیع کی تلاش میں مارے مارے پھریں گے۔ حضرت آدم سے لے کر حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام تک اولو العزم انبیائے کرام کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ لیکن کہیں بھی ان کی بگڑی نہ بنے گی۔ ان اولو العزم انبیائے کرام میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کو محبوب رب العالمین، شفیع المذنبین، مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بے کس پناہ میں جانے کا مشورہ دیں گے اور لوگوں کو امیدیں بندھیں گی کہ اس بارگاہ میں جانے سے ہمارا کام بن جائے گا۔ لوگ دوڑے ہوئے اس بارگاہ عالی جناب کی حاضر ہوں گے۔ پریشان لوگ اس بارگاہ میں آنے سے پہلے کئی اور بارگاہ مقدسہ میں حاضر ہو چکے تھے۔ لیکن ہر جگہ صرف ایک ہی جواب ملا تھا: "نَفْسِیْ نَفْسِیْ، اِذْهَبُوْا اِلٰی غَیْرِیْ" یعنی آج ہم کو اپنی جان کی پڑی ہے، ہم کو اپنی ہے۔ تم کسی اور کے پاس جاؤ۔ لیکن اس شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جب حاضر ہوں گے تو کریم آقا لوگوں سے کہیں جانے کو نہ فرمائیں گے بلکہ یہ فرمائیں گے کہ "اَنَا لَهَا، اَنَا لَهَا" یعنی میں ہی شفاعت کے لئے ہوں۔ اس دن آپ فراخی اور وسعت کے ساتھ شفاعت فرمائیں گے۔ اس سے تمام اولین و آخرین پر کھل جائے گا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ حضور جو مرتبہ، رتبہ، قرب، وجاہت، عظمت، شان، رسائی، نزدیکی، جاہ وچاہ، رفعت اور محبوبیت اس ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہے وہ کسی کی نہیں۔ اس دن کھل جائے گا کہ ہمارے حضور نبی الانبیاء ہیں الحمد للہ تعالیٰ اس دن موافق اور مخالف پر روشن ہو جائے گا کہ "مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ" ایک اللہ ہے اور اس کی نیابت سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین، از: امام احمد رضا، ص ۸)

حضور اقدس، شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت عظمیٰ کے تعلق سے تفصیلی گفتگو مندرجہ ذیل اشعار کی تشریح میں کی گئی ہے ناظرین کرام سے التماس ہے کہ وہاں ملاحظہ فرمائیں!

شعر نمبر 19:

یوں ملائک کریں معروض کہ اک مجرم ہے — اس سے پرسش ہے بتا تو نے کیا کیا کیا ہے

شعر نمبر 37:

خوف نہ رکھ رضا ذرا تو تو ہے عبد مصطفیٰ — تیرے لئے امان ہے تیرے لئے امان ہے

شعر نمبر 65:

لو وہ آیا میرا حامی میرا غم خوار امم   آ گئی جاں تن بے جاں میں یہ آنا کیا ہے

شعر نمبر 78:

اے عشق تیرے صدقے جلنے سے چھٹے سستے   جو آگ بجھا دے گی وہ آگ لگائی ہے

شعر نمبر 79:

یہ رحمتیں، کہ کچی متیں، نہ چھوڑیں لتیں نہ اپنی گتیں   قصور کریں اور ان سے بھریں قصور جناں تمہارے لیے

یہاں پر چند احادیث تلاوت کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں جو مندرجہ بالا اشعار کی تشریح میں مذکور ہیں۔

- ابو نعیم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے راوی کہ حضور سید المرسلین، شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ

"وَ بِيَدَيَّ لِوَاءُ الْحَمْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ جَمِيعُ الْاَنْبِيَاءِ تَحْتَهٗ وَ لَا فَخْرَ وَ اِلَيَّ مَفَاتِيحُ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ لَا فَخْرَ وَ بِيْ تُفْتَحُ الشَّفَاعَةُ وَ لَا فَخْرَ وَ اَنَا سَابِقُ الْخَلْقِ اِلَى الْجَنَّةِ وَ لَا فَخْرَ وَ اِمَامُهُمْ وَ اُمَّتِيْ بِالْاَثَرِ۔"

ترجمہ: قیامت کے دن میرے ہی ہاتھ میں لوائے حمد ہوگا اور تمام انبیاء اس کے نیچے اور کچھ فخر نہیں اور میرے ہی اختیار میں جنت کی کنجیاں ہوں گی اور کچھ فخر نہیں اور مجھی سے شفاعت کی پہل ہوگی۔ اور کچھ فخر نہیں۔ اور میں تمام مخلوق سے پہلے جنت میں تشریف لے جاؤں گا۔ اور کچھ فخر نہیں۔ میں ان سب کے آگے ہوں گا اور میری امت میرے پیچھے۔ (تجلی الیقین، ص ۹۰)

- دارمی، ترمذی، ابو یعلی بیہقی اور ابو نعیم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور سید المرسلین، شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

"اَنَا اَوَّلُ النَّاسِ خُرُوْجًا اِذَا بُعِثُوْا وَ اَنَا قَائِدُهُمْ اِذَا وَفَدُوْا وَ اَنَا خَطِيْبُهُمْ اِذَا اَنْصِتُوْا وَ اَنَا مُسْتَشْفِعُهُمْ اِذَا جَلَسُوْا وَ اَنَا مُبَشِّرُهُمْ اِذَا يَئِسُوْا الْكَرَامَةُ وَ الْمَفَاتِيحُ يَوْمَئِذٍ بِيَدِيْ، لِوَاءُ الْحَمْدِ يَوْمَئِذٍ بِيَدِيْ، اَنَا اَكْرَمُ وَلَدِ اٰدَمَ عَلٰى رَبِّيْ يَطُوْفُ عَلَيَّ اَلْفُ خَادِمٍ كَاَنَّهُمْ بَيْضٌ مَكْنُوْنٌ وَ لُؤْلُؤٌ مَنْثُوْرٌ۔"

ترجمہ: میں سب سے پہلے (قبر سے) باہر تشریف لاؤں گا۔ جب لوگ قبروں سے اٹھیں گے اور میں سب کا پیشوا ہوں گا۔ جب اللہ تعالیٰ کے حضور چلیں گے اور میں ان کا خطیب ہوں گا جب لوہ دم بخود رہ جائیں گے اور میں ان کا شفیع ہوں گا۔ جب عرصۂ محشر میں رد کیے جائیں گے اور میں انہیں بشارت دوں گا جب وہ ناامید ہو جائیں گے۔ عزت اور خزائن رحمت کی کنجیاں اس دن میرے ہاتھ ہوں گی اور لواء الحمد اس دن میرے ہاتھ میں ہوگا۔ میں تمام آدمیوں سے زیادہ اپنے رب کے نزدیک اعزاز رکھتا ہوں۔ میرے گرد و پیش ہزار خادم دوڑتے ہوں

گے گویا وہ انڈے ہیں حفاظت سے رکھے ہوئے یا موتی ہیں بکھرے ہوئے۔

- حاکم اور بیہقی نے کتاب الرویۃ میں حضرت عبادہ بن صامت انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور سید المرسلین، شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

''اَنَا سَیِّدُ النَّاسِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَ لَا فَخْرَ، مَا مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَ ھُوَ تَحْتَ لِوَائِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ یَنْتَظِرُ الْفَرَجَ وَ اِنَّ مَعِیْ لِوَاءَ الْحَمْدِ اَنَا اَمْشِیْ وَ یَمْشِی النَّاسُ مَعِیْ حَتّٰی اٰتِیْ بَابَ الْجَنَّۃِ فَاَسْتَفْتِحُ فَیُقَالُ مَنْ ھٰذَا؟ فَاَقُوْلُ مُحَمَّدٌ فَیُقَالُ مَرْحَبًا بِمُحَمَّدٍ فَاِذَا رَاَیْتُ رَبِّیْ خَرَرْتُ لَہٗ سَاجِدًا اَنْظُرُ اِلَیْہِ''

ترجمہ: میں روز قیامت سب لوگوں کا سردار ہوں اور کچھ افتخار نہیں، ہر شخص قیامت میں میرے ہی نشان کے نیچے کشائش کا انتظار کرتا ہوگا اور میرے ہی ہاتھ لوائے حمد ہوگا۔ میں جاؤں گا اور لوگ میرے ساتھ چلیں گے یہاں تک کہ در جنت پر تشریف لے جا کر کھلواؤں گا۔ پوچھا جائے گا، کون ہے؟ میں کہوں گا، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہا جائے گا: مرحبا محمد کو (صلی اللہ علیہ وسلم) پھر جب میں اپنے رب کو دیکھوں گا تو اس کے حضور سجدے میں گر پڑوں گا۔ اس کی طرف نظر کرتا۔ (تجلی الیقین)

- احمد، ترمذی، ابن ماجہ، حاکم اور ابن ابی شیبہ نے بافادۂ تحسین وتصحیح اور بسند صحیح حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور سید المرسلین، شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ

''اِذَا کَانَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ کُنْتُ اِمَامَ النَّبِیِّیْنَ وَ خَطِیْبَھُمْ وَ صَاحِبَ شَفَاعَتِھِمْ غَیْرُ فَخْرٍ۔''

ترجمہ: جب قیامت کا دن ہوگا میں تمام انبیاء کا امام اوران کا خطیب اوران کا شفیع ہوں گا۔ (تجلی الیقین، ص ۱۲۵)

اسی کو حضرت رضا بریلوی پیش نظر رکھتے ہوئے اوراس پر کامل اعتماد کرتے ہوئے بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں

بس ہے یہی آسرا تم پہ کروڑوں درود



(۴۴)

ملے لب سے وہ مشکیں مہر والی دم میں دم آئے
ٹپک سن کر قم عیسیٰ کہوں مستی میں قلقل کو

حل لغت:

مہر: ہمدردی، ترس، ممتا، حب، محبت، دوستی، الفت، پیار، شفقت، رحم، آفتاب، سورج۔

(فیروز اللغات، ص۱۳۲۲ ☆ لغات کشوری، ص۷۵۶ ☆ کریم اللغات، ص۷۵)

مشکیں: مشک کے مانند، سیاہ، کالا، مشک سی خوشبو کا، مشک آلودہ۔ (فیروز اللغات، ص۱۲۵۲)

دم: سانس، نفس، پل، منٹ، لحظہ، وقت، زندگی، روح، جان، ذات، حقے کا کش، بھٹی یا تنور کی ہوا، پانی کا گھونٹ، کھانے کو دھیمی آگ پر رکھنا، طاقت، قوت، زور، نیزے کی نوک، تلوار کی دھار، خوبی، مضبوطی، لچک، خوشی، فرحت، اولو العزمی، بلند حوصلگی، دھوکہ، فریب، دغا، افسوں، منتر، دعا جو پڑھ کر پھونکی جائے، غرور، تکبر، گھر، خانہ، وطن، خون، شیخی۔ (فیروز اللغات، ص۶۴۱ ☆ لغات کشوری، ص۲۹۷ ☆ کریم اللغات، ص۴۷)

قم: اٹھ کھڑا ہو، اٹھ بیٹھ، جی اٹھ۔ (فیروز اللغات، ص۹۶۳ ☆ لغات کشوری، ص۵۶۸)

مستی: نشہ، خمار، کیف، مدھ، مدہوشی، بدمستی، متوالا پن، غرور، تکبر، خواہش نفسانی، وہ پانی جو بعض درختوں سے ٹپکتا ہے۔

(فیروز اللغات، ص۱۲۴۴)

قلقل: صراحی یا بوتل سے پانی یا شراب نکلنے کی آواز۔ (فیروز اللغات، ص۹۶۱ ☆ لغات کشوری، ص۵۶۷)

ٹپک: پانی کے قطرے لگا تار گرنے کی آواز، زخم کی ٹیس یا چمک، تپک، دھڑک، پھڑک۔ (فیروز اللغات، ص۴۱۲)

پہلے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''دم'' ہے اس کا مطلب ''زندگی'' ہے۔

پہلے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''دم'' ہے اس کا مطلب ''خوشی'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان وجد عشق نبی میں سرشار ہو کر اپنے عشق کی کیفیت ایک نرالے انداز میں بیان فرما رہے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ اے کاش میرے آقا و مولیٰ ﷺ کے مقدس لبوں سے مشک کی خوشبو میں بسی ہوئی ہمدردی اور رحم کی آمیزش والی چند بوندیں لعاب دہن، یا پانی کی مل جائیں تو دم میں دم

آجائے۔ زندگی تمام خوشیوں سے بھر جائے۔ دونوں جہاں کی نعمت حاصل ہوجائے اور نعمت کے حصول پر مستی میں جھ
اٹھوں اور اس مستی کے عالم میں قلقل کو قم عیسیٰ کہہ اٹھوں "قلقل" کو قم عیسیٰ کہہ اٹھنے کا جملہ فرما کر حضرت رضا بریلوی نے علم
عرفان کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر رواں کر دیا ہے۔ قلقل کے لغوی معنی یہ ہیں کہ جب صراحی یا بوتل سے پانی نکالنے کے
اس کو جھکایا جاتا ہے تو اس صراحی میں پانی کی سطح کے اوپر کی ہوا کی تہہ بوتل یا صراحی کے جھکنے کی وجہ سے اپنی جگہ سے اوپر
طرف سرایت کرتی ہے اور سرایت کرتے وقت پانی درمیان میں حائل ہوتا ہے تو وہ ہوا پانی میں سرایت کر کے اپنی راہ بنا
ہے۔ جس کے نتیجے میں گٹ، گٹ، گٹ آواز پیدا ہوتی ہے۔ بوتل یا صراحی سے پانی گٹ گٹ کی آواز سے نکلتا ہے۔ ا
پانی نکلنے کی رفتار بھی آہستہ ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ صراحی اور بوتل کا منہ سکڑا ہوا اور تنگ ہوتا ہے اور پانی نکلنے میں ہ
حائل ہو کر رکاوٹ پیدا کرتی ہے۔ ہوا پانی میں سرایت کرنے کی کوشش کرتی ہے اور پانی اور ہوا میں گھسن اور رگڑ ہوتی ہے
اور اسی رگڑ کی وجہ سے گٹ گٹ کی آواز پیدا ہوتی ہے پتیلی، کڑاہی اور دیگر چوڑے منہ اور سطح والے برتن سے پانی نکال
وقت نہ تو گٹ گٹ کی آواز پیدا ہوتی ہے اور نہ ہی پانی دھیمی رفتار سے نکلتا ہے بلکہ باعتبار برتن کے جھکاؤ کے رفتار سے بہ
ہے، ٹپکتا نہیں۔ حضرت رضا نے صراحی یا بوتل سے پانی نکلتے وقت پیدا ہونے والی آواز قلقل کو قم عیسیٰ کہا۔ اب قم عیسیٰ
مطلب بھی ذہن نشین کرلیں۔

حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ معجزہ عطا فرمایا تھا۔ کہ آپ مٹی سے کوئی بھی پرندہ
کر پھونک دیتے تھے تو واقعی وہ زندہ پرندہ ہوجاتا تھا۔ مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو شفا دیتے تھے، اور مردہ آدمی کو "قم باذن
اللہ" کہہ کر زندہ کرتے تھے۔

- قرآن مجید میں اس کا ذکر اس طرح ہے کہ

"اِنِّیْ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْئَةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ وَ اُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ" (پارہ ۳، سورۂ آل عمران، آیت ۴۹)

ترجمہ: میں بناتا ہوں تمہارے لیے پرند کی سی مورت، پھر پھونک مارتا ہوں اس میں تو ہوجاتی ہے وہ پرند اللہ کی پروانگی سے، اور میں شفا دیتا ہوں، مادرزاد اندھے اور بدن بگڑے کو، اور میں زندہ کرتا ہوں مردے کو اللہ تعالیٰ کی پروانگی سے۔ (الامن والعلی، ص ۴۰)

- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مذکورہ معجزات کی خود رب تبارک وتعالیٰ تائید اور تصدیق فرماتے ہوئے قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ

"وَ اِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ كَهَیْئَةِ الطَّیْرِ بِاِذْنِیْ فَتَنْفُخُ فِیْهَا فَتَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِیْ وَ تُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ وَ اِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِیْ۔" (سورۂ المائدہ، آیت ۱۱۰)

ترجمہ: اور جب تو بنایا مٹی سے پرند کی شکل میری پروانگی سے پھر پھونک مارتا اس میں تو وہ ہوجاتی پرند میری پروانگی

سے اور جب تو قبروں سے مردے نکالتا میری پروا نگی سے۔ (الامن والعلی، ص ۴۹)
عام اصطلاح میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مردوں کو زندہ کرنے کے معجزہ کو "قم عیسیٰ" یعنی عیسیٰ علیہ السلام کا کھڑا کرنا کہتے ہیں
شعر کی معنویت اور جامعیت سے لطف اندوز ہونے کے لئے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے استعمال فرمودہ الفاظ "دم دم، قم قم" اور "قل قل" میں باہمی ربط، تطبیق اور تطابق کی تفصیلی وضاحت سے پہلے مصرع اول کا ابتدائی حصہ "ملے لب سے وہ مشکیں مہروالی" پر غور کریں۔ اس جملہ میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تمنا کرتے ہیں کہ کاش ارحمت عالم اور جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے لب ہائے مقدس سے لعاب دہن یا پانی کی چند بوندیں مل جائیں۔ حضرت رضا بریلوی کی یہ تمنا احادیث میں مذکورہ واقعات و معجزات سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے محبوب اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا بے مثل و بے نظیر بنایا ہے کہ کائنات کی کوئی شئ یا شخصیت آپ کے مثل نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس کی یہ خصوصیت تھی کہ آپ کے جسم اقدس سے مشک وعنبر سے بڑھ کر خوشبو و مہک آتی تھی۔ یہاں تک کہ آپ کے پسینہ مبارک سے بھی خوشبو آتی تھی۔ جو شخص آپ سے مصافحہ کرتا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کئی دن تک خوشبو مہکتی تھی، جس کنویں کے پانی میں آپ اپنا لعاب دہن (تھوک مبارک) ڈال دیتے تھے وہ کنواں اگر کھاری ہوتا تو میٹھا ہو جاتا تھا۔ اور اس کنویں کے پانی میں بھی خوشبو آتی تھی۔

احادیث کی روشنی میں چند واقعات پیش ہیں۔ جن کو بغور مطالعہ کرنے کی قارئین سے گزارش ہے۔ مخالفین ان واقعات سے عبرت حاصل کریں۔ اور نبی کو اپنے جیسا بشر کہنے والے اپنے سروں پر ندامت کی دھول ڈالیں۔

- حضرت عتبہ بن فرقد کی ایک بیوی کا بیان ہے کہ عتبہ کی چند بیویاں تھیں تمام بیویوں کی یہی کوشش ہوتی کہ اچھی خوشبو لگا کر ان کے پاس رہیں۔ کیوں کہ عتبہ کے جسم سے بہترین قسم کی خوشبو آتی تھی۔ حالاں کہ وہ خوشبو کا استعمال نہیں کرتے تھے۔ تاہم ان کی خوشبو ہماری کوششوں سے رچائی ہوئی خوشبو پر غالب آجاتی تھی۔ یہاں تک کہ اگر وہ کسی مجلس میں چلے جاتے تو ساری مجلس مہک جاتی تھی۔ لوگوں نے ایک دن ان سے اس خوشبو کی وجہ پوچھی۔ تو انہوں نے بتایا کہ مجھے ایک دفعہ ایک ایسا پھوڑا نکلا کہ جس کی بدبو مجھے پسند نہ تھی، میں نے اس کی شکایت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کی۔ حضور نے اس پر اپنے مقدس لبوں سے دم فرما دیا۔ اسی دن سے عمر بھر کے لئے مجھ سے خوشبو آنے لگی۔

(شواہد النبوۃ، اردو ترجمہ، ص ۲۲۴)

- سنن ابن ماجہ میں حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک ڈول پانی لایا گیا۔ آپ نے اس میں سے کچھ پانی نوش فرمایا اور اس پانی میں کلی فرمادی۔ لوگوں نے اس ڈول کا پانی ایک کنویں میں ڈال دیا۔

"فَفَاحَ مِنْهَا مِثْلَ رَائِحَةِ الْمِسْكِ"
یعنی آپ کے مبارک لعاب کی برکت سے اس کنویں سے کستوری جیسی خوشبو آنے لگی۔ (ابن ماجہ)

- حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمارے گھر میں ایک کنواں تھا۔ اس کنویں میں ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب دہن ڈالا تھا۔ اب اس کنویں کی کیفیت یہ تھی کہ
"فَلَمْ يَكُنْ بِالْمَدِيْنَةِ بِئْرٌ اَعْذَبَ مِنْهَا"
یعنی تمام مدینہ میں ایسا شیریں پانی نہ تھا۔ (شواہد النبوۃ، از: علامہ نورالدین جامی، اردو ترجمہ، ص ۲۴۸)
- محدث ابن السکن حضرت ہمام بن نفیل السعدی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ میں یمن سے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم نے پانی کے لئے ایک کنواں کھودا ہے۔ مگر اس کا پانی نہایت ہی کھارا اور نمکین ہے جو پینے کے قابل نہیں ہے۔ حضور نے مجھے ایک برتن دیا جس میں پانی تھا اور حکم فرمایا کہ اسے کنویں میں ڈال دینا۔ جب وہ پانی ہم نے کنویں میں ڈالا تو وہ اتنا شیریں ہو گیا۔
"فَهِيَ اَعْذَبُ مَاءٍ بِالْيُمَنِ"
یعنی یمن کے تمام کنوؤں سے اس کا پانی مٹھاس میں بڑھ گیا۔ (شواہد النبوۃ، اردو ترجمہ، ۲۲۳)

حضرت رضا بریلوی مذکورہ واقعات کے پیش نظر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن اقدس سے حاصل ہونے والے لعاب دہن یا پانی کو مشکیں مہر والی فرما رہے ہیں۔ صرف مشکیں نہیں کہا بلکہ ساتھ میں مہر والی بھی کہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سرکار نے کھاری کنویں کو شیریں کرنے کے لئے اپنا نوش فرمودہ پانی یا لعاب دہن عطا فرمایا۔ وہ بہ تقاضائے رحمت تھا۔ حضور کو اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے۔ کھاری پانی کی وجہ سے آپ کے نام لیوا پریشان تھے۔ مصیبت میں تھے، اور ان کی مصیبت کو آپ نے اپنی مہر یعنی رحمت سے زائل فرما دی۔ ایک دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ عام تجربے کی بات ہے اور اگر کسی کو تجربہ نہ ہوا ہو تو بطور تجربہ پانی میں خوشبو پیدا کرنے کے لئے ایک گلاس پانی میں مشک یا عطر کی دو بوندیں ڈال دے۔ پانی یقیناً خوشبودار ہو جائے گا لیکن عطر کی کڑواہٹ کی وجہ سے پینے کے قابل نہ رہے گا۔ لیکن بقول حضرت رضا بریلوی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب دہن کی بدولت پانی میں جو خوشبو پیدا ہوئی تھی وہ مہر والی یعنی رحمت والی خوشبو تھی دنیا کی عام خوشبوؤں کی طرح نہ تھی۔ کہ جس کی وجہ سے پانی بدذائقہ ہو جائے۔ بلکہ مشکیں مہر والی تھی کہ خوشبو کے ساتھ ساتھ پانی خوش ذائقہ اور شیریں ہو جائے۔ اب شعر کے مصرع اول کے آخری حصہ پر گفتگو کریں۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ زہے نصیب اگر ہماری قسمت چمک اٹھے اور سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس لب سے "مشکیں مہر والی" مل جائے تو سمجھو کہ ہماری بگڑی بن جائے اس مشکیں مہر والی کے طفیل ہمارے دم میں دم آ جائے۔ یعنی ہماری زندگی میں جان آ جائے۔ یہ جملہ بھی حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے احادیث میں مذکورہ واقعات کے پیش نظر مرقوم فرمایا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب دہن کے کئی معجزات صادر ہوئے ہیں اس مقدس لعاب دہن کے طفیل کئی بیماروں اور زخم زدہ صحابۂ کرام نے شفائے کاملہ حاصل کی ہے۔ چند واقعات پیش خدمت ہیں:

- حضرت شرحبیل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرے ہاتھ میں

ایک پھوڑا تھا۔ جس کی وجہ سے مجھے سخت تکلیف ہو رہی تھی۔ میں نے سرکار کی خدمت میں اس پھوڑے کی تکلیف کے متعلق عرض کیا کہ اس پھوڑے سے مجھے سخت تکلیف ہے۔ نہ تلوار کا دستہ پکڑ سکتا ہوں اور نہ ہی گھوڑے کی لگام تھام سکتا ہوں۔ آپ نے مجھے اپنے قریب بٹھایا اور فرمایا کہ پٹی کھولو! میں نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے پٹی کھول دی۔ آپ نے لعاب دہن وہاں لگا دیا۔ فوراً درد جاتا رہا۔ اور میرا ہاتھ اس قدر صحت یاب ہو گیا کہ مجھے پتہ نہ چلا کہ درد کہاں تھا۔

(شواہد النبوۃ، اردو ترجمہ، ص ۲۲۵)

- بخاری اور مسلم میں حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ جنگ خیبر کے دن حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ کل میں اسلام کا جھنڈا ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں دوں گا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے ہاتھوں خیبر فتح فرمادے گا۔ اور وہ شخص اللہ اور رسول سے اور اللہ ورسول اس سے محبت کرتے ہیں۔ ساری رات تمام صحابۂ کرام آرزوئیں اور دعائیں کرتے رہے کہ یہ جھنڈا ہمیں نصیب ہو۔ جب صبح ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ان کی آنکھوں میں سخت تکلیف ہے اس وقت وہ یہاں موجود نہیں آپ نے پھر حکم فرمایا کہ جاؤ علی کو بلا کر لاؤ۔ جب حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم حاضر خدمت ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کی آنکھوں پر اپنا لعاب دہن مبارک لگا دیا۔ حضرت علی کی آنکھیں فوراً اس طرح درست ہو گئیں کہ کبھی تکلیف ہوئی ہی نہ تھی۔ (بخاری شریف)
- حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مدینہ طیبہ میں ایک خاتون تھی۔ اس کا وطیرہ یہ تھا کہ جو منہ میں آتا کہہ دیتی تھی۔ حیا اس میں ذرہ بھر بھی نہ تھی۔ لوگ اس سے تنگ آچکے تھے۔ ایک دن وہ عورت خدمت اقدس ﷺ میں آئی۔ اس وقت حضور خشک کیا ہوا گوشت تناول فرما رہے تھے۔ اس نے کہا کہ آپ اس گوشت میں سے مجھے بھی کچھ دیں۔ سرکار دو عالم ﷺ نے اسے گوشت کا ایک ٹکڑا عطا فرما دیا تو اس نے لینے سے انکار کیا۔ اور ''فَقَالَتْ لَا اِلَّا الَّذِیْ فِیْ فِیْكَ'' یعنی اس عورت نے کہا کہ میں وہ لوں گی جو آپ کے دہن مبارک میں ہے۔ آپ نے اس کی درخواست منظور فرماتے ہوئے اپنے دہن اقدس سے چبایا ہوا کچھ حصہ نکال کر اسے عطا فرما دیا۔ جو اس عورت نے کھایا۔ حضور اقدس ﷺ کے لعاب دہن کا اس کے پیٹ میں جانا تھا کہ اس عورت کی کیفیت بدل گئی اور اس خاتون میں فحش گوئی اور بے حیائی کا کوئی نام ونشان تک بھی باقی نہ رہا۔ (شواہد النبوۃ)

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی مقدس جماعت حضور اقدس ﷺ کا لعاب دہن، یا وضو کا غسالہ حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی کوشش کرتی تھی، چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر مشرکین مکہ کے نمائندے عروہ نے یہ ماجرا دیکھ کر اپنی قوم میں واپس جا کر کہا کہ خدا کی قسم میں قیصر وکسریٰ کے درباروں میں گیا ہوں جو دنیا کے عظیم الشان افراد ہیں میں روم اور ایران بھی گیا ہوں اور ان کے علاوہ بہت سے درباروں میں گیا لیکن جو تعظیم محمد (ﷺ) کے اصحاب بجالاتے ہیں ایسی تعظیم دنیا کے کسی بادشاہ کے اصحاب نہیں بجالاتے۔ میں نے دیکھا کہ جب بھی محمد ﷺ نے تھوکا ہے تو لعاب دہن زمین پر نہیں گرتا تھا بلکہ وہ کسی نہ کسی کے ہاتھ میں پہنچ جاتا تھا۔ اور جس کے ہاتھ میں لعاب دہن پہنچتا وہ اس کو اپنے چہرے

اور جسم پر مل لیتا تھا۔ اور جب محمد ﷺ وضو کرتے تو وضو کا پانی زمین پر گرنے کے بجائے ان کے اصحاب کے ہاتھوں پر گرتا اور وہ اصحاب وضو کا پانی حاصل کرنے میں ایسی سبقت کرتے کہ جھگڑے جیسی نوبت آجاتی۔ (خصائص کبریٰ، جلد ۱، ص ۲۶۳)

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپنے آقا و مولیٰ ﷺ کے مقدس لعاب دہن کو دنیا و مافیہا سے افضل اور اعلیٰ جان کر اس کے حصول کے لئے کوشاں رہتے تھے۔ کیوں کہ اس لعاب دہن کی بدولت ان کے دم میں دم آیا تھا۔ اور اس کو حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان شعر کے مصرع اول میں بیان فرماتے ہیں شعر کے مصرع ثانی میں مشکیں مہر والی کے حصول کی خوشی اور فرحت کا ذکر فرماتے ہیں۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے عشق صادق کی بلندی تو ذرا ملاحظہ فرمائیے کہ عشق کی مستی میں سرشار ہو کر شریعت مطہرہ کی سرحدیں عبور نہیں کرتے بلکہ احادیث کی روشنی میں شریعت کے اندر رہ کر "قم قم" اور "قل قل" کو ایک اچھوتے انداز سے نبھا رہے ہیں۔ مصرع ثانی میں فرماتے ہیں کہ اگر مجھ کو آقا و مولیٰ ﷺ کے مقدس لب سے مشکیں مہر والی نصیب ہو جائے تو میرے دم میں دم آجائے۔ اور میں مستی میں جھوم اٹھوں۔ مجھ پر کیف و سرور کا عالم طاری ہو، کیف عشق رسول میں مدہوش ہو جاؤں، اور اسی مدہوشی کے عالم میں "قلقل" کو "قم قم" کہہ اٹھوں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان اقدس سے نکلے ہوئے الفاظ قم قم یعنی جی اٹھ، نے مردوں کو زندہ فرما دیئے لیکن میرے آقا و مولیٰ ﷺ نے پانی نوش فرمایا۔ اور حلق کے نیچے پانی اترتے وقت جو گٹ گٹ کی آواز پیدا ہوئی۔ یا وضو کرتے وقت کلی فرمائی اور دہن اقدس سے پانی نکلتے وقت جو قلقل (قل قل) کی مبارک صدا آئی وہ قلقل کی صدا مجھے عشق رسول کی مستی میں قم قم کی صدا محسوس ہو رہی ہے اور یہ سب کچھ مستی کے عالم میں حضرت رضا نے محسوس کیا۔ ایک تو ہوتی ہے مستی اور ایک ہوتی ہے غشی، مستی میں آدمی مدہوش ہو جاتا ہے لیکن غشی میں بے ہوش ہو جاتا ہے، بے ہوشی کے عالم میں انسان اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے۔ اس کے اوسان خطا ہو جاتے ہیں۔ جب آدمی بے ہوش پڑا ہوتا ہے تب اس کے ارد گرد کیا ہو رہا ہے اور کیا باتیں ہو رہی ہیں؟ اس کا اسے مطلق احساس نہیں ہوتا۔ لیکن مدہوشی کے عالم میں کچھ کا کچھ سمجھتا ہے بلکہ اس کے دل میں جو جذبات اور ذہن میں جو خیالات ہوتے ہیں۔ اسی کی متابعت میں وہ اس گفتگو کو قیاس کرتا ہے۔ حضرت رضا بریلوی عشق رسول کی مستی میں اور کیف و سرور کی حالت میں "قلقل" کی آواز سنتے ہیں لیکن دل میں جذبۂ عشق رسول موجزن ہے۔ ذہن میں تصور جاناں ﷺ کا تسلط ہے۔ کان میں تو قلقل کی آواز جاتی ہے۔ لیکن مستی میں صحیح ادراک اور فہم نہیں ہے۔ لہٰذا قلقل کو قم قم سمجھ رہے ہیں۔ اور یہ اعلان کر رہے ہیں کہ صرف قم عیسیٰ ہی سے مردے جی نہیں اٹھے بلکہ میرے آقا ﷺ کا تو یہ اعجاز ہے کہ:

تم نے چلتے پھرتے مردے جلا دیئے ہیں

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ کی ایک مرتبہ دعوت کی۔ حضور جب حضرت جابر کے مکان پر تشریف لے گئے۔ تو جابر نے ایک بکری کا بچہ ذبح کیا۔ اور اس کو پکانے کے لئے گھر دے دیا۔ حضرت جابر کی بیوی اس

گوشت کو پکانے میں مصروف ہوگئیں۔ اور حضرت جابر باہر والے کمرے میں حضور اقدس ﷺ کے پاس آ کر بیٹھ گئے اور حضور کی زبان فیض ترجمان سے علم و عرفان کی باتیں سماعت کرنے میں مصروف ہوگئے۔ حضرت جابر کے دو بیٹے تھے۔ جب حضرت جابر نے بکری کا بچہ ذبح کیا تھا۔ تب وہ دونوں ذبح کے وقت موجود تھے۔ حضرت جابر جب حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں اور حضرت جابر کی بیوی ادھر گوشت پکانے میں مصروف تھیں تب بڑے بیٹے نے چھوٹے بھائی سے کہا کہ آؤ میں تمہیں بتاؤں کہ ہمارے والد نے بکری کا بچہ کس طرح ذبح کیا؟ اس نے چھوٹے بھائی کو زمین پر لٹا کر گلے پر چھری چلادی اور نادانی سے اسے ذبح کر دیا۔ اچانک حضرت جابر کی بیوی کی نظر بڑے بیٹے کی حرکت پر پڑی تو وہ دوڑ کر اس کی طرف آئیں لیکن وہ خوف کے مارے مکان کی چھت پر چڑھ گیا۔ اور اس نے ماں کے خوف سے چھت سے چھلانگ لگادی۔ چھت سے زمین پر گرتے ہی وہ بھی واصل بحق ہوگیا۔ ایک ساتھ دو دو بیٹوں کی موت نے حضرت جابر کی بیوی کا کلیجہ شق کر دیا۔ لیکن اس صابرہ عورت نے صرف اس خیال سے کہ حضور اقدس ﷺ کی طبیعت پر شاق نہ گزرے قطعاً رونا اور چیخنا موقوف رکھا۔ بلکہ صبر سے کام لیا اور دونوں صاحبزادوں کی لاشوں پر کپڑا ڈال دیا اور کسی کو بھی اس حادثہ کی اطلاع نہ دی۔ یہاں تک کہ حضرت جابر کو بھی نہیں بتایا۔ اور حضور ﷺ کی مہمان نوازی کے امور میں مصروف ہوگئیں۔ جب دستر خوان پر کھانا آیا، تو حضور اقدس ﷺ نے حضرت جابر کو حکم دیا کہ اپنے دونوں بیٹوں کو بھی شریک طعام کریں حضرت جابر گھر میں گئے۔ اور اپنی اہلیہ سے پوچھا کہ بچے کہاں ہیں؟ انہوں نے بات ٹالنے کے لئے بہانہ بنایا کہ باہر گئے ہیں۔ لیکن حضرت جابر نے جب اپنی بیوی کو بتایا کہ حضور کا حکم ہے کہ ان کو بھی ساتھ میں کھلانے کے لئے لے آؤ، تب ان کی بیوی نے روتے ہوئے پورا ماجرا بیان کیا۔ اور بچوں کی لاشوں سے کپڑا اٹھادیا۔ دونوں میاں بیوی روتے ہوئے حضور اقدس ﷺ کے قدموں پر گر گئے۔ اور سارے گھر میں کہرام مچ گیا۔ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ ان بچوں کے پاس کھڑے ہوکر دعا فرمائیں تو اللہ تعالیٰ ان کو زندگی عطا فرمائے گا۔ چنانچہ حضور مکان کے اندر تشریف لائے اور بچوں کی لاشوں کے پاس کھڑے ہوکر دعا فرمائی۔ فوراً وہ دونوں بچے زندہ ہو گئے۔ (شواہد النبوہ، اردو، ص ۱۵۶)

حضرت رضا بریلوی اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کے انہیں معجزات کو مدنظر رکھتے ہوئے مستی کے عالم میں قلقل کو قم قم کہہ رہے ہیں۔ شعر میں دم دم، قم قم اور قل قل تینوں ہم وزن الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے۔ اس میں شروع کے دو الفاظ دم اور قم کے آخر میں حرف م آتا ہے۔ لیکن قل میں آخری حرف لام آتا ہے۔ مگر حرف ''ل'' کو اگر بطور تلفظ لکھا جائے تو اس کا املاء ''لام'' ہوتا ہے جس کے آخر میں بھی حرف میم آتا ہے۔ لیکن حضرت رضا قلقل لفظ کو قم قم ہی سنتے ہیں اور قم قم لفظ سے ان کو صرف یہی بتانا ہے کہ:

دل کو ہے فکر کس طرح مردے جلاتے ہیں حضور　　　اے میں فدا لگا کے ایک ٹھوکر اسے بتا کہ یوں

(رضا بریلوی علیہ الرحمۃ)

۴۵

شاہ برکات و برکاتِ پیشیاں
نو بہار طریقت پہ لاکھوں سلام

حل لغت:

شاہ: آقا، مالک، بادشاہ، سلطان، فقیروں کا لقب، نوشہ، دولھا، عظیم، بڑا، سیدوں کے نام کا مخصوص لفظ۔
(فیروز اللغات، ص ۳۵

برکات: برکت کی جمع، زیادتی، بہتات، کثرت، نعمت کی زیادتی، خوش قسمتی، رونق، عروج، بنیئے تولتے وقت ایک کی بجا
برکت کہتے ہیں، نیک بختی، افزائش۔ (فیروز اللغات، ص ۱۹۶ ☆ لغات کشوری، ص ۹۴)

پیشیاں: اگلے زمانے کے لوگ۔ (فیروز اللغات، ص ۱۲۷ ☆ لغات کشوری، ص ۳۱)

نو بہار: موسم بہار کا شروع، موسم بہار، وہ چیز جس پر نئی رونق ہو، وہ شے جس پر نئی بہار ہو، موسم بسنت کا نام، نام آتش کدہ
کا، نام ایک بت خانہ کا۔ (فیروز اللغات، ص ۱۳۸۲ ☆ لغات کشوری، ص ۷۹۰ ☆ کریم اللغات، ص ۱۸۷)

طریقت: راہ صفائی باطن کی، راستہ، تصوف کی اصطلاح میں تزکیہ باطن، صوفیوں کا طریقہ جس سے روحانی کمال حاصل ہو
ہے۔ (فیروز اللغات، ص ۸۷۸ ☆ لغات کشوری، ص ۴۶۸ ☆ کریم اللغات، ص ۱۰۵)

پہلے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''برکات'' ہے اس سے مراد ''شاہ برکت اللہ مارہروی'' ہیں۔
پہلے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''برکات'' ہے اس کا مطلب ''برکتیں'' ہوتا ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان سلسلہ قادریہ برکاتیہ کے جید بزرگ سلطان المناظرین، سید المتکلمین، سلطان العاشقین، قدوۃ الواصلین، صاحب البرکات، حضرت سید شاہ برکت اللہ مارہروی رضی اللہ عنہ کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''شاہ برکت اللہ ہمارے لئے اگلے بزرگوں کی نعمت ہیں۔ صرف نعمت ہی نہیں بلکہ برکات یعنی کہ بہت ہی نعمت ہیں۔ آپ راہ طریقت کی نئی بہار اور نئی رونق ہیں۔ آپ پہ لاکھوں سلام ہو۔
اس شعر کے پہلے مصرع میں لفظ برکات کا استعمال دو مرتبہ کیا گیا ہے دونوں لفظ برکات اسم ہیں۔ اور دونوں کے معنی

الگ الگ ہیں۔ پہلی مرتبہ جو لفظ برکات ہے وہ حضرت شاہ برکت اللہ مارہروی رضی اللہ عنہ کے اسم شریف کی حیثیت سے ہے۔ اور دوسری مرتبہ جو لفظ ''برکات'' ہے وہ نعمت کی زیادتی کے معنی میں ہے۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے حضرت شاہ برکت اللہ کو ''برکات پیشینیاں'' کے لقب سے ملقب کیا ہے۔ یعنی اگلے بزرگوں کی برکت، حضرت شاہ برکت اللہ مارہروی اولاد رسول ہیں۔ آپ کا سلسلۂ نسب ۳۴ر واسطوں سے حضرت امام حسن اور ۳۵ر واسطوں سے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ تک اور ۳۶ر واسطوں سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ ان تمام ۳۶ر نفوس قدسیہ کی برکت اور فیض آپ کو وراثتاً ملا ہے۔ آپ میں جو باطنی جواہرات تھے ان جواہرات کو آپ کے شیخ طریقت حضرت میر سید فضل اللہ کالپوی رضی اللہ عنہ نے پہلی نظر میں پہچان لیا تھا۔ اس کی تفصیل آگے بیان کی گئی ہے۔

- حضرت شاہ برکت اللہ ابن حضرت سید شاہ اویس رضی اللہ عنہما کی ولادت باسعادت ۲۶ر جمادی الآخرہ ۱۰۷۰ھ کو بلگرام شریف میں ہوئی۔ (حوالہ خاندان برکات)

آپ نے ایسے مقدس ماحول میں تربیت پائی کہ جو علم وعرفان، حکمت وروحانیت سے مزین وتاباں تھا۔ حصول علم کے لئے آپ کو کہیں بھی دور دراز کا سفر کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی۔ بلکہ آپ نے اپنے والد ماجد کی خدمت بابرکت میں رہ کر تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، الغرض تمام علوم نقلیہ وعقلیہ حاصل فرمائے۔ اوران تمام علوم میں مہارت تامہ حاصل کی۔ بعدہ علوم باطن وسلوک بھی اپنے والد ماجد حضرت سید شاہ اویس رضی اللہ عنہ سے حاصل فرمائے۔ والد ماجد نے جملہ سلاسل کی اجازت، خلافت سے سرفراز فرما کر سلاسل خمسہ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ اور مداریہ میں بیعت لینے کی اجازت عطا فرمائی۔ (مآثر الکرام ۲۴۹، دفتر ثانی، وبرکات مارہرہ ۲۱)

- آپ مسلسل ۲۶ر سال تک صائم رہے دن کو روزہ رہتے اور رات بھر عبادت میں مصروف رہتے۔ صرف ایک کھجور سے روزہ افطار فرماتے۔ آپ کا معمول تھا کہ نماز فجر سے لے کر اشراق کی نماز تک اوراد و وظائف میں مشغول رہتے۔ چاشت کے وقت مدرسہ میں تشریف لاتے اور مریدین وطلبہ کو درس دیتے۔ ظہر کی نماز کے بعد قرآن شریف کی تلاوت فرماتے اور عصر کی اذان تک تلاوت میں محو رہتے۔ مغرب اور عشاء کے درمیان متعلقین ومتوسلین پر علم و عرفان کی بارش کرتے اور یہی وقت توجہ خاص اور تعلیم خاص کا ہوتا تھا۔ (تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ، ۳۳۲)

- آپ نے جب سیدنا شاہ فضل اللہ کالپوی رضی اللہ عنہ کے علم وحکمت اور سلوک ومعرفت کا شہرہ سنا، تو آپ کالپی شریف تشریف لے گئے۔ حضرت شاہ فضل اللہ کی نگاہ آپ پر پڑی تو آگے بڑھ کر اپنے سینے سے لگالیا۔ اور فرمایا کہ دریا در دریا پیوست۔ یعنی دریا دریا سے مل گیا۔ یہ جملہ حضرت شاہ فضل اللہ نے تین مرتبہ فرمایا۔ صرف اتنا فرما کر آپ کو تصوف وسلوک اور دیگر بہت سے مقامات کی سیر کرادی۔ اور آپ کے سینہ کو علم وعرفان ومعرفت کا گنجینہ بنادیا۔ کچھ عرصہ کالپی شریف میں قیام فرمانے کے بعد آپ جب وہاں سے رخصت ہوئے تو حضرت سید شاہ فضل اللہ قدس سرہٗ نے نہایت عقیدت ومحبت سے آپ کو مخاطب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تمہاری ذات جملہ امور صوری ومعنوی سے

معمور ہے اور تمہارا سلوک کمال کی انتہا کو پہنچ گیا ہے۔ (اصح التواریخ)

- ایک دن آپ اپنے چشم سر سے حضور اقدس ﷺ اور حضور سیدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اور آپ کو اس جگہ کی بشارت دی جہاں فی الحال خانقاہ عالیہ برکاتیہ موجود ہے اور ارشاد فرمایا کہ تم اس جگہ مستقل سکونت اختیار کرو جس جگہ کی حضور اقدس ﷺ نے بشارت ونشان دہی فرمائی تھی۔ وہ جگہ مارہرہ شریف میں ایک تالاب کی شکل میں تھی۔ حکم کے بموجب اس جگہ ایک خس پوش مکان آپ کے لئے بنوادیا گیا اور وہاں سکونت پذیر ہوئے ۱۱۱۸ھ تک دیکھتے دیکھتے خانقاہ کے اردگرد ایک اچھی خاصی آبادی ہوگئی اور اس آبادی کا نام آپ کے تخلص کی بنا پر پیم نگر برکات نگری رکھا گیا۔ (تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ، ص۳۳۵)
- آپ کی بے شمار کرامات ہیں۔ آپ نے اپنی کرامات کے ذریعہ مریدین ومتوسلین اور معتقدین کی نصرت وحمایت فرمائی ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ تا قیامت نصرت وحفاظت فرماتے رہیں گے۔ آپ کی کرامات میں سے خبیث شیخ سدؔو کو مغلوب کرنے کا واقعہ بہت مشہور ہے۔ آئین احمدی میں حضرت سیدنا شاہ اچھے میاں مارہروی تحریر فرماتے ہیں کہ شیخ سدو انسانی طبقہ میں سے تھا۔ یہ نواح کلکتہ کا باشندہ تھا، سفلی عمل کا عامل اور ماہر تھا۔ گیارہویں صدی ہجری کے اواخر میں بادشاہ عادل حضرت محی الدین اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے عہد حکومت میں تھا۔ ایک سفلی عمل اونٹ کے بالوں پر پڑھتا تھا۔ اور اس کے ذریعہ اپنے ناجائز افعال وخواہشات کی تکمیل کرتا تھا۔ شیخ سدو میں ایک بری خصلت یہ تھی کہ وہ اپنی خواہشات نفسانیہ کی آگ بجھانے کے لئے ہر روز ایک نئی عورت کے ساتھ زنا کر کے اپنا منھ کالا کرتا تھا۔ حسین وجمیل اور جوان وخوبصورت لڑکیوں کو اپنے موکلوں کے ذریعہ اٹھواتا تھا۔ حالاں کہ اس کے موکل اس خلاف شرع کام سے راضی نہ تھے لیکن مجبوراً شیخ سدو کے حکم کی تعمیل کرتے تھے۔ شیخ سدو جب زنا کرتا تھا تو اپنے چاروں طرف حصار کرلیا کرتا تھا۔ اور اسی حصار میں غسل کے لئے پانی رکھ لیا کرتا تھا۔ زنا کے ارتکاب سے فارغ ہونے کے بعد حصار کے اندر غسل کر کے باہر آتا تھا۔

ایک دن وہ زنا میں مبتلا ہوا لیکن اتفاق سے حصار کے اندر پانی رکھنا بھول گیا زنا سے فارغ ہونے کے بعد اس نے دیکھا کہ پانی موجود نہیں تو اس نے موکلوں کو آواز دی، موکل اسی تاک میں تھے کہ کب موقع ملے کہ اس خبیث کو ختم کردیں۔ کسی بہانے سے شیخ سدو کو حصار سے باہر نکال کر پکڑا اور پہاڑ کی بلندی سے گرا کر مار ڈالا۔ شیخ سدو سفلی عمل کے ذریعہ قوت تسخیریہ سے لوگوں کے دل ودماغ پر چھا گیا تھا۔ بہت سے لوگ اس کے استدراج کی وجہ سے اس کے کافی معتقد ہو چکے تھے۔ وہ اپنے معتقدین سے اپنی پرستش کرواتا تھا۔ اور بھینٹ چڑھواتا تھا۔ یہاں تک کہ اس کا یہ ناپاک اثر کلکتہ سے مارہرہ مطہرہ تک پہنچ گیا تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ مارہرہ کے کچھ خاندان کی رشتہ داریاں شیخ سدو کے زیر اثر دیہاتوں اور شہروں میں تھیں۔

- حضرت سلطان العاشقین، قدوۃ الواصلین سید شاہ برکت اللہ مارہروی رضی اللہ عنہ جب مارہرہ تشریف لائے۔ تو آپ نے

وہاں کے لوگوں میں ایک عجیب رسم دیکھی کہ کوئی شیخ سدو کی نیاز دلا رہا ہے۔کوئی اس کے نام پر کڑھائی پکا کر پیش کر رہا ہے۔آپ نے لوگوں کو حکم شرعی سے آگاہ فرمایا کہ ایسا کرنا جائز نہیں۔ایک بدکردار شخص سے اپنی عقیدت کا رشتہ توڑ دو۔اور اس کام سے باز آجاؤ۔آپ کی یہ نصیحت لوگوں کے دلوں پر اثر کر گئی اور لوگوں نے شیخ سدو سے علاقہ عقیدت منقطع کر لیا۔ایک دن شیخ سدو گھبرایا ہوا آپ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ تم میرے معتقد نہیں ہو۔اور لوگوں کو مجھ سے بدظن کرتے ہو۔میں تم سے مقابلہ کروں گا۔شیخ سدو کی اس گستاخانہ گفتگو سے حضرت کو جلال آیا۔اور آپنے نہایت گرج دار آواز میں اس کو ڈانٹا۔وہ خوفزدہ ہو کر فوراً بھاگا۔ایک دن حضرت سید شاہ برکت اللہ قدس سرہٗ غسل کے لئے دریا کی طرف جا رہے تھے کہ اثنائے راہ میں ہی شیخ سدو نے آگھیرا۔اور کہنے لگا کہ آپ نے مجھے بہت تکلیفیں اور اذیتیں دی ہیں۔میں آپ سے اپنا بدلہ لے کر رہوں گا۔اور اسی وقت میں آپ کو جلا دوں گا۔حضرت نے پھر اسے ڈانٹا اور فرمایا کہ فقیروں سے مت الجھو۔لیکن وہ نہ مانا۔آپ نے فرمایا کہ تو مجھے جب جلائے گا تب جلائے گا لیکن اب میرا جلانا دیکھ۔آپ نے غسل فرما کر شیخ سدو کو مضبوط حصار کے ذریعہ گھیرے میں لے لیا۔اور حصار کو آہستہ آہستہ تنگ کرتے گئے۔اور اس کو بالکل اپنے قریب کھینچ لیا۔اور فرمایا کہ دیکھ میں تجھے آن کی آن میں جلا کر نیست و نابود کر دیتا ہوں۔وہ رونے اور چلانے لگا اور گڑگڑا کر رہائی کی درخواست کرنے لگا۔چنانچہ آپ نے اس سے حسب ذیل معاہدے لے کر چھوڑ دیا۔معاہدہ یہ ہے:

(۱) میں آپ کے مریدوں اور متوسلوں کو کبھی نہیں ستاؤں گا۔

(۲) جہاں کہیں بھی آپ یا آپ کی اولاد ہو گی وہاں بھول کر بھی قدم نہیں رکھوں گا۔

(۳) اگر میرے دخل کی جگہ میں آپ یا آپ کے خاندان کا کوئی شہزادہ بھی تشریف لے جائے گا تو میں وہاں سے اپنا دخل اور عمل اٹھا لوں گا۔اور وہاں سے چلا جاؤں گا۔

مندرجہ بالا معاہدہ کے تحت ایسے بہت سے واقعات بعد میں رونما ہوئے ہیں کہ شیخ سدو کے دخل والے مقام پر خاندان برکات کا ایک چھوٹا بچہ بھی تشریف لے گیا تو شیخ سدو وہاں سے بھاگ نکلا ہے۔ان تمام واقعات کی تفصیلی معلومات کے لیے (۱) بیاض اسماعیلیہ، (۲) اصح التواریخ، (۳) خاندان برکات، (۴) برکات مارہرہ، (۵) حیات صاحب البرکات، (۶) مآثر الکرام وغیرہ کا مطالعہ کریں۔

حضرت سید شاہ برکت اللہ کی کئی کرامات انبیائے کرام علیہم السلام کے معجزات کی مظہر ہیں۔اور کئی کرامات اولیاء کاملین کی کرامات کا اعادہ ہیں۔ان تمام کرامات و واقعات کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے آپ کی بارگاہ عالیہ میں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ "شاہ برکات و برکات پیشینیاں" یعنی حضرت شاہ سید برکت اللہ مارہروی قدس سرہٗ اگلے بزرگوں کی برکتوں کے مظہر کی حیثیت سے رونق افروز ہیں اور تا قیامت رہیں گے۔

مصرع ثانی میں حضرت رضا بریلوی نے حضرت سید شاہ برکت اللہ مارہروی قدس سرہٗ کے لئے نو بہار طریقت کا جملہ

استعمال فرمایا ہے اور اس کے ذریعہ آپ کی شخصیت کی جامعیت کا اظہار کیا ہے۔ ایک ہوتی ہے ''بہار'' اور ایک ہوتی ہے ''نو بہار'' بظاہر دونوں کا اطلاق موسم بہار پر ہوتا ہے۔ لیکن ''نو بہار'' لفظ کا استعمال موسم بہار کے آغاز کے لئے کیا جاتا ہے۔ اور صرف ''بہار'' لفظ کا استعمال موسم بہار کے آغاز، وسط اور انتہاء سب کے لیے ہوتا ہے۔ ان دونوں لفظوں کے استعمال میں کیا فرق ہے؟ ایک مثال سے سمجھیں۔ ایک شخص عراق میں رہتا ہے وہ ہندوستان فروری کے مہینے میں آیا۔ فرض کرو کہ ہندوستان میں موسم بہار کا آغاز جنوری کی پہلی تاریخ میں ہو جاتا ہے اور مارچ کی پندرہ تاریخ تک موسم کی انتہا ہو جاتی ہے تو اس سے یہ بات لازم آئی کہ عراق سے آنے والے مہمان نے موسم بہار ضرور پایا بلکہ وسط پایا۔ دوسرا شخص ایران سے جنوری کے پہلے ہی ہفتہ میں ہندوستان آیا۔ اس نے بھی موسم بہار پالیا۔ اور کامل طور پر پالیا۔ ابتداء اور وسط اور انتہا تینوں حال سے لطف اندوز ہوا۔ ایران و عراق سے آنے والے دونوں نے موسم بہار پایا۔ لیکن دونوں کے پانے میں فرق ہے۔ جو لطف ایران سے آنے والے کو حاصل ہوا وہ عراق سے آنے والے کو نہ ہوا۔ اسی مثال کو ذہن میں رکھتے ہوئے حضرت رضا بریلوی کے شعر کے الفاظ ''نو بہار طریقت'' کو معنویت کی گہرائی سے دیکھیں۔ کہ آپ سلطان العاشقین حضرت سید شاہ برکت اللہ مارہروی قدس سرہٗ کے اوصاف میں فرماتے ہیں کہ میرا برکاتی آقا طریقت کی ایسی بہار ہے کہ اس بہار کا آغاز مفقود نہیں بلکہ حاصل ہے۔ طریقت کی ابتدائی منزل سے لے کر آخری منزل مقصود بھی اسی آستانے سے حاصل ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں لغوی معنی کے اعتبار سے ''نو بہار'' کا اطلاق اس چیز پر ہوتا ہے جس پر نئی بہار اور نئی رونق ہو۔ موسم بہار کی ابتدائی ایام میں جو رونق ہوتی ہے۔ وہ آخری دنوں میں ماند پڑ جاتی ہے۔ آخری دنوں میں پہلے جیسا طمطراق نہیں ہوتا۔ اگر یہ معنی لیے جائیں تو حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے شعر کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت شاہ برکت اللہ مارہروی قدس سرہٗ کی ذات ستودہ صفات وہ ذات گرامی ہے کہ جس پر طریقت کی بہار کا دائمی طمطراق ہے۔ یہاں طریقت کی جو بہار ہے اس کی رونق اور شان و شوکت کبھی ماند یا مدھم نہیں پڑتی۔ بلکہ روز افزوں ہے۔

اہل دل اس بات سے خوب واقف ہیں کہ راہ سلوک میں منازل طے کرنے میں کتنی دشواری ہوتی ہے اور اس راہ کو طے کرنے کے لئے کتنا طویل عرصہ درکار ہے۔ لیکن نو بہار طریقت حضرت شاہ برکت اللہ قدس سرہٗ کی یہ مشہور کرامت ہے کہ آپ طالب کو صرف تین دن میں راہ سلوک طے کرا دیتے تھے۔ اور بقول حضور سراج العارفین شاہ حمزہ مارہروی قدس سرہٗ بعض دفعہ تو ایسا ہوا ہے کہ نو بہار طریقت حضرت سید شاہ برکت اللہ مارہروی نے کئی طالبوں کو گھڑی دو گھڑی میں راہ سلوک طے کرا کے سالک بنا دیا ہے۔ اسی لئے حضرت بریلوی نے آپ کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا: ''نو بہار طریقت پہ لاکھوں سلام'' آپ نے ۷۱؍سال چند ماہ کی عمر پائی اور ۱۰؍محرم الحرام ۱۱۴۲ھ بوقت صبح صادق داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔



(۴۶)

عکس سم نے چاند سورج کو لگائے چار چاند
پڑ گیا سیم و زر گردوں پہ سکہ نور کا

حل لغت:

عکس: الٹنا، لوٹنا، کوٹنا، ضد، خلاف، سایہ، پرچھائی، پرتو، فوٹو، وہ شکل جو کسی چیز کی آئینہ یا پانی میں دکھائی دے۔
(فیروز اللغات، ص ۹۰۰ ☆ لغات کشوری، ص ۴۹۸ ☆ کریم اللغات، ص ۱۱۱)

سم: کھر، گھوڑے یا گدھے کا پاؤں، ناخن، گھوڑے وغیرہ کا جس کو اردو میں کھر کہتے ہیں۔
(فیروز اللغات، ص ۸۰۸ ☆ لغات کشوری، ص ۳۹۳ ☆ کریم اللغات، ص ۹۳)

چار چاند لگنا: عزت بڑھنا، شان و شوکت بڑھنا، خوبصورتی بڑھنا۔ (فیروز اللغات، ص ۵۱۰)

سیم: چاندی، نقرہ، دولت، روپیہ۔ (فیروز اللغات، ص ۸۲۹ ☆ لغات کشوری، ص ۴۰۵ ☆ کریم اللغات، ص ۹۵)

زر: سونا، طلاء، دھن، دولت، روپیہ، پیسہ، مال متاع، پھول کا زیرہ، سونے کا تار، کلابتون (کلابتون = چاندی یا سونے کے تار جو ریشم پر چڑھا کر بنے جاتے ہیں، فیروز اللغات، ص ۱۰۲۰)۔ (فیروز اللغات، ص ۷۴۳ ☆ لغات کشوری، ص ۳۴۷)

گردوں: آسمان، چرخ، رتھ، بہلی، گاڑی، چھکڑا، گھومنے والا، بہل۔ (فیروز اللغات، ص ۱۰۹۱ ☆ لغات کشوری، ص ۶۱۳)

سکہ: ٹھپا، ضرب، چھاپ، سرکاری منقش زر جو ملک میں چلے، ڈھلا ہوا، طرز، روش، طریقہ، قانون، کوچہ، محلہ، بازار، راستہ، خرما کا درخت، راہ ہموار، رعب، داب، اشرفی، روپیہ، پیسہ۔
(فیروز اللغات، ص ۸۰۳ ☆ لغات کشوری، ص ۳۹۰ ☆ کریم اللغات، ص ۹۲)

پہلے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''چاند'' ہے اس کا مطلب ''ماہتاب'' ہے۔
پہلے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''چاند'' ہے اس کا مطلب ''شان و شوکت'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی قاہر حکومت اور فیض عام کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میرے آقا و مولیٰ ﷺ شب معراج میں براق پر سوار ہو کر عرش اعظم تک جانے کے لئے جب آسمان دنیا سے گزرے تو آپ کی سواری یعنی براق کے پاؤں کے سم یعنی کھر کا عکس چاند اور سورج پر پڑ گیا۔

یہ عکس سم نے چاند اور سورج کو چار چاند لگا دیئے یعنی اس کی شان وشوکت اور عزت بڑھا دی۔ یہ چاند اور سورج آسمان
سیم یعنی چاندی اور زر یعنی سونا ہیں۔ ان پر نور کا ٹھپا لگ گیا اور ان کی ایک نمایاں حیثیت ہوگئی۔ کیوں کہ نور کا ٹھپا
جانے سے وہ سرکاری زر کی حیثیت حاصل کر چکے ہیں۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے لفظ ''چاند'' کا استعمال دو مرتبہ کیا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ چاند ہے اس کا مطل
چاند، ماہتاب ماہ یعنی **Moon** ہے۔ دوسری مرتبہ جو لفظ ''چاند'' ہے اس کے ساتھ لفظ ''چار'' کی اضافت کر کے محاورہ
گیا ہے یعنی چار چاند لگنا اور اس میں جو لفظ چاند ہے وہ شان وشوکت کے معنی میں استعمال شدہ ہے۔ دونوں لفظ چاند حرو
واعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی ومطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنی
کامل کا شعر ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے آپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی مدح و ثنا اقتصادیات کے اند
(**Economically**) میں کر رہے ہیں۔ ہر ملک کا اپنا مخصوص زر ملک (**National Currency**) ہوتا ہے۔ اس
مخصوص طرز طباعت ہوتا ہے۔ اس کی مخصوص نقاشی اور مہر (چھاپ) ہوتی ہے اور اس زر پر اس ملک کا نام چھپا ہوا یا کن
ہوتا ہے جس سے وہ پہچانا جاتا ہے کہ فلاں ملک کا زر یعنی (**Currency**) ہے۔ اس وقت ہم رائج الوقت نوٹ کو ایک
طرف رکھ کر صرف رائج الوقت زر مسلوک یعنی طلائی سکہ یعنی (**Coins**) کے متعلق کچھ گفتگو کریں۔

موجودہ دور میں جو رائج الوقت زر مسلوک، جس کو عام اصطلاح میں ریزگاری کہا جاتا ہے۔ اب ریزگاری کے تعل
سے کچھ گفتگو سنیں۔ موجودہ دور میں جو رائج الوقت سکہ ہے اس کی حیثیت معلوم کریں۔ مثال کے طور پر دو روپے کا جو سک
ہوتا ہے اس کی قوت خریداری (**Purchasing Power**) دو روپیہ ہوتی ہے لیکن اس میں جو دھات (**Metal**) ہو
ہے وہ بہت کم قیمت کی ہوتی ہے اور اس دھات کو اگر بطور دھات یا دھات کے چورے یعنی (**Metal Scrap**) ک
حیثیت سے فروخت کریں گے۔ تو اس کی قیمت مشکل سے چونّی (**25,N.P.**) ہوگی۔ موجودہ رائج الوقت سکہ ہنڈولی
(**Hindolium**) نرم اسٹیل (**Mild Steel**) الومینیم (**Aluminium**) وغیرہ سستی (**Cheap**) دھاتوں سے
بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ لیکن ان سکوں کو دار الضرب (ٹکسال) میں جب بناتے ہیں تو ان سکوں پر حکومت کا ٹھ
(**Embose**) لگایا جاتا ہے۔ اب اس کی حیثیت بدل گئی۔ ٹھپا لگنے (**Embossing**) سے پہلے جس دھات
(**Metal**) کی قیمت (**Value**) چونی بھر تھی۔ اب اس پر ڈائی (**Dye**) مشین کے ذریعہ ایک مخصوص بلاک (**Block**
کی عکاسی (**Impression**) ہوتی ہے۔ اب وہ معمولی دھات نہیں بلکہ زر ملک (**National Currency**) ہے۔
اب اس کی قیمت چونّی سے ابھر کر دو روپیہ ہوگئی ہے۔

الحاصل! چونی بھر کی معمولی دھات پر حکومت کی ٹکسال کی ڈائی مشین نے حکومت کے مخصوص بلاک کا عکس ڈالا تو اس
معمولی دھات کی قیمت وعزت کو چار چاند لگ گئے دنیوی زر ملک کی ترکیب بناوٹ (**Manufacturing**

(*Process*) کو مثال بنا کر حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف کرتے ہیں کہ جس طرح کسی ملک کی حکومت کے دار الضرب کا ٹھپا لگنے سے ایک معمولی دھات رائج الوقت زر بن گئی۔ اسی طرح گردوں (آسمان) کی دو قیمتی دھات سیم (یعنی چاندی بمعنی چاند) اور زر (سونا بمعنی سورج) پر میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری براق کے پاؤں کا عکس (سایہ، پرچھائی) پڑا ہے۔ وہ نوری حکومت عالمگیر کا ٹھپا ہے۔ حالاں کہ آسمان کی یہ دو دھات چاندی اور سونا یعنی چاند و سورج کی پہلے سے ہی ایک حیثیت تھی لیکن میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کی سم (پاؤں، کھر) کا اس پر نوری ٹھپا لگنے سے اب ان پر چار چاند لگ گئے ہیں اور پہلے کے مقابلے اب ان کی شان و شوکت میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔



(۴۷)

بلبلیں خامش پڑی ہیں خاک پر
کیوں ہیں منقاریں چھپائے زیر پر

حل لغت:

خامُش: خاموش، چپ، مخفف خاموش کا۔ (فیروز اللغات، ص۵۸۳ ☆ لغات کشوری، ص۲۵۰ ☆ کریم اللغات، ص۶۱)

پر: اوپر کا مخفف، لیکن، مگر، کیوں کہ، فاصلہ، اور وقت ظاہر کرنے کے لئے وجہ اور سبب ظاہر کرنے کو، علامت مفعول کے طور پر۔ (فیروز اللغات، ص۲۸۳)

منقاریں: جمع منقار کی، چونچ، چونچ پرند کی، برما جس سے بڑھئی لکڑی میں سوراخ کرتے ہیں۔
(فیروز اللغات، ص۱۲۹۶ ☆ لغات کشوری، ص۷۴۷ ☆ کریم اللغات، ص۱۷۱)

زیر: نیچے، تلے، تحت، کمزور، کم طاقت، کم تر، گھٹیا، مدہم آواز، سارنگی کا چھوٹا بڑا اگڑا، تار، نیچا سر، اعراب میں کسرہ یعنی حرف کے نیچے آنے والا نشان۔ (فیروز اللغات، ص۷۵۷ ☆ لغات کشوری، ص۳۵۷ ☆ کریم اللغات، ص۸۶)

پر: پتا، پرندوں کے بدن پر اگے ہوئے بال، پنکھ، تیر کے بازو، مجازاً قوت اور طاقت اور سہارا، جانور کا پر، برگ کاہ یعنی کٹی ہوئی سوکھی گھاس، گوشہ، ہر چیز کا کنارہ۔ (فیروز اللغات، ص۲۸۳ ☆ لغات کشوری، ص۱۱۸ ☆ کریم اللغات، ص۲۹)

پہلے مصرع میں جو لفظ ''پر'' ہے اس کا مطلب ''اوپر'' ہے۔
دوسرے مصرع میں جو لفظ ''پر'' ہے اس کا مطلب ''پنکھ، پرند کا بازو'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے "جبہ شریف" کی جد
اور فراق میں بلبل کا غمگین ہونا اور اپنے غم واندوہ کا اپنی ہیئت سے اظہار کرنے کا بیان کیا ہے۔ مذکورہ شعر اس "مثنوی
الوداع جبہ مقدسہ" کا ہے۔ جو حضرت رضا بریلوی نے اپنے مکان سے جبہ شریف کے رخصتی کے موقع پر لکھی تھی۔ حضور
اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مقدس جبہ شریف چند روز کے لئے آپ کے مکان پر برائے زیارت لایا گیا تھا۔ جب وہ جبہ مقدس حسب
وعدہ الوداع کرنے کا وقت آیا تو آپ بے چین وبے قرار ہو گئے اور غم واضطراب کے عالم میں جبہ شریف کے الوداع پر
(۶۹) اشعار پر مشتمل مثنوی الوداع مرقوم فرمادی۔ اسی مثنوی کا یہ شعر ہے۔ اس شعر میں آپ کے دل کی کیفیت کی عکاسی
رہی ہے۔ علم نفسیات اور تقاضائے عشق کی بنیاد پر یہ امر مسلم ہے کہ آدمی کو جس سے محبت ہوتی ہے اس کی ہر ادا اور اس
نسبت رکھنے والی ہر چیز بھی محبوب ہوتی ہے۔ حضرت رضا بریلوی کا شمار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشقوں میں ہوتا ہے۔ اور آ
جیسا عاشق صادق آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت رکھنے والے "مقدس جبہ شریف" کی جدائی میں کیسے چین وسکون سے رہ
ہے۔ آپ جبہ شریف کے فراق کے غم میں اتنے منہمک ہو گئے کہ آپ کو ہر طرف رنج وغم کا ماحول نظر آنے لگا۔ اپنے ارد گ
کی ہر شئے غم والم میں مستغرق محسوس ہونے لگی۔ ماحول سے، درودیوار سے، شجر وحجر سے، چرند وپرند سے آفتاب وماہتا
سے غرض کہ کائنات کی ہر شئے آپ کے جبہ شریف کے فراق میں بے چین وبے قرار نظر آنے لگی۔ اور خود آپ کی حالت
تھی کہ آپ تڑپتے تھے جس کا اندازہ مثنوی شریف کے مندرجہ ذیل اشعار سے ہو جائے گا کہ جبہ شریف کا فراق آپ پر
شاق گزرا تھا۔

کون جاتا ہے کہ بے ہوش ہے جہاں — گر پڑا ہے آسماں پر آسماں

●

عزم رخصت آج ہے کس چاند کا — خوں برستا ہے در و دیوار سے

●

کیوں نہ ہو اس رنج سے حالت تباہ — کیوں نہ بہہ جائے جگر آنکھوں کی راہ

●

باغ سونا رہ گیا آئی خزاں — جب گل وبلبل نہ ہوں رونق کہاں

●

خالی پاؤں گا جب اس گل سے دماغ — زندگی کا میرے گل ہوگا چراغ

●

الوداع اے جبۂ خیر الوریٰ　　　اے لباس بادشاہ دوسرا

●

اے رضاؔ خاموش یہ کب تک بکا　　　دل کے ٹکڑے کرتا ہے نالہ تیرا

مندرجہ بالا چند اشعار بطور نمونہ پیش کئے گئے۔ ۶۹ر اشعار پر مشتمل پوری مثنوی کا ایک ایک شعر بلکہ ہر لفظ سوز و گداز میں ڈوبا ہوا ہے۔ پڑھنے والوں کی آنکھیں اشکوں سے یقیناً تر ہو جائیں گی۔ اسی مثنوی کا یہ شعر ہے:

بلبلیں خامش پڑی ہیں خاک پر　　　کیوں ہیں منقاریں چھپائے زیر پر

جس کا مطلب یہ ہے کہ آج بلبلیں خاموش ہو کر زمین میں کیوں پڑی ہیں اور کیوں اپنی منقاروں یعنی چونچوں کو اپنے پروں یعنی پنکھ میں چھپائے ہوئے ہیں؟ اس شعر میں لفظ "پر" کا استعمال دو مرتبہ کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ "پر" ہے اس کے معنی "اوپر" کے ہیں۔ دوسرے مصرع میں جو لفظ "پر" ہے، وہ پنکھ یا پرندوں کے بدن پر اگے ہوئے بال کے معنی میں ہے۔ دونوں لفظ "پر" حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی تجنیس کامل کی صنعت کا شعر ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے بلبل کی دو کیفیات بتائی ہیں: اول یہ کہ بلبل خاموش ہو کر زمین پر بیٹھی ہے اور دوم یہ کہ اپنی چونچ کو اپنے پروں میں چھپائے ہوئے ہے۔ یہ دونوں کیفیتیں بلبل سے شاذ و نادر ہی واقع ہوتی ہیں۔ کیوں کہ بلبل خوشی اور فرحت سے رہنے والا اور دوسروں کو خوشی و شادمانی دینے والا پرندہ ہے۔ بلبل کی شیریں آواز اور اس کی چہچہاہٹ سے مغموم دل سرور حاصل کرتے ہیں۔ لیکن اس مسرور پرندہ کی حالت آج خلاف توقع نظر آ رہی ہے۔ ماہرین پرندگان کے تجربات کے مطابق بلبل کبھی بھی زمین پر بیٹھنا پسند نہیں کرتی۔ وہ زمین پر بیٹھنا اپنے معیار اور مرتبہ کے خلاف تصور کرتی ہے۔ علاوہ ازیں بلبل خاموش بھی بہت کم رہتی ہے۔ وہ ہمہ وقت چہچہاتی رہتی ہے اور اپنی سریلی آواز کے نغمات سے ماحول کو رنگین بناتی رہتی ہے۔ لیکن بقول رضا بریلوی حضور اقدس ﷺ کے جبہ شریف کے فراق میں بلبل کی یہ حالت ہے کہ وہ غم والم سے نڈھال ہو کر ترنم ریزی فراموش کر کے بجائے کسی درخت کی شاخ کے خاک زمین پر جلوس کئے ہوئے ہے اور وہ بھی اس طرح کہ اپنی منقار (چونچ) کو زیر پر چھپائے ہوئے۔ منقار کو زیر پر چھپانا، یہ علامت ہے کثرت غم اور آہ و بکا کی۔ علم نفسیات کے ماہرین کے اقوال کے مطابق جب آدمی غمزدہ اور رنجیدہ ہوتا ہے تو اس کے اثرات اس کے چہرے سے عیاں ہوتے ہیں۔ یعنی اس کا چہرہ اتر جاتا ہے اور گفتگو کرنے سے باز رہتا ہے، پھر جب اس کا درد دکھ بڑھتا ہے تو اس کی نشان دہی اس کی آنکھیں کرتی ہیں۔ یعنی آنسوؤں سے آنکھیں نم ہو جاتی ہیں اور اشکباری کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن جب اس کا غم بے انتہا بڑھ جاتا ہے اور ضبط و برداشت سے باہر ہوتا ہے تب وہ روتا ہے۔ رونے کی بھی کئی کیفیت ہیں۔ کوئی آہستہ روتا ہے کوئی متوسط آواز سے روتا ہے کوئی پھوٹ پھوٹ کر روتا ہے۔ بارہا کا تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ جب آدمی پھوٹ پھوٹ کر روتا ہے تب وہ اپنا چہرہ اپنی دونوں ہتھیلیوں سے چھپالیتا ہے۔ اور اس طرح رونا رنج و غم کے بے انتہا

ہونے کا نتیجہ ہے۔ آدمی تو کثرت غم کے عالم میں پھوٹ پھوٹ کر روتے وقت اپنے چہرے پر اپنے ہاتھوں کو رکھ لیتا
لیکن جب پرندہ پھوٹ پھوٹ کر رونے کی کیفیت محسوس کرتا ہے تب وہ اپنی منقار (چونچ) کو اپنے پروں میں چھپا لیتا
اور یہی حال بلبل کا جبہ شریف کے فراق میں ہے جس کا تذکرہ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس شعر می
ہے۔ اب حضرت رضا بریلوی کے شعر کا مطلب یہ ہوا کہ جبہ شریف کے ہجر و فراق میں غمگین ہو کر بلبل زمین پر خاموش
ہے اور کثرت غم کی وجہ سے اپنا چہرہ (منقار) اپنے پروں میں چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو رہی ہے۔ اور کیوں نہ روئے؟
کہ یہ وہ جبہ شریف ہے جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نورانی جسم اقدس سے مس ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس جبہ شریف کو
صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت ہوگئی ہے اور جس کو اس ذات اقدس سے نسبت ہو جاتی ہے۔ اس کی قدر و منزلت کی شان ارفع و اعلیٰ ہو
ہے۔ اہل عشق و اہل نظر اس نسبت والی چیز کے لئے اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔ ان
مقدسہ اور تبرکات مکرمہ کے ساتھ صحابۂ کرام، تابعین، تبع تابعین، اولیائے دین، صلحائے امت اور علماء و ائمہ ملت نے تعظ
ادب، محبت اور ایثار کا جو سلوک کیا ہے اس سے ان مقدس تبرکات کی عظمت کا پتہ ملتا ہے۔ چند واقعات پیش خدمت ہیں

- حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر حضور کی شان میں قص
پڑھا، حضرت کعب کے محبت آمیز اشعار سماعت فرما کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو گئے اور اپنی چادر مبارک اپنے
اقدس سے اتار کر انہیں عطا فرمائی۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس مبارک چادر کے عو
حضرت کعب بن زہیر کو دس ہزار درہم دینا چاہتے تھے، مگر حضرت کعب نے اسے قبول نہ کیا۔ اور کہا میں رسول اللہ صلی
کے جامۂ مبارک کو کسی کے لئے ایثار نہیں کر سکتا۔ جب حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو حضرت امیر معاویہ
حضرت کعب کے ورثاء کو بیس ہزار درہم دے کر ان سے وہ مبارک چادر حاصل کر لی۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ آج تک
بادشاہوں کے پاس وہ چادر مبارک موجود رہی ہے۔

(مدارج النبوۃ، از شیخ محقق عبد الحق، محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد دوم ص۵۶۶

- ابن عدی نے بطریق محمد بن جابر روایت کی، کہا کہ میں نے اپنے والد سے سنا ہے، وہ میرے دادا سنان بن طارق
یمامی رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ وہ اس وفد کے پہلے شخص ہیں جو وفد بنی حنیفہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تھا۔
بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سر مبارک دھوتے ہوئے پایا، آپ نے فرمایا اے یمامی بھائی بیٹھ جاؤ
اور اپنا سر دھو لو، تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بچے ہوئے پانی سے اپنا سر دھویا، اس کے بعد اسلام قبول کیا، حضور نے
میرے لئے ایک نامہ مبارک لکھا، اس وقت میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اپنی قمیص مبارک کا ایک ٹکڑا مرحمت
فرمائیے، تاکہ میں اس سے منفعت حاصل کروں، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنی قمیص کا ایک ٹکڑا مبارک مرحمت فرمایا۔
حضرت محمد بن جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے والد مجھ سے بیان کرتے ہیں کہ وہ قمیص مبارک کا ٹکڑا ان کے پاس رہا اور
مریض کو قمیص مبارک کا ٹکڑا دھو کر پلاتے تو وہ شفایاب ہو جاتا۔

(خصائص کبریٰ، از: امام اجل، علامہ جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد دوم، ص۵۰)

- ابو نعیم نے عباد بن عبدالصمد سے روایت کی کہ انہوں نے کہا ہم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا کہ اے کنیز دستر خوان لاؤ، تاکہ ہم کھانا کھائیں، کنیز دستر خوان لائی پھر آپ نے فرمایا کہ رومال لاؤ، تو وہ رومال لائی جو میلا تھا، آپ نے فرمایا کہ تنور گرم کرو تو اس نے تنور گرم کیا آپ نے حکم دیا کہ رومال کو تنور میں ڈال دو۔ آپ کے حکم کی تعمیل میں رومال کو تنور میں ڈال دیا گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد آپ نے تنور سے رومال نکالا تو وہ رومال دودھ کی مانند سفید تھا۔ ہم نے ان سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ تنور نے رومال کو نہ جلایا اور خوب صاف کر دیا؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس رومال سے روئے انور اور دست مبارک خشک کیا کرتے تھے۔ تو جب یہ میلا ہو جاتا ہے تو ہم ایسا ہی کرتے ہیں۔ کیوں کہ آگ اس چیز کو نقصان نہیں پہنچاتی جو انبیائے کرام علیہم السلام کے چہروں سے مس ہو جاتی ہے۔ (خصائص کبریٰ، اردو، جلد ۲، ص ۱۸۷ ☆ شواہد النبوۃ، از علامہ نورالدین جامی، اردو ترجمہ، ص ۲۴۷)
- صحیح حدیث شریف میں مروی ہے کہ سیدہ اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما نے ایک اطلسی (ریشمی) جبہ نکالا، اور فرمایا کہ اس جبہ شریف کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زیب تن فرمایا ہے۔ اور ہم بیماروں کے لئے اس کا دامن مبارک دھو کر پلاتے ہیں تو انہیں فی الفور شفا حاصل ہو جاتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک پیالہ تھا اس میں پانی ڈال کر بیماروں کو پلاتے ہیں تو انہیں شفا ہو جاتی ہے۔ (مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۳۶۶)
- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو لوگوں نے اس حال میں دیکھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نشست گاہ پر اپنے ہاتھوں کو پھیرتے، پھر ان ہاتھوں کو اپنے چہرے پر ملتے۔ (مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، ص ۵۵۶)
- حدیث میں مروی ہے کہ حضرت معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ کی بیوی برص کے مرض (سفید کوڑھ) میں مبتلا تھیں، وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اس کی شکایت لائیں، حضور نے اپنے ہاتھ کے عصا (لکڑی) سے برص کے مقام پر ملا تو حق تعالیٰ نے برص کو دور فرما دیا۔ (مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۲۱۷)
- مروی ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے کسی قدر مشک اور عطر اپنے فرزندوں کو سپرد فرمایا۔ اور وصیت کی کہ اس کو میرے کفن میں لگانا کیوں کہ یہ خوشبو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حنوط سے بچائی ہوئی ہے۔

(مدارج النبوۃ، اردو، جلد ۲، ص ۷۴۶)

حنوط: چند خوشبودار چیزوں کا ایک مرکب جو مردے کو غسل دینے کے بعد اس پر ملتے ہیں۔ (فیروز اللغات، ص ۵۷۶)

- امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے ان کی زیادتیٔ علم و فضل اور قوت حافظہ کے تیز ہونے کی وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا کہ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دے رہا تھا تو تھوڑا سا پانی آپ کے چشمہ خانہ (آنکھوں کے حلقے) میں رہ گیا تھا میں نے اسے زمین پر گرانا مناسب نہ جانا لہٰذا اس پانی کو میں نے اپنی زبان سے چوس کر اٹھا لیا اور پی گیا، یہی میرے علم و فضل اور قوت حافظہ کے تیز ہونے کا باعث ہے۔

(شواہد النبوۃ، اردو، ص ۲۰۰ ☆ مدارج النبوۃ، اردو، جلد ۲، ص ۷۴۵)

مذکورہ آٹھ واقعات میں چادر، قمیص کا ٹکڑا، رومال، جبہ، پیالہ، لکڑی، نشست گاہ، حنوط اور پانی یہ سب خارجی اشیا تھیں، حضور کے جسم اقدس کا جزء یا حصہ نہیں تھیں۔ لیکن ان تمام اشیاء کو جسم اقدس سے مس ہونے کی نسبت حاصل تھی، لہٰذا ان اشیاء میں شفا و برکت پیدا ہوگئی تھی، اور صحابۂ کرام ان اشیاء کی نہایت درجہ تعظیم و توقیر بجالاتے تھے، اور اپنے لئے باعث برکت و نعمت اور نجات سمجھتے تھے۔



(۴۸)

بحر سائل کا ہوں سائل نہ کنویں کا پیاسا
خود بجھا جائے کلیجہ مرا چھینٹا تیرا

حل لغت:

بحر: بڑا دریا، بڑا سمندر، جہاں ساگر، شعر کا وزن، سمندر، اصطلاحاً بمعنی غور و فکر۔

(فیروز اللغات، ص ۱۸۴ ☆ لغات کشوری، ص ۸۶ ☆ کریم اللغات، ص ۲۱)

سائل: بھکاری، سوال کرنے والا، پوچھنے والا، طالب، امیدوار، عرض دینے والا، جاری ہونے والا، مانگنے والا، چاہنے والا۔

(فیروز اللغات، ص ۷۷۱ ☆ لغات کشوری، ص ۳۶۴)

کلیجہ: جگر، ایک عضو، ہمت، جرأت، دلیری، حوصلہ، نہایت عزیز، دوست، مطلق دل۔ (فیروز اللغات، ص ۱۰۲۴)

چھینٹا: پانی کا چلو، ہلکی بارش، خفیف سا مینہ، فریب، دھوکہ، طعنہ، نوکا جھونکی، بیج جو ہاتھ سے بکھیر کر بویا جائے، مدک یا چنڈو کا ایک دم۔ (فیروز اللغات، ص ۵۵۶)

بجھنا: جلتی ہوئی چیز کا ٹھنڈا ہونا، تپتی ہوئی اینٹ یا لوہے وغیرہ کا پانی میں سرد ہونا، سیری ہونا، افسردہ ہونا، مایوس ہونا، دھیما ہونا، نرم ہونا۔ (فیروز اللغات، ص ۱۸۲)

پہلے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''سائل'' ہے اس کا مطلب ''جاری ہونے والا'' ہے۔
پہلے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''سائل'' ہے اس کا مطلب ''سوال کرنے والا'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں کہ یارسول اللہ! میں پیاسا ضرور ہوں لیکن میں کنویں کا نہیں بلکہ بہتے ہوئے اور جاری بڑے سمندر کا پیاسا ہوں۔ میرا سوال کنویں سے نہیں بلکہ بحر یعنی بہتے ہوئے سمندر سے ہے۔ میں کنویں کا سائل یعنی سوالی نہیں بلکہ سمندر کا سوالی ہوں، ایسے سمندر کا سوالی ہوں کہ جس کا صرف ایک چھینٹا میرے کلیجے کی آگ بجھانے کے لئے یعنی میری پیاس کو دور کرنے کے لئے کافی ہے۔ یہ تو ہوئے شعر کے ظاہری معنی، اب اس شعر کی اختصار کے ساتھ تشریح ملاحظہ فرمائیں!

مصرع اول میں لفظ ''سائل'' دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے اور دونوں اسم ہیں۔ لہٰذا یہ شعر صنعت تجنیس کامل مماثل میں داخل ہے۔ دوسری مرتبہ جو لفظ سائل آیا ہے وہ حضرت رضا بریلوی سے منسوب ہے۔ یعنی رضا سوالی ہے لیکن کس کا؟ اس کا جو بحر ''سائل'' ہے یعنی بہتے ہوئے سمندر کا۔ اب بہتے ہوئے سمندر سے کون اور کیا مراد ہے؟ وہ دیکھیں اور ایک اور وضاحت بھی ہو جائے کہ حضرت رضا بریلوی نے جہاں اپنے لئے بہتے ہوئے سمندر سے سوالی ہونے کا اثبات واقرار کیا ہے وہیں پر کنویں کے سوالی ہونے سے نفی وانکار کا اظہار بھی کیا ہے۔ بحر کے تضاد میں کنواں لاکر اس شعر کو اردو ادب کے اعتبار سے صنعت تضاد سے بھی آراستہ کیا ہے۔ اب یہ عقدہ حل کرنا ہے کہ بحر سائل سے کیا مراد ہے اور کنویں سے کیا مراد؟ بحر سائل سے دو مراد لی جا سکتی ہے، ایک ذات پاک مصطفیٰ ﷺ اور دوسرے حوض کوثر، دونوں مراد میں شعر اپنے ٹھیک مطلب، عنوان ومنشا کا حامل رہے گا۔ اسی طرح کنویں سے بھی دو مراد ہو سکتی ہیں: ایک تو ذات پاک مصطفیٰ ﷺ کے علاوہ دیگر حضرات انبیائے کرام اور اولیائے عظام اور دوسرے زم زم کا کنواں، یہاں بھی دونوں مراد میں شعر موزوں ہی رہے گا۔

حضور اقدس ﷺ کے تقابل میں ماسوائے اللہ تمام مخلوق کی حیثیت سمندر کے مقابلے میں کنویں کے مانند ہے۔ قرآن مجید کی متعدد آیاتِ اور کثرت سے احادیث اس پر شاہد ہیں۔ جس کا تفصیلی تذکرہ یہاں ممکن نہیں۔ صرف ایک حدیث پیش خدمت ہے۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

- حضور اقدس، سید الانبیاء والمرسلین ﷺ نے روز قیامت کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

''بِیَدِیْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَ لَا فَخْرَ وَ مَا مِنْ نَبِیٍّ یَوْمَئِذٍ آدَمَ فَمَنْ سِوَاہُ اِلَّا تَحْتَ لِوَائِیْ۔''

ترجمہ: حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا، مگر فخر نہیں مجھ کو۔ اور حضرت آدم سمیت تمام انبیاء میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ (ترمذی، باب المناقب)

اس ایک حدیث میں سب کچھ آگیا، کہ اللہ کے محبوب کا درجہ اور رتبہ کتنا بلند اور عالی ہے۔

اس شعر میں بحر سائل سے مراد حوض کوثر، اور کنواں سے مراد چاہ زم زم لیا جائے تو بھی صحیح ہے کہ زم زم کا کنواں ایک محدود جگہ کو محیط ہے جب کہ حوض کوثر کے لئے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ ''کوثر جنت کی ایک نہر کا نام ہے جس کی درازی

ایک ماہ کی راہ ہے۔'' (بروایت حضرت عبداللہ بن عمرو دیگر اصحاب رضی اللہ عنہم)

حوض کوثر کے پانی کی ایک خاصیت متعدد احادیث شریفہ میں وارد ہے کہ ''جس کو حوض کوثر سے ایک پیالہ یا ایک گ
مل جائے گا وہ محشر میں بھی پیاسا نہ ہوگا۔''

اب اس شعر کے مصرع ثانی کی طرف توجہ درکار ہے ''خود بجھا جائے کلیجہ میرا چھینٹا تیرا۔'' اس میں شدت کی پیا
ذکر ہے اور اشارہ ہے میدان محشر کی سخت گرمی اور پیاس کی شدت کی طرف۔ متعدد احادیث نبویہ میں وارد ہے کہ آفتاب
دن سر کے بالکل قریب ہوگا، گرمی کا یہ عالم ہوگا کہ لوگ اپنے جسم کے پسینے میں غوطہ زن ہوں گے، پیاس کا یہ عالم ہوگا ک
منہ کو آئے گا، ذرا غور وفکر کیجئے کہ ایسی شدت کی پیاس کہ جس کی وجہ سے پانی کا ایک قطرہ سیرابی کے لئے کافی نہیں ہو
بلکہ وہ پیاس کو بجھانے کے بجائے اور بھڑکا دے گا۔ سکون حاصل ہونے کے بجائے بے قراری میں اضافہ ہو جائے گا۔ لی
حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے جلتے ہوئے کلیجے کو بجھانے کے لئے صرف ایک قطرے کی آرزو وتمنا کر ر
ہیں، کیوں؟ اس لیے کہ پیارے آقا کا فرمان ہے کہ جس کو حوض کوثر سے ایک قطرہ حاصل ہو جائے گا وہ پھر پیاسا نہ ہوگا
فی الرسول حضرت رضا بریلوی کو اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مقدس پر یقین کامل ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد گرامی ملاحظہ ہو۔ آپ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ ''قیامت میں مجھے کوثر پر تلا
کرنا میں حوض کوثر پر ہوں گا۔ اور اپنی امت کو کوثر کے پیالے بھر بھر کر پلاتا ہوں گا۔ تو جب آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست اقد
سے خود ہی اپنے امتیوں کو جام کوثر عطا فرما رہے ہوں گے، نیک لوگوں کو تو چھلکتے جام عطا ہو رہے ہوں گے ان چھلکتے جامو
سے اچھل کر ایک قطرہ از کرم مجھ پر پڑ گیا تو میرا جلتا ہوا کلیجہ یقیناً بجھ جائے گا۔ اسی لئے ایک اور نعت میں حضرت ر
بریلوی بارگاہ رسالت میں اس طرح عرض کرتے ہیں کہ:

تیرے صدقے مجھے اک بوند بہت ہے تیری　　　جس دن اچھوں کو ملے جام چھلکتا تیرا



(۴۹)

یعنی ہے سورۂ نور جن کی گواہ
ان کی پر نور صورت پہ لاکھوں سلام

حل لغت:

سورہ: قرآن شریف کا ایک باب یا ایک فصل، سورت، بزرگی، شرف، مرتبہ، قرآن مجید کا ٹکڑا جو مقرر ہے۔
(فیروز اللغات، ص ۸۱۹ ☆ لغات کشوری، ص ۴۰۰ ☆ کریم اللغات، ص ۹۴)

نور: روشنی، تجلی، اجالا، چمک، رونق، روپ، کلام پاک کی ایک سورت کا نام، صوفیوں کی اصطلاح میں خدا کا ایک صفاتی نام، فارسی زبان میں کبھی مراد چاند بھی۔ (فیروز اللغات، ص ۱۳۸۴ ☆ لغات کشوری، ص ۷۹۰ ☆ کریم اللغات، ص ۱۸۷)

گواہ: شاہد، ثبوت پہنچانے والا، گواہی دینے والا۔ (فیروز اللغات، ص ۱۱۱۱ ☆ لغات کشوری، ص ۶۲۴ ☆ کریم اللغات، ص ۱۳۵)

پُر: بھرا ہوا، لبریز، مکمل، بھرپور، بافراط، بہت۔ (فیروز اللغات، ص ۲۸۴ ☆ لغات کشوری، ص ۱۱۸ ☆ کریم اللغات، ص ۲۹)

پہلے مصرع میں جو لفظ ''نور'' ہے اس کا مطلب قرآن شریف کی ''سورہ نور'' ہے۔
دوسرے مصرع میں جو لفظ ''نور'' ہے اس کا مطلب ''نور سے بھرپور'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان محبوبہ محبوب رب العالمین، ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ زوجہ العفیفۃ) کی مدح وثنا فرما رہے ہیں۔ اس شعر میں لفظ ''نور'' کا استعمال دو مرتبہ کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ مصرع اول میں جو لفظ ''نور'' ہے اس سے مراد قرآن مجید کی سورۂ نور ہے۔ دوسری مرتبہ مصرع ثانی میں جو لفظ ''نور'' ہے اس کے معنی رونق یا چاند جیسا ہے۔ شعر کے لغوی اور ظاہری معنی یہ ہوئے کہ وہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہ جن کی عصمت اور پاک دامنی پر قرآن مجید کی سورۂ نور گواہی دے رہی ہے اس مقدس حریم براءت رضی اللہ عنہا کی نور سے بھرپور اور چاند جیسی رونق والی صورت پہ لاکھوں سلام ہوں۔ سب سے پہلے ہم مصرع اول میں قرآن مجید کی سورۂ نور کی گواہی کے تعلق سے کچھ گفتگو سنیں۔ بعدہٗ فضائل ومناقب سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کریں گے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات میں جو عدل وانصاف اور جو اعتدال فرماتے اس کی نظیر دنیا کے کسی شخص میں

نہیں ملتی۔ یہاں تک کہ سفر میں جاتے وقت اگر کسی زوجہ محترمہ کو ساتھ لے جانے کا ارادہ فرماتے تو عدل و انصاف کے تقاضے کے تحت قرعہ اندازی فرماتے اور جس زوجہ مطہرہ کا نام قرعہ میں نکلتا اسے سفر میں ہم رکابی کا شرف عطا فرماتے۔

۵ھ میں غزوۂ بنی المصطلق میں حضور اقدس ﷺ نے تشریف لے جانے کا ارادہ فرمایا۔ اور ازواج مطہرات کے درمیان قرعہ ڈالا۔ اور اس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نام نکلا۔ غزوۂ بنی المصطلق ۵ھ سے پہلے آیت حجاب نازل ہو چکی تھی۔ یعنی عورتوں کے لئے پردے کا حکم نازل ہو چکا تھا۔ قرآن مجید پارہ ۲۲ سورۂ احزاب میں آیت حجاب نازل ہو چکی تھی۔ غزوۂ بنی المصطلق کا واقعہ غزوۂ خندق اور غزوۂ بنی قریظہ سے قبل کا ہے۔ غزوۂ بنی المصطلق میں ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور اقدس ﷺ کے ساتھ تشریف لے گئیں۔ ان کی سواری کا بندوبست ایک اونٹنی پر محمل یعنی کجاوے میں کیا گیا۔ اس کجاوے کو پردہ سے اچھی طرح محجوب کیا گیا۔ تاکہ کسی غیر محرم کی نظر ام المومنین پر نہ پڑے۔ آپ کجاوے میں پردے کے کامل انتظام کے ساتھ بیٹھ جاتیں۔ اور پھر اس کجاوے کو اونٹ کی پیٹھ پر رسیوں سے باندھ دیا جاتا۔ پڑاؤ اور منزل پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس کجاوے کے اندر بیٹھی رہتی تھیں اور کجاوے کو اونٹ کی پیٹھ سے اتار لیا جاتا تھا۔ اب پورا واقعہ جس کو "حدیث افک" کے نام سے شہرت ملی ہے۔ اس کو خود سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مقدس زبان سے سنیئے:

- شیخین رحمۃ اللہ علیہما نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی، آپ فرماتی ہیں کہ جب حضور اقدس ﷺ غزوہ سے فارغ ہو کر روانہ ہوئے۔ اور مدینہ طیبہ پہنچنے سے پہلے ایک مقام پر پڑاؤ کا حکم فرمایا میں اٹھی اور قضائے حاجت کے لئے لشکریوں کے پڑاؤ اور ٹھہراؤ سے ذرا فاصلے پر باہر چلی گئی، فراغت پا کر اپنی قیام گاہ پر لوٹی تو اتفاق سے میرا ہاتھ سینے پر گیا، تو مجھے پتہ چلا کہ میرا ہار گلے میں نہیں ہے۔ وہ ہار جزع غفار کا بنا ہوا تھا۔ میں اسی جگہ پر واپس گئی تو ہار کو تلاش کرنے لگی۔ اور اس تلاش میں دیر لگ گئی۔ ادھر لشکر روانہ ہو رہا تھا جو لوگ میرا کجاوہ (محمل) اونٹ پر رکھتے اور باندھتے تھے وہ آئے اور یہ سمجھا کہ میں اس کجاوے (محمل) میں بیٹھی ہوئی ہوں۔ محمل کو اٹھا کر اونٹ کی پیٹھ پر باندھ دیا۔ میں ایک کم وزن اور سبک جسم عورت تھی۔ لہٰذا ان کو یہ پتہ نہ چلا کہ محمل خالی ہے یا بھرا ہوا ہے۔ میں جب ہار تلاش کر کے اقامت گاہ پر لوٹی تو لشکر روانہ ہو چکا تھا۔ جہاں لشکر کا پڑاؤ تھا، وہاں پر اب کوئی بھی موجود نہ تھا جس جگہ پر میرا ڈیرہ تھا میں اس جگہ آکر بیٹھ گئی۔ میرا خیال یہ تھا کہ حضور اقدس ﷺ جب مجھ کو نہ پائیں گے تو کسی کو بھیج کر مجھ کو بلوالیں گے۔ میں اپنی جگہ پر بیٹھی رہی۔ بیٹھے بیٹھے آنکھیں بوجھل ہوئیں، نیند کا غلبہ ہوا اور میں سو گئی۔ حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ جو لشکر کے پیچھے "معقب کارواں" کی خدمت پر مامور تھے (معقب کارواں یعنی پہلے زمانہ میں یہ دستور تھا کہ جب کوئی قافلہ یا لشکر کوچ کرتا تھا تو ایک شخص کارواں یا لشکر کے پیچھے رکھا جاتا تھا تاکہ کارواں سے کسی کی کوئی چیز گر جائے تو وہ شخص اٹھالے اور پھر منزل پر پہنچ کر امیر کارواں کے سپرد کر دے، اور امیر کارواں تحقیق کر کے جس کی وہ چیز ہو اسے دے دے) حضرت صفوان بن معطل صبح کے وقت اس مقام پر پہنچے اور مجھ کو سوتا پایا۔ چوں کہ پردے کا حکم نازل ہونے سے پہلے جب عورتوں کے شرعی پردے نہ تھے، تب انہوں نے مجھ کو دیکھا تھا، اس لئے انہوں نے

مجھ کو پہچان لیا۔ اور مجھ کو پہچان لینے پر فوراً استرجاع پڑھا۔ یعنی "اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" ان کے استرجاع پڑھنے سے میں بیدار ہوئی اور چہرے اور جسم کو میں نے چادر میں اور زیادہ چھپا لیا، حضرت صفوان نے استرجاع کے علاوہ کچھ بھی نہ کہا اور نہ میں نے کچھ سنا۔ انہوں نے اونٹنی سے اتر کر اونٹنی کو بٹھایا اور میں جا کر سوار ہوگئی۔ اور حضرت صفوان اونٹنی کو کھینچ کر چل دیے۔ ہم نے چل کر لشکر کو سخت دھوپ اور گرمی کے وقت ٹھہراؤ میں پالیا۔ پھر ہلاک ہوا جس کو میرے معاملے میں ہلاک ہونا تھا اور جس شخص نے سب سے بڑھ کر اس کی تشہیر اور اتہام طرازی کی وہ عبد اللہ بن ابی بن سلول منافق تھا۔ (الخصائص الکبریٰ فی معجزات خیر الوریٰ، از: امام جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۴۴۹ تا ۴۵۰)

بس اتنی سی بات تھی لیکن مدینہ طیبہ کے منافقین اور خصوصاً عبد اللہ بن اُبی بن سلول منافق نے اپنے خبث باطن اور دل میں چھپے ہوئے نفاق کا اظہار کرتے ہوئے ام المومنین محبوبہ محبوب رب العالمین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عصمت اور پاک دامنی کے خلاف تہمت اور افترا پردازی کا طوفان کھڑا کر دیا۔ فتنے کا طوفان برپا ہوگیا۔ منافقین کے ساتھ کفار اور مشرکین بھی شامل ہوگئے، کچھ ضعیف الاعتقاد، سادہ لوح، بھولے بھالے مسلمان بھی ان کے بہکاوے میں آگئے۔

جہاں دیکھو وہاں صرف ایک ہی بات، مبالغہ، غلو اور جھوٹ کی آمیزش کے ساتھ منافقین نے اس واقعہ کو اتنی اہمیت اور شہرت دی کہ خدا کی پناہ۔ ایک عظیم فتنہ کھڑا ہوگیا۔ حالاں کہ اجلۂ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے منافقین کے بہتان و افک کا دنداں شکن جواب دیا اور بارگاہ رسالت میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عصمت اور پاک دامنی کا اظہار کیا۔

- امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کے جسم اقدس پر جب کہ مکھی تک نہیں بیٹھتی کیوں کہ اس کے پاؤں نجاستوں سے آلودہ ہوتے ہیں تو حق تعالیٰ آپ کے لئے کیسے گوارا کرے گا، اس بات کو جو اس سے کہیں زیادہ بدترین ہو اور اس سے آپ کی حفاظت نہ فرمائے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا، مبادا کہ وہ زمین ناپاک ہو۔ حق تعالیٰ جب کہ آپ کے سائے کی اتنی حفاظت فرماتا ہے تو آپ کی زوجہ محترمہ کی ناشائستگی سے کیوں نہ حفاظت فرمائے گا۔ مولائے کائنات حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! حق تعالیٰ نے اتنا گوارا نہیں فرمایا کہ آپ کے پائے اقدس کے نعلین مبارک میں نجاست کی آلودگی ہو اور وہ آپ کو اس کی خبر دیتا ہے کہ آپ نعلین کو پائے اقدس سے اتار دیں۔ تو اگر یہ واقعہ نفس الامر میں وقوع پذیر ہوتا تو یقیناً رب تبارک وتعالیٰ آپ کو اس کی خبر دیتا۔

(مدارج النبوۃ، از: شیخ عبد الحق محدث دہلوی، ا ۰، جلد ۱، ص ۲۸۰ ☆ الخصائص الکبریٰ، امام جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۴۵۳)

منافقین و مشرکین کی جانب سے حضرت سیدتنا ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عصمت اور پاک دامنی پر مسلسل الزامات و اتہامات کا سلسلہ جاری رہا۔ بلکہ روز بروز اس میں اضافہ اور مبالغہ ہوتا رہا۔ ادھر صحابۂ کرام و جاں نثاران بارگاہ رسالت منافقین کے اقوال والزامات کی تردید فرماتے رہے۔ یہ معاملہ ایک ماہ سے زیادہ طول پکڑ گیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بربنائے مصلحت سکوت فرمایا اور منافقین کو کچھ جواب نہ دیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عصمت اور پاک دامنی سے آپ

یقیناً باخبر تھے لیکن مصلحت ایزدی کی بناپر آپ نے اپنی رفیق حیات کی براءت کا صراحۃً اعلان نہ فرمایا۔البتہ اشارۃً اپنے جاں نثار صحابہ کے سامنے ان الفاظ میں ذکر فرمایا کہ

''وَ اللّٰہِ مَا عَلِمْتُ عَلٰی اَہْلِیْ اِلَّا خَیْرًا''

یعنی خدا کی قسم! میں جانتا ہوں کہ میری اہلیہ کا دامن اس تہمت سے پاک ہے۔

یہاں تک کہ اس فتنہ کے دوران آپ نے مسجد نبوی میں دوران خطبہ فرمایا کہ ''کون ہے جو میری مدد کرے، اور اس شخص سے انتقام لے جس نے بلاشبہ مجھے اور میری اہل کو ایذا پہنچائی'' (اس سے مراد عبداللہ بن ابی بن سلول منافق تھا) پھر فرمایا کہ ''قسم خدا کی! میں اپنی اہل سے پارسائی کے سوا کچھ نہیں جانتا''

قارئین کرام کی خدمت میں گزارش ہے کہ آپ اس واقعہ کا گہری نظر سے مطالعہ فرمائیں اور اس پر غور وفکر فرمائیں کیوں کہ اس واقعہ کے ضمن میں جس طرح زمانہ اقدس ﷺ کے منافقین نے فتنہ برپا کر رکھا تھا، اسی طرح دور حاضر کے منافقین فرقۂ وہابیہ، نجدیہ، تبلیغیہ وغیرہم نے بھی اس واقعہ کے ضمن میں بہت اودھم مچا رکھا ہے اور اس واقعہ کو حضور اقدس ﷺ کے علم غیب کی نفی میں بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ اور معاذ اللہ یہاں تک بکواس کرتے ہیں کہ اگر حضور اقدس ﷺ کو علم غیب ہوتا تو آپ علی الاعلان حضرت عائشہ کی براءت ظاہر کرتے۔ لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔لہٰذا ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو علم غیب نہیں تھا۔ دور حاضر کے منافقین کا یہی شیوہ ہے کہ وہ توہین و تنقیص رسالت کرنے کے لئے قرآن کے معنی اور احادیث کے مفہوم میں ترمیم وتردد پیدا کر کے لوگوں کو بہکانے کی کوشش کرتے ہیں بقول:

ذکر روکے فضل کاٹے نقص کا جویاں رہے ‌ ‌ ‌ پھر کہے مردک کہ ہوں امت رسول اللہ کی

(از: امام احمد رضا، محدث بریلوی)

مذکورہ واقعہ تفصیل سے بیان کرنے کے بعد اس واقعہ میں کیا کیا اسرار ورموز تھے؟ نیز حضور پاک ﷺ نے کس مصلحت کی بنا پر سکوت فرمایا؟ اور اس میں کیا حکمت تھی؟ وہ ان شاء اللہ کتاب کے اختتام پر عرض کروں گا۔ پہلے اس واقعہ کو تفصیل سے ذکر کرتا ہوں:

- جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا لشکر کے قافلے سے بچھڑ گئیں اور قافلہ جب روانہ ہو گیا تب تک کسی کو پتہ ہی نہ چلا کہ حضرت عائشہ بچھڑ گئی ہیں۔ محمل اٹھانے والوں نے یہی سمجھ کر محمل (کجاوے) کو اونٹ پر رکھ دیا تھا کہ آپ اس کے اندر تشریف فرما ہیں۔ لیکن جب یہ لشکر مدینہ شریف کے قریب صلصل نامی مقام پر ٹھہرا اور اونٹ بٹھائے گئے، مگر محمل سے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا باہر تشریف نہ لائیں، تب پتہ چلا کہ آپ پیچھے رہ گئیں ہیں، ان کے انتظار میں لشکر بمقام صلصل ٹھہرا رہا لشکر میں پانی اس انداز سے تھا کہ مدینہ شریف پہنچ جائے۔ لیکن ام المومنین کے پیچھے رہ جانے کی وجہ سے قافلہ کو مجبوراً ان کے انتظار میں رکنا پڑا اور لشکر میں جتنا پانی تھا، وہ صرف ہو گیا۔ نماز کا وقت آیا تو وضو کے لئے پانی نہیں تھا پینے کے لئے بھی پانی کی تنگی تھی۔ پانی کے بغیر وضو اور وضو کے بغیر نماز پڑھنا ممکن نہیں تھا۔ لیکن

چوں کہ یہ قافلہ محبوبہ محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وازواجہ وبارک وسلم کے انتظار میں ٹھہرانے کی وجہ سے پانی کی قلت کی دقت ومصیبت میں مبتلا تھا۔ لہٰذا اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب کی حرم محترمہ کے صدقے اور طفیل ان لشکر والوں پر مہربان ہوکر، ان پر اور ان کے طفیل قیامت تک کے مسلمانوں پر کرم فرماکر تیمم کا حکم نازل فرمایا۔ جس کا اعتراف کرتے ہوئے حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے بارگاہ صدیقہ میں عرض کیا کہ

''مَا هِيَ بِأَوَّلِ بَرَكَتِكُمْ يَا آلَ أَبِي بَكْرٍ''

اے اولادِ ابوبکر! یہ تمہاری پہلی برکت نہیں۔'' مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو تمہاری بہت سی برکتیں پہنچی ہیں۔

(مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد۲۔ص ۲۷۵)

- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب ہم مدینہ منورہ واپس آئے، تو مشیت ایزدی سے ان ہی دنوں میں بیمار ہوگئی۔ میں گھر ہی میں تھی۔ ایک ماہ سے زیادہ میں بیمار رہی۔ باہر میرے خلاف فتنہ پردازوں نے جو الزامات اٹھا رکھے تھے، اس کا مجھے کچھ پتہ نہ تھا۔ ایک دن ام مسطح نام کی عورت نے الزام تراشیوں اور اتہام سازیوں کی ساری باتیں مجھ سے بیان کیں۔ جنہیں سن کر میں پہلے سے زیادہ بیمار ہوگئی۔ ایک روز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور سلام علیک کے بعد مجھ سے فرمایا: ''تم کیسی ہو؟'' میں نے اپنی کیفیت بتانے کے بعد عرض کیا کہ اگر آپ اجازت عطا فرمائیں تو میں چند دنوں کے لئے اپنے والدین کے گھر چلی جاؤں۔ حضور نے اجازت عطا فرمائی اور میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر چلی گئی۔ میں نے اپنی والدہ سے تمام باتیں دریافت کیں۔ میں تمام رات روتی رہی اور صبح ہوجانے پر بھی میرے آنسو تھمتے ہی نہ تھے، تمام شب جاگتی ہی رہی، پلک تک نہ جھپکی۔ میں دن بھر مسلسل روتی رہی، میرے آنسو رُوکے نہ رکتے تھے اور نیند نام کو بھی نہ تھی، مجھ کو اندیشہ ہوا کہ شدت گریہ کی وجہ سے شاید میرا جگر پھٹ جائے گا۔ (الخصائص الکبریٰ، اردو، جلد ا۔ص ۴۵۱)
- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے ملنے میرے گھر تشریف لائے۔ اور مجھ سے فرمایا کہ اے عائشہ! میرے حضور تمہارے بارے میں ایسی ایسی باتیں پہنچی ہیں، لہٰذا اگر تم بری اور پاک ہو، تو عنقریب اللہ تمہاری پاکی بیان فرمائے گا اور تمہاری براءت کی خبر نازل فرمائے گا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور کی زبان مبارک سے یہ کلمات سن کر میرے آنسو تھم گئے یہاں تک کہ میری آنکھوں میں ایک قطرہ تک بھی نظر نہ آتا تھا۔ یہ اس خوشی کی بنا پر تھا جو میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام مبارک سے بشارت پائی تھی۔

(مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد۲، ص ۲۸۱ ☆ خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد ا، ص ۴۵۲)

- ام المومنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں امید رکھتی تھی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ میری براءت فرمادے گا۔ اور میری پاکی اور پاک دامنی کی خبر دے گا۔ لیکن مجھے یہ خیال بھی نہ تھا کہ اللہ میرے اس معاملہ میں وحی نازل فرمائے گا۔ کیوں کہ میں اپنے آپ کو اور اپنے معاملے کو اس قابل نہیں سمجھتی تھی۔ البتہ مجھ کو صرف اس بات کی توقع تھی

کہ رسول اللہ ﷺ شاید خواب دیکھیں گے اور اس ذریعہ سے مجھ بے چاری کی عفت اور عصمت پر گواہی مل جا[ئے]
گی۔ اللہ کا کرم دیکھئے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی جگہ سے اٹھے بھی نہ تھے کہ یکا یک حضور پر نزول وحی کے آثار نمو[دار]
ہوئے اور جو شدت ایسے موقع پر ہوتی تھی وہ شروع ہوئی۔ حتیٰ کہ آپ کی پیشانی مبارک پر موتیوں کے مانند پسینہ چمک[نے]
لگا۔ آپ پر خوب ٹھنڈی کے موسم میں بھی نزول وحی کی شدت سے پسینہ وغیرہ کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ اور یہ ا[س]
گرانی اور بوجھ کی وجہ سے ہوتا تھا، جو کلام مجید آپ پر اترتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب حضور اقدس ﷺ نزول وحی [کی]
کیفیت سے فارغ ہوئے، تو آپ کا یہ حال تھا کہ آپ تبسم فرما رہے تھے۔ سب سے پہلی بات جو حضور نے فرمائی وہ
تھی کہ ''اے عائشہ صدیقہ! حق تعالیٰ نے تمہیں بری قرار دے کر تمہیں پاک گردانا ہے۔ اس تہمت سے تمہاری پا[کی]
بیان کی ہے اور تمہاری شان میں قرآن بھیجا ہے۔''

(مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص ۲۸۳ ☆ خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۴۵۴)

- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس وقت
  ''اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ'' (پارہ ۱۸، سورۂ نور، آیت ۱۱)

ترجمہ: بے شک وہ کہ یہ بہت بڑا بہتان لائے ہیں، تمہیں میں کی ایک جماعت۔ (کنز الایمان)

سے لے کر دس (۱۰) آیتوں تک وحی ہوئی اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی براءت میں دس آیات مذکورہ اور دیگر آٹھ (۸)
آیات ملا کر کل (۱۸) اٹھارہ آیات نازل فرمائیں۔

سورۂ نور آیت ۴، پارہ ۱۸ میں صاف حکم نازل ہوا کہ:

''وَ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا''

ترجمہ: اور جو پارسا عورتوں کو عیب لگائیں، پھر چار گواہ معائنہ کے نہ لائیں تو انہیں اسی (۸۰) کوڑے لگاؤ اور ان کی
کوئی گواہی کبھی نہ مانو۔ (کنز الایمان)

ام المومنین محبوبۂ محبوب رب العالمین حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت اور افک کے سلسلہ میں قرآن مجید کا
انداز بیان بڑا جامع اور پر زور ہے۔ اس میں اعجاز و ایجاز اور احکامات و تنبیہات اس اسلوب سے بیان کئے گئے ہیں کہ
معصیت کے کسی دوسرے وقوع اور موقع پر اس انداز سے بیان نہیں کئے گئے۔ تہمت طرازی اور سخن سازی کا منافقین کی
طرف سے جو مظاہرہ ہوا، جس سے اہل بیت رسول اور خود رسالت مآب ﷺ کو جو انتہائی صدمہ، دکھ، اور تکلیف پہنچی تھی، اس
کی وجہ سے انداز بیان میں شدت ہوئی ہے۔

- الخصائص الکبریٰ فی معجزات خیر الوریٰ میں امام اجل حضرت علامہ عبدالرحمٰن جلال الدین سیوطی قدس سرہٗ نے زمخشری
  کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ ''اصنام پرستی اور شرک کے بارے میں جو تنبیہات ہیں، وہ بھی مقابلۃً اس سے کچھ کم ہی ہیں۔

کیوں کہ یہ ایک پاکباز زوجۂ رسول ﷺ کی طہارت و براءت کی حامل ہیں۔"

- وحی کے نزول کے بعد حضور اقدس ﷺ نے سورۂ نور کی دس (۱۰) آیتوں کی تلاوت فرمائی اور پھر حضرت عائشہ صدیقہ کے یہاں سے نکل کر خوش و خرم مسجد نبوی تشریف لائے اور صحابہ کو جمع فرما کر خطبہ دیا اور اس کے بعد نازل شدہ آیتوں کی صحابۂ کرام کے سامنے تلاوت فرمائی۔ اور تہمت لگانے والوں کو طلب فرمایا۔ تہمت لگانے والے جب بارگاہ رسالت میں حاضر کئے گئے، تو سرکار نے ان پر حد قذف جاری فرمایا اور ہر ایک کو اسی (۸۰) اسی (۸۰) کوڑے لگوائے۔ (مدارج النبوۃ، اردو، جلد ۲، ص ۲۸۳)

یہاں تک کے مطالعہ سے واقعہ کی ابتدا سے انتہا تک کی واقفیت حاصل ہو چکی ہوگی۔ اب دور حاضر کے منافقین کے اعتراضات میں سے اہم اعتراض جو اس واقعہ کے ضمن میں حضور اقدس ﷺ کے علم غیب پر ہے اس کا جواب سنیئے!

دور حاضر کے منافقین یعنی وہابی، نجدی، دیوبندی، اور تبلیغی فرقۂ باطلہ کے مبلغین و مقررین اپنے جہالت سے لبریز بیان اور تقریر جو دراصل تقریر نہیں بلکہ تفریق بین المسلمین ہوتی ہے۔ بڑا اودھم مچاتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ کی عصمت و پاک دامنی کے سلسلہ میں حضور نے ایک ماہ سے بھی زیادہ عرصہ تک سکوت کیوں فرمایا؟ آپ نے فی الفوران کی براءت کا اعلان کیوں نہ کر دیا؟ بلکہ وحی کے منتظر رہے۔ اور جب وحی آئی تب آپ نے براءت کا اعلان فرمایا۔ اس سے پتہ چلا کہ آپ کو علم غیب نہیں تھا۔ اگر علم غیب ہوتا تو آپ فوراً براءت کا اعلان کر دیتے۔ (معاذ اللہ)

بس یہی ہے ان کے دعویٰ کی دلیل و برہان۔ مشیئت ایزدی اور حکمت الٰہیہ کے رموز کو سمجھنے سے یک لخت قاصر و عاجز ہونے کی وجہ سے ایسی بے ڈھنگی بات کہہ رہے ہیں۔ حالاں کہ اس واقعہ کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی کئی حکمتیں پوشیدہ تھیں اور ان تمام حکمتوں سے اللہ نے اپنے محبوب اعظم ﷺ کو آگاہ فرما دیا تھا۔ اسی وجہ سے آپ نے سکوت فرمایا تھا۔ کچھ وجوہات ذیل میں عرض ہیں:

- حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقین کی طرف سے تہمت لگائی گئی تھی، منافق اس کو کہتے ہیں جو بظاہر اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو لیکن دل سے وہ مومن نہیں ہوتا۔ زبان سے تو قسمیں کھا کھا کر حضور اقدس ﷺ کو اللہ کا رسول ہونے کا اقرار کرتے تھے لیکن پیٹھ پیچھے حضور کی شان میں نازیبا کلمات کہہ کر آپ کی گستاخی کرتے تھے اور آپ کو جھٹلاتے تھے۔ منافقین کی ان دوغلی باتوں کا اللہ نے پردہ فاش فرماتے ہوئے قرآن مجید میں ایک مکمل سورۃ بنام "منافقون" نازل فرمائی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"إِذَا جَآءَكَ الْمُنَافِقُوْنَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ" (پارہ ۲۸، سورہ منافقون، آیت ۱)

ترجمہ: جب منافق تمہارے حضور حاضر ہوتے ہیں، کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضور بیشک یقیناً اللہ کے رسول

ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ تم اس کے رسول ہو اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق ضرور جھوٹے ہیں۔ (کنزالایمان)

ان منافقین کی ایک خصلت کا ذکر قرآن شریف میں اس طرح ہے کہ:

''وَ إِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَ إِذَا خَلَوْا إِلَى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ'' (پارہ ۱، سورۃ البقرۃ، آیت ۱۴)

ترجمہ: اور جب ایمان والوں سے ملیں، تو کہیں ہم ایمان لائے اور جب اپنے شیطانوں کے پاس اکیلے ہوں، تو کہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں، ہم تو یوں ہی ہنسی کرتے ہیں۔ (کنزالایمان)

رسول کے ماننے میں اور ایمان کے اقرار میں منافقین دوغلی بولی بولتے ہیں اور ان کے اقرار و ایمان کا کچھ بھی ا[illegible] نہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ منافقین ضرور جھوٹے ہیں۔ منافق کو صرف جھوٹا نہیں بلکہ ''ضرور جھوٹا'' کہا گیا۔ یعنی ان کا جھوٹ اتنا عام ہے کہ ان سے صدق کی توقع ہی نہیں کی جاسکتی۔ منافقوں کی بے حیائی اور بے شرمی کا یہ حال تھ[ا] ابھی انکار اور ابھی رجوع۔ بلکہ دن کے اجالے کو رات کا اندھیرا کہہ دینے میں بھی ان کو کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی تھ[ی] رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلاتے تھے، آپ کی تکذیب کرتے تھے، آپ کے بین معجزات کو معاذ اللہ جادو اور سحر کہتے تھے۔ لہٰذ[ا] جھوٹوں کے سامنے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی براءت کا اعلان کرنا بے سود تھا۔ اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف [سے] حضرت عائشہ کی براءت کا اعلان فرماتے، تو منافقین ایک الزام یہ گڑھتے کہ دیکھو! اپنی بیوی کا دفاع کر رہے ہیں، زوج[یت] کی بنا پر طرفداری کر رہے ہیں، اپنی بیوی کے عیب پر پردہ ڈال رہے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

حالاں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے معاملے میں یقیناً باخبر تھے۔ اسی لئے تو اپنے جاں نثار صح[ابہ] کرام کی مقدس جماعت کے سامنے حضرت عائشہ کے معاملے میں فرمایا: ''وَ اللّٰهِ مَا عَلِمْتُ عَلٰى أَهْلِيْ إِلَّا خَيْرًا'' یعنی خدا کی قسم! میں اپنی اہل سے پارسائی کے سوا کچھ نہیں جانتا، اس جملے کو غور سے ملاحظہ فرمائیے۔ حضور نے اس جم[لے کو] ''وَاللّٰهِ'' یعنی ''خدا کی قسم'' سے مؤکد فرمایا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ حضور کو حضرت عائشہ کی عصمت کا صرف گمان نہ[یں] تھا بلکہ یقین کامل تھا۔ اسی لئے تو اللہ کی قسم سے جملے کی ابتدا فرما کر اپنے یقین کامل کا اظہار فرما رہے ہیں۔ جب نبی ا[ور] رسول معصوم ہیں۔ ان سے گناہ کا صادر ہونا ممکن ہی نہیں ہے اور جھوٹ بولنا گناہ عظیم ہے۔ قرآن میں جھوٹ بولنے والو[ں] پر اللہ کی لعنت کا اعلان ہے۔ تو نبی اور رسول کبھی بھی جھوٹ نہیں بول سکتے۔ اور پھر جھوٹ پر اللہ کی قسم کھانا، اس سے بھی بڑ[ھ] کر گناہ ہے۔ ہر مومن کا یہ عقیدہ ہونا لازم ہے کہ رسول کبھی جھوٹ نہیں بولتے اور کبھی بھی خدا کی جھوٹی قسم نہیں کھاتے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے سامنے خدا کی قسم کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی براءت فرما رہے ہیں، تو اس [سے] صاف ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو اس واقعہ کی حقیقت کا یقین کے درجہ میں علم تھا، بلکہ یہ بھی معلوم تھا کہ یہ تہمت لگانے والا او[ر] فتنہ اٹھانے والا کون ہے؟ اسی لئے مسجد نبوی میں خطبہ دیتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ: ''کون ہے جو میری مدد کرے؟ اور ا[س] شخص سے انتقام لے جس نے بلاشبہ مجھے اور میری اہل کو ایذا پہنچائی'' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعلان سے جوش الفت [...]

جذبے کے تحت طیش میں آکر منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی بن سلول منافق جو قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتا تھا، اس سے انتقام لینے کے لئے حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ کھڑے ہو گئے لیکن حضور نے انہیں باز رکھا۔ اور مصلحتاً خاموش کر دیا کیوں کہ اگر حضور ان حضرات کو اجازت انتقام عطا فرماتے اور وہ تہمت لگانے والے منافقوں کے سردار عبد اللہ بن ابی بن سلول منافق کو قتل کر دیتے، تو دیگر منافقین یہ واویلا مچاتے کہ حضور نے اپنی زوجہ کی طرفداری میں حقیقت واقعہ کو چھپانے کے لئے عبداللہ بن ابی کو ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا۔ اپنی زوجہ کی پاک دامنی کا کوئی ثبوت نہ تھا، لہٰذا قتل و غارت گری کی راہ اپنائی۔ اسی لئے حضور اقدس ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کو خاموش کر دیا۔ تاکہ فتنہ کی آگ اور زیادہ نہ بھڑکے۔

دور حاضر کے منافقین صرف اسی بات کی رٹ لگاتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنی طرف سے حضرت عائشہ کی براءت کا اعلان نہ کرتے ہوئے سکوت کیوں اختیار کیا؟ اس کا جواب ضمناً تو اوپر بیان ہو چکا کہ اگر آپ براءت کا اعلان فرماتے تو منافقین ماننے والے نہ تھے بلکہ دیگر الزامات تراشتے۔ اس لئے حضور نے سکوت فرمایا۔ اور ایک اہم مصلحت یہ تھی کہ حضور براءت کا اعلان کریں وہ اتنا مؤثر نہ ہوگا جتنا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اعلان براءت کا اثر ہوگا۔ اس کو ایک آسان مثال سے سمجھیں کہ ایک بادشاہ کی کوئی چیز گم ہو گئی، کچھ مخالف لوگوں نے چوری کا الزام بادشاہ کے وزیر اعلیٰ کے بیٹے پر لگایا۔ حالاں کہ وزیر اعلیٰ کا بیٹا بے قصور تھا۔ وزیر اعلیٰ کو اپنے بیٹے کے بے قصور ہونے کا یقین کے درجہ میں علم ہے۔ لیکن وقت کا تقاضا اور مصلحت یہ ہے کہ وزیر خاموش ہی رہے۔ کیوں کہ اگر وزیر اٹھ کر اپنے بیٹے کے بے قصور ہونے کا اعلان کرے گا تو الزام لگانے والے مخالفین کا گروہ یہی کہے گا کہ اپنے بیٹے کی محبت اور طرفداری میں وزیر اعلیٰ اپنے عہدے اور منصب کا ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ لہٰذا وزیر اعلیٰ سکوت اختیار کرے یہی بہتر و مناسب ہے، چاہے تہمت کی آندھی کتنی ہی تیز کیوں نہ ہو جائے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ صبر کرے اور خاموش رہ کر اس وقت کا انتظار کرے کہ حق بات واضح ہو کر سامنے آجائے۔ اچانک ایک دن بادشاہ سلامت کی طرف سے اعلان ہوتا ہے کہ وزیر اعلیٰ کے فرزند ارجمند پر چوری کا جو الزام لگایا گیا ہے اس میں وہ بری اور بے قصور ہے۔ وزیر زادہ دیانتدار اور نیک بخت ہے۔ ایسے نیک بخت پر چوری کا الزام لگانا، ظلم شدید اور گناہ عظیم ہے۔ ہم وزیر زادہ کو اس چوری کی تہمت سے باعزت بری کرنے کا اعلان کرنے کے ساتھ ساتھ یہ حکم نافذ فرماتے ہیں کہ جو لوگ ایسے نیک بخت اور دیانتدار پر غلط الزام لگاتے ہیں ان کو کڑی سے کڑی سزا دی جائے۔ اس اعلان کے بعد الزام لگانے والوں کو بادشاہ کوڑے لگوائے اور کوڑے لگانے کا کام اپنے وزیر کے ہاتھ سے انجام دلوائے۔

اب قارئین کرام، سوچیں! وزیر زادہ کی عزت کس میں بڑھی؟ اگر وزیر اپنے بیٹے کی براءت کا اعلان کرتا ہے تو اس میں وہ عزت وشان حاصل نہ ہوتی جو عزت اور مرتبہ بادشاہ کے اعلان سے حاصل ہوا۔ ٹھیک اسی مثال کو حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ میں ذہن نشین کر کے سوچیں کہ حضور اقدس ﷺ کی طرف سے براءت و عصمت کے اعلان میں منافقین کو طرفداری اور پاسداری کے الزام کی گنجائش تھی۔ لیکن جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی

براءت کا اعلان قرآن مجید میں فرما دیا، تو اب کسی کو سکنے کی، کھسکنے کی، بدکنے کی، رینگنے کی گنجائش ہی نہ رہی۔

اگر حضور اقدس ﷺ اپنی طرف سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی برات کا اعلان فرماتے تو وہ حدیث کہلاتی اور یہ واقعہ حدیث کی کتابوں میں دیگر واقعات کی طرح شمار کیا جاتا۔ حدیث کے متن (عبارت) کی نماز میں تلاوت نہیں ہوتی۔ لیکن اللہ نے حضرت عائشہ کی براءت کا قرآن مجید میں اعلان فرمایا۔ اس میں ایک حکمت یہ ہے کہ حضرت عائشہ کی عظمت قیامت تک نماز میں تلاوت قرآن مجید کے ذریعہ ظاہر ہوتی رہے۔ عوام مسلمین میں دینی تعلیم و معلومات حاصل کرنے کی رغبت اور شوق دن بدن کم ہوتا جا رہا ہے۔ بڑی مشکل سے ناظرہ قرآن مجید کی تعلیم لوگ اپنی اولاد کو دے پاتے ہیں۔ ایسے ماحول میں حدیث وفقہ کے علم کی طرف بہت کم افراد مائل ہیں۔ اگر براءت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بذریعہ حدیث ہوتی تو اتنی شہرت و عزت نہ ملتی جتنی کہ قرآن مجید سے براءت ہونے پر حاصل ہوئی۔

چھوٹا سا دیہات ہوگا، چاہے اس میں مسلمان کے دو چار ہی مکان ہوں لیکن وہاں کسی نہ کسی گھر میں قرآن مجید ضرور ہوگا۔ لیکن وہاں کتب احادیث کا ہونا ناممکن ہے۔ بلکہ اکثر شہروں میں جہاں دارالعلوم نہیں ہوتے وہاں بخاری شریف، مسلم شریف و دیگر کتب احادیث کا ہونا ناممکن ہے۔ علاوہ ازیں دنیا کا کوئی بھی ایسا گوشہ نہیں ہے جہاں کلام مجید کا نسخہ موجود نہ ہو۔ برعکس اس کے کتب احادیث بہت کم دستیاب ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے ذریعہ براءت حضرت عائشہ کا جو اعلان فرمایا ہے، اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ دنیا کے کونے کونے میں اپنے محبوب اعظم ﷺ کی زوجہ محترمہ کی شان و شوکت کا ڈنکا قیامت تک بجتا رہے۔

اگر بجائے قرآن مجید احادیث سے حضرت عائشہ کی براءت وعصمت کا اعلان ہوتا، تو منکرین عظمت کو تنقیص کے لئے ایک راہ یہ ملتی کہ وہ اپنی ذہنی اختراع سے یہ کہہ دیتے کہ ''یہ حدیث ضعیف ہے'' جیسا کہ دور حاضر کے منافقین وہابی، نجدی، دیوبندی، تبلیغی لوگ عظمت و تعظیم مصطفیٰ ﷺ کے جواز و ثبوت کی احادیث سے عوام کو بے التفات و بے اعتماد کرنے کے لئے بلا کسی ثبوتِ علم اسماء الرجال کہہ دیتے ہیں کہ ''یہ حدیث ضعیف ہے۔'' لیکن قرآن مجید کی کسی بھی آیت کو ضعیف کہنے کی کسی میں جرات نہیں اور اسی حکمت کے تحت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی براءت کا اعلان قرآن مجید میں کیا گیا ہے۔

اسلام ایک ایسا کامل مذہب ہے کہ جس نے نوع انسان کو حیات جاودانی بخشی ہے۔ حقوق الناس کی صحیح پہچان اور نشان دہی اسلام ہی نے عالم دنیا کو کرائی ہے۔ اسلام نے دنیا کو معاشرت کا صحیح طریقہ وسلیقہ بتایا ہے۔ ظالم کو ظلم سے روکنا اور مظلوم کی حمایت کرنا اسلام کا طریقہ و عمل ہے۔ خصوصاً عورتوں پر اسلام کا عظیم احسان ہے۔ ابتدائے اسلام کے دور میں عورت کو اتنا ذلیل سمجھا جاتا تھا کہ اگر کسی کے گھر لڑکی پیدا ہوتی تھی، تو گویا اس کو سانپ سونگھ گیا ہو ایسا اس کا چہرہ ہو جاتا تھا اور سماج کے رواج کے مطابق لڑکی کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ میراث میں عورت کو کچھ بھی اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔ عورت کو صرف دل بہلانے کا کھلونا سمجھ کر اس سے دل لگی کی جاتی تھی۔ اور جب اس سے جی بھر جاتا، تو اسے دودھ سے مکھی کی طرح نکال پھینکا جاتا تھا۔ عورت پر زنا اور دیگر عیوب کے الزام لگا کر اس کو رسوا اور ذلیل کر دینا کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ کسی بھی با

عصمت و پاک دامن خاتون کو ایک آن میں فاحشہ اور بدکردار کے القاب سے نوازنے میں کسی بھی قسم کی جھجک محسوس نہیں کی جاتی تھی، جس کے جی میں جو آیا، وہ منہ سے کہہ دیتا تھا۔ لیکن محبوبہ محبوب رب العالمین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا روئے زمین کی تمام عورتوں پر احسان ہے کہ آپ کے سبب سے قرآن مجید میں عورتوں کی عصمت کی پاسداری اور پاسبانی کی گئی۔ ان کی پاک دامنی کی عظمت کی حفاظت کی گئی اور بات بات میں عورتوں کی پاک دامنی پر تہمت کا کیچڑ اچھالنے والوں کو متنبہ کرتے ہوئے قرآن مجید پارہ ۱۸ سورۂ نور، آیت نمبر ۴ میں صاف اور صریح حکم فرمایا گیا کہ

''وَ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا''

ترجمہ: اور جو لوگ پارسا عورتوں کو عیب لگائیں، پھر چار گواہ معائنہ کے نہ لائیں، تو انہیں اسی (۸۰) کوڑے لگاؤ اور ان کی کوئی گواہی کبھی نہ مانو۔ (کنزالایمان)

اس آیت کے نزول سے عورتوں کی پارسائی پر چھوٹی چھوٹی باتوں میں فعل قبیح کی تہمت لگانے والوں کے منہ پر تالے لگ گئے۔ صرف منہ پہ تالا ہی نہ لگایا گیا بلکہ تالا کھولنے والوں کو اسی (۸۰) کوڑے لگانے کی سزا متعین کی گئی۔ جس کو شرعی اصطلاح میں ''حد قذف'' کہا جاتا ہے۔ صرف قذف پر ہی اکتفا نہ کیا گیا بلکہ تہمت لگانے والے کو دائمی طور پر ''مردود الشہادۃ'' قرار دیا گیا۔ یعنی ہمیشہ کے لئے اس کی ہر گواہی متروک و غیر معتبر کردی گئی۔ مذکورہ آیات کے علاوہ کئی آیات جھوٹی تہمت لگانے والوں کی مذمت میں سورۂ نور میں نازل ہوئی ہیں۔ جن کا تفصیلی ذکر یہاں نہ کرتے ہوئے صرف اتنا ہی عرض کردیتا ہوں کہ تہمت لگانے والوں کو سورۂ نور میں فاسق، جھوٹا، اس پر اللہ کی لعنت وغیرہ وعیدوں سے ڈرایا اور خبردار کیا گیا ہے۔ اور مردوں کو یہ باور کرایا گیا ہے کہ عورت بھی خدا کی ایک معزز مخلوق ہے۔ اس کو حقیر اور ذلیل مت جانو، اس کو ہیچ سمجھ کر اس کے کردار پر کیچڑ اچھالنا ترک کردو، اس کی عزت و آبرو کی نگہبانی کرو، اس کے دامن عصمت کو تہمت والزام سے داغدار کرنے سے باز رہو۔ ورنہ اسی (۸۰) کوڑے، مردود الشہادۃ، فاسق، جھوٹے، اور اللہ کی لعنت کے حقدار جیسی سزائیں بھگتنے کے لئے تیار رہو۔ یہی اسلامی تہذیب ہے۔ اس کے دائرے میں رہو اور یہ حکم قیامت تک جاری رہے گا۔

اگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی براءت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے فوراً فرما دیتے اور وحی کا انتظار نہ فرماتے تو:

- کیا سورۂ نور کی دولت سے ہم سرفراز ہوتے؟
- کیا اس میں معاشرے کے نظام کی درستگی کے جو احکامات ہیں وہ ہمیں نصیب ہوتے؟
- عورتوں کی عزت و آبرو کی پاسداری اور پاسبانی کی تعلیم ہم کو حاصل ہوتی؟
- عورتوں کی عصمت اور پاکدامنی کی تا قیامت جو حفاظت کی گئی ہے کیا وہ حاصل ہوتی؟
- تہمت والزام تراشی جیسے قبیح و مذموم اطوار کو ترک کرنے کا حوصلہ ملتا؟
- کیا یہ اخلاقی محاسن دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچتے؟

ان تمام احکامات ووجوہات کی بنا پر عالم ما کان وما یکون، علم غیب جاننے والے، ہر بات سے باخبر، پیارے رسول اللہ ﷺ نے توقف فرما کر سکوت فرمایا۔ اس حکمت عملی کو سمجھنے سے قاصر و عاجز، کور چشم وکور باطن دور حاضر کے منافقین نے سکوت مصطفیٰ ﷺ سے غلط استدلال حاصل کر کے یہ واویلا مچا رکھا ہے کہ معاذ اللہ آپ ﷺ کو علم غیب نہیں تھا۔

دور حاضر کے منافقین ایک شور یہ بھی مچاتے ہیں کہ براءت حضرت عائشہ صدیقہ کے معاملے میں حضور نے عجلت کیوں نہ فرمائی۔ اور اتنی تاخیر کیوں کی؟ اب اسی سوال کو ہم دور حاضر کے منافقین کی جانب لوٹاتے ہیں کہ براءت حضرت عائشہ کے تعلق سے اللہ تعالیٰ نے قرآنی آیات کے نزول میں تاخیر کیوں فرمائی؟ ہے کوئی آپ کے پاس اس کا جواب؟ لیکن بحمدہ تعالیٰ اہل سنت وجماعت کے پاس اس کا شافی ووافی وکافی جواب ہے۔ نزول آیات قرآن کی تاخیر میں بھی کئی حکمتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اگر کوئی معاملہ پیش آئے اور فوراً اس کا تدارک کر دیا جائے تو اس معاملہ کی اتنی اہمیت نہیں رہتی۔ فی الفور رفع دفع ہو جانے والا معاملہ صرف کچھ دنوں تک عوام الناس میں زیر بحث اور موضوع سخن رہتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ لوگ اسے فراموش کر دیتے ہیں۔ اور اس کے اثرات تادیر قائم نہیں رہتے اور نہ ہی اس واقعہ کی سنگینی کا احساس ہوتا ہے۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ فی الفور حل شدہ معاملے میں لوگوں کے نظریات وتخیلات بھی کامل طور سے رونما نہیں ہوتے۔ بہت سے لوگوں کے تفکرات اندر ہی اندر دب کر رہ جاتے ہیں۔ ان کو اظہار کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ ایسی صورت میں لوگوں کے ذاتی رویہ کا پتہ نہیں لگتا کہ جناب عالی کس جانب ہیں؟ موافقین میں سے ہیں یا مخالفین کے گروہ میں شامل ہیں؟ تاکہ تمیز ہو سکے کہ یہ اپنا ہے یا پرایا؟

حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر لگائی گئی تہمت کا معاملہ کوئی معمولی حادثہ نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب اعظم ﷺ کی زوجہ محترمہ کی عصمت کا معاملہ تھا۔ اور در پردہ قیامت تک آنے والی تمام خواتین کی عزت وآبرو کا معاملہ تھا۔ تہمت کا تعلق کردار سے تھا، پاک دامنی سے تھا، ایک عورت کے لئے اپنی عصمت سے بڑھ کر کوئی چیز عزیز نہیں ہوتی۔ ایک عورت اپنی عصمت کے تحفظ کے لئے دنیا کا سارا عیش وآرام قربان کرنے کے لئے ہمہ وقت مستعد ہوتی ہے۔ اگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر لگائی گئی تہمت کا معاملہ حضور اقدس ﷺ فوراً رفع دفع فرما دیتے، تو اس سے معاملہ کی اہمیت اور سنگینی کا احساس نہ ہوتا۔ آئے دن ایسے اتہامات کا اعادہ اور سلسلہ جاری رہتا۔ صرف حضرت عائشہ صدیقہ ہی نہیں بلکہ اور بھی پاک دامن خواتین کے دامن عصمت جھوٹی تہمتوں سے داغدار ہوتے رہتے۔ اور اس کا دائمی طور پر کوئی تدارک نہ ہوتا۔ حضور اقدس ﷺ نے معاشرے سے اس قسم کے رذیل افعال کو نیست ونابود فرمانے میں جو کردار ادا فرمایا ہے، وہ پوری دنیا کے لئے ضرب المثل ہے۔ آپ یہ چاہتے تھے کہ الزام تراشی کی عادت قبیحہ کو اس طرح ختم کیا جائے اور ایسے اقدام کئے جائیں کہ کوئی بھی شخص کسی پاک دامن عورت کی عصمت پر تہمت لگانے سے پہلے اس کے انجام سے باخبر اور خوفزدہ ہو کر اس کے ارتکاب سے تھر تھر کانپے۔

آج تو میری زوجہ محترمہ کی عصمت کو نشانہ بنایا گیا ہے، کل کسی اور پاک دامن خاتون کی ردائے عصمت کو خنجر تہمت

سے چاک کیا جائے گا۔ لہٰذا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو سبب بنا کر عصمت النساء کے تحفظ کے دائمی اور مستقل اقدام اٹھائے جائیں۔ اسی لیئے اس معاملہ کو اتنی زیادہ اہمیت دی گئی اور اہمیت دینے کے لیئے ہی اس معاملہ کو اتنا طول دیا گیا۔ طول دینے میں اہم فائدہ یہ بھی حاصل ہوتا ہے کہ سماج کے سب لوگ اس سے واقف ہو جاتے ہیں اور سب لوگوں کی آراء و نظریات معلوم ہو جاتے ہیں تا کہ کل اٹھ کر کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ مجھے اس معاملہ کی اطلاع ہی نہ ہوئی، ورنہ میں اپنی رائے اس طرح پیش کرتا۔ تو جب سماج کے سب لوگ اس سے واقف ہو جاتے ہیں اور پھر اس کے بعد اس معاملے کا حل اور فیصلہ ہوتا ہے تو پھر کسی کو غیر مطمئن ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور ان سب امور کے حصول کے لیئے معاملے کو طول دینا ضروری ہوتا ہے تا کہ کوئی بھی شخص بعد میں اپنی لاعلمی کا اظہار و بہانہ نہ کر سکے۔ لہٰذا اسی غرض و حکمت کی بنا پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر لگائی گئی جھوٹی تہمت کے معاملے کو ایک ماہ سے زیادہ مدت تک طول دیا گیا۔

کسی معاملے کو طول دینے سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ کون اپنا ہے اور کون پرایا؟ اپنی وفاداری اور جاں نثاری کا دم بھرنے والے کا امتحان ہوتا ہے کہ عین وقت پر کون ثابت قدم رہتا ہے اور کس کے پائے استقلال میں تزلزل آجاتا ہے؟ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے آزمائش اور امتحان ہوتا ہے کہ کون مخلص ہے اور کون منافق؟ بہت سے لوگوں کی یہ فطرت ہوتی ہے کہ وہ ہمیشہ تذبذب کے شکار رہتے ہیں۔ ان کے عزم و ارادے، فیصلے اور رائے میں اپنا کوئی نظریہ کارگر نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ دوسروں پر منحصر ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ ماحول کے پیش نظر جہاں جھکاؤ ہوتا ہے اسی طرف جھکتے ہیں۔ ناقص الرائے اور ناقص العقل ہونے کی وجہ سے وہ لوگ دوسروں کے فعل و ارتکاب کا اتباع کرتے ہیں۔ ذاتی طور پر کچھ فیصلہ کرنے سے وہ لوگ عاجز و قاصر رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں میں خود اعتمادی اور خود ارادیت (**Self Determination**) کا فقدان ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ دوسروں کے ارادوں اور فیصلوں کے محتاج اور مرہون منت ہوتے ہیں۔ اور یہ خصلت اور عادت مذموم و ناپسندیدہ ہے۔ کیوں کہ ان میں خوف و اندیشہ ہوتا ہے کہ آدمی حق و باطل کا فیصلہ کیے بغیر کسی کی دیکھا دیکھی غلط راہ اختیار کر کے گمراہ نہ ہو جائے۔ ایسے لوگوں کا عام حالت میں پتہ نہیں لگتا بلکہ جب بھی کوئی سنگین معاملہ ہوتا ہے، تب ان کی ذہنی بے مائیگی کا پتہ چلتا ہے۔ ایسے لوگ ماحول سے متاثر ہو کر ہمیشہ چلتی گاڑی میں چڑھ جانے کی طامع ذہنیت رکھتے ہیں۔ بلکہ اپنے نفع اور لالچ کے حصول کی خو کی بناء پر اتنے خود غرض ہوتے ہیں کہ ان آنکھوں کو شرم بھی نہیں آتی، دوستی اور وفاداری کے تمام عہد و پیمان وہ لوگ فراموش کر جاتے ہیں۔ بتقاضۂ دوستی و محبت مصیبت کے وقت مدد کرنا وہ بھول جاتے ہیں، مدد کرنا تو در کنار، الٹے وہ مخالفت کرنے والوں کے زمرے میں اپنی جائے نشست اختیار کر لیتے ہیں۔ ایسے جھوٹے مدعیان دوستی اور سچے وفاداروں کا امتیاز مصیبت کے وقت ہی صحیح طور پر ہوتا ہے۔ عام حالات میں زبانی اقرار محبت و وفاداری تو سب کرتے ہیں لیکن جب موقع آتا ہے تب عاشق صادق سایہ کی طرح ساتھ رہتا ہے اور دھوکے باز اڑ کر سامنے والے کنارے پر چلا جاتا ہے۔ کچھ لوگ اس قسم کے بھی ہوتے ہیں کہ ان کے ظاہری رویہ سے پتہ نہیں چلتا کہ جناب عالی کس فریق سے تعلق رکھتے ہیں؟ لیکن جب موقع آتا ہے تو ایسے لوگ اپنی محبت و عداوت کا اظہار کرنے میں ذرہ برابر کی بھی

کا ہلی نہیں کرتے۔ تب پتہ چلتا ہے کہ ان کو تو ہم کیا سمجھتے تھے اور یہ کیا نکلے۔ حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر لگائی گئی جھوٹی تہمت کے معاملے کو اتنی لمبی مدت تک طول دینے کے پس پردہ حکمت ایزدی یہی تھی کہ لوگوں کا امتحان اور آزمائش ہو جائے اور اس امتحان کے ذریعہ لوگوں کا امتیاز بھی ہو جائے۔

قارئین کو حیرت ہوگی کہ منافقین کی باتوں کے جال میں سادہ لوح اور بھولے بھالے مسلمان بھی پھنس گئے تھے اور ان کا شمار بھی اہل افک یعنی تہمت لگانے والوں میں ہو گیا۔ بڑا ہی سنگین معاملہ تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے امتحان و آزمائش کا وقت تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کا ایسے موقع پر امتحان لیتا ہے۔ پہلے جب بیت المقدس کو قبلہ بنایا گیا تھا تب بھی اللہ تعالیٰ نے لوگوں کا امتحان لیا تھا۔ جس کی تفصیل اس آیت میں ہے:

''وَ مَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَیْهَاۤ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَیْهِ۔''

(پارہ ۲، سورہ بقرہ، آیت ۱۴۳)

ترجمہ: اور اے محبوب تم پہلے جس قبلہ پر تھے، ہم نے وہ اسی لئے مقرر کیا تھا کہ دیکھیں کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے۔ (کنز الایمان)

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کو آزماتا ہے اور ان کا امتحان لیتا ہے۔ جو امتحان میں ناکام ہوتے ہیں ان پر سزا و عتاب فرماتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر لگائی گئی تہمت کے معاملے میں اچھوں اچھوں کا امتحان ہو گیا۔ جو سادہ لوح اور بھولے بھالے مسلمان منافقین کے دام فریب میں آکر اہل افک میں شامل ہو گئے تھے، ان کو حد قذف کی سزا یعنی کہ اسی (۸۰) کوڑے لگوائے گئے۔

اس واقعہ کی وجہ سے قرآن مجید میں آیت تیمم نازل ہوئی جو قیامت تک کے مسلمانوں کے لئے راحت اور آسائش ہے۔ ایک کہاوت ہے کہ ''خدا جب دین لیتا ہے تو عقلیں چھین لیتا ہے'' زمانۂ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے منافقین نے حضرت عائشہ صدیقہ پر جھوٹی تہمت لگا کر شہرت اور غلط پروپیگنڈوں کا بازار تو گرم کر دیا لیکن ان کی عقلوں پر بے وقوفی کے پردے پڑ گئے تھے۔ انہوں نے یہ بھی نہ سوچا کہ جس شخص کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام جوڑ رہے تھے، وہ شخص یعنی حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ سے ایسی حرکت کے صدور کا امکان ہی نہ تھا۔ کیوں کہ حضرت صفوان ''نامرد'' تھے۔ امام قسطلانی شارح بخاری فرماتے ہیں کہ یہ بات پایہ تحقیق کو پہنچ گئی ہے کہ حضرت صفوان رضی اللہ عنہ نامرد تھے۔ اور ان کا آلۂ تناسل ناکارہ تھا۔ خود حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ نے اپنی نامردی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا ہے کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ میں نے کسی عورت کا پردہ نہیں اٹھایا۔ مطلب یہ کہ میں نے کسی بھی عورت کے ساتھ جماع نہیں کیا۔

(مدارج النبوۃ، شیخ عبد الحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص ۷۸۴)

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ زمانۂ اقدس کے منافقین نے جو تہمت لگائی تھی اس میں کتنا دم تھا، زمانۂ اقدس کے منافقین کی اتباع میں دور حاضر کے منافقین بھی ایسی بے وقوفی سے لبریز باتیں کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے براءت عائشہ

صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنی طرف سے نہ ظاہر کی بلکہ وحی آنے کے بعد اعلان براءت کیا۔ ان عقل کے اندھوں کو کیا معلوم کہ حضور اقدس جو کچھ فرماتے ہیں وہ اپنی طرف سے نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے بتانے پر، وحی والہام ہونے پر ہی آپ کلام فرماتے تھے۔ کبھی آپ کی زبان اقدس سے نکلا ہوا کلام بصورت قرآن ہوتا تھا اور کبھی بصورت حدیث۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

''وَ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی'' (پارہ ۲۷، سورہ النجم، آیت ۳)

ترجمہ: اور کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے۔ وہ تو نہیں مگر جو وحی ان کو کی جاتی ہے۔ (کنزالایمان)

دور حاضر کے منافقین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر لگائی گئی جھوٹی تہمت کے واقعہ کو آڑ بنا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کی نفی کی راہ نکالنے کی مضحکہ خیز باتیں کر کے خود مضحکہ خیز بنتے ہیں۔ عداوت وبغض نبی میں اپنے ذہنی اختراع کی بے تکی اور بے جا باتیں اپنی ناپاک زبان سے کہہ کر اپنی بے راہ روی کا ثبوت دیتے ہیں۔ حالاں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے اثبات میں آیات قرآن، دفاتر احادیث اور اقوال ائمۂ دین اتنی کثیر ووافر تعداد میں شاہد وعادل ہیں کہ کئی ضخیم کتب مرتب ہوسکتی ہیں۔

امام اہل سنت مجدد دین وملت امام احمد رضا محقق بریلوی اِس پورے واقعے کی عکاسی اپنے اس شعر میں یوں کرتے ہیں:

یعنی ہے سورۂ نور جن کی گواہ ان کی پر نور صورت پہ لاکھوں سلام

یعنی امام اہل سنت ام المومنین حضرت عائشہ کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کر رہے ہیں کہ وہ ایسی پاک دامن اور عصمت وعفت مآب تھیں کہ ان محاسن کی وجہ سے ان کی صورت نورانی تھی ''ان کی پر نور صورت پہ لاکھوں سلام'' اور یہ حقیقت ہے کہ پاک دامن اور نیک کردار کے چہرے پر ہی نور ہوتا ہے۔ بدعقیدہ اور بدعمل کے چہرے پر نور نہیں ہوتا بلکہ سیاہی اور کالک ہوتی ہے۔ ان کا چہرہ دیکھنے میں بھی مکروہ محسوس ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں ہر سنی مسلمان کو انبیائے کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی سچی عظمت ومحبت عطا فرمائے اور انبیائے کرام کی مقدس ازواج کی تعظیم وتکریم کا جذبہ عطا فرمائے۔ اور ان کی جناب میں نازیبا وناشائستہ الفاظ بولنے سے محفوظ ومامون رکھے۔ آمین، یارب العالمین!



۵۰

ایسا گمادے ان کی وِلا میں خدا ہمیں
ڈھونڈھا کرے پر اپنی خبر کو خبر نہ ہو

حل لغت:

گمانا: کھونا، گم کرنا، آپے میں نہ رہنا۔ (فیروز اللغات، ص۱۱۰۶)

گم ہونا: ضائع ہونا، کسی خیال میں محو ہونا، بے خبر ہونا، کسی چیز کا کھو جانا، بدحواس ہونا۔ (فیروز اللغات، ص۱۱۰۶)

ولا: محبت، الفت، دوستی، پے در پے کسی کام کا کرنا۔ (فیروز اللغات، ص۱۴۱۵ ☆ لغات کشوری، ص۸۰۷ ☆ کریم اللغات، ص۱۹۳)

خبر: اطلاع، آگہی، واقفیت، پیغام، سندیسا، افواہ، حدیث نبوی، پتہ، نشان، سراغ، ہوش، سدھ بدھ، حال، سناؤنی، مو
کی اطلاع، کسی کی بات سننا۔ (فیروز اللغات، ص۵۸۴ ☆ لغات کشوری، ص۲۵۲ ☆ کریم اللغات، ص۶۲)

ڈھونڈھنا: تلاش کرنا، کھوج لگانا، پتہ لگانا۔ (فیروز اللغات، ص۶۸۶)

دوسرے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''خبر'' ہے اس کا مطلب ''ہوش'' ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''خبر'' ہے اس کا مطلب ''پتہ'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کے ساتھ اپنی بے پناہ محبت کے کیف و سرور میں سرشار ہو کر اس عشق کی اعلیٰ منزل، فنا فی الرسول کے حصول کی تمنا کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اپنے فضل و کرم اور لطف و عنایت سے اپنے محبوب اعظم ﷺ کی ''ولا'' یعنی الفت و محبت میں ہمیں ایسا گم کردے کہ پھر ہم ایسے کھو جائیں کہ ہماری خبر کو خبر نہ ہو۔ مصرع ثانی بہت ہی غور طلب ہے اس کو حل کرنا مجھ جیسے بے علم اور ناکارے کی بساط و رسائی سے دور ہے۔ پھر بھی یہ شعر جس مقدس ذات گرامی کی مدح و ثنا میں لکھا گیا ہے اور جس ولولے سے لکھا ہے اس عاشق صادق کے فیض و عطا اور نگاہ توجہ کے طفیل اس شعر کو حل کرنے کی جرأت کرتا ہوں، مصرع ثانی کے الفاظ ہیں کہ ''ڈھونڈھا کرے پر اپنی خبر کو خبر نہ ہو'' یعنی ہماری تلاش کرے، لیکن اپنی خبر کو بھی خبر نہ ہو۔ یہاں پر ڈھونڈھا کرے کا جملہ غور و فکر کا طالب ہے۔ ڈھونڈھا کرے یعنی تلاش کیا کرے، مگر کون تلاش کرے؟ یہاں ایک معمہ ہے کیوں کہ اس کے بعد کا

جملہ ''خبر کو خبر نہ ہو'' ہے۔ ابھی تو خبر کے دو الگ الگ معنی ہم وہی اخذ کریں جو حل لغت کے کالم میں درج ہیں یعنی ڈھونڈھا کرے لیکن ہمارے ہوش یعنی ہماری سدھ بدھ کو ہی ہمارا پتہ معلوم نہ ہو لیکن پھر بھی ''ڈھونڈھا کرے'' والا مسئلہ ابھی بھی کھڑا ہے کہ اس عالم میں کہ جب ہماری سدھ بدھ ہی کو ہمارا پتہ معلوم نہ ہو، تو اس وقت ڈھونڈھنے کی زحمت گوارا کرنے والا کون ہے؟ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ ڈھونڈھنے کا کام خبر کا ہے۔ یعنی خبر (ہوش) ہم کو ڈھونڈھے لیکن خبر کو ہی خبر (پتہ) نہ ہو، یعنی ڈھونڈھنے والی بھی خبر اور ڈھونڈھنے کے نتیجے میں لاعلم رہنے والی بھی خبر یہ تشریح میرے کچھ مخدوم و معظم نے کی ہے۔ راقم الحروف ان کا ادنیٰ خادم اور غلام ہونے کی حیثیت سے ان کی عظمت و بزرگی کا بصد احترام قائل ہے۔ لیکن حضرت رضا بریلوی کے اس شعر کی تشریح جو انہوں نے کی ہے راقم الحروف متفق نہیں۔ کیوں کہ اس مصرع کے وسط میں ''اپنی'' کا لفظ ہے۔ یعنی ''ہماری'' اور اگر ڈھونڈھنے والے کا منصب خبر کو عطا کیا جائے تو یہاں اپنی کا لفظ نہ ہوتا بلکہ خود کا لفظ ہوتا۔ اور معنی یہ ہوتے کہ خبر ڈھونڈھے لیکن خود خبر کو خبر نہ ہو۔ لیکن اس شعر میں خود کا نہیں بلکہ ''اپنی'' کا لفظ ہے۔ اور اب معنی یہ ہوئے کہ ڈھونڈھا کرے (کون؟ یہ بعد میں حل کرتے ہیں) لیکن ڈھونڈھنے کے باوجود اس کو ہمارا پتہ نہ چلے اور یہ معنی کچھ ٹھیک بھی معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا راقم الحروف اپنی ناقص رائے، کم فہمی، کم بضاعتی، کم ظرفی، کم مائیگی اور بے علمی کا اعتراف کرتے ہوئے عرض کرتا ہے کہ اس شعر میں ڈھونڈھنے والے سے مراد زمانہ ہے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے۔ بارہا کا مشاہدہ ہے اور واقعات و حوادث اس کے گواہ عادل ہیں کہ عشق میں جب انسان فنائیت کی منزل پر پہنچتا ہے تب اس عاشق کے کرب و اضطراب کو ایک سکون و راحت کی کیفیت حاصل ہوتی ہے۔ کیوں کہ عشق کی ابتدائی منزل سے اب تک اس نے زمانے کے ظلم و ستم کو برداشت کرتے ہوئے بھی عشق میں اپنی ثبات قدمی کا ثبوت دیا ہے۔ مسلسل کیے جانے والے مظالم کو جھیل جھیل کر اس کا دل چھلنی ہو چکا ہے۔ وہ صرف اس امید میں ظلم و ستم برداشت کرتا ہے کہ ایک نہ ایک دن وہ ضرور اپنی منزل مقصود کو پالے گا۔ وہ فراق محبوب میں بے قرار ہوتا ہے وصل محبوب کے لئے تڑپتا ہے اور ایک ان کہی کیفیت سے دوچار ہوتا ہے۔ زمانے کے لوگ اس کی قابل رحم حالت پر ترس کھانے کے بجائے اپنی ترش روئی میں اور اضافہ کر دیتے ہیں۔ اور اس عاشق کو دیوانہ اور پاگل ثابت کر دیتے ہیں۔ وہ عاشق زمانے کی نگاہوں میں تو دیوانہ ہوتا ہے لیکن باعتبار فہم عشق وہ بہت ہی فرزانہ ہوتا ہے۔ زمانے والوں کے رویے کو وہ اچھی طرح سمجھتا ہے۔ زمانے کی بے دردی و بے قدری اور بے مروتی سے اچھی طرح واقف ہوتا ہے۔ اس میں اتنی صلاحیت و طاقت بھی ہوتی ہے کہ وہ زمانے والوں کو دنداں شکن جواب دے کر ساکت بھی کر دے۔ لیکن وہ اپنا وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا۔ کیوں کہ اس کی منزل مقصود کی مسافت بہت طویل ہے۔ جو اسے جلد از جلد طے کرنی ہے۔ لہٰذا وہ زمانے والوں سے بے اعتنائی، بے خبری اور بے رخی اختیار کر کے اپنی دھن میں مست رہ کر زمانے والوں سے مطلقاً بے التفاتی اپنا لیتا ہے۔ اور شوق وصال حبیب کی آرزو کو زیادہ تیز کر کے اپنی راہ میں آگے بڑھتا ہے۔ اور ایک وقت وہ آتا ہے کہ وہ اپنے مقصد اور اپنی مراد کو حاصل کر لیتا ہے۔ تب وہ اپنے مقصد کے حصول کے نشاط و انبساط کے کیف میں سرشار ہو کر دنیا و مافیہا سے علیٰ حدگی اختیار کر لیتا ہے۔ دنیا والوں کے ماضی میں کیے ہوئے سلوک

اسے یاد ہوتے ہیں۔ لیکن وہ انتقام سے پرے ہو کر دنیا والوں سے ہی بیگانگی اپنا لیتا ہے جب وہ تکمیل وحصول درجات کے
بعد دنیا سے اوجھل ہو جاتا ہے اور دنیا کو پتہ لگتا ہے کہ جس کو ہم دیوانہ دیوانہ کہہ کر دھتکارتے تھے وہ تو صاحب درجات
مراتب ہے۔ تب دنیا اس کو ڈھونڈھنے دوڑتی ہے لیکن وہ عاشق اب ہاتھ کہاں آتا ہے۔ اس کی تو یہ کیفیت ہوتی ہے کہ بقول
حضرت رضا:

جس کو ان کے مکاں کا پتہ مل گیا
بے نشاں بے نشاں بے نشاں ہو گیا

وہ عاشق صادق اپنے آقا و مولیٰ کے عشق میں محو و فنا ہو کر دنیا سے ایسا گم ہوتا ہے کہ دنیا والے اس کو ڈھونڈھنے کے لیے
مارے مارے پھرتے ہیں لیکن کسی کو بھی اس کی خبر (پتہ) نہیں لگتی۔ اور یہی مطلب حضرت رضا بریلوی کے اس شعر کا ہے کہ
ڈھونڈھا کرے پر اپنی خبر کو خبر نہ ہو۔ یعنی جو عشق رسول ﷺ میں گم ہوتا ہے اس کو دنیا کتنا ہی ڈھونڈتے مگر اس کے سراغ کا
پتہ نہیں لگتا۔ فنافی الرسول کی منزل تک پہنچنے والے عشاق صادقین دنیا سے قطع تعلق ہو کر بحر عشق میں غوطہ زن ہو کر دنیا سے
اس طرح پوشیدہ ہوتے ہیں کہ دنیا والے کف افسوس ملتے رہ جاتے ہیں۔ تفصیل کے لئے شعر نمبر 38 "یاد رخ میں آہیں
کر کے بن میں میں رویا آئی بہار" کا مطالعہ کریں۔



(۵۱)

اے مدعیو! خاک کو تم خاک نہ سمجھے
اس خاک میں مدفوں شہ بطحا ہے ہمارا

حل لغت:

مدعیو: دعویٰ کرنے والا، نالشی، دعوے دار، رقیب، حریف، سائل، غیر، مستغیث۔

(فیروز اللغات، ص۱۲۲۰ ☆ لغات کشوری، ص۶۸۰)

خاک: مٹی، دھول، زمین، کچھ، ذرا، کچھ نہیں، بالکل نہیں، کیوں کر، کس طرح، راکھ، خمیر، سرشت، دھرتی۔

(فیروز اللغات، ص۵۸۱ ☆ لغات کشوری، ص۲۴۹ ☆ کریم اللغات، ص۶۱)

مدفون: دفن کیا ہوا، گاڑا ہوا، پوشیدہ، مخفی۔ (فیروز اللغات، ص۱۲۲۱ ☆ لغات کشوری، ص۶۸۱)

بطحا: لغوی معنی فراخ اور کشادہ زمین، مراد مکہ معظمہ۔ (فیروز اللغات، ص۲۰۵)

پہلے مصرع میں شروع میں جولفظ ''خاک'' ہے اس کا مطلب ''مٹی'' ہے۔
پہلے مصرع میں بعد میں جولفظ ''خاک'' ہے اس کا مطلب ''بالکل نہیں'' ہے۔
دوسرے مصرع میں جولفظ ''خاک'' ہے اس کا مطلب ''زمین'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امامِ عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان سرزمین مدینہ منورہ اور خصوصاً وہ خطۂ زمین کہ جہاں پر گنبدِ خضریٰ کی چھاؤں میں حضور اکرم شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا مزار اقدس ہے اس کا تذکرہ فرمار ہے ہیں۔ اس شعر کے مصرع اول میں لفظ خاک کا دو مرتبہ استعمال اور مصرع ثانی میں لفظ خاک کا ایک مرتبہ استعمال یعنی کل تین مرتبہ لفظ ''خاک'' کا استعمال کیا گیا ہے۔ تینوں لفظ خاک حروف واعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں۔ لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے جدا ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کے اعتبار سے صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی ان لوگوں کو للکارتے ہیں جو مدینہ شریف کی عظمت کے قائل نہیں۔ ان منکرین عظمت مدینہ کو حضرت رضا بریلوی خواب غفلت سے بیدا کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے مدعیو! سرزمین مدینہ طیبہ کو تم بالکل نہیں سمجھ سکے۔ ارے یہاں کی زمین کی خاک (مٹی) میں تو وہ ذات گرامی آرام فرما ہے جو شہ بطحا یعنی کہ مکہ معظمہ کا بھی بادشاہ ہے۔

موجودہ پرفتن دور میں منافقین وہابی، نجدی، اپنے نفاق کا اظہار کرتے ہوئے لوگوں کے دلوں سے مدینہ طیبہ کی محبت کم کرنے کے لئے ایسا پروپگنڈہ کرتے ہیں کہ مدینہ شریف کی عظمت وہ نہیں جو آج تک سننے میں آتی تھی۔ (معاذ اللہ) فقیر زیارت حرمین شریفین کے لئے گیا ہوا تھا تب جدہ کے ہوائی اڈے پر اس قسم کے پرچے اور کتابچے تقسیم ہوتے تھے کہ ''مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَہٗ شَفَاعَتِی'' یعنی جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔ یہ حدیث ضعیف ہے اور قابل عمل نہیں۔ سعودی عربیہ کی نجدی وہابی حکومت گاہے بہ گاہے تنقیص رسالت کی ایسی سازشیں کرتی رہتی ہے۔ بلکہ ہندوستان اور پاکستان کے کچھ وہابی ایجنٹ بھی حجاج کرام کو بہکانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور مدینہ شریف جانے سے روکتے ہیں۔ ان کور چشم وکور باطن کو کیا معلوم کہ مدینہ طیبہ میں وہ ذات گرامی آرام فرما ہے کہ جن کے طفیل یہ کائنات وجود میں آئی ہے۔ بلکہ مکہ معظمہ اور خانۂ کعبہ کا وجود بھی انھیں کا مرہون منت ہے۔ مدینہ طیبہ جانے سے روکنے والے چاہے جتنی کوشش کریں لیکن نبی کے دیوانے کسی کے روکے نہیں رکتے۔ ایک عاشق کے لئے مدینہ طیبہ کائنات کی سب سے بہترین جگہ ہے۔ بلکہ عاشق صادق تو مدینہ طیبہ کو جنت پر بھی ترجیح دیتا ہے۔ بقول حضرت رضا:

طیبہ سے ہم آئے ہیں کہیے تو جناں والو! کیا دیکھ کے جیتا ہے جو واں سے یہاں آیا

مدینہ طیبہ کی عظمت کا صحیح احساس اسے ہی ہوسکتا ہے جس کا دل عشق رسول کا گنجینہ ہو۔ عام طور سے لوگوں میں یہ عنوان اکثر زیر بحث ہوتا ہے کہ مکہ معظمہ افضل ہے یا مدینہ طیبہ؟ اس میں ملت اسلامیہ کے ائمہ کرام کے مختلف اقوال ہیں جن کا

حاصل یہ ہے کہ:

- وہ مقام کہ جو اعضائے شریفہ سید کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو موضع شریف سے ملائے ہوئے ہے۔ وہ جگہ اجزائے زمین سے افضل، یہاں تک کہ خانۂ کعبہ تمام سموات حتی کہ عرش سے بھی افضل ہے۔

(جذب القلوب الی دیار المحبوب، از شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، ص

امیر المومنین سیدنا عمر فاروق اعظم، حضرت عبداللہ بن زبیر و نیز دیگر اصحاب کرام رضی اللہ عنہم مدینہ منورہ کو مکہ معظمہ پر فضیلت دیتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حضور اقدس سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ سے جتنی زیادہ محبت ہے اتنی کسی شہر سے نہیں۔ اسی میں آپ نے اقامت فرمائی اور یہیں سے آپ نے فتوحات عظیمہ حاصل کیں۔ مدینہ منورہ اسلام کی قوت، دین کی نشر و اشاعت، تمام اول و آخر خیر و برکات کا سرچشمہ اور جملہ کمالات ظاہر و باطن کا معدن اور سعادت عظمیٰ اور نعمت کبریٰ کا مبدا ہے۔

مدینہ منورہ کی فضیلت کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مزار شریف مدینہ میں ہے۔ اور متعدد احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ ہر نفس کی پیدائش اسی مٹی سے ہے جہاں وہ دفن ہوتا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ پیدائش پاک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی مدینہ منورہ کی ہی مقدس مٹی سے ہے۔

- طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا کہ

  ''اَلْمَدِیْنَةُ خَیْرٌ مِنْ مَکَّةَ''

  یعنی مدینہ افضل ہے مکہ سے۔ (جذب القلوب، ص۱۷)

- مدینہ منورہ کے افضل ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جس کو حاکم نے اپنی مستدرک میں روایت کیا ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کا ارادہ کیا۔ تو فرماتے ہیں کہ

  ''اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ اَخْرَجْتَنِیْ مِنْ اَحَبِّ الْبِقَاعِ اِلَیَّ فَاَسْکِنِّیْ فِیْ اَحَبِّ الْبِقَاعِ اِلَیْکَ''

یعنی اے اللہ اگر تو مجھ کو اس جگہ سے جو میرے نزدیک محبوب ترین مقامات میں سے ہے، باہر لاتا ہے تو میری سکونت ایسی جگہ میں کر جو تیرے نزدیک تمام مقامات میں محبوب ترین ہو۔

چنانچہ دعا کے مستجاب ہونے کے بعد یہ مقام یعنی مدینہ منورہ اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک محبوب ترین مقامات میں سے ہو گیا۔ اور اسی وجہ سے فتح مکہ کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ کی طرف عود نہیں فرمایا۔ اور مدینہ منورہ میں ہی قیام کرنے پر استقامت فرمائی۔

- جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر سے واپس تشریف لاتے تھے، اور جب مدینہ کے قریب پہنچتے تو اپنی سواری کو حرکت دے کر اور تیز کر دیتے تھے اور یہ اس لئے تھا کہ آپ وفور شوق سے بے چین ہو جاتے تھے کہ کسی طرح جلد از جلد مدینہ

میں داخل ہو جائیں آپ کا قلب مبارک یہاں پہنچ کر سکون پاتا تھا۔شانۂ مبارک سے چادر بھی نہ اتارتے اور فرماتے تھے کہ ''یہ ہوائیں طیبہ یعنی اچھی ہیں۔'' (جذب القلوب، ص۲۱)



(۵۲)

جلی جلی بو سے اس کی پیدا ہے سوزش عشق چشم والا
کباب آہو میں بھی نہ پایا مزہ جو دل کے کباب میں ہے

حل لغت:

جلی: جلا کی تانیث، جلا ہوا، تنگ آیا ہوا، غصہ کی حالت میں۔ (فیروز اللغات، ص۴۶۶)

جلی: روشن، واضح، ظاہر، موٹا لکھا ہوا، آشکارا، کاتبوں کی اصطلاح میں موٹا خط۔ (فیروز اللغات، ص۴۶۹ ☆ لغات کشوری ۱۹۸)

سوزش: جلن، کھولن، درد، تکلیف۔ (فیروز اللغات، ص۸۲۰ ☆ لغات کشوری، ص۴۰۰ ☆ کریم اللغات، ص۹۴)

عشق: محبت، فریفتگی، پریم، چاہ، شوق، خواہش، عادت، لت، سلام رخصت، کسی شئے کو نہایت دوست رکھنا، بہت محبت کرنا، ایک قسم کا جنون۔ (فیروز اللغات، ص۸۹۷ ☆ لغات کشوری، ص۴۹۲ ☆ کریم اللغات، ص۱۱۰)

چشم: آنکھ، دیدہ، نین، عین، آس، امید، کنایہ ہے کسی کے سوال کے قبول کرنے سے، چشم خم، امید، توقع، نام ایک دوا کا جس کو چاکسو کہتے ہیں۔ (فیروز اللغات، ص۵۲۹ ☆ لغات کشوری، ص۲۱۳ ☆ کریم اللغات، ص۵۲)

والا: بلند، عالی، اونچا، ذی عزت، بزرگ، بلند مرتبہ، ایک قسم کا باریک ریشمی کپڑا۔
(فیروز اللغات، ص۱۴۰۳ ☆ لغات کشوری، ص۷۹۹ ☆ کریم اللغات، ص۱۹۰)

کباب: سیخ پر چڑھا کر کوئلوں پر بھنا ہوا قیمہ یا گوشت کا ٹکڑا، گھی وغیرہ میں تلی ہوئی قیمے کی ٹکیاں، سوختہ، جلا ہوا، بھونا ہوا، بریان۔ (فیروز اللغات، ص۹۸۶ ☆ لغات کشوری، ص۵۸۰ ☆ کریم اللغات، ص۱۲۷)

آہو: ہرن، مرگ، عیب، نقص۔ (فیروز اللغات، ص۴۶ ☆ لغات کشوری، ص۲۷ ☆ کریم اللغات، ص۱۹)

مزہ: ذائقہ، سواد، چاٹ، لذت، لطف، فرحت، محبت، اخلاص، حظ رس، چسکا، خوشی، عیش، عشرت، جوبن، شباب، لت، عادت، حالت، کیفیت، سیر، تماشا، گت، درجہ، سزا، جزا، تعزیر۔
(فیروز اللغات، ص۱۲۳۹ ☆ لغات کشوری، ص۶۹۴ ☆ کریم اللغات، ص۱۵۲)

بو: باس، مہک، خوشبو، بدبو، خبر، راز، شان، اثر، شک کی جگہ۔ (فیروز اللغات، ص ۲۲۱)

پہلے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''جلی'' ہے اس کا مطلب ''واضح'' ہے

پہلے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''جلی'' ہے اس کا مطلب ''جلا ہوا'' ہے۔

دوسرے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''کباب'' ہے اس کا مطلب ''کباب'' ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''کباب'' ہے اس کا مطلب ''سوختہ'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان عشق رسول ﷺ کے جذبہ کو اجاگر کرتے ہوئے ایک عاشق صادق کی دلی کیفیت کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہجر نبی ﷺ میں جو دل جلی (واضح) طور پر جل جاتا ہے۔ یعنی جلی (جلا ہوا) ہوتا ہے اس دل کے جلنے سے ایک بو نکلتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کسی جلی ہوئی چیز سے بو نکلتی ہے تو وہ دھویں کی شکل میں ہوتی ہے۔ یعنی اس جلی ہوئی چیز سے دھواں اٹھتا ہے اور اس چیز کی خاصیت کے موافق اس میں بو ہوتی ہے۔ اور وہ بو سیدھی آنکھ پر اثر کرتی ہے اور بودار دھویں کی وجہ سے ''سوزش چشم'' یعنی آنکھ میں جلن پیدا ہوتی ہے۔ یہاں تک مصرع اول کا معنی ذہن نشیں کرتے ہوئے اب دوسرے مصرع کے ساتھ اس کا ربط و تعلق دیکھیں۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ جلی ہوئی چیز سے جو دھواں بو کے ہمراہ اٹھتا ہے وہ دھواں آنکھ میں جلن پیدا کرتا ہے۔ لیکن ایک عاشق کے سامنے دو مرحلے ہیں ایک تو یہ ہے کہ کباب آہو یعنی ہرن کے گوشت کے کباب سے دھواں اٹھتا ہے، اور ایک عاشق کا جب دل جلتا ہے۔ تب بھی دھواں اٹھتا ہے، دونوں دھوئیں آنکھ میں جلن پیدا کرتے ہیں لیکن دل کے جلنے سے اٹھنے والے دھویں میں جو لطف و مزہ ہے وہ مزہ ہرن کے کباب سے اٹھنے والے دھویں میں نہیں ہے۔

اس شعر میں لفظ ''جلی'' اور لفظ ''کباب'' کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ دونوں لفظ ''جلی'' اور دونوں لفظ ''کباب'' حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ پہلی مرتبہ جو لفظ ''جلی'' ہے وہ روشن اور واضح کے معنی میں ہے۔ اور دوسری مرتبہ جو لفظ ''جلی'' ہے وہ جلا کی تانیث ہے۔ جس کا مطلب ہے جلا ہوا یا سوختہ، اسی طرح پہلی مرتبہ جو لفظ ''کباب'' ہے اس کا مطلب ہے کباب یعنی گوشت یا قیمہ کا بھونا یا تلا ہوا ٹکڑا یا ٹکیہ، اور دوسری مرتبہ جو لفظ ''کباب'' ہے اس کا مطلب سوختہ یا جلا ہوا۔ اس اعتبار سے اس شعر میں فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کی دو تجنیسات ہیں۔ پہلی تجنیس جلی اور جلی کی، دوسری تجنیس کباب اور کباب کی۔

اس شعر میں مصرع اول کی ابتداء میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ''جلی جلی اس کی بو سے پیدا'' کا جملہ استعمال فرمایا ہے۔ جلی جلی یعنی واضح طور پر جلا ہوا۔ یعنی اس کا جلنا کسی پر پوشیدہ نہیں بلکہ عیاں ہے۔ جیسے کہ کباب کی ٹکیہ، کباب بنانے کی ترکیب یہ ہے کہ گوشت کے ٹکڑے کو آٹے وغیرہ کے ساتھ قیمہ ملا کر اس کی لمبی لمبی ٹکیاں بنا کر اس کو سیخ

پر چڑھاتے ہیں۔ پھر اس سیخ کو کوئلوں کی آگ پر رکھتے ہیں۔ کوئلوں کی آگ کی حرارت سے وہ گوشت کا ٹکڑا یا قیمہ آہستہ آہستہ بھنتا جلتا ہے۔ اس گوشت کے ٹکڑے میں جو پانی یا دیگر رقیق اجزا ہوتے ہیں۔ وہ آگ کی وجہ سے جلتے ہیں۔ اور اس کے نتیجے میں کباب سے دھواں اٹھتا ہے جب کباب بنایا جاتا ہے تب دھواں پانی و دیگر رقیق اشیاء و اجزاء اس وقت تک نکلتا ہے جب تک اس گوشت یا قیمے میں وہ اجزاء باقی ہوتے ہیں۔ جب کباب بنانے کی ابتداء ہوتی ہے تب وہ گوشت کا ٹکڑا یا قیمہ سرخ رنگ کا ہوتا ہے لیکن بالکل پک جانے کے بعد جب وہ کباب کی صورت اختیار کرتا ہے تب اس کا رنگ سیاہ ہو جاتا ہے۔ کباب کو دیکھ کر ہر شخص اس بات پر اعتماد کرتا ہے کہ یہ جلا ہوا گوشت کا ٹکڑا یا قیمہ ہے۔ گوشت کو کباب کی صورت اختیار کرنے کے لئے جلنا لازمی ہے۔ بلکہ جلنے کی وجہ سے ہی اس کو کباب کہا جاتا ہے۔ تو حضرت رضا بریلوی کے شعر کے ابتدائی الفاظ ''جلی جلی'' کے معنی اب ہماری فہم و عقل میں آ رہے ہیں۔ اسی لئے اگر کوئی باورچی کوئی چیز پکاتے وقت غفلت برتے اور وہ چیز جل کر سیاہ ہو جائے تو عوامی اصطلاح میں یہی کہا جاتا ہے کہ جلا کر کباب بنا دیا۔ یہاں تک تو کباب کے جلنے کی گفتگو ہوئی۔ اب ہم دل جلنے کی بات کرتے ہیں۔

انسان کے جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے جس کا نام دل ہے یہ جناب دل صاحب بہت ہی جذباتی ہوتے ہیں۔ دل پر اثرات بہت جلد نمایاں ہوتے ہیں۔ کسی سے عشق ہو گیا، تو دل ہر وقت اس کی یاد و فرقت میں تڑپتا ہے۔ اور تڑپ تڑپ کر اپنے محبوب کے تصور میں آہ و بکا کرتا ہے۔ یہ تڑپ آہستہ آہستہ بڑھتی جاتی ہے اور دل کو جلاتی رہتی ہے اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ عاشق کا دل بھی سوزش عشق میں جل کر کباب ہو جاتا ہے۔ اس کے عشق کے سوز و گداز کی داستان دور تک پھیلتی ہے اور عالم یہ ہوتا ہے کہ اس کے دل کے جلنے کا حال سب کو معلوم ہوتا ہے۔ ایسے شخص کو لوگ ''دل جلا'' کہتے ہیں، یا ایسے شخص کے لئے کہا جاتا ہے کہ عشق میں اس کا دل جل کر کباب ہو گیا ہے۔ دل جلا، اور دل جل کر کباب ہونا، یہ اردو زبان میں محاورہ کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ (فیروز اللغات، ص ۶۳۵)

المختصر! کباب بھی جلتا ہے، اور دل بھی جلتا ہے، دونوں کے جلنے سے دھواں اٹھتا ہے اور دھواں آنکھوں میں ''سوزش'' یعنی جلن پیدا کرتا ہے۔ اور جب آنکھ میں جلن پیدا ہوتی ہے تو آنکھ سے آنسو بہتے ہیں۔ جہاں کباب بنایا اور فروخت کیا جاتا ہے اس جگہ کباب خریدنے والا تھوڑی دیر کھڑا رہے گا۔ تو دھویں کے اثر سے اس کی آنکھوں میں جلن محسوس ہوگی۔ اور اس کی آنکھیں اشکبار ہو جائیں گی۔ مثلاً: پیاز کاٹتے وقت، یا سرخ مرچ پیستے وقت آنکھوں میں جلن بھی ہوتی ہے اور آنسو بھی ٹپکنے لگتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جب آنکھوں میں جلن ہوتی ہے تب ہی آنسو نکلتے ہیں اور جب جلن نہیں ہوتی تو آنسو نہیں ٹپکتے۔ مثال کے طور پر آنکھ میں تیز سرمہ لگایا اور سرمہ جلن پیدا کرنے کی خاصیت رکھتا ہے تو سرمہ لگاتے ہی آنکھ میں ایک عجیب قسم کی جلن پیدا ہوگی اور فوراً آنکھیں رواں ہو جاتی ہیں۔ لیکن اگر سرمہ ٹھنڈا ہے اور اس کے لگانے سے آنکھ میں کسی قسم کی جلن نہیں ہوتی تو آنکھ سے آنسو بھی نہیں نکلتے۔ لیکن جب آنکھ سے آنسو نکلنا بند ہو جاتا ہے اور آنسوؤں کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے تو تھوڑی دیر کے بعد آنکھوں میں قدرتی طور پر ایک ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے۔ اور وہ ٹھنڈک اتنی دل کش ہوتی ہے کہ تھوڑی دیر

پہلے محسوس کی ہوئی جلن اور اس کی اذیت فراموش ہو جاتی ہے اور اب ٹھنڈک سے ایک عجیب کیف و سرور حاصل ہوتا ہے۔
اب حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے شعر کے مصرع ثانی پہ آیئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ:

کباب آہو میں بھی نہ پایا مزہ جو دل کے کباب میں ہے

یعنی کباب کے جلنے اور دل کے جلنے، دونوں کیفیتوں میں دھواں اٹھتا ہے اور آنکھ سے آنسو نکلتے ہیں۔ لیکن جو دل کے جلنے سے آنسو نکلتے ہیں اس میں وہ مزہ ہوتا ہے کہ ایسا مزہ ہرن کے کباب میں بھی نہیں۔ یہاں پر کباب آہو کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ ہرن کے گوشت کے کباب لذت میں بہت مشہور ہیں۔ ہر حلال گوشت کا ذائقہ اور خاصیت الگ الگ ہے لیکن ہرن کے کباب میں جو لذت و ذائقہ ہے وہ دیگر جانوروں کے گوشت سے بنائے ہوئے کباب میں نہیں۔ الغرض ہرن کے گوشت کا کباب سب سے عمدہ ہوتا ہے لیکن اس عمدہ کباب میں بھی وہ مزہ نہیں جو ایک عاشق کے جلے ہوئے دل میں ہے۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے شعر میں جو لفظ ''مزہ'' ہے وہ معنویت کے اعتبار سے شعر کی جان ہے۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا آنسو نکلنے کے بعد آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے۔ اور ایک بات یہ بھی ہے کہ آنکھ سے آنسو اگر زیادہ نکلتے ہیں تو ٹھنڈک بھی زیادہ محسوس ہوتی ہے اور آنسوؤں کی قلت کے سبب ٹھنڈک بھی کم ہوتی ہے۔ اب شعر کے اصل مقصد کی طرف آئیں۔ گوشت اور قیمہ کو سیخ پر چڑھا کر آگ میں جلا کر کباب بنانے کا پیشہ کرنے والے کو ''کبابی'' کہا جاتا ہے۔ کبابی کا روز ایک ہی کام ہوتا ہے گوشت کو سیخ پر چڑھا کر آگ پر رکھ کر جلانا اور روز گوشت جلے گا اور روز گوشت سے دھواں نکلے گا۔ روز کبابی کی آنکھ میں دھواں جائے گا۔ شروع شروع میں تو وہ دھواں کبابی کے لئے تکلیف دہ تھا۔ لیکن روزانہ دھواں برداشت کرتے کرتے اس کی آنکھیں دھویں سے مانوس ہو جائیں گی۔ جیسا کہ کوئی شخص پہلی مرتبہ پیاز کاٹے گا تو اس کی آنکھیں ساون بھادوں کی طرح برسنا شروع ہو جائیں گی۔ لیکن جو شخص باورچی کا پیشہ کرتا ہے۔ اور روزانہ پیاز کاٹتا ہے اسے کچھ بھی احساس نہیں ہوگا۔ لیکن اس کے برعکس عشق کا معاملہ نرالہ ہے۔ کباب آہو سے اٹھنے والے دھویں سے کبابی کے مانوس ہو جانے کی وجہ سے اس کی آنکھوں میں دھواں جلن پیدا نہیں کرتا۔ لہٰذا اس کی آنکھ سے آنسو نہیں بہتے لیکن جو اپنے دل کو حضور اقدس ﷺ کے عشق کی آگ میں جلا کر کباب بناتا ہے اور اس کی وجہ سے جو دھواں اٹھتا ہے وہ دھواں فراق عشق کا دھواں ہوتا ہے اس دھویں سے آنکھوں کی جلن ہجر یار میں مزید بڑھتی ہے اور یاد محبوب میں آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات جاری رہتی ہے۔ یہی فرق ہے کباب آہو اور کباب دل میں۔ عشق نبی اور فراق نبی ﷺ میں چشمان گوہر بار کو جو لطف و لذت حاصل ہوتی ہے۔ وہ کباب آہو کے دھویں میں نم ہونے والی آنکھ کو کبھی بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر تا دم تحریر لاکھوں کروڑوں بلکہ بے شمار عشق نبی ﷺ میں اپنے دل کو جلانے والے آئے اور تا قیام قیامت آتے رہیں گے۔ ان حضرات کے عشق کی داستانیں کتب سیر و تاریخ میں طلائی حروف سے مرقوم ہیں۔ عشق نبی ﷺ میں دل کو جلا کر کباب بنانے والے ہر دور میں ہوئے اور ہوں گے۔

● حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کو اپنے آقا و مولیٰ ﷺ سے بے پناہ محبت اور غایت درجہ کا عشق تھا۔ حضور کی جدائی بالکل برداشت

نہ کر سکتے تھے۔ ایک مرتبہ اسی کیفیت کی وجہ سے صبر نہ ہو سکا۔ حضور ﷺ کی خدمت میں اسی حال میں حاضر ہوئے ان کا رنگ و روپ اڑا ہوا تھا۔ حالت شکستہ اور پراگندہ تھی۔ چہرے پر رنج و غم کے آثار نمایاں تھے۔ اس پر ان سے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے؟ تمہارا رنگ ہی فق ہے۔ عرض کیا: یا رسول اللہ! نہ تو مجھے بیماری ہے اور نہ ہی کوئی درد، بجز اس کے کہ میں جب جمال جہاں آرا کو نہیں دیکھتا تو متوحش اور پریشان ہو جاتا ہوں۔ اور مجھ پر شدید وحشت طاری ہو جاتی ہے۔ جب تک میں آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر جمال جہاں آرا سے فیض یاب نہیں ہو جاتا سکون نہیں پاتا۔ اس سے پہلے میں آخرت کے بارے میں سوچ رہا تھا اور ڈر رہا تھا کہ میں وہاں آپ کی کہاں زیارت کر سکوں گا؟ اس لئے کہ آپ تو انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مقام اعلیٰ میں ہوں گے۔ اور اگر میں جنت میں داخل بھی کیا گیا تو میرا مقام آپ کے درجہ رفیعہ کے مقابلہ میں کہیں زیادہ نیچا ہوگا اور اگر جنت میں داخل نہ کیا گیا تو حضور کو کبھی بھی نہ دیکھ سکوں گا۔ اس پر قرآن مجید کی آیت کریمہ نازل ہوئی کہ

"مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۔" (پارہ ۵، سورۂ نساء، آیت ۶۹)

ترجمہ: جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور نیک لوگ یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔ (کنز الایمان)

(مدارج النبوۃ، از شیخ عبد الحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۵۲۱)

- مروی ہے کہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک عورت آئی، اور التجا کی کہ میرے لئے قبر انور ﷺ کا دروازہ کھول دیجئے۔ حضرت عائشہ نے قبر شریف کا دروازہ کھول دیا۔ وہ عورت قبر انور کو دیکھ کر اتنا روئی کہ جان دے دی۔

(مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۵۲۵)

- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک عورت ہجرت کر کے بارگاہ رسالت میں آئی، اور اس نے عرض کیا کہ خدا کی قسم میں نہ تو اپنے شوہر کی عداوت اور اس کی نفرت سے ہجرت کر کے نکلی ہوں اور نہ ایک زمین سے دوسری زمین کی طرف آئی ہوں۔ بجز اس کے کہ میں خدا اور رسول سے محبت کرتی ہوں۔ (مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۵۲۱)
- حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک رسول اللہ ﷺ سے زیادہ محبوب کوئی چیز نہیں۔ اور نہ میری آنکھ میں آپ سے زیادہ کوئی بزرگ و عظیم تر تھا۔ اور میرا حال یہ تھا کہ میری طاقت اتنی نہ تھی کہ آپ کو آنکھ بھر کر دیکھ سکوں۔ اور نہ آپ کے دیدار سے آنکھیں سیر ہوتی تھیں۔ (یہی تمنا رہتی تھی کہ چہرۂ اقدس کو دیکھا ہی کروں) اگر کوئی مجھ سے کہے کہ میں حضور اقدس ﷺ کا وصف بیان کروں تو مجھ میں اتنی طاقت و قدرت نہیں۔ اس لئے کہ میں آپ کے سامنے اپنی آنکھیں پورا نہیں اٹھا سکتا تھا۔ (مدارج النبوۃ، اردو، جلد ۱، ص ۵۳۹)
- حضور اقدس ﷺ کے موذن حضرت زید بن عبد اللہ اپنے باغ میں کام کر رہے تھے ان کے لڑکے نے آ کر حضور ﷺ

کی رحلت کی خبر دی تو وہ زار و قطار رونے لگے اور روتے روتے دعا کرنے لگے کہ اے خدا! میری آنکھوں کی روشنی لے لے تاکہ میں اپنے محبوب کے بعد کسی کو نہ دیکھوں۔ چنانچہ ان کی بصارت جاتی رہی۔

(مدارج النبوۃ، اردو، جلد ۱، ص ۵۲۵)

- اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ جب امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے زمانہ میں ملک شام تشریف لے گئے تو حضرت بلال بن رباح حبشی رضی اللہ عنہ وہاں تشریف فرما تھے۔ حضرت بلال نے اذان کہی تو حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور آپ کے تمام ساتھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد میں رونے لگے اور اتنا روئے کہ اس دن سے زیادہ کسی کو اتنا شدید روتا ہوا نہ دیکھا گیا۔ (مدارج النبوۃ، اردو، جلد ۲، ص ۱۰۰۵)
- حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وصال کے دنوں میں انصار اکٹھے ہو کر رو رہے تھے حضرت ابوبکر اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کا ان پر گزر ہوا۔ انہوں نے انصار سے رونے کی وجہ دریافت کی تو کہا کہ
"ذَکَرْنَا مَجْلِسَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ مِنَّا"
یعنی ہمیں حضور کے ساتھ گزارے ہوئے دن یاد آرہے ہیں۔ یعنی ان پرکیف لمحات کو یاد کر رہے ہیں جب اللہ کے حبیب ہمارے درمیان جلوہ افروز ہوتے تھے۔ لیکن اب وصال کے بعد ہمارا کیا ہوگا؟
- حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اپنی کیفیت بیان کرتے ہوئے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:
"مَا مِنْ لَیْلَۃٍ اِلَّا وَ اَنَا اَرٰی فِیْھَا حَبِیْبِیْ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ ثُمَّ یَبْکِیْ"
یعنی کوئی رات ایسی نہیں ہے کہ جس میں مجھے پیارے آقا کی زیارت نہ ہوئی ہو۔ یہ کہنے کے بعد آپ زار و قطار رونے لگتے۔ (سیدنا محمد رسول اللہ، عربی، ص ۴۱۲)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اقدس کو ایک آن کے لئے ہی قبض کرنے کی خدمت انجام دینے والے ملک الموت حضرت عزرائیل علیہ السلام بھی حضور کے ظاہری دیدار سے محروم ہونے کے غم میں روئے تھے۔ چنانچہ منقول ہے کہ:

- ابو نعیم نے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کیا کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اقدس قبض کی گئی تو ملک الموت آسمان پر چڑھے۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی، جس نے اپنے محبوب رسول کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ میں نے آسمان سے ایسی آواز سنی کہ پکارنے والا پکارتا تھا:
"وَا مُحَمَّدَاہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ"

(خصائص کبریٰ، از امام اجل علامہ جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص ۵۸۲)

ایسے تو کئی واقعات کتب احادیث و سیر و تاریخ میں مذکور ہیں جن کے مطالعہ سے حضرت رضا بریلوی کے شعر "کباب آہو میں بھی نہ پایا مزہ جو دل کے کباب میں ہے" کی وضاحت اور تشریح ہوتی ہے۔



(۵۳)

تیری قضا خلیفۂ احکام ذی الجلال
تیری رضا حلیف قضا و قدر کی ہے

حل لغت:

قضا: حکم، حکم خدا، مشیئت ایزدی، فرمان الٰہی، تقدیر، قسمت، موت، وفات، اجل، وہ عبادت جو وقت مقررہ کے بعد ادا کی جائے، حکم کرنا، تمام کرنا، بیان کرنا، ادا کرنا، حکم خدا جو مخلوقات کے حق میں دفعۃً واقع ہو جائے۔

(فیروز اللغات، ص ۹۵۸ ☆ لغات کشوری، ص ۵۶۰ ☆ کریم اللغات، ص ۱۲۳)

خلیفہ: نائب، جانشین، نبی کا جانشین، قائم مقام، نبی کا قائم مقام، بعد میں آنے والا، مانیٹر، استاذ کا بیٹا، ولی عہد، کسی جگہ پر اور اس کی وفات کے بعد مقرر کرنے والے، نائی، درزی، باورچی۔

(فیروز اللغات، ص ۵۹۵ ☆ لغات کشوری، ص ۲۶۷ ☆ کریم اللغات، ص ۶۶)

رضا: خوشنودی، خوشی، مرضی، اجازت، مہلت، راضی ہونا، خوش ہونا۔ (فیروز اللغات، ص ۷۱۲)

حلیف: مددگار، رفیق، ساتھی، وہ دو فریق جنہوں نے ایک دوسرے کی امداد کا معاہدہ کیا ہو۔

(فیروز اللغات، ص ۵۷۵ ☆ لغات کشوری، ص ۲۴۱)

قضا و قدر: تقدیر الٰہی، خدا کی رضا، وہ حکم جو کائنات کی نسبت روز اول لگا دیے گئے۔

(فیروز اللغات، ص ۹۵۶ ☆ لغات کشوری، ص ۵۶۱)

پہلے مصرع میں جو لفظ ''قضا'' ہے اس کا مطلب ''حکم'' ہے۔
دوسرے مصرع میں جو لفظ ''قضا'' ہے اس کا مطلب ''تقدیر'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کے خداداد تصرفات و اختیارات کا ذکر فرماتے ہوئے بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ کے مختار کل حبیب! آپ اللہ تبارک و تعالیٰ جو صاحب جلال ہے اس کے خلیفۂ احکام ہیں۔ آپ کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے وہ اختیارات عطا فرمائے ہیں کہ اللہ ذوالجلال کے احکام میں آپ کی خوشی اور مرضی اللہ کی مرضی کے قائم مقام ہے۔ یعنی آپ اللہ کے احکام میں اپنی طرف سے جو بھی حکم

نافذ فرمادیں وہ حکم اللہ تعالیٰ برقرار رکھتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ کی اس میں رضا اور خوشنودی ہوتی ہے۔اس شعر میں لفظ ''قضا'' کا دومرتبہ استعمال کیا گیا ہے پہلی مرتبہ جو لفظ ''قضا'' ہے اس کا مطلب مشیئت الٰہی، حکم خدا اور فرمان الٰہی وغیرہ ہے اور دوسری مرتبہ جو لفظ ''قضا'' ہے وہ خدا کی رضا، تقدیر الٰہی کے معنی میں ہے۔دونوں لفظ ''قضا'' حروف و اعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں مگر معنی و مطلب کے اعتبار سے متفرق ہیں۔لہٰذا یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ''تیری قضا'' کا جو جملہ استعمال فرمایا ہے وہ وسیع المعنی اور جامع المطالب ہے۔قرآن واحادیث کی روشنی میں اس کی مفصل تشریح کی جاسکتی ہے اور اس تشریح سے مومن کے ایمان کو تقویت حاصل ہوگی۔اللہ تبارک وتعالیٰ قادر مطلق ہے۔وہ کسی کا محتاج اور مرہون منت نہیں۔وہ بے نیاز وغنی ہے اور خالق و رب ہے۔اللہ تعالیٰ اپنے مقدس نبیوں کے ذریعہ اپنے بندوں کی ہدایت فرماتا ہے اور اپنے نبیوں پر احکام نازل فرماتا ہے۔ان احکامات کو انبیائے کرام ''من وعن'' اپنی امت تک پہنچاتے ہیں۔اور اپنے امتیوں کو ان احکامات پر عمل کرنے کی ترغیب وتاکید فرماتے ہیں۔انبیائے کرام اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنے امتیوں کی رشد وہدایت کا فریضہ بڑی ذمہ داری سے ادا فرماتے ہیں۔لیکن اس کائنات میں ایک ذات گرامی ایسی ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم کا منصب عطا فرمایا ہے۔تمام انبیائے کرام اور تمام کائنات اللہ کی رضا چاہتے ہیں لیکن وہ خالق کائنات اپنے محبوب کی رضا چاہتا ہے۔

- حدیث قدسی میں ہے کہ رب العزت روز قیامت اولین وآخرین کے مجمع میں اپنے محبوب سے فرمائے گا:

''كُلُّهُمْ يَطْلُبُوْنَ رِضَائِيْ وَ اَنَا اَطْلُبُ رِضَاكَ يَا مُحَمَّدُ''

یعنی یہ سب میری رضا چاہتے ہیں اور میں تیری رضا چاہتا ہوں اے محمد! (ﷺ)

یہ حدیث امام احمد اور ابن عساکر نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

- بخاری، مسلم اور سنن نسائی وغیرہم میں یہ حدیث صحیح جلیل ہے۔کہ ام المومنین حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں عرض کرتی ہیں کہ

''مَا اَرٰى رَبَّكَ اِلَّا يُسَارِعُ فِيْ هَوَاكَ''

ترجمہ: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میں آپ کے رب کو نہیں دیکھتی ہوں۔مگر حضور کی خواہش میں جلدی اور شتابی کرتا ہے۔یعنی کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب اعظم ﷺ کی خواہش پوری فرمانے میں جلدی کرتا ہے، خالق کل نے اپنے محبوب کو مالک کل بنا کر اپنے محبوب کو احکام دین میں بھی اپنی خواہش ومنشا کے مطابق تبدیلی فرمانے کا اختیار عطا فرمایا ہے۔اور اللہ کے محبوب اپنی مرضی وخواہش سے احکام میں جو بھی تبدیلی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اسے قبول اور پسند فرماتا ہے۔

- امام احمد علامہ قسطلانی اپنی کتاب ''مواہب لدنیہ'' شریف میں فرماتے ہیں کہ

''مِنْ خَصَائِصِهٖ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ يَخُصُّ مَنْ شَاءَ بِمَا شَاءَ مِنَ الْاَحْكَامِ''

یعنی نبی ﷺ کے خصائص کریمہ سے ہے کہ حضور شریعت کے احکام عامہ سے جسے چاہتے جس حکم سے چاہتے مستثنیٰ فرمادیتے۔ (الامن والعلی لناعتی المصطفیٰ بدافع البلاء، ص ۱۴۸)

- صاحب تفسیر جلالین، امام اجل علامہ جلال الدین سیوطی، خصائص کبریٰ شریف میں زیر باب اختصاصہ ﷺ فرماتے ہیں کہ

''بِاَنْ یَخُصَّ مَنْ شَاءَ بِمَا شَاءَ مِنَ الْاَحْکَامِ''

یعنی نبی ﷺ کو یہ منصب حاصل ہے کہ جسے چاہیں جس حکم سے چاہیں خاص فرمادیں۔ (ایضاً)

- علامہ زرقانی شرح مواہب میں ''مِنَ الْاَحْکَامِ'' کے بعد ''وَغَیْرِھَا'' کا اضافہ فرماتے ہیں یعنی کچھ احکام ہی کی خصوصیت نہیں بلکہ حضور ﷺ جس چیز سے چاہیں جسے چاہیں خاص فرمادیں۔ (ایضاً)

مذکورہ اقوال ائمہ دین کی تائید اور توثیق میں چند واقعات کتب احادیث میں ہیں:

- بخاری شریف اور مسلم شریف میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے ماموں ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے نماز عید سے پہلے قربانی کر لی تھی۔ جب معلوم ہوا کہ یہ کافی نہیں تو بارگاہ رسالت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ! وہ تو میں کر چکا۔ اب میرے پاس چھ مہینہ کا بکری کا بچہ ہے مگر سال بھر والے سے اچھا ہے۔ حضور نے فرمایا کہ

''اِجْعَلْہُ مَکَانَہٗ وَ لَنْ تَجْزِ عَنْ اَحَدٍ بَعْدَکَ''

یعنی اس کی جگہ یہ کردو اور ہرگز اتنی عمر کی بکری تمہارے بعد دوسرے کو قربانی میں کافی نہ ہوگی۔

- ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں اس حدیث کے تحت لکھا ہے کہ

''خُصُوْصِیَّۃٌ لَہٗ لَا تَکُوْنُ لِغَیْرِہٖ اِذَا کَانَ لَہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ اَنْ یَّخُصَّ مَنْ شَاءَ مِنَ الْاَحْکَامِ''

حضور ﷺ نے ایک خصوصیت ابو بردہ رضی اللہ عنہ کو بخشی جس میں دوسرے کا حصہ نہیں۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کو اختیار تھا کہ جسے چاہیں، جس حکم سے چاہیں خاص فرمادیں۔

- ابن السکن میں ابو النعمان ازدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا۔ حضور اقدس ﷺ نے اس شخص سے فرمایا کہ مہر ادا کردو۔ اس شخص نے عرض کی کہ میرے پاس کچھ نہیں حضور نے اس سے فرمایا کہ

''اَمَا تُحْسِنُ سُوْرَۃً مِنَ الْقُرْآنِ فَاَصْدِقْھَا السُّوْرَۃَ وَلَا یَکُوْنُ لِاَحَدٍ بَعْدَکَ مَھْرًا''

یعنی کیا تجھ کو قرآن عظیم کی کوئی سورۃ نہیں آتی، وہ سورت سکھانا ہی تیرے لئے اس کا مہر ادا کرنا ہے۔ اور تیرے بعد یہ مہر کسی کے لئے کافی نہیں۔

یہ حدیث حضرت سعید بن منصور رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے۔

- حضرت حارث بن اسامہ بن حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک اعرابی

سے گھوڑا خریدا۔ گھوڑا بیچ کر بعد میں وہ اعرابی مکر گیا کہ میں نے سودا ہی نہیں کیا۔ گھوڑا بیچنے کا معاملہ اس اعرابی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اکیلے میں کیا تھا۔ اس وقت دوسرا کوئی موجود نہیں تھا۔ اس لئے وہ اعرابی کہتا تھا کہ اگر میں نے آپ کو گھوڑا فروخت کیا ہے تو گواہ پیش کرو۔ جب یہ معاملہ مشہور ہوا تو تمام مسلمان اس اعرابی کو جھڑکتے کہ خرابی ہو تیرے لئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سچ کے سوا کچھ نہیں فرماتے لیکن گواہی کوئی نہیں دیتا تھا۔ کیوں کہ کسی کے سامنے یہ واقعہ نہ ہوا تھا۔ اتنے میں حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے گفتگو سن کر بولے کہ

''اَنَا اَشْهَدُ اَنَّكَ بَايَعْتَهٗ''

یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ تو نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ بیچا ہے۔

اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم موجود تو تھے ہی نہیں۔ پھر تم نے گواہی کیسے دی؟ عرض کی کہ یارسول اللہ! میں حضور کی تصدیق سے گواہی دے رہا ہوں۔ حضور کے لائے ہوئے دین پر ایمان لایا اور یقین سے جانا کہ حضور حق ہی فرمائیں گے۔ میں آسمان وزمین کی خبروں پر حضور کی تصدیق کرتا ہوں۔ کیا اس اعرابی کے مقابلے میں تصدیق نہ کروں۔ اس جذبۂ محبت کے انعام میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کے لئے حضرت خزیمہ کی گواہی دو مردوں کی شہادت کے برابر فرمادی اور ارشاد فرمایا کہ

''مَنْ شَهِدَ لَهٗ خُزَيْمَةُ اَوْ شَهِدَ عَلَيْهِ فَحَسْبُهٗ''

یعنی خزیمہ جس کسی کے نفع خواہ نقصان کی گواہی دیں ایک انہیں کی شہادت بس ہے۔

قارئین توجہ فرمائیں کہ کسی معاملہ میں ایک آدمی کی گواہی کافی نہیں ہوتی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ

''وَ اَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ'' (پارہ ۲۸، سورۃ الطلاق، آیت نمبر ۲)

ترجمہ: اور اپنے دو ثقہ کو گواہ کرلو!

لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کو اپنے اختیارات سے قرآن کے اس حکم سے مستثنیٰ فرمادیا۔

- صحاح ستہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے، مسلم شریف میں ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مسند بزار و معجم اوسط طبرانی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے اور دار قطنی میں حضرت مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے روایت ہے کہ ایک شخص نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ یارسول اللہ! میں ہلاک ہو گیا۔ حضور نے فرمایا: کیا ہے؟ عرض کی: میں رمضان میں (حالت روزہ میں) اپنی عورت سے نزدیک ہوا۔ فرمایا غلام آزاد کرسکتا ہے۔ عرض کی: نہیں۔ فرمایا: لگاتار دو مہینے روزہ رکھ سکتا ہے؟ عرض کی نہیں۔ اتنے میں کچھ خرمے خدمت اقدس میں کسی نے بطور ہدیہ بھیجے۔ حضور نے وہ خرمہ اس شخص کو عطا کر کے فرمایا کہ انہیں خیرات کردے۔ یہ تیرا کفارہ ہے، اس شخص نے عرض کی: مجھ سے زیادہ محتاج مدینہ بھر میں کوئی نہیں۔ اس کی یہ بات سن کر

''فَضَحِكَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ وَ قَالَ اِذْهَبْ فَاَطْعِمْهُ

اَھْلَکَ''

ترجمہ: رحمت عالم ﷺ ہنسے، یہاں تک کہ دندان مبارک ظاہر ہوئے اور فرمایا۔ جا، اپنے گھر والوں کو کھلادے۔

قارئین کرام بنظر انصاف دیکھیں اور غور فرمائیں کہ گناہ کا ایسا کفارہ کبھی سنا ہے؟ خدا کی قسم! یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ رحمت و اختیار ہے کہ سزا کو انعام سے بدل دیا۔ حالاں کہ رمضان شریف میں روزے کی حالت میں اپنی بیوی سے مجامعت کرنے کا کفارہ پے در پے ساٹھ روزے رکھنا، یا غلام آزاد کرنا یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو وہ اختیارات عطا فرمائے ہیں کہ احکام الٰہی سے جس کو چاہیں معافی عطا فرمادیں۔

- حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی روایت کردہ مذکورہ حدیث میں تو یہاں تک الفاظ گرامی ہیں کہ

''کُلْ اَنْتَ وَ عَیَالُکَ فَقَدْ کَفَّرَ اللّٰہُ عَنْکَ''

تو اور تیرے عیال یہ خرمے کھالیں کہ اللہ تعالیٰ نے تیری طرف سے کفارہ ادا فرمادیا ہے۔

- ہدایہ میں ہے فرمایا:

''کُلْہُ اَنْتَ وَ عَیَالُکَ تَجْزِئُکَ وَ لَا تَجْزِیْ اَحَدًا بَعْدَکَ''

یعنی تو اور تیرے بال بچے کھالیں، تجھے کفارے سے کفایت کرے گا اور تیرے بعد اور کسی کو کافی نہ ہوگا۔

- سنن ابی داؤد میں امام ابن شہاب الدین زہری تابعی رضی اللہ عنہ سے ہے کہ

''اِنَّمَا کَانَ ھٰذِہٖ رُخْصَۃٌ لَہٗ خَاصَّۃً وَ لَوْ اَنَّ رَجُلًا فَعَلَ ذٰلِکَ الْیَوْمَ لَمْ یَکُنْ لَہٗ بُدٌّ مِنَ الْکَفَّارَۃِ''

یعنی یہ خاص اسی شخص کے لئے رخصت تھی۔ آج اگر کوئی ایسا کرے تو کفارہ ادا کئے بغیر چارہ نہیں۔

- صحاح ستہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

''اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ رَخَّصَ لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَ الزُّبَیْرِ فِیْ لُبْسِ الْحَرِیْرِ لِحِکَّۃٍ کَانَتْ بِھِمَا''

ترجمہ: حضرت عبد الرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہما کے بدن میں خشک خارش تھی۔ حضور اقدس ﷺ نے انہیں ریشمی کپڑے پہننے کی اجازت دے دی۔

- ترمذی، ابی یعلی اور بیہقی میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے فرمایا کہ

''یَا عَلِیُّ لَا یَحِلُّ لِاَحَدٍ اَنْ یَّجْنُبَ فِیْ ھٰذَا الْمَسْجِدِ غَیْرِیْ وَ غَیْرُکَ''

اے علی! میرے اور تمہارے سوا کسی کو جائز نہیں کہ اس مسجد میں بحالت جنابت داخل ہو۔

- صحیحین میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

''نَھَانَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ عَنْ خَاتَمِ الذَّھَبِ''

یعنی رسول اللہ ﷺ نے سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا۔

لیکن حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ خود سونے کی انگوٹھی پہنتے تھے۔ ابن ابی شیبہ نے بسند صحیح ابوالسفر سے روایت کی کہ میں نے براء رضی اللہ عنہ کو سونے کی انگوٹھی پہنتے دیکھا۔

بغوی نے شعبہ سے روایت کی اور انہوں نے ابواسحاق سے اور امام احمد نے مسند میں ابوعبدالرحمٰن سے، انہوں نے ابو رجاء سے، اور محمد بن مالک سے روایت کیا کہ میں نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کو سونے کی انگوٹھی پہنتے دیکھا۔ لوگ ان سے کہتے تھے کہ آپ سونے کی انگوٹھی کیوں پہنتے ہیں؟ حالاں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے ممانعت فرمائی ہے۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر تھے حضور کے سامنے اموال غنیمت غلام ومتاع حاضر تھے۔ حضور تقسیم فرمارہے تھے سب بانٹ چکے تو آخر میں یہ انگوٹھی باقی رہی۔

”فَرَفَعَ طَرْفَهُ فَنَظَرَ اِلٰى اَصْحَابِهِ ثُمَّ خَفَّضَ ثُمَّ رَفَعَ طَرْفَهُ اِلَيْهِمْ ثُمَّ قَالَ اَىْ بَرَاءَ فَجِئْتُهُ حَتّٰى قَعَدْتُ بَيْنَ يَدَيْهِ۔“

ترجمہ: حضور نے نظر مبارک اٹھا کر اپنے اصحاب کو دیکھا۔ پھر نگاہ نیچی کرلی۔ پھر نظر اٹھا کر دیکھا اور مجھے بلایا کہ اے براء میں حاضر ہو کر حضور کے سامنے بیٹھ گیا۔

”فَاَخَذَ الْخَاتَمَ فَقَبَضَ عَلٰى كُرْسُوْعِىْ ثُمَّ قَالَ خُذْ اِلْبَسْ مَا كَسَاكَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ“

یعنی حضور اقدس ﷺ نے انگوٹھی لے کر میری کلائی تھامی پھر فرمایا پہن لے جو کچھ تجھے اللہ ورسول پہناتے ہیں۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے کہ تم لوگ کیوں کر مجھے کہتے ہو کہ میں وہ چیز اتار دوں جسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پہن لے جو کچھ اللہ ورسول نے پہنایا؟ (جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

- کتاب الفتوح میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو ان سے ارشاد فرمایا کہ میں نے تمہارے لئے رعایا کے ہدایا طیب کر دیئے اگر کوئی چیز ہدیہ تمہیں پیش کی جائے تو قبول کرلو۔
- عبید بن صخر کہتے ہیں کہ جب حضرت معاذ واپس آئے تو تیس غلام لائے کہ انہیں ہدیہ دیے گئے تھے حالاں کہ عاملوں کو رعایا سے ہدیہ لینا حرام ہے۔
- مسند ابویعلی میں ہے کہ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ

”هَدَايَا الْعُمَّالِ غُلُوْلٌ“

ترجمہ: عاملوں کے ہدیے خیانت ہیں۔

- امیر المومنین سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ حضرت سعید خدری اور ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بخاری، مسلم اور ابوداؤد میں روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔

شیخین نے کریب سے انہوں نے ابن عباس اور عبدالرحمٰن بن انہر اور مسور بن مخرمہ سے روایت کیا کہ حضرت عائشہ

صدیقہ رضی اللہ عنہا عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتی تھیں۔ امام جلیل خاتم الحفاظ علامہ سیوطی انموذج اللبیب میں اور علامہ زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں کہ یہ ام المومنین کی خصوصیت تھی کہ حضور اقدس ﷺ نے ان کے لئے جائز کر دیا تھا۔

- مسند امام احمد میں بسند ثقات رجال صحیح مسلم میں محمد بن جعفر نے حضرت قتادہ سے اور انہوں نے نصر بن عاصم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک شخص نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اس شرط پر اسلام قبول کیا کہ

"اِنَّهٗ لَا يُصَلِّي اِلَّا صَلَاتَيْنِ فَقَبِلَ ذٰلِكَ مِنْهُ"

ترجمہ: کہ وہ صرف دو ہی نماز پڑھا کرے گا۔ حضور ﷺ نے قبول فرمالیا۔

ناظرین مذکورہ واقعات احادیث کو بنظر غور دیکھیں کہ جو احکام قرآن و حدیث سے عام تھے اور جن پر عمل کرنا ہر مسلمان کے لئے لازمی اور ضروری تھا، ان احکام صریح سے حضور اقدس ﷺ نے جسے چاہا مستثنیٰ فرمادیا۔ اور جس کو جس طرح چاہیں مستثنیٰ فرمادینا حضور ﷺ کے اختیارات میں ہے اور اسی کو حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے "تیری رضا حلیف قضا و قدر کی ہے" میں بیان فرمایا ہے۔ اس مصرع میں لفظ حلیف قابل توجہ ہے۔ حلیف کے لغوی معنی یہ ہوتے ہیں کہ "وہ فریق جنہوں نے ایک دوسرے کی امداد کا معاہدہ کیا ہو" لہٰذا شعر کے معنی یہ ہوئے کہ حضور اقدس ﷺ جس سے اور جن سے راضی ہو جائیں اور ان کو جو کچھ عطا فرمادیں یا کسی احکام کی پابندی سے معافی عطا فرمادیں، وہ اللہ تعالیٰ بھی قبول و منظور فرماتا ہے۔ جس کام میں محبوب رب العالمین ﷺ کی رضا اور خوشنودی ہوتی ہے اللہ تبارک وتعالیٰ اسے رد نہیں فرماتا۔

بقول حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان:

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب — یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

●

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم — خدا چاہتا ہے رضائے محمد (ﷺ)



(۵۴)

نظر اک چمن سے دوچار ہے نہ چمن چمن بھی نثار ہے
عجب اس کے گل کی بہار ہے کہ بہار بلبل زار ہے

حل لغت:

نظر: بغور دیکھنا، نگاہ، آنکھ، بصارت، غور، تامل، نگرانی، دیکھ بھال، تمیز، جانچ پرکھ، توجہ، مہربانی، معاینہ، تخمینہ، امید، توقع، بھوت پریت کا اثر، آسیب، شناخت، اندازہ، فکر۔
(فیروز اللغات، ص۱۳۶۳ ☆ لغات کشوری، ص۷۷۹ ☆ کریم اللغات، ص۱۸۴)

چمن: گلزار، پھلواری، باغ کے قطعات، باغ کی روش، باغ میں وہ خاص مقام جہاں طرح طرح کے پھولوں کے درخت ہوں، باغ کی کیاری، وہ جگہ جہاں سبزہ پھول وغیرہ بوئیں، محفل۔ (فیروز اللغات، ص۵۳۶ ☆ لغات کشوری، ص۲۱۸)

دوچار ہونا: سامنا ہونا، آنکھیں ملنا، ملاقات ہونا۔ (فیروز اللغات، ص۶۴۹)

نثار: صدقے، قربان، فریفتہ، واری، بکھیرنا، نچھاور کرنا، تصدق کرنا، وہ چیز جو کسی کے سر پر سے اتار کر نچھاور کریں۔
(فیروز اللغات، ص۱۳۵۲ ☆ لغات کشوری، ص۷۶۹ ☆ کریم اللغات، ص۱۸۰)

بہار: پھول کھلنے کا موسم، بسنت رت، موسم ربیع، نارنج کا پھول، گیندے کا پھول، لطف، مزہ، جوبن، خوشی، شباب، سرسبزی، شادمانی، رونق، تفریح، فرحت، تروتازگی، سیر، تماشا، آنند، سرور، نشہ کا چڑھاؤ، ایک نفیس کپڑے کی قسم، نام ایک بت خانہ کا۔ (فیروز اللغات، ص۲۲۵ ☆ لغات کشوری، ص۱۰۸ ☆ کریم اللغات، ص۲۶)

زار: نالہ وفریاد، لاغر، ضعیف، ذلیل، خوار، رسوا، غمگین، جگہ، مکان، جگہ اگنے کی، غم، اندوہ، کثرت، افراط، بہتات، مقام جیسے سبزہ زار، ڈھیر جیسے کارزار۔ (فیروز اللغات، ص۷۳۷ ☆ لغات کشوری، ص۳۴۱ ☆ کریم اللغات، ص۸۲)

پہلے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''چمن'' ہے اس کا مطلب ''محفل دربار نبی'' ہے۔
پہلے مصرع میں درمیان میں جو لفظ ''چمن'' ہے اس کا مطلب ''گلزار، چمن'' ہے۔
پہلے مصرع میں آخر میں جو لفظ ''چمن'' ہے اس کا مطلب ''کائنات'' ہے۔
دوسرے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''بہار'' ہے اس کا مطلب ''رونق، موسم ربیع'' ہے۔
دوسرے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''بہار'' ہے اس کا مطلب ''خوشی'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے راحت القلوب، سرور العیون، فرح جان حزین، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف فرماتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "نظر اک چمن سے دوچار ہے" اس جملہ کے دو معنی لیے جاسکتے ہیں۔ پہلا یہ کہ "نظر ہے وہ ایک چمن سے دو چار ہے" اور دوسرا یہ کہ تھوڑی دیر کے لئے (اک نظر کے لئے) چمن کا سامنا ہوا ہے۔ اس جملہ میں دوچار ہونا ایک محاورہ ہے جس کے معنی ہیں تھوڑی دیر دیکھنا۔ (فیروز اللغات، ص ۱۰۶)

اس جملہ میں حضرت رضا بریلوی نے حروف اعداد کو حسین انداز میں ترتیب دیا ہے اک دو اس میں ایک خوبی یہ ہے کہ اک کا گنا دو اور دو کا گنا چار علاوہ ازیں ۱+۲+۴ کا میزان سات ہوتا ہے اسی لفظ "اک" میں دو حرف لفظ دو میں دو حرف اور لفظ چار میں تین حرف ہیں۔ ان حروف کا میزان بھی سات ہوتا ہے اور اس شعر کا جو ماحصل ہے وہ "بلبل زار ہے" اس کے حروف کا میزان Total بھی سات ہوتا ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں "نظر چمن یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ انور یا حضور کی محفل یا دربار سے دو چار ہے۔ یہ وہ چمن (محفل) ہے کہ چمن (گلزار) ہی نہیں بلکہ پورا چمن (کائنات) اس پہ نثار ہے۔ یہ وہ چمن ہے کہ اس کے گل کی عجیب بہار ہے۔ بلکہ یہ وہ بہار ہے کہ وہ بہار (موسم ربیع یا رونق) کی وجہ سے بلبل زار یعنی غمگین عاشق پہ بہار (خوشی) آجاتی ہے۔ یہاں پر شاید کسی ناظر کے دل میں یہ سوال اٹھ سکتا ہے کہ چمن کا مطلب کائنات کس طرح ہوا؟ جواب میں عرض ہے کہ اس شعر کے حل لغت کے کالم میں ملاحظہ فرمائیں کہ چمن کا ایک معنی باغ ہے۔

اب لفظ باغ کا لغوی معنی دیکھیں: باغ، گلزار، پھلواری، چمن، آل اولاد، دنیا۔ (فیروز اللغات، ص ۱۶۹)

اب ہم لفظ دنیا کے لغوی معنی دیکھیں: کرۂ ارض، عالم، کائنات، جہان، موجودہ زندگی، لوگ وغیرہ۔

(فیروز اللغات، ص ۶۴۷)

لہٰذا اس ترتیب سے لفظ چمن کا معنی کائنات یا عالم ہوتا ہے۔ اب ایک سوال یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لفظ "چمن" کے معنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل کس طرح ہوا؟ تو حل لغت کے کالم میں ملاحظہ فرمائیں کہ چمن کے جو لغوی معنی درج ہیں اس میں سب سے آخر میں "محفل" کا معنی وارد ہے۔ بلکہ خود حضرت رضا بریلوی کا ایک شعر بھی اس کی نشان دہی کرتا ہے وہ شعر یہ ہے:

کیا بات رضاؔ اس چمنستان کرم کی — زہراء ہے کلی جس میں حسین اور حسن پھول

اور ایک نعت میں حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ:

مولیٰ گلبن رحمت زہرا سبطین اس کی کلیاں پھول — صدیق و فاروق وعثماں، حیدر ہر اک اس کی شاخ

حضرت رضا بریلوی نے مذکورہ دونوں اشعار میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے "چمنستان کرم" اور "گلبن رحمت" القاب کا استعمال فرمایا ہے۔ لہٰذا اس شعر میں ابتداء میں جو لفظ چمن ہے اس سے مراد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی لی جاسکتی ہے

اور معنی یہ ہوں گے۔ ''رحمت اور کرم کے چمن سے نظر دوچار ہے اور بے شک حضور اقدس ﷺ پوری کائنات کے لئے چمن رحمت وکرم ہیں کہ جو بھی اس چمن میں داخل ہوگیا وہ امان پانے کے ساتھ ساتھ فرحت وشادمانی بھی حاصل کرتا ہے۔ کیوں کہ یہ وہ چمن کرم ہے کہ اس چمن کرم کا ہر پھول ''بلبل زار'' کے لئے بہار خوشی ہے۔

اس شعر میں لفظ ''چمن'' کا تین مرتبہ اور لفظ ''بہار'' کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ ''چمن'' ہے اس سے مراد حضور کی ذات گرامی یا حضور کا دربار ہے۔ دوسری مرتبہ جو لفظ ''چمن'' ہے اس سے مراد گلزار ہے اور تیسری مرتبہ جو لفظ چمن ہے اس کا معنی کائنات یا عالم ہے۔ اسی طرح پہلی مرتبہ جو لفظ بہار ہے اس سے مراد موسم ربیع یا رونق ہے اور دوسری مرتبہ جو لفظ بہار ہے اس کا معنی خوشی اور شادمانی ہے۔ تینوں لفظ ''چمن'' اور دونوں لفظ بہار حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے اور اس ایک شعر میں ایک ساتھ ذو تجنیسات ہیں۔ پہلی لفظ ''چمن'' کی وجہ سے، حالاں کہ اس تجنیس میں لفظ ''چمن'' تین مرتبہ مکرر آیا ہے۔ دوسری تجنیس لفظ ''بہار'' کی وجہ سے ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی صفت راحت القلوب اور تسکین دل حزین کا وصف بیان فرمایا ہے۔ آپ کی ذات گرامی بے چین دلوں کا قرار تھی۔ دیگر اشعار میں بہت سے واقعات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مرقوم و مذکور ہیں وہ حضور اقدس ﷺ کو اپنے قلب و روح کا قرار وسکون گردانتے تھے۔ ان واقعات کا یہاں اعادہ نہیں کیا جاتا۔ ذیل میں صرف ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے جس سے ثابت ہوگا کہ حضور اقدس ﷺ صرف انسانوں کے لئے ہی راحت القلوب یعنی دل کا چین نہیں بلکہ پورے عالم کے لئے ہیں۔ حتیٰ کہ جانور بھی اپنے رنج وغم کے وقت حضور ہی سے استغاثہ اور فریاد کرتے تھے۔

حضرت قاضی ابوالفضل عیاض بن عمرو اندلسی نے اپنی کتاب الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ اور حضرت ابونعیم احمد بن عبد اللہ اصفہانی نے اپنی کتاب ''دلائل النبوت'' میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ حضور اقدس ﷺ صحرا میں گشت فرما رہے تھے۔ اچانک آپ نے تین مرتبہ ''یارسول اللہ'' کی آواز سماعت فرمائی۔ حضور اس آواز کی طرف متوجہ ہوئے تو دیکھا کہ ایک ہرنی بندھی ہوئی پڑی ہے۔ اور ایک بدوی چادر اوڑھے لیٹا ہوا ہے۔ آپ نے ہرنی سے دریافت فرمایا کہ بتا کیا حاجت ہے؟ ہرنی نے کہا کہ مجھے اس بدوی نے قید کر رکھا ہے۔ میرے دو بچے اس پہاڑ کی کھوہ میں ہیں اگر آپ مجھے آزاد کریں تو میں اپنے بچوں کو دودھ پلا کر واپس آجاؤں گی۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ کیا تو ایسا کر کے لوٹ آئے گی؟ ہرنی نے کہا کہ اگر میں لوٹ نہ آؤں تو خدا مجھے وہ عذاب دے جو محصول لینے والوں پر عذاب کرتا ہے۔ اس پر حضور نے اس ہرنی کو رہا فرمادیا اور وہ چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوٹ آئی اور حضور نے اسے باندھ دیا۔ جب بدوی بیدار ہوا اور اس نے حضور ﷺ کو جلوہ افروز دیکھا تو کہنے لگا کہ یارسول اللہ! کوئی خواہش ہے؟ آپ نے فرمایا خواہش یہ ہے کہ تو اس ہرنی کو رہا کردے۔ آپ کے فرمانے پر بدوی نے ہرنی کو چھوڑ دیا۔ وہ ہرنی خوش خوش جنگل میں دوڑتی اور چوکڑیاں بھرتی چلی گئی اور

وہ ہرنی یہ کہتی جاتی تھی: ''اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ''

(مدارج النبوۃ، از شیخ عبدالحق محدث دہلوی، قدس سرہٗ، اردو، جلد ا، ص ۳۴۶)

ابن سعد نے حسن سے روایت کی۔ انہوں نے کہا ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آپ کی مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اچانک ایک اونٹ بھاگتا ہوا آیا اور اس نے اپنا سر حضور کی آغوش میں رکھ دیا اور بلبلانے لگا۔ حضور نے فرمایا کہ یہ اونٹ میرے پاس فریاد لے کر آیا ہے کہ اس کا مالک اس کو ذبح کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ بعدہ حضور نے اونٹ کے مالک کو بلایا اور سفارش فرمائی تو وہ اونٹ کو ذبح کرنے سے باز رہا۔ (خصائص کبریٰ، از امام جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص ۱۴۱)

اسی طرح حضور نے کئی جانوروں، پرندوں کی فریاد سنی اور حاجت روائی فرمائی ہے۔ ان تمام واقعات کا ذکر حضرت رضا بریلوی اس طرح فرماتے ہیں کہ:

ہاں یہیں کرتی ہیں چڑیاں فریاد ہاں یہیں چاہتی ہے ہرنی داد　　اسی در پر شتران ناشاد، گلۂ رنج و عنا کرتے ہیں



(۵۵)

کس سے کہیے کیا کیا کیا ہوگیا
خود ہی اپنے پر ملامت کیجئے

حل لغت:

کیا: کرنا، عمل میں لانا۔ (فیروز اللغات، ص ۱۰۰۴)

کیا: کیا ہوا فعل، عمل، برے اعمال۔ (فیروز اللغات، ص ۱۰۷۱)

کیا کیا: کون کون سا، سب کچھ، کس قدر، کیسے کیسے۔ (فیروز اللغات، ص ۱۰۷۰)

کیا ہوگیا: حیرت، تعجب، افسوس، کچھ ڈر نہیں، دفعۃً، کسی معاملے کے دگرگوں ہوجانے کے موقع پر بولتے ہیں۔ (فیروز اللغات، ص ۱۰۷۰)

ملامت: برا بھلا کہنا، جھڑکی، ڈانٹ، ڈپٹ، سرزنش، لعن طعن، فضیحت، دھتکارنا، ڈانٹنا۔
(فیروز اللغات، ص ۱۲۸۲ ☆ لغات کشوری، ص ۴۳۵ ☆ کریم اللغات، ص ۱۶۵)

پہلے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''کیا'' ہے اس کا مطلب ''عمل'' ہے۔

پہلے مصرع میں درمیان میں جو لفظ ''کیا'' ہے اس کا مطلب ''کرنا'' ہے۔
پہلے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''کیا'' ہے اس کا مطلب ''افسوس'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان بڑی حسرت کے ساتھ اظہار افسوس کر رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ کام کون سا کیا اور افسوس کیا ہو گیا؟ اب جو نتیجہ فعل در پیش ہے اس کی تمام ذمہ داری خود اپنی ہی ہے اور اپنے کیے ہوئے کام پر خود اپنے آپ کو ہی ملامت کرنی چاہیئے یعنی کسی دوسرے کو اس کا قصور وار نہیں ٹھہرانا چاہیے۔ بلکہ اپنے قصور کا اعتراف کر کے خود اپنے آپ کو ہی سرزنش اور ڈانٹ ڈپٹ کرنی چاہیئے۔ اس شعر میں حضرت رضا بریلوی ایک عاشق صادق کے ہجر محبوب کی دل سوزی اور فراق محبوب کی نا قابل برداشت تڑپ کا اظہار کرتے ہیں اور وصل محبوب سے محرومی کا خود اپنے آپ کو قصور وار قرار دیتے ہیں۔ جس کا اندازہ اس شعر کے ماقبل اشعار کو دیکھنے سے ہو جائے گا۔ یہ شعر اس نعت شریف کا ہے جو ۳۳/ اشعار پر مشتمل اور سوز وغم میں ڈوبی ہوئی ہے اور نعت کے ہر شعر سے بلکہ ہر لفظ سے عشق رسول ٹپکتا ہے۔ نعت کا مطلع یہ ہے کہ:

حرز جاں ذکر شفاعت کیجئے ۔۔۔ نار سے بچنے کی صورت کیجئے

اس نعت میں چند اشعار کے بعد حضرت رضا فراق در محبوب کی دل سوز آہیں بھرتے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سوختہ دل سے دھواں نکلتا ہے۔ دل فگار عاشق اپنی بے تابی اور دل کی کسک کا اظہار پر سوز اور مؤثر انداز میں کر رہا ہے۔ لیکن اپنی اس بیتابانہ حالت کے لئے کسی کو بھی قصور وار ٹھہرا کر دوش نہیں دیتے۔ بلکہ خود اعتراف کرتے ہیں کہ اقرباء کا انس، حب وطن اور بے ہمتی کی وجہ سے دیار اقدس کی حاضری کے لئے نہ آسکا۔ جیسے کہ خود فرماتے ہیں:

ہر برس وہ قافلوں کی دھوم دھام ۔۔۔ آہ سنئے اور غفلت کیجئے

●

پھر پلٹ کر منھ نہ اس جانب کیا ۔۔۔ سچ ہے اور دعوائے الفت کیجئے

●

اقرباء حب وطن بے ہمتی ۔۔۔ آہ کس کس کی شکایت کیجئے

●

اب تو آقا منھ دکھانے کا نہیں ۔۔۔ کس طرح رفع ندامت کیجئے

●

اپنے ہاتھوں خود لٹا بیٹھے ہیں گھر ۔۔۔ کس پر دعوائے بضاعت کیجئے

●

کس سے کہیے کیا کیا کیا ہوگیا　　　　خود ہی اپنے پر ملامت کیجئے

ان اشعار میں حضرت رضا بریلوی اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی بارگاہ عالی میں معذرت و معافی کی درخواست عرض کرتے ہیں کہ سرکار! آپ کے دربار میں حاضری دینے کے لئے میرے یہاں سے قافلے بڑی دھوم دھام سے روانہ ہوتے ہیں اور میں ان کی روانگی کی کیفیت بھی سنتا رہتا ہوں۔ لیکن میں نے حاضری سے ہر سال غفلت ہی برتی۔ البتہ میری خوش قسمتی بلکہ اپنی قسمت کی معراج کہوں کہ اس غلام کو آپ کے دربار کی حاضری کا دومرتبہ شرف حاصل ہوا ہے۔ لیکن ان دومرتبہ کی حاضری سے پلٹنے کے بعد پھر مدینہ کا رخ نہیں کیا۔ یہ میری کوتاہی ہے۔ آداب محبت کے خلاف ہے۔ اور میں اپنی کوتاہی کا اعتراف کرتا ہوں کہ میں آپ کی محبت کا دعویٰ کروں اور آپ کی الفت کا دم بھروں لیکن آپ کی بارگاہ میں حاضری کو نہ آؤں۔ میں شرمندہ ہوں۔ کیا کروں؟ اقرباء یعنی رشتہ داروں، وطن کی محبت نے ایسا الجھا دیا کہ سفر مدینہ کی ہمت نہ کرسکا۔ اور بے ہمتی کا شکار ہوگیا۔ اب میں اپنی کوتاہی کی کس کس سے شکایت کروں؟ قصور میرا ہی ہے اور اپنے اس قصور کی وجہ سے اے آقا! میں منھ دکھانے کے قابل نہیں۔ ندامت اور شرمندگی کے بوجھ سے نڈھال ہوگیا ہوں۔ آقا! میرے مولیٰ! میری کوتاہی درگزر فرمایئے اور میری ندامت دور فرمایئے۔ میں نے ایسا کام کیا کہ اپنے ہی ہاتھوں خود اپنا گھر لٹا بیٹھا اور لٹنے کے بعد اپنی پونجی کے نقصان کا میں کسی اور پر الزام نہیں رکھ سکتا۔ کس سے کہوں؟ میں نے کیا کر ڈالا اور افسوس کہ کیا ہوگیا۔ میں خود ہی قصور وار ہوں تو لازم ہے کہ اپنے قصور پر میں خود اپنے آپ کو جھڑکوں۔ اے میرے آقا و مولیٰ! میں اتنا شرمندہ ہوں کہ اب کچھ عرض کرنے کی بھی جرأت و ہمت نہیں ہوتی۔

عرض کا بھی اب تو منھ پڑتا نہیں　　　　کیا علاج درد فرقت کیجئے

●

اپنی اک میٹھی نظر کے شہد سے　　　　چارۂ زہر مصیبت کیجئے

منھ نہ پڑنا: یعنی کہنے کی جرأت نہ کرنا۔ حوصلہ نہ ہونا۔ (فیروز اللغات، ص ۱۳۰۷)

اپنے قصور کی وجہ سے اب حوصلہ نہیں کہ کچھ عرض کرنے کی ہمت کروں اور کس طرح فرقت یعنی جدائی کے درد کا علاج کروں؟ اے میرے کریم آقا! اے اپنے غلاموں کی خطائیں معاف فرمانے والے رؤوف و رحیم آقا! میری خطا کا تدارک تو اب مجھ سے نہیں ہوتا، لہٰذا اے سرکار! آپ اپنی میٹھی نظر کے شہد سے میری مصیبت کے زہر کا علاج فرما دیجئے۔ اور مجھ بے ہمت اور پست حوصلہ کو ایسا بلند حوصلہ بنا دیجئے کہ:

دے خدا ہمت کہ یہ جان حزیں　　　　آپ پر واریں وہ صورت کیجئے

یعنی خدا مجھ کو ایسی ہمت دے کہ میں اپنی جان حزیں یعنی غمگین جان کو آپ پر قربان کردوں۔ آپ پر جاں نثار کرنے میں ذرہ برابر بھی کوتاہی نہ کروں۔ آپ پر قربان ہونا آپ کی رحمت کے احسان کے سامنے کچھ بھی نہیں۔ کیوں کہ ہم ہمیشہ

جرم کرتے رہتے ہیں اور آپ ہم پر رحمت فرماتے رہتے ہیں۔

آپ ہم سے بڑھ کر ہم پر مہربان
ہم کریں جرم آپ رحمت کیجئے



(۵۶)

بندہ قادر کا ہے قادر بھی ہے عبد القادر
سر باطن بھی ہے ظاہر بھی عبد القادر

حل لغت:

بندہ: غلام، نوکر، ملازم، نیازمند، خاکسار، انسان، بشر، آدمی، عابد، زاہد، تابعدار، داس، سر جھکا دینے والا، حکم ماننے والا۔
(فیروز اللغات، ص ۱۰۶ ☆ لغات کشوری، ص ۲۱۸ ☆ کریم اللغات، ص ۲۵)

قادر: قدرت رکھنے والا، طاقت رکھنے والا، قابو رکھنے والا، غالب مختار خدا کا صفاتی نام۔
(فیروز اللغات، ص ۹۴۴ ☆ لغات کشوری، ص ۵۴۶ ☆ کریم اللغات، ص ۱۲۱)

سر: بھید، راز، جو چیز کہ پوشیدہ ہو، عمدہ نسب، اصل نیک، زمین نیک۔
(فیروز اللغات، ص ۷۹۳ ☆ لغات کشوری، ص ۳۷۴ ☆ کریم اللغات، ص ۸۹)

ظاہر: آشکار، عیاں، روشن، واضح، کھلا ہوا، باطن کی نقیض۔
(فیروز اللغات، ص ۸۸۴ ☆ لغات کشوری، ص ۴۷۶ ☆ کریم اللغات، ص ۱۰۷)

باطن: پوشیدہ چیز، اندرونی حصہ، اندرون، دل، ضمیر، پیٹ، شکم، بھیتر، اندرونی، بھیتر کا دل، ظاہر کی ضد۔
(فیروز اللغات، ص ۱۶۹ ☆ لغات کشوری، ص ۸۱ ☆ کریم اللغات، ص ۲۱)

عبد: بندہ، غلام، ملازم، نوکر۔ (فیروز اللغات، ص ۸۹۰ ☆ لغات کشوری، ص ۴۸۱ ☆ کریم اللغات، ص ۱۸۰)

پہلے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''قادر'' ہے اس سے مراد ''خدائے تعالیٰ کی ذات'' ہے۔
پہلے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''قادر'' ہے اس کا مطلب ''طاقت رکھنے والا'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان حضور سیدنا غوث اعظم دستگیر رضی اللہ عنہ کی مدح وثنا ایک نرالے انداز میں کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضور سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی، اللہ تبارک وتعالیٰ جو قادر مطلق ہے اس قادر خدا کے بندے ہیں اور ان کا نام عبد القادر ہے، یعنی قادر کے بندے۔ لیکن جس قادر کے عبد القادر ہیں اس قادر نے اپنے عبد القادر کو بھی قادر یعنی طاقت، اختیار، قابو، غلبہ اور قدرت رکھنے والا بنایا ہے۔ قادر مطلق کی عطا تے عبد القادر کو بھی قادر بنادیا ہے اور وہ عبد القادر اپنے رب قادر کے فضل وکرم سے قدرت الٰہیہ کا پوشیدہ اور عیاں راز ہیں۔ اس شعر میں لفظ ''قادر'' کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ ''قادر'' ہے اس سے مراد اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہے۔ کیوں کہ ''قادر'' اللہ تبارک وتعالیٰ کا صفاتی نام ہے۔ دوسری مرتبہ جو لفظ ''قادر'' ہے اس کو مخلوق کی طرف مجازاً اضافت کرتے ہوئے قادر مجازی مراد لے کر ''قدرت اور طاقت رکھنے والا'' کے معنی اور مطلب میں استعمال کیا گیا ہے۔ دونوں لفظ قادر حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے مختلف۔ یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا حامل ہے۔

اس شعر میں حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کو قادر کا بندہ قادر اور عبد القادر کہا گیا ہے۔ تینوں اپنی جگہ درست اور صحیح ہیں کیوں کہ آپ قادر یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کے بندے ہیں۔ اور آپ اللہ کے ایسے برگزیدہ اور مقبول بندے ہیں کہ قادر مطلق نے اپنی عطا اور اپنے فضل وکرم سے بے شمار اختیارات اور تصرفات عنایت فرما کر آپ کو بھی قادر یعنی قدرت، طاقت، قابو، اختیار، اور غلبہ رکھنے والا بنا دیا اور آپ کے ان اوصاف کو دنیا کے سامنے ظاہر بھی فرمایا۔ لیکن آپ کے کچھ اختیارات اور آپ کی کچھ کرامات ''سر باطن'' یعنی راز ہی رہیں۔ دنیا نے تو آپ کے ظاہری وصف وکرامات کو ہی دیکھا ہے۔ لیکن آپ ظاہر اور پوشیدہ دونوں امور میں تصرفات اور اختیارات کے حامل تھے اور باوجود ان تصرفات واختیارات کے آپ عبد القادر ہی تھے۔ یعنی قادر کے بندے اور عبد القادر آپ کا اسم شریف ہے اور آپ کا اسم شریف اسم بامسمّٰی کی حیثیت سے آپ قدرت والے کے قدرت والے بندے ہیں۔ آپ کے ظاہری تصرفات تو خلق خدا نے عام طور پر مشاہدہ کئے ہیں، چند مستند واقعات ناظرین کے پیش خدمت ہیں:

- ایک مرتبہ آپ نے شیخ خلیل صرصری رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ اے خلیل! تم جب تک قطب نہ ہوگے تم کو موت نہیں آئے گی، اور اس کے بعد بھی آپ نے کئی دیگر لوگوں سے فرمایا کہ جب تک خلیل قطب نہ ہولیں گے ان کو موت نہیں آئے گی۔ شیخ ابو عمر وعثمان یوسف سلیمان اور شیخ ابو الحسن علی ابن سلیمان نے فرمایا کہ شیخ خلیل صرصری اپنی موت سے سات دن پہلے قطب ہوگئے۔ شیخ ابو الغیث عبد الرحمٰن بن جمیل یمنی فرماتے ہیں کہ شیخ خلیل صرصری بغداد میں اپنی موت سے سات دن پہلے قطب ہوگئے۔ (بہجۃ الاسرار، اردو، ص ۸۰)

- حضرت ابو عارف عبداللہ محمد بن ابی الفتح ہروی سیاح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے میرا نام طویل (لمبا) رکھا تھا۔ میں نے ایک دن عرض کیا کہ حضرت میں تو پست قد ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تیری عمر طویل ہے۔ پس شیخ محمد ایک سو سینتیس سال تک زندہ رہے اور اپنی سیاحت میں عجائبات دیکھے، دور دراز کا سفر کیا، کوہ قاف تک بھی پہنچے۔ (بہجۃ الاسرار شریف، اردو، ص ۱۶۴)
- شیخ ابو عبداللہ بن ابی المعالی قائد ادنی فرماتے ہیں کہ ایک دن ہوا سخت چل رہی تھی، ایک چیل آپ کی مجلس کے اوپر سے گزری اور چلائی جس سے حاضرین کی طبیعت پریشان ہوگئی۔ آپ نے نظر اٹھائی اور فرمایا کہ اے ہوا اس کے سر کو لے۔ اسی وقت وہ چیل زمین پر گری اور اس کا سر ایک طرف گرا۔ پھر آپ نے اس کو اٹھا کر اپنا ہاتھ پھیرا اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھا۔ وہ چیل اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ ہوگئی اور اڑ گئی۔ (بہجۃ الاسرار شریف، اردو، ص ۱۹۳)
- شیخ ابوالحسن علی بن احمد بن مذہب ازجی ایک مرتبہ بیمار ہوئے، حضور سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ ان کے گھر میں ایک کبوتری اور ایک قمری تھی۔ شیخ ابوالحسن نے آپ سے عرض کیا کہ یاسیدی! یہ کبوتری چھ ماہ سے انڈے نہیں دیتی اور یہ قمری نو ماہ سے بولتی نہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کبوتری کے پاس جا کر فرمایا کہ اپنے مالک کو نفع پہنچایا کر، اور پھر آپ نے قمری کے پاس جا کر فرمایا اپنے خالق کی تسبیح پڑھا کر۔ شیخ ابوالحسن کہتے ہیں کہ قمری اسی وقت بولنے لگی یہاں تک کہ بغداد کے لوگ اس کی آواز سن کر جمع ہونے لگے۔ تا کہ اس کی بولی سنیں اور کبوتری انڈے دینے لگی اور اپنے مرنے کے وقت تک دیتی رہی۔

(بہجۃ الاسرار شریف، اردو، ص ۲۳۱)

- شیخ صالح ابوالمظفر اسماعیل بن علی بن سنان حمیری زریرانی یہ فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ علی بن الہیتمی رضی اللہ عنہ جب بیمار ہوتے تو بسا اوقات میری زمین کی طرف جو زریران میں تھی۔ وہاں تشریف لاتے اور وہاں کئی روز گزارتے۔ ایک دفعہ آپ بیمار ہوئے اور میرے یہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ تب ان کے پاس میرے آقا سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ بغداد شریف سے عیادت کے طور پر تشریف لائے۔ دونوں بزرگ میری زمین پر جمع ہوئے۔ اس وقت میری زمین میں کھجور کے دو درخت تھے جو کئی سال سے خشک تھے اور ان میں پھل نہیں آتا تھا۔ ہم نے ارادہ کیا کہ ان کو کاٹ دیں لیکن حضور غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ جب تشریف لائے آپ نے ان میں سے ایک کے نیچے بیٹھ کر وضو کیا۔ اور دوسرے کے نیچے دو رکعت نفل پڑھی۔ اسی وقت وہ دونوں کھجور کے درخت سبز ہو گئے اور ان کے پتے نکل آئے۔ اسی ہفتہ میں ان کا پھل آ گیا۔ حالاں کہ ابھی کھجوروں کے پھل کا موسم نہیں آیا تھا۔ میں نے ان میں سے کچھ کھجوریں لیں اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیں۔ آپ نے ان میں سے تناول فرمائیں اور مجھ سے فرمایا کہ اللہ تیری زمین تیرے درہم، تیرے صاع (اناج ناپنے کا پیمانہ) اور تیرے دودھ میں برکت دے۔ وہ کہتے ہیں کہ میری زمین میں اس سال سے توقع اور معتاد سے دوگنا سہ گنا پیدا ہونا شروع ہوا۔ میرا یہ

حال ہوا کہ جب میں ایک درہم خرچ کرتا ہوں تو اس سے میرے پاس دوگنا سہ گنا آتا ہے۔ اور جب میں گندم کی سو بوری کسی مکان میں رکھتا ہوں۔ پھر اس میں سے پچاس خرچ کر ڈالتا ہوں۔ اور باقی کو دیکھتا ہوں تو سو سو کی پوری موجود ہوتی ہے۔ میرے مویشی اس قدر بچے دیتے ہیں کہ ان کا میں شمار بھول جاتا ہوں۔ یہ سب کچھ آپ کی برکت سے اب تک ہے۔ (رضی اللہ عنہ) (بہجۃ الاسرار، اردو ص ۱۲۳)

- شیخ ابوعبداللہ محمد بن شیخ ابوالعباس خضر بن عبداللہ موصلی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ خلیفہ مستنجد باللہ ابوالمظفر یوسف حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ کو سلام کیا اور پھر نصیحت کا خواستگار ہوا۔ اور آپ کے سامنے دس تھیلیاں اشرفیوں کی رکھ دیں جن کو دس غلاموں نے اٹھا رکھا تھا۔ آپ نے خلیفہ سے فرمایا کہ مجھے ان کی حاجت نہیں۔ اور قبول کرنے سے انکار فرمایا۔ خلیفہ نے بڑی عاجزی کی۔ تب ایک تھیلی کو آپ نے داہنے ہاتھ میں پکڑی اور دوسری بائیں ہاتھ میں، اور دونوں کو ہاتھوں میں نچوڑا تو وہ خون بن کر بہنے لگیں۔ آپ نے خلیفہ سے فرمایا اے ابوالمظفر! کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے کہ لوگوں کا خون لیتے ہو اور پھر اسے میرے پاس لاتے ہو۔ خلیفہ یہ سن کر بے ہوش ہو گیا۔ تب آپ نے فرمایا کہ معبود کی قسم! اگر اس کے رشتۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لحاظ نہ ہوتا تو البتہ میں اتنا خون نچوڑتا کہ اس کے محل تک بہتا۔ (بہجۃ الاسرار، اردو، ص ۱۷۸)

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے حضور سیدنا سرکار غوث اعظم رضی اللہ عنہ کو ''سر باطن'' یعنی پوشیدہ راز کے لقب سے ملقب کیا ہے، اس کی وضاحت اور تائید میں ایک واقعہ ناظرین کی خدمت میں پیش ہے:

- حضرت شیخ ابوالحسن بن طنطنہ بغدادی روایت کرتے ہیں کہ میں سیدی محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں رہ کر علم حاصل کرتا تھا اور رات کو اکثر میں آپ کی ضرورت کے خیال سے بیدار رہتا تھا۔ آپ ماہ صفر ۵۵۲ھ میں ایک رات اپنے گھر کے دروازے سے نکلے۔ میں نے آپ کو لوٹا دینا چاہا مگر آپ نے نہ لیا اور مدرسہ کے دروازہ کا ارادہ کیا۔ وہ آپ کے لئے خود بخود کھل گیا۔ آپ باہر نکلے میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے باہر نکلا۔ یہاں تک کہ آپ بغداد شریف کی فصیل تک پہنچ گئے۔ وہاں بھی آپ کے لئے دروازہ کھل گیا۔ آپ باہر نکلے تو دروازہ بند ہو گیا۔ آپ تھوڑی دور تک ہی چلے ہوں گے کہ میں کیا دیکھتا ہوں کہ ہم ایک ایسے شہر میں آگئے ہیں کہ جس کو میں پہچان نہ سکتا تھا۔ آپ ایک مکان میں داخل ہوئے جو سرائے کے مشابہ تھا۔ میں نے دیکھا کہ اس مکان میں چھ شخص تھے سب نے آپ کو سلام کہا۔ اور میں وہاں ایک ستون کی آڑ میں کھڑا ہو گیا۔ میں نے اس مکان کی ایک جانب سے رونے کی آواز سنی۔ تھوڑی دیر بعد وہ آواز بند ہو گئی۔ پھر دیکھا کہ ایک مرد آیا اور جہاں سے رونے کی آواز آئی تھی اس طرف گیا پھر وہ مرد اس حالت میں نکلا کہ وہ اپنے کندھے پر ایک شخص کو اٹھائے ہوئے تھا۔ پھر ایک شخص داخل ہوا۔ جس کا سر ننگا تھا اور اس کی مونچھوں کے بال لمبے تھے۔ وہ شخص حضرت عبدالقادر رضی اللہ عنہ کے سامنے بیٹھ گیا۔ شیخ نے اس کو کلمۂ شہادت پڑھایا اور اس کے سر اور مونچھوں کے بال کترے، اور اس کو ٹوپی پہنائی۔ اور اس کا نام محمد رکھا اور پھر شیخ نے ان چھ

شخصوں سے فرمایا کہ مجھ کو حکم ہوا ہے کہ یہ شخص (جس کو آپ نے کلمہ پڑھا کر محمد نام رکھا تھا) اس مرحوم کے بدلے میں مقرر کیا جائے۔ان سب نے کہا بہت اچھا۔ پھر حضرت شیخ وہاں سے نکلے اور ان ساتوں کو وہیں چھوڑا۔ میں آپ کے پیچھے ہولیا اور ہم تھوڑی دیر چلے تھے کہ کیا دیکھتا ہوں کہ ہم شہر بغداد کے دروازے پر ہیں۔ پھر وہ پہلے کی طرح کھل گیا، پھر آپ مدرسہ پر آئے۔ یہ دروازہ بھی حسب سابق کھل گیا اور آپ اپنے گھر میں داخل ہو گئے۔ جب صبح ہوئی میں اپنی عادت کے مطابق سیدنا شیخ رضی اللہ عنہ کے سامنے پڑھنے کے لئے بیٹھا لیکن آپ کی ہیبت کی وجہ سے نہ پڑھ سکا آپ نے فرمایا بیٹا پڑھ، کچھ مضائقہ نہیں۔تب میں نے آپ کو قسم دلائی کہ جو میں نے رات میں ماجرہ دیکھا ہے اس کو واضح طور پر بیان فرمائیں۔آپ نے فرمایا کہ وہ شہر نہاوند تھا اور تم جو چھ اشخاص دیکھے وہ عمدہ ابدال تھے۔اور وہ نرم آواز سے رونے والا ان ابدال کا ساتواں تھا۔ وہ بیمار تھا۔اور جب اس کی موت آئی اس وقت میں اس کے پاس پہنچا۔اور جو شخص اس کو کندھے پر اٹھا کر باہر لے گیا تھا وہ ابوالعباس حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ وہ اس کو اس لئے باہر لے گئے تھے کہ اس کے غسل وغیرہ کا اہتمام کریں۔جس شخص کو میں نے کلمۂ شہادت پڑھایا تھا وہ قسطنطنیہ کا رہنے والا عیسائی تھا۔ مجھے حکم دیا گیا تھا کہ اس انتقال کرنے والے ابدال کا یہ قائم مقام بن جائے۔اس کو بلایا گیا اور میرے ہاتھ پر وہ مسلمان ہوا۔اب وہ ان سات ابدال میں سے ایک ہے۔شیخ نے مجھ سے عہد لیا کہ میری زندگی میں یہ بات کسی سے نہ کہنا۔ (بہجۃ الاسرار شریف، ازدو،ص ۲۰۷ تا ۲۰۸)

- عالم ربانی شیخ شہاب الدین ابوحفص عمر بن محمد بن عبداللہ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ میں اپنی جوانی کے دور میں علم کلام میں مشغول ہوا اور اس فن کی بہت سی کتابیں میں نے حفظ کرلیں اور اس فن کا ماہر اور فقیہ بن گیا۔میرے چچا اس علم کے متعلق مجھے اکثر جھڑکتے رہتے اور اس کو ترک کر دینے کا اصرار کرتے رہتے تھے لیکن میں باز نہ آتا تھا۔ایک دن میرے چچا مجھ کو ساتھ لے کر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی زیارت کے لئے گئے۔ جب ہم آپ کی خدمت میں بیٹھے تو میرے چچا نے حضرت سے عرض کیا کہ اے میرے آقا! یہ عمر میرا بھتیجا ہے۔علم کلام میں مشغول ہے اس کو منع کرتا ہوں لیکن باز نہیں آتا۔آپ نے فرمایا کہ اے عمر! تم نے علم کلام کی کون کون سی کتاب حفظ کی ہے؟ میں نے کہا کہ فلاں فلاں کتاب،تب آپ نے اپنا مبارک ہاتھ میرے سینے پر پھیرا تو خدا کی قسم اس علم کو میرے سینے سے ایسا نکالا کہ مجھ کو ایک لفظ بھی اس کا یاد نہ رہا۔اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وہ تمام مسائل علم کلام بھلا دیے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے اسی وقت میرے سینہ میں علم لدنی بھر دیا۔ پھر میں آپ کے پاس سے اٹھا تو حکمت کی باتیں کرتا تھا۔آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اے عمر! تم عراق میں سب سے آخر میں مشہور ہو گے۔حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ عبدالقادر سلطان حقیقت،اور حقیقت وجود میں تصرف کرنے والے تھے۔ان کا ہاتھ ایسا تھا کہ جو خدا کی طرف سے پھیلا ہوا تھا۔اور جو پورا تصرف کرنے والا تھا۔ (بہجۃ الاسرار شریف،اردو ترجمہ،ص ۸۴)



(۵۷)

جس طرف اٹھ گئی دم میں دم آگیا
اس نگاہ عنایت پہ لاکھوں سلام

حل لغت:

اٹھنا: کھڑا ہونا، بلند ہونا، ابھرنا، جاگنا، بیدار ہونا، آمادہ ہونا، مستعد ہونا، چلنا، نکلنا، روانہ ہونا، برپا ہونا، حاصل ہونا، پروا[ن چڑھنا]
کرنا، پڑھا جانا، نقش ہونا، مرنا، فوت ہونا، تمام ہونا، تیار ہونا، کام سمٹانا، سوار ہونا۔ (فیروز اللغات، ص ۶۷)

دم: سانس، نفس، پل، منٹ، لحظہ، وقت، زندگی، روح، جان، ذات، حقے کا کش، بھٹی یا تنور کی ہوا، پانی کا گھونٹ، کھانے
کو دھیمی آگ پر رکھنا، طاقت، قوت، زور، تلوار کی دھار، نیزے کی نوک، خوبصورتی، مضبوطی، لچک، خوشی، فرحت،
اولوالعزمی، بلند حوصلگی، دھوکہ، فریب، مکر، وفا، افسوں، منتر، دعا جو پڑھ کر پھونکی جائے، غرور، تکبر، گھر، خانہ، وطن،
خون، لہو، شیخی۔ (فیروز اللغات، ص ۶۴۱ ☆ لغات کشوری، ص ۲۹۷ ☆ کریم اللغات، ص ۷۴)

نگاہ: نظر، چتون، تیور، بصارت، آنکھ، شناخت، پرکھ، مداخلت، توجہ، عنایت، مہربانی، نظارہ، نگرانی، رکھوالی، امید، بھروسہ،
خیال۔ (فیروز اللغات، ص ۱۳۷۵)

عنایت: لطف، مہربانی، توجہ، التفات، تحفہ، عطیہ، قصد کرنا، کسی چیز کا اہتمام کرنا۔

(فیروز اللغات، ص ۹۰۵ ☆ لغات کشوری، ص ۵۰۳ ☆ کریم اللغات، ص ۱۱۲)

پہلے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''دم'' ہے اس کا مطلب ''ذات'' ہے۔
پہلے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''دم'' ہے اس کا مطلب ''جان'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ حضور اقدس ﷺ کی نگاہ عنایت پر سلام بھیجتے ہوئے اس نگاہ کے اوصاف کثیرہ میں سے ایک وصف بیان کرتے ہیں کہ یہ وہ نگاہ ہے کہ جس طرف اٹھ جائے دم میں دم آجائے۔ اردو لغت میں دم کئی معنوں میں مستعمل ہے۔ یہاں معنی یہ ہوں گے کہ اس نگاہ کرم کے طفیل مردہ ذات میں جان آگئی۔ مراد اس سے بے ایمان کو ایمان مل گیا۔ یا مردہ دلوں کو زندگی مل جاتا ہے۔ علاوہ ازیں قریب مرگ کو تندرستی و

حیات یا شدید زخم کھائے ہوئے کو شفائے کاملہ عطا کرنا کے معنی بھی لئے جا سکتے ہیں۔ ان تمام امور سے متعلق کئی واقعا
سیرت پاک کی مستند و معتمد کتب اور احادیث میں ملیں گے۔ جن کا تفصیل سے تذکرہ کرنا یہاں ممکن نہیں۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے نگاہ عنایت کی قاہر سلطنت و تصرف کو غیر مقید کرتے ہوئے ''جس طرف'' کا جم
لکھ کر یہ ثابت کیا ہے کہ اس نگاہ کا اعجاز محدود اطراف یا مقید مقامات تک ہی فیض رساں نہیں بلکہ جس طرف بھی اٹھ جا
اس کا فیض ضرور اس کو مل کر ہی رہے گا۔ پھر چاہے وہ اپنوں پر اٹھے یا پرائے پر، زمین پر اٹھے یا آسمان پر، جنات پر اٹھے
ملائکہ پر، غرض کائنات کی جس کسی چیز پر بھی وہ نگاہ کرم اٹھ گئی اس کی تقدیر چمک گئی۔ اور تقدیر بھی کس انداز سے چمکی؟ بس
نگاہ کا اٹھنا اور تقدیر کا چمکنا دوش بدوش ہوا۔ کوئی تاخیر نہیں۔ اس کا بھی حضرت رضا بریلوی نے اس شعر میں ''گئی'' ا
''آ گیا'' الفاظ کا استعمال فرما کر ذکر کر دیا۔ یہاں پر آ گیا کا لفظ ''آ جانا'' کے معنی میں ہے اور آ جانا کا لغوی معنی ہے پہنچ جانا

(لغات کشوری، ص

اب معنی یہ ہوئے کہ نگاہ گئی اور جان آئی۔ گئی اور آئی کہ جس میں فطرۃً تضاد و تنازع تھا اس کو رفع کر کے مناسبت و تطبیق
نافذ کر دی۔ ایک اہم نکتہ کی طرف بھی توجہ کرنا اشد ضروری ہے کہ اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے ''نگاہ'' لفظ
استعمال فرمایا ہے۔ اردو لغت میں نگاہ کے معنی میں آنکھ، توجہ، نگرانی، مہربانی وغیرہ وارد ہیں۔ اب شعر کی خوبی میں چار چا
لگ گیا۔ جس مقدس نگاہ کا مبارک تذکرہ ہے وہ بظاہر تو زمانۂ اقدس میں اٹھتی تھی۔ لیکن خورشید رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے پرد
فرمانے کے بعد اب ظاہری طور پر وہ نگاہ نہیں اٹھتی تو یہ لازم آئے گا کہ معاذ اللہ اب اس نگاہ کا فیض منقطع ہو گیا۔ لیکن نگا
بمعنی توجہ بھی مستعمل ہے۔ اور کوئی بھی امتی کسی بھی وقت کسی بھی حال میں اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ سے باہر نہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

''فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَاۤءِ شَهِيْدًا'' (پارہ ۵، سورۂ نساء، آیت نمبر ۴۱)

ترجمہ: تو کیسی ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں اور اے محبوب تمہیں ان سب پر گواہ اور نگہبان بنا کر لائیں۔

(کنز الایمان)

اسی طرح آیت:

''اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔'' (پارہ ۲۱، سورۂ احزاب، آیت ۶)

ترجمہ: نبی مومنین سے ان کی جانوں سے زیادہ قریب ہیں۔

اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ تمام امت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر نظر و توجہ ہے۔ لہٰذا ابتدائے خلق سے لے کر قیامت تک اور
قیامت کے بعد ابد الآباد تک تمام کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ عنایت سے بہرہ مند ہو رہی ہے اور ہوتی رہے گی۔

- حضرت شیبہ بن عثمان رضی اللہ عنہ اپنے ایمان لانے کے بارے میں خود بیان کرتے ہیں کہ میں غزوۂ حنین میں کافروں کی
حمایت میں مسلمانوں کے خلاف لڑ رہا تھا کہ میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ میرے والد اور میرے چچا کو حضرت علی

اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا ہے تو میں کیوں نہ آج بدلہ لیتے ہوئے ان کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دوں۔ اس ارادے سے میں حضور کے قریب پہنچ گیا اور ابھی میں حملہ کرنے والا ہی تھا کہ آگ کا ایک عظیم شعلہ بجلی کی طرح میری طرف لپکا۔ میں الٹے پاؤں پیچھے بھاگا۔

''فَالْتَفَتَ اِلَیَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا شَیْبَۃُ''

یعنی اتنے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کرم مجھ پر پڑ گئی تو آپ نے فرمایا اے شیبہ!

بس میرے دل کی کیفیت بدل گئی۔ میں نے حضور اقدس کے چہرۂ اقدس کی طرف نظر اٹھائی تو

''وَ ھُوَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ سَمْعِیْ وَ بَصَرِیْ''

یعنی وہ مجھے اب میری آنکھ وکان سے بھی زیادہ محبوب لگنے لگے۔ (دلائل النبوت ابی نعیم، جلد اول، ص ۱۹۵)

الغرض صرف ایک نگاہ کرم کے طفیل حضرت شیبہ رضی اللہ عنہ کے مردہ دل میں جان یعنی کہ ایمان آ گیا۔ اسی طرح اسلام کے بڑے دشمن ابوجہل کے بیٹے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ بھی مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے نگاہ مصطفیٰ کو ''عنایت'' سے متصف کیا ہے۔ جس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ مہربانی، توجہ، لطف اور التفات کرنے والی نظر۔ کیوں کہ وہ مہربان رب کی مہربان رحمت بن کر دنیا میں تشریف لائے تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب کو عالمین کے لئے سراپا رحمت بنا کر دنیا میں بھیجا تھا۔ جب وہ سراپا رحمت ہیں تو اس سراپا کا ایک جزء اور عضو آنکھ بھی یقیناً رحمت ہی ہے اور رحمت بھری نگاہ عنایت پہ لاکھوں سلام کا ہدیہ نچھاور ہو۔



(۵۸)

نصر ابی صالح کا صدقہ صالح و منصور رکھ
دے حیات دیں محی جاں فزا کے واسطے

حل لغت:

نصر: مدد کرنا، یاری کرنا، فتح، ظفر، منظور، خاطر۔ (فیروز اللغات، ص ۱۳۶۱)

ابی صالح: حضرت سید ابی صالح نصر بغدادی رضی اللہ عنہ۔ (شجرہ برکاتیہ رضویہ، ص ۸)

صالح: نیک، پارسا، پرہیزگار، متقی، دیانت دار، نیک چلن، ایک پیغمبر جو قوم ثمود میں مبعوث ہوئے تھے۔

(فیروز اللغات، ص ۸۵۸ ☆ لغات کشوری، ص ۴۴۱ ☆ کریم اللغات، ص ۱۰۱)

منصور: نصرت دیا گیا، مدد دیا گیا، یاری دیا گیا، فتح مند، ایک ولی اللہ کا نام جنہوں نے جذب میں انا الحق کہہ دیا تھا جس پر انھیں سولی دی گئی۔ (فیروز اللغات، ص ۱۲۹۵ ☆ لغات کشوری، ص ۷۴۶ ☆ کریم اللغات، ص ۱۷۰)

حیات: زندگی، زیست، عمر، جان، روح، جانداری۔ (فیروز اللغات، ص ۵۷۷ ☆ لغات کشوری، ص ۲۴۶ ☆ کریم اللغات، ص ۶۰)

محی: مخلوق کو زندہ رکھنے والا، حیات دینے والا، زندہ کرنے والا، اللہ کا ایک صفاتی نام۔

(فیروز اللغات، ص ۱۲۱۵ ☆ لغات کشوری، ص ۶۷۵ ☆ کریم اللغات، ص ۱۴۸)

فزا: بڑھانے والا، زیادہ کرنے والا، افزائش، مرکبات میں مستعمل ہے مثلاً: راحت افزا روح افزا۔

(فیروز اللغات، ص ۹۳۲ ☆ لغات کشوری، ص ۵۳۵ ☆ کریم اللغات، ص ۱۱۹)

محی جاں فزا: مراد: حضرت سید ابی نصر بغدادی علیہ الرحمہ۔ (شجرۂ برکاتیہ رضویہ)

پہلے مصرع میں جو لفظ ''صالح'' ہے اس سے مراد ''حضرت سید ابو صالح نصر بغدادی'' ہیں۔

پہلے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''صالح'' ہے اس کا مطلب ''پرہیز گاری'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان بارگاہ خداوندی میں استدعا کرتے ہیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے دو مقدس ولی کامل کا واسطہ دیتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ اے خالق کائنات! حضرت سید ابو صالح نصر بغدادی رضی اللہ عنہ کی نصر (مدد) کا واسطہ ہم کو صالح (پرہیز گار) اور فتح مند رکھ۔ ایمان کی جانداری قائم رکھ۔ واسطہ حضرت سید محی الدین ابی نصر بغدادی رضی اللہ عنہ کا جو حیات بخش ہیں۔ اور جاں فزا یعنی دل خوش کرنے والے ہیں۔

اس شعر میں لفظ ''صالح'' کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ صالح ہے وہ اسم ہے اور اس سے مراد حضرت ابو صالح عبداللہ نصر بغدادی رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی ہے۔ دوسری مرتبہ جو لفظ ''صالح'' ہے وہ صفت ہے اور اس کے معنی نیک، متقی، پرہیز گار وغیرہ ہیں۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے الفاظ کے ظاہری اور باطنی معنوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے الفاظ کی بندش ایسے نرالے انداز میں کی ہے کہ مصرع اول میں نصر اور منصور میں رشتہ اشتقاق ہے۔ لفظ نصر مصدر ہے۔ اور لفظ منصور اسم مفعول ہے نصر (مدد) کے بغیر منصور (مدد کیا گیا) کا وجود ممکن نہیں۔ علاوہ ازیں مصرع اول میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے خدائے تعالیٰ سے دو چیزیں مانگی ہیں۔ صالح بنا اور منصور رکھ۔ صالح بن گئے تو ان شاء اللہ تعالیٰ منصور بھی ہو جائیں گے۔ صالح کی جمع ہے صالحین۔ قرآن میں صالحین کی مدد کا یقین دلایا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

''وَ اَنْكِحُوا الْاَیَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآىٕكُمْ اِنْ یَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ

فَضْلِهٖ ''(پارہ۱۸، سورۃ النور، آیت ۳۲)

ترجمہ: اور نکاح کرواپنوں میں ان کا جو بے نکاح ہوں اور اپنے لائق بندوں اور کنیزوں کا اگر وہ فقیر ہوں۔ تو اللہ انہیں غنی کردے گا۔ (کنزالایمان)

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ صالحین اگر غریب ہوں گے اور نکاح کریں گے تو ہم انہیں غنی یعنی مالدار بنا کران کی مدد کریں گے۔

اسی طرح قرآن مجید میں ''اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحَاتِ ''یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے، کثرت سے وارد ہے۔ بلکہ قرآن مجید میں صالحین کو انبیائے کرام، صدیقین اور شہداء کے گروہ کی معیت میں شمار کیا گیا ہے جیسے کہ ''مِنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا '' وغیرہ آیات اس پر شاہد ہیں کہ صالحین کی جماعت اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ جماعت ہے۔ جس جماعت کی مدد کرنے اور انعام و اکرام سے نوازنے کا مژدہ قرآن مجید میں سنایا گیا ہے۔ اسی لئے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے قرآن مجید کے انداز و مزاج کی موافقت اور تتبع میں اپنے شعر میں لفظ ''صالح'' کو مقدم اور لفظ ''منصور'' کو موخر ذکر کرکے بند لفظوں میں خود بخود اشارۃً فرمادیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم کو صالح بنا کر صالحین کے زمرے میں شمولیت عطا فرمادے تو نصرت الٰہی بھی خود بخود حاصل ہو جائے گی۔

الحاصل! منصور من اللہ ہونے کے لئے صالح بننا لازمی اور ضروری ہے۔ اسی لئے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ و الرضوان نے صالح کو اہمیت دے کر اول ذکر فرمایا ہے۔ مصرع ثانی میں حضرت رضا بریلوی نے ''حیات دیں'' کی دعا کی ہے۔ لغوی معنی کے اعتبار سے دین کا اطلاق مذہب، مسلک، دھرم اور ایمان ہوتا ہے۔ (فیروز اللغات، ص ۶۷۳)

اور یہاں دین سے مراد ایمان ہے۔ یعنی حضرت رضا بارگاہ خداوندی میں ایمان کی حیات یعنی ایمان کی زندگی ایمان کی روح مانگ رہے ہیں۔ اور ایمان کی جان حضور اقدس ﷺ کی ذات گرامی، آپ کی محبت اور عشق ہے۔ ایک مقام پر حضرت رضا نے فرمایا ہے کہ:

قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں ایمان یہ کہتا ہے میری جان ہیں یہ

حیات دیں کی دعا میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے محی ''جاں فزا'' کا واسطہ دے کر شعر کو ادبی، فنی اور علمی اعتبار سے جواہرات سے مرصع اور مزین کردیا ہے۔ محی کے معنی ہیں حیات دینے والا۔ اور زندہ کرنے والا اور شعر میں محی سے مراد حضرت محی الدین ابی نصر بغدادی رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی ہے۔ ''محی الدین'' آپ کا لقب ہے اور اسی لقب سے آپ کو ملقب کرکے حضرت رضا بریلوی نے حضرت ابی نصر بغدادی رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو اسم با مسمّٰی کے طور پر اجاگر کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ ایک خوبی اس شعر کی مزید یہ بھی ہے کہ آپ نے محی کے لقب کے ساتھ ''جاں فزا'' کی صفت کا اضافہ فرمادیا ہے۔ لفظ ''جاں فزا'' کو اگر ایک ہی لفظ شمار کیا جائے یعنی جاں کے ساتھ فزا کو مرکب کردیا جائے تو اس کے معنی

فرحت انگیز، دل خوش کرنے والا، اور مسرت انگیز ہیں۔ (فیروز اللغات، ص ۹۴۵) اور اگر لفظ جاں فزا کو مرکبات میں شمار نہ کرتے ہوئے جاں اور فزا دونوں کو مفرد مان کر الگ الگ الفاظ میں شمار کیا جائے تو جاں کے معنی روح، آتما، زندگی، حیات وغیرہ ہیں۔ (دیکھو شعر نمبر 86 کا حل لغت) اور فزا کے معنی بڑھانے والا، زیادہ کرنے والا، اب حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ و الرضوان کے شعر کے مصرع ثانی کا لفظ ''جاں فزا'' دو معنی ہو گیا۔ ایک معنی یہ ہوئے کہ اے اللہ! ایمان کی حیات دے، تجھے واسطہ حضرت ابی نصر بغدادی کا جو زندہ کرنے والے اور زندہ کر کے دل خوش کرنے والے ہیں۔ اور دوسرے معنی یہ ہوئے کہ جو زندہ کرنے والے اور زندہ کر کے زندگی زیادہ کرنے والے ہیں۔ دونوں معنی صحیح ہیں۔ کیوں کہ بزرگان دین نے مرے ہوئے دلوں کو ایمان کی زندگی دے کر دلوں کو فرحت، مسرت اور خوشی سے بھر دیا ہے۔ اور یہ بھی ہوا ہے کہ بزرگان دین نے مردہ دلوں کو ایمان کی زندگی دے کر (عشق رسول) سے زندہ کر کے اس کو عشق رسول کی اعلیٰ منزلیں طے کرا کر ایمان کی زندگی یعنی عشق رسول کو زیادہ کیا ہے اور بڑھایا ہے۔ بقول حضرت رضا:

جان ہے عشق مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا

خیر! بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی، اگر حضرت رضا بریلوی کے ہر شعر کے فنی محاسن پر اس طرح سیر حاصل گفتگو کی جائے تو مضمون کی طوالت انداز و گمان کے صفحات کی سرحدیں عبور کر جائے گی۔ الحاصل! حضرت رضا بریلوی نے اس شعر میں خدائے تعالیٰ سے صالح اور منصور ہونے کے ساتھ دین کی حیات کی استدعا کی ہے۔ اور حصول مراد کے لئے دو جلیل القدر و شہرۂ آفاق ہستیوں کا واسطہ اور وسیلہ دیا ہے۔ وہ دو ذات گرامی حضرت سید ابو صالح عبد اللہ نصر بغدادی اور حضرت سید محی الدین ابو نصر محمد بغدادی رضی اللہ عنہما کی ہے یعنی کہ دو کے طفیل تین مرادیں مانگی ہیں۔

- حضرت ابو صالح عبد اللہ نصر بغدادی رضی اللہ عنہ ۲۴ ربیع الثانی ۵۶۲ھ کے روز بغداد شریف میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی حضرت سیدنا عبد الرزاق بن غوث اعظم حضرت شیخ سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہما ہیں۔ آپ سیدنا غوث اعظم دستگیر رضی اللہ عنہ کے پوتے تھے۔ آپ اعلیٰ درجہ کے محقق، عارف حدیث، ثقہ راوی، شیریں کلام، خوش طبع و متین تھے۔ فروعی مسائل میں آپ کی معلومات وسیع تھی۔ حافظ ابن رجب حنبلی نے اپنی کتاب طبقات میں بیان کیا ہے کہ آپ قاضی القضاۃ، شیخ الوقت، فقیہ، مناظر، محدث، عابد و زاہد اور بہترین واعظ تھے۔ آپ انتہائی فصیح و بلیغ گفتگو فرماتے تھے۔ آپ کی انشاء پردازی اور فتویٰ نویسی میں کمال کی ندرت ہوتی تھی۔ مدینۃ الاسلام کی تینوں مسجدوں میں آپ کا نام خطبہ میں پڑھا جاتا تھا۔ آپ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے پیکر تھے۔ آپ نے ۲۷ رجب المرجب ۶۳۳ھ کے دن دنیا سے پردہ فرمایا۔ آپ کا مزار مقدس بغداد شریف میں روضۂ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ میں مرجع خلائق ہے۔ (تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ، ص ۲۶۶)
- حضرت سید محی الدین، ابو نصر محمد بغدادی رضی اللہ عنہ کی ولادت بغداد شریف میں ہوئی۔ آپ کے والد حضرت سید ابو صالح عبد اللہ نصر بن حضرت سیدنا عبد الرزاق بن غوث اعظم دستگیر شیخ سید عبد القادر رضی اللہ عنہم تھے۔ اس طرح آپ سیدنا غوث

اعظم رضی اللہ عنہ کے پرپوتے تھے۔

- آپ اپنے وقت کے شیخ طریقت، اعلیٰ درجہ کے محقق، محدث اور مدرس تھے۔ آپ اپنی عظیم فقاہت کی بنیاد پر عراق کے مفتی مقرر ہوئے۔ علاوہ ازیں آپ کے والد ماجد قاضی القضاۃ کے عہدے پر فائز تھے۔ آپ کو بھی دارالخلافتہ میں مسند عدالت سے سرفراز کیا گیا تھا۔ لیکن آپ صرف ایک ہی مرتبہ عدالت میں تشریف لے گئے اس کے بعد استعفیٰ دے کر باب الازج کے مدرسہ میں درس دینے لگے۔ بعدہ تقویٰ کے پیش نظر کبھی عہدۂ قضا کو قبول نہیں فرمایا۔
آپ اپنے جدامجد حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے شکل وصورت میں بہت ہی مشابہ تھے۔

(قلائدالجواہر، ص ۱۷۱)

آپ کا گھرانہ علم وفن کا منبع تھا، اور آپ نے علم دین کے فروغ واشاعت میں کامیاب کوشش کی۔ آپ اپنے جدامجد کے مدرسہ میں درس وتدریس میں مشغول رہتے تھے، اور تاحیات عملی مشاغل سے وابستہ رہے۔ آپ سے حافظ دمیاطی وغیرہ نے احادیث کی سماعت کی ہے۔ (تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ، ص ۲۶۸)
آپ کا وصال ۲۷؍ربیع الاول شریف بروز دوشنبہ ۶۵۶ھ میں بغداد میں ہوا۔ آپ کا مزار شریف بغداد شریف میں سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے مدرسہ کے احاطہ میں مرجع خلائق ہے۔



(۵۹)

جو مقصد زیارت کا بر آئے پھر تو
نہ کچھ قصد کیجئے یہ قصد دلی ہے

حل لغت:

مقصد: قصد کرنے کی جگہ، مدعا، مراد، نیت، ارادہ، معنی، منشا۔

(فیروز اللغات، ص ۱۲۷۴ ☆ لغات کشوری، ص ۷۲۹ ☆ کریم اللغات، ص ۱۶۲)

زیارت: کسی متبرک مقام، چیز یا آدمی کا دیکھنا، حج، مقدس مقام کا نظارہ، کسی بزرگ کا مقبرہ، آستانہ گاہ، پرستش گاہ، درگاہ، سلام، ملاقات کسی بزرگ سے، آدمی یا مزار وغیرہ کا دیکھنا۔

(فیروز اللغات، ص ۷۵۶ ☆ لغات کشوری، ص ۳۵۷ ☆ کریم اللغات، ص ۸۵)

برآنا: حاصل ہونا، پورا ہونا، کامیاب ہونا۔ (فیروز اللغات، ص۱۹۰)

قصد: ارادہ، نیت، عزم، منشاء، مطلب، مرضی، خواہش، سعی، کوشش، پیش قدمی، اقدام۔

(فیروز اللغات، ص۹۵۷ ☆ لغات کشوری، ص۵۶۰ ☆ کریم اللغات، ص۱۲۳)

دوسرے مصرع میں پہلے جو لفظ ''قصد'' ہے اس کا مطلب ''کوشش'' ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''قصد'' ہے اس کا مطلب ''خواہش'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کے مزار اقدس کی زیارت کی تمنا کرنے کے ساتھ اس بات کا بھی اظہار فرمایا ہے کہ زہے نصیب! شہنشاہ کونین ﷺ کے روضۂ انور کی زیارت کا مقصد پورا ہو جائے۔ تو اس مقصد کے پورا ہونے کے بعد پھر کسی خواہش کے پورا ہونے کی کوشش ہی نہ کروں گا۔ یہی میری دلی خواہش اور ارادہ ہے۔ اس شعر کے مصرع ثانی میں لفظ ''قصد'' کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ ''قصد'' ہے وہ کوشش اور سعی کے معنی میں ہے اور دوسری مرتبہ جو لفظ قصد ہے وہ ارادہ اور خواہش کے معنی میں ہے۔ دونوں لفظ ''قصد'' حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں۔ لیکن معنی و مطلب کے اعتبار سے جدا اور مختلف۔ لہٰذا یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔ دونوں لفظ ''قصد'' اسم ہیں۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان روضۂ انور کی زیارت کی تمنا کر رہے ہیں۔ اور ہر عاشق نبی کی یہی آرزو ہوتی ہے کہ اپنے پیارے آقا و مولیٰ ﷺ کی مقدس آرام گاہ کی حاضری کا شرف حاصل کروں۔ دربار رسالت کی حاضری اور زیارت کی بے شمار فضیلتیں اور برکتیں ہیں۔ کئی احادیث میں زیارت روضۂ انور کی تاکید کی گئی ہے۔ اور زیارت کرنے پر اجر عظیم کی بشارت بھی دی گئی ہے۔ چند احادیث کریمہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

- حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

  ''مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ''

  یعنی جو شخص میری قبر شریف کی زیارت کرے اس کے لئے میری شفاعت واجب ہے۔

- شفیع المذنبین، شہنشاہ کونین ﷺ فرماتے ہیں:

  ''مَنْ جَاءَنِیْ زَائِرًا لَا تَعْمَلُهٗ حَاجَةٌ اِلَّا زِیَارَتِیْ کَانَ حَقًّا عَلَیَّ اَنْ اَکُوْنَ لَهٗ شَفِیْعًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ''

  یعنی جو شخص میری زیارت کے لئے آئے اور میری زیارت کے سوا اس کو کوئی حاجت نہ ہو تو مجھ پر واجب ہے کہ قیامت کے دن اس کا شفیع ہو جاؤں۔

- حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ

''مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِیْ بَعْدَ وَفَاتِیْ کَانَ کَمَنْ زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ''

جس نے حج کیا اور پھر میری قبر کی زیارت کی میری وفات کے بعد وہ ایسا ہے جیسے کہ اس نے میری حیات میں میری زیارت کی۔

- حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ

''مَنْ زَارَنِیْ مُتَعَمِّدًا کَانَ جَوَارِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَ مَنْ مَّاتَ فِیْ اَحَدِ الْحَرَمَیْنِ بَعَثَهُ اللّٰهُ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔''

جو شخص ارادۃً میری زیارت کرے گا قیامت کے دن میرا پڑوسی ہوگا اور جو حرم مکہ یا مدینہ میں مرے اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے عذاب سے امن میں رکھے گا۔

- حضور اقدس ﷺ کے آستانۂ پاک کی زیارت علمائے دین کے نزدیک بالاتفاق قولاً وفعلاً بہترین سنن اور مؤکدترین مستحبات میں سے ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے قبر انور کی زیارت ایک متفق علیہ سنت اور مرغوب فضیلت ہے۔ بعض علماء مالکیہ رحمۃ اللہ علیہم اس کے وجوب کے قائل ہیں اور دوسروں نے اس قول کی تاویل سنت واجبہ سے کی ہے۔ گویا سنت واجبہ سے مراد سنت موکدہ، غایت تاکید ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک زیارت روضۂ اقدس بہترین مستحسنات اور مؤکدترین مستحبات درجہ واجبات کے قریب ہے۔

(جذب القلوب الی دیار المحبوب، اردو، ص ۲۲۴)

حضور اقدس ﷺ کے مزار اقدس کی زیارت کے لئے صحابۂ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمہ دین اور صالحین کرام رضی اللہ عنہم نے دور دراز سے سفر کئے ہیں اور دیگر لوگوں کو بھی زیارت کی ترغیب دی ہے۔

- امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب ملک شام فتح کیا، اور بیت المقدس کے باشندوں سے صلح کی اور کعب احبار علیہ الرحمۃ نے اسلام قبول کیا۔ تو حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو ان کے اسلام لانے سے بے انتہا مسرت ہوئی، واپسی کے وقت امیر المومنین نے کعب احبار سے فرمایا کہ اے کعب! اگر چاہو تو ہمارے ساتھ مدینہ چلو، اور سرور انبیاء ﷺ کی زیارت کرلو، کعب احبار نے کہا: بہت خوب، اے امیر المومنین میں ایسا کروں گا۔

مدینہ منورہ میں آتے ہی پہلا کام جو امیر المومنین نے کیا وہ حضور اقدس ﷺ پر سلام تھا۔ (جذب القلوب، ص ۲۳۱)

قارئین کرام! اس واقعہ کو بغور مطالعہ فرمائیں کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حضرت کعب احبار کو ملک شام سے صرف گنبد خضریٰ کی زیارت کے لئے دعوت دے رہے ہیں اور حضرت کعب احبار اسے قبول کر رہے ہیں، اگر دربار رسالت ﷺ کی حاضری کی نیت سے ہی سفر کرنا ممنوع ہوتا تو حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہرگز کعب احبار کو صرف زیارت کے لئے سفر کرنے کو نہ کہتے۔

- حضور اقدس ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ ملک شام چلے گئے اور ایک مدت دراز تک بارگاہ

رسالت کی حاضر کے لئے نہ آئے، تو خواب میں حضور ﷺ نے حضرت بلال کو زیارت کے لئے مدینہ منورہ آنے کا حکم دیا۔ حضرت بلال ملک شام سے صرف اور صرف زیارت روضۂ اقدس کی نیت سے سفر کر کے مدینہ طیبہ آئے۔ یہ طویل واقعہ شعر نمبر 111 ''قافلے نے سوئے طیبہ کمر آرائی کی'' کی تشریح میں ملاحظہ فرمائیں۔

لیکن افسوس! کہ کلمہ گوئی اور مسلمانی کا دعویٰ کرنے والے دور حاضر کے منافقین زیارت اقدس کو اہمیت نہیں دیتے بلکہ صرف زیارت کے لئے مدینہ طیبہ جانے والوں کو روکتے ہیں۔ اور کچھ شقی القلب اور محروم ایسے بھی ہیں کہ جو حج کرنے کے بعد اور پہلے مدینہ شریف مطلقاً جاتے ہی نہیں۔ اور فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد مکہ معظمہ سے ہی اپنے وطن واپس چلے جاتے ہیں۔ حالاں کہ حج کے بعد روضۂ اقدس کی زیارت نہ کرنے پر وعید ہے۔ اور فضیلت سے محروم رہنے پر تنبیہ اور سرزنش ہے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی خواہش تھی کہ آپ کی امت ثواب حاصل کرے اور مغفرت و شفاعت کا حقدار بھی بنے اور یہ آپ کی امت پر کمال شفقت ہے۔

- حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں:

''مَنْ زَارَنِیْ فِی الْمَدِیْنَةِ كُنْتُ لَهٗ شَفِیْعًا وَ شَهِیْدًا''

جو مدینہ میں میری زیارت کرے میں اس کے لئے شفیع اور مددگار رہوں گا۔

اس حدیث سے حضور کی اپنی امت پر کمال ہمدردی، رحمت، محبت اور شفقت عیاں ہوتی ہے کہ مدینہ آنے کے بہانے وہ شفاعت کے حقدار بن جائیں۔ علاوہ ازیں حج کے بعد مدینہ طیبہ کی زیارت کو نہ آنے پر احادیث میں وعید وارد ہے۔

- حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ

''مَنْ حَجَّ الْبَیْتَ وَ لَمْ یَزُرْنِیْ فَقَدْ جَفَانِیْ''

جس شخص نے کعبہ کا حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر ظلم کیا۔

حدیث کے مقدس اور مبارک الفاظ ملاحظہ فرمائیں کہ سرکار فرماتے ہیں کہ جو میری زیارت کو نہیں آتا، وہ مجھ پر ظلم کرتا ہے اور نبی ﷺ پر ظلم و جفا کرنے والے کا انجام اور حشر کبھی بھی اچھا نہیں ہوتا۔ حضور اقدس ﷺ پر ظلم و جفا اور ایذا حرام ہے۔ اور حضور پر ظلم کرنے سے بچنا واجب ہے۔ یہ ایک مسلم قاعدہ ہے جو عقائد سے تعلق رکھتا ہے تو جس کام کی وجہ سے حضور اقدس کو تکلیف ہوتی ہو وہ کام حرام ہے۔ لہٰذا حج کے بعد زیارت مدینہ کے لئے نہ آنے سے حضور کو تکلیف ہوتی ہے، لہٰذا مدینہ کی زیارت کے لئے نہ آنے والا حرام کا مرتکب ہوا۔ اسی طرح حضور اقدس ﷺ کی تکلیف جس کام کی وجہ سے دور ہوتی ہو وہ کام کرنا واجب ہے۔ اور مدینہ طیبہ کی زیارت کے لئے حاجی کے جانے سے حضور کی تکلیف دور ہوتی ہے۔ لہٰذا زیارت مدینہ واجب ہے۔ میری اس گفتگو میں قطعاً مبالغہ وغلو نہیں، میرے اس دعویٰ کی دلیل ملت اسلامیہ کی ذی علم و ذی مرتبت شخصیت محقق علی الاطلاق حجۃ اللہ فی الہند عاشق رسول حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ کی شہادت و تائید ہے۔

اور ایسا ہی ایک حدیث میں وارد ہے۔

- حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ

''مَنْ وَجَدَ سَاعَةً وَ لَمْ يَعُدْ اِلَيَّ فَقَدْ جَفَانِيْ''

جس نے استطاعت پائی اور میری طرف نہ آیا اس نے یقیناً مجھ پر ظلم کیا۔

صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ:

- ''یہ حدیث مبارک ترک زیارت کے حرام ہونے میں ظاہر ہے۔ اس لئے کہ ترک زیارت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جفاو ایذا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جفاو ایذا بالاجماع حرام ہے۔ لہٰذا ازالۂ جفا واجب ہے۔ اور وہ زیارت سے ہی ہوسکتا ہے۔ اس لئے زیارت واجب ہوگی۔'' (مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد دوم، ص ۷۵۶)

اور حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اس شعر میں یہی تو فرماتے ہیں کہ اگر مدینہ کی حاضری کا مقصد بر آیا تو اس زیارت کے طفیل آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا حقدار ہونے کا شرف حاصل ہوجائے گا۔ اور اس کے حصول کے بعد پھر کسی بھی مقصد کی خواہش نہ رہے گی۔ اسی لئے تو آپ ہر وقت دیار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری کے لئے بے چین و بے قرار رہتے ہیں۔
اور ایک نعت میں یہاں تک فرمایا ہے کہ:

جان و دل ہوش و خرد سب تو مدینہ پہنچے　　　تم نہیں چلتے رضاؔ سارا تو سامان گیا



(۶۰)

خط سیہ میں نور الٰہی کی تابشیں
کیا صبح نور بار ہے شام ابو الحسین

حل لغت:

خط: نوشتہ، تحریر، لکیر، نشان، نامہ، مکتوب، نیا سبزہ جو مرد کے چہرے پر آتا ہے، ہاتھ کا لکھا، سواد تحریر، لکیر، لائن، حجامت، اصلاح، لکیر جس میں فقط طول ہو عرض اور عمق نہ ہو، نام ایک موضع کا۔

(فیروز اللغات، ص ۵۹۲ ☆ لغات کشوری، ص ۲۶۲ ☆ کریم اللغات، ص ۶۵)

سیہ: سیاہ کا مخفف، کالا، نجس، بد، کالا سیاہ رنگ، حبشی غلام، کنایہ، کوئلہ بیچنے والا۔

(فیروز اللغات، ص ۸۳۱ ☆ لغات کشوری، ص ۴۰۳ ☆ کریم اللغات، ص ۹۵)

نور: روشنی، تجلی، چمک، اجالا، رونق، روپ، کلام پاک کی ایک سورت کا نام، صوفیوں کی اصطلاح میں خدا کا ایک نام۔
(فیروز اللغات، ص۱۳۸۵ ☆ لغات کشوری، ص۷۹۰ ☆ کریم اللغات، ص۱۷
تابش: حرارت، گرمی، تپش، چمک، دھوپ کی چمک، روشنی، نور، طاقت۔

(فیروز اللغات، ص۳۳۳ ☆ لغات کشوری، ص۱۲۹ ☆ کریم اللغات، ص۲
بار: بوجھ، گرانی، وزن، اسباب، رسائی، نوبت، مرتبہ، دفعہ، شمار، ثمر، پھل، دربار، برسنے والا، مثلاً: گوہر بار، نور بار وغیر
کسی چیز کی کثرت ظاہر کرنے کے لئے مثلاً: جوئے بار، سنگ بار، کار کے ساتھ بطور تابع، مثلاً: کاروبار، دخل
آمیزش، گویوں کا ساز، اجازت، حمل، گربھ، قرض، ذمہ داری، عدالت، جناب، جلیل، بزرگ، ناگوار، تکلیف د
انبار، نصیب، رخصت، درخت کی جڑ، کام، بارگاہ، ہر چیز کی زیادتی۔ (فیروز اللغات، ص۱۶۴ ☆ لغات کشوری، ص۷۸)
پہلے مصرع میں جو لفظ ''نور'' ہے اس کا مطلب ''خدا کا نور'' ہے۔
دوسرے مصرع میں جو لفظ ''نور'' ہے اس کا مطلب ''اجالا'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے پیر و مرشد کے سچے جانشین خانقاہ برکاتیہ
عالیہ مارہرہ مطہرہ کے سجادہ نشین اپنے استاذ محترم و مکرم، سراج السالکین، نور العارفین، مرجع علماء و اولیاء، ہادی طالبین
حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی رضی اللہ عنہ کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ خط سیہ یعنی سیاہ لکھا ہوا،
سیاہ بالوں میں اللہ کے نور کی تجلی کی روشنی پھوٹ رہی ہے۔ حضرت شاہ ابوالحسین کی شام بھی صبح کی طرح نور برسا رہی ہے۔
اس شعر میں حضرت رضا بریلوی اپنے پیرزادے حضرت نوری میاں قدس سرہٗ کے اوصاف و محاسن کا تذکرہ ایک نفیس
انداز سے کر رہے ہیں۔ شعر کی ابتداء و آغاز میں ''خط سیہ میں نور الٰہی کی تابشیں'' کا جملہ بڑی جامعیت کا حامل ہے۔ خط سیہ
سے دو مراد لی جاسکتی ہے۔ اول نوشتہ یعنی لکھا ہوا۔ اس معنی کو لے کر شعر کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت شاہ ابوالحسین مارہروی
قدس سرہٗ کے دست مبارک سے سفید کاغذات پر جو خط سیہ یعنی سیاہ روشنائی کی تحریر منقش ہوئی ہے، اس سیاہ تحریر سے نور الٰہی
یعنی کہ اللہ کے نور کی تابشیں یعنی روشنیاں پھیل رہی ہیں اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کے اعتراف میں کسی کو بھی تامل یا
تردد نہیں ہے، کیوں کہ حضرت شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی کا شمار اپنے دور کے شہرۂ آفاق علماء و اولیاء میں ہوتا ہے۔
آپ اپنے زمانہ کے جید فقیہ تھے۔ آپ کے علم کا لوہا تمام علمائے ملت اسلامیہ نے مانا ہے۔ یہاں تک کہ مجدد دین وملت، شیخ
الاسلام والمسلمین، سیدنا امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ عنہ جیسے ممتاز اور فائق عالم اور مجدد اعظم نے آپ کے سامنے بحیثیت
تلمیذ زانوئے ادب تہہ کیا تھا۔ اور آپ سے علوم ظاہری و باطنی میں اکتساب فیض کیا تھا۔ آپ علم و عرفان کی اعلیٰ منزل و مرتبہ
پر فائز تھے۔ آپ کی زبان و قلم سے ہمیشہ علم و عرفان کا دریائے گوہر بہتا تھا۔ جس سے ہزاروں تشنگان علم اپنی پیاس بجھاتے

تھے۔آپ کی تصانیف کا علمی معیار اتنا بلند ہے کہ آپ کی تصانیف کی شرح و تشریح کرنے سے اس کی ضخامت اصل کتاب سے پچاس گنی بلکہ اس سے بھی زیادہ ہو جائے گی۔آپ کی معرکۃ الآرا تصانیف میں علم کے ایسے گہر اور باریک نکات مضمر ہیں جن کے مطالعہ اور فہم سے اہل علم و دانش دینی و دنیوی علوم کے فوائد حاصل کر کے خود بھی فقید المثال بن جائیں گے۔

حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی رضی اللہ عنہ کی علمی جلالت شان کی جھلک آپ کی تصانیف سے آفتاب نیم روز کی طرح عیاں ہے۔اور اسی کا تذکرہ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اس شعر میں فرمار ہے ہیں۔

حضرت رضا بریلوی نے اس شعر میں تحریر کے لئے لفظ ''خط'' کا استعمال فرمایا ہے۔یعنی کہ واحد کا صیغہ جس کا مطلب ہوا کہ ایک تحریر، اور اس تحریر کے نتیجے میں نور الٰہی کی تابشیں فرمار ہے ہیں۔جمع کا صیغہ استعمال فرمایا ہے۔یعنی صرف ایک تابش نہیں بلکہ بہت سی تابشیں۔اب شعر کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی کی ذات گرامی ایسے علوم و عرفان کی حامل ہے کہ آپ کی صرف ایک تحریر سے ایک نہیں بلکہ نور الٰہی کی تابشیں حاصل ہوتی ہیں۔نور الٰہی کی تابشیں یعنی راہ راست اور صراط مستقیم کی ہدایت۔حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہٗ کے متعلق حضرت رضا بریلوی نے جن جذبات کا اظہار کیا ہے وہ صداقت پر مبنی ہیں اور اس میں سر مو برابر بھی غلو اور مبالغہ نہیں۔کیوں کہ آپ نے اپنی معرکۃ الآراء تصانیف کے ذریعہ عقائد اہل سنت کی نشر و اشاعت کا جو فریضہ انجام دیا ہے۔اس کو کما حقہ ہم بیان کر کے داد تحسین دینے سے بھی قاصر ہیں۔حضرت سید شاہ ابوالحسین مارہروی رضی اللہ عنہ کی تصانیف کے ایک ایک جملہ سے رشد و ہدایت کی روشنی پھوٹتی ہے اور اس نور ہدایت کو حضرت رضا نے نور الٰہی کی تابشوں سے تعبیر کیا ہے۔آپ کی تصانیف، تقاریر و رشد و ہدایت کی محفلوں نے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں گم گشتہ گان راہ کو راہ ہدایت پر گامزن فرمایا ہے۔آپ کی علمی وجاہت کا فائق الدہر شہرہ و دبدبہ ایسا مشتہر تھا کہ وقت کے جلیل القدر علمائے کرام و مفتیان عظام تحصیل علوم و عرفان کے لئے آپ کی خدمت میں سائلانہ حیثیت سے حاضر رہتے۔اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، امام اہل سنت، مجدد دین و ملت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے علم جفر کے حصول میں آپ کی شاگردی کا شرف حاصل کیا ہے۔اور ساتھ ساتھ عرفان و سلوک کی منزلیں بھی آپ کی زیر نگرانی و تربیت طے فرمائی ہیں۔حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہٗ کے یہاں ہمیشہ مشاہیر علماء کا ہجوم رہتا تھا۔اور ہر شخص اپنی علمی پیاس کی سیرابی کے لئے آپ ہی کا مرہون منت رہتا تھا۔

''خط سیہ میں نور الٰہی کی تابشیں'' کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ خط سیہ سے مراد آپ کے سر اور چہرۂ پاک کے سیاہ بال، اور ''نور الٰہی کی تابشیں'' سے مراد آپ کے نورانی چہرے سے جو نور کی شعاعیں پھوٹتی تھیں وہ مراد ہے۔سیاہ ریش مبارک (ڈاڑھی مبارک) کے ہالہ کے درمیان آپ کا نورانی چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح درخشاں تھا، اور آپ کے چہرہ کے صرف دیدار سے کئی لوگوں نے گناہوں سے توبہ کر کے اپنی زندگی اسلام کے قواعد و ضوابط کے سانچے میں ڈھال لیں۔آپ کے چہرۂ پاک کی نورانیت کا یہ عالم تھا کہ آپ کو دیکھ کر خدا کی یاد و ذکر کا جذبہ دل میں ابھرتا تھا۔اور یہ ایک ولی کی پہچان ہے۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ ولی کی پہچان یہ ہے کہ اس کو دیکھنے سے خدا یاد آجائے۔حضرت نوری

میاں مارہروی قدس سرہٗ اس حدیث کے ارشاد کی زندہ تصویر تھے۔

مصرع ثانی میں حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں ''کیا صبح نور بار ہے شام ابوالحسین'' اس مصرع میں لفظ ''کیا'' کو استعمال میں فرما کر حضرت رضا بریلوی نے اس جملہ کو جملہ استعجابیہ بنادیا ہے اور ایک تعجب خیز بات کے طور پر فرمارہے ہیں کہ حضرت ابوالحسین احمد نوری مارہروی کی ''شام'' بھی روشنی پھیلانے والی ''صبح'' کی طرح ہے۔ شام اور صبح دو نقیضوں کا استعمال فرما کر شعر کو صفت تضاد کا شعر بنادیا ہے۔ اس شعر میں جو لفظ شام ہے اس سے دو مرادیں لی جاسکتی ہیں۔ ایک تو حقیقی شام اور دوسری شام زندگی یعنی زندگی کے آخری ایام۔ دونوں مرادیں اس شعر میں صحیح ہیں۔ اگر حقیقی شام مراد لی جائے تو شعر کا مطلب یہ ہوگا کہ صبح کے مقابلے میں شام کی رونق ماند ہوتی ہے۔ صبح سے دن کا عروج ہوتا ہے اور شام سے دن کو زوال ہوتا ہے۔ اور جو طغیانی، طمطراق، رونق، چمک، دمک، روشنی، شباب، حسن، خوبی، رنگ و روپ اور تپش عروج میں ہے وہ زوال میں نہیں۔ صبح کو آفتاب طلوع ہوتا ہے۔ تب اس کی شان وشوکت نرالی ہوتی ہے۔ اس کی روشنی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ ٹکٹکی باندھ کر ہم دیکھ نہیں سکتے۔ ہماری نظر خیرہ ہوجاتی ہے۔ لیکن شام کے وقت آفتاب کی وہ آن، بان شان باقی نہیں رہتی۔ صبح کے وقت آفتاب کی روشنی میں جو سپیدی ہوتی ہے، وہ شام کے وقت زرد ہوجاتی ہے۔ اور اس کی تپش ماند اور مدھم ہوجاتی ہے۔ اس کی طرف نظر جما کر دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن حضرت شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی کے چہرۂ جمال کے آفتاب کا یہ عالم ہے کہ ان کی شام کی درخشانی بھی صبح کی رونق پر غالب آجاتی ہے۔ ان کی شام ماند اور مدھم ہو کر بھی رونق و روشنی میں کم نہیں بلکہ بڑھتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ ان کی شام صبح کو بھی نور کا صدقہ عطا فرما کر صبح کو بھی ''نور بار'' بنادیتی ہے۔

اگر لفظ ''شام'' سے مراد ''شام زندگی'' یعنی کہ زندگی کے آخری ایام ہوں تو شعر اور بھی جاندار ہوجاتا ہے۔ زندگی کے آخری ایام میں آدمی معذور ومجبور ہوجاتا ہے۔ خصوصاً ساٹھ سال کی عمر کے بعد اس کے اعضاء جسم میں ضعف آجاتا ہے، اور آدمی نڈھال ہوجاتا ہے اس کے جسم میں چستی اور پھرتی کے بجائے سستی اور کاہلی آجاتی ہے، قوت وطاقت کم ہوجاتی ہے۔ کام میں تھکان محسوس ہوتی ہے، یادداشت بھی کمزور ہوجاتی ہے۔ بینائی بھی کم ہوجاتی ہے، لکھنے اور پڑھنے کا کام بھی مشکل سے ہوتا ہے، بوڑھاپے میں آدمی کا جسم جواب دے جاتا ہے اور کام کا نہیں رہتا۔ اسے ہر وقت آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ اپنا اکثر وقت بستر کی آغوش پناہ میں بسر کرتا ہے۔ اپنے ذاتی کام میں بھی وہ دوسروں کے سہارے کا محتاج ہوتا ہے۔ لیکن بقول حضرت رضا بریلوی سید شاہ ابوالحسین نوری مارہروی قدس سرہٗ کی ظاہری زندگی کے آخری ایام ''شام'' کی طرح نہیں تھے۔ بلکہ ''صبح نور بار'' کی طرح تھے۔ آپ نے بحالت پیری ذکر واشغال، تصنیف وتالیف، وعظ ونصیحت، عبادت وریاضت، خلق کی حاجت روائی، کتب بینی، تعلقات مع المسلمین، بدمذہبوں کی تردید، ذاتی، خاندانی اور خانقاہی امور میں جس جسارت اور انہماک سے کام لیا ہے، وہ جوانوں کے لیے بھی مشعل راہ ونمونۂ عمل ہے۔ ان تمام اشغال کی تفصیلی معلومات نیز آپ کی تصنیفی خدمات، عبادت وریاضت، کشف وکرامت اور علم دین کی نشر واشاعت میں آپ کی مصروفیت ومشغولیت کی حقیقت اس کتاب کے اشعار نمبر 116، 128 اور 162 میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۶۱)

خلق تمہاری جمیل خُلق تمہارا جلیل
خلق تمہاری گدا تم پہ کروروں درود

حل لغت:

خلق: خلقت، دنیا کے لوگ، مخلوق، آفرینش، پیدائش، پیدا کرنا، پیدا کیا ہوا۔

(فیروز اللغات، ص ۵۹۵ ☆ لغات کشوری، ص ۲۶۶ ☆ کریم اللغات، ص ۶۶)

جمیل: حسین، خوبصورت، سندر، شکیل۔ (فیروز اللغات، ص ۴۷۲ ☆ لغات کشوری، ص ۲۰۰)

خُلق: عادت، خو، خصلت، اخلاق، مروت دین، خوش مزاجی۔

(فیروز اللغات، ص ۵۹۵ ☆ لغات کشوری، ص ۲۶۶ ☆ کریم اللغات، ص ۶۶)

جلیل: بڑا، بزرگ، اعلیٰ، افضل، خدائے تعالیٰ کا ایک صفاتی نام۔

(فیروز اللغات، ص ۴۶۹ ☆ لغات کشوری، ص ۱۹۸ ☆ کریم اللغات، ص ۵۲)

گدا: فقیر، بھکاری، منگتا، مانگنے والا۔ (فیروز اللغات، ص ۱۰۸۴ ☆ لغات کشوری، ص ۶۱۰ ☆ کریم اللغات، ص ۱۳۳)

پہلے مصرع میں جو لفظ ''خلق'' ہے اس کا مطلب ''پیدائش'' ہے۔
دوسرے مصرع میں جو لفظ ''خلق'' ہے اس کا مطلب ''مخلوق'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اس شعر میں اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش مبارک، آپ کے اخلاق و عادات اور اسوۂ حسنہ کی مدح و ثنا کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ یارسول اللہ! آپ کی پیدائش (خَلق) حسین و جمیل ہے۔ آپ کے اخلاق (خُلق) اعلیٰ و افضل ہیں۔ اور کائنات کی تمام مخلوق (خَلق) آپ کی بھیکاری ہے۔ آپ پر کروروں درود ہوں صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس شعر میں لفظ ''خَلق'' کا استعمال دو مرتبہ اور لفظ ''خُلق'' کا ایک مرتبہ کیا گیا ہے۔ لہٰذا یہ شعر صنعت تجنیس کامل اور صنعت تجنیس ناقص کا باہم حامل ہے، خلق اور خلق کے استعمال کی وجہ سے تجنیس کامل اور خلق اور خلق کے استعمال کی وجہ سے تجنیس ناقص ہے۔ کل تین مساوی حروف والے الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے جن میں سے دو الفاظ بہ اعتبار اعراب مساوی

ہیں یعنی خُلق اور خَلق لیکن تیسرا لفظ بہ اعتبار اعراب متفرق ہے۔ یعنی خُلق۔ تینوں الفاظ، خلق، خَلق اور خُلق الگ الگ معنی میں ہیں۔ مصرع اول میں لفظ خلق ہے وہ پیدائش کے معنی میں اور مصرع ثانی میں لفظ خلق ہے وہ مخلوق یا دنیا کے لوگ کے معنی میں ہے۔ اور مصرع اول میں خُلق ہے وہ اخلاق کے معنی میں ہے۔

ابتدائے کائنات سے اب تک اور اب سے لے کر قیامت تک لاکھوں اور کروروں، اربوں، کھربوں انسان پیدا ہوئے اور ہوں گے۔ لیکن تمام کی پیدائش سے اعلیٰ و افضل، حسین و خوبصورت پیدائش حضور ﷺ کی ہوئی ہے۔ ایسی پیدائش نہ کسی کی ہوئی ہے نہ ہوگی۔

- بیہقی، طبرانی، ابونعیم اور ابن عساکر نے حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ میری والدہ نے بتایا کہ میں اس رات آمنہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھی، جس رات حضور ﷺ کی ولادت ہوئی۔ میں گھر میں ہر طرف روشنی اور نور پاتی اور محسوس کرتی تھی گویا ستارے قریب سے قریب تر ہو رہے ہوں۔ حتیٰ کہ مجھے گمان ہوا کہ ستارے میرے اوپر گر پڑیں گے۔ پھر جب حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے وضع حمل کیا۔ تو ایک نور برآمد ہوا۔ جس کی وجہ سے ہر شئے روشن ہوگئی یہاں تک کہ میں نور کے سوا کچھ نہ دیکھتی تھی۔ (خصائص کبریٰ، از: علامہ جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۱۱۸)
- ابونعیم نے بہ روایت عطاء بن یسار ام مسلمہ سے اور انہوں نے حضرت آمنہ سے روایت کی کہ وہ فرماتی ہیں کہ شب ولادت جب مجھ سے حضور اقدس ﷺ پیدا ہوئے تو میں نے ایک نور دیکھا جس سے محلات شام روشن ہو گئے اور میں نے ان کو دیکھا۔ (خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۱۱۹)
- حضرت صفیہ بنت عبد المطلب فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی ولادت پاک کے وقت میں حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر تھی، میں نے دیکھا کہ آپ کا نور چراغ کی روشنی کو مات کر رہا ہے۔ اس رات میں نے چند علامات کا مشاہدہ کیا۔ اول: یہ کہ جب حضور پیدا ہوئے تو آپ نے سجدہ فرمایا۔ دوم: جب آپ نے سجدہ سے سر مبارک اٹھایا تو بزبان فصیح و بلیغ فرمایا کہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ" سوم: پورے گھر کو میں نے آپ کے چہرۂ انور کے نور سے روشن اور منور پایا۔ چہارم: میں نے چاہا کہ آپ کو نہلاؤں لیکن ہاتف غیبی نے آواز دی، اے صفیہ! اپنے آپ کو زحمت نہ دے، کیوں کہ ہم نے اپنے محبوب کو پاک وصاف پیدا کیا ہے۔ پنجم: پھر جب میں نے یہ معلوم کرنا چاہا کہ مولود لڑکی ہے یا لڑکا۔ تو میں نے دیکھا کہ حضور ختنہ کئے ہوئے اور ناف بریدہ پیدا ہوئے ہیں۔

(شواہد النبوۃ، از: علامہ جامی، اردو، ص ۶۸)

- ابن عمر نے بروایت عمر بن عاصم کلابی روایت کی ہم سے ہمام بن یحییٰ از اسحاق بن عبد اللہ نے بیان کیا کہ حضور اقدس ﷺ کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں کہ حضور پاک وصاف پیدا ہوئے یعنی آپ کے جسم اقدس کے ساتھ کسی بھی قسم کی کوئی آلودگی نہ تھی، اور جب آپ کو زمین پر رکھا تو آپ اپنے دست مبارک کے سہارے بیٹھ گئے۔

(خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۱۲۰)

- حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ ﷺ کی ولادت ہوئی تو آپ اسی وقت سجدہ ریز ہو گئے۔

"فَوَضَعَتُ مُحَمَّدًا فَنَظَرْتُ اِلَيْهِ فَاِذَا هُوَ سَاجِدٌ قَدْ رَفَعَ اُصْبُعَيْهِ اِلَى السَّمَاءِ كَالْمُتَضَرِّعِ الْمُبْتَهِلِ"

یعنی جب حضور کی ولادت ہوئی تو میں نے آپ کی طرف دیکھا تو آپ سجدہ کی حالت میں تھے، دونوں شہادت کی انگلیاں آسمان کی طرف اٹھی ہوئی تھیں اور آپ پر تضرع وانکساری کی حالت طاری تھی۔ (انوار المحمدیہ، عربی، ص ۳۴)

بعض روایات میں اس پہلے سجدے کی حالت میں امت کے لئے بخشش کی دعا بھی منقول ہے۔

- ابن عدی اور ابن عساکر نے بہ روایت عطاء بن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ ناف بریدہ اور مختون (ختنہ کئے ہوئے) پیدا ہوئے۔ (خصائص کبریٰ، اردو، جلد ا، ص ۱۳۶)

مذکورہ واقعات کے علاوہ دیگر بہت سے واقعات کتب احادیث وسیر وتاریخ وغیرہ میں موجود ہیں۔ جو بخوف طوالت تحریر مذکور نہیں کئے گئے۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان ان تمام واقعات کے پیش نظر فرماتے ہیں کہ خلق تمہاری جمیل، اور اس کے بعد بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں کہ یارسول اللہ! خلق تمہارا جمیل، جو اخلاق آپ کے ہیں وہ ایسے افضل واعلیٰ ہیں کہ ان کی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے اخلاق کریمہ نے دشمنوں کو بھی مطیع وفرماں بردار بنادیا ہے۔ نوع انسانی کو آپ ہی کے طفیل اخلاق حسنہ حاصل ہوئے۔ شعر کے مصرع ثانی میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا ہے کہ "خلق تمہاری گدا" یعنی پوری کائنات آپ کا بھکاری ہے۔ جس کو جو کچھ بھی ملا ہے، مل رہا ہے اور ملے گا۔ وہ سب کچھ آپ ہی کے طفیل اور آپ کی نگاہ عنایت سے مل رہا ہے۔ اس کی تفصیل شعر نمبر 15 اور شعر نمبر 74 میں ملاحظہ فرمائیں۔



(۶۲)

اک ترے رخ کی روشنی چین ہے دو جہان کی

اِنس کا اُنس اسی سے ہے جان کی وہ ہی جان ہے

حل لغت:

رخ: رخسار، منہ، گال، طرف، جانب، سمت، کنارہ، حاشیہ، افق، توجہ، التفات، سامنا، رجحان، آگاہ، ایک تاج جو شاہان

ایران پہنا کرتے تھے، شطرنج کا ایک مہرہ، رو، چہرہ۔

(فیروز اللغات، ص ۷۰۷ ☆ لغات کشوری، ص ۳۲۱ ☆ کریم اللغات، ص ۸...

روشنی: نور، چمک، بصارت، رونق، آبادی، چراغاں، چمکتا۔

(فیروز اللغات، ص ۷۲۸ ☆ لغات کشوری، ص ۳۳۵ ☆ کریم اللغات، ص ۸...

چین: راحت، آرام، سکھ، اطمینان، قرار۔ (فیروز اللغات، ص ۵۵۸)

دوجہاں: دنیا و آخرت، دنیا اور دین۔ (فیروز اللغات، ص ۶۴۹ ☆ لغات کشوری، ص ۳۰۲ ☆ کریم اللغات، ص ۶۷)

اِنس: انسان، آدمی۔ (فیروز اللغات، ص ۱۳۰ ☆ لغات کشوری، ص ۶۵)

اُنس: محبت، پیار، اختلاط، رغبت، میل، جول، سکون۔ (فیروز اللغات، ص ۱۳۰ ☆ لغات کشوری، ص ۶۵ ☆ کریم اللغات، ص ۱۸)

جان: روح، آتما، زندگی، حیات، طاقت، قوت، ہمت، حوصلہ، تاب وتواں، جوہر، مغز، لب لباب، نہایت عزیز چیز، پیار... بیٹا، معشوق، خوبی، خوبصورتی، زیب وآرائش، بچہ، پیار کا کلمہ۔

(فیروز اللغات، ص ۴۴۳ ☆ لغات کشوری، ص ۱۸۵ ☆ کریم اللغات، ص ۴۶...

دوسرے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''جان'' ہے اس کا مطلب ''روح'' ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''جان'' ہے اس کا مطلب ''حیات'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخ انور کی نورانیت و... روشنی کا ذکر کرتے ہوئے بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں کہ یارسول اللہ! آپ کے رخ انور کی روشنی سے دوجہاں چین پا رہے ہیں۔ آپ کے رخ انور کی روشنی کے طفیل نوع انسان کو سکون ہے اور انسان کی روح کی حیات بھی اسی کے طفیل ہے۔ اس شعر میں دو تجنیسات ہیں ایک تجنیس کامل اور دوسری تجنیس ناقص۔

شعر کے مصرع ثانی کے آخر میں لفظ ''جان'' دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ دونوں لفظ ''جان'' حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں لیکن معنی ومطلب کے اعتبار سے وہ دونوں الگ الگ ہیں۔ لہٰذا یہ شعر تجنیس کامل کا ہے۔ شعر کے مصرع ثانی میں ابتداء میں ''اِنس'' اور ''اُنس'' الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے۔ یہ دونوں الفاظ بھی باعتبار حروف مساوی ہیں۔ لیکن بہ اعتبار اعراب الگ الگ ہیں۔ لہٰذا یہ صنعت تجنیس ناقص ہوئی۔ ایک ہی شعر میں بلکہ ایک ہی مصرع میں دو تجنیسات کا حسین انداز میں استعمال کرنا یہ صرف حضرت رضا بریلوی کا خاصہ ہے۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے مصرع اول میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے رخ انور کی روشنی کا ذکر کیا ہے۔ وہ چہرۂ انور جس کی نورانیت اور روشنی کے سامنے آفتاب وماہتاب کی روشنی کی بھی کوئی بساط نہیں۔ بلکہ چاند اور سورج میں جو

روشنی ہے وہ بھی اسی رخ انور کی روشنی کا صدقہ ہے۔ حضور اقدس ﷺ کی ذات اقدس اور خصوصاً آپ کا چہرۂ انور جمال الٰہی کا مظہر اور ید اللہ کا سب سے بہترین شاہکار تخلیق ہے۔ یہ وہی رخ انور ہے جو ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت اور توجہ کا مرکز ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے پارہ ۳۰ ر سورۂ والشمس میں جو سورج کی قسم یاد دلائی ہے اس سے بعض مفسرین حضور اقدس ﷺ کا چہرۂ انور مراد لیتے ہیں۔ حضرت رضا فرماتے ہیں:

ہے کلام الٰہی میں شمس وضحیٰ تیرے چہرۂ نور فزا کی قسم

- حضور اقدس ﷺ کا چہرۂ اقدس جمال و نور الٰہیہ کا مظہر اتم ہے، اسی وجہ سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ

  ''مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ''

  یعنی جس شخص نے مجھے دیکھا اس نے حق کو دیکھا۔

  امام نبہانی نے احمد بن ادریس کے حوالے سے مذکور حدیث میں ''الحق'' کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

  ''مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ تَعَالٰی''

  یعنی جس نے مجھ کو دیکھا اس نے حق تعالیٰ کو دیکھا۔

- عاشق رسول، حجۃ اللہ فی الہند، محقق علی الاطلاق، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے چہرۂ انور کو جمال الٰہی کا آئینہ قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ

  ''اما وجہ شریف وے ﷺ مرآت جمال الٰہی و مظہر انوار نامتناہی وے بود''

  یعنی آپ کا چہرۂ انور اللہ تعالیٰ کے جمال کے لئے آئینہ اور اس مقدس انوار الٰہیہ کا مظہر ہے کہ اس کی حد نہیں۔

  (مدارج النبوۃ، فارسی، جلد ۱، ص ۳)

- حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا حضور اقدس ﷺ کے چہرۂ انور کی زیارت کے بعد اپنے تاثرات ان الفاظ میں بیان کرتی ہیں کہ

  ''رَاَیْتُ رَجُلًا ظَاهِرَ الْوَضَّاءِ مُبْتَهِجَ الْوَجْهِ''

  یعنی آپ کے چہرۂ اقدس میں سورج کی سی تابانی اور درخشندگی تھی۔ (سبل الہدیٰ، جلد ۲، ص ۵۶)

- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

  ''مَا رَاَیْتُ شَیْئًا اَحْسَنَ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ كَاَنَّ الشَّمْسَ تَجْرِیْ فِیْ وَجْهِهٖ''

  یعنی میں نے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر حسین کسی کو نہیں دیکھا۔ گویا آپ کے چہرۂ اقدس میں آفتاب محو خرام تھا۔

- ایک مرتبہ حضرت عباس بن یاسر کے پوتے ابو عبیدہ نے حضرت ربیعہ بنت مسعود جو صحابیہ تھیں ان سے عرض کیا کہ آپ مجھے حضور اقدس ﷺ کے حسن و جمال کے بارے میں کچھ بتائیں۔ انہوں نے فرمایا کہ

  ''یَا بُنَیَّ لَوْ رَاَیْتَهٗ لَقُلْتَ الشَّمْسُ طَالِعَةٌ''

یعنی اے بیٹے! اگر تو حضور اقدس ﷺ کا چہرۂ اقدس دیکھتا تو پکار اٹھتا کہ جیسے سورج چمک رہا ہے۔

(الدارمی، جلد ۱، ص

- ابن عساکر نے حضرت ام المومنین محبوبۂ محبوب رب العالمین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ میں سحری کے وقت سی رہی تھی کہ میرے ہاتھ سے سوئی گر گئی۔ چراغ کی روشنی میں اسے بہت تلاش کی مگر نہ ملی۔ اتنے میں حضور اقدس ﷺ تشریف لائے آپ کے چہرہ کی روشنی سے پورا کمرہ روشن ہو گیا اور اس روشنی میں میں نے اپنی سوئی ڈھونڈ لی۔ (خصائص کبریٰ، از: علامہ جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۱۵۹)

اسی کو حضرت رضا بریلوی کے برادر اصغر حضرت حسن رضا بریلوی علیہما الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں:

سوزن گم شدہ ملتی ہے تبسم سے ترے	شام کو صبح بناتا ہے اجالا تیرا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب چودھویں رات کا چاند پورے شباب پر تھا۔ میں چودھویں رات کے چاند کے حسن و جمال کے نظارے سے لطف اندوز ہو رہا تھا اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضور اقدس ﷺ تشریف لا رہے ہیں۔ میں نے چاند کے چہرے سے نظر ہٹا کر حضور کے چہرۂ انور پر ڈالی۔ پھر میں نے حضور اقدس ﷺ کے رخ زیبا سے نظر ہٹا کر چاند کے چہرہ پر ڈالی ایسا میں نے چند مرتبہ کیا۔ میں تقابل و موازنہ کر رہا تھا کہ دونوں میں سے کس کا چہرہ زیادہ چمکدار اور روشن ہے؟ بار بار کے تجزیہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ حضور اقدس ﷺ کا چہرہ چاند سے بھی زیادہ روشن اور منور ہے۔ کیوں کہ چاند کے چہرہ میں سیاہ دھبہ ہے۔ لیکن حضور کا چہرۂ انور صاف اور درخشاں ہے۔ اسی واقعہ کو حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے قصیدہ نوریہ میں اس طرح بیان کیا ہے:

میل سے کس درجہ ستھرا ہے وہ پتلا نور کا	ہے گلے میں آج تک کورا ہی کرتا نور کا

مذکورہ واقعات کے علاوہ کئی واقعات کتب احادیث میں مذکور ہیں کہ چہرۂ اقدس کے حسن و جمال کا وہ اعجاز تھا کہ چہرۂ اقدس ﷺ کو صرف ایک مرتبہ دیکھ لینے سے عمر بھر کا کفر ٹوٹ گیا اور دولت ایمان نصیب ہوئی علاوہ ازیں اجلہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حضور کے چہرۂ انور کا دیدار کر کے دل کا چین و سکون پاتے ہیں۔ شعر نمبر 92 ''جس مسلماں نے دیکھا انہیں اک نظر'' کی تشریح میں اس طرح کے واقعات کا مطالعہ کریں۔

مصرع ثانی میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ ''اِنس کا اُنس اسی سے ہے'' یہ جملہ اتنا جامع اور معنی خیز ہے کہ صرف اسی کی تشریح میں دفاتر لکھے جا سکتے ہیں۔ لیکن یہاں پر اختصاراً صرف اتنا ہی عرض کرنا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی ذات گرامی سبب تخلیق کائنات اور وجہ بقائے نوع انسانی ہے۔ تمام انسان صرف اسی بارگاہ کے صدقہ و طفیل باقی ہیں۔ اور اپنی آسائش زندگی پاتے ہیں۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی مقدس جماعت نے پورے عالم کو عموماً اور ملت اسلامیہ کو خصوصاً یہی پیغام دیا ہے کہ اسی مقدس بارگاہ سے سب کچھ ملتا ہے اسی بارگاہ میں پناہ اور چین و سکون ہے۔

- حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ

''وَ هُوَ اَمَانُ الدُّنْيَا وَ سِرَاجُ اَهْلِهَا''

یعنی حضور اقدس ﷺ تمام دنیا کی پناہ اور اہل عالم کے سورج ہیں۔

(الامن والعلی، از: امام احمد رضا بریلوی، فصل دوئم، حدیث ص ۲۱، ۲۸)

- طبرانی نے کبیر میں حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ

''لَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ اِلَّا اَنَا مُمْسِكٌ لِحُجْزَتِهِ اَنْ يَّقَعَ فِي النَّارِ''

یعنی تم میں ایسا کوئی نہیں کہ میں اس کا کمر بند پکڑے روک نہ رہا ہوں کہ کہیں آگ میں نہ گر پڑے۔

قارئین! ملاحظہ فرمائیں کہ مومن کو جہنم کا ڈر ہمیشہ لگا رہتا ہے اور اسی ڈر کی وجہ سے وہ بے چین رہتا ہے اس کو سکون حاصل نہیں ہوتا۔ لیکن آقا و مولیٰ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی قلوب مومنین کو چین وسکون عطا کرتا ہے۔

- احمد، طبرانی اور ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما سے روایت فرمایا ہے کہ جب سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی تو حضور پرنور ﷺ ان کے یہاں تشریف لے گئے اور ان کے یتیم بچوں کو خدمت اقدس میں یاد فرمایا۔ وہ حاضر ہوئے اور میری والدہ نے حاضر ہوکر حضور پناہ بیکساں ﷺ سے ہماری یتیمی کی شکایت عرض کی۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ کیا ان پر محتاجی کا اندیشہ کرتی ہو؟

''اَنَا وَلِيُّهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ''

یعنی میں ان کا ولی اور کارساز ہوں، دنیا اور آخرت میں۔

- حضرت ایاس بن سلمہ نے اپنے والد سلمہ بن اکوع سے اور یزید بن ابی عبید نے بھی حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہم سے روایت کیا کہ غزوۂ خیبر شریف میں خیبر کو جاتے ہوئے حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کے حضور رجز یعنی آپ کی تعریف اور آپ کے مرتبہ عالیہ کی شان وشوکت بیان کرنے والے اشعار پڑھتے ہوئے چلے وہ اشعار اس طرح ہیں:

اَللّٰهُمَّ لَوْ لَا اَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا ۔۔۔ وَ لَا تَصَدَّقْنَا وَ لَا صَلَّيْنَا

●

فَاغْفِرْ فِدَاءً لَّكَ مَا اَبْقَيْنَا ۔۔۔ وَاَلْقِيَنْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا

●

وَ ثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَا قَيْنَا ۔۔۔ وَ نَحْنُ عَنْ فَضْلِكَ مَا اسْتَغْنَيْنَا

ترجمہ: خدا گواہ ہے یا رسول اللہ! اگر آپ نہ ہوتے تو ہم ہدایت نہ پاتے، نہ زکوٰۃ دیتے، نہ نماز پڑھتے۔

ہم حضور پر قربان جو گناہ ہمارے رہ گئے ہیں وہ بخش دیجئے، اور ہم پر حضور سکینہ اتاریں۔

اور جب ہم دشمنوں کے مقابل ہوں تو حضور ہم کو ثابت قدم رکھیں۔ ہم حضور کے فضل سے بے نیاز نہیں۔ (ﷺ)

یہ حدیث صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، مسند احمد وغیرہا میں سلمہ بن اکوع سے بطریق جیدہ ہے۔ا
پچھلا مصرع زیادات صحیح مسلم اور امام احمد سے ہے۔ (الامن والعلیٰ، ص ۸۳)

- مذکورہ حدیث کے حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ کے یہ اشعار سن کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کون اونٹوں کو روا
کرتا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ! عامر بن اکوع ہیں مسند احمد و صحیح مسلم شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تیرا رب تیری مغفرت فرمائے اور ایسی جگہ جب کسی شخص کا نام لے کر آپ
دعائے مغفرت فرماتے تو وہ شخص شہید ہو جاتا تھا۔ صحیح مسلم میں ابن اسحٰق نے بروایت محمد بن ابراہیم بن الحارث
ابی ہیثم بن نصر بن دہر اسلمی سے یہ روایت کی ہے کہ

''فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ وَجَبَتْ وَ اللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ اَمْتَعْتَنَا بِهٖ فَقُتِلَ يَوْمَ خَيْبَرٍ شَهِيْدًا''

یعنی حضرت امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ خدا کی قسم! عامر بن اکوع کی شہادت واجب ہوگئی۔
رسول اللہ! کاش حضور ہمیں ان کی زندگی سے بہرہ یاب رکھتے وہ روز خیبر شہید ہوئے رضی اللہ عنہ۔

حدیث کے ان الفاظ پر قارئین کرام غور فرمائیں کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی بارگاہ رسالت
میں عرض کرتے ہیں کہ یارسول اللہ! عامر بن اکوع کو زندہ رکھئے ہم کو ان کی زندگی سے فائدہ اٹھانے دیجئے۔ اس سے
صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروق کا یہ عقیدہ تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جس کو چاہیں اس کو زندہ رکھنے کا اختیار بھی رکھتے
ہیں۔ اگر یہ عقیدہ شرک ہوتا تو حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کبھی اس طرح کی خواہش نہ رکھتے۔ علاوہ ازیں حضرت عمر
فاروق اعظم کی اس خواہش پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہ فرمایا کہ اے عمر کیسی خواہش مجھ سے رکھتے ہو میرے ساتھ ایسا عقیدہ
رکھنا شرک ہے۔ بلکہ کچھ بھی نہ فرمایا۔ اگر شرک ہوتا تو حضور ضرور ناراضگی کا اظہار فرماتے۔

طبرانی نے اوسط میں، ابونعیم نے فضائل الصحابہ میں، ابوالحسن نے فوائد میں، خطیب نے تلخیص میں، ابن عساکر نے
تاریخ دمشق میں اور دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے
حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ

''كَفَاكَ اللّٰهُ اَمْرَ دُنْيَاكَ وَ اَمَّا اَمْرُ اٰخِرَتِكَ فَاَنَا لَهَا ضَامِنٌ''

یعنی اللہ تیرے دنیا کے کام درست کردے اور تیری آخرت کے معاملہ کا تو میں ذمہ دار ہوں۔

امام جلیل حضرت علامہ جلال الدین سیوطی صاحب تفسیر جلالین شریف رضی اللہ عنہ اپنی کتاب ''جمع الجوامع'' میں اس حدیث
کی نسبت فرمار ہے ہیں کہ ''سَنَدُهٗ صَحِيْحٌ'' یعنی اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

مذکورہ تمام واقعات اور دیگر اسی قسم کے واقعات کے پیش نظر حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے فرمایا کہ
''اِنس کا اُنس اسی سے ہے جان کی وہی جان ہے'' مزید تفصیل کے لئے شعر نمبر 125 کی تشریح ملاحظہ فرمائیں۔

(۳۳)

میں نثار تیرے کلام پر ملی یوں تو کس کو زباں نہیں
وہ سخن ہے جس میں سخن نہ ہو وہ بیاں ہے جس کا بیاں نہیں

حل لغت:

نثار: صدقے، قربان، فریفتہ، واری، بکھیرنا، نچھاور کرنا، تصدق کرنا، وہ چیز جو کسی کے سر پر سے اتار کر نچھاور کی جائے۔
(فیروز اللغات، ص۱۳۵۲☆لغات کشوری، ص۷۶۹☆کریم اللغات، ص۱۸۰)

کلام: سخن، بات، گفتگو، شعر و سخن، نظم، مقولہ، قول، ملفوظات، تصنیف، مضمون، اعتراض، عذر، بات کرنا، اصطلاح علم نحو میں وہ عبارت جو مرکب ہو دو کلموں سے۔ (فیروز اللغات، ص۷۸۴☆لغات کشوری، ص۳۷۳☆کریم اللغات، ص۸۹)

سخن: بات، گفتگو، کلام، قول، عہد، شعر، مقولہ، اعتراض۔ (فیروز اللغات، ص۷۸۴)

بیان: صاف، روشن، واضح، وعظ، تقریر، گفتگو، ذکر، اظہار، شہادت، گواہی، اطلاع، بات، کلام، خبر، ظاہر کرنا، کہنا، لیکچر، رپورٹ، مقولہ۔ (فیروز اللغات، ۲۵۰)

دوسرے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''سخن'' ہے اس کا مطلب ''کلام'' ہے۔
دوسرے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''سخن'' ہے اس کا مطلب ''اعتراض'' ہے۔
دوسرے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''بیاں'' ہے اس کا مطلب ''وعظ'' ہے۔
دوسرے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''بیاں'' ہے اس کا مطلب ''اظہار'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کے کلام وعظ، سخن اور بیان کے اعجاز اور ان کی بے مثالی کی مدح و ثنا کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ یا رسول اللہ! آپ کے کلام پر قربان جاؤں کیوں کہ آپ کا کلام بے مثل و مثال ہے۔ حالاں کہ کلام کرنے کے لئے اللہ نے سب کو زبان دی ہے لیکن آپ کی تو بات ہی نرالی ہے۔ کیوں کہ آپ کا جو سخن یعنی کلام ہے اس میں کسی کو بھی سخن یعنی اعتراض کی گنجائش ہی نہیں اور آپ کا جو بیان یعنی وعظ و خطبہ ہے اس کی بے مثالی کا تو ہم بیان یعنی اظہار نہیں کر سکتے۔ اس شعر میں کلام، سخن اور بیان الفاظ کو حضرت رضا بریلوی

نے استعمال فرمایا ہے۔

کلام، سخن اور بیان یہ تینوں الفاظ اسم ہیں۔ علاوہ ازیں لفظ سخن اور بیان کو تکرار کے ساتھ استعمال فرمایا ہے۔ لہٰذا سخن، اور سخن، سخن اور بیان، بیان کل پانچ الفاظ اس شعر میں ہیں۔ پانچوں کی اصل کلام، سخن اور بیان تین الفاظ ہے اور الفاظ بہ اعتبار لغت قریب قریب ہم معنیٰ ہیں۔ یہ تینوں الفاظ بوجہ تکرار کے پانچ الفاظ ہو گئے۔ اور اس شعر میں ان پانچ کے معنیٰ الگ الگ ہیں۔ لہٰذا اس شعر میں فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل دو مرتبہ ہے۔ سخن اور سخن دونوں حروف اور اعـ کے اعتبار سے مساوی ہیں لیکن بہ اعتبار معنیٰ متفرق ہونے کی وجہ سے ایک تجنیس ہوئی۔ اسی طرح بیان اور بیان کی د تجنیس ہوئی۔

اب ہم کلام، سخن اور بیان میں کیا فرق ہے؟ اسے دیکھیں۔ کلام کا اطلاق جامع گفتگو پر ہوتا ہے۔ یعنی جس میں الـ کم تعداد میں ہوں لیکن معانی کے اعتبار سے اس میں علم و عرفان کے سمندر موجیں مارتے ہوں۔ اس کائنات میں سب اعلیٰ جامع کلام اللہ رب العالمین کا مقدس کلام یعنی قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید کو عام اور خاص اصطلاحات میں ''کلام اسی لئے کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید ''سخن اللہ'' یا ''بیان اللہ'' نہیں کہا جاتا۔ کیوں کہ ان لفظوں میں اس مقدس کتاب کی ـ اور کلام کی جامعیت کا کما حقہ اظہار نہیں ہوتا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے کلام کے بعد حضور اقدس ﷺ کا کلام شان جامعیـ حامل ہے۔

حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں کہ

''اِنِّی قَدْ اُعْطِیْتُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ''

یعنی مجھے جامع کلمات سے نوازا گیا ہے۔

سخن اس گفتگو کو کہتے ہیں کہ آدمی عام طور سے اپنے متفرق حال اور امور میں بات چیت کرتا ہے۔ بیان اس کو کہتے ہـ کہ آدمی برائے نصیحت اور دیگر امور مثلاً: تعلیم احتجاج وغیرہ کے طور پر وعظ، تقریر یا خطبہ کے انداز میں بولے۔ لیکن ان تینو صورتوں میں اہم شرط یہ ہے کہ کلام، سخن اور بیان کی آواز انسان کی زبان سے ادا ہو۔ اور اس آواز کے طور پر جو الفاظ اس زبان سے نکلیں ان کا کچھ نہ کچھ معنیٰ ضرور ہو۔ پھر وہ چاہے اچھے معنیٰ پر مشتمل ہوں۔ یا برے معنیٰ پر۔ اسی لئے تو حضرت ر نے شعر کے مصرع اول میں لفظ زبان کا استعمال فرمایا ہے کیوں کہ زبان کا اطلاق بولی یا بھاشا یا لسان یا (Language پر بھی ہوتا ہے۔ مثلاً: اردو زبان، فارسی زبان، ہندی بھاشا، انگلش زبان وغیرہ۔ اسی لئے جانور کے بولنے کو کلام، سخن یا بیا نہیں کہتے۔ یوں ہی انسان کی زبان کے علاوہ کسی عضو سے نکلی ہوئی آواز کو بھی کلام، سخن یا بیان نہیں کہا جائے گا۔ مثلاً: کـ نے اپنے ہاتھ پاؤں کی انگلیاں چٹکائی، یا تالی بجائی یا زور سے ریح خارج کی۔ اور اس کے نتیجے میں جو آواز سنائی دی اس کـ بھی کلام، بیان یا سخن نہیں کہا جائے گا۔ یوں ہی انسان کی زبان یا منہ سے بے معنیٰ یا لغو آواز نکلی مثلاً: کھانسی آئی، خوب زو سے چھینک آئی اور گلے سے بھی آواز نکلی، سیٹی بجائی اور کسی کو روکا، بیل یا گھوڑے کا ہانکنے کے لئے ڈور یا ہوڑ کی آواز نکالی تـ

اس کو بھی کلام، سخن یا بیان میں شمار نہیں کیا جائے گا۔ یوں ہی اگر گونگا شخص اپنی زبان سے اب اب یا ہو ہو کی آواز نکالے وہ بھی کلام، سخن یا بیان نہیں، کیوں کہ اس پر عربی زبان کے لفظ ''نطق'' کا اطلاق نہیں ہوگا۔ نطق کا لغوی معنی ہے بولنا یا بات کرنا، اسی لئے انسان کو ''حیوان ناطق'' کہا جاتا ہے۔ یہاں تک کلام، سخن اور بیان کی مختصر تعریف ذہن نشین کرنے کے بعد اب حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے شعر کو احادیث کی روشنی میں پرکھیں۔ ایک حدیث تو مندرجہ بالا ہے۔ دنیا کی تمام زبانوں میں عربی زبان ایسی فصیح و بلیغ ہے کہ دنیا کی تمام زبانیں اس کے مقابل ماند ہیں۔ عربی زبان کی ابتدا حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ہوئی۔ لیکن آپ کے بعد وہ ہر زمانہ میں دیگر زبانوں کی طرح ترمیم و اضافہ کا شکار ہوتی رہی جس سے وہ زبان خالص نہ رہ کر مخلوط زبان بن گئی۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عربی زبان کو حیات نو ملی، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو خالص عربی زبان کی تعلیم سے سرفراز فرما کر اس دنیا میں بھیجا۔

- امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ ہمارے درمیان ہی رہے لیکن آپ کی زبان سب سے فصیح و بلیغ ہے۔ آپ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا:

  ''كَانَتْ لُغَةُ اِسْمَاعِيْلَ قَدْ دَرَسَتْ فَجَاءَ بِهَا جِبْرِئِيْلُ فَحَفِظْتُهَا''

  یعنی اسماعیل کی زبان مٹ چکی تھی۔ جبرئیل میرے پاس وہ لے کر آئے میں نے اسے محفوظ کرلیا۔

- حضرت مولیٰ علی مشکل کشا رضی اللہ عنہ نے جب سرکار کی فصاحت اور بلاغت دیکھی تو عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم ایک ہی خاندان میں پیدا ہوئے۔ لیکن آپ ہر زبان کے لوگوں سے ان کی زبان میں گفتگو فرما لیتے ہیں۔ حالاں کہ ہم ان کی بات تک نہیں سمجھ پاتے۔ آپ نے فرمایا:

  اے علی! ''اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَادِیْبِیْ''

  یعنی میری تربیت میرے رب نے کی ہے اور بہت ہی خوب کی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو پوری کائنات کے لئے رسول بنا کر بھیجا اور رسول کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ جس قوم کی طرف مبعوث ہوتے ہیں اس کی زبان سے اچھی طرح واقف ہوتے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

''وَ مَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ۔''

ترجمہ: اور ہم نے ہر رسول کو اس کی قوم ہی کی زبان میں بھیجا کہ وہ انہیں بتائے۔ (پارہ ۱۳، سورۂ ابراہیم، آیت ۴، کنز الایمان)

تو جب آپ پوری کائنات کے لئے رسول ہیں تو لازم ہے کہ آپ کو کائنات کی ہر زبان کا علم تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب کبھی بھی کسی ملک کا باشندہ خدمت اقدس میں حاضر ہوتا، آپ اس کی زبان میں اس سے گفتگو فرماتے اور یہ دیکھ کر خود صحابۂ کرام بھی حیرت میں پڑ جاتے۔

- حضرت کعب بن عاصم اشعری سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ اہل یمن کا ایک وفد خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو اپنی

زبان میں گفتگو کی، آپ نے بھی ان سے انہیں کی زبان میں گفتگو فرمائی۔

- حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب آپ کسی دوسری زبان میں گفتگو فرماتے تو صحابہ سمجھ نہ پاتے۔

(وفاء الوفاء، ص

یہاں تک تو قرآن واحادیث کی روشنی میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم اللسان کے متعلق روایات مذکور ہوئیں۔ لیکن امر کی وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ ہر ذی علم کے لئے لازم نہیں کہ وہ فصیح اللسان ہو اور علم بلاغت یعنی تقریر کرنے مہارت رکھتا ہو، بارہا کا مشاہدہ ہے کہ وہ عالم جو علم کا بہتا سمندر رہتا ہے۔ جس کے علم کا لوہا سب مانتے ہیں لیکن تقریر کے لئے جب میدان میں آتا ہے تو ناکام رہتا ہے۔ لوگوں کو اس کا انداز بیان پسند نہیں آتا۔ اور اٹھ کے چلے جاتے ہیں لیکن جو علم کے معاملہ میں صف آخر کی بھی حیثیت نہ رکھتا ہو، مگر فن بلاغت کی وجہ سے مجمع پر چھا جاتا ہے اور اس کی تقریر مجمع ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی طرح ہوتا ہے۔ لیکن محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ (تقریر اور بیان) کی کیفیت کیا تھی صحابۂ کرام کی مقدس زبانی سماعت فرمائیے:

- خلیفۃ المسلمین، امیر المومنین حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ بارگاہ رسالت میں یہاں تک عرض کیا

"لَقَدْ طُفْتُ فِي الْعَرَبِ وَ سَمِعْتُ فَصَاحَتَهُمْ فَمَا سَمِعْتُ اَفْصَحَ مِنْكَ"

یعنی میں سارا عرب گھوما ہوں اور عرب کے فصحاء کو بھی سنا ہے مگر آپ سے بڑھ کر کسی کو فصیح نہیں پایا۔

- حضرت برہ بن عامر ثقفیہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر فصیح عرب میں پہلے پیدا ہوا نہ پیدا ہوگا۔
- حضرت حنظلہ بن ربیع رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب ہم اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوتے اور وہ جنت اور دوزخ کا فرماتے تو محسوس ہوتا کہ ہم ان کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔
- حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایسی نصیحت اور وعظ فرمایا کہ جس سے پگھل گئے اور آنکھوں سے آنسوؤں کے چشمے پھوٹ پڑے۔
- حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجلس کے درمیان کھڑے ہو کر خطبہ دیا، دوران خطبہ آ نے قبر کے احوال کا تذکرہ فرمایا، جو کسی مرنے والے کو پیش آئیں گے۔ پس آپ نے جب یہ ذکر فرمایا تو تمام ا مجلس میں چیخ و پکار شروع ہوگئی۔
- حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا خطبہ ارشاد فرمایا کہ اس طرح کا خطبہ کبھی پہلے نہیں سنا تھا۔ جب آپ نے یہ کلمات ارشاد فرمائے "کہ اگر تمہیں ان باتوں کا علم ہو جائے جو میں جانتا ہوں تو تم ہنسنا چھوڑ اور روتے ہی رہو" یہ سن کر صحابۂ کرام نے اپنی اپنی چادروں میں منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔

مذکورہ تمام واقعات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہی حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام، سخن اور بیان پر قربان ہونے کی خواہش اور جذبہ کا اظہار کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ "میں نثار تیرے کلام پر" چھ

مصرع ثانی میں سخن اور بیان کی مدح وثنا کی ہے۔لیکن اس مصرع میں حضرت رضا بریلوی نے ''وہ سخن ہے جس میں سخن نہ ہووہ بیاں ہے جس کا بیاں نہیں'' فرما کر شعر میں ایک نئی جان ڈال دی ہے۔حالاں کہ یہ شعراس طرح بھی ہوسکتا تھا کہ ''وہ بیاں ہے جس میں سخن نہ ہووہ سخن ہے جس کا بیاں نہیں'' لیکن اس طرح سے کہنے میں اور حضرت رضا نے جس طرح کہا ہے اس میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔کیوں کہ حضرت رضا نے ''وہ سخن ہے جس میں سخن نہ ہو'' یعنی یہ وہ سخن ہے کہ جس میں جائے اعتراض نہیں۔اوراگراس کو ''وہ بیاں ہے جس میں سخن نہ ہو'' میں تبدیل کردیا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ یہ وہ عظ و خطبہ ہے جس میں جائے اعتراض نہیں۔بظاہر تو کوئی فرق نہیں۔حقیقت میں گہرا فرق ہے۔ایک ہے سخن میں اعتراض ہونا، اورایک ہے وعظ میں وخطبہ میں اعتراض ہونا۔دونوں میں عظیم فرق ہے۔کیوں کہ سخن کی ہم آگے تعریف کرچکے ہیں کہ آدمی عام طور پر اپنے متفرق احوال اورامور میں جو بات چیت کرتا ہے اس کو سخن کہتے ہیں۔اس کی ایک مزید وضاحت یہ بھی ہے کہ پھر چاہے وہ گفتگو جلوت میں ہو یا خلوت میں اور بیان کی تعریف یہ ہے کہ کسی مجلس میں مجمع کے سامنے بحیثیت واعظ، خطیب، یامقرر کے بولے۔دونوں صورتوں میں اس کے بولنے کی کیفیت میں بہت فرق ہوتا ہے۔کیوں کہ جب کوئی مقرر یاخطیب کسی مجمع کے سامنے بولتا ہے تو بہت احتیاط سے بولتا ہے۔کیوں کہ مجمع میں مختلف علمی حیثیت رکھنے والے سامعین ہوتے ہیں۔اگر بولنے میں ذرا بھی چوک یالغزش ہوگئی تو فوراً گرفت ہوگی۔اوراعتراض ہوجائے گا۔اس لئے وہ ہرلفظ وہر جملہ تول تول کرمحتاط ہوکر ہی گفتگو کرتا ہے۔لہٰذا وعظ وخطبہ میں اعتراض ہونے کے امکان بہت ہی کم ہوتے ہیں۔بمقابل سخن کے کہ اس کی بات چیت یا گفتگو کے وقت اس کے اردگرد معدودے چند حضرات اوروہ بھی اس کے خاص الخاص احباب ہی موجود ہوتے ہیں۔لہٰذا وہ بے تکلف اور غیرمحتاط ہوکر بات چیت کرتا ہے،کبھی ہنسی مذاق کی باتیں بھی صادر ہوتی ہیں۔ کیوں کہ اس کو گرفت یااعتراض کا خوف نہیں ہوتا۔اس لئے وہ بے دھڑک بے لگام ہوکر بولتا ہے۔یہ ذہنیت انسانوں میں اکثریت کی ہے۔

الحاصل!عام انسانوں کے سخن میں بے احتیاطی کی ایسی بہت سی باتیں ہوتی ہیں کہ اس پر بہت سارے اعتراضات قائم ہوسکتے ہیں۔لیکن بیان میں اس کے بہت ہی کم امکان ہوتے ہیں۔یہ تو ہوئی عام انسانوں کی بات اسی بات پر حضرت رضا بریلوی عرض کرتے ہیں کہ عام انسانوں کے سخن میں تو سخن (اعتراض) کی بہت گنجائش ہے۔لیکن میرے آقا ومولیٰ ﷺ کا سخن (کلام) تو اتنا مقدس ہے کہ اس میں سخن (اعتراض) کا امکان ہی نہیں ان کی گفتگو چاہے انداز سخن میں ہو، چاہے انداز بیان میں ہو، چاہے بھری محفل میں ہو، چاہے چند اشخاص کے روبرو ہو، چاہے دینی امور ہوں، چاہے دنیوی امور ہوں، جلوت ہو، چاہے خلوت، ہرحال میں ان کی گفتگو پاک اورمنزہ، مجلا اورمبرا ہی ہوتی ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''وَ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی''

اوروہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے۔(پارہ ۲۷،سورۃ والنجم،آیت ۳، کنزالایمان)

جس مقدس زبان سے نکلی ہوئی ہر بات کو خالق کائنات ہی جب وحی الٰہی فرما رہا ہے۔ اس زبان اقدس سے نکلے ہوئے کسی بھی سخن میں سخن (اعتراض) کی گنجائش و امکان ہو ہی نہیں سکتا۔ مصرع ثانی کے آخر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ''وہ بیاں ہے جس کا بیاں نہیں'' کا جو جملہ استعمال فرمایا ہے وہ بھی سخن والے جملے کی طرح معنی خیز ہے اس پر بھی تفصیل سے بحث کی جاسکتی ہے، لیکن طوالت مضمون کے خوف سے اختصاراً صرف ایک ہی جملہ کہ حضور اقدس ﷺ کے خطبہ (بیان) کی وہ بلند شان وعظمت ہے کہ جس کا بیان (تذکرہ، اظہار) کرنا کما حقہ ممکن ہی نہیں۔



(۶۴)

جو تیرے در سے یار پھرتے ہیں
در بدر یوں ہی خوار پھرتے ہیں

حل لغت:

در: دروازہ، پھاٹک، آستانہ، اندر، بیچ، نیک کام، نیکی، خوبی، مینھ کا بہت برسنا۔

(فیروز اللغات، ص ۶۱۸ ☆ لغات کشوری، ص ۲۸۳)

پھرنا: ٹہلنا، گھومنا، چہل قدمی کرنا، سیر کرنا، گردش میں آنا، چکر لگانا، تبدیل ہونا، بدل جانا، متوجہ ہونا، براز کی حالت رفع کرنا، ٹیڑھا ہونا، مکرنا، پلٹنا، چکرآنا۔ (فیروز اللغات، ص ۳۱۵)

پھر جانا: لوٹ جانا، واپس ہو جانا، پلٹ جانا، مڑنا، لچکنا، ٹیڑھا ہونا، قائم نہ رہنا، بے وفائی کرنا، باغی ہونا، منحرف ہونا، حالت غیر ہو جانا، ہو کر چلا جانا، چکر لگانا، گردش کرنا، گھومنا۔ (فیروز اللغات، ص ۳۱۵)

در بدر: دردر، دروازہ بہ دروازہ، جگہ جگہ۔ (فیروز اللغات، ص ۶۱۸)

خوار: ذلیل، رسوا، آوارہ، سرگرداں، پریشان، خراب، خستہ، بے اعتبار، مرکبات میں کھانے والا مثلاً: غم خوار، پینے والا مثلاً: خوں خوار، مے خوار، نام ایک موضع کا عراق میں کہ وہاں کی زمین بہت سخت اور کم زراعت ہے۔

(فیروز اللغات، ص ۵۹۴ ☆ لغات کشوری، ص ۲۷۰ ☆ کریم اللغات، ص ۶۶)

پہلے مصرع میں جو لفظ ''پھرتے ہیں'' اس کا مطلب ''باغی'' ہے۔
دوسرے مصرع میں جو لفظ ''پھرتے ہیں'' اس کا مطلب ''گھومنا'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ، مالک کائنات، مختار کل ﷺ کے دربار عالی وقار کی عظمت و شان و جلال و دبدبہ اور ہیبت کا ذکر فرما رہے ہیں۔ اور اپنے آقا کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں کہ یارسول اللہ! آپ کا دربار وہ دربار ہے کہ آپ کے دربار سے باغی ہو کر جو بھی پھرتا ہے اس کا حشر یہ ہوتا ہے کہ وہ دنیا میں ذلیل و خوار مارا مارا پھرتا ہے۔ اس کا کہیں بھی ٹھکانہ نہیں وہ اپنی تمام عزت و شان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ آپ کے در سے پھرنے والا دردر بھٹکتا ہے۔ لیکن اسے ذلت و خواری سے ہی دوچار ہونا پڑتا ہے۔ تمام زندگی وہ دنیا میں رسوا ہو کر ہی جیتا ہے اور رسوائی کے عالم میں ہی وہ آخرت کا عذاب بھگتنے کے لئے ذلت کی موت مرتا ہے۔

اس شعر میں امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے عہد رسالت کے چند واقعات کا اشارہ کیا ہے، جن میں سے کچھ واقعات پیش خدمت ہیں:

- بخاری شریف جلد اول کتاب المناقب میں ہے کہ ایک شخص کاتب وحی تھا، یعنی وحی لکھنے کی خدمت اس کے سپرد تھی، لیکن اس پر کچھ ایسی پھٹکار پڑی کہ مرتد ہو گیا۔ اور حضور اقدس ﷺ کو عیب لگانے لگا اور آپ کی شان میں گستاخی کے الفاظ کہنے لگا۔ جب وہ مرتد مر گیا تو زمین نے اسے اپنے اندر سے باہر نکال کر پھینک دیا۔ اس مرتد کے دوست و احباب نے یہ سمجھا کہ شاید اصحاب رسول نے اس کی لاش زمین سے کھود کر باہر نکال دی ہے۔ اس لئے دوسری مرتبہ گہرا گڑھا کھود کر اس میں دفن کیا۔ لیکن زمین نے قبول نہ کیا، اور اس کی لاش کو باہر پھینک دیا۔ اس مرتد کے احباب نے پھر دفنایا لیکن پھر وہی نتیجہ ہوا۔ غرض کئی بار دفن کیا گیا مگر ہر مرتبہ نعش باہر آ گئی۔ ثابت ہوا کہ نبی کے در سے پھرنے والے کو زمین بھی قبول نہیں کرتی۔ اور وہ وہاں سے بھی خوار کر کے ٹھکرایا جاتا ہے۔
- حضور اقدس ﷺ کی دو صاحبزادیاں حضرت رقیہ، اور حضرت ام کلثوم ابولہب کے دو بیٹوں کے نکاح میں تھیں، یہ نکاح صغر سنی میں ہوئے تھے اور رخصتی نہ ہوئی تھی۔ سیدتنا رقیہ رضی اللہ عنہا عتبہ بن ابولہب کی زوجیت میں اور سیدتنا ام کلثوم رضی اللہ عنہا عتیبہ بن ابولہب کی زوجیت میں تھیں۔ جب ابولہب کی مذمت میں قرآن شریف میں "تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ" نازل ہوئی تو ابولہب نے اپنے دونوں بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے کہا کہ تم محمد (ﷺ) کی بیٹیوں کو طلاق دے دو۔ ورنہ میں تم کو اپنی میراث سے محروم کر دوں گا۔ چنانچہ عتیبہ نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر معذرت کر کے طلاق دے دی۔ لیکن جب عتبہ بارگاہ رسالت میں آیا تو گستاخی سے پیش آیا۔ اور کہا کہ "میں کافر ہوا آپ کے دین سے، نہ آپ کا دین مجھے محبوب اور نہ ہی آپ مجھے پیارے ہیں" اس کمبخت نے حضور اقدس ﷺ کے ساتھ زیادتی کی اور آپ کی قمیص مبارک کو چاک کر دیا، اور اپنے ناپاک منہ کا تھوک حضور کی جانب پھینک کر کہا کہ میں نے آپ کی بیٹی کو طلاق دی۔ عتبہ بن ابولہب کے اس گستاخانہ رویہ کے جواب میں حضور نے عتبہ کو کچھ بھی نہ کہا بلکہ اپنے رب کی بارگاہ میں دعا کی کہ

"اَللّٰھُمَّ سَلِّطْ عَلَیْهِ کَلْبًا مِنْ کِلَابِكَ"

یعنی اے اللہ! اس پر اپنے کتوں میں سے ایک کتا مسلط کر دے۔

عتبہ یہ سن کر کانپ گیا۔ ابولہب نے بھی کہا کہ اب میرے بیٹے عتبہ کی خیر نہیں۔ کیوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعائے بد دعائے ہلاکت اس کے پیچھے پڑ گئی ہے۔ ابولہب ہر طرح اپنے بیٹے عتبہ کی حفاظت اور نگرانی کرنے لگا۔ ایک مرتبہ یہی عتبہ تجارتی قافلہ کے ساتھ ملک شام گیا، ابولہب نے قافلہ کے غلاموں کو خاص تاکید کی کہ وہ عتبہ کی اچھی نگرانی کریں اور رات کو سوتے وقت عتبہ کو بیچ میں سلائیں۔ ایک رات جب کہ قافلہ والے سو رہے تھے کہ جھاڑی سے ایک شیر نکلا اور قافلہ کے ہر شخص کا منہ سونگھتا پھرا، سب کو چھوڑ دیا لیکن جب عتبہ کا منہ سونگھا تو عتبہ کو سینے کے حصہ سے پھاڑ ڈالا اور ایک روایت میں ہے کہ عتبہ کی گردن دبوچ دی اور اس کو جہنم رسید کر دیا۔

(مدارج النبوۃ، اردو، از: شیخ عبد الحق محدث دہلوی، جلد۲، ص۷۸۵)

اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں گستاخی کرنے والے کے منہ سے ایسی بدبو نکلتی ہے کہ جس سے جانور تک کو پتہ چل جاتا ہے کہ گستاخ رسول کا منہ ہے۔

- عتبہ بن ابولہب کی ہلاکت کے واقعہ کو بیہقی نے ابوقتادہ سے اور ابن اسحٰق و ابونعیم نے مرسلاً محمد بن کعب قرطبی وغیرہ سے اس طرح روایت کیا ہے کہ عتبہ جب قریش کی ایک جماعت کے ساتھ ملک شام کے سفر پر گیا تو شام میں "زرقاء" نامی ایک مقام پر قافلہ ٹھہرا، رات میں ایک شیر آیا اور چکر لگایا، عتبہ کو پکڑ لیا، جب شیر نے عتبہ کو پکڑا تب عتبہ چیختا تھا کہ ہائے، ستیاناس! یہ شیر خدا کی قسم مجھے کھا جائے گا۔ جیسا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے میرے لئے دعائے ہلاکت کی تھی اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے بھی مجھے قتل کر دیا، پھر اس شیر نے لوگوں کے سامنے عتبہ کا سر دبوچ لیا اور چبا ڈالا۔ (خصائص کبریٰ، از: علامہ جلال الدین سیوطی، اردو، جلد۱، ص۳۱۰)
- حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے عتبہ کے مذکورہ واقعہ کو قلم بند کرتے ہوئے کئی اشعار کہے ہیں، جنہیں امام اجل علامہ عبدالرحمٰن جلال الدین سیوطی، صاحب تفسیر جلالین نے اپنی کتاب خصائص کبریٰ جلد اول میں نقل کیے ہیں۔ جو واقعی پڑھنے کے لائق ہیں۔
- ثعلبہ بن حاطب نام کے ایک شخص نے ایک مرتبہ زکوٰۃ دینے سے انکار کیا۔ خاطر اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر اس انکار سے بہت ناگواری ہوئی، پھر چند دنوں کے بعد ثعلبہ بن حاطب زکوٰۃ لے کر عاجزی کرتا ہوا حاضر ہوا، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور نہ فرمایا۔ یہاں تک کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ثعلبہ بن حاطب زکوٰۃ لے کر حاضر ہوا، تو خلیفۃ المسلمین، امیر المومنین، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی منظور نہ فرمایا۔ پھر جب امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ثعلبہ بن حاطب زکوٰۃ لے کر حاضر ہوا تو انہوں نے بھی زکوٰۃ لینے سے انکار فرما دیا۔ الغرض کسی بھی خلیفہ نے ثعلبہ کی زکوٰۃ قبول نہ کی اور یہ کہہ کر رد فرمایا کہ جس کی زکوٰۃ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رد فرما دی ہو، ہم میں یہ جرأت د

ہمت نہیں کہ اس کو قبول کرلیں۔ (تفسیر کبیر اور تفسیر روح البیان)

- بیہقی اور ابونعیم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ انہوں نے قرآن مجید کی آیت کریمہ "اِنَّا کَفَیْنٰکَ الْمُسْتَهْزِئِیْنَ" کی تفسیر میں فرمایا کہ (۱) ولید بن مغیرہ (۲) اسود بن عبدیغوث (۳) اسود بن مطلب (۴) حارث بن عیطل سہمی (۵) عاص بن وائل و دیگر کفار قریش حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ کلمات سے استہزاء کرتے تھے۔ ان تمام کی ذلت آمیز اور عبرتناک موتیں واقع ہوئیں۔ جس کی تفصیلی بحث حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے تفسیر مسند میں فرمائی ہے۔ (خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد ا، ص ۳۱۰)

انہیں تمام واقعات کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے فرمایا ہے کہ:

جو ترے در سے یار پھرتے ہیں در بدر یوں ہی خوار پھرتے ہیں



(۶۵)

لو وہ آیا مرا حامی مرا غمخوار امم
آ گئی جاں تن بے جاں میں یہ آنا کیا ہے

حل لغت:

حامی: حمایتی، مددگار، حمایت کرنے والا، نگاہ رکھنے والا، سوزاں، نہایت گرم، جلتا ہوا۔

(فیروز اللغات، ص ۵۶۲ ☆ لغات کشوری، ص ۲۲۴ ☆ کریم اللغات، ص ۵۵)

غم خوار: ہمدرد، دکھ درد کا شریک، یار، دوست، جو اپنا غم کھائے۔

(فیروز اللغات، ص ۹۱۷ ☆ لغات کشوری، ص ۵۲۰ ☆ کریم اللغات، ص ۱۱۴)

امم: امت کی جمع، امتیں، آدمیوں کے گروہ۔ (فیروز اللغات، ص ۱۲۲ ☆ لغات کشوری، ص ۶۱ ☆ کریم اللغات، ص ۱۶)

جاں: جان، روح، آتما، زندگی، حیات، طاقت، ہمت، حوصلہ، تاب و تواں، جوہر، مغز، لب لباب، نہایت عزیز چیز، پیارا بیٹا، معشوق، خوبی، خوبصورتی، زیب و آرائش، بچہ، پیار کا کلمہ۔

(فیروز اللغات، ص ۴۴۳ ☆ لغات کشوری، ص ۱۸۵ ☆ کریم اللغات، ص ۴۶)

تن: جسم، پنڈا، شخص، آدمی، فرد، آلائش نفسانی، کدورت بشری۔

(فیروز اللغات، ص ۳۸۱ ☆ لغات کشوری، ص ۱۶۴ ☆ کریم اللغات، ص ۴۱)

دوسرے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''جاں'' ہے اس کا مطلب ''حیات'' ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''جاں'' ہے اس کا مطلب ''روح'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان آپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی نصرت و حمایت اور مد
پر ناز کرتے ہوئے، مچلتے ہوئے اور فرط و خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دیکھو! وہ کون آرہے ہیں؟ ہاں
ہاں، وہ تو میرے حامی یعنی حمایت کرنے والے میرے غم خوار بلکہ تمام امتیوں کے غم دور کرنے والے آگئے ہیں۔ جب و
آگئے ہیں تو اب مجھے کوئی فکر و تشویش نہیں، ارے وہ کیا آئے؟ ان کے آتے ہی میری بے کیف زندگی میں بہار آگئی اور
سب ان کے آنے کی بدولت ہوا ہے۔ کتنا مبارک ہے ان کا تشریف لے آنا۔

اس شعر میں لفظ ''جاں'' کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے دونوں مرتبہ لفظ ''جاں'' حروف و اعراب کے اعتبار سے مساوی
ہیں لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے مختلف۔ اس لئے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

یہ شعر امام رضا محدث بریلوی کی مشہور نعت:

کس کے جلوے کی جھلک ہے یہ اجالا کیا ہے ہر طرف دیدۂ حیرت زدہ تکتا کیا ہے

کا بیسواں شعر ہے۔ اس نعت میں آپ نے میدان محشر کا نقشہ کھینچا ہے۔ اور اتنے دلکش انداز میں ولولہ خیز الفاظ میں نعت کہی
ہے کہ پڑھتے وقت آنکھوں سے اشک رواں ہو جاتے ہیں۔ اسی نعت کا ایک شعر:

یوں ملائک کریں معروض کہ اک مجرم ہے اس سے پرسش ہے بتا تو نے کیا کیا کیا ہے

جو اس کتاب میں شعر نمبر 19 ہے، اس کی تشریح میں حضور اقدس ﷺ کی شفاعت کا ذکر ہے۔ جو میں نے بہت ہی اختصار
کے ساتھ کیا ہے۔ علاوہ ازیں شعر نمبر 37، 78 اور 79 میں حضور اکرم، سید المرسلین، شفیع المذنبین ﷺ کی شفاعت کبریٰ کا
ذکر خیر کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ قارئین سے مؤدبانہ التماس ہے کہ مذکورہ اشعار کی تشریح ملاحظہ فرمائیں۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی نصرت و اعانت اور دستگیری کا ذکر کیا ہے، لیکن اس شعر
کے مصرع اول میں ''غم خوار امم'' یعنی تمام امتیوں کے غم خوار کا جملہ استعمال فرما کر شعر کی معنویت اور جامعیت میں انوکھا
اضافہ کیا ہے۔ لفظ امم جمع ہے امت کی اس کے معنی ہوئے بہت سی امتیں۔ تو حضرت رضا بریلوی کے شعر کا مطلب یہ ہوا کہ
حضور ﷺ صرف اپنی امت یعنی امت محمدیہ کے غم خوار نہیں ہیں۔ بلکہ تمام امتیوں کے غم خوار ہیں۔ اور بے شک یہ حق ہے
اور اس کی حقانیت و صداقت قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَاءِ شَهِيْدًا'' (پارہ ۵، سورۃ النساء، آیت ۴۱)

ترجمہ: تو کیسی ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور اے محبوب تمہیں ان سب پر گواہ اور نگہبان بنا کر لائیں۔ (کنزالایمان)

اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ انبیائے کرام کو اللہ تعالیٰ اپنی اپنی امتوں پر گواہ بنا کر لائے گا کہ وہ اپنی امت کے ایمان و کفر و نفاق اور تمام افعال پر گواہی دیں۔ کیوں کہ انبیاء اپنی امتوں کے افعال سے باخبر ہوتے ہیں۔ اور حضور اقدس ﷺ ان تمام انبیاء کی گواہی درست ہونے کی گواہی دیں گے۔ کیوں کہ حضور اقدس ﷺ نبی الانبیاء ہیں۔ اور سارا عالم حضور کی امت ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان)

اس سلسلے میں ایک اور آیت پاک کی تلاوت کا شرف حاصل کریں!

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔" (پارہ ۲، سورۃ البقرۃ، آیت ۱۴۳)

ترجمہ: اور یہ رسول تمہارے نگہبان اور گواہ۔ (کنزالایمان)

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ آخرت میں جب تمام اولین و آخرین جمع ہوں گے اور کفار سے فرمایا جائے گا کہ تمہارے پاس میری طرف سے ڈرانے اور احکام پہنچانے والے نہیں آئے؟ تو وہ کفار انکار کریں گے کہ کوئی نہیں آیا۔ حضرات انبیائے کرام سے دریافت کیا جائے گا تو وہ عرض کریں گے کہ یہ جھوٹ بولتے ہیں۔ ہم نے انہیں تبلیغ کی ہے۔ اس پر دلیل طلب کی جائے گی اس پر انبیائے کرام عرض کریں گے کہ امت محمدیہ ہماری گواہ ہے۔ اس پر یہ امت انبیائے کرام علیہم السلام کی موافقت میں گواہی دے گی۔ اور امت کی گواہی کی حضور اکرم ﷺ تصدیق فرمائیں گے۔

(تفسیر خزائن العرفان)

اسی سلسلہ میں اس آیت کریمہ کی مزید تفسیر و وضاحت کرتے ہوئے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ "ہر نبی کو ان کی امت کے احوال پر مطلع کیا جاتا ہے تا کہ روز قیامت وہ شہادت دے سکیں۔ چوں کہ ہمارے نبی ﷺ شہادت عام ہوگی اس لئے حضور ﷺ تمام امتوں کے احوال پر مطلع ہیں۔" (تفسیر خزائن العرفان)

- امام اجل صاحب تفسیر جلالین شریف حضرت علامہ عبدالرحمٰن جلال الدین سیوطی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ایک یہ حدیث حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے اس کا مطلب ہم نے بے شک یہ لیا تھا کہ اس سے مراد وہ امت ہے جو آپ کے زمانے سے قیامت تک ہوگی مگر اب یہ علم ہوا کہ تمام انواع انسانی آپ کے حلقۂ رسالت میں شامل ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ عہد ماقبل میں گزر چکی ہے یا زمانہ مابعد میں آئے۔

(خصائص کبریٰ، جلد ۱،۷)

مذکورہ بالا اقتباسات سے ثابت ہوا کہ صرف امت محمدیہ ہی نہیں بلکہ حضرت آدم سے حضرت عیسیٰ تک، تمام انبیائے کرام علیٰ نبینا و علیہم الصلاۃ والسلام کی تمام امتیں اپنے اعمال کی گواہی میں حضور اقدس ﷺ کی شہادت کی حاجت مند

ہوں گی۔ اور حضور کی شہادت و شفاعت کے طفیل اگلی امتوں کے اعمال بھی شرف قبولیت سے نوازے جائیں گے۔ بلکہ اولو العزم انبیائے کرام بھی قیامت کے دن حضور کی دعا کے خواہش مند ہوں گے۔

- صحیح مسلم شریف میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور مسند احمد اور صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ

''وَاِنَّ اِبْرَاهِيْمَ لَيَرْغَبُ فِيْ دُعَائِيْ ذٰلِكَ الْيَوْمِ''

یعنی قیامت کے دن حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی میری دعا کے خواہش مند ہوں گے۔

(تجلی الیقین، از: امام احمد رضا محدث بریلوی، ص ۱۱۱)

- احمد، ترمذی، ابن ماجہ نے ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ

''اَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ لَا فَخْرَ بِيَدِيْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَ لَا فَخْرَ وَ مَا مِنْ نَّبِيٍّ يَوْمَئِذٍ آدَمَ فَمَنْ سِوَاهُ اِلَّا تَحْتَ لِوَائِيْ''

ترجمہ: میں روز قیامت تمام آدمیوں کا سردار ہوں اور یہ کچھ فخر سے نہیں کہتا اور میرے ہاتھ میں لواء الحمد ہوگا اور یہ کچھ فخر سے نہیں کہتا اور اس دن حضرت آدم اور ان کے سوا جتنے نبی ہیں سب میرے زیر لوا (جھنڈے کے نیچے) ہوں گے۔ (تجلی الیقین، ص ۸۸)

ان تمام حقائق و شواہد کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں ''غم خوار امم'' کا جملہ استعمال فرمایا ہے۔ قیامت کے دن تمام امتوں کی غم خواری اور حمایت ہمارے پیارے نبی، شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے یہ وہ ذات گرامی ہے کہ قیامت کے دن تمام نوع انسانی افسردہ حال ہوگی۔ اور تمام کے تمام حضور اقدس، شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بے کس پناہ میں حاضر ہوں گے۔

- بخاری، مسلم اور ترمذی نے حضرت ابوہریرہ سے اور بخاری، مسلم و ابن ماجہ نے حضرت انس سے اور ترمذی و ابن خزیمہ نے حضرت ابوسعید سے اور احمد بزار نے و ابن حبان و ابویعلی نے حضرت صدیق اکبر سے اور احمد و ابویعلی نے حضرت ابن عباس سے مرفوعاً اور عبداللہ بن مبارک و ابن ابی شیبہ و ابن ابی عاصم و طبرانی نے بسند صحیح حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن لوگ پریشانی سے تنگ آکر آپس میں کہیں گے کہ دیکھتے نہیں تم کس آفت میں ہو۔ کس حال کو پہنچے۔ کوئی ایسا کیوں نہیں ڈھونڈتے جو رب کے پاس شفاعت کرے۔ پھر خود ہی تجویز کریں گے۔ حضرت آدم علیہ السلام ہمارے باپ ہیں ان کے پاس چلنا چاہیے۔ پس حضرت آدم کے پاس جائیں گے۔ عرض کریں گے اے حضرت آدم! آپ ابوالبشر ہیں۔ اللہ نے آپ کو اپنے دست قدرت سے بنایا ہے۔ اور اپنی روح آپ میں ڈالی ہے، اور اپنے ملائکہ سے آپ کو سجدہ کرایا ہے، اور اپنی جنت میں آپ کو رکھا، اور سب چیزوں کے نام آپ کو سکھائے، اور آپ کو اپنا صفی کیا۔ آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کیوں نہیں

کرتے کہ ہمیں اس آفت سے نجات دے، آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس آفت میں ہیں اور کس حال کو پہنچے، حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے:

"لَسْتُ هُنَاكَ اِنَّهٗ لَا يُهِمُّنِي الْيَوْمَ اِلَّا نَفْسِي اِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهٗ مِثْلَهٗ وَ لَنْ يَغْضِبَ بَعْدَهٗ مِثْلَهٗ نَفْسِي نَفْسِي نَفْسِي اِذْهَبُوْا اِلٰى غَيْرِي"

ترجمہ: میں اس قابل نہیں مجھے آج اپنی جان کے سوا کسی کی فکر نہیں، آج میرے رب نے وہ غضب فرمایا نہ ایسا پہلے کبھی غضب فرمایا نہ آئندہ کبھی ایسا غضب فرمائے۔ مجھے اپنی جان کی فکر ہے۔ نفسی نفسی تم اور کسی کے پاس جاؤ۔

لوگ عرض کریں گے پھر ہمیں کس کے پاس بھیجتے ہیں؟ فرمائیں گے اپنے پدر ثانی حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ، کہ وہ پہلے نبی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے زمین پر بھیجا وہ خدا کے شاکر بندے ہیں۔

لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے، اے نوح، اے نبی اللہ! آپ اہل زمین کی طرف پہلے رسول ہیں۔ اللہ نے عبد مشکور آپ کا نام رکھا، آپ کو برگزیدہ کیا اور آپ کی دعا قبول فرمائی کہ زمین پر کسی کافر کا نشان باقی نہ رکھا۔ آپ دیکھتے ہیں کہ ہم کس حال کو پہنچے، آپ اپنے رب کے حضور ہماری شفاعت کیوں نہیں کرتے کہ ہمارا فیصلہ کردے۔ حضرت نوح علیہ السلام فرمائیں گے کہ میں اس قابل نہیں۔ یہ کام مجھ سے نہ ہو سکے گا۔ میرے رب نے آج وہ غضب فرمایا جو نہ اس سے پہلے کیا اور نہ اس کے بعد کرے۔ مجھے اپنی جان کی فکر ہے۔ نفسی نفسی تم کسی اور کے پاس جاؤ۔ عرض کریں گے پھر ہمیں کس کے پاس بھیجتے ہیں؟ فرمائیں گے تم خلیل الرحمٰن ابراہیم کے پاس جاؤ۔

نوٹ: یہ حدیث شریف بہت ہی طویل ہے، لہٰذا اختصاراً عرض ہے کہ: پھر لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے، وہ بھی ان کو وہی جواب دیں گے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی یہی جواب مرحمت فرما کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کو محبوب رب العالمین، شفیع المذنبین، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بے کس پناہ میں بھیج دیں گے۔ جب یہ مصیبت کے مارے لوگ حضور کے پاس جائیں گے تو حضور ارشاد فرمائیں گے:

"اَنَا لَهَا وَ اَنَا صَاحِبُكُمْ"

یعنی میں شفاعت کے لئے ہوں میں تمہارا صاحب (مطلوب) ہوں۔

پھر حضور اپنے رب کی جناب میں شفاعت فرمائیں گے۔

(تلخیص حدیث، ماخوذ: تجلی الیقین، از: امام احمد رضا، محدث بریلوی، ص ۱۱۵ تا ۱۲۳ ☆ کتاب الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ، از: قاضی عیاض مالکی اندلسی، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۳۳۴ تا ۳۳۹ ☆ مدارج النبوۃ، از: شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۴۸۷ تا ۴۹۱)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح اور کتنے لوگوں کی شفاعت فرمائیں گے؟ اس کی تفصیل شعر نمبر 37، 78 اور 79 کی تشریح

میں ملاحظہ فرمائیں۔ ان اشعار کی تشریح سے حضرت رضا بریلوی کے اس شعر کے مصرع ثانی "آ گئی جاں تن بے جاں میں یہ آنا کیا ہے" کی وضاحت ہو جائے گی۔

یہاں ایک نکتہ قابل غور ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی حکمت جلیلہ سے اہل محشر کے دلوں میں ترتیب وار انبیائے عظام کی خدمت میں جانا الہام فرمائے گا۔ شروع ہی میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں آنے کا کسی کو خیال نہیں آئے گا، اگر شروع میں ہی آ جاتے تو شفاعت پاتے اور اِدھر اُدھر مارے مارے پھرنے کی تکلیف سے بچ جاتے۔ سوائے حضرت عیسیٰ دیگر انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی حضور کی خدمت میں نہیں بھیجتے۔ مثلاً: حضرت آدم نے حضرت نوح کے پاس، حضرت نوح نے حضرت ابراہیم کے پاس، حضرت ابراہیم نے حضرت موسیٰ کے پاس، حضرت موسیٰ نے حضرت عیسیٰ (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے پاس بھیجا۔ علاوہ ازیں میدان محشر کے ان آفت زدوں میں لاکھوں بلکہ کروڑوں لوگ ہوں گے جن کے کان اس حدیث سے آشنا ہوں گے۔ مثلاً: صحابہ، تابعین، تبع تابعین ائمہ دین اولیائے کاملین ائمہ محدثین علماء و عاملین ہوں گے۔ پھر کیوں کر یہ جانی پہچانی بات دلوں سے بھلا دی جائے گی کہ کسی کو یاد نہ آئے گا۔ اور جب حضرت عیسیٰ فرمائیں گے تب لوگ حضور کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ صرف یہی وجہ ہے تاکہ اہل محشر پر اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی عظمت و وجاہت، شوکت ومحبوبیت کا اظہار فرمائے کہ تم ہر جگہ گئے تمہارا کام کہیں بھی نہ بنا۔ لیکن میرے محبوب کی خدمت میں آتے ہی تمہارا مقصد حل ہو گیا۔ بقول حضرت رضا:

یہ بے خبری کہ خلق پھری کہاں سے کہاں تمہارے لئے
خلیل و نجی مسیح و صفی سبھی سے کہیں کہیں نہ بنی



(۶۶)

تانوں کی بینوں میں پھر لہرا بجا
گیسوؤں کی ناگنیں لہرا چکیں

(حدائق بخشش، حصہ ۳، ص ۱۵۱)

حل لغت:

تانوں: تان کی جمع، گیت، سر، تال، آلاپ، پلنگ، پالکی، گاڑی وغیرہ کی آہنی سلاخ، ایک درخت، تاننا کا صیغۂ امر۔
(فیروز اللغات، ص ۳۳۹)

بینوں: بین کی جمع، منہ سے بجانے کا ایک ساز۔ (فیروز اللغات، ص ۲۵۸)
لہرا: چلتی ہوئی لے، طبیعت میں جوش پیدا کرنے والی سر، سارنگی کی ایک گت، سر، آواز، لے، ترانہ، نغمہ۔
(فیروز اللغات، ص ۱۱۷۱)

گیسو: سر کے لمبے بال، کٹ، زلف، کاکل، لپٹے ہوئے لمبے بال۔
(فیروز اللغات، ص ۱۱۳۷ ☆ لغات کشوری، ص ۲۶۸ ☆ کریم اللغات، ص ۱۳۵)

ناگنیں: جمع ہے ناگن یا ناگنی کی، ناگ کی مادہ، گدی کے بالوں بھونری، پانی کا لہریں لینا، لہلہانا، ہلنا، حسین عورت۔
(فیروز اللغات، ص ۱۳۴۴)

لہرا: لہرانا مصدر کا صیغہ فعل ماضی ہے، سانپ کا چلنا، موج مارنا، پانی کا لہریں مارنا، لہلہانا، ہلنا، جنبش کرنا، اڑنا، خراٹے بھرنا، للچانا، مائل ہونا۔ (فیروز اللغات، ص ۱۱۷۱)
پہلے مصرع میں جو لفظ "لہرا" ہے اس کا مطلب "نغمہ" ہے۔
دوسرے مصرع میں جو لفظ "لہرا" ہے اس کا مطلب "لہرانا (سانپ کا چلنا)" ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ سریلی بانسری میں پھر لہرا (نغمہ) بجا اور بالوں کی ناگنیں لہرانے لگیں۔ اس شعر کو ملاحظہ فرما کر قارئین کرام! شاید یہ سوچ رہے ہوں گے کہ حضرت رضا بریلوی نے کیا مرزا غالب یا جگر مراد آبادی کی طرح عشق مجازی کا شعر کہا ہے؟ یا اردو ادب کے دیگر شعراء کے مدمقابل آ کر محبوبہ کی زلف کو ناگنی سے تشبیہ دی ہے۔ جیسا کہ کسی شاعر نے اپنی محبوبہ کی زلفوں کے متعلق کہا ہے:

اس زلف کا کیا کہنا جو دوش پہ لہرائی ۔۔۔ سمٹی تو بنی ناگن پھیلی تو گھٹا چھائی

لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت رضا کی کوئی محبوبہ تھی ہی نہیں، اور نہ ہی اس کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ حضرت رضا بریلوی نے تو صرف ایک ذات گرامی کو ہی اپنا محبوب، مقصود، مطلوب اور اپنی مراد بنایا تھا، اور وہ ذات گرامی محبوب رب العالمین، سید المرسلین، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات ہے۔ تو کیا حضرت رضا بریلوی نے اپنے محبوب آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ شعر کہا ہے؟ اس کا جواب ہے ہرگز نہیں کیوں کہ اس شعر میں گیسوؤں کو ناگنیں یعنی سانپ کی مادہ ناگنی یا ناگن کی جمع یعنی بہت ساری ناگن کہا گیا ہے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس گیسوؤں کو ناگنی سے تشبیہ دینا آپ کی شان عالی میں گستاخی و بے ادبی ہے۔ تو یہ ایک معمہ ہو گیا کہ آخر حضرت رضا بریلوی نے کس کے تعلق سے فرمایا؟ ایک اہم امر کی وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ حضرت رضا بریلوی نے کبھی بھی اس دنیا یا دنیادار کی تعریف میں اشعار نہیں کہے۔ حاکم، امراء، نواب یا کسی بھی صاحب اقتدار کی تعریف میں آپ نے کبھی ایک شعر تو درکنار بلکہ ایک لفظ بھی نہیں لکھا۔ اور جب بھی لکھا ہے تو اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وثنا میں، یا اپنے آقا سے نسبت غلامی رکھنے والے اولیائے کرام کی شان میں، یا اپنے

آقا سے نسبت ظاہری و باطنی رکھنے والی اشیاء وغیرہ کی منقبت وتعریف وتوصیف میں لکھا ہے۔ آپ نے جو کچھ بھی، جب کبھی بھی جہاں کہیں بھی، جتنا کچھ بھی اور جس طرز سے بھی لکھا ہے وہ صرف اور صرف عشق رسول کے تقاضا کے تحت لکھا ہے۔ دنیوی عشق وشوق کا تو آپ کے یہاں گزر ہی نہ تھا۔ یہاں گتھی سلجھانا دشوار ہو گیا ہے۔ کیوں کہ یہ شعر حضرت رضا کا ہے اور یقیناً آپ نے دنیوی الفت کے جذبے سے تو قطعاً نہیں لکھا اور اپنے آقا کی شان میں اس قسم کا شعر کہہ نہیں سکتے۔ البتہ حضرت رضا بریلوی نے اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے گیسوؤں کے بارے میں ایک مستقل نعت شریف ۱۸ اشعار پر مشتمل لکھی ہے۔ وہ نعت کیا ہے؟ ایمان ومحبت رسول کے پھولوں کا گلدستہ ہے۔ جس نعت کا مطلع (پہلا شعر) یہ ہے کہ:

چمن طیبہ میں سنبل جو سنوارے گیسو ۔۔۔ حور بڑھ کر شکن ناز پہ وارے گیسو

●

کعبہ جاں کو پنھایا ہے غلاف مشکیں ۔۔۔ اڑ کر آئے ہیں جو ابرو پہ تمہارے گیسو

●

سلسلہ پا کے شفاعت کا جھکے پڑتے ہیں ۔۔۔ سجدۂ شکر کے کرتے ہیں اشارے گیسو

●

دیکھو قرآں میں شب قدر ہے تا مطلع فجر ۔۔۔ یعنی نزدیک ہیں عارض کے وہ پیارے گیسو

پس جو عاشق صادق اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس گیسوؤں کی تعریف وتوصیف میں مذکورہ بالا ایمان وخلوص اور محبت وتعظیم سے لبریز اشعار کے ایمانی موتی نچھاور کر رہا ہو وہ عاشق صادق کبھی بھی اپنے آقا و مولیٰ کی معنبر زلفوں کو ناگنیں سے تشبیہ نہیں دے سکتا۔ بلکہ ایسا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ تو پھر اب دوبارہ یہ سوال اٹھتا ہے کہ حضرت رضا نے یہ شعر کس تعلق سے لکھا ہے؟ جواب ہے عشق رسول کے تعلق سے۔ اب اس جواب سے تو معاملہ مزید پیچیدہ ہو گیا کہ عشق رسول کے تعلق سے شعر اور گیسوؤں کو ناگنیں سے تشبیہ دینا؟ جواباً عرض ہے کہ ہاں! لیکن ناگنیں سے تشبیہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زلفوں کو نہیں دی گئی، اور نہ ہی کسی معظم دین کی زلفوں کی، بلکہ کسی بھی انسان کی زلفوں کو نہیں دی گئی۔ بلکہ خوشنما اور دلفریب ماحول سے مثال دی گئی ہے۔ کیوں کہ یہ شعر اس قصیدہ کا ہے جو حضرت رضا بریلوی نے بطرز تشبیب ماہ ربیع الاول شریف کی آمد کے بیان میں مرقوم فرمایا ہے۔

● تشبیب یعنی شعراء کی اصطلاح میں قصیدے کی ابتداء میں عاشقانہ مضامین میں نظم کرنا۔ (فیروز اللغات، ص ۳۶۱)

یہ شعر جس قصیدے کا ہے اس کی سرخی ہے۔ ''متفرق اشعار تشبیب قصیدہ در بیان آمد بہار ماہ ربیع الاول شریف'' جس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ قصیدہ تشبیب کے انداز میں لکھا گیا ہے۔ اور تشبیب کے انداز میں جو قصیدہ لکھا جاتا ہے اس کی ابتداء میں عاشقانہ مضامین نظم کیے جاتے ہیں۔ لہٰذا حضرت رضا بریلوی نے اس قصیدہ کی ابتداء عاشقانہ مضامین سے کی ہے۔ جس کا اندازہ اس قصیدہ کے ابتدائی اشعار سے ہو جائے گا۔

(۶۷)

جس کے آگے سر سرواراں خم رہے
اس سر تاج رفعت پہ لاکھوں سلام

حل لغت:

سر: کھوپڑی، کسی چیز کے اوپر کا حصہ، چوٹی، ابتداء، فکر، خیال، زور، طاقت، سردار، خلاصہ، خواہش، ارادہ، کنارہ، عنوان، عشق، دماغ، برابر، بالکل، مقدم۔ (فیروز اللغات، ص۷۸۶ ☆ لغات کشوری، ص۳۷۴ ☆ کریم اللغات، ص۸۹)

سرور: سردار، بادشاہ، امیر۔ (فیروز اللغات، ص۷۹۷ ☆ لغات کشوری، ص۳۸۲ ☆ کریم اللغات، ص۹۱)

خم: ٹیڑھ، جھکاؤ، کجی، ترچھاپن، بل، پیچ، موڑ، حلقہ، پھیر، گھماؤ، اوپر کا بازو۔

(فیروز اللغات، ص۵۹۵ ☆ لغات کشوری، ص۲۶۷ ☆ کریم اللغات، ص۶۶)

تاج: شاہی ٹوپی، مکٹ، افسر، پروں کا طرہ، کلغی، پرند کی چوٹی جیسے تاج ہدہد، فقیروں کی ایک خاص قسم کی ٹوپی، دیوار کی کنگنی، وہ گمٹی دار برجی جو کسی دیوار یا مکان کے اوپر بناتے ہیں۔

(فیروز اللغات، ص۳۴۴ ☆ لغات کشوری، ص۱۳۰ ☆ کریم اللغات، ص۳۲)

رفعت: بلندی، اونچائی، ترقی، بزرگی، عزت، شان، رتبے کی بلندی، عروج، بالائی۔

(فیروز اللغات، ص۷۱۳ ☆ لغات کشوری، ص۳۲۸ ☆ کریم اللغات، ص۸۰)

پہلے مصرع میں جو لفظ "سر" ہے اس کا مطلب "سر" ہے۔
دوسرے مصرع میں جو لفظ "سر" ہے اس کا مطلب "اوپر کا [illegible]" ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ سرور کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اقدس کی مدح و ثنا کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر اقدس وہ ذیشان ہے جس کی عظمت، موزونیت، ہیبت، سطوت، شان و شوکت، جاہ و حشمت اور رعب و دبدبہ کا یہ عالم ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں کے سر اس کے سامنے جھکے رہتے ہیں۔ یہ مقدس سر تمام بلند اور عزت و شان والے سروں کا تاج و افسر ہے اس کی بلندی پر لاکھوں سلام ہوں۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے ''سر سروراں خم رہے'' یعنی ''سرداروں کے سر جھکے رہے'' کا جملہ استعمال فرما کر اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عالم گیر سلطنت و قاہر حکومت کا تذکرہ کیا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہنشاہ کونین کے مرتبۂ عالیہ پر فائز فرما کر دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں کے سروں کو اپنے محبوب کے آگے خم ہونے پر مجبور کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو وہ رعب اور دبدبہ عطا فرمایا ہے کہ اس محبوب کی ہیبت کا یہ عالم ہے:

جس کے آگے کھینچی گردنیں جھک گئیں   اس خدا داد شوکت پہ لاکھوں سلام

دنیوی بادشاہ تو درکنار، اس محبوب کی تعظیم و تکریم تمام انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی بجالاتے ہیں۔ بقول حضرت رضا بریلوی:

انبیاء تہہ کریں زانو ان کے حضور   زانوؤں کی وجاہت پہ لاکھوں سلام

اور اس محبوب کا وہ دبدبہ اور وہ وجاہت کیوں نہ ہو؟ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب کو جو مرتبہ عطا فرمایا ہے وہ نہ کسی کو دیا ہے اور نہ کسی کو دے گا۔ بقول حضرت رضا:

وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا   کہ کلام مجید نے کھائی شہا، تیرے شہر و کلام و بقا کی قسم

خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کی اس نعمت عظمیٰ کا ذکر بارہا فرمایا ہے۔ جیسا کہ متعدد احادیث میں وارد ہے:

- امام احمد اور ابو بکر بن ابی شیبہ سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے راوی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

''اُعْطِیْتُ مَا لَمْ یُعْطَ اَحَدٌ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ قَبْلِیْ نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ الْاَرْضِ''

یعنی مجھے وہ عطا ہوا جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں ملا۔ رعب سے میری مدد فرمائی گئی (کہ مہینہ بھر کی راہ پر دشمن میرا نام سن کر کانپ اٹھا) اور مجھے ساری زمین کی کنجیاں عطا ہوئیں۔

(الامن والعلیٰ لناعتی المصطفیٰ بدافع البلاء، حدیث ۶۲، ۵۷، از: امام احمد رضا محدث بریلوی)

- حافظ ابو زکریا یحییٰ بن عائذ نے اپنے مولد میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اور وہ والدہ محترمہ مکرمہ معظمہ حضور اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت بی بی آمنہ رضی اللہ عنہا سے راوی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے بعد خازن جنت نے حضور کو اپنے پروں میں لے لیا اور گوش اقدس (کان شریف) میں عرض کی کہ

''مَعَكَ مَفَاتِیْحُ النَّصْرِ قَدْ اُلْبِسْتَ الْخَوْفَ وَ الرُّعْبَ لَا یَسْمَعُ اَحَدٌ بِذِكْرِكَ اِلَّا وَجَلَ فُؤَادُهٗ وَ خَافَ قَلْبُهٗ وَ اِنْ لَّمْ یَرَكَ یَا خَلِیْفَةَ اللّٰهِ''

ترجمہ: حضور کے ساتھ نصرت کی کنجیاں ہیں، رعب و دبدبہ کا جامہ حضور کو پہنایا گیا، جو حضور کا چرچا سنے گا اس کا دل ڈر جائے گا۔ اور جگر کانپ اٹھے گا اگرچہ حضور کو نہ دیکھا ہو، اے اللہ تعالیٰ کے نائب۔ (الامن والعلیٰ، ص ۶۰)

اور یہی وجہ تھی کہ دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ اور اہل سلطنت حضور اقدس کا اسم شریف سنتے ہی اپنا سر نیاز خم کر دیا کرتے تھے:

(۱) شاہ حبشہ نجاشی (۲) ہرقل شاہ روم (۳) کسریٰ شاہ فارس (۴) مقوقس شاہ مصر اور اسکندریہ (۵) فروت بن عمر والی عمان وغیرہ کے حالات شعر نمبر 28 ''تیرے بے دام کے بندے ہیں رئیسانِ عجم'' کی تشریح میں مذکور ہوئے۔ عرب کے بڑے بڑے قبائل جو اپنی بہادری و شجاعت میں یکتائے زمانہ تھے۔ مثلاً:

(۱) قبیلۂ بنی ثقیف (۲) قبیلۂ عبد القیس (۳) قبیلۂ دوس (۴) قبیلۂ بنی تمیم (۵) قبیلۂ بنی سلیم (۶) قبیلۂ بکار (۷) قبیلۂ طے (۸) قبیلہ نخع (۹) قبیلۂ حضر موت (۱۰) قبیلۂ نجران (۱۱) قبیلۂ بنو اشعر (۱۲) قبیلہ حمیر (۱۳) قبیلہ مزینہ (۱۴) قبیلہ شیبان (۱۵) قبیلۂ بنی عامر (۱۶) قبیلہ عذرہ (۱۷) قبیلہ اہل جرش (۱۸) قبیلہ بنی فزارہ (۱۹) قبیلہ مرہ (۲۰) قبیلہ دار (۲۱) قبیلہ تجیب (۲۲) قبیلہ سلامان (۲۳) قبیلہ محارب کے سرداروں نے حضور اقدس ﷺ کے آگے ''سر سروراں خم رہے'' کا مظاہرہ کیا ہے۔ صرف ملک عرب ہی نہیں بلکہ دنیا کے دیگر ممالک کے بادشاہوں نے حضور اقدس ﷺ کی شہنشاہیت کا اعتراف کرتے ہوئے سر تسلیم خم کئے اور بہت کثیر تعداد میں داخل اسلام ہوئے۔

مصرع ثانی میں حضرت رضا بریلوی ارشاد فرماتے ہیں:

اس سرتاج رفعت پہ لاکھوں سلام

یعنی سلام ہو اس سر مبارک پر جو رفعت کا تاج ہے۔ جس کے مرتبہ کی بلندی، مقام کی اونچائی، رتبے کی ترقی، اس کی عظمت کی بزرگی، بارگاہ الٰہی میں اس کی عزت و مرتبت، اس کی اعلیٰ شان، اس کے درجات کی بالائی اور اس کی وجاہت کے عروج کا اظہار روز قیامت تمام اولین و آخرین پر ہو جائے گا۔ اس سر اقدس کی رفعت دیکھ کر تمام رشک کریں گے۔ اور تمام پر یہ حقیقت کھل جائے گی کہ اللہ کے حضور جو وجاہت اس ذات اقدس کی ہے وہ کسی کی نہیں۔ اس مرتبہ پر پہنچنے کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا۔ یہ صرف اسی محبوب کا خاصہ ہے۔ اس عنوان کے ضمن میں چند احادیث کریمہ تلاوت کرنے کا شرف حاصل کریں:

- احمد، بزار، ابو یعلیٰ اور ابن حبان اپنی صحیح میں حضرت جناب افضل الاولیاء الاولین والآخرین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے حدیث شفاعت روایت کرتے ہیں کہ جب قیامت کے دن لوگ حضور اقدس ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوں گے تب حضور والا حضرت جبرئیل امین علیہ السلام کو اپنے رب کے پاس اذن لینے کے لئے بھیجیں گے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اذن دے گا۔ حضور حاضر ہو کر ایک ہفتہ ساجد رہیں گے۔ رب تبارک و تعالیٰ ارشاد فرمائے گا:

''اِرْفَعْ رَأْسَكَ وَ سَلْ تُعْطَ وَ اشْفَعْ تُشَفَّعْ''

ترجمہ: سر اٹھاؤ اور عرض کرو سنی جائے گی اور شفاعت کرو قبول ہوگی۔

حضور اقدس ﷺ سر اٹھائیں گے۔ تو رب عظیم کا وجہ کریم دیکھیں گے۔ فوراً سجدے میں گر جائیں گے، ایک ہفتہ اور ساجد رہیں گے، رب تبارک و تعالیٰ پھر وہی کلمات لطف فرمائے گا۔ حضور اقدس ﷺ اپنا سر مبارک اٹھائیں گے اور تیسری مرتبہ سجدہ کرنے کا ارادہ فرمائیں گے۔ تو حضرت جبرئیل امین حضور کا بازو تھام کر روک لیں گے۔ اس وقت حضور اقدس ﷺ اپنے رب کریم سبحانہ سے عرض کریں گے:

''اِیْ رَبِّ جَعَلْتَنِیْ سَیِّدَ وَلَدِ آدَمَ وَ لَا فَخْرَ''

یعنی اے رب میرے! تو نے مجھے اولاد آدم کا سردار کیا اور کچھ فخر نہیں۔ (الیٰ آخر الحدیث)

(تجلی الیقین، بان نبینا سید المرسلین، از: اعلیٰ حضرت، ص

- امام مالک، بخاری، مسلم، ترمذی اور نسائی نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ار فرماتے ہیں کہ

''اَنَا الْحَاشِرُ یَحْشُرُ النَّاسُ عَلٰی قَدَمِیْ''

ترجمہ: میں ہی وہ حاشر ہوں کہ تمام لوگ میرے قدموں پر اٹھائے جائیں گے۔ یعنی اولین و آخرین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ہوں گے۔ (تجلی الیقین، ص ۱۰۶)

اب ایک حدیث وہ بیان کرتا ہوں کہ جس سے اہل ایمان کا ایمان تازہ ہو جائے گا۔ اور بارگاہ رسالت کے گستاخو سینہ غیظ میں جل جائے گا۔

- ''عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ اِتَّخَذَ اِبْرَاھِیْمَ خَلِیْلًا وَ اِنَّ صَاحِبَکُمْ خَلِیْلُ اللّٰہِ وَ اَکْرَمُ الْخَلْقِ عَلَی اللّٰہِ ثُمَّ قَرَءَ: عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا قَالَ یُقْعِدُہٗ عَلَی الْعَرْشِ''

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک اللہ عزوجل نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا۔ اور بے شک تمہارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے خلیل ہیں اور تمام خلق سے زیادہ اس کے نزدیک عزیز و جلیل ہیں۔ پھر آیت پڑھی: ''عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا'' تلاوت کر کے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ روز قیامت انہیں عرش پر بٹھائے گا۔

- حضرت عبداللہ بن حمید وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے تلمیذ رشید حضرت مجاہد سے روایت کی کہ انہوں۔ اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ

''یُجْلِسُہُ اللّٰہُ تَعَالٰی مَعَہٗ عَلَی الْعَرْشِ''

یعنی اللہ تعالیٰ انہیں عرش پر اپنے ساتھ بٹھائے گا۔ یعنی معیت تشریف و تکریم عطا فرمائے گا۔ وہ سبحانہ و تعالیٰ جلوس ا مجلس سے پاک اور متعال ہے۔ (تجلی الیقین، ص ۵۶)

- امام احمد بن محمد المصری القسطلانی اپنی کتاب ''مواہب لدنیہ'' میں علامہ سید الحفاظ شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرماتے ہیں کہ مجاہد کا یہ قول از روئے نقل مرفوع، نہ از جہت نظر ممنوع ہے۔ یعنی کہ امام مجاہد کا یہ قول قابل قبو ہے اور نقاش نے امام ابوداؤد صاحب سنن رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا کہ

''مَنْ اَنْکَرَ ھٰذَا الْقَوْلَ فَھُوَ مُتَّھَمٌ''

یعنی جو اس قول سے انکار کرے وہ متہم ہے۔ یعنی تہمت لگانے والا۔

اسی طرح امام دارقطنی نے اس قول کی تشریح فرمائی اور اس کے بیان میں چند اشعار نظم کیے اور اسی کی مثل امام العلام احمد شہاب الدین خفاجی کی کتاب ''نسیم الریاض'' میں ہے۔ ان اشعار میں صرف ایک شعر قارئین کی خدمت میں پیش ہے:

وَ لَا تُنْكِرُوْا اَنَّهٗ قَاعِدٌ وَ لَا تُنْكِرُوْا اَنَّهٗ يُقْعِدُهٗ

یعنی حضور اقدس ﷺ عرش پر بیٹھیں گے، اس کا انکار مت کرو، اور اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں عرش پر بٹھائے گا اس کا بھی انکار مت کرو۔

- ابوالشیخ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے راوی ہیں کہ

''اَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَجْلِسُ عَلٰى كُرْسِيِّ الرَّبِّ بَيْنَ يَدَيِ الرَّبِّ۔''

یعنی بے شک محمد ﷺ روز قیامت رب کے حضور رب کی کرسی پر جلوس فرمائیں گے۔ (تجلی الیقین، ص۵۹)

- امام محی السنۃ، علامہ البغوی اپنی کتاب ''معالم التنزیل'' میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ

''يُقْعِدُهٗ عَلَى الْكُرْسِيِّ''

ترجمہ: اللہ انہیں کرسی پر بٹھائے گا۔

- امام ترمذی نے بافادۂ تحسین وتصحیح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''اَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ فَاُكْسٰى حُلَّةً مِنْ حُلَلِ الْجَنَّةِ اَقُوْمُ عَنْ يَمِيْنِ الْعَرْشِ لَيْسَ اَحَدٌ مِنَ الْخَلَائِقِ يَقُوْمُ ذٰلِكَ الْمَقَامَ غَيْرِيْ''

ترجمہ: میں سب سے پہلے زمین سے باہر آؤں گا۔ پھر مجھے جنت کے جوڑوں سے ایک جوڑا پہنایا جائے گا۔ میں عرش کی ایک جانب ایسی جگہ کھڑا ہوں گا جہاں مخلوق الٰہی میں سے کوئی بھی کھڑا نہ ہو سکے گا۔

- امام بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ

''اُكْسٰى حُلَّةً مِنَ الْجَنَّةِ لَا يَقُوْمُ لَهَا الْبَشَرُ''

ترجمہ: مجھے وہ بہشتی لباس پہنایا جائے گا کہ تمام انسان جس کی قدر وعظمت کے لائق نہ ہوں گے۔

- امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''افضل القریٰ'' میں امام شیخ الاسلام سراج بلقینی سے نقل کیا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضور ﷺ سے عرض کی کہ

''اَبْشِرْ فَاِنَّكَ خَيْرُ خَلْقِهٖ وَ صَفْوَتِهٖ مِنَ الْبَشَرِ حَبَاكَ اللّٰهُ بِمَا لَمْ يَحْبُ بِهٖ اَحَدًا مِنْ خَلْقِهٖ لَا مَلَكًا مُقَرَّبًا وَ لَا نَبِيًّا مُرْسَلًا''

ترجمہ: مژدہ ہو کہ حضور بہترین خلق خدا ہیں، اللہ تعالیٰ نے تمام آدمیوں میں سے حضور کو چن لیا اور وہ دیا جو سارے جہاں میں سے کسی کو نہ دیا۔ نہ کسی مقرب فرشتے کو نہ کسی مرسل نبی کو۔

- عثمان بن سعید دارمی نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ''اِنَّ اللّٰهَ دَفَعَنِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فِیْ اَعْلٰی غُرْفَةٍ مِنْ جَنَّاتِ النَّعِیْمِ لَیْسَ فَوْقِیْ اِلَّا حَمَلَةَ الْعَرْشِ''

ترجمہ: اللہ تعالیٰ مجھے قیامت کے دن جنت نعیم کے سب غرفوں (بالا خانوں) سے اعلیٰ غرفہ میں بلند فرمائے گا کہ مجھ سے اوپر بس خدا کا عرش ہوگا۔

ثابت ہوا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سر تاج رفعت کی وہ بلندی ہے کہ آپ تمام خلق خدا سے سر بلند اور افضل و اعلیٰ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر اقدس قیامت میں اتنا بلند ہوگا کہ آپ کے اوپر صرف عرش الٰہی ہوگا اور آپ تمام مخلوق سے بلند ہوں گے اسی بلندی اور رفعت کا ذکر کرتے ہوئے بارگاہ رسالت کے عاشق صادق حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ نے خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے ہدیہ سلام محبت نچھاور کیا ہے:

جس کے آگے سر سروراں خم رہے　　　اس سر تاج رفعت پہ لاکھوں سلام



(۶۸)

خوب مسعیٰ میں بامید صفا دوڑ لیے
رہ جاناں کی صفا کا بھی تماشا دیکھو

حل لغت:

مسعیٰ: سعی کرنے کی جگہ، مکہ مکرمہ میں خانہ کعبہ کے قریب واقع صفا اور مروہ نام کی دو پہاڑیوں کے درمیان طواف کے بعد حاجی لوگ سعی کرتے ہیں وہ جگہ۔

سعی: دوڑ دھوپ، کوشش، جدوجہد، محنت، سفارش، مکے کی دو پہاڑیوں صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنا، جلدی کرنا، کوشش کرنا، حاصل کرنا۔ (فیروز اللغات، ص۸۰۰ ☆ لغات کشوری، ص۳۸۴ ☆ کریم اللغات، ص۹۲)

صفا: پاک، پاکیزہ، مجلاّ، صیقل کیا ہوا، صفائی، درستی، نرمل، سپاٹ، ہموار، کھر، دوستی، خالص، مکہ کی ایک پہاڑی۔
(فیروز اللغات، ص۸۶۲ ☆ لغات کشوری، ص۴۴۶ ☆ کریم اللغات، ص۱۰۲)

رہ: راہ کا مخفف، راستہ، رتبہ، مرتبہ، دفعہ، بار، قاعدہ، قانون، آہنگ، نغمہ۔

(فیروز اللغات، ص ۷۱۳ ☆ لغات کشوری، ص ۲۳۷ ☆ کریم اللغات، ص ۸۲)۔

جاناں: محبوب، محبوبہ، جانی، پیارا، بعض صوفی شعراء نے خدا تعالیٰ کے لئے بھی استعمال کیا ہے، جان، معشوق، پیارا۔

(فیروز اللغات، ص ۴۴۷ ☆ لغات کشوری، ص ۱۸۵ ☆ کریم اللغات، ص ۴۶)

تماشا: باہم مل کر پیدل چلنا، سیر تفریح، دید، نظارہ، مزہ، لطف، کھیل، مجمع، ہجوم، ہنگامہ، مذاق، ٹھٹھا، عجیب بات، نمائش، دکھاوا، سوانگ، ناٹک، کرتب، لیلا۔ (فیروز اللغات، ص ۴۷۹ ☆ لغات کشوری، ص ۱۶۲ ☆ کریم اللغات، ص ۴۱)

پہلے مصرع میں جو لفظ ''صفا'' ہے اس کا مطلب ''درستی'' ہے۔

دوسرے مصرع میں جو لفظ ''صفا'' ہے اس کا مطلب ''پاکیزگی'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا ومولیٰ ﷺ کے دیار اقدس مدینہ منورہ کی عظمت اور پاکیزگی کا ذکر فرمار ہے ہیں۔ اور حج بیت اللہ ادا کر لینے والے حجاج کرام کو مخاطب بنا کر فرمار ہے ہیں کہ اے فریضۂ حج سے فارغ ہونے والے حاجیو! تم اب اس دیار اقدس مدینہ طیبہ میں آرہے ہو جہاں پر وہ ذات گرامی ﷺ آرام فرما ہیں جن کے طفیل تم کو حج کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ اے فریضۂ حج سے فارغ ہونے والے خوش نصیب حاجیو! تم نے حج کے تمام ارکان ادا کر لیے اور ان میں سے یہ کہ طواف کعبہ کے بعد سعی کرنا یعنی کہ صفا اور مروہ نام کی دو پہاڑیوں کے درمیان چلنا اور دوڑنا۔ صفا اور مروہ نام کی دو پہاڑیوں کے درمیان جو جگہ ہے جہاں سعی کی جاتی ہے اس کو ''مسعیٰ'' کہتے ہیں۔ یعنی سعی کرنے کی جگہ۔ سعی کرنے والا مسعیٰ میں چلتا ہے لیکن ایک مخصوص جگہ آتے ہی وہ دوڑتا ہے۔ یہ دوڑنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی سنت ہے۔ کیوں کہ آپ اپنے لخت جگر کے لئے صفا اور مروہ نام کی دو پہاڑیوں کے درمیان پانی ڈھونڈھنے کے لئے اِدھر سے اُدھر، اور اُدھر سے اِدھر آتی جاتی تھیں۔ اس آمد ورفت میں آپ کبھی آہستہ چلتی تھیں اور کبھی دوڑتی تھیں۔ لہٰذا آپ جس مقام پر آکر دوڑتی تھیں اس جگہ مسعیٰ میں نشان نصب ہے اور اس نشان کے آتے ہی سعی کرنے والا حاجی بھی دوڑتا ہے۔ اس طرح دوڑنا سعی کے ارکان میں شامل ہے۔ اور عبادت میں شمار ہے۔ مسعیٰ میں دوڑنے والا حاجی صرف ثواب کے حصول کی نیت سے دوڑتا ہے۔ کوئی بھی شخص صحت بنانے کے لئے یا کھانا ہضم کرنے کے لئے ورزش کی نیت سے وہاں نہیں دوڑتا۔ بلکہ ثواب حاصل کرنے اور گناہوں سے پاک ہونے کے لئے دوڑتا ہے۔ اسی کو حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ اپنے شعر میں بیان فرماتے ہیں کہ اے صفا اور مروہ کے درمیان پاک ہونے کی نیت اور امید سے دوڑنے والے حاجیو! مکہ معظمہ میں صفا یعنی پاکیزگی حاصل کرنے کے لئے تم نے دوڑنے کی زحمت، اور مشقت اٹھائی لیکن اب تم رحمۃ للعالمین اور جان رحمت ﷺ کے مقدس شہر مدینہ طیبہ آرہے ہو۔ یہاں پر صفا یعنی پاکیزگی

حاصل کرنے کے لئے تمہیں تکلیف گوارا نہیں کرنی پڑے گی کیوں کہ رہ جاناں یعنی محبوب کے در کا راستہ کہ جہاں تم چلو گے پھرو گے وہ راستہ یعنی پاکیزگی تمہارے ساتھ ساتھ اور باہم مل کر پیدل چلے گی۔ اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے "تماشا دیکھو" کا جملہ استعمال فرمایا ہے۔ "تماشا" کے معنی ہوتے ہیں باہم پیدل چلنا۔ مطلب یہ ہوا کہ مدینہ طیبہ میں آنے والے زائرین یا آنے والا زائر صفا کو اپنے ساتھ چلتی ہوئی دیکھے گا۔ یہ تو ہوئے شعر کے ظاہری اور لغوی معنی، اب شعر کی تشریح کے لئے راقم الحروف جیسا بے علم حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ کے فیض سے توسل کر کے کچھ لکھنے کی جرأت کرتا ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کا تقابلی جائزہ اور موازنہ پیش کر رہے ہیں۔ مکہ معظمہ وہ مقدس شہر ہے جہاں خانۂ کعبہ ہے، لیکن مدینہ منورہ میں کعبہ کا بھی کعبہ ہے۔ مکہ میں جلال خداوندی کا مظاہرہ ہے تو مدینہ میں جمال محمدی کا نظارہ ہے۔ مکہ معظمہ میں حصول ثواب کے لئے عبادت و ریاضت کی مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے، مگر مدینہ میں گنہگاروں کو رحمۃ للعالمین کی نوری چادر اپنی رحمت کی پناہ دے رہی ہے۔ مکہ میں آب زم زم کا مقدس چشمہ ابل رہا ہے، تو مدینہ میں حوض کوثر کے مالک کے جود و کرم کا دریا اچھل رہا ہے۔ مکہ میں میزاب کے نیچے کبھی کبھی بارش کرم کے چھینٹے نصیب ہو جاتے ہیں، لیکن مدینہ میں ابر رحمت کی موسلا دھار بارش ہمیشہ ہوتی رہتی ہے۔ مکہ میں نیک اور متقی لوگ بھی خوف خدا سے لرزتے ہیں، لیکن مدینہ میں گنہگار بھی دامن مصطفیٰ پہ مچلتا ہے۔ بے شک مکہ معظمہ کی عظمت اپنی جگہ مسلم اور برقرار ہے، لیکن مدینہ منورہ کی تو بات ہی نرالی ہے۔ مدینہ میں کونین کا دولھا ﷺ آرام فرما ہے اور اسی دولھا کے طفیل اللہ تعالیٰ کی نعمتیں، رحمتیں اور برکتیں حاصل ہوتی ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے محبوب اعظم کا وہ آستانہ ہے جہاں گناہ صیقل ہوتے ہیں اور توبہ قبول ہوتی ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا" (پارہ ۵، سورۃ النسآء، آیت ۶۴)

ترجمہ: اور جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو تیرے حضور حاضر ہوں پھر اللہ سے بخشش چاہیں اور رسول ان کے لئے معافی مانگیں تو بیشک اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔ (ترجمہ ماخوذ از: الامن والعلی، ص ۲۰)

اس آیت کریمہ میں صاف ارشاد ہے کہ اگر گناہ ہو جائے تو حضور پرنور رؤف و رحیم آقا ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اللہ تبارک و تعالیٰ سے استغفار کریں اور حضور بھی ان کے لئے معافی چاہیں تو اللہ تعالیٰ کو ضرور توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پائیں گے۔ غور فرمائیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے محبوب اعظم ﷺ کی شان کتنی بلند فرما رہا ہے۔ اگر بندے سے اللہ کی نافرمانی ہو گی اور بندے نے ارتکاب گناہ کیا، پھر اس گناہ پہ نادم ہو کر بندہ اپنے رب سے معافی چاہے، توبہ و استغفار کرے، تو رب تبارک و تعالیٰ قادر مطلق ہے وہ اپنے بندے کی توبہ قبول فرمالے۔ لیکن رب کو یہ زیادہ پسند ہے کہ اے بندو! اگر اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہو تو میرے محبوب کی خدمت میں جاؤ، میرے محبوب کے حضور حاضر ہو کر مجھ سے استغفار کرو اور یہ

کوشش کرو کہ میرا محبوب بھی تمہارے گناہوں کی مجھ سے بخشش چاہے تو بے شک میں تمہارے گناہوں کی توبہ قبول فرما کر تم پر مہربانی فرماؤں گا۔

- شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ حافظ ابوعبداللہ مصباح الظلام میں امیرالمؤمنین حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن کے تین دن بعد ایک اعرابی آیا اور قبر انور پر گر پڑا۔ وہ اعرابی قبر انور کی خاک اپنے سر پر ڈالتا تھا اور کہتا تھا کہ یارسول اللہ! آپ نے جو کچھ اپنے رب سے سنا وہ میں نے آپ سے سنا۔ اور آپ نے جو کچھ خدا سے یاد کیا میں نے آپ سے یاد کیا اور وہ آیت یہ ہے کہ ''وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ'' (الآیۃ) میں نے اپنے اوپر ظلم کیا اور آپ کے پاس اس لئے آیا ہوں کہ آپ میرے لئے استغفار فرمائیں۔ قبر شریف سے ایک آواز آئی کہ ''قَدْ غُفِرَ لَكَ'' یعنی تیری مغفرت ہوگئی۔

(جذب القلوب الی دیار المحبوب، اردو، ص۲۶۶)

- شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ محمد بن حرب ہلالی کہتے ہیں کہ جب میں مدینہ منورہ آیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کر کے آپ کے سامنے بیٹھا ہی تھا کہ ایک اعرابی نے آکر زیارت کی اور کہنے لگا کہ یا خیر الرسل! حق سبحانہ وتعالیٰ نے آپ پر جو سچی کتاب نازل فرمائی ہے اس میں یہ لکھا ہے کہ ''وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ'' (الآیہ) میں آپ کے پاس اپنے گناہوں سے بخشش کا طالب آیا ہوں۔ آپ میرے لئے استغفار کریں۔

یہ کہہ کر وہ اعرابی رونے لگا اور یہ بیت پڑھا:

يَا خَيْرَ مَنْ دُفِنَتْ لِقَاعِ اَعْظَمَهُ ۔۔۔ فَطَابَ بِطِيْبِهِنَّ الْقَاعُ وَ الْاَكَمُ
نَفْسِيْ الْفِدَاءُ بِقَبْرٍ اَنْتَ سَاكِنُهُ ۔۔۔ فِيْهِ الْعَفَافُ وَ فِيْهِ الْجُوْدُ وَ الْكَرَمُ

حضرت محمد بن حرب ہلالی فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں سو گیا، خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا آپ مجھ سے فرماتے ہیں کہ اس شخص کو بلا کر خوش خبری سنا دو کہ حق تعالیٰ نے میری شفاعت سے اس کے گناہ بخش دیے۔

(جذب القلوب، اردو، ص۲۲۵)

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے شعر کا دوسرا مصرع انہیں سب واقعات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ وہ مقدس بارگاہ ہے کہ جہاں آنے والے گناہ گار اس کریم آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ لطف وعنایت سے صیقل ہو جاتے ہیں اور ''رہ جاناں کی صفا کا بھی تماشا دیکھو'' کا منظر سامنے آجاتا ہے۔ اسی لئے تو حضرات صالحین اس دربار سے ہمیشہ ربط قائم رکھتے آئے ہیں۔ اگر کسی مجبوری کی بناء پر خود حاضر نہیں ہو سکتے تھے تو اپنے قاصد کو بھیج دیا کرتے تھے۔

- حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ ملک شام سے مدینہ منورہ کو قاصد بھیجا کرتے تھے تا کہ ان کا سلام رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں عرض کرے، ان کا یہ فعل تابعین کے وسط زمانے میں تھا۔ اس خبر کی روایت مشہور ہے۔

(جذب القلوب، اردو، ص۲۳۲)

(۶۹)

مانگ من مانتی منھ مانگی مرادیں لے گا
نہ یہاں نہ ہے نہ منگتا سے یہ کہنا کیا ہے

حل لغت:

من مانتی: حسب منشا، دل کے مطابق، خود اختیاری یعنی جو جی چاہے۔(فیروز اللغات، ص۱۲۸۸)
منھ مانگی: دلی خواہش، دلی تمنا۔(فیروز اللغات، ص۱۳۰۶)
مراد: ارادہ، مطلب، مقصد، غرض، خواہش، تمنا، آرزو، منت، نذر، بھینٹ، مفہوم، منشاء۔
(فیروز اللغات، ص۱۲۲۳ ☆ لغات کشوری، ص۶۸۳ ☆ کریم اللغات، ص۱۵۰)
نہ: حرف نفی، نہیں، نا، مت، انکار۔(فیروز اللغات، ص۱۳۸۷ ☆ لغات کشوری، ص۷۹۲ ☆ کریم اللغات، ص۱۸۸)
منگتا: بھیک مانگنے والا، بھکاری، فقیر، گدا۔(فیروز اللغات، ص۱۲۹۷)
کیا ہے؟: کیا بات ہے، کیا معاملہ ہے، کیا کہتے ہو، کون ہے، کیوں ہے، بیکار ہے، نکما ہے، بے حقیقت ہے۔
(فیروز اللغات، ص۱۰۷۰)

دوسرے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''نہ'' ہے اس کا مطلب ''نہیں'' ہے۔
دوسرے مصرع میں درمیان میں جو لفظ ''نہ'' ہے اس کا مطلب ''انکار'' ہے۔
دوسرے مصرع میں آخر میں جو لفظ ''نہ'' ہے اس کا مطلب ''نہیں'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جود و کرم اور فیاضی و سخاوت کا تذکرہ فرما رہے ہیں۔ اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جود و کرم پر اعتماد کامل رکھتے ہوئے پختہ یقین کے ساتھ بلا کسی قید و پابندی کے حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ اے دربار رسالت کے سائل یہ وہ دربار ہے کہ جہاں تو من مانتی یعنی جو جی چاہے مانگ، تجھے منھ مانگی یعنی جو تیری دلی خواہش ہے وہ تمام مرادیں ضرور ملیں گی۔ کیوں کہ یہ اس شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا دربار ہے کہ جہاں پر ''نا'' ہے ہی نہیں۔ اور مانگنے والوں سے یہ نہیں کہا جاتا کہ کیا ہے؟ یعنی کیا بات ہے کہ اتنا بڑا سوال کرتے ہو۔ تمہارا سوال کرنا بے کار ہے۔

اس شعر کے مصرع ثانی میں لفظ ''نہ'' دو متفرق معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ پہلی اور تیسری مرتبہ جو لفظ ''نہ'' ہے وہ ''نہیں'' کے معنی میں ہے۔ اور دوسری مرتبہ جو لفظ ''نہ'' ہے وہ انکار کے معنی میں ہے۔ یعنی شعر کے لفظی معنی یہ ہوں گے کہ ''یہاں انکار نہیں ہے'' اس شعر میں لفظ ''نہ'' دو متفرق معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ حالاں کہ حروف و اعراب کے اعتبار سے غیر متفرق و مساوی ہے۔ لہٰذا یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر میں ''من مانتی'' اور ''منھ مانگی'' مراد کا ذکر کیا گیا ہے۔ ''من مانتی'' اور ''منھ مانگی'' میں بڑا فرق ہے۔ اس فرق کو یوں سمجھیں کہ زید اور بکر دونوں دوست ہیں۔ لیکن زید بہت مالدار ہے اور بکر مالی اعتبار سے تنگ دست و مفلس ہے۔ ایک دن زید کو اپنے دوست بکر کے حال پر ترس آیا اور اس نے بکر سے کہا کہ تمہاری مالی حالت بہت خستہ ہے اور مجھ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے بہت کچھ دیا ہے۔ لہٰذا میں ایک دوست ہونے کی حیثیت سے کہتا ہوں کہ تم کو جو بھی ضرورت ہو بلا تکلف کہو میں پوری کر دوں گا۔ زید کی یہ درخواست سن کر بکر شش و پنج میں پڑ گیا کہ کیا مانگوں؟ بکر کو اپنا قرض ادا کرنے اور دیگر ضروریات زندگی پورا کرنے کے لئے ایک لاکھ روپیہ کی ضرورت ہے، لیکن اتنی بڑی رقم مانگتے ہوئے وہ جھجکتا ہے۔ خجالت و شرم مانع ہوتی ہے۔ جی تو یہ چاہتا ہے کہ ایک لاکھ روپیہ مانگوں، لیکن ڈر ہے کہ اتنی بڑی رقم مانگنے پر زید نے انکار کر دیا تو میرا کیا منھ رہ جائے گا۔ اس لئے من ہی من میں سمجھوتہ کر کے اس نے صرف پچیس ہزار روپیہ مانگے۔ من مانتی رقم تو ایک لاکھ تھی لیکن منھ مانگی رقم پچیس ہزار ٹھہری۔ اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ بکر نے سوچا کہ اگر میں نے زید سے ایک لاکھ کی رقم مانگی تو زید کہیں یہ نہ کہہ دے کہ کیا ہے؟ کیا کہتے ہو تم، اتنی بڑی رقم کا مطالبہ کرتے ہو؟ میں نے ہمدردی کا اظہار کیا تو بس گویا سونے کی چڑیا ہاتھ لگی ہو اس طرح اتنا بڑا مطالبہ کرنے لگے۔ تمہارا یہ مطالبہ بے کار ہے۔ اس سے خوفزدہ ہو کر بکر نے من مانتی کا مطالبہ نہیں کیا۔ لیکن یہاں شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا دربار وہ سخی دربار ہے کہ یہاں من مانتی اور منھ مانگی، تمام مرادیں پوری ہوتی ہیں۔ کیوں کہ یہاں کسی بھی سائل کے کسی بھی سوال کے جواب میں ''نہیں'' کہہ کر انکار کرنا اس دربار کی شان کے خلاف ہے۔ بڑے سے بڑا سوال کرنے والے کو ''نہیں'' اور ''کیا'' کہہ کر ٹھکرایا نہیں جاتا۔ یہاں کا منگتا بھی مایوس ہو کر خالی ہاتھ نہیں لوٹتا۔ بلکہ ''من مانتی'' اور ''منھ مانگی'' مرادیں حاصل کرتا ہے۔

- شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''احادیث صحیحہ میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی کوئی ایسا سوال نہیں کیا گیا اور نہ کوئی چیز ایسی مانگی گئی جس کے جواب میں حضور نے ''لا'' یعنی ''نہیں'' فرمایا ہو۔ ہر شخص آپ سے جو کچھ مانگتا قبول کرتے اور عطا فرماتے۔ (مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۹۲)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جود وکرم کے تعلق سے کچھ تفصیل شعر 15 ''میر ... م سے گر قطرہ کسی نے مانگا'' اور شعر نمبر 27 ''واہ کیا جود وکرم ہے شہ بطحا تیرا'' کی تشریح میں ملاحظہ فرمائیں!

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جود و سخا حد شمار اور اندازہ و قیاس سے باہر تھا۔ جو کچھ موجود تھا اسی پر آپ کا جود و سخا منحصر نہ تھا۔ بلکہ لاکھ در لاکھ گنا بھی ہوتا تو بھی ان کا یہی حال ہوتا۔ حضور جب بھی کسی ضرورت مند محتاج کو ملاحظہ فرماتے تو اپنا کھانا پینا

تک اٹھا کر عنایت فرما دیتے حالاں کہ اس کی آپ کو بھی ضرورت ہوتی۔ لیکن دوسروں کی ضرورت کو آپ اپنی ضرورت پر ترجیح دیتے۔ آپ عطا اور تصدق میں تنوع فرمایا کرتے، کسی کو ہبہ فرماتے، کسی کو حق دیتے، کسی کو بار قرض سے چھڑاتے، کسی کو صدقہ دیتے اور آپ عطا اور تصدق میں کسی کو ہدیہ فرماتے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ آپ کپڑا خریدتے اور اس کی قیمت ادا کر کے اس کپڑے والے کو ہی کپڑا تحفہ دے دیتے۔ کبھی ہدیہ قبول فرماتے اور پھر اس سے کئی گنا زیادہ بطور انعام عطا فرماتے۔

حضور اقدس ﷺ کی ظاہری حیات کے زمانے میں جس طرح آپ کے دربار میں سائلوں کے سوال پورے ہوتے تھے اسی طرح آج بھی باحیات نبی ﷺ کے دربار سے سوال کرنے والوں کو عطا ہوتا رہتا ہے اور قیامت تک ہوتا رہے گا۔ کچھ واقعات مستند اور معتبر کتب سے پیش خدمت قارئین ہیں:

- محمد بن المکندر کہتے ہیں کہ ایک شخص نے میرے والد کے پاس ۸۰ دینار امانت رکھے تھے اور اجازت دی کہ اگر ضرورت پڑے تو اس میں سے خرچ بھی کر لینا۔ یہ کہہ کر وہ شخص جہاد پر چلا گیا۔ میرے والد ضرورت کے وقت اس میں سے خرچ کرتے تھے۔ پھر جب وہ شخص واپس آیا تو میرے والد سے اپنی رقم طلب کی۔ میرے والد وہ رقم ادا کرنے سے قاصر رہے اور اس شخص سے کہا کہ کل آنا تب جواب دوں گا۔ اب میرے والد نے مسجد نبوی ﷺ میں رات گزاری۔ تھوڑی دیر حضور اقدس ﷺ کے مزار اقدس کے پاس اور تھوڑی دیر منبر کے سامنے فریاد کی۔ یکا یک رات کی تاریکیوں میں ایک شخص ظاہر ہوا اور اسی دینار کی ایک تھیلی میرے والد کے ہاتھ میں تھما دی۔ صبح کے وقت والد صاحب نے جس کی امانت اپنے پاس رکھی تھی اس کو بلا کر وہ تھیلی دے دی اور مطالبہ کی زحمت سے نجات پائی۔

(جذب القلوب الی دیار المحبوب، اردو ترجمہ، جلد ا، ص ۲۳۹)

- امام ابوبکر بن مقری کہتے ہیں کہ میں اور طبرانی اور ابوالشیخ تینوں حرم مصطفوی میں تھے، کہ بھوک نے غلبہ کیا اور دو روز اسی حالت میں گزر گئے جب عشاء کا وقت آیا تو میں قبر شریف کے سامنے گیا، اور عرض کی کہ

"یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَلْجُوْعُ"

یعنی اے اللہ کے رسول! بھوک لگی ہے۔

یہ کلمہ کہہ کر میں واپس چلا آیا اور میں اور ابوالشیخ سو گئے۔ طبرانی بیٹھے ہوئے کسی چیز کا انتظار کر رہے تھے کہ اچانک ایک علوی شخص آیا، اور دروازہ کھٹکھٹایا، اس کے ساتھ دو غلام تھے ہر ایک کے ہاتھ میں زنبیل اور اس میں کھجور کے ساتھ بہت سے کھانے تھے، انہوں نے ہم سب کے ساتھ بیٹھ کر کھایا، اور جتنا باقی بچا اس کو بھی ہمارے پاس چھوڑ دیا، اس علوی شخص نے رخصت ہوتے وقت ہم سے کہا کہ اے لوگو! شاید تم نے رسول اللہ ﷺ کے پاس شکایت کی ہے، کیوں کہ میں نے تھوڑی دیر پہلے حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ مجھ سے فرماتے ہیں کہ تم ان لوگوں کے لئے کھانا حاضر کرو۔ (جذب القلوب، اردو، ص ۲۴۰)

- ابن جوزی نے روایت کیا کہ ایک زمانہ میں اہل مدینہ سخت قحط زدہ ہو گئے۔ لوگوں نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ

رضی اللہ عنہا کی خدمت میں آ کر قحط سالی کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف کے پاس چلو۔ اس میں ایک کھڑکی ہے اس کو آسمان کی طرف کھول دو، تا کہ آپ کی قبر اور آسمان کے درمیان کوئی پردہ نہ رہے۔ ان لوگوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حکم کے مطابق ایسا ہی کیا اور بارش ہوئی۔ (جذب القلوب، اردو، ص ۲۳۸)

- احمد محمد صوفی کہتے ہیں کہ میں تین مہینہ تک جنگل میں پھرتا رہا، میرے بدن کی کھال پھٹ گئی۔ میں مدینہ منورہ حاضر ہوا۔ حضور اقدس ﷺ اور آپ کے دونوں ساتھی حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر سلام عرض کر کے میں سو گیا، میں نے خواب میں حضور اقدس ﷺ کو دیکھا کہ آپ فرماتے ہیں اے احمد! تو آ گیا، کیا حال ہے؟ میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! میں بھوکا ہوں اور آپ کا مہمان ہوں۔ حضور نے فرمایا کہ ہاتھ کھولو۔ میں نے ہاتھ پھیلائے آپ نے چند درہم میرے ہاتھ میں دیے۔ جب میں نیند سے بیدار ہوا تو وہ درہم میرے ہاتھ میں تھے، میں بازار گیا، گرم روٹیاں اور فالودہ خریدا اور پھر جنگل میں چلا گیا۔ (جذب القلوب، اردو، ص ۲۴۱)
- ابن الجلا کہتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ آیا۔ ابھی مجھ پر ایک دو فاقے ہی گزرے تھے کہ میں نے قبر شریف کے پاس کھڑے ہو کر عرض کی کہ

"اَنَا ضَیْفُکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ"

یعنی یا رسول اللہ! میں آپ کا مہمان ہوں۔

پھر میں سو گیا، حضور اقدس ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ کہ مجھے ایک روٹی عنایت فرمائی، آدھی میں نے خواب میں ہی کھا لی۔ جب بیدار ہوا تو بقیہ نصف روٹی میرے ہاتھ میں تھی۔ (جذب القلوب، اردو، ص ۲۴۰)

- ابو بکر اقطع فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ آیا۔ مجھے پانچ دن ہو گئے کہ غذا نہیں چکھی تھی۔ چھٹے روز میں نے قبر شریف پر جا کر عرض کی کہ یا رسول اللہ! میں آپ کا مہمان ہوں۔ اس کے بعد میں نے خواب دیکھا کہ حضور اقدس ﷺ تشریف لائے۔ حضرت ابو بکر دائیں جانب اور حضرت عمر بائیں طرف اور حضرت علی رضی اللہ عنہم آگے تھے۔ مجھ سے کہتے تھے کہ اٹھو! رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے ہیں۔ میں آگے بڑھا اور آپ کے دونوں ابروؤں کے درمیان بوسہ دیا، حضور نے مجھ کو ایک روٹی دی میں نے کھائی، جب بیدار ہوا تو ایک ٹکڑا روٹی کا ہاتھ میں بچا ہوا تھا۔

(جذب القلوب، اردو، ص ۲۴۰)



(۷۰)

رُسُل وملک پہ درود ہو وہی جانے ان کے شمار کو
مگر ایک ایسا دکھا تو دو جو شفیعِ روزِ شمار ہے

حل لغت:

رُسُل: رسول کی جمع ہے۔ (فیروز اللغات، ص۷۱۰ ☆ لغات کشوری، ص۳۲۳ ☆ کریم اللغات، ص۷۹)

ملک: فرشتہ، جمع ملائک، ملائکہ، جمد وت، وہ چیز جس سے کوئی کام قائم ہو۔

(فیروز اللغات، ص۱۲۸۳ ☆ لغات کشوری، ص۷۳۶ ☆ کریم اللغات، ص۱۶۶)

شمار: گنتی، تعداد، حساب، تخمینہ۔ (فیروز اللغات، ص۸۴۷)

روزِ شمار: انصاف کا دن، اعمال کا بدلہ ملنے کا دن، قیامت کا دن۔ (فیروز اللغات، ص۷۲۷)

شفیع: شفاعت کرنے والا، سفارش کرنے والا۔ (فیروز اللغات، ص۸۴۴ ☆ لغات کشوری، ص۴۲۴)

پہلے مصرع میں جو لفظ ''شمار'' ہے اس کا مطلب ''گنتی'' ہے۔

دوسرے مصرع میں جو لفظ ''شمار'' ہے اس کا مطلب ''قیامت'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان انبیائے کرام اور فرشتوں پر درود بھیج رہے ہیں اور پھر ان کی تعداد کے متعلق یہ فرماتے ہیں کہ ''وہی جانے ان کے شمار کو'' یعنی کہ انبیائے کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام اور فرشتوں کی صحیح تعداد ان کا بھیجنے والا رب ہی جانے، یہ اس لئے فرمایا کہ انبیائے کرام کی صحیح تعداد متعین نہیں۔ ان کی تعداد کے بارے میں کئی قول ہیں لیکن سارے اقوال میں راجح اور اصح قول ایک لاکھ چوبیس ہزار کم وبیش ہے۔ حالاں کہ یہ تعداد بھی یقینی متعین نہیں، اس لئے علمائے اسلام کا ہمیشہ دستور رہا ہے کہ جب وہ انبیائے کرام کی تعداد شمار کرتے ہیں تو ایک لاکھ چوبیس ہزار کے ساتھ کم وبیش یعنی اس سے کم یا زیادہ ضرور کہتے ہیں اور یہ کہنا لازمی اور ضروری بھی ہے۔ کیوں کہ عقائد میں سے ہے کہ کسی نبی کا انکار کفر ہے۔ اسی طرح کسی غیر نبی کو نبی ماننا بھی کفر ہے۔ اگر انبیائے کرام کی تعداد قطعی طور پر کسی نے ایک لاکھ چوبیس ہزار متعین کر لی اور انبیائے کرام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ایک ہے تو ایک نبی کی نبوت کا انکار ہوا جو کفر

ہے۔اور اگر انبیائے کرام کی تعدادایک لاکھ تیئس ہزار نو سو ننانوے (۱۲۳۹۹۹) ہے تو ایک غیر نبی کو نبی تسلیم کرنے کا کفر عائد ہوگا۔اس لئے احوط واسلم طریقہ علمائے اسلام میں یہی رائج ہے کہ انبیائے کرام کی تعداد کے ساتھ ''کم وبیش'' بولنا چاہیے۔تاکہ کسی نبی کی نبوت کا انکار یا کسی غیر نبی کی نبوت کا اقرار نہ ہو جائے۔اسی نظریہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ان کے شمار کو علم الٰہی پر منحصر کیا ہے۔رہی تعداد فرشتوں کی تو ان کا شمار ممکن ہی نہیں کیوں کہ ان کا شمار علم الاعداد میں آہی نہیں سکتا۔عدد ہی ختم ہو جائیں گے،اللہ تبارک وتعالیٰ نے کائنات کے انتظام کی الگ الگ خدمات پر فرشتوں کو مامور کیا ہے،صرف اپنے محبوب اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس آرام گاہ کی حاضری اور سلامی کے لئے روزانہ ایک لاکھ چالیس ہزار (۱۴۰۰۰۰) فرشتوں کو مامور کیا ہے۔حدیث کے ارشاد کے مطابق بارگاہ رسالت کی حاضری کے لئے روزانہ صبح ستر ہزار،اور روزانہ شام کو ستر ہزار فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔اور جو فرشتہ بھی ایک مرتبہ شرف حاضری سے مشرف و فیضیاب ہو جاتا ہے قیامت تک اسے دوبارہ حاضری کا موقع نہیں ملے گا۔اس حساب سے صرف ایک مہینہ میں بیالیس لاکھ (۴۲۰۰۰۰۰) فرشتے صرف دربار رسالت کی حاضری کے لئے متعین ہیں۔اس حساب سے ایک سال میں پانچ کروڑ چار لاکھ (۵۰۴۰۰۰۰۰) فرشتے ہوئے تقریباً چودہ سو سال سے یہ سلسلہ جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا تو ان کا میزان لگانا ہی ناممکن ہے۔ارب اور کھرب سے بھی کئی گنا عدد تجاوز ہو جائے گا تو جب صرف ایک خدمت پر مامور فرشتوں کا شمار غیر ممکن ہے تو تمام فرشتوں کی تعداد کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتے۔اسی لئے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے انبیاء وملائکہ کے شمار کو علم الٰہی پر موقوف رکھا،لیکن ان بے شمار معصومین کی عظمت وحرمت کے آداب کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وشان کتنے بہترین انداز میں بیان کر رہے ہیں ''مگر ایک ایسا دکھا تو دو جو شفیع روز شمار ہے'' کہہ کر فرماتے ہیں کہ انبیاء ومرسلین میں اولوالعزم انبیاء بھی ہیں۔فرشتوں میں بھی عالی مرتبہ ملائکہ ہیں۔وہ سب صحیح ان کی عظمت،رفعت،مرتبہ،شان،منزلت سب تسلیم۔لیکن ان تمام میں سے کوئی ایسا دکھا تو دو جو میرے آقا ومولیٰ مالک کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ''روز شمار'' یعنی کہ قیامت کے دن شفاعت کرنے والا ہو۔شعر کے دونوں مصرعوں میں حضرت رضا بریلوی نے لفظ شمار کو کتنے بہترین انداز میں نبھایا ہے۔

- شفیع روز شمار صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ہر عام وخاص کو شامل ہے۔عامۃ المومنین تو درکنار اس دن حضرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی محبوب کبریا کی طرف ملتفت ہوں گے،اور کیوں نہ ہوں کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ روز قیامت رضوان جنت اہل محشر سے مخاطب ہو کر پکارے گا:

''اِنَّ اللّٰہَ اَمَرَنِیْ اَنْ اَدْفَعَ مَفَاتِیْحَ الْجَنَّۃِ اِلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ''

(مدارج النبوۃ،جلد ا،ص ۲۶۶)

مجھے اللہ تعالیٰ نے جنت کی چابیاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سپرد کرنے کا حکم دیا ہے۔

- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

''لِوَاءُ الْكَرَامَةِ وَ مَفَاتِيحُ الْجَنَّةِ وَ لِوَاءُ الْحَمْدِ يَوْمَئِذٍ بِيَدِي'' (الترمذی ۴،ص۳۶)

ترجمہ: کرامت وبزرگی ،حمد کا جھنڈا اور جنت کی چابیاں اس روز میرے ہاتھ میں ہوں گی۔

- قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:

''عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا''

یعنی عنقریب اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں مقام محمود عطا فرمائے گا۔

- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

''فَذٰلِكَ يَوْمٌ يَبْعَثُهُ اللّٰهُ الْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ۔''

یعنی پس اس دن اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو مقام محمود پر کھڑا فرمائے گا۔(بخاری شریف)

- یہ مقام محمود کیا ہے؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پہلے میں اپنے مزار اقدس سے نکلوں گا۔ مجھے جنتی لباس پہنایا جائے گا۔

''ثُمَّ اَقُوْمُ عَلٰى يَمِيْنِ الْعَرْشِ لَيْسَ اَحَدٌ مِنَ الْخَلَائِقِ يَقُوْمُ ذٰلِكَ الْمَقَامَ غَيْرِيْ''

یعنی پھر میں عرش الٰہی کے دائیں جانب کھڑا ہوں گا اور یہ مقام میرے علاوہ مخلوق میں کسی کو حاصل نہ ہوگا۔(الترمذی)

سچ فرمایا حضرت رضا بریلوی نے کہ شفیع روز شمار صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کوئی نہ تو انبیائے سابقین میں ہے اور نہ ہی فرشتوں میں ہے۔



(۷۱)

معراج کا سماں ہے کہاں پہنچے زائرو
کرسی سے اونچی کرسی اسی پاک گھر کی ہے

حل لغت:

معراج: زینہ، سیڑھی، اوپر چڑھنے کی چیز، درجۂ اعلیٰ، مرتبہ بلند، وہ رتبہ اور درجہ جس سے زیادہ تصور میں نہ آسکے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمان پر تشریف لے جانا اور تجلیات الٰہی کا نظارہ کرنا۔

(فیروز اللغات،ص۱۲۶۳☆لغات کشوری،ص۷۱۹☆کریم اللغات،ص۱۶۰)

سماں: وقت، ساعت، موقع محل، ماحول، رت، موسم، فصل، کیفیت، عالم، حالت، رونق، لطف، جوبن، تماشا، سیر، نظارہ۔

(فیروز اللغات، ص ۸۰۸)

زائر: زیارت کرنے والا، یاتری، حاجی، حج کو جانے والا، طے کرنے والا۔

(فیروز اللغات، ص ۷۳۸ ☆ لغات کشوری، ص ۳۴۳ ☆ کریم اللغات، ص ۸۷)

کرسی: چوکی، تخت، مسند، گدی، عمارت کی تہ کی اونچائی، زینہ، درجہ، رتبہ، پیڑھی، پشت، خاندان، شرعی اصطلاح میں آٹھویں آسمان پر تخت الٰہی کا مقام۔ (فیروز اللغات، ص ۱۰۰۳ ☆ لغات کشوری، ص ۵۸۶ ☆ کریم اللغات، ص ۲۱۸)

دوسرے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''کرسی'' ہے اس کا مطلب ''تخت الٰہی کا مقام'' ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''کرسی'' ہے اس کا مطلب ''رتبہ'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان مدینہ طیبہ میں بارگاہ رسالت مآب ﷺ کی حاضری کے لئے جانے والے زائرین کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ اے دربار اقدس میں حاضر ہونے والے زائرین کرام! تم اپنی خوش قسمتی سے اس بارگاہ عالی میں آگئے ہو، اور گویا کہ معراج کا سماں ہے یعنی معراج جیسا عالم، معراج جیسی رونق اور حالت و کیفیت ہے۔ تم اس در پاک پر آپہنچے ہو کہ جس کا رتبہ آٹھویں آسمان پر جو تخت الٰہی ہے اس سے بھی بلند و بالا ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا نے لفظ ''کرسی'' کا دو مرتبہ استعمال فرمایا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ ''کرسی'' ہے وہ تخت الٰہی کے معنی میں ہے اور دوسری مرتبہ جو لفظ ''کرسی'' ہے وہ رتبہ اور درجہ کے معنی میں ہے۔ دونوں لفظ ''کرسی'' حروف و اعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر میں ''معراج کا سماں ہے'' کا جملہ بطور خاص توجہ اور لائق غور و فکر ہے۔ یہ جملہ اپنے اندر کئی معنی و مطلب سمیٹے ہوئے ہے۔ معراج صرف ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ کو ہی ہوئی ہے۔ آپ حالت بیداری میں اپنے جسم اقدس کے ساتھ مکہ معظمہ سے بیت المقدس پھر بیت المقدس سے ساتوں آسمان، سدرۃ المنتہیٰ، بیت المعمور، جنت، دوزخ، عرش و کرسی، لوح و قلم وغیرہ کی سیر فرماتے ہوئے اس مقام تک پہنچ گئے کہ جہاں آج تک نہ کوئی پہنچا ہے اور نہ کبھی کوئی پہنچے گا اور اپنے رب سے اتنے قریب ہوئے کہ صرف دو ہاتھ کا ہی فاصلہ رہا۔ معراج کے واقعات و حالات کی تفصیلی بحث شعر نمبر 102 کی تشریح میں ملاحظہ فرمائیں!

حضور اقدس ﷺ جب معراج میں تشریف لے گئے تو چمن کو شاد و آباد کرنے والی بہاریں چلنے لگی تھیں۔ اور بلبلیں فرحت و خوشی کے نغمے گا رہی تھیں۔ زمین و آسمان پر جشن کا ماحول تھا۔ آسمان سے نور کی بارش ہو رہی تھی۔ اور زمین چمک دمک رہی تھی۔ حضور ﷺ کے رخ انور کی روشنی سے عرش تک چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ خوشی کے بادل امنڈ رہے تھے اور دلوں کے مور مچل رہے تھے۔ باد نسیم ایسی مہک رہی تھی جیسے کسی دلہن کو عطر میں بسا دیا گیا ہو اور اس کے بدن و کپڑوں سے خوشبو

پھیل کر ماحول کو معطر کر رہی ہو۔ پہاڑ بھی زینت و آرائش سے باوقار نظر آ رہے تھے اور موسم بہار نے گویا سطح زمین کو ہلکے سبز رنگ کے دوپٹے سے ڈھانپ لیا ہو اس طرح ہرے سبزے لہلہا رہے تھے۔ اور خود نہروں نے نہا کر موتیوں کے لباس پہنے ہوں اور اس لباس میں بلبلے کے پھول ٹنکے ہوں۔ المختصر! ماحول اتنا حسین و خوشنما تھا کہ اس کی منظر کشی مکمل طور پر ممکن نہیں۔

اب حضرت رضا بریلوی کے شعر کی طرف توجہ مرکوز فرمائیں۔ حضرت رضا فرماتے ہیں کہ مذکورہ سماں تو اس وقت کا تھا جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جسم اقدس کے ساتھ اپنے رب کی لقا سے بہرہ مند ہوئے۔ یہ صرف حضور ہی کی خصوصیت ہے۔ یہ مرتبہ کسی نبی اور رسول کو بھی حاصل نہ ہوا نہ ہو سکتا ہے۔ لیکن ہم گنہگاروں کی قسمت تو دیکھو! اپنے آقا و مولیٰ کے صدقے میں ہماری قسمتوں کی معراج ہو رہی ہے۔ ایک عاشق رسول کے لئے مدینہ طیبہ کی حاضری اور بارگاہ رسالت میں باریابی ہی اس کے لئے معراج کا سماں قائم کئے ہوئے ہے۔ مدینہ طیبہ کی پر نور فضا، انوار و تجلیات کی ہمہ وقت بارش، روح پرور منظر، معطر باد نسیم، چمنستان مدینہ طیبہ کی چہک و چمک، ارمان دل کا مچلنا، جذبات قلب کا ابھرنا، تن مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو کا اب تک احساس، اطراف و اکناف میں نصب پہاڑوں کا دل آراء حسن، سرزمین مدینہ منورہ کی دلکش آرائش، شبنم کی ہلکی ہلکی بوندوں کے روپ میں آسمان سے ٹپکتے گوہر ایمانی، گنبد خضریٰ کا پر کیف نظارہ گویا معراج کا سماں قائم کیے ہوئے ہے۔ اور اس پر کیف ماحول میں باعث تخلیق کائنات، محبوب رب العالمین، صاحب تاج و معراج صلی اللہ علیہ وسلم کی تقدس مآب آرام گاہ کے قریب حاضر ہونے کی سعادت ایک عاشق رسول کی معراج ہے۔ اس مقدس دربار کا وقار، اس کی ہیبت، اس کا دبدبہ، اس کی عظمت، اس کی شان و شوکت، اس کا ادب و احترام اور اس کی تعظیم و توقیر کرتے ہوئے ایک عاشق صادق مواجہہ شریف کے سامنے حاضر ہوتے وقت پانی پانی ہو جاتا ہے اور لرزتا ہے کہ کہیں کوئی بے ادبی کا عمل صادر نہ ہو جائے۔ وہ آنکھیں بند کر کے دل کی آنکھ سے اپنے محبوب آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال جہاں آرا کا دیدار کرتا ہے۔ معراج میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام پر پہنچے کہ جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے:

"ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی"

کہ صرف دو ہاتھ کا فاصلہ تھا یا اس سے بھی کچھ کم۔

اس محبوب اور جلوے کے درمیان اور اس سے قبل ستر (۷۰) حجابات تھے۔ جب حضور اپنے رب کی لقا کے لئے جا رہے تھے تو آپ پر ایک خاص قسم کی حیرت و دہشت اور حق تعالیٰ کی جلالت و عظمت کی ہیبت چھائی ہوئی تھی۔ جب ایک عاشق صادق اپنے محبوب آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے تو وہ اپنے آقا کی عظمت و محبت کے جذبے سے ایسا لرزتا ہے کہ اس کے جسم کا ہر رونگٹا کھڑا ہو جاتا ہے۔ یہاں بھی حجابات ہیں۔ محبوب آقا کی قبر انور نظر نہیں آتی، وہ قبر انور کئی حجابوں میں پوشیدہ ہے اور ہر حجاب میں لاکھوں جلوے ہیں اور ان حجابات میں کونین کا دولہا جلوہ گر ہے۔ اور جس جگہ وہ نوشۂ بزم جنت آرام فرما ہے وہ خطۂ زمین بقول حضرت رضا بریلوی کرسی سے بھی زیادہ بلند تر ہے۔

شیخ محقق حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ "اگر کوئی یہ کہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمکن اور

استقرار کے لئے آپ کے خطۂ قبر سے فردوس اعلیٰ وانسب ہے تو اس جواب میں کہیں گے کہ قبر شریف سے کون سی جنت بہتر اور شریف تر ہوگی۔ کیوں کہ جنت تو حضور کے غلاموں کے رہنے کی جگہ ہے اور حضور انور ﷺ جس جگہ رونق افروز ہیں اس کے متعلق امام تقی الدین سبکی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس خطہ کو جو حضور ﷺ کے اعضائے شریف سے متصل ہے تمام مقامات اور ہر جگہ سے اسے ترجیح وفضیلت دیں حتی کہ کعبہ معظمہ اور عرش اعظم سے بھی فوقیت دیں، تو میں نہیں جانتا کہ اس میں مومن و مسلمان توقف کرے گا"۔ (مدارج النبوت اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۲۵۷)

علاوہ ازیں ملت اسلامیہ کے جلیل القدر ائمۂ دین نے یہ تشریح فرمائی ہے کہ جس جگہ حضور اقدس ﷺ کا جسم اقدس مدفون ہے، اس قبر انور کا مرتبہ خانۂ کعبہ، جنت، لوح، قلم، عرش وکرسی سے بھی افضل ہے، کیوں کہ یہ تمام حضور کے طفیلی ہیں اور حضور کے طفیل میں ہی عالم وجود میں آئے ہیں۔ اگر حضور ﷺ کو اللہ تبارک وتعالیٰ پیدا نہ فرماتا تو ان مقامات مقدسہ میں سے کسی کا بھی وجود نہ ہوتا۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں وارد ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے محبوب! اگر آپ کو پیدا نہ کرتا تو کچھ نہ بناتا۔

الحاصل! پوری کائنات حضور کے صدقے اور طفیل میں ہی پیدا کی گئی ہے۔ اس ضمن میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں:

ہے انہیں کے دم قدم کی باغ عالم میں بہار   وہ نہ تھے عالم نہ تھا، گر وہ نہ ہوں عالم نہیں

جب یہ بات متفقہ طور پر ثابت ہے کہ قبر انور کا رتبہ عرش اعظم سے بھی اونچا ہے تو مدینہ طیبہ روضۂ انور پر حاضری میں معراج کا سماں قائم ہوا یا نہیں؟ معراج میں حضور اقدس ﷺ عرش اعظم پر تشریف لے گئے اور یہ ان کی معراج تھی اور حضور اقدس کے فیض وکرم سے، ہم حضور کے امتی اس قبر انور کی حاضری کے لئے جائیں جس کا رتبہ عرش اعظم سے بھی افضل ہے تو یہ ہماری معراج ہوئی یا نہیں؟ بیشک اور ضرور! کیوں کہ ایک عاشق رسول ﷺ کے لئے روضۂ اقدس کی حاضری اس کی قسمت کی معراج ہے۔ اسی حقیقت سے آگاہ کرتے ہوئے زائر مدینہ کو حضرت رضا بریلوی مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ اے مدینہ منورہ جانے والے! ذرا سوچ تو سہی! تو کہاں پہنچا ہے؟ اس مقام پر کہ جس کا مرتبہ عرش اعظم سے بھی بڑا ہے۔ ناز کر اپنی قسمت پر کہ یہ سعادت عظیم تجھے حاصل ہوئی ہے۔



۴۷

نہ دل بشر ہی فگار ہے کہ ملک بھی اس کا شکار ہے
یہ جہاں کہ ہژدہ ہزار ہے جسے دیکھو اس کا ہزار ہے

حل لغت:

بشر: آدمی، انسان، منش۔ (فیروز اللغات، ص۲۰۵ ☆ لغات کشوری، ص۹۹ ☆ کریم اللغات، ص۲۴)

ملک: فرشتہ، جمع ملائک اور ملائکہ، جمد وت، وہ چیز جس سے کوئی کام قائم ہو۔
(فیروز اللغات، ص۱۲۸۳ ☆ لغات کشوری، ص۶۳۶ ☆ کریم اللغات، ص۱۶۶)

شکار کرنا: کسی جانور یا حیوان کو مارنا، قابو میں لانا، فریفتہ کرنا، مطیع کرنا، مغلوب کرنا، قصد کرنا کسی حیوان کو قتل کرنا، وہ حیوان جو قتل ہو گیا۔ (فیروز اللغات، ص۸۴۴ ☆ لغات کشوری، ص۴۲۵)

فگار: زخمی، گھائل، مجروح، مرکبات میں آخر میں آتا ہے، مثلاً: دلفگار، سینہ فگار۔
(فیروز اللغات، ص۹۳۶ ☆ لغات کشوری، ص۵۴۰ ☆ کریم اللغات، ص۱۱۸)

ہژدہ: اٹھارہ جیسے کہ کہتے ہیں ہژدہ ہزار عالم، اٹھارہ ہزار عالم۔ (فیروز اللغات، ص۱۴۴۱)

ہزار: بلبل، ہرچند، بہتیرا، کتنا ہی، ہزار داستان، دس سو کا عدد (۱۰۰۰)۔
(فیروز اللغات، ص۱۴۴۰ ☆ لغات کشوری، ص۸۱۴ ☆ کریم اللغات، ص۱۹۶)

دوسرے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''ہزار'' ہے اس کا مطلب ''دس سو'' (۱۰۰۰) ہے۔
دوسرے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''ہزار'' ہے اس کا مطلب ''بلبل'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عالمگیر محبوبیت اور سروری کا تذکرہ فرما رہے ہیں کہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ وہ ذات ہے کہ صرف انسان ہی ان کے عاشق نہیں بلکہ فرشتے بھی ان پر فریفتہ ہیں اور یہ جہاں یعنی کائنات کے اٹھارہ ہزار عالم میں جس کو بھی دیکھو وہ گل باغ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا بلبل شیدا ہے۔

اس شعر کے مصرع ثانی میں لفظ ہزار کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے اور دونوں لفظ ''ہزار'' حروف اور اعراب کے اعتبار

سے مساوی ہیں، لیکن معنی متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر بھی اردو ادب کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

پہلی مرتبہ جولفظ ہزار ہے اس کا معنی ہزار یعنی دس سو ہے اور دوسری مرتبہ جولفظ ہزار ہے اس کا معنی بلبل ہے۔ اس شعر میں حضرت رضا نے ابتدا میں دل بشر کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد ملک اور پھر ہژدہ ہزار یعنی اٹھارہ ہزار عالم کا ذکر فرمایا ہے۔ اس ترتیب میں حضرت رضا بریلوی نے انسان کا ذکر مقدم فرما کر حضرت انسان کے ''اشرف المخلوقات'' کے وصف کی رعایت فرمائی ہے۔

شعر میں کہا گیا ہے کہ ہر انسان کا دل ان کی محبت وفراق میں زخمی ہے۔ شعر میں لفظ انسان کا بغیر کسی وصف اضافی کے مطلق استعمال کیا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ آقا ومولیٰ ﷺ کے عشق میں بے تاب ہونے والے انسان کسی مخصوص برادری، قوم، خاندان، گاؤں، شہر، ملک، زبان یا زمانے کے ہی نہیں، بلکہ ہر ملک، ہر طبقہ اور ہر زمانے میں عشق رسول کے دیوانے اور متوالے ہوتے ہیں۔ اور ہوں گے۔ حضرت سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک دل فگار عشاق رسول پائے گئے اور پائے جائیں گے۔ نسل انسانی میں انبیاء کرام کی مقدس جماعت کے ہر فرد نے حضور اقدس ﷺ کی مدح وثنا اور تعریف وستائش کی ہے اور آپ کے دیدار کی آرزو وتمنا کی ہے۔ تمام انبیاء کرام آپ پر ایمان لائے اور اپنی اپنی امتوں کو آپ پر ایمان لانے کی تلقین اور وصیت فرمائی۔ بلکہ اولوالعزم انبیاء کرام نے تو آپ کے امتی ہونے کی بھی تمنا کی ہے۔

- حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ بارگاہ حق تبارک وتعالیٰ میں عرض کیا کہ اے رب! میں نے توریت کے الواح میں تحریر پایا ہے کہ ایک امت علم اولین وآخرین کی وارث ہوگی، گمراہ پیشواؤں اور مسیح دجال کو ہلاک کرے گی، اس کو میری امت بنادے۔ ارشاد ہوا کہ وہ احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی امت ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی اے میرے پروردگار پھر تو مجھے حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ ﷺ کی امت میں شامل فرمادے۔

(خصائص کبریٰ، علامہ جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۳۱)

- آخری زمانے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضور اقدس ﷺ کی شریعت پر آئیں گے۔ اگرچہ آپ اپنے حال پر نبی اور رسول ہوں گے، مگر پھر بھی آپ حضور اقدس ﷺ کی امت کے ایک فرد ہوں گے اور حضور کی اتباع کریں گے اور حضور اقدس ﷺ کی شریعت پر قرآن وسنت کے مطابق حکم فرمائیں گے۔ (خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۱۶)
- اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے حضور اقدس ﷺ کی رسالت کا میثاق لیا ہے۔ قرآن شریف سورۃ آل عمران آیت ۸۱ ''وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ'' میں اس کی وضاحت موجود ہے۔ جو شعر نمبر 1 ''قرنوں بدلی رسولوں کی ہوتی رہی'' کی تشریح میں مذکور ہے۔
- شیخ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''التعظیم و المنة فی لتؤمنن به و لتنصرنه'' میں سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۸۱ کے تحت فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ رسول کریم ﷺ کی عظمت وتوقیر اور آپ کے مرتبہ اعلیٰ کے بیان میں اس قدر واضح ہے کہ اس میں قطعاً تعقید وابہام نہیں، بایں ہمہ اس تقدیر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اگر حضور اکرم ﷺ نبیوں

کے زمانے میں تشریف لے آئیں تو آپ ﷺ ان سب کی طرف رسول ہوں گے۔ تو گویا آپ کی نبوت اور آپ کی رسالت حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے قیامت تک کی مخلوق کے لئے عام ہے اور تمام انبیاء کرام علیہم الصلوۃ السلام اور ان کی ساری امتیں آپ کی امت ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد کہ

''بُعِثْتُ اِلَی النَّاسِ کَآفَّۃً''

یعنی میں تمام نوع انسانی کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔ یہ ارشاد آپ کے عہد رسالت سے زمانہ قیامت تک کے لوگوں کے لئے خاص نہیں بلکہ آپ ﷺ سے قبل کے لوگوں کے لئے بھی محیط ہے اور یہی بات حضور اکرم ﷺ کے اس ارشاد سے عیاں ہے۔ (خصائص کبریٰ، اردو، جلد ۱، ص ۱۳)

- انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم اور ان کی امتوں کے مومنین وصالحین ہمیشہ نبی آخر الزماں، سید الانبیاء والمرسلین، خاتم النبیین ﷺ کا ذکر شریف اور مدح وثنا کرتے رہے اور اپنے متوسلین کو اس کی ترغیب دیتے رہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے تادم تحریر ہر دور کے انسان حضور اکرم ﷺ کی الفت ومحبت سے سرشار رہے اور بہت سے صالحین فنافی الرسول کے درجہ عالیہ پر فائز ہوکر ہر لحہ یاد وفراق نبی ﷺ میں تڑپتے رہے، خصوصاً صحابہ کرام کے حوالہ سے کتب احادیث وسیر میں اس طرح کے بے شمار واقعات منقول ہیں جن کا تذکرہ یہاں ممکن نہیں۔

حضرت رضا بریلوی نے انسان، فرشتے اور کائنات کی ہر شئے کو جمال مصطفٰے کا عاشق، فریفتہ اور مطیع فرمایا ہے۔ یہ دعویٰ حق ہے اور جس کے حق ہونے پر ثقہ روایات احادیث وسیر شاہد عادل ہیں۔ کچھ واقعات احادیث کی روشنی میں پیش خدمت ہیں۔ جن کے مطالعے سے فرشتے، جنات، حیوانات، جمادات، نباتات، شمس وقمر اور دیگر اشیاء کائنات کا بے پناہ عشق رسول عیاں ہوتا ہے۔ فرشتوں کی مقدس جماعت میں سب سے اعلیٰ درجہ ورتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا ہے۔ آپ فرشتوں کے گروہ کے سردار ہیں۔ لیکن حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ہمیشہ اپنے کو حضور اقدس ﷺ کے خادم کی حیثیت دی اور حضور کی خدمت گزاری میں اپنی سعادت سمجھی اور اس خدمت کا ان کو بقول حضرت رضا بریلوی یہ صلہ ملا:

پائے جبرئیل نے سرکار سے کیا کیا القاب　　　خسرو خیل ملک خادم سلطان عرب

حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنے آقا ومولیٰ ﷺ کا ہر حکم بجالانے میں ہمیشہ مستعد رہتے تھے اور حکم کی تعمیل میں کبھی تامل نہیں کرتے تھے۔

- امام احمد، ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دو مرتبہ ان کی اصلی صورت میں دیکھا۔ پہلی مرتبہ خود حضور کے کہنے پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے خود کو دکھایا وہ عظیم جسامت سے افق کو گھیرے ہوئے تھے۔ اور دوسری مرتبہ شب معراج میں آپ نے ان کو سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا۔ (خصائص کبریٰ، اردو، جلد ۱، ص ۲۷۶)
- ابن سعد اور نسائی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ حضرت جبرئیل علیہ الصلوۃ والسلام حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں

دحیہ کلبی کی صورت میں آیا کرتے تھے۔ (خصائص کبریٰ، اردو، جلد ۱، ص ۲۷۶)

- حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج میں تشریف لے گئے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور کو لینے کے لئے ایک خادم کی حیثیت سے آئے تھے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ "بعض روایتوں میں آیا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رکاب میں پائے اقدس رکھنے لگے تو براق نے شوخی کی۔ اس وقت حضرت جبرئیل نے براق سے کہا کہ تجھے کیا ہو گیا ہے؟ کیوں شوخی کرتا ہے۔ تجھ پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ بزرگ تر سوار نہیں ہوا۔ پھر براق نے شوق کا اظہار کیا اور زمین پر بیٹھ گیا۔ اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی پشت پر سواری کی۔ کہتے ہیں کہ براق کی رکاب حضرت جبرئیل کے ہاتھ میں اور لگام حضرت میکائیل کے ہاتھ میں تھی۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت جبرئیل حضور کے ردیف یعنی سواری پر پس پشت بیٹھے تھے۔ ممکن ہے کہ پہلے رکاب تھامی ہو اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اثنائے راہ اپنی محبت وعنایت کے اقتضاء میں اپنا ردیف بنالیا ہو یا یہ کہ پہلے ردیف بنے ہوں گے اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم اور طریقۂ ادب کی رعایت سے اتر کر رکاب تھام لی ہو۔ (مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۲۹۴)

- حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے تقاضے پورا کرنے کی غرض سے حضور کی امت کی بھی خدمت کرنے کی آرزو وتمنا رکھتے ہیں۔ شب معراج حضور جب سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے تو حضرت جبرئیل رک گئے اور عرض کیا کہ اگر میں بال برابر بھی آگے بڑھا تو جل جاؤں گا اور وہیں رک گئے۔
- حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جدائی کے وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا کہ اگر کوئی حاجت رکھتے ہو تو مجھ سے عرض کرو، میں جناب باری میں پیش کردوں گا۔ حضرت جبرئیل نے عرض کیا کہ میری یہ تمنا ہے کہ بارگاہ الٰہی میں عرض کریں کہ روز قیامت میرے بازؤوں کو اور زیادہ کشادہ فرمادے، تاکہ پل صراط سے اپنے بازؤوں کے ذریعہ آپ کی امت کو گزار سکوں۔

(مدارج النبوۃ، جلد ۱، ص ۲۹۹)

صرف حضرت جبرئیل ہی نہیں، بلکہ تمام فرشتے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشق ومحبت رکھنے کی وجہ سے آپ کی امت کی بھی تعظیم وتکریم اور خدمت انجام دیتے ہیں۔

- حدیث میں آیا ہے کہ جب مدینہ طیبہ کا زائر مدینہ کے قریب پہنچتا ہے تو رحمت کے فرشتے تحفے لے کر اس کے استقبال کو آتے ہیں اور طرح طرح کی بشارتوں سے شامل حال ہوتے ہیں اور نورانی طبق اس کے اوپر نثار کرتے ہیں۔

(جذب القلوب الی دیار المحبوب، اردو، ص ۲۴۵)

- حدیث میں ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے ایک جماعت فرشتوں کی پیدا کی ہے۔ جو قاصدین زیارت کے تحفۂ درود کو دربار نبوی میں پہنچاتے ہیں۔ اور عرض کرتے ہیں کہ فلاں بن فلاں زیارت کو آتا ہے اور یہ تحفہ پہلے بھیجا ہے۔ (ایضاً)

حضور اقدس ﷺ کے دربار میں روزانہ ایک لاکھ چالیس ہزار فرشتے صلوٰۃ وسلام کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔

- حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے۔ ان کی مجلس میں حضور ﷺ کا ذکر جاری ہوا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو ستر ہزار فرشتے قبر پاک آنحضرت ﷺ کے گرد آجاتے ہیں اور درود بھیجتے رہتے ہیں اور جب شام ہوتی ہے تو چلے جاتے ہیں اور دوسرا گروہ فرشتوں کا اسی تعداد میں آتا ہے اور جو انہوں نے کیا تھا یہ بھی کرتے ہیں۔ جب تک کہ آپ ﷺ اپنی قبر شریف سے نکلیں گے اس وقت تک یہی سلسلہ جاری رہے گا۔ (جذب القلوب، اردو، ص ۲۶۹)

علاوہ ازیں جنگ بدر، جنگ احد، جنگ حنین وغیرہ کے موقعوں پر فرشتوں کی جماعت حضور اقدس ﷺ کے لشکر کے سپاہی کی حیثیت سے حاضر ہوئی اور دربار رسالت کی خدمات انجام دی تھی۔ یہ تمام واقعات قرآن مجید، کتب احادیث اور سیر وتواریخ میں تفصیل سے درج ہیں۔ الغرض قول حضرت رضا بریلوی کی مختصر تشریح و وضاحت جو ہم نے کرنے کی کوشش کی ہے، وہ قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔

مصرع ثانی میں حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں:

یہ جہاں کہ ہژدہ ہزار ہے جسے دیکھو اس کا ہزار ہے

یعنی ہژدہ ہزار بمعنی اٹھارہ ہزار عالم کی ہر چیز حضور اقدس ﷺ کی بلبل یعنی عاشق ہے۔ کائنات کی ہر شے آپ کو جانتی ہے، آپ کو اللہ کا رسول مانتی ہے اور آپ کی رسالت کی گواہی دیتے ہوئے کلمۂ شہادت پڑھتی ہے۔ بلکہ جمادات وحیوانات آپ سے اتنا انس رکھتے تھے کہ آپ کے فراق وجدائی میں بے چین و بے قرار ہوکر روتے، تڑپتے اور بلکتے تھے۔ چند واقعات احادیث کی روشنی میں پیش ہیں:

- طبرانی، ابونعیم اور بیہقی نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے روایت کی، انہوں نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ معظمہ میں تھے۔ آپ ایک روز کسی نواحی علاقے میں تشریف لے گئے تو جو چٹان، پتھر اور درخت ہم کو قریب راہ ملتا وہ آپ سے کہتا:

  ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ!'' (خصائص کبریٰ، اردو، جلد ا، ص ۲۳۱)

- طیالسی، ترمذی اور بیہقی نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مکہ مکرمہ میں ایک پتھر ہے، جس رات میں مبعوث ہوا وہ پتھر مجھ سے سلام کہتا تھا۔ بیشک میں اس کو پہچانتا ہوں، جب میں اس کے پاس سے گزرتا ہوں۔ (ایضا، ۲۳۲)

- بزار اور ابونعیم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی نازل فرمائی تو میں جس پتھر یا درخت کے پاس سے گزرتا اس سے آواز آتی:

  ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ!'' (ایضا، ص ۲۳۱)

- بیہقی نے ابن اسحاق کی سند سے روایت کی کہ جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو کرامت ونبوت سے سرفراز فرمایا تو آپ جس شجر وحجر کے پاس سے گزرتے وہ سلام کرتا۔ آپ ﷺ کلمات سن کر ہر طرف دیکھتے مگر وہاں کوئی بھی نہ ہوتا۔ وہ منصب نبوت کو خطاب کے ساتھ اس طرح تحیت پیش کرتے:
"اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ!" (خصائص کبریٰ، اردو، جلد ۱، ص ۲۲۰)

جنات بارگاہ رسالت کے مطیع وفرماں بردار تھے۔ بلکہ جنات بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتے، ایمان لاتے، علوم شریعت حاصل کرتے اور اس پر مضبوطی سے قائم رہتے۔ بعدہٗ اپنی قوم میں جا کر اسلام کی نشر واشاعت بھی کرتے۔ قرآن شریف میں سورۂ جن کی تفسیر میں تمام واقعات بالتفصیل مذکور ہیں۔ ان واقعات کے مطالعہ سے قارئین کی معلومات میں اضافہ ہوگا۔ یہاں خوف طوالت کی وجہ سے ان واقعات کا تذکرہ ترک کرنے کی معذرت چاہتا ہوں۔ حدیث کی روشنی میں صرف ایک دو واقعات ہی اختصاراً پیش خدمت ہیں:

- ابن سعد، احمد، طبرانی، بیہقی اور ابونعیم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ مدینہ طیبہ سے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں سب سے پہلے یہ خبر آئی کہ مدینہ کی ایک عورت کے تابع ایک جن تھا۔ ایک روز وہ جن پرندے کی صورت میں اس کے گھر کی دیوار پر بیٹھ گیا۔ عورت نے اس سے کہا کہ نیچے اتر آ۔ تو اس جن نے جواب دیا کہ اب ایسا نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ مکہ میں جو نبی مبعوث ہوا ہے اس نے ہر طرح کی بداخلاقی کو منع اور زنا کو حرام کردیا ہے۔
(خصائص کبریٰ، اردو، جلد ۱، ص ۲۴۲)

- ابونعیم نے ارطاۃ بن النذر سے روایت کی انہوں نے کہا میں نے ضمرہ سے سنا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ مدینہ میں ایک عورت پر جن آتا تھا وہ اچانک غائب ہوگیا۔ ایک عرصہ تک نہیں آیا۔ کافی دنوں کے بعد وہ خلاف معمول آیا۔ عورت نے پوچھا۔ پہلے تیری عادت تو یہ نہ تھی۔ اس نے جواب دیا کہ مکہ مکرمہ میں اللہ کے نبی مبعوث ہوئے ہیں۔ اور میں نے ان کی ہدایت میں حرمت زنا معلوم کرلیا ہے۔ لہٰذا اب میرا تجھ کو سلام ہے۔ (خصائص کبریٰ، جلد ۱، ص ۲۴۳)

- ابونعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ ایک جن جس کا نام مسعر تھا اس نے جبل ابوقبیس سے جو مکہ میں ہے بلند آواز میں حضور اقدس ﷺ کی شان میں کچھ گستاخانہ اشعار پڑھے۔ یہ بات تمام مکہ میں پھیل گئی۔ مشرکین ان اشعار کو مزاحیہ انداز میں گنگناتے اور مہذب وباوقار مسلمانوں کی طرف اشارہ وکنایہ کرتے، حضور ﷺ نے مشرکین کے اس طرز عمل کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ یہ شیطان کی آواز ہے جو بتوں کے ذریعہ بیہودہ گوئی کرتا ہے۔ اس کا نام مسعر ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے ذلیل وخوار کرے۔ اس واقعہ کے تین دن بعد اچانک جبل ابوالقبیس پر ہاتف کو کہتے سنا گیا کہ ہم نے مسعر شیطان کو قتل کرڈالا جب کہ اس نے سرکشی اور تکبر کیا۔ مسعر کا قتل اس بنا پر ہے کہ اس نے ہمارے پاک نبی کے ساتھ دشنام طرازی کی۔

اس موقع پر حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنات میں ایک عفریت ہے جس کا نام سمج ہے۔ اسی نے مسعر کو قتل

کیا۔ میں نے جن کا نام عبداللہ رکھ دیا ہے کیوں کہ وہ مجھ پر ایمان لے آیا اور اس نے مجھ کو بتایا کہ وہ مسعر کی تلاش میں کئی روز سے تھا۔ (خصائص کبریٰ، جلد ۱، ص ۲۴۶)

اس واقعہ سے پتہ چلا کہ ایک مومن و عاشق جن نے نبی کی شان میں گستاخی کرنے والے شیطان کو قتل کر دیا۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے شعر کے مصرع ثانی "یہ جہاں کہ ہژدہ ہزار ہے جسے دیکھو اس کا ہزار ہے" کے تعلق سے کچھ واقعات احادیث کی روشنی میں قارئین کرام کی خدمت میں پیش ہے:

- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انصار کے سارے خاندان اونٹ پالتے تھے۔ ان میں سے ایک قبیلہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کی کہ یا رسول اللہ! ہمارا ایک اونٹ ہے جس پر ہم پانی لاد کر لاتے ہیں، اب وہ سرکشی اور سختی کرنے لگا ہے اور اپنی پشت پر بوجھ لادنے نہیں دیتا۔ جس کی وجہ سے ہمارے نخلستان اور باغات سب پیاسے ہیں۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام کے ساتھ اٹھے اور اونٹ کی جانب تشریف لے گئے۔ جب باغ میں پہنچے تو اونٹ باغ کے ایک گوشے میں بیٹھا ہوا تھا۔ انصار عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! یہ وہی اونٹ ہے جو کتوں کی مانند کاٹتا ہے۔ ہمیں ڈر ہے کہ کہیں حضور کو ایذا پہنچائے۔ آپ نے فرمایا کہ میرا کوئی خوف نہ کرو۔ پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ کے سامنے آئے تو اس نے اپنا سر اٹھایا اور آپ کو دیکھتے ہی سجدے میں سر رکھ دیا۔ پھر حضور نے اونٹ کی پیشانی کے بال پکڑے اور اسے کام میں لگا دیا۔ (مدارج النبوۃ، اردو، جلد ۱، ص ۳۴۲)
- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے۔ وہاں ایک بکری تھی، اس بکری نے حضور کو سجدہ کیا۔ (شواہد النبوۃ، اردو، ص ۲۲۲ ☆ مدارج النبوۃ، ص ۳۴۳)
- سیدتنا ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہمارے گھر میں ایک بکری تھی، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے یہاں خواب استراحت فرماتے تو وہ بکری خاموش، پُرسکون اور آرام و چین سے رہتی اور جب حضور باہر تشریف لے جاتے تو وہ بکری پریشان و بے قرار اور متوحش بن کر ادھر اُدھر ماری ماری پھرتی۔

(مدارج النبوۃ، جلد ۱، ص ۳۴۳)

- حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جب اونٹوں کی قربانی فرماتے تو ہر اونٹ ایک دوسرے پر سبقت کر کے حضور کے قریب آنے کوشش کرتا، تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلے اسے ذبح فرمائیں۔ (مدارج النبوۃ، جلد ۱، ص ۳۴۴)
- حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بدوی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزہ کا مطالبہ کیا تو حضور نے ایک درخت کی طرف اشارہ کر کے بدوی سے فرمایا۔ جاؤ درخت سے کہو رسول اللہ تجھے بلاتے ہیں۔ اس درخت نے ادھر اُدھر آگے پیچھے جنبش کی اور زمین سے اپنی پھیلی ہوئی جڑوں کو سمیٹا، پھر زمین کو چیرتا ہوا اور اپنی جڑوں کو گھسیٹتا ہوا حضور کے سامنے

آ کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا: "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ!"

آپ نے پھر اس درخت کو واپس جانے کا حکم دیا تو وہ لوٹ کر اپنی جگہ چلا گیا۔ اس کے رگ و ریشے زمین میں پیوست ہو گئے اور زمین ہموار ہو گئی۔ یہ دیکھ کر اس بدوی نے عرض کیا کہ مجھے اجازت دیں کہ میں آپ کو سجدہ کروں۔ حضور ﷺ نے اس کی اجازت نہیں دی۔ پھر اس نے عرض کیا کہ مجھے دست مبارک اور قدم شریف کا بوسہ لینے کی اجازت عطا فرمائیں۔ حضور نے اس کی اجازت دی۔ (مدارج النبوۃ، اردو، جلد ۱، ص ۳۴۹)

- حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم ایک مرتبہ جبل احد پر تشریف لے گئے۔ جب یہ مقدس حضرات پہاڑ پر چڑھے تو پہاڑ کانپنے لگا اس پر حضور نے پائے اقدس مار کر فرمایا کہ اے احد اپنی جگہ قائم رہ، تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔ چنانچہ احد کے پہاڑ کی جنبش ختم ہو گئی اور وہ ساکن ہو گیا۔ اس حدیث کو امام احمد، امام بخاری، امام ترمذی اور ابو حاتم نے بھی روایت کیا ہے۔
- حضرت ابو سفیان بن حرب اور حضرت صفوان بن امیہ سے روایت ہے کہ ایک بھیڑیا ایک ہرن کا پیچھا کر رہا تھا۔ جب ہرن حدود حرم میں داخل ہو گیا تو بھیڑیا لوٹ گیا۔ لوگ اس پر تعجب کرنے لگے اس پر بھیڑیئے نے کلام کرتے ہوئے کہا کہ اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے کہ مدینہ میں محمد بن عبد اللہ ﷺ تم کو جنت کی طرف بلاتے ہیں اور تم لوگوں کو جہنم کی طرف کھینچتے ہو۔
- بیہقی نے احادیث کثیرہ میں اور قاضی عیاض نے کتاب الشفا میں حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول خدا ﷺ اپنے صحابہ کرام کے ساتھ محفل اقدس میں تشریف فرما تھے کہ اچانک بنی سلیم کا ایک بدو سوسمار (گوہ) کا شکار کر کے لایا۔ بدوی نے گوہ کو اپنی آستین میں اس لئے چھپا رکھا تھا کہ اسے گھر لے جا کر بھون کر کھائے، جب اس نے ایک جماعت کو بیٹھے دیکھا تو کہنے لگا کہ جماعت کے درمیان میں یہ کون شخص ہیں؟ صحابہ نے کہا کہ یہی اللہ کے رسول ہیں، اس نے گوہ کو اپنی آستین سے نکالا اور کہنے لگا کہ قسم ہے لات اور عزیٰ کی! میں اس وقت تک ہرگز ایمان نہ لاؤں گا جب تک کہ یہ گوہ آپ کی شہادت نہ دے۔ یہ کہہ کر گوہ کو حضور اقدس ﷺ کے سامنے ڈال دیا۔ حضور نے گوہ کو آواز دی کہ اے گوہ! گوہ نے سنجیدہ زبان میں جواب دیا کہ "لَبَّیْکَ وَ سَعْدَیْکَ" یعنی حاضر ہوں، فرماں بردار ہوں! گوہ کا یہ کلام ساری جماعت نے سنا۔ پھر فرمایا اے گوہ! قیامت میں کون آئے گا؟ گوہ نے جواب دیا کہ ساری مخلوق آئے گی۔ پھر فرمایا تو کس کی عبادت کرتی ہے؟ جواب دیا کہ اس خدائے پاک کی جس کا عرش آسمان میں ہے اور جس کی سلطنت زمین میں ہے اور جس کا دریاؤں پر غلبہ ہے اور جنت میں اس کی رحمت اور جہنم میں اس کا عذاب ہے۔ پھر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں کون ہوں؟ اس نے جواب دیا آپ رسول اللہ، رسول رب العالمین اور خاتم النبیین ہیں۔

"قَدْ اَفْلَحَ مَنْ صَدَّقَکَ وَ خَابَ مَنْ کَذَّبَکَ"

یعنی یقیناً وہ کامیاب ہے جس نے آپ کی تصدیق کی اور نامراد ہے وہ جس نے آپ کی تکذیب کی۔ یہ سن کر وہ بدوی اسلام لے آیا۔ (مدارج النبوۃ، اردو، جلد ۱، ص ۳۴۶)

اسی طرح کے بے شمار واقعات کتب احادیث میں مذکور ہیں۔ مثلاً:

- حضور کی رسالت کی گواہی دیتے ہوئے ایک بھیڑیئے کا بکری کے چرواہے سے کلام کرنا۔ اور اس کا ایمان لانا۔
- ایک اونٹ کا بارگاہ رسالت میں اپنے مالک کی شکایت کرنا۔
- ایک ہرنی کا بارگاہ رسالت میں دادرسی کا التماس کرنا، اپنے بچوں کو دودھ پلانے کے لئے رہائی پانا اور حسب وعدہ واپس آنا اور حضور کو دیئے ہوئے وعدے کو پورا کرنا۔
- یعفور نام کے گدھے کا حضور سے کلام کرنا اور اطاعت بجالانا۔
- انگلی کے اشارے پر چاند کا چلنا اور انگلی کا اشارہ پاتے ہی چاند کے دو ٹکڑے ہو جانا۔
- مقام صہبا میں حضرت علی کی نماز عصر کے لئے ڈوبے ہوئے سورج کا واپس پلٹنا۔
- حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر جنگل کے شیر کا حضرت سفینہ کے لئے مسخر ہو جانا۔
- دست اقدس میں کنکریوں کا کلمہ شہادت پڑھنا اور حضور کی رسالت کی گواہی دینا۔
- ہجرت کے وقت حضور کی حفاظت کے لئے غار ثور میں مکڑی کا جالا بننا اور کبوتروں کا انڈے دینا۔
- مسجد نبوی میں استن حنانہ یعنی لکڑی کے تنے کا حضور کے فراق میں رونا۔
- دست اقدس میں انگور و انار کا تسبیح پڑھنا وغیرہ وغیرہ۔

ان تمام واقعات کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عالمگیر حکومت کا اعجاز بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ''جسے دیکھو اس کا ہزار ہے''۔



۴۳

بے خودی میں سجدۂ در یا طواف
جو کیا اچھا کیا پھر تجھ کو کیا

حل لغت:

بے خودی: بے ہوشی، مستی، سرشاری، ازخودرفتگی۔ (فیروز اللغات، ص۲۴۶)

سجدہ: پیشانی زمین پر رکھنا، سر جھانا، خدا کے آگے سر جھکانا، نماز کا ایک رکن، سر زمین پر رکھنا، قرآن شریف کی ایک سورۂ کا نام۔ (فیروز اللغات، ص۷۸۲ ☆ لغات کشوری، ص۳۷۱ ☆ کریم اللغات، ص۸۸)

در: دروازہ، چوکھٹ، پھاٹک، اندر، بیچ۔ (فیروز اللغات، ص۶۱۸ ☆ لغات کشوری، ص۲۷۲ ☆ کریم اللغات، ص۷۰)

طواف: کسی چیز کے گرد پھرنا، کسی بزرگ یا مقدس مقام کے گرد چکر کھانا، گردش، خانۂ کعبہ کے گرد گھومنا۔ (فیروز اللغات، ص۶۱۸ ☆ لغات کشوری، ص۲۸۳ ☆ کریم اللغات، ص۱۰۶)

کیا: کیا ہوا فعل عمل۔ (فیروز اللغات، ص۱۰۷۱)

کیا: کلمۂ استفہام ہے، چہ، خواہ، چاہے، کیوں، کیا ہے، کس قدر، کس لئے، کس واسطے، حیرت، تعجب۔ (فیروز اللغات، ص۱۰۶۸)

دوسرے مصرع میں شروع اور درمیان میں لفظ ''کیا'' کا مطلب ''کیا ہوا فعل'' ہے۔

دوسرے مصرع میں آخر میں لفظ ''کیا'' کا مطلب ''کیا ہے؟ کلمہ سوال'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان بہت ہی سنجیدگی اور احتیاط کے ساتھ جذبۂ عشق و محبت و جوش الفت پر فہم سلیم اور اصول شریعت کی لگام ڈال کر اپنی شان احتیاط کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر کوئی رسول کا دیوانہ اپنے عشق کی مستی اور مدہوشی کے عالم میں ازخود رفتہ ہو کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے در اقدس کا سجدہ یا طواف کر لیتا ہے تو اس نے کون سا برا کام کیا؟

اے عظمت رسول اور تعظیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کدورت رکھنے والو! اس عاشق نے جو کچھ بھی کیا ہے وہ اچھا ہی کیا ہے۔ اس میں تجھ کو کیا؟ یعنی تجھ کو کیا تعجب ہے؟

اس شعر میں لفظ ''کیا'' کا تین مرتبہ استعمال کیا گیا ہے پہلی اور دوسری مرتبہ والے لفظ ''کیا'' ایک معنی میں مستعمل ہیں اور اس کا مطلب ہے ''کیا ہوا فعل یا عمل'' اور تیسری مرتبہ جو لفظ ''کیا'' ہے وہ کلمۂ استفہام یعنی تعجب و حیرت کے اظہار کے لئے بولا جانے والا لفظ ہے اور اس کا معنی حل لغت کے کالم میں درج ہے۔ یہ دونوں لفظ ''کیا'' حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

سجدہ یا طواف، یہ دونوں عبادتیں صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے خاص ہیں۔ سجدۂ نماز، سجدۂ تلاوت، سجدۂ شکر صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے خاص ہے اور اس کو سجدۂ تعبدی یعنی عبادت کا سجدہ کہتے ہیں۔ اس بحث کو ہم مکمل تفصیل کے ساتھ یہاں بیان نہ کریں گے، لیکن ناظرین کی تفہیم کے لئے اس کے اہم گوشے ذکر کر دیتے ہیں۔

سجدہ کی دو قسمیں ہیں:

(۱) سجدۂ عبادت (۲) سجدۂ تعظیم

سجدۂ عبادت صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی غیر کو عبادت کا سجدہ کرنا شرک خالص ہے۔ غیر اللہ کو عبادت کا سجدہ کرنا ہماری شریعت اسلامی میں بھی شرک ہے اور حضرت آدم سے حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام تک، تمام انبیاء و مرسلین کی شریعتوں میں بھی شرک تھا۔ رہی بات تعظیم کے سجدے کی تو تعظیم کا سجدہ اگلی شریعتوں میں جائز تھا۔ انبیائے کرام، بادشاہوں اور ذی مرتبہ شخصیتوں کو عزت و احترام اور خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے تعظیم کا سجدہ کیا جاتا تھا اور یہ سجدہ جائز تھا، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں اس کی ممانعت ہے اور غیر خدا کو تعظیم کا سجدہ کرنا ناجائز اور حرام ہے۔

تعظیم کا سجدہ اگر چہ بہ نیت سجدۂ تعظیم بھی کیا جائے تب بھی اس کے حرام اور ناجائز ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ ایسا کرنے والا فعل حرام کا مرتکب اور یقیناً گنہگار ہے۔ اصول عقائد کی معلومات رکھنے والے ذی علم حضرات اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں کہ فعل کی حیثیت کو مدنظر رکھ کر ہی اس کے فاعل کو متصف کیا جاتا ہے۔ بت کی پرستش کرنے والے کو مشرک، ضروریات دین کا انکار کرنے والے کو کافر، گناہ کبیرہ کرنے والے کو مرتکب کبائر، فاسق و فاجر اور ایمان لانے والے کو مومن کہا جاتا ہے۔ اسی طرح صفات ملحوظ رکھ کر فاعل کو متصف کیا جاتا ہے۔ مثلاً: نماز پڑھنے والے کو نمازی، عبادت و ریاضت کرنے والے کو عابد و زاہد، تقویٰ شعار اور پرہیز گاری اختیار کرنے والے کو متقی، علم سیکھنے والے کو طالب علم، قرآن مجید حفظ کرنے والے کو حافظ، روزہ رکھنے والے کو صائم، حج کرنے والے کو حاجی، تجارت کرنے والے کو تاجر، چوری کرنے والے کو چور، شراب پینے والے کو شرابی اور زنا کرنے والے کو زانی وغیرہ وغیرہ۔

خلاصہ یہ کہ فاعل کے فعل پر صفات کا انحصار ہوتا ہے۔ اس کے برعکس کسی کو موصوف نہیں کیا جاتا۔ یعنی بے نمازی کو نمازی، چوری کرنے والے کو متقی، حج کرنے والے کو پاجی، پاک باز کو زانی، روزہ رکھنے والے کو روزہ خور نہیں کہا جاتا بلکہ وہی کہا جائے گا جو فعل اس سے صادر ہوتا ہے۔ اسی طرح کسی مشرک کو مومن، کسی مومن کو کافر، کسی گنہگار جس کا گناہ حرام کے درجے میں ہے ایسے شخص کو مشرک نہیں کہا جائے گا لیکن اگر کوئی شخص کسی کو اس کے فعل کے ارتکاب کے خلاف متصف کرے

تو اس پر یہ انتساب غیر مناسب، جہالت، بغض، عناد، عداوت اور حماقت میں شمار ہوگا۔
ایک اور اہم امر کی بھی وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ شرک ایسا قبیح فعل ہے جو ہمیشہ شرک ہی رہا ہے۔ اس کی قباحت کی وجہ سے اس کا حکم ازل سے لے کر اب تک اور تا ابد ایک ہی رہے گا۔ اس کے احکام میں کبھی کسی قسم کی کوئی تبدیلی یا ترمیم واقع نہیں ہوتی۔ جو کام شریعت محمدی میں شرک ہے وہ اگلی شریعتوں میں بھی شرک ہی تھا۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ اگلی شریعتوں میں جو کام شرک کے حکم میں تھا وہ اب منسوخ ہو کر جائز ہو گیا یا اگلی شریعتوں میں جو کام جائز تھا وہ اب شرک ہو گیا۔ بلکہ شرک کا حکم ہر زمانے اور ہر شریعت میں ایک ہی رہا ہے۔ جو کام حضرت آدم کی شریعت میں شرک تھا وہی حضرت آدم سے لے کر حضور اقدس علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعت میں بھی شرک ہے۔
الحاصل! شرک کا حکم ہر شریعت میں یکساں رہا ہے بلکہ تمام مخلوق کے لئے ایک ہی ہے۔ یعنی جس فعل کا ارتکاب انسانوں کے لئے شرک کا حکم رکھتا ہے وہی فعل جنات ملائکہ اور ہر ذی شعور کے لئے شرک کا حکم رکھتا ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ جو کام انسانوں کے لئے شرک ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے وہی کام جنات کے لئے غیر شرک ہونے کی وجہ سے جائز ہو بلکہ انسان، جنات، فرشتے، حور، غلمان وغیرہ تمام کے لئے شرک ایک ہی حکم رکھتا ہے۔ کسی ذی شعور مخلوق کو، کسی بھی زمانے میں، کسی بھی عالم میں، کسی بھی حالت میں اور کسی بھی شریعت میں اللہ کی توحید اور اس کی ذات وصفات میں کسی کو شریک کرنا روا نہیں، اگر کسی نے جانتے ہوئے ایسا کام روا رکھا تو وہ مشرک ہے اور مشرک کا ٹھکانہ جہنم ہے۔
اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ، مبغوض، ناقابل معافی اور قبیح کوئی کام ہے تو وہ شرک ہے۔ قرآن مجید میں شرک کی مذمت میں متعدد آیات نازل ہوئی ہیں۔ ان تمام آیات میں شرک کو سب سے بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے، اور یہاں تک ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کا گناہ معاف نہیں فرمائے گا۔ تو جب اللہ تعالیٰ شرک کو اتنا ناپسند فرماتا ہے تو وہ اپنے کسی بندے سے اس عمل کو کب پسند فرمائے گا؟ اس کے باوجود قرآن مجید میں کئی مقامات پر یہ واقعہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں۔

"وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ" (سورۃ البقرہ، آیت ۳۴)

ترجمہ: اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو، تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ (کنز الایمان)

اس آیت میں صاف صاف وضاحت کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس واقعہ کا ذکر فرمایا ہے کہ ہم نے جب فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقرب بندے فرشتوں کو غیر خدا کا سجدہ کرنے کا حکم دیا اور حکم صرف گفت وشنید کے درجہ میں نہ رہا بلکہ اس حکم کی تعمیل بھی کی گئی۔ یعنی فرشتوں کا حضرت آدم کو سجدہ کرنا وقوع پذیر ہوا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہر سجدہ جو غیر خدا کو کیا جاتا ہے کیا شرک ہے؟ کیا ہر سجدہ، سجدۂ تعبدی یعنی کہ عبادت کا سجدہ ہے؟ جواب ہوگا، نہیں! بلکہ بعض سجدے تعظیم کے لیے بھی ہوتے ہیں اگر ہر سجدہ عبادت کا ہی قرار دیا جائے تو اس نظریہ سے شان الوہیت جل جلالہ میں توہین ہوگی، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو

حکم دیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو۔ تو کیا معاذ اللہ! فرشتوں کو اللہ نے سجدۂ عبادت کا حکم دیا تھا؟ ہرگز نہیں بلکہ وہ تعظیمی سجدہ تھا۔ اس نور محمدی ﷺ کی تعظیم وتوقیر کے لئے جو حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشانی میں جلوہ گر تھا۔ اسی طرح انبیاء سابقین کو ان کے امتی سجدہ کرتے تھے وہ بھی عبادت کا سجدہ نہیں تھا، کیوں کہ اگر وہ سجدہ عبادت کا سجدہ شمار کیا جائے تو وہ سجدہ شرک کے حکم میں آئے گا اور انبیاء کرام شرک کا ارتکاب نہیں کر سکتے، کیوں کہ ان کو توحید خداوندی کی نشر و اشاعت کے لئے منصب رسالت ونبوت سے سرفراز فرمایا جاتا ہے۔ للہٰذا وہ کبھی بھی شرک کا ارتکاب نہ خود کریں گے اور نہ ہی کسی کو کرنے کا حکم دیں گے، کیوں کہ وہ شرک، کفر اور گناہ کبیرہ وصغیرہ سے معصوم ہوتے ہیں۔

ایک اور امر کی بھی وضاحت یہاں ضروری ہے جیسا کہ اس مضمون کی ابتداء میں گوش گزار کیا گیا کہ شرک ایک ایسا کام ہے جو ہمیشہ شرک کے حکم میں ہی رہتا ہے۔ اس کا حکم کسی بھی زمانے یا کسی بھی شریعت میں تبدیل نہیں ہوتا لیکن فعل حرام کے احکامات بار ہا بدلتے آئے ہیں۔ مثلاً: جو کام اگلی شریعتوں میں جائز تھا وہ اس شریعت میں حرام ہے یا اس شریعت میں جائز ہے وہ اگلی شریعت میں حرام تھا۔ یا ایسا بھی ہوا ہے کہ جو کام ابتدائے اسلام میں جائز تھا وہ بعد میں حرام ہو گیا۔ یا ایسا بھی ہے کہ جو کام بعض کے لئے پہلے جائز تھا اور اب بھی جائز ہے یا وہ کام بعض کے لئے پہلے حرام تھا اور آج بھی حرام ہے۔ اس تمہید کو اچھی طرح ذہن نشیں کرنے کے لیے کچھ مزید وضاحت درکار ہے۔ چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی روئے زمین میں جب نسل چلی تو شروع میں یہی ہوتا تھا کہ حضرت حوا رضی اللہ عنہا کو جڑواں اولاد تولد ہوتی تھی اور اس میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہوتی۔ حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت میں ایک جوڑے کے لڑکے کا دوسری جوڑ کی لڑکی کے ساتھ نکاح جائز تھا۔ حالاں کہ وہ دونوں ایک ہی باپ اور ایک ہی ماں کی اولاد تھے۔ لیکن ہماری شریعت میں ایسا نکاح حرام ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں اونٹ کا گوشت کھانا اور سنیچر کے دن مچھلی کا شکار کرنا حرام تھا، لیکن ہماری شریعت میں یہ دونوں کام جائز ہیں۔ اسی طرح ابتدائے اسلام میں شراب پینا جائز تھا۔ عورت کو بے پردہ نکلنا جائز تھا، لیکن بعد میں ان دونوں جائز کاموں پر حرام کا حکم نافذ فرمایا گیا۔ اسی طرح آج بلکہ تا قیامت بعض کام بعض کے لئے جائز اور بعض کے لئے حرام ہیں۔ مثلاً: عورت کو سونا پہننا جائز ہے اور مرد کو پہننا حرام ہے۔ مرد کو سر کا بال کٹوانا جائز ہے عورت کو جائز نہیں۔ ایسی تو بے شمار مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں کہ حرام وحلال کے احکام میں اگلی شریعتوں اور ہماری شریعت میں بلکہ ہماری شریعت میں بھی ابتدائی دور اور تقویت کے دور میں تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ لیکن شرک ایسا فعل قبیح ہے۔ جو کسی بھی شریعت میں روا نہیں رکھا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ جو کام اگلی شریعتوں میں شرک تھا، وہ ہماری شریعت میں بھی شرک ہے اور جو کام ہماری شریعت میں شرک ہے وہ اگلی شریعتوں میں بھی شرک تھا۔

اب ہم سجدے کے تعلق سے گفتگو کرتے ہیں۔ اگلی شریعتوں میں عبادت کا سجدہ غیر خدا کو حرام اور شرک تھا، لیکن تعظیم کا سجدہ جائز تھا۔ جس کا ثبوت قرآن مجید میں ہے:

"فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ اٰوٰی اِلَیْهِ اَبَوَیْهِ وَ قَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ وَ رَفَعَ اَبَوَیْهِ

عَلَى الْعَرْشِ وَ خَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا'' (سورۂ یوسف، آیت ۹۸/۹۹)

ترجمہ: پھر جب وہ یوسف کے پاس پہنچے، اس نے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا مصر میں داخل ہو اللہ چاہے تو امان کے ساتھ اور اپنے ماں باپ کو تخت پر بٹھایا اور سب اس کے لئے سجدے میں گرے۔ (کنزالایمان)

اس آیت میں یوسف علیہ السلام کو سجدہ کئے جانے کا ذکر ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی شریعت میں غیر خدا کو تعظیم کا سجدہ کرنا جائز تھا۔ اگر موجودہ دور کے گمراہ فرقے وہابی، نجدی، دیوبندی، تبلیغی کے نظریات کے مطابق ہر سجدہ شرک ہے تو پھر قرآن میں حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ کئے جانے کا جو ذکر ہے وہ بھی کیا معاذ اللہ شرک ہے؟ اگر یوسف علیہ السلام کو کیا گیا سجدہ جائز ہے تو ثابت ہوا کہ وہ سجدہ شرک نہیں، کیوں کہ شرک کسی بھی شریعت میں روا نہیں۔ اگر تعظیم کا سجدہ حضرت یوسف علیہ السلام کی شریعت میں شرک نہیں تو یقیناً شریعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی شرک نہیں کیوں کہ شریعت کے بدلنے پر بھی شرک کا حکم نہیں بدلتا بلکہ اسی حال پر رہتا ہے۔ اگر تعظیم کا سجدہ ہماری شریعت میں شرک قرار دیا جائے گا تو لامحالہ اسے حضرت یوسف علیہ السلام کی شریعت میں بھی شرک ماننا پڑے گا اور اگر ایسا مان لیا تو معاذ اللہ حضرت یوسف علیہ السلام پر شرک کے ارتکاب کا الزام و بہتان عائد ہوگا۔ لہٰذا لازمایہ تخصیص کرنی پڑے گی کہ عبادت کا سجدہ اور ہے اور تعظیم کا سجدہ اور، سجدۂ عبادت ہر شریعت میں شرک تھا اور رہے گا۔ تعظیم کا سجدہ اگلی شریعت میں جائز تھا لیکن ہماری شریعت میں حرام ہے۔ شرک نہیں۔

موجودہ دور کے منافقین مثلاً: وہابی، نجدی، دیوبندی، تبلیغی جماعت بات بات میں شرک کا فتویٰ صادر کرنے کی خوئے بد رکھتے ہیں۔ کسی نے درگاہ کی چوکھٹ کو چوما، مزار کی چادر چومی، کھڑے کھڑے مزار کی جالی کو چوما کہ شرک کے فتوے کی مشین گن داغ دیتے ہیں۔ شرک کے بدلے شِرَک کہہ کر ہنگامہ برپا کر دیتے ہیں۔ جن کو شرک کا تلفظ بھی صحیح ادا کرنا نہیں آتا وہ شرک جیسے اہم معاملے میں بزعم خویش مفتی بن جاتے ہیں اور اپنی لال کتاب سے بے تکے اور بے ڈھنگے فتوے چسپاں کرتے ہیں۔ شرک کی تعریف کیا ہے؟ یہ تو ان جہلاء نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا ہوگا، لیکن منھ پر ہر وقت شرک کا چربہ لٹکائے گھومتے ہیں۔ یہ کلمہ گو، مومن مسلمان کو بلاکسی تحقیق و تدقیق صرف وہم و گمان اور سوءظن کی بنا پر مشرک کہہ کر دائرۂ اسلام کو تنگ کرتے ہیں اور مشرک گری کی تحریک میں سرگرم ہوتے ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ اولیائے کرام کے مزارات پر عقیدت و محبت کے جذبے سے چوکھٹ، جالی یا مزار شریف کی چادر چومنے والے کو سجدہ کرنے والا ٹھہرا دینا ہی ظلم و زیادتی ہے۔ سجدہ کرنا اور مزار کی چادر چومنا دونوں کی ہیئت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ سجدہ کیا ہے؟ سجدہ کس کو کہتے ہیں؟ سجدے کے شرائط کیا ہیں؟ سجدے کے ارکان کیا ہیں؟ سجدے کی ہیئت کیا ہے؟ ان تمام امور کی بحث ان شاء اللہ اس عنوان کے اختتام میں حضرت رضا بریلوی کے شعر کی تشریح میں کریں گے۔ سردست عرض یہ ہے کہ موجودہ دور کے مفتری و منافق مزارات اولیاء کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے کے لئے شرک کا واویلا مچاتے ہیں اور شرک ثابت کرنے کے لئے چوکھٹ، جالی یا چادر کو چومنا سجدہ شمار کرتے ہیں۔ چادر چومنے میں اور سجدہ کرنے میں فرق عظیم ہے لیکن پھر بھی وہ سجدے ہی کی رٹ لگاتے ہیں۔ اگر تم اپنے زعم باطل سے چوکھٹ یا چادر چومنا سجدہ شمار بھی کرلو پھر بھی شرک کا حکم نافذ کرنا بازیچۂ اطفال نہیں، کیوں کہ اگر تم

نے چوکھٹ یا چادر چومنے کو سجدہ قرار دے دیا تو یہ لازمی ہے کہ اس سجدے کی تخصیص کرو یعنی یہ سجدۂ عبادت ہے یا سجدۂ تعظیم؟ اور یہ ثابت کرنا تمہارے لئے محال مطلق ہے، کیوں کہ سجدے کی قسم متعین کرنے کے لئے فاعل کے ارادۂ دل اور نیت پر مطلع ہونا پڑے گا۔ اور یہ کسی طرح ممکن نہیں، کیوں کہ تمہارے عقائد باطلہ کی بناء پر جب نبی اور ولی دل کے ارادوں پر مطلع نہیں تو تم کس کھیت کی مولی؟

سجدہ چاہے عبادت کا ہو چاہے تعظیم کا، دونوں کا دارومدار سجدہ کرنے والے کی نیت پر ہے۔ بظاہر تو دونوں سجدے یکساں ہوتے ہیں۔ دونوں کی ہیئت ایک جیسی ہوتی ہے۔ دیکھنے والا دیکھ کر امتیاز کر سکے ایسی کوئی علامت نہیں پائی جاتی کہ یہ شخص عبادت کا سجدہ کرتا ہے یا تعظیم کا۔ صرف وہ سجدہ کرنے والا ہی جانتا ہے کہ وہ کون سا سجدہ کر رہا ہے؟ مثال کے طور پر ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے۔ دیکھنے والا صرف یہی جانتا ہے کہ یہ شخص نماز پڑھتا ہے۔ اب یہ نماز سنت موکدہ پڑھتا ہے، سنت غیر موکدہ پڑھتا ہے، فرض پڑھتا ہے، نفل پڑھتا ہے، یا غیر ادا کی ہوئی نماز کی قضا کرتا ہے؟ یہ تو وہ نماز پڑھنے والا ہی جانتا ہے اور اس کا رب جانتا ہے۔ جب پوری نماز کی ظاہری ہیئت دیکھ کر کون سی نماز ہے؟ اس کا تعین نہیں ہو سکتا تو چوکھٹ یا چادر چومنے کو سجدہ شمار کر کے اور وہ بھی سجدۂ عبادت میں شمار کر کے شرک کا مضحکہ خیز فتویٰ دینے والے کیا کوئی ایسا آلہ رکھتے ہیں کہ جس سے پتہ چل جائے کہ اس آدمی کی نیت کیا ہے؟ کیا یہی اسلامی تعلیم ہے؟ البتہ ہم اہل سنت و جماعت اس امر کے معترف ہیں کہ تعظیم کا سجدہ بھی غیر خدا کے لئے ناجائز اور حرام ہے۔ پھر تعظیم کا سجدہ کسی مزار کو کیا جائے، کسی بزرگ یا پیر کو کیا جائے، بہر حال تعظیم کا سجدہ کرنا حرام ہے۔ تعظیم کا سجدہ کرنے والا فعل حرام کا مرتکب ہے اور فعل حرام کا مرتکب عذاب و عقاب ربانی کا مستحق ہے۔ تاہم اسلام کے دائرے سے ہرگز خارج نہیں اور اس کو مشرک کہنا دین میں زیادتی اور نئی شریعت ''ایجاد بندہ اگرچہ گندہ'' کے مثل ہے۔ مسلم بھائی کے ساتھ ہمیشہ نیک گمان کرنا چاہیے۔ قرآن و حدیث کی یہی تعلیم ہے کہ

''ظُنُّوا الْمُؤْمِنِيْنَ خَيْرًا'' (الحدیث)

یعنی مسلمانوں کے ساتھ اچھا گمان کرو۔

بدگمانی بہت بری بیماری ہے۔ بدگمانی کرنے والا تنگ نظری کا مریض ہوتا ہے اور ساتھ میں تکبر و غرور کا شکار ہوتا ہے۔ اپنے کو دوسروں سے افضل و اعلیٰ، نیک و متقی، پابند شریعت، تارک منہیات، مرتکب حسنات اور صحیح الافعال سمجھنے کے غرور میں دوسروں کو حقارت و ذلت سے دیکھتا ہے اور اس کے ہر کام میں نقص تلاش کرتا ہے اور وہ نقص اگر چھوٹا ہوتا ہے تو اس کو کھینچ تان کر بڑا بنا دیتا ہے۔ ایسے تنگ نظروں نے معاشرہ و ملت میں حشر بپا کر رکھا ہے۔ اخلاق حسنہ سے بھی ایسے لوگ یکسر محروم ہیں۔ حسن ظن اور بدگمانی پر ایک عام فہم مثال یہ دی جا سکتی ہے کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے۔ نماز کے لئے طہارت اور وضو ضروری ہے۔ ایک نماز پڑھنے والا شخص گھر سے وضو کر کے مسجد میں آیا اور مسجد میں آتے ہی نماز میں مشغول ہو گیا۔ اس کو مسجد میں وضو کرتے کسی نے دیکھا نہیں۔ اب کوئی تنگ نظر شور و غوغا کرے کہ دیکھو! دیکھو! جناب عالی نے وضو نہیں کیا اور نماز پڑھتے ہیں۔ اس کی یہ حرکت قابل مذمت و ملامت ہو گی، کیوں کہ اس نے ایک مومن پر نیک گمان کرنے سے گریز کیا، یہ نہ

سوچا کہ یہ جناب گھر سے وضو کر کے آئے ہیں اور کوئی بھی مسلمان بے وضو نماز پڑھنے کی گستاخی نہیں کرسکتا۔ اگر بدگمانی کا اتنا ہی خمار ہے تو پھر مسجد میں وضو کر کے نماز پڑھنے والے پر بھی بدگمانی کی جاسکتی ہے کہ وضو کرنے کے بعد اس سے کوئی ایسا فعل صادر ہو گیا ہے جو ناقض وضو ہے، مثلاً: ریح کا خارج ہونا، قطرۂ بول کا ٹپکنا وغیرہ، لیکن ایسا گمان بدقابل نفریں ولعن ہے۔ جب ایک مومن بے وضو ہو کر نماز پڑھنے کی گستاخی نہیں کرسکتا تو خدا کے ساتھ کسی کو شریک کرنا اور شرک کا ارتکاب کرنا کہ جس کا تعلق عقائد سے ہے کیا بے احتیاطی کرے گا؟ ہرگز نہیں۔ جس نے ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' کا اقرار کیا ہے اور اسلام کے دامن سے وابستہ ہوا ہے، اس کا پختہ عقیدہ اور یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی مخلوق کی عبادت جائز نہیں۔ جو روزانہ نماز میں ''اِیَّاكَ نَعْبُدُ'' متعدد دفعہ پڑھتا ہے کیا وہ غیر خدا کی پرستش کرے گا؟ اولیائے کرام کے مزارات پر بہ نیت تعظیم اور حصول برکت کے لئے چادر اور چوکھٹ چومنے والے کو مشرک کہنے والے فتنہ پرور عناصر جواب دیں کہ انھوں نے شرک کی کون سی قطعی دلیل پائی؟ تو ان کے پاس بجز اس کے کہ سجدہ یہ لوگ کرتے ہیں اور کوئی جواب نہیں ہوتا۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ سجدہ کرنے کا الزام ہی سراسر بے بنیاد اور غلط ہے۔ اور سمجھ لو کہ اس کی کسی حرکت کو تم نے سجدہ میں شمار کر بھی لیا تو وہ سجدہ عبادت کا ہی سجدہ ہے، یہ تم نے کہاں سے متعین کیا؟ تمہارے پاس کوئی جواب نہیں، ہم اس کا جواب عرض کرتے ہیں کہ یہ تعین صرف اور صرف بدگمانی کی بناء پر ہے۔ ارے اگر تم ملت اسلامیہ کے اتنے ہی خیر خواہ اور ہمدرد ہو تو اس شخص سے اتنا پوچھنے کی زحمت بھی گوارا کرتے کہ جناب آپ نے سجدہ کیا ہے یا نہیں؟ اور اگر سجدہ کیا ہے تو تعظیم کا سجدہ کیا ہے یا عبادت کا؟ کیا تمہاری یہ ذمہ داری نہیں کہ اس کے سر پر شرک کا فتویٰ تھوپنے سے پہلے تحقیق کر لو کہ یہ عبادت کا سجدہ کرتا ہے یا تعظیم کا؟ اپنی ذمہ داری سے بے پرواہی! اور دوسروں پر بدگمانی، یہ کہاں کا انصاف ہے؟

یہاں تک ہماری گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ:

- شرک کے احکام کبھی بھی تبدیل نہیں ہوئے۔ جو باتیں اگلی شریعتوں میں شرک تھیں وہ باتیں ہماری شریعت میں بھی شرک ہیں بلکہ ازل سے ابد تک شرک کے احکام میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔
- حلال وحرام کے احکام تبدیل ہوئے ہیں اگلی شریعتوں میں جو کام حرام تھا وہ اس شریعت میں جائز ہوا اور بعض کام اگلی شریعتوں میں جائز تھے وہ اس شریعت میں حرام ہوئے بلکہ خود ہماری شریعت میں بعض کام شروع میں حلال تھے بعد میں حرام ہو گئے۔
- عبادت کا سجدہ غیر خدا کو ہر شریعت میں ممنوع اور شرک تھا اور آج بھی ہے۔
- تعظیم کا سجدہ اگلی شریعتوں میں جائز تھا لیکن ہماری شریعت میں حرام ہے۔
- کسی کو تعظیم کا سجدہ کرنے والا فعل حرام کا مرتکب اور بڑا گنہگار ہے لیکن مشرک نہیں۔

اب ہم حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے شعر کی توضیح کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

بے خودی میں سجدۂ در یا طواف

یعنی بے ہوشی اور خود رفتگی میں حضور اقدس ﷺ کے روضۂ اقدس کا سجدہ یا طواف جو بھی کیا اچھا کیا، یعنی حضور کے روضے کا سجدہ یا طواف دونوں میں سے جو بھی کیا اچھا ہی کیا۔ اب یہاں ایک اعتراض ہوسکتا ہے کہ جب غیر خدا کو تعظیم سجدہ کرنا ہماری شریعت میں حرام ہے تو پھر حضرت رضا بریلوی سجدہ اور طواف روضہ کرنے کو اچھا کیوں فرما رہے ہیں؟ جس طرح غیر خدا کو تعظیم کا سجدہ کرنا ممنوع ہے اسی طرح خانہ کعبہ کے سوا کسی بھی مقام و مکان کا بہ نیت عبادت طواف کرنا بھی ممنوع ہے۔ طواف صرف خانہ کعبہ کے ساتھ مخصوص ہے اور وہ بھی عبادت کی نیت سے۔ اگر کوئی شخص خانہ کعبہ کا طواف عبادت کی نیت سے کرے اور دوران طواف بالکل خاموش رہے۔ لفظ اللہ بھی اپنی زبان سے نہ کہے مگر چکر لگاتے وقت طواف کی نیت ہو تو وہ شخص یقیناً طواف کا ثواب پائے گا اور اگر کوئی شخص طواف کعبہ کی نیت نہ کرے اور صرف ٹہلنے کے لئے خانہ کعبہ کے اردگرد چکر لگاتا رہے اور تلاوت قرآن، ورد وظیفہ اور درود شریف بھی پڑھتا رہے تو ایسا شخص صرف تلاوت اور ورد وظائف و درود شریف پڑھنے کا ثواب پائے گا، لیکن خانہ کعبہ کے طواف کا مخصوص ثواب پانے سے محروم رہے گا۔ طواف صرف خانہ کعبہ کا نیت کے ساتھ جائز ہے۔ کسی بزرگ کے مکان، مزار، خانقاہ یا اور کسی متبرک مقام کا طواف کی نیت سے طواف کرنا منع ہے۔ اور اگر طواف کی نیت نہیں اور بلا نیت وخیال کسی مقام کے گرد چکر کاٹے تو اس پر طواف کا حکم نافذ نہیں کیا جائے گا۔ مثلاً: کوئی شاگرد اپنے استاذ کے مکان کی تعمیر، زینت، عرض وطول، رنگ و روغن اور تعمیر کے تعلق سے ضروری امور کا معائنہ کرنے کی غرض سے اپنے استاذ کے مکان کے اردگرد چکر لگاتا ہے تو اس پر یہ الزام صادر نہ ہوگا کہ یہ اپنے استاذ کے مکان کا طواف کر رہا ہے، کیوں کہ طواف کا حکم تب ہی صادر ہوگا جب کہ اس نے طواف کی نیت کی ہو۔ اور نیت آدمی کب کرے گا؟ جب اس کے ہوش وحواس سلامت ہوں۔ نیت دل کے ارادے کا نام ہے اور دل کا ارادہ دماغ کے فیصلہ پر منحصر ہوتا ہے۔ جب کوئی بات دماغ کو اچھی لگتی ہے تو وہ دل کو مشورہ دیتا ہے اور دل کو وہ کام کرنے کے لئے مستعد کرتا ہے۔ دماغ کا مشورہ اور دل کی رضامندی کا جب باہم اتفاق ہوتا ہے تو جسم سے کسی فعل کا صدور ہوتا ہے۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے سجدۂ در اور طواف کی جو بات کی ہے اس کے پہلے آپ نے بے خودی کے لفظ کا استعمال فرمایا ہے۔ یعنی جس کے ہوش وحواس قائم نہ ہوں، جو بے ہوشی کے عالم میں ہو۔ اور بے ہوشی کے عالم میں روضۂ اقدس کا سجدہ یا طواف کر لیتا ہے تو شرعاً اس پر کوئی مواخذہ نہیں، کیوں کہ جو بے ہوشی کے عالم میں ہوتا ہے اور جتنی دیر تک اس پر بے ہوشی غالب رہتی ہے، اتنی دیر کے لئے وہ مرفوع القلم ہوتا ہے۔ یعنی اس پر شریعت کے قانون نافذ نہیں ہوتے۔ بے ہوشی کے عالم میں آدمی کچھ بھی کرے یا کہے اس کی گرفت نہیں۔ فقہ اور اصول فقہ کی کتابوں میں بے ہوشی اور جنون کے تعلق سے الگ اور مستقل ابواب قائم کر کے مسائل بیان کئے گئے ہیں جن کا تفصیلی ذکر یہاں ممکن نہیں۔ لہٰذا اگر کوئی شخص بے خودی میں یعنی بے ہوشی اور خود رفتگی میں حضور اقدس ﷺ کے روضہ اقدس کا سجدہ یا طواف کرتا ہے تو اس میں کلام کرنے کی کوئی گنجائش نہیں، کیوں کہ وہ جو بھی کرتا ہے وہ بے اختیاری کے عالم میں کرتا ہے، نیت اور ارادے سے نہیں کرتا۔ اور سجدہ وطواف بغیر نیت کے ادا نہیں ہوتے۔ اس پر سجدہ اور طواف کا گمان بد نہیں کرنا چاہیئے، جیسا کہ میرے آقائے نعمت، میرے

ماویٰ وملجا، میرے ہادی ومقتدیٰ، میرے معین ومددگار، میرے ناصر وغم گسار، شہزادۂ اعلیٰ حضرت سیدی سندی مرشدی حضور مفتی اعظم ہند مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمۃ والرضوان اس شعر میں فرماتے ہیں:

سنگ در جاناں پر کرتا ہوں جبیں سائی　　سجدہ نہ سمجھ نجدی سر دیتا ہوں نذرانہ

اب حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے شعر کے مصرع ثانی، ''جو کیا اچھا کیا پھر تجھ کو کیا'' پر بھی کوئی اعتراض کر سکتا ہے کہ جب غیر خدا کو سجدہ اور خانہ کعبہ کے علاوہ کسی دوسرے مکان کا طواف ممنوع ہے تو کسی شخص نے بے خودی کے عالم میں سجدہ یا طواف کر لیا تو بات ٹھیک ہے کہ اس پر کوئی مواخذہ نہیں، لیکن حضرت رضا بریلوی کو ''جو کیا اچھا کیا'' کہنے کی کیا ضرورت تھی؟ جب کہ بے خودی کے عالم میں اس نے خلاف شریعت کام کیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ بے خودی کی وجہ سے اس کی گرفت نہیں لیکن کام تو خلاف قانون شریعت ہے۔ اس کو اچھا کہہ کر سراہنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس طرح سراہنے سے اوروں کو یہ فعل کرنے کی ترغیب ہوگی اور ان کی حوصلہ افزائی ہوگی۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے شعر پر یہ اعتراض کرنے والا بزعم خویش خوش ہوتا ہوگا کہ ہم نے اچھی گرفت کی ہے، لیکن ان معترضین کو کیا معلوم کہ ''جو کیا اچھا کیا'' کے اس چھوٹے سے جملہ میں حضرت رضا بریلوی نے علم تصوف اور علم نفسیات کے اہم نکات بیان فرما دیئے ہیں۔ علم تصوف میں دل کو جسم کا بادشاہ اور دماغ کو اس کا وزیر کہا گیا ہے۔ بادشاہ بھولا ہے لیکن وزیر بہت چالاک ہے۔ بادشاہ کے تمام ارادوں کو وزیر جانتا ہے کہ یہ ارادہ مناسب ہے یا نہیں؟ غیر مناسب ارادوں پر عمل کرنے سے وزیر روکتا ہے۔ اس غیر مناسب ارادے کے مضر نتائج وخطرات سے دل کو آگاہ کرتا ہے اور حتی الامکان اس کے ارتکاب سے روکتا ہے۔ دل بھی اپنے دماغ کے مشوروں کو اکثر قبول کرتا ہے۔ اگر وزیر کی رائے میں وہ کام نامناسب ہوتا ہے تو اس کام سے بادشاہ باز رہتا ہے اور اگر مناسب ہوتا ہے تو کرتا ہے۔ مختصر یہ کہ جب دل اور دماغ کسی کام کے کرنے پر متفق ہوتے ہیں تب ہی وہ کام عمل میں آتا ہے۔ مثلاً: ایک ذیابیطس کا مریض ہے۔ میٹھی چیز کھانا اس کی صحت کے لئے نقصان دہ ہے۔ اس مریض کے سامنے حلوہ یا افلاطون پیش کیا گیا۔ دل تو چاہتا ہے کہ مرغوب چیز ہے تھوڑی کھالوں۔ لیکن دماغ دل کو اپنے ارادے سے باز آنے کا مشورہ دے گا کہ میٹھائی کھانا بد پرہیزی ہے اور اس کے نتیجے میں تمہاری بیماری بڑھ جائے گی۔ اسی طرح کوئی دشمن سامنے آتا ہے تو دل چاہتا ہے کہ اس کی اچھی طرح مرمت کر دوں، لیکن دماغ مشورہ دیتا ہے کہ اگر تم نے اس کو زدوکوب کیا تو اس کے رشتہ دار تم سے انتقام لیں گے۔ اسی لئے جس کا دماغ صحیح سوچتا ہے اس کو عقلمند اور دانا کہا جاتا ہے اور جس کا دماغ چل جاتا ہے اور صحیح سوچنے سے معذور ہوتا ہے اسے کم عقل یا بے وقوف کے خطاب سے نوازا جاتا ہے۔ دل چوں کہ اپنی اہمیت کی وجہ سے تمام اعضاء جسم پر بادشاہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی اہمیت وفوقیت مسلم ہونے کے باوجود وہ دماغ کے مشورے کا مرہون منت ہوتا ہے۔ وہ دماغ کے فیصلے کو غلط نہیں کہتا۔ حالاں کہ دل اپنے ارادے کی تکمیل کا خواہاں ہوتا ہے۔ اس کے جذبات جوش دلاتے ہیں لیکن دماغ کی رائے کے آگے مجبور ہو جاتا ہے اور اپنے ارمانوں کو کچل دیتا ہے لیکن وہ ارمان چکنا چور ہونے کے باوجود دل کے کسی گوشے میں پنہاں

رہتے ہیں اور انتظار کرتے ہیں کہ کب موقع ملے اور یہ کام انجام دے دوں۔

دل کو بادشاہ کی حیثیت دینے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جس طرح بادشاہ کے وجود سے حکومت قائم رہتی ہے اسی طرح دل کے وجود و زندگی سے جسم قائم رہتا ہے۔ جیسے ہی دل کا دھڑکنا بند ہوا کہ پورے جسم کا نظام رک جاتا ہے۔ اختلاج قلب میں یہی تو ہوتا ہے کہ دل دھڑکنا بند ہوا اور آدمی کام سے گیا۔ لیکن دماغ میں یہ بات نہیں۔ دماغ کام نہ کرنے کی حالت میں بھی آدمی زندہ رہتا ہے۔ بہت مرتبہ دیکھا گیا ہے کہ آدمی کا دماغ فیل ہو جاتا ہے۔ آدمی مستقل غشی میں ہوتا ہے لیکن مرتا نہیں، کیوں کہ اس وقت اس کے جسم کا بادشاہ یعنی دل بقید حیات ہوتا ہے۔ حالاں کہ وزیر یعنی دماغ کے ماؤف ہو جانے کی وجہ سے اس کے حرکات وسکنات جامد ہو جاتے ہیں لیکن مرتا نہیں۔ دل کے زندہ ہونے کی بدولت وہ جیتا ہے۔ اسی طرح کوئی شخص عارضی طور پر بے ہوش ہو جاتا ہے، اس وقت وہ بالکل بے حس ہوتا ہے۔ اس کے دماغ کا توازن مفقود ہوتا ہے۔ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر وہ بیٹھ جاتا ہے۔

آس پاس کے ماحول تک کا بھی احساس نہیں ہوتا اور وہ مردہ کے مثل ہو جاتا ہے، لیکن فی الحقیقت وہ مردہ نہیں۔ اس کے جسم کے تمام اعضاء سوائے دماغ کے سب برابر کام کرتے رہتے ہیں۔ البتہ ایسی حالت میں اس کا جسم کارآمد نہیں ہوتا، لیکن مرتا نہیں۔ اسی طرح ہم نے بہت سے دیوانے اور پاگلوں کو دیکھا ہے جن کے جسم بالکل صحت مند ہوتے ہیں مگر ان کا دماغ کام نہیں کرتا۔ دماغ کے کام نہ کرنے کے باوجود وہ زندہ ہوتے ہیں۔ دیگر ضروریات جسمانی بھی بجالاتے ہیں، لیکن وہ اپنے میں نہیں ہوتے۔ خود اپنے سے بھی بیگانہ ہوتے ہیں۔ وہ بولتے بھی ہیں، سنتے بھی ہیں لیکن ان کا بولنا اور دیگر حرکات کرنا صرف دل کے ماتحت ہوتا ہے۔ دماغ کا تسلط ختم ہو جاتا ہے اور دماغ کا تسلط ختم ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے اندر دانش مندی، حالات سے آگہی، اچھے برے کی تمیز وغیرہ جیسی اہم خوبیاں رخصت ہو جاتی ہیں۔ اب اس کا ہر قول وفعل غیر ذمہ دارانہ ہوتا ہے۔ جو جی میں آتا ہے بکتا ہے، جو من میں آتا ہے کرتا ہے۔ کسی کو گالی دینا یا کسی کو پتھر مار دینا اس کے لئے کوئی بڑی بات نہیں، کیوں کہ اب اس کے جسم کی سلطنت بغیر وزیر (دماغ) کے صرف بادشاہ (دل) کے ارادوں پہ چلتی ہے اور کسی قسم کے قید و بند سے پرے ہو کر بے لگام ہوتی ہے۔

اب ہم اس مرحلہ پر آپہنچے ہیں کہ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے شعر کے مصرع ثانی ''جو کیا اچھا کیا'' کا معقول جواب معترض کو دیں۔ سابقہ تمہید سے یہ ثابت ہوا کہ دماغ کی غیر موجودگی میں اعضائے جسم دل کے ایماء و اشارے پر چلتے ہیں۔ اب دل کے جوش پر دماغ کے ہوش کی لگام نہیں ہوتی۔ دل کے وہ ارادے جو دماغ کی موجودگی میں پایہ تکمیل کو نہ پہنچے تھے اور دل کے کسی گوشے میں پنہاں ہو گئے تھے، وہ ادھورے ارمان اب دماغ کی غیر موجودگی میں انگڑائی لے کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور دل سے مطالبہ اور تقاضہ کرتے ہیں کہ طویل مدت سے ہم اپنا من مار کر ایک گوشے میں پڑے ہیں۔ دماغ نے تم کو اپنی رائے سے خائف کر دیا اور تم نے ہماری حسرتیں ادھوری چھوڑ دی۔ اب دماغ کی دخل اندازی نہیں ہے، اس کی روک تھام نہیں ہے، اب تو ہم کو مچلنے دے۔ متواتر مطالبہ ہونے پر دل بالآخر مجبور ہو جاتا ہے اور بلا

سوچ سمجھے وہ اپنے ارمان اور اپنی حسرتیں پوری کرنے کی اجازت عطا کر دیتا ہے۔ بار ہا کا مشاہدہ ہے کہ دیوانہ آدمی یا بے ہوش آدمی اپنی دیوانگی یا بیہوشی کے عالم میں کچھ نہ کچھ قولی اور فعلی حرکت کرتا ہے اور اس قولی و فعلی حرکت کا تعلق اب اس کے دماغ کے ذریعہ نہیں بلکہ براہ راست دل سے متعلق ہوتا ہے۔ کوئی دیوانہ مسلسل گالی ہی بکتا رہتا ہے، کوئی راستہ چلتے لوگوں کو پتھر مارتا رہتا ہے، کوئی اپنے کپڑے اتار کر بالکل ننگا گھومتا ہے۔ کوئی اپنے کسی عزیز کو بار بار پکارتا رہتا ہے، کوئی گندی نالی میں پڑا رہتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح بے ہوش آدمی بھی کبھی کبھی کچھ بک بک کرتا ہے اور وہ بھی وہی بات زبان پر لاتا ہے جو اس کے دل میں ہوتی ہے۔ اب حضرت رضا کے شعر کی طرف اپنا ذہن منتقل کریں۔ حضرت رضا فرماتے ہیں کہ دیوانہ اور بے ہوش آدمی کا ہر قول و فعل اس کے دل کی عکاسی کرتا ہے۔ لیلیٰ کا دیوانہ اپنی دیوانگی کے عالم میں اپنی لیلیٰ کو پکارتا ہے۔ کھانے کا شوقین حالت جنون میں بس کھائے ہی جاتا ہے۔ ناجائز کاموں کا دلدادہ اپنے پاگل پن کے عالم میں بھی ان ناجائز کاموں کا اعادہ کرتا رہتا ہے۔ اپنی ادھوری حسرتوں کو اپنے جنون میں پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ تو جو عشق رسول کا دیوانہ ہے، جو فراق و ہجر رسول ﷺ کے صدقے بے ہوش ہے، وہ بھی اپنے دل کی کیفیت اپنے قول و فعل سے عیاں کرتا ہے۔ دنیا کے دیوانے اپنی دیوانگی کی حالت میں گالیاں بکیں، کسی کو پتھر ماریں، اپنے کپڑے اتار کر بے حیائی اور بے شرمی کا مظاہرہ کریں، اپنی ناجائز معشوقہ کو پکاریں، گندی نالیوں میں پڑے رہیں، ان تمام افعال کے مرتکب دیوانوں کے نازیبا افعال کے مقابلے میں سجدۂ در یا طواف کرنے والے دیوانہ کا کام اچھا ہی ہے۔ کیوں کہ اس کے اس فعل سے اس کے دل میں موجود تعظیم رسول ﷺ کی عکاسی ہوتی ہے۔ البتہ اگر اس کی عقل سلامت ہوتی تو اس کا فعل یقیناً مذموم ہوتا جیسے کہ کسی کو پتھر مارنے والے دیوانے کی عقل سلامت ہوتی تو اس کا پتھر مارنا تعزیرات ملک کے اعتبار سے مذموم اور قابل سزا ہوتا لیکن اس کی عقل سلامت نہ ہونے کے عذر نے اس کو سزا سے امان و حفاظت بخشی، اسی طرح عقل کی سلامتی کے ساتھ سجدۂ در یا طواف کرنے والا ضرور مستحق عتاب و ملامت ہے۔ لیکن اس کی بے خودی نے اس کو مرفوع القلم بنا دیا۔ دونوں یعنی کہ سجدۂ در و طواف کرنے والا اور کسی کو پتھر مارنے والا اپنے فعل کے ارتکاب میں فقدان عقل و ہوش کی بنا پر مرفوع القلم ہیں، لیکن دونوں کے فعل میں کتنا عظیم فرق ہے۔ ایک لوگوں کی ایذا رسانی پر تلا ہوا ہے اور دوسرا باعث تخلیق کائنات ﷺ کے در پر جھکا ہوا ہے اور اس کا یہ فعل ایذا رسانی پر تلے ہوئے فعل کے مقابلے میں کیا ہی اچھا ہے۔

ایک ضروری وضاحت بھی لازمی ہے کہ یہاں تک کی تفصیلی بحث کے مطالعہ سے کوئی صاحب یہ نظریہ قائم نہ کر لیں کہ معاذ اللہ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان سجدۂ در یا طواف کے جواز کے قائل ہیں اور اس فعل کی ترغیب دینا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ دور حاضر کے منافقین وہابی، نجدی، دیوبندی، تبلیغی وغیرہ فرقہ باطلہ کے متبعین حضرت رضا اور تمام اہل سنت و جماعت کو "قبر پوجوا" کے نام سے یاد کرتے ہیں اور جھوٹے الزامات و اتہامات کے ذریعہ بدنام کرنے کی سعی بے جا کرتے ہیں۔ شریعت مطہرہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے جب غیر خدا کے لئے تعظیم کا سجدہ ہی حرام قرار دیا ہے تو ہرگز اہل سنت و جماعت اس کے

جواز کے قائل نہیں اور نہ ہی حیلے حوالے، تاویل و بہانے سے اس کے جواز کی صورت نکالنے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ غیر خدا کے لئے سجدۂ تعظیمی کی حرمت کے شدت سے قائل ہیں۔ اس عنوان پر امام عشق و محبت، مجدد دین وملت، امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ عنہ نے ایک معرکتہ الآراء کتاب بنام "الزبدة الزكية لتحريم سجود التحية" تصنیف فرمائی ہے اور غیر خدا کو تعظیم کا سجدہ کرنا حرام ہونے کے ثبوت میں براہین وشواہد کے انبار لگا دیے ہیں۔ اس میں آپ نے صاف صاف فرمایا ہے کہ قبر کو سجدہ کرنا تو درکنار بلکہ قبر کے سامنے خدا کو سجدہ کرنا بھی منع ہے۔ اس کتاب میں آپ نے یہاں تک فرمایا ہے کہ جس مقبرہ میں قبریں ہوں وہاں اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کی نیت سے بھی نماز نہ پڑھنی چاہیے، اس فرمان کے پیچھے آپ کا یہ مقصد اور دور اندیشی ہے کہ اگر قبر کی طرف منہ کر کے ہم اللہ کی عبادت کی نیت سے بھی نماز پڑھیں گے تو کسی کو بد گمانی ہوگی کہ شاید یہ شخص قبر کو سجدہ کر رہا ہے۔

امام عشق و محبت، حضرت رضا بریلوی کا شمار ان عاشقان صادق میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو ہر شے پر ترجیح دی، دربار نبوی کا ادب واحترام اس طرح ملحوظ رکھا کہ کبھی سر مو اس میں نہ غلو ہوا نہ تنقیص، اور فرمان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا لحاظ کرتے ہوئے شریعت مطہرہ کے قوانین کی پاسداری کی۔ اپنے جوش الفت کو ہوش حدود شریعت سے قابو میں رکھا اور حدود شرع سے سر مو بھی تجاوز نہ کیا۔ یہاں تک کہ آپ اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بے کس پناہ میں زیارت کے لئے حاضر ہوئے اور پیارے آقا کی مقدس آرام گاہ پر نظر پڑی تو فرط الفت اور جذبۂ عشق سے آپ کا دل نثار ہونے کے لئے مچلنے لگا اور بے قرار دل کی سوزش عشق نے وہ ساعت لا کھڑی کر دی جہاں کہ عاشق کے لئے ضبط وصبر کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور بحر عشق کے جوش میں بہک جانے کا زیادہ امکان ہوتا ہے۔ لیکن حضرت رضا بریلوی نے ایسے وقت میں بھی پاس شریعت کو ملحوظ رکھا اور اپنے جوش عشق کو قانون شریعت کی لگام دی اور اپنی دلی کیفیت کا اظہار کچھ یوں فرمایا:

پیش نظر وہ نو بہار سجدے کو دل ہے بے قرار
روکیے سر کو روکیے ہاں یہی امتحان ہے

یعنی نظروں کے سامنے کونین کے دولہا صلی اللہ علیہ وسلم نئی رونق کے ساتھ جلوہ فرما ہیں۔ اس مقدس آقا کے آستانے کو سجدہ کرنے کے لئے دل بے قرار ہے۔ لیکن اے عاشق! اے محبت رسول کا دم بھرنے والے! خبردار! سجدہ مت کرنا! سجدہ کرنے سے اپنے سر کو روک لے! اگر تو محبت رسول کا دعویٰ کرتا ہے تو سن لے! آج تیری محبت کا امتحان ہے سچی محبت کا تقاضا یہی ہے کہ جس سے محبت کی جائے اس کے ہر فرمان پر عمل کیا جائے! اس کے حکم کے خلاف ہرگز قدم نہ اٹھنا چاہیے! اے رضا! تو اپنے آقا کی محبت میں اس منزل پر پہنچا ہے کہ تیرا دل ہجر وفراق میں بے چین و بے قرار ہے اور اسی بے قراری کے عالم میں وصل محبوب میں تیرا دل سجدہ کرنا چاہتا ہے، لیکن اسی پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر خدا کو سجدہ کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ لہٰذا آداب محبت کا تقاضا یہ ہے کہ پیارے آقا کے فرمان پر عمل کرتے ہوئے سجدہ نہ کیا جائے۔ جوش عقیدت سجدہ کرنے پر اکسائے لیکن ایک عاشق صادق کے عشق کی صداقت کا یہی امتحان ہے کہ ہوش کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے دے۔

ایک دوسرے مقام پر حضرت رضا بریلوی اتنی بہترین اور نفیس بات فرماتے ہیں کہ آپ کی شان احتیاط کو خراج تحسین

پیش کرنے کے لئے الفاظ نہیں ملتے، آپ فرماتے ہیں:

اے شوق دل یہ سجدہ گر ان کو روا نہیں اچھا وہ سجدہ کیجئے کہ سر کو خبر نہ ہو

یعنی اے شوق دل! اے خواہش دل! اے اشتیاق قلب! تیری آرزو تو یہی ہے کہ تو اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کو سجدہ کرے، لیکن یہ ممکن نہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ کرنا حرام ہے۔ لہٰذا آقا و مولیٰ ﷺ کو سجدہ کرنا روا نہیں۔ اب کیا ہو؟ سجدہ کرنے سے قانون شریعت کی خلاف ورزی ہوتی ہے اور سجدہ نہ کرنے سے شوق دل کی سیری نہیں ہوتی، سجدہ کرنا شوق دل کا تقاضا ہے اور نہ کرنا شریعت کا مطالبہ ہے۔ کرنا بھی دشوار ہے اور نہ کرنا بھی مشکل ہے، کرنے میں دل کے شوق کی رواداری ہے اور نہ کرنے میں شریعت کی پاسداری ہے۔ شوق دل کی تشفی کے لئے سجدہ کرنا ضروری ہے اور ناموس شریعت باقی رکھنے کے لئے سجدہ نہ کرنا لازمی ہے۔ لیکن اے شوق دل! تیری التجا اور منت ہرگز قابل قبول نہیں شریعت مطہرہ کی حرمت کے سامنے تیری منت وسماجت کی کوئی حیثیت نہیں۔ ہم کسی بھی حالت میں تجھے سجدہ کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ اے شوق دل! ہمیں تیرے جذبات اور ارمان کا ضرور احساس ہے۔ تجھے سجدہ سے روکنے میں تیری آزاری ضرور ہے۔ لہٰذا ہم ایک نیا طریقہ اختیار کرتے ہیں اور یہ سجدہ کے بجائے وہ سجدہ کرنے کا تجھے مشورہ دیتے ہیں جس میں سر نہ جھکے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے کمال فن کا مظاہرہ فرماتے ہوئے دو متضاد الفاظ ''یہ'' اور ''وہ'' کا استعمال دونوں مصرعوں میں لفظ سجدہ کے پہلے فرما کر بڑے بڑے ماہرین فن کو متعجب کر دیا ہے۔ یہ سجدہ سے مراد وہی سجدہ ہے جو عوام و خواص میں مشروع، رائج اور مشہور ہے۔ یعنی سجدۂ نماز یا سجدۂ تلاوت وغیرہ۔ نماز میں جو سجدہ کیا جاتا ہے اس کی ہیئت سب کو معلوم ہے۔ اس سجدہ کے صحیح ہونے کے لئے کچھ احکام ہیں۔ فقہی مسائل کے اعتبار سے سجدہ میں کل آٹھ فرائض ہیں۔

پیشانی، ناک، دونوں ہاتھوں کے پنجے، دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں زمین سے لگنا پھر اس کے بھی فرائض، واجبات، سنن و مستحبات الگ الگ ہیں، جن کا تفصیلی ذکر یہاں ممکن نہیں۔ صرف پاؤں زمین پر لگنے کی ہیئت عرض کئے دیتا ہوں۔ دونوں پاؤں کے انگوٹھوں کا پیٹ اس طرح سے لگے کہ انگوٹھے کا سر جہت قبلہ کی طرف رہے اس طرح انگوٹھوں کا زمین سے لگانا واجب ہے اور چاروں انگلیوں کا لگانا مستحب ہے یہ ہوئی سجدے کی وضاحت، بہت سے لوگ سجدہ کرتے وقت مذکورہ طریقے پر انگوٹھے یا انگلیاں زمین سے نہیں لگاتے اور پاؤں کے انگوٹھے یا انگلیاں زمین سے اس طرح اٹھی ہوتی ہیں کہ زمین کو مس ہی نہیں کرتیں۔ اس صورت میں سجدہ ادا نہ ہوگا اور اگر سجدہ ادا نہ ہوا تو پھر نماز بھی ادا نہ ہوگی۔ لہٰذا اس مسئلہ کی طرف التفات کر کے صحیح طریقے سے سجدہ ادا کرنا چاہیے۔

نماز میں جس طریقہ اور ہیئت سے سجدہ کیا جاتا ہے اس کی کیفیت ہر شخص جانتا ہے۔ اس کی ہیئت دیکھ کر ہی پتہ چلتا ہے کہ سجدہ کیا جا رہا ہے۔ دونوں پاؤں، دونوں گھٹنے، دونوں ہاتھ، ناک اور پیشانی کو زمین پر ٹیکنے کی صورت اور ہیئت کو ہی سجدہ کہا جائے گا اور اس کے خلاف کسی اور صورت یا کسی اور ہیئت سے سجدہ ادا نہ ہوگا۔ پھر چاہے سجدہ کی نیت کرے مثلاً: کوئی شخص اپنا سر نیچے اور ٹانگیں اوپر کر کے زمین پر الٹا کھڑا ہو جائے یا کروٹ لیٹ جائے یا چت لیٹ جائے اور سجدہ کی نیت

کرے، تو بھی اس کا سجدہ ادا نہ ہوگا، کیوں کہ سجدہ کے جو شرائط ہیں وہ نہیں پائے گئے۔ لہٰذا شرائط کی ادائیگی کے ساتھ جو سجدہ کیا جائے گا وہی سجدہ کے حکم میں آئے گا اور اسی پر سجدے کا اطلاق ہوگا اور اسی کو حضرت رضا بریلوی اپنے شعر میں ''یہ سجدہ'' سے اشارہ فرماتے ہیں۔ یعنی اے شوق دل! پیشانی، ناک اور دیگر اعضائے بدن کو ارکان سجدہ کے شرائط کے موافق ادا کیا جانے والا یہ سجدہ تو روا نہیں لہٰذا تو اپنے ارمان کی تکمیل کے لئے وہ سجدہ کر کہ سر کو بھی خبر نہ ہو۔ یعنی نہ پیشانی زمین سے لگے نہ ناک لگے نہ دونوں ہاتھوں کے پنجے لگیں نہ دونوں گھٹنے لگیں اور نہ دونوں پاؤں کی انگلیاں زمین سے مس ہوں۔ یعنی کہ مشروع، رائج اور متعارف سجدے کی ایک بھی ہیئت اس میں نہ ہو ایسا سجدہ کرنے سے تیرا شوق بھی پورا ہو جائے اور قانون شریعت کی خلاف ورزی بھی نہ ہوگی۔ وہ سجدہ جس میں نہ سر جھکے بلکہ سر کو خبر تک نہ ہو اس سجدے میں دیگر اعضائے سجدہ کا حرکت کرنا ہی محال ہے، کیوں کہ سجدہ کرنے میں سر مقدم اور متبوع ہوتا ہے اور باقی اعضاء موخر و تابع ہوتے ہیں۔ تو جس سجدے کا حضرت رضا بریلوی ذکر کرتے ہیں اس میں ناک، پیشانی، گھٹنے، ہاتھ اور پاؤں کو حرکت دینے کی قطعاً ضرورت نہیں کیوں کہ یہ دل کا سجدہ ہے۔ یہ سجدہ عام سجدہ کی طرح بدن کے اعضائے ظاہری سے ادا کیا جانے والا اور نظر آنے والا سجدہ نہیں، بلکہ جسم کے خاص عضو اور وہ بھی عضو باطن دل سے ادا کیا جانے والا اور کسی کو بھی نظر نہ آنے والا سجدہ ہے اور جس پر مشروع سجدے کا اطلاق ہی نہیں ہو سکتا اور اس کو ناروا نہیں کہا جا سکتا، کیوں کہ اس میں قانون شریعت کی مخالفت نہیں۔

غیر خدا کو کسی بھی قسم کا سجدہ کرنا جائز نہیں۔ اگر سجدہ عبادت ہے تو کھلم کھلا شرک ہے اور تعظیم کا سجدہ ہے تو اس کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اس حقیقت کو باور کرانے کے لئے حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں:

نہ ہو آقا کو سجدہ، آدم و یوسف کو سجدہ ہو
مگر سد ذرائع داب ہے اپنی شریعت کا

یعنی یہ کیا بات ہے کہ حضرت آدم اور حضرت یوسف علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام کو تو سجدہ ہو لیکن افضل الخلق، سید الانبیاء والمرسلین ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ کو سجدہ نہ ہو؟ حضرت آدم اور حضرت یوسف کو تعظیم کا سجدہ کیا گیا تھا اور تعظیم کا سجدہ معظم و ذی شان شخصیت کو اس کی تعظیم و توقیر بجالانے کے لئے کیا جاتا ہے۔ اس کائنات میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے بعد سب سے اعلیٰ مرتبہ اور سب سے زیادہ عزت اللہ کے پیارے محبوب، افضل الخلق، سید الانبیاء والمرسلین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ہے۔ لہٰذا تعظیم و توقیر کے سب سے زیادہ لائق وہی ہیں لیکن ان کو سجدہ نہیں کیا گیا اور حضرت آدم اور حضرت یوسف کو سجدہ کیا گیا۔

حالاں کہ ہونا تو یہ چاہیے کہ حضور اقدس ﷺ کو سجدہ کیا جائے مگر ایسا نہیں ہوا اور ایسا نہ ہونے کی وجہ کیا ہے؟ اس معمہ کو سلجھاتے ہوئے حضرت رضا بریلوی شعر کے مصرع ثانی میں فرماتے ہیں کہ ''مگر سد ذرائع داب ہے اپنی شریعت کا''، یعنی ہماری شریعت نے اس طریقے پر عمل کرنے سے سختی کے ساتھ ممانعت فرمائی ہے۔ ناظرین کی معلومات کے لئے ذیل میں حل لغت دیتے ہیں:

- سد: اوٹ، دیوار، پردہ، روک، ممانعت، روکنا، دو چیزوں کے درمیان روک۔ (فیروز اللغات، ص ۷۸۵)

- ذرائع: ذریعہ کی جمع، طریقے، راستے، وسائل۔ (فیروزاللغات، ص۶۹۰)
- داب: بوجھ، وزن، دباؤ، خو، خصلت، عادت، چھاپے کا نشان، وغیرہ۔ (فیروزاللغات، ص۶۰۵)

یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو تعظیم کا سجدہ نہیں کیا گیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور کی شریعت نے غیر خدا کو تعظیم کا سجدہ کرنے کی سختی کے ساتھ ممانعت فرمائی ہے۔ جب حضور نے تعظیم کے سجدے کی تاکید کے ساتھ حرمت اور ممانعت فرمادی ہے تو اب حضور کے حکم کے خلاف عمل کر کے حضور کو سجدہ نہیں کیا جائے گا بلکہ حضور ہی کے فرمان اقدس پر عمل کر کے حکم کی بجا آوری کرنا ہی حضور کی تعظیم وتوقیر ہے۔

سجدۂ درِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق * سے حضرت رضا ایک شعر میں فرماتے ہیں:

کالک جبیں کی سجدۂ در سے چھڑاؤ گے　　　مجھ کو بھی لے چلو یہ تمنا حجر کی ہے

یعنی مکہ معظمہ میں ارکان حج ادا کر لینے کے بعد مدینہ منورہ جانے والوں سے خطاب ہے کہ اے مدینہ جانے والو! تم خوش نصیب ہو۔ اس مقدس در کی حاضری کے لئے جاتے ہو جہاں کی حاضری سے گناہ دھل جاتے ہیں۔ تم جاؤ، ضرور جاؤ اور اس در کا سجدہ کر کے اپنی جبیں (پیشانی) کی سیاہی (کالک) کو صاف کر لینا۔ اب یہاں پھر در پاک کو سجدہ کرنے کا اعتراض ہوسکتا ہے، لیکن جناب عالی! صبر کیجئے دوسرے مصرع میں وضاحت ہے کہ در اقدس کو سجدہ کرنے کی بات حجر اسود کر رہا ہے جیسا کہ مصرع ثانی میں ہے کہ "مجھ کو بھی لے چلو، یہ تمنا حجر کی ہے" یعنی مدینہ شریف جانے والوں سے حجر اسود پکار پکار کر کہتا ہے کہ مجھ کو بھی مدینہ منورہ لے چلو، کیوں کہ تم تو وہاں کی حاضری سے اپنی جبیں کی سیاہی مٹالو گے لیکن میری تمنا ادھوری رہ جائے گی۔

- حدیث میں ہے کہ حجر اسود جب جنت سے دنیا میں آیا تب وہ بالکل سفید تھا۔ لوگ اس کا بوسہ دیتے ہیں تو وہ بوسہ دینے والے کے گناہوں کو اپنے اندر جذب کرتا ہے۔ اسی طرح بوسہ دینے والوں کے گناہوں کو جذب کرتے کرتے اس کا رنگ سیاہ ہوگیا ہے۔

لہٰذا سجدۂ در کی تمنا حجر اسود کر رہا ہے کہ کاش! مجھے اس در اقدس کی حاضری کی سعادت حاصل ہو جائے اور سجدہ کرنے کا موقع میسر ہو جائے تو میں سجدہ کر کے اپنے چہرے پر بوسہ دینے والوں کے گناہوں کے سبب جو سیاہی آگئی ہے اس کو صیقل کر کے اپنا اصلی رنگ وروپ حاصل کرلوں۔ سجدہ کرنے کی تمنا حجر اسود کی ہے اور حجر اسود پر سجدہ کرنے سے کوئی گناہ ہونے کا سوال نہیں۔

سجدۂ در یا طواف کے تعلق سے حضرت رضا بریلوی ایک شعر میں فرماتے ہیں:

اس میں روضہ کا سجدہ ہو کہ طواف　　　ہوش میں جو نہ ہو وہ کیا نہ کرے

اس شعر میں بھی سجدہ کرنے والے کی بے ہوشی کا ذکر ہے، یہ شعر بے خودی میں سجدۂ در یا طواف سے ملتا جلتا شعر ہے اور اس کے بھی قریب وہی معنی ہیں۔

(۴۷)

اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں
مانگتے تاجدار پھرتے ہیں

حل لغت:

گلی: کوچہ، محلے کے اندر کا راستہ، آبادی کے اندر تنگ سڑک۔ (فیروز اللغات، ص۱۱۰۵)

گدا: فقیر، بھیکاری، منگتا، مانگنے والا۔ (فیروز اللغات، ص۱۰۸۴☆لغات کشوری، ص۶۱۰ ☆ کریم اللغات، ص۱۳۳)

میں: اپنی ذات، خود، آپ، تکبر، غرور۔ (فیروز اللغات، ص۱۳۳۲)

میں: اندر، بھیتر۔ (فیروز اللغات، ص۱۳۳۲)

تاجدار: بادشاہ، صاحب تاج، تاج والا۔ (فیروز اللغات، ص۳۳۴ ☆لغات کشوری، ص۱۳۰ ☆ کریم اللغات، ص۳۲)

پھرنا: ٹہلنا، گھومنا، چہل قدمی کرنا، سیر کرنا، گردش میں آنا، چکر لگانا، تبدیل ہونا، بدل جانا، متوجہ ہونا، براز کی حالت رفع کرنا، ٹیڑھا ہونا، مکرنا، پلٹنا، چکر آنا۔ (فیروز اللغات، ص۳۱۵)

پہلے مصرع میں پہلے لفظ ''میں'' کا مطلب ''خود'' ہے۔

پہلے مصرع میں دوسرے لفظ ''میں'' کا مطلب ''اندر'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے در اقدس کی عظمت بیان کر رہے ہیں اور ساتھ میں اپنے آپ کو اس در اقدس کا گدا اور منگتا کہہ کر ''وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ'' یعنی اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو! پر عمل کر رہے ہیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جس کو اس در اقدس کی گدائی حاصل ہوگئی اسے دنیا کی بادشاہی حاصل ہوگئی۔ اس در کے گدا کی نظروں میں دنیا کی بادشاہت کی بھی کوئی حیثیت نہیں۔ دنیا کی سلطنت کو وہ ہیچ سمجھتا ہے۔ بقول حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان:

ان کا منگتا پاؤں سے ٹھکرا دے وہ دنیا کا تاج　　　جس کی خاطر مر گئے منعم رگڑ کر ایڑیاں

حضرت رضا بریلوی مصرع اول میں فرماتے ہیں کہ میں اس گلی کا گدا ہوں جس میں کیا ہوتا ہے؟ ارے مانگتے تاجدار

پھرتے ہیں۔ دنیا کی بڑی بڑی سلطنتوں کے بادشاہ اور عظیم ملکوں کے حکمراں اور وزراء جب بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتے ہیں تو ایک بھکاری اور منگتا کی حیثیت سے حاضر ہوتے ہیں۔ کیوں کہ یہ دربار کسی دنیوی بادشاہ کا نہیں بلکہ شہنشاہ کونین کا مقدس دربار ہے۔ یہاں آنے والا کوئی شاہانہ اور حاکمانہ شان سے نہیں، بلکہ سوالی بن کر حاضر ہوتا ہے۔ اس شعر کے مصرع اول میں لفظ ''میں'' کا استعمال دو مرتبہ کیا گیا ہے۔ دونوں لفظ ''میں'' حروف و اعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں، لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے جدا ہیں۔ پہلی مرتبہ جو لفظ ''میں'' ہے وہ ضمیر ہے اور خود اپنی ذات کے معنی میں ہے۔ دوسری مرتبہ جو لفظ ''میں'' ہے وہ اسم ہے اور اندرو بھیتر کے معنی میں ہے۔ لہٰذا یہ شعر فن شاعری کے اعتبار سے صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے دنیا کے تاجداروں کو اپنے آقا و مولیٰ تاجدار مدینہ شہنشاہ کونین کی گلی کا منگتا کہا ہے اور یہ حقیقت ہے۔ اس کی تفصیل سے کتب سیر و تاریخ لبریز ہیں۔ اس کی مختصر تشریح شعر نمبر 28 ''تیرے بے دام کے بندے ہیں رئیسان عجم'' کی تشریح میں قارئین ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ یہاں ایک بات کی وضاحت کردینا ضروری ہے کہ جو شاہان دنیا بارگاہ رسالت کے منگتا کی حیثیت سے آتے ہیں، ان سب کے پاس آسائش دنیا کے تمام اسباب موجود ہوتے ہیں۔ دنیوی مال و اسباب کی انہیں قطعاً ضرورت نہیں۔ لیکن پھر بھی صرف اس نیت سے آتے ہیں کہ ہماری بادشاہی اور حکومت اس شہنشاہ کے طفیل ہی قائم و دائم ہے ان کی نظر کرم سے ہی ہماری حکومت برقرار ہے۔ ہم اپنے ملک کے بادشاہ ضرور ہیں۔ لیکن ہم بادشاہوں کا بادشاہ کونین کا شہنشاہ تو مدینہ منورہ میں آرام فرما ہے۔ دنیا کا قاعدہ ہے کہ چھوٹا حاکم بڑے حاکم کی خدمت میں سلامی اور آداب بجالاتا ہے، تاکہ اس کی نظر کرم اس پر رہے۔ علاوہ ازیں چھوٹا بادشاہ بڑے بادشاہ کی حتی الامکان خدمت کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس کا حکم بسر و چشم قبول کرتا ہے۔ اسلامی تاریخ کا ایک اہم واقعہ قارئین کی خدمت میں پیش ہے:

۵۵۷ھ میں سلطان نورالدین محمود شہید بن عمادالدین زنگی نے آقائے دوجہاں ﷺ کو تین مرتبہ خواب میں دیکھا کہ آپ دو آدمیوں کی طرف اشارہ کرکے فرماتے ہیں کہ مجھے ان دو آدمیوں کے شر سے بچاؤ۔ سلطان نورالدین زنگی نے اپنی دانائی سے تاڑ لیا کہ ضرور کوئی عجیب و غریب واقعہ مدینہ منورہ میں پیش آیا ہے، اس لئے مدینہ منورہ جلد پہنچ جانا چاہیے۔ چنانچہ سلطان اسی وقت رات کے آخری حصہ میں اپنے بیس خادموں کے ساتھ تیز رفتار سانڈنیوں پر روانہ ہوگئے۔ اپنے ساتھ کثیر مال بھی لے گئے۔ سولہ دن تک مسلسل سفر کرنے کے بعد شام کے وقت مدینہ منورہ میں داخل ہوئے اور فوراً ان دونوں ملعونوں کی شناخت کی سبیل پیدا کی۔ سلطان نورالدین نے اعلان کرایا کہ مدینہ کا ہر باشندہ حاضر ہو اور سلطانی سخاوت میں سے اپنا حصہ حاصل کرے۔ اس اعلان کے بعد ہر شخص باری باری سلطان سے ملتا۔ سلطان اس کو مالامال کرکے رخصت کردیتے، مگر وہ دونوں شکلیں ابھی تک نہ دکھائی پڑیں جو خواب میں دکھلائی گئی تھیں۔ سلطان نورالدین زنگی نے کہا کہ اہل شہر میں کوئی شخص ایسا بھی ہے جو حاضر نہ ہوا؟ لوگوں نے عرض کیا: اہل مدینہ میں سے کوئی شخص باقی نہ رہا۔ البتہ دو عابد و زاہد شخص جو مغرب کے رہنے والے ہیں باقی رہ گئے ہیں۔ یہ دونوں شب و روز عبادت میں مشغول رہتے ہیں، اور کسی

سے بات چیت تک نہیں کرتے۔ان کو دنیا کے ساز وسامان سے کوئی غرض نہیں۔اسی وجہ سے دونوں حاضر نہ ہوئے۔سلطان نے حکم دیا کہ ان دونوں کو بھی لایا جائے۔جب وہ دونوں سامنے آئے تو سلطان نے پہلی ہی نظر میں انہیں پہچان لیا۔یہ وہی ہیں، جن کی طرف خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا۔سلطان نے ان دونوں سے دریافت کیا کہ تم لوگ کہاں ٹھہرے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ حجرہ شریف گنبد خضریٰ کے مغربی جانب ایک مکان میں رہتے ہیں۔

سلطان نورالدین نے یہ معلوم کرکے ان دونوں کو وہیں چھوڑا اور خود اس مکان میں پہنچ گئے جہاں وہ دونوں مقیم تھے، اس مکان میں ایک کھڑکی مسجد کی دیوار سے لگی ہوئی تھی۔سلطان نورالدین نے اس مکان کا جائزہ لیا، ایک طرف طاق میں دو کلام مجید اور وعظ ونصیحت کی چند کتابیں رکھی ہوئی ہیں۔دوسری طرف غرباء ومساکین کے لئے کچھ غلہ تھا۔ان کے سونے اور آرام کرنے کی جگہ ایک چٹائی پڑی ہوئی تھی۔سلطان نے چٹائی اٹھائی تو وہاں ایک گہرا گڑھا برآمد ہوا جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار شریف کی طرف کھدا ہوا تھا۔اس مکان کے ایک گوشے میں ایک کنواں تھا جس میں گڑھے کی مٹی ڈالی جاتی تھی اور بروایت دیگر چمڑے کے تھیلے بھی پائے گئے۔جن میں رات میں مٹی بھر کر بقیع قبرستان میں ڈال آتے تھے۔سلطان نورالدین مکان کا جائزہ لے کر واپس آئے اور دونوں کو ڈرایا، دھمکایا اور زدوکوب کرکے اس حرکت کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے ظاہر کیا کہ ہم دونوں عیسائی ہیں۔اور نصاریٰ نے ہم کو مال کثیر دے کر مغربی حاجیوں کے لباس میں اس لئے بھیجا ہے کہ ہم کسی حیلہ سے حجرہ شریف میں داخل ہوکر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم (مبارک) کو یہاں سے منتقل کردیں۔جس رات یہ سرنگ قبر شریف کے قریب پہنچنے والی تھی، کثرت سے ابر آیا اور بارش ہونے لگی، اور بجلی کی گرج وچمک نے وہ زور باندھا کہ زلزلہ پیدا ہوگیا۔اور اسی رات کی صبح کو سلطان نورالدین مدینہ پہنچ گئے۔

ان دونوں کی باتیں سن کر سلطان کا غصہ بھڑک اٹھا اور ساتھ میں رقت بھی طاری ہوئی۔سلطان بہت روئے۔پھر ان دونوں ناپاک کی گردنیں اڑادیں اور ان کی لاشوں کو جلادیا۔اس کے بعد حجرۂ مقدسہ کے چاروں طرف اتنی گہری خندق کھدوائی کہ پانی نکل آیا۔پھر سیسہ پگھلا کر اس خندق میں بھروادیا تاکہ مستقبل میں کوئی مفسد ملعون قبر شریف تک نہ پہنچ سکے۔(جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب، از شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد اول، ص ۱۲۷)

مذکورہ واقعہ کے عین مطابق اور بھی کئی واقعات رونما ہوئے تھے لیکن ہر مرتبہ گستاخوں کے ناپاک ارادے ناکام ہوتے رہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں مذکورہ واقعہ کی مدینہ منورہ کے تمام مؤرخین نے تصدیق کی ہے جن میں شیخ جمال الدین مطہری اور مجدالدین فیروزآبادی اور بڑے بڑے علماء شامل ہیں۔امام عبداللہ یافعی نے سلطان نورالدین زنگی کے تذکرے میں لکھا ہے کہ بعض کاملین شیوخ کا قول ہے کہ سلطان نورالدین کا شمار چالیس اولیاء میں ہے۔ان کے نائب سلطان حضرت صلاح الدین ایوبی تین سو میں شمار کیے جاتے ہیں۔ابن اثیر کہتے ہیں کہ میں نے شاہان اسلام اور ان کے بعد والوں کی تاریخیں معلوم کیں، تو خلفائے راشدین اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہم کے بعد کوئی بادشاہ سلطان نورالدین زنگی سے زیادہ نیک سیرت نہیں ملا۔(جذب القلوب، ص ۲۱۹)

۷۵

خانۂ دل کو ضیا دے روئے ایماں کو جمال
شہ ضیا مولیٰ جمال الاولیا کے واسطے

حل لغت:

خانہ: گھر، بیت، مکان، کبوتروں یا مرغیوں کا ڈربہ، آشیانہ، گھونسلا، صندوقچہ کے اندر کا حصہ، شطرنج کی بساط کا ایک حصہ، پیٹ، شکم، انگوٹھی میں وہ جگہ جہاں نگینہ ہوتا ہے۔ (فیروز اللغات، ص۵۸۳ ☆ لغات کشوری، ص۲۵۱ ☆ کریم اللغات، ص۶۲)

ضیا: روشنی، چمک، رونق، روشنی آفتاب کی۔ (فیروز اللغات، ص۸۷۱ ☆ لغات کشوری، ص۴۶۱ ☆ کریم اللغات، ص۱۰۴)

رو: چہرہ، مکھڑا، رخ، صورت، شکل، سبب، وجہ، باعث، بساط، سطح، تختہ، سامنا، آگاہ، امید، تمنا، رعایات۔ (فیروز اللغات، ص۷۲۳ ☆ لغات کشوری، ص۳۳۲ ☆ کریم اللغات، ص۸۱)

جمال: حسن، جوبن، روپ، خوبصورتی۔ (فیروز اللغات، ص۴۷۰ ☆ لغات کشوری، ص۱۹۹ ☆ کریم اللغات، ص۵۲)

شہ: شاہ کا مخفف یعنی بادشاہ، دولھا، بڑا، اعلیٰ، حمایت، ترغیب، بہکانا، استعمال، رد، ڈھیل۔ (فیروز اللغات، ص۸۵۰ ☆ لغات کشوری، ص۴۳۳)

ضیا: مراد حضرت قاضی ضیاء الدین المعروف بہ شیخ جیا رضی اللہ عنہ۔ (شجرہ برکاتیہ رضویہ، ص۱۱)

جمال: مراد حضرت شیخ جمال الاولیاء رضی اللہ عنہ۔ (شجرہ برکاتیہ رضویہ، ص۱۱)

پہلے مصرع میں لفظ ''ضیا'' کا مطلب ''روشنی'' ہے۔

دوسرے مصرع میں لفظ ''ضیا'' سے مراد ''قاضی ضیاء الدین'' ہیں۔

پہلے مصرع میں لفظ ''جمال'' کا مطلب ''خوبصورتی'' ہے۔

دوسرے مصرع میں ''جمال'' سے مراد ''شیخ جمال الاولیاء'' ہیں۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ کے دو عظیم المرتبت بزرگوں کے صدقے اور طفیل دو چیزیں مانگ رہے ہیں۔ اول: دل کے گھر کو روشنی، دوم: ایمان کے چہرے کو خوبصورتی، اور ان دونوں کے حصول کے لئے ان مرادوں کے مترادف القاب و اسماء والے بزرگوں کا واسطہ دے رہے

ہیں۔یعنی خانۂ دل کی ضیا کے لئے حضرت قاضی ضیاء الدین عرف شیخ جیاء اور روئے ایمان کے جمال کے لئے حضرت سید شیخ جمال الاولیاء کا واسطہ دے رہے ہیں۔

اس شعر میں دو تجنیسات ہیں۔ پہلے مصرع میں لفظ ''ضیا'' اور ''جمال'' کا استعمال کیا گیا ہے۔اسی طرح دوسرے مصرع میں بھی لفظ ''ضیا'' اور ''جمال'' کا استعمال کیا گیا ہے۔دونوں لفظ ضیا اسم ہیں، لیکن دونوں الگ الگ معنی میں مستعمل ہیں۔اسی طرح دونوں لفظ جمال بھی اسم ہیں اور الگ الگ معنوں میں مستعمل ہیں۔لہٰذا دونوں تجنیسات فن شاعری کے اعتبار سے تجنیس کامل مماثل ہیں۔شعر کا لغوی اور ظاہری معنی یہ ہوتا ہے کہ اے رب کائنات! ہمارے دل کے آشیانہ کو روشنی، اور ہمارے رخ ایمان کو حسن اور خوبصورتی عطا فرما، واسطہ ہمارے آقا حضرت ضیاء الدین المعروف بہ شیخ جیا کا اور واسطہ حضرت جمال الاولیاء رضی اللہ عنہما کا۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے خانۂ دل کے لئے روشنی اور روئے ایمان کے لئے جمال کا بارگاہ خداوندی سے سوال کیا ہے اور یہ دونوں ایک مومن کے لئے اشد ضروری ہیں۔اگر گھر کے اندر روشنی نہیں ہے اور گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا ہے تو وہ گھر انسان تو کیا کسی جانور کے رہنے کے قابل نہیں۔جس گھر میں اندھیرا ہوتا ہے وہاں سکونت کرنے سے جی گھبراتا ہے اور دم گھٹنے لگتا ہے۔اسی لئے جب بھی کسی نئے مکان کی تعمیر ہوتی ہے تو اس میں روشنی کی فراہمی کا خیال رکھ کر کھڑکیاں اور روشن دان کا اہتمام کیا جاتا ہے۔یہ تو ہوئی عام انسانی اجسام کے بسنے کے گھروں کی بات۔لیکن اس میں ایک بات یہ بھی ہے کہ اگر وہ گھر ایسے موضع یا مقام پر واقع ہے کہ وہاں قدرتی روشنی دستیاب نہیں ہو سکتی تو پھر ایسے گھروں میں مصنوعی روشنی کا انتظام کیا جاتا ہے۔جیسے بمبئی، کلکتہ وغیرہ جیسے بڑے شہروں میں تنگ جگہ میں چھوٹے چھوٹے کمروں پر مشتمل مکان تعمیر ہوتے ہیں۔ان مکانوں کے کمروں تک آفتاب کی روشنی پہنچنے کا امکان نہیں۔لہٰذا وہاں بجلی کے قمقموں کے ذریعہ روشنی کا انتظام کیا جاتا ہے اور حالت یہ ہوتی ہے کہ اگر کبھی بجلی فیل ہو جائے تو دن کے بارہ بجے بھی ان کمروں میں رات کے بارہ بجے جیسا اندھیرا چھا جاتا ہے اور کمرے میں چند لمحہ کے لئے ٹھہرنا دشوار ہو جاتا ہے۔کمرے کا مکین روشنی کے لئے بے تاب ہو جاتا ہے۔الیکٹری سیٹی بورڈ سے رابطہ قائم کر کے جلد بجلی چالو کرنے کی گزارش کرتا ہے۔ اگر مالدار ہے تو اپنا جنریٹر چلاتا ہے۔یا پھر کم از کم موم بتی یا چراغ روشن کرتا ہے تو جب پتھروں، اینٹوں، لوہا، لکڑی اور سمنٹ کے بنے ہوئے گھر روشنی کی عدم موجودگی میں راحت بخش سے متغیر ہو کر وبال جان بن جاتے ہیں تو دل کے گھر کو روشنی کی اس سے بھی سخت ضرورت ہے۔اور دل کے گھر کی روشنی ہے ایمان اور ایمان کی جان ہے محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔

قرآن مجید میں کئی مقامات پر دل کا ذکر آیا ہے۔اور جو دل عداوت خدا اور رسول (جل جلالہ، وصلی اللہ علیہ وسلم) اور دشمنی اسلام سے ملوث ہوتا ہے، اس دل کی قرآن مجید میں مذمت کی گئی ہے اور اس دل کو مریض اور پتھر کہا گیا ہے، بلکہ پتھر سے بھی زیادہ سخت فرمایا گیا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

"فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ" (سورۃ البقرۃ، آیت ۱۰)
ترجمہ: ان کے دلوں میں بیماری ہے۔ (کنزالایمان)
نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:
"ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِیَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً" (سورۃ البقرۃ، آیت ۷۴)
ترجمہ: پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے۔ تو وہ پتھر دل کی مثل ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ کرے۔ (کنزلایمان)
مذکورہ آیات میں ایمان سے خالی دلوں کو مریض اور پتھر کہا گیا ہے۔ قرآن مجید کا ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ قرآن مجید میں جو مثال دی جاتی ہے وہ اتنی برمحل ہوتی ہے کہ صرف اشارے اور کنائے میں کثیر جامعیت کی حامل ہوتی ہے۔ دل کو پتھر کی طرح سخت کہا گیا ہے لوہے کی طرح نہیں۔ حالاں کہ پتھر کے مقابلے میں لوہا زیادہ سخت ہوتا ہے۔ لوہے کی سختی کا یہ عالم ہے کہ وہ پتھر کو بلکہ بڑے بڑے پہاڑوں کو بھی کاٹ ڈالتا ہے۔ لیکن قرآن مجید میں دلوں کو لوہے کی طرح سخت کہنے کے بجائے پتھر کی طرح سخت کہا گیا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ لوہا پتھر سے ضرور زیادہ سخت ہے، لیکن لوہے میں روشنی پیدا کرنے کا وصف ہے۔ ہمارے گھروں میں بجلی کے جو بلب ہوتے ہیں وہ باہر سے تو شیشہ (کانچ) کے ہوتے ہیں لیکن اس کے اندر لوہے کا باریک تار ہوتا ہے جس کو "فلامنٹ" کہا جاتا ہے اور وہی بلب کی جان ہے۔ جب ہم بجلی کا بلب روشن کرنے کے لئے سوئچ دباتے ہیں تو بلب کے اندر کا وہی تار جگمگا اٹھتا ہے اور روشنی پھیلاتا ہے۔ کسی بھی بلب یا ٹیوب لائٹ میں پتھر کا فلامنٹ نہیں ہوتا کیوں کہ پتھر میں روشنی اخذ کرنے اور ارسال کرنے کی صلاحیت نہیں۔ اسی لئے بے ایمان دلوں کو قرآن مجید میں پتھروں سے تشبیہ دی گئی۔ تو جو دل عداوت رسول کی وجہ سے پتھر کی طرح ہو جاتا ہے اس دل کا گھر کبھی روشن نہیں ہوتا، بلکہ اندھیرے میں غرق رہتا ہے۔
اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے خدائے تعالیٰ سے دل کی ضیا کا سوال کیا ہے۔ صرف روشنی کا سوال نہیں کیا۔ لفظ "ضیا" لغوی اعتبار سے روشنی اور رونق دونوں معنوں کا حامل ہے۔ یعنی خانۂ دل کی روشنی اور رونق دونوں مانگ رہے ہیں۔ روشنی کے تعلق سے تو ابھی ہم نے بہت ہی اختصار کے ساتھ گفتگو کی اور اس گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ ایمان کے نور سے دل کا آشیانہ روشن ہوتا ہے۔ لیکن روشنی کے ساتھ ساتھ رونق کا ہونا بھی ضروری ہوتا ہے۔ بارہا کا مشاہدہ ہے کہ بجلی کا بلب عرصہ دراز تک کسی کپڑے وغیرہ سے صاف نہ کیا جائے تو اس پر گرد و غبار کی تہہ جم جاتی ہے۔ نتیجتاً جب بلب روشن کیا جاتا ہے تو اس کی روشنی مدھم اور ماند محسوس ہوتی ہے۔ بلب روشن تو ضرور ہوتا ہے، لیکن اس میں رونق نہیں ہوتی۔ اس میں رونق لانے کے لئے کسی کپڑے وغیرہ سے اس کو صاف کرنا ضروری ہوتا ہے۔ دل کی روشنی کا بلب بھی گناہ و معاصی کے گرد و غبار سے بے رونق ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ارشاد ہے۔
ترمذی شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
"اِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا اَذْنَبَ كَانَتْ نُقْطَةٌ سَوْدَاءُ فِیْ قَلْبِهٖ فَاِنْ تَابَ وَ اسْتَغْفَرَ صَقَلَ قَلْبُهٗ وَ اِنْ زَادَ

زَادَتْ حَتّٰی تَعْلُوْا قَلْبَهٗ فَذَالِکُمُ الرَّانُ الَّذِیْ ذَکَرَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ“

ترجمہ: یعنی بلاشبہ جب مومن بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ داغ کا نقطہ لگ جاتا ہے۔ پس اگر وہ توبہ و استغفار کر لے تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر گناہ زیادہ کرے تو یہ سیاہ داغ بھی بڑھتا جائے گا۔ یہاں تک کہ اس کے پورے دل پر چھا جائے گا۔ یہی وہ زنگ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کے اعمال نے ان کے دلوں پر زنگ لگا دیا۔ (ترمذی شریف)

لہٰذا دل کے آشیانہ میں ایمان کی روشنی کے ساتھ ساتھ اعمال صالحہ کی رونق بھی ضروری ہے۔ اور اسی کو حضرت رضاؔ بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے رب کریم ورحیم جل جلالہٗ سے مانگ رہے ہیں کہ اے رب کریم! ہمارے دلوں کو ایمان کی روشنی اور نیک اعمال کی رونق سے آراستہ فرما۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے خانۂ دل کی ضیا کے حصول کے لئے جن کا واسطہ بارگاہ الٰہی میں پیش کیا ہے، اس ذات گرامی حضرت قاضی ضیاء الدین عرف شیخ جیا رضی اللہ عنہ کی ولادت ۹۲۵ھ میں قصبہ نیوتنی، ضلع لکھنؤ میں ہوئی۔ آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے گھر پر ہی ہوئی۔ اس کے بعد اعلیٰ علوم دینیہ کے حصول کے لئے آپ احمد آباد (گجرات) حضرت علامہ شاہ وجیہہ الدین بن نصر اللہ علیہ الرحمہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ دوران تعلیم حضرت علامہ وجیہہ الدین علیہ الرحمہ نے اپنی لڑکی کا عقد آپ سے کر دیا۔ آپ نے علوم باطن حضرت شیخ محمد بن یوسف قرشی برہان پوری قدس سرہٗ سے حاصل فرمائے۔ شاہ تراب علی قلندری قدس سرہٗ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ”کشف التواری“ میں آپ کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ آپ صاحب تحقیق وصاحب باطن وصاحب کشف وکرامات تھے۔ (برکات الاولیاء، ص۸۱)

آپ حصول علم کے لئے بہت ہی چھوٹی عمر میں اپنے وطن سے احمد آباد جانے کے لئے نکلے۔ گجرات کے جنگل میں راستہ بھول گئے۔ اس وقت آپ کی رہبری کے لئے حضرت خضر علیہ السلام تشریف لائے اور آپ سے ارشاد فرمایا کہ تم کو چالیس روز تک میرے ساتھ رہنا ہوگا۔ آپ نے برضا وخوشی یہ دعوت قبول فرمائی اور چالیس دن تک خضر علیہ السلام کی خدمت بابرکت میں رہ کر آپ جمیع علوم ظاہری وباطنی سے آراستہ ہوئے۔ (سلاسل الانوار)

آپ جب زیارت حرمین شریفین کے لئے گئے اور مکہ معظمہ کی حاضری کے بعد بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری سے مشرف ہوئے تو ایک رات آپ سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر حاضر تھے کہ اسی دوران حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے اور بہت سی نوازشات سے سرفراز ہوئے۔

زیارت حرمین شریفین کے بعد آپ ہندوستان تشریف لائے اور اپنے شہر میں سکونت پذیر ہو کر علوم وعرفان کے دریا بہائے اور کثیر افراد کو رشد وہدایت کی راہ پر گامزن کر کے ان کو اسلام کا سچا وفادار بنا کر چمکایا۔

آپ کا وصال مبارک ۱۲ رجب المرجب ۹۸۹ھ میں قصبہ نیوتنی، ضلع اناؤ میں ہوا اور وہیں پر آپ کا مزار شریف بھی ہے۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس شعر میں خدائے تعالیٰ سے دوسری چیز جو مانگی ہے وہ ہے روئے ایماں کا جمال، انسان کا چہرہ اس کے دل کی عکاسی کرتا ہے۔ مثلاً: اگر کسی کو کسی شخص سے دل میں عداوت اور نفرت ہوتی ہے تو جب وہ شخص سامنے آتا ہے تو چہرے پر کبیدگی اور کدورت نمایاں ہوجاتی ہے۔ دل کی کیفیت چہرے سے عیاں ہوا کرتی ہے۔ اسی طرح اپنا کوئی محبوب سامنے آتا ہے تو چہرے پر فرحت وانبساط کی جھلک وچمک نمودار ہوجاتی ہے۔ چنانچہ دل کی کیفیت چہرے سے نمایاں ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں کئی جگہ چہرے کے تعلق سے آیات وارد ہیں۔ قرآن مجید میں ذکر ہے کہ قیامت کے دن ایمان والوں کے چہرے سفید اور چمکدار ہوں گے اور بے ایمانوں کے چہرے سیاہ اور پژمردہ ہوں گے۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ وَ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ"

(سورۂ عبس، آیت ۳۸ تا ۴۱)

ترجمہ: کتنے منہ اس دن روشن ہوں گے۔ ہنستے خوشیاں مناتے اور کتنے منھوں پر اس دن گرد پڑی ہوگی۔ ان پر سیاہی چڑھ رہی ہے۔ (کنز الایمان)

مذکورہ آیت میں مومن کے چہرے کو خوشیاں مناتے اور روشن وبارونق اور کافر کے چہرے کو کالا اور بے رونق بتایا گیا ہے۔ دل کی سفیدی بھی چہرے پر ظاہر ہوتی ہے اور دل کی سیاہی بھی چہرے پر ظاہر ہوتی ہے۔ جو دل کی حالت ہوتی ہے اس کے آثار چہرے پر نمودار ہوتے ہیں۔ تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ گستاخ رسول کا چہرہ مسخ ہوجاتا ہے۔ اس کے چہرے پر رونق ہوتی ہی نہیں اگر وہ پیدائشی گورا بھی ہے پھر بھی اس کا چہرہ بھدا معلوم ہوتا ہے۔ میں نے اسی حقیقت کو اپنے ایک شعر میں یوں عرض کیا ہے:

بغض نبی سے کالے دل کی کالک چہرے پر پھیلی ۔۔۔ پڑے نظر تو لاحول پڑھ لو منحوس صورت رکھتے ہیں

(مصروف)

دور حاضر کے وہابی، نجدی، دیوبندی، تبلیغی، غیر مقلد وغیرہ فرقہ باطلہ کے متبعین کے چہرے عداوت انبیاء واولیاء کی وجہ سے مقبوح ومبغوض دکھائی دیتے ہیں۔ یہ تو ہوئی ان لوگوں کی بات جن کے دلوں میں ایمان ہی نہیں ہے، جن کے خانہ دل میں گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا ہے، لیکن اگر مومن بھی گناہوں میں ملوث ہوگا تو اس کے چہرے پر بھی وہ رونق نہ ہوگی جو ہونی چاہیے۔

ایک ولی اللہ دن میں کئی مرتبہ آئینہ میں چہرہ دیکھا کرتے تھے۔ لوگوں نے وجہ پوچھی تو آپ نے ازراہ تواضع فرمایا کہ میں اپنا چہرہ بار بار آئینہ میں اس لئے دیکھتا ہوں کہ میرا دل گناہوں سے لبریز ہے کہیں دل کی سیاہی چہرے پر تو نہیں آئی۔

اسی طرح حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کے ایک مرید نے گناہ کا ارادہ کیا تو اس کا چہرہ سیاہ ہوگیا تھا۔ جس کی تفصیل شعر نمبر 98 میں ملاحظہ فرمائیں!

حضرت رضا بریلوی رضی اللہ عنہ نے روئے ایماں کا جمال مانگ کر تمام گناہوں سے اجتناب کی توفیق خدا سے مانگی ہے۔ کیوں کہ گناہوں میں مبتلا انسان اللہ تعالیٰ کے اسرار باطنی کو کبھی بھی حاصل نہیں کرسکتا۔ گنہگار نور باطن سے ہمیشہ محروم رہتا ہے۔ جب تک کہ وہ توبہ نہ کرلے۔ علاوہ ازیں حقیقی علم جو اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے گنہگار اس سے بھی محروم رہتا ہے۔ علم حقیقی تب حاصل ہوتا ہے جب انسان گناہوں سے توبہ کرکے پاکیزہ ہوجائے، پاکیزگی سے مومن میں لطافت پیدا ہوتی ہے۔ گناہوں سے کثافت پیدا ہوتی ہے۔ گناہ کے اثرات چہروں پر ظاہر ہوتے ہیں جب انسان گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ داغ بن جاتا ہے، پھر گناہ پر مداومت کی وجہ سے اس کا دل بالکل سیاہ ہوجاتا ہے۔ پھر دل کی تاریکی چہرے پر ظاہر ہوتی ہے۔ گناہوں کی سیاہی اور چہرے کی تاریکی کا مشاہدہ معاشرے کے ایسے لوگوں کے چہرے پر بآسانی کیا جاسکتا ہے، جو لوگ دنیوی عشق ومحبت اور نفسانی جذبات وخواہشات کا شکار ہوتے ہیں۔ ان کی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے اکثر نمایاں ہوجاتے ہیں۔ آنکھوں پر جب گنہگاری کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں تو چہرے کا باقی حصہ بھی اثرات قبول کرتا ہے۔ اللہ کے نیک بندوں کے چہرے اس سیاہی سے بالکل مبرّا ہوتے ہیں۔ اور ان کے چہروں پر اللہ کی رحمت کا نور نمایاں طور پر نظر آتا ہے اور اگر ان کو عام انسانوں میں کھڑا کردیا جائے تو چہرے کے نور کی وجہ سے وہ سب سے ممتاز نظر آئیں گے۔ ان کے چہرے کی رونق نرالی ہوتی ہے اس کے برعکس گناہ کرنے والا خود کتنا ہی خوبصورت کیوں نہ ہو مگر اس کے چہرے پر کبھی نورانیت ورونق نہیں آتی۔ اسی لئے تو عام اصطلاح میں عوام الناس دعا میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ دونوں جہاں میں سرخ روئی عطا فرمائے۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے شعر کا مطلب یہ ہوا کہ اے اللہ! ہمارے دلوں کو ایمان کے نور سے مزین فرما کر روشنی اور رونق عطا فرمانے کے ساتھ ساتھ چہروں کو بھی ایمانی جمال عطا فرما۔

حضرت رضا بریلوی نے روئے ایماں کے جمال کے حصول کے لئے جن کے وسیلے سے دعا کی ہے وہ حضرت شیخ جمال الاولیاء رضی اللہ عنہ بن حضرت مخدوم جہانیاں بن بہاؤالدین سالار عالم ہیں۔ جن کی ولادت باسعادت ۹۷۳ھ میں بمقام کورہ، جہان آباد میں ہوئی۔ آپ کی پیدائش کے قبل ہی حضرت فقیر خدابخش علیہ الرحمہ جن کی عمر شریف ایک سو بیس سال ہوگئی تھی۔ انہوں نے بشارت دی کہ حضرت مخدوم جہانیاں کے گھر میں جمال آئے گا۔ لہٰذا جب آپ کی ولادت ہوئی تو آپ کا نام شیخ جمال رکھا گیا۔

آپ کا شجرۂ نسب تیس واسطوں سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔

آپ اپنے والد ماجد حضرت مخدوم جہانیاں قدس سرہٗ کی آغوش تربیت میں پروان چڑھے۔ پھر آپ کے والد نے آپ کی تعلیم وتربیت کی تکمیل کے لئے آپ کو حضرت قاضی ضیاء الدین عرف شیخ جیا رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا۔ جہاں پانچ سال تک تحصیل علوم ظاہری وباطنی فرمایا۔

آپ کے فضائل ومناقب بے شمار ہیں۔ آپ مادرزاد ولی ہیں اور نسبت عالی رکھتے ہیں۔ جب آپ سات سال

کے ہوئے تو فقراء کی خدمت کرنے لگے۔ آپ نے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے اشارہ در خواب پر تحصیل علوم دینیہ میں ۲۰ رسال بڑی محنت و مشقت کر کے کمال حاصل کیا۔ آپ نے بلا واسطہ ارواح مبارکہ سیدنا غوث اعظم محی الدین عبد القادر جیلانی، خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی اور حضرت شاہ بدیع الدین قطب مدار رضی اللہ عنہم سے فیض روحانی حاصل فرمایا۔

ابتدائی عمر میں آپ کی طبیعت نہایت غبی تھی۔ مدرسہ کے طلباء ازراہ تمسخر آپ کو جمال الاولیاء پکارتے تھے۔ یہ مذاق آپ کو ناگوار معلوم ہوا اور مدرسہ سے بھاگ کر ایک غار میں چھپ گئے۔ ایک روز حضرت شیخ ضیاء الدین عرف شیخ جیا رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ جمال کہاں ہے؟ طلبہ نے بتایا کہ تین دن ہوئے مدرسہ سے غائب ہیں۔ آپ نے حکم دیا کہ اسے تلاش کرو اور میں بھی تلاش کرتا ہوں۔ حضرت شیخ ضیاء الدین تلاش کرتے کرتے جنگل میں پہنچے۔ تو انہوں نے دیکھا کہ آپ ایک غار میں بیٹھے رو رہے ہیں۔ شیخ نے رونے کا سبب پوچھا تو آپ نے کہا کہ طلبہ میرا مذاق اڑاتے ہیں اور جمال الاولیاء کہہ کر پکارتے ہیں۔ شیخ کامل کا دریائے لطف و کرم جوش میں آگیا۔ اور شیخ نے فرمایا کہ میں نے تم کو ''جمال اولیاء'' کیا۔ پھر آپ غار سے اٹھ کر باہر تشریف لائے تو شیخ نے اپنا پیراہن مبارک آپ کو عطا فرمایا اور اسی وقت سے ولایت کے تمام اسرار آپ پر منکشف ہوگئے، اور ایسی ذکاوت ذہن پیدا ہوئی کہ طلبہ دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ تحصیل علوم ظاہری کے بعد شیخ نے آپ کو راہ سلوک طے کروا کے خرقہ قادریہ سے مشرف فرمایا اور اپنا خلیفہ خاص بنایا۔ (برکات الاولیاء، ص ۱۰۰)

آپ کا وصال مبارک شب عید الفطر ۱۰۴۷ھ میں ہوا۔ آپ کا مزار شریف کورہ جہان آباد، ضلع فتح پور ہنسوا میں ہے۔ آپ کا عرس مبارک پہلی تاریخ شوال المکرم کو ہوتا ہے۔



(۷۶)

کب سے پھیلائے ہیں دامن تیغ عشق
اب تو پائیں زخم دامن دار ہم

حل لغت:

دامن: آنچل، داماں، کور، کنارہ، آنچل یا پلو، لب، حاشیہ، انگرکھے وغیرہ کا لٹکا ہوا جو حصہ ہوتا ہے، تلیٹی یعنی پہاڑ کے نیچے کی زمین جیسے دامن کوہ۔ (فیروز اللغات، ص ۶۱۱ ☆ لغات کشوری، ص ۲۷۹ ☆ کریم اللغات، ص ۷۰)

پھیلانا: بچھانا، لمبا کرنا، کھولنا، بڑھانا، تقسیم کرنا، بانٹنا، حساب کرنا، مشتہر کرنا، شروع کرنا، پڑتال کرنا۔ (فیروز اللغات، ص ۳۲۱)

تیغ: تلوار، شمشیر، چھری، خنجر، مراد کبھی پشت یعنی پیٹھ، مراد کبھی ماہ یعنی چاند سے۔
(فیروز اللغات، ص۴۰۴ ☆ لغات کشوری، ص۱۷۶ ☆ کریم اللغات، ص۴۵)

زخم: گھاؤ، ناسور، نقصان، خسارہ، ضرر، زیاں، سڑ جانا، پوست کا گھاؤ۔
(فیروز اللغات، ص۷۴۲ ☆ لغات کشوری، ص۳۴۶ ☆ کریم اللغات، ص۸۷)

دامن دار: چوڑا یعنی کشادہ، وسیع دامن والا۔ (فیروز اللغات، ص۶۱۰)

دار: گھر، محلہ، پھانسی، لاحقہ میں بمعنی رکھنے والا جیسے آبدار، دل دار۔ (فیروز اللغات، ص۶۰۷)

پہلے مصرع میں لفظ ''دامن'' کا مطلب ''آنچل، پلو'' ہے

دوسرے مصرع میں لفظ ''دامن'' کا مطلب ''کشادہ'' ہے

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ تیغ عشق نے اپنا دامن پھیلا رکھا ہے۔ یعنی عشق کی تلوار زخم اور وار کرنے پر تلی ہوئی ہے اور تیغ عشق کا وار کوئی معمولی وار نہیں اور نہ ہی اس کا زخم معمولی ہوتا ہے، بلکہ سخت اور گہرا ہوتا ہے۔ اس شعر میں لفظ ''دامن'' کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے اور دوسرے مصرع میں جو لفظ دامن ہے اس کے ساتھ ''دار'' کی اضافت کی گئی ہے۔ لفظ دار کا معنی ''رکھنے والا'' ہے۔ جیسے دل دار یعنی دل رکھنے والا مراد محبوب۔ اس شعر میں لفظ ''دار'' کی اضافت دامن کی طرف کی گئی ہے اور دامن آنچل کو کہتے ہیں اور آنچل بمقابل دیگر حصۂ لباس یعنی آستین، گریبان وغیرہ کے زیادہ کشادہ ہوتا ہے اور اس شعر میں دامن کے ساتھ لفظ دار کی اضافت ہونے سے لفظ ''دامن'' کشادگی کے معنی کا حامل ہوگیا ہے۔ نیز باعتبار صفت کے وارد ہوا ہے یعنی وہ زخم جو کشادہ ہے مثل دامن کے۔ لہٰذا اس شعر میں مصرع اول میں جو لفظ دامن ہے وہ آنچل کے معنی میں ہے اور مصرع ثانی میں جو لفظ دامن ہے وہ کشادگی کے معنی میں ہے۔ دونوں لفظ دامن حروف و اعراب کے اعتبار سے مساوی لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صفت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی ایک عاشق رسول کی کیفیت کا ذکر فرما رہے ہیں جو عشق میں فنا کی منزل تک پہنچ جاتا ہے۔ وہ اپنے محبوب آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں وارفتہ ہو کر عشق کی راہ میں اپنا سب کچھ نثار کرنے کی آرزو رکھتا ہے، دنیا کی کوئی شے بلکہ خود اس کا وجود اپنے محبوب آقا کے سامنے ہیچ ہوتا ہے۔ راہ عشق کے امتحان میں وہ زخم دامن دار کا متمنی رہتا ہے۔ بلکہ راہ عشق میں جو زخم لگتے ہیں وہ اس کے لئے تکلیف دہ ہونے کے بجائے فرحت بخش ہوتے ہیں۔ عشق کا امتحان لینے والی تلوار یعنی تیغ عشق اپنا دامن پھیلائے ہوئے ہے اور بھگاڑ زخم کرنے کے درپے ہے۔ لیکن عاشق صادق کا جذبۂ عشق کشادہ سے کشادہ زخم کھانے کے لئے ہمہ وقت تیار ہے۔ کشادہ زخم تو کیا، بلکہ پورا وجود بھی ختم ہو جائے، یہ وجود ایک مرتبہ

نہیں بلکہ کروڑوں مرتبہ ختم ہو جائے، تب بھی محبوب آقا کے نام پہ قربان ہونے سے نہیں گھبراتا بلکہ نثار ہونے کا جذبہ مزید بڑھتا جائے گا۔ بقول حضرت رضا بریلوی:

کروں تیرے نام پہ جاں فدا، نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا، کروں کیا کروروں جہاں نہیں

کتب احادیث و تاریخ و سیر میں ایسے بے شمار واقعات مرقوم ہیں کہ مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقوں نے اپنے محبوب آقا کے عشق میں اور اپنے آقا و مولیٰ کی عظمت و تعظیم کی خاطر ہر مصیبت اور تکلیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ اپنا عیش و آرام، جاہ و جلال، اہل و عیال، زر و مال، بلکہ اپنے وجود تک کی پرواہ نہ کی۔ تمام سے منہ موڑ کر ناموس رسالت کے لئے سر کٹانے کے لئے نکل پڑے اور دنیائے عشق و محبت میں اپنے محبوب آقا کی لافانی محبت کی مثالیں قائم کر دیں۔ بقول حضرت رضا بریلوی:

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں
سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردان عرب

کچھ واقعات احادیث کی روشنی میں پیش خدمت ہیں جن سے یہ ثابت ہوگا کہ صحابۂ کرام اپنے محبوب آقا کی محبت و جاں نثاری میں مر مٹنے کا کیسا جذبۂ عقیدت رکھتے تھے۔

- جنگ احد میں حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے حضور کے آگے کھڑے ہو گئے اور اپنے وجود کو حضور کے لئے ڈھال بنائے ہوئے تھے تا کہ دشمن کا کوئی تیر حضور تک نہ پہنچے۔ حضرت ابوطلحہ فن تیر اندازی میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ وہ نعرہ لگا کر تیر کو اپنے ترکش سے نکال کر پھینکتے تھے۔ ان کے پاس پچاس تیر تھے اور ہر تیر پر جب دشمن کی طرف اسے پھینکتے تو نعرہ لگاتے اور کہتے:

"یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَفْسِیْ اَذَلّٰی مِنْ نَفْسِكَ جَعَلَنِیَ اللّٰهُ فِدَاكَ"

ترجمہ: اے اللہ کے رسول! میری جان آپ کی جان سے کم ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر قربان کرے۔

(مدارج النبوت، از: شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص ۲۱۴)

- حضرت حنظلہ بن ابی عامر انصاری کی شادی جنگ احد کی رات میں ہوئی تھی۔ شب زفاف میں اپنی زوجہ کے ساتھ تھے کہ اچانک سنا کہ احد میں صحابہ پر تنگ وقت آن پڑا ہے۔ یہ سنتے ہی بے چین ہو کر احد کی جنگ میں شریک ہونے کے لیے دوڑے۔ میدان جنگ میں شجاعت و بہادری کی داد دی اور بہت سے کافروں کو جہنم رسید کیا۔ بالآخر شداد بن الاسود نے حضرت حنظلہ پر تلوار کا وار کیا اور آپ کو شہید کر دیا۔ حضرت حنظلہ کے شہید ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاحظہ فرمایا کہ فرشتے حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو غسل دے رہے ہیں۔ ان کی بیوی حضرت جمیلہ رضی اللہ عنہا سے حال دریافت کیا گیا تو انھوں نے کہا کہ ان کو غسل کی حاجت تھی۔ دعوت جنگ کی آواز کان میں پڑی تو فوراً اسی حالت میں وہ شریک جنگ ہو گئے۔ اسی لئے حضرت حنظلہ کو "غسیل الملائکہ" کہا جاتا ہے۔ (سیرت ابن ہشام)

- حضرت عمرو بن جموح انصاری رضی اللہ عنہ پاؤں کے لنگڑے تھے۔ انھوں نے جنگ احد میں شرکت کرنے کا ارادہ کیا تو لوگوں نے کہا کہ تم معذور ہو اور تم پر کوئی مواخذہ نہیں۔ تمھارے چار جوان فرزند تو حضور کی خدمت میں موجو ہیں۔ انھوں نے کہا کہ میرے فرزند تو جنت میں چلے جائیں اور میں تمھارے سامنے بیٹھا رہوں۔ ان کی بیوی نے کہا کہ مجھے لگتا ہے کہ تم جنگ سے بھاگ کر لوٹ آؤ گے۔ عمرو بن جموح نے یہ سن کر ہتھیار تھاما اور بارگاہ الٰہی میں دعا کی:

"اَللّٰھُمَّ لَا تَرُدَّنِیْ اِلٰی اَھْلِیْ"

یعنی اے اللہ! مجھے میرے گھر نہ لوٹانا!

اور باہر نکل گئے۔ جنگ احد میں لڑتے لڑتے وہ اپنے چاروں بیٹوں کے ساتھ شہید ہو گئے۔ حضرت ہند رضی اللہ عنہا اپنے شوہر عمرو بن جموح اور اپنے بیٹوں کی لاشوں کو اونٹ پر لاد کر مدینہ لا کر دفن کرنا چاہتی تھیں مگر اونٹ لادنے نہ دیتا۔ اونٹ دوزانو بیٹھ جاتا اور جب اونٹ کو جھڑک کر اٹھانا چاہتیں تو وہ سو جاتا۔ عمرو بن جموح کی زوجہ ہند نے یہ ماجرا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ حضور نے ان سے پوچھا کہ عمرو نے گھر سے نکلتے وقت کیا کہا تھا؟ عرض کی کہ دعا کی تھی کہ اے اللہ! مجھے میرے گھر کی طرف نہ لوٹانا۔ حضور نے فرمایا کہ یہی وجہ ہے کہ اونٹ مدینہ کی طرف نہیں جاتا۔ (مدارج النبوت، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص ۲۱۶)

- جنگ خیبر کے موقع پر ایک حبشی غلام ایک یہودی کی بکریاں چراتا تھا اور نگہبانی کرتا تھا۔ وہ حضور کے پاس آیا اور کلمۂ شہادت پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہوا۔ حضور نے اس سے فرمایا کہ اگر تم اس پر ثابت قدم رہے تو تمہیں جنت ملے گی۔ اس نے کہا کہ یا رسول اللہ! یہ بکریاں بطور امانت میرے قبضے میں ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ انھیں ان کے مالک کے سپرد کر دوں۔ حضور نے فرمایا کہ ان بکریوں کو لشکر کے باہر لے جا کر ہنکال دو اور ان کے پیچھے چند کنکریاں پھینک دو، بلا شبہ حق تعالیٰ تمہاری طرف سے اس امانت کو ادا فرمادے گا۔ غلام نے ایسا ہی کیا۔ تمام بکریاں دوڑتی ہوئی اپنے مالک کے گھر پہنچ گئیں۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا تصرف اور معجزہ تھا کہ تمام بکریاں بے توقف اور بے اختیار دوڑتی ہوئی یہودی کے گھر آگئیں۔ اس کے بعد وہ حبشی غلام ہتھیار اٹھا کر میدان جنگ کی طرف چلا گیا اور لڑتے لڑتے جام شہادت نوش کر گیا۔ اسلامی لشکر کے مجاہدین اس کی لاش اٹھا کر خیمہ میں لائے اور حضور کو اس کے حال کی خبر دی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"عَمَلًا قَلِیْلًا وَّ اَجْرًا کَثِیْرًا"

یعنی کام تھوڑا کیا اور مزدوری زیادہ پائی۔

مطلب یہ کہ اس نے نہ نماز پڑھی، نہ روزہ رکھا اور نہ کوئی اور طاعت و عبادت کی، سیدھا ایمان کے بعد ایک ہی عمل کیا اور وہ اسلام پر جان قربان کرنا ہے، لیکن خوب یاد رکھنا چاہیے کہ یہ جو عمل ہے ایمان کے ساتھ تمام اعمال کا اصل اصول ہے۔ (مدارج النبوت، اردو، جلد ۲، ص ۴۰۹)

- ۵ھ میں غزوۂ بنو قریظہ کے موقع پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے بڑی دلیری اور شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ ان کو کئی زخم لگے۔ لیکن زندہ بچ گئے۔ جب لشکر اسلام یہود کے قتل سے فارغ ہوا تو حضرت سعد بن معاذ کے زخم کھل گئے اور خون بہنے لگا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سرہانے تشریف فرما تھے اور ان کے سر کو اپنے زانوئے اقدس پر رکھے ہوئے تھے۔ فرمایا: اے خدا! سعد کو اپنی رحمتوں میں ڈھانپ لے، انھوں نے تیرے رسول کی تصدیق کی اور اسلام کے حقوق ادا کئے، ان کی روح کو بہترین طریقے سے قبض فرما۔ حضرت سعد نے حضور کی آواز سنی تو آنکھیں کھول دیں اور عرض کیا:

"اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ"

میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

آپ نے تبلیغ رسالت کی ذمہ داری ادا فرمادی۔ پھر اپنے سر کو حضور کے زانوئے مبارک سے اٹھالیا اور معذرت خواہی کرتے ہوئے رخصت کی اجازت مانگی، چند لمحہ بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ رحمت الٰہی سے واصل ہوئے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام ریشمی عمامہ باندھے حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور کہا کہ اے حضور! آپ کے اصحاب میں سے کسی نے وفات پائی ہے جس کی روح کے استقبال کے لئے آسمانوں کے دروازے کھلے ہیں۔ پھر حضور ان کے مکان میں تشریف لے گئے اور تجہیز و تکفین فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ ستر ہزار فرشتے ان کے جنازے میں موجود ہیں۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ طویل القامت اور بڑے تنومند تھے لیکن ان کا جب جنازہ اٹھایا گیا تو نہایت ہی ہلکا تھا۔ لوگ اس پر بہت حیران ہو رہے تھے۔ حضور نے فرمایا کہ ان کے جنازہ کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں، اس بنا پر یہ ہلکا ہے۔

(مدارج النبوت، اردو، جلد ۲، ص ۳۱۴)

- ابو نعیم بروایت محمد بن المنکدر بیان کرتے ہیں کہ کسی نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی قبر سے ایک مٹھی مٹی لی اور وہ اسے اپنے ساتھ لے گیا۔ اس کے بعد اس نے دیکھا کہ وہ مٹی تو مشک ازخر ہے۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے "سُبْحَانَ اللّٰهِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ" فرمایا۔ یہاں تک کہ آپ کے چہرۂ انور پر حیرت و خوشی کے آثار نمودار ہوئے۔ ابن سعد حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ان لوگوں میں شامل تھا جنھوں نے حضرت سعد کی قبر کھودی تھی تو اس سے مشک کی خوشبو پھیل رہی تھی۔ یہ کرامت و بزرگی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی خوشنودی و رضا حاصل کرنے کی بدولت تھی۔ (مدارج النبوت، جلد ۲، ص ۳۱۵)

مذکورہ واقعات اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دیوانے عشق و مستی میں سرشار ہو کر کبھی بھی اپنے جسم کے زخموں کی بلکہ اپنی زندگی کی پرواہ نہیں کرتے۔ ان کا مقصد حیات صرف یہی ہوتا تھا کہ اپنے محبوب آقا کے نام پر اپنا سر کٹا دیں، آیئے! عشق رسول کے دیوانے دو نوعمر بچوں کا ایک واقعہ دہرائیں!

- حضرت معاذ اور حضرت معوذ رضی اللہ عنہما کمسن نوجوان تھے۔ ان کے بے حد اصرار اور گزارش کرنے پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنگ بدر میں شرکت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ ان کا واقعہ علامہ محمد بن عمر و واقدی نے یوں بیان فرمایا

ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف روایت کرتے ہیں کہ بدر کے دن رسول اللہ ﷺ نے رات کو ہماری صفوں کو آراستہ کیا کہ صبح تک ہم اپنی صف میں حاضر تھے۔ ناگاہ میں نے دو نوجوان دیکھے کہ ہر ایک کے گلے میں تسمہ اس کی تلوار کا لٹکتا تھا۔ پھر ان میں سے ایک میری طرف ہو کر بولا۔ اے چچا! ان کفار قریش میں ابوجہل کون ہے؟ میں نے کہا: اے میرے بھتیجے! تو اس کے ساتھ کیا کرے گا؟ اس نے کہا، میں نے سنا ہے کہ وہ رسول خدا ﷺ کو گالیاں دیتا ہے تو میں نے حلف لیا ہے کہ اگر میں اس کو دیکھوں تو قتل کروں یا اس کے پاس مارا جاؤں۔ تب میں نے اس کو ابوجہل کی طرف اشارہ کیا۔ بعد ازاں اس دوسرے لڑکے نے بھی مثل اسی پہلے کے خطاب کیا تو اس کو بھی میں نے ابوجہل کی طرف اشارہ کیا۔ پھر میں نے ان دونوں سے پوچھا تم دونوں کون ہو؟ انھوں نے کہا، ہم دونوں حارث کے پسر ہیں۔ پھر میں نے ان دونوں کو دیکھا کہ وہ طرفۃ العین ابوجہل کی تاک سے غافل نہ تھے۔ یہاں تک کہ لڑائی شروع ہوئی تو وہ دونوں نوجوان اس کی طرف گئے اور قتل کیا۔

(المغازی الصادقہ، ترجمہ مغازی الرسول، از علامہ واقدی، مطبوعہ نولکشور، لکھنؤ، سال طباعت ۱۹۰۳ء)

- شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاذ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوجہل کو زخمی کر کے اس کی پنڈلی جدا کر دی اور ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے مجھے زخمی کر دیا۔ جس سے میرا ہاتھ میرے کندھے سے کٹ گیا۔ چنانچہ وہ ہاتھ ایک جانب لٹک گیا اور میں اس کے باوجود جنگ کرتا رہا۔ یہاں تک کہ میں اس ہاتھ سے تنگ آ گیا اور اس لٹکے ہوئے ہاتھ کو دونوں پاؤں سے دبا کر اپنے پہلو سے جدا کر دیا۔ اس کے بعد حضرت معوذ نے تلوار کی ایک ضرب ابوجہل کو لگائی اور اسے زمین پر گرا دیا۔ مروی ہے کہ حضرت معاذ اس زخم کے باوجود حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے زمانے تک زندہ رہے۔ قاضی عیاض روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاذ حضور کے پاس اس حال میں آئے کہ ان کا ہاتھ ان کی کھال سے لٹکا ہوا تھا۔ پھر حضور نے اپنا لعاب دہن مبارک اس پر لگا کر اس کی جگہ چسپاں کر دیا اور وہ ہاتھ ٹھیک ہو گیا۔ اس کے بعد وہ حضرت عثمان ذوالنورین کے زمانے تک زندہ رہے۔ حضرت معاذ کے بھائی معوذ اسی روز بدر کے معرکہ میں شہید ہو گئے۔ (مدارج النبوت، جلد ۲، ص ۱۵۰)



(۷۷)

ثنا کا نشاں وہ نور فشاں کہ مہر وشاں بہ آں ہمہ شاں
بسایہ کشاں مواکب شاں یہ نام ونشاں تمہارے لئے

حل لغت:

ثنا: تعریف، ستائش، مدح، حمد، نعت، توصیف۔ (فیروز اللغات، ص۴۳۷☆لغات کشوری، ص۱۸۱☆ کریم اللغات، ص۴۵)

نشاں: فوج کا علم، لشکر کا جھنڈا، بادشاہ کا فرمان، آثار، کھوج، پتہ، سراغ، ٹھپا، چھاپا، یادگار، جھنڈا، علم، مقام، داغ، دھبہ، تمغہ، اثر، علامت، کارخانے کی مہر، ٹریڈ مارک، کھرا، کھوج، پھوڑے یا زخم کا داغ، ہدف، نشانہ، کسی جماعت کی علامت۔ (فیروز اللغات، ص۱۳۵۹☆لغات کشوری، ص۷۷۵☆ کریم اللغات، ص۱۸۲)

فشاں: جھاڑتا ہوا، جھاڑنے والا۔ (لغات کشوری، ص۵۳۶☆ کریم اللغات، ص۱۱۹)

نور افشاں: روشنی چھڑکنے والا، منور کرنے والا۔ (فیروز اللغات، ص۱۳۸۵)

مہر: محبت، حب، دوستی، الفت، پیار، شفقت، ہمدردی، رحم، ترس، مامتا، الفت مادری، آفتاب، سورج، شمس، ہر شمسی مہینہ کی سولھویں تاریخ۔ نیا سولھواں دن۔ (فیروز اللغات، ص۱۳۲۲☆لغات کشوری، ص۷۵۶☆ کریم اللغات، ص۱۷۵)

شاں: عظمت، شوکت، دبدبہ، عزت، توقیر، قدرت، طاقت، انداز، طرز، وضع، نسبت، حق میں، خاصیت، خوبی، حال، حق، کام، بلندی، ذی رتبہ، خوشنما، رعب۔ (فیروز اللغات، ص۸۳۴☆لغات کشوری، ص۴۱۰)

ب: ساتھ، مع، لئے، واسطے، سے، از، قسم، مطابق، میں، اندر، پر، اوپر، مقابل۔ (فیروز اللغات، ص۱۵۳)

آں: وہ۔ (فیروز اللغات، ص۳۱☆لغات کشوری، ص۶۲☆ کریم اللغات، ص۱۷)

ہمہ: کل، سارا، جملہ، تمام۔ (فیروز اللغات، ص۱۴۴۹☆لغات کشوری، ص۸۲۱)

بسا: بہت، اکثر، تمام، اور نام ایک شہر کا فارس میں۔ (فیروز اللغات، ص۲۰۳☆لغات کشوری، ص۹۷☆ کریم اللغات، ص۲۴)

کشاں: کھولنے یا حل کرنے والا، کھینچنے والا، برداشت کرنے والا، قتل کرنے والا۔ (فیروز اللغات، ص۱۰۱۴)

نام: پہچاننے کا لفظ، اسم، شہرت، نسل، لقب، عزت، الزام، متعلق، یادگار۔ (فیروز اللغات، ص۱۳۴۵)

مواکب: سواروں کے گروہ، لشکر، رسالہ، سواروں کے لشکر، سواروں کے رسالے، جمع ہے موکب کی۔ (فیروز اللغات، ص۱۳۰۹☆لغات کشوری، ص۷۵۰☆ کریم اللغات، ص۱۷۲)

نام ونشاں: اتا پتہ، ٹھور ٹھکانہ، یادگار، آثار۔ (فیروز اللغات، ص۱۳۴۷)

پہلے مصرع میں شروع میں لفظ ''شاں'' کا مطلب ''شوکت'' ہے۔
پہلے مصرع میں بعد میں لفظ ''شاں'' کا مطلب ''بلندی'' ہے۔
دوسرے مصرع میں لفظ ''شاں'' کا مطلب ''دبدبہ'' ہے۔
پہلے مصرع میں لفظ ''نشاں'' کا مطلب ''جھنڈا'' ہے
دوسرے مصرع میں لفظ ''نشاں'' کا مطلب ''یادگار'' ہے

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا ومولیٰ سید المرسلین ﷺ کی شان ارفع و اعلیٰ اور سلطنت قاہرہ کا تذکرہ کرتے ہوئے بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں کہ یارسول اللہ! خدا کی حمد وثنا کا جھنڈا آپ نے اس طرح بلند فرمایا کہ وہ توحید کا علم ہر طرف نور برساتا، کفر وشرک کی تاریکی چھانٹتا اور ظلمت کو نیست ونابود فرما کر ایمان کا نور ہر طرف جھاڑتا یعنی پھیلانے والے آفتاب کی عظمت وشوکت کے ساتھ مراتب ودرجات کی تمام بلندیوں کے ساتھ لہرا رہا ہے۔ اور کفر وضلالت کی تاریکی کی وجہ سے پیش آنے والے مراحل کو آپ اپنی شان رحمت اور طاقت وصلاحیت سے اس طرح حل فرماتے ہیں جس طرح کسی لشکر کا امیر پیچیدہ معاملے کو ہمیشہ حل کرتا ہے، اور اپنی صلاحیتوں اور خوبیوں کا دبدبہ سواروں کے گروہ کے دلوں میں بٹھا دیتا ہے اور اس کی عزت اور یادگار تمام شان وشوکت کے ساتھ قائم رہتی ہے۔ اسی طرح یارسول اللہ! آپ نے گروہ انبیاء کے امیر کی حیثیت سے کفر وضلالت کو نابود فرما کر توحید کے پرچم کو اس انداز سے بلند فرمایا کہ توحید کے پرستاروں میں آپ کی عزت وعظمت اور شوکت ودبدبہ کی یادگار ہمیشہ باقی رہے گی۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے لفظ ''نشاں'' کا دو مرتبہ اور لفظ ''شاں'' کا تین مرتبہ استعمال فرمایا ہے۔ مصرع اول میں جو لفظ نشاں ہے اس کا مطلب جھنڈا، علم، پرچم، پھریرا وغیرہ ہوتا ہے، دوسرے مصرع میں جو لفظ نشاں ہے اس کے معنی یادگار، آثار، علامت وغیرہ ہیں۔ اسی طرح مصرع اول میں پہلی مرتبہ جو لفظ ''شان'' ہے اس کا مطلب شوکت، عظمت، خوبی وغیرہ ہوتا ہے۔ مصرع اول میں دوسری مرتبہ جو لفظ ''شان'' ہے اس کا مطلب بلندی، طاقت، خوبی، خاصیت وغیرہ ہے۔ مصرع ثانی میں جو لفظ ''شان'' ہے اس کا مطلب دبدبہ، رعب، عزت، توقیر وغیرہ ہے۔ اس شعر میں دونوں لفظ ''نشان'' اور اسی طرح تینوں لفظ ''شان'' حروف واعراب کے اعتبار سے مساوی لیکن معنیٰ ومطلب کے اعتبار سے متفرق ہیں اس شعر میں فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل پائی جاتی ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے آقا ومولیٰ ﷺ کی مکمل سوانح حیات بیان فرمادی ہے۔ پیدائش سے لے کر دنیا سے پردہ کرنے تک کے احوال کا تذکرہ ایسے بہترین انداز سے فرمایا ہے کہ بے ساختہ زبان سے آفرین آفرین کے الفاظ نکل پڑتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس شعر کو احوال قیامت پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے۔ ثنا کا نشان

سے ''لواء الحمد'' مراد لیا جا سکتا ہے اور نور فشاں، مہر وشاں، مواکب شاں، نام ونشاں کی تشریح میں حضور اقدس ﷺ کا روز قیامت ستر ہزار فرشتوں کے جھرمٹ کے ساتھ قبر انور سے باہر تشریف لانا، میدان محشر میں تمام اولین وآخرین کے سامنے آپ کی شان محبوبیت کا ظاہر ہونا، بے شمار لوگوں کی شفاعت فرمانا وغیرہ سے لے کر آپ کا اپنی امت کے ساتھ جنت میں تشریف لے جانا وغیرہ کہ جس کا تذکرہ چند اشعار کی تشریح میں ہو چکا ہے۔



۷۸

اے عشق ترے صدقے جلنے سے چھٹے سستے
جو آگ بجھا دے گی وہ آگ لگائی ہے

حل لغت:

عشق: محبت، فریفتگی، پریم، پیار، چاہ، شوق، خواہش، عادت، لت، سلام رخصت، کسی شئے کو نہایت دوست رکھنا، بہت محبت کرنا کسی شئے سے، ایک قسم کا جنون۔ (فیروز اللغات، ص۸۹۷☆لغات کشوری، ص۴۹۲ ☆ کریم اللغات، ص۱۱۰)

صدقے: صدقہ کی جمع، قربان، فدا، طفیل، بدولت، واری، خیرات، وہ چیز جو خدا کے نام پر دی جائے، وہ کھانا وغیرہ جو سر سے اتار کر دیا جائے۔ (فیروز اللغات، ص۸۶۱☆لغات کشوری، ص۴۴۴ ☆ کریم اللغات، ص۱۰۲)

سستے: آسانی سے بلا دفع ہونا، تھوڑا سا نقصان یا تاوان دے کر بچ جانا۔ (فیروز اللغات، ص۷۹۹)

آگ: آتش، جلن، تاب، گرمی، کام کا شوق یا جذبہ، پریم، محبت، عشق، دھن، شوق، اشتیاق، دشمنی، شہوت، آفت، پیاس، آتشک، مصیبت، خفگی، کھولتا ہوا، گرم، جلتا ہوا، حسد، عداوت، نہایت گراں، تیز مزاج، سرخ، انگارا، دہکتا ہوا۔
(فیروز اللغات، ص۲۵)

لگانا: چھونا، جوڑنا، ملانا، پیوست کرنا، سینا، ساتھ جوڑنا، شامل کرنا، بونا، اکسانا، ابھارنا، چغلی کھانا، سجانا، ترتیب سے رکھنا، مشغول رکھنا، مصروف رکھنا، بلانا، پھنسانا، سدھانا، الجھانا، بنانا، تہمت دھرنا، عیب لگانا، مقرر کرنا، قیمت لینا، مارنا، داؤ پر رکھنا، بازی پر رکھنا، پان بنانا۔ (فیروز اللغات، ص۱۱۶۱)

دوسرے مصرع میں شروع والے لفظ ''آگ'' کا مطلب ''آتش'' ہے
دوسرے مصرع میں بعد والے لفظ ''آگ'' کا مطلب ''عشق'' ہے

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے والہانہ جذبۂ عشق کا اظہار فرما رہے ہیں اور ملت اسلامیہ کو عشق نبی کا پیغام دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق وہ نعمت اور وہ سعادت عظمیٰ ہے کہ اس جذبۂ عشق کے طفیل جہنم میں جلنے سے آسانی سے چھوٹ گئے، کیوں کہ دل میں عشق رسول کی جو آگ جل رہی ہے اس کی حرارت سے جہنم کی آگ بھی ٹھنڈی ہو جائے گی۔

اس شعر میں لفظ ''آگ'' کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ آگ ہے اس سے مراد جہنم کی آگ ہے اور دوسری مرتبہ جو آگ ہے اس سے مراد عشق مصطفیٰ ہے۔ کمال تو یہ ہے کہ اس شعر میں دونوں مرتبہ آگ کا لفظ حقیقی معنی میں نہیں بلکہ دونوں مرتبہ آگ کا لفظ بطور محاورہ استعمال ہوا ہے آگ لگانا، اور آگ بجھانا، دونوں کثرت معنی کے حامل ہیں۔

(فیروز اللغات، ص ۲۵/۲۶)

ایک حیرت انگیز امر یہ بھی ہے کہ اس شعر میں آگ سے آگ بجھانے کا ذکر ہے۔ حالاں کہ آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے، لیکن آگ آگ کو بجھائے عجب معنی آفرینی ہے۔ مصرع اول میں ''ستے چھوٹنا'' یہ بھی محاورہ ہے۔ لہٰذا اس ایک شعر میں تین محاورات کا استعمال کیا گیا ہے۔ مصرع ثانی میں دو مرتبہ لفظ آگ ہے، وہ دونوں اسم ہیں۔ لہٰذا یہ شعر اردو ادب کے فن شاعری کے اعتبار سے صنعت تجنیس کامل مماثل میں شمار ہوگا۔

اس شعر میں پہلے مصرع کی ابتداء ''اے عشق ترے صدقے'' سے کی گئی ہے۔ اس کے دو معنی ہیں اور دونوں معنی اپنی جگہ موزوں و مناسب ہیں۔ پہلا معنی یہ ہے کہ اے عشق تیرے طفیل ہم جلنے سے بچ گئے۔ یہ حقیقت ہے کہ جو شخص اپنے دل میں عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی لازوال دولت رکھتا ہے وہ یقیناً جہنم میں جلنے سے محفوظ رہے گا۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ اے عشق تجھ پر واری جاؤں یعنی تجھ پر قربان جاؤں کہ تیری وجہ سے جہنم کی آگ میں جلنے کی بلائے عظیم ٹل گئی۔ یہ فطری امر ہے کہ کسی کی وجہ سے کوئی بڑی آفت ٹل جاتی ہے تو اس پر اپنا سب کچھ نچھاور کر دینے کی خواہش ہوتی ہے۔ تو ذرا غور فرمائیں کہ جس ذات پاک کے ساتھ کیا گیا عشق اتنا فیض بخش اور دافع البلیات ہے تو خود اس ذات پاک کی فیض رسانی کا کیا عالم ہوگا۔

''جلنے سے چھٹے ستے'' یہ بھی دو معنوں کا حامل ہے۔ پہلا معنی یہ کہ آسانی سے اور کسی قسم کی اذیت کے بغیر چھٹکارا پانا اور دوسرا معنی یہ کہ تھوڑا نقصان اٹھا کر یا تاوان دے کر بچ جانا، ان دونوں معنوں کی تفصیلی وضاحت کے لئے کئی احادیث پیش کی جاسکتی ہیں۔ لیکن یہاں ان کا ماحصل عرض کرنے پر ہی اکتفا کرنا پڑے گا۔ روز قیامت مومنین کے دو گروہ ہوں گے۔ ایک نیک اور دوسرا بد، پھر بد گروہ کے بھی دو طبقے ہیں۔ پہلا طبقہ وہ خوش نصیب طبقہ ہے کہ جو شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین کی شفاعت کبریٰ کا حقدار اور محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے طفیل کسی قسم کی سزائے جہنم بھگتے بغیر سیدھے جنت میں جائے گا۔ دوسرا طبقہ وہ ہے جو اپنے بداعمال کی سزا پانے کے لئے جہنم میں تو جائے گا۔ کچھ عرصہ عذاب جہنم میں گرفتار ہونا

پڑے گا، لیکن بالآخران کو بھی پیارے آقا و مولیٰ ﷺ اپنے کرم سے جہنم سے چھٹکارا دلوا ویں گے۔

قرآن شریف میں ہے کہ

''وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى'' (سورۃ والضحیٰ، آیت ۵)

ترجمہ: اور بے شک قریب تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔ (کنز الایمان)

امام قرطبی لکھتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

''اِذًا وَاللّٰهِ لَا اَرْضٰى وَ وَاحِدٌ مِنْ اُمَّتِىْ فِى النَّارِ''

یعنی اب خدا کی قسم اس وقت تک میں راضی نہیں ہوں گا جب تک کہ میرا ایک امتی بھی دوزخ میں ہوگا۔

(الایمان بعوالم الآخرہ، ص ۲۰۵)

اور یہی معنی ہیں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے استعمال کردہ محاورہ سستے چھوٹنے کے۔

دوسرے مصرع میں حضرت رضا نے آگ سے آگ بجھانے کا جو جملہ استعمال فرمایا ہے اس کا منبع و ماخذ وہ حدیث پاک ہے کہ قیامت میں ہر شخص کو پل صراط سے گزرنا ہوگا۔ پل صراط کے نیچے جہنم کی آگ کے شعلے بھڑک رہے ہوں گے لیکن جب کوئی مومن پل صراط سے گزرے گا جہنم کی آگ پکار کر کہے گی کہ اے پل صراط سے گزرنے والے جلدی گزر جا کیوں کہ تیرے دل میں جو ایمان کا نور ہے اس کی حرارت سے میری آگ سرد ہو رہی ہے اور ایمان نام ہے عشق مصطفیٰ کا بلکہ ایمان کی جان ہی عشق نبی ہے۔

اب قارئین کو آگ سے آگ بجھانے کے معنی اچھی طرح سمجھ میں آگئے ہوں گے۔ پھر بھی مزید وضاحت کے لئے پھر ایک مثال عرض ہے۔ بجلی یعنی الیکٹری سٹی کی وجہ سے لائٹ جلتی ہے۔ پنکھے، فیکٹریاں وغیرہ چلتی ہیں۔ اس کے ننگے تار کو اگر کوئی چھو لے تو وہ کرنٹ لگنے کی وجہ سے فوراً مر جائے گا اور اس کا جسم جل کر کوئلہ کی طرح ہو جائے گا۔ وہ کرنٹ اس کے حق میں آگ کا شعلہ ثابت ہوگا۔ لیکن گرمیوں کے دن میں دوپہر کے وقت سخت دھوپ میں ہمارا جسم گرم ہو کر آگ کی طرح جلنے لگتا ہے اور باہر سے آکر کمرے کا ایر کنڈیشن چالو کرتے ہیں۔ وہ مشین بجلی کی ہی وجہ سے چلتی ہے۔ بجلی کا کرنٹ جسم کو جلا دیتا ہے، لیکن اب وہ آگ کا شعلہ (کرنٹ) ہی ایک آلہ کے ذریعہ ہمارے بدن کی آگ بجھا رہا ہے اور ایسی ٹھنڈک پہنچا رہا ہے کہ مئی، جون کے مہینہ میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دسمبر، جنوری کا مہینہ ہے۔



(۷۹)

یہ مرحمتیں کہ کچی متیں نہ چھوڑیں لتیں نہ اپنی گتیں
قصور کریں اوران سے بھریں قصور جناں تمہارے لئے

حل لغت:

مرحمتیں: مرحمت کی جمع، مہربانی، رحم، رحم کرنا، کرم، عنایت، نوازش، الطاف۔

(فیروز اللغات، ص۱۲۲۶ ☆ لغات کشوری، ص۶۸۶ ☆ کریم اللغات، ص۱۵۰)

کچی: کچا کی تانیث، خام، ناپختہ، بودا، ملائم، بن چکا، ناتجربہ کار، ادھ گلا، ایسا مکان جوصرف مٹی کا ہو، اڑجانے والا رنگ، پھوڑا جس کا مواد پکا نہ ہو، وہ بچہ جو پیدا ہونے کے معمولی اوقات سے پہلے ہوجائے۔ (فیروز اللغات، ص۹۹۵)

مت: سمجھ، بوجھ، عقل، دانش، فہم، ادراک، دانائی، عادت، رائے، نصیحت، مذہب، ملت، عقیدت، دھرم، اعتقاد۔

(فیروز اللغات، ص۱۱۹۴)

گت: حرکت، چال، چلن، رفتار، حالت، کیفیت، طرز، کریا کرم، مردے جلانے یا دفنانے کی رسم، مار پیٹ، زدوکوب، لے، تار، سر، نغمہ، ایک قسم کا ناچ، خوشی، فرحت، جلوس، چالاکی، عیاری، سلیقہ، ترکیب، ٹال مٹول۔ (فیروز اللغات، ص1081)

لت: عادت، خو، خصلت، بری عادت، لیکا، لات کا مخفف، دولتی۔ (فیروز اللغات، ص۱۱۴۸)

قصور: خطا، بھول، چوک، غلطی، کوتاہی، عاجز ہونا، قاصر ہونا۔

(فیروز اللغات، ص۹۵۷ ☆ لغات کشوری، ص۵۶۰ ☆ کریم اللغات، ص۱۲۳)

قصور: قصر کی جمع، محل، ایوان، حویلی، مکان، کمی، تخفیف، اختصار، وہ نماز جو حالت سفر میں مقررہ رکعتوں سے کم پڑھی جائے، نام ایک شہر کا توابع لاہور سے۔ (فیروز اللغات، ص۹۵۷ ☆ لغات کشوری، ص۵۶۰ ☆ کریم اللغات، ص۱۲۳)

جناں: جنت کی جمع، بہشتیں۔ (فیروز اللغات، ص۴۷۳ ☆ لغات کشوری، ص۲۰۱ ☆ کریم اللغات، ص۴۹)

دوسرے مصرع میں پہلے لفظ ''قصور'' کا مطلب ''خطا'' ہے۔

دوسرے مصرع میں دوسرے لفظ ''قصور'' کا مطلب ''محل'' ہے۔

شعر کی تشریح اوراس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں کہ:

یارسول اللہ! آپ کی مہربانی، آپ کی عنایت اور ہم گنہگاروں پر آپ کے رحم وکرم کا کیا کہنا کہ ہم خطا کاروں کی متیں بھی کچی ہیں۔ ہم اپنی خام عقلوں کی بنا پر اپنی بری عادتیں نہیں چھوڑتے اور نہ ہی ہماری گتیں یعنی خلاف شریعت چال چلن درست ہوتے۔ الحاصل ہم مت، لت اور گت تینوں اعتبار سے قصوروار ہیں لیکن آپ کے رحم وکرم کا کیا کہنا کہ ہم مسلسل قصور کرتے رہتے ہیں۔ اپنے قصور کی بنا پر ہم سزا کے مستحق ہیں مگر سزا دینا تو درکنار ہم جیسے قصورواروں سے آپ جنت کے قصور یعنی جنت کے محلات بھر رہے ہیں۔ ہمارے افعال تو ایسے ہیں کہ جن کا بدلہ دوزخ ہے۔ لیکن آپ کی شان رحیمی و کریمی کے طفیل ہم کو بجائے جہنم کے جنت میں جگہ مل رہی ہے اور کیوں نہ ہو؟ آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے، آپ پوری کائنات کے لئے رب کی رحمت بن کر تشریف لائے ہیں۔ آپ کی رحمت کائنات کے ذرے ذرے کو حاصل ہے۔ بلکہ کافرو مرتد تک بھی آپ کی رحمت سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ جب کافرو مرتد آپ کی رحمت سے حصہ پا سکتے ہیں تو پھر ہم تو آپ کے غلام، آپ کے نام لیوا آپ کے در عالی کے منگتا ہیں، آپ کا کلمہ پڑھتے ہیں، مومن ہونے کا ہم کو شرف حاصل ہے، اور آپ کی ایک شان یہ بھی ہے:

''بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ'' (سورۃ توبہ، آیت ۱۲۸)

یعنی مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان۔ (کنزالایمان)

یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ کے محبوب اعظم ﷺ اپنی امت پر اتنے زیادہ مہربان ہیں کہ ایک ماں اپنی اولاد پر بھی اتنی مہربان نہیں ہوتی۔ میدان محشر میں جب ماں باپ اپنی اولاد سے اور اولاد اپنے ماں باپ سے اجنبیت کا اظہار کرتے ہوئے نفسی نفسی پکارتے ہوں گے ایسے سنگین ماحول میں پیارے آقا ﷺ اپنے گنہگار امتیوں کو یہ فرما کر اپنے دامن کرم میں چھپائیں گے کہ:

''شَفَاعَتِیْ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ''

یعنی میری شفاعت میرے ان امتیوں کے لئے ہے جنہوں نے بڑے بڑے گناہ کئے ہیں۔

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے بہت کم الفاظ میں بہت زیادہ کچھ کہہ دیا ہے۔ مت، لت اور گت کو ترتیب سے اس طرح ذکر کیا ہے کہ اگر اس پر بنگاہ عمق غور وفکر کیا جائے تو حضرت رضا کے علم نفسیات کے تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس کو اس طرح سمجھیں کہ مت، لت اور گت کا ایک دوسرے سے گہرا تعلق ہے اور وہ بھی بالترتیب ہے یعنی کہ جب مت خراب ہوتی ہے تب لت خراب ہوتی ہے اور جب لت خراب ہوتی ہے تب گت خراب ہوتی ہے۔ یعنی حالت خراب ہوتی ہے۔ مثلاً: ایک شخص کی مت خراب ہوئی اور اس کے زیر اثر اس نے شراب پینا شروع کر دیا۔ لہٰذا اب اس کی لت یعنی عادت خراب ہوئی۔ نتیجتاً اب اس کی گت بھی خراب ہوگی کہ نشہ کی حالت میں سڑکوں پر لڑکھڑاتا ہے۔ گندی نالیوں میں پڑتا ہے۔ بیہودہ بکواس کرتا ہے وغیرہ وغیرہ، اس شعر میں حضرت رضا نے اشارۃً وکنایۃً قوم کی رشد وہدایت کا فریضہ بھی انجام دیا ہے کہ اے لوگو! موجودہ دور میں تمہاری پراگندہ حالت تمہاری فاسد مت کا ثمرہ

ہے۔لہٰذا تم اپنی مت کو پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی روشنی میں سنوارو، تو تمہاری عادت اور حالت خود بخود سنور جائے گی، مت سنوری تو لت سنوری اور لت سنوری تو گت بھی سنوری اور اگر مت ہی خراب ہوگئی تو سمجھو کہ بنیاد ہی خراب ہوگئی۔اب لت اور گت کی فرع بھی چوپٹ۔

علاوہ ازیں اس شعر میں حضرت رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے مرحمتیں، متیں، لتیں، گتیں، کریں اور بھریں کی قافیہ بندی کے موتی پرو کے فصاحت وبلاغت کا بہترین مظاہرہ فرما کر شعر وادب کو بھی چار چاند لگا دیا ہے۔



(۸۰)

ہم خاک اڑائیں گے جو وہ خاک نہ پائی
آباد رضا جس پہ مدینہ ہے ہمارا

حل لغت:

خاک اڑانا: گرد اڑانا، بدنام کرنا، آوارہ پھرنا۔(فیروز اللغات، ص۵۸۱)

خاک اڑنا: دھول اڑنا، گرد اڑنا، رسوا ہونا، مٹی پلید ہونا، تباہ ہونا، برباد ہونا، کچھ نہ رہنا، پریشان نظر آنا، رونق نہ رہنا۔
(فیروز اللغات، ص۵۸۱)

خاک: مٹی، دھول، زمین، کچھ، ذرا، کچھ نہیں، بالکل نہیں، کیوں کر، کس طرح، راکھ، خمیر، سرشت، دھرتی۔
(فیروز اللغات، ص۵۸۱ ☆ لغات کشوری، ص۲۴۹ ☆ کریم اللغات، ص۶۱)

آباد: بھرا ہوا پانی، معمور، آدمیوں سے بسا ہوا، بسنے والا، رہنے والا، پھلا پھولا، خوب، خوش، آفریں، سرسبز، شاداب، پررونق، چہل پہل کی جگہ۔(فیروز اللغات، ص۴ ☆ لغات کشوری، ص۹ ☆ کریم اللغات، ص۳)

پہلے مصرع میں شروع والے لفظ ''خاک'' کا مطلب ''آوارہ پھرنا'' ہے

پہلے مصرع میں بعد والے لفظ ''خاک'' کا مطلب ''زمین'' ہے

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ومقدس دربار

مدینہ طیبہ سے محبت کا اظہار فرمارہے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ اگر مدینہ طیبہ کی مقدس زمین یا مٹی ہم کو نصیب نہ ہوئی تو ہم یوں ہی آوارہ پھرتے رہیں گے کیوں کہ یہ وہ سرزمین ہے جس پر شہر مدینہ بسا ہے اور اسی شہر میں گنبد خضریٰ میں کونین کے دولہا آرام فرمارہے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس شعر کے مصرع اول میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ ''جو وہ خاک نہ پائی'' اس جملہ کے دو معنی ہیں۔ ایک تو ظاہری خاک مدینہ جس کی احادیث میں بہت سی فضیلتیں وارد ہیں۔ شیخ محقق علی الاطلاق حجۃ اللہ فی الارض عاشق رسول شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

- مدینہ منورہ کی مٹی اور پھل شفاء کی خاصیت رکھتے ہیں۔ بہت سی حدیثوں میں آیا ہے کہ مدینہ کے غبار میں شفا ہے۔ اور بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ جذام اور برص کی بیماریوں سے آرام ہو جاتا ہے۔ مدینہ منورہ کی وادی بطحان کی مٹی ان امراض کے لئے خصوصیت رکھتی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض صحابہ سے حکماً فرمایا تھا کہ بخار کے مرض کا علاج اس پاک مٹی سے کرو۔ چنانچہ مدینہ منورہ میں یہ بات یکے بعد دیگرے منتقل ہوتی چلی آرہی ہے دوا کے لئے اس مٹی کو لے جانے کی بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔ اکثر علماء اس علاج کو مجرب کہتے ہیں۔

(جذب القلوب، اردو ترجمہ، ص ۲۷)

- شیخ مجدالدین فیروز آبادی فرماتے ہیں کہ میں نے خود تجربہ کیا ہے کہ میرا ایک غلام ایک سال تک متواتر بخار کے مرض میں گرفتار رہا۔ میں نے اس جگہ کی تھوڑی سی مٹی لی اور پانی میں ڈال کر غلام کو دی۔ ایک ہی دن میں صحت یاب ہو گیا۔

(جذب القلوب، ص ۲۸)

- شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس زمانہ میں مدینہ منورہ میں میرا قیام تھا۔ میرے پیروں میں ایک ورم ہوا کہ طبیبوں نے بالاتفاق اس کو ہلاکت اور فنا کی علامت تجویز کیا۔ میں نے اس مٹی سے اپنا علاج کیا۔ تھوڑے ہی دنوں میں سہولت اور آسانی کے ساتھ آرام ہو گیا۔ (جذب القلوب، ص ۲۸)

- مدینہ منورہ کی مقدس مٹی کی فضیلت اس بات سے ظاہر ہوتی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر جو گرد اور غبار پڑ جاتا آپ اس کو صاف نہ فرماتے اگر صحابہ میں سے کوئی شخص اپنے چہرے اور سر کو گرد و غبار کی وجہ سے چھپاتا تو آپ منع فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ خاک مدینہ میں شفا ہے۔ جیسا کہ اس شہر کے نام ''شافیہ'' سے ظاہر ہے۔

(جذب القلوب، ص ۲۱)

- حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو قید کرنے اور تین درّے مارنے کا فتویٰ دیا تھا جس نے یہ کہا تھا کہ مدینۂ منورہ کی مٹی خراب ہے۔ باوجود یکہ وہ شخص لوگوں میں بڑی قدر و منزلت والا تھا۔ اور کیا تعجب ہے کہ اس شخص کی گردن اڑا دینے کا حکم دیا جائے جو معاذ اللہ یہ کہے کہ وہ مٹی کہ جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرمارہے ہیں خراب اور غیر خوشبو دار ہے۔ (مدارج النبوۃ، اردو، جلد ا، ص ۵۵۶)

- اس مقام مقدس، شہر مطہر کے رہنے والے مٹی، درو دیوار اور پاکیزہ فضاؤں سے ایک خاص قسم کی خوشبو محسوس کرتے ہیں۔ جسے کسی خاص خوشبو سے تشبیہ نہیں دی جاسکتی اور نہ ہی اسے زبان بیان کرسکتی ہے۔ اور ممکن ہے کہ کسی سونگھنے والی ناک نے ایسی خوشبو کہیں اور سونگھی بھی نہ ہو۔ حضرت اشبیلی جو کہ علمائے صاحب وجدان میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ کی مٹی میں خاص قسم کی خوشبو ہے جو کسی مشک وعنبر میں بھی نہیں ہے۔ (مدارج النبوۃ، جلد ا، ص ۵۵۷)

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ''جو وہ خاک نہ پائی'' کا جملہ مرقوم فرمایا ہے اس کا دوسرا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ کی خاک میں دفن ہونا اور ہر مومن کی یہی دلی تمنا ہوتی ہے کہ کاش! مدینہ طیبہ میں موت آجائے تو قسمت کا ستارہ بلند ہوجائے۔

- حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں صرف ایک مرتبہ ہی حج کیا۔ جب فرض حج ادا کرچکے تو دوبارہ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ اس لئے نہیں گئے کہ شاید مدینہ منورہ کے علاوہ کسی دوسری جگہ موت آجائے تو مدینہ طیبہ کی مٹی میں دفن ہونے کی سعادت سے محروم ہونا پڑے گا۔ لہٰذا مدت العمر آپ مدینہ منورہ ہی میں رہے اور وہیں انتقال فرمایا۔ اور مدینہ منورہ میں ہی دفن ہوئے۔ (جذب القلوب، ص ۲۳)

- مدینہ منورہ سے بلا وجہ شرعی نکلنے پر وعید آئی ہے۔ اسی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد بہت جلد مدینہ شریف واپس آجاتے تھے۔ مکہ معظمہ میں ضرورت سے زیادہ قیام نہیں کرتے تھے اور ساکنان مدینہ طیبہ کی یہ عادت باسعادت اب تک اسی روش پر ہے۔ (جذب القلوب، ص ۳۰)

مصرع ثانی میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ:

آباد رضا جس پہ مدینہ ہے ہمارا

لفظ آباد ضد ہے برباد کی، لہٰذا مطلع یہ ہوا کہ حوادث وفتن زمانہ کی وجہ سے مدینہ منورہ برباد ہونے سے محفوظ اور سلامت ہے۔ یہاں تک کہ دجال لعین کے فتنہ اور شر سے یہ شہر مقدس سلامت اور امن میں رہے گا۔

مسلم کی احادیث میں آیا ہے کہ دجال کا خروج مشرق کی جانب سے ہوگا۔ اس کے بعد وہ مدینہ کا ارادہ کرے گا۔ جبل احد کی پشت پر پڑاؤ ڈالے گا۔ لیکن ملائکہ اس کے چہرے کو شام کی جانب موڑ دیں گے اور وہ خود شام میں ہلاک ہوگا۔

بخاری ومسلم میں ہے کہ مدینہ شریف کے بہترین اشخاص میں سے ایک صاحب دجال کے سامنے آئیں گے اور کہیں گے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو وہی دجال ہے جس کے خروج کی خبر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ یہ ایک طویل حدیث ہے، ابو حاتم معمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ شخص حضرت خضر علیہ السلام ہوں گے۔



(۸۱)

پارۂ دل بھی نہ نکلا دِل سے تحفے میں رضاؔ
ان سگانِ کُو سے اتنی جان پیاری واہ وا

حل لغت:

پارہ: پارچہ، ٹکڑا، ریزہ، جزو، پرچہ، قاش، پرزہ، پھانک، پیوند، جوڑ، پتھر کی چھوٹی سی دیوار، حقہ، تحفہ، تبرک، ہندی میں مشہور نام ایک دھات کا، لوہے کا گرز، عورت جو کنواری نہ ہو، ایک مٹھائی کی قسم جس کو شکر پارہ کہتے ہیں، رشوت۔

(فیروز اللغات، ص ۲۶۵ ☆ لغات کشوری، ص ۱۱۵ ☆ کریم اللغات، ص ۲۸)

دل: ایک اندرونی عضو، قلب، من، کسی شئے کا باطن، حوصلہ، کلیجا، جرأت، دلیری، ہمت، خواہش، رغبت، ہوس، رخ، توجہ، مرضی، خوشی، سخاوت، وسط، فیاضی، درمیان، مرکز۔ (فیروز اللغات، ص ۶۳۳ ☆ کریم اللغات، ص ۷۳)

دل سے: شوق سے، رغبت سے، توجہ سے۔ (فیروز اللغات، ص ۶۳۷)

تحفہ: ہدیہ، سوغات، زور، پیش کش، انعام، انوکھا، عجیب، نادر، عمدہ، بہت خوب، بہتر، نفیس، جمع تحائف۔

(فیروز اللغات، ص ۳۴۸ ☆ لغات کشوری، ص ۱۳۷ ☆ کریم اللغات، ص ۳۴)

کُو: گلی، کوچہ، محلّہ، گھر۔ (فیروز اللغات، ص ۱۰۳۸ ☆ لغات کشوری، ص ۶۰۱ ☆ کریم اللغات، ص ۱۳۱)

واہ وا: سبحان اللہ، شاباش، مرحبا، حیرت و تعجب اور طنز کے موقع پر بولتے ہیں۔ (فیروز اللغات، ص ۱۴۰۴)

پہلے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''دل'' ہے اس کا مطلب ''قلب، دل'' ہے۔

پہلے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''دل'' ہے اس کا مطلب ''شوق، رغبت'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس شہر، خیر البلاد، مدینہ اور اہل مدینہ کی عظمت و بلندی اور مرتبہ عالیہ کا ذکر فرمانے کے ساتھ ساتھ مدینہ طیبہ کے بسنے والوں پر چاہے وہ انسان، جانور حتی کہ کتا ہی کیوں نہ ہو، اس پر اپنا سب کچھ نچھاور کرنے کا جذبہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے احمد رضا! تو مدینہ گیا اور وہاں سے صحیح وسالم اور زندہ واپس آیا، کیا تجھ سے یہ بھی نہ ہو سکا کہ تو اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوچہ کے سگ (کتے) کے سامنے شوق محبت میں اپنے دل کا ٹکڑا پیش کرتا اور وہ سگ کوچۂ نبی تیرے دل کو قبول کرتا اور تناول کرتا۔

لیکن اے احمد رضا! تو نے ایسا نہیں کیا تجھے آقا کے کوچہ کے سگ سے اپنی جان پیاری ہے، تعجب ہے تجھ پر اور حیرت ہے!

اس شعر میں لفظ ''دل'' کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ دونوں لفظ ''دل'' حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے مختلف۔ اس لئے یہ شعر اردو ادب اور فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہوا۔

پہلی مرتبہ جو دل ہے اس کا مطلب دل ہی ہے اور دوسری مرتبہ جو لفظ دل ہے اس سے مراد شوق اور رغبت ہے۔ حضرت رضا بریلوی خود اپنے آپ کو مخاطب فرما کر فرماتے ہیں کہ سگان کوچۂ نبی کی خدمت میں دل کا ٹکڑا دل سے یعنی رغبت وشوق سے پیش کرنا چاہیے۔ ''دل سے'' اردو زبان کا محاورہ ہے اور اس کا استعمال شوق، رغبت اور محبت کے اظہار کے لئے ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر کوئی ملازم اپنا کام خوب رغبت اور احتیاط کے ساتھ حسن اسلوبی کے ساتھ انجام دیتا ہے تو اس کے لئے کہا جاتا ہے کہ یہ ملازم اپنا کام دل سے کرتا ہے۔ حالاں کہ وہ ملازم اپنے ہاتھ پاؤں سے کام کرتا ہے۔ لیکن کام کے ساتھ اس کی لگن اور رغبت کی وجہ سے یہ کہا جاتا ہے کہ دل سے کام کرتا ہے، اسی طرح آداب محبت اور عبادت میں بھی دل کی اہمیت ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر ایک شخص شوق ورغبت سے نماز پابندی سے پڑھتا ہے اس کے لئے کہا جائے گا کہ دل سے عبادت کرتا ہے اور ایک شخص شوق ورغبت سے نہیں بلکہ دکھاوے کے لئے پابندی سے نماز پڑھتا ہے تو اس شخص کو ریا کار، اور اس کی عبادت کو دکھاوے کی عبادت کہا جائے گا۔ لیکن عشق صادق میں ریا کاری کا کچھ بھی دخل نہیں، عشق صادق میں تو جذبۂ ایثار وقربانی کو ہی اہمیت حاصل ہے۔ ایک عاشق کا مقصد حیات صرف اپنے محبوب کی محبت کے آداب بجالانا ہوتا ہے، اور محبت کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ جس سے محبت کی جاتی ہے اس سے نسبت رکھنے والی ہر چیز سے محبت کی جائے۔ اس کی تعظیم وتکریم کی جائے اور اس پر اپنا سب کچھ نثار کر دیا جائے بلکہ اپنے محبوب پہ یا اس سے نسبت رکھنے والی شے پہ مرمٹنا ہی عشق صادق کی منزل ومعراج ہے۔ ویسے تو دنیا میں بہت سے عاشق پیدا ہوئے ہیں۔ کوئی لیلیٰ کا عاشق، کوئی شیریں کا عاشق، کوئی کسی کا عاشق یہ سب عاشق عشق مجازی کے دلدادہ تھے۔ اس کے باوجود انھوں نے معیار عشق ومحبت کو بلندی بخشی، حالاں کہ وہ عاشق بھی ختم ہو گئے۔ ان کے محبوب بھی فنا کے پردے میں گم ہو گئے۔ لیکن اس کائنات میں ایک ذات گرامی ایسی ہے جو کروڑوں مومنین کے محبوب ہیں۔ بلکہ خالق کائنات تبارک وتعالیٰ کے بھی محبوب اعظم ہیں۔ اس محبوب ﷺ کا رب فنا ہونے سے پاک ہے۔ اور اپنے محبوب کو بھی فنا ہونے سے محفوظ رکھا ہے۔ بلکہ جو اس محبوب ﷺ کا عاشق صادق ہوتا ہے اس کو رب تعالیٰ حیات جاودانی عطا فرماتا ہے۔ یہ ہے عشق حقیقی جس میں کسی غرض ولالچ کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ عشق حقیقی میں تو فنا کا ہی جذبہ کارگر ہوتا ہے۔ محبوب کی محبت میں فنا کی منزل میں پہنچ جانے والے کو کائنات کی ہر شے میں محبوب کے ہی جلوے نظر آتے ہیں۔ وہ اپنے محبوب کے عشق میں ہر لحہ تڑپتا اور بلکتا رہتا ہے۔ اپنے محبوب کی یاد ہی اس کے لئے سبب حیات وزندگی ہوتی ہے۔ وہ کسی نہ کسی بہانے اپنے محبوب کو یاد کر لیتا ہے۔ اور یاد کے ذریعہ فراق وہجر محبوب کی کلفت کو زائل کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن عشق حقیقی میں ہمیشہ یہی ہوتا ہے کہ:

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

محبوب کے ساتھ بے پناہ عشق میں اس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ محبوب تو درکنار بلکہ محبوب کی ادا جیسی ادا یا اس ادا کی تشبیہ رکھنے والے پر بھی وارفتہ اور فریفتہ ہوتا ہے۔ محبوب جیسی ادا کی نسبت یا اس کے شہر، محلہ، گلی، کوچہ، مکان یا اس کی کوئی چیز جس کو محبوب سے تھوڑی بہت بھی نسبت ہوتی ہے، وہ عاشق کے لئے اس لائق ہوتی ہے کہ اس پر اپنی جان نثار کرنا بھی محبت کا کما حقہ، حق ادا نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا وہ ہر وقت اسی فکر میں رہتا ہے کہ کس پر جان نثار کروں تاکہ محبوب کے ساتھ نسبت رکھنے والے کی تعظیم و تکریم ہو سکے۔ اور اسے کبھی ایسا موقع ملتا بھی ہے، لیکن وہ مرمٹتا نہیں۔ تو اسے دلی رنج ہوتا ہے اور وہ اس رنج کے عالم میں اپنے کو ملامت کرتا ہے کہ ہائے میں نے یہ کیا کیا؟ ایسا سنہری موقع ہاتھ سے جانے دیا۔ تیرے عشق کا جذبہ سرد ہو گیا ہے۔ کہ تو نے اپنے آپ کو مٹانے سے باز رکھا اور اپنی جان کو پیاری سمجھا۔ تجھ پر افسوس اور تعجب ہے!

یہی انداز و کیفیت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی ہے جو آپ کے شعر سے عیاں ہے۔ مدینہ منورہ کے سگ کی خدمت میں اپنا پارۂ دل یعنی دل کا ٹکڑا پیش نہ کر سکنے کے افسوس و غم میں وہ اپنے آپ کو کوستے ہیں کہ تو اپنی جان کو سگ مدینہ سے زیادہ پیاری سمجھ کر قربان کرنے سے باز رہا۔ تیرا یہ فعل حیرت انگیز و تعجب خیز ہے۔

حضرت رضا بریلوی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ اپنے عشق کے جذبات میں بہہ کر شریعت کی حدود سے تجاوز نہیں کرتے تھے، بلکہ شریعت کے دائرے میں محدود ہوتے تھے۔ آپ غلو اور بے جا مبالغہ سے یک لخت پرہیز کرتے تھے۔ آپ جو کچھ بھی تقاضائے عشق کے تحت کہتے تھے یا کرتے تھے، اس کا ثبوت قرآن، حدیث یا بزرگان دین کے اقوال و افعال سے ہوتا تھا۔ سگ کوچۂ نبی ﷺ کی تعظیم و تکریم بھی خالی از ثبوت نہیں۔

- حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

"حَقِیْقٌ عَلٰی اُمَّتِیْ حِفْظُ جِیْرَانِیْ"

ترجمہ: میری امت پر لازم ہے کہ میرے ہمسایہ کی حفاظت و حرمت کریں۔ (جذب القلوب، اردو، ص ۳۰)

- حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

"مَنْ حَفِظَهُمْ كُنْتُ لَهٗ شَهِيْدًا اَوْ شَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ"

ترجمہ: جو شخص ان کی حرمت کی حفاظت کرے گا، میں قیامت کے دن اس کا شفیع ہوں گا۔ (جذب القلوب، اردو، ص ۳۱)

- حضرت بو علی شاہ قلندر پانی پتی رضی اللہ عنہ کا ایک مرید حج بیت اللہ شریف کے لئے جا رہا تھا۔ حج کے سفر پر روانہ ہونے سے پہلے وہ مرید اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر دعائے خیر اور نصیحت کا خواستگار ہوا۔ آپ نے اس کے لئے دعا فرمائی اور یہ نصیحت و ہدایت فرمائی کہ ارکان حج ادا کرنے کے بعد مدینہ منورہ ضرور جانا اور مدینہ طیبہ کا ادب ملحوظ رکھنا، یہاں تک کہ مدینہ منورہ کے جانوروں کا بھی ادب بجالانا۔ اور ان کی تعظیم و تکریم میں کسی قسم کی کوتاہی مت کرنا۔ وہ مرید آپ کی نصیحت پر کامل عمل کرنے کا وعدہ کر کے رخصت ہوا۔ مکہ معظمہ اور مدینہ مبارکہ کے مقدس سفر سے واپسی پر سب سے پہلے وہ اپنے پیر و مرشد حضرت بو علی شاہ قلندر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ مرید تو دل میں یہ خیال کرتا

تھا کہ میں مقدس مقامات کی زیارت کا شرف حاصل کر کے لوٹا ہوں۔ لہٰذا حضرت مجھے خوب مبارک بادی دیں گے۔ اور مجھے اپنے سینے سے چمٹا لیں گے۔ اس حسن ظن میں آگے بڑھتا ہوا جب وہ اپنے پیر و مرشد کے سامنے آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ حضرت کے چہرے پر ناراضگی اور نفرت کے آثار نمایاں ہیں۔ اس شخص کو دیکھ کر حضرت نے چہرہ پھیر لیا۔ اور اس پر نظر التفات بھی نہ فرمائی۔ مرید تعجب و حیرت میں ہے کہ آج حضرت کو نہ جانے کیا ہو گیا ہے۔ شاید پہچانا نہیں۔ لہٰذا وہ اس طرف ہو گیا۔ جس طرف حضرت نے اپنا چہرہ گھما رکھا تھا۔ وہ مرید جیسے ہی حضرت کے چہرہ کے قریب آیا آپ نے اپنا چہرہ پھر دوسری جانب کر لیا۔ اس طرح تین مرتبہ ہوا۔ اب مرید کی حالت غیر ہو گئی۔ اس کو یقین ہو گیا کہ حضرت ضرور مجھ سے خفا ہیں۔ لیکن کس وجہ سے خفا ہیں اس کا پتہ نہیں چلا۔ ہو سکتا ہے کہ کسی حاسد نے میرے خلاف حضرت کے کان بھر دیئے ہوں۔ اور حضرت کو مجھ سے کوئی غلط فہمی ہو گئی ہو۔ اس لئے اس مرید نے گفتگو کا آغاز کرنے کا بہانہ ڈھونڈھ کر اپنا تعارف کرایا کہ حضور میں آپ کا فلاں بن فلاں مرید ہوں اور زیارت حرمین شریفین سے واپس آیا ہوں اور شاید حضرت کو یاد ہوگا کہ زیارت حرمین شریفین سے پہلے آپ کی خدمت میں نیاز حاصل کرنے حاضر ہوا تھا۔ اور آپ نے اس ناچیز کو اپنی مخصوص دعاؤں سے نوازا بھی تھا۔ مرید کی یہ التجا سن کر حضرت بو علی شاہ قلندر کو جلال آ گیا، جلال کے اثرات آپ کے چہرے پر اور آنکھوں سے نمایاں تھے۔ آپ نے اس مرید سے فرمایا کہ میری نظروں سے دور ہو جا۔ میں تیری صورت بھی دیکھنا گوارا نہیں کرتا۔ یہ سنتے ہی وہ مرید لرز گیا اور آپ کے قدموں پر گر کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور تڑپ کر کہنے لگا کہ حضرت ایسا نہ فرمائیں۔ آپ اپنے دربار سے نہ نکالیں۔ میں کہاں جاؤں گا، آپ کے در کے سوا میرے لئے کہاں پناہ ہے؟ اگر مجھ سے کوئی غلطی یا خطا ہو گئی ہو تو میں توبہ اور معافی کا طلب گار ہوں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ تو نے میری نصیحتوں کو سنا اور ان سنی کر دیا۔ میں نے تجھے تاکید کے ساتھ وصیت کی تھی کہ جب مدینہ منورہ جانے کا موقع ملے تو وہاں کا خوب ادب کرنا، یہاں تک کہ مدینہ منورہ کے جانوروں کا بھی ادب کرنا، لیکن تو نے میری نصیحتوں پر توجہ نہیں دی۔ مرید نے عرض کیا کہ حضور یہ ممکن ہی نہیں کہ میں آپ کی نصیحت کو فراموش کر دوں۔ مجھے آپ کی نصیحت ہر لمحہ یاد تھی اور حتی الامکان میں نے اس پر عمل کیا۔ یہ سن کر حضرت بو علی شاہ قلندر رضی اللہ عنہ کو مزید جلال آیا اور ہیبت ناک لہجہ میں فرمایا کہ تو جھوٹ بولتا ہے، مرید لرزتے ہوئے عرض کرتا ہے آپ میرے پیر و مرشد ہیں۔ میں مر جانا زیادہ پسند کرتا ہوں بمقابل اس کے کہ آپ کے سامنے جھوٹ بولوں۔ حضرت نے فرمایا کہ یاد کر مدینہ منورہ کے جانوروں کے ساتھ تو نے کوئی گستاخانہ سلوک کیا ہے؟ مرید سکتہ اور خاموشی کے عالم میں ڈوب کر گہری سوچ میں پڑ گیا۔ تھوڑا غور و فکر کرنے کے بعد اسے کچھ یاد آیا اور کہا کہ حضرت ایک دن میں مدینہ منورہ کی گلیوں میں تیزی سے جا رہا تھا۔ لوگوں کی کافی بھیڑ تھی میں جلدی میں تھا۔ نماز کی جماعت قائم ہونے میں چند لمحات ہی باقی رہ گئے تھے۔ میں عجلت میں چل رہا تھا۔ تا کہ وقت پر مسجد نبوی میں پہنچ کر شریک جماعت ہو سکوں۔ اچانک لوگوں کی بھیڑ بڑھ گئی اور کسی نے میری پشت پر زور سے دھکا دیا۔ میں گرتے

گرتے بمشکل بچا لیکن سامنے ایک کتا بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے بازو پر میرے پاؤں کا انگوٹھا لگا تھا۔ میں نے کوئی توجہ نہ دی۔ کیوں کہ میں نے ایسا قصداً نہیں کیا تھا۔ بلکہ کسی نے مجھے دھکا لگایا اور میرا پاؤں سگ مدینہ کے پاؤں پر پڑ گیا۔ اس پر حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دائیں ہاتھ کی آستین اوپر کی تو مرید یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ آپ کے داہنے ہاتھ پر ایک زخم ہے حضرت نے فرمایا کہ یہ تیرے پاؤں کے انگوٹھے کا زخم ہے۔ اس وقت میں مدینہ شریف میں اس کتے کی شکل میں حاضر تھا جس کو تیرے پاؤں کا انگوٹھا لگا۔

- حضرت شاہ عبد الرحیم ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایسا ہی ایک واقعہ ہے جو بہت طویل ہے۔ مختصر یہ کہ جب ان کے صاحبزادے حج سے واپس آئے تو آپ نے ان سے کہا کہ مدینہ طیبہ میں تم نے ایک کتے کو تین مرتبہ چھڑی سے مارا تھا۔ صاحبزادے نے اعتراف کیا۔ تو آپ نے اپنا کرتا اٹھا کر اپنی پیٹھ دکھائی تو آپ کی پشت پر مار کے تین نشان موجود تھے۔ آپ نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا کہ مدینہ منورہ میں تم نے جس کتے کو مارا تھا وہ میں ہی تھا۔

ایسے کئی واقعات مروی ہیں جن کا تفصیلی تذکرہ ممکن نہیں۔ انہیں تمام واقعات کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت رضا نے یہ شعر کہا ہے بلکہ ایک مقام پر تو عشق سے لبریز شعر میں فرماتے ہیں:

رضا کسی سگ طیبہ کے پاؤں بھی چومے ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ تم اور آہ کہ اتنا دماغ لے کے چلے

عاشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نبی پاک کے عشق و محبت میں اتنے دیوانے تھے کہ تعظیم رسول کے لئے وہ اپنی جان کو بھی خطرے میں ڈال دیتے لیکن تعظیم رسول میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آنے دیتے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ امام مالک رضی اللہ عنہ ہمارے سامنے حدیث بیان کر رہے تھے۔ دوران بیان آپ کو ایک بچھو نے سولہ مرتبہ ڈنک مارا۔ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کا رنگ متغیر ہوگیا، چہرہ زرد پڑ گیا، مگر حدیث کو درمیان میں قطع نہیں فرمایا۔ جب بیان حدیث سے فارغ ہوئے اور سب لوگ چلے گئے۔ تو میں نے آپ سے عرض کیا کہ اے ابو عبد اللہ! میں نے آج آپ کا عجب حال دیکھا ہے آپ نے فرمایا کہ ہاں! میں حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجلال و تعظیم کی بنا پر صبر کرتا رہا۔ (مدارج النبوۃ، جلد ا، اردو، ص ۵۴۲)

اسی تعظیم و آداب محبت کا صلہ عشاق رسول کو یہ ملتا ہے کہ وہ دنیا سے رحلت کرنے کے بعد بھی قیامت تک لوگوں کے دلوں میں زندہ رہتے ہیں اور داد عشق حاصل کرتے رہتے ہیں۔



۸۴

شوریدہ سر سلام کو حاضر ہیں السلام
راحت انھیں کے قدموں میں شوریدہ سر کی ہے

حل لغت:

شوریدہ: عاشق، دیوانہ، پریشان، حیران، جنونی۔ (فیروز اللغات، ص۸۴۹ ☆ لغات کشوری، ص۴۳۲)

سر: سر، کھوپڑی، کسی چیز کا اوپر کا حصہ، چوٹی، ابتداء، شروع، فکر، خیال، زور، قوت، سردار، خلاصہ، خواہش، ارادہ، کنارہ، عنوان، عشق، دماغ، برابر۔ (فیروز اللغات، ص۷۸۶ ☆ لغات کشوری، ص۳۷۴ ☆ کریم اللغات، ص۸۹)

راحت: آرام، آسائش، آسودگی، قرار، سکھ، استراحت، امن، چین، سکون، خوشی، مسرت، محنت کا، تکلیف کا اور بے آرامی کا ختم ہونا، محنت سے آزادی، ہاتھ کی ہتھیلی۔ (فیروز اللغات، ص۶۹۶ ☆ لغات کشوری، ص۳۱۵ ☆ کریم اللغات، ص۷۷)

پہلے مصرع میں لفظ ''شوریدہ'' کا مطلب ''عاشق'' ہے۔

دوسرے مصرع میں لفظ ''شوریدہ'' کا مطلب ''پریشان'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کے دربار عالی وقار میں حاضر ہو کر صلاۃ و سلام پیش کرنے والے عشاق کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ کے پیارے محبوب، رحمۃ للعالمین کے دربار عالی وقار سے ایک عاشق جو والہانہ عقیدت رکھتا ہے اور اپنے ہجر و فراق سے تنگ ہو کر راحت و سکون حاصل کرنے کے لئے صرف اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی بارگاہ بے کس پناہ میں حاضر ہوتا ہے تو اسے راحت قلب و جان مل جاتی ہے، کیوں کہ یہی مقام ہے جہاں پریشان سروں کو راحت ملتی ہے۔

اس شعر میں لفظ ''شوریدہ'' کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ شوریدہ ہے اس کا معنی عاشق یا دیوانہ ہے اور دوسری مرتبہ جو لفظ شوریدہ ہے اس کا معنی حیران اور پریشان ہے۔ دونوں لفظ ''شوریدہ'' حروف و اعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں، لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی بارگاہ عالی میں درود و سلام عرض کرنے کی کیفیت کا ذکر کر رہے ہیں۔ درود و سلام ایسا فعل مستحسن ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے بھی سید المرسلین ﷺ پر درود

سلام بھیجتے ہیں۔قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا''

(سورۃ احزاب،آیت ۵۶)

ترجمہ: بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر۔اے ایمان والو! ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔(کنزالایمان)

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم ﷺ کی شان عالی کا اظہار فرماتے ہوئے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ پیارے نبی ﷺ پر درود و سلام بھیجیں۔صرف حکم ہی نہیں دیا بلکہ یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ اور اس کے فرشتے بھی نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں۔ثابت ہوا کہ درود شریف پڑھنا اور آقائے دو جہاں ﷺ کی بارگاہ میں صلاۃ و سلام بھیجنا امر الٰہی ہے۔بلکہ ایسا مبارک کام ہے کہ اللہ اور اس کے فرشتے بھی درود بھیجتے ہیں۔ایک نکتہ ذہن میں رہے کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر مومنین کو مختلف عبادات کرنے کا حکم دیا ہے۔مثلاً:

''اَقِمِ الصَّلٰوةَ''(سورۃ بنی اسرائیل،آیت ۷۸)

ترجمہ: نماز قائم رکھو۔(کنزالایمان)

''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَ اسْجُدُوْا''(سورۃ الحج،آیت ۷۷)

ترجمہ: اے ایمان والو! رکوع اور سجدہ کرو۔(کنزالایمان)

''وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ''(سورۃ البقرہ،آیت ۴۳)

ترجمہ: اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو۔(کنزالایمان)

''كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ''(سورۃ البقرۃ،آیت ۱۸۳)

ترجمہ: اور تم پر فرض کئے گئے روزے۔(کنزالایمان)

''وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ''(سورۃ آل عمران،آیت ۹۷)

ترجمہ: اور اللہ کے لئے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا ہے۔(کنزالایمان)

''وَ لْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ''(سورۃ الحج،آیت ۲۹)

ترجمہ: اور اس آزاد گھر کا طواف کریں۔(کنزالایمان)

''جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ''(سورہ التوبہ،آیت ۷۳)

ترجمہ: جہاد فرماؤ کافروں اور منافقوں پر۔(کنزالایمان)

مذکورہ آیات میں اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے کہ نماز قائم رکھو،رکوع اور سجدہ کرو،زکوٰۃ دو،روزہ رکھو،حج کرو،طواف کرو اور جہاد کرو۔لیکن پورے قرآن مجید میں ایسا ذکر کہیں بھی نہیں ہے کہ اے ایمان والو! اللہ اور اس کے فرشتے نماز پڑھتے ہیں،

رکوع وسجدہ کرتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں وغیرہ، لہٰذا اے ایمان والو! تم بھی نماز پڑھو، رکوع وسجدہ کرو، روزہ رکھو وغیرہ، صرف اللہ کے محبوب اعظم ﷺ پر درود بھیجنے کے معاملے میں ہی یہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں۔ اور پھر اس کی متابعت کرنے کے لئے حکم نافذ فرمایا گیا ہے کہ اے ایمان والو، ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔ یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کے تعلق سے یہ ذکر ہوا کہ اللہ اور فرشتے درود بھیجتے ہیں۔ لیکن جب ایمان والوں کو حکم دیا گیا تو اس میں درود کے ساتھ سلام پڑھنے کا بھی حکم دیا گیا ہے، بلکہ ''وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا'' کے ساتھ مؤکد کیا گیا یعنی خوب سلام بھیجو۔ جس کا خلاصہ اور ماحصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ پر صلاۃ (درود) بھیجتا ہے اور اللہ کے ایمان دار بندے اللہ کے محبوب پر صلاۃ (درود) وسلام بھیجتے ہیں۔ یعنی صلاۃ وسلام بھیجنا ایمان والوں کا کام ہے اور صلاۃ وسلام کی ممانعت کرنا بے ایمانوں کا کام ہے۔ قابل غور بات ہے کہ سورۂ احزاب کی آیت درود میں ''یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' فرمایا گیا ہے۔ ''یٰاَیُّهَا النَّاسُ'' یعنی اے لوگو! نہیں کہا گیا۔ جس سے اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ ہر انسان کو صلاۃ وسلام کا نذرانہ بارگاہ رسالت میں بھیجنے کی سعادت میسر نہیں بلکہ صرف ایمان والوں کی خوش قسمتی ہے۔ وہ سنت الٰہیہ ادا کر کے بارگاہ رسالت میں صلاۃ یعنی درود بھیجنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں اور اس سعادت عظمیٰ کے ساتھ ساتھ حکم الٰہی ''وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا'' کی بجا آوری اور تعمیل میں محبوب خدا ﷺ کی بارگاہ میں خوب سلام بھی بھیجتے ہیں۔ یعنی صلاۃ وسلام کی کثرت کرتے ہیں۔ اور جو بے ایمان ہوتا ہے وہ صلاۃ وسلام کے ناجائز اور بدعت ہونے کا فتویٰ دیتا ہے۔ ایک اہم نکتہ کی طرف قارئین کی توجہ مرکوز کرنا ضروری ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب اپنی عبادت کا عام حکم دیا ہے تب مخاطب سب انسانوں کو بنایا ہے۔ مثلاً:

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

''یٰاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ'' (سورہ البقرہ، آیت ۲۱)

ترجمہ: اے لوگو! اپنے رب کو پوجو، جس نے تمہیں پیدا کیا۔ (کنز الایمان)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لئے پوری نوع انسانی کو مخاطب فرمایا ہے۔ لیکن قرآن مجید میں آپ کو متعدد آیات ایسی ملیں گی کہ جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم ﷺ کی تعظیم وتوقیر بجالانے کا حکم دیا ہے۔ مگر ان تمام آیات قرآنی درباب تعظیم رسول کی ایک خوبی یہ ہے کہ ان آیات میں ''یٰاَیُّهَا النَّاسُ'' یا ''یَا اَهْلَ الْکِتَابِ'' یا ''یٰاَیُّهَا الْکَافِرُوْنَ'' یعنی اے لوگو! اے اہل کتاب! اے کافرو! نہیں ہے بلکہ ''یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' یعنی اے ایمان والو! ہے۔ مثلاً:

''یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوْا'' (سورۃ البقرہ، آیت ۱۰۴)

ترجمہ: اے ایمان والو! راعنا نہ کہو اور یوں عرض کرو کہ حضور ہم پر نظر رکھیں اور پہلے ہی سے بغور سنو۔ (کنز الایمان)

اس آیت کی شان نزول یہ ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ صحابۂ کرام کو کچھ تعلیم وتلقین فرماتے اور کوئی بات کسی صحابی کی سمجھ میں نہ آتی تو وہ یوں عرض کیا کرتے: ''رَاعِنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ'' یعنی یا رسول اللہ! ہمارے حال کی رعایت فرمایئے اور

کلام اقدس کو اچھی طرح سمجھ لینے کا موقع دیجئے یعنی دوبارہ ارشاد فرمائیے۔ صحابہ کرام لفظ ''رَاعِنَا'' کا استعمال نیک نیت سے کرتے تھے، لیکن یہودیوں کی لغت اور اصطلاح میں لفظ ''رَاعِنَا'' خراب مطلب رکھتا تھا۔ اس کا ایک معنیٰ ''ہمارا چرواہا'' بھی ہوتا تھا۔ صحابہ کرام نے جو لفظ اچھی نیت سے کہا تھا اسی لفظ ''رَاعِنَا'' کو یہودیوں نے توہین کی نیت سے کہنا شروع کیا۔ وہ یہ لفظ بول کر ایک دوسرے کی طرف دیکھتے اور آنکھوں آنکھوں میں اشارے کرکے مسکراتے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ یہود کی اصطلاح سے واقف تھے۔ وہ یہودیوں کی اس سازش پر مطلع ہو گئے اور ایک روز ان یہودیوں کی زبان سے یہ کلمہ سن کر فرمایا کہ اے دشمنانِ خدا! تم پر اللہ کی لعنت! اگر میں نے اب کسی کی زبان سے یہ کلمہ سنا تو اس کی گردن ماردوں گا۔ یہود نے کہا کہ آپ ہم پر خواہ مخواہ برہم ہوتے ہیں۔ مسلمان بھی تو یہی کہتے ہیں۔ اس پر حضرت سعد رنجیدہ ہو کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ہی تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر خزائن العرفان، ص۲۹)

خلاصہ یہ کہ جن الفاظ کے بولنے سے مخالفین کو گستاخی کرنے کا موقع ملتا ہو ان الفاظ کے استعمال کی مومنین کو ممانعت فرمائی گئی اور یہ درس دیا گیا کہ نبی کی تعظیم و توقیر کو ملحوظ رکھو۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ'' (سورۂ حجرات، آیت۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو۔ (کنز الایمان)

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ چند اشخاص نے عید الاضحیٰ کے دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے قربانی کرلی تو ان کو حکم دیا گیا کہ دوبارہ قربانی کریں اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ بعض لوگوں نے رمضان سے ایک روز پہلے ہی روزہ رکھنا شروع کردیا۔ ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی اور حکم دیا گیا کہ روزہ رکھنے میں اپنے نبی سے تقدم نہ کرو۔ یعنی تمہیں لازم ہے کہ تم قول و فعل میں نبی سے تقدم مت کرو کیوں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و احترام کے خلاف ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، ص۹۲۷)

قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ'' (سورۂ حجرات، آیت۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو۔ (کنز الایمان)

اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ثابت بن قیس بن شماس کے حق میں نازل ہوئی ہے، کیوں کہ ان کو ثقل سماعت یعنی کان سے کم سننے کی بیماری تھی۔ اور جو شخص اونچا سنتا ہے اس کی عادت ہو جاتی ہے کہ وہ خود بھی اونچی آواز میں بات چیت کرتا ہے۔ حضرت ثابت کان کے نقص کی وجہ سے بلند آواز سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو

گفتگو کرتے تھے۔لہٰذا اس آیت میں حضور کی شان وشوکت اور ادب واحترام کی تعلیم دی گئی ہے۔

(تفسیر خزائن العرفان، صفحہ ۹۲۷)

اسی طرح قرآن مجید میں متعدد مقامات پر مومنوں سے خطاب کر کے محبوب رب العالمین ﷺ کی بارگاہ کے ادب و احترام کی تعلیم فرمائی گئی ہے، جس کی تفصیلی گفتگو نہ کرتے ہوئے صرف آیت اور اس کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔طول تحریر کے خوف سے تفسیر بیان نہیں کی گئی۔جن حضرات کو معلومات حاصل کرنے کا اشتیاق ہو وہ سنی صحیح العقیدہ مفسرین کرام کی کتب تفاسیر کی طرح رجوع کرنے کی زحمت گوارا فرمائیں۔

قرآن مجید میں ہے:

''یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ'' (سورۃ انفال، آیت ۲۴)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر حاضر ہو۔(کنز الایمان)

قرآن مجید میں ہے:

''یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّآ اَنْ یُّؤْذَنَ لَكُمْ'' (سورۃ احزاب، آیت ۵۳)

ترجمہ: اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک اذن نہ پاؤ۔(کنز الایمان)

الحاصل! اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم ﷺ کی عظمت، تعظیم توقیر، ادب اور احترام تعلیم فرمانے کے لئے جو آیات قرآنیہ نازل فرمائی ہیں ان آیات کی ابتداء میں ''اے ایمان والو'' فرما کر مومنین کو مخاطب کیا ہے۔جس کا مطلب یہ ہوا کہ جو مومن ہوتے ہیں وہی رسول اکرم ﷺ کا ادب واحترام اور تعظیم وتوقیر بجالاتے ہیں۔بے ایمان اور منافق عظمت رسول سے بھاگتے ہیں۔اسی طرح سورۂ احزاب میں نبی کریم ﷺ پر درود اور خوب سلام بھیجنے کا حکم بھی خصوصی طور پر مومنین کو ہی دیا گیا ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ عالم الغیب والشہادۃ ہے۔اس کی صفت علیم وخبیر ہے۔اللہ تعالیٰ کا علم ازل سے ابد کو محیط ہے۔اس کا علم لامحدود ولامتناہی ہے۔اس کے علم میں تھا کہ ایک زمانہ آئے گا کہ کچھ لوگ صورت وشکل سے تو مسلمان نظر آئیں گے، لیکن توہین رسول کے ارتکاب کی وجہ سے وہ مومن نہیں ہوں گے، اور وہ لوگ رسول اعظم ﷺ سے عداوت رکھتے ہوں گے اور اسی عداوت کی بنا پر درود وسلام کے منکر ہوں گے۔لہٰذا سورہ احزاب میں ایسے منافقین کو مستثنیٰ کر کے صرف ایمان والوں کو ہی حکم دیا گیا کہ اس نبی پر درود اور خوب سلام بھیجو۔ثابت ہوا کہ اہل سنت وجماعت صلاۃ وسلام کا ہدیہ بارگاہ رسالت میں بھیج کر قرآن مجید کے فرمان پر عمل کر رہے ہیں اور صلاۃ وسلام کو ناجائز، بدعت اور شرک کہنے والے قرآن مجید کے صریح حکم کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔نبی ﷺ کی بارگاہ میں درود وسلام بھیجنا ایمان کی علامت اور ایمان کا جذبہ صادق ہے۔اسی لئے حضرت رضا بریلوی نے شعر کے مصرع اول میں فرمایا ہے کہ:

شوریدہ سر سلام کو حاضر ہیں السلام

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان شعر کے مصرع ثانی ''راحت انھیں کے قدموں میں شوریدہ سر کی ہے'' میں

ایک حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ اسی سرکار عالی کی بارگاہ ہے جہاں ہر پریشان حال کو ان کے قدموں میں راحت میسر ہوتی ہے۔

ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں اور ابن جوزی نے اپنی کتاب ''مثیر الغرام الساکن الیٰ اشرف الاماکن'' میں بروایت محمد بن حرب ہلالی اس طرح بیان کیا ہے کہ محمد بن عبید اللہ بن معاویہ المعروف بہ عتبی (متوفی ۲۲۸ھ) نے کہا کہ میں مدینہ طیبہ میں داخل ہوا اور رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف کی زیارت کر کے حضور کے سامنے بیٹھ گیا۔ ایک اعرابی نے آکر زیارت کی اور یوں عرض کیا کہ یا خیر الرسل! اللہ تعالیٰ نے آپ پر ایک سچی کتاب نازل فرمائی۔ جس میں یوں ارشاد فرمایا:

''وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا'' (سورۃ النساء، آیت ۶۴)

ترجمہ: اور جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔ (کنز الایمان)

میں آپ کی خدمت میں آپ کے پروردگار سے اپنے گناہوں کی مغفرت کا طالب اور آپ کی شفاعت کا امیدوار بن کر حاضر ہوا ہوں۔ پھر اس نے رو کر یہ اشعار پڑھے:

یَا خَیْرَ مَنْ دُفِنَتْ بِالْقَاعِ اَعْظُمُهٗ ۔۔۔ فَطَابَ مِنْ طِیْبِهِنَّ الْقَاعُ وَ الْاَكَمِ
نَفْسِی الْفِدَاءُ لِقَبْرٍ اَنْتَ سَاكِنُهٗ ۔۔۔ فِیْهِ الْعَفَافُ وَ فِیْهِ الْجُوْدُ وَ الْكَرَمِ

ترجمہ: اے سب سے بہتر جن کا جسم اقدس میدان میں مدفون ہے۔ پس ان کی خوشبو سے پست اور اونچی زمین مہک گئی۔ میری جان اس قبر انور پر فدا جس میں آپ ساکن ہیں۔ اس میں پاکیزگی ہے اور اس میں جود و کرم ہے۔

اس کے بعد اس اعرابی نے توبہ کی اور چلا گیا۔ میں سو گیا تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ فرما رہے ہیں ''تم اس شخص سے ملو اور اسے بشارت دو کہ اللہ تعالیٰ نے میری شفاعت سے اس کے گناہ معاف کر دیے۔'' میری آنکھ کھلی تو میں اس کی تلاش میں نکلا مگر وہ شخص نہ ملا۔ (وفاء الوفاء، از علامہ سمہودی، جلد ۲، ص ۴۱۱)

علامہ سمہودی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن حسن دمیاطی کو بیان کرتے سنا ہے کہ مجھ سے عبد القادر تینسی نے حکایت کی کہ میں فقیروں کی طرح سفر کر رہا تھا۔ میں نے مدینہ منورہ میں حاضر ہو کر رسول اللہ ﷺ سے کچھ عرض کیا اور بھوک کی شکایت کی۔ پھر میں روضہ انور کے احاطہ میں سو گیا۔ ایک نوجوان نے مجھے جگایا اور اپنے ساتھ لے گیا۔ اس نے ثرید کا ایک پیالہ اور کئی قسم کی کھجوریں اور بہت سی روٹیاں پیش کیں۔ میں نے کھانا کھایا۔ اس نے گوشت و نان اور تمر سے میرا توشہ دان بھر دیا اور بیان کیا کہ میں نماز چاشت کے بعد سویا ہوا تھا۔ خواب میں رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں یہ کھانا پیش کروں۔ حضور نے مجھے تمہاری جگہ بھی بتا دی اور فرمایا کہ تم نے حضور سے یہی تمنا کی تھی۔

(سیرت رسول عربی، از علامہ توکلی، ص ۷۲۱)

ایک سال مدینہ منورہ میں سخت قحط پڑا۔ لوگوں نے ام المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فریاد کی۔ آپ نے فرمایا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف پر حاضر ہو کر اس میں ایک روشندان آسمان کی طرف کھول دو، تاکہ قبر شریف اور آسمان کے درمیان چھت حائل نہ رہے۔ لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ خوب بارش ہوئی اور خوب گھاس اُگی اور اونٹ ایسے فربہ ہو گئے کہ چربی سے پھٹنے لگے۔ اس سال کو ''عام الفتق'' کہتے ہیں۔ (سنن دارمی، باب: ما اکرم اللہ تعالیٰ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد موتہ)



(۸۳)

بہہ چلی آنکھ بھی اشکوں کی طرح دامن پر
کہ نہیں تار نظر جز دو سہ تار دامن

حل لغت:

بہنا: جاری ہونا، رواں ہونا، پھیل جانا، مواد نکلنا، پگھلنا، پریشان ہونا۔ (فیروز اللغات، ص ۲۲۸)

دامن: آنچل، انگرکھے وغیرہ کا لٹکا ہوا حصہ، داماں، کور، کنارہ، آنچل یا پلو، لب، حاشیہ، تلیٹی یعنی پہاڑ کے نیچے کی زمین، جیسے دامن کوہ۔ (فیروز اللغات، ص ۶۱۰ ☆ لغات کشوری، ص ۲۷۹ ☆ کریم اللغات، ص ۷۰)

تار: تاگا، دھاگا، سلسلہ، اندھیرا، تاریکی، ریزہ، پارہ، تانا بانا، انگوٹھی، چھلہ، زیور کا حصہ، بادلہ، دھات کا ڈورا، میان سر یعنی مانگ، ڈورا، سوت، فائل، خطوط پرونے کا تار، قوام، چیپ، تار برقی یعنی ٹیلی گرام، وہ خبر جو تار کے ذریعہ آئے۔
(فیروز اللغات، ص ۳۳۴ ☆ لغات کشوری، ص ۱۳۰ ☆ کریم اللغات، ص ۳۵)

تارِ نظر: نظر کا سلسلہ، نگاہ کا سلسلہ۔ (فیروز اللغات، ص ۳۳۵)

جز: جزء کا مخفف، حصہ، ٹکڑا، ریزہ، پارہ، ماورا، سوائے، علاوہ، بن، قطع نظر، بغیر، بدون۔
(فیروز اللغات، ص ۴۵۸ ☆ لغات کشوری، ص ۱۹۲ ☆ کریم اللغات، ص ۵۰)

دوسہ: دو تین، چند، ۲ اور ۳۔ (فیروز اللغات، ص ۶۴۸، ص ۸۲۳)

دوسرے مصرع میں شروع والے لفظ ''تار'' کا مطلب ''سلسلہ'' ہے۔
دوسرے مصرع میں بعد والے لفظ ''تار'' کا مطلب ''دھاگا'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کے عشق و فراق میں اپنی بے تابی کا اظہار فرما رہے ہیں اور اپنے بے چین دل کی کیفیت اور اس کی وجہ سے اپنی حالت گریہ و آہ و فغاں کا ذکر کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ پیارے آقا و مولیٰ ﷺ کے فراق ہجر میں روتے روتے یہ حالت ہوگئی ہے کہ آنکھ سے اشک تو رواں تھے ہی، لیکن روانی اشک اتنی کثرت سے ہوئی کہ اب آنکھ سے آنسو ٹپک کر دامن پر نہیں گرتے، بلکہ اب خود آنکھ بھی آنسو کی مانند دامن پر ٹپک آئی ہے اور آنکھ و نظر کا سلسلہ (تار) اب دامن کے دو تین دھاگے کی مانند ہوگیا ہے۔ یہ تو ہوئے شعر کے ظاہری اور لغوی معنی۔ شعر کی مزید وضاحت و تشریح سے قبل اس امر کی طرف توجہ درکار ہے کہ یہ شعر عشق کے اعلیٰ تصور و تخیل کی عکاسی کرتا ہے۔ اس شعر میں ایک عاشق صادق کے قلبی تاثرات پیش کیے گئے ہیں، جن کا اندازہ شعر کی تشریح کے مطالعہ سے بخوبی ہوگا۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے مصرع ثانی میں لفظ ''تار'' کا دو مرتبہ استعمال فرمایا ہے۔ دونوں لفظ ''تار'' حروف و اعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں۔ لیکن باعتبار معنی و مطلب متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر اردو ادب و فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ ''تار'' ہے وہ سلسلہ کے معنی میں ہے اور دوسری مرتبہ جو لفظ ''تار'' ہے اس کا مطلب دھاگا، تاگا، ڈورا وغیرہ ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے فراق نبی ﷺ میں ایک عاشق کی حالت اور اس کی بقائے زندگی کو تار دامن اور وہ بھی صرف دو تین تار سے تشبیہ دی ہے۔ یعنی عاشق کا دل فراق محبوب میں مضطرب اور عاشق کی آنکھ حسرت دیدار میں رو رو کر اب اپنی بقا کی آخری منزل میں ہے، اب فنا ہوتی ہے تب فنا ہوتی ہے۔ جیسے کہ دامن جب بوسیدہ ہوجاتا ہے تو پھٹ جاتا ہے۔ اس دامن کے تار تار الگ ہو جاتے ہیں۔ تاہم اس کے دو تین تار ہنوز دامن سے ملحق ہیں۔ بظاہر تو وہ منقطع نظر آتا ہے۔ لیکن صرف دو تین تار کی وجہ سے ابھی تک اس کا دامن سے رشتہ باقی ہے۔ لیکن وہ رشتۂ الحاق اتنا ضعیف اور کمزور ہے کہ ایک معمولی سا جھٹکا بھی برداشت کرنے کی اس میں تاب نہیں۔ کسی بھی وقت اس کا دامن سے رشتہ جو صرف دو تین تاروں کے سہارے ہے، ٹوٹ جانے کا امکان ہے اور اس کے ٹوٹ جانے کے بعد دامن سے ہمیشہ کے لئے رشتہ ختم ہو جائے گا۔ یہی حالت فراق عشق میں تڑپنے والے عاشق کی ہوتی ہے۔ اس کا زندگی سے رشتہ دامن کے دو تین تار کی طرح باقی ہے۔ وہ رشتہ ٹوٹتے ہی اس کی نظر کا سلسلہ یعنی تار نظر منقطع ہو جائے گا اور اس کی آنکھ ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے گی۔ لیکن دامن کے دو تین تار پر اٹکے ہوئے کپڑے میں اور زندگی کے دو تین تار پر زندہ عاشق میں زمین آسمان کا فرق ہے، کیوں کہ دامن کا کپڑا بوسیدہ ہو جانے کی وجہ سے تار تار ہو جاتا ہے اور پھر دامن سے کامل طور پر علاحدہ ہو جانے پر بے کار ہو جاتا ہے، لیکن عاشق کا دل کبھی بوسیدہ نہیں ہوتا۔ عشق نبی ﷺ اور فراق کی وجہ سے وہ زیادہ سے زیادہ قوی ہوتا رہتا

ہے اور اس کی قوت ایمانی اتنی مضبوط ہو جاتی ہے کہ وہ اپنی طاقت ایمانی کے بل بوتے پر دنیا و مافیہا سے علاقہ و رشتہ خود ہی منقطع کرنے کی کوشش و سعی کرتا ہے، لیکن دو تین تار سے دنیا سے اس کی حیات متصل ہوتی ہے اور اس کی دلی خواہش یہی ہوتی ہے کہ دو تین تار سے جوڑا ہوا اس کا رشتہ حیات جلد از جلد منقطع ہو جائے۔ کیوں کہ دنیا سے کامل طور پر رشتہ منقطع ہو جانے پر اس کو وہ صلہ حاصل ہونے والا ہے جس کی ہر عاشق دل سے تمنا کرتا ہے۔ مثلاً:

- حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے انتقال کا جب وقت آیا تو ان کی بیوی گریہ وزاری کرنے لگیں، اور ایک روایت میں ہے کہ غم و افسوس کرنے لگیں۔ اس پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ کتنی خوشی اور مسرت کی بات ہے کہ میں کل صبح اپنے آقا سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب و احباب سے ملاقات کروں گا۔ (مدارج النبوۃ، اردو، ص ۵۲۴)
- عبدۃ بنت خالد بن معدان سے منقول ہے وہ کہتی ہیں کہ میرے والد خالد رضی اللہ عنہ جب بھی گھر میں سونے کے لئے لیٹتے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب و مہاجرین اور انصار سے شوق ملاقات کا اظہار کرتے اور ان کا نام لے کر یاد کرتے اور کہتے کہ وہ ہماری اصل ہیں ، ان کی طرف میرا دل کھینچ رہا ہے اور ان سے ملاقات کی تمنا طویل ہو گئی ہے۔ اے خدا! میری جان جلد قبض فرما۔ پھر وہ روتے اور آہ وزاری کرتے رہتے، اور یہی کلمات ان کی زبان پر جاری رہتے، یہاں تک کہ نیند غلبہ کر لیتی۔ (مدارج النبوۃ، ص ۵۲۴)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق وہ عشق صادق ہے کہ آپ کے عشق میں عشاق ہر وقت آپ کے خیال و تصور میں رہتے ہیں۔ آپ کے احوال و صفات کا تذکرہ ہمیشہ ان کی زبانوں پر رہتا ہے اور وہ اسے ورد جان بنائے رکھتے ہیں۔ علامات محبت رسول میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر شریف کے وقت آپ کی تعظیم و توقیر بجالانا ہے۔ آپ کے اسم مبارک کے سننے پر اظہار خشوع و خضوع اور انکساری کرنا اور آپ کی یاد و فرقت میں تڑپنا بھی شامل ہے۔ صحابہ کرام کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد یہ حال تھا کہ جب وہ حضور کا تذکرہ کرتے تو رونے لگتے اور خشوع کا اظہار کرتے یہاں تک کہ حضور کی غایت تعظیم اور آپ کی ہیبت و جلال سے ان کے جسموں کے ایک ایک رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ یہی حال تابعین اور ان کے بعد والوں کا تھا۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

کچھ واقعات اس تعلق سے پیش خدمت ہیں:

- حضرت ابو ایوب سختیانی کا یہ حال تھا کہ جب ان کے سامنے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جاتا تو وہ اتنا روتے کہ لوگوں کو ان کی حالت پر رحم آتا۔
- حضرت جعفر بن محمد ایک کثیر المزاح اور ہنس مکھ شخص تھے، لیکن اس کے باوجود جب ان کے سامنے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آتا تو ان کا رنگ زرد پڑ جاتا۔
- حضرت عامر بن عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ جب ان کے سامنے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جاتا تو وہ رونے لگتے، یہاں تک کہ ان کی آنکھوں میں آنسو تک بھی باقی نہ رہتے۔

- حضرت امام زہری رضی اللہ عنہ بڑے با اخلاق اور سادہ زندگی رکھنے والے بزرگ تھے۔ مگر جب ان کے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جاتا تو وہ ایسے ہو جاتے گویا ان کو نہ تم جانتے ہو اور نہ وہ تم کو جانتے ہیں۔
- حضرت صفوان رضی اللہ عنہ بڑے عابد وزاہد لوگوں میں سے تھے۔ جب ان کے سامنے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جاتا تو وہ اتنا روتے کہ لوگ اٹھ کر چلے جاتے اور ان کو اسی حال میں اپنی جگہ چھوڑ دیتے۔
- حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ جب وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی سنتے تو ان پر لرزہ طاری ہو جاتا اور وہ رونے لگتے۔
- حضرت عبدالرحمٰن بن قاسم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سید القراء حضرت محمد بن المنکدر رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے کہ ہم ان کے قریب گئے اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھا۔ ان پر اتنا گریہ طاری ہوا کہ ہم ان کی حالت پر رحم کھانے لگے۔ بلاشبہ جب ان کے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے تو ہم ان کے چہرے کو دیکھتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ ان کے چہرے سے خون کھینچ لیا گیا ہے اور ہیبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جاتا تو ان کی زبان بند ہو جاتی۔
- حضرت ابراہیم یحییٰ فرماتے ہیں کہ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ جب وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرے یا اس کے سامنے ذکر کیا جائے تو وہ خشوع وخضوع کا اظہار کرے اور بدن کو ساکن کر کے جنبش تک نہ دے۔ اور خود پر ہیبت وجلال طاری کرے۔ گویا کہ اگر وہ حضور کے روبہ رو ہوتا اور اس وقت جیسا ادب فرض تھا ویسا ہی ادب اس وقت بھی کرے۔

(مذکورہ تمام واقعات ماخوذ، از: مدارج النبوۃ، جلد ۱، ص ۵۲۸/۵۲۹)

انہیں تمام واقعات کے پیش نظر حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ ''بہہ چلی آنکھ بھی اشکوں کی طرح دامن پر'' یہی نہیں بلکہ جس نعت شریف کا یہ شعر ہے اس کا ہر ہر شعر حضرت رضا بریلوی نے سوز وگداز اور عشق نبی سے لبریز کر دیا ہے۔ مثلاً:

عشق مولیٰ میں ہوں خوں بار کنار دامن | یا خدا جلد کہیں آئے بہار دامن

•

اشک برساؤں چلے کوچۂ جاناں سے نسیم | یا خدا جلد کہیں نکلے بخار دامن

•

اشک کہتے ہیں یہ سودائی کہ آنکھیں دھوکر | اے ادب گرد نظر ہو نہ غبار دامن



۸۴

دنداں کا نعت خواں ہوں نہ پایاب ہوگی آب
ندی گلے گلے مرے آب گہر کی ہے

حل لغت:

دندان: دانت، بمعنی بوسہ بھی۔ (فیروز اللغات، ص ۶۴۷ ☆ لغات کشوری، ص ۳۰۰ ☆ کریم اللغات، ص ۴۷)

آب: پانی، پسینہ، آنسو، عرق، خالص، شراب، شوربا، چمک، جوہر، عزت، آبرو، فیض، خوبی، رونق، دولت، طرز، پھولوں کا رس، قدرتی، قدر۔ (فیروز اللغات، ص ۲ ☆ لغات کشوری، ص ۹ ☆ کریم اللغات، ص ۲)

آب گوہر: موتی کی چمک، مرض نزول آب کا آنکھوں سے موتیا بند۔ (فیروز اللغات، ص ۴ ☆ لغات کشوری، ص ۱۲)

ندی: چھوٹا دریا، نالہ۔ (فیروز اللغات، ص ۱۳۵۴)

پایاب: تھوڑا پانی دریا کا جس سے آدمی پیدل نکل جائے، گھاٹ۔ (فیروز اللغات، ص ۱۱۶ ☆ کریم اللغات، ص ۲۸)

پہلے مصرع میں لفظ ''آب'' کا مطلب ''پانی'' ہے۔

دوسرے مصرع میں لفظ ''آب'' کا مطلب ''چمک'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام وعشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک کی تعریف وتوصیف کر رہے ہیں اور ان مقدس دندان کی مدح وثنا کے عوض حاصل ہونے والی نعمت و برکت، نور ونکہت اور نورانیت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس دندان کا نعت خواں ہوں۔ نعت خواں کا لغوی معنی ''تعریف کرنے والا'' ہوتا ہے۔ (فیروز اللغات، ۱۳۶۶)

نعت خوانی کرنے والا کچھ نہ کچھ انعام واکرام کا حقدار ضرور ہوتا ہے۔ راجا، مہاراجا، بادشاہ اور نوابوں کی شان میں مدحیہ کلام پڑھنے والوں کو انعام واکرام سے نوازا جاتا تھا۔ ان میں سے ہر ایک کا مخصوص درباری شاعر ہوتا تھا۔ اور خاص بات یہ کہ انعام واکرام دینے والے کی شان کے مطابق ہوتا تھا یعنی انعام دینے والے کی شان جتنی اعلیٰ وارفع ہوتی تھی، انعام بھی اتنا ہی بیش قیمت ہوتا تھا۔ کیوں کہ انعام کی قدر وقیمت انعام دینے والے کی فراخی دل کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ ایک

بڑی سلطنت کا مالک اپنے دربار کے مدح خواں کو اگر دو پانچ روپیہ کا انعام دے گا تو مدح خواں کی اس میں کوئی تذلیل نہیں بلکہ توہین تو درحقیقت بادشاہ کی ہے کہ وہ اپنی شان کے خلاف ایک عظیم سلطنت کا بادشاہ ہوتے ہوئے معمولی انعام اپنے مدح خواں کو نواز رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بادشاہ مالی حیثیت سے کھوکھلا ہو گیا ہے۔ اس کا خزانہ اب قریب الختم ہے اور اگر ایسا نہیں تو یہ بات طے ہے کہ مال کثیر کا مالک ہو کر اپنے مدح خواں کو معمولی انعام سے نوازنے والا بادشاہ نہایت درجہ بخیل ہے۔ لہٰذا بادشاہ، راجا اور نواب کسی کو انعام سے نوازتے وقت اپنی حیثیت کا ضرور لحاظ کرتے تھے۔ اس لئے بادشاہ جتنا بڑا ہوتا، انعام بھی اتنا ہی عالی ہوتا۔ یہ ہوئی فانی دنیا کے فنا و برباد اور نیست و نابود ہونے والے بادشاہ، راجا، مہاراجا اور نوابوں کے انعامات کی بات جو خود بھی مٹ گئے اور ان کی سلطنت اور حکومتیں بھی زوال کا شکار ہو گئیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے محبوب اعظم صلی اللہ علیہ وسلم جو صرف شہنشاہ نہیں بلکہ کونین کے مالک ہیں۔ جن کی حکمرانی صرف دنیا تک محدود نہیں، بلکہ کائنات کے ذرہ ذرہ پر ہے۔ جن کی رحمت کے خزانے اور نعمت کے خوان حد و شمار سے باہر ہیں اور ساتھ میں یہ شہنشاہ ایسے سخی، فیاض اور صاحب جود و کرم ہیں کہ ایسا سخی اور فیاض نہ آج تک پیدا ہوا ہے اور نہ کل قیامت تک پیدا ہوگا۔ اس شہنشاہ کے آگے دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ بھکاری کی حیثیت سے حاضر ہوتے ہیں۔ یہ وہ شہنشاہ ہے کہ جس کا احسان کائنات کے پتوں پتوں اور ذروں ذروں پر ہے۔ یہ وہ شہنشاہ ہے کہ جو دنیا سے بظاہر پردہ فرما چکا ہے۔ لیکن اس کی حکومت، اس کا دربار، اس کی ہیبت، اس کی عظمت، اس کا وقار، اس کی شہنشاہی اور اس کے دربار کی عزت و حشمت اور آداب وغیرہ بالکل ویسے ہی قائم ہیں جیسے اس کی ظاہری زندگی میں تھے۔ اس کی جوش سخاوت، اس کا دریائے جود و کرم جیسے پہلے جاری تھا آج بھی جاری ہے اور ہمیشہ جاری رہے گا۔

جب دنیا کے بادشاہ اپنے مدح خواں کو انعام و اکرام اور خلعتوں سے نوازتے ہیں تو شہنشاہ کونین کا نعت خواں کیونکر محروم رہے گا؟ بلاشبہ وہ تو ایسے انعامات سے نوازا جائے گا جو دنیوی، دینی اور اخروی نعمتوں اور برکتوں پر مشتمل ہوگا، اور وہ انعامات ایسے بے مثال ہوتے ہیں کہ اس سے منعم کی شان و شوکت عیاں ہوتی ہے اور اسی کا اظہار کرتے ہوئے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں:

دنداں کا نعت خواں ہوں نہ پایاب ہوگی آب

یعنی میں شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس دندان کا نعت خواں ہوں اور وہ شہنشاہ اپنے دربار کے نعت خواں کو اپنے شایان شان انعام و اکرام سے ضرور نوازتے ہیں اور میں اس شہنشاہ کے دنداں کا نعت خواں ہوں، لہٰذا انعام بھی دانت سے مناسبت رکھنے والا ہی عطا ہوگا۔ عام انسان کے جسم میں اس کی خوبصورتی کا دارومدار اس کے چہرے پر ہوتا ہے اور چہرے کی خوبصورتی اور اس کی جاذبیت میں دانت کا کردار اہم ہوتا ہے۔ بہت سے حسین چہرے والے صرف دانت بڑے بڑے ہونے کی وجہ سے بدصورت اور بھدے معلوم ہوتے ہیں اور بہت سے سیاہ یا گندمی رنگ کی جلد والے صرف دانتوں کی خوبصورتی، توازن، ترتیب اور چمک دمک کی وجہ سے حسین و جمیل نظر آتے ہیں۔ اسی لئے دانتوں کی حفاظت، ان کی صفائی

اور نگرانی پر بہت زور دیا گیا ہے اور اسی لئے قطار بند اور چمکدار دانتوں کو موتی سے تشبیہ دی جاتی ہے۔

- موتی کی لڑی: موتی کی مالا، موتی کا ہار، کنایۃً چمک دار دانتوں کی قطار۔ (فیروز اللغات، ص ۱۳۱۱)

الحاصل! اچھے اور خوبصورت دانت کو کنایۃً موتی کہتے ہیں۔ یہاں حضرت رضا بریلوی شعر میں حضور اقدس ﷺ کے دندان شریف کی تعریف کررہے ہیں، وہ بھی اس دانت کی جس کی مثال کوئی نہیں۔ وہ مقدس دانت جن کو درِ عدن سے تعبیر کر کے بھی ان کی قدر و قیمت اور چمک دمک کا حق ادا نہیں کیا جاسکا۔ ان دانتوں کی نورانیت کی ایک کرن یوں ملاحظہ فرمایئے:

- دارمی اور ترمذی نے شمائل میں بیہقی و طبرانی نے اوسط میں اور ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ حضور اقدس ﷺ ''اِذَا تَكَلَّمَ رُئِیَ كَالنُّوْرِ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ ثَنَايَاهُ'' یعنی جب آپ گفتگو فرماتے تو آپ کے مبارک دانتوں سے نور نکلتا ہوا محسوس ہوتا۔ (خصائص کبریٰ، اردو، جلد ۱، ص ۱۵۸)
- بزار اور بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور اقدس ﷺ جب ضحک (دندان ظاہر) فرماتے تو دیواریں روشن ہو جاتیں۔ (سیرت رسول عربی، از: نور بخش توکلی، ص ۲۳۸)
- حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے مبارک دانتوں کا جڑاؤ کمال درجہ حسین ہونے کی بنا پر حسن ترتیب کا حامل تھا۔
- حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے لب ہائے مبارک کشادہ تھے اور جب آپ گفتگو فرماتے تو ایسا دیکھا جاتا کہ گویا سامنے کے دندان مبارک کی کشادگی کے درمیان سے نور نکل رہا ہے۔

(مدارج النبوۃ، جلد ۱، ص ۲۰)

صرف دندان ہی نہیں، بلکہ حضور اقدس ﷺ کے جسم اقدس کا ہر عضو نورانی تھا اور ان سے ہمیشہ نور چھلکتا، جھلکتا اور چھنتا رہتا تھا۔

اب ہم حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے شعر پر پھر سے غور کریں، فرماتے ہیں: ''دندان کا نعت خواں ہوں نہ پایاب ہوگی آب'' یعنی میں حضور اکرم ﷺ کے دندان کا نعت خواں ہوں اور اس نعت خوانی کے بدلے میں سرکار سے جو انعام ملے گا وہ موتیوں کی نہر نہ ہوگی اور نہ وہ تھوڑے پانی کی مقدار کی مانند ہوگی۔ ''پایاب'' ندی کے اس پانی کو کہتے ہیں جو تھوڑا ہو اور اس میں آدمی پیدل چل کر نکل جائے۔ یہی حضرت رضا فرمارہے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کے دندان پاک کی مدح سرائی کی ہے۔ اور وہ دندان اقدس درِ عدن سے بھی افضل و اعلیٰ ہیں۔ لہٰذا انعام بھی موتی کی شکل میں ملے گا۔ اور وہ موتی روحانی، نورانی اور عرفانی ہوں گے اور ان کی قدر و قیمت کتنی ہوگی؟ دنیا کے بادشاہوں کے دربار میں اگر کسی نے تعریف کردی اور وہ تعریف بادشاہ کو پسند آگئی تو فرط خوشی میں وہ اپنے گلے میں پڑا موتیوں کی مالا (ہار) اتار کر اپنے مداح کو بطور انعام دے دیتا ہے۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ میں جس شہنشاہ کونین کی مدح و ثنا کرتا ہوں وہ بھی مجھے انعام

میں گوہر (موتی) ہی عطا فرمائیں گے، لیکن دنیوی بادشاہوں کی طرح موتیوں کا ہار نہیں، بلکہ موتیوں کی بوچھار کر دیں گے۔ ایمانی، روحانی، نورانی، عرفانی اور جنتی موتیوں کی ندی (دریا) بہا دیں گے اور وہ ندی بھی چھچھلی نہ ہوگی، اس کا پانی پایاب نہ ہوگا بلکہ ان موتیوں کی ندی کا یہ عالم ہوگا کہ اس کے موتی کا پانی بقول حضرت رضا بریلوی ''ندی گلے گلے میرے آب گہر کی ہے'' یعنی میرے گلے تک اس ندی کا آب گوہر اور اس کی چمک موجزن ہوگی۔ اب یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ گلے تک کی گہرائی تقریباً چھ فٹ ہوتی ہے اور صرف چھ فٹ کی گہرائی والی ندی کا شمار بڑی ندیوں میں نہیں ہوتا۔ نیز چھ فٹ کی گہرائی والی ندی کی کوئی خاص اہمیت نہیں۔ پھر کہاں تعریف ہوئی؟

میں عرض کروں گا حضرت رضا بریلوی نے اس ندی کو گلے تک ہی گہری نہیں کہا بلکہ یہ کہا ہے کہ ندی کا پانی میرے گلے تک ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ندی تو گہری ہے، لیکن یہ ندی رحمت کی ندی ہے جو کسی کو ڈبوتی نہیں۔ ڈبو کر کسی کی جان نہیں لیتی، بلکہ یہ رحمت کی ندی عشاق نبی کو تراتی ہے۔ عشق رسول ﷺ میں اپنے کو فنا کرنے والوں کو ہی یہ ندی میسر ہوتی ہے اور جو اس ندی میں غوطہ زن ہوتا ہے وہ ڈوبتا نہیں، بلکہ تیرتا ہے۔ اور جب کوئی آدمی پانی میں تیرتا ہے تو یقیناً اس کا گلا پانی سے مس ہوتا ہے۔ پانی اس کے گلے تک ہوتا ہے، لیکن اس کا سر تو پانی کی سطح سے بلند ہوتا ہے۔ یہاں ایک معنی یہ بھی اخذ ہو سکتا ہے کہ نعت رسول ﷺ میں جو الفاظ وحروف لکھے اور کہے جاتے ہیں، وہ عشق رسول کے شاداب موتی ہیں اور نعت خواں کو بطور انعام ان الفاظ کی تعداد کے لاکھوں گنا روحانی موتی کی ندی میں غوطہ زن ہونے کی سعادت اس طرح حاصل ہوتی ہے کہ اس کے گلے تک ''آب گوہر'' ہوتا ہے، لیکن اس کا سر آب گوہر کی سطح سے بلند ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس عاشق رسول کو درجات کی بلندی عطا فرما کر دو جہان میں سربلندی اور سرخ روئی سے سرفراز فرماتا ہے۔



(۸۵)

دو جہاں میں خادم آل رسول اللہ کر
حضرت آل رسول مقتدا کے واسطے

حل لغت:

دو جہاں: دنیا اور آخرت، دین اور دنیا۔ (فیروز اللغات، ص ۶۶۹ ☆ لغات کشوری، ص ۳۰۲ ☆ کریم اللغات، ص ۷۴)

آل رسول: رسول مقبول ﷺ کی بیٹی کی اولاد، قوم سادات۔ (فیروز اللغات، ص ۲۹ ☆ لغات کشوری، ص ۵۵)

آلِ رسول: مراد حضرت سید آل رسول مارہروی علیہ الرحمہ۔ (شجرۂ برکاتیہ رضویہ)
مقتدا: پیروی کیا گیا، وہ شخص جس کی لوگ پیروی کریں، پیشوا، رہنما، دینی سردار۔
(فیروز اللغات، ص ۱۲۷۲ ☆ لغات کشوری، ص ۲۸۷ ☆ کریم اللغات، ص ۱۶۳)

پہلے مصرع میں وارد لفظ ''آل رسول'' کا مطلب ''رسول کی اولاد'' ہے۔
دوسرے مصرع میں لفظ ''آل رسول'' سے مراد ''حضرت آلِ رسول مارہروی'' ہیں۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان بارگاہ رب العالمین میں استدعا کرتے ہیں کہ اے خدا! ہم کو دونوں جہان یعنی دنیا اور آخرت میں اپنے محبوب اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس آل کا خادم بنا کر رکھ، واسطہ تجھے حضرت خاتم الاکابر مخدوم سید شاہ آل رسول مارہروی رضی اللہ عنہ کا۔

اس شعر میں ''آل رسول'' کا لفظ دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ آل رسول سے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد یعنی سادات کرام مراد ہیں اور دوسری مرتبہ جو لفظ ''آل رسول'' ہے اس سے مراد حضرت خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول مارہروی رضی اللہ عنہ کی ذات ستودہ صفات ہے۔ شعر کا ظاہری ولغوی معنی ومطلب بالکل واضح ہے جو اوپر بیان ہوا۔ یہاں اب شعر کی معنویت کی گہرائی وگیرائی نیز اس کی فنی خوبیوں کو ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت رضا بریلوی رضی اللہ عنہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے آل رسول کی خدمت کرنے کی توفیق مانگ رہے ہیں اور پھر یہ خدمت صرف دنیا تک ہی محدود نہ رہے بلکہ دنیا اور آخرت، دونوں جہاں میں اس شرف کے حصول کی دعا مانگتے ہیں۔ دنیا میں تو آل رسول کی خدمت جان ومال اور قول وعمل کے ذریعہ سمجھ میں آتی ہے کہ ممکن ہے۔ لیکن آخرت میں یہ خدمت کس طرح انجام پذیر ہوگی؟ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا شمار ان عشاقان صادق میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ نبی کی محبت میں تڑپ کر گزارا اور اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر اپنا سب کچھ نثار کرنے کے لئے ہمہ وقت مستعد رہے۔ اپنا سب کچھ نثار کرنے کے باوجود بھی ان کی تشنگی بڑھتی ہی رہی اور حالت یہ ہوئی کہ ابھی اور قربان کروں، ابھی اور کچھ قربان کروں۔ اسی لئے تو حضرت رضا بریلوی نے ایک نعت میں یوں عرض کیا ہے:

کروں تیرے نام پہ جاں فدا نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا کروں کیا کروروں جہاں نہیں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ والہانہ الفت اور سچے جذبے کی صحیح مصداق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مقدس جماعت تھی، جنہوں نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت وخدمت میں صرف کیا اور دنیا وآخرت کی لازوال دولتوں سے مالا مال ہوئے۔

- مسلم اور نسائی نے حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، وہ فرماتے ہیں کہ میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں وضو کے لئے پانی اور دیگر ضروریات مسواک وغیرہ پیش کیا کرتا تھا۔
- امام منذری نے المعجم الکبیر للطبرانی کے حوالے سے اس طرح روایت کیا ہے کہ میں دن کو حضور کی خدمت کیا کرتا تھا۔ جب رات آجاتی تو میں حضور کی چوکھٹ پر رات بسر کرتا۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ اے ربیعہ! مجھ سے مانگو، کیا مانگتے ہو؟ میں نے عرض کیا:

"اَسْئَلُکَ مُرَافَقَتَکَ فِی الْجَنَّةِ، قَالَ اَوَ غَیْرَ ذَالِکَ، قُلْتُ: هُوَ ذَالِکَ"

ترجمہ: جنت میں آپ کی رفاقت کا سوالی ہوں، فرمایا اس کے علاوہ بھی کچھ؟ میں نے عرض کیا آقا وہی کافی ہے۔

(مسلم، نسائی، باب فضل السجود)

- حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فتوح الشام میں اور حضرت حسن بن بشران نے اپنے فوائد میں ابن شہاب زہری وغیرہ ائمہ تابعین سے نیز ابن بشران نے امالی ابو احمد دہقان جزر حدیثی سے، ابن عساکر نے کتاب السنہ میں افضل التابعین سیدنا سعید بن المسیّب بن حزن رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اِنِّیْ کُنْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ وَ کُنْتُ عَبْدُهُ وَ خَادِمُهُ"

یعنی میں حضور اقدس ﷺ کے ساتھ تھا اور میں حضور کا غلام اور حضور کا خدمت گار تھا۔

مذکورہ دو احادیث کے علاوہ کئی اور بھی احادیث اس ضمن میں وارد ہیں کہ صحابہ کرام نے اپنے آپ کو حضور اقدس ﷺ کا غلام اور خادم کہنے میں فخر محسوس کیا اور خدمت رسول ﷺ کا ان کو دنیا اور آخرت دونوں جگہ بہتر صلہ ملا۔ بلکہ جنت میں بھی ان کو حضور کی رفاقت حاصل ہوگی اور حضور کی خدمت کا موقع ملے گا۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان بارگاہ رب العزت میں عرض کرتے ہیں کہ اے مالک کائنات! ہم کو تیرے محبوب اعظم ﷺ کا مقدس زمانہ نصیب نہ ہوا۔ تیرے پیارے بندے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خوش نصیبی تھی کہ ان کو تیرے محبوب کی ظاہری حیات کا زمانہ ملا اور ان کو تیرے حبیب پاک ﷺ کا خادم بننے کا شرف حاصل ہوا اور انہوں نے ذات رسول کی جی بھر کے خدمات انجام دیں۔ اے رب کریم! ہم کو ذات رسول ﷺ کی خدمت کا شرف نہیں ملا۔ یہ ہماری قسمت میں نہیں تھا لیکن مالک و مولیٰ! اس رسول کی نسل پاک میں قیامت تک پیدا ہونے والے اولاد و آل رسول کی خدمت کرنے کا موقع عطا فرما۔ اور ہم کو دنیا و آخرت میں آل رسول کا سچا خادم بنا۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے آل رسول کا خادم بننے کی خواہش و دعا اس لئے کی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے اہل بیت کی بہت ہی عظمت و تعظیم اور فضیلت بیان فرمائی ہے۔

- حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ:

"اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابَ اللّٰهِ وَ اَهْلَ بَیْتِیْ"

یعنی میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ جاتا ہوں۔ اللہ کی کتاب یعنی قرآن، اور اپنے اہل بیت۔

(مسلم، باب فضائل علی)

- ایک دن حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے خانہ کعبہ کا دروازہ پکڑ کر فرمایا کہ جو مجھے پہچانتا ہے وہ پہچانتا ہے ورنہ جان لو میں ابوذر ہوں۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

''اَلَا اِنَّ مَثَلَ اَھْلِ بَیْتِیْ فِیْکُمْ مَثَلُ سَفِیْنَۃِ نُوْحٍ مِنْ قَوْمِہٖ مَنْ رَّکِبَھَا نَجَا وَ مَنْ تَخَلَّفَ عَنْھَا غَرَقَ۔''

یعنی میرے اہل بیت کی مثال کشتی نوح کی طرح ہے۔ جو اس میں سوار ہو گیا نجات پا گیا اور جو پیچھے رہ گیا وہ غرق ہو گیا۔ (المستدرک، جلد ۳، ص ۱۵۰)

- حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے مجھے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے:

''لَا یُبْغِضُنَا اَھْلَ الْبَیْتِ اَحَدٌ اِلَّا اَدْخَلَہُ اللّٰہُ النَّارَ''

یعنی اہل بیت کے ساتھ جو بغض رکھے گا اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں داخل فرمائے گا۔ (المستدرک، جلد ۳، ص ۱۵۰)

مذکورہ احادیث میں سے تیسری حدیث میں یہ فرمایا گیا ہے کہ جو اہل بیت کے ساتھ بغض رکھے گا اس کو اللہ تعالیٰ جہنم میں داخل فرمائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس نے اہل بیت سے بغض رکھا گویا اس نے رسول سے بغض رکھا اور رسول سے بغض رکھنے والے کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اس کے برعکس جس نے رسول پاک کے اہل بیت سے محبت رکھی اس کو اللہ تعالیٰ جنت میں مقام عطا فرمائے گا، کیوں کہ جس نے آل رسول سے محبت رکھی اس نے گویا رسول سے محبت رکھی اور رسول سے محبت رکھنے والے جنت کے حقدار ہوتے ہیں۔ پس جب آل رسول کی محبت رسول کی محبت ہے تو یقیناً آل رسول کی خدمت بھی رسول ہی کی خدمت ہے اور آل رسول کا خادم درحقیقت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم ہے اور جس کو خادم رسول ہونے کا شرف حاصل ہو گیا اس کے لئے دنیا و آخرت میں خیر و بھلائی ہے۔

ایک اہم نکتہ بھی ذہن نشیں کرنے کے قابل ہے کہ خدمت جذبۂ محبت کے تحت کی جاتی ہے۔ نفرت و عداوت کی وجہ سے نہیں، آدمی کسی کو اپنا مخدوم اس کی عقیدت و محبت کی بنا پر بناتا ہے، مخدوم کی عقیدت و محبت خادم کے دل میں لامحالہ ہوتی ہے۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ اسی جذبۂ عقیدت و محبت کے تقاضا کو پورا کرنے کے لئے خادم آل رسول اللہ ہونے کی دعا کر رہے ہیں۔ صرف دنیا میں ہی نہیں بلکہ دو جہاں میں آل رسول اللہ کے خادم ہونے کی دعا کر رہے ہیں۔ حدیث کے ارشاد کے مطابق اہل بیت رسول حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی مانند ہیں۔ جو اس کشتی میں سوار ہو گیا وہ نجات پا گیا۔ اگر ہم کو بھی اہل بیت کی کشتی میں سوار ہونے کی سعادت میسر ہو گئی تو اہل بیت کرام، کریم آقا کی کریم نسل سے ہیں۔ وہ جہاں رہیں گے اپنے خادموں کو بھی ساتھ رکھیں گے اور جو نعمتیں ان کو عطا کی جائیں گی ان میں سے چند بوندیں اپنے خادموں کو بھی حصہ

دیں گے۔ تو بقول رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اہل بیت کے خادم بن کر اگر ہم نے دنیا میں ان کی خدمات کیں تو ہماری خدمات آل رسول کے نانا جان پیارے رسول ﷺ کی خوشی و رضا کا باعث بنیں گی، اور انہیں خدمات کے صلہ میں ہم کو جنت میں آل رسول کی رفاقت اور ان کی خدمت کرنے والے خادم کا شرف حاصل ہوگا۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے خادم آل رسول کا منصب حاصل کرنے کی دعا کی قبولیت کے لئے جس عظیم المرتبت ذات گرامی کا واسطہ بارگاہ خداوندی میں پیش کیا ہے وہ نسباً اور اسماً دونوں طرح سے آل رسول ہیں۔ یعنی خاتم الاکابر سید شاہ حضرت آل رسول مارہروی رضی اللہ عنہ جو امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ عنہ کے پیر و مرشد ہیں۔ آپ کی ولادت ماہ رجب المرجب ۱۲۰۹ھ میں مارہرہ مطہرہ، ضلع ایٹہ، یوپی میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد کا اسم شریف حضرت سید شاہ آل برکات ستھرے میاں قدس سرہٗ ہے۔

آپ کی تعلیم و تربیت والد ماجد کی آغوش میں ہوئی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم حضرت عین الحق شاہ عبدالمجید بدایونی اور حضرت مولانا شاہ سلامت اللہ کشفی بدایونی قدس سرہما سے خانقاہ برکاتیہ میں حاصل فرمائی۔ کتب معقولات، علم کلام، فقہ و اصول فقہ کی تعلیم کی تکمیل و تحصیل حضرت مولانا انوار صاحب فرنگی محلی، حضرت مولانا عبدالواسع سید نپوری اور حضرت مولانا شاہ نور الحق رزاقی لکھنوی عرف ملا نور سے کی۔ جب آپ کی عمر شریف سترہ سال کی ہوئی یعنی ۱۲۲۶ھ میں حضرت مخدوم شیخ العالم عبدالحق رودولوی المتوفی ۸۷۰ھ کے عرس شریف کے موقع پر مشاہیر علماء و مشائخ کی موجودگی میں دستار فضیلت سے سرفراز فرمائے گئے اور اسی سال حضرت اچھے میاں قدس سرہٗ کے ارشاد کے مطابق آپ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے درس حدیث میں شریک ہوئے۔ صحاح ستہ کا دورہ کرنے کے بعد سلاسل حدیث و طریقت کی سندیں مرحمت ہوئیں۔

آپ تیرہویں صدی ہجری کے اکابر اولیاء اللہ میں سے تھے، آپ کی وہ عظیم شخصیت تھی جن کی بدولت اسلام و مذہب اہل سنت کو استحکام حاصل ہوا۔ آپ علوم ظاہری و باطنی میں کمال رکھتے تھے۔ آپ کی عادات و صفات میں شریعت مطہرہ کی پابندی کی کامل جلوہ گری تھی۔ ہمیشہ نماز با جماعت مسجد میں ادا فرماتے اور تہجد کی نماز کبھی فوت نہ ہوتی۔ ہمیشہ لباس درویش و مجلس علماء میں رہتے۔ تکلفات مشائخانہ سے احتراز فرماتے۔ آپ اصول شریعت سے ذرہ برابر بھی تجاوز گوارا نہ فرماتے۔

بدایوں کا ایک شخص جو آپ کا مرید خاص تھا، ایک مرتبہ سوچنے لگا کہ حضور اقدس ﷺ کو معراج شریف چند لمحوں میں کس طرح ہوئی؟ آپ اس وقت وضو فرما رہے تھے۔ فوراً اس مرد سے فرمایا کہ میاں اندر سے میرا تولیہ تو لادو۔ وہ مرید جب حجرہ کے اندر گیا تو ایک کھڑکی نظر آئی۔ اس جانب نگاہ دوڑائی تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک پُر فضا باغ ہے۔ وہ اس میں داخل ہوگیا، یہاں تک کہ اس میں سیر کرتے ہوئے بہت بڑے شہر میں پہنچ گیا۔ وہاں اس نے کاروبار شروع کر دیا۔ شادی بھی کی۔ اولاد بھی ہوئی۔ یہاں تک کہ بیس سال کا عرصہ گزر گیا۔ جب ادھر اچانک حضرت نے آواز دی تو وہ گھبرا کر کھڑکی میں واپس آیا اور تولیہ لئے ہوئے دوڑا، تو کیا دیکھتا ہے کہ حضرت کے چہرے پر وضو کے قطرات موجود ہیں۔ آپ ابھی بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور دست مبارک پانی سے تر ہے۔ وہ مرید یہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ تو حضرت نے تبسم فرمایا، اور ارشاد فرمایا کہ میاں وہاں بیس

برس رہے اور شادی بھی کی، اور یہاں ابھی تک وضو کا پانی بھی خشک نہیں ہوا۔ اب تو معراج کی حقیقت سمجھ گئے ہو گے۔

جناب حاجی رضا خاں صاحب مارہروی نے حج سے فارغ ہو کر مکہ معظمہ میں مولانا اسمٰعیل صاحب مہاجر سے بیعت ہونے کی درخواست کی۔ تو مولانا موصوف نے ان سے فرمایا کہ تم حضرت سید شاہ آل رسول مارہروی قدس سرہٗ ہی سے بیعت کیوں نہیں کر لیتے۔ وہ اس وقت مکہ شریف میں موجود ہیں۔ جب حاجی صاحب موصوف حج سے واپس تشریف لائے اور حضرت سے پوچھا کہ آپ مکہ معظمہ میں کہاں ٹھہرے ہوئے تھے؟ تو حضرت نے فرمایا کہ میاں! مولانا اسمٰعیل کو شبہ ہوا ہو گا میں تو اب تک خانقاہ چھوڑ کر مارہرہ کے باہر گیا ہی نہیں۔

جلیل القدر مشائخ اور اپنے وقت کی نابغہ روزگار ہستیاں آپ کے آستانے پر علم و عرفان کے حصول کے لئے حاضر ہوتیں اور آپ کے فیض سے مستفیض ہوتیں۔

اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، امام اہل سنت، مجدد دین وملت، امام عشق ومحبت، حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان آپ کے دست حق پرست پر بیعت کر کے آپ کے مریدین اور خلفاء میں شامل ہوئے۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کو اپنے پیر و مرشد حضور سید شاہ آل رسول مارہروی رضی اللہ عنہ سے بے پناہ عقیدت ومحبت تھی۔ جس کا اندازہ آپ کے نعتیہ دیوان "حدائق بخشش" میں مرقوم آپ کی شان میں منقبتوں سے ہوتا ہے۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے دل میں آپ کی والہانہ محبت وعقیدت کی قدرے تفصیل شعر 119 کی تشریح میں ملاحظہ فرمائیں۔

آپ نے ۱۸/ذی الحجہ ۱۲۹۶ھ بروز چہارشنبہ مارہرہ شریف میں وصال فرمایا۔ آپ کا مزار شریف مارہرہ مقدسہ میں واقع خانقاہ عالیہ برکاتیہ میں مشرقی دالان میں مرجع خلائق ہے۔ وقت رحلت لوگوں نے آپ سے استدعا کی، حضور! کچھ وصیت فرمائیں۔ بہت اصرار کرنے پر آپ نے فرمایا کہ مجبور کرتے ہو تو لکھ لو یہ ہمارا وصیت نامہ ہے "اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ" بس یہی کافی ہے اور اسی میں دین و دنیا کی فلاح ہے۔



(۸۶)

آتا ہے در والا یوں ذوق طواف آنا
دل جان سے صدقے ہو سر گرد پھرے دل سے

حل لغت:

در: دروازہ، چوکھٹ، پھاٹک، اندر، بیچ۔ (فیروز اللغات، ص ۶۱۸ ☆ لغات کشوری، ص ۲۸۳ ☆ کریم اللغات، ص ۷۰)

والا: بلند، عالی، اونچا، ذی عزت، بزرگ، بلند مرتبہ، ایک قسم کا باریک ریشمی کپڑا۔
(فیروز اللغات، ص ۱۴۰۳ ☆ لغات کشوری، ص ۷۹۹ ☆ کریم اللغات، ص ۱۹)

والا: مرکبات میں اسم کے ساتھ یا مصدر کے ساتھ آتا ہے، جیسے دودھ والا، گھر والا، پڑھنے والا وغیرہ۔
(فیروز اللغات، ص ۱۴۰۳)

ذوق: مزہ، لطف، شوق، خوشی، لذت، نشاط، چکھنا، چاشنی۔
(فیروز اللغات، ص ۶۹۲ ☆ لغات کشوری، ص ۳۱۲ ☆ کریم اللغات، ص ۷۷)

طواف: کسی چیز کے گرد پھرنا، گردش، کسی بزرگ یا مقدس مقام کے گرد چکر کھانا۔
(فیروز اللغات، ص ۸۸۱ ☆ لغات کشوری، ص ۴۷۲ ☆ کریم اللغات، ص ۱۰۶)

دل: ایک اندرونی عضو، قلب، من، کسی شئے کا باطن، حوصلہ، کلیجا، جرأت، دلیری، ہمت، خواہش، رغبت، ہوش، رخ، توجہ، مرضی، خوشی، سخاوت، وسط، فیاضی، درمیان، مرکز۔ (فیروز اللغات، ص ۶۳۳ ☆ کریم اللغات، ص ۷۳)

جان: روح، آتما، زندگی، حیات، طاقت، قوت، ہمت، حوصلہ، تاب وتواں، جوہر، مغز، معشوق، لب لباب، نہایت عزیز چیز، پیارا بیٹا، خوبی، خوبصورتی، زیب وآرائش، بچہ، پیار کا کلمہ۔
(فیروز اللغات، ص ۴۴۳ ☆ لغات کشوری، ص ۱۸۵ ☆ کریم اللغات، ص ۴۶)

صدقے: صدقہ کی جمع، قربان، فدا، طفیل، بدولت، واری، خیرات، وہ چیز جو خدا کے نام پر دی جائے، وہ کھانا وغیرہ جو سر پر سے اتار کر دیا جائے۔ (فیروز اللغات، ص ۸۶۱ ☆ لغات کشوری، ص ۴۴۴ ☆ کریم اللغات، ص ۱۰۲)

گرد: آس پاس، نواح، مدور، گول، چار طرف، گھیرا، پیچھے۔
(فیروز اللغات، ص ۱۰۸۹ ☆ لغات کشوری، ص ۶۱۳ ☆ کریم اللغات، ص ۱۳۳)

دل سے: شوق سے، رغبت سے، توجہ سے۔ (فیروز اللغات، ص ۶۳۷)

دوسرے مصرع میں شروع والے لفظ ''دل'' کا مطلب ''دل، قلب'' ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد والے لفظ ''دل'' کا مطلب ''رغبت'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں فنا ہونے کا جذبہ اور والہانہ شوق و ایثار کا اظہار فرمارہے ہیں اور اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے در اقدس پر مرمٹنے کا پیغام دے رہے ہیں۔ اس شعر میں آپ فرماتے ہیں: ''آتا ہے در والا'' یعنی اے عاشق! ہوشیار ہو جا، سنبھل جا! تیری قسمت کی معراج ہونے کا وقت آرہا ہے۔ وہ مقام آرہا ہے جس کی عظمت و بلندی کا کماحقہٗ بیان ہی نہیں ہوسکتا۔ دونوں عالم کے آقا، شہنشاہ کونین کی مقدس آرام گاہ قریب ہورہی ہے۔ گنبد خضریٰ کی حاضری کا سنہرا موقع میسر آنے والا ہے اور لطف (ذوق) حاصل کرنے کی رغبت ہوتی ہے۔ اس مصرع میں جو لفظ ''آنا'' ہے وہ پہنچنا کے معنی میں نہیں، بلکہ راغب ہونا کے معنی میں ہے۔

آنا: نازل ہونا، حاضر ہونا، نمودار ہونا، واقف ہونا، جاننا، سیکھ لینا، مائل ہونا، راغب ہونا، وغیرہ۔ (فیروز اللغات، ص ۳۲)

لیکن خانۂ کعبہ کے علاوہ کسی اور مقام کا طواف کرنا منع ہے۔ اس کی تفصیلی بحث شعر نمبر 73

بے خودی میں سجدۂ در یا طواف　　　　جو کیا اچھا کیا پھر تجھ کو کیا

کی تشریح میں گزر چکی ہے۔ آپ اس شعر کا دوبارہ مطالعہ کرنے کی زحمت گوارا فرمائیں۔

جب خانہ کعبہ کے علاوہ اور کسی مقام کا طواف جائز نہیں تو ایک عاشق اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے در اقدس کا طواف تو ہرگز نہیں کرتا، لیکن طواف کے لطف کی طرف اس کا دل ضرور راغب ہوتا ہے۔ وہ اپنے آقا کے در کا طواف تو نہیں کرتا، مگر طواف کے لطف سے بہرہ مند ضرور ہوتا ہے۔ ایک تو ہوتا ہے اصل فعل اور ایک ہوتا ہے بغیر فعل کیے ہوئے اس کا لطف حاصل کرنا۔ مثال کے طور پر کوئی شخص اپنے پیر و مرشد کے سچے نائب اور خلیفہ کی ملاقات کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہو اور ان کی محفل میں بیٹھ کر علمی اور عرفانی گفتگو سماعت کرنے کا اسے شرف حاصل ہو اور ساتھ میں اپنے پیر و مرشد کے نائب اور خلیفہ کے نورانی چہرے کا دیدار بھی نصیب ہو، تو وہ یہی کہے گا کہ آج تو مجھے اپنے پیر و مرشد کی محفل میں بیٹھنے کا اور ان کے دیدار کا لطف حاصل ہوگیا۔ حالاں کہ اس نے اپنے پیر و مرشد سے اس محفل میں ملاقات نہیں کی اور نہ ہی ان کی کوئی گفتگو یا ارشاد سماعت کیا۔ اس کے باوجود اس نے اپنے پیر سے ملاقات کا لطف نائب کی ملاقات میں پایا۔ ایک عاشق صادق جب اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے در اقدس کی حاضری کا شرف حاصل کرتا ہے تو جذبۂ عشق کے تقاضا کے تحت اس کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ ''دل جان سے صدقے ہو، سر گرد پھرے دل سے'' یعنی دل یہ چاہتا ہے کہ اس آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر حوصلہ اور ہمت (جان) سے فدا اور قربان (صدقے) ہو جاؤں اور اس عاشق کا سر یہ چاہتا ہے کہ وہ عقیدت کی تمام تر توجہ

اور رغبت (دل) سے شہنشاہ کونین کے روضۂ اقدس کے اردگرد گردش کر کے چاروں طرف کی برکات حاصل کرے اور اپنے آقا و مولیٰ کی مقدس آرام گاہ کا ہر سمت سے نظارہ کرے اور اس کی زینت و آرائش کے جلووں سے لطف اندوز ہو، اور اس غرض سے گرد پھرنا طواف کے حکم میں قطعاً داخل نہیں، بلکہ یہ بھی نثار ہونے کی ایک ادا ہے۔ مثلاً: ایک دولھا نکاح خوانی کے لئے سج دھج اور بن ٹھن کر گھر سے نکلا۔ گھر کے باہر اس کے دوست، احباب اور رشتہ دار جلوس نوشہ (بارات) میں شرکت کے انتظار میں کھڑے تھے۔ جیسے ہی دولھا نے دہلیز کے باہر قدم رکھا کہ کچھ دوست اس کے قریب لپکے۔ اس کے جسمانی سنگار پر آفریں کہنے لگے۔ ماشاء اللہ اور سبحان اللہ کے شکر آمیز کلمات بے ساختہ منہ سے نکل پڑے۔ دولھا کیا تھا؟ چاند کا ٹکڑا لگ رہا تھا۔ دوست و احباب محو حیرت، ٹکٹکی باندھے ایک نظر سے دیکھ رہے تھے۔ اس کے اردگرد گھوم گھوم کر اس کی سجاوٹ کا ہر پہلو سے معائنہ کرنے لگے۔ عین اسی وقت دولھا کا ایک جگری دوست دور شہر سے آ پہنچا۔ اپنے دوست کو ایسے حسین اور دل فریب لباس میں دیکھ کر مچل گیا۔ دوست کے حسن و جمال اور جاذب نظر لباس کو ہر سمت سے ملاحظہ کرنے کے لئے اس کے اردگرد گھومنے لگا اور دوست کی محبت نے وہ جوش مارا کہ اس پر نثار اور فدا ہونے کو اس کا جی چاہنے لگا اور فرط محبت میں اس نے اپنے دوست کی بلائیں لیں۔ تو جب دنیوی ادنیٰ دولھا کا دوست اور عاشق اپنے دوست کی فانی محبت میں اتنا مچل سکتا ہے تو کونین کے دولھا، شہنشاہ کائنات کی لافانی محبت میں ان کے عاشق اور دیوانے کے مچلنے کا کیا عالم ہوگا؟ نظروں کے سامنے کونین کے دولھا کی مقدس آرام گاہ ہو، بھلا ایسے وقت میں کسی عاشق کا دل سنبھالے سنبھل سکتا ہے؟ اس کی دلی آرزو یہی ہوتی ہے کہ اے پروردگار! مجھے اپنے حبیب ﷺ کے قدموں میں موت عطا فرما۔ بقول حضرت رضا:

نصیب دوستاں گر ان کے در پر موت آنی ہے　　　خدا یوں ہی کرے پھر تو ہمیشہ زندگانی ہے

●

یہ سر ہو اور وہ خاک در، وہ خاک در ہو اور یہ سر　　　رضاؔ وہ بھی اگر چاہیں، تو اب دل میں یہ ٹھانی ہے

ارے ان کے در اقدس پر ان کے قدموں پر مرمٹنے کی کس کو آرزو نہیں؟ ارے عاشقوں نے تو صرف ان کے نام پر اپنی گردنیں کٹا دی ہیں۔ بقول حضرت رضا:

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں　　　سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردان عرب

اور اسی جذبے کے تحت ایک عاشق صادق اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کے در والا پہ یہی تمنا و آرزو کرتا ہے کہ "دل جان سے صدقے ہو سر گرد پھرے دل سے"

ہوسکتا ہے کہ کوئی سرپھرا حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے جملے "سر گرد پھرے دل سے" پر اعتراض کرنے کی کوشش کرے کہ (معاذ اللہ) یہ طواف کرنے کی ترغیب و حوصلہ افزائی ہے۔ لیکن جملے کے الفاظ اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ اس میں اشارۃً یا کنایۃً بھی طواف کی ترغیب نہیں دی گئی۔ طواف کے تعلق سے جو احکام ہیں وہ شعر نمبر 73 کی تشریح میں آچکے ہیں۔ لہٰذا اعادہ نہ کرتے ہوئے صرف ایک امر کی طرف توجہ کا خواستگار ہوں کہ طواف اس عبادت کو کہتے ہیں کہ

زندہ آدمی اپنے پورے جسم کے ساتھ خانۂ کعبہ کے گرد خود چکر لگائے۔ اگر کوئی آدمی دوسرے کا کٹا ہوا ہاتھ اٹھا کر طواف کرے اور ہاتھ کٹا ہوا آدمی کسی دوسرے مقام پر ہو تو اس کٹے ہوئے ہاتھ والے کا طواف ادا نہ ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ طواف ادا کرنے والے کا زندہ ہونا بھی ضروری ہے۔ اگر کسی کا جنازہ خانۂ کعبہ کے گرد سات مرتبہ گھما دیا جائے تو صاحب جنازہ (میت) طواف ادا کرنے والا نہ کہا جائے گا۔ البتہ خانۂ کعبہ کی برکتوں سے وہ میت ضرور بہرہ مند ہوگی، لیکن میت کا شمار طواف کرنے والوں میں نہ ہوگا، کیوں کہ وہ مردہ ہے۔ اب حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے شعر کے اعتراض والے جملہ پر توجہ دیں "دل جان سے صدقے ہو" یعنی دل ہمت اور حوصلے سے ان پر فدا ہو۔ جب آدمی کا دل قربان ہو گیا اور وہ اپنے آقا کے نام پر مر مٹ گیا ہے اور اس کے مر جانے کے بعد اس کا سر روضۂ اقدس کے گرد پھرتا ہے تو اس پر طواف کا اطلاق کس طرح ہوگا؟ دوسری بات یہ ہے کہ ارد گرد صرف سر گھوم رہا ہے۔ پورا جسم نہیں اور جسم کے کسی ایک عضو کے گھومنے سے بھی طواف کا حکم نافذ نہ ہوگا۔ حضرت رضا بریلوی کا یہ کمال ہے کہ آپ نے پہلے فدا ہونے کا ذکر فرمایا اس کے بعد سر کے گرد پھرنے کا تذکرہ فرمایا ہے۔ دونوں صورتوں میں طواف کرنے کا اطلاق و اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت رضا نے فرط عشق میں شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے "سر گرد پھرے" کا جو جملہ ارشاد فرمایا ہے اس جملے کے لفظ "سر" پر کچھ "سرکش" برگشتہ ہو کر اپنے سر پر آرے چلنا محسوس کرتے ہیں اور انھیں شدید تکلیف ہوتی ہے۔ حالاں کہ ان کے اعتراض کی حیثیت سر پر جوتی ہاتھ میں روٹی کی طرح ہے۔ سر پر آنکھیں نہ ہونے کی وجہ سے اعتراض کے پتھر پر بیجا سر پٹکتے رہتے ہیں اور سر پر کالی ہانڈی رکھتے ہیں اور اپنے ہی ہاتھوں اپنا سر پیٹ کر سر گنجا کرتے ہیں کیوں کہ ان کے اعتراض کا نہ سر ہوتا ہے نہ پاؤں۔ ان خشک ذہنوں کو کیا معلوم کہ عشق کیا ہوتا ہے؟ یہ تو خوش نصیب سروں کو ہی میسر ہے جو اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کے عشق میں دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہیں۔ خصوصاً حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مقدس جاں نثار جماعت۔

جنگ بدر میں جب لشکر اسلام میدان کارزار میں آیا تو حضور اقدس ﷺ اپنے صحابہ کی صفیں سیدھی فرما رہے تھے اور آپ کے دست مبارک میں ایک چھڑی تھی۔ حضرت سواد بن عزیہ رضی اللہ عنہ جو خوش طبع اور خوش فہم صحابی تھے، وہ صفوں سے آگے نکل کر کھڑے ہو گئے تھے۔ حضور اقدس ﷺ نے چھڑی سے ان کے سینہ پر مار کر فرمایا "اِسْتَوِ یَا سَوَادُ" یعنی اے سواد! صف کو برابر کرو۔ حضرت سواد نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نے مجھے تکلیف دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اور عدل و انصاف کا پیمانہ آپ کے دست اقدس میں ہے۔ میرا قصاص (بدلہ) دیجئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا لباس مبارک اپنے سینۂ اقدس سے دور فرما کر ارشاد فرمایا کہ اے سواد! اسی وقت اپنا قصاص لے لو۔ حضرت سواد نے فی الفور اپنا چہرہ حضور اقدس ﷺ کے سینۂ اقدس پر رکھ کر اس کا بوسہ لے لیا۔ حضور نے فرمایا "ایسا کیوں کرتے ہو؟" حضرت سواد نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! یہ میرا آخری وقت ہے نہ جانے پھر آپ کی زیارت ہو پائے گی یا نہیں؟ میں نے چاہا کہ زندگی کی آخری ساعتوں میں میرا جسم آپ کے جسم مبارک سے مس ہو جائے۔ حضور ﷺ نے یہ سن کر ان کے لئے دعائے خیر فرمائی۔ (مدارج النبوت، اردو، از شیخ عبدالحق محدث دہلوی، جلد ۲، صفحہ ۱۲۹)

مذکورہ واقعہ عشق رسول ﷺ کی لازوال دولت کی نشان دہی کر رہا ہے۔ جس دولت سے صحابۂ کرام خصوصاً سرفراز تھے اوران حضرات کو راہ عشق کا ہادی اوران حضرات کے نقش قدم کو مشعل راہ بنا کر ہر دور کے عشاق رسول راہ عشق پر گامزن رہے اوران کی شمع عشق کی روشنی سے عالم کو ایمان کا اجالا بخشا۔ حضرت سواد رضی اللہ عنہ کے حصے میں صرف عشق ہی عشق ہے۔ قصداً صف سے باہر نکلنا اور یہ گمان کرنا کہ میرا اس طرح صف سے باہر نکلنا حضور کے انتظام صف بندی کے خلاف اور باعث ناراضگی خاطر اقدس ہوگا۔ لیکن ان کو تو اپنا مقصد حاصل کرنا تھا۔ لہٰذا صف کے باہر کھڑے رہنے کے ارتکاب میں دست اقدس سے چھڑی کی ضرب کھائی اور بعدہٗ قصاص کے بہانے نورانی جسم اقدس کو بوسہ دینے کا شرف حاصل کیا۔ یہ سب عشق کے تقاضے کے تحت ہی تھا۔ حضرت سواد رضی اللہ عنہ ہی نہیں، بلکہ ہر صحابی رسول ﷺ کے ایمان و عشق کا یہی حال تھا کہ زندگی کے ہر لمحے اور ہر مرحلے میں وہ اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی یاد میں محو رہتے اور آقا و مولیٰ ﷺ ان کی نظروں میں ہر وقت محبوب بنے رہتے۔

جنگ حنین جس کو جنگ ہوازن بھی کہتے ہیں ۸ھ میں واقع ہوئی تھی۔ اس جنگ میں ایک شخص جو قوم بنی جشم کا تھا، اس نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کے چچا حضرت ابو عامر اشعری کے زانو پر تیر مارا اور وہ تیر ان کے زانو میں پیوست ہوگیا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اس تیر مارنے والے جشمی شخص کے پیچھے پڑ گئے اور اس پر قابو پا کر اسے قتل کر دیا، بعدہٗ وہ اپنے چچا ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اوران کے زانو سے تیر نکالا۔ جب تیر نکلا تو اس زخم سے بہت زیادہ خون نکلنے لگا اور حضرت ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ اپنی زندگی سے ناامید ہو گئے تو فرمایا کہ اے بھتیجے! میرا اسلام نبی کریم ﷺ سے عرض کرنا اور التماس کرنا کہ میرے لئے حق تعالیٰ سے بخشش کی دعا فرمائیں۔ (مدارج النبوت، اردو، جلد ۲، صفحہ ۵۲۴)

جنگ احد میں سلافہ بنت سعد نام کی عورت کافروں کے لشکر کی علمبردار تھی۔ حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے سلافہ کے شوہر طلحہ بن ابی طلحہ اوراس کے دو بیٹوں کو قتل کیا تھا۔ لہٰذا جنگ احد کے بعد سلافہ بنت سعد نے اعلان کرایا کہ جو شخص حضرت عاصم بن ثابت کا سر لائے گا اسے سو (۱۰۰) منتخب اونٹ انعام میں دیئے جائیں گے، کیوں کہ اس عورت نے منت مانی تھی کہ وہ اپنے شوہر اور بیٹوں کے قاتل کی کھوپڑی میں بطور پیالہ شراب پیئے گی۔ سفیان بن خالد ستی نام کے ایک شخص نے سو (۱۰۰) اونٹ کا انعام حاصل کرنے کی لالچ میں ایک منصوبہ بنایا اوراس نے اپنی قوم میں سے سات شریر اشخاص کو چنا اوران کو یہ مکر وفریب سکھایا کہ تم مدینہ حضور اقدس ﷺ کے پاس جا کر اسلام کا اظہار کرو اور یہ گزارش کرنا کہ وہ اپنے صحابہ کی جماعت کو ہمارے ہمراہ بھیجیں، تاکہ وہ ہماری قوم کو اسلامی تعلیم دیں، ممکن ہے سلافہ بنت سعد کے لڑکوں اور شوہر کے قاتل کو تمہارے ہمراہ روانہ کردیں اوراس طرح ہمارا مدعا حاصل ہو جائے گا۔ چنانچہ قوم عضل اور قوم قارہ کے یہ ساتوں آدمی مدینہ آئے اور کہنے لگے کہ یارسول اللہ! ہم مسلمان ہو گئے ہیں اور ہماری ایک جماعت بھی اسلام میں آگئی ہے۔ لہٰذا اپنے صحابہ کی ایک جماعت ارسال فرمایئے تاکہ وہ ہمیں قرآن پڑھائیں اور احکام شریعت سکھائیں۔ قوم عضل و قارہ کا یہ وفد مدینہ میں حضرت ثابت بن ابی الافلح کے یہاں ٹھہرا تھا، جو حضرت عاصم بن ثابت کے والد تھے۔ دوران قیام ان لوگوں نے حضرت عاصم کے ساتھ بہت ہی محبت ومروت کا مظاہرہ کیا اور حضرت عاصم کی خوشامد کرتے رہے۔ پھر حضور اقدس ﷺ

نے دس آدمیوں کا وفد ان سات آدمیوں کے ساتھ روانہ فرمایا جن میں حضرت عاصم بن ثابت بحیثیت امیر تھے اور ان کے علاوہ حضرت خبیب بن عدی، عبداللہ بن طارق، خالد بن ابی بکر، زید بن الدثنہ وغیرہ تھے۔ (رضی اللہ عنہم)

جب یہ قافلہ ''بدہ'' نام کے ایک گاؤں میں پہنچا جو عسفان اور مکہ کے درمیان ہے تو ان سات منافقوں میں سے ایک جدا ہو کر سفیان بن خالد کے پاس چلا گیا اور اس نے حضرت عاصم اور ان کے ساتھیوں کے آنے کی خبر دے دی۔ سفیان بن خالد دو سو سواروں کو لے کر روانہ ہوا۔ ان دو سو میں سے ایک سو آدمی تیر اندازی میں مہارت رکھتے تھے۔ حضرت عاصم نے ان سات منافقوں میں سے ایک شخص کے جدا ہونے سے یہ اندازہ کر لیا کہ ان کے ساتھ فریب اور دھوکہ کیا گیا ہے۔ لہٰذا وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر ''بدہ'' سے روانہ ہو کر رجیع نام کے قریبی گاؤں میں چلے گئے، لیکن سفیان بن خالد وہاں بھی آ پہنچا۔ یہ دس مقدس حضرات صحابہ ایک چھوٹے ٹیلے پر چڑھ گئے۔ حضرت عاصم بن ثابت نے اپنے ساتھیوں کو کافروں سے جنگ کرنے اور جام شہادت نوش کرنے کی ترغیب دی۔ جب کافروں نے دیکھا کہ یہ صرف دس آدمی ہم دو سو کی تعداد کے ساتھ آمادۂ جنگ ہیں تو کافروں نے کہا کہ اے عاصم! اپنے کو ہلاکت میں مت ڈالو۔ ہم تمہیں امان دیتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عاصم نے فرمایا کہ میں کسی مشرک کی امان قبول نہیں کرتا اور کسی کافر کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دیتا۔ اے لوگو! مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ طلحہ کی بیوی نذر مانی ہے کہ وہ میرے سر کے پیالے میں شراب پیئے۔ اس لئے ہم نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ عہد کیا ہے اور اسی قادر مطلق سے التجا کی ہے کہ ''میرے کسی عضو کو کوئی کافر نہ چھوئے'' اس کے بعد حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بارگاہ الٰہی میں دعا کرتے ہوئے کہا کہ ''اے خدا! ہمارے احوال کی خبر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا دے۔'' یہ دعا کرنے کے بعد حضرت عاصم اور ان کے ساتھیوں نے تیر اندازی شروع کر دی۔ جب تیر ختم ہو گئے تو نیزے سے مقابلہ کیا۔ یہاں تک کہ حضرت عاصم کا نیزہ ٹوٹ گیا۔ اس کے بعد تلوار نکال کر مقابلہ شروع کر دیا۔ آپ کافروں سے مقابلہ کرتے وقت بھی یہی دعا کرتے تھے کہ ''اے خدا! میرے جسم کو مشرکوں سے محفوظ رکھ'' حضرت عاصم کی بہادری اور شجاعت سے کافروں میں لرزہ برپا ہو گیا، لہٰذا انھوں نے حضرت عاصم پر تیروں کی بارش شروع کر دی اور حضرت عاصم کو شہید کر دیا۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ و جزاہ اللہ خیر الجزاء عن سائر المسلمین)

حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کی دعا اللہ تبارک وتعالیٰ نے قبول فرمائی اور ان کے احوال کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائی اور حضور نے مدینہ منورہ میں لوگوں کو سب کچھ بتا دیا جو انہیں مصیبت پہنچی تھی۔ حضرت عاصم کے شہید ہونے کے بعد جب ان ظالموں نے ارادہ کیا کہ حضرت عاصم کے سر مبارک کو جدا کر کے طلحہ کی بیوی سلافہ کے پاس لے جائیں اور شرط کے بموجب سو اونٹ انعام میں حاصل کریں، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے زنبور یعنی شہد کی مکھیوں کا ایک لشکر حضرت عاصم کے جسم شریف کی حفاظت کے لئے بھیج دیا۔ شہد کی مکھیوں کے لشکر نے حضرت عاصم کے جسم کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ جو کافر بھی آگے بڑھتا تو ایک دم ہجوم کر کے اس پر حملہ کرتیں اور اپنے ڈنک سے اسے کاٹتیں اور اس کافر کو حضرت عاصم کے جسم سے دور بھگا دیتی تھیں۔ یہاں تک کہ کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ وہ ان کے قریب آئے۔ جب رات ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے پانی کا ایک

سیلاب بھیجا جو حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کے جسم شریف کو بہا کر لے گیا اور ان کے جسم کو دشمنوں سے اوجھل کر دیا۔

(مدارج النبوۃ، جلد۲، ص۲۴۰، ۲۴۳)

مروی ہے کہ جب سفیان بن خالد اور اس کی قوم ملاعنہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کے بعد طلحہ بن ابو طلحہ کی بیوی سلافہ بنت سعد کے پاس گئی اور حضرت عاصم کو شہید کر دینے کی پوری تفصیل بتائی اور سو اونٹ انعام کے طلب کئے تو سلافہ نے کہا کہ میں نے تو یہ شرط لگائی تھی کہ جو کوئی میرے لڑکوں کے قاتل کو بنفسہٖ یا اس کا سر لائے گا تو میں اسے سو اونٹ دوں گی، لیکن تم تو اپنے ساتھ کچھ بھی نہیں لائے۔ میں اونٹ کس لئے تمہیں دوں؟ چنانچہ وہ وہاں سے نامراد اور خائب و خاسر لوٹے۔ (مدارج النبوۃ، جلد۲، ص۲۴۳)

حضرت عاصم بن ثابت کے علاوہ دوسرے چھ صحابہ بھی ان کفار کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ باقی تین حضرات بچے۔ حضرت خبیب بن عدی، حضرت عبداللہ بن طارق اور حضرت زید بن الدثنہ رضی اللہ عنہم۔ ان تینوں کو مشرکوں نے قید کر لیا۔ حضرت عبداللہ بن طارق نے کسی طرح سے اپنے ہاتھوں کی بندش کھول ڈالی اور شمشیر تان کر دشمنوں پر حملہ کر دیا۔ حضرت عبداللہ شیر کی مانند ان پر حملہ آور ہوئے۔ انفرادی طور پر ان کے حملے کی کسی میں تاب نہ تھی۔ لہٰذا مشرکوں نے سنگ باری کر کے ان کو شہید کر دیا۔ (مدارج النبوۃ، جلد۲، ص۲۴۳)

باقی بچے حضرت خبیب بن عدی اور حضرت زید بن الدثنہ تو ان دونوں کو غلام بنا کر مکہ کے بازار میں فروخت کرنے کے لئے بھیج دیا۔ ان دونوں کو حارث بن عامر بن نوفل اور امیہ بن خلف کے ورثاء نے خریدا۔ کیوں کہ جنگ بدر میں حارث بن عامر بن نوفل اور امیہ بن خلف کو حضرت خبیب نے قتل کیا تھا۔

(المغازی الصادقہ، ترجمہ مغازی الرسول، از علامہ امام محمد بن عمرو واقدی، ص۱۱۰)

ان لوگوں نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو پہلے شہید کرنے کا ارادہ کیا اور ان کو سولی پر لا کر باندھ دیا۔ اس وقت کفار نے ان سے کہا کہ اگر تم دین اسلام سے منحرف ہو جاؤ تو تمہیں اسی وقت نجات دے دی جائے۔ حضرت خبیب نے فرمایا: قسم ہے رب العزت کی! اگر تمام روئے زمین مجھے دے دو تو بھی میں دین حق سے منہ نہ موڑوں گا۔ ایک جان کیا اگر سو جان بھی ہوں تو وہ سب دین حق پر قربان ہیں۔ اس کے بعد کفار کہنے لگے کہ اس وقت تمہاری خواہش تو یہ ہوگی کہ تمہاری جگہ اس دار (سولی) پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے اور تم اپنے گھر میں سلامتی کے ساتھ ہوتے۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''خدا کی قسم! میں تو یہ بھی گوارا نہیں کرتا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے مبارک میں کانٹا چبھے اور میں گھر میں بیٹھا رہوں۔'' حضرت خبیب کے دین اسلام پر استقلال و اعتماد اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ والہانہ محبت کے جذبے کو دیکھ کر ان کو شہید کر دینے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ مشرکوں نے بدر کے ان پسماندگان کو بلایا جن کے بھائی، باپ وغیرہ جنگ بدر میں مارے گئے تھے۔ چالیس آدمی برچھیاں لئے آگے آئے اور حضرت خبیب کے جسم میں چبھونے لگے۔ اس وقت حضرت خبیب نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی کہ ''اے خدا! میں اس جگہ دشمنوں کے سوا کسی کو نہیں دیکھتا ہوں اور دوستوں میں سے کوئی یہاں موجود نہیں جو میرا پیغام تیرے حبیب

صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچائے۔اے خدا! تو ہی میرا اسلام بارگاہ رسالت میں پہنچا۔'' کفار مسلسل حضرت خبیب کے جسم پر برچھیوں سے وار کرتے رہے۔ان اشقیاء میں سے ایک نے ان کے سینے پر ایسا نیزہ مارا جوان کی پشت سے پار ہو گیا۔اس وقت ان کی زبان پر کلمۂ توحید جاری ہو گیا اور کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے اس جہاں سے دار آخرت کو کوچ کر گئے۔حضرت خبیب کو شہید کرنے کے بعد مشرکوں نے حضرت زید بن الدثنہ کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کیا اور اسی طرح حضرت زید کو بھی شہید کر دیا۔

(مدارج النبوۃ، اردو، جلد۲، ص ۲۴۵)

مشرکوں نے حضرت خبیب اور حضرت زید کو شہید کرنے کے بعد حضرت زید کی لاش کو دار سے اتار لیا، لیکن حضرت خبیب کی لاش کو دار پر لٹکتی چھوڑ دیا، کیوں کہ کفار مکہ کو حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے ساتھ زیادہ سخت دشمنی تھی اس لئے کہ انھوں نے جنگ بدر میں ان کے دو سرداروں حارث بن عامر نوفل اور امیہ بن خلف کو قتل کیا تھا۔علاوہ ازیں حضرت خبیب کو دار پر کئی دن تک لٹکائے رکھنے سے مشرکوں کا یہ مقصد تھا کہ حضرت خبیب کی شہادت کی خبر سارے عرب میں پھیل جائے تاکہ کفار مکہ کے رعب کا سکہ بیٹھ جائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت خبیب کی دعا بھی قبول فرمائی اور ان کا سلام بارگاہ رسالت میں پہنچا دیا۔حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ایک جماعت کے ساتھ موجود تھا کہ یکا یک حضور پر وحی کی علامت ظاہر ہوئی۔اس کے بعد حضور نے فرمایا: ''وَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ'' اور فرمایا خبیب کو قریش نے شہید کر دیا ہے، اور یہ جبرئیل امین ہیں جو ان کا سلام مجھے پہنچا رہے ہیں۔اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے ارشاد فرمایا کہ کون ہے جو جائے اور خبیب رضی اللہ عنہ کو دار سے اتار کر لائے اور اس کے بدلے میں بہشت بریں پائے۔حضرت زبیر بن العوام اور حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہما اس خدمت کو اپنے اوپر لازم کر کے روانہ ہوئے، دن چھپ کر گزارتے اور رات کو سفر طے کرتے۔اس طرح قطع منازل کر کے رات کے وقت ''تنعیم'' نامی مقام میں پہنچے جہاں حضرت خبیب کو دار پر لٹکایا گیا تھا۔ چالیس آدمی دار کے گرد پہرہ دینے والے غفلت کی نیند میں پڑے تھے کہ دونوں حضرات نے آہستہ آہستہ چل کر کسی قسم کی آہٹ یا آواز کئے بغیر حضرت خبیب کو دار سے اتارا، حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی شہادت کو چالیس دن گزر چکے تھے، لیکن شہادت کے چالیس دن کے بعد بھی ان کا جسم تروتازہ تھا اور ان کے زخموں سے خون ٹپک رہا تھا۔وہ خون مشک کی مانند مہک رہا تھا۔ حضرت خبیب کے جسم کو حضرت زبیر بن العوام کے گھوڑے پر لاد کر یہ دونوں رفیق روانہ ہو گئے۔جب صبح ہوئی تو قریش کے لوگوں کو پتہ چلا کہ حضرت خبیب کے جسم کو کوئی لے بھاگا۔لہٰذا اشتر سوار ان کے تعاقب میں دوڑا دیے۔جب وہ گروہ حضرت زبیر اور حضرت مقداد کے قریب پہنچا تو حضرت زبیر نے حضرت خبیب کے جسم کو گھوڑے کی پشت سے اتار کر زمین پر رکھ دیا۔زمین نے اسی وقت ان کو اپنے اندر سمو لیا۔اس وجہ سے حضرت خبیب کو ''بَلِیْعُ الْاَرْضِ'' یعنی زمین کے نگلے ہوئے کہا جاتا ہے۔بعدۂ حضرت زبیر اور حضرت مقداد خیریت سے مدینہ منورہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچ گئے۔اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام اس مجلس مبارک میں موجود تھے۔حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ

یارسول اللہ! آپ کے ان دونوں صحابہ کی وجہ سے فرشتے مباہات (فخر) کرتے ہیں۔ (مدارج النبوت، اردو، جلد۲، ص۲۴۶)

عشق رسول سے لبریز ایسے کئی واقعات کتب احادیث، سیر وتواریخ میں موجود ہیں اور ان تمام واقعات کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت رضا بریلوی نے فرمایا کہ "دل جان سے صدقے ہو" جس طرح حضرت عاصم، حضرت خبیب اور حضرت زید قربان ہوئے، اور "سر گرد پھرے دل سے" ایک مراد یہ بھی لی جاسکتی ہے کہ عاشق رسول کا "سر" یعنی اس کا ذہن ہر وقت اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے تصور اور خیال میں محو ہوکر اپنے آقا کی ذات کے اردگرد گھومتا ہے۔ ہر لحہ اس کو اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی خیال وتصور رہتا ہے۔ جیسے کہ مذکورہ واقعات میں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی یاد کیا اور آپ کی بارگاہ میں سلام کا تحفۂ عقیدت بھیجا، اور یہی سچے عشق کی علامت ہے۔ بقول حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ:

دل ہے وہ دل جو تیری یاد سے معمور رہا　　　سر ہے وہ سر جو تیرے قدموں پہ قربان گیا

●

وہی آنکھ ان کا جو منھ تکے وہی لب کہ محو ہوں نعت کے　　　وہی سر جو ان کے لئے جھکے وہی دل جو ان پہ نثار ہے

●

خاک ہوکر عشق میں، آرام سے سونا ملا　　　جان کی اکسیر ہے الفت رسول اللہ کی

●

دہن میں زباں تمہارے لئے، بدن میں ہے جاں تمہارے لئے
ہم آئے یہاں تمہارے لئے، اٹھیں بھی وہاں تمہارے لئے



(۸۷)

نفس پُر زور کا وہ زور اور دل
زیر ہے زار ہے کیا ہونا ہے

حل لغت:

نفس: جان، روح، حقیقت، شئے کی ہستی، عین ہر چیز کا، خون اور تن۔ (لغات کشوری، ص۷۸۲ ☆ کریم اللغات، ص۱۸۲)

پُر: بھرا ہوا، بہت، لبریز، مکمل، بھرپور، بافراط۔ (فیروز اللغات، ص۲۸۴ ☆ لغات کشوری، ص۱۱۸ ☆ کریم اللغات، ص۲۹)

زور: طاقت، قوت، توانائی، بل، شکتی، اختیار، بس، قابو، زبردستی، ظلم، شتابی، جھوٹ، فریب، کوشش، جدوجہد، محنت، مشقت، سہارا، مدد، وزن، بوجھ، انوکھا آدمی، قیامت کا، غضب کا، انوکھا، نرالا، سہارا جو شطرنج کے ایک مہرے کو دوسرے سے ہوتا ہے۔ (فیروز اللغات، ص۷۵۴ ☆ لغات کشوری، ص۳۵۵ ☆ کریم اللغات، ص۸۵)

زیر: نیچے، تلے، تحت، کمزور، کم طاقت، کمتر، گھٹیا، مدھم آواز، سارنگی کا چھوٹا، بڑا گھڑا، تار، نیچا سر، اعراب میں کسرہ یعنی حرف کے نیچے آنے والا نشان۔ (فیروز اللغات، ص۷۵۷ ☆ لغات کشوری، ص۳۵۷ ☆ کریم اللغات، ص۸۶)

زار: جگہ، مکان، مقام جیسے لالہ زار، افراط، بہتات، کثرت، ڈھیر، نالہ وفریاد، لاغر، ضعیف، ذلیل، خوار، رسوا، جگہ اگنی کی، نہایت ضعیف وخوار۔ (فیروز اللغات، ص۷۴۷ ☆ لغات کشوری، ص۳۴۱ ☆ کریم اللغات، ص۸۳)

پہلے مصرع میں شروع میں وارد لفظ ''زور'' کا مطلب ''طاقت'' ہے۔

پہلے مصرع میں بعد میں وارد لفظ ''زور'' کا مطلب ''ظلم'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

یہ اس نعت کا شعر ہے جس میں امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان ملت اسلامیہ کو غفلت کی نیند سے بیدار کرنے کے لیے بداعمالی، لہو ولعب، ارتکاب معاصی، نفس پروری، جرم وجفا، افعال قبیحہ، ترک عبادت، فرائض وواجبات کی ادائیگی سے غفلت وغیرہ کو ترک کرنے کی ہدایت فرمانے کے ساتھ تذکرۂ آخرت، میدان محشر کی گرمی، نامۂ اعمال میں نیکیوں کی کمی کے باعث پیش آنے والی ندامت، میدان محشر میں بداعمالی کی وجہ سے لاحق ہونے والی ذلت، آخرت کی سختیاں، بے مائیگی، بے چارگی، بے کسی، بے بسی اور بے یار ومددگار ہونے کا مرحلہ یاد دلا رہے ہیں اور ساتھ میں خدا کی رحمت اور خدا کے محبوب اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی امت پہ شفقت وعنایت پر بھروسہ اور امید کرتے ہوئے ان کی بارگاہ کی طرف لو لگانے کی تلقین فرما رہے ہیں اور نعت کے آخر میں وقت نزع کا عالم، اعزہ واقربا کی جدائی کا غم وغیرہ کا ذکر کرتے ہیں۔ اس بے چارگی اور مایوسی کی حالت میں بھی دنیا سے ہنستے ہوئے رخصت ہونے کی آرزو کا اظہار کر رہے ہیں اور یہ آرزو رب کائنات کی شان رحیمی، کریمی، ستاری اور غفاری پر اعتماد کامل کی وجہ سے کر رہے ہیں۔

یہ شعر اس نعت کا ہے جس میں پینتیس (۳۵) اشعار ہیں۔ جس کا مطلع اور چند اشعار:

راہ پر خار ہے کیا ہونا ہے — پاؤں افگار ہے کیا ہونا ہے
چھپ کے لوگوں سے کیے جس کے گناہ — وہ خبردار ہے کیا ہونا ہے
کام زنداں کے کیے اور ہمیں — شوق گلزار ہے کیا ہونا ہے
ان کو رحم آئے تو آئے ورنہ — وہ کڑی مار ہے کیا ہونا ہے

واں نہیں بات بنانے کی مجال چارۂ اقرار ہے کیا ہونا ہے
کیوں رضا کڑھتے ہو ہنستے اٹھو جب وہ غفار ہے کیا ہونا ہے

پوری نعت کا ہر شعر سوز و گداز سے لبریز ہے اور غافل انسان کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لئے تریاق ہے۔ یہ شعر اس نعت کا گیارہواں شعر ہے۔ اس شعر میں حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ ہمارا نفس بہت طاقت اور قوت والا ہے۔ اس طاقتور نفس کا وہ ظلم (زور) ہے کہ ہمیں ہمہ وقت بہکاتا رہتا ہے۔ ہمیں قدم قدم پر ورغلاتا ہے۔ ہمیں ہر بات پر اپنے دام فریب میں پھنساتا ہے۔ اپنی سرکشی کے جوہر دکھاتا ہے۔ اپنی فریب کاریاں ظاہر کرتا ہے۔ یاد خدا سے غافل کرتا ہے۔ شریعت کی پابندی کرنے میں رخنہ اندازی کرتا ہے۔ گناہوں پر ہمیں اکساتا ہے۔ ہمارے وجود پر غلبہ حاصل کر چکا ہے۔ روحانیت کی راہیں مسدود کر دی ہیں اور ہمیں نفسانیت میں اتنا الجھا دیا ہے کہ اس کی فریب کاری اور دھوکہ بازی کا مقابلہ کرنے کی ہم میں قوت نہیں رہی۔ ہمارا دل جانتا ہے کہ نفس کی اطاعت قابل ملامت ہے، لیکن ہمارا دل بھی ذکر الٰہی کی غفلت کی وجہ سے اتنا کمزور اور ضعیف ہو گیا ہے کہ اس کا بس نہیں چلتا۔ دل کی کمزوری نفس کے زور کے سامنے بے اختیار ہے۔ ایسے عالم کشمکش میں ہمارا کیا ہوگا؟

اس شعر میں لفظ ''زور'' کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ ''زور'' ہے اس کے معنی طاقت، قوت، توانائی وغیرہ ہیں۔ دوسری مرتبہ جو لفظ ''زور'' ہے اس کے معنی ظلم، زبردستی، فریب وغیرہ ہیں۔ دونوں لفظ ''زور'' حروف و اعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے نفس کو پرزور یعنی بہت طاقتور فرمایا ہے، کیوں کہ انسان کا نفس ہی انسان کو بہکاتا ہے۔ تمام گناہوں کی جڑ اور اصل انسان کا نفس ہی ہے اس لئے نفس کو قابو میں رکھنے اور اس کے بہکاوے میں نہ آنے کی ہدایت و تلقین کی گئی ہے۔ راہ سلوک میں سب سے پہلی تعلیم نفس کشی یعنی نفس کو مارنے کی دی جاتی ہے۔ اجلہ اولیائے کرام نے سالہا سال تک عبادت و ریاضت کر کے اپنے نفس سے مجاہدہ کیا ہے اور ہمیشہ اپنے نفس کی خواہشات کے خلاف کیا ہے۔ یہاں تک کہ عرصہ دراز تک بھوک اور پیاس کی زحمت گوارا فرمائی۔ اپنے نفس کو بھوکا اور پیاسا رکھا اور نفس کو مار ڈالا۔ حدیث میں ارشاد اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ ''مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا'' یعنی مر جاؤ، مرنے سے پہلے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ موت آنے سے پہلے مرنے کے لئے خودکشی کرلو، بلکہ یہ معنی ہیں کہ اپنے نفس کو مار ڈالو یعنی کہ خواہشات نفسانی پر قابو پالو اور جس نے اپنے نفس پر قابو پالیا اور اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اللہ کو پہچان لیا۔

حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ

''مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ''

ترجمہ: جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو جان لیا۔

۴۷

اُف رے خود کام بے مروت
پڑتا ہے کام آدمی سے

حل لغت:

کام: کار، کاج، کاروبار، دھندا، فعل، بیوپار، لین دین، کرتوت، کردار، بنج، ہنر، پیشہ، دستکار، شغل، مصروفیت، تالو، منھ، مقصد، مطلب، مراد، واسطہ، تعلق، غرض، جماع، شہوت، مجامعت، روزگار، نوکری، خدمت، کارچوبی، نقاشی، فرض، ڈیوٹی، چالاکی، عیاشی، ضرورت، ہوشیاری۔ (فیروز اللغات، ص۹۷۷ ☆ لغات کشوری، ص۵۷۹ ☆ کریم اللغات، ص۱۲۷)

بے مروت: لحاظ نہ کرنے والا، طوطا چشم، نامہربان، بے درد، ظالم، خود غرض۔ (فیروز اللغات، ص۲۴۹)

اُف: آہ، اوہ، کلمۂ افسوس، درد یا رنج کے اظہار کے لئے، حیرت۔ (فیروز اللغات، ص۱۰۲)

پہلے مصرع میں لفظ ''کام'' کا مطلب ''شغل'' ہے۔

دوسرے مصرع میں لفظ ''کام'' کا مطلب ''واسطہ'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا شماران جلیل القدر ذی علم حضرات میں ہوتا ہے جن کے علم کا لوہا دنیا نے مانا ہے۔ حضرت رضا بریلوی کے صرف فن شاعری سے متعلق ہی گفتگو کریں تو لامحالہ کہنا پڑے گا کہ آپ اس فن میں عروج کی اعلیٰ منزل پہ فائز تھے۔ آپ ایسے امام الکلام تھے کہ آپ کا کلام بھی امام الکلام ہے۔ آپ کے ہر شعر میں اتنی معنویت ہوتی ہے کہ گویا کوزے میں سمندر۔ جس کا اندازہ اس شعر سے ہوگا۔ حالاں کہ اگر اس شعر کو سرسری اور طائرانہ نظر سے دیکھ کر اس کا مطلب بیان کریں گے تو یہ مطلب ہوگا کہ افسوس! خود کام ہی بے مروت ہے۔ آدمی سے کام پڑتا ہے، لیکن بہ نظر عمق اس شعر کو دیکھیں اور غور وفکر کریں تو شعر کا مطلب دیگر ہی سمجھ میں آئے گا۔ مصرع ثانی ظاہراً بہت آسان معلوم ہوتا ہے کہ ''پڑتا ہے کام آدمی سے'' یعنی آدمی کا واسطہ آدمی سے پڑتا ہے۔ لیکن یہ معنی صحیح نہیں۔ عوام کی اصطلاح میں لفظ ''پڑتا'' کا مطلب ''پڑنا'' ہوتا ہے۔ مثلاً: زید کو عمر سے کام پڑتا ہے یعنی واسطہ پڑتا ہے۔ لیکن اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے لفظ ''پڑتا'' کو کسی اور ہی معنی میں استعمال فرمایا ہے۔

لفظ ''پڑتا'' کے معنی ہم لغت سے معلوم کریں:

- پڑتا: شرح، لگان، حصہ رسدی۔ (فیروز اللغات، ص۲۹۴)

لغت سے لفظ ''پڑتا'' کے تین معنی حاصل ہوئے اور وہ ہیں شرح، لگان اور حصہ رسدی۔ اس شعر کے تعلق سے کچھ گفتگو کرنے سے قبل اب ان تینوں الفاظ کے معنی لغت سے معلوم کریں:

- شرح: تفسیر، کھول کر کہنا، نرخ، بھاؤ۔ (فیروز اللغات، ص۸۳۹)
- لگان: خراج زمین، باج، سرداری محصول، زر آمدن جو زمین سے حاصل ہو۔ (فیروز اللغات، ص۱۱۶۱)
- حصہ رسدی: جتنا جتنا حصے میں آئے، تقسیم کے موافق، بانٹ کے مطابق۔ (فیروز اللغات، ص۵۷۰)

اس شعر میں ''پڑتا'' کا لفظ شرح، لگان یا حصہ رسدی کے معنی میں ہے کہ مصرع ثانی میں لفظ ''کام'' مکسور یعنی زیر دیا ہوا۔ لفظ کام کے میم کے نیچے زیر ہے اور لفظ کام کو مکسور کر کے اس کی اضافت آدمی کی طرف کی گئی ہے۔ یعنی کامِ آدمی ''آدمی کا کام''۔ یہاں تک کی گفتگو کے بعد اب آپ کا ذہن شعر کے صحیح مطلب کی طرف مائل ہو گیا ہوگا۔ پھر بھی اس شرح کو اچھی طرح ذہن نشیں کرنے کے لیے اس شعر کا پس منظر معلوم کرنا مناسب رہے گا۔

یہ شعر حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی اس نعت کا ہے، جس میں آپ نے ملت اسلامیہ کی رہبری کرتے ہوئے ایک نفع بخش درس دینے کی غرض سے نفس کی مذمت اور اس کی سرکشی کی شکایت فرمائی ہے۔ اس نعت میں کل انیس (۱۹) اشعار ہیں اور یہ آٹھواں شعر ہے۔ اس سے ماقبل کچھ اشعار پر نظر ڈالنے سے اس کو حل کرنے اور اس کی تشریح میں سہولت ہوگی۔ حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں:

اللہ اللہ کے نبی سے	فریاد ہے نفس کی بدی سے
دن بھر کھیلوں میں خاک اڑائی	لاج آئی نہ ذروں کی ہنسی سے
شب بھر سونے ہی سے غرض تھی	تاروں نے ہزار دانت پیسے
ایمان پہ موت بہتر او نفس	تیری ناپاک زندگی سے
تجھ سے جو اٹھائے میں نے صدمے	ایسے نہ ملے کبھی کسی سے

مذکورہ اشعار میں حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ آہ! اللہ کے نبی ﷺ سے نفس کی بدی (برائی) کی فریاد ہے۔ پھر نفس کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ اے نفس! میں تیری فریاد آقائے دوجہاں ﷺ سے اس لیے کرتا ہوں کہ تو نے ہمیشہ میرے ساتھ بدی کی ہے۔ یعنی برائی کر کے میری بدخواہی کی ہے۔ دن بھر دنیا کے کھیلوں میں خاک اڑاتا رہا، یہاں تک کہ تو جس خاک کو اڑاتا تھا اس خاک کے ذرے بھی تیری حرکتوں پر ہنستے تھے۔ اور رات بھر تو سونے کا یعنی غفلت کا ہی کام کیا۔ تیری اس غفلت پر آسمان کے ستارے بھی دانت پیستے تھے یعنی تجھ پر نہایت غصہ کیا، لیکن تجھے نہ ذروں کی ہنسی سے شرم آئی نہ تاروں کے غصے سے کوئی شرم محسوس ہوئی۔ اے ظالم سرکش نفس! تیری اس ناپاک زندگی سے تو ایمان کے ساتھ مرجانا بہتر

ہے، کیوں کہ تو نے مجھ کو وہ صدمے دیے ہیں کہ ایسے صدمے آج تک مجھے کسی نے نہیں دیئے۔ یہاں تک کے اشعار میں حضرت رضا بریلوی نفس کو زجر فرماتے ہیں، پھر اس کے بعد نفس کی بدی، سرکشی اور نافرمانی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اف رے خود کام بے مروت　　　پڑتا ہے کام آدمی سے

یعنی اے نفس! صد افسوس ہے تجھ پر! کہ تیرا جو مقصد ہے وہ مقصد بہت ہی بے مروتی یعنی خود غرضی کا ہے، کیوں کہ آدمی جو کام خلوص سے کرتا ہے اس خلوص بھرے کام میں بھی تیرا لگان جاری ہو جاتا ہے یعنی اس بےلوث کام میں نفس اپنی خودغرضی، بے دردی اور ظلم و جفا شامل کر کے آدمی کے مخلص کام کو اپنی خواہشات کے زیر اثر کر لیتا ہے اور ریا، تکبر، غرور، حصول جاہ و مال، خودستائش وغیرہ مذموم باتیں اس میں شامل ہو جاتی ہیں۔ بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ انسان کے کام میں نفس کی خودغرضی کا دخل ہے۔ یعنی کہ ہر کام میں نفس کی بے مروتی کا معین حصہ ہو جاتا ہے اور وہ اپنا حصہ محصول کی راہ سے مقرر کرتا ہے اور آدمی کو خلوص سے کام نہیں کرنے دیتا، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی کا کام بے اثر اور بے اجر ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ جس کام میں خلوص نہیں ہوتا بلکہ خودغرضی اور ریا کاری ہوتی ہے اس کام کے مفید نتائج حاصل نہیں ہوتے اور اس پر کوئی ثواب بھی نہیں مرتب ہوتا۔ پھر چاہے وہ کام عبادت و ریاضت سے ہی متعلق کیوں نہ ہو۔ حدیث کے فرمان کے مطابق جو عبادت ریا کی نیت سے کی جاتی ہے وہ عبادت غیر مقبول ہوتی ہے اور ایسا ریا کار عابد بجائے ثواب کے عذاب کا مستحق ہوتا ہے۔ ایسا ریا کار عابد اللہ اور رسول کی بارگاہ میں عزت و تکریم پانے کے بجائے ذلت اور خجالت پاتا ہے۔ لہٰذا حضرت رضا بریلوی نفس کے اس ظلم کا ذکر کرتے ہوئے اس شعر کے بعد والے شعر میں فرماتے ہیں:

تو نے ہی کیا خدا سے نادم　　　تو نے ہی کیا خجل نبی سے
کیسے آقا کا حکم ٹالا　　　ہم مر مٹے تیری خود سری سے
حد کے ظالم ستم کے کٹر　　　پتھر شرمائیں تیرے جی سے

نفس کی سرکشی، ظلم و ستم، جور و جفا، خودغرضی، وغیرہ کا ذکر کرنے کے بعد نفس کے پنجے سے امان حاصل کرنے کے لئے حضرت رضا بریلوی اپنے معین و ناصر، ہادیِ کائنات ﷺ کی بارگاہ بیکس پناہ میں استغاثہ کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں:

رہزن نے لوٹ لی کمائی　　　فریاد ہے خضر ہاشمی سے

یعنی ہمارے اعمال کی کمائی نفس نام کے رہزن نے لوٹ لی ہے اور اس آفت کی فریاد خضر ہاشمی ﷺ سے ہے۔ خضر ہاشمی کے جملے کی بابت بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے، لیکن یہاں ممکن نہیں۔ مختصر یہ ہے کہ خضر کا لغوی معنی رہنما یا رہبر ہے۔ اور نفس کی گمراہ کن دھوکہ بازی سے محفوظ رہ کر ہدایت و خلوص کی راہ پر استقلال کے ساتھ گامزن رہنے کے لئے اس رہبر اعظم کی احتیاج ہے جو اپنی تمام تر نورانیت کے ساتھ عرب کے خاندان بنی ہاشم میں پیدا ہوئے۔ اور اس رہبر اعظم ﷺ کی طرف اپنی تمام توجہات مرکوز کرتے ہوئے حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں:

اپنے دل کا ہے انہیں سے آرام، سونپے ہیں اپنے انھیں کو سب کام

لو لگی ہے کہ اب اس در کے غلام ، چارۂ درد رضا کرتے ہیں

ایک اور جگہ حضرت رضا نفس کی شرارتوں اور دھوکہ بازیوں سے آگاہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

رضا نفس دشمن ہے دم میں نہ آنا کہاں تم نے دیکھے ہیں چندرانے والے

نفس شیطان کے مکروفریب سے امان و پناہ حاصل کرنے کے لیے اپنے آقا و مولیٰ، مالک کائنات ﷺ کی بارگاہ بے کس پناہ میں استغاثہ کرتے ہوئے حضرت رضا عرض کرتے ہیں:

سرور دیں لیجئے اپنے ناتوانوں کی خبر نفس و شیطاں سیدا کب تک دباتے جائیں گے

اور اپنے آقا و مولیٰ کی اعانت و مدد پر کامل اعتماد کرتے ہوئے نفس و شیطاں کو للکارتے ہوئے حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں:

سن لیں اعدا میں بگڑنے کا نہیں وہ سلامت ہیں بنانے والے

پھیر دیجے پنجۂ دیو لعیں مصطفیٰ کے بل پہ طاقت کیجئے

بلکہ اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کے عاشق اور غلاموں کا نقش قدم گمراہ ہونے سے بچاتا ہے:

تیرے غلاموں کا نقش قدم ہے راہ خدا وہ کیا بہک سکے جو یہ سراغ لے کے چلے



(۸۹)

ہے انھیں کے نور سے سب عیاں ہے انھیں کے جلوہ میں سب نہاں
بنے صبح تابش مہر سے رہے پیش مہر یہ جاں نہیں

حل لغت:

عیاں: ظاہر، علانیہ، کھلا ہوا، نمودار۔ (فیروز اللغات، ص ۹۰۷ ☆ لغات کشوری، ص ۵۰۷ ☆ کریم اللغات، ص ۱۱۲)

نہاں: پوشیدہ، چھپا ہوا۔ (فیروز اللغات، ص ۱۳۸۹ ☆ لغات کشوری، ص ۷۹۳ ☆ کریم اللغات، ص ۱۸۸)

تابش: حرارت، گرمی، چمک، روشنی، نور، دھوپ کی چمک، تپش، طاقت۔
(فیروز اللغات، ص ۳۳۳ ☆ لغات کشوری، ص ۱۲۹ ☆ کریم اللغات، ص ۴۲)

مہر: محبت، حب، دوستی، پیار، شفقت، ہمدردی، رحم، ترس، ماتا، الفت مادری، سورج، شمسی، ہر انگریزی مہینہ کی سولہویں تاریخ، نیا سولہواں دن، آفتاب۔ (فیروز اللغات، ص ۱۳۲۲ ☆ لغات کشوری، ص ۷۵۶ ☆ کریم اللغات، ص ۱۷۵)

پیش: آگے، سامنے، پہلے، قبل، آئندہ، اعراب میں ضمہ، انگرکھے کی اگاڑی، تسبیح کا وہ دانہ جو اوپر ہوتا ہے۔

(فیروز اللغات، ص ۳۳۰)

دوسرے مصرع میں شروع والے لفظ ''مہر'' کا مطلب ''آفتاب'' ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد والے لفظ ''مہر'' کا مطلب ''رحم'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی شان عظمت، بلند رتبہ اور رفعت و وجاہت کا بیان فرما رہے ہیں۔ اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے چھ الفاظ تکرار کے ساتھ استعمال فرمایا ہے۔ (۱) ہے (۲) انہیں (۳) کے (۴) سے (۵) سب (۶) مہر۔ یہ تمام الفاظ اس شعر میں دو دو مرتبہ استعمال ہوئے۔ ان الفاظ میں سے ''مہر'' حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی ہونے کے باوجود معنی اور مطلب کے اعتبار سے الگ ہے۔ لہٰذا یہ شعر اردو ادب و فن شاعری کے اعتبار سے صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔ بقیہ پانچوں الفاظ حروف و اعراب اور معنی کے اعتبار سے بھی مساوی ہیں۔ شعر کے مصرع ثانی میں پہلی مرتبہ جو لفظ ''مہر'' ہے وہ سورج کے معنی میں ہے۔ شعر کا لغوی اور ظاہری معنی یہ ہے کہ میرے آقا و مولیٰ ﷺ کی ذات گرامی ایسی ہے جن کے نور سے سب کچھ عیاں، یعنی ظاہر ہوا ہے اور انہیں کے جلوے میں سب کچھ چھپا ہوا ہے۔ جس طرح آفتاب کے نور سے دن کو روشنی ملتی ہے۔ اسی طرح آپ کے نور سے پوری کائنات کو زندگی ملتی ہے۔

شعر کے مصرع اول میں حضرت رضا بریلوی نے ''ہے انہیں کے نور سے سب عیاں'' کا جملہ استعمال فرمایا ہے۔ یہ جملہ احادیث قدسیہ، احادیث نبویہ، آیات قرآنیہ اور اقوال صحابہ و ائمہ کرام کی ترجمانی کر رہا ہے۔ اس جملہ میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے لفظ ''سب'' کا استعمال فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کائنات کی کوئی بھی شئے اپنے وجود میں حضور کے طفیل اور خیراتی ہونے سے خارج نہیں۔ پوری کائنات آپ کے نور کی بدولت وجود میں آئی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم ﷺ کے طفیل ہی کائنات کو وجود بخشا ہے۔

- حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ مجھے اپنی ذات کی قسم ہے، میں نے دنیا اور اہل دنیا کو اسی لئے پیدا کیا ہے:

''لِاَعْرِفَهُمْ كَرَامَتَكَ وَ مَنْزِلَتَكَ عِنْدِيْ وَ لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الدُّنْيَا''

یعنی تاکہ عظمت و کرامت اور منزلت و مرتبت سے آگاہ کروں جو میرے یہاں ہے۔ اگر آپ کو پیدا نہ کرتا تو میں دنیا پیدا نہ کرتا۔ (خصائص کبریٰ، جلد ۱، ص ۱۹۳)

- امام ابوالحسن اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

''اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ وَ مِنْ نُوْرِیْ خَلَقَ جَمِیْعَ الْکَائِنَاتِ''

یعنی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا کیا، پھر میرے نور سے تمام کائنات کو پیدا کیا۔

(بیان المیلا دالنبوی، ص ۴۴)

- حضرت ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری ''دیلمی'' کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل آئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام دیا:

''یَا مُحَمَّدُ لَوْلَاکَ مَا خَلَقْتُ الْجَنَّۃَ وَ لَوْلَاکَ مَا خَلَقْتُ النَّارَ وَ فِیْ رِوَایَۃِ ابْنِ عَسَاکِرْ: لَوْلَاکَ مَا خَلَقْتُ الدُّنْیَا''

یعنی اے حبیب! اگر آپ نہ ہوتے تو میں جنت کو پیدا نہ کرتا اور اگر آپ نہ ہوتے تو میں دوزخ کو پیدا نہ کرتا۔ اور ابن عساکر کی روایت میں ہے کہ اگر آپ نہ ہوتے تو میں دنیا کو پیدا نہ کرتا۔ (موضوعات کبیر، ص ۵۹)

مذکورہ روایات سے ملتی جلتی بہت سی روایات، المواہب مع الزرقانی، الخصائص الکبریٰ، مکتوبات امام ربانی، عرائس البیان، الشفاء شریف، شرح الشفاء، جواہر البحار، مدارج النبوۃ، وغیرہ کتب میں کثرت سے وارد ہیں، جن کو بخوف طوالت نقل نہیں کیا گیا ہے۔

- حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا:

''لَوْلَاکَ لَمَا اَظْہَرْتُ الرَّبُوْبِیَّۃَ''

یعنی اگر آپ کو میں پیدا نہ کرتا تو میں اپنی ربوبیت یعنی اپنے رب ہونے کا اظہار ہی نہ کرتا۔

- ایک اور حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

''کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ''

ترجمہ: میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا، پس مجھے اس امر سے محبت ہوئی کہ میں پہچانا جاؤں، تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔

اسی حدیث قدسی کی تشریح میں علامہ امام عبدالکریم الجیلانی لکھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو وہ جانتا تھا کہ حادث ہونے کی وجہ سے مخلوق میری ذات کی معرفت حاصل نہ کر سکے گی:

''فَخَلَقَ مِنْ تِلْکَ الْمَحَبَّۃِ حَبِیْبًا اِخْتَصَّہُ التَّجَلِّیَاتُ ذَاتَہُ وَ خَلَقَ الْعَالَمَ مِنْ ذَالِکَ الْحَبِیْبِ لِتَصِحَّ النِّسْبَۃُ بَیْنَہُ وَ بَیْنَ خَلْقِہِ فَیَعْرِفُوْہُ بِتِلْکَ النِّسْبَۃِ''

ترجمہ: تو اس نے اس محبت سے اپنے حبیب کو پیدا فرمایا اور اپنے حبیب کو اپنی ذات کی تجلیوں کے فیض سے مخصوص فرمایا۔ اور اپنے حبیب سے تمام عالم کو پیدا فرمایا تا کہ وہ حبیب خالق اور مخلوق کے درمیان نسبت بن جائے اور مخلوق اس حبیب کی نسبت سے اپنے خالق کی معرفت پا سکے۔ (جواہر البحار، جلد ۱، ص ۲۴۹)

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان ان تمام اقتباسات کے پیش نظر اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وشان کے

متعلق علی الاعلان کہہ رہے ہیں: ہے انہیں کے نور سے سب عیاں

اور یہ حقیقت ہے کہ اگر حضور اقدس ﷺ کی ذات گرامی نہ ہوتی تو پوری کائنات کا وجود ہی نہ ہوتا، بلکہ خالق کائنات اپنے رب ہونے کا بھی اظہار نہ فرماتا۔ اسی لیے ایک مقام پر حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں:

ہے انھیں کے دم قدم سے باغ عالم میں بہار — وہ نہ تھے عالم نہ تھا گر وہ نہ ہوں عالم نہیں

مصرع اول کے آخر مین حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں: "ہے انھیں کے جلوے میں سب نہاں" یعنی آقا و مولیٰ ﷺ کے جلوؤں میں سب کچھ پوشیدہ ہے، مصرع کی ابتداء میں یہ فرمایا تھا کہ ان کے نور سے سب عیاں، اور آخر میں فرماتے ہیں کہ ان کے جلوے میں سب نہاں، عیاں اور نہاں دو متضاد الفاظ کو کتنے بہترین انداز میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے پرویا ہے۔ دو متضاد الفاظ ہونے کے ساتھ ساتھ دونوں الفاظ فن شاعری کے اصول تقطیع کے اعتبار سے ہم وزن و ہم قافیہ ہیں۔ اردو ادب و فن شاعری کے حوالہ سے اس شعر پر طویل گفتگو کی جاسکتی ہے۔ لیکن مضمون کی طوالت کے ڈر سے ترک کیا جاتا ہے۔ اہل ذوق بنظر خوض شعر پر التفات کریں گے تو علم و ادب کے بے بہا جواہر دستیاب ہوں گے۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے "ہے انہیں کے جلوے میں سب نہاں" کا ایسا جامع المعنی جملہ فرمایا ہے کہ اس کی تفصیل و تشریح یہاں ممکن نہیں، جس طرح سرکار دو عالم ﷺ کے نور سے پوری کائنات عیاں ہوئی ہے۔ اسی طرح سرکار کے جلوے میں پوری کائنات نہاں بھی ہے۔ اس ضمن میں صرف ایک حدیث پیش کرتا ہوں جس سے روز روشن کی طرح صاف ثابت ہو جائے گا کہ پوری کائنات حضور اقدس ﷺ کے جلوے میں کیسے پوشیدہ ہے؟

- امام احمد و ابو یعلیٰ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"لَمَّا خَرَجَ مِنْ بَطْنِیْ فَنَظَرْتُ اِلَیْهِ فَاِذَا اَنَابَهٗ سَاجِدًا ثُمَّ رَاَیْتُ سَحَابَةً بَیْضَاءَ قَدْ اَقْبَلَتْ مِنَ السَّمَاءِ حَتّٰی غَشِیَتْهُ فَغُیِّبَ عَنْ وَجْهِیْ ثُمَّ تَجَلَّتْ فَاِذَا اَنَابَهٗ مُدْرَجٌ فِیْ ثَوْبِ صُوْفٍ اَبْیَضَ وَ تَحْتَهٗ حَرِیْرَةٌ خَضْرَاءُ وَ قَدْ قَبَضَ عَلٰی ثَلٰثَةِ مَفَاتِیْحَ مِنَ اللُّؤْلُؤِ الرَّطْبِ وَ اِذَا قَائِلٌ یَقُوْلُ قَبَضَ مُحَمَّدٌ عَلٰی مَفَاتِیْحِ النُّصْرَةِ وَ مَفَاتِیْحِ الرِّیْحِ وَ مَفَاتِیْحِ النُّبُوَّةِ ثُمَّ اَقْبَلَتْ سَحَابَةٌ اُخْرٰی غَشِیَتْهُ فَغُیِّبَ عَنِّیْ ثُمَّ تَجَلَّتْ فَاِذَا اَنَابَهٗ قَدْ قَبَضَ عَلٰی حَرِیْرَةٍ خَضْرَاءَ مَطْوِیَةٍ وَ اِذَا قَائِلٌ یَقُوْلُ بَخٍ بَخٍ قَبَضَ مُحَمَّدٌ عَلَی الدُّنْیَا کُلِّهَا لَمْ یَبْقَ خَلْقٌ مِنْ اَهْلِهَا اِلَّا دَخَلَ فِیْ قَبْضَتِهٖ"

ترجمہ: جب حضور مرے شکم سے پیدا ہوئے میں نے دیکھا کہ سجدہ میں پڑے ہیں۔ پھر ایک سفید بادل نے آسمان سے آکر حضور کو ڈھانپ لیا کہ میرے سامنے سے غائب ہو گئے پھر وہ ہٹا تو کیا دیکھتی ہوں کہ حضور ایک اونی سفید کپڑے میں لپٹے ہیں اور سبز ریشمی بچھونا بچھا ہے اور گوہر شاداب کی تین کنجیاں حضور کی مٹھی میں ہیں۔ اور ایک کہنے والا کہہ رہا ہے کہ نصرت کی کنجیاں، نفع کی کنجیاں، نبوت کی کنجیاں سب پر محمد ﷺ نے قبضہ فرمالیا۔ پھر

اور ایک بادل نے آکر حضور کو ڈھانپا کہ میری نگاہ سے چھپ گئے۔ پھر روشن ہوئے تو دیکھا کہ سبز ریشم کا کپڑا لپٹا ہوا حضور کی مٹھی میں ہے اور کوئی منادی پکار رہا ہے واہ واہ! ساری دنیا محمد ﷺ کی مٹھی میں آئی۔ زمین و آسمان کی کوئی مخلوق ایسی نہ رہی جو ان کے قبضے میں نہ آئی۔ (الامن والعلی، از: امام احمد رضا، ص ۵۸)

یہ حدیث حضرت امام اجل صاحب تفسیر جلالین شریف، علامہ امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ والرضوان کی معرکۃ الآرا تصنیف ''خصائص کبریٰ'' اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۱۲۳ تا ۱۲۵ پر بھی درج ہے۔

مصرع ثانی میں حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں: بنے صبح تابش مہر سے رہے پیش مہر یہ جاں نہیں

اس شعر میں حضرت رضا فرماتے ہیں کہ جس طرح آفتاب کے نور سے دن کو روشنی ملتی ہے اسی طرح میرے آقا ﷺ کے جلوے سے پوری کائنات کو زندگی ملی ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عملی طور پر ثابت کر بتایا ہے کہ ایک مومن کی حیات صرف حضور کے جلوے سے ہے اور حضور کی محبت ہی سب محبتوں پر مقدم ہے۔

- خلیفۃ المسلمین، امیر المومنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے کسی نے پوچھا:

''كَيْفَ كَانَ حُبُّكُمْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ''

ترجمہ: صحابہ کو رسول اللہ ﷺ کی ذات سے کس قدر محبت تھی؟

آپ نے جواب میں فرمایا:

''كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اَحَبُّ اِلَيْنَا مِنْ اَمْوَالِنَا وَ اَوْلَادِنَا وَ اٰبَائِنَا وَ اُمَّهَاتِنَا وَ اَحَبُّ اِلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ عَلَى الظَّمَاءِ''

ترجمہ: رسول اکرم ﷺ ہمیں اپنے اموال، اولاد، آباء واجداد اور امہات سے بھی زیادہ محبوب تھے، کسی پیاسے کو شدید پیاس میں ٹھنڈے پانی سے جو محبت ہوتی ہے ہمیں اس سے کہیں بڑھ کر اپنے آقا سے محبت تھی۔

(الشفا شریف، جلد ۲، ص ۵۶۸)

یعنی لوگوں کی پیاس ٹھنڈے پانی سے بجھتی ہے، مگر ہماری آنکھیں اور دل زیارت چہرۂ نبوی سے سیراب ہوتے ہیں۔

- حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ!

''اِنِّیْ اِذَا رَاَيْتُكَ طَابَتْ نَفْسِیْ وَ قَرَّتْ عَيْنِیْ''

یعنی جب میں آپ کو دیکھ لیتا ہوں تو دل خوشی سے جھوم اٹھتا ہے۔ اور آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں۔

(سیدنا محمد رسول اللہ، ص ۴۰۷)

- حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک صحابی آپ کا چہرۂ اقدس دیکھ کر بے اختیار پکار اٹھے:

''اِنَّكَ اَحَبُّ وَالِدَیَّ وَ مِنْ عَيْنِیْ وَ مِنِّیْ وَ اِنِّیْ لَاُحِبُّكَ بِدَاخِلِیْ وَ خَارِجِیْ وَ سِرِّیْ وَ عَلَانِيَتِیْ''

آپ مجھے میرے والدین سے، میری اولاد سے اور میری ذات سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ آقا میرے ظاہر و باطن اور

خلوت میں اور جلوت میں آپ ہی کی محبت کی حکمرانی ہے۔ (تاریخ ابن کثیر، جلد ۲، ص ۱۴۹)

- امام شعبی نے حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ ایک دن انہوں نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یارسول اللہ! اللہ کی قسم آپ مجھے جان و مال، اولاد اور اہل سے زیادہ محبوب ہیں۔

''وَ لَوْلَا اَنِّی اٰتِیْکَ فَاَرَاکَ لَرَاَیْتُ اَنْ اَمُوْتَ''

یعنی اگر مجھے آپ کا دیدار نصیب نہ ہو تو میری موت واقع ہو جائے۔

- حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اس شعر کے مصرع ثانی کے آخر میں فرمار ہے ہیں ''رہے پیش مہر یہ جاں نہیں؟'' یہ جملہ استفہامیہ ہے۔ آپ سوال کے انداز میں فرمار ہے ہیں کہ اگر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر یعنی مہربانی نہ ہو تو کیا یہ جان باقی رہے گی؟ کیا ان کی مہربانی کی وجہ سے ہی ہماری یہ جان نہیں؟ بے شک یہ تن وجاں انھیں کے طفیل ہے بلکہ پوری کائنات کی جان انھیں کے صدقہ میں باقی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تو یہ نظریہ تھا کہ وہ مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر اپنی حیات کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔

- حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ جب ان کے بیٹے نے ان کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر دی تو وہ دیہات میں اپنے کھیتوں میں کام کر رہے تھے۔ حضور کے وصال کی خبر سن کر نہایت ہی غمگین ہوئے اور اسی وقت بارگاہ الٰہی میں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کی:

''اَللّٰھُمَّ اذْھَبْ بَصَرِیْ حَتّٰی لَا اَرٰی بَعْدَ حَبِیْبِیْ مُحَمَّدٍ اَحَدًا فَکُفَّ بَصَرُہٗ''

یعنی اے اللہ! میری آنکھیں واپس لے لے، تاکہ میں اپنے پیارے حبیب آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی دوسرے کو دیکھ ہی نہ سکوں۔ پس ان کی نظر اسی وقت ختم ہوگئی۔ (المواہب اللدنیہ، جلد ۲، ص ۹۴)

- حضرت قاسم بن محمد رضی اللہ عنہ ان ہی صحابی کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ ان کی بینائی جب جاتی رہی تو لوگ ان کی عیادت کے لئے گئے اور افسوس کا اظہار کرنے لگے، انھوں نے جواب میں کہا:

''کُنْتُ اُرِیْدُ بِھَا لِاَنْظُرَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ فَوَاللّٰہِ مَا یَسُرُّنِیْ اَنَّ بِھِمَا بِظَبْیٍ مِنْ ظِبَاءِ تَبَالَۃَ''

یعنی مجھے ان آنکھوں سے صرف اس لئے محبت تھی کہ ان کے ذریعہ مجھے اپنے پیارے آقا کا دیدار نصیب ہوتا تھا۔ اب چوں کہ آپ کا وصال ہوگیا ہے، اس لئے اگر مجھے ہرن کی آنکھیں بھی مل جائیں تو مجھے کیا خوشی؟

(الادب المفرد للبخاری، ص ۱۴۱)

یہ تھا صحابہ کا عشق رسول اور حضرت عبداللہ بن زید انصاری کے واقعہ کو حضرت رضا بریلوی ایک مقام پر یوں بیان کرتے ہیں:

تیرے قدموں میں جو ہیں غیر کا منھ کیا دیکھیں
کون نظروں پہ چڑھے دیکھ کے تلوا تیرا

(۹۰)

میں تو کہا ہی چاہوں کہ بندہ ہوں شاہ کا
پرلطف جب ہے کہہ دیں اگر وہ جناب ہوں

حل لغت:

بندہ: غلام، نوکر، ملازم، نیازمند، خاکسار، انسان، بشر، آدمی، عابد، زاہد، تابعدار، سرجھکا دینے والا، حکم ماننے والا۔
(فیروز اللغات، ص ۲۱۸ ☆ لغات کشوری، ص ۱۰۶ ☆ کریم اللغات، ص ۲۵)

ہوں: ہاں، بلے، کلمۂ اقبال، کلمۂ اقرار، کلمۂ اجازت۔ (فیروز اللغات، ص ۱۴۵۸)

شاہ: آقا، مالک، بادشاہ، سلطان، فقیروں کا لقب، شطرنج کا ایک مہرہ، نوشہ، دولھا، بڑا، عظیم، سیدوں کے نام کا مخصوص لفظ۔ (فیروز اللغات، ص ۸۳۵)

لطف: عنایت، مہربانی، خوبی، عمدگی، نرمی، ملائمت، لذت، مزہ، حلاوت، خوش طبعی، تازگی، باریک بینی، نازکی۔
(فیروز اللغات، ص ۱۱۵۶ ☆ لغات کشوری، ص ۶۲۷ ☆ کریم اللغات، ص ۱۳۷)

جناب: حضرت، حضور، قبلہ، آپ، صاحب، خود بدولت، خداوند، درگاہ، آستانہ، احاطۂ خانہ، چوکھٹ، پروردگار، استادہ، گرداگرد، گھر کا بغل۔ (فیروز اللغات، ص ۴۷۲ ☆ لغات کشوری، ص ۲۰۰ ☆ کریم اللغات، ص ۴۹)

پہلے مصرع میں وارد لفظ "ہوں" کا مطلب "ہوں، کلمۂ اقرار" ہے۔
دوسرے مصرع میں وارد لفظ "ہوں" کا مطلب "ہاں" ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان ایک مسلم حقیقت کا اظہار کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے ضمن میں ایک تمنا بھی کر رہے ہیں۔ حضرت رضا فرماتے ہیں کہ میں تو اپنی محبت کے تقاضے سے اپنے آپ کو شاہ کا بندہ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بندہ ہونے کا دل سے اقرار کر رہا ہوں۔ لیکن کاش! حضور خود مجھ کو اپنا بندہ کہہ دیں تو لطف آجائے اور میرے بندۂ نبی ہونے پر مہر ثبت ہو جائے۔ اس شعر میں لفظ "ہوں" کا دونوں مصرعوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ مصرع اول میں جو لفظ "ہوں" ہے وہ ہونا کے معنی میں اور کلمۂ اقرار ہے۔ یعنی قائل اپنے بندہ ہونے کا اقرار و اعتراف کرتا ہے۔ مصرع ثانی میں جو لفظ "ہوں" ہے وہ ہاں کے معنی میں، اور کلمۂ اقبال ہے۔ یعنی قائل کی کوئی بات سن کر اس کو مناسب جان کر اس کو

شرف قبولیت سے نوازتے ہوئے اس کی بات کی تائید کرنا، شعر میں استعمال شدہ دونوں لفظ ''ہوں'' حروف واعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں لیکن معنی ومطلب الگ ہیں۔ لہٰذا یہ شعر فن شاعری کے اعتبار سے صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

شعر کی ابتداء میں حضرت رضا فرماتے ہیں کہ میں تو محبت کرنے والا ہوں، میں تو ہر وقت کہتا رہتا ہوں، کیا؟ یہی کہ میں شاہ کونین حضور اقدس ﷺ کا بندہ ہوں۔ یہاں پر جو لفظ ''چاہوں'' ہے وہ چاہنا کے معنی میں نہیں ہے، بلکہ ''چاہو'' محبت کرنے والا، مشتاق وغیرہ (فیروز اللغات، ص ۵۱۶) کے معنی میں ہے، اگر یہاں چاہنا کے معنی مراد ہوں تو شعر کا کچھ اور مطلب ہو جائے گا، یعنی میں شاہ کا بندہ نہیں ہوں، بلکہ چاہتا ہوں کہ شاہ کا بندہ ہو جاؤں یہ مراد لینے میں شعر کا مقصد اصلی اور شاعر کا مدعا جاتا رہے گا۔

الختصر! یہاں پر لفظ ''چاہوں'' دراصل ''چاہو'' ہے اور ''ں'' کی اضافت شعر کو فن شاعری کے قانون تقطیع کے اعتبار سے متوازن بنانے کے لئے ہے۔ پہلے مصرع کا مطلب صاف ہو گیا کہ حضرت رضا علی الاعلان اپنے آپ کو حضور اقدس ﷺ کا بندہ کہہ رہے ہیں اور اس کا اقرار کر رہے ہیں۔ اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو خدا کے سوا کسی دوسرے کا بندہ کہنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اسی موضوع سخن کو نزاعی بحث بنا کر دور حاضر کے منافقین فرقہ وہابیہ، نجدیہ، دیوبندیہ اور تبلیغیہ کے اکابر نے عبد النبی، عبد الرسول وغیرہ نام رکھنے پر شرک کا واویلا مچا رکھا ہے۔ امام الوہابیہ، مولوی اسمٰعیل دہلوی نے اپنی رسوائے زمانہ کتاب ''تقویۃ الایمان'' میں، مولوی اشرف علی تھانوی نے اپنی مضحکہ خیز کتاب ''بہشتی زیور'' میں اور مولوی رشید احمد گنگوہی نے اپنی بے اعتبار کتاب ''فتاویٰ رشیدیہ'' میں عبد النبی اور عبد الرسول وغیرہ نام رکھنا شرک لکھا ہے۔ حالاں کہ عبد النبی یا عبد الرسول نام رکھنا قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ سب سے پہلے ہم لفظ ''عبد'' اور لفظ ''بندہ'' کے لغوی معنی دیکھیں، بعدۂ ان الفاظ کے حقیقی اور مجازی اعتبار سے استعمال کے فرق کو پہچانیں۔

لغوی اعتبار سے ان دونوں الفاظ کے معنی حسب ذیل ہیں:

حل لغت:

عبد: غلام، بندہ، ملازم، نوکر۔ (فیروز اللغات، ص ۸۹۰)

عبدیت: بندگی، اطاعت، غلامی۔ (ایضاً)

بندہ: غلام، نوکر، ملازم، نیازمند، خاکسار، انسان، عابد، زاہد، سر جھکانے والا، حکم ماننے والا، بشر، آدمی۔

(فیروز اللغات، ص ۲۱۸ ☆ لغات کشوری، ص ۱۰۶ ☆ کریم اللغات، ص ۲۵)

بندگی: عبادت، پرستش، آداب، تسلیم، کورنش، عجز، انکساری، خدمت، نوکری، فرماں برداری، غلامی، سلام، خدا حافظ۔

(فیروز اللغات، ص ۲۱۸)

اب مذکورہ معنوں کو اچھی طرح ذہن نشیں رکھتے ہوئے قرآن مجید کی دو آیات کی تلاوت اور تفہیم معنی کی سعادت حاصل کریں۔

● قرآن شریف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا'' (سورہ زمر، آیت ۵۳)

ترجمہ: تم فرماؤ! اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی، اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہو۔ بے شک اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے۔ (کنز الایمان)

اس آیت کو اور اس کے ترجمہ کو بار بار پڑھیں۔ اس آیت کی ابتداء لفظ ''قُلْ'' سے کی گئی ہے جس کا معنی ہے ''تم فرماؤ'' اور یہ خطاب اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم ﷺ سے فرمایا ہے یعنی اے پیارے محبوب تم فرمادو۔ لیکن کیا؟ اور کس سے؟ اور کیا کہہ کر؟ ان تینوں سوالات کے جوابات اسی آیت میں مذکور ہیں کہ اپنے ان امتیوں سے جنہوں نے گناہ کیے ہیں۔ ان گنہگار امتیوں کو پکار کر کہو کہ اے میرے بندو۔ آیت میں لفظ ''عبادی'' ہے جو مرکب ہے ''عباد'' اور ''ی'' سے۔ اور عباد جمع ہے عبد کی یعنی اے میرے عباد یعنی بندو! ملاحظہ فرمائیں کہ اس آیت میں خود اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے رسول اعظم ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ تم اپنے امتیوں کو ''یا عبادی'' یعنی ''اے میرے بندو'' کہو۔ اور اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ اے وہ لوگوں جو میری عبادت یا پرستش کرتے ہو، بلکہ یہ معنی ہیں کہ اے لوگوں! میری غلامی اور اطاعت کرر ہے ہو۔ یہاں عبد (بندہ) کے مجازی معنی مراد ہیں۔ اور اس سے عبادت یا پرستش کرنے والے کے معنی ہرگز مراد نہیں لئے جائیں گے۔ اور اس طرح عبد النبی یا عبد الرسول کے معنی بھی، نبی یا رسول کی عبادت یا پرستش کرنے والے ہرگز نہیں لئے جائیں گے۔ بلکہ نبی اور رسول کی غلامی اور اطاعت کرنے والے ہی ہوں گے۔ الحتصر عبد النبی اور عبد الرسول کے لغوی اور فقہی دونوں اعتبار سے نبی کا غلام اور رسول کا غلام معنی ہوئے، اور اس میں شرک کا شائبہ تک نہیں۔ اگر ''یا عبادی'' صرف اے میرے بندو! کہنے میں شرک کا احتمال ہوتا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے محبوب کو یہ حکم نہ دیتا کہ تم اپنے امتیوں کو یا غلاموں یا فرماں برداروں یا اطاعت کرنے والوں کو ''یا عبادی'' سے مخاطب کرو۔ ثابت ہوا کہ ''عبد النبی'' یا عبد الرسول'' کہنا قرآن سے ثابت ہے۔ ماحصل یہ کہ جب لفظ عبد کی اضافت اللہ کے ساتھ کی جائے گی یعنی عبد اللہ کہا جائے گا تو اس سے حقیقی معنی عبدیت لئے جائیں گے یعنی اللہ کی عبادت یا پرستش کرنے والا۔ اور جب لفظ ''عبد'' کی اضافت نبی ورسول کے ساتھ کی جائے گی یعنی جب عبد النبی یا عبد الرسول کہا جائے گا، تب اس سے مجازی معنی مراد لئے جائیں گے، یعنی رسول اور نبی کی غلامی واطاعت اور فرماں برداری کرنے والا۔ لیکن باوجود اتنی صراحت کے دور حاضر کے منافقین ایک ہی رٹ لگا رہے ہیں کہ عبد الرسول، اور عبد النبی نام رکھنا شرک ہے۔ جب ان لوگوں کے سامنے عبد النبی یا عبد الرسول وغیرہ ناموں کے جواز کے ثبوت میں مذکورہ آیت پیش کرتے ہیں تو بجائے سر تسلیم کرنے کے مضحکہ خیز تاویلات کے ذریعہ راس المتکبرین کی طرح بغض وعناد کا سر اونچا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس آیت میں تاویل کی کوئی گنجائش نہ ہونے کے باوجود بھی دور حاضر کے منافقین کھینچ تان کر جبراً بے جا تاویل کرتے

ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ''یا عبادی'' سے مراد ''عباداللہ'' یعنی اللہ کے بندے ہیں اگر یہاں ''یا عبادی'' سے اللہ کے بندے مراد لینا ہے تو یہاں پر کچھ قیدیں لگی ہوں گی۔ مثلاً: آیت اس طرح ہوتی: ''یَقُوْلُ اللّٰہُ یَا عِبَادِیْ'' یعنی اللہ فرماتا ہے اے میرے بندو! لیکن قرآن مجید میں اس طرح آیت نہیں بلکہ آیت کی ابتدا لفظ ''قُلْ'' یعنی ''کہہ دو'' سے ہو رہی ہے اور لفظ قل کے ساتھ شروع ہونے والی آیات میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص خطاب ہوتا ہے جیسے سورۂ کافرون میں ''قُلْ یَا اَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ'' یعنی تم فرماؤ اے کافرو!

سورۂ اخلاص میں ''قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَد'' یعنی تم فرماؤ وہ اللہ ایک ہے۔

سورۂ فلق میں ''قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ'' یعنی تم فرماؤ! میں اس کی پناہ لیتا ہوں جو صبح کا پیدا کرنے والا ہے۔

سورۂ والناس میں ''قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ'' یعنی تم کہو میں اس کی پناہ میں آیا جو سب لوگوں کا رب ہے۔ ان چاروں سورتوں میں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب اعظم کو حکم فرماتا ہے کہ اے محبوب! تم فرماد و لفظ ''قل'' فعل امر کا صیغہ ہے۔ بقول دور حاضر کے منافقین اگر ''قُلْ یَا عِبَادِیْ'' سے مراد اللہ کے بندے مراد ہیں۔ اور کہنے والا رسول نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ ہے۔ تو پھر آیت کی ابتدا میں لفظ ''قل'' کا کیا مطلب و مقصود ہے؟ علاوہ ازیں اگر اس آیت میں ''یَا عِبَادِیْ'' سے مراد ''اللہ کے بندے'' ہیں اور کہنے والا رسول کے بجائے اللہ تعالیٰ ہے۔ تو آیت کا اگلا جملہ یہ ہوتا کہ ''میری رحمت سے ناامید نہ ہو، بے شک میں سب گناہ بخش دیتا ہوں، یعنی متکلم اللہ نہیں بلکہ اللہ کے رسول ہیں۔ جو اللہ کی شان رحیمی و کریمی کا تذکرہ کر کے اپنے امتیوں کو ناامید نہ ہونے کی تلقین فرما رہے ہیں۔ جملہ کی بندش اور انداز بیان سے مکتب کا طالب علم بھی اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ اس آیت میں ''یا عبادی'' سے مراد رسول کے بندے یعنی غلام مراد ہیں۔ جو بات مکتب کا طالب علم اچھی طرح سمجھ سکتا ہے وہ بات دور حاضر کے منافقین کے بڑے بڑے ملا و مفتی نہیں سمجھ پاتے ہیں اور دور حاضر کے منافقین کے منطق ضحک کے مطابق آیات قرآن مجید کی ابتداء میں لفظ ''قُلْ'' ہونے کے باوجود متکلم اللہ کی ذات ہے۔ تو پھر ''سورۂ کافرون'' کی تمام آیات میں اللہ تعالیٰ کو معاذ اللہ متکلم ماننا پڑے گا اور منافقین کی منطق ضحک کے ضوابط کے اعتبار سے یہ معنی ہوں گے کہ معاذ اللہ! اللہ تعالیٰ کافروں سے مخاطب ہو کر یہ فرماتا ہے کہ ''لَا اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ'' یعنی نہ میں پوجتا ہوں جو تم پوجتے ہو۔ تو کیا یہ معنی کبھی صحیح ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں! اور اگر منافقین کی منطق ضحک کو کوئی بے وقوف صحیح مان لے تو پھر پوری سورۂ کافرون کا کیا ترجمہ کرے گا؟ یہی نا کہ اللہ کافروں سے فرماتا ہے کہ جس کو تم پوجتے ہو اس سے تو یہ لازم آئے گا کہ اللہ بھی کسی کی عبادت کرتا ہے۔ معاذ اللہ، عظمت رسول سے بغض و عناد کے باعث دور حاضر کے منافقین کی عقلیں بھی ایسی تباہ و برباد ہو گئیں کہ اپنے مقصود کو ثابت کرنے کے لئے قرآن مجید کی آیتوں کی ایسی مضحکہ خیز تاویل کرتے ہیں کہ ''خود آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا'' جیسی حالت ہوتی ہے۔ سورہ زمر کی مذکورہ اور زیر بحث آیت میں ''رسول کے بندے'' پر تفصیلی گفتگو ہوئی، لیکن اب آپ کو قرآن مجید کی ایک ایسی آیت مبارکہ سناتا ہوں جس میں میرے، تمہارے ہمارے اور آپ کے بندوں کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرما کر منافقین کو مبہوت و ساکن فرما دیا ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَ اَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ وَ الصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِکُمْ وَ اِمَائِکُمْ'' (سورۂ نور، آیت ۳۲)

ترجمہ: اور نکاح کردو اپنوں میں ان کا جو بے نکاح ہوں اور اپنے لائق بندوں اور کنیزوں کا۔ (کنز الایمان)

اس آیت میں عام مومنین سے خطاب کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ اپنے بے نکاح اور لائق بندوں اور کنیزوں کا نکاح کردو۔ دور حاضر کے منافقین کے کلیجوں پر سانپ لوٹ گیا ہوگا۔ رسول کے بندوں کا معاملہ اٹھا کر عبد الرسول اور عبد النبی نام شرک بتانے میں سر کا پسینہ ایڑی تک اتر آیا، پھر بھی دلائل و براہین قاہرہ سے شرک ثابت نہ کر سکے۔ اور اب ایک اور نئی آفت آئی ہے کہ ''ماوشما کے بندے'' اس آیت میں اللہ تعالیٰ مومنین سے خطاب فرمارہا ہے کہ ''عبادکم'' یعنی تمہارے بندے، رسول نے عبادی یعنی میرے بندے کہا اور امت کو عبد الرسول کے لقب سے نوازا، لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ عبادکم یعنی تمہارے بندے فرما کر ہمارے غلاموں کو ہمارا بندہ فرما کر ''عباد ماوشما'' میں شمار فرمارہا ہے۔ لیکن یہاں ''عبد'' کے معنی عبدیت یعنی عبادت کرنے والا یا پرستش کرنے والا نہیں، بلکہ غلام، نوکر، ملازم، نیاز مند، حکم ماننے والا، تابعدار وغیرہ مراد ہیں۔ اسی طرح بندہ اور بندگی کو جب اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کی طرف منسوب کیا جائے گا تب عبادت اور پرستش کے معنی مراد لئے جائیں گے۔ حقیقت اور مجاز میں فرق کرنا لازمی اور ضروری ہے اور حقیقت اور مجاز میں فرق نہ کر کے صرف حقیقی معنی کا راگ الاپنا شروع کریں گے تو اس کے بے ڈھنگے سُر سے شرک کی ہی جھنکار سنائی دے گی۔ اگر عبد الرسول نام یا لقب شرک ہوتا تو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ''یا عبادی'' اور ''عبادکم'' نہ فرماتا۔ عبد الرسول ہونا بحکم قرآن و حدیث مستحسن ہے۔ اگر عبد الرسول ہونا مذموم ہوتا تو اجلہ صحابۂ کرام مثلاً: سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو کبھی بھی عبد الرسول نہ کہتے، بلکہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ برسر منبر اپنے آپ کو عبد الرسول کہتے تھے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب ازالۃ الحقائق میں بروایت حضرت ابوحذیفہ اسحٰق بن بشر سے اور کتاب مستطاب ''الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ'' کے حوالہ سے ناقل ہیں کہ امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خطبہ میں برسر منبر فرمایا کہ

''قَدْ کُنْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ فَکُنْتُ عَبْدَہٗ وَ خَادِمَہٗ''

یعنی میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں تھا۔ پس میں حضور کا بندہ اور حضور کا خادم تھا۔

اس حدیث کو حضرت ابوحذیفہ نے فتوح الشام میں اور حسن بن بشران نے اپنے فوائد میں ابن شہاب زہری وغیرہ ائمہ تابعین سے، علاوہ ازیں ابواحمد دہقان، جزرحدیثی ابن عساکر وغیرہ نے ''کتاب السنۃ'' میں افضل التابعین حضرت سیدنا سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

عارف باللہ حضرت مولانا روم قدس سرہٗ نے اپنی کتاب ''مثنوی شریف'' میں نقل فرمایا ہے کہ افضل الاولیاء المحمدیین، امام المشاہدین، خلیفۃ المسلمین، امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جب حضرت بلال مؤذن رسول رضی اللہ عنہ کو آزاد کر کے حاضر

بارگاہ عالم پناہ ﷺ ہوئے تو عرض کی:

گفت ما دو بندگان کوئے تو   کردمش آزاد ہم بر روئے تو

یعنی یارسول اللہ! ہم دونوں آپ کی گلی کے بندے ہیں۔ میں نے اس کو آپ کی خاطر آزاد کیا ہے۔

(دونوں روایات ماخوذ از کتاب مستطاب ''الامن والعلیٰ لناعتی المصطفیٰ بدافع البلاء''، از: اعلیٰ حضرت امام اہل سنت، شیخ الاسلام والمسلمین، امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہٗ، ص ۹۰/۹۱)

قارئین ملاحظہ فرمائیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خود ماحی کفروشرک، سید الموحدین حضور اقدس ﷺ کے روبرو اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اجلہ صحابہ کرام کی جماعت کے سامنے دوران خطبہ اپنے آپ کو ''عبدالرسول'' کہا۔ اگر عبد الرسول کہنے میں شرک کا ذرہ برابر شائبہ بھی ہوتا تو حضور اقدس ﷺ حضرت صدیق اکبر کو اور صحابہ کرام کی مقدس جماعت حضرت فاروق اعظم کو فوراً ٹوکتے کہ آپ نے کیا کہہ دیا؟ عبدالرسول ہونے میں شرک کا شبہہ ہے۔ لہٰذا آپ رجوع اور توبہ کرو، لیکن کسی نے کچھ نہ کہا، بلکہ اجلہ تابعین، مولانا روم، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی وغیرہم نے ان روایات کو اپنی معتبر کتابوں میں باعتبار مناقب نقل فرمایا ہے۔ ائمہ ملت اسلامیہ نے ان روایات کی صحت بیان کر کے ان کو روا رکھا ہے۔ حضور اقدس ﷺ سے لے کر ائمہ ملت اسلامیہ تک کو ''عبدالرسول'' میں شرک کا ذرہ بھر بھی شبہہ نظر نہ آیا۔ لیکن دور حاضر کے منافقین فرقہ وہابیہ، نجدیہ، دیوبندیہ، تبلیغیہ کو شرک کا پہاڑ نظر آرہا ہے۔ کیا حضور اقدس ﷺ سے لے کر اجلہ ائمہ ملت اسلامیہ تک کسی کو شرک کے معنی اور اس کی اصطلاح کی معلومات ہی نہ تھی کہ انھوں نے ''عبدالرسول'' ہونے کی مخالفت نہ کی، بلکہ اس کو روا رکھا اور شرک کے معنی اور اس کی اصطلاح کی صحیح تفہیم رکھنے والے اب چودہ سو سال کے بعد ٹپک پڑے؟ فرقہ وہابیہ کے اوسان ایسے خطا ہو گئے ہیں کہ ہر بات میں شرک کی رٹ لگاتے ہیں۔ ان منافقین کے نزدیک توحید الٰہی کا مطلب توہین رسول ہے۔ عظمت و تعظیم مصطفیٰ ﷺ کی ہر بات کی مخالفت کرنے کے لیے یہ منافقین توحید کی آڑ اور بہانہ لے کر جائز اور مستحب افعال کو بڑی سنگ دلی سے شرک کے پتھر مارتے ہیں۔ لیکن جب اپنے پیشوایان باطل اور جاہل ملاؤں کی عظمت کا معاملہ آتا ہے تو اپنے خود ساختہ شرک کے تمام اصولوں کو اپنے لمبے کرتے کی جیب میں ڈال لیتے ہیں۔

وہابی، تبلیغی جماعت کے قطب الارشاد اور خود ساختہ امام ربانی مولوی رشید احمد گنگوہی کا جب انتقال ہوا تو دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور صدر المدرسین مولوی محمود الحسن دیوبندی نے مولوی رشید احمد گنگوہی کی شان میں مرثیہ لکھا جو ''مرثیہ گنگوہی'' کے نام سے مشہور ہے۔ جس کا ایک شعر ذیل میں پیش خدمت ہے:

قبولیت اس کو کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں   عبید سود کا ان کے لقب ہے یوسف ثانی

حل لغت:

عبید: عبد کی تصغیر، چھوٹا غلام۔ (فیروز اللغات، ص ۸۹۰)

سود: اسود کی جمع، کالا، سیاہ رنگ کا۔ (المنجد)

اب شعر کا مطلب سنو! مولوی محمود الحسن دیوبندی وہابی جماعت کے پیشوا مولوی رشید احمد گنگوہی کے مناقب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہمارے گنگوہی صاحب کی قبولیت اور مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ ان کے کالے رنگ کے "عبد" یعنی چھوٹا عبد کی یہ شان ہے کہ باوجود سیاہ فام (کالا) ہونے کے بھی یوسف ثانی کا لقب رکھتا ہے۔ یعنی کالا کلوٹا ہونے کے باوجود گنگوہی کا کالا دیو "عبد" گنگوہی صاحب کی بدولت وطفیل حضرت یوسف علیہ السلام کا ثانی ہے، یعنی حسن و جمال میں وہ یوسف ثانی ہے۔ (معاذ اللہ)

اس شعر میں مولوی محمود الحسن صاحب دیوبندی نے گنگوہی صاحب کے کالے دیو کو گنگوہی کا عبد کہا یعنی عبد گنگوہی یا عبید گنگوہی۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ جس نے اپنی رسوائے زمانہ کتاب "فتاویٰ رشیدیہ" میں عبد الرسول نام کو موہوم شرک لکھا ہے، اسی ملا گنگوہی کے غلام کو عبد گنگوہی لکھ کر دار العلوم دیوبند کے شیخ الحدیث مولوی محمود الحسن نے خراج تحسین حاصل کیا ہے۔ عبد الرسول میں شرک کے خطرے کی گھنٹی بجانے والے عبد الگنگوہی کے گھنٹے مورچھل سے اٹھاتے ہیں۔ اب رسول کا معاملہ نہیں کہ شرک کا بے دھڑک فتویٰ صادر کر دیں، اب تو وہابی دیوبندی تبلیغی جماعت کے پیشوا کا معاملہ ہے۔ عبد الرسول میں شرک کا ہم نے اگرچہ فتویٰ دیا ہے، لیکن عبد الگنگوہی میں ہم کچھ بھی نہ کہیں گے، ہمارے ملا کی شان وشوکت کا معاملہ ہے۔ بقول شاعر:

الٹی سمجھ کسی کو بھی میرے خدا نہ دے　　　دے موت آدمی کو پر یہ ادا نہ دے

فرقہ وہابیہ دیوبندیہ کے لیے اپنے دل میں نرم گوشہ رکھنے والے اور اہل سنت وجماعت کے علمائے حق سے کدورت و نفرت رکھنے والے اردو ادب کے مشہور شاعر مومن خاں مومن دہلوی کا تجنیس کامل پر مشتمل ایک شعر پیش خدمت ہے:

صاحب نے اس غلام کو آزاد کر دیا　　　لو بندگی کہ چھوٹ گئے بندگی سے ہم

اس شعر میں شاعر یہ کہتا ہے کہ صاحب یعنی مالک نے مجھ غلام کو آزاد کر دیا۔ لہٰذا (سلام) لو کہ ہم آپ کی بندگی (نوکری ملازمت) کرنے سے چھوٹ گئے۔ اس شعر میں لفظ بندگی کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ حالاں کہ عام طور پر بندگی کے معنی عبادت اور پرستش لئے جاتے ہیں، لیکن مذکورہ شعر میں لفظ "بندگی" کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے اور دونوں مرتبہ اس کے معنی بندگی اور عبادت نہیں، بلکہ پہلی مرتبہ لفظ بندگی "سلام" کے معنی میں ہے اور دوسری مرتبہ "ملازمت" کے معنی میں ہے۔ پتہ چلا کہ ہر لفظ کے کئی معنی ہوتے ہیں۔ اور ہر لفظ کا معنی و مطلب محل و موقع کے اعتبار سے لیا جاتا ہے۔ کبھی معنی حقیقت پر مبنی ہوتا ہے اور کبھی مجاز پر محمول ہوتا ہے۔ اگر صرف ظاہری معنی ہی کا اعتبار کیا جائے تو مومن خاں مومن کے شعر پر بھی گرفت ہو سکتی ہے۔ لیکن مومن خاں فرقہ وہابیہ کے تائید کنندہ اور مولوی اسمٰعیل دہلوی کے ہمنواؤں میں سے تھے۔ لہٰذا ان کے شعر پر وہابیوں نے سکوت اختیار کر رکھا ہے۔ اگر یہ شعر کسی سنی عالم کا ہوتا تو دور حاضر کے منافقین ضرور اپنا سر پیٹتے، حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ مومن خاں مومن کا مذکورہ شعر حقیقت و مجاز کے فرق کی بنا پر قابل گرفت نہیں ہے۔

عبد الرسول اور عبد النبی نام کی مخالفت کرنے والے دور حاضر کے منافقین ایک توجیہہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کا بھی

بندہ اور رسول کا بھی بندہ؟ اس میں مساوات ہے اور جو فعل صفت باری تعالیٰ سے مساوات رکھے وہ بھی شرک ہے۔ عبداللہ اور عبدالرسول میں ان منافقین کو مساوات نظر آتی ہے۔ حالاں کہ عبداللہ اور عبدالرسول کے معنوں میں حقیقت اور مجاز کا فرق ہونے کی وجہ سے زمین و آسمان کا فرق ہے۔ لیکن عظمت رسول کے منکرین توحید کی آڑ میں اپنے دل کی بھڑاس نکالتے ہیں۔ فرض کرلو کہ اگر ظاہری الفاظ کے مساوی ہونے سے شرک کا حکم نافذ ہوتا ہے تو پھر منافقین کو یہ بھی کہنا پڑے گا کہ معاذ اللہ قرآن مجید میں بھی شرک کی تعلیم دی گئی ہے۔ چند آیات بطور دلیل تلاوت کرنے کی سعادت حاصل کریں۔

- قرآن شریف میں ہے کہ:

''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ'' (سورۃ فاتحہ، آیت ۲/۱)

ترجمہ: سب خوبیاں اللہ کو جو مالک سارے جہان والوں کا، بڑا مہربان رحمت والا۔ (کنزالایمان)

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ایک صفاتی نام ''رحیم'' مذکور ہوا ہے۔

- قرآن شریف میں ہے کہ:

''وَ اللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ'' (سورۃ آل عمران، آیت ۳۰)

ترجمہ: اور اللہ بندوں پر مہربان ہے۔ (کنزالایمان)

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ایک صفاتی مبارک نام ''رؤف'' مذکور ہے۔

- قرآن شریف میں ہے کہ:

''قُلْ کَفٰی بِاللّٰهِ بَیْنِیْ وَ بَیْنَکُمْ شَهِیْدًا'' (سورۃ عنکبوت آیت ۵۲)

ترجمہ: تم فرماؤ اللہ بس ہے میرے اور تمہارے درمیان گواہ۔ (کنزالایمان)

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ایک صفاتی نام ''شہید'' مذکور ہوا ہے۔

قرآن مجید سے ایسی بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں اور ایسے صفاتی اسمائے باری تعالیٰ کی ایک فہرست مرتب کی جاسکتی ہے، لیکن یہاں پر صرف تین آیات پر اکتفا کرتے ہوئے یہ ثابت کرنا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے بے شمار صفاتی نام ہیں، اور ''رحیم، رؤف، شہید'' یہ تینوں اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام ہیں۔ یعنی اللہ رحیم ہے، اللہ رؤف ہے اور اللہ شہید بھی ہے۔ اب ہر بات میں شرک کا واویلا مچانے والے دور حاضر کے منافقین اپنا دل وجگر تھام کر قرآن مجید کی ایک آیت مقدسہ سنیں!

- قرآن شریف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ'' (سورۃ توبہ، آیت ۱۲۸)

ترجمہ: بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے، تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان۔ (کنزالایمان)

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے محبوب اعظم ﷺ کو "رؤوف اور رحیم" فرما رہا ہے۔

- قرآن شریف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هٰٓؤُلَآءِ شَهِيدًا" (سورۃ نساء، آیت ۴۱)

ترجمہ: تو کیسی ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں اور اے محبوب تمہیں ان سب پر گواہ اور نگہبان بنا کر لائیں۔

(کنزالایمان)

مذکورہ پانچ آیات قرآنی سے حسب ذیل نتیجہ اخذ ہوا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ: رحیم ہے، رؤوف ہے، شہید ہے۔

رسول اللہ ﷺ: رحیم ہیں، رؤوف ہیں، شہید ہیں۔

اللہ بھی رحیم اور اللہ کا محبوب بھی رحیم، اللہ بھی رؤوف اور اللہ کا رسول بھی رؤوف، اللہ بھی شہید اور اس کا حبیب بھی شہید، یہ کسی کے گھر کی من گڑھت بات نہیں، بلکہ قرآن کا فیصلہ ہے۔ جو لوگ عبدالنبی اور عبدالرسول نام کے معاملے میں شرک کے پتھر مارتے ہیں وہ لوگ یہاں پر لگتا ہے کہ شرک کے فتوے کی مشین گن ہی چلا دیں گے۔ عبداللہ اور عبدالرسول میں مساوات کا رونا رونے والے اللہ بھی رحیم اور رسول بھی رحیم کے غم میں اپنا سینہ نہ کوٹیں تو اچھا، یہاں تو دور حاضر کے منافقین کو کھلم کھلا شرک نظر آتا ہوگا۔ شرک کی بابت ان کے خود ساختہ ضوابط کے تحت شرک ہی شرک دکھائی دیتا ہوگا۔ لیکن سچ یہ ہے کہ حقیقت اور مجاز کا فرق، ذاتی اور عطائی کا فرق سمجھ کر دیکھا جائے تو اس میں شرک کا شائبہ بھی نظر نہیں آئے گا۔ بلکہ صرف توحید اور خالص توحید کا ہی دیدار ہوگا۔ اللہ تعالیٰ بھی رحیم اور اللہ کا محبوب بھی رحیم، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو قرآن سے ثابت ہے۔ اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اللہ کے رحیم ہونے میں اور اللہ کے محبوب ﷺ کے رحیم ہونے میں فرق عظیم ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ رحیم ہے وہ ذاتی ہے اور اللہ کے محبوب رحیم ہیں وہ عطائی ہیں، اللہ کی عطا سے ہیں۔ اب نتیجہ یہ اخذ ہوا کہ حقیقی اور ذاتی رحیم اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب کو اپنی عطا سے رحیم بنایا۔ معاملہ بالکل صاف۔ ذاتی وعطائی اور حقیقت ومجاز کا فرق اگر سمجھ میں آ گیا تو توحید و رسالت کے تعلق سے تمام مسائل بہ آسانی سمجھ میں آ جائیں گے اور نور ایمان حاصل ہوگا۔ ورنہ دور حاضر کے منافقین کی مانند شرک کے بھنور میں پھنسے تو نور ایمان سے محروم ہونا پڑے گا۔ اللہ کے رحیم ہونے اور رسول کے رحیم ہونے میں ذاتی وعطائی کا جو فرق ہے اس کو ذہن نشیں رکھتے ہوئے عبداللہ اور عبدالرسول کا فرق بہ آسانی سمجھ میں آ جائے گا اور کسی قسم کا شک اور تردد باقی نہ رہے گا۔

ایسی تو کئی مثالیں قرآن مجید سے پیش کی جا سکتی ہیں۔ مثلاً: اللہ تبارک وتعالیٰ رب العالمین ہے۔ "رب" اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے۔ لیکن قرآن شریف میں ماں باپ کو بھی رب کہا گیا ہے۔ قرآن شریف میں ہے کہ

"وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا" (سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۲۴)

صرف اشارہ کرتے ہوئے اس آیت کا ذکر کیا ہے اس کی زیادہ تفصیلی بحث نہیں کر سکتا۔ اللہ رب ہے اور بیشک وہ ذاتی

ہے اور حقیقی رب ہے یعنی پالنے والا ہے۔ اور ماں باپ رب کی عطا سے مجازی وعطائی رب یعنی اولاد کو پالنے والے ہیں۔ اسلام کا دائرۂ ایمان وعمل وسیع ہے۔ لیکن افسوس کہ دور حاضر کے کورچشم وخبیث باطن منافقین اسلام کا دائرہ تنگ کرنے کی غرض سے ایسے ایمانی مسائل میں تنگ نظری سے کام لے کر ہدایت کے بجائے ضلالت وگمراہی کی تبلیغ کر کے ملت اسلامیہ کا عظیم نقصان کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک لفظ کے متفرق معنی ہوتے ہیں۔ فرق معنی کی وجہ سے مطلب کچھ کا کچھ ہوجاتا ہے۔ لہٰذا لفظ کے معنی ومطلب پر بنظر عمیق سوچ کر بعد میں حکم بیان کرنا چاہیے۔ اور اس کام کے لیے وسیع علم درکار ہے۔ علماء ومفتیان کرام کا یہ کام ہے، لیکن دور حاضر میں تبلیغی جماعت میں دو چلے کر لینے والا جاہل بلکہ اجہل اپنے آپ کو علامہ سمجھ کر جاہلانہ تفسیر وتشریح کرتا پھرتا ہے۔ خود تو گمراہ ہوتے ہیں دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ قارئین کرام کی خدمت میں فرق معنی کی ایک مثال پیش ہے۔ عام طور پر مسلمان کو مومن کہا جاتا ہے۔ عوام وخواص سب بولتے ہیں کہ پیارے مومن بھائی۔ اگر کوئی یہ کہے کہ میں مومن ہوں تو اس سے یہ مراد لی جائے گی ''میں مسلمان'' ہوں، الحاصل مسلمان کا ایک نام مومن بھی ہے۔

- قرآن شریف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَ لَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَكُمْ'' (سورۃ البقرۃ، آیت ۲۲۱)

ترجمہ: اور بے شک مسلمان غلام شرک سے اچھا ہے۔ (کنز الایمان)

قرآن شریف کی اس آیت میں مسلمان کو ''مومن'' کہا گیا ہے اور ایک اور آیت کریمہ کی تلاوت کا شرف حاصل کریں:

- قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ''

(سورۃ الحشر، آیت ۲۳)

ترجمہ: وہی ہے اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ بادشاہ، نہایت پاک، سلامتی دینے والا، امان بخشنے والا، حفاظت فرمانے والا، عزت والا، عظمت والا، تکبر والا۔ (کنز الایمان)

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے لفظ ''مومن'' وارد ہے۔ اب ذرا سوچو سورۂ بقرہ کی آیت میں مسلمان کو ''مومن'' کہا گیا ہے اور سورۂ حشر کی آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے لفظ ''مومن'' استعمال ہے یعنی مسلمان بھی مومن اور اللہ بھی مومن۔ کیا دور حاضر کے منافقین یہاں پر بھی شرک کا فتویٰ لگائیں گے۔ حالاں کہ تبلیغی جماعت والے اپنے کو مومن کہتے ہیں۔ تو ان حضرات کو متنبہ کرنا ضروری ہے کہ جناب! اپنے آپ کو مومن مت کہا کرو۔ مومن تو اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے۔ یہ تو شرک ہوگیا۔ تم بھی مومن اور اللہ تعالیٰ بھی مومن۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مومن کی نسبت جب مسلمان کی طرف کی جائے گی تو اس کا معنی ہوگا ''ایمان لانے والا، یا ایمان دار''۔ لیکن جب لفظ مومن کی نسبت اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف کی جائے گی تو اس کا مطلب ہوگا ''امان بخشنے والا یا امان دینے والا'' اب یہاں شرک کے احتمال کی بھی گنجائش نہ رہی۔ بظاہر لفظ

مومن دونوں جگہ استعمال ہوا ہے۔ لیکن دونوں کے معنی اور مطلب میں عظیم فرق ہونے کی وجہ سے کوئی تنازع پیدا نہیں ہوا۔ اسی طرح عبداللہ اور عبدالرسول میں دونوں ''عبد'' اعراب وحروف کے اعتبار سے مساوی ہیں لیکن معنی ومطلب کے اعتبار سے فرق ہے۔ لہٰذا یہاں بھی کوئی تنازع یا اعتراض کا سوال پیدا نہیں ہوتا، لفظ عبد کی نسبت جب اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف کی جائے گی تو عبد کے معنی عبادت کرنے والا، یا پرستش کرنے والا ہوں گے اور جب لفظ عبد کی نسبت حضور اقدس ﷺ کی طرف کی جائے گی تو عبد کے معنی خادم، غلام، اطاعت کرنے والا، وغیرہ ہوں گے۔

الحاصل! عبداللہ کے معنی اللہ کی عبادت کرنے والا اور عبدالرسول کے معنی رسول کی غلامی اختیار کرنے والا، اب اس کے بیچ میں شرک کہاں سے آگیا؟ یہ سب خرافات اور ذہنی اُپج دور حاضر کے منافقین کی ہیں اور پس پردہ عظمت رسول کا انکار مقصود ہے۔

خیر! حضرت رضؔا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے شعر میں فرماتے ہیں کہ ''میں تو کہا ہی چاہوں کہ بندہ ہوں شاہ کا'' یعنی قرآن شریف سورۂ زمر میں ہم سب کو حضور اقدس ﷺ کا بندہ قرار دیا گیا ہے اور اس کا اقرار واعتراف حضرت رضا فرما رہے ہیں کہ بندہ ہوں شاہ کا۔ حضرت رضا نے اپنا نام عبدالمصطفیٰ رکھ لیا تھا۔ جہاں بھی آپ دستخط فرماتے یا اپنا نام لکھتے تھے تو عبدالمصطفیٰ احمد رضا لکھتے تھے۔ بلکہ آپ کی مہر جو فتوے میں لگائی جاتی تھی، اس میں بھی عبدالمصطفیٰ احمد رضا کندہ تھا۔ یعنی حضرت رضا نے صرف زبانی اقرار اور قولی طور پر ہی نہیں، بلکہ عملی طور پر بھی اپنے آپ کو شاہ کا بندہ ثابت کر دکھایا۔ لیکن حضرت رضا بریلوی کی تمنا یہ ہے کہ بارگاہ رسالت سے بھی اگر اس کا تمغہ عطا ہوجائے کہ یہ ہمارا بندہ ہے اور وہ تمغہ صرف ''ہوں'' فرمادینے سے حاصل ہوجائے گا اور سرکار کی صرف ''ہوں'' سے میرے بندۂ نبی ہونے پر مہر توثیق ثبت ہوجائے گی اور اس مہر کے طفیل دخول جنت کا پروانہ مل جائے گا۔ حضرت رضا بریلوی نے بارگاہ رسالت کے گستاخوں کو للکارتے ہوئے فرمایا ہے:

یاعبادی کہہ کے ہم کو شاہ نے ॥ اپنا بندہ کرلیا پھر تجھ کو کیا
دیو کے بندوں سے ہم کو کیا غرض ॥ ہم ہیں عبد مصطفیٰ پھر تجھ کو کیا
تیری دوزخ سے تو کچھ چھینا نہیں ॥ خلد میں پہنچا رضؔا پھر تجھ کو کیا



(۹۱)

نور و بنت نور و زوج نور و ام نور و نور
نور مطلق کی کنیز اللہ دے لہنا نور کا

(حدائق بخشش، حصہ ۳، ص ۱۸)

حل لغت:

بنت: لڑکی، دختر، جمع، بنات۔ (فیروز اللغات، ص ۲۱۶ ☆ لغات کشوری، ص ۱۰۵ ☆ کریم اللغات، ص ۲۵)

زوج: جفت، جوڑا، بیوی خاوند میں سے کوئی ایک، شوہر، وہ عدد جو بغیر کسر کے نصف ہو۔
(فیروز اللغات، ص ۷۵۳ ☆ لغات کشوری، ص ۳۵۵ ☆ کریم اللغات، ص ۸۵)

ام: ماں، والدہ، مادر، مائی، جمع امہات۔ (فیروز اللغات، ص ۱۲۰ ☆ لغات کشوری، ص ۵۹ ☆ کریم اللغات، ص ۱۶)

مطلق: آزاد، بے قید، بالکل، قطعی، مثلاً: آزاد قطعی، قرآن شریف کی وہ آیت جہاں ٹھہرنا چاہیے، قید سے رہا کیا گیا، رونق کیا گیا۔ (فیروز اللغات، ص ۱۲۵۹ ☆ لغات کشوری، ص ۷۱۴ ☆ کریم اللغات، ص ۱۵۹)

کنیز: لونڈی، باندی، کبھی بمعنی کنواری لڑکی کے بھی آیا ہے۔
(فیروز اللغات، ص ۱۰۳۸ ☆ لغات کشوری، ص ۶۰۱ ☆ کریم اللغات، ص ۱۳۱)

لہنا: قسمت، نصیب، بھاگ، بخت، بہرہ، فائدہ، نفع، حاصل۔ (فیروز اللغات، ص ۱۱۷۲)

پہلی مرتبہ لفظ ''نور'' سے مراد ''خاتون جنت فاطمۃ الزہراء'' رضی اللہ عنہا ہیں۔

دوسری مرتبہ لفظ ''نور'' سے مراد ''حضور اقدس'' صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

تیسری مرتبہ لفظ ''نور'' سے مراد ''حضرت مولیٰ علی مشکل کشا'' کرم اللہ وجہہ الکریم ہیں۔

چوتھی مرتبہ لفظ ''نور'' سے مراد ''حضرت سیدنا امام حسن'' رضی اللہ عنہ ہیں۔

پانچویں مرتبہ لفظ ''نور'' سے مراد ''حضرت سیدنا امام حسین'' رضی اللہ عنہ ہیں۔

چھٹی مرتبہ لفظ ''نور'' سے مراد ''اللہ تبارک وتعالیٰ'' جل جلالہ ہے۔

ساتویں مرتبہ لفظ ''نور'' کا مطلب ''نور یعنی چمک، روشنی'' وغیرہ ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس شعر میں جگر پارۂ مصطفیٰ، خاتون جنت سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراء صلی اللہ تعالیٰ علیٰ ابیہا وعلیہا کی شان میں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لفظ ''نور'' کا سات مرتبہ استعمال فرمایا۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ وہ نور ہیں، نور کی بیٹی ہیں، نور کی بیوی ہیں، دو نور کی والدہ ہیں، نور کی کنیز ہیں، ان کے طفیل اور صدقہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ ہم غلاموں کو بھی نور سے بہرہ مند فرمائے۔ آمین!

- اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے جو نور کی بندش کی ہے، وہ قابل صد تحسین و آفرین ہے۔ خاتون جنت حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کو نور کہا۔ وہ نور ہیں اور یقیناً نور ہیں کیوں کہ ان کے متعلق مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد جو حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

''فَاطِمَةُ بُضْعَةٌ مِنِّیْ''

یعنی فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔

لہٰذا متعدد محدثین امام سبکی، امام سیوطی، امام زرکشی اور امام مناوی رحمہم اللہ نے تصریح کی ہے کہ ''آپ تمام خواتین حتیٰ کہ حضرت مریم سے بھی افضل ہیں۔'' وہ فاطمہ جو اپنے ابا جان کے لیے راحت جان ہیں وہ غیر موجود ہوتیں تو پیارے آقا بے چینی محسوس کرتے اور جب وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوتیں تو مسرور ہوتے۔ اپنی پیاری بیٹی سے پیارے آقا و مولیٰ کو ایسا لگاؤ تھا کہ سفر پر جاتے اور سفر سے آتے وقت یعنی رخصت و آمد دونوں اوقات میں سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے جاتے۔ اس کے بعد ہی ازواج مطہرات کے ہاں تشریف لے جاتے۔ ایک مرتبہ ازواج میں سے کسی نے اظہار رشک کیا تو آپ نے فرمایا:

''اَنَّ فَاطِمَةَ الزَّهْرَآء اَحَبُّ اَهْلِ بَيْتِیْ اِلَیَّ''

یعنی فاطمہ زہراء مجھے تمام گھر والوں سے زیادہ محبوب ہے۔

- وہ بنت نور یعنی نور کی بیٹی اپنے والد محترم کی برکت و تربیت کی وجہ سے سراپا زہد و تقویٰ کا پیکر جمیل تھیں اور ان کے اخلاق و عادات میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ کی جھلک تھی۔

محبوبہ محبوب رب العٰلمین ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''میں نے بیٹھنے، اٹھنے، چال، ڈھال اور برتاؤ میں فاطمہ سے بڑھ کر حضور کے مشابہ کسی کو نہیں دیکھا۔'' (ترمذی، باب فضل فاطمہ)

- حضرت رضا بریلوی نے آپ محترمہ، مخدومہ معظمہ کو نور اور بنت نور کہنے کے بعد زوج نور یعنی نور کی اہلیہ کے وصف سے متصف فرمایا ہے۔ جس سے مراد سید السادات حضرت علی مشکل کشا رضی اللہ عنہ کی ذات پاک ہے۔ جن کے فضائل و مناقب کا کتنا ہی بیان کیوں نہ ہو لیکن کماحقہٗ ادا نہیں ہو سکتا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا ہے:

''اَلنَّظْرُ اِلٰی عَلِیٍّ عِبَادَۃٌ''

یعنی علی کو دیکھنا عبادت ہے۔ (الشرف المؤبد، ص ۴۸)

غدیر خم نامی ایک مقام پر حضور اقدس ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

''مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ''

ترجمہ: جس کا میں مولیٰ ہوں علی بھی اس کے مولیٰ ہیں۔ (الشرف المؤبد، ص ۴۸)

- شعر کے مصرع اول کے آخر میں ''ام نور و نور'' یعنی نور اور نور کی والدہ دو نور کا ذکر فرمایا ہے اور اس سے مراد حضرت سیدنا امام حسن اور حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہما ہیں۔ اور ان دونوں کے مناقب سے تمام کتب احادیث و سیر بھری ہوئی ہیں۔

ان دونوں کے متعلق مالک کائنات ﷺ نے فرمایا:

''اِنَّ الْحَسَنَ وَ الْحُسَیْنَ ھُمَا رَیْحَانَتَایَ''

ترجمہ: حسن اور حسین دنیا میں میرے پھول ہیں۔ (ذخائر العقبیٰ)

- دوسرے مصرع کی ابتدا میں ''نور مطلق کی کنیز'' آیا ہے۔ یہاں نور مطلق سے مراد اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہے۔

قرآن شریف میں ہے:

''اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ''

ترجمہ: اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا۔ (سورۃ نور، آیت ۳۵)

اب پورے شعر کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت فاطمۃ الزہراء نور ہیں، نور (حضور اقدس ﷺ) کی صاحبزادی ہیں، نور (حضرت علی) کی زوجہ ہیں، نور (حضرت امام حسن) اور نور (حضرت امام حسین) کی والدہ ہیں اور نور مطلق (اللہ تعالیٰ) کی پاکیزہ بندی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام نفوس قدسیہ کے طفیل میں ہم غلاموں کو بھی نور ایمان و نور دنیا و آخرت سے مالا مال فرمائے۔ آمین!



(۹۲)

جس مسلماں نے دیکھا انھیں اک نظر
اس نظر کی بصارت پہ لاکھوں سلام

حل لغت:

نظر: بغور دیکھنا، نگاہ، آنکھ، بصارت، غور، تامل، فکر، نگرانی، دیکھ بھال، تمیز، معائنہ، تخمینہ، جانچ، پرکھ، توجہ، مہربانی، امید، شناخت، اندازہ، بھوت پریت کا اثر، آسیب۔ (فیروز اللغات، ص۱۳۶۳ ☆ لغات کشوری، ص۷۷۹ ☆ کریم اللغات، ص۱۸۴)

بصارت: نظر، بینائی، آنکھ کی روشنی۔ (فیروز اللغات، ص۲۰۵ ☆ لغات کشوری، ص۹۹ ☆ کریم اللغات، ص۲۴)

ایک نظر دیکھنا: ایک بار، یا سرسری نظر سے دیکھ لینا۔ (فیروز اللغات، ۱۴۹)

پہلے مصرع میں وارد لفظ ''نظر'' کا مطلب ''دیکھنا'' ہے۔

دوسرے مصرع میں لفظ ''نظر'' کا مطلب ''آنکھ'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی مقدس جماعت پر تہنیت وسلام کے نذرانے اور خراج عقیدت پیش کر رہے ہیں۔ اس شعر میں لفظ ''نظر'' دو مرتبہ آیا ہے۔ دونوں اسم ہیں، لیکن دونوں کے معنی جدا ہیں۔ پہلی مرتبہ جو لفظ نظر ہے اس کا مطلب دیکھنا ہے اور دوسری مرتبہ جو لفظ نظر آیا ہے اس کا مطلب آنکھ ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ نظر ہے اس کا لغوی معنی ''بغور دیکھنا'' ہے، لیکن اس کے ساتھ ''اک'' کی اضافت کر دینے سے وہ محاورہ بن گیا اور اس کا مطلب ہوگا ایک بار دیکھنا یا سرسری طور پر دیکھ لینا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بہتوں نے دیکھا ہے، لیکن ہر دیکھنے والا اسلام کے نذرانے کا حقدار نہیں۔ ابوجہل، ابولہب، ولید بن مغیرہ، عبداللہ بن ابی منافق وغیرہ رُؤسائے مشرکین نے بھی دیکھا۔ لیکن ایمان کی حالت میں نہ دیکھا تھا۔ اسی لیے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ و الرضوان نے مطلق دیکھنا نہ فرمایا، بلکہ دیکھنے کے ساتھ مسلمان کی قید لگائی اور یہ فرمایا کہ جس مسلمان نے دیکھا، کس کو؟ انہیں، یعنی آفتاب نبوت و ماہتاب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کو، کتنا دیکھا؟ بہت خوش نصیب حضرات نے تو اس چہرۂ مقدس کا نظارہ مدتوں کیا۔ مثلاً: حضرت سیدنا ابوبکر صدیق، سیدنا فاروق اعظم، حضرت عثمان غنی، حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہم لیکن ایمان کی

حالت میں اس چہرۂ منور کو صرف ایک نظر ہی دیکھ لینا صحابیت کے مرتبہ پر فائز ہونے کے لیے کافی ہے۔شرعی اصطلاح میں صحابی کی تعریف یہ ہے کہ ہر وہ انسان، مرد ہو یا عورت جس نے ایمان کی حالت میں ایک مرتبہ اللہ کے محبوب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے ماتھے کی آنکھوں سے دیدار کیا اور ایمان کی حالت میں دنیا سے رخصت ہوا وہ صحابی ہے۔اس چہرۂ جہان آراء کا نظارہ بھی کتنی اہمیت و وقعت رکھتا ہے، ایک مرتبہ جس کے نظارے سے انسان بعد الانبیاء اس عالی مرتبہ پر فائز ہو جاتا ہے، جس کا مقابلہ دنیا کا کوئی انسان بلکہ کوئی مخلوق بھی نہیں کر سکتی۔کائنات کے تمام عابد و زاہد، عالم و عامل، غوث و قطب، ابدال، صالحین، سالکین اور اولیاء وغیرہم میں سے چاہے وہ کتنے ہی بلند مرتبہ پر فائز ہو، کسی بھی صحابی کے مقام و رتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔

- حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابہ کو برا نہ کہو، قسم ہے مجھے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے:

"لَوْ اَنَّ اَحَدَکُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا مَآ اَدْرَكَ مُدَّ اَحَدِهِمْ وَ لَا نَصِيْفَهٗ"

ترجمہ: اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کی مقدار سونا خرچ کرلے تو بھی وہ صحابی کے خرچ کیے ہوئے مد بلکہ نصف تک بھی نہیں پہنچ سکتا۔ (ترمذی، باب ماجاء فی فضل من رأی النبی)

نوٹ: مُد ایک پیمانہ ہے جس سے غلہ ناپا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ سے کسی شخص نے پوچھا کہ حضرت امیر معاویہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہما میں سے کون افضل ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ جس گھوڑے پر سوار ہو کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ہوتے تھے اس گھوڑے کی ناک کا غبار عمر بن عبدالعزیز سے ہزار بار افضل ہے۔

اندازہ کیجیے کہ اس جان عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس کو صرف دیکھنے سے بھی کتنا عظیم مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے۔ایک مثال پیش خدمت ہے۔فرض کرو کہ ایک شخص زمانۂ نبوی میں دست اقدس پر اسلام لایا اور قبول اسلام کے بعد اسے کوئی موقع ہی نہ ملا کہ وہ کوئی عبادت کرے، اس کا دفعتاً انتقال ہو گیا، پھر بھی وہ درجۂ صحابی حاصل کر چکا ہے۔اس کا درجہ اس شخص سے ہزار ہا گنا بلند ہے جو صحابی نہیں، گرچہ اپنی زندگی کا ہر لمحہ اس نے عبادت و ریاضت میں ہی کیوں نہ صرف کیا ہو۔پتہ چلا کہ ایک عابد کی عمر بھر کی عبادت وہ درجہ نہیں دلا سکتی جو درجہ مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کو ایک بار بحالت ایمان دیکھنے سے حاصل ہوتا ہے۔اسی لیے تو رفیق غار خیر البشر بعد الانبیاء امیر المومنین سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس دنیا کی جو تین چیزیں پسند فرمائیں ان میں سے سب سے پہلی چیز چہرۂ اقدس کو دیکھنا ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"حُبِّبَ اِلَیَّ مِنَ الدُّنْيَا ثَلَاثٌ اَلنَّظَرُ اِلٰى وَجْهِ رَسُوْلِ اللّٰهِ"

یعنی مجھے دنیا کی تین چیزیں پسند ہیں (ان میں سے ایک) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور کو دیکھنا۔

(منبہات ابن حجر، ص ۲۱، باب ثالث)

اس چہرۂ اقدس کا جمال جہاں آراء ایسا دلکش تھا کہ جس نے اس کو ایک بار دیکھا وہ اس پر فریفتہ ہوگیا، چنانچہ اسلام کے سب سے بڑے اور کھلے دشمن ابوجہل کے بیٹے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ عجیب و حیرت انگیز ہے۔ حضرت عکرمہ بڑے خوبصورت جوان تھے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس خیال سے ہمیشہ دور رہا کرتے تھے کہ جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا، یا جسے وہ دیکھ لیں تو وہ اپنے دین پر قائم نہیں رہتا، ایک مرتبہ اتفاقاً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا سامنا ہوگیا اور حضرت عکرمہ کی نظر آقا کے چہرے پر پڑگئی، حضرت عکرمہ گھبرائے۔ دوڑتے ہوئے گھر آئے، لیکن آنکھوں کے سامنے اسی چہرۂ اقدس کا جلوہ نمایاں ہے۔ حضرت عکرمہ نے اس چہرۂ اقدس کو بھولنے کی بہت کوشش کی، لیکن کامیاب نہ ہوئے۔ گھبرا کر اپنے بت کے پاس آئے، لیکن وہی حالت بدستور قائم رہی۔ مجبور ہو کر خودکشی کرنے کے لیے دریا کے پاس گئے، لیکن دریا نے انہیں غرق نہ کیا تو وہ یمن بھاگ گئے۔ حضرت عکرمہ کی بیوی ام حکیم بنت حارث جو مسلمان ہو چکی تھیں۔ انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عکرمہ کے لیے امان حاصل کرلی۔ چنانچہ حضرت عکرمہ جب یمن سے واپس آئے تو خدمت اقدس میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ (مدارج النبوۃ، جلد۲، ص۲۹۸)

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں خودکشی کرنے کے لیے پانی میں چھلانگ لگاتا تو کوئی مجھے پکڑ لیتا اور میرے کان میں یہ آواز آتی کہ اے عکرمہ! اب تو مشرف بہ اسلام ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، کیوں کہ محبوب خدا سے تیری آنکھیں چار ہوئی ہیں۔ (جامع المعجزات، مطبوعہ مصر)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے جن کا شمار اکابر علمائے یہود میں ہوتا تھا۔ صرف ایک نظر حضو کا چہرۂ اقدس دیکھا اور کلمہ پڑھ لیا۔ (ترمذی، ص۱۷)

حضرت رضا بریلوی تمام صحابہ کی خوش قسمتی کو سراہتے ہوئے ان کی نظروں کی بصارت یعنی آنکھوں کی بینائی پر لاکھوں سلام بھیج رہے ہیں۔



۹۳

بدکار رضاؔ خوش ہو بدکام بھلے ہوں گے
وہ اچھے میاں پیارا اچھوں کا میاں آیا

حل لغت:

بدکار: برے کام کرنے والا، فاسق، بدچلن، بدکردار، بدفعل، اوباش یعنی لچا، بدمعاش۔
(فیروز اللغات، ص ۱۸۷☆لغات کشوری، ص ۶۹/۸۹☆ کریم اللغات، ص ۲۳۸)

بھلے: تانیث، بھلی، اچھا، اچھی۔ (فیروز اللغات، ص ۲۳۸)

اچھا: برا کی ضد، بہتر، مناسب، ٹھیک، درست، تندرست، بے روگ، بہت خوب، مبارک، مسعود، نیک، مفید، سزاوار، موافق، بے ڈھنگ، بے ڈھب، افضل، اعلیٰ، تسلی، اطمینان، دیکھا جائے گا، (برائی کے لیے) سمجھے، سن لیا (تاکید کے لیے) اجازت ہے۔ (فیروز اللغات، ص ۷۱)

میاں: امیراں بمعنی سردار کا مخفف، آقا، والی، وارث، خداوند، مالک، سرکار، حضور، حاکم، صاحبزادہ، بیٹا، خاوند، شوہر، خصم، جناب، جناب عالی، یار، دوست، بھائی، استاذ، معلم، مدرس، پڑھانے والا، شہزادہ، صاحب علم، امیر زادہ، کنور، پہاڑی راجاؤں کے خاندان کے لوگ۔ (فیروز اللغات، ص ۱۳۲۵)

دوسرے مصرع میں شروع والے لفظ ''میاں'' سے مراد ''حضرت آل احمد اچھے میاں'' ہیں۔

دوسرے مصرع میں بعد والے لفظ ''میاں'' کا مطلب ''آقا، سردار'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے شمس الملت و الدین، قطب الکاملین، حضرت سید شاہ ابوالفضل آل احمد اچھے میاں مارہروی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنا قلبی و روحانی لگاؤ اور ان کی دستگیری و خبر گیری پر اعتماد کامل کا اظہار فرمایا ہے۔ اس شعر کے دوسرے مصرع میں لفظ ''میاں'' کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ دونوں لفظ ''میاں'' اسم ہیں، لیکن دونوں الگ الگ معنی کے حامل ہیں۔ لہٰذا یہ شعر اردو ادب کی صنعت تجنیس کامل مماثل کا مثالی شعر ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ میاں ہے وہ ''امیراں'' کا مخفف ہے۔ اور اس سے مراد ''حضرت آل احمد اچھے میاں'' مارہروی رضی اللہ عنہ کی ذات

گرامی ہے۔ اور دوسری مرتبہ جو لفظ ''میاں'' ہے اس کا معنیٰ آقا اور سردار ہے۔ شعر کا لغوی اعتبار سے ظاہری معنیٰ یہ ہوا کہ اے بدکار رضا! خوش ہوجا، تیرے تمام برے کام اچھے اور نیک کاموں میں تبدیل ہوجائیں گے، کیوں کہ تیری حمایت و نصرت فرمانے والے اچھوں کے سردار وآقا، حضرت آل احمد اچھے میاں مارہروی قدس سرہٗ آپہنچے ہیں۔ ان کے طفیل اور ان کی نگاہ کرم کے صدقے تیرے تمام برے کام اچھے ہوجائیں گے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے خود کو بدکار یعنی برے کام کرنے والا کہا ہے۔ اپنے آپ کو گنہگار کہنا بزرگوں کی تواضع اور ازراہ انکساری ہے۔

نیک اور صالح لوگ اپنی نیکی اور پرہیزگاری کا کبھی ڈھنڈورا نہیں پیٹتے، بلکہ وہ اپنی نیکیوں کو چھپاتے ہیں اور ازراہ تواضع و انکساری اپنے آپ کو گنہگار، سیاہ کار، بدکار وغیرہ عیوب سے متصف کرتے ہیں۔ تمام انبیائے کرام علیہم السلام ''معصوم'' ہیں۔ ان مقدس حضرات سے گناہ صادر نہیں ہوتے، بلکہ ان سے گناہ کا صدور ممکن ہی نہیں۔ وہ تمام نفوس قدسیہ گناہ و معاصی سے پاک اور منزہ تھے۔ اس کے باوجود وہ حضرات ازراہ تواضع اور انکساری بارگاہ خداوندی میں توبہ و استغفار کرتے تھے۔ سید الانبیاء والمرسلین حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے توبہ و استغفار کی تلقین فرمائی ہے اور دل کی صفائی کے لیے اسے مجرب فرمایا ہے۔ آپ نے صرف توبہ و استغفار کی تلقین ہی نہیں فرمائی، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل بھی فرمایا ہے۔

مسلم شریف میں حضرت اغرمزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اِنِّی لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ فِی الْیَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ''

ترجمہ: بلاشبہ میں ضرور اللہ تعالیٰ سے روزانہ سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔

قرآن مجید میں اولوالعزم انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی توبہ و استغفار کا ذکر ہے:

- حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ کا ذکر اس طرح ہے:

''قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ'' (سورۃ اعراف، آیت ۲۳)

ترجمہ: دونوں نے عرض کی اے رب ہمارے! ہم نے اپنے آپ برا کیا، تو اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور نقصان والوں میں ہوئے۔ (کنز الایمان)

- حضرت نوح علیہ السلام نے بارگاہ رب العالمین میں عرض کی:

''رَبِّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْــٴَـلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ وَ اِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَ تَرْحَمْنِیْۤ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ'' (سورۃ ہود، آیت ۴۷)

ترجمہ: اے رب میرے! میں تیری پناہ چاہتا ہوں کہ تجھ سے وہ چیز مانگوں جس کا مجھے علم نہیں اور اگر تو مجھے نہ بخشے اور رحم نہ کرے تو میں زیاں کار ہوجاؤں۔ (کنز الایمان)

- حضرت یونس علیہ السلام نے رب رحیم و کریم کی بارگاہ میں عرض کی:

"لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ" (سورۃ الانبیاء، آیت ۸۷)

ترجمہ: کوئی معبود نہیں سوا تیرے، پاکی ہے تجھ کو، بے شک مجھ سے بے جا ہوا۔ (کنزالایمان)

● حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید میں بیان ہے:

"وَ ظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَ خَرَّ رَاكِعًا وَّ اَنَابَ" (سورۃ ص، آیت ۲۴)

ترجمہ: اب داؤد سمجھا کہ ہم نے یہ اس کی جانچ کی تھی، تو اپنے رب سے معافی مانگی، اور سجدہ میں گر پڑا اور رجوع لایا۔
(کنزالایمان)

نوٹ: اس آیت کی تلاوت پر "سجدۂ تلاوت" واجب ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ سجدۂ تلاوت ادا فرمالیں۔

انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تواضع وانکساری کی اتباع کرتے ہوئے ملت اسلامیہ کے جلیل القدر اولیائے کاملین نے عرصہ دراز تک سخت محنت ومشقت کی عبادات کرنے کے باوجود اپنے آپ کو گنہگار، سیہ کار اور بدکار ہی کہا اور ہمہ وقت خوف خدا سے لرزتے رہے اور توبہ واستغفار میں مشغول رہے۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ اپنے ان آقاؤں کی سنت وطریقہ پر عمل کرتے ہوئے خود کو بدکار فرما رہے ہیں اور ایک اہم نکتہ تصوف کی طرف بھی التفات کریں تو یہ عقدہ کھل جائے کہ بزرگان دین نے اپنے آپ کو گنہگار، بدکار، کیوں کہا؟

تصوف اور راہ سلوک کا ایک اہم نکتہ یہ ہے:

● "حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ"

ترجمہ: ابرار کی نیکیاں مقربین کے حق میں گناہ ہوتی ہیں۔

مقربین سے وہ حضرات مراد ہیں جنہوں نے دولت ایمان کی سلامتی کے ساتھ طاعت وریاضت اور ملت اسلامیہ کی علمی وعملی خدمات میں اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ خرچ کر کے اللہ اور رسول کا قرب حاصل کرلیا ہو۔ ان حضرات کے نزدیک بعض وہ کام جو بظاہر جائز اور ثواب ہیں وہ کام بہ تقاضائے عشق حقیقی اپنے حق میں ناروا اور نامناسب جانتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر شہر کے بازار میں آگ لگ گئی اور اکثر دکانیں جل جائیں، لیکن کسی کی دکان جلنے سے محفوظ رہ جائے تو وہ اس کو اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل وکرم سمجھ کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے از راہ تشکر الحمد للہ کہے تو یہ اس کے لیے شکران نعمت ہے اور ثواب کا حقدار ہے۔ آگ سے اپنی دوکان کے محفوظ رہنے پر الحمد للہ کہنا یقیناً جائز اور روا ہے، لیکن بارگاہ الٰہی کے مقربین کے لیے؟

حضرت سری سقطی رضی اللہ عنہ جس زمانہ میں تجارت کرتے تھے، اس دور میں ایک مرتبہ بغداد کے بازار میں آگ لگنے کی وجہ سے تمام دوکانیں جل گئیں۔ لیکن حضرت سری سقطی کی دوکان جلنے سے محفوظ رہی۔ کسی نے ان کے گھر جا کر خبر دی کہ آپ کی دکان جلنے سے محفوظ رہی اس پر آپ نے فوراً الحمد للہ فرمایا۔ حضرت سری سقطی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس شکر بجالانے پر تیس سال سے استغفار کرتا ہوں کہ میں نے دنیا کی سلامتی پر شکر کیا۔ (تذکرۃ الاولیاء، ص ۲۴۷ اور سالک السالکین، جلد ۱، ص ۲۹۲)

کسی کو کوئی تازہ شاداب اور خوش ذائقہ پھل میسر ہو اور وہ شخص اس پھل کو خدا کی نعمت ہونے کی وجہ سے پھل کی تعریف کرے تو اس میں یقیناً کوئی گناہ نہیں۔ لیکن حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ اس طرح ہے کہ ایک دفعہ آپ کے ہاتھ میں ایک سیب تھا۔ آپ نے اس کی جانب نگاہ کی اور فرمایا کہ یہ ایک لطیف سیب ہے۔ اسی وقت غیب سے ندا ہوئی کہ اے بایزید ہمارا نام سیب پر لیتا ہے۔ تجھے شرم نہیں آتی۔ پھر چالیس روز تک خدا کا نام آپ کے دل سے فراموش رہا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے قسم کھالی ہے کہ جب تک زندہ رہوں گا بسطام کا میوہ نہ کھاؤں گا۔ (تذکرۃ الاولیاء)

بارہا کا تجربہ ہے کہ کسی بیمار پر سورۂ فاتحہ یا دیگر آیات قرآنی پڑھ کر دم کر دیا جائے تو بیماری سے شفا حاصل ہو جاتی ہے یہ فعل یقیناً جائز اور قرآن وحدیث سے اس کا جواز ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

''وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ'' (سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۸۲)

ترجمہ: اور ہم قرآن میں اتارتے ہیں وہ چیز جو ایمان والوں کے لیے شفا اور رحمت ہے۔ (کنز الایمان)

احادیث میں سورۂ فاتحہ کی فضیلت میں ارشاد ہے کہ تمام بیماریوں کے لیے شفا ہے۔ کتب تفاسیر میں سورۂ فاتحہ کے کئی نام مذکور ہیں۔ اس میں سے ایک نام ''سورہ شفا'' ہے۔ یعنی تندرستی بخشنے والی سورہ۔

الحاصل! بیمار پر آیت قرآنی پڑھ کر دم کرنا مستحسن ہے۔ لیکن حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کا واقعہ اس طرح ہے کہ ایک روز آپ کو جسم میں درد ہو رہا تھا۔ آپ نے سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم فرمایا، ہاتف غیب نے آواز دی کہ کیا تمھیں شرم نہیں آتی کہ ہمارے کلام کو اپنے نفس کے لیے استعمال کرتے ہو۔ (تذکرۃ الاولیاء، ص ۲۹۰)

خلاصہ یہ کہ جن مقربین کے دل عشق خدا اور رسول (جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم) سے لبریز ہوتے ہیں۔ ان کے نزدیک دنیا مافیہا سے ادنیٰ لگاؤ اور التفات بھی ناروا ہوتا ہے اور وہ حضرات ان امور کو اپنے لیے بدکاری سے تعبیر کرتے ہیں۔

حضرت سری سقطی بغدادی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''نیک کردار لوگوں کے دل خاتمیت کے ساتھ معلق ہیں اور مقربین کے دل سابقیت کے ساتھ معلق ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نیکو کاروں کی نیک نامی مقربین کی برائیاں ہیں۔''
(تذکرۃ الاولیاء، ص ۲۳۷)

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا شمار بھی ملت اسلامیہ کے اولیاء مقربین میں ہوتا ہے، بلکہ آپ اپنے عہد کے سرتاج الاولیاء کی حیثیت سے مجدد اعظم کے منصب پر فائز تھے۔ لیکن آپ میں تکبر، غرور، اور انانیت کا شائبہ بھی نہ تھا، بلکہ حد درجہ متواضع ومنکسر المزاج تھے۔ اور اسی لیے خود ''بدکار رضا'' کا جملہ استعمال فرمایا ہے۔ حضرت رضا بریلوی کو اپنے برکاتی آقا حضور اچھے میاں کے تصرفات وعنایات پر اتنا کامل بھروسہ ہے کہ فرماتے ہیں بدکام بھلے ہوں گے۔ یعنی اے رضا! خوش ہو جا، تیرے جو برے کام ہیں وہ بطفیل حضرت اچھے میاں مارہروی بھلے ہو جائیں گے۔ یہاں آپ نے لفظ ''بھلا اور اچھا'' کی جو مساوات ہے، اس کا ایک نفیس انداز میں استعمال فرمایا ہے۔ اور ''بھلے کام'' بطفیل حضرت اچھے میاں اتنے اچھے پیرائے میں بیان کیا کہ اس انداز نے شعر کو اچھوتا بنا دیا ہے۔ حضرت رضا بریلوی نے بدکام کے بھلے ہونے کا جو

یقین ظاہر کیا ہے وہ ایک حقیقت ہے۔ملت اسلامیہ کے اولیائے کاملین اور خصوصاً حضور پیران پیر غوث اعظم دستگیر رضی اللہ عنہ کی سوانح حیات میں ایسے کئی واقعات مذکور ہیں کہ بڑے بڑے گنہگار، چور اور ڈاکو جب آپ کی خدمت میں آئے تو آپ کی صرف ایک توجہ نے ڈاکو کو ابدال بنا دیا اور ان کے گناہ نیکیوں میں تبدیل ہو گئے۔حضور اچھے میاں مارہروی اس مقدس خاندان برکات کے فرد اور سلسلہ برکاتیہ کے پیر طریقت ہیں کہ جس خاندان اور سلسلہ صوفیت پر حضور سیدنا سرکار غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا خاص فیضان ہے۔

حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر میرا مرید اچھا نہیں تو کیا ہوا، میں تو اچھا ہوں۔جلال پروردگار کی قسم! جب تک میرے مرید جنت میں نہیں چلے جائیں گے، میں بارگاہ خداوندی سے نہیں ہٹوں گا اور اگر مشرق میں میرے مرید یا نام لیوا کا گناہ ظاہر ہوگا اور میں مغرب میں ہوں گا تب بھی اس کی حفاظت کا ضامن ہوں گا اور اس کی عیب پوشی کروں گا۔

"لَوْ اِنْ کَشَفَتْ عَوْرَۃُ مُرِیْدِیْ بِالْمَشْرِقِ وَ اَنَا بِالْمَغْرِبِ لَسَتَرْتُھَا"

یعنی اگر میرے مرید کا ستر مشرق میں کھل جائے گا اور میں مغرب میں ہوں پھر بھی اس کے ستر کو ڈھانک دوں گا۔

شعر کے دوسرے مصرع میں حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ "وہ اچھے میاں پیارا اچھوں کا میاں آیا"۔یعنی میری نصرت وحمایت کے لیے وہ اچھوں کا سردار و آقا حضرت آل احمد اچھے میاں آ گئے۔حضرت اچھے میاں کو حضرت رضا نے اچھوں کا آقا کہہ کر خراج تحسین پیش کیا ہے۔یہ بالکل صحیح و درست ہے۔حضور اچھے میاں کے دور کے مشاہیر علمائے کرام، مفتیان عظام، اولیائے کاملین، صالحین، سالکین اور مقربین وغیرہ آپ سے طلب فیض کے لیے آپ کی خدمت میں خادمانہ اور طالبانہ حیثیت سے حاضر ہو کر زانوئے ادب تہہ کرتے تھے۔آپ کے خلفاء کی فہرست پر طائرانہ نظر ڈالنے سے بھی پتہ چل جائے گا کہ اپنے وقت کی کن کن ممتاز ہستیوں نے آپ سے اکتساب فیض کیا ہے۔

حضرت سید آل احمد اچھے میاں بن حضرت سید شاہ حمزہ مارہروی قدس سرہما کی ولادت باسعادت ۲۸ رمضان المبارک ۱۱۶۰ھ میں ہوئی۔جس کا مادۂ تاریخ "سلطان مشائخ جہاں" ہے۔حضور صاحب البرکات سلطان العاشقین سید شاہ برکت اللہ قدس سرہٗ نے یہ بشارت دی تھی کہ مجھے بفضل الٰہی چار واسطوں کے بعد ایک لڑکا عنایت ہوگا جس سے رونق خاندان دوبالا ہوگی۔بعدہٗ آپ نے اپنا ایک خرقہ مبارکہ عنایت فرمایا اور حکم فرمایا کہ خرقہ اس شہزادے کے لیے ہے۔استاذ المحققین حضرت سید شاہ آل محمد قدس سرہٗ (حضور صاحب البرکات کے بڑے صاحبزادے) نے حضور اچھے میاں مارہری قدس سرہٗ کی تسمیہ خوانی کے وقت آپ کو گود میں بٹھا کر یہ ارشاد فرمایا کہ یہ وہی شاہزادے ہیں جن کی بشارت والد ماجد نے دی تھی۔

قدوۃ الکاملین قطب العارفین، شمس الملت والدین حضرت سید شاہ آل احمد اچھے میاں مارہروی قدس سرہٗ بڑے ہی باکمال صاحب کرامات وتصرفات اور عارف باللہ تھے۔علوم ظاہر و باطن میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔آپ نے سخت ترین ریاضتیں کیں اور مجاہدات وسلوک میں ایک خاص شان کے حامل تھے۔آپ سے بے شمار کرامتیں ظہور پذیر ہوئیں۔جن کا تذکرہ یہاں ممکن نہیں، صرف دو کرامات پیش کی جاتی ہیں:

- جناب شیخ رسول بخش بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک برص زدہ سپاہی حاضر ہوا۔ اور دور ہی کھڑا رہا۔ حضرت نے فرمایا بھائی آگے آؤ۔ اس سپاہی نے عرض کیا حضور میں اس قابل نہیں ہوں، فرمایا آگے آؤ۔ وہ سپاہی آگے آیا تو جس جگہ سفید داغ تھا۔ حضرت نے اپنا دست مبارک وہاں پھیرا اور فرمایا کہ یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔ بعدہٗ سپاہی نے دیکھا کہ سفید داغ بالکل غائب تھا۔
- خلیفہ محمد ارادت اللہ بدایونی آپ کے مرید تھے۔ لیکن ان کے یہاں کوئی اولاد نہیں تھی۔ وہ ہر وقت اسی فکر میں رہتے تھے کہ خداوند تعالیٰ ایک بیٹا عطا فرما دے۔ ایک مرتبہ حضرت شاہ برکت اللہ کے عرس مبارک کے موقع پر بدایوں سے مارہرہ شریف حاضر ہوئے اور اپنے پیرومرشد کے ہاں حاضر تھے۔ اس وقت عرفانی سخاوت کا دریا جوش پہ تھا۔ ارشاد فرمایا۔ ارادت اللہ کیا چاہتے ہو؟ ارادت اللہ صاحب نے عرض کیا کہ غلام کا کوئی فاتحہ خواں نہیں ہے۔ آپ نے فوراً دعا کی کہ اے رب کریم! ہمارے ارادت اللہ کو فرزند عطا فرما۔ اس کے بعد ارادت اللہ صاحب سے فرمایا کہ خلیفہ پہلے بیٹے کا نام کریم بخش رکھنا، دوسرے کا رحیم بخش اور تیسرے کا الٰہی بخش۔ خلیفہ ارادت اللہ صاحب قدموں پر گر پڑے اور عرض کرنے لگے کہ حضور مجھ کو امید نہیں ہے۔ آپ نے ان کو اپنی ٹوپی مبارک عطا کی اور فرمایا کہ خدا کی ذات سے مجھے امید ہے۔ خلیفہ ارادت اللہ صاحب واپس ہوئے۔ بہت ہی جلد خدا کی قدرت ظاہر ہوئی اور پہلے بیٹے کی پیدائش ہوئی۔ خلیفہ صاحب نے اس کا نام کریم بخش رکھا۔ یہاں تک کہ تین سال میں تین بیٹے پیدا ہوئے اور تینوں کے نام حضرت کے حکم کے بموجب رکھا اور بعنایت الٰہی تینوں بیٹے جوان اور عاقل ہوئے۔ دو بیٹوں نے اپنا آبائی پیشہ حجامت اختیار کیا اور کریم بخش نے علم حاصل کیا اور اچھی شہرت حاصل کی۔ اردو کی مشہور و مستند لغت ''کریم اللغات'' انہیں کی تصنیف کردہ ہے۔

حضرت سید آل احمد اچھے میاں مارہروی رضی اللہ عنہ کی تصنیف ''آداب السالکین'' سے کچھ ملفوظات پیش ہیں:

(۱) جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کو بالذات اپنے ظاہر و باطن سب احوال پر مطلع جانے، پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بعطائے الٰہی اپنے احوال ظاہری و باطنی پر مطلع جانے۔ اس صورت میں خدا عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت نہ ہوگی، بلکہ مطابق ''اَلشَّیْخُ فِیْ قَوْمِهٖ کَالنَّبِیِّ فِیْ اُمَّتِهٖ'' اپنے شیخ کو بھی عنایت الٰہی جل وعلا کا پرتو اور حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا نائب اور اپنے ظاہر و باطن احوال پر دانا و بینا جانے کہ مخالفت شیخ کی عین مخالفت خدا اور رسول ہے۔

(۲) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہر چھوٹے بڑے کام میں بہت کوشش سے اپنے اوپر لازم جانے کہ محبوبیت کا درجہ اسی سے ملا ہے۔

(۳) مرید اپنا اختیار اپنے پیرومرشد ہی کے ہاتھوں میں رکھے اور خود اس کے سامنے ایسا ہو جائے جیسے میت نہلانے والے کے ہاتھوں میں اور کوئی کام ظاہر کا ہو یا باطن کا بغیر حکم مرشد نہ کرے۔

(۴) مرید فنا فی الشیخ ہو جائے یعنی اپنے آپ کو تصور مرشد میں ایسا فراموش اور ایسا گم کر دے کہ اپنے آپ کو غیر مرشد نہ

سمجھے۔ مطلب یہ ہے کہ اپنی ہستی بالکل بھلا دے اور اپنی بجائے مرشد کو ہی موجود جانے اور اعضاء سے جو کچھ حرکات و سکنات صادر ہوں یہی جانے کہ یہ اعضاء مرشد کے ہیں اور ان کی حرکت وسکون باختیار مرشد ہیں۔ اپنے آپ کو بدن شیخ کے مفہوم یا معقول یا موہوم کے مانند تصور کرے اور وجود صرف فہم و وہم اور عقل شیخ کے لیے ہی جانے اور اپنے سب اطوار میں سر مو وجود نہ جانے، نہ حقیقتاً نہ فرضاً۔ (تذکرۂ مشائخ قادریہ رضویہ، ص ۳۶۶)

آپ نے ۱۷ ربیع الاول شریف ۱۲۳۵ھ بروز جمعرات بوقت چاشت ۷۵ سال کی عمر شریف میں وصال فرمایا۔ آپ کا مزار شریف خانقاہ عالیہ برکاتیہ، مارہرہ شریف میں حضور صاحب البرکات سید شاہ برکت اللہ قدس سرہٗ کے مزار مبارک کے دائیں جانب مرجع خلائق ہے۔



(۹۴)

طور کیا عرش جلے دیکھ کے وہ جلوۂ گرم
آپ عارض ہو مگر آئینہ دار عارض

حل لغت:

طور: کوہ سیناء، جزیرہ نمائے عرب (مصر) میں ایک پہاڑ، جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تجلّیِ الٰہی کا ظہور ہوا تھا۔

(فیروز اللغات، ص ۸۸۱ ☆ لغات کشوری، ص ۴۷۲ ☆ کریم اللغات، ص ۱۰۶)

عرش: آٹھواں آسمان، عرش الٰہی، تخت، چھت، سقف۔ (فیروز اللغات، ص ۸۹۳ ☆ لغات کشوری، ص ۴۸۷ ☆ کریم اللغات، ص ۱۰۹)

جلوہ: نمائش کرنا، خود کو دوسروں کو دکھانا، کسی خاص انداز سے سامنے آنا، نمودار ہونا، تجلی، نور، رونق، غالب، نظارہ کرنا، معشوق کا ناز و انداز سے چلنا، دولہا دلہن کا آمنے سامنے بیٹھ کر ایک دوسرے کی آئینہ میں صورت دیکھنا۔

(فیروز اللغات، ص ۱۶۹ ☆ لغات کشوری، ص ۱۹۸)

گرم: جلتا ہوا، دہکتا ہوا، اختلاط رکھنے والا، مستعد، تیز، تند، خفا، ناراض، گرم اثر رکھنے والا، تیز دھار، شوخ، چلبلا، بارونق، غالب، فائق، پُر اثر، پُر رونق، بہت زیادہ، تتا، جلد، شتاب، سرد کا ضد۔

(فیروز اللغات، ص ۹۲۰ ☆ لغات کشوری، ص ۶۱۵ ☆ کریم اللغات، ص ۱۳۳)

عارض: رخسار، گال، رخ، پیش آنے والا، لاحق ہونے والا، ابر، فوج کی موجودات لینے والا، فوج کا میر منشی۔

(فیروز اللغات، ص۸۸۷ ☆ لغات کشوری، ص۴۷۹ ☆ کریم اللغات، ص۱۰۷)

آئینہ دار: جس کے پاس آئینہ ہو، عیب یا خوبی ظاہر کرنے والا، سنگار کرنے والا، نائی، حجام۔

(فیروز اللغات، ص۴۸ ☆ لغات کشوری، ص۷۵)

دوسرے مصرع میں شروع والے لفظ ''عارض'' کا مطلب ''رخسار'' ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد والے لفظ ''عارض'' کا مطلب ''پیش آنے والا'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں حضرت رضاؔ بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عارض یعنی رخسار مبارک کی جلوہ باری، قوت تحمل اور حسن و جمال کی تعریف کررہے ہیں۔ شعر کا لغوی مطلب یہ ہے کہ جلوۂ گرم کو دیکھ کر طور کا پہاڑ تو کیا خود عرش بھی جل جائے۔ لیکن میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک رخسار کو وہ اعجاز حاصل ہے کہ اس جلوۂ گرم یعنی انوار الٰہی کی تجلیات کو تحمل بھی فرمالیتے ہیں اور اس جلوۂ گرم کی آئینہ داری یعنی دوسروں کو دکھانے کا ذریعہ بھی ہیں۔ اس شعر کو اچھی طرح ذہن نشیں کرنے کے لیے کچھ وضاحت ضروری ہے:

- حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب اللہ تبارک و تعالیٰ سے بلا واسطہ ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا تو آپ نے جناب باری تعالیٰ میں عرض کیا کہ اے رب کریم! مجھے اپنا دیدار نصیب فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم میرا دیدار نہیں کرسکتے۔ البتہ میں اس پہاڑ پر اپنی تجلی نازل کرتا ہوں۔ اگر آپ اس تجلی کو برداشت کرلیں تو پھر دیدار کا مطالبہ کرنا:

''فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا'' (سورۂ اعراف، آیت،۱۴۳)

ترجمہ: پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر اپنا نور چمکایا، اسے پاش پاش کردیا اور موسیٰ گرے بے ہوش۔ (کنز الایمان)

انوار الٰہی کی صرف ایک تجلی نے کوہ سیناء یعنی طور کے پہاڑ کو ریزہ ریزہ کردیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بے ہوش کردیا۔

- اللہ تعالیٰ نے جب عرش کو پیدا فرمایا تو وہ جلال باری تعالیٰ کی وجہ سے لرز رہا تھا۔ پھر عرش کے سینے پر ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' تحریر فرمایا تو عرش کے اضطراب میں مزید اضافہ ہوگیا، لیکن جب ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' لکھا تو عرش کو سکون حاصل ہوگیا۔ (مدارج النبوۃ، جلد ا، ص۱۷)

- معراج کی شب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کا دیدار کرنے کا شرف حاصل کیا۔ اس واقعہ کی تفصیل قرآن مجید میں ہے:

''ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى، فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى، فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى، مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى، اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى، وَ لَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى، عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى، عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى، اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى، مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰى'' (سورۃ النجم، آیت ۸)

ترجمہ: پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا۔ پھر خوب اتر آیا تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا، بلکہ اس سے بھی

کم۔اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی، دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا، تو کیا تم ان سے ان کے دیکھے ہوئے پر جھگڑتے ہو۔اور انھوں نے تو وہ جلوہ دو بار دیکھا سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔اس کے پاس جنت الماویٰ ہے۔جب سدرہ پر چھا رہا تھا، جو چھا رہا تھا، آنکھ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی۔(کنزالایمان)

مذکورہ اقتباسات کو ذہن میں مستحضر رکھ کر حضرت رضا بریلوی کے شعر کو حل کرنے کی کوشش کریں۔جلوۂ گرم یعنی اللہ کے نور کی صرف ایک تجلی سے کوہ طور پھٹ پڑا، حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے، یہاں تک کہ عرش بھی لرز اٹھا، لیکن معراج میں اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے تو بالکل قریب سے اس جلوے کی تجلی یا تجلی کی کرن کو نہیں، بلکہ سراپا جلوے کو دیکھا اور وہ بھی کسی واسطے سے نہیں، بلکہ بلا واسطہ دیکھا، جی بھر کے دیکھا، لیکن نہ آنکھ جھپکی نہ وہ بے ہوش ہوئے اور نہ وہ عرش کی طرح لرزے اور نہ وہ کوہ طور کی طرح تجلی کی تاب نہ لا کر پاش پاش ہوئے، بلکہ رب نے جو وحی فرمائی اسے آپ نے سماعت فرمائی اور پچاس وقت کی نماز کا تحفہ لے کر واپس ہوئے۔

اب حضرت رضا کے شعر کے دوسرے مصرع پر آئیے جو اس شعر کی جان ہے۔آپ فرماتے ہیں:

آپ عارض ہو مگر آئینہ دار عارض

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لا رہے تھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جلوۂ گرم کا نظارہ کرنے کا اپنا واقعہ اچھی طرح یاد تھا کہ طور کے واسطے سے دیکھنے میں میری حالت تو غیر ہوئی تھی، بلکہ طور بھی ریزہ ریزہ ہو گیا۔جس کو واسطہ بنایا گیا وہی دھنس پڑا، مگر یہ حبیب تو بلا واسطہ جلوۂ گرم کا نظارہ اپنے ماتھے کی آنکھوں سے جی بھر کے کر آئے ہیں۔کیوں نہ میں اب ان کو واسطہ بنا کر اپنی حسرت جو کوہ طور پر ادھوری رہ گئی تھی اسے آج پوری کر لوں۔کوہ طور پر تو ایک تجلی پڑی تھی، لیکن ان کے چہرۂ اقدس پر، ان کے عارض و رخسار پر تو انوار الٰہی کی بارش ہوئی ہے۔ان کو بار بار دیدار الٰہی کے لیے بھیجنا چاہیے، تاکہ انوار الٰہی بار باران کے عارض پر پڑیں اور وہ عارض آئینہ دار بن کر انوار الٰہی کو دیکھنے کا مجھے شرف بخشیں۔اسی لیے تو آپ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورۃً عرض کیا کہ آپ کی امت پچاس وقت کی نماز ادا نہیں کر سکے گی۔واپس تشریف لے جائیے، اور کچھ کم کرائیے۔حضور واپس گئے۔پانچ کم ہوئیں، یہاں تک کہ حدیث میں ہے:

"فَلَمْ اَزَلْ اَرْجِعُ بَیْنَ رَبِّیْ وَ بَیْنَ مُوْسٰی"

یعنی میں اپنے رب اور موسیٰ کے درمیان آتا جاتا رہا۔

یہاں تک کہ پانچ رہ گئیں، یعنی ۴۵ دفعہ کی معاف کرانے آپ نو (۹) مرتبہ گئے اور آئے اور ہر مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آپ کے رخسار کے توسط سے جلوۂ گرم سے محظوظ ہوئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عارض نے آئینہ دار ہو کر لاحق ہونے والے جلوۂ دیدار انوار الٰہی کے فیض سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہرہ مند فرما دیا۔

المختصر! عارض نے عارض کی آئینہ داری فرمائی، یعنی کہ رخسار نبی نور الٰہی کے آئینہ بنے۔



(۹۵)

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو

حل لغت:

شہنشاہ: شاہوں کا شاہ، بادشاہوں کا بادشاہ، بڑا بادشاہ، ملک الملوک۔

(فیروز اللغات، ص۸۵۲ ☆ لغات کشوری، ص۴۳۴ ☆ کریم اللغات، ص۱۰۰)

کعبہ: خانۂ کعبہ، مکہ مکرمہ، چار گوشوں والی چیز، مربع، کلمہ تعظیم، حضرت، کعبہ کے اصلی معنی ''بلند'' کے ہے چوں کہ کعبہ زمین بلند پر ہے یا از روئے مراتب کے بلند ہے اس لیے یہ نام ہوا۔

(فیروز اللغات، ص۱۰۱۶ ☆ لغات کشوری، ص۵۹۱ ☆ کریم اللغات، ص۱۲۹)

دوسرے مصرع میں پہلے لفظ ''کعبہ'' کا مطلب ''خانۂ کعبہ'' ہے۔
دوسرے مصرع میں بعد والے لفظ ''کعبہ'' کا مطلب ''قبلہ، آقا'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان ان حجاج کرام کو مخاطب کرتے ہیں جو فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد عازمین مدینہ منورہ ہیں۔ اس شعر میں اتنی بامعنی بات فرمادی کہ اگر اس کی تفصیل سے شرح کی جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے اور جس کو پڑھ کر اہل ایمان عشق رسول کی مستی میں جھوم اٹھیں۔ انداز تخاطب اتنا دلکش ہے کہ ہر لفظ سے عشق رسول کا شہد ٹپک رہا ہے۔ زائرین گنبد خضریٰ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو حاجیو آؤ! کہہ کر پکارا ہے۔ اس پکار میں سوز وگداز اور عشق زائرین کے ساتھ اپنائیت کا جذبہ مخفی ہے۔ آؤ کا لفظ اس بات کی نشاندہی کر رہا ہے کہ یہاں پر یعنی مدینہ طیبہ میں آنے والا اپنا ہے، کیوں کہ محبوب سے رغبت رکھنے والا اپنے دل کا ٹکڑا ہے اور دل کے ٹکڑوں کو ہی اس انداز سے مخاطب کیا جاتا ہے۔ آؤ، لیکن کہاں؟ روضۂ اقدس پر، کس کا روضہ؟ شہنشاہ کا روضہ، کون شہنشاہ؟ جو کعبہ کا بھی قبلہ اور آقا ہے۔ اے زائر مکہ معظمہ! اے خانہ کعبہ کے ارد گرد مثل پروانے کے گھومنے والو! کعبہ شریف کی تو زیارت سے مشرف ہو چکے۔ روئے زمین کے قبلہ خانۂ کعبہ کی زیارت تو کر چکے مگر اب صرف کعبہ ہی نہیں، بلکہ پوری کائنات کے قبلہ اور خالق کائنات کی توجہ کا مرکز محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی زیارت کرکے اپنا حج مقبول اور مبرور بناؤ۔ اس زیارت کے طفیل ہی تمہاری ہر آن کی تمام

عبادتیں شرف قبولیت سے نوازی جائیں گی۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے حضور اقدس ﷺ کے لیے شہنشاہ کا لقب استعمال فرمایا ہے۔ لفظ شہنشاہ کے معنی ہیں؟ اس لقب کا اطلاق کس پر صحیح ہے اور کس پر غلط ہے؟ یہ ایک طویل بحث ہے۔ جو صاحب اس کی تفصیلی بحث معلومات حاصل کرنا چاہتے ہوں وہ امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی کتاب "فقه شهنشاه و ان القلوب بيد المحبوب بعطاء الله" (۱۳۲۶ھ) کا مطالعہ ضرور کریں، یہاں شہنشاہ کے معنی "بادشاہوں کا بادشاہ" ہے۔ حضور اقدس ﷺ کی شہنشاہی کا یہ عالم ہے کہ آپ کی ظاہری حیات کے دور میں دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ خادمانہ سائلانہ حیثیت سے حاضر ہوتے تھے اور آج بھی در اقدس پہ فرماں روان وقت حاضر ہوتے اور تا قیامت حاضر ہوتے رہیں گے۔ بقول حضرت رضا:

اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں مانگتے تاجدار پھرتے ہیں

اس شعر میں حضرت رضا حاجیوں کو شہنشاہ کا روضہ دیکھنے کی ترغیب دے رہے ہیں۔ شعر میں لفظ "روضہ" نے کثیر معنویت و مفہوم میں ایک روح ڈال دی ہے۔ حالاں کہ شعر میں روضہ کی جگہ لفظ تربت کا بھی استعمال ہوسکتا تھا۔ بظاہر دونوں ہم معنی ہیں، لیکن معنویت میں بہت بڑا فرق ہے، کیوں کہ تربت کا اطلاق قبر، گور اور مزار ہی پر ہوتا ہے۔ (فیروز اللغات، ص ۳۵۳) اس سے یہ لازم ہوتا کہ وہ حصہ تربت محدود خطہ زمین میں محصور ہے۔ لیکن لفظ روضہ، کا معنی مقبرہ، باغ، سبزہ زار وغیرہ بھی ہوتا ہے۔ (فیروز اللغات، ص ۷۴۸) باغ اور قبر کی وسعت میں بہت فرق ہے۔ قبر کا عرض و طول تین فٹ، چھ فٹ ہوتا ہے اور باغ وسیع جگہ میں پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ کچھ باغات تو میلوں کی لمبائی، چوڑائی میں پھیلے ہوئے ہوتے ہیں۔ تو باعتبار احاطہ بندی تربت اور روضہ میں فوقیت روضہ کو حاصل ہے۔ دوسری بات یہ کہ تربت اس جگہ کو کہتے ہیں جو پتھر، مٹی، چونا، بالو، ریت اور سمنٹ وغیرہ سے تعمیر کی گئی ہو اور جو انسان کی ابدی آرام گاہ ہوتے ہوئے بھی تنگ اور اندھیری کوٹھری کی مانند ہے۔ نہ تو اس میں ہوا کی آمد و رفت ہوتی ہے، نہ ہریالی اور نہ ہی بیل بوٹے ہوتے ہیں۔ اس لیے قبر یا تربت کو ادبی اصطلاح میں گور غریباں کہا جاتا ہے۔ لیکن باغ (روضہ) میں بیل بوٹے، پیڑ پودے، ہر طرف ہریالی، نسیم جاں فزا اور رخت کا سایہ اور پانی کے فوارے وغیرہ ہوتے ہیں۔ یہ ساری صفتیں اور زیب و زینت دنیا کے باغوں کی مذکور ہوئیں۔ اب حضرت رضا بریلوی کے شعر کے مصرع اول میں استعمال شدہ لفظ روضہ کے معنی یہ ہوں گے کہ اے حجاج کرام! تم جس شہنشاہ کے آستانے پر حاضر ہو رہے ہو وہ آستانہ ان کی آرام گاہ ہے۔ یہاں پر آپ ضرور مدفون ہیں، لیکن ان کا مدفن عام مدفن کی طرح قبر، تربت کی مانند گور غریباں نہیں، بلکہ روضہ ہے۔ یعنی بے شک وہ مدفن ہی ہے، لیکن اس مدفن میں آرام فرمانے والے شہنشاہ کونین ﷺ کے قدم ناز کے طفیل وہ تربت صرف تربت نہ رہ کر روضۂ رحمت اور باغ فردوس بن گئی۔ ایسا باغ کہ دنیا کے تمام باغات اس کے سامنے ہیچ ہیں۔ دنیا کے باغات میں پھول پتی شاخ وغیرہ ہوتی ہیں۔ لیکن یہ بارش رحمت کی زمین ہے پیکر رحمت کا گلبن ہے۔ معطر ہواؤں کے جھونکے ہیں۔ شجر رحمت کی ڈالیاں اور کرم کی گھٹا برستی ہے۔ جہنم سے نجات

کے پروانے دینے والے برگ و بار ہیں۔ دخول جنت کا تمغہ دینے والے پھول ہیں۔ بہشتی خوشبو دینے والی پھلواریاں ہیں۔ دائمی طور پر رحمت میں جکڑ رکھنے والی بہاریں ہیں۔ رحمت الٰہی کا سایہ ہے، کیوں کہ یہ رحمت عالم کی آرام گاہ ہے۔ کسی عام انسان کی قبر نہیں۔ یہ تو روضۃ الرحمت ہے۔ یہاں آنے والا قرآن کے ارشاد:

''وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا'' (سورۃ النسا، آیت ۶۴)

ترجمہ: اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں، تو اے محبوب! تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔ (کنز الایمان)

کے مطابق مغفرت اور قبول توبہ کا حقدار ہے اور کیوں نہ ہو؟ آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ رسول ان کی شفاعت فرمائیں تو اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔ تو ثابت ہوا کہ حضور جس کے لیے شفاعت فرمادیں اس کی بخشش اور مغفرت ہوگی، اور حضور اقدس ﷺ اپنے آستانے پر اپنے غلاموں کو بلانے کا کرم فرمانے کے ساتھ ساتھ بشارت عظمیٰ کا تحفہ بھی عنایت فرما رہے ہیں اور وہ یہ ہے:

''مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ''

یعنی جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔ (بیہقی شریف)

اس شعر کا مصرع ثانی ''کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو'' میں تو آپ نے علم و معرفت کے دریا بہا دیے ہیں۔ جہاں تک مجھ کم علم کی معلومات ہے، اب تک کسی نعت گو شاعر نے حضور اقدس ﷺ کی قبر اطہر کے لیے ''کعبے کا کعبہ'' کا جملہ استعمال نہیں کیا ہے۔ سب سے پہلے ایسی نادر تعبیر اردو شعر و ادب میں نظم کرنے کا شرف حضرت رضا بریلوی کو حاصل ہے۔ کعبے کا کعبہ یعنی کعبہ کا بھی قبلہ، اب ہم کعبہ اور قبلہ میں کیا فرق ہے، اس کو دیکھیں۔ لفظ قبلہ اسم نوع کا صیغہ ہے۔ اس کا مطلب جس کی طرف توجہ کی جائے۔ یعنی مرکز توجہ، علاوہ ازیں قبلہ جہت کے معنی میں بھی آتا ہے۔ ہم خانہ کعبہ کی سمت منھ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ لہٰذا کعبہ ہمارا قبلہ ہے۔ لیکن کعبہ کے لغوی معنی قبلہ یا جہت نہیں، بلکہ دیگر ہیں۔ جو اس شعر کے تعلق سے حل لغت کالم میں درج ہیں۔ خانہ کعبہ مسلمانوں کا قبلہ بھی حضور ﷺ کے طفیل ہی بنا ہے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں حضور اقدس ﷺ بیت المقدس کی طرف منھ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ جس زمانے میں اہل اسلام بیت المقدس کی طرف منھ کر کے نماز پڑھتے اس وقت بھی خانہ کعبہ اسی جگہ موجود تھا، جہاں آج ہے، لیکن اس کی طرف منھ کر کے نماز نہیں پڑھی جاتی تھی، یعنی خانہ کعبہ صرف کعبہ تھا۔ قبلہ نہ تھا۔ قبلہ بیت المقدس تھا۔ کعبہ قبلہ ہونے کے شرف سے محروم تھا، لیکن خانہ کعبہ کی قسمت چمک اٹھی، رحمت عالم ﷺ کی نگاہ کرم نے اس کو نواز دیا اور بارگاہ الٰہی میں خانہ کعبہ کو قبلہ بنانے کی خواہش ظاہر کی۔ محبوب کی مرضی ہو، محبوب کی دلی خواہش ہو، اس کو خدا نہیں ٹالتا، بلکہ شرف قبولیت سے نوازتا ہے۔ حدیث قدسی ہے:

''كُلُّهُمْ يَطْلُبُوْنَ رِضَائِیْ وَ اَنَا اَطْلُبُ رِضَاكَ يَا مُحَمَّدُ''

یعنی اے محبوب! سب میری رضا چاہتے ہیں اور میں تمہاری رضا چاہتا ہوں۔

حضور بحکم خدا بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے، لیکن دلی خواہش کعبہ کو قبلہ بنانے کی تھی۔ ایک دن آپ ظہر کی نماز میں امامت فرما رہے تھے، دو رکعت پڑھ چکے تھے کہ وحی نازل ہوئی:

''فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ'' (سورۃ البقرہ، آیت ۱۴۴)

ترجمہ: تو ضرور ہم پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جس میں تمہاری خوشی ہے۔ ابھی اپنا منہ پھیر دو مسجد حرام کی طرف۔

(کنزالایمان)

اس آیت کے نازل ہوتے ہی دوران نماز آپ نے بیت المقدس سے خانہ کعبہ کی طرف منہ پھیر لیا اور آپ کی متابعت میں صحابہ کرام نے بھی اپنا منہ خانہ کعبہ کی طرف پھیر لیا۔ اور آدھی نماز بیت المقدس کی طرف اور آدھی خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے پڑھی۔ جس مسجد میں یہ آیت نازل ہوئی تھی وہ آج بھی مدینہ منورہ میں موجود ہے۔ اس مسجد کا نام ''مسجد ذو القبلتین'' یعنی دو قبلوں والی مسجد ہے۔

المختصر! کعبہ پہلے قبلہ نہ تھا، لیکن رب کعبہ کے محبوب نے اسے قبلہ بنانے کی خواہش کی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی خواہش پوری فرمائی اور آیت میں فرمایا کہ تمہاری خوشی ہے تو اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے۔ پتہ چلا کہ کعبہ کو رسول کے ایماو رضا پر اللہ تعالیٰ نے قبلہ بنا دیا۔ اب قیامت تک مسلمانوں کا قبلہ خانہ کعبہ ہے۔ ایک اہم راز کی بات تو یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے خانہ کعبہ کو قبلہ بنانے کی خواہش کیوں کی؟ یہ گفتگو ہم اسی عنوان کے آخر میں کریں گے۔

سر دست یہ سنئے کہ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے حضور اقدس ﷺ کو کعبے کا کعبہ کیوں کہا؟ جب طیبہ کا چاند چمکنے کی گھڑی آئی یعنی کہ حضور اقدس ﷺ کی ولادت باسعادت کی مقدس ساعت آئی تو کائنات میں کئی عجائبات کا ظہور ہوا۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ خانہ کعبہ جس گھر میں آپ کی پیدائش ہوئی تھی اس سمت کو جھک گیا تھا۔

آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب فرماتے ہیں کہ میں حرم کعبہ میں موجود تھا۔ سحری کے وقت جب حضور اقدس ﷺ کی پیدائش کی گھڑی آئی تو خانہ کعبہ میں جڑے ہوئے تمام بت اوندھے ہو کر گر پڑے اور کعبہ مقام ابراہیم یعنی جس سمت مولد النبی تھا اس طرف جھکا۔ میں حیران ہوا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ دفعۃً دیوار کعبہ سے یہ آواز آئی:

''وُلِدَ الْمُصْطَفَى الْمُخْتَارُ الَّذِيْ تَهْلِكُ بِيَدِهِ الْكُفَّارُ وَ يُطَهِّرُ مِنْ عِبَادَةِ الْاَصْنَامِ وَ يَامُرُ بِعِبَادَةِ الْمَلِكِ الْعَلَّامِ''

یعنی مصطفیٰ و مختار کی ولادت ہوگئی۔ آپ کے ہاتھوں کفر شکست کھائے گا۔ خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کر کے صرف مالک حقیقی کی عبادت کا حکم دیں گے۔ (حاشیہ سیرۃ الحلبیہ، ص ۴۲)

کعبہ ذات مصطفیٰ کو اپنا قبلہ بنا کر اس مکان کی طرف جھکا جس مکان میں کعبے کے کعبہ ﷺ کی اس دنیا میں تشریف آوری ہوئی۔ لہٰذا حضور کعبہ کے قبلہ ہوئے اور اب عام اصطلاح میں قبلہ کو کعبہ کہتے ہیں۔ نماز کی نیت میں ہم یہی کہتے ہیں

کہ منہ میرا کعبہ کی طرف اس سے مراد ہے منہ میرا قبلہ کی طرف۔ اب حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے اس شعر کے دوسرے مصرع کا مطلب یہ ہوا کہ اے حجاج کرام! مکہ معظمہ میں ایام حج میں کعبہ تو دیکھ لیا۔ لیکن اب مدینہ میں آ کر کعبے کے کعبہ یعنی قبلہ کو بھی دیکھو۔

سطورِ سابقہ میں جواب تک ایک راز رہا کہ حضور اقدس ﷺ نے کعبہ کو قبلہ کیوں بنایا؟ سنیے! حضور اقدس ﷺ اس کائنات میں سب سے زیادہ اخلاق والے، احسان فرمانے والے، بھلائی کے بدلے میں بڑھ کر بھلائی کرنے والے ہیں آپ کی حیات طیبہ کا ہر ہر لحہ فرمان الٰہی کی پابندی میں بسر ہوا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

''هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ'' (سورۂ رحمٰن، آیت ۶۰)

ترجمہ: نیکی کا بدلہ کیا ہے مگر نیکی۔

قرآن فرمارہا ہے کہ نیکی کا بدلہ نیکی ہے اور حضور اقدس ﷺ سے بڑھ کر نیکی کا بدلہ زیادہ نیکی سے کون دے سکتا ہے؟ حضور اقدس کی پیدائش کے وقت خانہ کعبہ نے حضور کو اپنا قبلہ تسلیم کرنے کی نیکی کی تو اس نیکی کا بدلہ صرف ایک نیکی سے نہیں بلکہ بہت زیادہ نیکیوں سے دیتے ہوئے اس کو قبلہ بنا دیا اور بند لفظوں میں اس کی نیکی کا جواب مرحمت فرمادیا کہ اے خانہ کعبہ! تم نے ہماری ولادت کے وقت بہ تقاضائے تعظیم ومحبت ہمارے مولد کی سمت رخ کیا ہے اس کا ہم یہ صلہ عطا فرمار ہے ہیں کہ تمہیں اپنا اور قیامت تک آنے والے اپنے تمام امتیوں کا قبلہ بنا دیتے ہیں۔

کعبہ کو سمت مولد نبی جھکنے کا یہ صلہ ملا کہ چودہ سو سال سے روئے زمین کے تمام مومنین اس کی سمت سجدہ کرتے ہیں اور قیامت تک کرتے رہیں گے۔ اس کے برعکس ابلیس نے نور نبی کی سمت ایک سجدہ کرنے سے انکار کیا تو اسی وقت سے لے کر، قیامت تک اور بعد قیامت بھی ابدالآباد تک وہ ہمیشہ کے لیے اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے اور تمام انسانوں کی لعنت کا مستحق ہوا۔



(۹۶)

لعل میں آبِ گہر شیشۂ مے میں اختر
پانی میں آتشِ تر شعلہ میں آبِ کوثر

(حدائقِ بخشش، حصہ ۳، ص۲

حل لغت:

عرض: بیان، گزارش، اظہار، التماس، چوڑائی، چوڑان، پاٹ، عرصہ، مدت، دفعہ، اثنا، درمیان، ظاہر کرنا کسی چیز کا کسی شخص پر، اسباب گھر کا، ملامت، دیوانگی۔ (فیروز اللغات، ص۸۹۴ ☆ لغات کشوری، ص۴۸۷ ☆ کریم اللغات، ص۱۰۹)

ریش: ڈاڑھی، مرد کے چہرے کے بال، خط۔ (فیروز اللغات، ص۷۳۴ ☆ لغات کشوری، ص۳۳۹ ☆ کریم اللغات، ص۸۲)

طول: لمبائی، درازی، وسعت، پھیلاؤ، طویل، لمبا ہونا۔ (فیروز اللغات، ص۸۸۲ ☆ لغات کشوری، ص۴۷۳ ☆ کریم اللغات، ص۱۰۶)

وافر: بہت کثرت سے، افراط سے، علم عروض میں ایک بحر کا نام۔

(فیروز اللغات، ص۱۴۰۲ ☆ لغات کشوری، ص۷۹۸ ☆ کریم اللغات، ص۱۹۰)

وقار: بھاری بھرکم، متانت، سنجیدگی، بردباری، قدر و منزلت، جاہ و جلال، آرام، گراں باری، حلم۔

(فیروز اللغات، ص۱۴۱۲ ☆ لغات کشوری، ص۸۰۶ ☆ کریم اللغات، ص۱۹۳)

سائلاں: جمع ہے سائل کی: بھکاری، سوال کرنے والا، چاہنے والا، امیدوار، جاری ہونے والا، پوچھنے والا، عرضی دینے والا۔ (فیروز اللغات، ص۷۷۱ ☆ لغات کشوری، ص۳۶۴)

ذمہ دار: ضامن، کفیل، جوابدہ، فرض شناس۔ (فیروز اللغات، ص۶۹۱)

پہلے مصرع میں لفظ ''عرض'' کا مطلب ''چوڑائی'' ہے۔

دوسرے مصرع میں لفظ ''عرض'' کا مطلب ''گزارش'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی ریش یعنی ڈاڑھی شریف کی زیب و زینت، خوبصورتی اور قدر و منزلت کا تذکرہ و مدح و ثناء فرما رہے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ میرے آقا و مولیٰ ﷺ کی باوقار کثیر ڈاڑھی کی چوڑائی (عرض) اور لمبائی (طول) آپ کے در کے سائلوں کی لمبی چوڑی گزارش کو پورا

کر کے سائل کے خالی دامن کو گوہر مراد سے بھرنے کی ضمانت دے رہی ہیں۔ اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے لفظ عرض کا دو مرتبہ استعمال فرمایا ہے۔ دونوں جگہ لفظ عرض معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق، لیکن حروف و اعراب کے اعتبار سے مساوی ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی تجنیس کامل کا شعر ہے۔ خوبی کی بات تو یہ ہے کہ آپ نے مصرع اول میں ''عرض وطول'' جن دو الفاظ کا استعمال فرمایا ہے ان ہی دو الفاظ کو مصرع ثانی میں الٹ کر ایک گہری معنویت پیدا کردی ہے۔ مصرع اول میں عرض وطول کو سرکار دوعالم ﷺ کی مقدس ڈاڑھی شریف کی چوڑائی اور لمبائی بیان کرنے کے لیے استعمال فرمایا ہے، لیکن ان ہی الفاظ کو مصرع ثانی میں الٹ کر طول وعرض کردیا اور سائل کی طویل گزارش کے معنی میں استعمال فرمایا۔ شعر کا لغوی وظاہری معنی تو حسب ذیل مذکور ہوئے، لیکن اس شعر میں حضرت رضا بریلوی یہ بتانا چاہتے ہیں کہ میرے آقا ومولیٰ ﷺ کا جو دربار ہے وہ دربار اجابت ہے یعنی یہاں ہر ایک کی سنی جاتی ہے۔ یہاں مانگنے کے سلسلہ میں سائل پر کوئی پابندی نہیں، بلکہ سائلوں کو پوری آزادی ہے کہ اپنی تمام جائز مرادیں جتنی ہوسکے مانگ لو، کیوں کہ جب یہاں دینے والے کے دینے کی کوئی حد نہیں تو پھر مانگنے والے پر کیوں کوئی حد یا پابندی لگائی جائے؟ طویل ولمبی مانگیں اور لمبی چوڑی مرادیں لے کر اس دربار میں آؤ۔ یہ اس شہنشاہ کا دربار عالی ہے کہ جہاں کا منگتا کبھی نامراد ومایوس نہیں پھرتا۔ اس سخی داتا کے چہرۂ اقدس کی ریش یعنی ڈاڑھی مبارک طول وعرض یعنی لمبائی اور چوڑائی میں وقار وکثرت سے پھیلی ہوئی ہے اور ڈاڑھی شریف کا لمبا وچوڑا ہونا گویا کہ سائلوں کو اکسا رہا ہے اور حوصلہ افزائی کررہا ہے کہ تمھاری گزارش والتماس بھی طویل اور پھیلی ہوئی ہونی چاہیے اور تم اپنی طویل گزارش کے رد ہونے کا خوف نہ کرو، کیوں کہ سرکار کی ڈاڑھی شریف کے طول وعرض تمہاری طویل گزارش کو پورا کرنے کی ضمانت دیتے ہیں۔

حضور اقدس ﷺ کی ریش مبارک یعنی ڈاڑھی شریف کی مدح وثنا شعر نمبر 35

ریش خوش معتدل مرہم ریش دل　　　ہالۂ ماہ قدرت پہ لاکھوں سلام

کی تشریح میں مذکور ہوئے۔ یہاں مزید دو چار روایات پیش خدمت ہیں۔

شفاء قاضی عیاض میں ہے:

''اَللِّحْيَةُ يَمْلَأُ صَدْرَهُ''

یعنی آپ کی ریش مبارک کے بال اس کثرت سے تھے کہ جس سے آپ کا سینہ مبارک بھر گیا تھا۔

(مدارج النبوۃ، از: شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۳۱)

حضرت ہضم بن ضحاک بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ مقام رجیع پر ٹھہرا تھا۔ وہاں کسی نے بتایا کہ یہاں ایک شخص ایسا بھی موجود ہے جس نے رسول اکرم ﷺ کو دیکھا ہے۔ میں اسی وقت اس شخص کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی ہے؟ انھوں نے فرمایا ''ہاں، آپ کا قد مبارک نہایت خوبصورت تھا۔ نہ زیادہ طویل نہ ہی پست اور آپ کی ڈاڑھی نہایت خوش منظر تھی۔''

حضرت سیدنا امیر المؤمنین علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کی ریش مبارک اعتدال کے ساتھ لمبی تھی۔

حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ اپنی ڈاڑھی مبارک کے طول و عرض کو برابر طور پر کاٹ دیتے تھے۔
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کے چہرۂ انور پر ریش مبارک کے خوبصورت گھیراؤ (احاطہ) کو یوں بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے دونوں رخساروں کو احاطہ کرتے ہوئے کہا کہ آپ ﷺ کی ریش مبارک یہاں سے یہاں تک تھی۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان شعر کے مصرع اول میں ڈاڑھی مبارک کی صفت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''ریش وافر باوقار'' یعنی کثرت سے بال کے ساتھ باوقار ڈاڑھی شریف، ڈاڑھی میں جب کثرت سے بال ہوں اور وہ اعتدال و تناسب کے ساتھ اگے ہوئے ہوں، تو ڈاڑھی خوبصورت نظر آتی ہے اور ساتھ میں اس معتدل و مناسب اور پروقار ڈاڑھی کی وجہ سے چہرے کا حسن و جمال بھی دوبالا ہو جاتا ہے۔ برخلاف اس کے کچھ لوگوں کے رخساروں اور ٹھوڑی پر ادھر ادھر کچھ بال مشکل سے نکلتے ہیں ایسی ڈاڑھی میں وہ زینت نہیں ہوتی جو کثرت سے اگے ہوئے بال والی ڈاڑھی میں ہوتی ہے۔ اور حضور کی ڈاڑھی مبارک گھنی، گنجان اور خوش منظر تھی۔ ڈاڑھی مبارک کے بال بالکل سیاہ تھے اور کثرت سے بال دونوں اطراف پر برابر تھے۔ ڈاڑھی مبارک نہایت خوبصورت اور سینۂ اقدس کو مزین کئے ہوئے تھی۔ دیکھنے والا ڈاڑھی مبارک کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو جائے۔



۹۷

عرض و طول ریش وافر باوقار
طول عرض سائلاں کے ذمہ دار

(حدائق بخشش، حصہ ۳، ص ۸۲)

حل لغت:
عرض: بیان، گزارش، اظہار، التماس، چوڑائی، چوڑان، پاٹ، عرصہ، مدت، دفعہ، اثنا، درمیان، ظاہر کرنا کسی چیز کا کسی شخص پر، اسباب گھر کا، ملامت، دیوانگی۔ (فیروز اللغات، ص ۸۹۴ ☆ لغات کشوری، ص ۴۸۷ ☆ کریم اللغات، ص ۱۰۹)

ریش: ڈاڑھی، مرد کے چہرے کے بال، خط۔ (فیروز اللغات، ص۷۳۴ ☆ لغات کشوری، ص۳۳۹ ☆ کریم اللغات، ص۸۲)

طول: لمبائی، درازی، وسعت، پھیلاؤ، طویل، لمبا ہونا۔ (فیروز اللغات، ص۸۸۲ ☆ لغات کشوری، ص۴۷۳ ☆ کریم اللغات، ص۱۰۶)

وافر: بہت کثرت سے، افراط سے، علم عروض میں ایک بحر کا نام۔

(فیروز اللغات، ص۱۴۰۲ ☆ لغات کشوری، ص۷۹۸ ☆ کریم اللغات، ص۱۹۰)

وقار: بھاری بھرکم، متانت، سنجیدگی، بردباری، قدرومنزلت، جاہ وجلال، آرام، گراں باری، حلم۔

(فیروز اللغات، ص۱۴۱۲ ☆ لغات کشوری، ص۸۰۶ ☆ کریم اللغات، ص۱۹۳)

سائلاں: جمع ہے سائل کی: بھکاری، سوال کرنے والا، چاہنے والا، امیدوار، جاری ہونے والا، پوچھنے والا، عرضی دینے والا۔ (فیروز اللغات، ص۷۷۱ ☆ لغات کشوری، ص۳۶۴)

ذمہ دار: ضامن، کفیل، جوابدہ، فرض شناس۔ (فیروز اللغات، ص۶۹۱)

پہلے مصرع میں لفظ ''عرض'' کا مطلب ''چوڑائی'' ہے۔

دوسرے مصرع میں لفظ ''عرض'' کا مطلب ''گزارش'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش یعنی ڈاڑھی شریف کی زیب وزینت، خوبصورتی اور قدرومنزلت کا تذکرہ ومدح وثناء فرمارہے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ میرے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی باوقار کثیر ڈاڑھی کی چوڑائی (عرض) اور لمبائی (طول) آپ کے در کے سائلوں کی لمبی چوڑی گزارش کو پورا کرکے سائل کے خالی دامن کو گوہر مراد سے بھرنے کی ضمانت دے رہی ہیں۔ اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے لفظ عرض کا دو مرتبہ استعمال فرمایا ہے۔ دونوں جگہ لفظ عرض معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق، لیکن حروف واعراب کے اعتبار سے مساوی ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی تجنیس کامل کا شعر ہے۔ خوبی کی بات تو یہ ہے کہ آپ نے مصرع اول میں ''عرض وطول'' جن دو الفاظ کا استعمال فرمایا ہے ان ہی دو الفاظ کو مصرع ثانی میں الٹ کر ایک گہری معنویت پیدا کردی ہے۔ مصرع اول میں عرض وطول کو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ڈاڑھی شریف کی چوڑائی اور لمبائی بیان کرنے کے لیے استعمال فرمایا ہے، لیکن ان ہی الفاظ کو مصرع ثانی میں الٹ کر طول وعرض کردیا اور سائل کی طویل گزارش کے معنی میں استعمال فرمایا۔ شعر کا لغوی وظاہری معنی تو حسب ذیل مذکور ہوئے، لیکن اس شعر میں حضرت رضا بریلوی یہ بتانا چاہتے ہیں کہ میرے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا جود ربار ہے وہ دربار اجابت ہے یعنی یہاں ہر ایک کی سنی جاتی ہے۔ یہاں مانگنے کے سلسلہ میں سائل پر کوئی پابندی نہیں، بلکہ سائلوں کو پوری آزادی ہے کہ اپنی تمام جائز مرادیں جتنی ہوسکے مانگ لو، کیوں کہ جب یہاں دینے والے کے دینے کی کوئی حد نہیں تو پھر مانگنے والے پر کیوں کوئی حد یا پابندی لگائی جائے؟ طویل ولمبی مانگیں اور لمبی

چوڑی مرادیں لے کر اس دربار میں آؤ۔ یہ اس شہنشاہ کا دربار عالی ہے کہ جہاں کا منگتا کبھی نامراد و مایوس نہیں پھرتا۔ اس سخی داتا کے چہرۂ اقدس کی ریش یعنی ڈاڑھی مبارک طول و عرض یعنی لمبائی اور چوڑائی میں وقار و کثرت سے پھیلی ہوئی ہے اور ڈاڑھی شریف کا لمبا و چوڑا ہونا گویا کہ سائلوں کو اکسار رہا ہے اور حوصلہ افزائی کر رہا ہے کہ تمھاری گزارش والتماس بھی طویل اور پھیلی ہوئی ہونی چاہیئے اور تم اپنی طویل گزارش کے رد ہونے کا خوف نہ کرو، کیوں کہ سرکار کی ڈاڑھی شریف کے طول و عرض تمہاری طویل گزارش کو پورا کرنے کی ضمانت دیتے ہیں۔

حضور اقدس ﷺ کی ریش مبارک یعنی ڈاڑھی شریف کی مدح وثنا شعر نمبر 35

ریش خوش معتدل مرہم ریش دل　　　　ہالۂ ماہ قدرت پہ لاکھوں سلام

کی تشریح میں مذکور ہوئے۔ یہاں مزید دو چار روایات پیش خدمت ہیں۔

شفاء قاضی عیاض میں ہے:

"اَللِّحْيَةُ يَمْلَاءُ صَدْرَهُ"

یعنی آپ کی ریش مبارک کے بال اس کثرت سے تھے کہ جس سے آپ کا سینہ مبارک بھر گیا تھا۔

(مدارج النبوۃ، از: شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۳۱)

حضرت ہضم بن ضحاک بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ مقام رجیع پر ٹھہرا تھا۔ وہاں کسی نے بتایا کہ یہاں ایک شخص ایسا بھی موجود ہے جس نے رسول اکرم ﷺ کو دیکھا ہے۔ میں اسی وقت اس شخص کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی ہے؟ انھوں نے فرمایا "ہاں، آپ کا قد مبارک نہایت خوبصورت تھا۔ نہ زیادہ طویل نہ ہی پست اور آپ کی ڈاڑھی نہایت خوش منظر تھی۔"

حضرت سیدنا امیر المؤمنین علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کی ریش مبارک اعتدال کے ساتھ لمبی تھی۔

حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ اپنی ڈاڑھی مبارک کے طول و عرض کو برابر طور پر کاٹ دیتے تھے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کے چہرۂ انور پر ریش مبارک کے خوبصورت گھیراؤ (احاطہ) کو یوں بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے دونوں رخساروں کو احاطہ کرتے ہوئے کہا کہ آپ ﷺ کی ریش مبارک یہاں سے یہاں تک تھی۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان شعر کے مصرع اول میں ڈاڑھی مبارک کی صفت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "ریش وافر باوقار" یعنی کثرت سے بال کے ساتھ باوقار ڈاڑھی شریف، ڈاڑھی میں جب کثرت سے بال ہوں اور وہ اعتدال و تناسب کے ساتھ اگے ہوئے ہوں، تو ڈاڑھی خوبصورت نظر آتی ہے اور ساتھ میں اس معتدل و مناسب اور پروقار

ڈاڑھی کی وجہ سے چہرے کا حسن و جمال بھی دوبالا ہو جاتا ہے۔ برخلاف اس کے کچھ لوگوں کے رخساروں اور ٹھوڑی پر اد
ادھر کچھ بال مشکل سے نکلتے ہیں ایسی ڈاڑھی میں وہ زینت نہیں ہوتی جو کثرت سے اگے ہوئے بال والی ڈاڑھی میں ہو
ہے۔ اور حضور کی ڈاڑھی مبارک گھنی، گنجان اور خوش منظر تھی۔ ڈاڑھی مبارک کے بال بالکل سیاہ تھے اور کثرت سے با
دونوں اطراف پر برابر تھے۔ ڈاڑھی مبارک نہایت خوبصورت اور سینۂ اقدس کو مزین کئے ہوئے تھی۔ دیکھنے والا ڈاڑھ
مبارک کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو جائے۔



۹۸

بہر معروف و سری معروف دے بیخود سری
جند حق میں گن جنید باصفا کے واسطے

حل لغت:

بہر: برائے، واسطے، لئے، وسیلے، برکت سے، صدقے میں۔

(فیروز اللغات، ص۱۹۴ ☆ لغات کشوری، ص۹۱ ☆ کریم اللغات، ص۲۲)

معروف: مراد: حضرت شیخ معروف کرخی رضی اللہ عنہ۔ (شجرۂ برکاتیہ رضویہ، ص۵)

سری: مراد: حضرت سری سقطی رضی اللہ عنہ۔ (شجرۂ برکاتیہ رضویہ، ص۵)

معروف: نیکی، نیک بات، مشہور، معلوم، ظاہر، پہچانا ہوا، جو معلوم ہو۔

(فیروز اللغات، ص۱۲۶۴ ☆ لغات کشوری، ص۷۱۹ ☆ کریم اللغات، ص۱۶۰)

بے خود: آپے سے بے خبر، خود رفتہ، مدہوش، سرشار۔ (فیروز اللغات، ص۲۴۶)

سری: سرداری، سپہ سالاری، تیر کا گز۔ (فیروز اللغات، ص۷۹۸ ☆ لغات کشوری، ص۳۸۳ ☆ کریم اللغات، ص۹۱)

جند: لشکر، فوج۔ (فیروز اللغات، ص۲۰۱)

جنید: مراد حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ۔ (شجرۂ برکاتیہ رضویہ، ص۵)

با: حرف ربط ہے یعنی ہمراہ، ساتھ، مع، وجود، صاحب، والا، مطابق، موافق، سامنے۔

(فیروز اللغات، ص۱۵۵ ☆ لغات کشوری، ص۶۷ ☆ کریم اللغات، ص۲۰)

صفا: پاک، پاکیزہ، مجلا، صیقل کیا ہوا، سپاٹ، نرل، ہموار، صفائی، درستی، کھرا، دوستی خالص، مکہ کی ایک پہاڑی۔

(فیروز اللغات، ص ۸۶۲ ☆ لغات کشوری، ص ۴۴۶ ☆ کریم اللغات، ص ۱۰۲)

پہلے مصرع میں شروع والے لفظ ''معروف'' سے مراد ''حضرت معروف کرخی'' ہیں۔
پہلے مصرع میں بعد والے لفظ ''معروف'' کا مطلب ''نیک بات'' ہے۔
پہلے مصرع میں شروع والے لفظ ''سری'' سے مراد ''حضرت سری سقطی'' ہیں۔
پہلے مصرع میں بعد والے لفظ ''سری'' کا مطلب ''سرداری'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ اے خداوند عالم! حضرت معروف کرخی اور حضرت سری سقطی کے صدقے میں نیکی وشہرت اور عشق رسول میں سرشار سرداری عطا فرما اور ساتھ ساتھ مجھ کو سچوں کے لشکر میں شمار فرما۔ واسطہ تجھے تیرے پاکیزہ بندے اور ولی حضرت جنید بغدادی کا (رضی اللہ عنہم)

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے دو مرتبہ لفظ ''معروف'' اور دو مرتبہ لفظ ''سری'' کا استعمال کیا ہے۔ دونوں لفظ ''معروف'' اور دونوں لفظ ''سری'' کے معنی الگ الگ ہیں۔ لہٰذا اس شعر میں ایک ساتھ دو تجنیس کامل ہیں۔ پہلے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''معروف'' ہے وہ عربی کا لفظ ہے اور صفت ہے۔ جس کا مطلب نیک، مشہور وغیرہ ہے۔ اور شروع میں جو لفظ ''معروف'' ہے وہ اسم ہے اور اس سے مراد حضرت معروف کرخی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اسی طرح پہلے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''سری'' ہے وہ اسم ہے اور اس سے مراد حضرت سری سقطی رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی ہے۔ پہلے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''سری'' ہے وہ سنسکرت اور فارسی دونوں زبانوں کا لفظ ہے۔ سنسکرت میں یہ لفظ مذکر ہے اور اس کا معنی تیر کا گز ہے اور فارسی میں یہ لفظ مؤنث ہے معنی سرداری وغیرہ ہے۔ اس شعر کی دونوں تجنیسات بھی متفرق ہیں۔ ایک تجنیس کامل مماثل ہے اور دوسری تجنیس کامل مستوفی ہے۔ اس شعر کی ایک خوبی یہ ہے کہ حضرت معروف کرخی رضی اللہ عنہ کا اور سرداری کے حصول کے لیے حضرت سری سقطی رضی اللہ عنہ کا واسطہ دیا ہے۔ گویا مسمّٰی کی صفت اجاگر کررہے ہیں۔ کیوں کہ حضرت معروف کرخی رضی اللہ عنہ کی ذات شہرۂ آفاق تھی، یہاں تک کہ جانور اور پرند بھی آپ کی ولایت کے قائل تھے اور آپ کا ادب واحترام بجالاتے تھے اور آپ کے حکم کی تعمیل کرتے تھے۔

حضرت کے ماموں شہر کے حاکم تھے۔ ایک دن ان کا گزر جنگل میں ہوا۔ وہاں پر حضرت معروف کرخی رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے روٹی کھارہے تھے اور قریب ہی بیٹھے ہوئے ایک کتے کو بھی روٹی کھلارہے تھے۔ آپ کے ماموں نے کہا کہ کتے کے قریب کیوں روٹی کھارہے ہو؟ آپ نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ ایک پرندہ ہوا میں اڑرہا ہے۔ آپ نے اس کو آواز دی۔ پرندہ حکم پاتے ہی نیچے اتر آیا اور آپ کے ہاتھ پر آکر بیٹھ گیا، لیکن پرندے نے اپنا منہ اور اپنی آنکھیں اپنے پر میں چھپالیں۔

حضرت معروف کرخی نے اپنے ماموں سے فرمایا کہ دیکھو جو شخص خدائے تعالیٰ سے شرم کرتا ہے ہر چیز اس سے شرم کرتی ہے۔آپ کے ماموں نے آپ کی یہ شان دیکھی تو بہت حیران ہوئے۔(تذکرہ مشائخ رضویہ)

آپ کی شہرت کا عالم یہ تھا کہ جب آپ کا وصال ہوا تو تمام مذاہب والوں نے دعویٰ کیا کہ آپ کا جنازہ ہم اٹھائیں گے، چنانچہ یہودی ترساں اور مسلمان سبھی اس کے دعویدار تھے۔بات تنازعہ اور جھگڑے تک پہنچ گئی۔آپ کے خادم نے کہا کہ حضرت نے مجھ سے وصیت فرمائی جو قوم میرا جنازہ زمین سے اٹھا لے گی وہ قوم میری تجہیز و تکفین کرے گی۔سب سے پہلے یہودیوں نے کوشش کی لیکن وہ جنازہ نہ اٹھا سکے، پھر قوم ترساں نے محنت کی وہ بھی ناکام رہے آخر میں مسلمانوں نے جنازہ اٹھالیا اور آپ کو دفن کیا۔(تذکرۃ اولیا،ص ۲۳۱،خزینۃ الاصفیاء،ص ۷۷)

حضرت سری سقطی رضی اللہ عنہ آپ کے مرید اور خلیفہ تھے۔

حضرت سری سقطی رضی اللہ عنہ اللہ کے عشق میں ایسے سرشار تھے کہ آپ بسا اوقات اپنے آپ سے بے خبر ہو جاتے۔آپ پہلے تجارت کرتے تھے بعد میں ریاضت و عبادت میں مشغول ہو کر عبادت و ریاضت میں محو ہو گئے۔سب سے پہلے آپ ہی نے حقائق و معارف بغداد میں نشر فرمائے۔عراق کے بہت سے مشائخ آپ کے سلسلہ ارادت سے منسلک تھے۔سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی آپ کے بھانجے اور مرید تھے۔حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ طریقت جیسا پیر کامل کسی کو بھی نہیں دیکھا۔آپ نے اپنے آپ کو خدا کی محبت میں اتنا گھلا دیا کہ دنیا و مافیہا کی رغبت ہی نہ رہی بلکہ دنیا کی کسی نعمت کے حصول پر خدا کا شکر بجالانے کو بھی آپ مناسب نہ سمجھتے تھے۔

جس زمانے میں آپ تجارت کرتے تھے اور بغداد کے بازار میں آپ کی دکان تھی۔اس زمانہ کو یاد کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ تیس سال ہو گئے کہ میں ایک شکر خدا بجالانے پر استغفار کرتا ہوں۔لوگوں نے پوچھا، وہ کس طرح؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ ایک روز بغداد کے بازار میں آگ لگ گئی۔جس کی وجہ سے بازار کی تمام دکانیں جل گئیں، لیکن میری دکان جلنے سے محفوظ رہی۔اس وقت میں اپنے گھر میں موجود تھا۔ایک شخص نے آکر خبر دی کہ آپ کی دکان نہیں جلی۔میں نے اس پر "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" کہا، بعد میں خیال آیا کہ گویا اپنے آپ کو دوسرے مسلمانوں سے بہتر جانتا ہوں اور دنیا کی سلامتی پر شکر کیا۔اپنے اس قصور پر مسلسل تیس سال سے استغفار کر رہا ہوں۔(تذکرۃ الاولیاء،ص ۲۲۷،مسالک السالکین)

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان مذکورہ واقعات کے پیش نظر اللہ تعالیٰ سے حضرت معروف کرخی کے واسطے سے بھلائی و نیکی اور حضرت سری سقطی کے واسطے سے رہنمائی مانگ رہے ہیں۔صرف ایک ہی مصرع میں دو جلیل القدر اولیائے ملت اسلامیہ کے صفات کا ذکر کر دینا اور ان صفات کے تناسب سے محاسن کا بارگاہ خداوندی میں سوال کرنا، اور صرف ایک ہی مصرع میں ایک ساتھ دو تجنیسات کا استعمال کرنے کے ساتھ ساتھ کلام کی جامعیت اور معنویت کو برقرار رکھنا اور صرف ایک مصرع میں اس طرح جملہ کی بندش کرنا کہ پورا مطلب واضح طور پر بیان ہو جائے اور پہلے مصرع کے مفہوم کو ذہن نشین کرنے کے لیے دوسرے مصرع کی ضرورت نہ رہے۔یہ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا ہی حصہ ہے۔

سب کے بس کی بات نہیں۔

مصرع ثانی میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کتنے نفیس انداز میں بارگاہ خداوندی میں التجا کرتے ہیں کہ جندحق میں گن یعنی حق کے لشکر میں شمار کر۔ اس ایک ہی جملہ میں حضرت رضا بریلوی نے بہت کچھ فرمادیا ہے۔ جندحق کون ہے؟ جندحق کا اطلاق کن پر ہوسکتا ہے؟ یہ ایک اہم سوال ہے۔ آج ہر گروہ اور ہر فرقہ اپنے کو جندحق میں شمار کرتا ہے۔ کوئی بھی شیطانی گروہ اپنے کو جماعت ابلیس میں شمار کرنے کے لیے راضی نہیں، چاہے وہ بڑے چھوٹے شیاطین الانس پر مشتمل جماعت ہی کیوں نہ ہو، لیکن سب کو جندحق کے سپاہی کا لیبل لگانا ہے۔ عربی زبان میں جند کے معنی اور حزب کے معنی قریب قریب مساوی ہیں۔ لغت میں حزب کے معنی، گروہ، جماعت وغیرہ کے آتے ہیں۔ (فیروز اللغات، ص ۵۶۷)

اب ہم قرآن کی روشنی میں پرکھیں اور جانچیں کہ حزب اللہ یا جندحق کس کو کہا جائے۔ قرآن شریف میں ہے:

''لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ اُولٰٓىٕكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَ اَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ وَ یُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ اُولٰٓىٕكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ'' (سورۃ المجادلہ، آیت ۲۲)

ترجمہ: تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسولوں کی مخالفت کی، اگرچہ ان کے وہ باپ یا بھائی ان کے کنبے والے ہوں۔ یہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرمادیا اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد کی اور انہیں باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہیں ان میں ہمیشہ رہیں۔ اللہ ان سے راضی وہ اللہ سے راضی یہ اللہ کی جماعت ہے۔ سنتا ہے اللہ ہی کی جماعت کامیاب ہے۔ (کنزالایمان)

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اللہ کی جماعت یا اللہ کا گروہ یا اللہ کا لشکر کی صاف وضاحت فرمادی کہ جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھے وہ ہرگز ان لوگوں سے دوستی نہیں کرے گا جنہوں نے اللہ اور رسول کی مخالفت کی۔ پھر یہ مخالفت کرنے والے ان کے باپ، بھائی اور رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں، سچا مسلمان ان دشمنان خدا اور رسول سے ہرگز تعلق نہیں رکھے گا۔ تو جس مومن نے اللہ اور رسول کے دشمنوں سے علاقہ محبت اور دوستی منقطع کرلی اور قطع تعلق کی وجہ صرف یہی ہے کہ یہ اللہ اور رسول کے دشمن اور مخالف ہیں تو اس قطع تعلق کرنے والے کو اللہ تعالیٰ انعامات سے نوازتا ہے۔ ان کے دلوں میں ایمان کو مضبوط فرمانے کے ساتھ ساتھ روح الامین حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ ان کی مدد فرماتا ہے۔ اس کے باوجود انعامات کا سلسلہ ختم نہیں ہوا، بلکہ جاری ہے۔ اب بڑے بڑے انعامات شمار کرائے جارہے ہیں۔ اللہ انہیں جنت میں داخل فرمائے گا اور وہ جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔

سب سے بڑا انعام جس سے بڑھ کر کوئی انعام نہیں ہوسکتا وہ یہ ہے کہ اللہ ان سے راضی ہونے کی وجہ سے انہیں اپنی

رحمتوں اور نعمتوں کا اتنا زیادہ انعام واکرام کرتا رہے گا کہ ان کا وہم وگمان بھی ان انعامات کے پانے کا نہ ہوگا۔لیکن رب کریم اپنے کرم سے انہیں اتنا زیادہ عطا فرمائے گا، یہاں تک کہ رب کی عطا سے راضی ہو جائیں گے۔اتنے پر ہی بس نہیں، بلکہ اب ان کو حزب اللہ یعنی اللہ کی جماعت کا تمغہ عطا ہو رہا ہے۔صرف تمغہ ہی عطا نہیں کیا جا رہا ہے، بلکہ یہ بھی اعلان کیا جا رہا ہے کہ اللہ کی جماعت ہی کامیاب وکامران ہے۔صرف اسی آیت مبارکہ کے ضمن میں بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔اگر قارئین کرام کو اس آیت کی ایمان افروز تفسیر وتشریح ملاحظہ کرنی ہو تو وہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ عنہ کی کتاب ''تمہید ایمان بآیات قرآن'' کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔

المختصر! اس آیت سے وہ حضرات سبق لیں جو اپنے آپ کو سنی مسلمان کہنے کے باوجود ان لوگوں سے رشتۂ الفت ومحبت قائم کیے ہوئے ہیں جنہوں نے اللہ اور رسول کی شان میں گستاخیاں کی ہیں، مثلاً: فرقۂ نجدیہ، وہابیہ، دیوبندیہ، غیر مقلدیہ، تبلیغیہ وغیرہم۔

سلسلۂ گفتگو یہ تھا کہ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے جندِ حق میں شمار ہونے کی دعا کی ہے۔اس لفظ میں حضرت رضا نے اشارۃً وکنایۃً بہت بڑی بات کہہ دی ہے۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے شعر میں لفظ ''گن'' یعنی شمار کر فرما کر اپنے رب کریم کی شان رحیمی اور رحمانی بیان کر کے شعر میں ایک نئی جان ڈال دی ہے۔

حضرت رضا بریلوی جند حق میں شمولیت کی دعا کی مقبولیت اور اجابت کے لیے حضرت سید الطائفہ شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا واسطہ دے رہے ہیں۔لفظ جنید جند کا اسم تصغیر ہے۔یعنی چھوٹا لشکر۔شعر میں الفاظ کی بندش اور برجستگی پر بے ساختہ صدائے تحسین نکل پڑتی ہے۔اس مصرع میں لفظ جنید سے مراد سید الطائفہ، طاؤس العلماء، شیخ علی الاطلاق، منبع اسرار، سلطان طریقت حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی ہے۔اگر تھوڑی دیر کے لیے اس مراد کو حذف بھی کر لیا جائے اور صرف ظاہری اور لغوی معنی ہی اخذ کیے جائیں، پھر بھی شعر کا مطلب ایک ہی انداز سے برقرار رہتا ہے، کیوں کہ حضرت رضا بریلوی نے جنید کے ساتھ باصفا کو موصوف اور صفت کی اضافت سے مرکب کیا ہے تو اب معنی یہ ہوں گے کہ اے اللہ! تیرے اس چھوٹے لشکر کے صدقے کہ جو پاکیزہ گروہ ہے۔اس پاک گروہ کے طفیل مجھے جند حق یعنی حزب اللہ میں شمار کر۔ حالاں کہ ''جنید باصفا'' سے حضرت رضا بریلوی کی مراد حضرت شیخ جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی ہی ہے۔

حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کے لیے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ''باصفا'' یعنی صفائی قلب والا، تقویٰ و طہارت والا وغیرہ لفظ کا استعمال فرما کر ان کے شایان شان خراج عقیدت پیش کرنے کی سعی فرمائی ہے۔

حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کی پاکیزگی اور طاعت الٰہی کا یہ عالم تھا کہ آپ کا تیس سال تک یہ معمول رہا کہ عشاء کی نماز کے بعد کھڑے ہو کر صبح تک اللہ اللہ کہا کرتے۔اور اسی وضو سے آپ صبح کی نماز ادا کرتے یہاں تک کہ آپ کا ہی قول ہے کہ بیس برس تک پہلی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی اور نماز میں اگر دنیا کا خیال آجاتا تو میں نماز دوبارہ ادا کرتا اور اگر بہشت وآخرت

کا خیال آتا تو سجدہ سہوادا کرتا۔ (تذکرۃ الاولیاء،ص ۲۷۷،شجرۃ الکاملین،ص ۱۵۰)

حضرت سری سقطی رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے پوچھا کہ کسی مرید کا درجہ آپ سے بلند ہوا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں ہوا ہے جنید بغدادی مجھ سے بلند درجہ رکھتا ہے، حالاں کہ وہ میرا مرید ہے۔

حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت جنید صاحب آیات سباق غایات ہیں۔ باوجود اس کے دل نہیں رکھتے مگر فرشتہ صفت ہیں۔ شیوۂ معرفت وکشف توحید میں آپ کی شان نہایت ارفع واعلیٰ ہے۔ آپ مجاہدہ ومشاہدہ میں "آیۃ من آیت اللہ" ہوئے ہیں۔ (مسالک السالکین،ص ۳۰۱)

آپ کی بے شمار کرامات ہیں جن کا شمار وتذکرہ یہاں ممکن نہیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ایسا کشف عطا فرمایا کہ سر باطن پر بھی آپ مطلع ہو جاتے تھے۔

آپ کا ایک مرید جو بصرہ میں رہتا تھا۔ اس کے دل میں ایک روز گناہ کا خیال پیدا ہوا۔ یہ برا خیال آتے ہی اس کا چہرہ سیاہ ہو گیا۔ جب اس نے آئینہ میں اپنی صورت دیکھی تو گھبرایا اور شرم وندامت کی وجہ سے گھر سے باہر نکلنا بھی ترک کر دیا لیکن تین روز کے بعد اس کے چہرے کی سیاہی آہستہ آہستہ کم ہونے لگی، یہاں تک کہ بالکل دور ہوگئی اور اس کا چہرہ پہلے کی طرح پھر خوشنما اور روشن ہو گیا۔ ناگاہ ایک شخص نے آکر اس کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اس نے اندر سے پوچھا کون؟ آنے والے نے کہا کہ حضرت جنید کا خط لایا ہوں۔ اس نے خط لے کر جو پڑھا تو اس میں لکھا تھا کہ اپنے دل کو قابو میں رکھو۔ آج مجھے تین دن سے دھوبی کا کام کرنا پڑا ہے، تاکہ تمہارے چہرے کی سیاہی دور ہو۔ (تذکرۃ الاولیاء،ص ۲۹۴)

حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک مجوسی اپنے گلے میں صلیب ڈال کر اوپر سے مسلمانوں کا لباس پہن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ حضور! ایک حدیث شریف کا مطلب واضح نہیں ہو رہا۔ حدیث شریف میں آیا ہے:

"اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ"

یعنی مومن کی فراست (دانائی، معاملہ فہمی) سے ڈرو، اس لیے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

اس کا مطلب کیا ہوا؟ آپ نے اس کا سوال سن کر تبسم فرمایا اور پھر فرمایا کہ اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ تو اپنا صلیب توڑ، کفر چھوڑ اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جا۔ مجوسی نے آپ کا یہ جواب سنا تو دنگ رہ گیا اور فوراً کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ (تذکرۂ مشائخ قادریہ رضویہ،ص ۱۹۶)

آپ کے وصال کے بعد جب آپ کا جنازہ اٹھایا گیا تو ایک سفید کبوتر آیا اور جنازے کے ایک کونہ پر بیٹھ گیا۔ لوگوں نے اسے اڑانے کی کوشش کی، لیکن وہ نہ اٹھا۔ اس نے کہا کہ مجھے اور اپنے آپ کو رنج نہ دو، کیوں کہ میرے پنجے عشق کی میخ کے جنازے کے کونے سے مس ہوئے ہیں۔ اے لوگو! تم جنازہ اٹھانے کی تکلیف نہ کرو، کیوں کہ آج آپ کا قالب فرشتوں کے حصہ میں ہے۔ اگر تم شور وغوغہ نہ کرتے تو آپ کا جسم سفید باز کی طرح اڑتا ہوتا۔ (تذکرۂ مشائخ)

آپ کا وصال ۲۷؍رجب المرجب ۲۹۷ھ یا ۲۹۸ھ کو ہوا۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی دعا بارگاہ الٰہی میں شرف قبولیت سے نوازی گئی اور آپ کو جند حق میں صرف شمولیت ہی نہیں، بلکہ سرداری حاصل ہوئی اور آپ اپنے دور کے اہل حق کی جماعت کے مقتدا اور پیشوا کی حیثیت سے ابھرے اور آج بھی آپ ''امام اہل سنت'' کے مبارک لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے سورۃ مجادلہ کی مذکورہ آیت کو مشعل راہ بنا کر اپنی زندگی کا ہر لمحہ اس کے سانچے میں ڈھالا اور آخری سانس تک اس پر عمل پیرا رہے۔



(۹۹)

ان پر درود جن کو کس بے کساں کہیں
ان پر سلام جن کو خبر بے خبر کی ہے

حل لغت:

کس: زور، طاقت، بل، امتحان، آزمائش، چاشنی، تلوار کی خمیدگی، مضبوطی، حقیقت، پہاڑی بارش سے بہنے والا نالہ، تاؤ، سونے کا کس، گھی کا کس، یار، ساتھی، رفیق، شریف مرد، لائق آدمی۔

(فیروز اللغات، ص ۱۰۰۸ ☆ لغات کشوری، ص ۵۸۸ ☆ کریم اللغات، ص ۱۲۹)

بے کس: اکیلا محتاج، کنگال، مسافر، پردیسی، یتیم، بے یار و مددگار، دوست آشنا کے بغیر تنہا۔ (فیروز اللغات، ص ۲۴۸)

خبر: اطلاع، آگاہی، واقفیت، پیغام، سندیسہ، حدیث نبوی، پتہ، نشان، سراغ، ہوش، سدھ بدھ، حال سناؤنی، مدت کی اطلاع، کسی کی بات سننا۔ (فیروز اللغات، ص ۵۸۴ ☆ لغات کشوری، ص ۲۵۲ ☆ کریم اللغات، ص ۶۲)

دوسرے مصرع میں پہلے لفظ ''خبر'' کا مطلب ''اطلاع'' ہے۔

دوسرے مصرع میں دوسرے لفظ ''خبر'' کا مطلب ''حال'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیارات و تصرفات اور علم و اطلاع ماکان و ما یکون کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان پر درود ہو جو محتاج و بے یار و مددگار کی طاقت اور اس

کے مددگار ہیں اور ان پر سلام ہو جن کو ہر بے خبر کی خبر ہے۔ اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے پہلے مصرع میں درود او
دوسرے مصرع میں سلام کا لفظ استعمال فرمایا ہے یعنی درود کو سلام پر مقدم رکھا ہے۔ ایسا کیوں؟ جواب سنیے: اس لیے ک
قرآن مجید کی جس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے درود وسلام پڑھنے کا حکم دیا ہے اس میں درود کو مقدم اور سلام کو مؤخر کر
فرمایا ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا''

ترجمہ: بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی ان پر خوب درود وسلام بھیجو۔

حضرت رضا بریلوی نے اس آیت کریمہ کی اتباع کرتے ہوئے اپنے شعر میں درود کے لفظ کو پہلے اور سلام کے لفظ کو بعد میں ذکر فرمایا ہے۔

اس شعر کے مصرع اول میں حضرت رضا بریلوی نے اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کے لیے ''کس بے کساں'' کا جملہ استعمال فرمایا ہے۔ یعنی بے یار و مددگار اور محتاجوں کے حامی اور مددگار۔ اور یہ سچ ہے کہ جس کا کوئی حامی و مددگار نہیں حضور اقدس ﷺ اس کے حامی اور مددگار ہیں۔ اس مضمون کی متعدد احادیث وارد ہیں جن سب کا ذکر یہاں ممکن نہیں، صرف چند احادیث پیش کی جاتی ہیں۔ حضور اقدس ﷺ صرف اپنی امت ہی کو نہیں، بلکہ پوری کائنات کو پناہ دینے والے ہیں۔

- امام بخاری حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے راوی کہ توریت مقدس میں حضور اکرم ﷺ کی صفت میں لفظ ''حرزا'' یعنی ''پناہ'' وارد ہے۔
- علامہ زرقانی شرح مواہب شریف میں فرماتے ہیں کہ

''جَعَلَ نَفْسَهٗ حِرْزًا مُبَالَغَةً لِحِفْظِهٖ لَهُمْ فِي الدَّارَيْنِ''

یعنی نبی ﷺ تو پناہ دینے والے ہیں، مگر رب تبارک وتعالیٰ نے حضور کو بطور مبالغہ خود پناہ کہا (جیسے عادل کو عدل یا عالم کو علم) کہتے ہیں اور اس صفت کی وجہ یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ دنیا و آخرت میں امت کے محافظ و نگہبان ہیں۔

- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

''كَانَ مِنْ دَلَالِهٖ حَمْلُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اِنَّ كُلَّ دَابَّةٍ كَانَتْ لِقُرَيْشٍ نَطَقَتْ تِلْكَ اللَّيْلَةَ وَ قَالَتْ حُمِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَ رَبِّ الْكَعْبَةِ هُوَ اَمَانُ الدُّنْيَا وَ سِرَاجُ اَهْلِهَا''

ترجمہ: نبی ﷺ کے حمل مبارک کی نشانیوں سے تھا کہ قریش کے جتنے چوپائے تھے سب نے اس رات کلام کیا اور کہا کہ رب کعبہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ حمل میں تشریف فرما ہوئے۔ وہ تمام دنیا کی پناہ اور اہل عالم کے سورج ہیں۔ (الامن والعلی، از امام احمد رضا محدث بریلوی، ص ۲۸)

- امام ترمذی اور ابن ماجہ نے امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ

"اَللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ مَوْلٰی مَنْ لَا مَوْلٰی لَهٗ"

یعنی جس کا کوئی نگہبان نہ ہو اللہ و رسول اس کے نگہبان ہیں۔

اس حدیث کی شرح میں علامہ مناوی اپنی کتاب "تیسیر" میں فرماتے ہیں کہ "اَیْ حَافِظٌ مَنْ لَّا حَافِظَ لَهٗ" یعنی ارشاد حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس کا کوئی حافظ نہیں، اللہ اور رسول اس کے حافظ ہیں۔ اور ان تمام احادیث کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ جن کو کس بے کساں کہیں۔

مصرع ثانی میں حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں "جن کو خبر بے خبر کی ہے"، اس مصرع میں آپ نے لفظ "خبر" کا دو مرتبہ استعمال فرمایا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ "خبر" ہے اس کا مطلب آگاہی اور اطلاع ہے اور دوسری مرتبہ جو "خبر" ہے اس کا مطلب حال ہے۔ دونوں لفظ "خبر" اعراب و حروف کے اعتبار سے مساوی ہیں، لیکن معنی اور مطلب الگ ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شعر و ادب کے اعتبار سے صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر میں جو آخر میں لفظ "خبر" ہے وہ حال یعنی احوال، خاتمہ، انجام، نتیجہ وغیرہ کے معنی میں ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے امتیوں کی تو خبر ہے ہی، لیکن امتیوں کا کیا حال ہوگا؟ وہ کب مریں گے؟ کیا عمل کریں گے؟ جنت میں جائیں گے یا دوزخ میں؟ ان تمام امور کی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہے۔ آج کے پرفتن دور کے منافقین وہابی، نجدی، دیوبندی، تبلیغی وغیرہ فرقۂ باطلہ یہ عقیدہ رائج کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے انجام کی بھی خبر نہیں اور قیامت میں ان کے ساتھ اور ان کی بیٹی خاتون جنت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا، اس کی بھی خبر نہیں، بلکہ فرقۂ وہابیہ کے پیشوا مولوی خلیل احمد انبیٹھوی نے اپنی رسوائے زمانہ کتاب "براہین قاطعہ" میں تو یہاں تک لکھ دیا کہ معاذ اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں تھا۔

چند احادیث بعد اختصار قارئین کرام کی خدمت میں پیش ہیں جن کے مطالعہ سے روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے تمام امتیوں کے احوال کی خبر و معلومات ہے:

- بخاری شریف میں امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

"قَامَ فِيْنَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ مَقَامًا فَاَخْبَرَنَا عَنْ بَدْءِ الْخَلْقِ حَتّٰی دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ مَنَازِلَهُمْ وَ اَهْلُ النَّارِ مَنَازِلَهُمْ"

یعنی ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں خطبہ پڑھنے کھڑے ہوئے تو حضور نے خلق کی ابتداء سے لے کر یہاں تک کہ جنت والے جنت میں اور دوزخ والے دوزخ میں جائیں گے، سب احوال کی ہمیں خبر دی۔

- صحیح مسلم شریف کی حدیث میں حضرت عمرو بن اخطب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"فِیْ خُطْبَتِهٖ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ مِنَ الْفَجْرِ اِلَی الْغُرُوْبِ وَ فِیْهِ اَخْبَرَنَا بِمَا کَانَ وَ بِمَا هُوَ کَائِنٌ فَاَعْلَمُنَا اَحْفَظُنَا"

ترجمہ: نبی ﷺ نے صبح سے لے کر غروب تک جو خطبہ فرمایا اس میں سے یہ الفاظ ہیں کہ جو کچھ دنیا میں قیامت تک ہو نے والا ہے اس سب کی ہمیں خبر دی۔ ہم میں زیادہ علم اسے ہے جسے زیادہ یاد رہا ہو۔

- صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ انھوں نے فرمایا:

"قَامَ فِیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ مَقَامًا مَا تَرَکَ شَیْئًا یَکُوْنُ وَ مَقَامُهٗ ذَالِکَ اِلٰی قِیَامِ السَّاعَةِ اِلَّا حَدَّثَ بِهٖ"

ترجمہ: ایک بار رسول اللہ ﷺ ہم میں خطبہ پڑھنے کھڑے ہوئے تو حضور نے وقت قیام سے روز قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا کچھ نہ چھوڑا بلکہ سب بیان فرما دیا۔

- ترمذی شریف کی حدیث میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"فَعَلِمْتُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ"

یعنی میں نے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے سب جان لیا۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ

"فَعَلِمْتُ مَا بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ"

یعنی جو کچھ مشرق سے مغرب تک ہے سب مجھے معلوم ہو گیا۔

- مسند امام احمد اور طبقات ابن سعد اور معجم کبیر طبرانی کی حدیث بہ سند صحیح حضرت ابوذر غفاری و نیز ابو یعلیٰ اور ابن منیع اور طبرانی کی حدیث حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہم سے کہ دونوں صاحبوں نے فرمایا:

"لَقَدْ تَرَکْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ سَلَّم وَ مَا یُحَرِّکُ طَائِرٌ جَنَاحَیْهِ فِی السَّمَاءِ اِلَّا ذَکَرَ لَنَا مِنْهُ عِلْمًا"

یعنی رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس حال پر چھوڑا کہ ہوا میں کوئی پرندہ پر مارنے والا نہیں جس کا علم حضور نے ہم سے ذکر نہ فرمایا ہو۔

یہ پانچوں احادیث مبارکہ ماخوذ از: الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ، از امام احمد رضا محدث بریلوی، ص ۲۵۹ تا ص ۲۶۱

- امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "اَلْفَضْلُ الْکُبْرٰی لِقُرَّاءِ اُمِّ الْقُرٰی" میں فرماتے ہیں:

"لِاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی اَطْلَعَهٗ عَلَی الْعَالَمِ فَعَلِمَ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَ الْاٰخِرِیْنَ وَ مَا کَانَ وَ مَا یَکُوْنُ"

ترجمہ: یہ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو سارے جہاں کا علم دیا تو حضور نے تمام اگلوں پچھلوں کا علم اور جو کچھ گزرا ہے اور ہونے والا ہے سب جان لیا۔

اس قسم کی متعدد احادیث واقوال ائمہ کرام سے دفاتر بھرے پڑے ہیں جن سب کا ماحصل یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو اولین وآخرین کے ذرہ ذرہ کے علوم سے آگاہ فرمایا ہے اور اسی کو حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ و الرضوان فرماتے ہیں: ''ان پر سلام جن کو خبر بے خبر کی ہے''

حضور اقدس عالم ماکان و مایکون صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے تعلق سے کچھ گفتگو شعر نمبر 9 ''فضل خدا سے غیب شہادت ہوا انھیں'' کی تشریح میں بھی کی گئی ہے، ملاحظہ فرمائیں۔



(۱۰۰)

جان ہلکان ہوئی جاتی ہے
بار سا بار ہے کیا ہونا ہے

حل لغت:

جان: روح، آتما، زندگی، حیات، طاقت، قوت، ہمت، حوصلہ، تاب تواں، جوہر، مغز، لب لباب، نہایت عزیز چیز، پیارا بیٹا، خوبی، خوبصورتی، زیب وآرائش، بچہ، پیار کا کلمہ۔ (فیروز اللغات، ص۴۴۳ ☆ لغات کشوری، ص۱۸۵ ☆ کریم اللغات، ص۴۶)

ہلکان: تھکا ماندہ، نیم جان، مضمحل۔ (فیروز اللغات، ص۱۴۴۵)

بار: بوجھ، گرانی، وزن، اسباب، دخل، آمیزش، گویوں کا ساز، رسائی، نوبت، مرتبہ، دفعہ، شمار، اجازت، حمل، گربھ، قرض، ذمہ داری، ثمر، پھل، دربار، عدالت، جناب، جلیل، بزرگ، ناگوار، تکلیف دہ، برسنے والا، برسانے والا، گوہر، گوہر بار کے ساتھ بطور تابع مثلاً: کاروبار کسی چیز کی کثرت ظاہر کرنے کے لیے مثلاً: جوئے بار اور سنگ بار اور انبار، نصیب، رخصت، درخت کی جڑ، کام، بارگاہ، ہر چیز کی زیادتی۔ (فیروز اللغات، ص۱۶۴ ☆ لغات کشوری، ص۷۸)

بار: عرصہ، دیر، نوبت، مرتبہ، دفعہ، موقع، گھر کے ساتھ بطور تابع مثلاً: گھر بار یعنی اہل وعیال، ہفتہ کا دن، شنبہ۔ (فیروز اللغات، ص۱۶۴)

دوسرے مصرع میں شروع والے لفظ ''بار'' کا مطلب ''تکلیف دہ'' ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد والے لفظ ''بار'' کا مطلب ''بوجھ'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

یہ شعر امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی اس نعت کا ہے جس کا بہت ہی مختصر تذکرہ شعر نمبر 87

نفس پُر زور کا وہ زور اور دل زیر ہے زار ہے کیا ہونا ہے

کی تشریح میں کیا گیا ہے۔ یہ شعر اس نعت کا سولہواں شعر ہے۔ اس شعر میں حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ "جان" یعنی روح یا زندگی مضمحل و نیم جان ہوئی جاتی ہے۔ نیم جان اس کو کہتے ہیں جو زندگی سے مایوس ہو جائے یعنی ادھ مرا جو قریب المرگ ہوتا ہے اور اس کی وجہ مصرع ثانی میں بتائی ہے "بار سا بار ہے" یعنی تکلیف دہ اور ناگوار بوجھ آپڑا ہے اور اس بوجھ سے مراد عصیاں، گناہ وغیرہ ہیں۔

اس شعر میں لفظ "بار" کا استعمال دو مرتبہ کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ "بار" ہے اس کا معنی تکلیف دہ، ناگوار، دشوار وغیرہ ہے اور دوسری مرتبہ جو لفظ "بار" ہے اس کا معنی بوجھ، وزن اور گرانی وغیرہ ہے۔ دونوں لفظ "بار" معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق ہیں، لیکن حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر میں بھی حضرت رضا بریلوی نے ملت اسلامیہ کو ایک عظیم پیغام دیا ہے کہ ہم رات دن گناہوں کے دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں اور گناہوں کا بوجھ اتنا بڑھ گیا ہے کہ اب اس کو اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں۔ ہمارے تحمل اور بساط کے باہر معاملہ ہے اور اس بوجھ نے ہم کو مضمحل کر دیا ہے۔ یہاں پر حضرت رضا نے جان کا لفظ استعمال کیا ہے، اس سے مراد جان ایمان ہے۔ ہمارا ایمان اتنا کمزور ہو گیا ہے کہ اب اس کے بچنے یا نہ بچنے کا مسئلہ کھڑا ہو گیا ہے، کیوں کہ ایمان کا تعلق دل سے ہے۔ دل کے اعتقاد اور دل کے ارادے پر ایمان کا انحصار ہے، لیکن اب ہمارا دل گناہوں کے ارتکاب سے ایسا بوجھل ہو گیا ہے کہ اس میں اب حرارت ایمان کا فقدان محسوس ہو رہا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔

ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا کہ حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: "بلاشبہ جب مؤمن بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ داغ کا نقطہ لگ جاتا ہے۔ پس اگر وہ توبہ واستغفار کر لے تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے۔ یہی وہ زنگ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کے اعمال نے ان کے دلوں پر زنگ لگا دیا۔" (ترمذی شریف)

نوٹ: اس حدیث کی عربی عبارت شعر نمبر 75 کی تشریح میں درج ہے۔

حدیث میں ہے کہ مسلمان کے نزدیک تو گناہ ایک پہاڑ سے کم نہیں ہوتا اور اسے ہمیشہ خوف رہتا ہے کہ یہ پہاڑ کہیں اس کے سر پر پھٹ نہ پڑے اور منافق کے نزدیک گناہ کی حیثیت ایک مکھی سے زیادہ نہیں جو ناک پر بیٹھ جائے اور اڑ جائے۔ اس لئے وہ گناہ سے خائف نہیں ہوتا۔

ایک صحابی کا قول ہے کہ لوگ بڑے بڑے گناہ کر گزرتے ہیں اور اسے بال کے برابر حقیر سمجھتے ہیں، حالاں کہ ہمارے

نزدیک ہر گناہ پہاڑ کے برابر ہوتا ہے، کیوں کہ ہم اس راز کو جانتے ہیں کہ کوئی گناہ ایسا نہیں جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا غضب پوشیدہ نہ ہو۔ گناہ جتنا ہی بڑا ہوگا اتنا ہی قہر الٰہی اس میں پنہاں ہوگا اور ہوسکتا ہے کہ جس گناہ کو لوگ آسان ترین تصور کر رہے ہوں وہی حق تعالیٰ کے قہر وغضب کا باعث ہو۔ جیسا کہ ارشاد ہوا ہے کہ تم جس کو ہلکی بات سمجھ رہے تھے وہ اللہ کے نزدیک بہت بھاری تھی۔ اب ہم اپنے گریبانوں میں جھانکیں کہ ہم کتنے گناہوں میں ملوث ہیں۔ حدیث شریف کے ارشاد کے مطابق مؤمن کے نزدیک ہر گناہ ایک پہاڑ کی حیثیت رکھتا ہے یعنی پہاڑ جتنا بوجھ اس پر پڑتا ہے۔ تو ہمارے اوپر ایسے کتنے پہاڑوں کا بوجھ لد چکا ہے۔

علاوہ ازیں گناہ کرنے سے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے اور پھر گناہ پر اصرار کرنے سے وہ نقطہ بڑھ کر پورے دل کو سیاہ کر دیتا ہے اور دل جب سیاہ ہو جاتا ہے تو پھر اس میں ایمان کی حرارت نہیں پائی جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ دور حاضر میں مسلمانوں کی حالت دن بہ دن خستہ ہوتی جارہی ہے، کیوں کہ ایمان کی حرارت نہ ہونے کی وجہ سے ان کا حوصلہ پست ہوگیا ہے اور وہ بزدلی اور پس ماندگی کا شکار ہوگئے ہیں۔ ایمان کی جان حضور اقدس ﷺ کی محبت اور آپ کی تعظیم وتوقیر بجالانا ہے اور حضور کی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی فرامین وارشادات پر کامل طور پر عمل کیا جائے اور ان ارشادات کی روشنی میں شریعت مطہرہ کی سختی کے ساتھ پابندی کرتے ہوئے ہر قسم کے گناہوں سے اجتناب و پرہیز کیا جائے، لیکن افسوس کہ محبت کا دعویٰ تو ہم بڑے ہی طمطراق کے ساتھ کرتے ہیں لیکن میدان عمل میں راہ فرار اختیار کرتے ہیں۔ لہٰذا ایمان کی حلاوت اور حرارت کا صحیح لطف حاصل کرنے کے لیے گناہوں سے دور رہنا لازمی اور ضروری ہے۔ نیک اعمال سے ایمان کی ضیاء میں اور جلا میں اضافہ ہوتا ہے اور اس کے برعکس بقول حضرت رضا بریلوی ''جان ہلکان ہوئی جاتی ہے۔'' یہ ہماری جان نیم مردہ ہو جائے گی۔ اس کی قوت برداشت بھی کتنی ہے؟ معمولی سی۔ وہ گناہوں کا بوجھ کب تک اٹھاتی رہے گی؟ اور گناہوں کی بھی یہ حالت ہے کہ وہ گناہ ''بارسا بار'' یعنی تکلیف دہ بوجھ ہیں، کیوں کہ گناہوں کی وجہ سے دنیا اور آخرت میں تکالیف جھیلنی اور برداشت کرنی پڑتی ہیں۔



(۱۰۱)

یہ گھر یہ در ہے اس کا جو گھر در سے پاک ہے
مژدہ ہو بے گھرو کہ صلا اچھے گھر کی ہے

حل لغت:

گھر: مکان، خانہ، رہنے کی جگہ، مسکن، ٹھکانہ، کیس، بھٹ، کھوہ، بل، گھونسلا، آشیانہ، وطن، دیس، جائے پیدائش، خاندان، گھرانا۔ (فیروز اللغات، ص۱۱۲۲)

در: چوکھٹ، بیچ، اندر میں۔ (فیروز اللغات، ص۶۱۸ ☆ لغات کشوری، ص۲۸۳ ☆ کریم اللغات، ص۷۰)

مژدہ: خوش خبری، بشارت، مبارکباد، تہنیت۔ (فیروز اللغات، ص۱۲۴۰ ☆ لغات کشوری، ص۶۹۴ ☆ کریم اللغات، ص۱۵۲)

صلا: پکار، آواز، دعوت عام کرنا، آواز دینا واسطے کھانا کھلانے یا کچھ دینے کے لیے۔
(فیروز اللغات، ص۸۶۴ ☆ لغات کشوری، ص۴۴۹ ☆ کریم اللغات، ص۱۰۲)

اچھا: برا کی ضد، بہتر، مناسب، ٹھیک، درست، تندرست، بے روگ، بہت خوب، مبارک، نیک، مسعود، مفید، سزاوار، موافق، افضل، اعلیٰ، تسلی، اطمینان، دیکھا جائے گا، سن لیا، اجازت ہے۔ (فیروز اللغات، ص۱۷)

پہلے مصرع میں شروع والے لفظ ''گھر'' کا مطلب ''خانہ کعبہ'' ہے۔
پہلے مصرع میں بعد والے لفظ ''گھر'' کا مطلب ''مسکن'' ہے۔
دوسرے مصرع والے لفظ ''گھر'' کا مطلب ''ٹھکانہ، گنبد خضریٰ'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان مکہ معظمہ کی زیارت کر لینے کے بعد مدینہ منورہ جانے کا عزم کرنے والے زائرین سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ اے مکہ معظمہ اور بیت اللہ شریف کی زیارت سے مشرف ہونے والے حجاج کرام! اس وقت تم مقدس شہر مکہ معظمہ میں خانہ کعبہ کی زیارت سے بہرہ مند ہو رہے ہو۔ یہ خانہ کعبہ اس کا گھر ہے جو گھر اور در سے پاک ہے اور اللہ کے گھر یعنی بیت اللہ شریف کی زیارت کے بعد اے بے گھرو! تم کو اچھے گھر یعنی گنبد خضریٰ کی حاضری کے لیے پکارا جا رہا ہے اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے پہلے مصرع میں دو مرتبہ اور دوسرے مصرع میں ایک مرتبہ یعنی تین مرتبہ لفظ ''گھر'' کا استعمال فرمایا ہے۔ تینوں لفظ ''گھر'' حروف واعراب کے اعتبار

سے مساوی ہیں اور معنی ومطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعرفن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے فصاحت وبلاغت اور طرز وبیان کی انتہا کردی ہے۔شعر کی ابتدا میں فرماتے ہیں کہ ''یہ گھر، یہ در ہے اس کا'' یعنی خانۂ کعبہ اس کا گھر ہے۔کس کا؟ جو گھر در سے پاک ہے۔حیرت کی بات ہے کہ حضرت رضا بریلوی خانۂ کعبہ کو اللہ کا گھر اور اللہ کا در کہنے کے ساتھ یہ بھی فرمارہے ہیں کہ اللہ کی ذات گھر اور در سے پاک ہے، یعنی ایک طرف تو اللہ کا گھر اور در بھی کہہ رہے ہیں اور دوسری طرف اللہ کو گھر اور در سے پاک بھی کہہ رہے ہیں۔اس معمہ کو حل کرنے کے لیے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے استعمال کردہ تینوں لفظ ''گھر'' کے معنی پر غور کریں۔پہلی مرتبہ جو لفظ گھر ہے اس سے مراد خانہ کعبہ ہے دوسری مرتبہ جو لفظ گھر ہے اس کے معنی مکان ہے۔تیسری مرتبہ جو لفظ گھر ہے اس سے مراد گنبد خضریٰ ہے۔

حضرت رضا بریلوی نے خانہ کعبہ کو اللہ کا گھر اور اللہ کا در کہا ہے۔اس سے مراد اصطلاحی اور مجازی معنی ہیں اور اللہ تعالیٰ گھر در سے پاک ہے اس میں گھر کے حقیقی معنی مراد ہیں۔کیوں کہ گھر کا اطلاق ایک مخصوص ومحدود عمارت پر ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی تمام صفات غیر محیط، غیر محدود اور غیر متناہی ہیں جو کسی احاطہ میں نہیں آسکتیں، بلکہ اس کا کسی احاطہ میں آنا ممکن ہی نہیں ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ زمان ومکان سے پاک اور منزہ ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے کسی مخصوص مکان ومقام میں ہونا محدود ومتناہی ہونے کو مستلزم ہے جو شرعاً وعقلاً غلط ہے۔اللہ تعالیٰ کے لیے حقیقی معنی میں مکان ومسکن ثابت کرنا صحیح نہیں، کیوں کہ مکان میں کوئی فرد داخل ہوتا ہے تو اس کا ایک مخصوص ٹھکانہ اور حیز ظاہر ہوتا ہے۔مثال کے طور پر زید مکان میں ہے، کہنے سے زید کے لیے مکان وجہت کا تعین ہوجاتا ہے۔یعنی زید اس مکان میں ہے جس کو دیواروں نے مشرق ومغرب، شمال وجنوب اور فوق وتحت سے گھیر رکھا ہے۔زید اس مکان کے حدود کے مابین محدود، محیط اور منتہی ہے اور وہ مکان اس کا مسکن ہے۔یہ اطلاق انسان پر تو صادق آتا ہے، کیوں کہ وہ جسم ہے لیکن خالق کائنات رب تبارک وتعالیٰ جسم وجسمانیت سے پاک ہے۔لہٰذا وہ مکان سے بھی پاک ہے۔لیکن حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان خانہ کعبہ کے لیے فرمارہے ہیں کہ اللہ کا گھر ہے تو یہ مجازی معنی مراد ہیں۔اسی لیے خانہ کعبہ کو ''بیت اللہ'' کہا جاتا ہے۔لغت میں بیت کے معنی گھر، حویلی مکان اور محل ہی ہیں۔لیکن ہمیشہ بیت اللہ سے مجازی معنی ہی مراد رہتے ہیں۔(فیروز اللغات،ص ۲۵۱) لیکن یہ تمام تعبیریں مجازاً وعرفاً ہیں، حقیقتاً نہیں، صرف لغت ہی نہیں بلکہ قرآن وحدیث میں کئی مقامات پر خانہ کعبہ کو اللہ کا گھر کہا گیا ہے، بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود خانہ کعبہ کو اپنا گھر فرمایا ہے۔

قرآن شریف میں ہے:

''وَ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَهِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآىٕفِیْنَ وَ الْعٰكِفِیْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ''

(سورۃ البقرہ، آیت ۱۲۵)

ترجمہ: اور ہم نے تاکید فرمائی ابراہیم واسمٰعیل کو کہ میرا گھر خوب ستھرا کرو طواف والوں اور اعتکاف والوں اور رکوع و

سجود والوں کے لیے۔ (کنز الایمان)

ان تمام مقامات پر اللہ کا گھر سے مراد یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس میں سکونت پزیر ہے۔ ویسے ہر مسجد کو اللہ کا گھر کہا جاتا ہے۔ اس سے بھی ہر گز یہ مراد نہیں کہ اللہ تعالیٰ مسجد میں رہتا ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ کا جلوہ اور اس کی قدرت کے کرشمے کائنات کے ہر ذرہ میں موجود ہیں، لیکن کسی خاص مکان و مقام کا تعین کر کے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ اس میں مکین ہے۔ خانہ کعبہ یا کسی مسجد کو بیت اللہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس مقام کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے مخصوص کر دیا گیا ہے۔ خانہ کعبہ کی عظمت و حرمت لوگوں کے دلوں میں جمانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسے اپنا گھر فرمایا اور خانہ کعبہ کی متابعت میں دنیا کی دیگر مساجد کو بھی بیت اللہ یعنی اللہ کے گھر کا شرف حاصل ہے۔ خانہ کعبہ اور دیگر مساجد کو اللہ کا گھر کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ خانہ کعبہ اور دیگر مساجد بندہ کے لیے تقرب الی اللہ یعنی اللہ تعالیٰ سے قربت حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں، کیوں کہ ان مساجد میں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت اور پرستش کی جاتی ہے اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ خانہ کعبہ روئے زمین کا دل ہونے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی طرح دنیا کی دیگر مساجد اپنے اپنے شہروں کا دل ہونے کی حیثیت رکھتی ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ اعضائے بدن میں دل کی سب سے زیادہ اہمیت ہے اسی لیے قرآن مجید میں ''وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِیْمَانِ'' فرمایا گیا کہ آدمی کے کفر و ایمان کا دارومدار بھی دل کے اعتقاد پر ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ غلام مسلمان آزاد مشرک سے بہتر ہے۔ بہتر ہونے کی وجہ کیا ہے؟ ایمان اور ایمان کا تعلق دل سے ہے اور دل کے اعتقاد کی وجہ سے سارے جسم پر مومن یا مشرک کا اطلاق ہوتا ہے۔ قرآن میں یوں نہیں کہا گیا ہے کہ مومن کا دل مشرک کے دل سے بہتر ہے حالاں کہ جسمانی ہیئت میں بظاہر مومن اور مشرک دونوں مساوی ہیں لیکن دل کے اعتقاد نے ان کو دو گروہ میں منقسم کر دیا۔ مومن کو اللہ پسند کرتا ہے اس کے دل کے اعتقاد کی وجہ سے اور مشرک کو ناپسند کرتا ہے اس کے دل کی خباثت و اعتقاد کی وجہ سے۔ معلوم ہوا کہ جسم کے پسندیدہ اور ناپسندیدہ ہونے میں دل ذریعہ بنا اور دل کے اعتقاد نے نیک و بد کا فرق کر دیا۔ الحاصل مساجد تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہونے سے ''اللہ کا گھر'' کے لقب سے مشرف ہوئیں۔

حدیث میں حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں:

''اَحَبُّ الْاَرْضِ اِلَی اللّٰہِ مَسَاجِدُھَا وَ اَبْغَضُ الْاَرْضِ اِلَی اللّٰہِ اَسْوَاقُھَا''

یعنی زمین میں اللہ کے نزدیک پسندیدہ اس کی مسجدیں ہیں اور ناپسندیدہ اس کے بازار ہیں۔

ہماری مندرجہ بالا گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے خانۂ کعبہ کو اللہ کا گھر اور در کہا ہے اور وہ عین قرآن کے مطابق ہے اور قرآن میں خانہ کعبہ کو اللہ کا گھر کہا گیا ہے، مگر حقیقۃً کعبہ اللہ کا مسکن نہیں ہے بلکہ اللہ سے قرب حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ رہی بات یہ کہ جب اللہ اس میں رہتا نہیں تو پھر گھر کیوں کہا گیا ہے؟ جواباً عرض یہ ہے کہ گھر کا اطلاق ہمیشہ مسکن پر ہی نہیں ہوتا بلکہ محاورۃً دوست رکھنے اور محبت کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ مثال کے طور

پر زید اور بکر میں بہت دوستی اور محبت ہے تو کہا جاتا ہے کہ دونوں نے ایک دوسرے کے دل میں گھر کر لیا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسی میں گھس گئے ہیں۔ یا دونوں کے دل ایک دوسرے کی رہائش گاہ ہیں کیوں کہ یہ ممکن نہیں۔ لغت میں دل میں گھر کر جانا کا معنی لکھا ہے دوستی پیدا کرنا، محبت کرنا۔ (فیروز اللغات، ص ۶۴۰) خانہ کعبہ کو اللہ کا گھر کہنے کو اس معنی میں لیا جائے گا کیوں کہ خانۂ کعبہ بندوں کو اللہ سے قریب کرنے کا ذریعہ بنتا ہے اور جو شئے بندوں کو اللہ سے قریب کرنے کا ذریعہ بنے وہ اللہ کو محبوب ہوتی ہے اور اسی محبت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں خانہ کعبہ کو ''بیتی'' یعنی اپنا گھر فرمایا اور اسی وجہ سے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے خانہ کعبہ کو اللہ کا گھر کہا ہے، لیکن خانہ کعبہ کو معاذ اللہ کوئی شخص اللہ تبارک وتعالیٰ کا مسکن نہ سمجھ بیٹھے اسی لیئے فوراً بعد یہ وضاحت بھی فرمارہے ہیں کہ جو گھر در سے پاک ہے۔ اللہ گھر اور در سے پاک ہے۔ بلکہ جہت و مکان سے بھی پاک ہے۔ یہ عقیدہ ہر مومن کے لئے لازمی اور ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ جہت و مکان سے کیسے پاک ہے؟ اور اس کی کیا وجہ ہے؟ یہ ایک طویل علمی بحث ہے۔ اس بحث سے رغبت اور دلچسپی رکھنے والے قارئین حضرات ''اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى'' (سورۃ طٰہٰ، آیت ۵) کی تفسیر کا مطالعہ کریں۔

شعر کے مصرع ثانی میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ مژدہ ہو بے گھرو کہ صلا اچھے گھر کی ہے۔ یعنی اے بے گھرو! ادھر اُدھر مارے مارے پھرنے والو! خوش خبری ہو! مبارک ہو! تم کو اچھے گھر یعنی مدینہ طیبہ کی طرف کچھ دینے کے لئے بلایا جا رہا ہے۔ اس مصرع میں لفظ ''صلا'' اور ''اچھے گھر'' قابل توجہ ہیں۔ لفظ ''صلا'' کے لغوی معنی حل لغت کے کالم میں درج ہے۔ لفظ صلا کا استعمال فرما کر حضرت رضا بریلوی نے شعر کی معنویت میں مزید اضافہ فرمادیا ہے۔ یہاں مدینہ طیبہ میں مانگنے والوں کو خود داتا بلا رہے ہیں کہ میرے حضور آجاؤ۔ اپنے خالی دامن کو گوہر مراد سے بھر لو۔ ہماری پناہ میں آجاؤ۔ امن وامان حاصل کرلو۔ اچھے گھر والے کے گھر آ کر اچھے بن جاؤ۔ گناہوں کی گندگیوں سے صیقل ہو جاؤ۔ ہمارے دربار میں حاضر ہو کر توبہ واستغفار کرو اور قبول توبہ کی ہم سے ضمانت حاصل کرلو۔ ہاں ہاں، آجاؤ، ہمارا دربار وہ اعلیٰ دربار ہے کہ جہاں مانگنے والوں کو ''نا'' کہہ کر محروم نہیں لوٹایا جاتا، بلکہ اس کے وہم وگمان سے بھی زائد عطا کیا جاتا ہے۔ اپنے در کے سائلوں پر ہم نہایت مہربان اور کرم فرمانے والے ہیں۔ تمہاری عرض کو شرف قبولیت دلانے میں ہم تاخیر نہیں کرتے، بلکہ بقول حضرت رضا بریلوی:

منگتا کا ہاتھ اٹھتے ہی داتا کی دین تھی | دوری قبول وعرض میں بس ہاتھ بھر کی ہے

ہمارے دربار میں آکر جو بھی مانگنا ہو، دل کھول کر مانگو، جتنا ہو سکے اتنا مانگو۔ منہ مانگی اور من مانتی جو بھی مراد ہوگی ہم اپنے فضل وکرم سے پوری فرمادیں گے۔ تمہاری جو بھی مانگ اور تمنا ہے اسے رد نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کو پورا کرنے سے انکار کیا جائے گا۔ بقول حضرت رضا بریلوی:

مانگیں گے مانگے جائیں گے منہ مانگی پائیں گے | سرکار میں نہ لا ہے نہ حاجت اگر کی ہے

حدیث میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"اَللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ مَوْلٰی مَنْ لَّا مَوْلٰی لَہٗ"

یعنی جس کا کوئی نگہبان نہ ہو اللہ ورسول اس کے نگہبان ہیں۔

اس حدیث کو امام ترمذی اور ابن ماجہ نے امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت فرمائی ہے۔

نسائی نے عمرو بن شعیب سے، انھوں نے اپنے والد سے انھوں نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ جب ہوازن کا وفد خدمت اقدس حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر اپنے اہل وعیال اور اموال جن کو مجاہدین اسلام غنیمت میں لائے تھے حضور سے طلب کیا اور احسان فرمانے کے خواستگار ہوئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"اِذَا صَلَّیْتُمُ الظُّھْرَ فَقُوْمُوْا فَقُوْلُوْا اِنَّا نَسْتَعِیْنُ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُسْلِمِیْنَ فِیْ نِسَائِنَا وَ اَبْنَائِنَا"

یعنی جب ظہر کی نماز پڑھ چکو تو کھڑے ہونا اور یوں کہنا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استعانت کرتے ہیں مومنین پر اپنی عورتوں اور بچوں کے باب میں۔ (الامن والعلی، از: امام احمد رضا بریلوی، ص ۱۱۰)

امام احمد نے محمد بن ابی بکر مقدسی سے اور انھوں نے ابو معشر البرا سے اور انھوں نے صدقہ بن طیسلہ سے اور انھوں نے معن بن ثعلبہ مازنی سے روایت کی کہ حضرت اعشی مازنی رضی اللہ عنہ خدمت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے بعض اقارب کی ایک فریاد لے کر حاضر ہوئے اور اپنی منظوم عرضی خدمت اقدس میں پیش کی جس کی ابتدا اس مصرع سے تھی۔

"یَا مَالِكَ النَّاسِ وَ یَا دَیَّانَ الْعَرَبِ"

یعنی اے تمام انسانوں کے مالک اور اے عرب کے جزا اور سزا دینے والے!

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی فریاد سن کر شکایت رفع فرمائی۔ (الامن والعلی لناعتی المصطفیٰ بدافع البلاء، ص ۷۳)



(۱۰۴)

پوچھتے کیا ہو عرش پر یوں گئے مصطفیٰ کہ یوں
کیف کے پر جہاں جلیں کوئی بتائے کیا کہ یوں

حل لغت:

عرش: چھت، سقف، تخت، آسماں، آٹھواں آسمان۔ (فیروز اللغات، ص ۸۹۳ ☆ لغات کشوری، ص ۴۷۸ ☆ کریم اللغات، ص ۱۰۹)

کیف: نشہ، خمار، سرور، حالت، کیفیت، کیوں کر، کیسا، مستی، وہ چیز جو نشہ بے ہوشی دے۔
(فیروز اللغات، ص ۱۰۷۳ ☆ لغات کشوری، ص ۶۰۷ ☆ کریم اللغات، ص ۱۳۲)

پر جلنا: طاقت نہ رہنا، کس بل جاتا رہنا، خوف ہونا، مرعوب ہونا، رسائی نہ ہونا، پہنچ نہ ہونا۔ (فیروز اللغات، ص ۲۸۴)

یوں: اس طرح، بایں طور، ایسا، اس طرز سے، اس ڈھنگ سے۔ (فیروز اللغات، ص ۱۴۷۱)

پہلے مصرع میں شروع والے لفظ ''یوں'' کا مطلب ''اس طرح'' ہے۔

پہلے مصرع میں بعد والے لفظ ''یوں'' کا مطلب ''اس طرز سے'' ہے۔

دوسرے مصرع میں لفظ ''یوں'' کا مطلب ''ایسے'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ صاحب معراج، مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزۂ معراج اور عرش معلیٰ پر پہنچنے کا تذکرہ کرنے کے ساتھ ساتھ منکرین معراج اور واقعۂ معراج میں شک و شبہہ پیدا کرنے والے گروہ کو طنزاً تہدید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے واقعۂ معراج میں شک وشبہ پیدا کرنے والو! تم یہ پوچھتے ہو کہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم عرش پر کس طرح گئے؟ ارے مقام محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی کیا جانے؟ اور کیا سمجھے؟ وہ وہاں پہنچے کہ جہاں کیف یعنی حالت و کیفیت کے بھی پر جل جائیں، جہاں محبوب و محب کے علاوہ اور کسی کی موجودگی کا امکان ہی نہیں۔ اس حالت اور کیفیت کا بیان کیوں کر کوئی کر سکتا ہے؟ کہ آپ یوں پہنچے۔

یہ تو ہوئے شعر کے لغوی اور ظاہری معنی۔ حالاں کہ یہ لغوی معنی بھی افہام و تفہیم میں کامل طور پر سرایت کرنا تھوڑا دشوار معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کی وضاحت کے لئے تفصیل درکار ہے۔ حسب استطاعت باوجود علمی کم مائیگی کے عرض کرنے کی جرأت کرتا ہوں۔

پہلے ہم واقعہ معراج کی حقیقت معلوم کریں!

شیخ محقق، عاشق رسول حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ یہ معراج اخص الخصائص، اشرف فضائل و کمالات ابہر معجزات و کرامات میں سے ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسریٰ و معراج کے ساتھ مخصوص و مشرف فرمایا ہے، کیوں کہ کسی نبی یا رسول کو اس سے مشرف و مکرم نہ کیا گیا اور جس مقام علیا تک آپ کی رسائی ہوئی اور جو کچھ وہاں دکھایا گیا، کوئی ہستی کبھی وہاں نہ تو پہنچی ہے اور نہ دیکھی ہے۔ (مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۲۸۷)

ابن مردویہ نے حضرت عمرو بن شعیب کے جد امجد سے روایت کی انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس رات معراج ہوئی وہ ایک سال قبل ہجرت واقع ہوئی تھی۔ (خصائص کبریٰ، از: امام جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۳۲۸)

بیہقی نے سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت سے سولہ مہینہ پہلے معراج ہوئی۔
(خصائص کبریٰ، جلد ۱، ص ۳۲۹)

قرآن مجید میں واقعہ معراج کا ذکر اس طرح ہے:

''سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ'' (سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۱)

ترجمہ: پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک، جس کے اردگرد ہم نے برکت رکھی کہ ہم اسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں، بے شک! وہ سنتا دیکھتا ہے۔ (کنزالایمان)

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ اپنے بندۂ خاص یعنی حضور اقدس ﷺ کو راتوں رات مسجد حرام (مکہ معظمہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) لے گیا۔

مکہ معظمہ سے بیت المقدس کا فاصلہ چالیس منزل یعنی سوا مہینہ سے زیادہ کی راہ ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، ص ۵۰۷)

اعلان نبوت کے بارہویں سال (یعنی ہجرت کے ایک سال قبل) حضور اقدس سید عالم ﷺ معراج سے نوازے گئے۔ مہینہ میں اختلاف ہے لیکن اشہر یہ ہے کہ رجب کی ستائیسویں (۲۷) تاریخ میں معراج ہوئی ہے۔

(خزائن العرفان، ص ۵۰۷)

سورۂ بنی اسرائیل کی مذکورہ آیت میں لفظ ''اسریٰ'' وارد ہے اور اس کے معنی ہیں رات میں لے جانا۔ حضور اقدس ﷺ کا مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک شب کے چھوٹے حصہ میں تشریف لے جانا نص قرآنی سے ثابت ہے۔ اس کا منکر کافر ہے۔ (مدارج النبوۃ، از شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۲۸۷)

بیت المقدس سے آسمانوں کی سیر اور منازل قرب میں پہنچنا احادیث معتمدہ مشہورہ سے ثابت ہے، جو تمام احادیث حد تواتر کے قریب پہنچ گئی ہیں۔ اس کا منکر گمراہ ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، ص ۵۰۷)

ابن اسحٰق نے کلبی، ابوصالح اور ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ جس رات رسول اللہ ﷺ کو معراج ہوئی اس رات آپ میرے گھر میں آرام فرما تھے۔ حضور ﷺ نے عشا کی نماز پڑھی اور اس کے بعد حضور اور ہم سب سو گئے۔ طلوع فجر کے قریب رسول اللہ ﷺ نے ہم سب کو جگایا اور جب حضور نے نماز پڑھی تو ہم نے بھی حضور کے ساتھ نماز پڑھی۔ نماز کے بعد حضور نے مجھ سے یہ فرمایا کہ اے ام ہانی! میں نے تمہارے ساتھ عشا کی نماز پڑھی۔ اس کے بعد میں نے بیت المقدس پہنچ کر وہاں نماز پڑھی اور صبح کی نماز تمہارے ساتھ پڑھی ہے۔

(خصائص کبریٰ، از امام جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۳۴۰)

مسلم نے بہ طریق ثابت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ براق لایا گیا جو سفید گدھے سے اونچا اور خچر سے تھوڑا چھوٹا ایک چوپایہ تھا۔ میں اس پر سوار ہوا اور بیت المقدس آیا۔ (خصائص کبریٰ، اردو، جلد ۱، ص ۳۱۷)

حضور اقدس ﷺ بیت المقدس پہنچے اور براق کو مسجد اقصیٰ کے دروازے کے حلقے سے باندھا جسے اب ''باب محمد'' (ﷺ) کہتے ہیں۔ اس کے بعد آپ مسجد میں داخل ہوئے اور دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ ظاہر ہے یہ دوگانہ تحیۃ المسجد تھا۔

یہاں فرشتے حاضر ہوئے اور تمام انبیاء کرام حضرت آدم سے حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی ارواح مقدسہ متمثل ہو کر حاضر ہوئیں۔ خدا کی حمد و ثنا کی اور حضور اکرم ﷺ پر صلوٰۃ وسلام عرض کیا اور سب نے حضور کی افضلیت کا اعتراف کیا۔ پھر اذان کہی گئی اور نماز کے لئے اقامت ہوئی اور سب نے امامت کے لیے آگے بڑھایا۔ حضور ﷺ نے امامت فرمائی اور تمام انبیاء وملائکہ نے آپ کی اقتداء کی۔ (مدارج النبوۃ، از: شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد ا، ص ۲۹۵)

اس کی منظر کشی کرتے ہوئے حضرت رضا بریلوی اپنے قصیدۂ معراج میں فرماتے ہیں:

نماز اقصیٰ میں تھا یہی سر عیاں ہوں معنیٔ اول آخر　　　کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت آگے کر گئے تھے

شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ مکہ سے بیت المقدس آتے ہوئے حضور اکرم ﷺ کا گزر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر انور پر ہوا تو وہ اپنی قبر شریف میں نماز پڑھ رہے تھے۔ انھوں نے کہا کہ

"اَشْهَدُ اِنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ"

یعنی شہادت دیتا ہوں کہ یقیناً آپ اللہ کے رسول ہیں۔ (مدارج النبوت، جلد ا، ص ۲۹۵)

امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جو حدیث معراج روایت کی ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ بیت المقدس میں نماز ادا فرمانے کے بعد حضور اقدس ﷺ حضرت جبرئیل کے ساتھ پہلے آسمان پر گئے وہاں حضرت آدم سے، دوسرے آسمان پر حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ سے، تیسرے آسمان پر حضرت یوسف سے، چوتھے آسمان پر حضرت ادریس سے، پانچویں آسمان پر حضرت ہارون سے، چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ سے اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم سے ملاقات کی (علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام) انھوں نے حضور اقدس ﷺ کو مرحبا کہا اور دعائے خیر دی۔ (خصائص کبریٰ، اردو، جلد ا، ص ۳۱۷)

اس کے بعد حضور اکرم ﷺ کو "سدرۃ المنتہیٰ" کی جانب لے جایا گیا۔ جہاں فرشتے ٹھہرتے ہیں۔ اس کے آگے بڑھنے اور وہاں سے تجاوز کرنے کی کسی میں تاب نہیں۔ اس سے آگے بجز حضور اقدس ﷺ کسی مخلوق نے تجاوز نہیں کیا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی اس جگہ رک گئے اور حضور سے جدا ہو گئے۔

حضور ﷺ نے حضرت جبرئیل سے فرمایا کہ یہ کون سی جگہ ہے اور جدا ہونے کا کون سا مقام ہے؟ یہ جگہ تو ایسی نہیں کہ دوست کو چھوڑ کر دوست جدا ہو جائے۔ حضرت جبرئیل نے عرض کیا کہ:

اگر یک سر موئے برتر پرم　　　فروغ تجلی بسوزد پرم

یعنی اگر ایک بال کے برابر بھی آگے بڑھوں تو نور کی تجلی سے میرے پر جل جائیں گے۔

(مدارج النبوت، اردو ترجمہ، جلد ا، ص ۲۹۹)

الغرض حضرت جبرئیل علیہ السلام سدرۃ المنتہیٰ پر رک گئے اور حضور اقدس ﷺ وہاں سے آگے تشریف لے گئے۔ اس کی منظر کشی کرتے ہوئے حضرت رضا بریلوی اپنے قصیدۂ معراج میں فرماتے ہیں:

چلا وہ سرو چماں خراماں نہ رک سکا سدرہ سے بھی داماں　　　پلک جھپکتی رہی وہ کب کے سب این و آں سے گزر چکے تھے

تھکے تھے روح الامیں کے بازو چھٹا وہ دامن کہاں وہ پہلو　　رکاب چھوٹی امید ٹوٹی نگاہ حسرت کے ولولے تھے

سدرۃ المنتہیٰ ایک درخت کا نام ہے اور وہ بیری کا درخت ہے۔اس درخت کی تین طرح کی صفتیں ہیں:
ایک یہ کہ اس کا سایہ طویل ہے۔ دوسری یہ کہ اس کا مزہ لطیف ہے۔ تیسری یہ کہ اس کی بو پاکیزہ ہے اور یہ درخت آسمان میں اس طرح پیوست ہے جس طرح زمین میں درخت پیوست ہوتا ہے۔(مدارج النبوت، اردو، جلد۱، ص۳۰۰)
بیری کے درخت کے پھل کو بیر کہتے ہیں۔(فیروز اللغات، ص۲۵۴)
سدرۃ المنتہیٰ سے چار نہریں نکلتی ہیں۔ دو ظاہر اور دو باطن، باطن وہ ہیں جو جنت میں جاتی ہیں اور ظاہر وہ ہیں جو نیل اور فرات کہلاتی ہیں۔(مدارج النبوۃ، جلد۱، ص۳۰۰)
دریائے نیل ایک مشہور دریا ہے جو مصر اور سوڈان میں ہے۔دریائے فرات عراق میں واقع ہے۔
(فیروز اللغات، ص۹۲۶)
حضرت سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جنت میں جو چشمہ جاری ہوتا ہے اس کا نام سلسبیل ہے۔اس سے دو نہریں پھوٹتی ہیں۔ایک کا نام کوثر ہے اور دوسری کا نام نہر رحمت ہے۔ یہ وہ نہر رحمت ہے کہ جب گنہگار جرم کی سزا بھگتنے کے بعد یا شفاعت کے ذریعہ دوزخ سے نجات دیئے جائیں گے تو وہ جلے بھنے سیاہ نکلیں گے، پھر وہ اس نہر رحمت میں نہائیں گے تو اسی وقت تر و تازہ ہو جائیں گے۔(مدارج النبوت، جلد۱، ص۳۰۰)
حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ سے آگے بڑھے تو آپ بیت المعمور پہنچے۔آپ کے لئے بیت المعمور کا پردہ اٹھایا گیا۔
حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے الفاظ یہ ہیں کہ
"ثُمَّ رُفِعَ اِلَیَّ الْبَیْتُ الْمَعْمُوْرُ"
یعنی میرے لئے بیت المعمور نمودار ہوا۔
اس کی تفسیر یوں کی گئی ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ اور بیت المعمور کے درمیان بہت سے عالم تھے اور پردہ پڑے ہوئے تھے۔
لہٰذا ان پردوں کو اٹھایا گیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بصیرت میں لایا گیا اور آپ نے اسے ملاحظہ فرمایا۔
بیت المعمور وہ مسجد ہے جو خانۂ کعبہ کے محاذی و مقابل ہے۔یعنی خانۂ کعبہ کے ٹھیک اوپر آسمان میں، یہاں تک کہ اگر اس کا زمین پر گرنا فرض کیا جائے تو وہ کعبہ معظمہ پر آ کر گرے۔ یہ وہ گھر ہے جسے حضرت آدم علیہ السلام کے لئے زمین پر اترنے کے بعد بھیجا گیا تھا۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کے بعد اٹھالیا گیا اور آسمان پر اس کی قدر و منزلت ایسی ہی ہے جیسے زمین میں خانۂ کعبہ کی۔فرشتے اس کا طواف کرتے ہیں اور اس کی طرف نماز پڑھتے ہیں۔جس طرح انسان کعبہ معظمہ کا طواف کرتے ہیں۔روزانہ ستر ہزار فرشتے بیت المعمور کی زیارت کو آتے ہیں اور واپس ہوتے ہیں تو دوبارہ اس کی طرف کبھی نہیں آتے۔ اسی طرح ہر روز آتے جاتے ہیں۔ یہ حال اس دن سے ہے جس دن سے بیت المعمور وجود میں آیا ہے اور ابد تک یوں ہی

رہے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کی دلیل ہے۔

حدیث میں مروی ہے کہ آسمان میں ایک نہر ہے اس نہر کو ''نہر الحیاۃ'' کہتے ہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام روزانہ اس میں غسل کرتے ہیں۔ جب غسل کر کے نہر سے باہر آتے ہیں تو اپنے بال و پر کو جھاڑتے ہیں اور اس سے ستر ہزار قطرے پانی کے ٹپکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر قطرہ سے ایک فرشتہ پیدا فرماتا ہے۔ تو یہی وہ فرشتے ہیں جو بیت المعمور کی حاضری دیتے اور نماز پڑھتے ہیں۔ پھر دوبارہ اس کی طرف آنے کی نوبت نہیں آتی۔ امام اجل علامہ احمد بن محمد قسطلانی نے اپنی کتاب ''مواہب لدنیہ'' میں ایسا ہی منقول فرمایا ہے۔ (مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۳۰۱)

اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری اور بلند ہوئی، یہاں تک کہ آپ نے ان قلموں کی آوازیں سماعت فرمائیں جو فرشتے حق تعالیٰ کی تقدیروں کی کتابت کرتے ہیں۔ اگر چہ قضا و تقدیر الٰہی قدیم ہے، لیکن ان کی کتابت حادث ہے اور لوح محفوظ کی تحریر جہاں ثبت ہے، آسمان اور زمین کے پیدا کرنے سے پہلے ہے۔ (مدارج النبوت، اردو، جلد ۱، ص ۳۰۳)

امام زہری نے فرمایا، مجھے ابن حزم نے بتایا کہ حضرت ابن عباس و حضرت ابو حبہ انصاری رضی اللہ عنہم فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اتنا اونچا لے جایا گیا کہ اس جگہ میں نے قلموں کی چرچراہٹ کی آواز سنی۔

(خصائص کبریٰ، جلد ۱، ص ۳۳۳)

اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی سیر فرمائی اور دوزخ کو بھی ملاحظہ فرمایا۔ ان صفات و خوبیوں کے ساتھ جو قرآن اور حدیث میں مذکور ہیں۔ چنانچہ آپ نے جنت کو رحمت الٰہی کا مظہر دیکھا اور دوزخ کو عذاب و غضب کی جگہ اور جنت کو کھلی ہوئی اور دوزخ کو بند۔ (مدارج النبوت، جلد ۱، ص ۳۰۴)

جنت اور دوزخ کے احوال جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج ملاحظہ فرمائے ان تمام کا ذکر یہاں ممکن نہیں۔ لہٰذا صرف چند احادیث ان احوال کے تعلق سے پیش خدمت ہیں:

- امام احمد و امام ابو نعیم اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ جس رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی اور آپ جنت میں تشریف لے گئے تو ایک گوشے سے آپ نے دھیمی سی آواز سنی، آپ نے حضرت جبرئیل سے دریافت فرمایا کہ یہ کیسی آواز ہے؟ حضرت جبرئیل نے عرض کیا کہ یہ آپ کے مؤذن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی آواز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معراج سے جب واپس تشریف لائے تو آپ نے فرمایا، بلاشبہ بلال نے فلاح پائی۔ میں نے ان کی اذان مقام اعلیٰ میں سنی ہے۔ (خصائص کبریٰ، اردو، جلد ۱، ص ۳۲۲)
- امام احمد نسائی، بزار، طبرانی، بیہقی اور ابن مردویہ نے بہ سند صحیح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جب مجھے معراج کرائی گئی تو میں سماوی سفر میں ایک لطیف خوشبو سے گزرا، میں نے پوچھا یہ خوشبو کیسی ہے؟ تو مجھے بتایا گیا کہ یہ دختر فرعون کی مشاطہ کی خوشبو ہے۔
- مشاطہ: یعنی وہ عورت جو عورتوں کو بناؤ سنگار کرائے۔ (فیروز اللغات، ص ۱۲۴۹)

اس نیک عادت خاتون کا واقعہ یہ ہے کہ ایک روز دختر فرعون کے بالوں میں کنگھا کرنے کے دوران اس مشاطہ خاتو
کے ہاتھ سے کنگھا گر گیا۔ اس مشاطہ نے "بسم اللہ" پڑھ کر کنگھا اٹھایا۔ فرعون کی لڑکی نے پوچھا کہ کیا میرے باپ کا نام ا
ہے؟ مشاطہ نے کہا کہ تیرے باپ کا نام اللہ نہیں، بلکہ میرا اللہ سارے جہاں کا، میرا، تیرا اور تیرے باپ کا بھی رب ہے
لڑکی نے حیرت سے پوچھا، کیا تمہارا رب میرے باپ کے سوا کوئی اور ہے؟ مشاطہ نے جواب دیا کہ ہاں! میرے رب کے
سوا اور کوئی رب نہیں۔ اس بات کی اطلاع فرعون کی دختر نے اپنے باپ کو دی، پس فرعون نے اس مشاطہ خاتون کو طلب
اور پوچھا کہ "اے عمر رسیدہ اور وفادار مشاطہ! کیا تم میرے علاوہ کسی اور کو رب سمجھ بیٹھی ہو؟ پرستار توحید مشاطہ نے جواب
کہ ہاں! میرا رب اور تیرا رب، نیز ساری کائنات کا وہی ایک رب ہے جو رب السمٰوات والارض ہے۔ مشاطہ کا جواب سن کر
فرعون خشم ناک ہو گیا اور ایک کھوکھلا مجسمہ بنانے کا حکم دیا جو تانبے کا بنایا گیا۔ پھر اس مجسمے کو آگ پر تپانے اور سرخ کرد
کا حکم دیا۔ جب وہ تپ کر مثل شعلہ ہو گیا تو فرعون نے حکم دیا کہ اس مجسمے کے اندر مشاطہ اور اس کی اولاد کو ڈال دیا جائے
فرعون کے سپاہیوں نے فرعون کے حکم کے مطابق ایک ایک کر کے اس مشاطہ کی اولاد کو ڈالا، حتیٰ کہ جب ایک شیر خوار بچے
اس میں ڈالا تو اس نے اس آگ کے شعلوں کے درمیان سے کلام کرتے ہوئے اپنی ماں کو پکار کر کہا "اے ماں! تم اس میں
آجاؤ اور پیچھے مت ہٹنا، کیوں کہ تم حق پر ہو۔" (خصائص کبریٰ، اردو، جلد ۱، ص ۳۲۵)

المختصر! اس نیک خاتون کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مراتب عالیہ سے نوازا، یہاں تک کہ اللہ کے محبوب ﷺ نے شب
معراج میں اس کی خوشبو محسوس فرمائی۔

ابن مردویہ نے حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شب معراج میں نے ایک شخص
کو آتش سیال (یعنی بہتی ہوئی آگ) کی نہر میں غوطہ لگاتا اور پتھر نگلتا دیکھا۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ جو اس دردناک
عذاب میں مبتلا ہے؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جواب میں عرض کیا کہ یہ سودی کاروبار کرنے والا ہے۔

(خصائص کبریٰ، اردو، جلد ۱، ص ۳۲۱

جب حضور اقدس ﷺ اللہ تبارک وتعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیوں کو ملاحظہ فرما چکے تو اب قرب خاص میں باریابی او
حضوری کا وقت آیا۔ آپ اس اعلیٰ مقام پر پہنچے کہ تمام مخلوق سے انقطاع ہو گیا۔ آپ تنہا رہ گئے۔ کوئی فرشتہ یا انسان ساتھ نہ
رہا۔ لیکن ہنوز ستر نورانی حجاب ایسے ہیں کہ ایک حجاب دوسرے حجاب کے ہم مثل نہ تھا۔ روایت میں آیا ہے کہ ہر حجاب کی
(موٹائی) پانچ سو برس کی راہ تھی۔ ابھی ان کا طے کرنا باقی تھا۔ چنانچہ آپ نے ان سب کو حق تعالیٰ کی اعانت وفضل سے طے
فرمایا تمام حجابات اٹھ گئے۔ اس وقت آپ ﷺ کو ایک خاص قسم کی حیرت اور دہشت اور حق تعالیٰ کے جلال وعظمت کی ہیبت
پیش آئی۔ (مدارج النبوت اردو، جلد ۱، ص ۳۰۵)

اس وقت کی حالت کی منظر کشی کرتے ہوئے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ اپنے قصیدۂ معراج میں فرماتے ہیں:

حجاب اٹھنے میں لاکھوں پردے ہر ایک پردے میں لاکھوں جلوے

عجب گھڑی تھی کہ وصل و فرقت جنم کے بچھڑے گلے ملے تھے

●

بڑھے تو لیکن جھجکتے ڈرتے حیا سے جھکتے ادب سے رکتے
جو قرب انھیں کی روش پہ رکھتے تو لاکھوں منزل کے فاصلے تھے

جب منادی نے آواز دی کہ ''قِفْ یَا مُحَمَّدُ فَاِنَّ رَبَّكَ يُصَلِّي ''یعنی اے محمد! ٹھہریئے! بے شک آپ کا رب صلاۃ (درود) بھیجتا ہے۔ تب آپ وحشت و حیرت کی کیفیت سے باہر آئے۔ اور پھر یہ ندا آئی کہ

''اُدْنُ یَا خَیْرَ الْبَرِیَّةِ اُدْنُ یَا اَحْمَدُ اُدْنُ یَا مُحَمَّدُ''

یعنی اے ساری مخلوق سے افضل قریب ہو جایئے، اے احمد قریب ہو جایئے، اے محمد قریب ہو جایئے ﷺ۔

(مدارج النبوۃ، اردو، جلد ا، ص ۳۰۵)

اس کی منظر کشی کرتے ہوئے حضرت رضا قصیدۂ معراج میں فرماتے ہیں:

یہی سماں تھا کہ پیک رحمت خبر یہ لایا کہ چلئے حضرت — تمھاری خاطر کشادہ ہیں جو کلیم پر بند راستے تھے

●

بڑھ اے محمد قریں ہو احمد قریب آ سرور مجد — نثار جاؤں یہ کیا ندا تھی یہ کیا سماں تھا یہ کیا مزے تھے

● پیک: قاصد، نامہ بر۔ (فیروز اللغات، ص ۳۳۰)

بحکم رب و عنایت و فضل تعالیٰ حضور اقدس ﷺ اپنے رب سے نزدیک ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم ﷺ کو اتنا نزدیک فرمالیا اور وہ محبوب اتنی قربت سے سرفراز ہوئے کہ قرآن مجید میں اس کا ذکر اس طرح ہے:

''ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰی مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰی مَا یَرٰی'' (سورہ النجم، آیت ۸/۱۲)

ترجمہ: پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا، پھر خوب اتر آیا، تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی۔ دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا تو کیا تم ان سے ان دیکھے ہوئے پر جھگڑتے ہو؟ (کنز الایمان)

مذکورہ آیات میں سے پہلی آیت ''ثُمَّ دَنَا'' کی تفسیر میں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ نزدیک ہونے سے حضور ﷺ کا عروج و وصول مراد ہے اور اترنے سے نزول و رجوع۔ تو حاصل معنی یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے قرب میں باریاب ہوئے، پھر وصال کی نعمتوں سے فیضیاب ہو کر خلق کی طرف متوجہ ہوئے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ رب تبارک و تعالیٰ اپنے لطف اور رحمت کے ساتھ اپنے حبیب سے قریب ہوا اور اس قریب میں زیادتی فرمائی۔ (تفسیر روح البیان و تفسیر خزائن العرفان، ص ۹۴۷)

آیت شریفہ ''فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰی'' کی تفسیر میں ہے کہ یہ وحی بے واسطہ تھی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب

صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی واسطہ نہ تھا اور یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب کے درمیان کے اسرار ہیں، جن کی ان کے سوا کسی کو اطلاع نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس راز کو تمام خلق سے پوشیدہ رکھا اور بیان نہ فرمایا کہ اپنے حبیب کو کیا وحی فرمائی۔ محب اور محبوب کے درمیان ایسے راز ہوتے ہیں جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (روح البیان)

آیت شریفہ ''مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی'' یعنی دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا، کی تفسیر میں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک نے اس کی تصدیق کی جو چشم مبارک نے دیکھا۔ معنی یہ ہیں کہ آنکھ سے دیکھا اور دل سے پہچانا اس رویت و معرفت میں شک و تردد نے راہ نہ پائی۔ (تفسیر خزائن العرفان، ص ۹۴۸)

اس وقت کی روح پرور اور روح افزا کیفیت کا تذکرہ حضرت رضا اپنے قصیدۂ معراج میں یوں فرماتے ہیں:

پر ان کا بڑھنا تو نام کو تھا حقیقۃً فعل تھا ادھر کا تنزلوں میں ترقی افزا دنیٰ تدلّٰی کے سلسلے تھے

●

اٹھے جو قصر دنیٰ کے پردے کوئی خبر دے تو کیا خبر دے وہاں تو جا ہی نہیں دوئی کی نہ کہہ کہ وہ بھی نہ تھے ارے تھے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چشمان مبارک سے اپنے رب کا دیدار حالت بیداری میں فرمایا ہے۔

قرآن مجید میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰی'' (سورۂ النجم، آیت ۱۷)

ترجمہ: آنکھ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی۔ (کنز الایمان)

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت اور کمال تحمل کا اظہار ہے، کیوں کہ آپ اس مقام پر جلوہ گر ہوئے تھے کہ جہاں عقلیں حیرت زدہ ہو جاتی ہیں۔ لیکن آپ اپنے ہوش و حواس کے ساتھ ثابت قدم رہے اور جس نور الٰہی کا دیدار کرنا مقصود تھا اس دیدار سے بہرہ مند ہوئے اور آپ دائیں بائیں طرف بھی ملتفت نہ ہوئے اور مقصود کی دید سے آنکھ نہ پھری، علاوہ ازیں آپ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح بے ہوش بھی نہ ہوئے۔ بلکہ اس مقام عظیم میں ثابت قدم رہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، ص ۹۴۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے رب العزت کو اپنے قلب مبارک سے دو بار دیکھا ہے۔ (مسلم شریف)

اور ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آپ نے رب تبارک و تعالیٰ کو حقیقۃً چشم مبارک سے دیکھا۔ یہ قول حضرت انس بن مالک، حضرت حسن اور حضرت عکرمہ کا ہے۔ (خزائن العرفان، ص ۹۴۸)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں نے کسی کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بھیجا کہ کیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا ہاں؟ اور فرمایا کہ حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلعت سے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلام سے اور سید عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رویت سے خاص مشرف فرمایا ہے۔

(مدارج النبوت، اردو، جلد ا، ص ۳۱۲)

مسلم شریف کی حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ

"رَأَيْتُ رَبِّي بِعَيْنَيَّ وَ بِقَلْبِي"

یعنی میں نے اپنے رب کو اپنی آنکھوں اور اپنے دل سے دیکھا ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، ص ۹۴۹)

طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو اپنی چشم مبارک سے دیکھا۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کیا حضور نے اپنی نظر اپنے رب کی طرف ڈالی؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہاں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نظر سے اپنے رب کو دیکھا۔ (خصائص کبریٰ، اردو، جلد ا، ص ۳۲۷)

حضرت امام احمد سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جواب دوں گا کہ فرمایا:

"راٰہ، راٰہ"

یعنی اسے دیکھا اسے دیکھا۔ اور آپ مسلسل اسے دیکھا اسے دیکھا فرماتے رہے، یہاں تک کہ ان کا سانس منقطع ہو گیا۔ (خزائن العرفان، ص ۹۴۹)

کچھ لوگوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔

(مدارج النبوت، اردو، جلد ا، ص ۳۱۳)

اب واقعہ معراج کے آخری حصے کا کچھ تذکرہ کرتا ہوں:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ پھر مجھ سے میرے رب نے کچھ دریافت فرمایا تو مجھ میں اتنی تاب نہ تھی کہ جواب دیتا۔ اس وقت رب تبارک وتعالیٰ نے اپنا دست قدرت میرے دونوں شانوں کے درمیان بے کیف و بے حد کے بڑھایا۔ میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی۔ اس وقت مجھے تمام اولین وآخرین کا علم عطا فرمایا اور طرح طرح کے علوم تعلیم فرمائے۔ جن میں سے ایک علم ایسا تھا کہ جس کو ظاہر نہ کرنے کا عہد مجھ سے لیا گیا کہ اسے کسی سے نہ کہوں اور ہر کوئی اس کے برداشت کی طاقت نہیں رکھتا، بجز میرے، ایک علم ایسا تھا جس کے ظاہر کرنے اور چھپانے کا مجھے اختیار دیا گیا اور ایک علم ایسا تھا جس کو اپنی امت کے ہر خاص وعام میں تبلیغ کرنے کا حکم فرمایا۔ (مدارج النبوت، اردو، جلد ا، ص ۳۰۵)

یہاں تک کہ معراج کے واقعات یعنی قرب ورویت رب، ہم کلامی، عطائے علم، انعام واکرام وغیرہ کے متعلق حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں:

وہی ہے اول وہی ہے آخر وہی ہے ظاہر وہی ہے باطن
اسی کے جلوے اسی سے ملنے اسی سے اس کی طرف گئے تھے

●

زبان کو انتظار گفتن تو گوش کو حسرت شنیدن — یہاں جو کہنا تھا کہہ لیا تھا جو بات سننی تھی سن چکے تھے

حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میرے لیے سبز رنگ کی رف رف بچھائی گئی۔ جس کا نور آفتاب کے نور پر غالب تھا۔ اس سے میری آنکھوں کا نور چمکنے لگا۔ مجھے اس رفرف پر بٹھایا گیا۔ وہ مجھے لے کر روانہ ہوا۔ یہاں تک کہ میں عرش پر پہنچا۔ اس کے بعد ایک ایسا امر عظیم دیکھنے میں آیا جس کی توصیف سے زبانیں قاصر ہیں۔ پھر عرش سے ایک قطرہ میرے قریب آیا اور وہ میری زبان پر گرا، میں نے اس چیز کو چکھا جسے کسی چکھنے والے نے کبھی اس سے زیادہ شیریں نہ چکھا ہوگا۔ اور مجھے اولین و آخرین کی خبریں حاصل ہوئیں اور میرا دل روشن ہوگیا۔ اور عرش کے نور سے میری آنکھیں ڈھانپ لی گئیں۔ اس وقت میں نے تمام چیزوں کو اپنے دل سے دیکھا اور اپنے پس پشت بھی ایسا ہی دیکھنے لگا، جیسا اپنے سامنے سے دیکھتا ہوں۔ (مدارج النبوت، اردو، جلد ۱، ص ۳۰۶)

جب حضور اقدس ﷺ عرش پر پہنچے تو عرش نے آپ کا دامن اجلال تھام کر زبان حال سے عرض کیا اور کہا کہ آپ کو حق تعالیٰ نے اپنے جلال احدیت کا مشاہدہ کرایا اور اپنے جمال صمدیت سے مطلع فرمایا۔ اے محمد! جب پروردگار نے مجھے پیدا فرمایا تو اس کی ہیبت اور جلال سے میں کانپنے لگا۔ پھر میرے پایہ پر ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' لکھا تو ہیبت میں اور اضافہ ہوا اور میں زیادہ کانپنے اور لرزنے لگا۔ پھر جب ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ'' لکھا تو میرا قلق ٹھہر گیا اور میرا اضطراب کم ہوگیا۔ آپ کا اسم گرامی میرے دل کا چین اور میرے اطمینان کا باعث ثابت ہوا۔ مجھ پر آپ کے اسم گرامی کی برکت پہلے سے رونما ہوتی ہے۔ اور اب تو آپ کی نظر کرم مجھ پر پڑ گئی ہے تو اب کیسی کچھ برکتیں حاصل ہوں گی ''اَنْتَ الْمُرْسَلُ رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ'' یعنی آپ تو سارے جہان کے لئے رسول رحمت ہیں۔ آپ کی اس رحمت میں میرا بھی حصہ لازمی ہوگا۔

(مدارج النبوت، اردو، جلد ۱، ص ۳۰۸)

عرش کی مذکورہ عرض و معروض اور التجا کی منظر کشی حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے قصیدۂ معراج میں یوں فرماتے ہیں:

سنا یہ اتنے میں عرش حق نے کہ لے مبارک ہوں تاج والے
وہی قدم خیر سے پھر آئے جو پہلے تاج شرف تیرے تھے

●

یہ سن کے بے خود پکار اٹھا نثار جاؤں کہاں ہیں آقا
پھر ان کے تلووں کا پاؤں بوسہ یہ میری آنکھوں کے دن پھرے تھے

●

جھکا تھا مجرے کو عرش اعلیٰ گرے تھے سجدے میں بزم بالا
یہ آنکھیں قدموں سے مل رہا تھا وہ گرد قربان ہو رہے تھے

امام مسلم نے بہ طریق ثابت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے واقعۂ معراج کی جو طویل حدیث روایت کی ہے اس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اور میری امت پر ایک رات اور دن میں پچاس نمازیں فرض کی گئی ہیں۔ پھر میں چھٹے آسمان پر اترا

اور دوبارہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملا۔ انھوں نے نمازوں کی فرضیت کے بارے میں پوچھا، میں نے کہا پچاس نمازیں فرض کی گئی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اپنے رب کے حضور واپس جائیے اور نماز کی تعداد میں کمی کے لئے عرض کیجئے، کیوں کہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔ تو میں حضور خداوندی میں واپس گیا اور تخفیف نماز کے لئے عرض کی تو بارگاہ کریمی سے پانچ نمازیں کم ہوگئیں۔ میں نے واپس آکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتایا۔ انھوں نے کہا کہ لوگوں کو برداشت کم ہے، رب کے حضور پھر جائیے اور مزید کمی کے لئے درخواست کیجئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں اسی طرح اپنے رب کے حضور اور حضرت موسیٰ کے درمیان آتا جاتا رہا۔ یہاں تک کہ رب العالمین نے فرمایا:

اے محمد! ہر دن کے لئے پانچ نمازیں ہیں اور ہر ایک نماز دس نمازوں کے قائم مقام ہے۔ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس آیا اور ان کو بتایا تو انھوں نے کہا کہ آپ پھر واپس جائیے اور کمی کے لئے درخواست کیجئے، میں نے کہا کہ کمی کے لئے درخواست کرتے ہوئے مجھے حیا آتی ہے۔ (خصائص کبریٰ، اردو، ترجمہ: جلد ۱، ص ۳۱۸)

اس کی منظر کشی کرتے ہوئے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ اپنے قصیدۂ معراج میں فرماتے ہیں:

ادھر سے تھیں نذر شہ نمازیں، اُدھر سے انعام خسروی میں
سلام و رحمت کے ہار گندھ کر، گلوئے پُر نور میں پڑے تھے

الختصر! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر معراج میں بیت المقدس میں انبیاء کرام کی امامت کی، مختلف آسمانوں میں اولوالعزم انبیائے کرام سے ملاقات کی۔ سدرۃ المنتہیٰ، بیت المعمور تک رسائی، اپنے رب کا قرب، رویت، شرف ہم کلامی، عرض و سماعت، حصول علوم ومعرفت، عرش رسائی، جنت کی سیر، دوزخ کا معائنہ، نماز کا تحفہ وغیرہ بے شمار فضیلتوں اور برکتوں کے ساتھ اسی رات میں مکہ معظمہ واپس تشریف لے آئے۔

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے اور صبح ہوئی تو آپ نے لوگوں سے تذکرہ فرمایا۔ تو کچھ ضعیف الایمان لوگ اسی کو نہ مان کر مرتد ہوگئے۔ کفار اور مشرکین نے کھلم کھلا انکار کیا اور استہزاء اور مذاق اڑایا۔ کچھ مشرکین دوڑ کر حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہنے لگے کہ اے ابوبکر! کچھ اپنے یار اور رفیق کی بھی خبر ہے؟ وہ فرماتے ہیں کہ آج رات مجھے بیت المقدس لے جایا گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ کیا حقیقت میں وہ ایسا فرماتے ہیں؟ مشرکین نے کہا ہاں! یہی فرماتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا کہ پھر تو وہ جو کچھ فرماتے ہیں ٹھیک ہی فرماتے ہیں۔ میں اس پر ایمان لاتا ہوں۔ مشرکین کہنے لگے کہ کیا تم اس کی تصدیق کرتے ہو کہ رات میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بیت المقدس تشریف لے گئے اور صبح سے پہلے یہاں واپس تشریف بھی لے آئے؟ انھوں نے فرمایا ہاں! میں تو اس سے دور تک کی بھی تصدیق کرتا ہوں اگر آپ یہ فرمائیں کہ میں آسمان پر گیا اور پھر واپس آگیا، تو میں اس کی بھی تصدیق کروں گا۔ بیت المقدس کیا دور ہے؟ چنانچہ اسی دن سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا لقب ''صدیق'' مشہور ہوگیا۔

(مدارج النبوت، اردو، جلد ۱، ص ۳۱۰ ☆ خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۳۴۳)

اب حضرت رضا بریلوی کے شعر کی طرف توجہ مبذول کریں، آپ اپنے شعر کے مصرع اول میں فرماتے ہیں:

پوچھتے کیا ہو عرش پر یوں گئے مصطفیٰ کہ یوں

یعنی اے معراجِ مصطفیٰ ﷺ میں شک وشبہ پیدا کرنے والو! تم معراج کی حقیقت کے متعلق سوال کرتے ہو اور تمہا یہ سوال کرنا ازراہ تردد و تذبذب ہے، بلکہ تمھارا یہ سوال کرنا ہی تمہارے عدم اعتقاد کی دلیل ہے کہ تم واقعۂ معراج پر یقین نہیں رکھتے اور شک وشبہ پیدا کرتے ہو۔ اسی لئے تو پوچھتے ہو کہ مصطفیٰ جان رحمت ﷺ معراج میں کیسے گئے؟ اور رسول کے فرمان پر سوال کرنا مومن کی شان نہیں۔ مومن کی شان یہ ہے کہ جو کچھ رسول فرمائیں اس پر صرف ''امنا و صدقنا'' کا ورد کریں، جیسے کہ امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے واقعۂ معراج کی تصدیق فرمائی۔ لڑنا، جھگڑنا، شک شبہہ کرنا وغیرہ کفار و مشرکین کا کام ہے۔ مومنین کا نہیں۔ اسی لئے تو قرآن شریف میں اس کام کو کفار و مشرکین کا کام قرار دیا گیا ہے۔

قرآن شریف میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے صاف ارشاد فرمایا ہے:

''اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰی مَا یَرٰی'' (سورہ النجم، آیت ۱۲)

ترجمہ: تو کیا تم ان سے ان کے دیکھے ہوئے پر جھگڑتے ہو؟ (کنز الایمان)

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ مشرکین سے خطاب ہے جو شب معراج کے واقعات کا انکار کرتے تھے اور اس میں جھگڑتے تھے۔ (تفسیر خزائن العرفان، ص ۹۴۹)

اب یہ دیکھیں کہ کفار اور مشرکین واقعۂ معراج کے بارے میں کس طرح جھگڑتے تھے۔

امام احمد، ابن ابی شیبہ، بزار، طبرانی اور ابونعیم نے بسند صحیح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس رات مجھ کو معراج ہوئی اور صبح کو مکہ مکرمہ میں ایک گوشہ میں بیٹھ کر فکر مند ہو رہا تھا کہ رات کے واقعۂ معراج کو سن کر لوگ مجھے جھٹلائیں گے کہ اسی دوران دشمن خدا ابوجہل آیا اور میرے قریب بیٹھ کر اس نے استہزاء کے طور پر کہا کہ کیا کوئی نئی خبر ہے؟ میں نے جواب دیا: ہاں۔ اس نے کہا کہ ہم سے بھی ارشاد ہو۔ میں نے کہا: رات مجھ کو لے جایا گیا۔ اس نے پوچھا: کہاں؟ میں نے بتایا: بیت المقدس تک۔ اس نے کہا: کیا اس سفر کے بعد صبح کو ہمارے شہر میں آپ موجود ہیں؟ میں نے کہا: ہاں، اس پر کج فہم اور بد باطن ابوجہل نے سوچا کہ اسی وقت تردید کرنا اور جھٹلانا مناسب نہیں۔ مبادا ایسا نہ ہو کہ قوم کے سامنے محمد (ﷺ) ان باتوں سے انکار کر بیٹھیں۔ کچھ دیر وہ سوچتا رہا پھر اس نے کہا کہ اے محمد! اگر میں قبیلے کے لوگوں کو بلاؤں تو کیا آپ ان کے سامنے وہی باتیں فرمائیں گے جو مجھ سے بیان کی ہیں؟

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: کیوں نہیں؟ حقائق تو ہر ماحول اور ہر صورت میں جوں کے توں رہتے ہیں اور حقائق اور سچائی کو بر بنائے مصلحت چھپانا درست نہیں۔ یہ سن کر ابوجہل کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ پس اس نے قوم کو پکارا کہ اے بنی کعب! آؤ، آؤ، ابوجہل کی آواز سن کر لوگ ادھر اُدھر سے دوڑ کر جمع ہو گئے اور پھر سب اکٹھا ہو کر میرے پاس آکر بیٹھ گئے۔

اس وقت ابوجہل نے مجھ سے کہا کہ: اے ابن عبداللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ رات کی وہی باتیں، جو مجھ سے بیان کر چکے ہیں، اس وقت میری قوم کو سنایئے!

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے رات بیت المقدس لے جایا گیا۔ لوگوں نے پوچھا، دراں حال کہ صبح کو آپ یہیں تھے؟ آپ نے فرمایا ہاں! مجھے جلد ہی لوٹا دیا گیا۔ راوی کا بیان ہے کہ اس پر کچھ لوگوں نے ہاتھ پر ہاتھ مارے اور کچھ لوگ اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر تعجب کرنے لگے۔ مجمع میں سے کوئی بولا: کیا آپ مسجد اقصیٰ کی پہچان بتا سکتے ہیں؟ ان لوگوں میں چند افراد ایسے بھی تھے کہ جنہوں نے بیت المقدس دیکھا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں بیت المقدس کے بارے میں سوالات کے جوابات دیتا رہا، یہاں تک کہ بعض جوابات کے سلسلہ میں مجھے تردد ہوا تو فوراً مسجد اقصیٰ میرے روبرو کر دی گئی اور میں دیکھ دیکھ کر سوالات کے جوابات پورے اعتماد کے ساتھ دیتا رہا۔ آخر میں لوگوں نے کہا کہ جہاں تک نشانیوں کا معاملہ ہے خدا کی قسم آپ نے بالکل صحیح صحیح بیان فرمایا۔ (خصائص کبریٰ، اردو، جلد۱، ص ۳۲۵/۳۲۶)

لیکن لوگوں نے بغض وعناد کی بناء پر واقعۂ معراج کی تصدیق نہ کی۔ بلکہ اس کو سحر یعنی جادو سے تعبیر کر کے حق بات کا عناداً انکار کیا۔

ابویعلی، ابن عساکر، یحییٰ بن ابی عمر شیبانی اور ابوصالح نے حضرت ام ہانی سے اس سلسلہ میں جو طویل حدیث روایت کی ہے اس میں یہاں تک ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار ومشرکین کے بیت المقدس کے تعلق سے تمام سوالات کا شافی اور کافی جواب دے دیا تو انھوں نے اعتراف حق کرنے کے بجائے انحراف کیا۔ ولید بن مغیرہ نے کہا کہ یہ ساحر ہے۔ اور کج فہم لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی صداقت کو جادو ہی کا کرشمہ قرار دیا، اکثر لوگوں نے کہا کہ ولید بن مغیرہ نے ٹھیک کہا کہ یہ سب جادو کا معاملہ ہے۔ (خصائص کبریٰ، اردو، جلد۱، ص ۳۴۴)

واقعۂ معراج کے تعلق سے کفار مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے طرح طرح کے سوالات کرتے تھے۔ کسی نے بیت المقدس میں واقع مسجد اقصیٰ کے ستون کی تعداد پوچھی، کسی نے بیت المقدس گئے ہوئے قریش کے قافلے کی کیفیت پوچھی، کسی نے گم شدہ اونٹنی کے متعلق پوچھا، کسی نے قافلے کے اونٹوں پر لادے ہوئے اسباب کی جنس اور مقدار کے متعلق پوچھا، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام سوالات کے صحیح جوابات عطا فرمائے۔ اس کے باوجود بھی وہ لوگ ایمان نہ لائے بلکہ نئے نئے سوالات کرنے لگے۔

بیہقی نے اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معراج ہوئی اور آپ نے قافلے کے بارے میں کفار کے سوالات کے صحیح جوابات مرحمت فرمائے تو کفار مکہ نے کہا کہ آپ یہ تو بتائیں کہ قافلہ یہاں کب پہنچے گا؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ بدھ کے روز، چنانچہ جب بدھ کا دن آیا تو لوگ قافلے کا انتظار کرنے لگے، حتیٰ کہ غروب آفتاب کا وقت آ گیا۔ لوگ چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ اس وقت حضور نے دعا فرمائی اور سورج کو غروب ہونے سے باز رکھا گیا اور قافلہ آ گیا۔ (خصائص کبریٰ، اردو، جلد۱، ص ۳۴۶ ☆ مدارج النبوت، جلد۱، ص ۳۱۱)

قافلہ وقت پر آ پہنچا اور دشمنوں اور منکروں کے چہروں پر خاک پڑ گئی۔ لیکن بغض وعناد اور تعصب کی بناء پر واقعہ معراج کی تصدیق نہ کی، بلکہ اس کو جادو کا کرشمہ قرار دیا۔

موجودہ دور میں بھی کچھ عناصر حضور اقدس ﷺ کی معراج جسمانی کا انکار کرتے ہیں۔ (معاذ اللہ) حضور کو اپنے جیسا قیاس کر کے حضور ﷺ کے معجزۂ کبریٰ معراج جسمانی کو نہیں مانتے اور طرح طرح کی تاویلیں کرتے اور شوشے نکالتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ معراج خواب میں ہوئی تھی۔ کوئی کہتا ہے کہ مسجد اقصیٰ تک حالت بیداری میں اور پھر وہاں سے حالت خواب میں ہوئی۔ حالاں کہ ان کے تمام شبہات واعتراضات کا دنداں شکن جواب قرآن وحدیث میں موجود ہے، بلکہ بارہا وہ دلائل ان اعتراض کرنے والوں کے سامنے پیش ہو چکے ہیں لیکن ابو جہل، ولید بن مغیرہ اور دیگر کفار مکہ کے نقش قدم پر چل کر وہ لوگ واقعۂ معراج میں ہمیشہ جھگڑتے رہتے ہیں اور قرآن شریف کی سورہ النجم کی آیت ۱۲ یعنی "اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى" یعنی تو کیا تم ان سے ان کے دیکھے ہوئے پر جھگڑتے ہو؟ کے مصداق بنتے ہیں۔ عداوت وگستاخی رسول سے سیاہ دلوں میں نبی کی عظمت کی بات نہیں جمتی۔ لہٰذا وہ بیّن شواہد وبراہین کے باوجود بھی معراج جسمانی کا انکار کرتے ہیں۔ مومن کے ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ وہ رسول کی ہر بات پر آمنا وصدّقنا کہے، جیسے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بلا کسی دلیل کے صرف اس وجہ سے کہ حضور اقدس ﷺ فرما رہے ہیں آپ نے آمنا وصدّقنا کہا، لیکن ابو جہل وغیرہ نے کئی سوالات کر کے واقعہ کی سچائی جانتے ہوئے بھی انکار کیا۔ تو جو لوگ دور حاضر میں حضور اقدس ﷺ کی معراج جسمانی کا انکار کرتے ہیں وہ ابو جہل اور ولید بن مغیرہ کی جماعت کے لوگ ہیں اور معراج جسمانی کا اقرار کرنے والے اہل سنت وجماعت کے لوگ گروہ صدیقین میں سے ہیں۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے اس شعر میں ان لوگوں سے مخاطب ہیں جو حضور اقدس ﷺ کی جسمانی معراج کے متعلق شک وشبہ پیدا کرتے ہیں۔ ان لوگوں سے حضرت رضا فرماتے ہیں کہ اس کی تفتیش میں مت پڑو کہ حضور معراج میں کس طرح گئے؟ بلکہ ایک مومن کی شایان شان اور حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے صرف اتنا ہی کافی سمجھو کہ ہمارے آقا ومولیٰ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے معراج ہوئی۔ اس سے بڑھ کر اور کون سا ثبوت چاہیے کہ خود حضور نے فرمایا کہ مجھے معراج ہوئی ہے۔ اور اگر کوئی سر پھرا یہ کہے کہ نہیں ہم کو تو ثبوت چاہیے کہ حضور عرش پر گئے رویت الٰہی سے مشرف ہوئے، سدرۃ المنتہیٰ سے بھی آگے گئے، ان تمام کے گواہ درکار ہیں۔ وہاں تک حضور کو تشریف لے جاتے کس نے دیکھا؟ ایسے کور مغز کو حضرت رضا بریلوی جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

کیف کے پر جہاں جلیں کوئی بتائے کیا کہ یوں

یعنی اے حضور ﷺ کے وصول عرش اور حصول قرب الٰہی کی حقیقت پر گواہ طلب کرنے والو! ان معاملات کا کون گواہ ہو سکتا ہے؟ یہ وہ مقام ہے کہ جہاں بجز اللہ کے محبوب ﷺ کے کوئی نہ گیا ہے۔ نہ جائے گا اور نہ ہی جا سکتا ہے۔ یہاں تک کہ سدرۃ المنتہیٰ پر آ کر حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی ٹھہر گئے اور حضور کی ہمراہی وہمرکابی چھوٹ گئی، اور جدائی کی وجہ بیان کرتے

ئے حضرت جبرئیل نے عرض کیا کہ اگر ایک بال کے برابر بھی یہاں سے آگے بڑھوں تو تجلّیٔ الٰہی سے میرے پر جل
ئیں۔ چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ السلام وہیں رک گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تن تنہا اپنے رب کے حضور تشریف لے گئے۔ تو جس مقام
حضرت جبرئیل علیہ السلام جیسے مقرب اور جلیل القدر فرشتے کی رسائی محال ہے وہاں اور کوئی کس طرح پہنچ سکتا ہے اور کوئی
بتائے کہ یوں گئے؟ یعنی کوئی بھی یہ نہیں بتا سکتا کہ حضور اپنے رب کے حضور کس طرح گئے تھے، کیوں کہ وہ مقام ہی ایسا
ہے کہ بقول حضرت رضا بریلوی:

سراغ این ومتیٰ کہاں تھا نشان کیف و الیٰ کہاں تھا — نہ کوئی راہی، نہ کوئی ساتھی نہ سنگ منزل نہ مرحلے تھے

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج خواب میں ہوئی تھی وہ لوگ دیگر احادیث "رؤیا فی المنام" کی حقیقت سے
واقفیت کی بنا پر مغالطے میں ہیں۔ حالاں کہ حضور کو خواب میں بھی معراج ہوئی ہے اور متعدد مرتبہ ہوئی ہے۔ حضرت شیخ
حق شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ "بعض عارفین فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اسراءات اور معاریج بہت
ہیں اور بعض نے چونتیس کہا ہے۔ جن میں سے ایک تو بچشم سر بیداری سے تھی۔ باقی خواب روحانی تھیں۔"

(مدارج النبوت، اردو، جلد ۱، ص ۲۸۸)

سورۂ بنی اسرائیل میں جو لفظ اسریٰ ہے اس کا اطلاق خواب پر نہیں کیا جاتا۔ لہٰذا اسریٰ بمعنی مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ
تک جانا حالت بیداری میں ہوا ہے اور معراج جو مسجد اقصیٰ سے شروع ہوئی ہے وہ بھی بیداری میں ہی ہونا ماننا پڑے گا،
کیوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس پہنچ کر سو گئے تھے اور وہاں نیند میں بحالت خواب معراج ہوئی ایسی کوئی ضعیف دلیل
بھی نہیں ہے۔ (مدارج النبوت، جلد ۱، ص ۲۸۸)

مذہب صحیح یہی ہے کہ وجود اسریٰ اور معراج سب کچھ بحالت بیداری اور جسم کے ساتھ تھا۔ صحابہ، تابعین اور اتباع کے
علمائے مشاہیر اور ان کے بعد محدثین، فقہاء اور متکلمین کا مذہب یہی ہے۔ اس پر احادیث صحیحہ اور اخبار صریحہ متواتر ہیں۔

(مدارج النبوت، اردو، جلد ۱، ص ۲۸۷)

مومن کے لئے لازم ہے کہ وہ ان کے اتباع میں معراج جسمانی پر اعتقاد رکھے۔



(۱۴۳)

نہ دیکھوں شکل مشکل تیرے آگے
کوئی مشکل سی یہ مشکل ہے یا غوث

حل لغت:

شکل: صورت، انداز، قطع، روپ، چہرہ، وضع، ڈھنگ، طورطریق، نوع، قسم، نقشہ، ڈھانچہ، ہیئت، حالت، گت، مشابہ، مثل، مانند۔ (فیروز اللغات، ص۸۴۵)

مشکل: دشوار، کٹھن، سخت، پیچیدہ، الجھا ہوا، دشوار، سختی، مصیبت۔ (فیروز اللغات، ص۱۲۵۲)

کوئی: کچھ، کسی، تقریباً، نامعلوم شخص، لگ بھگ، ایک آدھ، کہیں، ممکن ہے، ذرا، ایک، اکادکا۔ (فیروز اللغات، ص۱۰۴۷)

پہلے مصرع میں لفظ ''مشکل'' کا مطلب ''مصیبت'' ہے۔

دوسرے مصرع میں پہلے وارد لفظ ''مشکل'' کا مطلب ''دشوار'' ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد والے لفظ ''مشکل'' کا مطلب ''وقت'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا ومولیٰ پیران پیر دستگیر حضور سیدنا الشیخ غوث اعظم حضور عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ وارضاہ عنا کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں کہ سرکار! آپ کے ہوتے ہوئے مصیبت کی صورت بھی نہ دیکھوں گا اور اس وقت جو مجھ پر مشکل آن پڑی ہے وہ ذرا سے وقت کی مشکل ہے یعنی یہ مشکل ذرا وقت گزرتے ہی چلی جائے گی، یعنی تھوڑے عرصہ کے لئے ہے۔ اس شعر میں لفظ مشکل کا تین مرتبہ استعمال کیا گیا ہے پہلی مرتبہ مصیبت کے معنی میں، دوسری مرتبہ دشواری کے معنی میں اور تیسری مرتبہ وقت کے معنی میں ہے۔ مندرجہ بالا معانی حل لغات کے کالم میں دیکھئے۔ لیکن تیسری مرتبہ استعمال شدہ لفظ مشکل کا معنی ''وقت'' محاورہ کے طور پر ہے۔ اور کبھی کبھی لفظ مشکل تابع فعل ہوکر ''وقت'' کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ فیروز اللغات، ص۱۲۵۲ پر ہے کہ ''مشکل سے'' وقت سے، جوں توں کرکے۔ (تابع فعل)

لغات میں مشکل بمعنی وقت بھی آیا ہے اور یہ محاورہ میں استعمال ہے۔ (دیکھو فیروز اللغات، ص۱۴۱۳) وقت پڑنا، مصیبت

پڑنا، دقت یا دشواری ہونا، ضرورت مند ہونا، (محاورہ) یہاں وقت کے معنی مصیبت حاصل ہوئے۔ اور مصیبت کے معنی لغت میں مشکل کے وارد ہیں۔

دیکھو فیروز اللغات، ص ۱۲۵۵ پر ہے کہ ''مصیبت، رنج، دکھ، تکلیف، حادثہ، صدمہ، نحوست، دقت، مشکل، دشواری جمع، مصائب۔''

ان اقتباسات لغت سے مندرجہ بالا شعر میں تیسری مرتبہ استعمال شدہ لفظ ''مشکل'' کا معنی ''وقت'' جو کیا گیا ہے درست ہے۔ مشکل کے معنی وقت ثابت کرنے کے لئے لغت سے اتنے حوالہ جات اخذ کرنے کی زحمت اس لئے گوارا کی گئی ہے کہ کسی صاحب کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ حضرت رضا بریلوی کے شعر کا مطلب اپنی منشا کے مطابق و موافق کرنے کے لئے لفظ کے غلط معنی و مطلب مراد لئے گئے ہیں۔ اس شعر میں تینوں لفظ ''مشکل'' حروف و اعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں لیکن معنی و مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے ساتھ بے پناہ عقیدت اور آپ کے لطف و کرم اور نصرت و استعانت پر اعتماد کامل کا اظہار فرمایا ہے مصرع اول میں تو آپ نے صراحۃً بارگاہ غوثیت میں عرض کر دیا ہے کہ آپ کے ہوتے ہوئے میں مشکل تو کیا بلکہ اس کی شکل بھی نہ دیکھو۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ اپنے مریدین اور نام لیوا کی یقیناً امداد فرماتے ہیں۔

شیخ ابو الفضل منصور بن احمد بن عطاء اللہ بن عبد الجبار روایت کرتے ہیں کہ کسی نے شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کوئی شخص آپ کا نام لیتا ہے۔ لیکن اس نے نہ تو آپ کا ہاتھ پکڑا اور نہ خرقہ پہنا ہے تو کیا وہ آپ کا مرید کہلا سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جو شخص میری طرف منسوب ہو اور میرا نام لے اس کو اللہ تعالیٰ قبول کرے گا اور اس پر مہربانی کرے گا اور اگرچہ وہ برے عمل پر ہے وہ من جملہ میرے مریدوں میں ہے۔ بیشک میرے رب نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ میرے مریدوں، میرے ہم مذہبوں اور میرے دوستوں کو جنت میں داخل کرے گا۔ (بہجۃ الاسرار، اردو، ص ۲۹۵)

شیخ ابو الحسن علی قرشی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اِنَّ یَدِیْ عَلٰی مُرِیْدِیْ کَالسَّمَآءِ عَلَی الْاَرْضِ وَ اِنْ لَّمْ یَکُنْ مُرِیْدِیْ جَیِّدٌ فَاَنَا جَیِّدٌ''

یعنی بے شک میرا ہاتھ میرے مرید پر ایسا ہے جیسے آسمان زمین پر، اور اگر میرا مرید جید (زور آور) نہیں تو میں جید ہوں۔ (بہجۃ الاسرار)

یہی شیخ ابو الحسن روایت فرماتے ہیں کہ شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے ایک کاغذ دیا گیا جو اتنا بڑا تھا کہ حد نظر اس کا طول و عرض تھا۔ اس میں میرے اصحاب اور مریدوں کے نام تھے جو قیامت تک ہونے والے تھے اور مجھ سے کہا گیا کہ سب کو تمہارے لئے بخش دیا گیا۔ (ایضاً)

شیخ ابو السعو دسریمی، شیخ ابو عبد اللہ بن قائد ادانی اور شیخ ابو القاسم عمر بزاز فرماتے ہیں کہ شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی

رضی اللہ عنہ قیامت تک اپنے مریدوں کی اس بات کے ضامن ہیں کہ ان میں سے کوئی شخص توبہ کئے بغیر نہ مرے گا۔ اوران کو یہ بات دی گئی ہے کہ میں اپنے مریدوں کے مریدوں کا سات پشت تک ہر امر کا ذمہ دار ہوں اور اگر میرے مرید کا پردہ (ستر) مشرق میں کھل جائے اور میں مغرب میں ہوں تو اس کو چھپاتا ہوں۔ (بہجۃ الاسرار، ص۲۹۲)

شیخ حافظ ابوعبداللہ محمد بن نجار بغدادی فرماتے ہیں کہ مجھ کو عبداللہ جبائی نے بتایا کہ میں ہمدان میں ایک مرد سے ملا، جو کہ دمشق کا باشندہ تھا، جس کو ظریف کہتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ میں بشر قرظی کو نیشاپور یا خوارزم کے راستہ میں ملا۔ اس کے ساتھ چودہ اونٹ شکر تھی۔ اس نے کہا کہ ہم ایسے جنگل میں اترے جو خوفناک تھا۔ اس جنگل میں میرے چار اونٹ جو شکر سے لدے ہوئے تھے، گم ہو گئے۔ میں نے ان کو بہت تلاش کیا لیکن کہیں بھی پتہ نہ چلا۔ قافلہ تو چل دیا اور میں اپنے گم شدہ اونٹوں کی تلاش کے لئے قافلہ سے الگ ہو گیا۔ ان کے ساربان نے میری حمایت کی اور میرے ساتھ وہ بھی ٹھہر گیا۔ ہم دونوں مل کر گم شدہ اونٹوں کی تلاش میں لگ گئے۔ لیکن ناکام رہے۔ جب صبح ہوئی اور میں متفکر بیٹھا ہوا سوچ رہا تھا کہ مجھے شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا وہ قول یاد آیا کہ "اگر تو اونٹ کی وجہ سے سختی میں پڑے تو مجھ کو پکارنا، تیری مصیبت جاتی رہے گی۔" میں نے کہا کہ اے شیخ عبدالقادر جیلانی! میرے اونٹ گم ہو گئے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے مطلع کی طرف جو دیکھا تو صبح ہو گئی تھی اور آفتاب کی روشنی پھیل چکی تھی۔ تب میں نے ایک شخص کو اونچے ٹیلے پر دیکھا جس کے کپڑے بہت ہی سفید تھے۔ اور وہ مجھ کو ہاتھ سے اشارہ کر کے اپنی طرف بلا رہا تھا۔ جب ہم ٹیلے پر دیکھنے چڑھے تو وہ شخص اچانک غائب ہو گیا اور ہم کو کہیں نظر نہ آیا۔ ہم اس شخص کو ادھر ادھر تلاش کرنے کی غرض سے اپنی نظریں گھما رہے تھے کہ ٹیلے کے نیچے ہم نے دیکھا کہ وہ چاروں اونٹ بیٹھے ہوئے ہیں۔ ہم نے فوراً جا کر ان اونٹوں کو پکڑ لیا اور قافلے سے جا ملے۔

(بہجۃ الاسرار، اردو ترجمہ، ص۳۰۰)

شیخ ابوعمرو عثمان صریفی اور شیخ محمد عبدالحق حریمی رحمۃ اللہ علیہما بیان کرتے ہیں کہ ہم دونوں اپنے شیخ محی الدین عبدالقادر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بروز اتوار ۳ صفر ۵۵۵ھ کے دن مدرسہ میں تھے۔ آپ کھڑے ہوئے اور کھڑاؤں پہنے ہوئے وضو کرنے لگے۔ وضو کرنے کے بعد آپ نے دو رکعت نماز پڑھی۔ جب دو رکعت پڑھ کر سلام پھیرا تو آپ بہت زور سے چلائے اور ایک کھڑاؤں کو ہوا میں پھینکا تو وہ ہماری نگاہوں سے غائب ہو گئی۔ پھر آپ دوبارہ زور سے چلائے اور دوسری کھڑاؤں ہوا میں پھینکا، وہ بھی ہماری نظروں سے غائب ہو گئی۔ پھر آپ بیٹھ گئے اور کسی میں یہ جرأت نہ ہوئی کہ آپ سے اس معاملے کے متعلق پوچھے۔ پھر تینتیس دن کے بعد بلادِ عجم سے ایک قافلہ آیا۔ اس نے کہا کہ ہمارے پاس شیخ کی نذر ہے۔ ہم نے حضور شیخ عبدالقادر محی الدین جیلانی سے اذن طلب کیا۔ آپ نے فرمایا کہ ان سے لے لو۔ تب قافلے والوں نے ہم کو دریائی اور ریشمی کپڑے، سونا اور شیخ کی وہ کھڑاؤں جو آپ نے اس دن پھینکی تھیں۔ ہم کو دیں ہم نے ان سے پوچھا کہ یہ کھڑاؤں تم کو کہاں سے ملیں؟ انھوں نے کہا کہ ہم ۳ صفر اتوار کے دن سفر کر رہے تھے کہ اتفاقاً ہمارے سامنے عرب کا ایک قافلہ نکلا۔ اس قافلے کے دو سردار تھے۔ انھوں نے ہمارا مال لوٹنا شروع کیا اور بعض کو قتل کر دیا۔ لوٹ مار اور قتل کے بعد وہ قافلہ جنگل

کے اندرونی حصے میں چلا گیا اور وہاں بیٹھ کر لوٹ کا مال آپس میں تقسیم کرنے لگے۔ ہمارا لٹا ہوا قافلہ جنگل کے ایک کنارے بے یارو مددگار کف افسوس مل رہا تھا۔ اس وقت ہم نے کہا کہ کاش! ہم شیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ کو اس وقت یاد کرتے تو بچ جاتے۔ اور ہم نے ان کے لئے کچھ مال نذر مانا کہ اگر ہم بچ رہے تو ان کی خدمت میں نذر پیش کریں گے۔ ہم آپ کا تذکرہ کر رہے آپ کو یاد کر رہے تھے کہ اچانک دو ایسی بلند آوازیں سنیں کہ جن سے تمام جنگل لرز گیا۔ ہم نے یہ سمجھا کہ شاید ان ڈاکوؤں کو بھی لوٹنے کوئی ان سے بڑے ڈاکو آپہنچے، کیوں کہ ان میں سے کچھ خوف زدہ ہو کر ہمارے پاس آرہے تھے۔ وہ ہمارے قریب آئے اور ہم سے معافی مانگتے ہوئے درخواست کرنے لگے کہ آؤ اور اپنا مال واپس لے جاؤ۔ ہم پر نہ جانے کیا آفت آپڑی ہے۔ پھر وہ ہم کو اپنے سرداروں کے پاس لائے تو ہم نے کیا دیکھا کہ وہ دونوں مردہ پڑے ہیں۔ ہر ایک کے پاس ایک ایک کھڑاؤں پڑی ہوئی ہے جو کہ پانی سے تر ہے۔ انھوں نے ہمارا تمام مال واپس لوٹا دیا اور ہم خیریت سے یہاں آپہنچے۔ (بہجۃ الاسرار، اردو ترجمہ، ص ۱۹۸)

ایسے تو بے شمار واقعات ہیں جو حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی بین کرامات پر دلالت کرتے اور اس بات کا ثبوت دیتے ہیں کہ جس نے بھی مصیبت میں، جس وقت اور جس مقام سے آپ کو پکارا اور مدد طلب کی، آپ نے اس کی پکار ضرور سنی اور اس کی ضرور مدد فرمائی۔ ان تمام واقعات کے پیش نظر حضرت رضا بریلوی نے بارگاہ غوثیت میں یہ شعر عرض کیا ہے۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کو سرکار بغداد حضور غوث اعظم دستگیر رضی اللہ عنہ سے بے پناہ عقیدت و محبت تھی اور آپ ہر معاملے میں اپنے آقا سرکار بغداد حضور غوث اعظم سے استعانت طلب کرتے تھے اور آپ کی استعانت و دستگیری پر کامل بھروسہ رکھتے تھے۔ عرض کرتے ہیں کہ:

اس نشانی کے جو سگ ہیں نہیں مارے جاتے ۔۔۔ حشر تک میرے گلے میں رہے پٹا تیرا
ہیں رضا یوں نہ بلک، تو نہیں جید تو نہ ہو ۔۔۔ سید جید ہر دہر ہے مولیٰ تیرا
دھوپ محشر کی وہ جاں سوز قیامت ہے مگر ۔۔۔ مطمئن ہوں کہ میرے سر پہ ہے پلا تیرا

●

رضا کے کام اور رک جائیں حاشا ۔۔۔ ترا سائل ہے تو باذل ہے یا غوث



(۱۴۲)

جلتی تھی زمیں کیسی تھی دھوپ کڑی کیسی
لو وہ قد بے سایہ اب سایہ کناں آیا

حل لغت:

کڑی: کڑا کی تانیث، سخت، شدید، مضبوط، مستحکم، ناگوارطبع، تند، تیز، غضبناک، دشوار، بھاری، کٹھن، مشکل، حلقہ آ
لوہے کا کڑا یا چھلا، پاؤں کا ایک زیور، چاندی یا سونے کا باریک اور پتلا حلقہ، ہندی نظم کا بند۔ (فیروز اللغات، ص۱۰۰۸

قد: جسم کی لمبائی، قامت، ڈیل، بدن، جسم۔ (فیروز اللغات، ص۹۴۹ ☆ لغات کشوری، ص۵۵۲ ☆ کریم اللغات، ص۱۲۲)

سایہ: پرچھائی، پرتو، جن بھوت کا اثر، آسیب، پناہ، حفاظت، سرپرستی، حمایت، صحبت کا اثر، تصویر میں آئی ہوئی سیاہی، س
تانبے میں نقص کی وجہ سے آئی ہوئی سیاہی، علم کیمیا کی اصطلاح میں باہر کو نکلا ہوا۔
(فیروز اللغات، ص۷۷۱ ☆ لغات کشوری، ص۳۶۴ ☆ کریم اللغات، ص۳

کناں: کرنے والا، کن سے مشتق ہے، مرکبات میں استعمال ہوتا ہے مثلاً: کارکن۔ (فیروز اللغات، ص۱۰۳۲)

دوسرے مصرع میں شروع والے لفظ "سایہ" کا مطلب "پرچھائی" ہے۔
دوسرے مصرع میں بعد والے لفظ "سایہ" کا مطلب "حفاظت" ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان میدان محشر کی دھوپ اور سختی کا ذکر کرتے ہوئے اپنے آقا و مولا
صلی اللہ علیہ وسلم کے سایۂ رحمت کے طفیل حاصل ہونے والی حفاظت اور امن کا ذکر کر رہے ہیں۔ شعر کا ظاہری معنی یہ ہے "زمین کیسی
جلتی تھی اور دھوپ بھی کیسی کڑی تھی" لیکن دیکھو بے سایہ جسم اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد ہو گئی ہے۔ اب وہ حفاظت کرنے والے
آپہنچے ہیں۔ یہ تو ہوئے ظاہری اور لغوی معنی۔ آیئے اب شعر کی تشریح و وضاحت اور اس میں پوشیدہ عشق و محبت کے بے
بہا موتیوں کو تلاش کرنے کی کوشش کریں۔

شفاعت کبریٰ کے تعلق سے جو احادیث وارد ہیں ان میں صاف و صریح ارشاد ہے کہ عرصہ محشر میں وہ دن ہوگا ک
کاٹے نہ کٹے، آفتاب سروں سے بالکل قریب ہوگا۔ اس دن آفتاب میں دس برس کامل کی گرمی جمع کردی جائے گی اور

سروں سے کچھ ہی فاصلہ پر اسے لایا جائے گا۔ پیاس کی وہ شدت کہ خدا نہ دکھائے، گرمی کا وہ عالم کہ اللہ بچائے۔ بانسوں پسینہ زمین میں جذب ہو کر اوپر چڑھے گا۔ پیاس کی وجہ سے زبانیں باہر آ جائیں گی اور زمین تپتے ہوئے لوہے کی طرح گرم ہوگی۔ زمین پر پاؤں رکھنا بھی دشوار ہوگا۔ ایسے ہول ناک ماحول میں اپنے گنہگار اور بے سہارا امتیوں کی محبوب رب العالمین، شفیع المذنبین ﷺ دستگیری فرما کر اپنی شفاعت کے طفیل اپنی امت کو مصائب و آلام سے نجات دلا کر جنت میں داخل کر دیں گے۔ شفاعت کے تعلق سے وارد احادیث اور میدان محشر کے احوال کا تفصیلی ذکر اگر کیا جائے تو اس کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔

الختصر! حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے مصرع اول میں جلتی زمین اور کڑی دھوپ کے ذریعہ ماحول کی خوفنا کی کا احساس کرادیا ہے۔ جلتی زمین اور کڑی دھوپ میں آپس میں گہرا ربط ہے یعنی جب دھوپ کڑی اور شدت کی ہوتی ہے تب زمین خوب گرم ہو جاتی ہے اور عام اصطلاح میں محاورۃً کہا جاتا ہے کہ زمین جلتی ہے۔ شعر کے الفاظ آپ بغور ملاحظہ فرمائیں گے تو آپ کو جلتی زمین اور کڑی دھوپ کے ساتھ ''تھی'' لفظ کی اضافت ملے گی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ بقول حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ زمین جلتی تھی اور دھوپ کڑی تھی، لیکن اب نہیں ہے۔ لفظ ''تھی'' تانیث ہے۔ ''تھا'' کی اور لفظ ''تھا'' علامت ماضی ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ زمین جلتی تھی اور دھوپ کڑی تھی یہ ماضی کی بات ہوگی، لیکن اب یہ مصیبت ختم ہوگئی ہے۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا ایک کمال یہ بھی تھا کہ آپ نے اپنے کلام میں عوامی اصطلاح کے الفاظ و محاورات اور رائج لہجوں کو بھی شمولیت عطا فرمائی ہے۔ مثال کے طور پر فرض کرو کہ دو دوست کسی پہاڑی مقام کی سیر و تفریح کے لئے گئے۔ وہاں ایک ہوٹل میں ٹھہرے، دوسرے دن علی الصبح پہاڑ کی چوٹی پر چڑھنا شروع کیا اور بڑی محنت اور مشقت برداشت کر کے پہاڑ کی چوٹی تک پہنچے، لیکن تھوڑی دیر میں اچانک تیز ہوا، سخت بارش، کڑاکے کی سردی اور ساتھ میں اولے اور برف باری شروع ہوگئی۔ دونوں نہایت گھبرائے، جان کا خطرہ تھا۔ بچنے کی بظاہر امید کم تھی، پھر بھی ہمت کر کے پہاڑ سے اترنا شروع کر دیا۔ ابھی تھوڑا ہی اترے تھے کہ ایک شخص نظر آیا۔ اس نے ان دونوں کا ہاتھ پکڑ کر تھوڑے فاصلے پر اپنے پختہ مکان میں پناہ دے دی۔ دوپہر کے بعد جب بارش کا طوفان ختم ہو گیا تو خود ان کے ہمراہ جا کر ان کی قیام گاہ تک حفاظت سے پہنچا آیا۔ اب جب یہ دونوں دوست ہوٹل کے کمرے میں آ گئے اور اطمینان کی سانس لی، تب ایک نے دوسرے سے کہا کہ یار! کیا تیز ہوا تھی، کیا زور کی بارش تھی، لیکن خدا بھلا کرے اس بھلے آدمی کا جو ہماری حفاظت کرنے کے لئے آ پہنچا۔ ہماری جان کے لالے پڑ گئے تھے۔ موت سامنے کھڑی نظر آ رہی تھی۔ اگر وہ بھلا آدمی نہ آتا تو ہم تو اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتے۔ دونوں دوست کمرے میں بیٹھ کر گزرے ہوئے حادثہ کی سنگینی کا ذکر کر رہے ہیں۔ اسی لئے ہر جملہ میں ''تھی، تھا، تھے'' آ رہے ہیں۔ جب یہ دونوں اس حادثہ کا ذکر کر رہے تھے تب کوئی خطرے میں نہ تھا، بلکہ دونوں امن میں تھے لیکن ان کے ساتھ ایسا خطرناک حادثہ ہوا تھا کہ اس کا تذکرہ کر رہے تھے۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے شعر کا مطلب اب یہ ہوا کہ الحمدللہ! اب تو امن حاصل ہو گیا ہے۔ لیکن

ہماری حالت کیا تھی؟ کڑی دھوپ تھی، زمین تپتی اور جلتی تھی، وغیرہ۔ لیکن ہمیں ان جان لیوا مصیبتوں سے نجات دلا
کے لئے وہ قد بے سایہ اب سایہ کناں آیا، یعنی وہ بے سایہ جسم اقدس والے حضور اقدس شفیع المذنبین ﷺ ہماری حفاظ
کے لئے آ پہنچے اور ہمیں مصائب سے نجات بخشی۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس شعر میں اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کے جسم اقدس کو بے سایہ کی صف
سے موصوف کیا ہے۔ اور سرکار دو عالم ﷺ کا یہ مبارک وصف یعنی جسم اقدس کا سایہ نہ ہونا احادیث و اقوال صحابہ و ائمہ د
سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو ایسا بے مثل و بے مثال پیدا فرمایا کہ ان کا سایہ بھی نہ بنایا تا کہ سایہ کی بھی مثا
نہ دی جائے۔

- امام الحدیث حضرت حکیم ترمذی رضی اللہ عنہ اپنی کتاب نوادر الاصول میں حضرت ذکوان رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث بیان کرتے ہیں:

"عَنْ ذَكْوَانَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ لَمْ يَكُنْ يُرٰى لَهٗ ظِلٌّ فِي شَمْسٍ وَ لَا قَمَرٍ"

یعنی حضور اقدس ﷺ کا سایہ مبارک نہ سورج کی دھوپ میں نظر آتا نہ چاندنی میں۔

(المواہب اللدنیہ علی الشمائل المحمدیہ، مطبوعہ: مصر، ص ۳۰ ☆ الزرقانی علی المواہب، مطبوعہ مصر، جلد ۲، ص ۲۲۰)

- سیدنا عبداللہ بن مبارک اور حافظ ابن جوزی رضی اللہ عنہما نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت فرمائی ہے:

"لَمْ يَكُنْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ ظِلٌّ وَ لَمْ يَقُمْ مَعَ شَمْسٍ اِلَّا غَلَبَ ضَوْءُهٗ ضَوْءَهَا وَ لَا مَعَ السِّرَاجِ اِلَّا غَلَبَ ضَوْءُهٗ"

یعنی رسول اللہ ﷺ کا سایہ نہیں تھا، نہ سورج کی دھوپ میں، نہ چراغ کی روشنی میں، آپ کا نور سورج اور چراغ کے نور
پر غالب رہتا تھا۔ (خصائص کبریٰ، جلد ۱، ص ۶۸ ☆ جمع الوسائل للقاری، جلد ۱، ص ۲۰۶)

- امام نسفی مدارک شریف میں حضرت عثمان ذو النورین رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل فرماتے ہیں:

"قَالَ عُثْمَانُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى مَا اَوْقَعَ ظِلَّكَ عَلَى الْاَرْضِ لِئَلَّا يَضَعَ اِنْسَانٌ قَدَمَهٗ عَلٰى ذَالِكَ الظِّلِّ"

یعنی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ خدائے عزوجل نے آپ کا سایہ زمین پر پڑنے نہیں دیا،
تا کہ اس پر کسی انسان کا قدم نہ پڑ جائے۔

(مدارک شریف، جلد ۲، ص ۱۰۳ ☆ مدارج النبوۃ فارسی، رکن ۴، ص ۱۰۰ ☆ مدارج النبوۃ، جلد ۲، ص ۱۶۱)

- حضرت علامہ امام سیوطی رضی اللہ عنہ نے نقل فرمایا ہے کہ

"قَالَ ابْنُ سَبُعٍ مِنْ خَصَائِصِهٖ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اَنَّ ظِلَّهٗ كَانَ لَا يَقَعُ عَلَى الْاَرْضِ لِاَنَّهٗ كَانَ نُوْرًا اِذَا مَشٰى فِي الشَّمْسِ اَوِ الْقَمَرِ لَا يُنْظَرُ لَهٗ ظِلٌّ"

یعنی ابن سبع نے فرمایا کہ یہ بھی حضور اقدس ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے کہ آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا، کیوں

کہ آپ نور تھے۔سورج اور چاند کی روشنی میں جب چلتے تھے تو آپ کا سایہ نظر نہیں آتا تھا۔(خصائص کبریٰ، جلد ا، ص ۶۸)
یہاں تک صرف چار احادیث پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔علاوہ ازیں جلیل القدر ائمہ ملت اسلامیہ مثلاً: امام قاضی عیاض،
امام جلال الدین سیوطی صاحب تفسیر جلالین شریف، علامہ شہاب الدین خفاجی، امام احمد قسطلانی، علامہ حسین ابن محمد دیار
بکری، امام ابن حجر مکی، علامہ سلیمان جمل، شاہ عبدالحق محدث دہلوی، امام ربانی مجدد الف ثانی، امام راغب اصفہانی، امام تقی
الدین سبکی، علامہ ملا علی قاری، مولانا جلال الدین رومی، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم نے بھی اپنی معتبر و مستند
کتب میں اس بات کی وضاحت اور تائید فرمائی ہے کہ سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس کا سایہ نہیں تھا۔ائمہ ملت اسلامیہ کی
تصریحات آئندہ شعر نمبر 105 ''قد بے سایہ ظل کبریا ہے'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

شعر کے مصرع ثانی میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے دو مرتبہ لفظ سایہ کا استعمال فرمایا۔دونوں مرتبہ
لفظ سایہ اسم ہے اور دونوں کے معنی الگ الگ ہیں۔پہلے جو لفظ سایہ ہے اس کا مطلب پرچھائی، پرتو یا سایہ ہے۔دوسری
مرتبہ جو لفظ سایہ ہے اس کا مطلب حفاظت یا حمایت ہے۔خوبی کی بات تو یہ ہے کہ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے دونوں
لفظ سایہ کو منفرد استعمال نہیں کیا، بلکہ دونوں میں اضافت استعمال کیا، لیکن ایک میں اضافت مقدم ہے یعنی سایہ سے پہلے لفظ
''بے'' لایا گیا ہے اور ''بے سایہ'' بنا اور دوسرے میں اضافت مؤخر ہے یعنی سایہ کے بعد لفظ ''کناں'' لا کر سایہ کناں بنا
ہے۔یہاں کوئی تعصب میں مبتلا مریض یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ یہ شعر صنعت تجنیس کامل کا نہیں، کیوں کہ دونوں مرتبہ لفظ
سایہ کا معنی ایک ہی ہے الگ الگ نہیں اور سایہ کناں کا معنی سایہ کرنے والا، کیوں کہ شعر میں دھوپ کا ذکر ہے۔کڑی دھوپ
سے بچنے کے لئے سایہ مفید ہوتا ہے۔لہٰذا دوسری مرتبہ جو لفظ سایہ ہے اس کے معنی حفاظت نہیں بلکہ سایہ یا پرچھائی ہی
موزوں اور مناسب ہے اور اس اعتبار سے یہاں تجنیس کامل نہیں، لیکن یہ اعتراض درست نہیں۔کیوں کہ یہاں صرف
دھوپ سے ہی بچنے کا معاملہ نہیں، بلکہ جلتی زمین، پسینہ کی بہتات، حساب و کتاب کا مرحلہ اور دیگر بے شمار تکالیف کا بھی
سابقہ پڑے گا جو احوال قیامت میں مذکور ہیں۔ان تمام مصائب سے چھٹکارا وہی دلا سکتا ہے جس میں حفاظت کرنے کی
استطاعت ہو۔ایک اور بات بھی قابل توجہ ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سایہ جسم ہی نہیں تو وہ کیسے سایہ فرمائیں
گے؟ عرض ہے کہ ایک جسم کا سایہ حقیقی معنی میں ہوتا ہے جس کا امکان نہیں اور ایک سایہ مجازی معنی میں ہوتا ہے اور اسی سے
حفاظت کے معنی بھی حاصل ہوں گے اور اسی کا ہم دعویٰ کر رہے ہیں۔لہٰذا ہمارے دعوے کی دلیل خود معترض صاحب نے
ہی فراہم کر دی۔دوسری بات یہ ہے کہ سایہ کرنے کے لئے یہ امر لازم ہے کہ سایہ کناں دھوپ اور شئی کے درمیان حائل ہو
اور نتیجہ یہ ہوگا کہ سایہ کناں اوپر رہے گا۔اس کو آسانی سے اس طرح سمجھیں کہ دوپہر کی تیز دھوپ میں ایک آدمی نے دھوپ
سے بچنے کے لئے اپنے سر پر کپڑے کا سائبان کیا۔نتیجہ یہ ہوگا کہ سورج کی کرنیں اب اس کپڑے پر پڑیں گی۔اور کپڑے
کی کثافت کی وجہ سے وہ کرنیں کپڑے سے آر پار نہیں گزریں گی بلکہ کثافت کی وجہ سے پرچھائی وجود میں آئے گی اور
پرچھائی اب اس آدمی کے سر پر پڑے گی اس کو سایہ کہا جاتا ہے۔اب اس فعل میں آفتاب کی حرارت جہاں سے نکلی اور ا

شخص تک پہنچنے میں کپڑا بیچ میں حائل ہوگیا۔ آفتاب آسمان پر اور وہ آدمی زمین پر۔ اب جو کپڑے کا سایہ کیا گیا تو وہ آفتاب اور آدمی کے درمیان میں حائل ہوگا۔ اس صورت میں آفتاب اوپر آدمی نیچے اور کپڑا بیچ میں ہوگا۔ یعنی آفتاب اس آدمی اور کپڑے دونوں سے اوپر ہوگا۔ لیکن اللہ کے محبوب اعظم ﷺ کی شان اتنی بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے اور خاص کر قیامت میں اس کا اظہار و انکشاف ہوگا کہ اس دن سورج کو آپ کے اوپر اور آپ کو سورج کے نیچے ہونے کا امکان ہی نہیں۔ آپ ماسوی اللہ سب سے ارفع اور اعلیٰ۔ حضرت رضا بریلوی کے شعر کے دوسرے مصرع میں دوسری مرتبہ استعمال شدہ لفظ سایہ کے معنی حفاظت ہی مناسب اور درست ہیں سایہ کناں کے معنی حفاظت کرنے والا کے مناسب ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے ہر محافظ بذات خود جائے واردات پر آکر حفاظت کرے یہ لازمی اور ضروری نہیں بلکہ اس کے ایک اشارے یا نگاہ کرم سے تکالیف زائل ہوجائیں یہ بھی حفاظت ہے۔ مثال کے طور پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا ایک صفاتی نام ''رزاق'' ہے۔ جس کے لغوی معنی ہیں رزق پہنچانے والا اور تمام مسلمانان عالم کا یہی عقیدہ ہے کہ رزق پہنچانے والا اللہ ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ بذات خود رزق دینے نہیں جاتا یا آسمان سے سونے چاندی، چاول، گیہوں، و دیگر اشیاء خورد و نوش کی بارش نہیں کرتا، یا فرشتوں کے ذریعہ ہر آدمی کے گھر تیل، راشن، گھی، مرچ، مصالحہ وغیرہ کے پارسل نہیں بھیجتا، پھر بھی حقیقت یہی ہے کہ رزاق حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ وہی سب کو روزی دینے والا ہے۔ لیکن کس طرح؟ ذرائع اور وسائل سے۔ وہ مسبب الاسباب ہے۔ ایسے اسباب پیدا فرما دیتا ہے کہ ہر مخلوق کو رزق ملا کرتا ہے۔ اسی طرح سایہ کناں میں سایہ کے معنی لینے میں وہ عمدگی اور خوبی نہیں ہے جو حفاظت کے معنی میں ہے اور حفاظت کا معنی اس طرح درست ہے۔ میدان محشر میں حضور اقدس ﷺ اپنے رب کے حضور اپنے گنہگار اور بے عمل امتیوں کی شفاعت فرما کر، ان کے گناہوں کی بخشش دلا کر، ان گناہوں کی سزا کے طور پر دوزخ میں جانے کے عذاب سے حفاظت کر کے جنت میں داخلہ عطا فرمائیں گے۔ حضرت رضا بریلوی نے شعر کے آخر میں لفظ ''آیا'' کا استعمال فرمایا ہے۔ اس لفظ نے شعر کی معنویت میں کافی اضافہ کر دیا ہے۔ جس کی وضاحت کے لئے کئی صفحات درکار ہیں۔ خوف طوالت کے باعث لفظ ''آیا'' کی تشریح نہ کرنے کی معذرت و معافی چاہتے ہوئے صرف اتنا ہی کہنا ہے کہ حضرت رضا بریلوی کی ہر نعت کا ہر شعر اور ہر شعر کا ہر لفظ عشق رسول کا بحر بیکراں ہے۔



(۱۰۵)

قد بے سایہ ظلِ کبریا ہے
تو اس بے سایہ ظل کا ظل ہے یا غوث

حل لغت:

قد: جسم کی لمبائی، قامت، ڈیل، بدن، جسم۔ (فیروز اللغات، ص۹۴۹ ☆ لغات کشوری، ص۵۵۲ ☆ کریم اللغات، ص۱۲۲)
ظل: سایہ، چھاؤں، پناہ، سورج کو چھپانے والا۔ (فیروز اللغات، ص۸۸۵ ☆ لغات کشوری، ص۴۷۶ ☆ کریم اللغات، ص۱۰۷)
ظل اللہ: سایہ خدا کا، اصطلاح میں بادشاہ عادل کو کہتے ہیں، نائب خدا۔ (فیروز اللغات، ص۸۸۵ ☆ لغات کشوری، ص۴۷۷)
کبریا: بزرگی، بزرگ پن، عظمت، غرور، تکبر، خدائی، خدائے تعالیٰ کا ایک صفاتی نام۔
(فیروز اللغات، ص۹۸۶ ☆ لغات کشوری، ص۵۸۱ ☆ کریم اللغات، ص۱۲۷

پہلے مصرع میں وارد لفظ "ظل" کا مطلب "نائب خدا، بادشاہ" ہے۔
دوسرے مصرع میں بعد میں وارد لفظ "ظل" کا مطلب "سایہ" ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان سلطان الاولیاء نائب سلطان الانبیاء غوث اعظم حضرت سید شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی رضی اللہ عنہ کی بارگاہ عالیہ میں نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ اے میرے آقا! آپ کے جدامجد، محبوب احد، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات تو ظل کبریا ہے۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے نائب اعظم اور خلیفۂ اکرم ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو بے مثل و بے مثال پیدا فرمایا ہے۔ آپ کی بے مثالی کی روشن دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے جسم کا سایہ بھی نہ بنایا، تا کہ سایہ کی وجہ سے بھی تمثیل کا امکان نہ رہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم شریف بے سایہ تھا۔ آپ کے جسم اقدس کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا۔ نہ دن میں نہ رات میں، نہ سورج کی روشنی میں، نہ چاند کی چاندنی میں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس بے سایہ جسم کے سایہ کی حیثیت سیدنا سرکار غوث اعظم رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے۔ یعنی جس طرح جسم کا سایہ جسم کا پرتو ہوتا ہے اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات و کمالات اور اسوۂ حسنہ کے سیدنا غوث اعظم مظہر ہیں۔ گویا کہ حضور سیدنا غوث اعظم دستگیر کی کرامات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے پر

ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو کمالات رفیعہ وصفات عالیہ سے نوازا، اور اللہ کے محبوب نے اپنے فرزند غوث اعظم کو نوازا۔ اسی لئے تو حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان بارگاہ غوثیت میں عرض کرتے ہیں کہ ”تو اس بے سایہ ظل کا ظل ہے یا غوث“، یعنی اے میرے آقا، غوث اعظم! آپ اللہ کے محبوب ﷺ کے بے سایہ جسم کا سایہ ہیں۔

صحابۂ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین اور علمائے دین متین اس بات میں بلاشک متفق ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے جسم اقدس کا سایہ نہیں تھا۔ جس کے ثبوت میں ابھی شعر نمبر 104

لو وہ قد بے سایہ، اب سایہ کناں آیا — جلتی تھی زمیں کیسی، تھی دھوپ کڑی کیسی

کی تشریح میں چار احادیث گزریں۔ اب یہاں ملت اسلامیہ کے شہرۂ آفاق ائمہ وعلماء کی معرکۃ الآراء اور معتبر و مستند کتب سے اس مضمون کی مزید وضاحت پیش ہے۔

امام الزماں، قاضی عیاض رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ

”وَ مَا ذُكِرَ مِنْ اَنَّهٗ لَا ظِلَّ لِشَخْصِهٖ فِیْ شَمْسٍ وَ لَا فِیْ قَمَرٍ لِاَنَّهٗ كَانَ نُوْرًا وَ اَنَّ الذُّبَابَ كَانَ لَا يَقَعُ عَلٰى جَسَدِهٖ وَ لَا ثِيَابِهٖ“

ترجمہ: یہ جو ذکر کیا گیا ہے کہ آفتاب و ماہتاب کی روشنی میں حضور ﷺ کے جسم اقدس کا سایہ نہیں پڑتا تھا، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور نور تھے اور آپ کے جسم اور کپڑوں پر مکھی نہیں بیٹھتی تھی۔ (الشفاء، جلد ا، ص ۳۴۲)

صاحب تفسیر جلالین شریف، امام جلال الدین سیوطی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

”لَمْ يَقَعْ ظِلُّهٗ عَلَى الْاَرْضِ وَ لَا يُرٰى لَهٗ ظِلٌّ فِیْ شَمْسٍ وَّ لَا قَمَرٍ قَالَ ابْنُ سَبْعٍ لِاَنَّهٗ كَانَ نُوْرًا قَالَ رَزِيْنٌ: فَغَلَبَهٗ اَنْوَارُهٗ“

ترجمہ: حضور اقدس ﷺ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا اور نہ آفتاب و ماہتاب کی روشنی میں سایہ نظر آتا تھا۔ ابن سبع اس کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور نور تھے۔ رزین نے کہا کہ حضور کا نور سب پر غالب تھا۔ (انموذج اللبیب)

حضرت علامہ شہاب الدین خفاجی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

”مَا جَرَّ بِظِلٍّ اَحْمَدَ فِی الْاَرْضِ كَرَامَةً كَمَا قَدْ قَالُوْا، هٰذَا عَجَبٌ وَ لِمَ بِهٖ مِنْ عَجَبٍ وَّ النَّاسُ بِظِلِّهٖ جَمِيْعًا قَالُوْا، وَ قَدْ نَطَقَ الْقُرْاٰنُ بِاَنَّهُ النُّوْرُ الْمُبِيْنُ وَ كَوْنُهٗ بَشَرًا لَا يُنَافِيْهِ“

ترجمہ: عظمت و احترام کے باعث حضور کے جسم کا سایہ دامن زمین پر رگڑتا ہوا نہیں چلتا تھا۔ حالاں کہ حضور ہی کے سایۂ کرم میں سارے انسان چین کی نیند سوتے ہیں، اس سے حیرت انگیز بات اور کیا ہو سکتی ہے۔ اس امر کی شہادت قرآن دیتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نور مبین ہیں اور حضور کا سایہ نہ ہونا بشر ہونے کے منافی نہیں ہے۔

(نسیم الریاض، مطبوعہ: مصر، جلد ۳، ص ۳۱۹)

امام اجل، علامہ احمد قسطلانی صاحب المواہب قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

''قَالَ لَمْ يَكُنْ لَهُ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ ظِلٌّ فِي شَمْسٍ وَ لَا قَمَرٍ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ عَنِ ابْنِ ذَكْوَانَ وَ قَالَ ابْنُ سَبُعٍ: كَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ نُوْرًا فَكَانَ إِذَا مَشٰى فِي الشَّمْسِ اَوِ الْقَمَرِ لَا يَظْهَرُ لَهُ ظِلٌّ''

ترجمہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کا سایہ نہ سورج کی روشنی میں پڑتا تھا، نہ چاند کی چاندنی میں۔ ابن ذکوان سے یہ حدیث ترمذی نے روایت کی اور ابن سبع اس کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نور تھے۔ اسی لئے دھوپ اور چاندنی میں چلتے تھے تو جسم پاک کا سایہ نہیں پڑتا تھا۔ (المواہب اللدنیہ، جلد ۱، ص ۱۸۰ ☆ زرقانی جلد ۴، ص ۲۲۰)

امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

''وَ مَا يُؤَيِّدُ اَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ صَارَ نُوْرًا اَنَّهُ إِذَا مَشٰى فِي الشَّمْسِ اَوِ الْقَمَرِ لَا يَمُرُّ لَهُ ظِلٌّ لِاَنَّهُ لَا يَظْهَرُ إِلَّا لِكَثِيْفٍ وَ هُوَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ قَدْ خَلَّصَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى مِنْ سَائِرِ الْكَثَافَاتِ الْجِسْمَانِيَّةِ مُيَسَّرَهُ نُوْرًا فَلَا يَظْهَرُ لَهُ ظِلٌّ اَصْلًا''

ترجمہ: اس بات کی تائید میں کہ حضور سراپا نور تھے، اس واقعہ کا اظہار کافی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک جسم کا سایہ نہ دھوپ میں پڑتا تھا، نہ چاندنی میں۔ اس لئے کہ سایہ کثیف چیز کا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے حضور کو تمام جسمانی کثافتوں سے پاک کر کے انھیں نور محض بنا دیا تھا، اسی لئے ان کا سایہ نہیں پڑتا تھا۔ (افضل القریٰ، ص ۶۷)

شیخ محقق حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

''ونبود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم را سایہ نہ در آفتاب و نہ در قمر''

ترجمہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ آفتاب کی روشنی میں پڑتا تھا نہ ماہتاب کی چاندنی میں۔ (مدارج النبوت، فارسی، جلد ۱، ص ۲۱)

حضرت امام ربانی، مجدد الف ثانی، شیخ فاروقی سرہندی فرماتے ہیں:

''او را صلی اللہ علیہ وسلم سایہ نبود در عالم شہادت سایہ ہر شخص از شخص لطیف تر است چوں لطیف تر از وے صلی اللہ علیہ وسلم در عالم نباشد او را سایہ چہ صورت دارد''

ترجمہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عالم شہادت میں ہر چیز سے اس کا سایہ لطیف ہوتا ہے اور حضور اقدس کی شان یہ ہے کہ کائنات میں ان سے زیادہ لطیف کوئی چیز ہے ہی نہیں، پھر حضور کا سایہ کیوں کر پڑتا۔ (مکتوبات امام ربانی، مطبوعہ نولکشور، لکھنؤ، جلد ۳، ص ۱۴۷)

امام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''لَقَدْ نَزَّهَ الرَّحْمٰنُ ظِلَّكَ اَنْ يُّرٰى، عَلَى الْاَرْضِ فَانْطَوٰى لِمَزِيَّةٍ''

ترجمہ: خدائے رحمٰن نے آپ کے سایہ کو زمین پر واقع ہونے سے پاک فرمایا اور پائمالی سے بچنے کے لئے آپ کی عظمت کے سبب اس کو لپیٹ دیا کہ دکھائی نہ دے۔ (سیرت حلبیہ، مطبوعہ: مصر، جلد ۲، ص ۹۴)

مذکورہ اقوال ائمہ دین نے صاف وضاحت کردی کہ بیشک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس کا سایہ نہیں تھا اور یہ آپ کی خصوصیات میں سے تھا۔ علاوہ ازیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم کو بے شمار خصائص سے نوازا تھا اور ان میں علم غیب بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی عطا اور اپنے فضل وکرم سے اپنے محبوب کو جو کچھ گزر گیا، جو ہو رہا، اور جو ہونے والا ہے، اس کا علم عطا فرمایا۔ حضور سیدنا سرکار غوث اعظم رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا اپنے آقا ومولیٰ وجد امجد صلی اللہ علیہ وسلم کے بے سایہ جسم کے سایہ کی حیثیت سے حضور کے معجزات کے مظہر تھے۔ حضور غوث اعظم کی بے شمار کرامتوں میں سے بہت سی کرامات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی مظہر ہیں۔

حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ کتاب بہجۃ الاسرار جو شیخ ابوالحسن نورالدین علی بن یوسف شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے، ان کے اور حضور سیدنا غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے درمیان صرف دو واسطے ہیں۔ وہ حضرت شیخ جلیل القدر ابوالعباس احمد بن شیخ عبداللہ ازہری حسینی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے فرمایا کہ میں حضور سیدنا محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی مجلس شریف میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ کی مجلس مبارک میں دس ہزار لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور شیخ علی بن ہیتی غوث اعظم کے بالکل سامنے مواجہہ میں تھے۔ اس لئے کہ ان کے بیٹھنے کی جگہ یہی مقرر تھی۔ انھیں غنودگی نے گھیر لیا۔ اس وقت حضور غوث پاک نے فرمایا کہ خاموش ہو جاؤ۔ چنانچہ تمام لوگ خاموش ہو گئے اور ان کے سانسوں کی آواز کے سوا کوئی دوسری آواز سنائی نہ دیتی تھی، پھر حضور غوث اعظم منبر سے اترے اور حضرت شیخ ہیتی کے سامنے باادب دست بستہ کھڑے ہو گئے اور خوب غور سے ان کی طرف دیکھنے لگے۔ پھر جب شیخ علی ہیتی نیند سے بیدار ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ اے شیخ! کیا تم نے خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ ہاں۔ حضرت غوث پاک نے فرمایا کہ میں اسی وجہ سے ادب بجالایا تھا اور فرمایا کہ حضور نے تمھیں کیا نصیحت فرمائی ہے۔ انھوں نے کہا مجھے آپ کی خدمت میں حاضر رہنے کا حکم فرمایا ہے۔ اس وقت شیخ علی ہیتی نے لوگوں سے فرمایا کہ میں نے جو کچھ خواب میں دیکھا حضور غوث اعظم نے اسے حالت بیداری میں دیکھ لیا۔ اس وقت اہل مجلس سے سات آدمی خوف وخشیت الٰہی سے فوت ہو گئے۔ (مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد۱، ص۲۴۴)

اس واقعہ کے مثل کئی واقعات آپ کی سوانح حیات میں موجود ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے مظہر ہیں اسی لئے حضرت رضا عرض کرتے ہیں:

مصطفیٰ کے تن بے سایہ کا سایہ دیکھا — جس نے دیکھا میری جاں جلوۂ زیبا تیرا



(۱۴۶)

سببِ ہر سبب منتہائے طلب
علتِ جملہ علت پہ لاکھوں سلام

حل لغت:

سبب: وجہ، باعث، موجب، واسطے، لئے، کارن، حجت، دلیل، ذریعہ، وسیلہ، واسطہ، وہ جو دو چیزوں کو ملائے، پیوند، جوڑ، وہ چیز جس سے دوسری چیز کا وجود حاصل ہو۔ (فیروز اللغات، ص۷۷۳☆لغات کشوری ۳۶۵☆کریم اللغات، ص۸۳)

منتہٰی: انتہا کیا گیا، انتہا کو پہنچا ہوا، انجام کو پہنچا ہوا، پورا، کامل، تمام، مکمل، نتیجہ، انجام، ثمرہ، پھل، حاصل۔

(فیروز اللغات، ص۱۲۹۱☆لغات کشوری، ص۷۴۳☆کریم اللغات، ص۱۶۹)

طلب: مانگ، خواہش، آرزو، لت، دھت، جستجو، تلاش، بلاوا، طلبی، تنخواہ، مشاہرہ، وہ چیز جو مانگی جائے، مانگنا۔

(فیروز اللغات، ص۸۷۹☆لغات کشوری، ص۴۷۰☆کریم اللغات، ص۱۰۶)

علت: حاصل، ماحصل، مقصود، اصلی، سبب، باعث، وجہ، فائدہ، پھل، بیماری، روگ، دکھ، عادت بد، لت، عیب، نقص، خراب اور ناکارہ چیز، جھگڑا، بکھیرا، الزام، بہتان، کوڑا کرکٹ، خس و خاشاک۔

(فیروز اللغات، ص۹۰۱☆لغات کشوری، ص۴۹۹☆کریم اللغات، ص۱۱۱)

جملہ: تمام، سب، کل، حکموں کا مجموعہ، فقرہ، حصہ، کلام، فقرہ جو مطلب ادا کرے، جملہ کی مشہور قسمیں مثلاً: جملہ انشائیہ، جملہ خبریہ، جملہ شرطیہ وغیرہ۔ (فیروز اللغات، ص۴۷۲☆لغات کشوری، ص۲۰۰)

پہلے مصرع میں پہلے لفظ ''سبب'' کا مطلب ''باعث'' ہے۔
پہلے مصرع میں دوسرے لفظ ''سبب'' کا مطلب ''مقصود اصلی'' ہے۔
دوسرے مصرع میں پہلے لفظ ''علت'' کا مطلب ''باعث'' ہے۔
دوسرے مصرع میں دوسرے لفظ ''علت'' کا مطلب ''حاصل، ماحصل'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی نے اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رحمت، ہر خلق کے وجود کا باعث ہونے کی شان اور اس کائنات کے لئے آپ کی ذات ہی مقصود اصلی ہے، کا بیان کیا ہے۔ حالاں کہ یہ موضوع اتنا وسیع اور

دقیق ہے کہ اس کو بیان کرتے وقت سخت احتیاط درکار ہے۔ عبد و معبود اور خالق و مخلوق کا جوہری فرق سامنے رکھ کر ہی حضور کی شان رفیع کو بیان کیا جاسکتا ہے۔ ورنہ ذرا سی بے احتیاطی اور بے جا غلو اپنا کر آپ کو عبدیت کے مرتبہ سے نکال کر الوہیت کی منزل میں داخل کردیا گیا۔ تو یہ کھلم کھلا شرک ہے، اور اگر آپ کو صرف عام بندوں کی طرح شمار کر کے محبوبیت کی منزل سے خارج کردیا گیا تو یہ صراحتاً تنقیص رسالت اور کفر ہے۔ اب اس مقام نازک پر امام عشق و محبت کا عبدیت اور محبوبیت کے مقام کو اس کی شان اور منزل میں برقرار رکھ کر صرف ایک شعر میں اس معنی کو حسن اسلوبی سے بیان کردینا یہ حضرت رضا کا ہی خاصہ ہے، ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ شعر کا لغوی اعتبار سے ظاہری معنی یہ ہے کہ لاکھوں سلام ہو، اس مقدس ذات پر جو باعث تخلیق کائنات ہیں اور کائنات کی ہر شئے کے لئے مقصود اصلی بلکہ خالق کائنات کے بھی مطلوب اصلی ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انھیں تمام علتوں کے لئے علت بنایا ہے۔

اس شعر میں لفظ سبب اور لفظ علت کا دو دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ پہلے مصرع میں دو مرتبہ لفظ ''سبب'' ہے اور دونوں کے معنی جدا ہیں۔ پہلی مرتبہ جو لفظ سبب ہے اس کا مطلب باعث ہے اور دوسری مرتبہ جو لفظ سبب ہے اس کا مطلب مقصود اصلی ہے۔ دوسرے مصرع میں پہلی مرتبہ جو لفظ علت ہے اس کا معنی بھی باعث، وجہ ہے اور دوسرے مصرع میں دوسری مرتبہ جو لفظ علت ہے اس کا مطلب ہے ماحصل دونوں لفظ علت اور سبب اسم ہیں۔ اس شعر میں فن ادب کے اعتبار سے دو تجنیس کامل ہیں اور دونوں تجنیسات مماثل ہیں۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے منتہائے طلب کا استعمال کر کے انگوٹھی میں نگینہ کی جگہ چاند اور سورج جڑ دیا ہے۔ منتہائے طلب اس آخری سرے کو کہتے ہیں جہاں حد پوری ہوتی ہے۔ اس سے آگے جانے کی گنجائش اور امکان نہیں۔ اور یقیناً حضور اقدس ﷺ کی ذات گرامی ایسی ہے کہ آپ کو پالینے کے بعد اب کچھ بھی طلب کی تمنا نہیں ہوتی۔ بقول شاعر:

سب کچھ خدا سے مانگ لیا تجھ کو مانگ کر

اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جس نے آپ کو پالیا اس نے خدا کو بھی پالیا اور خدا کو پالینے کے بعد اب بھلا کیا پانے کی حاجت وخواہش ہوگی؟ طلب کی انتہائی حد آجاتی ہے، بلکہ اب طلب ہی فنا ہوجاتی ہے۔ جیسا کہ اگلے صفحات میں عرض کیا گیا ہے کہ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے کلام کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ آپ کے کلام کے ہر لفظ کا ماٰخذ قرآن وحدیث ہوتے ہیں۔ آپ ہر بات قرآن وحدیث کی روشنی میں ہی فرماتے ہیں اور اس سے سرمو تجاوز نہیں کرتے۔

یہ امر مسلم ہے کہ کائنات کی ہر شئے کا وجود واسطے سے ہے۔ کوئی بھی شئ بلا واسطہ پیدا نہیں کی گئی، سوائے نور محمدی ﷺ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو بلا کسی واسطے کے اپنے نور سے پیدا فرمایا ہے۔

حدیث میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

''يَا جَابِرُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى خَلَقَ قَبْلَ كُلِّ اَشْيَاءٍ نُوْرَ نَبِيِّكَ مِنْ نُوْرِهٖ''

یعنی اے جابر! اللہ تعالیٰ نے تیرے نبی کے نور کو سب سے پہلے اپنے نور سے پیدا فرمایا۔ (مشکوۃ وغیرہ)

تمام کائنات کہ جس میں عرش وکرسی، لوح وقلم، جنت سب شامل ہیں ان تمام کے وجود کا سبب حضور اقدس ﷺ ہیں۔
حدیث میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ہے کہ

''اَنَا مِنْ نُّوْرِ اللّٰہِ وَ کُلٌّ مِنْ نُّوْرِیْ''

یعنی میں اللہ کے نور سے ہوں اور سب میرے نور سے ہیں۔ (مشکوٰۃ)

حضرت علامہ ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری فرماتے ہیں: ''اور یہ مسلم حقیقت ہے کہ آپ کا ظہور نہ ہوتا تو یہ افلاک و املاک کبھی بھی نہ ہوتے۔ پس آپ کی ذات اس رحمت الٰہی کا کامل مظہر ہے، جو ہر اس چیز کو محیط ہے جو اپنی ایجاد و تخلیق اور ظہور و وجود میں آپ کی محتاج ہے۔'' (شرح الشفا، جلد ا، ص ۳۸)

المختصر! حضور اقدس ﷺ کی ذات مقدسہ تمام کائنات کے وجود کا سبب ہے۔ بلکہ ایک روایت میں تو یہاں تک ہے کہ:
حضرت علامہ عمر بن احمد خرپوتی واقعہ معراج کے تحت بیان فرماتے ہیں کہ جب معراج کی شب حضور اقدس ﷺ سدرۃ المنتہیٰ پر بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز ہوئے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ اے حبیب!

''اَنَا وَ اَنْتَ وَ مَا سِوَا ذَالِكَ خَلَقْتُهٗ لِاَجْلِكَ''

ترجمہ: میں تیرا اور تو میرا مقصود ہے، باقی سب کچھ تمہارے لئے پیدا کیا ہے۔
اس ارشاد پاک پر حضور اقدس حبیب خدا ﷺ نے بارگاہ خداوندی میں عرض کی:

''اَنَا وَ اَنْتَ وَ مَا سِوَا ذَالِكَ تَرَكْتُهٗ لِاَجْلِكَ۔''

ترجمہ: میں تیرا ہوں، تو میرا ہے، باقی سب تیرے نام پر نثار کرتا ہوں۔ (عصیدۃ الشہدۃ، ص ۷۱)

بلکہ اللہ تعالیٰ کا ایک ارشاد جو حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب کریم ﷺ سے ارشاد فرمایا:

''لَوْلَاكَ لَمَا اَظْهَرْتُ الرَّبُوْبِيَّةَ''

یعنی اگر آپ کو پیدا نہ کرتا تو میں اپنے رب ہونے کا اظہار نہ کرتا۔
مذکورہ حدیث قدسی کے الفاظ کو ایک مرتبہ نہیں بلکہ کئی مرتبہ پڑھیں اور غور فرمائیں کہ رب کریم اپنے محبوب اعظم سے کس درجہ محبت فرما رہا ہے۔ اس محبت کا ہی صدقہ ہے کہ تمام کائنات وجود میں آئی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مختلف انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کمالات و مقامات کا ذکر کر رہے تھے کہ حضرت آدم صفی اللہ ہیں، حضرت موسیٰ کلیم اللہ ہیں، حضرت عیسیٰ روح اللہ ہیں، یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو یہ سب حق ہے، لیکن میرے بارے میں سنو:

''اَلَا وَ اَنَا حَبِيْبُ اللّٰهِ''

یعنی میں اللہ کا حبیب ہوں۔
محقق علی الاطلاق، حجۃ اللہ فی الارض، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ تمام مخلوق

محمد عربی ﷺ کی روح طیبہ کے صدقے میں پیدا ہوئی ہے۔ اگر روح محمدی نہ ہوتی تو کسی کو بھی اللہ کی معرفت نصیب نہ ہوتی، کیوں کہ کسی کا وجود ہی نہ ہوتا، اس سے واضح ہو گیا کہ پہلا واسطہ موجودات کی تخلیق کا محبت ہے۔

(مدارج النبوۃ، جلد۲، ص ۶۱۷)

شیخ مہائمی فرماتے ہیں کہ اے صاحب فہم و دانش! اللہ تعالیٰ نے ہمیں آگاہ فرمادیا ہے کہ اس نے اپنی کل مخلوقات میں جو چیز سب سے پہلے پیدا کی وہ حضرت محمد ﷺ کا نور مبارک ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس نور کے ایک حصہ سے عرش تا فرش تمام مخلوقات کو پیدا فرمایا، لہٰذا عدم سے مشاہدہ کی طرف حضرت محمد ﷺ کا وجود تمام مخلوقات کے لئے رحمت ہے، کیوں کہ مصدر خلائق وہی ہے سب کا صدور وظہور انہیں کے نور سے ہے۔ لہٰذا ان کا ہونا مخلوق کا ہونا ہے اور ان کا موجود ہونا وجود خلق کا سبب ہے اور ان کا وجود مبارک جمیع خلائق پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سبب ہے۔ اس لئے کہ سب وجود کا سبب وہی ہے۔

(عرائس البیان، جلد۲، ص ۵۳)

امام عبد الکریم الجیلی فرماتے ہیں کہ اور اسی حقیقت محمد یہ کے سبب تمام حقائق اشیاء پر کرم ہوا تو وہ اپنے اپنے مرتبۂ وجود میں ظاہر ہوئیں۔ (جواہر البحار، جلد ۱، ص ۲۴۵)

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ کے شعر میں استعمال شدہ جملے ''سبب ہر سبب'' اور ''علت جملہ علت'' نے سب کچھ کہہ دیا کہ یہ وہی ذات گرامی ہے کہ اگر یہ نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ اپنی ربوبیت کا بھی اظہار نہ فرماتا۔ اگر یہ نہ ہوتی تو مخلوق کا وجود ہی نہ ہوتا، اور جب مخلوق کا وجود ہی نہ ہوتا تو کوئی کام اور کسی قسم کے طلب کے وجود کا بھی امکان نہ ہوتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو سبب بنایا اور اسی سبب کے سبب، سب کا وجود ہوا، تخلیق کائنات کے لئے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کے لئے وہی وسیلہ بنے اور اسی علت کے طفیل تمام علت کا حصول ہوا اور وہ حصول بھی ایسا کہ ''منتہائے طلب'' یعنی طلب کی بھی انتہا آجائے، یہ سب کچھ ایک ذات گرامی کی برکت و رحمت اور اسی کا طفیل ہے اور اگر وہ نہ ہوتے تو کچھ ہونا ہی نہ ہوتا۔ ایک نعت میں حضرت رضا اس حقیقت کو اس طرح فرماتے ہیں:

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا، وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو　　　جان ہیں وہ جہان کی، جان ہے تو جہان ہے



(۱۰۷)

گود میں عالم شباب حال شباب کچھ نہ پوچھ
گلبن باغ نور کی اور ہی کچھ اٹھان ہے

حل لغت:

گود: آغوش، پہلو، کنار۔(فیروز اللغات، ص۱۱۱۲)

عالم: دنیا، زمانہ، جہان، دنیا کے لوگ، مخلوق، قسم، جنس، حالت، صورت، درجہ، طریقہ، ڈھنگ، چال، لفظ، مزہ، حسن، رونق، مانند، ماسوا اللہ۔(فیروز اللغات، ص۸۸۸☆لغات کشوری، ص۴۸۰☆کریم اللغات، ص۱۰۸)

شباب: جوانی، شروع، آغاز، جوان، گرو، ابتداء، عروج کا زمانہ، ایک پردہ موسیقی کا نام۔

(فیروز اللغات، ص۸۳۶☆لغات کشوری، ص۴۱۱☆کریم اللغات، ص۹۶)

گلبن: گلاب کا پودا، گلاب کے پودے کی جڑیں، گلاب کا درخت، کسی درخت کا وہ حصہ جو زمین کے ساتھ لگا ہو۔

(فیروز اللغات، ص۱۱۰۰☆لغات کشوری، ص۶۱۸☆کریم اللغات، ص۱۳۴)

باغ: گلزار، پھلواری، چمن، جہاں بہت سے درخت لگائے جائیں۔مجازاً آل اولاد، بال بچے، نعمت، سکندر نامہ میں مراد ہے فیلقوس، اسکندر کے باپ سے۔(فیروز اللغات، ص۱۶۹☆لغات کشوری، ص۸۱)

اٹھان: اٹھنا، اٹھنے کی حالت، شروع، آغاز، ابھار، بالیدگی۔(فیروز اللغات، ص۶۶)

پہلے مصرع میں شروع والے لفظ ''شباب'' کا مطلب ''عروج'' ہے۔

پہلے مصرع میں بعد والے لفظ ''شباب'' کا مطلب ''جوانی'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان حضور اقدس رحمت عالم ﷺ کے عہد طفلی کا ذکر فرما رہے ہیں۔ پہلے مصرع میں لفظ ''شباب'' کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔لفظ ''شباب'' دونوں مرتبہ بحیثیت اسم ہے، لیکن دونوں مرتبہ الگ الگ معنوں میں مستعمل ہے۔لہٰذا یہ شعر تجنیس کامل مماثل کی صفت سے ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ میرے آقا ومولیٰ ﷺ کی وہ شان رفیع ہے کہ گود میں یعنی حالت طفلی میں آپ کی صلاحیتوں کا وہ عالم تھا کہ ایسی صلاحیتیں عام طور پر انسانوں میں شاذ ونادر ہوتی ہیں۔ جب میرے آقا ومولیٰ

ﷺ کے عہد طفلی کا یہ عالم ہے تو پھر حال شباب یعنی عہد جوانی کا کیا کہنا؟ حال شباب کی کیفیت مت پوچھو! کیوں کہ اس نورانی کیفیت کا حال ہم کما حقہ بیان نہیں کر سکتے۔ ہماری زبانیں اور ہمارے اقلام اس حالت نوری شباب کی کیفیت کامل طور پر بیان کرنے اور تحریر کرنے سے قاصر ہیں کیوں کہ میرے آقا و مولیٰ ﷺ کی مقدس ذات گرامی گلبن باغ نور یعنی باغ نور کے گلاب کا پودا ہے۔ اور اس کی اٹھان کچھ اور ہی ہے۔ عام انسانوں کی طرح نہیں بلکہ نوری بشر کی انوکھی بالیدگی ہے۔

یہ تو ہوا حضرت رضا بریلوی کے شعر کا ظاہری معنی۔ اب اس شعر میں پوشیدہ اسرار و رموز کی طرف التفات کریں۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے شعر کی ابتداء لفظ گود سے کی ہے یعنی جب آپ گود میں تھے۔ اور عام طور پر گود میں چھوٹا بچہ ہوتا ہے، لیکن حضور اقدس ﷺ عام بچوں کی طرح گود میں نہیں تھے، بلکہ ایک نرالی شان سے تھے۔ پہلے یہ دیکھیں کہ آپ کس کی گود میں تھے؟ عرب کا دستور تھا کہ اعلیٰ خاندان میں پیدا ہونے والے بچوں کو کسی مرضعہ (دایہ) یعنی دودھ پلانے والی عورت کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔ وہ دایہ اس بچے کو اپنے گھر لے جاتی اور اجرت پر اس کی پرورش ایک زمانہ تک کرتی اور پھر بعد میں اس بچہ کو اس کے والدین کو لوٹا دیتی۔ پرورش کی خدمت کا دایہ کو بچے کے والدین کی طرف سے مناسب معاوضہ دیا جاتا تھا، اور اسی معاوضہ کی رقم سے اس کا گزر بسر ہوتا تھا۔ بہت سی عورتیں دایہ گیری کرتی تھیں اور وہی پیشہ ان کا ذریعۂ معاش تھا۔ دایہ کا پیشہ اکثر و بیشتر دیہات میں رہنے والی عورتیں کرتی تھیں۔ یہ عورتیں گروہ در گروہ شہروں میں جاتیں اور اچھے سے اچھے گھرانے کا بچہ تلاش کر کے معاوضہ طے کر کے لے آتیں۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں چند عورتوں کے ساتھ خاندان قریش کا بچہ لانے کے لئے مکہ معظمہ آئی۔ وہ سال سخت قحط کا تھا۔ لوگ بے حال تھے۔ میرے پستانوں میں اتنا دودھ بھی نہ تھا کہ میں اپنے بیٹے حضرت حمزہ کو بھی سیراب کر سکوں۔ حضرت حمزہ تشنگی کی وجہ سے روتے اور رات بھر میں سو نہیں سکتی تھی۔ میرے ساتھ میرا بیٹا اور میرے شوہر ابو ذویب، ایک اونٹنی اور ایک دراز گوش تھا، لیکن قحط سالی کی وجہ سے وہ اونٹنی بھی دودھ نہیں دیتی تھی۔ میرے ساتھ والی تمام عورتوں کو اونچے گھرانوں کے بچے مل گئے۔ ان عورتوں نے حضور ﷺ کو اس لئے نہیں لیا کہ آپ کے والد ماجد حضرت عبد اللہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تھا اور دایہ کو رضاعت کی خدمت کا بدلہ چکانے کے لئے باپ کا موجود ہونا ضروری تھا۔ مجھے کوئی بچہ نہ ملا اور مجھے بغیر کسی بچے کے واپس جانے میں شرم محسوس ہوئی۔ میں حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچ گئی۔ میں نے جب حضور اقدس ﷺ کو دیکھا تو آپ سبز کپڑے پر لیٹے ہوئے تھے، آپ کے جسم اقدس سے مشک کی خوشبو آ رہی تھی، میں نے آگے بڑھ کر آپ کا چہرۂ انور چوم لیا۔ آپ نے آنکھیں کھولیں تو میں نے دیکھا کہ حضور کی آنکھوں سے ایک نور عرش عظیم کی طرف گیا۔ پھر میں نے آپ کو اٹھا لیا اور اپنا دایاں پستان حضور کے دہن اقدس میں دیا، آپ نے سیر ہو کر دودھ پیا۔ پھر میں نے اپنا بایاں پستان دیا تو آپ نے اس سے نہ پیا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو بذریعہ الہام عدل و انصاف کرنے کی ہدایت فرمائی تھی کہ دوسرے پستان میں آپ کے ایک ساتھی کا حصہ ہے، اسی لئے آپ نے بائیں پستان سے دودھ نہیں پیا۔ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ہمیشہ دایاں

پستان حضور کو اور بایاں اپنے بیٹے حمزہ کو دیتی تھی۔ (شواہد النبوۃ، اردو ترجمہ، ص ۷۳ ☆ خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۱۳۸)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بایاں پستان ترک فرمایا اور اس سے دودھ نوش نہیں فرمایا، اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے علمائے ملت اسلامیہ نے تصریح فرمائی ہے کہ یہ اعراض وانکار عدل وانصاف کا تقاضا پورا کرنے کے لئے تھا۔

"لِاَنَّهٗ عَلِمَ اَنَّ لَهٗ شَرِيْكًا فِي الرَّضَاعَةِ"

یعنی آپ کو اس بات کا علم تھا کہ میرے ساتھ دودھ پینے میں دوسرا بھائی بھی شریک ہے۔

(سبل الہدیٰ والرشاد، جلد ۱، ص ۳۷۷)

عدل وانصاف کا تقاضا کیا ہے؟ وہ ایک عام بچہ نہیں جانتا اور وہ بھی اتنا چھوٹا بچہ جو ابھی شیر خوار ہو، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عام بچوں کی طرح نہیں تھے۔ بلکہ آپ نے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے بائیں پستان سے اعراض فرما کر عملی طور پر واضح فرما دیا کہ میں کسی کا حق لینے نہیں بلکہ دینے اور دلانے کے لئے ہوں۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دو ماہ کے ہوئے تو لڑکوں کی طرح سرین کے بل چلنے لگے۔ جب پانچ ماہ کی عمر شریف ہوئی تو اٹھ کر پاؤں پر آہستہ آہستہ چلنے لگے۔ جب چھ ماہ کی عمر شریف ہوئی تو تیز تیز چلنے لگے۔ اور عمر شریف جب سات ماہ کی ہوئی تو آپ جدھر چاہتے خوشی سے چلے جاتے۔ عمر شریف جب نو ماہ کی ہوئی تو فصیح گفتگو فرمانے لگے۔ دس ماہ کی عمر شریف میں تو لڑکوں کے ساتھ تیر اندازی فرمانے لگے صلی اللہ علیہ وسلم۔

(شواہد النبوۃ، از: علامہ نور الدین جامی، اردو ترجمہ، ص ۵۷)

بیہقی، ابن عساکر، صابونی اور خطیب نے حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ انھوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! آپ کی نبوت کی نشانیوں نے مجھے آپ کے دین میں داخل ہونے کی دعوت دی تھی۔ میں نے دیکھا کہ آپ گہوارے میں چاند سے باتیں کرتے اور اپنی انگلی سے اس کی طرف اشارہ کرتے اور جس طرف اشارہ فرماتے چاند ادھر جھک جاتا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں چاند سے باتیں کرتا تھا اور چاند مجھ سے باتیں کرتا تھا، اور مجھے رُلائی میں بہلاتا تھا اور عرش الٰہی کے نیچے سجدہ کرتے وقت اس کی تسبیح کرنے کی آواز میں سنا کرتا ہوں۔

(خصائص کبریٰ، از: علامہ جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۱۳۷ ☆ شواہد النبوۃ، از: علامہ نور الدین جامی، اردو ترجمہ، ص ۸۰)

اسی معجزہ کا ذکر حضرت رضا بریلوی نے اس طرح کیا ہے:

چاند جھک جاتا جدھر انگلی اٹھاتے مہد میں ۔۔۔ کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف بارہ سال کی ہوئی تو آپ اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ ملک شام کے سفر پر گئے۔ شام کے ایک قصبہ جسے بصریٰ کہتے ہیں۔ وہاں بحیرہ نامی ایک راہب رہتا تھا جو علم وفضل میں ممتاز حیثیت کا مالک تھا۔ قافلے عموماً اس کے پاس سے گزرتے تھے، لیکن وہ کسی کی طرف التفات نہیں کرتا تھا۔ لیکن جب یہ قافلہ وہاں پہنچا تو بحیرہ راہب نے دیکھا کہ اس قافلہ میں ایک ایسی ہستی ہے جس پر سفید بادل سایہ فگن ہے اور وہ ہستی جدھر جاتی ہے وہ بادل بھی ساتھ

ساتھ جاتا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر بحیرہ راہب نے اہل قافلہ کی دعوت کی۔ اہل قافلہ کھانے سے فارغ ہوئے تو بحیرہ راہب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آیا اور کہنے لگا: اے لڑکے! تجھے قسم ہے لات وعزیٰ کی، جو پوچھوں گا سچ بتایئے گا۔ قسم کھانے میں بحیرہ راہب نے قریش کی تقلید کی تھی، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دیکھو مجھے لات وعزیٰ کی قسم نہ دو، کیوں کہ میرے نزدیک لات وعزیٰ سے بڑھ کر کوئی چیز قابل قہر وغضب نہیں۔ راہب نے کہا: اچھا بچے خدا کی قسم، جو پوچھوں گا سچ بتاؤ گے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو چاہو پوچھو۔ بحیرہ راہب نے اپنے خواب، حالت بیداری اور دیگر احوال وواقعات کے متعلق پوچھا۔ حضور نے اس کے تمام سوالات کے شافی وکافی جوابات عنایت فرمائے۔ بحیرہ آپ کی فصیح وبلیغ گفتگو سے نہایت متاثر ہوا اور نبی آخر الزماں کے صفات وعلامات جو اس نے کتب سابقہ میں پڑھے تھے، وہ سارے صفات آپ میں موجود پائے۔ (شواہد النبوۃ، ص ۸۷)

حضور اقدس عالم ماکان ومایکون صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ طفلی کے ایسے بے شمار واقعات کتب احادیث اور کتب سیر وتاریخ میں موجود ہیں۔ ان تمام واقعات کا تفصیلی تذکرہ یہاں ممکن نہیں۔ الحاصل! زمانۂ طفلی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی استعداد وصلاحیت کا وہ عالم تھا کہ بڑے سے بڑا عالم وفاضل آپ کے سامنے طفل مکتب کی بھی حیثیت نہ رکھتا تھا۔ اسی کا ذکر حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے اس شعر میں کیا ہے کہ میرے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صلاحیتوں کا جب عہد طفلی میں یہ عالم ہے تو ایام جوانی کے عالم کا کیا کہنا؟ دوسرے مصرع میں وضاحت کرتے ہیں:

گلبن باغ نور کی اور ہی کچھ اٹھان ہے

اس مصرع میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے گلبن باغ نور کا جملہ استعمال فرمایا۔ اس ایک جملہ میں حضرت رضا نے بہت کچھ فرما دیا ہے۔ جس کی وضاحت حسب ذیل ہے۔

ایک تو ہوتا ہے باغ اور دوسرا ہوتا ہے گلبن۔ باغ اور گلبن کے معنی قریب قریب ایک ہی ہیں، لیکن پھر بھی بہت فرق ہے۔ گلبن مشتق ہے گل اور بن سے، گل یعنی پھول اور بن یعنی جنگل۔ تو اب گلبن کے معنی ہوئے پھولوں کا جنگل۔ یعنی باغ، کیوں کہ باغ میں بھی بے شمار پھول ہوتے ہیں۔ جس طرح جنگل میں بے شمار درخت ہوتے ہیں۔ تو بظاہر باغ اور گلبن کے معنی ایک ہی ہوئے، لیکن لغوی اعتبار سے باغ اور گلبن میں فرق ہے۔ باغ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں بہت سے اقسام کے پھول ہوں۔ گلبن اس جگہ کو کہتے ہیں یا اس درخت کو کہتے ہیں جس میں صرف گلاب کے پھول ہوں۔ باغ میں بھی گلبن ہوتا ہے اور دیگر پھول بھی ہوتے ہیں۔ مگر پورے باغ میں گلبن کا حصہ ایک مخصوص اہمیت رکھتا ہے، کیوں کہ گلبن میں صرف گلاب کے پھول ہی ہوتے ہیں۔ اگر آپ کو باغ کی سیر وتفریح کا اتفاق ہوا ہو تو آپ نے دیکھا ہوگا کہ باغ میں گل رعنا، گل سوسن، گل لالہ، گل نیلوفر، گل یاسمین، گل سمن، گل سنبل، گل نسترن وغیرہ کئی قسم کے پھول ہوتے ہیں۔ لیکن گلاب کے پھول کی شان ہی نرالی ہے۔ گلاب کو پھولوں کے بادشاہ کی حیثیت حاصل ہے۔ باغ میں چاہے کتنے ہی قسم کے پھول کیوں نہ ہوں، لیکن اگر گلاب کا پھول نہیں تو اس باغ کا حسن ادھورا اور اس کی رونق ناقص ہے۔ علاوہ ازیں باغ میں سیر وتفریح کے

لئے جانے والے کو دیگر پھول اپنی طرف مائل کرتے ہیں، لیکن گلاب کے پھول میں تسخیر کا جو مادہ ہے وہ دیگر پھولوں میں نہیں۔ اگر کسی باغ کے ایک کونے کو گلبن کی حیثیت دے دی جائے تو باغ میں آنے والا چاہے دیگر پھولوں کو دیکھے یا نہ دیکھے، لیکن گلبن کو تو ضرور دیکھے گا۔ اور اس نے اگر گلبن کی سیر نہیں کی تو اس کی باغ کی سیر کا کوئی مطلب ہی نہیں۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ اس شعر کے دوسرے مصرع میں بند لفظوں میں یہ فرمارہے ہیں کہ حضرت آدم سے حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام تک جتنے بھی انبیاء ومرسلین ہیں وہ تمام باغ نور کے یقیناً شاداب پھول ہیں۔ ان کی پاکیزہ مہک نے اپنے اپنے زمانے کی فضا کو ایمانی خوشبوؤں سے معطر کردیا۔ باغ رسالت ونبوت کے ان تمام اولوالعزم پھولوں کی ایمانی شادابی، روحانی مہک اور ایمانی خوشبو وخوبصورتی مسلم ہے، لیکن ہمارے آقا ومولیٰ ﷺ کو ان تمام حضرات پر وہ فضیلت حاصل ہے جیسی گلاب کو دیگر پھولوں پر۔ گلاب اگر تمام پھولوں کا بادشاہ ہے تو میرے آقا ومولیٰ ﷺ تمام انبیاء ومرسلین کے بھی آقا ومولیٰ ہیں۔ اگر باغ کی سیر کو جانے والا دیگر پھولوں کو دیکھے اور گلاب کو ملاحظہ نہ کرے تو اس کا باغ میں جانا بے سود ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص تمام انبیاء کرام کو جانے اور مانے لیکن سید الانبیاء والمرسلین کو نہ مانے تو اس کا ایمان بے سود ہے۔ اسی لئے تو تمام انبیاء کرام نے اپنے اپنے دور میں اپنے امتیوں کے سامنے سید المرسلین ﷺ کے گن گائے، آپ کے اوصاف ومراتب بیان فرمائے، آپ کی آمد کا مژدہ سنایا اور آپ پر ایمان لانے کی تلقین وہدایت فرمائی۔ تمام انبیائے کرام نے اللہ تبارک وتعالیٰ کو اس محبوب رب العالمین، سید المرسلین پر ایمان لانے اور آپ کی نصرت کرنے کا وعدہ دیا تھا۔

قرآن مجید، پارہ نمبر ۳، سورۃ آل عمران، آیت نمبر ۸۱ ''وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ'' میں اس کا تذکرہ ہے جو اس کتاب کے شعر نمبر ایک کی تشریح میں مذکور ہے۔ علاوہ ازیں دوسرے مصرع میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے ''اور ہی کچھ اٹھان ہے'' کا جملہ لکھ کر انبیائے سابقین اور سید الانبیاء کے دین کی نشر واشاعت کا موازنہ کیا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے نوسو پچاس سال کی عمر پائی، لیکن ایک محدود حلقہ تک ان کا دین پھیلا، آپ پر ایمان لانے والوں کی تعداد اتنی کم تھی کہ طوفان نوح سے محفوظ رہنے کے لئے حضرت نوح علیہ السلام نے جو کشتی بنائی تھی اس کشتی میں تمام ایمان والے سماگئے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے اور آپ کی مدد کرنے والے حواریوں کی تعداد بھی بہت محدود تھی۔ اسی طرح دیگر انبیاء سابقین کے دین ایک قوم، یا گروہ، یا حلقہ تک محدود تھے۔ انبیائے سابقین علیہم وعلیٰ سیدہم الصلوٰۃ والسلام نے اعلاء کلمۃ الحق میں سعی بلیغ فرمائی لیکن پھر بھی ان کا دین محدود رہا، لیکن سید الانبیائے والمرسلین کی ظاہری نبوت کے صرف تئیس (۲۳) سال میں اسلام جزیرۂ عرب کی سرحدوں کو عبور کرکے دنیا کے گوشے گوشے تک پھیل گیا۔

قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جو واقعہ مذکور ہے، اس میں آپ نے اپنی قوم کو بت پرستی سے روکنے کی تحریک چلائی، لیکن قوم پھر بھی باز نہ آئی۔ ایک دن کسی تقریب کے سلسلے میں پوری قوم شہر سے باہر میلے کی شکل میں جمع ہوئی۔ اس موقع کا فائدہ اٹھا کر حضرت ابراہیم علیہ السلام بت کدہ میں تشریف لے گئے اور جو سب سے بڑا بت تھا، اس کو اپنے مبارک ہاتھوں

سے توڑ دیا۔ میلے سے واپسی پر قوم نے اپنے صنم اکبر یعنی بڑے بت کی خستہ حالت دیکھی تو انھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر شک کیا اور آپ سے دریافت کیا کہ ہمارے معبود کے ساتھ یہ حرکت آپ نے کی ہے؟ جواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم اپنے معبود سے ہی پوچھ لو کہ اس کے ساتھ یہ حرکت کس نے کی ہے؟ لیکن وہ بت کچھ نہ بولا۔

الحاصل! بت کو توڑنے کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہاتھ میں تیشہ اٹھانے کی زحمت گوارا کرنی پڑی۔ پھر بھی وہ بت کچھ نہ بول سکا۔ لیکن ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اعجاز ہے کہ آپ کی ولادت کی شب میں تمام دنیا کے بت اوندھے گر گئے اور بعض بتوں نے بحکم خدا کلام بھی کیا۔

خرائطی نے ''الہواتف'' میں اور ابن عساکر نے عروہ سے روایت کی کہ ایک جماعت قریش جس میں ورقہ بن نوفل، زید بن عمرو بن نفیل، عبید اللہ بن جحش اور عثمان بن حُویرث شامل تھے۔ ان لوگوں کا ایک مشترکہ بت تھا۔ جس کے پاس یہ جمع ہوتے تھے۔ ایک رات جب یہ اس بت کے پاس گئے تو دیکھا کہ وہ منہ کے بل اوندھا پڑا ہے۔ انھوں نے اس بات کو کوئی اہمیت نہ دی اور بت کو سیدھا کر کے اس کے مقام پر درست کر دیا۔ کچھ دیر گزری ہوگی کہ وہ بت پھر منہ کے بل گر گیا۔ انھوں نے دوبارہ پھر درست کر کے سیدھا کر دیا۔ تیسری مرتبہ پھر اسی طرح گر پڑا۔ اب عثمان بن حُویرث نے کہا کہ کوئی خاص بات معلوم ہوتی ہے۔ یہ وہی رات تھی جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تھی۔ اس وقت عثمان بن حُویرث نے بت کو مخاطب کر کے جو عربی اشعار پڑھے اس کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے:

''اے خوشی اور انبساط کے صنم! جس کے طواف کے لئے قریب و بعید سے بڑے بڑے لوگ آتے ہیں، تو منہ کے بل اوندھا ہوا۔ تو ہمیں اس کی وجہ بتا۔ کیا یہ کسی خاص بات کی وجہ سے ہے یا یوں ہی تفریح طبع کے طور پر ہے؟''

راوی کا بیان ہے کہ انھوں نے پھر اس بت کو اٹھا کر اس کی جگہ پر قائم کر دیا۔ جب وہ سیدھا ہوا تو خدا کے حکم سے وہ بت یہ کہتے ہوئے سنا گیا:

''میرا گرنا اس نومولود کی وجہ سے ہے جس کے نور کے طفیل کرۂ زمین کے مشرق و مغرب کے تمام راستے منور اور درخشاں ہو گئے ہیں۔ اور اس نومولود کی وجہ سے تمام بت گر پڑے ہیں۔ اے اولادِ قُصی! تم اپنی راہ ضلالت اور کج روی سے لوٹ کر اسلام کی راہ اور کشادہ منزل کی طرف دوڑ کر پہنچو۔'' (خصائص کبریٰ، از: علامہ جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۱۳۴)

حضرت واقدی اور حضرت ابو نعیم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو صنم کدوں کے تمام بت منہ کے بل گر پڑے۔ تمام شیاطین نے ابلیس لعین کے پاس جا کر روئے زمین کے تمام بتوں کی کیفیت کا ماجرا بیان کیا۔ ابلیس نے شیاطین سے کہا کہ یہ نبی کی بعثت کی علامت ہے۔ تم اسے تلاش کرو۔ شیاطین نے کہا ہم نے بہت ڈھونڈھا، لیکن پتہ نہ لگا۔ پھر ابلیس خود تلاش کرنے نکلا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں جلوہ گر پایا۔ پھر وہ اپنے شاگردوں اور ذریات میں واپس آیا اور کہا کہ میں نے ان کو پالیا ہے، مگر جبرئیل علیہ السلام ان کے ساتھ ہیں۔ اس لئے میں ان پر قابو نہ پاسکا اور نہ آئندہ پاسکوں گا۔ (خصائص کبریٰ، از: علامہ جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۲۵۷)

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے شعر کے دوسرے مصرع میں انھیں تمام واقعات کی طرف اشارہ فرما کر "اور ہی کچھ اٹھان ہے" کا جملہ مرقوم فرمایا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام صرف ایک بت کو توڑنے کے لئے بذات خود تشریف لے گئے۔ لیکن ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدا ہوتے ہی روئے زمین کے تمام بت اوندھے ہو گئے۔ قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جاں نثار حواریوں کا جو بیان ہے، اس کی تفسیر میں صاف لکھا ہے کہ ان حواریوں کی تعداد صرف بارہ تھی۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلاء کلمۃ الحق کا یہ عالم تھا کہ سرزمین مکہ معظمہ و مدینہ منورہ میں جلوہ افروز ہوتے ہوئے، دنیا کے بڑے بڑے شاہوں کو اور عوام الناس کو دولت ایمان سے سرفراز فرما رہے ہیں۔ حبشہ کے نجاشی بادشاہ کا واقعہ اس کی بین دلیل ہے۔ یہ کیا؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام اور آپ کی امت کے اولیاء کرام نے ہزاروں نہیں لاکھوں بلکہ کروروں انسانوں کو دولت ایمان سے بہرہ مند فرما دیا۔ سلطان الہند، اولاد رسول، خواجہ معین الدین چشتی غریب نواز اجمیری رضی اللہ عنہ کی سوانح حیات اس کی بین شہادت دیتی ہے۔ آج ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش وغیرہ ممالک میں "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" کی جو صدائیں گونج رہی ہیں یہ سب آپ کے مبارک قدموں کی برکات کا صدقہ اور طفیل ہے۔



(۱۰۸)

شر خیر شور سور شرر دور نار نور

بشریٰ کہ بارگاہ یہ خیر البشر کی ہے

حل لغت:

شر: بدی، برائی، جھگڑا، فساد، خرابی، ابلیس، بت، شرارت۔

(فیروز اللغات، ص ۸۳۸ ☆ لغات کشوری، ص ۴۱۶ ☆ کریم اللغات، ص ۹۷)

خیر: نیکی، بھلائی، اچھائی، برکت، سلامتی، تندرستی، عافیت، ٹھیک، بجا، درست۔

(فیروز اللغات، ص ۶۰۳ ☆ لغات کشوری، ص ۲۷۵ ☆ کریم اللغات، ص ۶۸)

شور: غل، غوغا، شہرت، دھوم، عشق، جنون، کھاری نمک، خفگی، غصہ، بلند آواز، نمک، نمکین۔

(فیروز اللغات، ص ۸۴۹ ☆ لغات کشوری، ص ۴۳۲)

سور: بہادر یا شجاع آدمی، مرد غازی، قلعہ کی دیوار، شہر کی فصیل، شہر پناہ، بچا ہوا کھانا یعنی جھوٹا، جشن عروسی، شادی، سرخ

رنگ۔ (فیروز اللغات، ص۸۱۹ ☆ لغات کشوری، ص۴۰۰)

شرر: آگ کی چنگاری، کینہ۔ (فیروز اللغات، ص۸۳۹ ☆ لغات کشوری، ص۴۱۸ ☆ کریم اللغات، ص۹۷)

دور: بعید، فاصلے پر، علیٰحدہ، الگ، جدا، پرے، دشوار۔ (فیروز اللغات، ص۶۵۴ ☆ لغات کشوری، ص۳۰۲)

نار: آگ، انار کا مخفف مرکبات میں مثلاً: گلنار، ناری کا مخفف یعنی عورت یا بیوی۔

(فیروز اللغات، ص۱۳۴۰ ☆ لغات کشوری، ص۷۶۳ ☆ کریم اللغات، ص۱۸۷)

نور: روشنی، تجلی، اجالا، چمک، رونق، روپ، فارسی زبان میں کبھی مراد چاند سے بھی، کلام پاک کی ایک سورت کا نام، صوفیوں کی اصطلاح میں خدا کا ایک صفاتی نام۔ (فیروز اللغات، ص۱۳۸۵ ☆ لغات کشوری، ص۷۹۰ ☆ کریم اللغات، ص۱۸۷)

بشریٰ: خوشخبری، اچھی خبر۔ (لغات کشوری، ص۹۹ ☆ کریم اللغات، ص۲۴)

بارگاہ: کچہری کی جگہ، شاہی محل، کسی بزرگ کا مکان، بادشاہی خیمہ۔ (لغات کشوری، ص۷۹ ☆ کریم اللغات، ص۲۰)

بشر: آدمی، انسان، منش، اس میں مذکر و مؤنث برابر ہیں۔ (فیروز اللغات، ص۲۰۵ ☆ لغات کشوری، ص۹۹ ☆ کریم اللغات، ص۲۴)

خیر البشر: بہترین انسان، مخلوقات میں سب سے بہتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب۔ (فیروز اللغات، ص۶۰۳)

پہلے مصرع میں وارد لفظ ''خیر'' کا مطلب ''نیکی'' ہے۔

دوسرے مصرع میں وارد لفظ ''خیر'' کا مطلب ''بہترین'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اردو ادب اور فن شاعری کو چار چاند لگانے کے ساتھ ساتھ دنیائے اردو ادب کے تمام شعراء پر اپنی انفرادی حیثیت اور فوقیت کا سکہ بٹھا دیا ہے۔

اس شعر کا مصرع اول ملاحظہ ہو: ''شر خیر شور سور شرر دور نار نور'' جس کا مطلب یہ ہے کہ میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ، وہ بارگاہ ہے کہ جہاں شر یعنی برائی، خیر، بھلائی اور نیکی بن جاتی ہے۔ شور یعنی بے جا شور و غوغا سور یعنی جشن عروسی ہو جاتا ہے اور دوسرے معنی یہ بھی ہوتے ہیں کہ مجنون اس بارگاہ کی غلامی اختیار کر کے شجاع اور بہادر بن جاتا ہے۔ شرر یعنی آگ دور ہو جاتی ہے پھر چاہے وہ کفر و شرک کی آگ ہو، گناہ و عصیان کی آگ ہو، جہنم کی آگ ہو، یا پھر دنیا کی آگ ہو، حسد و کینہ اور عداوت کی آگ ہو یا اور کسی قسم کی آگ ہو، بہر حال وہ آگ دور ہو جاتی ہے۔ نار یعنی آگ عذاب یا جہنم، نور یعنی روشنی، ہدایت یا رحمت ہو جاتی ہے۔ صرف ایک مصرع میں کتنے وسیع مضامین کو سمو دیا ہے اور سب سے زیادہ تعجب اور حیرت کی بات تو یہ ہے کہ مصرع اول میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے آٹھ الفاظ استعمال فرمائے ہیں: (۱) شر (۲) خیر (۳) شور (۴) سور (۵) شرر (۶) دور (۷) نار (۸) نور۔ ان تمام الفاظ کا آخری حرف ''ر'' ہے۔ علاوہ ازیں ان آٹھوں الفاظ میں سے چھ لفظ متضاد ہیں (۱) شر کی ضد خیر (۲) شور کی ضد سور (۳) نار کی ضد نور، یعنی صرف ایک ہی مصرع

میں تین صنعت تضاد کا استعمال فرمایا ہے۔ مذہبی نقطۂ نظر اور جذبۂ عشق رسول ﷺ کے اعتبار سے تو یہ شعر بے مثال و منفرد ہے ہی، نیز فن و ادب کے لحاظ سے بھی یہ شعر قابل صد تحسین و آفرین ہے۔ اردو ادب سے دلچسپی اور لگاؤ رکھنے والے حضرات اس شعر پر یقیناً عش عش کر اٹھیں گے۔ جہاں تک راقم الحروف کی ناقص معلومات ہے، اس اعتبار سے یہ کہنا غلو اور مبالغہ سے خالی ہوگا کہ اردو زبان کی ابتداء سے لے کر اب تک کسی بھی شاعر نے ایسا جامع شعر نہیں کہا۔ بلکہ میں تو یہ کہنے میں قطعاً جھجک محسوس نہیں کرتا کہ غالبؔ، فراقؔ، جگرؔ، فانیؔ، جوشؔ، ذوقؔ، داغؔ، حسرتؔ، حالیؔ، عرشؔ، مومنؔ، سحرؔ، حفیظ، اکبرؔ، میرؔ، شکیلؔ، ساحرؔ، تاباںؔ وغیرہ اردو ادب کے نامور شعراء مجموعی طور پر بھی حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے مقابلہ میں طفل مکتب کی بھی حیثیت نہیں رکھتے۔ ''ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ'' مصرع اول میں حضرت رضا نے جن آٹھ الفاظ کا استعمال فرمایا ہے ان میں سے (۱) شور اور سور (۲) شر اور خیر (۳) شرر اور دور اور (۴) نار اور نور، یہ الفاظ فن شاعری کے اصول تقطیع کے اعتبار سے ہم وزن ہیں۔ مصرع اول کی کما حقہ تشریح کرنا مجھ جیسے بے علم و عمل کے بس کی بات نہیں۔ اگر کوئی ذی علم شخصیت مصرع اول کی تشریح کرے تو اس ایک مصرع میں بے شمار تلمیحات نکال سکتی ہے۔ مصرع اول میں بارگاہ رسالت کی صفات کو باعتبار خبر مقدم بیان کیا گیا ہے اور موصوف اور مبتدا کو مصرع ثانی میں بیان کرتے ہوئے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ ''بشریٰ کہ بارگاہ یہ خیر البشر کی ہے'' یعنی خوشخبری ہو کہ جہاں شر، خیر ہو جاتا ہے، جہاں شور، سور بن جاتا ہے، جہاں شرر، دور ہو جاتے ہیں۔ اور جہاں نار، نور بن جائے وہ بارگاہ اس ذات مقدس کی ہے جو ''خیر البشر'' یعنی تمام انسانوں اور تمام مخلوقات میں سب سے بہتر ہیں۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے لفظ ''خیر'' کا دو مرتبہ استعمال فرمایا ہے۔ مصرع اول میں جو لفظ ''خیر'' ہے وہ بھلائی، نیکی اور اچھائی وغیرہ کے معنی میں ہے اور مصرع ثانی میں جو لفظ ''خیر'' ہے وہ ''بہترین'' کے معنی میں ہے۔ دونوں لفظ ''خیر'' حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں۔ لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے الگ ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری میں صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔ یعنی اس ایک شعر میں صنعت تضاد، صنعت تلمیح، صنعت تجنیس وغیرہ ایک ساتھ پائی جاتی ہیں۔ اس شعر میں الفاظ کی بندش اور روانی سے فصاحت و بلاغت کا حسن بھی نمایاں ہوتا ہے۔ فنی اعتبار سے اس شعر کے متعلق بڑی طویل گفتگو ہو سکتی ہے، لیکن یہاں فنی اعتبار سے قصداً ترک کر کے صرف مذہبی اعتبار سے، خصوصاً وہ جذبۂ عشق نبی ﷺ جو حضرت رضا بریلوی کے یہاں پایا جاتا ہے، اس کی قدرے تشریح کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے بارگاہ رسالت کی خصوصیت اور اعزاز میں پہلی بات یہ کہی ہے کہ شر، خیر یعنی برائی، اچھائی یا بدی، نیکی بن جاتی ہے۔ حدیث میں کئی واقعات ایسے ملتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی بارگاہ میں گناہ اور بدی سے لبریز ایسے اشخاص آئے کہ بدی کو بھی جن سے عار تھا، لیکن نگاہ مصطفیٰ ﷺ نے ان کے دل کی دنیا بدل دی۔ جو لوگ کفر و شرک اور دیگر گناہوں میں ملوث تھے، ان کو پاک و صاف فرما دیا۔

دارمی نے اپنی سنن میں حضرت جبیر بن نفیر سے، امام بخاری، ابوداؤد، ترمذی، مسلم، احمد، ابن معین وغیرہ نے حضرت

خالد بن معدان، عبدالرحمٰن بن جبیر اور سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہم سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''لَقَدْ جَاءَکُمْ رَسُوْلٌ اِلَیْکُمْ لَیْسَ بِوَهْنٍ وَ لَا کَسَلٍ لِیُحْیِیَ قُلُوْبًا غُلْفًا وَ یَفْتَحَ اَعْیُنًا عُمْیًا وَ یُسْمِعَ اٰذَانًا صُمًّا وَ یُقِیْمَ اَلْسِنَةً عَوْجَاءَ حَتّٰی یُقَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ''

یعنی بے شک تشریف لایا تمہارے پاس وہ رسول تمہاری طرف بھیجا ہوا جو ضعف اور کاہلی سے پاک ہے، تاکہ وہ رسول زندہ فرمادے غلاف چڑھے دل اور وہ رسول کھول دے اندھی آنکھیں اور وہ رسول شنوا کردے بہرے کانوں کو اور وہ رسول سیدھی کردے ٹیڑھی زبانوں کو، یہاں تک کہ لوگ کہہ دیں کہ ایک اللہ کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں۔

(الامن والعلیٰ لناعتی المصطفیٰ بدافع البلاء، امام احمد رضا محدث بریلوی، ص ۱۰۸)

دوسری، تیسری اور چوتھی بات کی مجموعی تشریح کرتے ہوئے کچھ احادیث اور تاریخ اسلام کے کچھ واقعات ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں:

صحیح بخاری شریف، صحیح مسلم شریف اور مسند امام احمد میں حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم، حضرت انس اور حضرت ابی سعید وغیرہم رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے گروہ انصار سے ارشاد فرمایا:

''یَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ اَلَمْ اَجِدْکُمْ ضُلَّالًا فَهَدَاکُمُ اللّٰهُ بِیْ وَ کُنْتُمْ مُتَفَرِّقِیْنَ فَاَلَّفَکُمْ بِیْ وَ کُنْتُمْ عَالَةً فَاَغْنَاکُمُ اللّٰهُ بِیْ''

یعنی اے گروہ انصار! کیا میں نے نہیں پایا تمھیں گمراہ؟ پس اللہ عزوجل نے تمھیں میرے ذریعہ ہدایت دی اور تمہاری آپس میں پھوٹ تھی، تو اللہ تعالیٰ نے میرے وسیلہ سے تم میں اتحاد پیدا کردیا، اور تم محتاج تھے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے میرے واسطہ سے تمھیں تونگری بخشی۔

شیخ ابن قیم فرماتے ہیں کہ

''اِنَّ کُلَّ خَیْرٍ نَالَتْهُ اُمَّتُهٗ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ فَاِنَّمَا نَالَتْهُ عَلٰی یَدِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ''

یعنی دنیا و آخرت میں امت کو جو بھی خیر ملی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی ہاتھوں ملی ہے۔ (زادالمعاد علیٰ ہامش الزرقانی، جلد ا، ص ۳۷۲)

حضور اقدس شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا جہاں مقدس دربار ہے، یعنی مدینہ طیبہ، اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل امن وامان والا شہر بنایا ہے، اور ہر قسم کی دنیوی، دینی ارضی وسماوی بلاؤں سے محفوظ فرمادیا ہے۔

صحیح مسلم و بخاری کی روایت سے ثابت ہے کہ جب دجال کا خروج ہوگا اس زمانے میں مدینہ منورہ کی ہر گلی پر فرشتوں کی ایک جماعت مقرر ہوگی کہ اس کی حفاظت کرے، اور دجال کے داخلے کو روک دے۔ دوسری حدیث میں یہ آیا ہے کہ روئے زمین پر کوئی شہر ایسا نہیں ہے جہاں دجال نہ جاسکے سوائے مکہ اور مدینہ کے۔

(جذب القلوب الی دیار المحبوب، از: شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص ۲۶)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے جب مدینہ منورہ تشریف لائے اس وقت تک مدینہ طیبہ کی زمین، سب زمینوں سے

زیادہ وبا رسیدہ اور امراض آلود تھی۔ بہت سے صحابۂ کرام مدینہ طیبہ آکر بیمار ہو گئے۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے ان کی تیمارداری کو تشریف لائیں اور اپنے والد کو دیکھا کہ مکان کے ایک گوشے میں پڑے ہوئے ہیں اور سخت بخار چڑھا ہوا ہے اور یہ فرما رہے ہیں:

كُلُّ امْرِءٍ مُصَبَّحٌ فِيْ اَهْلِهٖ   وَالْمَوْتُ اَدْنٰى مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهٖ

یعنی ہر شخص اپنے اہل میں صبح کرنے والا ہے۔ حالاں کہ موت قریب تر ہے اس کی جوتی کے بندھن سے۔

اور دوسرے گوشے میں حضرت بلال اور حضرت عامر کو دیکھا کہ یہ دونوں حضرات بھی سخت بخار کی حالت میں کفار مکہ پر لعنت بھیج رہے تھے، کہ انھوں نے مکہ معظمہ سے نکال دیا اور مکہ کو اور مکہ کے چشموں، باغوں اور دیگر مقامات کو یاد کر کے اشعار پڑھ رہے تھے، اور سرزمین مدینہ اور اس کی شدت کی شکایت کر رہے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ان کے احوال کی شکایت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی۔ حضور نے دعا فرمائی کہ ''اے اللہ! ہمارے دلوں میں مدینہ منورہ کو ایسا محبوب بنا دے جیسا کہ ہم مکہ مکرمہ سے محبت رکھتے ہیں۔ یا اس سے زیادہ، اور مدینہ منورہ کی ہوا کو ہمارے جسموں کے لئے صحیح اور سازگار بنا دے، اور ہمارے صاع (ناپنے تولنے کے پیمانہ) میں بھی برکت عطا فرما، اور اس جگہ سے بخار کو جحفہ کی طرف منتقل فرما دے۔ (مدارج النبوۃ، از: شیخ عبد الحق محدث دہلوی، اردو، جلد۲، ص۱۲۰ ☆ جذب القلوب الی دیار المحبوب، از: شیخ عبد الحق محدث دہلوی، ص۲۵ ☆ خصائص کبریٰ، از: علامہ جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد۱، ص۳۷۲)

جحفہ کی آبادی مشرکوں اور سرکشوں کی تھی۔

امام بخاری نے اپنی تاریخ میں حضرت عبد اللہ بن الفضل بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ جب حضور نے یہ دعا فرمائی تو حضرت عبد اللہ نے کہا کہ ہم مطمئن ہو گئے کہ مدینہ کی زندگی اور اس کے کاروبار میں بھی مکہ کی طرح برکت ہمارے شامل حال رہے گی۔ (خصائص کبریٰ، جلد۱، ص۳۷۳)

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مدینہ شریف میں داخل ہونے والے راستوں پر اللہ کے فرشتے مامور ہیں۔ اس شہر میں طاعون اور دجال داخل نہ ہوں گے۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے ایک سیاہ فام، بدشکل اور پریشان بالوں والی عورت کو مدینہ سے نکلتے دیکھا، یہاں تک کہ وہ کوچ کر کے مہیعہ پہنچ گئی اور اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ اب مدینہ کی وبا مہیعہ کہ جو مقام جحفہ کے مضافات میں ہے وہاں پہنچ گئی۔ (خصائص کبریٰ، ص۳۷۲)

زبیر نے ابو ہشام سے روایت کی کہ ایک روز صبح کے وقت مدینہ کے اطراف سے کوئی شخص خدمت اقدس میں حاضر ہوا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے دریافت فرمایا کہ راہ میں کسی سے تمہاری ملاقات ہوئی؟ اس نے کہا کہ حضور مجھے تو کوئی ملا نہیں، البتہ سیاہ چہرہ، برہنہ تن ایک عورت تھی، جس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ مدینہ کا بخار تھا۔ آج کے بعد اب وہ کبھی اس شہر میں نہ آئے گا۔ (خصائص کبریٰ، ص۳۷۳)

مخبر صادق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم سے خبر دی کہ ایک آگ حجاز کی جانب سے نکلے گی، اس کی روشنی میں اونٹوں کی گردنیں بصریٰ میں دکھائی پڑیں گی۔ اس پیشین گوئی کے مطابق ۶۵۴ھ میں حجاز کی جانب سے ایک عظیم آگ مدینہ منورہ کی طرف آئی۔ ۶ جمادی الآخر ۶۵۴ھ سے ۲۷ رجب ۶۵۴ھ تقریباً باون دن تک وہ آگ ایسی شدت سے جلتی رہی کہ پہاڑوں کو بھی پگھلا دیتی تھی۔ لیکن اس آگ نے حرم نبی کا احترام کیا۔ یہ آگ بڑھتی بڑھتی مدینہ تک آئی، لیکن حدودِ حرم میں داخل نہ ہو سکی۔

یہ ایک طویل واقعہ ہے جو شعر 14 ''بلبل گل مدینہ ہمیشہ بہار ہے'' کی تشریح میں ملاحظہ فرمائیں۔ اس واقعہ کو پڑھ کر ان شاء اللہ ایمان تازہ ہو جائے گا۔ مصرعِ ثانی میں حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں:

بشریٰ کی بارگاہ یہ خیر البشر کی ہے

یعنی کہ جس بارگاہ کی عظمت واعزاز کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ وہ بارگاہ کسی دنیوی بادشاہ، یا دنیوی حاکم کی نہیں ہے۔ بلکہ خوشخبری ہو کہ یہ بارگاہ اس شہنشاہ کی ہے، جو تمام انسانوں اور مخلوقات سے افضل و اعلیٰ ہیں۔

ترمذی اور دارمی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ کچھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں بیٹھے گفتگو کر رہے تھے۔ ایک نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا۔ دوسرے نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے بے واسطہ کلام فرمایا۔ تیسرے نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا کلمہ اور روح ہیں۔ چوتھے نے کہا کہ حضرت آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے صفی ہیں۔ اتنے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ میں نے تمہاری گفتگو سن لی ہے۔ واقعی یہ انبیائے کرام انھیں مقامات کے مالک تھے جو تم نے بیان کئے مگر سنو:

''اَنَا اَکْرَمُ الْاَوَّلِیْنَ وَ الْاٰخِرِیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ وَ لَا فَخْرَ''

یعنی اللہ تعالیٰ کے یہاں میں اولین و آخرین میں سب سے معزز ہوں مگر فخر نہیں۔

دوسری روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

''اَنَا اَکْرَمُ وَلَدِ آدَمَ عندَ رَبِّیْ''

یعنی میرا مقام میرے رب کے یہاں تمام اولادِ آدم سے بڑھ کر ہے۔

امام ابونعیم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی ایک طویل حدیث نقل کی ہے جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی ہے کہ

''اَنَا سَیِّدُ وَلَدِ آدَمَ فِی الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَۃِ وَ لَا فَخْرَ''

یعنی میں دنیا و آخرت میں تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں مگر فخر نہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے اعلیٰ و اکمل فضیلت یہ ہے کہ حق تبارک و تعالیٰ نے آپ کی روحِ پُرنور کو ساری مخلوق کی ارواح سے پہلے پیدا فرما کر تمام مکونات کی روحوں کو آپ کی روح سے تخلیق

فرمایا، اور آپ اس وقت بھی نبی تھے جب حضرت آدم علیہ السلام ہنوز روح وجسد کے درمیان تھے۔ جیسا کہ ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، اور عالم ارواح میں بھی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ارواح مقدسہ کو آپ کی روح انور نے مستفیض فرمایا۔ (مدارج النبوۃ، جلد۱، ص۲۲۱)

اسی کو حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ ایک مقام پر یوں بیان فرماتے ہیں:

لیکن رضاؔ نے ختم سخن اس پہ کردیا ۔۔۔ خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے



(۱۰۹)

اوجِ مہر ہدیٰ موجِ بحر ندیٰ
روح روح سخاوت پہ لاکھوں سلام

حل لغت:

اوج: اونچائی، بلندی، شاہ، رفعت، عروج، اوج موج، خوش حالی، فارغ البالی، بلند اقبال۔
(فیروز اللغات، ص۱۳۵ ☆ لغات کشوری، ص۶۹ ☆ کریم اللغات، ص۱۸)

مہر: محبت، حب، دوستی، پیار، شفقت، ہمدردی، رحم، ترس، مامتا، الفت مادری، سورج، شمس، ہر انگریزی مہینہ کی سولھویں تاریخ، نیا سولہواں دن، آفتاب۔ (فیروز اللغات، ص۱۳۲۲ ☆ لغات کشوری، ص۷۵۶ ☆ کریم اللغات، ص۱۹۵)

ہدیٰ: ہدایت، سیدھا راستہ، راستی، راہ راست۔ (فیروز اللغات، ص۱۲۳۴ ☆ لغات کشوری، ص۸۱۲ ☆ کریم اللغات، ص۱۹۵)

بحر: بڑا دریا، مہا ساگر، بڑا سمندر، شعر کا وزن۔ (فیروز اللغات، ص۱۸۴ ☆ لغات کشوری، ص۸۶ ☆ کریم اللغات، ص۲۱)

ندیٰ: تری، نمی، بخشش، سخاوت۔ (لغات کشوری، ص۷۷۲)

روح: جان، جیو، آتما، ست، جوہر، دل، اندرونی خواہش، نیت، رحمت، بولنا۔
(فیروز اللغات، ص۷۲۶ ☆ لغات کشوری، ص۳۳۳ ☆ کریم اللغات، ص۸۱)

دوسرے مصرع میں شروع والے لفظ ''روح'' کا مطلب ''جان'' ہے۔
دوسرے مصرع میں بعد والے لفظ ''روح'' کا مطلب ''جوہر'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان جگر پارۂ مصطفیٰ، امام المسلمین، امیر المومنین، نواسۂ رسول حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی تعریف وتوصیف اور مدح وثنا کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی ''اوج مہر ہدیٰ'' یعنی ہدایت وشفقت میں بلند پایہ ہے۔ اور ''موج بحر ندیٰ'' یعنی سخاوت کے سمندر کی لہریں ہیں۔ آپ کی ذات روح روح سخاوت یعنی سخاوت کے جوہر کی جان ہے۔ اس ذات گرامی پر لاکھوں سلام ہوں۔ اس شعر میں لفظ ''روح'' کا دومرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ روح ہے۔ اس کا مطلب ''جان'' ہے، اور دوسری مرتبہ جو لفظ ''روح'' ہے اس کا مطلب ''جوہر'' ہے۔ دونوں لفظ ''روح'' حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنیٰ اور مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے اوج مہر ہدیٰ، موج بحر ندیٰ اور روح روح سخاوت، ان تین القاب کا ہدیۂ محبت پیش کیا ہے۔ اب ان تینوں الفاظ کی تفصیل عرض کرنے سے قبل حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کے کچھ مناقب اور حالات زندگی عرض خدمت ہیں:

آپ کی ولادت ماہ رمضان المبارک ۳ھ میں اور شہادت ۵ ربیع الاول ۵۰ھ میں ہوئی ہے۔

(تاریخ الخلفاء، از: امام جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، ص ۲۷۶/۲۸۲)

امام بخاری نے امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر اس طرح رونق افروز پایا کہ آپ کے پہلو میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے۔ کبھی تو حضور لوگوں کی طرف دیکھتے تھے، اور کبھی حضرت حسن کی طرف، اور فرماتے تھے کہ یہ میرا بیٹا سید ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا۔

(تاریخ الخلفاء، اردو، ص ۲۷۸ ☆ خصائص کبریٰ، از: علامہ امام جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص ۲۹۶ ☆ شواہد النبوۃ، از: علامہ جامی، اردو، ص ۳۱۲)

بیہقی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی اس کے مثل حدیث روایت کی ہے۔

امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حسن اور حسین رضی اللہ عنہما میری دنیا کے پھول ہیں۔

امام ترمذی اور حاکم نے حضرت ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حسن اور حسین رضی اللہ عنہما جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔ (تاریخ الخلفاء، اردو ترجمہ، ص ۲۷۸)

حاکم نے عبداللہ بن عبید بن عمر سے روایت کی کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے بغیر سواری کے پچیس حج ادا فرمائے، جس کی صورت یہ تھی کہ اعلیٰ قسم کے اونٹ آپ کے ساتھ ہوتے۔ لیکن آپ ان پر سوار نہیں ہوتے اور پا پیادہ راستہ طے فرماتے

تھے۔ (تاریخ الخلفاء، اردو ترجمہ، ص۲۷۹)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے مقدس کاندھوں پر اٹھائے ہوئے تشریف لا رہے تھے۔ ایک شخص نے یہ دیکھ کر امام حسن کو مخاطب کر کے کہا:

''نِعْمَ الْمَرْكَبُ رَكِبْتَ''

یعنی کیا ہی عمدہ سواری ہے جس پر آپ سوار ہیں۔

یہ سن کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''وَنِعْمَ الرَّاكِبُ هُوَ''

یعنی سوار بھی کیا ہی اچھا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے آپ کے تین وصف اس شعر میں بیان کئے ہیں:

اوج مہر ہدیٰ: یعنی ہدایت و محبت میں بلندی رکھنے والے، اس وصف کی کچھ وضاحت مندرجہ بالا احادیث سے عیاں ہے۔ ایک اور حدیث کا ورد کرنے کا شرف حاصل کریں۔

ترمذی نے اسامہ بن زید کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو اپنی گود میں اٹھائے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا یہ دونوں میرے بیٹے یعنی میری بیٹی کے فرزند ہیں۔ اے اللہ! میں ان سے محبت کرتا ہوں۔ تو بھی ان سے محبت فرما۔ اور جو ان سے محبت کرتا ہے، اس کو بھی تو اپنا محبوب بنا لے۔

(تاریخ الخلفاء، اردو ترجمہ، ص۲۷۸)

امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ حضور کو اپنے اہل بیت میں سے زیادہ محبت کس سے ہے؟ آپ نے فرمایا کہ حسن اور حسین سے۔ (تاریخ الخلفاء، اردو، ص۲۷۸)

موج بحر ندیٰ: یعنی بخشش اور سخاوت کے سمندر کی لہر، اور اسی وصف کو اردو زبان کے محاورات کی اصطلاح میں ''دریادل'' کہا جاتا ہے۔ دریادل انسان میں فیاضی، بخشش اور سخاوت کا بھرپور مادہ ہوتا ہے۔ اور وہ بڑے سے بڑے جاہ و جلال اور بڑی سے بڑی سلطنت کو بھی ٹھکرا دیتا ہے۔ آپ عہدۂ خلافت پر فائز تھے لیکن اپنے نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کہ ''میرا یہ بیٹا مسلمانوں کی دو جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا'' آپ نے حضرت امیر معاویہ کے حق میں منصب خلافت ترک فرما کر بخشش اور فیاضی کی مثال قائم کر دی۔ آپ اگر چاہتے تو آپ کو منصب خلافت سے کوئی بھی نہ ہٹا سکتا تھا۔ لیکن آپ دریادلی اور فیاضی کا ثبوت دیتے ہوئے خلافت سے بخوشی دست بردار ہو گئے۔



(۱۱۰)

دونوں ماہ عید کے یک جا ہے دید
لو مبارک قادریو! عید عید

(حدائق بخشش، حصہ۳، ص۸۲)

حل لغت:

ماہ: چاند، قمر، ماہتاب، چندرما، مہینہ، ماس۔ (فیروز اللغات، ص۱۱۹۰)

عید: لغوی معنی جو بار بار آئے۔ مسلمانوں کے جشن کا روز۔

(فیروز اللغات، ص۹۰۸ ☆ لغات کشوری، ص۵۰۷ ☆ کریم اللغات، ص۱۱۲)

یک جا: ایک جگہ، اکٹھے، ملے جلے۔ (فیروز اللغات، ص۱۴۶۸)

دید: نگاہ، نظر، دیکھا ہوا، نظارہ، دیکھنا۔ (فیروز اللغات، ص۶۷۰ ☆ لغات کشوری، ص۳۰۶)

قادریو: قادری کی جمع، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے منسوب۔ (فیروز اللغات، ص۹۴۴)

دوسرے مصرع میں پہلے وارد لفظ ''عید'' کا مطلب ''خوشی'' ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد والے لفظ ''عید'' کا مطلب ''عید الفطر'' ہے۔

پہلے مصرع میں وارد لفظ ''عید'' کا مطلب ''عید'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے یہ شعر حضور پُر نور غوث الثقلین، غیث الکونین، سلطان بغداد، قطب الارشاد، فرد الافراد، پیران پیر، پیر دست گیر، سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی شان میں کہا ہے۔ یہ شعر اس منقبت کا ہے جو حضرت رضا بریلوی نے ۱۳۲۲ھ میں قلم بند فرمائی تھی اور اس کا تاریخی نام، سراپائے نورانی شاہ جیلانی محبوب ربانی ہے (۱۳۲۲ھ)۔ اس منقبت میں حضرت رضا بریلوی نے سرکار غوث اعظم کے سراپا وجود یعنی پورے جسم اطہر کی مدح وثنا نظم فرمائی ہے۔ یہ شعر ''مقرون الحاجبین'' کے عنوان سے نظم کردہ چار اشعار کا دوسرا شعر ہے۔ چاروں اشعار حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے ابرو یعنی بھوؤں کی تعریف وتوصیف میں ہیں۔ اس شعر میں حضرت رضا بریلوی دونوں ابرو کو ہلال عید سے تشبیہ دیتے ہیں۔ کیوں کہ ابرو آنکھ کے اوپر ہلالی شکل والے بال کو کہتے ہیں۔

حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ ”دونوں ماہ عید کی یک جا ہے دید“ یعنی عید کے دو چاند ایک جگہ ہی نظر آرہے ہیں۔
عید کا چاند جب نظر آتا ہے تو لوگ مارے خوشی کے جھوم اٹھتے ہیں۔ چھوٹے بڑے سب خوشی کا اظہار کرتے ہیں، اور آپس میں ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے ہیں۔ صرف ایک چاند نظر آنے پر پورا ماحول خوشیوں سے بھر جاتا ہے۔ اور چاند دیکھتے ہی لوگ کل عید کی ابھی سے خوشیاں منانے لگتے ہیں۔ اور یہ خوشی عید کی وجہ سے ہوتی ہے، لیکن حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے چہرۂ پاک پر تو ابرو کی شکل میں ایک ساتھ دو چاند نظر آرہے ہیں اور وہ بھی دونوں قریب قریب ملے ہوئے۔ عید کا ایک چاند نظر آنے پر جب خوشیوں کی لہر دوڑ جاتی ہے، تو یہاں تو دو، دو چاند نظر آرہے ہیں۔ تو اس دید سے خوشی کا عالم کیا ہوگا؟
آگے حضرت رضا فرماتے ہیں کہ ”لو مبارک قادریو عید عید“ یعنی اے قادریو! اے حضور سیدنا سرکار غوث اعظم کے مریدو! اے سیدنا غوث اعظم کے قادری سلسلہ سے منسلک خوش نصیبو! مبارکباد، صد مبارکباد تم کو عید کی خوشیاں مبارک ہوں۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے لفظ ”عید“ کا تین مرتبہ استعمال فرمایا ہے۔ مصرع اول میں جو لفظ عید ہے اور مصرع ثانی میں آخر میں جو لفظ عید ہے دونوں عید جشن یا تہوار کے معنی میں ہیں۔ دونوں لفظ عید حروف و اعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

حضور سیدنا سرکار غوث اعظم رضی اللہ عنہ بدر الاولیاء ہیں۔ یعنی تمام اولیاء کرام آسمان ولایت کے ستارے ہیں اور حضور غوث اعظم آسمان ولایت کے ماہ کامل ہیں۔ آپ نے اپنی شان ماہتابی بچپن سے ہی دکھائی شروع فرمادی تھی۔

حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں کہ میرے فرزند عبد القادر پیدا ہوئے تو رمضان میں دن بھر دودھ نہ پیتے بلکہ روزے سے رہتے۔ ایک مرتبہ شعبان کی انتیس تاریخ تھی اور آسمان ابر آلود تھا۔ اس دن درحقیقت چاند تھا، مگر ابر کی وجہ سے شہر جیلان میں نظر نہ آیا۔ صبح کو لوگ منتظر تھے کہ شاید کہیں سے چاند کی شہادت آجائے، کسی نے آپ کی والدہ ماجدہ سے پوچھا کہ آج ۳۰ر شعبان ہے یا پہلی رمضان ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ چاند تو یہاں کسی نے نہیں دیکھا مگر ہاں! آج صبح سے میرے بیٹے عبد القادر نے دودھ پینا چھوڑ دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دن رمضان ہی کا ہوگا۔ یہ باتیں گزر گئیں۔ تمام شہر میں شہرہ ہوگیا کہ شرفائے جیلان میں ایک لڑکا ایسا پیدا ہوا ہے جو ایام شیر خواری میں بھی اللہ کا فرض ادا کرتا ہے اور روزہ نہیں چھوڑتا۔ (برکات قادریت، از: مداح رسول جمیل الرحمٰن قادری، ص ۹۱)

حضور غوث اعظم نے رمضان شریف کا چاند نہ دکھائی دینے کے موقع پر روزہ رکھ کر چاند کی غرض وغایت پوری فرمادی، اور عالم شیر خوارگی میں اپنے کردار سے یہ ظاہر فرمادیا کہ میرا وجود ہی تم کو چاند کی ضرورت کو پوری کرنے کے لئے کافی ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے قادریوں کو مبارک باد دی ہے۔ تو قادری کون ہیں؟ قادری یعنی حضور پرنور غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے سلسلے میں داخل ہونے والا۔ یعنی آپ کے مریدوں میں شامل ہونے والا۔

ایک شخص حضور سیدنا غوث اعظم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، اور عرض کی کہ اگر کوئی شخص اپنے کو حضور کا مرید کہتا ہو اور حضور کے ساتھ نسبت غلامی بتاتا ہو، اور دراصل اس نے آپ کے دست پاک پر بیعت نہ کی ہو اور یہاں سے خرقہ حاصل

نہ کیا ہو، تو کیا وہ شخص حضور کے مریدوں میں شمار کیا جائے گا؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت تک جو کوئی ہمارے سلسلے میں داخل ہو، اور خود کو ہمارا مرید کہے۔ بے شک وہ ہمارے مریدوں میں داخل ہے۔ ہمیشہ ہم اس کے حامی و ناصر و دستگیر ہیں۔ مرتے وقت اس کو توبہ کی توفیق ملے گی۔ (برکات قادریت، ص ۲۷)

بے شک حضور سیدنا غوث اعظم دستگیر کے سلسلۂ قادریہ میں قیامت تک شامل ہونے والے لوگ آپ کے مریدوں میں شمار کیے جائیں گے۔ اوران پر سیدنا غوث اعظم کی نگاہ لطف وعنایت رہے گی وہ آپ کے فیض سے بہرہ مند ہوتے رہیں گے۔ حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں:

اس نشانی کے جو سگ ہیں نہیں مارے جاتے　　　حشر تک میرے گلے میں رہے پٹا تیرا

●

دل پہ کندہ ہو تیرا نام کہ وہ دزد رجیم　　　الٹے ہی پاؤں پھرے دیکھ کے طغرا تیرا



(۱۱۱)

قافلے نے سوئے طیبہ کمر آرائی کی
مشکل آسان الٰہی میری تنہائی کی

حل لغت:

سوئے: سمت، جانب، طرف، جہت۔ (فیروز اللغات، ص ۸۱۶ ☆ لغات کشوری، ص ۳۹۹ ☆ کریم اللغات، ص ۹۴)

آرائی: آرا، آراستن مصدر سے صیغۂ امر جو اسم کے ساتھ آکر اسم فاعل بناتا ہے، مثلاً: چمن آرا یعنی چمن سجانے والا، آراستہ کرنے والا۔ (فیروز اللغات، ص ۱۵ ☆ لغات کشوری، ص ۲۵ ☆ کریم اللغات، ص ۷)

کی: کرنا، بنانا عمل میں لانا، انتظام کرنا، بندوبست کرنا، شروع کرنا، کاروبار کرنا۔ (فیروز اللغات، ص ۱۰۰۴)

مشکل آسان ہونا: دشواری دور ہونا، مصیبت سے نجات پانا، عذاب سے چھوٹنا، جاں کنی سے نجات پانا، دم نکلنا، دم آخر ہونا۔ (فیروز اللغات، ص ۱۲۵۲)

تنہائی: علاحدگی، گوشہ نشینی، جدائی، مفارقت، اکیلاپن۔ (فیروز اللغات، ص ۳۸۶)

کی: کا کی تانیث، کا، کی، کے، اضافت کے لیے۔ (فیروز اللغات، ص ۱۰۶۸)

کا: حرف اضافت ہے، اردو زبان میں متعلق، نسبت، لگاؤ، ملکیت اور قبضہ ظاہر کرنے کے لئے مستعمل ہے۔

(فیروز اللغات، ص ۹۶۹)

پہلے مصرع میں وارد "کی" کا مطلب "کرنا" ہے۔

دوسرے مصرع میں وارد "کی" کا مطلب "اضافت" ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان جائے سکون و قرار، خیر البلاد، آرامگاہ مصطفیٰ، مدینہ منورہ طیبہ طاہرہ کا عزم کرنے والے قافلے کا ذکر فرماتے ہیں، اور فرماتے ہیں قافلے نے اپنے آقا و مولیٰ کے محبوب شہر اور مسکن مدینہ طیبہ کے سفر کا ارادہ کیا ہے۔ اور زہے نصیب اس قافلے میں مجھ کو بھی شرکت کا شرف حاصل ہے۔ اے خداوند عالم! مجھے تو اپنے محبوب کے مقدس شہر میں پہنچا دے تاکہ میری تنہائی یعنی تیرے محبوب کی جدائی کی جو مصیبت ہے وہ دور ہو جائے، اور تیرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس روضہ کا قرب و وصال حاصل کر کے میں چین و سکون پاؤں۔ اس شعر کے دونوں مصرعوں کے آخر میں لفظ "کی" کا استعمال کیا گیا ہے۔ دونوں لفظ "کی" حروف و اعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنیٰ و مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

پہلے مصرع میں جو لفظ کی ہے وہ "کرنا" کے معنی میں ہے، اور فعل ماضی ہے۔ دوسرے مصرع میں جو لفظ "کی" ہے، وہ حرف اضافت "کا" کی تانیث ہے، اور یہ لفظ نسبت، لگاؤ، تعلق، ملکیت اور قبضہ ظاہر کرنے کے لئے مستعمل ہے، مثلاً: زید کا بیٹا، زید کی بیٹی وغیرہ، لفظ "کی" کو تکرار کے ساتھ متفرق معنی میں استعمال فرما کر حضرت رضا بریلوی نے اردو ادب اور فن شاعری کے حسن کو دوبالا کر دیا۔ اردو ادب کے مشہور شعراء کے کلام میں صنعت تجنیس کامل کی بہت مثالیں موجود ہیں۔ لیکن کسی فعل اور حرف اضافت کا استعمال کر کے صنعت تجنیس کامل کی مثال پیش کرنا یہ صرف حضرت رضا بریلوی کا خاصہ اور کمال ہے۔ ہر کس و ناکس کے بس کی یہ بات نہیں۔

اس شعر سے حضرت رضا بریلوی کے عشق رسول کی عکاسی ہو رہی ہے۔ عاشق رسول ہمیشہ مدینہ طیبہ کی حاضری کے لئے تڑپتا ہے، مدینہ اس کے لئے اس روئے زمین پر جنت ہے، اسی کی یاد و فرقت میں سدا تڑپتا رہتا ہے، اور جب وہاں جانے کی سبیل پیدا ہو جاتی ہے تو شوق لقاء میں مچلتا ہے۔ عاشق صادق مدینہ سے بچھڑ کر اس دنیا کے ہجوم میں رہنے کے باوجود بھی خود کو تنہا محسوس کرتا ہے، اور یہ تنہائی اس کے دل کو کھائے جاتی ہے۔ مدینہ کی جدائی اس کے لئے کسی بڑی آفت و مصیبت سے کم نہیں۔ اس کا دل غم و الم اور اضطراب میں بے چین و بے قرار رہتا ہے۔ اس کے دل کا چین و سکون صرف مدینہ کا جلوہ اور تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق ہے۔ مدینہ پہنچ کر اس کی تنہائی ختم ہو جاتی ہے۔ وہاں وہ اپنے آپ کو جنت میں محسوس کرتا ہے اور دنیا و مافیہا سے یک دم بیزار اور دلی خلجان سے نجات پا کر انبساط و مسرت میں غرق ہو جاتا ہے۔ اسی تصور

کو پیش کرنے کے لئے حضرت رضا بریلوی نے "مشکل آسان الٰہی میری تنہائی کی" جیسا جملہ مرقوم فرمایا۔ مدینہ طیبہ وہ پیارا شہر ہے جس کو خود حضور اقدس ﷺ نے محبوب رکھا اور اس کی محبت میں اضافہ کی بارگاہ الٰہی میں دعا فرمائی:

حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے مدینہ طیبہ کے تعلق سے اللہ تبارک وتعالیٰ سے یوں دعا کی:

"اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ اِلَيْنَا الْمَدِيْنَةَ كَحُبِّنَا مَكَّةَ اَوْ اَشَدَّ"

یعنی اے اللہ! ہمارے لئے مدینہ کو اتنا ہی محبوب کردے جتنا کہ مکہ کو کیا تھا، بلکہ اس سے بھی زائد۔

(جذب القلوب الی دیار المحبوب، از: شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ، اردو ترجمہ، ص ۱۷)

مدینہ منورہ کی عظمت وفضیلت کما حقہ ہم بیان نہیں کرسکتے، کیوں کہ یہاں پر اللہ کے محبوب اعظم ﷺ کی مقدس آرام گاہ ہے، جو تمام کائنات بلکہ عرش اعظم سے بھی افضل ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ بعد اجماع تمام علماء رحمہم اللہ نے اس مقام کو فضیلت دی ہے جو اعضائے شریفہ سید کائنات ﷺ کے موضع قبر شریف سے ملے ہوئے ہیں، وہ جگہ تمام اجزائے زمین سے افضل ہے۔ یہاں تک کہ خانۂ کعبہ سے بھی اور بعض علماء نے یہاں تک کہا ہے کہ تمام سماوات حتی کہ عرش سے بھی۔ (جذب القلوب، اردو ترجمہ، ص ۱۳)

عاشق رسول ﷺ ہمیشہ اپنے پیارے آقا و مولیٰ ﷺ کی یاد میں بے چین و بے قرار ہوتا ہے اور اس کی بے چینی کا حال غیب جاننے والے اور زندہ نبی ﷺ کو معلوم ہوتا ہے اور وہ اپنے عاشق صادق پر لطف وعنایت فرما کر اپنے دربار کی حاضری کے لئے بلا لیتے ہیں۔ جیسا کہ موذن رسول حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا واقعہ مشہور ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا خلافت حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ملک شام سے مدینہ طیبہ آنے کا قصہ مشہور ہے۔ اس واقعہ کو شیخ محقق، حجۃ اللہ فی الارض عاشق رسول، شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ نقل فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

ابن عساکر رضی اللہ عنہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرماتے ہیں کہ اے بلال! یہ کیا ظلم ہے کہ کبھی ہماری زیارت کو نہیں آتے۔ اسی وقت حضرت بلال اپنی سواری کے ذریعہ مدینہ کے قصد سے روانہ ہوگئے۔ جب قبر شریف پر پہنچے تو اشکبار ہوکر عاجزی کے ساتھ روئے نیاز خاک پر رکھا۔ حضرت سیدنا امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما حجرہ سے باہر نکلے۔ ان کو گود میں لے کر سر اور آنکھوں کو چوما۔ تھوڑے دنوں پہلے ہی حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا دار البقاء کو تشریف لے جا چکی تھیں۔ لوگوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے اذان سننے کی خواہش کی۔ سب نے مشورہ کیا کہ حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما فرمائیں تو حضرت بلال کو اذان کہنے سے گریز نہ ہوگا، ورنہ حضرت بلال نے رسول خدا ﷺ کے بعد کسی کے لئے اذان نہیں کہی ہے۔ حتی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آں حضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت بلال سے چاہا تھا کہ اذان پکاریں، لیکن حضرت بلال نے کہہ دیا تھا کہ اے امیر المومنین! آپ نے مال دے کر مجھے خریدا اور راہ خدا میں آزاد کردیا، یہ سب آپ نے اپنے لئے کیا تھا یا خدا کے لئے؟ حضرت ابوبکر نے فرمایا

کہ میں نے خدا کے لئے کیا تھا۔ حضرت بلال نے کہا کہ اب بھی مجھ کو خدا ہی کے لئے چھوڑ دو، تاکہ میں خود مختار رہوں۔ مجھ میں اب اتنی طاقت نہیں ہے کہ رسول خدا ﷺ کے بعد کسی دوسرے کے لئے اذان کہوں۔ اس کے بعد حضرت بلال ملک شام چلے گئے تھے اور وہاں سے اب زیارت کرنے کو مدینہ منورہ تشریف لائے تھے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جب امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہما نے حضرت بلال سے فرمایا کہ اذان کہیئے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ مسجد کی چھت پر، جس جگہ حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں کھڑے ہوتے تھے وہاں چڑھے۔ جب ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ اللّٰہُ اَکْبَرُ'' کہا تو لوگوں میں شور مچ گیا۔ گویا تمام شہر مدینہ حرکت میں آ گیا جب ''اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' فرمایا، ایک دوسری قیامت قائم ہوگئی، کوئی عورت، مرد، خورد و کلاں مدینہ میں ایسا نہ تھا جو گھر سے باہر نہ نکل آیا ہو اور رویا نہ ہو۔ گویا کہ سید المرسلین ﷺ کی رحلت کا دن تازہ ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ انتہائی بے چینی اور غم کی وجہ سے اذان پوری نہ کر سکے اور اتر آئے۔

(جذب القلوب، اردو ترجمہ، ص ۲۳۰)

امام تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جنت کا کون سا حصہ ایسا ہے، جسے ہم حضور اکرم ﷺ کی قبر شریف سے افضل قرار دیں؟ قبر شریف ہی تمام اماکن مقدسہ اور مقامات رفیعہ سے افضل ہے۔ خواہ جنت ہو یا اور کوئی جگہ، اس کے بعد فرمایا کہ اگر حضور اکرم ﷺ کی قبر انور کو عرش عظیم پر فضیلت دیں، تو ہم نہیں جانتے کہ کسی مومن صادق کو اس میں توقف ہوگا، کیوں کہ وہ سب حضور اکرم ﷺ کے طفیل شریف ہیں۔ (مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص ۷۶۹)

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ امام مالک پر رحمت فرمائے جو درگاہ محمدی ﷺ کے خاص ہمسائیوں میں سے ہیں، وہ مکروہ جانتے ہیں کہ کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کی قبر انور کی زیارت کی ہے، بلکہ وہ اس طرح کہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کی زیارت کی ہے۔ (مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص ۷۶۲)



(۱۱۲)

تو کلام خدا کا حافظ ہے
تیرا حافظ خدا محبّ رسول

(حدائق بخشش، حصہ ۳، ص ۴۰)

حل لغت:

کلام خدا: خدا کا کلام، کلام الٰہی، قرآن شریف۔ (فیروز اللغات، ص ۱۰۲۰)

حافظ: نگہبان، حفاظت کرنے والا، پاسبان، وہ شخص جسے قرآن پاک حفظ ہو، ایران کے مشہور صوفی شاعر شمس الدین محمد شیرازی کا تخلص، خدائے تعالیٰ کا صفاتی نام، حفظ کرنے والا، قرآن شریف جس کو یاد ہو، فارس کے لوگ مطرب اور قوّال کو حافظ کہتے ہیں۔ (فیروز اللغات، ص ۵۶۱ ☆ لغات کشوری، ص ۲۲۳ ☆ کریم اللغات، ص ۵۵)

محبّ: حب رکھنے والا، محبت کرنے والا، یار، دوست، مشفق، شفیق، دوست رکھنے والا، دوستی کرنے والا، پیار کرنے والا۔ (فیروز اللغات، ص ۱۲۱۰ ☆ لغات کشوری، ص ۶۷۰ ☆ کریم اللغات، ص ۱۴۶)

محبّ رسول: یہاں مراد حضرت مولانا، حافظ محمد عبد القادر صاحب قادری، عثمانی، بدایونی علیہ الرحمۃ والرضوان ہیں اور یہ ان کا لقب ہے۔ (حدائق بخشش، حصہ ۳، ص ۳۹)

پہلے مصرع میں لفظ ''حافظ'' کا مطلب ''قرآن یاد کرنے والا'' ہے۔
دوسرے مصرع میں لفظ ''حافظ'' کا مطلب ''حفاظت کرنے والا'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تاج الفحول، محب رسول، افضل العلماء حضرت مولانا مولوی، حافظ الشاہ عبد القادر بدایونی علیہ الرحمہ کی تعریف وتوصیف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے مولانا عبد القادر بدایونی محب رسول! آپ کلام خدا یعنی قرآن مجید کے حافظ (یاد کرنے والے) ہیں۔ آپ کا حافظ (حفاظت کرنے والا) خدا ہے۔ اس شعر میں لفظ ''حافظ'' کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ مصرع اول میں جو لفظ ''حافظ'' ہے، اس کا مطلب یاد کرنے والا یا حفظ کرنے والا ہے، اور دوسری مرتبہ مصرع ثانی میں جو لفظ ''حافظ'' ہے، اس کا مطلب نگہبان یا حفاظت کرنے والا ہے۔ دونوں لفظ ''حافظ'' حروف واعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق

ہونے کی وجہ سے یہ شعرفن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حضرت رضا بریلوی کے جو مراسم تھے وہ صرف دینی تھے۔آپ اوران کے درمیان جو محبت، الفت، شفقت، اور گہرا لگاؤ تھا وہ صرف اللہ ورسول (جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) لئے تھا، ''اَلْحُبُّ لِلّٰہِ'' کا منظران دونوں کے تعلقات سے عیاں تھا۔دونوں حضرات ایک دوسرے کی غایت درجہ تعظیم تکریم اورعزت کرتے تھے۔مولانا عبدالقادر نے حمایت دین وملت کے معاملہ میں ہر معرکہ میں حضرت رضا بریلوی ساتھ دیا، اورآپ سنیت کے معاملے میں متصلب تھے۔اللہ اور رسول کی بارگاہ میں گستاخی کرنے والے باطل فرقوں سامنے آپ ہمیشہ سینہ سپر رہے۔حضرت امام احمد رضا بریلوی آپ کی دینی خدمات سے نہایت متاثر تھے۔اورآپ مخلصانہ خدمات پر حضرت رضا کو کامل اعتماد و بھروسہ تھا۔آپ کی علمی استعداد، فقہی بصیرت، محدثانہ انداز تدریس اورآپ شان تفقہ کا حضرت رضا نے بھی لوہا مانا ہے۔حضرت رضا آپ کے ان تمام فضائل وکمالات کے قائل تھے۔اورآپ غایت درجہ عظمت ملحوظ رکھتے تھے۔حضرت رضا نے آپ کی منقبت میں ۱۰۴ اشعار پر مشتمل قصیدہ نظم فرمایا ہے۔اورا قصیدہ میں حضرت رضا نے آپ کو امام الہدیٰ، دین کے مقتدا، نائب مصطفیٰ، صاحب اصطفا، مظہر ارتضا، حق کی ضیاء، ز الاتقیاء، عمدۃ الازکیا، شرق شان وفا، کرم کی گھٹا، کان جود وحیا، ناظم ابتداء وغیرہ جلیل القدر القابات سے نوازا ہے۔اورا شعر میں ''تو من ومن تو'' یعنی تو میں ہوں اور میں تو ہے۔کہہ کر آپ کے ساتھ اپنی ایمانی نسبت کا عمق ظاہر فرمایا ہے حضرت رضا بریلوی نے ایک معاملے میں اپنے آپ کو مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی کا احسان مند اور مرہون منت مانا اور وہ معاملہ حضرت رضا کی بیعت کا ہے۔

حضرت رضا بریلوی کو آستانہ عالیہ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ تک پہنچانے والے مولانا بدایونی تھے۔مولانا بدایونی مشورے اور ترغیب دلانے پر حضرت رضا بریلوی بیعت ہونے کے لئے مارہرہ تشریف لے گئے تھے۔حضرت رضا بریلو اپنے والد ماجد رئیس الاتقیاء حضرت مولانا نقی علی خاں قدس سرہٗ کے ہمراہ بیعت ہونے کے لئے حضرت خاتم الاکابر سید آل رسول مارہروی قدس سرہٗ کی خدمت میں جب حاضر ہوئے تو مولانا عبدالقادر بدایونی بھی ساتھ گئے تھے۔حضرت بریلوی اپنے پیرومرشد پہ اتنے نازاں تھے کہ شاید ہی کوئی مرید اپنے پیرومرشد پر اتنا نازاں ہو۔بلکہ ایسے کامل پیرومرشد پر حضرت رضا بریلوی اپنی قسمت پر ناز کرتے تھے اور اپنے پیر کے دربار کی حضوری، غلامی، گدائی پر فخر کرتے تھے۔جیسا فرمایا ہے:

کیسے آقاؤں کا بندہ ہوں رضاؔ	بول بالے میری سرکاروں کے
منم امیر جہانگیر کج کلاہ یعنی	کمینہ بندہ ومسکین گدائے آل رسول
رسول داں شوی از نام او نمی بینی	دوحرف معرفہ در ابتدائے آل رسول

حضرت رضا بریلوی اپنے پیرومرشد کی محبت میں اتنا غرق ہوئے کہ ''فنافی الشیخ'' کی منزل میں پہنچ گئے اور اپنے

مرشد ہی نہیں، بلکہ اپنے پیرومرشد کے گھرانے اور آستانے کے ہر فرد سے غایت درجہ عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ حضرت مولانا عبدالقادر بدایونی کے توسط سے مارہرہ شریف تو پہنچ گئے لیکن مارہرہ شریف پہنچ کر اپنے پیرومرشد کی محبت وعقیدت میں ایسے گم ہوئے اور اپنے پیر کے مقدس آستانے سے دل وجان سے ایسے چپکے اور چمٹے کہ مارہرہ اور بریلی کا فرق اٹھ گیا۔ حضرت رضا بریلی میں ہوتے، لیکن ان کے دل کی دھڑکن مارہرہ مطہرہ میں ہوتی۔ جسم بریلی میں تھا، لیکن روح مارہرہ مقدسہ میں تھی، حضرت رضا کے لئے اپنے پیرومرشد کے قدموں میں ہی سب کچھ تھا۔ اسی لئے تو حضرت رضا بریلوی نے اپنے پیرومرشد کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے، جو منقبت نظم فرمائی ہے اس میں اپنے تأثرات اور دلی جذبات عقیدت ومحبت کا والہانہ انداز میں اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

خوشا دلے کہ دہندش ولائے آل رسول　　　خوشا سرے کہ کنندش فدائے آل رسول

یعنی خوش نصیب وہ دل ہے جسے حضرت سید شاہ آل رسول مارہروی قدس سرہٗ کی محبت مل جائے، اور خوش نصیب ہے وہ سر جس کو حضرت آل رسول پر فدا یعنی قربان کیا جائے۔

حضرت رضا بریلوی اپنے پیرومرشد کی محبت وعقیدت کی وجہ سے اپنے پیرومرشد کی جدائی برداشت نہ کرسکتے تھے۔ بریلی میں رہتے ہوئے ہمہ وقت مارہرہ شریف کی یاد و جدائی میں تڑپتے تھے، اور اپنے آقائے نعمت کی خدمت عالی کی حضوری کے لئے بے قرار رہتے تھے۔ جس کا پتہ آپ کے اس شعر سے چلتا ہے:

صبا سلام اسیران بستہ بال رساں　　　بطائران ہوا و فضائے آل رسول

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ کو اس بات کا پورا احساس تھا کہ انھیں مارہرہ مطہرہ تک رسائی حضرت مولانا عبدالقادر بدایونی کی وجہ سے ہوئی ہے۔ انہیں کے توسط سے مارہرہ مقدسہ کے کامل پیر طریقت کا دامن ہاتھ میں آیا ہے۔ لہٰذا حضرت رضا بریلوی ہمیشہ مولانا عبدالقادر کے شکر گزار رہے، اور جس شعر کی تشریح کرنے کی ہم اس وقت کوشش کررہے ہیں اس قصیدۂ مدحیہ کا ہے جس میں حضرت رضا بریلوی نے مولانا عبدالقادر کے اس عظیم احسان کا شکریہ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے پیرومرشد خاتم الاکابر حضرت سید شاہ آل رسول مارہروی کی عظمت شان کا بھی ذکر کیا ہے۔ پہلے مولانا عبدالقادر کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

تیری نعمت کا شکر کیا کیجئے　　　تجھ سے کیا کیا ملا محب رسول
اور تو اور شیخ تجھ سے ملا　　　اس سے بڑھ کر ہے کیا محب رسول

اس کے بعد حضرت رضا بریلوی اپنے پیرومرشد کی مدح وثنا کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

شیخ بھی وہ کہ جس کے در کی خاک　　　چشم جاں کی جلا محب رسول
شیخ بھی وہ کہ ایک جھلک میں کرے　　　شب کو شمس الضحیٰ محب رسول
شیخ بھی وہ کہ جس کی ایک نگاہ　　　دوجہاں کا بھلا محب رسول

شیخ بھی وہ کہ جس کے مجرائی	اولیاء اصفیا محبّ رسول
شیخ بھی وہ کہ فتنوں کی ہے قضا	جس کی ایک ایک ادا محبّ رسول
شیخ بھی وہ کہ جس کے نام کا ورد	درد دل کی دوا محبّ رسول
شیخ بھی وہ کہ حق کے پھول کھلائے	جس کے دم کی ہوا محبّ رسول
شیخ بھی وہ کہ جس کے عشق کی آگ	نار سے ہے نجا محبّ رسول
شیخ بھی وہ کہ جس کا آب وضو	باغ دیں کی بہا محبّ رسول
شیخ بھی وہ کہ خاک پا سے کرے	مس جان کو طلا محبّ رسول
شیخ بھی کون حضرت آل رسول	خاتم الاولیا محبّ رسول
اس کے در تک رسائی تجھ سے ملی	تو ہوا رہنما محبّ رسول
مجھ پہ واجب ہے تیرا شکر نعم	مجھ پہ لازم دعا محبّ رسول

مذکورہ اشعار کے ذریعہ حضرت رضا بریلوی اپنے پیرومرشد حضور خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول مارہروی رضی اللہ عنہ کی عقیدت ومحبت وعظمت کا اظہار فرمارہے ہیں، اورایسے اکمل پیر کے درتک رسائی ملنے کی رہنمائی کا سہرا حضرت مولانا عبد القادر صاحب بدایونی کے سر رکھتے ہوئے ان کا شکریہ ادا کررہے ہیں۔ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب بدایونی اپنے وقت کے جید عالم اوراستاذ العلماء تھے۔ مشاہیر علمائے اہل سنت کوان سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ مارہرہ مقدسہ کے عظیم الشان شہزادوں نے ان سے علوم شریعت پڑھا ہے۔



(۱۴۳)

ان کے قدم سے سلعۂ غالی ہوئی جناں
واللہ میرے گل سے ہے جاہ وجلال گل

حل لغت:

قدم: پاؤں، پیر، گام، ڈگ، وہ فاصلہ جو چلنے کی حالت میں ایک قدم سے دوسرے قدم تک ہو، روش، رفتار، چال، پیر کا نشان، تشریف آوری، واسطہ، دخل، ذات، موجودگی، دم، گھوڑے کی چال، نشان اثر۔

(فیروز اللغات، ص ۹۵۰ ☆ لغات کشوری، ص ۵۵۳)

سلعہ غالی: متاع گراں بہا، بہت ہی قیمتی متاع، حدیث میں جنت کو سلعۂ غالیہ فرمایا گیا ہے۔

(حدائق بخشش، حصہ ا میں حاشیہ زیر نعت: کیا ٹھیک ہو رخ نبوی پر مثال گل)

غالی: گراں، مہنگا، حد سے گزر جانے والا، حد سے بڑھا ہوا، بہت زیادہ، مبالغہ کا کلمہ، اونی قالین، وہ فرقہ جو حضرت علی کو خدا مانتا ہے۔ (فیروز اللغات، ص ۹۰۹ ☆ لغات کشوری، ص ۵۱۰ ☆ کریم اللغات، ص ۱۱۲)

واللہ: خدا کی قسم، بے شک، یقیناً، سچ مچ، فی الحقیقت۔ (فیروز اللغات، ص ۱۴۰۳ ☆ لغات کشوری، ص ۷۹۹ ☆ کریم اللغات، ص ۱۹۰)

گل: پھول، معشوق، داغ، آگ کا انگارا، نتیجہ، بہتر، خوب، دھبا، پھانسی، وغیرہ۔

(فیروز اللغات، ص ۱۱۰۰ ☆ لغات کشوری، ص ۶۱۷ ☆ کریم اللغات، ص ۱۳۴)

جاہ وجلال: رعب وداب، دبدبہ، شان وشوکت، عظمت۔ (فیروز اللغات، ص ۴۴۸)

جاہ: مرتبہ، رتبہ، درجہ، منصب، عزت، قدر ومنزلت، بزرگی، عظمت، شان۔

(فیروز اللغات، ص ۴۴۸ ☆ لغات کشوری، ص ۱۸۶ ☆ کریم اللغات، ص ۴۶)

جلال: بزرگی، عظمت، بڑائی، شان وشوکت، رعب داب، طاقت، قوت، غصہ، طیش، تیزی، تندی، جوش، باطنی عمدہ صفات۔

(فیروز اللغات، ص ۴۶۷ ☆ لغات کشوری، ص ۱۹۷ ☆ کریم اللغات، ص ۵۱)

دوسرے مصرع میں پہلے والے لفظ ''گل'' کا مطلب ''محبوب'' ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد والے لفظ ''گل'' کا مطلب ''پھول، جنت'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف اور فیض بخشی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میرے آقا ومولیٰ کی وہ شان عالی ہے کہ شب معراج جب آپ جنت کی سیر کو تشریف لے گئے تو آپ کے مبارک قدموں کی برکت سے جنت، سلعۂ غالی بن گئی۔ سلعۂ غالی یعنی متاع گراں بہا، حدیث میں جنت کو سلعۂ غالی فرمایا گیا ہے۔ متاع گراں بہا کے معنی دیکھیں:

- متاع: پونجی، اثاثہ وغیرہ (فیروز اللغات، ص ۱۱۹۴)
- گراں بہا: قیمتی، بیش قیمت۔ (فیروز اللغات، ص ۱۰۸۷)

یعنی جنت بہت ہی قیمتی پونجی یا اثاثہ ہے، کیوں کہ یہ زندگی بھر ایمان کو سلامت رکھنے کے ساتھ عبادت وریاضت کے صلہ میں ملتی ہے، اور میدان محشر کے حساب وکتاب کے بعد حضور اقدس، شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے اور طفیل اور شفاعت سے ملے گی اور جو مومن ایک دفعہ جنت میں داخل ہو گیا وہ ہمیشہ اس میں رہے گا۔ یعنی جنت اس کی کمائی (نیکی) کی پونجی ہے اور وہ پونجی کوئی معمولی نہیں بلکہ بیش قیمت ہے۔ لیکن وہ پونجی یعنی جنت کو بیش قیمت ہونے کا شرف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے

قدم ناز کی برکت سے حاصل ہوا ہے۔ خدا کی قسم میرے گل یعنی میرے محبوب آقا ﷺ کی بارگاہ میں جنت بھی جاہ وجلال یعنی شان وشوکت کی خواستگار اور سوالی ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا نے لفظ "گل" کا استعمال دو مرتبہ فرمایا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ گل ہے اس کا معنی محبوب ہے، اور اس سے مراد حضور اقدس ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ دوسری مرتبہ جو لفظ گل ہے اس کا معنی پھول ہے اور اس سے مراد جنت ہے۔ دونوں لفظ گل حروف واعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے قدم کی برکت وجلوے سے جنت سلعۂ عالی یعنی متاع گراں بہا اور بہت ہی قیمتی وبیش قیمت ہوگئی۔ اب جنت کیسی ہے؟ اس میں کیا ہے؟ جنت کس طرح بنی؟ وغیرہ کا بیان شعر نمبر 33

جنت ہے ان کے جلوے سے جویائے رنگ وبو　　　اے گل ہمارے گل سے ہے گل کو سوال گل

کی تشریح میں گزرا ہے۔ لہٰذا قارئین کرام اس شعر کی تشریح کی طرف رجوع فرمائیں۔

حضور کے قدموں کی برکت سے جنت سلعۂ غالی بنی۔ اور وہ قدم شب معراج میں وہاں گئے۔ لیکن دور حاضر کے منافقین حضور اقدس ﷺ کی جسمانی معراج کا انکار کرتے ہیں، اور جب جسمانی معراج کا ہی انکار کردیا تو در پردہ حضور کے جنت میں جانے کا بھی انکار کردیا۔ اب کچھ احادیث پیش خدمت ہیں جن سے اظہر من الشّمس ثابت ہوجائے گا کہ حضور اقدس شب معراج جنت میں تشریف لے گئے۔

حاکم نے صحیح بتا کر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جبرئیل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑا، اور مجھے جنت کی سیر کرائی اور مجھے وہ دروازہ دکھایا جس سے میری امت داخل ہوگی۔ اس پر حضرت ابو بکر صدیق نے عرض کیا کہ اے کاش! کہ میں آپ کے ساتھ ہوتا تو اس دروازے کو دیکھتا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، سنو! میری امت میں سے جنت میں جانے والوں میں تم سب سے پہلے ہوگے۔

(مدارج النبوت، از شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۴۹۶ ☆ خصائص کبریٰ، از امام جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص ۲۰۷)

حاکم نے ام المؤمنین سیدنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی، کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے اس میں تلاوت کی آواز سنی، میں نے پوچھا یہ تلاوت کرنے والا کون ہے؟ فرشتوں نے کہا یہ حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ ہیں۔ تمھارے نیکوکاروں کا یہی حال ہے۔ (خصائص کبریٰ، اردو، جلد ۲، ص ۲۰۷)

ابن عساکر نے بطریق ابو بکر بن عیاش وحمید سے اور انھوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی، انھوں نے کہا کہ رسول ﷺ نے فرمایا میں جنت میں داخل ہوا تو میرے سامنے ایک محل آیا، میں نے پوچھا یہ کس کا محل ہے؟ فرشتوں نے کہا: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا، مجھے اس محل میں داخل ہونے سے کسی نے نہ روکا۔ مگر اے عمر! تمھاری غیرت نے

مجھے باز رکھا۔ حدیث کے راوی ابوبکر نے کہا کہ میں نے حمید سے پوچھا کہ یہ واقعہ خواب کا ہے یا بیداری کا؟ حمید نے کہا کہ بیداری کا ہے۔ (خصائص کبریٰ، اردو، جلد۲، ص ۲۰۷)

امام بخاری اور امام مسلم نے بروایت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی، آپ نے فرمایا کہ مجھے جنت دکھائی گئی تو میں نے دیکھا کہ اکثر اہل جنت فقراء لوگ ہیں اور مجھے دوزخ دکھائی گئی تو میں نے دیکھا کہ اکثر اہل دوزخ عورتیں ہیں۔ (ایضاً)

ایک نکتہ یہاں پر قابل غور ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت، جہنم وغیرہ مقامات کی سیر اس لئے کرائی گئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی عطا اور اپنے لطف وکرم سے ساری کائنات کا مالک بنایا ہے، تو جب جنت کا بھی آپ کو مالک بنایا ہے تو آپ کی اپنی ملک اور اپنی زیر سلطنت جگہ کو ملاحظہ فرمانے کے لئے بھی بلایا گیا کہ اے محبوب! آکر جنت اور دوزخ کو دیکھ لو۔ ہم نے آپ کے اختیار میں جنت اور دوزخ کو اس لیے دے دیا ہے کہ آپ اپنے محبوبوں کو جنت میں اور دشمنوں کو جہنم میں بھیج دیں، بلکہ آپ کو اتنا اختیار عطا فرمایا ہے کہ جس کو جو چاہیں عطا فرمائیں۔

حافظ ابوسعید عبدالملک بن عثمان اپنی کتاب شرف النبوۃ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے راوی کہ حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ روز قیامت اللہ تعالیٰ سب اگلے پچھلوں کو جمع فرمائے گا اور دو منبر نور کے عرش کے داہنے اور بائیں بچھائے جائیں گے۔ ان پر دو شخص چڑھیں گے، داہنے والا پکارے گا، اے جماعت مخلوق! جس نے مجھے پہچانا اس نے پہچانا اور جس نے نہ پہچانا تو میں رضوان داروغۂ بہشت ہوں۔

''اِنَّ اللّٰہَ اَمَرَنِیْ اَنْ اُسَلِّمَ مَفَاتِیْحَ الْجَنَّۃِ اِلٰی مُحَمَّدٍ وَ اِنَّ مُحَمَّدًا اَمَرَنِیْ اَنْ اُسَلِّمَھَا اِلٰی اَبِیْ بَکْرٍ وَ عُمَرَ لِیُدْخِلَا مُحِبِّیْھِمَا الْجَنَّۃَ اَلَا فَاشْھَدُوْا''

ترجمہ: مجھے اللہ عزوجل نے حکم دیا ہے کہ جنت کی کنجیاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سپرد کردوں، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ابوبکر وعمر کو دوں، کہ وہ اپنے دوستوں کو جنت میں داخل کریں۔ سنتے ہو۔ گواہ ہو جاؤ۔ پھر بائیں طرف والا پکارے گا، اے جماعت مخلوق! جس نے مجھے پہچانا اس نے پہچانا، اور جس نے نہ پہچانا تو میں داروغۂ دوزخ ہوں۔

''اِنَّ اللّٰہَ اَمَرَنِیْ اَنْ اُسَلِّمَ مَفَاتِیْحَ النَّارِ اِلٰی مُحَمَّدٍ وَ اِنَّ مُحَمَّدًا اَمَرَنِیْ اَنْ اُسَلِّمَھَا اِلٰی اَبِیْ بَکْرٍ وَ عُمَرَ لِیُدْخِلَا مُبْغِضِیْھِمَا النَّارَ اَلَا فَاشْھَدُوْا''

ترجمہ: مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ دوزخ کی کنجیاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سپرد کردوں، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ابوبکر وعمر کو دوں کہ وہ اپنے دشمنوں کو جہنم میں داخل کریں۔ سنتے ہو، گواہ ہو جاؤ۔

اس حدیث کو علامہ شہاب الدین خفاجی نے اپنی کتاب نسیم الریاض میں ذکر کی ہے۔

(الامن والعلی، از امام احمد رضا بریلوی، ص ۶۲)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جنت کا مالک بنا دیا ہے اور حضور نے جنت کو حضرت

سیدنا صدیق اکبر اور حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے اختیار میں عطا فرمادی ہے، کہ وہ جسے چاہیں جنت میں داخل فرمادیں اور اسی طرح دوزخ کا بھی اختیار عطا فرمادیا ہے۔ تعجب اور حیرت ان حاسدوں پر ہے کہ وہ حضور اکرم پر اللہ تعالیٰ کی عنایت ونوازش سے حسد کی آگ میں جلتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی عنایت ونوازش سے تو مومن کو خوش ہونا چاہیے۔ جیسا کہ حضرت رضا فرماتے ہیں:

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب — یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

●

مالک کونین ہیں ، گو پاس کچھ رکھتے نہیں — دو جہاں کی نعمتیں ہیں ، ان کے خالی ہاتھ میں

●

صف ماتم اٹھے، خالی ہو زنداں، ٹوٹیں زنجیریں — گنہگارو چلو ، مولیٰ نے در کھولا ہے جنت کا

●

لیکن رضاؔ نے ختم سخن اس پہ کردیا — خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

دور حاضر کے منافقین معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر مانتے ہیں، اور یہاں تک کہتے اور لکھتے ہیں کہ جس کا نام ''محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں''۔ (دیکھو، کتاب تقویت الایمان، از مولوی اسماعیل دہلوی) حالاں کہ وہ عشرۂ مبشرہ کے قائل ہیں۔ عشرۂ مبشرہ یعنی وہ دس خوش نصیب نفوس قدسیہ، جن کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں جنتی فرمادیا اور ان دس حضرات کو ان کی حیات میں ہی جنت کی بشارت دے دی۔ ان دس خوش نصیب حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

- امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق
- امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم
- امیر المومنین سیدنا عثمان غنی
- امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ
- امین الامت حضرت ابوعبیدہ بن جراح
- حضرت سعد بن ابی وقاص
- حضرت عبدالرحمٰن بن عوف
- حضرت طلحہ بن عبیداللہ
- حضرت زبیر بن العوام
- حضرت سعید بن زید (رضی اللہ عنہم)

دور حاضر کے منافقین اور مرتدین کی کج فہمی پر تعجب ہے کہ وہ عشرۂ مبشرہ کو جنتی مانتے ہیں، اور اپنی کتابوں میں ان کو عشرۂ مبشرہ لکھتے ہیں تو جب ان دس حضرات کو جنتی تسلیم کرلیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب اور حضور کے مالک جنت ہونے کا خود بخود اقرار ہوگیا۔ کیوں کہ ان کو جنتی ہونے کی بشارت حضور نے ہی دی، اور یہ بشارت دینا کوئی معمولی کام نہیں، یہ بشارت وہی دے سکتا ہے، جو احوال آخرت پر مکمل مطلع ہو اور اسے کسی کو جنت میں داخل کرنے کا اختیار بھی حاصل ہو۔

امام ربانی احمد بن محمد خطیب قسطلانی اپنی کتاب المواہب اللدنیہ میں فرماتے ہیں کہ

''هُوَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ خَزَانَةُ السُّرُوْرِ وَ مَوْضِعُ نُفُوْذِ الْاَمْرِ فَلَا يَنْفُذُ الْاَمْرُ اِلَّا مِنْهُ

وَ لَا يَنْقُلُ خَيْرٌ اِلَّا عَنْهُ''

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم راز الٰہی کے خزانے اور جائے نفاذ امر ہیں۔ کوئی حکم نافذ نہیں ہوتا مگر حضور کے دربار سے اور کوئی نعمت کسی کو نہیں ملتی مگر حضور کی سرکار سے صلی اللہ علیہ وسلم۔ (الامن والعلی، ص ۱۱۴)

تو جب جنت حضور کی ملک اور اختیار میں دے دی گئی ہے، تو جنت کی شان و شوکت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم ناز کی برکت سے بڑھ گئی ہے، جب کہ آپ نے معراج کی شب اپنے قدموں سے جنت کو شرف بخشا، حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں:

بچا جو تلوؤں کا ان کے دھوون، بنا وہ جنت کا رنگ و روغن　　جنھوں نے دولھا کی پائی اترن، وہ پھول گلزار نور کے تھے

بے شک جنت کی زیب و زینت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کی برکت سے ہے۔ پوری کائنات دربار مصطفیٰ کی سوالی ہے۔ جس نے جو کچھ پایا ہے یہیں سے پایا ہے، اور جو کچھ بھی پائے گا وہ یہیں سے پائے گا۔ اسی لئے تو آٹھوں جنت لطافت و نزاکت کے حصول کے لئے بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی سوال کرتے ہیں۔ بقول حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان:

ہشت خلد آئیں وہاں کسب لطافت کو رضا　　چار دن برسے جہاں ابر بہاران عرب



(۱۱۴)

خالی پاؤں گا جب اس گل سے دماغ
زندگی کا مرے گل ہوگا چراغ

(حدائق بخشش، حصہ ۳، ص ۸۰)

حل لغت:

خالی: جو بھرا ہوا نہ ہو، کھوکھلا، تہی، صرف، محض، اکیلا، تنہا، بے کار، نکما، بے روزگار، سونا، غیر مقبوضہ، غیر آباد، فارغ، بے مشغلہ، مسلمانوں کا گیارہواں مہینہ ذیقعدہ، یہ نام نور جہاں بیگم نے رکھا تھا، غیر مؤثر، بے اثر، عاری، مبرا جس میں کچھ بھرا نہ ہو۔ (فیروز اللغات، ص ۵۸۲ ☆ لغات کشوری، ص ۲۵۰)

گل: پھول، معشوق، داغ، دھبا، پھانسی، حقے کا جلا ہوا تمبا کو، آگ سے جل جانے کا نشان، وغیرہ۔

(فیروز اللغات، ص ۱۱۰۰ ☆ لغات کشوری، ص ۶۱۷ ☆ کریم اللغات، ص ۱۳۴)

گل ہونا: چراغ بجھنا، رونق ختم ہونا، عزت کا گر جانا۔ (فیروز اللغات، ص ۱۱۰۲)

پہلے مصرع میں وارد لفظ ''گل'' کا مطلب ''معشوق'' ہے۔
دوسرے مصرع میں وارد لفظ ''گل'' کا مطلب ''چراغ بجھنا'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

یہ شعر امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی مثنوی الوداع جبہ شریف کا ہے جو آپ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس جبہ شریف کی جدائی اور فراق میں لکھی تھی۔ اس مثنوی شریف کا ایک شعر ہے:

بلبلیں خاموش پڑی ہیں خاک پر ۔۔۔ کیوں ہیں منقاریں چھپائے زیر پر

اس کی تشریح شعر نمبر 47 میں کچھ تفصیل سے ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ انہتر اشعار پر مشتمل مثنوی کا پچپنواں شعر اس وقت آپ حل کر رہے ہیں۔ اس میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ ''خالی پاؤں گا جب اس گل سے دماغ''، یعنی جب گل گلزار نبوت و رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال و تصور اور ذکر سے اپنا دماغ یعنی فہم و عقل خالی پاؤں گا تب اس وقت میری زندگی کا چراغ گل ہو جائے گا یعنی بجھ جائے گا یعنی موت کی آغوش میں سو جاؤں گا۔

اس شعر میں لفظ ''گل'' کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ مصرع اول میں جو لفظ گل ہے، اس سے مراد حضور اقدس رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ مصرع ثانی میں جو لفظ ''گل'' ہے، اس کے معنی بجھنا، ختم ہونا وغیرہ ہے۔ دونوں لفظ گل اعراب و حروف کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی و مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔ حالاں کہ یہ شعر جبہ شریف کی الوداع میں لکھا گیا ہے، اور بظاہر مصرع اول میں لفظ گل سے مراد جبہ شریف ہونی چاہیے، لیکن درحقیقت یہاں ''گل'' سے مراد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک ہے، کیوں کہ اس شعر سے قبل جو شعر ہے اس میں اس کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان جبہ شریف کو مخاطب کر کے عرض کرتے ہیں:

تجھ سے آتی تھی مجھے بو ہر گھڑی ۔۔۔ گلستان اصطفا کے پھول کی

یعنی اے مقدس جبہ شریف! تجھ کو میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیب تن فرمایا، اور اپنے جسم اقدس سے مس ہونے کا تجھے شرف بخشا، اور سرکار دو عالم کے جسم اقدس کی یہ خصوصیت تھی کہ جو بھی شئی جسم اقدس سے مس ہو جاتی تھی، اس میں ایک نرالی خوشبو اور مہک پیدا ہو جاتی تھی۔

ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا میں نے اپنے ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے پر رکھ دیے، کئی ہفتوں تک میرے ہاتھوں سے وضو کرتے وقت اور کھانا کھاتے وقت مشک و عنبر کی خوشبو آ رہی تھی۔

(شواہد النبوۃ، از: علامہ جامی، اردو ترجمہ، ص ۱۹۹)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا۔

میں نے دست اقدس کی ایسی ٹھنڈک اور خوشبو پائی کہ گویا آپ نے ابھی ابھی عطر کی ڈبیہ سے اپنا دست مبارک نکالا ہے۔ جو بھی آپ سے مصافحہ کرتا وہ تمام دن اپنے ہاتھوں میں خوشبو پاتا۔ آپ جس بچے کے سر پر دست شفقت رکھتے وہ آپ کی خوشبو کی وجہ سے تمام بچوں میں ممتاز و معروف ہو جاتا۔ (مدارج النبوۃ، از شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۴۸)

بیہقی اور ابن عساکر نے حضرت وائل بن حجر سے روایت کیا، انھوں نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ سے مصافحہ کرتا، یا میرا جسم آپ کے جسم اقدس کے کسی حصہ سے چھو جاتا، تو میں اپنے ہاتھ میں تین دن تک مشک سے زیادہ خوشبو پایا کرتا تھا۔

(خصائص کبریٰ، از امام اجل علامہ جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص ۱۹۵)

حضرت عتبہ بن فرقد سلمی رضی اللہ عنہ کی زوجہ ام عاصم روایت کرتی ہیں کہ ہم چار عورتیں عتبہ کی زوجیت میں تھیں، اور ہم میں سے ہر ایک یہی کوشش کرتی کہ زیادہ سے زیادہ خوشبو میں بس کر عتبہ کے قریب جائے۔ ہم سب اس کوشش میں خوب خوشبو استعمال کرتیں، لیکن ہم میں سے کسی کی خوشبو عتبہ کی خوشبو تک نہ پہنچتی تھی۔ ایک دن میں نے عتبہ سے اس کی وجہ پوچھی، تو انھوں نے کہا کہ حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں مجھے شریٰ یعنی گرمی کے دانے نکل آئے تھے۔ میں نے حضور کی خدمت میں جا کر اپنے اس مرض کی شکایت کی، تا کہ آپ علاج فرما دیں۔ آپ نے مجھے حکم دیا کہ بدن سے کپڑے اتار دو، میں نے اپنی شرم گاہ اور ستر عورت پر کپڑا ڈال رکھا اور باقی بدن برہنہ کر کے حضور کے سامنے بیٹھ گیا، آپ نے اپنا دست کرم میری پشت اور شکم پر پھیرا، اسی دن سے یہ خوشبو مجھ میں مہکنے لگی ہے۔

اس حدیث کو طبرانی نے معجم کبیر، اوسط اور صغیر میں بہ سند جید اور بیہقی نے ام عاصم سے روایت کی ہے۔

(مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۴۷ ☆ خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص ۱۹۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب کوئی صحابی بہ قصد حضوری آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا، اور آپ کو کاشانۂ اقدس میں نہ پاتا تو وہ راہ میں آپ کی اس خوشبو کو سونگھتا، جو آپ کی گزرگاہ ہونے کے سبب راہ میں پھیلی ہوئی ہوتی تھی۔ مدینہ منورہ کے جس جس کوچے سے حضور اکرم ﷺ گزرتے، صحابۂ کرام اس راہ میں خوشبو محسوس کر کے حضور کے پاس چلے جاتے تھے۔ (مدارج النبوۃ، جلد ۱، ص ۴۸)

امام مسلم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز حضور اکرم ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے اور دو پہر کے وقت قیلولہ فرمایا۔ چوں کہ حضور کو نیند میں بہت پسینہ آیا کرتا تھا، تو میری والدہ جن کا نام ام سلیم ہے۔ شیشی لے کر آپ کے پسینہ مبارک اس میں جمع کرنے لگیں۔ حضور اقدس ﷺ کی آنکھ کھل گئی۔ فرمایا: اے ام سلیم! کیا کر رہی ہو؟ یارسول اللہ! آپ کا پسینہ مبارک جمع کر رہی ہوں، تا کہ میں اسے بطور خوشبو استعمال کروں۔ کیوں کہ اس کی خوشبو سب سے زیادہ بہتر ہے۔ (مدارج النبوۃ، جلد ۱، ص ۴۸)

ابو یعلی اور طبرانی نے اوسط میں اور ابن عساکر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک شخص حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں اپنی بیٹی کی شادی کر رہا ہوں۔ آپ مجھ کو کوئی خوشبو عطا فرما دیں۔

آپ نے فرمایا کہ اس وقت تو کوئی خوشبو موجود نہیں، لیکن تم کھلے منہ کی شیشی اور درخت کی ٹہنی لاؤ۔ وہ شخص دونوں چیزیں لایا۔ حضور نے دونوں کلائیوں سے پسینہ پونچھ کر شیشی کو بھر دیا، اور فرمایا یہ شیشی اپنی بیٹی کو دو اور کہو کہ یہ لکڑی شیشی میں ڈبو کر خوشبو لگائے۔ چنانچہ لڑکی نے ایسا ہی کیا اور اس کی خوشبو سے سارا مدینہ مہک گیا اور اسی وجہ سے اس گھر کا نام ''بیت المطیبین''، یعنی خوشبوؤں کا گھر مشہور ہو گیا۔ (خصائص کبریٰ اردو، جلد ا، ص ۱۶۸ ☆ مدارج النبوۃ، اردو، جلد ا، ص ۴۸)

دارمی، بیہقی اور ابو نعیم نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی راستہ طے فرماتے تو وہ جسم اطہر کی خوشبو سے مہک جاتا اور لوگ جان لیتے کہ آپ اس راہ سے گزرے ہیں۔

(خصائص کبریٰ، از: علامہ امام جلال الدین سیوطی، جلد ا، ص ۱۶۷)

ابن سعد و ابو نعیم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آنے سے پہلے ہی خوشبو سے ہم آپ کو پہچان لیتے تھے۔ (ایضاً)

بزار اور ابو یعلی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ مدینہ منورہ کے راہ گیر راستوں کی خوشبو سے جان لیتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے گزرے ہیں۔ (ایضاً)

دارمی نے ابراہیم نخعی سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کی تاریکی میں ہم ان کی خوشبو سے پہچان لیتے تھے۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان مذکورہ واقعات کے پیش نظر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جبہ شریف سے جسم اقدس کی خوشبو محسوس کرتے تھے اور اسی خوشبو کا ذکر کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ اے میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس ملبوس، مجھے تم میں سے ہر گھڑی گلستان اصطفا کے پھول کی خوشبو آتی تھی۔ باغ اصطفٰی کے پھول سے مراد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے کیوں کہ حضور کا مشہور صفاتی نام مصطفٰی ہے، اور مصطفٰی کا لفظ اصطفٰی سے مشتق ہے۔ اس کی بحث یہاں نہیں کرتے۔

الحاصل! اسی ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد و ذکر کے تعلق سے حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ خالی پاؤں جب اس گل سے دماغ، یعنی جس وقت بھی اس گل باغ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا دماغ خالی پاؤں گا یہاں پر آپ نے دماغ کو خالی پانے کا ذکر کیا ہے۔ اور خوشبو دار چیز پر ناک لگا کر گہری سانس لیتے ہیں تو اس کی خوشبو کا سیدھا اثر دماغ پر ہوتا ہے اور دماغ معطر ہو جاتا ہے۔ اور اس وقت یہ کہا جاتا ہے کہ دماغ تر ہو گیا ہے دماغ تر ہونا اردو زبان کا محاورہ ہے اور اس کا معنی دماغ کو تازگی اور آرام پہنچنا ہے۔ (فیروز اللغات، ص ۶۴۴)

حضرت رضا بریلوی کے شعر کا مطلب یہ ہوا کہ جبہ شریف سے مجھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس کی خوشبو آتی تھی، اور اس مبارک خوشبو سے میرے دماغ کو تازگی اور آرام پہنچتا تھا۔ لیکن اب وہ جبہ شریف رخصت ہو رہا ہے۔ اب وہ خوشبو میسر نہ ہوگی، اور اس خوشبو کے میسر نہ ہونے کے نتیجے میں میری زندگی میں اندھیرا چھا جائے گا۔ اس جبہ شریف کے فراق میں میرا گھر بھی مجھے ویران اور تباہ محسوس ہوگا۔

چراغ گل ہونا کے لغوی معنی چراغ بجھنا اور گھر تباہ ہونا ہے۔ (فیروز اللغات، ص ۵۴۴)

الحنصر! عشق صادق کے جوش اور جذبہ کے تحت حضور اقدس ﷺ کے مقدس جبہ شریف سے الوداع ہونا حضرت رضا بریلوی کے لئے نا قابل برداشت اور بہت شاق مرحلہ ہے۔ وہ مرحلہ جبہ شریف کی جدائی پر عنقریب پیش آنے والا ہے، اس کے خیال سے ہی حضرت رضا ملول اور مضطرب ہوگئے اور ایسا محسوس کیا کہ جدائی کا صدمہ کیسے برداشت کروں گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ پیارے آقا و مولیٰ ﷺ کے مقدس جبہ شریف کی جدائی کا صدمہ مجھ سے برداشت نہ ہو اور اس کے نتیجہ میں میرا دل بیٹھ جائے اور میری زندگی ہی کا چراغ گل ہو جائے یعنی میری جان نکل جائے۔



(۱۱۵)

یہ ادب کہ بلبل بے نوا کبھی کھل کے کر نہ سکے نوا
نہ صبا کو تیز روش روا نہ چھلکتی نہروں کی دھار ہے

حل لغت:

ادب: ہر چیز کی حد کو نگاہ رکھنا، حفظ مراتب، کسی کی بزرگی یا عظمت کا پاس، تہذیب، شائستگی، تمیز، احترام، علم زبان کہ جس میں نحو، لغت، عروض، انشاء، معانی اور بیان وغیرہ داخل ہیں، پسندیدہ طریقہ، زبان کا سرمایہ، تعظیم، قاعدہ عقل، علم عربی، سلام۔ (فیروز اللغات، ص ۷۷ ☆ لغات کشوری، ص ۲۲ ☆ کریم اللغات، ص ۶)

نوا: آواز، صدا، کوک، چہچہاہٹ، سر، راگ، نغمہ، موسیقی کے بارہ مقامات میں سے ایک مقام، ساز و سامان، توشہ، روزی، خوراک، تونگری، خوشحالی، سامان، اسباب، لشکر، فوج، سپاس، بیٹا، پوتہ، نذرانہ، پیش کش، سازگاری، موافقت، غذا، گرفتار، قید، کسی کے عوض میں دوسرے کو قید میں بٹھانا، نام ایک گروہ کا مغلوں سے۔

(فیروز اللغات، ص ۱۳۸۲ ☆ لغات کشوری، ص ۷۸۹ ☆ کریم اللغات، ص ۱۸۷)

بے نوا: بے سامان، فقیر، بے کس۔ (لغات کشوری، ص ۲۴۹)

کھل کے: آرام سے، اچھی طرح، آزادانہ، جی کھول کر، بے حجاب ہو کر، بے تکلف ہو کر، ظاہر، علانیہ۔

(فیروز اللغات، ص ۱۰۱۶)

صبا: وہ ہوا جو مشرق سے چلے، وہ پروا ہوا جو موسم بہار میں چلتی ہے، مشرقی ہوا، صبح کی ہوا، کبھی مراد ہوتی ہے صبح کی ہوا، نام

ایک نغمہ کا موسیقی سے۔ (فیروز اللغات، ص ۸۵۸ ☆ لغات کشوری، ص ۴۴۱ ☆ کریم اللغات، ص ۱۰۱)

روش: رفتار، چال، طور، طریقہ، ڈھنگ، وضع، طرز، مثل، مانند، باغ کی پٹری۔

(فیروز اللغات، ص ۷۲۷ ☆ لغات کشوری، ص ۳۳۵ ☆ کریم اللغات، ص

روا: جائز، مباح، درست، ٹھیک، مرکبات میں پورا کرنے والا مثلاً: حاجت روا یعنی حاجت پوری کرنے والا، مرکبا
میں جاری کرنے والا مثلاً: فرماں روا، مرکبات میں نافذ کرنے والا مثلاً: فرماں روا۔ (فیروز اللغات، ص ۷۲۳)

پہلے مصرع میں شروع والے لفظ ''نوا'' کا مطلب ''سامان، توشہ'' ہے۔

پہلے مصرع میں بعد والے لفظ ''نوا'' کا مطلب ''آواز، صدا'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امامِ عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کے مقدس دربار کی عظمت اور ادب کا تذکرہ فرما رہے ہیں۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے مقدس دربار کے ادب کا تقاضا یہ ہے کہ یہا بے کس و بے سامان بلبل یا عاشق کھل کر صدا بھی نہیں لگا سکتے، بلکہ ہوا کو بھی تیزی سے چلنا یا نہر کی دھار کو چھلک کر بہنا بھی روا نہیں، اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے مصرع اول میں لفظ ''نوا'' کا دو مرتبہ استعمال فرمایا ہے۔ لیکن پہلی مرتبہ جو لفظ ''نوا'' ہے اس کا ''بے'' کی اضافت کے ساتھ استعمال فرمایا ہے، دونوں لفظ ''نوا'' حروف و اعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں، لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے الگ ہیں۔ لہٰذا یہ شعر اردو ادب کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ ''نوا'' ہے اس کا مطلب سامان، توشہ، وغیرہ ہے، اور دوسری مرتبہ جو لفظ ''نوا'' ہے اس کا مطلب آواز، صدا وغیرہ ہے دربارِ رسالت ﷺ کا اعجاز و عظمت دنیا کے بادشاہوں کے دربار سے منفرد و بے مثل ہے۔ دنیاوی بادشاہ اپنے درباروں کے آداب اور ان میں حاضری دینے کے قوانین خود بناتے ہیں اور اپنے مقررہ حاکموں اور عمالوں کے ذریعہ رعایا سے ان پر عمل کراتے ہیں کہ ہمارے دربار میں اس طرح کھڑے رہو، اس طرح بات کرو، اس طرح سلامی دو وغیرہ، علاوہ ازیں ان بادشاہوں کے دربار کے آداب صرف اپنی رعایا اور وہ بھی انسانوں تک ہی محدود ہوتے ہیں۔

ایک ملک کے بادشاہ کے دربار کے آداب دوسرے ملک کی رعیت پر نافذ نہیں ہوتے، صرف اپنے ہی ملک کی رعیت پر لازمی ہوتے ہیں اور وہ بھی صرف انسانوں پر نافذ ہوتے ہیں، جنات، ملائکہ، حیوانات، جمادات، نباتات وغیرہ پر ان کی حکومت نہیں ہوتی، پھر ان سارے آداب پر اسی وقت تک عمل کیا جاتا ہے جب تک بادشاہ زندہ ہے۔ جیسے ہی بادشاہ کا انتقال ہوا، اس کا دربار بھی ختم اور سارے قوانین آداب نیست و نابود ہو جاتے ہیں۔ اب نیا بادشاہ اپنی منشاء کے مطابق اپنے دربار کے نئے قوانین آداب جاری کرتا ہے۔ لیکن حضور اقدس ﷺ کا دربار وہ عالی مرتبت دربار ہے کہ جس کے آداب اٹھ سلام و کلام کے طریقے خود اللہ تعالیٰ نے نافذ فرمائے اور اپنی خلقت کو اپنے محبوب اعظم ﷺ کے دربار کے آداب تعلیم

فرمائے اوراس پر عمل کرنے کی تاکیداس طرح فرمائی کہ اگرتم نے اس کے خلاف کیا تو تم سخت سزاو عتاب کے مستحق ہوجاؤ گے۔لطف کی بات تو یہ ہے کہ اب وہ شاہی دربار بظاہر ہماری آنکھوں سے اوجھل ہوگیا ہے۔اس دربار کے شہنشاہ نے ہم سے پردہ بھی فرمالیا ہے، لیکن اس دربار کے آداب اسی طمطراق کے ساتھ برقرار ہیں۔اس مقدس دربار کے آداب صرف انسان ہی نہیں، بلکہ فرشتے، جنات، جانور، پتھر، درخت، چاند، سورج، الغرض کائنات کی ہر شئے بجالاتی ہے اور قیامت تک بجاآوری کرتی رہے گی۔دربار رسالت کے آداب کے تعلق سے قرآن مجید میں کئی آیات نازل ہوئی ہیں۔ان آیات میں اس دربار کے آداب بجالانے والوں کوخوش خبری اور مژدۂ انعام واکرام سنایا گیا ہے اور آداب نہ بجالانے والوں کو سخت تعزیروو عید سنائی گئی ہے۔صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی مقدس جماعت دربار رسالت کے آداب بجالانے میں قرآن مجید کی آیات کو پیش نظر رکھتے ہوئے، کمال انتہاء محبت کا مظاہرہ کر کے اپنی آنے والی نسلوں کے لئے مشعل راہ بن گئی۔کچھ واقعات پیش خدمت ہیں۔

حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کو ثقل سماعت کی بیماری تھی، یعنی وہ کم سنتے تھے۔ان کے سامنے پست آواز میں کوئی گفتگو کرتا تو وہ نہیں سن سکتے تھے۔لہٰذا ان کی آواز بلند ہوجاتی تھی۔طب اور علم نفسیات کے مطابق جو شخص اونچا سنتا ہے وہ اپنے پر دیگر کو قیاس کر کے ہمیشہ بلند آواز میں گفتگو کرتا ہے۔حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ جب بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتے تو اپنی عادت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی بلند آواز سے گفتگو کرتے تھے۔اور ایک روایت میں یہ ہے کہ ایک مرتبہ امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے درمیان حضور کی مجلس میں معاملہ کے اختلاف کی گفتگو کرنے میں آواز بلند ہوگئی تھی۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے مومنین کو اپنے محبوب کے حضور اس طرح گفتگو کرنے کی ممانعت فرماتے ہوئے آیت کریمہ نازل فرمائی:

''یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ'' (سورۃ الحجرات، آیت ۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو، کہ کہیں تمہارے عمل اکارت نہ ہوجائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔(کنزالایمان)

جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں آنا ترک کردیا اور اپنے گھر بیٹھ گئے۔وہ رویا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ میں اہل نار سے ہوں، میرے اعمال اکارت ہوگئے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے ان کا حال دریافت فرمایا، انھوں نے عرض کیا کہ وہ میرے پڑوسی ہیں اور میرے علم میں انھیں کوئی بیماری نہیں ہوئی۔پھر آکر حضرت سعد نے حضرت ثابت سے ان کا ذکر کیا۔حضرت ثابت نے کہا کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے، اور تم جانتے ہو کہ میں تم سب سے زیادہ بلند آواز ہوں تو میں جہنمی ہوگیا۔حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ حال خدمت اقدس میں عرض کیا

تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ اہل جنت سے ہیں۔ (تفسیر خزائن العرفان)

ایک روایت میں یہ ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت ثابت کو اپنے حضور بلایا اور انھیں شہادت اور جنت کی بشارت دی۔ اس بشارت کے عین مطابق حضرت ثابت رضی اللہ عنہ روز یمامہ شہید ہوئے۔

(مدارج النبوۃ، از: شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد۱، ص۵۱۳)

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ خدا کی قسم یارسول اللہ! آئندہ میں ایسے بات کروں گا جیسے سرگوشی کی جاتی ہے۔ (مدارج النبوۃ، جلد۱، ص۵۱۳)

اس آیت کے نزول کے بعد حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بھی قسم کے ساتھ کہا کہ میں حضور اقدس ﷺ کے سامنے رازدارانہ طور پر آہستگی سے کلام کے سوا بات ہی نہ کروں گا۔ اس طرح کہ کوئی دوسرے کو سمجھانے کے طریقے پر بہ آہستگی بات کرتا ہے۔ (مدارج النبوۃ، از: شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد۲، ص۵۵۷)

تفسیر بیضاوی شریف میں ہے کہ حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم دونوں نے حضور ﷺ کے سامنے پست آواز سے بات کرنے کی قسم کھائی اور اس پر عمل بھی شروع کر دیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کو اپنے محبوب اعظم ﷺ کا صحابۂ کرام کے ذریعہ ادب اور تعظیم بجالانا پسند آیا اور تعظیم و ادب کی وجہ سے حضور کے سامنے پست آواز میں گفتگو کرنے والوں کے حق میں یہ آیت نازل فرمائی:

"اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِیْمٌ" (سورۃ الحجرات، آیت۳)

ترجمہ: بے شک وہ جو اپنی آوازیں پست کرتے ہیں رسول اللہ کے پاس، وہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیزگاری کے لئے پرکھ لیا ہے۔ ان کے لئے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔ (کنز الایمان)

مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے حضور اپنے منہ میں کنکریاں ڈال کر بیٹھا کرتے تھے، تاکہ بات کرنے میں تنگی اور دشواری ہو۔ (مدارج النبوۃ، جلد۲، ص۵۵۷)

مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی حضور اکرم ﷺ سے اسی طرح آہستہ سے بات کرتے تھے، یہاں تک کہ بعض اوقات حضور ﷺ ان کی بات سمجھ بھی نہ پاتے جب تک دوبارہ استفہام نہ فرماتے۔

(مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد۱، ص۵۱۳)

منقول ہے کہ خلیفۂ زمانہ امیر المومنین ابو جعفر نے حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ سے مسجد نبوی میں مناظرہ کیا۔ امام مالک نے ان سے فرمایا کہ اے امیر المومنین! اپنی آواز کو مسجد نبوی میں پست کرو، اس لئے کہ حق تعالیٰ نے ایک جماعت کو ادب سکھاتے ہوئے فرمایا ہے: "لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ" یعنی اپنی آواز کو بارگاہ نبوی میں اونچی نہ کرو! اور ایک جماعت کی مدح و تعریف میں فرمایا ہے: "اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ" (الخ) یعنی بے شک جو لوگ اپنی

آوازوں کو خوب پست کرتے ہیں (آخر آیت تک) اور ایک گروہ کی مذمت و برائی میں ارشاد فرمایا: ''اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْ
مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ'' یعنی جو لوگ حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں۔ یقیناً رسول اللہ ﷺ کی عزت و حرمت بعد و
بھی ایسی ہی ہے جیسے آپ کی حیات شریفہ میں تھی۔

(مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۵۱۴ ☆ خصائص کبریٰ، از: علامہ جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص ۴

ابو نعیم نے حضرت عبداللہ بن عباس سے ایک قول نقل فرمایا ہے کہ علماء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ اسی طرح ح
ﷺ کی قبر انور کے پاس رفع صورت یعنی آواز بلند کرنا مکروہ ہے، اس لئے کہ آپ کی حرمت بعد وفات بھی اسی طرح
جس طرح آپ کی حرمت آپ کی حیات میں تھی۔ (خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص ۵۴۴)

صحابۂ کرام حضور اقدس ﷺ کا بے حد ادب بجالاتے تھے، اور حضور کی تعظیم و توقیر کا یہ عالم تھا کہ بات کرتے ہو
بھی جھجکتے تھے، اور ہمیشہ اس فکر میں رہتے تھے کہ ہمارے کسی قول و فعل سے حضور کو تکلیف نہ پہنچے اور ہم سے کوئی بھی کام ا
صادر نہ ہو جائے جو خلاف ادب ہو۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور اقدس ﷺ سے ایک سوال پوچھنا چاہتا تھا، یہاں تک کہ
سال گزر گئے، مگر دریافت کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ باوجود کہ حضور اکرم ﷺ تمام لوگوں سے بڑی خوش اخلاقی اور صحا
کرام کے ساتھ بڑی ہی مہربانی و شفقت کا سلوک فرماتے، خصوصاً فقراء و مساکین کے ساتھ۔

(مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۵۴۱

حضور اقدس ﷺ کے دربار کے ادب و احترام کے تعلق سے قرآن مجید میں کئی آیات نازل ہوئی ہیں جن سب
تذکرہ یہاں ممکن نہیں۔ ایک دو آیت تبرکاً نقل کرتا ہوں۔

ایک مرتبہ قبیلہ بنی تمیم کا ایک وفد دوپہر کے وقت حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت حضور آرام فر
رہے تھے۔ ان لوگوں نے باہر سے حضور کو پکارنا شروع کیا، جس کی وجہ سے حضور کے آرام میں خلل پہنچا۔ حضور باہر تشریف
لائے اور اس وفد کو ملاقات کا شرف بخشا۔ لیکن اس طرح پکارنا خلاف ادب تھا۔ لہٰذا فوراً حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی خداوند
لے کر حاضر ہوئے:

''اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَکْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ'' (سورۃ الحجرات، آیت ۴)

ترجمہ: بے شک وہ جو تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں، ان میں اکثر بے عقل ہیں۔ (کنز الایمان)

اس آیت میں حضور اقدس ﷺ کو حجروں کے باہر سے پکارنے والوں کو بے عقل کہا گیا ہے۔

ان سب کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْهِمْ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ'' (سورہ الحجرات، آیت ۵)

ترجمہ: اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ ان کے پاس تشریف لاتے، تو یہ ان کے لئے بہتر تھا، اور اللہ بخشنے والا

مہربان ہے۔(کنزالایمان)

ایک مرتبہ چند صحابۂ کرام نے عیدالاضحیٰ کے دن حضور اقدس ﷺ سے پہلے قربانی کرلی، تو ان قربانی کرنے والوں کو دوبارہ قربانی کرنے کا حکم دیا گیا۔ ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ کچھ لوگوں نے رمضان سے ایک روز پہلے ہی روزہ رکھنا شروع کردیا۔(تفسیر خزائن العرفان)

ان لوگوں کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی.

''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ''(سورۃ الحجرات، آیت ۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو۔(کنزالایمان)

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم غایت درجہ بارگاہ رسالت کا ادب آیات قرآنی کی روشنی میں ملحوظ رکھتے تھے، یہاں تک کہ اعمال صالحہ میں بھی حضور سے مقدم رہنا پسند نہ کرتے تھے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر حضور اقدس ﷺ نے حضرت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو قریش کی جانب دعوت اسلام اور صلح کے ابتدائی قواعد وضوابط طے کرنے کے لئے مکہ معظمہ بھیجا، تو قریش نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اجازت دی کہ وہ خانۂ کعبہ کا طواف کرلیں مگر حضرت عثمان نے انکار فرمایا اور یہ فرمایا کہ میں اس وقت تک طواف خانۂ کعبہ نہیں کرسکتا جب تک رسول اللہ ﷺ اس کا طواف نہ فرمالیں۔ معلوم ہوا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے ادب کی رعایت کو خانۂ کعبہ کے طواف سے عظیم تر جانا، اور حق وصواب بھی یہی ہونا چاہیئے کہ کوئی عمل اور کوئی بھی عبادت حضور اکرم ﷺ کے ادب کی رعایت کے باہر نہ ہو۔(مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۵۴۰)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کے دروازے کو ناخنوں سے بجاتے تھے، تاکہ کھٹکھٹانے کی آواز سخت وشدید نہ ہوجائے اور حضور کے آرام میں خلل نہ ہو۔

(مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۵۴۰)

بارگاہ رسالت کے ادب واحترام کا موضوع اتنا وسیع ہے کہ اس کو بیان کرنے کے لئے دفاتر درکار ہیں۔ یہاں پر قرآن وحدیث کی روشنی میں اس عنوان پر بہت ہی مختصر بیان ہوا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر تابعین، تبع تابعین، ائمہ دین، صالحین، اولیائے کاملین، شہدائے کرام وغیرہ کے احوال زندگی کے مطالعہ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ان کو حضور اقدس ﷺ کی تعظیم وتوقیر اور ادب واحترام بجالانے کے ثمرہ میں منصب عالی عطا ہوئے تھے۔ یہاں تک کی مختصر گفتگو میں انسانوں کے ذریعہ بارگاہ رسالت کا ادب واحترام بجالانے کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ لیکن جیسا کہ اس شعر کی تشریح کی ابتدا میں عرض کیا گیا ہے کہ حضور ﷺ کا ادب واحترام اور تعظیم وتوقیر بجالانے میں انسانوں کے علاوہ کائنات کی دیگر مخلوق بھی پیش پیش رہی ہے، جس کا تفصیلی بیان شعر نمبر 72

نہ دل بشر ہی فگار ہے کہ ملک بھی اس کا شکار ہے
یہ جہاں کہ ہژدہ ہزار ہے جسے دیکھو اس کا ہزار ہے

کی تشریح میں ملاحظہ فرمائیں۔

یہاں پر اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے صرف اشارہ فرمایا ہے:

یہ ادب کہ بلبل بے نوا کبھی کھل کے کر نہ سکے نوا　　نہ ہوا کو تیز روش روا، نہ چھلکتی نہروں کی دھار ہے

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے بلبل، ہوا، اور نہر کا ذکر کیا ہے اور تینوں پر بارگاہ رسالت کا ادب واحترام ملحوظ رکھنے کی تاکید اور رعایت کا ذکر کیا ہے۔ پہلے بلبل بے نوا کا ذکر کیا ہے۔ یہاں بلبل بے نوا سے ظاہری معنی بلبل، عندلیب یا ہزار داستان ہی مراد ہے، لیکن یہاں بلبل سے مراد عاشق رسول بھی لے سکتے ہیں۔ کیوں کہ بلبل ہمیشہ پھول پر عاشق ہوتی ہے۔ پھول کے ساتھ بلبل کا عشق مشہور و معروف ہے۔ گل و بلبل کی حیثیت اور رشتہ لازم و ملزوم کی طرح ہے۔ گل کے ساتھ بے پناہ عشق و محبت کرنے کی وجہ ہی سے بلبل کو شہرت حاصل ہوئی ہے۔ اسی طرح باغ رسالت کے شاداب گل، حضور اقدس ﷺ کے ساتھ بے پناہ عشق و محبت کرنے والے عشاق واقعی بلبل گل باغ رسالت کی حیثیت رکھتے ہیں۔

حضرت رضا بریلوی نے اس شعر میں بلبل کو بے نوا کی صفت سے متصف کیا ہے۔ یعنی ایسی بلبل یا ایسا عاشق کہ جو بے سروسامان، مفلس و بے کس ہو، لیکن اس مفلس و فقیر کے لئے ایک قید اور بندش لازم کردی ہے اور وہ ہے ’’کبھی کھل کے کر نہ سکے نوا‘‘ یعنی جو کھل کر یعنی کہ فراخ دلی سے، کسی قسم کی پابندی کے بغیر اور بے جھجک آہ و بکا نہیں کر سکتے۔ بلکہ یہ وہ دربار ہے کہ جہاں کا ادب ملحوظ رکھنے کے لئے اپنے دلی جذبات کو قابو میں رکھنا لازمی اور ضروری ہے۔ حالاں کہ یہ مشکل امر ہے۔ کٹھن امتحان کا وقت ہے۔ کیوں کہ علم نفسیات کے اصول کے مطابق کوئی بے سروسامان، مصیبت و غم کا مارا، مفلس و پریشان، رنج و حزن سے چکنا چور جب اپنے ہمدرد اور مونس کے پاس آتا ہے تو اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے اپنی داستان غم اس کے سامنے بیان کرتا ہے اور اپنائیت کے جذبے کے تحت ’’پوچھا جو حال تو آنسو نکل پڑے‘‘ کے مطابق آہ و فغاں بھی کر لیتا ہے، اور ظاہر ہے کہ فغاں کے ساتھ بیان کی جانے والی داستان غم میں آواز بلند ہونے کا کامل امکان ہے، اور قرآن کے حکم کے مطابق اس بارگاہ میں آواز بلند کرنا ممنوع ہے۔ ایک بلبل بھی اس دربار ذی احترام کے ادب سے واقف ہے۔ یہاں آواز بلند کرنا اپنی بربادی کو دعوت دینا ہے۔ لہٰذا ایک بلبل بھی دربار رسالت کا ادب و احترام بجالاتے ہوئے! اپنے جذبات پہ کنٹرول کرتی ہے۔ دل کی دل ہی میں رکھتے ہوئے خاموش اور ساکت رہتے ہوئے زبان حال سے بقول رضا بریلوی یہ کہتی ہے:

کہہ لے گی سب کچھ ان کے ثناخواں کی خامشی　　چپ ہو رہا ہے کہہ کے میں کیا کیا کہوں تجھے

مصرع ثانی میں حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ نہ ہوا کو تیز روش روا۔ یعنی ہوا کو بھی یہاں تیز رفتاری سے چلنا جائز و درست نہیں۔ ہوا کب تیز چلتی ہے؟ کیوں چلتی ہے؟ اس کی تیزی کا سبب کیا ہے؟ فضا کب متبدل ہوتی ہے، یہ تمام سوالات علم موسمیات سے تعلق رکھتے ہیں اور اس پر طویل بحث کرنا یہاں ممکن نہیں۔

المختصر! موسم جب طغیانی پر آتا ہے، تب ہوا تیز چلتی ہے اور جب ہوا تیز چلتی ہے تو طوفان کی سی کیفیت ہوتی ہے۔

حضرت رضا بریلوی ایک عاشق صادق اور باادب گدائے دربار رسالت کی حیثیت سے ہوا کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ اے ہوا! اپنی تیز رفتاری کو قابو میں رکھ، کیوں کہ تیری تیز رفتاری کی وجہ سے جو آواز بلند ہورہی ہے وہ دربار رسالت کے آداب کے خلاف ہے۔ مصرع ثانی کے آخر میں حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ چھلکتی نہروں کی دھار ہے۔ جب نہر میں کثرت سے پانی کی آمد ہوتی ہے تب نہر چھلکتی ہے۔ یعنی کہ اس نہر کا پانی چھلکتا ہے اور چھلک کر گہرائی کی طرف بشکل دھار گرتا ہے۔ جب پانی کی دھار گرتی ہے تو سطح زمین سے ٹکرانے کی وجہ سے ایک عجیب وغریب آواز پیدا ہوتی ہے اور وہ اتنی شدید بلند ہوتی ہے کہ اس دھار کے قریب کھڑے ہوکر باتیں کرنے والے ایک دوسرے کی آواز نہیں سن سکتے۔ حضرت رضا بریلوی اس چھلکتی نہر کی دھار کو بھی تنبیہ فرمارہے ہیں کہ طغیانی و جولانی سے باز آ، کیوں کہ تیری آواز بھی دربار رسالت کے آداب کے خلاف ہے۔

(۱۱۶)

آقا سے میرے ستھرے میاں کا ہوا ہے نام
اس اچھے ستھرے سے رہے نام ابوالحسین

حل لغت:

آقا: مالک، خداوند، صاحب، خاوند، شوہر، حاکم، افسر۔ (فیروز اللغات، ص ۲۵ ☆ لغات کشوری، ص ۵۲ ☆ کریم اللغات، ص ۱۴)

ستھرے: یہاں مراد حضرت سید آل برکات ستھرے میاں علیہ الرحمۃ والرضوان۔

نام ہے: شہرت ہے، فی الحقیقت ہے، دراصل یہ ہے، برائے نام ہے۔ (فیروز اللغات، ص ۱۳۴۷)

اچھا: بُرا کی ضد یعنی جو برا نہ ہو، بہتر، مناسب، ٹھیک، درست، تندرست، بے روگ، بہت خوب، مبارک، مسعود، نیک، مفید، موافق، افضل، اعلیٰ، اجازت ہے۔ (فیروز اللغات، ص ۷۱)

ستھرا: پاک، صاف، پاکیزہ، اُجلا، بے داغ، نفیس، عمدہ، اچھا، ایک قسم کے فقیر جو ڈنڈے بجا کر مانگتے ہیں۔ (فیروز اللغات، ص ۷۸۰)

پہلے مصرع میں لفظ ''ستھرے'' سے مراد ''حضرت آل برکات ستھرے میاں مارہروی'' ہیں۔
دوسرے مصرع میں لفظ ''ستھرے'' کا مطلب ''پاک، صاف'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان عکس مدینہ، سرزمین مارہرہ مطہرہ کے سلسلۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ کے تین عظیم الشان اولیاء کا ذکر ایک ساتھ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میرے آقا یعنی خاتم الاکابر حضرت مخدوم سید الشاہ آل رسول مارہروی رضی اللہ عنہ کی دینی خدمات، فضائل وصفات، کشف وکرامات، ولایت اور بزرگی سے ان کے والد ماجد حضرت سید شاہ آل برکات ستھرے میاں قدس سرہٗ کے ستھرے فرزندار جمند، میرے پیرومرشد، میرے آقائے نعمت، خاتم الاکابر حضرت مخدوم سید شاہ آل رسول مارہروی سے اب حضرت سراج السالکین، نورالعارفین سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی رضی اللہ عنہ کا نام باقی اور روشن رہے گا۔ اس شعر میں لفظ ''ستھرے'' کا دومرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ مصرع اول میں جو لفظ ''ستھرے'' ہے اس سے مراد حضرت سید آل برکات ستھرے میاں قدس سرہٗ کی ذات گرامی ہے اور مصرع ثانی میں جو لفظ ''ستھرے'' ہے، اس کے معنی پاک وصاف، پاکیزہ، عمدہ، بے داغ، اچھا وغیرہ ہیں۔ دونوں لفظ ''ستھرے'' حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی ومطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

شعر کے مصرع اول میں حضرت رضا بریلوی نے ''میرے ستھرے میاں'' کا جملہ فرمایا ہے۔ اس جملہ سے ایک عجیب محبت وعقیدت اور اپنائیت ٹپکتی ہے۔ ہر کسی کو اپنا نہیں کہا جاتا اور نہ ہی سب کو اپنا کہنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ لفظ میرا یا اپنا ضمیر ہے اور جب اس کی اضافت کسی چیز کی طرف ہوجاتی ہے تو ایک رشتہ، نسبت، ملکیت اور قبضہ کے معنی پیدا ہوجاتے ہیں۔ مثال کے طور پر ہمارا گھر، میرا بیٹا، میرا گھوڑا، میرا روپیہ وغیرہ۔ المختصر! کسی شخص یا چیز کے ساتھ میرا یا اپنا کی جب اضافت کی جاتی ہے تب ایک اپنائیت کا رشتہ خود بخود عیاں ہوتا ہے۔ حضرت ستھرے میاں قدس سرہٗ کو حضرت رضا بریلوی ''میرے ستھرے میاں'' کے محبت آمیز جملہ سے یاد فرما کر آپ کے ساتھ اپنی عقیدت ومحبت، قلبی رشتہ اور لگاؤ کا اظہار فرما رہے ہیں۔ خادم اور مخدوم، آقا وغلام، داتا ومنگتا، سائل ومسئول، مالک ورعایا اور مملوک ومولیٰ کی نسبت ظاہر فرما رہے ہیں یعنی میرے مخدوم، میرے آقا، میرے داتا، میرے مسئول، میرے مالک اور میرے مولیٰ حضرت ستھرے میاں قدس سرہٗ۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان خاندان برکات کے عظیم بزرگ خاتم الاکابر حضرت سید شاہ آل رسول مارہروی رضی اللہ عنہ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے تھے اور حضرت رضا بریلوی خاندان عالیہ برکاتیہ کے ہر بزرگ بلکہ ہر فرد پر اپنی جان قربان کرنے میں اپنی سعادت سمجھتے تھے۔ مارہرہ مقدسہ سے حضرت رضا بریلوی کو جو عقیدت ومحبت تھی، اس کا ہم اندازہ ہی نہیں کرسکتے۔ اس کی تفصیل شعر نمبر 128

میرے حق میں مخالفوں کی نہ سن — حق یہ میرا ہے احمد نوری

کی تشریح میں ملاحظہ فرمائیں۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے حضرت شاہ ستھرے میاں، حضرت سید شاہ آل رسول اور حضرت سید شاہ ابو الحسین احمد نوری رضی اللہ عنہم کا ایک ساتھ تذکرہ فرمایا ہے۔ ان تینوں بزرگوں کا آپس میں رشتۂ نسب کیا تھا؟ اسے ملاحظہ فرمائیں!

حضرت سید شاہ آل برکات ستھرے میاں قدس سرہٗ کی ولادت باسعادت ۱۰؍رجب ۱۱۶۳ھ میں ہوئی۔ آپ نے تعلیم وتربیت اپنے والد ماجد زبدۃ الواصلین حضرت سید شاہ حمزہ مارہروی قدس سرہٗ سے حاصل کی اور بیعت طریقت وخلافت بھی اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ علاوہ ازیں منازل سلوک بھی اپنے والد کی خدمت میں رہ کر طے فرمائیں۔ آپ اپنے آبائے کرام کے فضل وکمال ظاہری وباطنی کے وارث وحامل تھے۔ بہت بڑے عابد وزاہد تھے۔ عہد طفولیت سے ہی حضرت کو مسجد میں نماز ادا کرنے کا اور یاد الٰہی کرنے کا بہت شوق تھا۔ تمام عمر میں بحالت موجودگی مارہرہ صرف تین روز مسجد میں بہ سبب علالت شدیدہ تشریف نہ لاسکے۔ جس کی بے چینی کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔

مسجد خانقاہ جو حضرت سید شاہ برکت اللہ قدس سرہٗ کے وقت سے تھی، اس کو صحن میں لے کر دوسری مسجد جامع پختہ عالی شان جواب بھی بفضلہٖ تعالیٰ خانقاہ سرکار کلاں میں ہے، اس کی تعمیر حضرت نے ہی کرائی ہے اس مسجد کی تاریخ بناء ۱۲۱۷ھ ہے۔

آپ نے عمر دراز پائی۔ ۸۸ (اٹھاسی) سال کی عمر میں ۱۲۵۱ھ بروز شنبہ بتاریخ ۲۶؍رمضان، اول وقت ظہر، بمقام مارہرہ مقدسہ وصال فرمایا۔

آپ تلاوت قرآن مجید کثرت سے فرماتے تھے۔ ہزاروں بار قرآن شریف تلاوت فرمائی۔ آپ روزانہ کم ازکم دس پارہ قرآن مجید کے تلاوت فرماتے تھے۔ علاوہ ازیں اپنے اوقات شبانہ روز کو اپنے اسلاف کرام کے معمولات طاعت اور فیض رسانیٔ خلائق ودرس وارشاد طالبان ومتوسلان سے معمور رکھتے تھے۔ فن تفسیر وطب میں آپ کو خاص دستگاہ ومہارت حاصل تھی۔

آپ کے دو عقد یکے بعد دیگرے ہوئے آپ کے کل چار صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں تھیں۔ چاروں صاحبزادوں کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

- سید آل رسول امام جما میاں
- سید شاہ آل رسول
- سید شاہ اولاد رسول
- سید شاہ غلام محی الدین امیر عالم (رضی اللہ عنہم)

مذکورہ پانچوں روایات ماخوذ از کتاب خاندان برکات از تاج العلماء، اولاد رسول محمد میاں برکاتی مارہروی علیہ الرحمۃ و الرضوان، ص ۲۶ تا ۲۸ ہے۔

حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی کے پیرومرشد حضرت سید آل رسول قدس سرہٗ کی حالات زندگی کا تذکرہ شعر نمبر 85

دو جہاں میں خادم آل رسول اللہ کر — حضرت آل رسول مقتدا کے واسطے

کی تشریح میں ہے۔

حضرت سید شاہ آل رسول مارہروی قدس سرہٗ حضرت سید شاہ آل برکات ستھرے میاں کے منجھلے صاحبزادے تھے۔

آپ کی اولاد کرام میں دو صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں۔ دونوں صاحبزادوں کے اسمائے گرامی: حضرت سید شاہ ظہور حسن اور حضرت سید شاہ ظہور حسین ہیں۔ حضرت سید شاہ ظہور حسن کی ولادت ۱۲۲۹ھ میں ہوئی تھی۔ آپ کی اولاد میں ایک صاحبزادے حضرت سید ابوالحسین کی ولادت ۱۹؍شوال ۱۲۵۵ھ میں ہوئی ہے۔ مندرجہ تفصیل سے سلسلۂ نسب یوں ہوا: (۱) حضرت سید شاہ آل برکات ستھرے میاں کے صاحبزادے حضرت سید آل رسول (۲) حضرت سید آل رسول کے صاحبزادے حضرت ظہور حسن اور (۳) حضرت ظہور حسن کے صاحبزادے حضرت سید ابوالحسین احمد نوری (رضی اللہ عنہم) لہٰذا حضرت سید آل رسول مارہروی کہ جن کو اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے میرے آقا کہا ہے، وہ حضرت آل رسول قدس سرہٗ حضرت ستھرے میاں کے صاحبزادے اور حضرت ابوالحسین احمد نوری کے دادا ہیں۔ اس شعر میں حضرت رضا بریلوی عرض کرتے ہیں کہ میرے آقائے نعمت حضرت سید شاہ آل رسول مارہروی سے ان کے والد حضرت ستھرے میاں کا نام بہت روشن ہوا ہے۔ اسی طرح میرے آقائے نعمت کے خاص فیض اور توجہ سے ان کے پوتے حضرت ابوالحسین احمد نوری کا بھی نام بلند ہوگا اور ان کا شہرہ ہوگا۔ اور ایسا ہی ہوا۔

حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی کے حالات زندگی کا مختصر تذکرہ شعر نمبر 60

کیا صبح نور بار ہے شام ابوالحسین	خط سیہ میں نور الٰہی کی تابشیں

اور شعر نمبر 122

شہر شہرہ ہے احمد نوری	فیض معروف سے ترا معروف

میں قارئین کرام ملاحظہ فرمائیں!

حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی رضی اللہ عنہ کو خلافت واجازت اپنے شیخ طریقت حضرت سید شاہ آل رسول سے تھی، چنانچہ راہ سلوک کی تکمیل کے بعد آپ کو اجازت عام مرحمت فرمائی اور ساتھ میں آپ کو اجازت قرآن شریف، صحاح ستہ، کتب احادیث، مصنفات شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حصن حصین، دلائل الخیرات، حزب البحر اور تمام علوم کی اجازت مرحمت فرمائی۔ (تذکرۂ نوری، ص ۵۷)

گیارہ سال کی عمر شریف میں آپ کے جد اکرم و شیخ طریقت، حضور خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول مارہروی قدس سرہٗ نے مجاہدات، سلوک، ریاضت، طریقۂ مجاہدات اور خاندانی خاص خاص دعائیں وعملیات باقاعدہ آپ سے ادا کرائے اور آپ کے بچپن کے اوقات کو ایسا منضبط کر دیا تھا کہ آخر وقت تک آپ عبادت وریاضت، صوم، خلوت، شب بیداری، تہجد، تلاوت و ذکر و وظائف کے پابند رہے۔ آپ کی بچپن کی عبادت وریاضت دیکھ کر آپ کی دادی صاحبہ گھبرا جاتیں اور ایسی مشقت بھری ریاضت سے روکنا چاہتیں تو آپ کے جد امجد فرماتے کہ رہنے دو! ان کو عیش وآرام سے کیا کام؟ یہ کچھ اور ہی ہیں اور ان کو کچھ اور ہی ہونا ہے۔ یہ اقطاب سبعہ یعنی سات قطب میں سے ایک قطب ہیں جن کی بشارت حضرت شاہ بوعلی قلندر پانی پتی اور حضرت شاہ بدیع الدین قطب مدار رضی اللہ عنہما نے دی ہے اور یہی اس سلسلۂ بشارت کے خاتم ہیں۔

(تذکرۂ نوری، ص۵۵)

آپ شریعت کی پابندی، اخلاق حسنہ، صبر وثبات قدمی، خلق کی عیوب پوشی، احترام علماء، فقراء وسادات کرام "اَلْحُبُّ لِلّٰهِ وَ الْبُغْضُ لِلّٰهِ"، علم وعمل، فضل وکمال، کرامات وتصرفات میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔آپ تصلب فی الدین میں یکتائے زمانہ تھے۔آپ کا مسلک ومشرب وہی تھا جو تاج الفحول شاہ عبدالقادر بدایونی اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کا تھا۔ شیعیت، نجدیت، تفضیلیت، نیچریت وہابیت، غیر مقلدیت ودیگر عقائد باطلہ کا آپ نے تحریری رد بلیغ فرمایا ہے اور ان کے انسداد میں آپ نے حتی الامکان کوشش فرمائی ہے، جس کا ثبوت آپ کی معرکۃ الآرا اور نادر روزگار تصانیف کے مطالعہ سے ہوگا۔

آپ ان ہمہ گیر خصوصیات کے ساتھ ساتھ پاکیزہ ادبی ذوق بھی رکھتے تھے۔آپ کے نظم کردہ نعتیہ کلام سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ اردو، فارسی اور عربی کے قادر الکلام اور فصیح اللسان شاعر تھے۔آپ کبھی نور اور کبھی نوری تخلص فرماتے تھے۔آپ کے خلفاء، مریدین، معتقدین اور متوسلین میں شہرۂ آفاق علماء کرام اور مفتیان عظام شامل تھے اور آپ سے اکتساب فیض علم وعرفان کرتے تھے۔

(۱۱۷)

جو اذن بارگہ شاہ سے ملے مجھ کو
سناؤں مطلع برجستہ رشک مطلع نور

(حدائق بخشش، حصہ۳، ص۳۴)

حل لغت:

اذن: حکم، اجازت، پروانگی، آگیا۔(فیروز اللغات، ص۸۰☆لغات کشوری، ص۲۴☆کریم اللغات، ص۷)

بارگہ: بارگاہ، کچہری کی جگہ، بادشاہ کا محل، کسی بزرگ کا مکان، بادشاہی خیمہ۔(لغات کشوری، ص۷۸)

شاہ: آقا، مالک، بادشاہ، سلطان، فقیروں کا لقب، نوشہ، دولھا، بڑا، عظیم، سیدوں کے نام کا مخصوص لفظ۔ (فیروز اللغات، ص۸۳۵)

مطلع: طلوع ہونے کی جگہ، مشرق، پورب، فضا، غزل یا قصیدہ کے شروع کا شعر، جس کے دونوں مصرعوں میں قافیے ہوتے ہیں۔جگہ نکلنے کی کسی ستارے کے۔(فیروز اللغات، ص۱۲۵۹☆لغات کشوری، ص۱۴۷☆کریم اللغات، ص۱۵۸)

برجستہ: ٹھیک، چست، تحفہ۔(لغات کشوری، ص۹۱☆کریم اللغات، ص۲۳)

رشک: حسد، جلن، رقابت، یہ آرزو کہ جو چیز دوسروں کو حاصل ہے مجھے بھی مل جائے، کسی کو اچھا دیکھ کر اپنے لئے بھی ویسا بننے کی خواہش کرنا۔ (فیروز اللغات، ص ۷۱۱ ☆ لغات کشوری، ص ۳۲۵ ☆ کریم اللغات، ص ۷۹)

نور: روشنی، تجلی، اجالا، چمک، رونق، روپ، کلام پاک کی ایک سورت کا نام، صوفیوں کی اصطلاح میں خدا کا ایک صفاتی نام، فارسی زبان میں کبھی مراد چاند سے بھی۔ (فیروز اللغات، ص ۱۳۸۵ ☆ لغات کشوری، ص ۷۹۰ ☆ کریم اللغات، ص ۱۸۷)

دوسرے مصرع میں شروع والے لفظ ''مطلع'' کا مطلب ''غزل کا پہلا شعر'' ہے۔
دوسرے مصرع میں بعد والے لفظ ''مطلع'' کا مطلب ''طلوع ہونے کی جگہ'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان یہ تمنا ظاہر فرمارہے ہیں کہ کاش! بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے مجھے حکم ملے کہ اے احمد رضا! اپنے اشعار جو ہماری مدح وثنا اور ہمارے دشمنوں کی مذمت وہجو میں ہیں سناؤ۔ یہ حکم پاتے ہی مجھ میں وہ جوش اور ولولہ پیدا ہوگا کہ جب میں نعت کا پہلا شعر یعنی مطلع تحفۃً سناؤں گا تو اس کے سبب ایسا نور پھیلے گا کہ اس نور پر مطلع نور، نور کے طلوع ہونے کی جگہ یا آفتاب کے طلوع ہونے کی جگہ یعنی افق مشرق بھی رشک کرے اور یہ تمنا کرے کہ کاش نعت شریف کے مطلع کی وجہ سے جو نور پھیلا ہے ایسا نور مجھے بھی حاصل ہو جائے۔ یہ ہوئے شعر کے لغوی اور ظاہری معنی۔ اس شعر کے مصرع ثانی میں حضرت رضا بریلوی نے لفظ ''مطلع'' دو مرتبہ استعمال فرمایا ہے۔ دونوں لفظ مطلع اسم ہیں اور حروف واعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں، لیکن باعتبار معنی اور مطلب الگ الگ ہیں۔ لہٰذا یہ شعر صنعت تجنیس کامل کا مماثل ہے۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنی حیات میں اپنے کریم آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ہزاروں اشعار کہے ہیں اور ان اشعار میں عشق رسول کے وہ انوکھے گوہر بکھیرے ہیں کہ عالم اسلام اس گوہر سے درخشاں ہو گیا ہے اور اہل علم و عرفان اور صاحب عشق ومحبت نے یک زبان ہو کر حضرت رضا بریلوی کو حسان الہند کے لقب سے نوازا ہے۔ حضرت رضا بریلوی شعر کہتے نہیں تھے بلکہ دل میں جب عشق رسول کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر جوش اور طغیانی پہ ہوتا تو وہ جذبۂ عشق کا ولولہ نوک قلم سے بہہ کر سطح قرطاس پر بیش بہا موتیوں کی لڑی کی شکل میں پھیل جاتا اور نعت رسول کی صورت اختیار کر جاتا۔ نعتیہ شاعری میں حضرت رضا بریلوی کے یہاں صرف آمد تھی، آورد کا رنگ بالکل نہ تھا۔

لیکن اس شعر میں حضرت رضا بریلوی ایک انوکھی تمنا اور خواہش کا اظہار کر رہے ہیں کہ ان کے در کے ادنیٰ سگ ہونے کے ناطے ان کی مدح وثنا میں ہمیشہ مصروف رہنا ایمانی فریضہ ہے اور اس کو کما حقہ ادا کرنے کی سعی بلیغ کرتا رہتا ہوں۔ لیکن اگر آقا و مولیٰ کے دربار عالی سے اس غلام کو صراحتاً نعت گوئی کا حکم ملے تو لطف دو چند ہو جائے۔ یہ تمنا حضرت رضا بریلوی ان متعدد احادیث کے پیش نظر کر رہے ہیں جن میں ایسے واقعات کا ذکر ہے کہ خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے

جاں نثار نعت گو شعرائے کرام کو نعت گوئی اور نعت خوانی کا حکم فرمایا اور ان عشاق شعراء نے اپنے آقا کا حکم پاتے ہی مچل مچل کر نعتیں لکھیں اور پڑھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے سماعت فرما کر خوش ہوئے اور پڑھنے والوں کو انعام واکرام سے نوازا۔

طبرانی نے معجم صغیر میں حضرت عبید اللہ بن دماحش القیشی سے اور انھوں نے زیاد بن طارق بکوی سے اور انھوں نے حضرت زہیر بن صرد جشمی سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے روز حنین فتح یاب ہو کر زنان وصبیان قبیلہ بنی ہوازن کو قیدی بنا کر ان کے مال، غلام او کنیزوں کو مجاہدین اسلام میں تقسیم فرمادیئے۔ اس کے بعد سرداران قبیلہ اپنے اہل وعیال و اموال حضور سے واپس مانگنے کے لیے حاضر ہوئے۔ حضرت زہیر بن صرد جشمی رضی اللہ عنہ نے اس طرح عرض کی کہ:

اُمْنُنْ عَلَیْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فِیْ کَرَمٍ ۔۔۔ فَاِنَّکَ الْمَرْءُ نَرْجُوْهُ وَ نَدَّخِرُ
اُمْنُنْ عَلٰی بَیْضَةٍ قَدْ عَاقَهَا قَدَرٌ ۔۔۔ مُشَتَّتٌ شَمْلُهَا فِیْ دَهْرِهَا غِیَرُ
اَبْقَتْ لَنَا الدَّهْرُ هَتَافًا عَلٰی حُزْنٍ ۔۔۔ عَلٰی قُلُوْبِهِمُ الْغَمَّاءُ وَ الْغَمَرُ
اِنْ لَّمْ تُدَارِکْهُمْ نِعْمَاءُ تَنْشُرُهَا ۔۔۔ یَا اَرْجَحَ النَّاسِ حِلْمًا حِیْنَ یُخْتَبَرُ

ترجمہ: یا رسول اللہ! ہم پر احسان فرمایئے اپنے کرم سے، حضور ہی وہ مرد کامل و جامع ومحاسن شمائل ہیں جن سے ہم امید کریں اور جسے وقت مصیبت ذخیرہ بنائیں۔ احسان فرمایئے اس خاندان پر کہ تقدیر جس کے آڑے آئی، اس کی جماعت تتر بتر ہوگئی۔ اس کے وقت کی حالتیں بدل گئیں۔ یہ بدحالیاں ہمیشہ ہم میں غم کے وہ مرثیہ خواں باقی رکھیں گی جن کے دلوں پر رنج وغیظ مستولی (غلبہ پانے والا) ہوگا۔ اگر حضور کی نعتیں جنھیں حضور نے عام فرمادیا ہے ان کی مدد کو نہ پہنچیں تو ان کا کہیں ٹھکانہ نہیں۔ اے! آزمائش کے وقت تمام جہاں سے زیادہ عقل والے صلی اللہ علیہ وسلم۔

یہ اشعار سن کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مَا کَانَ لِیْ وَ لِعَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَهُوَ لَکُمْ"

یعنی جو کچھ میرے اور عبد المطلب کی اولاد کے حصے میں آیا وہ میں نے تمھیں بخش دیا۔

حضور کی اس کرم نوازی اور سخاوت کو دیکھ کر قریش و انصار نے عرض کی کہ ہمارا جو کچھ بھی ہے وہ اللہ ورسول کا ہے۔ یعنی ہمارا حصہ بھی ان کو عطا فرمادیں۔ قارئین غور فرمائیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عالی کی تعریف وتوصیف میں اشعار کہنے والے کو سرکار نے اور سرکار کے صحابہ نے اپنا حصہ عطا فرما کر انعام واکرام سے نوازا۔

حضور اقدس کے چچا اور حضرت علی کے والد ابو طالب نے حضور کی نعت میں کچھ اشعار کہے تھے۔ ابو طالب کے انتقال کے بعد ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے جو ہمیں ان کے اشعار سنائے؟ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! شاید حضور یہ اشعار سننا چاہتے ہیں جو ابو طالب نے نعت اقدس میں عرض کئے تھے۔

وَ اَبْیَضُ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ ۔۔۔ ثِمَالُ الْیَتَامٰی وَ عِصْمَةٌ لِّلْاَرَامِلِ

فَهُمْ عِنْدَهُ فِی نَعْمَةٍ وَ فَوَاضِلُ　　　تَلُوْذُ بِهِ الهَلَاكُ مِنْ اٰلِ هَاشِمٍ

ترجمہ: وہ گورے رنگ والے کہ ان کے چہرے کے صدقے میں بادل سے پانی مانگا جاتا ہے۔ یتیموں کے لئے جائے پناہ اور بیواؤں کے نگہبان۔ بنی ہاشم (جیسے غیور لوگ) تباہی کے وقت ان کے پناہ میں آتے ہیں۔ ان کے پاس ان کے نعمت و فضل میں بسر کرتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبان پاک سے یہ اشعار سن کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"أَجَلْ ذَالِكَ اَرَدْتُ"

یعنی ہاں، یہی نظم ہمیں مقصود تھی۔

اس حدیث کو بیہقی نے سند حسن کے ساتھ دلائل میں اور امام عسقلانی اور دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت فرمائی ہے۔

حضرت اسود بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں اس طرح عرض کی:

عِنْدَ الْقُحُوْطِ اِذَا مَا اَخْطَأَ الْمَطَرُ　　　اَنْتَ الرَّسُوْلُ الَّذِیْ تُرْجِی فَوَاضِلُهُ

ترجمہ: آپ وہ رسول ہیں کہ حضور کے فضل کی امید کی جاتی ہے قحط کے وقت جب مینھ خطا کرے۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لئے مسجد نبوی شریف میں خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم منبر رکھواتے تاکہ اس پر کھڑے ہو کر حضرت حسان رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت بیان کریں اور دشمنان رسول کی ہجو اور مذمت کریں۔ جب حضرت حسان مسجد نبوی شریف میں منبر پر کھڑے ہو کر اپنے اشعار سناتے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بہت خوش ہوتے اور فرماتے:

"اِنَّ اللّٰهَ یُؤَیِّدُ حَسَّانًا بِرُوْحِ الْقُدُسِ مَا دَامَ یُنَافِحُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ"

یعنی بے شک اللہ تعالیٰ حسان کی روح القدس سے تائید کراتا ہے، جب تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دشمنوں کی ہجو کرتے ہیں۔ (مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص ۱۰۱۱)

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے شعر کے مصرع ثانی میں "سناؤں مطلع برجستہ" ارشاد فرمایا ہے۔ اس جملہ میں لفظ برجستہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی سنت پر عمل کرنے کے لئے لکھا ہے، کیوں کہ حضرت حسان بن ثابت کی ایک اعلیٰ خوبی یہ تھی کہ اگر کوئی گستاخ رسول یا دشمن اسلام کی طرف سے کسی قسم کی بکواس سننے میں آتی تو آپ برجستہ اس کی تردید، مذمت اور ہجو میں اشعار قلم بند فرما دیتے تھے اور ایسا دنداں شکن جواب مرحمت فرماتے تھے کہ مخالفین ساکت و مبہوت ہو جاتے تھے۔ حضرت رضا بریلوی رضی اللہ عنہ نے نعت گوئی کے میدان میں حضرت حسان کا ہی نقش قدم اختیار فرمایا تھا۔ ایک مقام پر اس کا اعتراف کرتے ہوئے حضرت رضا فرماتے ہیں:

رہبر کی رہ نعت میں گر حاجت ہو　　　نقش قدم حضرت حسان بس ہے

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے حضرت حسان بن ثابت اور بارگاہ رسالت کے دیگر شعرائے کرام مثلاً:

- حضرت عامر بن اکوع
- حضرت کعب بن مالک
- حضرت ابوسفیان بن حارث
- حضرت عدی بن حاتم
- حضرت ابوالطفیل بن عامر بن واثلہ لیثی کنانی
- حضرت اعشیٰ بن مازن بن عمرو بن تمیم
- حضرت لبید بن ربیعہ عامری
- حضرت زبیر بن صرد جشمی
- حضرت عبداللہ بن رواحہ
- حضرت عباس بن مرداس سلمی
- حضرت حمید بن نور الہلال
- حضرت ایمن بن حزیمہ اسدی
- حضرت ابوعبداللہ اسود

حضرت نابغہ جعدی وغیرہم کے نقش قدم پر چل کر اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی مدح وثنا کرنے کے ساتھ ساتھ بارگاہ رسالت کے گستاخوں کو خوب لتاڑا ہے۔ جس کی تفصیل شعر نمبر 10

خاک ہوجائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضا دم میں جب تک دم ہے ذکر ان کا سناتے جائیں گے

کی تشریح میں ملاحظہ فرمائیں۔



تیری رافت حفظ ہر آفت سے ہو
ان سے جو کچھ کام ہو رافت سے ہو

(حدائق بخشش، حصہ ۳، ص ۸۳)

حل لغت:

رافت: مہربانی، رحمت کی شدت۔ (فیروز اللغات، ص ۶۹۸ ☆ لغات کشوری، ص ۳۱۶ ☆ کریم اللغات، ص ۷۷)

حفظ: ازبر، زبانی یاد، پاس، ادب، لحاظ، حفاظت، یاد کرنا، یاد رکھنا۔ (فیروز اللغات، ص ۵۷۱ ☆ کریم اللغات، ص ۲۳۷)

آفت: دکھ، مصیبت، بلا، فتنہ، ظلم، ستم، مشکل، غضب الٰہی، وبا، قحط، ناانصافی، زبردستی، ناگوار طبع، شور، غوغا، عتاب، غصہ، شوخ، چالاک، عیار، فتنہ انگیز۔ (فیروز اللغات، ص ۲۳ ☆ لغات کشوری، ص ۴۹ ☆ کریم اللغات، ص ۱۳)

پہلے مصرع میں وارد لفظ ''رافت'' کا مطلب ''مہربانی'' ہے۔

دوسرے مصرع میں وارد لفظ ''رافت'' کا مطلب ''رحمت کی شدت'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

یہ شعر بھی اس منقبت کا ہے جو حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے حضور پرنور سیدنا سرکار غوث اعظم دستگیر رضی اللہ عنہ کی شان میں ''سراپائے نورانی شاہ جیلانی محبوب ربانی'' (۱۳۲۲ھ) کے تاریخی نام سے نظم فرمائی ہے۔ لیکن یہ شعر اس منقبت کے اختتام میں زیر عنوان ''دعا'' کا ہے۔ اس عنوان کے تحت حضرت رضا بریلوی نے سرکار غوث اعظم کے وسیلہ سے بارگاہ الٰہی میں دعا کی ہے۔ اس عنوان کے تحت کل ۱۱ اشعار ہیں۔ جن میں سے ساڑھے نو اشعار اردو میں اور ڈیڑھ شعر عربی میں ہے۔ یعنی پانچویں شعر کا مصرع ثانی اور گیارہواں شعر عربی زبان میں ہے اور بقیہ اشعار اردو زبان میں ہیں۔ اس دعا کا پہلا شعر حسب ذیل ہے:

یا الٰہی اس سراپا کے لئے　　　قادریوں پر تیری رحمت رہے

دوسرا شعر یہ ہے:

تیری رافت حفظ ہر آفت سے ہو　　　ان سے جو کچھ کام ہو رافت سے ہو

دونوں اشعار کا مشترکہ ترجمہ یہ ہوا کہ اے پروردگار عالم! تیرے محبوب اور مقبول بندے پیران پیر حضور سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی رضی اللہ عنہ کے سراپا یعنی ان کے جسم اطہر کے صدقہ اور طفیل میں قادریوں پر ہمیشہ تیری رحمت رہے اور تیری رحمت قادریوں پر آنے والی آفت میں رافت (مہربانی) کرے اور تیری مہربانی اتنی زیادہ ہو کہ قادریوں سے جو کچھ بھی کام صادر ہوں وہ تمام کام تیری رافت ورحمت سے جائز اور مستحسن ہوں۔ اس شعر میں لفظ ''رافت'' کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے، پہلی مرتبہ مصرع اول میں جو لفظ رافت ہے اس کا مطلب مہربانی ہے اور مصرع ثانی میں جو لفظ رافت ہے اس کا مطلب رحمت کی شدت ہے۔ دونوں لفظ رافت حروف واعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی ومطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے حضور سرکار غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے جود کے وسیلے سے بارگاہ خداوندی میں دعا کی ہے۔ آپ کے وجود میں سے ایک عضو کی زینت یعنی آنکھ کے ابرو (بھوں) کا ذکر شعر نمبر 110 اور 124 کی تشریح میں ملاحظہ فرمائیں!

حضور سرکار غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا بارگاہ خداوندی میں بڑا رتبہ ہے۔ آپ کا لقب ہی محبوب سبحانی ہے۔ حضرت رضا بریلوی نے اپنے شعر میں قادریوں یعنی سیدنا غوث اعظم کے سلسلہ کے مریدوں اور آپ سے محبت رکھنے والوں پر رحمت کی شدت کی جو دعا کی ہے اس کے تعلق سے مستند واقعات پیش خدمت ہیں۔

حضرت سید عمر بزار قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں حضور پرنور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے سامنے خلوت میں حاضر تھا۔ حضور نے اپنا دست اقدس میرے سینے پر مارا کہ فوراً ایک نور قرص آفتاب (یعنی سورج کی ٹکیہ) کے برابر

میرے دل میں چمک اٹھا اور اسی وقت سے میں نے حق کو پایا اور آج تک وہ نور ترقی کر رہا ہے۔

(برکات قادریت، از: مداح رسول حضرت جمیل الرحمٰن قادری، ص ۶۸)

سیدی عدی بن مسافر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر مشائخ میں سے کسی کا مرید مجھ سے خرقہ طلب کرے تو میں اسے فوراً خرقہ دے دوں، مگر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے مریدوں کو میں خرقہ نہیں پہنا سکتا کیوں کہ وہ سب کے سب رحمت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ بھلا دریا کو چھوڑ کر نہر کے پاس کیوں آئیں گے۔ (برکات قادریت، ص ۹۶)

حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے پروردگار نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ جو مسلمان تمھارے مدرسہ کے دروازے سے گزرے گا میں اس کے عذاب میں تخفیف فرماؤں گا۔ (برکات قادریت، ص ۱۰۱)

ایک روز اہل بغداد میں سے ایک شخص حضور پرنور غوث اعظم کی خدمت میں حاضر آیا اور عرض کی کہ میرے والد کا انتقال ہوگیا۔ آج صبح میں نے ان کو خواب میں دیکھا کہ مجھ سے فرما رہے ہیں کہ میں عذاب میں مبتلا ہوں۔ تو حضور غوث اعظم کی خدمت میں جا اور میری حالت عرض کر۔ حضور غوث پاک نے فرمایا: کیا تمھارے والد کبھی ہمارے مدرسہ کے دروازے سے گزرے ہیں؟ اس نے عرض کیا، ہاں! حضور خاموش ہوگئے۔ یہ شخص کہتا ہے کہ دوسرے دن میں نے پھر اپنے والد کو خواب میں دیکھا کہ سبز لباس پہنے ہوئے نہایت خوش ہیں اور مجھ سے فرماتے ہیں اے فرزند! تم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی خدمت سے کبھی جدا نہ ہونا۔ یہ جو کچھ تم دیکھ رہے ہو انھیں کا صدقہ ہے۔ (برکات قادریت، ص ۱۰۱)

ایک شخص نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی کہ فلاں قبرستان میں ایک شخص دفن کیا گیا ہے جس کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے۔ اس کی قبر سے چیخنے کی آواز آتی ہے۔ شاید عذاب میں مبتلا ہے۔ حضور غوث اعظم نے ارشاد فرمایا کیا وہ ہم سے بیعت ہے؟ عرض کی معلوم نہیں۔ پھر فرمایا کیا کبھی ہمارے گھر کا کھانا اس نے کھایا ہے؟ عرض کی یہ بھی معلوم نہیں۔ حضرت غوث پاک نے مراقبہ فرمایا۔ پھر سر اقدس اٹھایا۔ ہیبت وجلال روئے انور سے ظاہر تھا۔ ارشاد فرمایا کہ فرشتے ہم سے یہ کہتے ہیں کہ ایک بار اس نے ہم کو دیکھا تھا اور دل میں نیک گمان لایا تھا۔ اس وجہ سے بخش دیا گیا۔ پھر لوگوں نے اس کی قبر پر جا کر دیکھا تو فریاد اور بکا کی آواز بالکل نہ تھی۔ (ایضاً)

حضرت شیخ حماد رحمۃ اللہ علیہ نے حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے عبدالقادر! میرے بارہ ہزار مرید ہیں اور ہر رات میں اپنے مریدوں کے لئے دعا کرتا ہوں کہ الٰہی! جو کوئی میرا مرید گناہ کا ارادہ کرے تو اس کے لئے موت بھیج دے کہ وہ گناہ نہ کر سکے۔ حضور غوث اعظم نے فرمایا کہ میں قیامت تک اپنے سلسلے والوں کے لئے رب تبارک وتعالیٰ سے یہ عہد لوں گا کہ ان میں سے کوئی بھی توبہ کئے بغیر نہ مرے، اور میں ان کا ضامن ہوں۔ شیخ حماد قدس سرہٗ نے اس کلام کی تائید کر کے کہا کہ اے عبدالقادر! بے شک تم کو یہی مرتبہ عطا ہوگا اور تمہارا سایہ ہمیشہ تمھارے سلسلہ والوں پر دراز رہے گا۔

(برکات قادریت، ص ۱۰۲)



۱۱۹

عین حق کا بنا محبّ رسول
عین حق کا بنا محبّ رسول

(حدائق بخشش، حصہ۳، ص۴۰)

حل لغت:

عین: آنکھ، چشم، پانی کا چشمہ، حقیقت، جوہر، حقیقی بھائی، سگا بھائی، ٹھیک، ہو بہو، درست، آفتاب کا چشمہ، اشرفی، زرسرخ، مال، مینھ، باراں، وہ ابر جو قبلہ کی طرف سے اٹھے، مہتر، سردار، ہر چیز عمدہ، ہر شئے کی ذات، ایک آدمی، شخص، نفس، اہل خانہ، قوم، جاسوس، پانی جاری ہونے کی جگہ، نظر کرنا، دیدار، اہل شہر کسی چیز کو نظر لگانا، پیشوا، انگور، زانو، گھٹا، حرف، مشہور۔ (فیروز اللغات، ص۹۰۸ ☆ لغات کشوری، ص۵۰۸ ☆ کریم اللغات، ص۱۱۲)

حق: سچ، صدق، لائق، واجب، درست، بجا، ٹھیک، ثابت، قائم، فرض، ذمہ داری، جائز، مباح، انصاف، صلہ، بدلہ، معاوضہ، مزدوری، انعام، نیگ، عدل، واقعہ کی اصلیت، منصب، اختیار، ملکیت، راست، درست، سزاوار، لائق، وعدہ پورا کرنا، بات سچ بولنا، خدا کا ایک صفاتی نام۔ (فیروز اللغات، ص۵۷۱ ☆ لغات کشوری، ص۲۳۷)

بنا: دولھا، نوشہ، پیارا، لاڈلا۔ (فیروز اللغات، ص۲۱۶)

بنا: بن جانا، ہو جانا، بننا۔ (فیروز اللغات، ص۲۱۶)

محب رسول: تاج الفحول حضرت مولانا عبد القادر صاحب بدایونی کا لقب۔

پہلے مصرع میں لفظ ''عین'' کا مطلب ''چشمہ'' ہے۔
دوسرے مصرع میں لفظ ''عین'' کا مطلب ''قوم'' ہے۔
پہلے مصرع میں لفظ ''بنا'' کا مطلب ''بنا ہوا'' ہے۔
دوسرے مصرع میں لفظ ''بنا'' کا مطلب ''نوشہ، دولھا'' ہے۔
پہلے مصرع میں لفظ ''حق'' سے مراد ''اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام'' ہے۔
دوسرے مصرع میں لفظ ''حق'' کا مطلب ''سچ، صداقت'' ہے۔
پہلے مصرع میں لفظ ''محب رسول'' کا مطلب ''رسول کا چاہنے والا یا عاشق'' ہے۔

دوسرے مصرع میں لفظ ''محبّ رسول'' سے مراد ''مولانا عبدالقادر بدایونی'' ہیں۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے ہم عصر، ہم خیال، ہم مشرب، ہم قدم، ہم عنوان، ہم نوالہ، ہم پیالہ، ہم دم، ہم راہ، ہم سخن، ہم رنگ اور ہم دست، افضل العلماء، اکمل الکملاء، بقیۃ السلف، حجۃ الخلف، تاج الفحول، محبّ رسول، حضرت مولانا، مولوی، حافظ، حاجی عبدالقادر صاحب قادری عثمانی بدایونی علیہ الرحمۃ و الرضوان کی تعریف و توصیف بیان فرما رہے ہیں۔ یہ شعر اس قصیدۂ مدحیہ کا ہے جو حضرت رضا بریلوی نے چراغ انس کے عنوان سے حضرت مولانا عبدالقادر بدایونی محبّ رسول کی منقبت میں لکھا ہے۔ یہ قصیدہ کل ۱۰۴ اشعار پر مشتمل ہے۔ جس کا یہ چوتھا شعر ہے۔ اس چھوٹی بحر کے شعر میں کل چار تجنیسات ہیں، بلکہ یوں کہو کہ صرف حرف ''کا'' کو چھوڑ کر شعر کے دونوں مصرعے تجنیس ہی ہیں۔ اردو ادب کی دنیا کے نامور ادباء و شعراء حضرت رضا بریلوی کے اس کمال فن کو دیکھ کر عش عش پکار اٹھیں گے۔ آج تک کوئی ایک بھی شاعر پیدا نہیں ہوا جو اردو شاعری میں اتنی چھوٹی سی بحر کے شعر میں ایک ساتھ چار تجنیسات کا استعمال کیا ہو۔ ایک خوبی کی بات تو یہ ہے کہ اس شعر کے دونوں مصرعے مساوی ہیں۔ دونوں میں ایک حرف کا بھی فرق نہیں۔ سرسری نظر سے دیکھنے پر تو یہ محسوس ہوگا مصرع اول کو مکرر بیان کیا گیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مصرع اول کے الفاظ مصرع ثانی میں مکرر ضرور آئے ہیں، لیکن مصرع اول اور مصرع ثانی کے معنی میں بہت بڑا فرق ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ عین حق کا بنا محبّ رسول، دوسرا مصرع بھی وہی ہے۔ اب ان دونوں مصرعوں میں لفظ عین حق، بنا اور محبّ رسول الگ الگ معنی میں ہیں۔ پہلے مصرع میں جو لفظ عین ہے وہ چشمہ کے معنی میں اور دوسرے مصرع میں قوم کے معنی میں ہے۔ پہلے مصرع میں جو لفظ حق ہے، اس سے اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام مراد لیا گیا ہے اور دوسرے مصرع میں سچائی کے معنی میں ہے۔ پہلے مصرع میں جو لفظ بنا ہے وہ بن جانا، بننا اور ہو جانا کے معنی میں ہے اور دوسرے مصرع میں نوشہ یا دولھا کے معنی میں ہے۔ پہلے مصرع میں محبّ رسول کو عاشق رسول یا رسول کا چاہنے والا کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے اور دوسرے مصرع میں تاج الفحول حضرت مولانا عبدالقادر بدایونی کے لقب کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ اب شعر کے معنی یہ ہوں گے:

ہر دور میں رسول کا چاہنے والا خدا کی راہ ہدایت کا چشمہ بنتا ہے اور آپ تاج الفحول بدایونی ہونے کی وجہ سے اپنے دور کی سچائی والی قوم کے دولھا ہو۔ حضرت تاج الفحول محبّ رسول، مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی قدس سرہٗ کا شمار اجلہ اکابر علمائے اہل سنت میں ہوتا ہے۔ آپ اہل سنت و جماعت کے مقتدا اور نامور رہبر ہیں۔ منافقین، مرتدین اور بدمذہبوں کے لئے آپ شمشیر برہنہ تھے۔ امام اہل سنت، اعلیٰ حضرت، عظیم المرتبت شاہ امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہٗ کی ہر تحریک میں آپ شامل رہے اور جند حق کے سپہ سالار کی حیثیت سے اپنی خدمات پیش کرتے رہے۔ خصوصاً دار الندوۃ سے جب اعلیٰ

حضرت علاحدگی اختیار کر کے علی الاعلان ندوہ کی مخالفت اور رد میں سرگرم ہوئے تب مولانا عبدالقادر بدایونی اعلیٰ حضرت کے دوش بدوش ہو کر إعلائے کلمۃ الحق میں بلا خوف لومۃ لائم منہمک ہوئے، اور باطلوں کے قلعے منہدم کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ آپ جید عالم، صاحب تصانیف کثیرہ اور استاذ العلماء ہونے کے ساتھ ساتھ سلسلۂ قادریہ کے باوقار مشائخ میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کے مشورے اور ترغیب دلانے سے امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان مارہرہ مطہرہ حاضر ہو کر خاتم الاکابر حضرت سید شاہ آل رسول مارہروی رضی اللہ عنہ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔ مولانا عبدالقادر کے وسیلہ سے حضرت رضا بریلوی کو ایسے عظیم اور کامل پیر کا دامن ملا ہے اور یہ بہت بڑا احسان ہے۔ یہ خیال کرتے ہوئے حضرت رضا بریلوی مولانا بدایونی کی غایت درجہ تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ مزید تفصیل کے لئے شعر نمبر 112 ''تو کلام خدا کا حافظ ہے'' کی تشریح ملاحظہ فرمائیں۔



(۱۳۰)

باغ میں شکر وصل تھا ہجر میں ہائے ہائے گل
کام ہے ان کے ذکر سے خیر وہ یوں ہوا کہ یوں

حل لغت:

باغ: گلزار، پھلواڑی، چمن، جہاں بہت سے درخت لگائے جائیں، مجازاً آل واولاد، بال بچے، نعمت۔
(فیروز اللغات، ص ۱۶۹ ☆ لغات کشوری، ص ۸۱)

شکر: احسان ماننا، سپاس، احسان، دینے والے کی تعریف کرنا۔ (فیروز اللغات، ص ۸۴۵ ☆ لغات کشوری، ص ۴۲۵)

وصل: ملاقات، معشوق سے ملنا، ہجر کی ضد۔ (فیروز اللغات، ص ۱۴۱۰ ☆ لغات کشوری، ص ۸۰۵)

ہجر: جدائی، مفارقت، علیحدگی، بیمار کا ہذیان بکنا، نیم روز یعنی دوپہر کا وقت، ہذیان۔
(فیروز اللغات، ص ۱۴۳۵ ☆ لغات کشوری، ص ۸۱۲ ☆ کریم اللغات، ص ۱۹۵)

ہائے ہائے: آہ آہ، واویلا، آہ وزاری، پکار، مانگ، طلب، آواز رونے کی، ماتم کی آواز۔
(فیروز اللغات، ص ۱۴۳۰ ☆ لغات کشوری، ص ۸۱۱ ☆ کریم اللغات، ص ۱۹۵)

ذکر: تذکرہ، چرچا، بیان، زبان اور دل سے خدا کی یاد، تعریف، شہرت، یاد کرنا دل اور زبان سے کسی کو، خدا کا شکر ادا کرنا،

دعا، نماز۔ (فیروز اللغات، ص ۶۹۰ ☆ لغات کشوری، ص ۳۱۱)

خیر: نیکی، بھلائی، اچھائی، برکت، سلامتی، تندرستی، عافیت، ٹھیک، بجا، درست۔

(فیروز اللغات، ص ۶۰۳ ☆ لغات کشوری، ص ۲۷۵ ☆ کریم اللغات، ص ۶۸)

یوں: اس طرح، ایسا، بایں طور، اس طرز سے، اس ڈھنگ سے۔ (فیروز اللغات، ص ۱۴۷۱)

دوسرے مصرع میں شروع والے لفظ ''یوں'' کا مطلب ''اس طرح'' ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد والے لفظ ''یوں'' کا مطلب ''بایں طور'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان ایک عاشق کی کیفیت دل بیان فرمارہے ہیں کہ جو عاشق ہوتا ہے وہ وصال محبوب کے وقت کیسا محسوس کرتا ہے اور ہجر وفراق میں اس کی کیا حالت ہوتی ہے۔ اس کیفیت کو سمجھانے کے لئے آپ نے گل وبلبل کی مثال دی ہے کہ جب بلبل باغ میں ہوتا ہے اور اس کو گل کا وصال وقرب حاصل ہوتا ہے تو وہ خوش ہوتا ہے اور اپنے محبوب کی وصل کی نعمت پر شکر خدا ادا کرتا ہے، لیکن جب وہ اپنے محبوب سے بچھڑ کر دور ہو جاتا ہے اور فراق وہجر میں تڑپتا ہے تو اس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ ہمہ وقت اپنے محبوب کے خیال اور تصور میں محو ہوتا ہے، اور اس کی یاد میں بے چین وبے قرار ہو کر اس کا ذکر کرتا ہے اور آہ وزاری کرتا ہے، اس کے حلق سے ہمیشہ ہائے گل! ہائے گل! کی ہی آواز نکلتی ہے، اور وہ یاد محبوب میں ماتم کناں رہتا ہے۔ ٹھیک یہی حالت ایک عاشق رسول کی ہوتی ہے کہ جب اسے اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار کی حضوری حاصل ہوتی ہے اور وہ محبوب کے قرب ووصل سے بہرہ مند ہوتا ہے تو وہ محسوس کرتا ہے کہ اسے کائنات کی نعمت عظمیٰ حاصل ہوئی ہے اور اس نعمت کے حصول پر وہ اپنے پروردگار کا شکر بجالاتا ہے۔ لیکن جب وہ اپنے محبوب آقا سے بچھڑتا ہے اور دیدار جمال مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے محروم ہوتا ہے تو وہ ماہئ بے آب کی طرح تڑپتا ہے، اپنے محبوب آقا کے فراق میں واویلا کرتا ہے اور صدائے آہ وفغاں بلند کرتا ہے۔ اپنے مضطرب وناشاد دل کو شاد وخوش کرنے کے لئے ذکر محبوب کرتا ہے۔ قلب حزیں کے قرار وسکون کے لئے یاد محبوب میں غرق رہتا ہے۔ اس کے جسم کے ہر رونگٹے سے ہجر محبوب کے دل سوز نغمات نکلتے ہیں۔ فراق محبوب کی ناقابل برداشت حالت کو ضبط کرنے اور اپنے دل کا دھواں نکالنے کے لئے ہائے محبوب! یا نبی! یارسول اللہ! کی صدائیں بلند کرتا رہتا ہے، اور اس طرح اپنے محبوب کا ذکر کر کے چین وسکون حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی کیفیت کا ذکر کر کے حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ چاہے وصل وقرب کی حالت ہو، چاہے فراق وہجر کی کیفیت ہو۔ ایک عاشق ہر وقت اپنے محبوب آقا کی یاد وذکر میں گم رہتا ہے۔ وصل کی حالت میں شکر اور شادمانی سے اور ہجر میں غم واضطراب کے ساتھ۔ اور یہی اس کا حاصل مقصد اور زندگی ہے کہ وہ اپنے آقا کا ذکر کرتا رہے۔ وہ ذکر فراق کی کیفیت میں ہو یا وصال کی حالت میں کسی بھی طریقے پر ہو مگر ضرور ہو۔

اس شعر میں حضرت رضا نے لفظ "یوں" کا استعمال دو مرتبہ فرمایا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ یوں ہے وہ اس طرح کے معنی میں ہے اور دوسری مرتبہ جو لفظ یوں ہے وہ بایں طور کے معنی میں ہے۔ دونوں لفظ یوں حروف و اعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں۔ لیکن معنی و مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اپنے محبوب آقا کے وصل اور فراق میں کیا کیفیت محسوس کرتے تھے وہ ملاحظہ ہو!

شیخ محقق، شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں منہ میں سنگ ریزہ رکھ کر بیٹھا کرتے تھے تاکہ سانس نہ گھٹے اور بات نہ کر سکیں۔ آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال پر محبت کی لڑی پرو کر نظر جمائے رکھتے تھے۔ (مدارج النبوت، اردو ترجمہ، جلد ا، ص ۱۱۰)

ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا۔ اور اس نے کہا کہ یارسول اللہ! آپ میرے نزدیک میرے اہل و مال اور اولاد و جان سے زیادہ محبوب ہیں، جب آپ کی یاد مجھے ستاتی ہے تو صبر نہیں آتا جب تک کہ حاضر ہو کر آپ کے جمال مبارک کو نہ دیکھ لوں۔ (مدارج النبوت، اردو ترجمہ، جلد ا، ص ۵۲۰)

ایک اور حدیث میں ہے کہ بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک شخص بیٹھا ہوا جمال مبارک پر نظر جمائے دیکھ رہا تھا۔ وہ ادھر اُدھر نظریں اٹھاتا ہی نہ تھا۔ حضور نے فرمایا۔ تیرا کیا حال ہے؟ اس نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، یارسول اللہ! میں آپ کے جمال مبارک سے بہرہ مند ہو رہا ہوں اور آپ کے دیدار سے لذت ذوق حاصل کر رہا ہوں۔

(مدارج النبوۃ، جلد ا، ص ۵۲۰)

حضرت شیخ ابو العباس مرسی سے مروی ہے کہ کہا اگر مجھ سے ایک لحظہ کے لئے جمال جہاں آرا سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پوشیدہ ہو جائے تو میں اپنے آپ کو مسلمانوں میں شمار نہ کروں۔ (مدارج النبوۃ، جلد ا، ص ۲۴۵)

یہ تو انسانوں کی بات ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ انسان کے علاوہ حیوانات، نباتات اور جمادات بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجر و فراق میں غمگین اور بے چین رہتے تھے اور رہتے ہیں۔

شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ وہ دراز گوش جس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات سوار ہوا کرتے تھے۔ (جس کا نام یعفور تھا) اس کو حضور کے پردہ فرمانے کے بعد مفارقت کا اتنا رنج و ملال پہنچا کہ اس نے اپنے آپ کو ایک کنویں میں ڈال دیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی نے جدائی کے غم میں کھانا، پینا چھوڑ دیا اور اسی طرح اس نے جان دے دی۔

(مدارج النبوت، جلد ۲، ص ۷۵۵)

آیئے! اب آپ کو ایک واقعہ ایسا سناتا ہوں کہ آپ حیران ہو جائیں گے۔ کھجور کا تنا کہ جس میں روح نہیں اور اس کا شمار جمادات میں ہوتا ہے وہ بھی فراق محبوب صلی اللہ علیہ وسلم میں پھوٹ پھوٹ کر رویا ہے۔ اور اس کا واقعہ تمام کتب احادیث میں مروی ہے:

بخاری نے حضرت جابر سے، دارمی نے بطریق عبداللہ بن بریدہ، طبرانی نے اوسط میں، ابونعیم نے بطریق عبداللہ

بن بریدہ، بغوی، ابونعیم اور ابن عساکر نے ابی بن کعب سے، ابن ابی شیبہ، دارمی اور ابونعیم نے ابوسعید خدری سے، امام احمد، ابن سعد، دارمی، ابن ماجہ، ابونعیم اور بیہقی اور ابونعیم نے حضرت انس سے، ابن سعد، ابن راہویہ اور بیہقی نے سہیل بن سعد، ابن ماجہ، ابن سعد، ابویعلی، ابونعیم اور بیہقی نے حضرت ابی بن کعب سے یہ واقعہ روایت کیا ہے، جو مندرجہ ذیل ہے۔

حضور اقدس ﷺ کی مسجد شریف کھجوروں کے تنوں پر مسقّف تھی، منبر شریف کی تعمیر سے پہلے اس کے تنے سے ٹیک لگا کر حضور اکرم ﷺ خطبہ دیا کرتے تھے۔ پھر جب منبر شریف بنایا گیا تو اسے علاحدہ کر دیا گیا۔ اس کے بعد اس تنے سے رونے کی آواز سنی گئی، جیسے کوئی اونٹنی روتی ہے جس کا بچہ اس سے جدا کر دیا گیا ہو۔ حضرت انس کی حدیث میں ہے کہ اس کے رونے کی آواز سے ساری مسجد ہلنے اور کانپنے لگی اور اس کی بے قراری اور بے چینی کو دیکھ کر لوگوں کی بھی چیخیں نکل گئیں۔ حضور اقدس ﷺ منبر شریف سے اترے اور سے چمٹا لیا اور اپنا دست اقدس اس پر رکھ کر اس کو تسلی دی تو وہ خاموش ہو گیا اور فرمایا کہ اگر میں اسے نہ چمٹاتا تو وہ قیامت تک اظہار غم وحزن میں یوں ہی روتا رہتا، اور فرمایا کہ اے تنے! اگر تو چاہے تو تجھے پھر اس باغ میں بو دیا جائے جہاں تو پہلے تھا، اور تیرے رگ وریشے کو مکمل کر دیا جائے اور تیری شاخوں کو تروتازہ کر دیا جائے اور تجھ سے پھل نمودار ہوں اور اگر تو چاہے تو تجھے جنت میں اگا دیا جائے تاکہ محبوبان خدا تیرا پھل کھائیں۔ اس کے بعد حضور نے اپنے کانوں کو اس کی جانب کیا کہ وہ کیا کہتا ہے؟ پھر آپ نے فرمایا کہ یہ کہتا ہے کہ یا رسول اللہ! مجھے جنت میں قائم کر دیا جائے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اسے منبر شریف کے نیچے دفن کر دیا جائے۔

(مدارج النبوت، جلد ۱، ص ۳۵۲ ☆ خصائص کبریٰ، از: امام جلال الدین سیوطی، جلد ۲، ص ۱۷۹/۱۸۱)

حضرت حسن بصری اس حدیث کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ اے خدا کے بندو! ایک لکڑی رسول اللہ کے شوق میں اتنا روتی ہے تو تم تو اس سے کہیں زیادہ مستحق ہو کہ رسول خدا کی لقاء کے مشتاق بنو۔ (مدارج، ایضاً)

حضرت مطلب بن ابی وداعہ صحابی فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے جس چیز کو بھی چھوڑا ہے وہ آپ کے فراق میں غمگین ہوئی ہے۔ (خصائص کبریٰ، جلد ۲، ص ۱۸۱)

تو جب حضور نے اس دنیا کو چھوڑا اور پردہ فرمایا تو دنیا کے تمام عاشق رسول فراق وہجر نبی میں غمگین کیوں نہ ہوں؟



(۱۲۱)

روئے شہ پیش نظر دست پیمبر پشت پر
کاش پاؤں برگ و پشت و ساز روئے آئینہ

(حدائق بخشش، حصہ ۳، ص ۶۴)

حل لغت:

رو: چہرہ، مکھڑا، رخ، صورت، شکل، سبب، وجہ، باعث، بساط، سطح، تختہ، سامنا، آگاہ، امید، تمنا، رعایت، منہ۔

(فیروز اللغات، ص ۷۲۳ ☆ لغات کشوری، ص ۳۳۲ ☆ کریم اللغات، ص ۸۱)

شہ: شاہ کا مخفف، بادشاہ، دولھا، بڑا، اعلیٰ، حمایت، ترغیب، بہکانا، اشتعال، رد، ڈھیل۔

(فیروز اللغات، ص ۸۵۰ ☆ لغات کشوری، ص ۴۳۳)

پیش: آگے، سامنے، پہلے، قبل، آئندہ، انگرکھے کی اگاڑی، تسبیح کا وہ دانہ جو سب دانوں کے اوپر ہوتا ہے، اعراب میں ضمہ یعنی پیش کی نشانی جو حروف کے اوپر ہوتی ہے۔ (فیروز اللغات، ص ۳۳۰ ☆ لغات کشوری، ص ۱۲۷ ☆ کریم اللغات، ص ۳۱)

نظر: بغور دیکھنا، نگاہ، آنکھ، بصارت، غور، تال، فکر، نگرانی، دیکھ بھال، تمیز، معاینہ، تخمینہ، جانچ، پرکھ، توجہ، مہربانی، امید، توقع، شناخت، اندازہ، بھوت پریت کا اثر، آسیب۔

(فیروز اللغات، ص ۱۳۶۴ ☆ لغات کشوری، ص ۱۲۷ ☆ کریم اللغات، ص ۱۸۴)

دست: ہاتھ، پنجہ، قدرت، طاقت، قابو، غلبہ، نصرت، فتح، پتلا پیخانہ، اسہال، عدد، تعداد، تمام، بالکل، پوری شئ، فائدہ، نفع، ظفر، صدر مسند، طرز، روش، فائدہ، بادشاہ کا وزیر۔ (فیروز اللغات، ص ۶۲۵ ☆ لغات کشوری، ص ۷۷۹ ☆ کریم اللغات، ص ۶۷)

پیمبر: پیغمبر، نبی۔ (فیروز اللغات، ص ۳۳۱)

پشت: پیٹھ، کمر، پچھاڑی، کمک، مدد، سہارا، معاون، پیڑھی، نسل، خاندان، قوت، وہ چیز جو واسطے زیادتی نشہ کے شراب میں داخل کریں۔ (فیروز اللغات، ص ۲۹۷ ☆ لغات کشوری، ص ۱۲۲)

برگ: ورق، پتا، پات، سامان، توشہ، اسباب، سرانجام، التفات، پرواہ، پتا درخت کا۔

(فیروز اللغات، ص ۱۹۶ ☆ لغات کشوری، ص ۹۴ ☆ کریم اللغات، ص ۲۳)

ساز: سامان، اسباب، باجا، جنگ کے ہتھیار، گھوڑے کا زیور، وہ سامان جو گھوڑے کو گاڑی میں جوتنے کے لئے درکار ہوتا

ہے، میل جول، موافقت، ربط، مثل، مانند، نفع، بازی، بناؤ، تیاری، سفر کا سامان، کام کی رونق، سرانجام، مکر، حیلہ، قابل، ناچنے کا سامان، مرکبات میں مثلاً: کارساز۔

(فیروز اللغات، ص۹۶۴ ☆ لغات کشوری، ص۳۶۱ ☆ کریم اللغات، ص۸۶)

آئینہ: منہ دیکھنے کا شیشہ، درپن، حیران، ششدر، روشن، ظاہر، صاف، اجلا، دل۔

(فیروز اللغات، ص۴۸ ☆ لغات کشوری، ص۵۷ ☆ کریم اللغات، ص۲۰)

پہلے مصرع میں لفظ ''روئے'' کا مطلب ''چہرہ'' ہے۔
دوسرے مصرع میں لفظ ''روئے'' کا مطلب ''تختہ'' ہے۔
پہلے مصرع میں لفظ ''پشت'' کا مطلب ''پیٹھ'' ہے۔
دوسرے مصرع میں لفظ ''پشت'' کا مطلب ''مدد، سہارا'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان ایک نرالے انداز میں اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وثنا اور تعریف وتوصیف فرمارہے ہیں۔ حضرت رضا کا شماران عشاق کرام میں ہوتا ہے جو عشق میں فنا فی الرسول کی منزل تک پہنچ چکے ہیں۔ حضرت رضا کو اپنے آقا ومولیٰ کی ہر ادا محبوب اور عزیز تھی۔ آپ نے اپنے نعتیہ دیوان میں اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عضو شریف اور ہر ادا کا والہانہ محبت کے انداز میں ذکر فرمایا ہے۔ اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے دست اقدس میں آئینہ تھامنے کا ذکر کیا ہے۔ اور ساتھ میں اس آئینہ کی خوش قسمتی اور اس آئینہ کی عظمت وفضیلت کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک میں مذکور ہے کہ آپ نے اپنی حیات ظاہری میں کئی مرتبہ اپنے دست پاک میں آئینہ تھاما ہے۔ آئینہ دیکھنے کے کیا احکام اور سنتیں ہیں، وہ یہاں پر طول تحریر کے خوف سے ذکر نہیں کی جاتیں۔ بہرحال یہ طے ہے کہ حضور نے اپنے دست اقدس میں کئی مرتبہ آئینہ تھاما ہے۔

اب پہلے آئینہ کی ہیئت دیکھیں۔ آئینہ کی ہیئت یہ ہوتی ہے کہ اس کی ایک طرف شیشہ ہوتا ہے اور وہ شیشہ اس طرح کا ہوتا ہے کہ ایک طرف سے اس پر قلعی کر کے پالش سے ملمع کیا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے اس شیشہ کے ایک طرف کا حصہ ایسا چمکدار ہو جاتا ہے کہ اس میں عکس نظر آتا ہے۔ اور دوسری طرف سے وہ آئینہ غیر معکوس ہوتا ہے۔ جس طرف عکس نظر آتا ہے اس کو روئے آئینہ یعنی آئینہ کا چہرہ یا آئینہ کے سامنے کا حصہ کہتے ہیں اور جس طرف سے عکس نظر نہیں آتا اس کو پشت آئینہ یعنی آئینہ کی پیٹھ یا پیچھے کا حصہ کہتے ہیں۔ وہ آئینہ کسی فریم میں جڑا ہوتا ہے۔ اب اس آئینہ کے استعمال کی ترکیب کی طرف توجہ دیں۔ لیکن اس سے قبل ایک وضاحت ضروری ہے کہ اس شعر میں اس آئینہ کی تمثیل ہے جو آئینہ دیوار میں جڑا ہوا نہیں، بلکہ وہ متحرک ہے، اس آئینہ کو استعمال کرنے والا ایک ہاتھ سے آئینہ اور دوسرے ہاتھ میں کنگھا پکڑتا ہے۔ لیکن آئینہ تھامتے وقت

اس کی ہتھیلی آئینہ کی پشت پر ہوتی ہے اور آئینہ کا وہ حصہ جس میں عکس نظر آتا ہے وہ چہرے کے سامنے ہوتا ہے۔
اب حضرت رضا بریلوی کے شعر کو حل کرنے کی کوشش کریں۔ حضرت رضا فرماتے ہیں کہ وہ آئینہ کتنا خوش نصیب ہے کہ روئے شہ پیش نظر یعنی شہنشاہ کونین ﷺ کا چہرۂ اقدس اس آئینہ کی نظر کے سامنے ہے۔ حالاں کہ عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ آئینہ دیکھنے والے کی نظر آئینہ کے چہرے پر ہوتی ہے۔ لیکن یہاں معاملہ بالعکس ہے کہ آئینہ اپنی نظر کو حضور اقدس ﷺ کے چہرۂ اقدس پر جمائے ہوئے ہے۔ اور رخ زیبا کے جمال جہاں آرا سے بہرہ مند ہو رہا ہے۔ صرف اسی پر اکتفا نہیں بلکہ اس آئینہ کی تقدیر چمک اٹھی ہے۔ کہ اس کی پشت پر وہ دست اقدس ہے کہ جس ہاتھ کی عظمت احاطۂ بیان میں لانا مشکل ہے۔ یہ وہ دست پاک ہے کہ بقول رضا بریلوی ''ہاتھ جس سمت اٹھا غنی کر دیا'' بلکہ یہ ہاتھ پوری کائنات کی دستگیری کرنے والا ہے۔ اس دست پاک کی انگلی کا اشارہ پاتے ہی چاند دو ٹکڑے ہو جائے اور ڈوبا ہوا سورج واپس پلٹ آئے اور اس دست پاک کی انگلیوں سے پانی کے دریا بہیں اور بے شمار معجزات کا ظہور ہو۔

ابن سعد، بیہقی اور ابو نعیم نے حضرت ابیض بن جمال رضی اللہ عنہ سے روایت فرمایا کہ ان کے چہرے پر داد تھا (پھنسیوں کے اس چھتے کو کہتے ہیں جو فساد خون کے باعث جسم پر ظاہر ہوتے ہیں اور ان میں کھجلی ہوتی ہے۔ دیکھو فیروز اللغات، ص ۶۰۶) داد نے چہرے کو سفید کر دیا تھا جس سے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ان کی ناک خالی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک روز ان کو بلایا اور ان کے چہرے پر اپنا دست اقدس پھیرا۔ دن سے رات ہونے نہ پائی کہ داد کا کوئی نشان نہ تھا۔ (خصائص کبریٰ، از: امام جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد۲، ص ۱۶۶ ☆ سیرت رسول عربی، از: علامہ محمد نور بخش توکلی، ص ۲۴۶)

جنگ احد میں ایک تیر حضرت قتادہ بن نعمان t کی آنکھ میں لگا اور ان کی آنکھ نکل کر ان کے رخسار پر آپڑی۔ حضور اقدس ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اس لٹکی ہوئی آنکھ کو اس کی جگہ پر رکھ دیا، آنکھ فوراً ایسی درست ہو گئی کہ کوئی یہ نہ بتا سکتا تھا کہ دونوں میں سے کس آنکھ کو صدمہ پہنچا تھا۔ (مدارج النبوت، از: شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد۲، ص ۲۱۴)

حضرت عبد اللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ جب ابو رافع یہودی کو قتل کر کے اس کے گھر سے نکلے تو زینے سے گر کر ان کی ساق یعنی پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ انھوں نے اس کو اپنے عمامہ سے باندھ لی اور جب حضور اقدس ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ حضور نے فرمایا کہ پاؤں پھیلاؤ۔ حضرت عبد اللہ نے پاؤں پھیلایا۔ حضور نے اس پر اپنا دست شفا پھیرا، اسی وقت ایسی تندرست ہو گئی کہ گویا کبھی وہ ٹوٹی ہی نہ تھی۔ (سیرت رسول عربی، ص ۲۴۶)

ابن سکن اور ابو نعیم نے معاویہ بن حکم سے روایت کی، انھوں نے کہا کہ ہم رسول خدا ﷺ کے ساتھ تھے۔ میرے بھائی علی بن حکم نے اپنے گھوڑے کو خندق سے کودایا، تو خندق کی دیوار سے ان کی پنڈلی چِل گئی، ہم ان کو اپنے گھوڑے پر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے تو حضور نے ان کی پنڈلی پر اپنا دست مبارک پھیرا تو وہ گھوڑے سے اترنے سے پہلے اچھے ہو گئے۔ (خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد۲، ص ۱۶۹)

حضور اقدس ﷺ نے حضرت قتادہ بن ملحان قیسی رضی اللہ عنہ کے چہرے پر اپنا دست مبارک پھیرا۔ جب وہ عمر رسیدہ ہوئے

توان کے تمام اعضاء بدن پر بڑھاپے کے آثار نمایاں تھے، لیکن ان کا چہرہ بدستور تر وتازہ تھا۔(سیرت رسول عربی، ص ۲۴۷)

بیہقی نے حضرت حبیب بن یساف سے روایت کی، انھوں نے کہا کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ جہاد میں شریک تھا۔ میرے شانہ پر دشمن کی تلوار کی ضرب لگی، جس سے میرا ہاتھ کٹ گیا، میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا۔ آپ نے لعاب دہن پاک لگا کر اپنے دست پاک سے جوڑ دیا، وہ کٹا ہوا ہاتھ پیوست ہو کر ٹھیک ہو گیا۔ پھر میں نے تلوار مارنے والے کو قتل کر دیا۔

(خصائص کبریٰ، جلد ۱، ص ۱۶۶)

حضور اقدس ﷺ نے حضرت قیس بن زید بن حباب جذامی کے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا اور دعائے برکت فرمائی، حضرت قیس نے سو برس کی عمر میں وفات پائی۔ ان کے سر کے بال سفید ہو گئے تھے، مگر رسول اللہ ﷺ نے جس جگہ دست مبارک رکھا تھا اس جگہ کے بال سیاہ ہی رہے۔(سیرت رسول عربی، ص ۲۴۷)

حضرت ابوزید بن اخطب انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ کے سر اور چہرے پر رسول اللہ ﷺ نے اپنا مبارک ہاتھ پھیرا، سو سال سے زائد ان کی عمر ہوگئی، مگر سر اور ڈاڑھی میں کوئی سفید بال نہ تھا۔(سیرت رسول عربی، ص ۲۴۹)

حضرت ابوسنان عبدی مباحی کے چہرے پر رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست مبارک پھیرا، ان کی عمر نوے (۹۰) برس کی ہوئی مگر چہرہ بجلی کی طرح چمکتا تھا۔(اصابہ للعسقلانی)

حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ گھوڑے کی پشت پر بیٹھ نہیں سکتے تھے۔ جب حضور اکرم ﷺ نے ان کے سینے پر اپنا دست مبارک مارا تو وہ ملک عرب میں سب سے بڑے گھوڑ سوار اور جم کر بیٹھنے والے بن گئے۔

(مدارج النبوت، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۳۶۹)

حضرت اسید بن ابی یاس کنانی دؤلی کے سینے پر حضور اقدس ﷺ نے اپنا دست مبارک رکھا اور چہرے پر پھیرا۔ اس کا فیض یہ حاصل ہوا کہ وہ کسی اندھیرے گھر میں داخل ہوتے تو وہ تاریک گھر روشن ہو جاتا۔

(خصائص کبریٰ، بحوالہ: سیرت رسول عربی، ص ۲۵۲)

جنگ بدر میں حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کی تلوار ٹوٹ گئی، حضور اقدس ﷺ نے اپنے دست پاک سے ان کو درخت کی ٹہنی عطا فرمائی تو وہ ٹہنی شمشیر بن گئی۔ حضرت عکاشہ ہر معرکہ وموقف میں اسی شمشیر سے قتال کرتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ شہید ہوئے۔ انھوں نے اس تلوار کا نام ''عون'' یعنی ''مدد'' رکھا تھا۔(مدارج النبوت، جلد ۱، ص ۳۶۹)

جنگ احد میں حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی تلوار ٹوٹ گئی، حضور اقدس ﷺ نے ان کو کھجور کی ٹہنی اپنے دست پاک سے عنایت فرمائی، وہ ٹہنی ان کے ہاتھ میں تلوار بن گئی۔ حضرت عبداللہ نے اس تلوار کا نام ''عرجون'' رکھا تھا۔

(مدارج النبوت، جلد ۲، ص ۲۱۴)

مذکورہ بالا احادیث کے علاوہ ایسے بہت سے واقعات کتب احادیث وسیر میں مرقوم ہیں۔ اب حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ کے شعر کی طرف توجہ مرکوز فرمائیں۔ حضرت رضا اس آئینہ کی خوش قسمتی بیان فرماتے ہیں کہ آئینہ کی نظر کے سامنے

حضور اقدس ﷺ کا چہرۂ اقدس ہے اور آئینہ کی پشت پر حضور کا دست کرم ہے اور وہ دست کرم پشت پناہی اور دستگیری فرما رہا ہے۔ اس آئینہ کی خوش نصیبی پر رشک کرتے ہوئے حضرت رضا بریلوی آرزو اور تمنا فرما رہے ہیں کہ کاش! پاؤں برگ و پشت وساز روئے آئینہ یعنی آئینہ کی شکل کا تختہ بن کر حضور اقدس ﷺ کے جمال جہاں آرا کو میں اپنی آنکھوں سے دیکھتا اور حضور کا دست کرم میری پشت پر ہوتا تو میں بھی حضور اقدس ﷺ کے التفات وتوجہ سے مشرف ہوتا۔ میں بھی آئینہ کی طرح حضور کی پشت پناہی (مدد) حاصل کرتا اور میں بھی ''ساز روئے آئینہ پاتا'' یعنی آئینہ کی صورت کی طرح رونق حاصل کرتا، کتنا بہترین تخیل وتصور ہے کہ ذی روح سے جامد بننا منظور ہے اگر اس شہنشاہ کونین کا دست اقدس مس کرنے کا شرف حاصل ہو، اور یہ امید وتمنا وہی کرسکتا ہے جس کے دل میں عشق رسول کا سمندر موجزن ہو۔

اس شعر میں لفظ روئے اور لفظ پشت کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ دونوں لفظ روئے اور دونوں لفظ پشت حروف و اعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی ومطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے اس شعر میں فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کی ایک ساتھ دو تجنیسات ہیں۔ ایک تجنیس لفظ روئے کے ذو معنی ہونے کی وجہ سے اور دوسری تجنیس لفظ پشت کے ذو معنی ہونے کی وجہ سے۔



(۴۲)

فیض معروف سے ترا معروف

شہر شہرہ ہے احمد نوری

(حدائق بخشش، حصہ ۳، ص ۴۷)

حل لغت:

فیض: فائدہ، نفع، سخاوت، فیاضی، نیکی، بھلائی، بڑی بخشش، فائدہ کثیر، خیر کا ظاہر ہونا، پانی کا گرانا، نہر کا پانی اس قدر زیادہ ہونا کہ کناروں سے بہنے لگے، فائدہ بخش۔ (فیروز اللغات، ص ۹۴۱ ☆ لغات کشوری، ص ۵۴۵ ☆ کریم اللغات، ص ۱۲۰)

معروف: مراد ہے: حضرت شیخ معروف کرخی رضی اللہ عنہ۔ (شجرۂ برکاتیہ رضویہ، ص ۵)

معروف: نیکی، نیک بات، مشہور، معلوم، ظاہر، پہچانا ہوا، جو معلوم ہو۔

(فیروز اللغات، ص ۱۲۶۴ ☆ لغات کشوری، ص ۷۱۹ ☆ کریم اللغات، ص ۱۶۰)

شہرہ: آواز، دھوم دھام، غلغلہ۔ (فیروز اللغات، ص ۸۵۱)
پہلے مصرع میں شروع والے لفظ ''معروف'' سے مراد ''حضرت معروف کرخی'' ہیں۔
پہلے مصرع میں بعد والے لفظ ''معروف'' کا مطلب ''مشہور'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضون اپنے استاذ محترم، اپنے پیرزادے اور خانقاہ عالیہ برکاتیہ مارہرہ مقدسہ کے سجادہ نشین، حضور سراج السالکین نور العارفین سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہٗ کے اوصاف ومحاسن اور شہرۂ آفاق مقبولیت کا تذکرہ فرماتے ہوئے بارگاہ نوری میں عرض کرتے ہیں کہ اے میرآقا اور آقا زادے! حضرت سیدنا معروف کرخی بغدادی رضی اللہ عنہ کی آپ پر بڑی بخشش ہونے کی وجہ سے آپ بھی معروف ومشہور ہیں۔ آپ کی شہرت کی ہر شہر میں دھوم دھام ہے۔ اس شعر کے مصرع اول میں لفظ ''معروف'' کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ معروف ہے وہ اسم ہے اور اس سے مراد حضرت سیدنا شیخ معروف کرخی بغدادی رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی ہے۔ دوسری مرتبہ جو لفظ ''معروف'' ہے وہ صفت ہے اور اس کے معنی دھوم دھام اور غلغلہ وغیرہ ہیں۔ دونوں لفظ ''معروف'' باعتبار حروف واعراب مساوی ہیں، لیکن معنی ومطلب ومراد کے اعتبار سے الگ الگ ہیں، للہٰذا یہ شعر فن شاعری کے اعتبار سے صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ ''فیض معروف سے تیرا معروف ہے'' یعنی حضرت معروف کرخی رضی اللہ عنہ کے فیض سے آپ کی شہرت ہے۔ حضرت معروف کرخی رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں عوام اور خواص میں ایسی شہرت ومقبولیت حاصل کی تھی کہ سب آپ کی بزرگی اور عظمت کے قائل تھے۔

حضرت شیخ محمد بن الحسنین سے مروی ہے کہ آپ کے انتقال کے بعد آپ کو خواب میں دیکھ کر میں نے پوچھا کہ حق تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھے بخش دیا، میں نے پوچھا کیا زہد وتقویٰ کی وجہ سے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ بلکہ اس بات کے عوض جو میں نے حضرت سماک سے کوفہ میں سنی تھی اور وہ یہ ہے کہ جو اپنے تمام تعلقات منقطع کر کے حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، حق تعالیٰ بھی اپنی رحمت سے اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ اور تمام مخلوق کو اس کی طرف راجع کر دیتا ہے۔ ان کی یہ بات سن کر میں سب کچھ ترک کر کے حق تعالیٰ کی جانب راجع ہو گیا۔
(تذکرۃ الاولیاء، ص ۲۳۲)

حضرت معروف کرخی رضی اللہ عنہ کا یہ مقولہ اتنا سچا ہے کہ آپ کی سوانح حیات کا جائزہ لینے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ تمام خلق خدا آپ کی طرف اس طرح مائل وراغب تھی جیسے پروانے شمع کی جانب۔ یہاں تک کہ غیر مذاہب والے بھی آپ کی عظمت ومحبت کا دم بھرتے تھے۔ کچھ مختصر تفصیل شعر نمبر 98 ''بہر معروف وسری معروف دے بےخودسری'' کی تشریح میں

مذکور ہے۔

حضرت معروف کرخی رضی اللہ عنہ کے فیض سے حضرت سراج السالکین، نور العارفین، شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی بھی اپنے دور میں شہرۂ آفاق شخصیت کے مالک ہوئے۔ آپ اپنے وقت کے نامی گرامی شیخ طریقت تھے۔ امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان جیسے مجدد اعظم آپ کے دیوانے اور پروانے تھے۔

حضرت رضا نے آپ کی شان میں جو منقبتیں مرتب فرمائی ہیں، ان سے آپ کی عظمت و بزرگی کی نشان دہی ہوتی ہے۔ آپ کی شان میں حضرت رضا فرماتے ہیں:

برتر قیاس سے ہے مقام ابوالحسین　　　سدرہ سے پوچھو رفعت بام ابوالحسین

حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی رضی اللہ عنہ کی سوانح حیات کے کسی بھی پہلو کا ذکر یہاں ممکن نہیں، کیوں کہ اس کے لئے دفتر درکار ہے۔ صرف آپ کی ایک کرامت بیان کرتا ہوں:

جناب ڈاکٹر محمد ناصر خان مارہروی ایٹہ ضلع کے مضافات میں معالج تھے۔ ایک مرتبہ رات کے وقت ایک انجان شخص ڈاکٹر صاحب کے مکان پر آیا اور کہا کہ قریب ہی ایک گاؤں میں ایک مریض ہے اس کی طبیعت بہت خراب ہے۔ آپ چل کر دیکھ لیں اور اس کا علاج کر دیں۔ اس شخص نے ڈاکٹر صاحب کو معقول فیس بھی پیشگی ادا کر دی۔ ڈاکٹر صاحب اس کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ آبادی سے چند میل چل کر دریا کے کنارے ایک وحشت ناک جنگل میں پہنچے، رات کا اندھیرا تھا۔ سنسان بن تھا۔ اس شخص نے ایک جگہ رک کر اپنی مخصوص بولی میں کچھ آواز دی، اس کی آواز پر فوراً دو شخص لاٹھیاں لئے ہوئے آگئے اور ان تینوں بدمعاشوں نے ارادہ کیا کہ ڈاکٹر صاحب کا سامان اور نقد روپے چھین لیں، اور ڈاکٹر صاحب کو قتل کر کے دریا میں ڈال دیں۔ ان لوگوں کی بھیانک شکلیں، تنہائی، جنگل کا ماحول، قتل کا ڈر وغیرہ سے ڈاکٹر صاحب موصوف کو سخت خوف پیدا ہوا، اس مشکل کے وقت میں ڈاکٹر صاحب نے حضرت کو یاد فرمایا اور استغاثہ کیا کہ اے میرے آقا! مدد فرمایئے! اپنے خادم کو اس بلائے ناگہانی سے نجات دلایئے، آپ کی امداد کے بغیر بچنا مشکل ہے۔ بس اتنا کہنا ہی تھا کہ ڈاکٹر صاحب نے دیکھا کہ دوسری جانب حضرت تشریف فرما ہیں اور اشارہ فرما رہے ہیں کہ گھبراؤ نہیں، ہم آگئے ہیں۔ ان تینوں بدمعاشوں نے جیسے ہی حضرت کو دیکھا تو گھبرا کر لرز گئے۔ حضرت نے جیسے ہی اشارہ فرمایا، فوراً وہ تینوں فرار ہو گئے۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب پریشان ہوئے کہ اس اندھیری رات میں کہاں جاؤں؟ حضرت نے فرمایا کہ ہمارے ساتھ چلے آؤ۔ ڈاکٹر صاحب حضرت کے ساتھ روانہ ہوئے اور تھوڑی ہی دیر میں اپنے گاؤں میں پہنچ گئے، آبادی میں پہنچ کر حضرت، ڈاکٹر صاحب سے روپوش ہو گئے، ڈاکٹر صاحب خیریت سے اپنے گھر آگئے، گھر پہنچ کر ڈاکٹر صاحب شدید بخار اور غشی میں مبتلا رہے، دوسرے دن ڈاکٹر صاحب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت نے تبسم آمیز لہجے میں فرمایا: الحمدللہ! انجام بخیر ہوا۔ گھبراؤ نہیں اور یہ بات کسی سے مت کہنا۔ (تذکرۂ نوری، ص ۱۷۷/۱۷۸)

آپ نے فرمایا ہے کہ

- بخیل کی صحبت سے دور رہو۔
- بدمذہبوں کی صحبت سے دور رہو کہ اس کی وجہ سے اعتقاد میں فرق وسستی آتی ہے۔
- طریقت، شریعت سے الگ نہیں ہے۔ بلکہ انتہائے کمال شریعت کو طریقت کہتے ہیں۔
- مروجہ حال یعنی موجودہ دور کی قوالی سراسر لغو ولہو یعنی کھیل تماشہ ہے۔ ایسے مجمع میں اہل سماع کو جانا بھی درست نہیں کہ سماع کے لئے بہت سے شرائط ہیں۔

آپ نے ۱۱ر رجب المرجب ۱۳۲۴ھ مطابق ۳۱ر اگست ۱۹۰۶ء میں وصال فرمایا۔ درگاہ عالیہ برکاتیہ مارہرہ کے برآمدۂ جنوب میں آپ کا مزار مقدس زیارت گاہ خلائق ہے۔



(۱۲۳)

پردہ دمِ بھی دمِ جلوہ مکدر ساز ہے
اللہ اللہ جوش حرص و آرزوئے آئینہ

(حدائق بخشش، حصہ ۳، ص ۶۴)

حل لغت:

پردہ: اوٹ، گھونگھٹ، آڑ، اوجھل، روک، حجاب، نقاب، برقع، چق، چلمن، انگرکھے کا سینہ، دروازے کے آگے پردہ کی دیوار، سطح، راز، پوشیدہ، راگ، الاپ، آہنگ، پیٹ وغیرہ کی جھلی، طبقہ، پرت، کولھے اور پسلیوں کے درمیان کا گوشت، بادبان، سکان، پتوار، عیب، نقص، خرابی، کپڑے کا پردہ، موسیقی مثلاً: پردۂ عشاق وغیرہ، گوشہ، تنہائی، نیک فال۔ (فیروز اللغات، ص ۲۸۸ ☆ لغات کشوری، ص ۱۱۹ ☆ کریم اللغات، ص ۲۹)

دم: سانس، نفس، پل، منٹ، لحظہ، وقت، زندگی، روح، جان، ذات، حقے کا کش، بھٹی یا تنور کی ہوا، پانی کا گھونٹ، کھانے کو دھیمی آگ پہ رکھنا، طاقت، قوت، زور، تلوار کی دھار، نیزے کی نوک، خوبی، مضبوطی، لچک، خوشی، فرحت، اولو العزمی، بلند حوصلگی، دھوکہ، فریب، مکر، دغا، افسوں، منتر، دعا جو پڑھ کر پھونکی جائے، غرور، تکبر، گھر، خانہ، وطن، خون، لہو، شیخی۔ (فیروز اللغات، ص ۶۴۱ ☆ لغات کشوری، ص ۲۹۷ ☆ کریم اللغات، ص ۴۷)

جلوہ: نمائش کرنا، خود کو دوسروں کو دکھانا، کسی خاص انداز سے سامنے آنا، نمودار ہونا، تجلی، رونق، نور، نظارہ کرنا، معشوق کا ناز و

انداز سے چلنا، دولھا دولھن کا سامنے بیٹھ کر آئینہ میں ایک دوسرے کی صورت دیکھنا۔

(فیروز اللغات، ص۴۶۹ ☆ لغات کشوری، ص۱۹۸)

مکدر: کدورت آمیز، گدلا، میلا، ملول، ناراض، رنجیدہ، غمگین، کدورت میں ڈالنے والا۔

(فیروز اللغات، ص۱۲۷۷ ☆ لغات کشوری، ص۳۲۷ ☆ کریم اللغات، ص۱۶۵)

ساز: (کئی معنی ہیں جو پچھلے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں، شعر نمبر 121 کا حل لغت کالم دیکھیں!) مرکبات میں بنانے والا، کرنے والا، بنایا ہوا، کیا ہوا، مثلاً: کارساز، رنگ ساز۔

اللہ اللہ: کلمۂ تعجب، کلمۂ تحسین، واہ واہ، آفرین، شکوے شکایت کے موقع پر بھی استعمال کرتے ہیں، بعض فقیروں کے سلام کا طریقہ۔ (فیروز اللغات، ص۱۱۷)

جوش: ابال، ہیجان، جذبات کا بے قابو ہونا، ولولہ، لہر، موج، حرارت، تیزی، زیادتی، کثرت، زور، مستی، شہوت، غصہ، تعصب، سرگرمی، شوق، طغیانی، سوزش دل کی، سینہ، آدھی رات، آدمی کی کمر، دیگ کا ابلنا، ندی کا پانی سے بھر جانا۔

(فیروز اللغات، ص۴۸۴ ☆ لغات کشوری، ص۲۰۴ ☆ کریم اللغات، ص۵۰)

حرص: لالچ، طمع، خواہش، تمنا، رغبت، ہوس، آرزو۔ (فیروز اللغات، ص۵۶۶ ☆ لغات کشوری، ص۲۲۹ ☆ کریم اللغات، ص۵۶)

آرزو: خواہش، تمنا، چاہ، مراد، مقصد، مطلب، امید۔ (فیروز اللغات، ص۱۶ ☆ لغات کشوری، ص۲۷ ☆ کریم اللغات، ص۷)

پہلے مصرع میں شروع والے لفظ ''دم'' کا مطلب ''لحظہ، پل'' ہے۔

پہلے مصرع میں بعد والے لفظ ''دم'' کا مطلب ''خوشی و مسرت'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی مدح و ثنا ایک نرالے انداز میں فرما رہے ہیں اور اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی اس دل آرا کیفیت کا ذکر فرما رہے ہیں کہ جس وقت آپ نے اپنے دست اقدس میں آئینہ اٹھایا تھا۔ آئینہ کی خوش نصیبی ہے کہ اس سے حضور اقدس ﷺ کا دست اقدس مس ہوا۔ کچھ وضاحت شعر نمبر 121 ''روئے شہ پیش نظر، دست پیمبر پشت پر'' کی تشریح میں کر دی گئی ہے۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے آئینہ کے تعلق سے دو نعت شریف کہی ہیں۔ دونوں نعت ''حدائق بخشش'' حصہ سوم، ص۶۲ اور ۶۳ پر موجود ہیں۔

پہلی نعت ۲۴ (چوبیس) اشعار پر مشتمل ہے۔ جس کے مطلع اور مقطع ذیل میں پیش خدمت ہیں:

مطلع: کب ہے مثل پشت شہ تنویر پشت آئینہ — آئینہ پر کیا چھپے تنظیر پشت آئینہ

مقطع: وصف رو و پشت شہ لکھ اے رضا کب تک سنے — ذکر روئے آئینہ، تذکیر پشت آئینہ

- دوسری نعت ۲۰ (بیس) اشعار پر مشتمل ہے۔ جس کے مطلع اور مقطع ناظرین کرام کی خدمت میں پیش ہیں:

مطلع: ہے بجا مہرِ و قمر پر ناز روئے آئینہ چاند طیبہ کا ہے روشن ساز روئے آئینہ
مقطع: نظم پُر نور رضا لوث تلمذ سے ہے پاک زنگ کا خطہ نہیں، شیراز روئے آئینہ

اس وقت ہم جس شعر کی تشریح کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ دوسری نعت کا شعر ہے، اور شعر نمبر 121 کی جو تشریح کی گئی ہے وہ بھی دوسری نعت کا ہے۔ اس نعت شریف میں حضرت رضا بریلوی نے ایک اچھوتا تصور اور ایک نادر تخیل پیش کیا ہے۔ عام طور سے آدمی آئینہ میں اپنی صورت دیکھتا ہے۔ لیکن مصطفیٰ جان رحمت ﷺ نے جب آئینہ اپنے دست پاک میں لیا، تو معاملہ یہ ہوا کہ آئینہ خود روئے شہ ﷺ کا دیدار کر رہا ہے، کیوں کہ حضور اقدس خود آئینہ حق نما ہیں۔ وہ ظلِ رب ہیں، سراپا نور ہیں، وہ آئینہ کے محتاج نہ تھے، بلکہ آئینہ ان کا محتاج تھا۔ آئینہ رخ انور کے نظارے سے لطف اندوز اور بہرہ مند ہو رہا تھا۔ کیوں کہ ایسا حسین و جمیل چہرہ کسی کا نہ تھا، نہ ہے اور نہ ہوگا۔

بخاری و مسلم میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ انھوں نے بیان کیا:

"رسول اللہ ﷺ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ خوبرو اور خوش خو تھے۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

"مَا رَأَیْتُ شَیْئًا اَحْسَنَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ"

ترجمہ: میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ حسین و بہترین کسی چیز کو نہ دیکھا۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا:

"کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ اِذَا سُرَّ اِسْتَنَارَ وَجْھُہٗ کَاَنَّہٗ قِطْعَۃُ قَمَرٍ"

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ جب بہت خوش ہوتے تو آپ کا چہرۂ انور چاند کے ٹکڑے کی مانند چمکنے لگتا۔

امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ انور دائرۂ قمر کی مانند تھا۔ دائرۂ قمر ہالہ کو کہتے ہیں۔ جسے فارسی میں خرمن ماہ کہا جاتا ہے۔

(مدارج النبوت، از: شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۱۳)

حضرت ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

"کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ فَخْمًا مُفَخَّمًا یَتَلَأْلَأُ وَجْھُہٗ تَلَأْلُؤَ الْقَمَرِ لَیْلَۃَ الْبَدْرِ"

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ بارونق اور پُر جلال تھے۔ مشاہدہ کرنے والوں کی نظر میں حضور اقدس ﷺ کا چہرۂ انور چودہویں رات کے چاند کی مانند روشن و تاباں تھا۔ (شمائل ترمذی، باب ما جاء فی خلق رسول اللہ ﷺ)

ابن عساکر نے ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی، آپ فرماتی ہیں کہ میں سحری کے وقت سی رہی تھی۔ میرے ہاتھ سے سوئی گر گئی، بہت تلاش کی، مگر نہ ملی۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ کمرے میں داخل ہوئے تو آپ کے چہرۂ انور کی روشنی میں سوئی نظر آ گئی۔ پھر میں نے اس کا ذکر حضور ﷺ سے کیا۔ آپ نے فرمایا، اے حمیراء (حضرت عائشہ کا

لقب) افسوس ہے، پھر افسوس ہے (تین مرتبہ فرمایا) اس شخص پر جس نے نظر کو میرے چہرے کی طرف دیکھنے سے محروم کیا
(خصائص کبریٰ، از: امام جلال الدین سیوطی، اردو، جلد ۱، ص ۹

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انھوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چاندنی رات میں دیکھا آپ سرخ دھاری دار حلہ پہنے ہوئے تھے، میں کبھی چاند کی طرف دیکھتا اور کبھی آپ کی طرف، خدا کی قسم! میرے نزدیک آپ چاند سے زیادہ خوبصورت تھے۔ (شمائل ترمذی، باب: ماجاء فی خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

امام اجل علامہ احمد بن محمد مصری قسطلانی قدس سرہٗ اپنی مشہور و معتمد کتاب المواہب اللدنیہ میں نہایہ سے منقول کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب خوش ہوتے تو آپ کا چہرۂ انور آئینہ کی مانند ہو جاتا، جس میں در و دیوار کے نقوش اور لوگوں کے چہروں کا عکس جھلکنے لگتا۔ (مدارج النبوت، اردو، جلد ۱، ص ۱۴)

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے شعر میں فرماتے ہیں:

پردۂ دم بھی دم جلوہ مکدر ساز ہے

یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس میں جو آئینہ ہے وہ آئینہ درحقیقت حضور کے چہرۂ حق نما کا جلوہ دیکھ رہا ہے اور اس جلوے کے دیدار میں محو ہو کر اس جلوے کے دیدار کا لطف و سرور حاصل کر رہا ہے۔ ایسے عالم میں کہ اس جلوے کے دیدار کا لطف حاصل ہو رہا ہو اور بیچ میں ''پردۂ دم'' یعنی ایک لمحہ کے لئے بھی اس جلوے اور آئینہ کی آنکھ کے درمیان پردہ آجائے چاہے وہ پردہ صرف دم بھر یعنی ایک لمحہ کے لئے ہو تو حالت یہ ہو جاتی ہے کہ دم جلوہ یعنی جلوہ دیکھنے کا جو لطف ہے وہ مکدر ساز ہو جاتا ہے۔ یعنی آنکھوں کو ٹھنڈک اور روح کو تازگی بخشنے والا جلوہ پردے میں چھپ جاتا ہے تو جلوہ دیکھنے کا لطف چلا جاتا ہے اور وہ پردہ جلوہ دیکھنے والے کو کدورت یعنی ملال اور غم میں ڈالنے کا سبب بنتا ہے۔ کیوں کہ عشق کے جذبے کا تقاضا ہے کہ ایک دم (لمحہ) کے لئے بھی وہ جلوہ نظروں سے اوجھل نہ ہو۔ ''اللہ اللہ! جوش حرص و آرزوئے آئینہ'' یعنی آئینہ کی حرص (خواہش) اور آرزو و تمنا کا یہ جوش (ولولہ) ہے کہ ایک دم کے لئے بھی میرے اور اس مقدس جلوے کے درمیان پردہ حائل نہ ہو۔ اس شعر میں لفظ ''دم'' کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ دم ہے اس کا معنی لمحہ، لحظہ، پل، منٹ وغیرہ ہے۔ دوسری مرتبہ جو لفظ ''دم'' ہے، وہ خوشی، فرحت کے معنی میں ہے۔ دونوں لفظ ''دم'' حروف و اعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی و مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔



۱۴۲

شام تک عید مہ نو ہے تمام

یہ مہ جاوید ہے عید دوام

(حدائق بخشش، حصہ ۳، ص ۸۲)

حل لغت:

عید: لغوی معنی جو بار بار آئے، مسلمانوں کے جشن کا روز، خوشی کا تہوار، نہایت خوشی۔

(فیروز اللغات، ص ۹۰۸ ☆ لغات کشوری، ص ۵۰۷ ☆ کریم اللغات، ص ۱۱۲)

مہ: ماہ کا مخفف، چاند، قمر، چندرما، مہینہ۔ (فیروز اللغات، ص ۱۳۲۰ ☆ لغات کشوری، ص ۷۵۵ ☆ کریم اللغات، ص ۱۷۵)

نو: نیا، جدید، تازہ، ابھی کا۔ (فیروز اللغات، ص ۱۳۸۲ ☆ لغات کشوری، ص ۷۸۹ ☆ کریم اللغات، ص ۱۸۷)

تمام: کل، سب، مکمل، ختم، تیار، کامل، خالص، پورا، آخر، خاتمہ۔

(فیروز اللغات، ص ۳۷۹ ☆ لغات کشوری، ص ۱۶۲ ☆ کریم اللغات، ص ۴۱)

جاوید: دائمی، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے، دائم، برقرار۔ (فیروز اللغات، ص ۴۴۸ ☆ لغات کشوری، ص ۱۸۶ ☆ کریم اللغات، ص ۴۶)

دوام: ہمیشگی، مداومت۔ (فیروز اللغات، ص ۶۵۲ ☆ لغات کشوری، ص ۳۰۱ ☆ کریم اللغات، ص ۷۴)

پہلے مصرع میں لفظ "عید" کا مطلب "عید کا جشن" ہے۔

دوسرے مصرع میں لفظ "عید" کا مطلب "نہایت خوشی" ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان حضور پُر نور، پیران پیر، دستگیر، سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی مدح وثنا کر رہے ہیں۔ یہ شعر بھی اس منقبت کا ہے، جس کا شعر نمبر 110

دونوں ماہ عید کی یکجا ہے دید لو مبارک قادریو عید عید

کی تشریح میں کیا گیا ہے۔ اس منقبت میں حضرت رضا بریلوی نے حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے ابرو مبارک کو عید کے چاند سے تشبیہ دی ہے۔ اس شعر میں حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ "شام تک عید مہ نو ہے تمام" یعنی عید کا مہ نو یعنی نیا چاند ہوتا ہے وہ ضرور باعث سرور اور خوشی ہوتا ہے، لیکن عید کی خوشی صرف ایک دن کی ہوتی ہے۔ عید کے دن چاہے جتنی خوشیاں منائی

جائیں، لیکن عید کا دن گزر گیا اور شام ہوتے ہی عید کی خوشیاں تمام یعنی ختم ہو جاتی ہیں۔ عید کے دن رونق صبح سے شام تک ہوتی ہے۔ عید کا دن پورا ہوا کہ وہ تمام خوشیاں بھی رخصت ہو جاتی ہیں اور دوسرے دن سے حسب معمول عام دن کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، لیکن حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے مبارک ابرو کے دیدار سے حاصل ہونے والی عید یعنی خوشی اور فرحت عید دوام یعنی ہیشگی کی خوشی ہے، کیوں کہ ابرو کا چاند مہ جاوید یعنی برقرار اور ہمیشہ رہنے والا چاند ہے۔ عید کے چاند کی طرح صرف ایک دن کی خوشی بخشنے والا چاند نہیں ہے، بلکہ مستقل طور پر خوشیاں بخشنے والا چاند ہے اور اس چاند کی دید سے حاصل ہونے والی عید عارضی نہیں، بلکہ دائمی ہے۔

اس شعر میں لفظ عید کا استعمال دو مرتبہ کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ عید ہے وہ عید کا جشن کے معنی میں ہے اور دوسرے مصرع میں جو لفظ عید ہے وہ نہایت خوشی کے معنی میں ہے۔ دونوں لفظ عید حروف واعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی و مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

حضرت رضا بریلوی کے شعر کا ماحصل یہ ہے کہ عید کا چاند عارضی خوشی دیتا ہے اور حضور غوث اعظم کے ابرو کی شکل میں جو چاند ہے وہ دائمی خوشی بخشتا ہے، کیوں کہ سرکار غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے فضل وکمال کا آفتاب ہمیشہ چمکتا رہے گا۔ وہ کبھی بھی غروب نہیں ہوگا۔ خود سرکار غوث اعظم رضی اللہ عنہ اپنے ایک شعر میں فرماتے ہیں:

غَرَبَتْ شُمُوْسُ الْاَوَّلِیْنَ وَ شَمْسُنَا ۔۔۔ اَبَدًا عَلٰی اُفُقِ الْعُلٰی لَا تَغْرِبُ

ترجمہ: اگلوں کے سورج چمک کر ڈوب گئے اور ہمارا سورج ہمیشہ افق اعلیٰ پر رہے گا اور کبھی نہ ڈوبے گا۔

(قصیدۂ غوثیہ، از: شیخ عبد القادر جیلانی)

اس کی ترجمانی کرتے ہوئے حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں:

سورج اگلوں کے چمکتے تھے چمک کر ڈوبے ۔۔۔ افق نور پہ ہے مہر ہمیشہ تیرا

حضور پرنور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے طالب علمی کا زمانہ تھا اور اس زمانے میں ایک بزرگ غوث وقت سیدی تاج العارفین، شیخ ابو الوفاء قدس سرہٗ تھے، جن کا وعظ نہایت مشہور و معروف تھا۔ انھوں نے اپنی مجلس وعظ میں حضور غوث اعظم کی کھڑے ہو کر تعظیم کی اور پیشانی چوم کر کہا۔

''کُلُّ دِیْکٍ یَصِیْحُ وَ یَسْکُتُ اِلَّا دِیْکُکَ فَاِنَّہٗ یَصِیْحُ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ''

ترجمہ: اے عبد القادر! ہر مرغ بولتا ہے اور بول کر خاموش ہو جاتا ہے۔ مگر تمہارا مرغ قیامت تک بولے گا یعنی کبھی خاموش نہ ہوگا۔ (برکات قادریت، ص ۸۴)

اس کی ترجمانی کرتے ہوئے حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں:

مرغ سب بولتے ہیں، بول کر چپ رہتے ہیں ۔۔۔ ہاں اصیل ایک نوا سنج رہے گا تیرا

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے حضور سرکار غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے ابروئے کرم کو مہ جاوید یعنی ہمیشہ رہنے والا چاند اور

ں مہ ابرو سے حاصل ہونے والی خوشی کو عید دوام یعنی ہمیشگی کی خوشی فرمایا ہے اور یہ حقیقت ہے، کیوں کہ حضور سرکار غوث ظم رضی اللہ عنہ نے اپنے مریدوں کی دستگیری کرنے کے سلسلے میں جو اقوال ارشاد فرمائے ہیں اور جو بشارتیں دی ہیں، ان کی خوشی ائمی ہے اور وہ خوشی بے شمار مریدوں کے دلوں سے کبھی زائل ہونے والی نہیں۔

آپ فرماتے ہیں:

''اِنْ لَّمْ یَکُنْ مُرِیْدِیْ جَیِّدًا فَاَنَا جَیِّدٌ''

یعنی اگر میرا مرید زبردست نہیں تو میں زبردست ہوں۔ (بہجۃ الاسرار)

اور فرماتے ہیں:

''اِنَّ یَدِیْ عَلٰی مُرِیْدِیْ کَالسَّمَاءِ عَلَی الْاَرْضِ''

یعنی بے شک میرا ہاتھ میرے مرید کے سر پر ایسا ہے جیسے آسمان زمین پر۔ (بہجۃ الاسرار)

اور فرماتے ہیں کہ ''قیامت تک جو کوئی میرے سلسلہ والوں میں سے ٹھوکر کھائے گا، میں اس کو سنبھال لوں گا اور ہاتھ پکڑ کر سیدھا کھڑا کردوں گا۔'' (برکات قادریت، ص۲۲)

اور فرماتے ہیں:

عَطَانِیْ رِفْعَةً نِلْتُ الْمَنَالِ مُرِیْدِیْ لَا تَخَفْ اَللّٰہُ رَبِّیْ

یعنی اے میرے مرید! خوف نہ کر! اللہ میرا رب ہے۔ مجھے وہ رفعت ملی ہے جس سے میں مقصود کو پہنچ گیا۔

(قصیدۂ غوثیہ)

اور فرماتے ہیں:

عَزُوْمٌ قَاتِلٌ عِنْدَ الْقِتَالِ مُرِیْدِیْ لَا تَخَفْ وَاشٍ فَاِنِّیْ

یعنی اے میرے مرید! کسی دشمن سے نہ ڈر کہ بے شک میں مستقل عزم والا، سخت گیر اور لڑائی کے وقت قتل کرنے والا ہوں۔ (قصیدۂ غوثیہ)

ان تمام ارشادات عالیہ کے پیش نظر حضرت رضا فرماتے ہیں:

یہ مہ جاوید ہے عید دوام



(۱۲۵)

دل کشا دل کش دل آرا دل ستاں

کانِ جان و جانِ جان و شانِ شاں

(حدائق بخشش، حصہ۳، ص۴۹)

حل لغت:

کشا: کھولنے والا، حل کرنے والا، مرکبات میں استعمال ہوتا ہے مثلاً: مشکل کشا، دل کشا وغیرہ۔ (فیروز اللغات، ص۱۰۱۴)

کش: کھینچنے والا، برداشت کرنے والا، مرکبات میں استعمال ہوتا ہے، مثلاً: محنت کش، دل کش وغیرہ۔ (فیروز اللغات، ص۱۰۱۴)

آرا: آراستن مصدر کا صیغۂ امر ہے جو کسی اسم کے ساتھ آ کر اسم فاعل بنا دیتا ہے معنی سجانے والا، مثلاً: چمن آرا، جہاں آرا، دل آرا وغیرہ۔ آراستہ کرنے والا۔ (فیروز اللغات، ص۱۵☆لغات کشوری، ص۲۵☆کریم اللغات، ص۷)

ستان: لینے والا، جگہ، موقع، مقام، مرکبات میں لاحقے کے طور پر آتا ہے، مثلاً: دل ستاں، گلستاں وغیرہ، آستاں، چوکھٹ و جگہ جہاں کسی چیز کا انبوہ ہو مثلاً: گلستان، کبھی بمعنی مطلق جگہ کے بھی آتا ہے، مثلاً: ادبستان، شبستان وغیرہ، وہ شخص جو چت لیٹا ہو۔ (فیروز اللغات، ص۸۷۷☆لغات کشوری، ص۳۶۹☆کریم اللغات، ص۸۸)

کان: معدن، وہ جگہ جہاں سے کھود کر دھات یا جواہرات وغیرہ نکالتے ہیں۔ منبع، سرچشمہ۔ (فیروز اللغات، ص۹۸۲☆لغات کشوری، ص۵۷۹☆کریم اللغات، ص۱۲۷)

جان: روح، آتما، زندگی، حیات، طاقت، قوت، ہمت، حوصلہ، تاب وتواں، جوہر، مغز، معشوق، لب لباب، نہایت عزیز چیز، پیارا بیٹا، خوبی، خوبصورتی، زیب وآرائش، بچہ، پیار کا کلمہ۔ (فیروز اللغات، ص۴۴۳☆لغات کشوری، ص۱۸۵☆کریم اللغات، ص۴۶)

شان: عظمت، شوکت، دبدبہ، عزت، توقیر، قدرت، طاقت، انداز، طرز، وضع، نسبت، حق میں خاصیت، خوبی، حال، حق، عظمت کا م۔ (فیروز اللغات، ص۸۳۴☆لغات کشوری، ص۴۱۰)

دوسرے مصرع میں شروع والے لفظ ''جان'' کا مطلب ''جوہر'' ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد والے لفظ ''جان'' کا مطلب ''تاب وتواں'' ہے۔

دوسرے مصرع میں آخر والے لفظ ''جان'' کا مطلب ''روح'' ہے۔
دوسرے مصرع میں شروع والے لفظ ''شان'' کا مطلب ''دبدبہ'' ہے۔
دوسرے مصرع میں بعد والے لفظ ''شان'' کا مطلب ''قدرت، طاقت'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا ومولیٰ افضل الخلق والخلائق، سید المرسلین ﷺ کی عظمت ورفعت، شان وشوکت، دبدبہ وطاقت، توقیر وعزت اور قدر ومنزلت کی مدح وثنا اور تعریف وتوصیف ایک دلکش انداز میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میرے آقا ومولیٰ ﷺ کی ذات پاک دل کشا یعنی دل کو کھولنے والی دل کش یعنی دل کو کھینچنے والی، دل آرا یعنی دل کو سجانے والی یا چمکانے والی اور دل ستاں یعنی دل کو لینے والی ہے، کیوں کہ یہ وہ آقا ومولیٰ ہیں جو کان جان یعنی جوہر کی کھان، جان جان یعنی روح وحیات کی تاب وتواں اور شان شان یعنی قدرت طاقت اور دبدبہ رکھتے ہیں۔ اس شعر میں لفظ ''جان'' کا تین مرتبہ اور لفظ ''شان'' کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے اور خوبی کی بات یہ ہے کہ ان پانچوں الفاظ کو ایک ہی مصرع میں استعمال فرمایا ہے یعنی کہ مصرع ثانی میں پہلی مرتبہ جو لفظ ''جان'' ہے وہ جوہر، خوبی، حوصلہ وغیرہ کے معنی میں ہے، دوسری مرتبہ تاب وتواں، لب لباب، مغز وغیرہ کے معنی میں ہے اور تیسری مرتبہ روح، حیات، زندگی، وغیرہ کے معنی میں ہے۔ تینوں لفظ جان حروف واعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی ومطلب میں متفرق ہیں۔ اسی طرح پہلی مرتبہ جو ''لفظ شان'' ہے وہ دبدبہ، شوکت، عظمت وغیرہ کے معنی میں ہے۔ دوسری مرتبہ طاقت، قدرت، انداز وغیرہ کے معنی میں ہے۔ دونوں لفظ ''شان'' حروف واعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی مطلب کے اعتبار سے متفرق ہیں۔ اس شعر میں فن شاعری کی ڈھائی (2.5) تجنیسات کامل ہیں۔ ڈیڑھ تجنیس لفظ جان کے تین مرتبہ استعمال کی وجہ سے اور ایک تجنیس لفظ شان کی وجہ سے۔

یہ شعر حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی اس نعت شریف کا ہے جو آپ نے تغزل کے انداز میں ایک بے مثال نعت لکھی ہے۔ فن شاعری میں ایک صنعت غزل الشفتین ہے، یعنی دونوں ہونٹوں کو ملنے سے موقوف رکھنا۔

لغت میں ''غزل'' بمعنی موقوفی آتا ہے۔ (فیروز اللغات، ص ۸۹۶)

اور ''شفتین'' لفظ ''شفت'' کا تثنیہ یعنی وہ صیغہ جس میں کسی چیز کو دو سمجھا جائے۔ لفظ ''شفت'' عربی ہے، اور اس کے معنی ''ہونٹ'' ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس صنعت کا مطلب ہوا دونوں ہونٹوں کو نہ ملنے دینا۔ دنیائے اردو ادب میں فن شاعری کے اعتبار سے بڑے بڑے نامور شعراء گزرے ہیں اور ان شعراء کو صرف ''فن شاعری'' کی وجہ سے بہت اہمیت اور شہرت دی گئی ہے اور موجودہ دور میں بھی دی جا رہی ہے، مثلاً: مرزا غالبؔ، جگرؔ مراد آبادی، فانیؔ بدایونی، فراقؔ گورکھپوری، شکیلؔ بدایونی، مومنؔ خان مومنؔ، عرشؔ ملسیانی، جوشؔ ملیح آبادی، اکبرؔ الہ آبادی، حفیظ جالندھری، مجروح سلطانپوری، جاں نثار

اختر، میر تقی میر، حسرت موہانی، میر درد، میر انیس، علامہ اقبال، آتش، تاباں، بیدل، وغیرہ وغیرہ۔

لیکن ان تمام شعراء کے مجموعوں کے سامنے حضرت رضا بریلوی تن تنہا ان پر حاوی ہیں اور وہ بھی فن شاعری کے اعتبار سے۔ مذہبی اعتبار سے تو ان تمام شعراء کے مجموعہ کا حضرت رضا بریلوی کے سامنے کوئی شمار و حساب ہی نہیں، کیوں کہ ان مذکورہ شعراء کے دیوان کا جائزہ لینے سے شاید ہی ایک دو شاعر کے دیوان میں ایک دو شعر فن ''غزل الشفتین'' کے ملیں گے۔ لیکن حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس فن میں ۱۲/اشعار پر مشتمل پوری نعت نظم فرمائی ہے۔ اس نعت کی خوبی یہ ہے کہ پوری نعت پڑھ جائیں، لیکن پوری نعت پڑھنے کے دوران پڑھنے والے کے دونوں ہونٹ ایک دوسرے سے مس (Touch) نہیں ہوں گے، بلکہ جدا رہیں گے۔ قارئین کی فرحت طبع کے لئے وہ پوری نعت پیش خدمت ہے:

سید کونین سلطان جہاں	ظل یزداں شاہ دیں عرش آستاں
کل سے اعلیٰ کل سے اولیٰ کل کی جاں	کل کے آقا کل کے ہادی کل کی شاں
دل کشا دل کش دل آرا دل ستاں	کان جاں و جان جاں و شان شاں
ہر حکایت ہر کنایت ہر ادا	ہر اشارت دل نشیں و دل نشاں
دل دے دل کو جان جاں کو نور دے	اے جہان جاں و اے جان جہاں
آنکھ دے اور آنکھ کو دیدار نور	روح دے اور روح کو روح جناں
اللہ اللہ یاس اور ایسی آس سے	اور یہ حضرت یہ در یہ آستاں
تو ثنا کو ہے ثنا تیرے لئے	ہے ثنا تیری ہی دیگر داستاں
تو نہ تھا تو کچھ نہ تھا گر تو نہ ہو	کچھ نہ ہو تو ہی تو ہے جان جہاں
تو ہو داتا اور اوروں سے رجا	تو ہو آقا اور یاد دیگراں
التجا اس شرک و شر سے دور رکھ	ہو رضا تیرا ہی غیر از این و آں
جس طرح ہونٹ اس غزل سے دور ہیں	دل سے یوں ہی دور ہو ہر ظن و ظاں

اس پوری نعت کو از اول تا آخر پڑھنے کے دوران دونوں ہونٹ ایک دوسرے سے نہیں ملیں گے۔ علاوہ ازیں ان بارہ اشعار کی نعت میں چار اشعار میں صنعت تجنیس کامل پائی جاتی ہیں۔ شعر نمبر 2 میں ڈھائی تجنیسات، شعر نمبر 5 میں تین تجنیسات، شعر نمبر 6 میں دو تجنیسات اور شعر نمبر 8 میں ایک تجنیس کامل کا شمار ہوا۔ علاوہ ازیں فن شاعری کی دیگر صنائع، مثلاً: صنعت استعارہ، صنعت تضاد، صنعت تشبیہ، تلمیح، لف ونشر وغیرہ کا شمار اور تفصیل کرنے میں کئی صفحات درکار ہوں گے۔ یہ کہنے میں قطعاً مبالغہ نہیں کہ صرف یہی ایک نعت فن شاعری کے اعتبار سے دنیائے اردو ادب کے تمام شعراء کی تمام تخلیقات پر فائق ہے۔ تمام شعراء حضرت رضا بریلوی کے سامنے طفل مکتب معلوم ہوتے ہیں۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ مذکورہ تمام شعرائے اردو ادب کا ایک ہی مشغلہ تھا، اور وہ مشغلہ تھا شعر و سخن میں ہمہ وقت محو رہنا۔ جب کہ حضرت رضا بریلوی بحیثیت

شاعر دنیا میں نہیں آئے تھے، بلکہ تجدید دین وملت کے لئے حدیث کے ارشاد کے مطابق بحیثیت مجدد دنیا میں مبعوث ہوئے تھے۔ شاعری ان کا مشغلہ نہ تھا اور نہ ہی آپ شاعری کی طرف زیادہ ملتفت ہوتے تھے۔ اس کے باوجود یہ عالم ہے کہ فن شاعری میں آپ کے کمال وتبحر کے سامنے غالبؔ مغلوب نظر آتا ہے۔ جگرؔ کا کلیجا پھٹ گیا ہے۔ فانیؔ فنا ہوگیا ہے، عرشؔ فرش پر تڑپتا نظر آرہا ہے، حسرتؔ پشیماں ہوگیا ہے۔ شکیلؔ مشکل میں پڑگیا ہے۔ فراقؔ کا وصل جاتا رہا ہے، اکبرؔ بہت چھوٹا دکھائی دے رہا ہے۔ دردؔ کی کلفت بڑھ گئی ہے۔ مجروحؔ کا خون خشک ہوگیا ہے۔ تاباںؔ کی چمک جاتی رہی ہے، حفیظؔ بے نگہبان ہوگیا ہے۔ اخترؔ کی روشنی ماند پڑگئی ہے۔ بیدلؔ کا دل کھوگیا ہے اور انیسؔ کا کوئی ہمدم نظر نہیں آتا۔

المختصر! حضرت رضا بریلوی اردو ادب میں میدان سخن کے شہسوار کی حیثیت سے تمام شعراء پر چھاگئے ہیں۔ حضرت رضا نے اردو ادب کو چار چاند لگادیا ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے اپنے آقا ومولیٰ، مالک کونین ﷺ کے جو اوصاف بیان فرمائے ہیں وہ یہ ہیں:

● دل کشا، ● دل کش، ● دل آرا، ● دل ستاں، ● کان جاں، ● جان جاں، ● شان شاں

کل سات اوصاف جمیلہ کا ذکر کیا ہے اور ان ساتوں اوصاف کو اس ترتیب سے بیان کیا ہے کہ ان میں پے در پے ربط اور تسلسل ہے۔ مصرع اول میں جو چار اوصاف بیان کئے وہ اس ترتیب سے بیان کئے ہیں کہ طبیعت مچل جائے۔ دل کشا، دل کش، دل آرا اور دل ستاں یعنی دل کو کھولنے والے، دل کو کھینچنے والے، دل کو سجانے والے اور دل کو لینے والے۔ ان چاروں میں ایک لازمی ربط ہے۔ کیوں کہ دل جب کھلتا ہے تب کسی کی طرف کھنچتا ہے اور دل جب کسی کی طرف کھنچتا ہے تب ہی وہ دل کسی کا دل لیتا ہے۔ اسی طرح مصرع ثانی میں کان جاں، جان جاں اور شان شاں ہے یعنی جوہر کی کان یعنی کھان، معدن، روح وحیات کی تاب وتواں اور قدرت وطاقت کا دبدبہ۔ ان تینوں میں بھی ربط ہے۔ یعنی جو جوہر کی کھان ہوتا ہے وہی کسی کی روح وحیات کی تاب وتواں بننے کی صلاحیت رکھتا ہے، اور جس میں یہ صلاحیت ہوتی ہے اسی کی قدرت وطاقت کا دبدبہ قائم ہوتا ہے۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے حضور اقدس ﷺ کے جو سات اوصاف کریمہ اس شعر میں بیان فرمائے ہیں وہ اتنے کثیر المعنی ہیں کہ اس کی تفصیلی وضاحت کے لئے دفاتر درکار ہوں گے۔ یہاں ہر وصف کے تعلق سے بہت ہی اختصار کے ساتھ گفتگو کی جائے گی۔ حالاں کہ اس کتاب میں اس شعر کے ماقبل ۱۲۴ر اشعار کی تشریح میں بہت سے واقعات ایسے درج ہیں جو ان اوصاف پر دلالت کرتے ہیں:

● **دل کشا:** یعنی حضور دل کھول دینے والے ہیں۔ حاکم نے صحیح بتا کر اور بیہقی نے حضرت مولیٰ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی، انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے یمن کی طرف بھیجا۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ مجھے بھیجتے ہیں، حالاں کہ میں نوجوان ہوں۔ کس طرح لوگوں کے درمیان فیصلہ کروں گا۔ اور میں جانتا بھی نہیں کہ قضا کیا ہے؟ تو حضور نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر رکھا اور دعا کی کہ اے خدا! ان کے دل کو ہدایت دے اور ان کی زبان کو

مستحکم بنا۔ تو قسم ہے اس ذات کی! جس نے دانہ کو پھاڑا، دو فریقوں کے درمیان فیصلہ کرنے میں مجھے ذرہ بھر تذبذب نہ ہوا۔ (خصائص کبریٰ، از: علامہ جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد۲، ص ۱۷۵)

اس سے پتہ چلا کہ حضور نے حضرت علی کے دل کو کھول دیا۔

● **دل کش:** یعنی حضور اقدس ﷺ کے جمال جہاں آرا کی خوبصورتی اور نورانیت کا یہ عالم تھا کہ اس چہرۂ اقدس کو جس نے ایک نظر دیکھ لیا وہ اس پر وارفتہ ہو گیا۔ اس چہرۂ اقدس کی نورانیت کا یہ عالم تھا کہ طبرانی نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے ہماری جانب اس شان سے توجہ فرمائی کہ گویا چاند کا نصف پارہ ہے۔

(مدارج النبوت، از: شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد۱، ص ۱۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور اقدس ﷺ جب ضحک فرماتے (آہستہ ہنسنا اس طرح کہ آواز بلند نہ ہو) تو دیواریں روشن ہو جاتیں اور آپ کے دانتوں کا نور دھوپ کی طرح ان پر پڑتا۔

(سرور القلوب فی ذکر المحبوب، از: امام المتکلمین نقی علی، ص ۱۱۲)

● **دل آرا:** یعنی حضور اقدس ﷺ دلوں کو چمکانے والے ہیں۔ دارمی، ابوداؤد اور ترمذی نے اپنی سنن میں، امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت جبیر بن نفیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں:

"لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ اِلَيْكُمْ لَيْسَ بِوَهْنٍ وَ لَا كَسَلٍ لِيُحْيِيَ قُلُوْبًا غُلْفًا وَ يَفْتَحَ اَعْيُنًا عُمْيًا وَ يُسْمِعَ اٰذَانًا صُمًّا وَ يُقِيْمَ اَلْسِنَةً عَوْجَاءَ حَتّٰى يُقَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ"

ترجمہ: بے شک تشریف لایا تمہارے پاس وہ رسول تمہاری طرف بھیجا ہوا جو ضعف اور کاہلی سے پاک ہے تا کہ وہ رسول زندہ فرمادے غلاف چڑھے دل اور وہ رسول کھول دے اندھی آنکھیں اور وہ رسول شنوا کردے بہرے کانوں کو اور وہ رسول سیدھی کردے ٹیڑھی زبانوں کو۔ یہاں تک کہ لوگ کہہ دیں کہ ایک اللہ کے سوا کسی کی پرستش نہیں۔

(الامن والعلی، از امام احمد رضا محدث بریلوی، ص ۱۰۸)

بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ میرا حافظہ بہت کمزور تھا۔ حضور ﷺ کی زبان اقدس سے سنی بات یاد ہی نہ رہتی تھی، احادیث بھول جاتا تھا۔ ایک دن میں نے خدمت اقدس میں قوت حافظہ کی کمزوری کی شکایت کی۔ حضور نے حکم دیا کہ اپنی چادر پھیلاؤ۔ میں نے اپنی چادر پھیلائی تو حضور نے اپنے دونوں خالی ہاتھوں سے اس چادر میں کچھ ڈالنا شروع کیا۔ بظاہر کوئی چیز نظر نہ آئی، لیکن حضور اپنے دونوں ہاتھوں سے کوئی چیز میری چادر میں ڈال رہے تھے، پھر اپنا دست اقدس اس خالی چادر پر رکھا۔ پھر فرمایا کہ اس کو سمیٹ کر اپنے سینے سے لگاؤ۔ میں نے ویسا ہی کیا۔ اس وقت سے مجھے قوت حافظہ کی وہ نعمت حاصل ہوئی کہ میں کوئی بات بھولتا نہیں۔ (مدارج النبوت، اردو ترجمہ، جلد۱، ص ۳۶۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا دل ایسا چمکا کہ وہ علوم حدیث کا گنجینہ بن گیا۔ اور حضرت ابو ہریرہ کا شمار ان حضرات میں ہوتا ہے جنھوں نے کثیر تعداد میں احادیث روایت کی ہیں، بلکہ اکابر مکثر الرواۃ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

● **دل ستاں:** یعنی حضور نے اپنے عاشقوں کے دل ایسے لے لئے کہ ان عشاق کے دل کی دھڑکن بھی حضور ﷺ بن گئے۔ حضرت شیبہ بن عثمان حجبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس زمانے میں قریش کی ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حنین میں آئی تھی، میں بھی ان میں تھا اور اس مقصد کے تحت ساتھ میں تھا کہ اگر موقع میسر آیا تو حضور اکرم ﷺ کو شہید کردوں گا۔ یہ کینہ میرے باپ کے روز احد مارے جانے کی بنا پر تھا۔ میں اس ارادے سے حضور کے عقب میں آیا اور چاہا کہ آپ پر تلوار کا وار کروں کہ اچانک میں نے دیکھا کہ ایک آگ کا شعلہ بجلی کی مانند نمودار ہوکر میری طرف لپکا، اور قریب تھا کہ وہ مجھے جلا ڈالے، اتنے میں حضور اقدس ﷺ نے آواز دی، اے شیبہ! قریب آؤ۔ میں حضور کے قریب ہوا، حضور نے اپنا دست اقدس میرے سینے پر مار کر فرمایا اے خدا! اسے شیطان کے شر سے محفوظ رکھ، حق تعالیٰ نے اسی وقت میرے دل سے وہ کینہ دور فرما دیا، خدا کی قسم! آپ ﷺ اسی لمحہ میری آنکھ، کان سے زیادہ محبوب ہو گئے۔ حضور نے فرمایا جاؤ، کافروں کے ساتھ جنگ کرو۔ اس کے بعد میں حضور اکرم ﷺ کے آگے آگے چلتا اور کافروں سے جنگ کرتا تھا۔ خدا کی قسم! اگر اس وقت میرا باپ بھی زندہ ہوتا تو یقیناً میں اسے تلوار سے قتل کر دیتا۔

(مدارج النبوت، جلد۲، ص ۵۲۱)

اس شعر کے مصرع ثانی میں حضرت رضا بریلوی نے اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کے لئے کان جاں، جان جاں اور شان شاں کے تعظیم بھرے الفاظ کا استعمال فرمایا ہے۔ اس تعلق سے بھی بہت مختصر گفتگو کی جائے گی۔

● **کان جاں:** یعنی جوہر کی کھان۔ بے شک حضور اقدس ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جو جوہر اور کمال عطا فرمایا تھا وہ کسی کو نہیں ملا۔ آپ محبوب اعظم کے رتبۂ عالی پر فائز ہوئے اور ہر کمال میں آپ بے مثل و بے مثال تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ اختیارات اور تصرفات عنایت فرمائے تھے کہ پوری کائنات آپ کی نظروں کے سامنے اور آپ کے زیر حکم تھی۔

جنگ موتہ کے لئے حضور اقدس ﷺ نے جب مدینہ طیبہ سے اسلامی لشکر روانہ فرمایا تو اسلامی لشکر کے امیر حضرت زید بن حارثہ کو مقرر فرمایا۔ موتہ ایک موضع یعنی ایک گاؤں کا نام ہے جو بیت المقدس (فلسطین) سے دو منزل کے فاصلہ پر بلقاء نامی مقام کے قریب ہے۔ بیہقی، ابو نعیم سے مروی، اور علامہ واقدی نے کہا کہ مجھ سے ربیعہ بن عثمان نے عثمان بن الحکم سے، اور انھوں نے اپنے والد سے حدیث بیان کی کہ نعمان بن رہطی نام کا یہودی آیا اور وہ لوگوں کے ساتھ حضور اقدس ﷺ کے پاس کھڑا ہو گیا۔ حضور فرما رہے تھے کہ زید بن حارثہ لشکر کے امیر ہیں۔ اگر یہ شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالب امیر ہوں اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو پھر عبد اللہ بن رواحہ امیر ہوں، اور اگر عبد اللہ بھی شہید ہو جائیں تو پھر مسلمان جس شخص کو پسند کریں امیر لشکر بنا لیں۔ نعمان یہودی نے یہ سن کر کہا اے ابو القاسم! اگر واقعی آپ نبی ہیں تو جن اشخاص کا آپ نے نام لیا ہے وہ ضرور شہید ہوں گے۔ کیوں کہ انبیاء بنی اسرائیل میں سے جن انبیاء کو ایسے معرکے پیش آئے اور انھوں نے یکے بعد دیگرے امیر مقرر کیے تو وہ مقرر شدہ امیر شہید ہو گئے۔ اس کے بعد وہ یہودی حضرت زید بن حارثہ سے مخاطب ہوا اور کہا کہ اگر محمد (ﷺ) اپنے دعویٔ نبوت میں سچے ہیں تو تم ہرگز اس سفر سے زندہ نہ لوٹو گے۔

(خصائص کبریٰ، جلد ا، ص ۴۹۵ ☆ مدارج النبوت، جلد ۲، ص ۴۵۴)

واقعی! حضور نے جن جن حضرات کا نام لیا وہ شہید ہو گئے۔

امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ جنگ موتہ میں مجاہدین اسلام لشکر کفار کے ساتھ مقابلہ میں کھڑے ہوئے تو اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔ آپ کی نظر مبارک سے حجابات اٹھ گئے تھے، اور جنگ موتہ کے تمام حالات بچشم خود اس طرح ملاحظہ فرما رہے تھے جس طرح میدان کارزار میں خود تشریف فرما ہو کر معاینہ فرما رہے ہوں۔ اپنے صحابہ سے فرماتے جاتے کہ زید بن حارثہ نے علم اٹھایا اور وہ شہید ہو گئے۔ ان کے بعد حضرت جعفر بن ابو طالب نے علم لے لیا ہے، وہ بھی شہید ہو گئے، ان کے بعد حضرت عبداللہ بن روحہ نے علم لیا ہے، وہ بھی شہید ہو گئے رضی اللہ عنہم۔ آپ یہ فرماتے جاتے اور آنکھوں سے آنسو بہاتے جاتے تھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اب اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار یعنی حضرت خالد بن ولید نے علم لیا ہے۔ اور انھیں کے ہاتھ پر فتح حاصل ہو گی۔ اسی دن سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا لقب سیف اللہ (اللہ کی تلوار) ہو گیا۔ (مدارج النبوت، جلد ۲، ص ۴۶۰ ☆ خصائص کبریٰ، جلد ا، ص ۴۹۸)

بیہقی اور ابو نعیم نے بروایت موسیٰ بن عقبہ حضرت ابن شہاب سے روایت کی کہ حضرت یعلی بن منیہ رضی اللہ عنہ ملک شام سے جنگ موتہ کے مجاہدین کی خبریں لے کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور نے حضرت یعلی کے بیان کرنے سے قبل تمام حالات مفصل طور پر جزئیات کی صراحت کے ساتھ بیان فرما دیئے۔ حضرت یعلی بن منیہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میدان جنگ کے مربوط، مکمل اور تفصیلی حالات جس صحت کے ساتھ آپ نے بیان فرمائے ہیں، میں یقین کے ساتھ عرض کر رہا ہوں کہ جنگ کے میدان میں موجود ہو کر بھی کوئی دیکھنے والا اس طرح واقعات بیان کرنے پر قدرت نہ رکھ سکے گا۔ اس پر عالم ما کان و ما یکون، غیب جاننے والے پیارے نبی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے سے زمین کے تمام حجابات اٹھا دیئے تھے اور میں بحیثیت مجموعی پورے لشکر مجاہدین کو اور انفرادی طور پر ان میں سے ہر فرد کو دیکھتا رہا ہوں۔ (خصائص کبریٰ، جلد ا، ص ۴۹۸)

ویسے تو کئی واقعات جو ہر تصرفات سے مرصع کتب احادیث و سیر میں مرقوم ہیں۔ جن کا تفصیلی ذکر یہاں ممکن نہیں۔

حضرت رضا بریلوی اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک وصف یہ بیان کرتے ہیں کہ میرے آقا و مولیٰ جان جان یعنی روح و حیات کی تاب و تواں ہیں۔ انھیں کے دم سے ہماری زندگی کی بقا ہے، بلکہ پوری کائنات میں انھیں کے دم قدم سے بہار ہے۔ اور یہ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا، اور اگر یہ نہ ہوں تو کچھ بھی نہ ہو۔ کیوں کہ یہ کائنات کی جان ہیں۔ اللہ نے ان کو اتنا اختیار عطا فرمایا ہے کہ بے روح جسم میں بھی جان ڈال دیں۔ ارے جسم میں روح ڈالنا تو کیا! بلکہ جمادات و نباتات کہ جن میں روح کا امکان ہی نہیں ایسی ثقیل اشیاء میں بھی جان ڈال کر ان کو گویا کر دیا ہے۔ سابقہ اشعار کی تشریح میں درخت کا سلام کرنا، حکم ملتے ہی درخت کا خدمت میں حاضر ہونا، پتھروں کا سلام کرنا، کنکریوں کا کلمہ وغیرہ پڑھنا مذکور ہو چکا ہے۔ لہٰذا ان تمام واقعات کا اعادہ نہیں کیا جائے گا۔ صرف ایک دو واقعات تبرکاً پیش خدمت ہیں:

بیہقی نے دلائل النبوت میں اور امام اجل احمد بن محمد قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں روایت کیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک شخص کو اسلام کی دعوت دی۔ اس شخص نے کہا کہ میں اس وقت تک ایمان نہ لاؤں گا جب تک آپ میری اس لڑکی کو جو مر چکی ہے زندہ نہ فرمائیں۔ حضور نے فرمایا مجھے اس کی قبر دکھاؤ۔ اس شخص نے حضور کو اپنی لڑکی کی قبر دکھائی۔ حضور ﷺ نے اس لڑکی کو آواز دی۔ لڑکی نے جواب میں کہا: ''لَبَّیْکَ وَ سَعْدَیْکَ'' (یعنی حاضر ہوں، فرماں بردار ہوں) پھر حضور ﷺ نے اس سے فرمایا کہ کیا تو دنیا میں دوبارہ آنا پسند کرتی ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں یا رسول اللہ! میں نے آخرت کو دنیا سے بہتر پایا ہے۔ (مدارج النبوت، اردو، جلد ۱، ص ۳۵۹)

ابو نعیم نے نقل کیا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ایک بکری ذبح کر کے اسے سالم دم پخت کیا اور اسے حضور ﷺ کی خدمت میں لے گئے۔ پھر ساری جماعت نے کھایا۔ حضور نے کھانے والوں سے فرمایا کہ تم سب کھاؤ، لیکن اس کی ہڈیاں نہ توڑنا، اس کے بعد حضور ﷺ نے ان سب ہڈیوں کو جمع فرمایا اور ان پر دست مبارک رکھ کر کچھ پڑھا، تو کیا دیکھتے ہیں کہ بکری زندہ ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے کان ہلانے لگی۔ (مدارج النبوت، جلد ۱، ص ۳۶۱)

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اس شعر کے اختتام پر اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی شان میں فرماتے ہیں کہ

● **شان شان:** یعنی قدرت و طاقت کا دبدبہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم ﷺ کو طاقت، قدرت، تصرف، اختیار اور حکمرانی عطا فرمانے کے ساتھ ساتھ آپ کو ان تمام اوصاف کے شایان شان دبدبہ بھی عطا فرمایا تھا۔

امام احمد اور ابو بکر بن شیبہ سیدنا مولیٰ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت، حضور مالک و مختار ﷺ فرماتے ہیں:

''اُعْطِیْتُ مَا لَمْ یُعْطَ اَحَدٌ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ قَبْلِیْ نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ الْاَرْضِ''

ترجمہ: مجھے وہ عطا ہوا، جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہ ملا۔ رعب سے میری مدد فرمائی گئی (کہ مہینہ بھر کی راہ پر دشمن میرا نام سن کر کانپے) اور مجھے ساری دنیا کی کنجیاں عطا ہوئیں۔ (الامن والعلی، ص ۵۷)

حافظ ابو زکریا یحییٰ بن عائذ اپنی مولد میں بروایت حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور وہ حضور اقدس ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ زہریہ رضی اللہ عنہا سے راوی کہ رضوان خازنِ جنت علیہ السلام نے بعد ولادت حضور کو اپنے پروں کے اندر لے کر گوش اقدس میں عرض کی کہ حضور کے سامنے نصرت کی کنجیاں ہیں۔ رعب و دبدبہ کا جامہ حضور کو پہنایا گیا ہے۔ جو حضور کا چرچا سنے گا اس کا دل ڈر جائے گا اور جگر کانپ اٹھے گا اگرچہ حضور کو نہ دیکھا ہو، اے اللہ کے نائب۔ (الامن والعلی، ص ۶۰)

سبحان اللہ! ایمان کی آنکھ میں نور ہو تو صرف اللہ کا نائب کہنے میں ہی سب کچھ آ گیا، کیوں کہ جو اللہ کا نائب ہے اس کے تصرفات و اختیارات اور قدرت کا دبدبہ عظیم الشان ہے۔



(۱۳۶)

رنگ اڑے زرد رخ ماہ درخشاں ہو جائے
پنجہ خورشید کا اک پنجہ لرزاں ہو جائے

(حدائق بخشش، حصہ ۳، ص ۲۹)

حل لغت:

رنگ اڑنا: رنگ جاتا رہنا، رنگ پھیکا پڑ جانا، چہرے کا رنگ متغیر ہونا۔ (فیروز اللغات، ص ۷۲۰)

زرد: پیلا، سنہرا، اور کبھی مراد شام سے ہوتی ہے۔ (فیروز اللغات، ص ۷۴۵ ☆ لغات کشوری، ص ۳۴۷)

رخ: رخسار، منہ، گال، طرف، جانب، سمت، کنارہ، حاشیہ، افق، توجہ، التفات، سامنا، آگاہ، ایک فرضی جانور سیمرغ جس کا ذکر الف لیلہ میں آتا ہے جو بہت بڑا ہوتا ہے۔ ایک تاج جو شاہان ایران پہنا کرتے تھے، نام ایک زبردست جانور کا جو ہاتھی اور گینڈے تک کو اٹھا لے جاتا ہے، نام شطرنج کے ایک مہرہ کا، چہرہ، رو۔

(فیروز اللغات، ص ۷۰۷ ☆ لغات کشوری، ص ۳۲۱ ☆ کریم اللغات، ص ۷۸)

ماہ: چاند، قمر، ماہتاب، چندرما، مہینہ، ماس۔ (فیروز اللغات، ص ۱۱۹۰)

درخشاں: چمکتا ہوا، تاباں، روشن، جگمگاتا ہوا۔ (فیروز اللغات، ص ۶۲۱ ☆ لغات کشوری، ص ۲۸۵ ☆ کریم اللغات، ص ۷۱)

پنجہ: پانچ چیزوں کا مرکب، ہاتھ مع انگلیوں کے، لپ، مٹھی، پاخانہ صاف کرنے کی ہڈی یا ٹھیکرا، آدمی کے ہاتھ کی شکل کا چاندی کا نشان جو تعزیوں کے ساتھ بانس میں لگا ہوتا ہے، ہاتھ اور پاؤں کی انگلیاں کہ ہر ایک کی تعداد پانچ ہے۔

(فیروز اللغات، ص ۳۰۴)

پنجہ خورشید: سورج کی کرنیں۔ (فیروز اللغات، ص ۳۰۴)

لرزاں: لرزنے والا، ہلنے والا، لرزیدن مصدر کا اسم فاعل بمعنی کانپنے والا۔

(فیروز اللغات، ص ۱۱۵۴ ☆ لغات کشوری، ص ۶۳۷ ☆ کریم اللغات، ص ۱۳۷)

دوسرے مصرع میں شروع والے لفظ ''پنجہ'' کا مطلب ''کرنوں والا'' ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد والے لفظ ''پنجہ'' کا مطلب ''ہاتھ'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

یہ شعر حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی اس نعت پاک کا ہے جو آپ نے حضور اقدس شہنشاہ کونین ﷺ کی مقدس آرام گاہ یعنی روضۂ انور کی شان وعظمت میں نظم فرمائی۔ یہ نعت آپ نے فن شاعری کی صنعت ''ترجیع بند'' کے اعتبار سے نظم فرمائی ہے۔ ''ترجیع بند'' یعنی اصطلاح شعر میں شاعر کا چند ایسے بند نظم کرنا جو بحر میں موافق اور قافیہ مختلف ہوں اور اس میں یہ طرز اختیار کی جائے کہ پوری نظم میں ایک بیت یعنی ہم وزن کے دو مصرعے یعنی ایک شعر ہر بند کے آخر میں آئے اور ہر بند کے آخری شعر کے ساتھ وہ شعر جو تکرار کے ساتھ ہر بند کے آخر میں آتا ہے وہ شعر ہر بند کے آخری شعر کے مضمون کے ساتھ موافقت کرے۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کو فن شاعری میں وہ عبور اور کمال حاصل تھا کہ آپ نے فن شاعری کی جس صنعت کی طرف التفات فرمایا ہے۔ اس صنعت کے تمام جوہر آپ نے دکھادیئے، بلکہ اس صنعت کو اپنے کلام سے زینت بخشی، جس طرح روضۂ اطہر حضور اقدس ﷺ کی مدح وثنا میں آپ نے ترجیع بند کی صنعت کو زینت بخشی ہے، اس کلام امام کو جو کہ حقیقت میں امام الکلام ہے اس کو ملاحظہ فرمانے سے اس بات کا صحیح اندازہ ہوجائے گا۔

یہ وہ درگہ ہے کہ جرم آئے تو غفراں ہوجائے	اتقا شوق شفاعت میں گنہ یاں ہوجائے
نار بھی آئے تو نور چمنستاں ہوجائے	غازۂ روئے سحر شام غریباں ہوجائے
بے ادب پا منہ ایں جا کہ عجب درگاہ ست	سجدہ گاہ ملک و روضۂ شاہنشاہ ست

●

فیض وہ ہے کہ خزاں فصل بہاراں بن جائے	شجر خلد ہر ایک خار بیاباں بن جائے
تیغ پھل لائے سپر پھولوں کا بستاں بن جائے	بے زباں مدح کرے مرغ صفاہاں بن جائے
بے ادب پا منہ ایں جا کہ عجب درگاہ ست	سجدہ گاہ ملک و روضۂ شاہنشاہ ست

●

رعب یہ ہے کہ اگر اس کا گزر یاں ہوجائے	بے پر و بال ملک یہ ہو کہ انساں ہوجائے
رنگ اڑے زرد رخ ماہ درخشاں ہوجائے	پنجہ خورشید کا اک پنجہ لرزاں ہوجائے
بے ادب پا منہ ایں جا کہ عجب درگاہ ست	سجدہ گاہ ملک و روضۂ شاہنشاہ ست

مندرجہ بالا اشعار کی طرز بندش سے قارئین کرام ''ترجیع بند'' کو اچھی طرح جان چکے ہوں گے۔ پھر بھی مزید تفہیم کے لئے گوش گزار ہے کہ مندرجہ بالا اشعار میں کل تین بند ہیں اور ہر بند میں چار مصرعے ہیں اور ہر بند کے اختتام پر ''بے ادب پا منہ ایں جا کہ عجب درگاہ ست'' والا شعر مکرر آرہا ہے۔ پوری نعت میں کل آٹھ بند ہیں اور ہر بند کے بعد مذکورہ بالا شعر ہے،

اور یہی شعر ہر بند کے مضمون کے ساتھ موافقت کرتا ہے۔ مذکورہ بالا تینوں بند کے الفاظ ایسے وسیع معنویت کے حامل ہیں کہ ان کی تشریح یہاں ممکن نہیں۔ لہٰذا ہم صرف اس شعر کی ہی تشریح کرنے کی کوشش کریں گے جس میں صنعت تجنیس کامل کا استعمال کیا گیا۔

قارئین کی خدمت میں ایک ضروری بات کی وضاحت کر دینا مناسب بلکہ لازمی ہے کہ ہم حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے اشعار کی تشریح کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ عنہ کے اشعار کی تشریح کرنا مجھ جیسے کم علم بلکہ بے علم، بے عمل، حقیر وفقیر کے بس کی بات نہیں۔ جید علماء وادباء بھی حضرت رضا بریلوی کے اشعار کے معنی کما حقہ سمجھنے سے قاصر ہیں، تو میری کیا بساط؟ میں تو علمائے اہل سنت کے نعلین بردار کی بھی حیثیت نہیں رکھتا۔

راقم الحروف سے ایک مرتبہ مارہرہ مطہرہ کے عظیم بزرگ، خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ کے سجادہ نشین، ہادیِ ملت، حامی سنت، ناصر مسلک اعلیٰ حضرت، ماحی بدعت وضلالت، قاطع وہابیت ونجدیت، مرجع خلائق، صوفی باصفا، عالم باعمل، پیر طریقت، احسن العلماء، افضل الفضلا، حضور قبلہ سید مصطفیٰ حیدر حسن میاں قدس سرہٗ نے فرمایا اور ان کے در کے غلام وسوالی راقم الحروف نے اپنے کانوں سے سنا۔ آپ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ شہزادۂ اعلیٰ حضرت، تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہٗ کھڑک (بمبئی) کی مسجد میں غزالی دوراں، سیف الحق، پرتو جلال فاروقی، مظہر شجاعت حیدری، سید العلماء حضرت قبلہ سید آل مصطفیٰ مارہروی قدس سرہٗ سے ملنے آئے۔ دوران گفتگو دونوں بزرگوں میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے شعر

بلبل و نیلپر و کبک بنو پروانو ۔۔۔ مہ وخورشید پہ ہنستے ہیں چراغان عرب

پر بات چلی، اور اس شعر میں حضرت رضا کا کیا منشاء ہے؟ اس پر ان دونوں بزرگوں میں گھنٹوں گفتگو ہوتی رہی، اور اتنی طویل گفتگو کے بعد دونوں بزرگوں نے یک زبان ہو کر فرمایا کہ اس شعر کا صحیح مطلب وہی جانیں، جنھوں نے لکھا ہے، یا وہ جانیں جن کی شان میں لکھا گیا ہے۔ اللہ اللہ! جب اہل سنت و جماعت کے شہرۂ آفاق بزرگ حضرت رضا کے اشعار کے لئے یہ فرماتے ہوں تو ماوشما کا کیا شمار؟ اسی لئے میں نے یہ عرض کیا ہے کہ شعر کی تشریح کرنے کی کوشش کریں، کیوں کہ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ کے اشعار کی تشریح کرنا لوہے کے چنے چبانے سے بھی زیادہ مشکل ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار اقدس یعنی روضۂ اطہر کی عظمت اور شان رعب ودبدبہ کا بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

رنگ اڑے زرد رخ ماہ و درخشاں ہوجائے ۔۔۔ پنجہ خورشید کا اک پنجہ لرزاں ہوجائے

یعنی یہ وہ دربار عالی ہے کہ اگر اس دربار کی حاضری کا شرف چاند کو ملے اور وہ حاضر بارگاہ رسالت ہو تو رعب ودبدبہ، جلال وہیبت ودہشت کی وجہ سے اس کا چہرہ پیلا (زرد) ہوجائے، بلکہ اگر سورج بھی یہاں حاضر ہو تو سورج کی کرنیں (پنجہ خورشید) بھی خوف وڈر کی وجہ سے لرزنے والے ہاتھ (پنجۂ لرزاں) کی طرح کانپنے لگیں۔

اس شعر میں لفظ "پنجہ" کا استعمال دو مرتبہ کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ پنجہ ہے وہ کرن و شعاع کے معنی میں ہے۔ دوسری مرتبہ جو لفظ پنجہ ہے وہ ہاتھ کے معنی میں ہے۔ دونوں لفظ پنجہ حروف و اعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی و مطلب میں متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے روضۂ اقدس کی حاضری کے وقت چاند اور سورج کی حالت کا ذکر فرمایا ہے۔ چاند زرد ہو جائے اور سورج کی کرنیں کانپنے لگیں، اور یہ بوجہ رعب و دبدبہ کے ہے، کیوں کہ یہ شہنشاہ کونین ﷺ کا دربار ہے۔ ہر دربار کی کوئی نہ کوئی وقعت و حیثیت ہوتی ہے اور وہ رعب و دبدبہ بادشاہ کے درجہ کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ یعنی بادشاہ جتنا ذی شان اس کا دربار بھی اتنا ہی ذی وقار۔ جتنی بادشاہ کی شان بلند اتنی ہی اس کے دربار کی عزت و تعلیم اعلیٰ۔ دنیا میں بہت سے دربار، دفاتر، کچہریاں، محکمے، کورٹ وغیرہ ہیں، لیکن ہر ایک کا درجہ اور رتبہ الگ الگ ہے۔ مثال کے طور پر میونسپل کارپوریشن (بلدیہ) کے ایک کارکن کی آفس اور ملک کے وزیر اعظم کی آفس کے وقار و دبدبہ میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ بلدیہ کے کارکن کی آفس میں ہر ادنیٰ آدمی، میلے کچیلے کپڑے، بکھرے ہوئے بال اور غیر مہذب طریقے سے بلا کسی شرم کے اور بلا مقدم اجازت کے گھس جائے گا اور اس آفس میں بلا تکلف بلا کسی قسم کی جھجھک کے، بلا کسی آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے، کارکن سے بات چیت کر کے اپنا کام نپٹا کر واپس آجائے گا۔ لیکن ملک کے وزیر اعظم سے کچھ کام پڑے تو وہ بلدیہ کے کارکن کے کام کی طرح اتنی آسانی سے پار نہ ہوگا۔ ملاقات کا وقت مانگا جائے گا۔ وقت مقررہ پر ہی جانا ہوگا۔ وہاں داخل ہونے سے پہلے داخلے کا اندراج کرانا ہوگا۔ پھر وزیر اعظم کی سلامتی اور تحفظ کے لئے نافذ کئے گئے قانون تحفظ کے تحت تفتیش کروانی ہوگی۔ ملاقات کے لئے جانے والا اچھے کپڑے پہن کر بن سنور کر جائے گا۔ وزیر اعظم سے ملنے کے وقت ادب و وقار کا تکلف کرے گا۔ بات بہت ہی سلیقے سے کرے گا، وغیرہ وغیرہ۔

مختصر یہ کہ ہر بادشاہ یا حاکم کے درجے کے مطابق اس کے دربار کا رعب و دبدبہ ہوتا ہے۔ گنبد خضریٰ مدینہ منورہ میں اس شہنشاہ کا دربار ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ اس دربار کے منگتا اور سوالی ہیں۔

بقول حضرت رضا:

اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں   مانگتے تاجدار پھرتے ہیں

●

تاج والوں کا یہاں خاک پہ ماتھا دیکھا   سارے داراؤں کی دارا ہوئی دارائی دوست

حضور اقدس ﷺ کے دربار عالی کی شان، مرتبہ، عظمت، بلندی، تعظیم، رعب، دبدبہ، وقار اور آداب وغیرہ کے تعلق سے تفصیلی گفتگو شعر نمبر 13، 14، 17، 28، 31، 32، 51، 59، 68، 71، 74، 80، 95، 101، 108، 111 اور 115 میں کی گئی ہے۔ قارئین مذکورہ اشعار کی طرف رجوع فرمائیں۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے دربار مصطفیٰ ﷺ کی حاضری کے وقت چاند کا زرد پڑنا اور

سورج کی کرنوں کا لرزاں ہونا بیان کیا ہے۔ اس کے کیا معنی ہیں اور اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وضاحت یہ ہے کہ چاند اور سورج دونوں ایسے روشن سیارے ہیں کہ وہ اپنی روشنی سے پوری دنیا کو روشن کرتے ہیں۔ دنیا کے تمام بجلی کے بلب مجموعی طور پر بھی چاند اور سورج کی روشنی کا مقابلہ نہیں کر سکتے، کیوں کہ بجلی کے ان قمقموں کی روشنی ایک محدود خطے تک ہی پہنچتی ہے۔ جب کہ چاند اور سورج کی روشنی پوری دنیا میں پھیلتی ہے۔ علاوہ ازیں بارہا کا مشاہدہ ہے کہ رات کی تاریکی میں دن کا اجالا کرنے لئے کثیر طاقت کے بجلی کے قمقمے روشن کئے جاتے ہیں۔ اس کی وجہ سے رات کے وقت بھی دن جیسا ماحول اور سماں قائم ہو جاتا ہے۔ ہیلوجن کی لائٹ اتنی تیز ہوتی ہے کہ اس پر نظریں جمانے سے آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں، لیکن جب صبح کو آفتاب طلوع ہوتا ہے تب ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہیلوجن لائٹ ایک موم بتی ہے۔ اس لائٹ میں رات کے وقت جو سفیدی تھی وہ اب زرد پڑ گئی ہے۔ اس کا رنگ اڑ گیا ہے، اس کا طمطراق جاتا رہا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس سے نکلنے والی روشن کرنیں کانپ رہی ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بجلی کا قمقمہ بلاشبہہ روشن اور منور ہے، لیکن اس وقت اس کا سامنا ایسے روشن قمقمے یعنی سورج سے ہے کہ اس سورج کی روشنی بجلی کے قمقمہ کی روشنی سے کئی گنا زیادہ ہے۔ یہی کیفیت سورج اور چاند کی حضور اقدس ﷺ کے حضور ہے۔ بے شک چاند اور سورج روشن، تاباں، درخشاں، منور، چمک اور دمک والے سیارے ہیں، لیکن ان کی یہ چمک دمک حضور اقدس ﷺ کی نورانیت کے سامنے ماند ہے، کیوں کہ چاند اور سورج کو بھی اسی دربار سے روشنی کی خیرات ملی ہے۔

قرآن شریف میں اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا وَ دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا''

(سورۂ احزاب، آیت، ۴۶/۴۵)

ترجمہ: اے غیب کی خبر بتانے والے (نبی) بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر، ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب۔ (کنز الایمان)

اس آیت میں حضور اقدس ﷺ کو ''سِرَاجًا مُّنِیْرًا'' یعنی چمکا دینے والا سورج فرمایا گیا ہے۔

اب یہ دیکھیں کہ قرآن شریف میں چاند اور سورج کو کیا کہا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اَ لَمْ تَرَوْا کَیْفَ خَلَقَ اللّٰہُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا وَّ جَعَلَ الْقَمَرَ فِیْھِنَّ نُوْرًا وَّ جَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا'' (سورۂ نوح، آیت ۱۶/۱۵)

ترجمہ: کیا تم نہیں دیکھتے اللہ نے کیوں کر سات آسمان بنائے ایک پر ایک، اور ان میں چاند کو روشن کیا۔ اور سورج کو چراغ۔ (کنز الایمان)

اس آیت میں چاند کو روشن اور سورج کو چراغ فرمایا گیا ہے۔

مذکورہ آیات میں سے پہلی یعنی سورۂ احزاب کی آیت کی تفسیر میں وارد ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی شان یہ ہے کہ

ہزاروں آفتابوں سے زیادہ روشنی نور نبوت نے پہنچائی اور کفر وشرک کے ظلمات شدیدہ کو اپنے نور حقیقت افروز سے دور کردیا اور خلق کے لئے معرفت وتوحید الٰہی تک پہنچنے کی راہیں روشن اور واضح کردیں اور ضلالت کی تاریک وادی میں راہ گم کرنے والوں کو اپنے انوار ہدایت سے راہ یاب فرمایا اور اپنے نور نبوت سے ضمائر وبصائر اور قلوب وارواح کو منور کیا۔ حقیقت میں آپ کا وجود مبارک ایسا آفتاب عالم تاب ہے، جس نے ہزارہا آفتاب بنادیے۔ اسی لئے آپ کی صفت میں "منیر" ارشاد فرمایا گیا۔ (تفسیر خزائن العرفان، ص۷۶۴)

مذکورہ سورۂ نوح کی آیت میں چاند کو نور یعنی روشن کہا گیا ہے، لیکن ساتھ میں یہ قید بھی لگادی گئی کہ چاند کو آسمان میں روشن کیا۔ لیکن حضور اقدس ﷺ کو جب نور فرمایا گیا تو اس میں کوئی قید نہ لگائی گئی بلکہ مطلقاً نور کہا گیا، یعنی آپ پوری کائنات کو چمکانے والے نور ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِيْنٌ" (سورۃ المائدہ، آیت، ۱۵)

ترجمہ: بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب۔ (کنز الایمان)

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ سید عالم ﷺ کو نور فرمایا گیا، کیوں کہ آپ سے کفر کی تاریکی دور ہوئی اور راہ حق واضح ہوئی۔ (تفسیر خزائن العرفان، ص۱۹۸)

اب حضور اقدس ﷺ کے جمال جہاں آرا کے تعلق سے کچھ احادیث پیش خدمت ہیں:

دارمی، بیہقی، طبرانی اور ابو نعیم نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی، انھوں نے کہا اگر تم حضور ﷺ کو دیکھتے تو کہتے کہ سورج نے طلوع کیا ہے۔ (خصائص کبریٰ، از: علامہ جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد۱، ص۱۷۶)

بیہقی نے ابو اسحاق سے اور انھوں نے ایک ہمدانی عورت سے روایت کی، اس نے کہا میں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ حج کیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ حضور کی مشابہت کیسی تھی؟ اس نے جواب دیا چودھویں رات کے چاند کی مانند، میں نے کسی کو آپ کی مانند نہ پہلے دیکھا نہ بعد۔ (خصائص کبریٰ اردو، جلد۱، ص۱۷۵)

ابن سعد، ترمذی اور بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی، انھوں نے کہا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ خوبصورت کسی کو نہ دیکھا۔ محسوس ہوتا کہ آپ کے چہرۂ انور میں آفتاب تیر رہا ہے۔ (خصائص کبریٰ، جلد۱، ص۱۷۶)

چاند اور سورج بارگاہ رسالت میں خادم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے نائب اعظم ﷺ کے محکوم ہیں اور آپ کا اشارہ پاتے ہی تعمیل حکم میں سرگرم ہوجاتے ہیں۔ بلکہ چاند تو اس محبوب اعظم رب عظیم کے بچپن کے زمانے کا کھلونا تھا۔ آپ گہوارے سے اشارہ فرماتے اور چاند آپ کے اشارے پر چلتا تھا۔

بیہقی اور صابونی نے "الماتین" میں اور خطیب وابن عساکر نے اپنی کتاب "تاریخ" میں حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ سے روایت کی، انھوں نے کہا: یارسول اللہ! مجھے تو آپ کی نبوت کی نشانیوں نے آپ کے دین میں داخل

ہونے کی دعوت دی تھی۔ میں نے دیکھا کہ آپ گہوارے میں چاند سے باتیں کرتے اور اپنی انگلی سے اس کی طرف اشارہ کرتے اور جس طرف آپ اشارہ فرماتے چاند اس طرف جھک جاتا تھا۔ حضور نے فرمایا کہ میں چاند سے باتیں کرتا تھا اور وہ مجھے رونے سے بہلاتا تھا، اور اس کے عرش الٰہی کے نیچے سجدہ کرتے وقت میں اس کی تسبیح کرنے کی آواز کو سنا کرتا ہوں۔

(خصائص کبریٰ، جلد ا، ص ۱۳۷)

یہ تو بچپن کے زمانے کی حالت تھی، جوانی کے ایام میں تو انگلی کا اشارہ پاتے ہی چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں چاند کے دو ٹکڑے ہوئے۔ ایک ٹکڑا پہاڑ کے ادھر اور دوسرا اُدھر تھا۔ اس روایت کو صحابۂ کرام کی جماعت کثیرہ نے نقل فرمایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ کفار قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزہ طلب کیا اور کہنے لگے اگر صادق ہو تو چاند کے دو ٹکڑے کر دو۔ حضور نے چاند کی طرف اشارہ فرمایا تو وہ دو ٹکڑے ہو گیا اور لوگوں نے کوہ حراء کو دونوں ٹکڑوں کے درمیان دیکھا۔ (مدارج النبوت، اردو، جلد ا، ص ۳۳۸)

اسی طرح مقام صہبا میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نماز عصر کے لئے سورج کو واپس لوٹایا، حالاں کہ سورج غروب ہو چکا تھا۔

(مدارج النبوت، جلد ا، ص ۳۳۰)

جو چاند اور سورج اسی شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی سلطنت قاہرہ کے خادم کی حیثیت سے اس شہنشاہ کا حکم بجالاتے ہوں اور باادب حکم کی تعمیل کرتے ہوں، وہی چاند و سورج جب اس شہنشاہ کے دربار میں حاضر ہوں گے تب یقیناً ان کا رنگ زرد ہو جائے گا اور ان کی روشنی اس آفتاب نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کے سامنے ماند پڑ جائے گی۔ ان تمام شواہد وحقائق کی روشنی میں حضرت رضا نے فرمایا ہے:

رنگ اڑے زرد رخ ماہ درخشاں ہوجائے — پنجہ خورشید کا اک پنجہ لرزاں ہوجائے

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے چاند اور سورج کو اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار کا خادم، کھلونا سوالی، طفیلی، منگتا وغیرہ قرار دیتے ہوئے کئی اشعار نظم فرمائے ہیں، جو آپ کے نعتیہ دیوان ''حدائق بخشش'' میں گوہر ایمان بن کر درخشاں ہیں۔ وہ اشعار قارئین کرام کی معلومات میں اضافہ کرنے اور ایمان کو تازگی دینے کی غرض سے ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:

یَا شَمْسُ نَظَرْتِ اِلٰی لَیْلِی چوں بطیبہ رسی عرضے بکنی
توری جوت کی جھل جھل جگ میں رچی مری شب نے نہ دن ہونا جانا

●

لَکَ بَدْرٌ فِی الْوَجْهِ الْاَجْمَل خطہ ہالۂ مہ زلف ابر اجل
تورے چندن چندر پرو کنڈل رحمت کی بھرن برسا جانا

●

ہلال کیسے نہ بنتا کہ ماہ کامل کو
سلام ابروے شہ میں خمیدہ ہونا تھا

●

تاب مرآت سحر گرد بیابان عرب
غازۂ روئے قمر دود چراغان عرب

●

مہر کس منھ سے جلوداریٔ جاناں کرتا
سایہ کے نام سے بیزار ہے یکتائی دوست

●

رہا جو قانع یک نان سوختہ دن بھر
ملی حضور سے کان گہر جزائے فلک

●

عارض شمس و قمر سے بھی ہیں انور ایڑیاں
عرش کی آنکھوں کے تارے ہیں وہ خوشتر ایڑیاں

●

جابجا پرتو فگن ہیں آسماں پر ایڑیاں
دن کو ہیں خورشید شب کو ماہ و اختر ایڑیاں

●

چرخ پر چڑھتے ہی چاندی میں سیاہی آگئی
کرچکی ہیں بدر کو ٹکسال باہر ایڑیاں

●

ان کے جلال کا اثر دل سے لگائے ہے قمر
جو کہ ہو لوٹ زخم پر داغ جگر مٹائے کیوں

●

ہے انھیں کے نور سے سب عیاں
بنے صبح تابش مہر سے
ہے انھیں کے جلوہ میں سب نہاں
رہے پیش مہر یہ جاں نہیں

●

رخ دن ہے یا مہر سما یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
شب زلف یا مشک ختا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

●

خورشید تھا کس زور پہ کیا بڑھ کے چمکا تھا قمر
بے پردہ جب وہ رخ ہوا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

●

ماہ شق گشتہ کی صورت دیکھو کانپ کر مہر کی رجعت دیکھو
مصطفیٰ پیارے کی قدرت دیکھو کیسے اعجاز ہوا کرتے ہیں

●

اشک شب بھر انتظار عفو امت میں بہیں
میں فدا چاند اور یوں اختر شماری واہ وا

نیم جلوے کی نہ تاب آئے قمر ساں تو سہی
مہر اور ان تلوؤں کی آئینہ داری واہ وا

جس کو قرص مہر سمجھا ہے جہاں اے منعمو
ان کے خوان جود سے ہے ایک نان سوختہ

مہر عالم تاب جھکتا ہے پئے تسلیم روز
پیش ذرات مزار بے دلان سوختہ

روکش خورشید محشر ہو تمھارے فیض سے
اک شراء سینۂ شیدائیان سوختہ

جس نے ٹکڑے کیے ہیں قمر کے وہ ہے
نور وحدت کا ٹکڑا ہمارا نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)

سورج الٹے پاؤں پلٹے چاند اشارے سے ہو چاک
اندھے نجدی دیکھ لے قدرت رسول اللہ کی

چاند اشارے کا ہلا حکم کا باندھا سورج
واہ کیا بات شہا تیری توانائی کی

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے
میرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے

مہ بے داغ کے صدقے جاؤں
یوں دمکتے ہیں دمکنے والے

اللہ رے تیرے جسم منور کی تابشیں
اے جان جاں میں جان تجلا کہوں تجھے

اٹھا دو پردہ دکھا دو چہرہ کہ نور باری حجاب میں ہے
زمانہ تاریک ہو رہا ہے کہ مہر کب سے نقاب میں ہے

تم تو چاند عرب کے ہو پیارے تم تو عجم کے سورج ہو
دیکھو مجھ بے کس پر سب نے کیسی آفت ڈالی ہے

شمس و قمر سلام کو حاضر ہیں السلام
خوبی انھیں کی جوت سے شمس و قمر کی ہے

اتار کر ان کے رخ کا صدقہ یہ نور کا بٹ رہا تھا باڑا
کہ چاند سورج مچل مچل کر جبیں کی خیرات مانگتے تھے

ستم کیا کیسی مت کٹی تھی قمر وہ خاک ان کے رہ گزر کی
اٹھا نہ لایا کہ ملتے ملتے یہ داغ سب کو دیکھا مٹے تھے

بارھویں کے چاند کا مجرا ہے سجدہ نور کا
بارہ برجوں سے جھکا اک اک ستارہ نور کا

بھیک لے سرکار سے لا جلد کاسہ نور کا
ماہ نو طیبہ میں بٹتا ہے مہینہ نور کا

تاب مہر حشر سے چونکے نہ کشتہ نور کا
بوندیاں رحمت کی دینے آئیں چھینٹا نور کا

یہ جو مہر و مہ پہ ہے اطلاق آتا نور کا
بھیک تیرے نام کی ہے استعارہ نور کا

تاب سم سے چوندھیا کر چاند انھیں قدموں پھرا
ہنس کے بجلی نے کہا دیکھا چھلاوہ نور کا

عکس سم نے چاند سورج کو لگائے چار چاند
پڑ گیا سیم و زر گردوں پہ سکہ نور کا

چاند جھک جاتا جدھر انگلی اٹھاتے مہد میں
کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا

کعبے کے بدر الدجیٰ تم پہ کروروں درود
طیبہ کے شمس الضحیٰ تم پہ کروروں درود

دل کرو ٹھنڈا میرا وہ کف پا چاند سا
سینہ پہ رکھ دو ذرا تم پہ کروروں درود

چھینٹ تمھاری سحر چھوٹ تمھاری قمر
دل میں رچا دو ضیا تم پہ کروروں درود

مہر چرخ نبوت پہ روشن درود
گل باغ رسالت پہ لاکھوں سلام

صاحب رجعت شمس و شق القمر ۔۔۔ نائب دست قدرت پہ لاکھوں سلام

جن کے آگے چراغ قمر جھلملائے ۔۔۔ ان عذاروں کی طلعت پہ لاکھوں سلام

مہد والا کی قسمت پہ صدہا درود ۔۔۔ برج ماہ رسالت پہ لاکھوں سلام

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند ۔۔۔ اس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام

یہ شمس وقمر یہ شام وسحر یہ برگ وشجر یہ باغ وثمر ۔۔۔ یہ تیغ وسپر یہ تاج وقمر یہ حکم رواں تمھارے لئے

اشارے سے چاند چیر دیا چھپے ہوئے خر کو پھیر لیا ۔۔۔ گئے ہوئے دن کو عصر کیا یہ تاب وتواں تمھارے لئے

یہ کسی کا حسن ہے جلوہ گر کہ تپاں ہیں خوبوں کے دل جگر ۔۔۔ نہیں چاک زیب گل وسحر کہ قمر بھی سینہ فگار ہے

میری ظلمتیں ہیں ستم مگر ترا مہ نہ مہر کہ مہر گر ۔۔۔ اگر ایک چھینٹ پڑے ادھر شب داج بھی تو نہار ہے

تو نیاز سبق شمیہ ہے شمس منیر ۔۔۔ نور آموز ہے یارب یہ دبستاں کس کا

ہے بجا مہر وقمر پر ناز روئے آئینہ ۔۔۔ چاند طیبہ کا ہے روشن ساز روئے آئینہ

ہمارے دیکھے ہوئے ہیں مدینے کے ذرے ۔۔۔ سنادو مہر کو اب دعویٰ ضیا نہ کرے

مذکورہ اشعار میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے حضور اقدس، شہنشاہ کونین ﷺ کے مقابلے میں چا
اور سورج کو حضور کے نور کا طفیلی، حضور کے چہرۂ اقدس کے نور کا سوالی، حضور کے اشارے پر چلنے والے، حضور کی سواری ک
گرد کی خیرات حاصل کرنے والے، حضور کے قدم ناز اور تلوؤں کے آئینہ دار، حضور کے صدقے میں چمکنے والے، حضور ک
دربار کی سلامی بجالانے والے، حضور کی تعظیم کے لئے جھکنے والے، حضور کی سرکار میں کاسۂ گدائی لئے ہوئے اور حضور کے نو

سے بھیک حاصل کرنے والے کا صریح الفاظ میں وضاحت کی ہے اور حضور اقدس ﷺ کی ذات گرامی کو سراج منیر، بد الدجیٰ، شمس الضحیٰ، مہر چرخ نبوت، ماہ رسالت، طیبہ کا چاند، ماہ کامل، مہ رو، سورج اور چاند سے بھی زیادہ روشن تلوؤں والے عرب کے چاند، عجم کے سورج، چاند سورج کو اپنے چہرۂ اقدس کے نور کی خیرات سے منور و مجلّٰی فرمانے والے وغیرہ صفات حامل بتایا ہے۔



۱۴۷

ہوئی کالے گورے کی پلٹن میں بدلی
کہ بدلی کے آتے ہی تارے تھے غائب

(حدائق بخشش، حصہ ۳، ص ۴

حل لغت:

کالا: سیاہ، اسود، کالے رنگ کا آدمی، سیاہ فام، سانپ، ناگ، مار سیاہ۔ (فیروز اللغات، ص ۹۷۶)
گورا: چٹا، سفید رنگ والا، خوبصورت، حسین، یورپین، فرنگی۔ (فیروز اللغات، ص ۱۱۱۳)
پلٹن: پیادہ فوج کا دستہ۔ (فیروز اللغات، ص ۳۰۱)
بدلی: تبدیلی، منتقلی، ایک شخص کے کام پر دوسرے کا جانا، بادل کی تصغیر، بادل کا ٹکڑا۔ (فیروز اللغات، ص ۱۸۸)
غائب: غیر حاضر، پوشیدہ، جو موجود نہ ہو۔ (فیروز اللغات، ص ۹۰۹ ☆ لغات کشوری، ص ۵۰۱ ☆ کریم اللغات، ص ۱۱۳)

- پہلے مصرع میں لفظ "بدلی" کا مطلب "تبدیلی" ہے۔
- دوسرے مصرع میں لفظ "بدلی" کا مطلب "بادل کا ٹکڑا" ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کے نائب، خلیفۃ المسلمین امیر المومنین، غیظ المنافقین، امام المجاہدین، سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی بارگاہ عالی میں خراج عقیدت پیش کر رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ سیاہ فام اور سفید رنگ والے سپاہی کی پلٹن یعنی پیادہ فوج میں بدلی (تبادلہ) ہوئی اور وہ بدلی ایسی تھی کہ

جیسے بدلی (بادل کا ٹکڑا) آتے ہی فوراً ستارے غائب ہو جاتے ہیں۔ اس شعر میں لفظ ''بدلی'' کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ ''بدلی'' ہے اس کا مطلب تبدیلی منتقلی اور تبادلہ وغیرہ ہے۔ دوسری مرتبہ جو لفظ ''بدلی'' ہے اس کا مطلب بادل کا ٹکڑا ہے۔ دونوں لفظ بدلی حروف و اعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں، لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

یہ شعر اس قصیدہ مبارکہ کا ہے جو حضرت رضا بریلوی نے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی منقبت میں مرقوم فرمایا ہے۔ اس قصیدہ میں حضرت رضا نے مختلف عنوانات کے تحت ایک ہی بحر میں (۲۰۷) دو سو سات اشعار کہے ہیں۔ اس قصیدہ میں فضائل فاروق اعظم، جہاد غازیان اسلام، قتال بہ کفار، ذم بدمذہبان، ہجوئے مبتدعان، دعا وغیرہ متفرق عنوانات کے تحت عالی شان اشعار فرمائے ہیں۔ اس قصیدہ کی ابتداء اس شعر سے کی ہے:

عمر وہ عمر جس کی عمر گرامی — ہوئی صرف ارضائے خلاق واہب

یعنی حضرت عمر فاروق اعظم کی ذات وہ ذات ہے کہ جن کی پوری زندگی خلاق واہب یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے میں صرف ہوئی۔ اس شعر سے قصیدہ کی ابتداء کرنے کے بعد حضرت رضا بریلوی نے احادیث کی روشنی میں آپ کے مناقب، دین متین کی خدمات، آپ کا عدل و انصاف، آپ کا رعب و دبدبہ، امور خلافت کا انتظام، تصلب فی الدین، الحب فی اللہ والبغض فی اللہ، محبت رسول کا جذبہ، شان محدثانہ، شان تفقہ، آپ کی رائے کی موافقت میں نزول آیات قرآن، آپ کی فراست ایمانی، آپ کے دور میں فروغ اسلام اور فتوحات وغیرہ کا ایک دلکش انداز میں تذکرہ فرمایا ہے۔ اس قصیدے کے چند اشعار بطور نمونہ ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں:

وہ ملک خدا کا اولو العزم ناظم — وہ شرع رسالت کا ذوالقدر نائب
وہ ربانی عالم و حقانی حاکم — وہ دقت شناس رموز غرائب
یہ ارشاد بھی ہے کہ قرآں میں داخل — جناب عمر کے ہیں آرائے ثاقب
وہ گھنگھور اُمڈے وہ پُر شور برسے — عدالت کے بادل کرم کے سحائب

پورا قصیدہ واقعی قابل دید و صد تحسین ہے۔ اس قصیدے میں عنوان ''صفت جہاد غازیان اسلام بر کفار لئام'' کے تحت آپ نے سیاہ پوش مجاہدین کا تذکرہ فرمایا ہے، اور ان واقعات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اسلامی لشکر کے مجاہدین رات کے اندھیرے میں سیاہ لباس پہن کر دشمنوں کے قلعوں پر حملہ آور ہوئے تھے۔ اور دشمنوں پر بادل کی طرح چھا گئے اور قلعہ فتح کر لیا۔ اسلامی لشکر کا قلعہ پر تسلط ہوتے ہی قلعہ کے اندر ہمیشہ قائم ہونے والی رقص و سرور اور فسق و فجور کی محفلیں بند ہو گئیں اور ان محافل میں ستاروں کی مانند جگمگانے والے قمقمے غائب ہو گئے۔ اسی کا تذکرہ حضرت رضا نے اس شعر میں فرمایا۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اسلامی لشکر نے جو فتوحات حاصل کیں، اور ان فتوحات کو حاصل کرنے کے لئے مجاہدین اسلام نے جس بہادری، جواں مردی، جاں بازی اور جس جذبۂ ایثار و قربانی کا مظاہرہ کیا ہے، اس کی داستان

تاریخ کے اوراق پر سنہرے حروف سے منقش ہے۔ خصوصاً حضرت ابوعبیدہ بن جراح، حضرت خالد بن ولید، حضرت ضرار بن ازور، حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر، حضرت شرحبیل بن حسنہ، حضرت عکرمہ بن ابوجہل، حضرت معاذ بن جبل، حضرت عبد اللہ بن جعفر بن عبدالمطلب، حضرت زبیر بن العوام، حضرت سعید بن عامر، حضرت یزید بن ابوسفیان، حضرت ربیعہ بن عامر، حضرت عمرو بن العاص بن وائل، حضرت سعید بن خالد بن سعید، حضرت رافع بن عمیرہ الطائی، حضرت کعب بن مالک انصاری، حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب، حضرت عبادہ بن صامت، حضرت خولہ بنت ازور وغیرہ۔ ان واقعات کی تفصیلی معلومات حاصل کرنے کے لئے حضرت علامہ واقدی کی تصنیف فتوح الشام ومصر کا مطالعہ کریں۔

ابن عساکر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ قرآن شریف میں اکثر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کی تائید موجود ہے۔

علامہ شیبانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''فضائل الامامین'' میں حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ میرے رب نے میری موافقت اکیس جگہ فرمائی ہے۔ یعنی قرآن شریف میں اکیس مقام پر حضرت فاروق اعظم کی رائے کے مطابق آیات قرآن نازل ہوئی ہیں۔ (تاریخ الخلفاء: از: علامہ امام جلال الدین سیوطی، ص ۹۸، اردو ترجمہ)

سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی سے اسلام کو بہت ہی تقویت اور غلبہ حاصل ہوا ہے، اور یہ سب آقا و مولیٰ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس دعا کا ثمرہ تھا۔

حاکم نے حضرت ابن عباس سے، طبرانی نے اپنی معجم اوسط میں حضرت ابوبکر صدیق سے اور معجم کبیر میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح دعا فرمائی کہ: ''الٰہ العالمین! عمر بن خطاب سے اسلام کو غلبہ عطا فرما'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا قبول ہوئی۔ آپ کا اسلام لانے کا واقعہ بھی عجیب وغریب ہے۔ آپ تلوار لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کے لئے نکلے تھے۔ راستہ میں پتہ چلا کہ آپ کی بہن اور بہنوئی دونوں مسلمان ہوگئے ہیں۔ آپ انھیں تعزیر کرنے ان کے مکان پر گئے۔ اس وقت وہ دونوں اور حضرت حباب مل کر قرآن شریف کی تلاوت کر رہے تھے۔ آپ نے اپنے بہنوئی اور بہن کو زدوکوب کیا۔ بعدہٗ جب قرآن مجید کی مقدس آیات ملاحظہ فرمائیں تو دل کی دنیا بدل گئی اور آپ حاضر بارگاہ رسالت ہوکر ایمان لے آئے۔ آپ کے قبول اسلام سے مسلمانوں کو طاقت اور ہمت حاصل ہوئی۔ آپ نے اپنا اسلام لانا مخفی نہیں رکھا، بلکہ علی الاعلان ظاہر کیا۔ بلکہ اپنے ماموں ابوجہل بن ہشام اور دیگر سرداران قریش کے گھر جا جا کر اپنے اسلام قبول کرنے کی حقیقت سے ان کو واقف کرایا۔ ابوجہل رشتے میں آپ کا ماموں ہوتا تھا۔

ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ عنتمہ بنت ہشام بن مغیرہ ابوجہل کی بہن تھیں۔ آپ کے اسلام لانے سے کفار مکہ مرعوب ہوگئے اور مسلمان علی الاعلان نماز پڑھنے لگے اور اس دن سے اسلام عروج اور ترقی پانے لگا اور آپ کی شہادت تک ترقی کا یہ سلسلہ جاری رہا۔

ابن سعد اور حاکم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب سے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اسلام لائے، اسلام کی حالت ایسی ہوگئی جیسا ایک اقبال مند شخص جس کا ہر قدم ترقی کی جانب ہوتا ہے، اور جب سے آپ شہید

ہوئے یہ حالت ہوئی کہ اسلام کے عروج وترقی میں کمی آتی گئی اور اس کا ہر ہر قدم پیچھے کی طرف ہی پڑنے لگا۔
(تاریخ الخلفاء، اردو ترجمہ، ص۱۹۰)

بخاری اور مسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے عمر! مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، جس راستے سے تم گزرو گے اس راستے سے شیطان نہیں گزرے گا، بلکہ وہ دوسرے راستے سے جائے گا۔ (تاریخ الخلفاء، ص۱۹۲)

ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ابن عساکر نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عمر سے شیطان خوف کے باعث بھاگتا ہے۔ (تاریخ الخلفاء، ص۱۹۳)

ترمذی وحاکم نے عقبہ بن عامر سے، طبرانی نے ابوسعید خدری اور عصمہ بن مالک سے اور ابن عساکر نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر بن خطاب ہی ہوتے۔"

آپ ۶ نبوی میں ۲۶ رسال کی عمر میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جس دن انتقال ہوا، آپ اسی روز خلیفہ منتخب ہو گئے تھے یعنی بروز سہ شنبہ، ۲۲ر جمادی الاخریٰ ۱۳ھ۔ (تاریخ الخلفاء، ص۲۰۸)

آپ نے اپنے دور خلافت میں عدل وانصاف قائم کیا اور آپ امیر المومنین ہونے کے باوجود ایک عام آدمی کی طرح سادہ زندگی بسر فرماتے تھے۔

قتادہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اکثر صوف کا لباس پہنتے تھے، جس میں چمڑے کا پیوند لگا ہوتا۔ حالاں کہ آپ خلیفہ تھے اور اسی لباس میں درہ لئے ہوئے بازار تشریف لے جاتے اور اہل بازار کو تادیب وتنبیہ فرماتے تھے۔
(تاریخ الخلفاء، ص۲۰۶)

حضرت عبداللہ بن عامر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ سفر حج کیا۔ سفر کے دوران آپ منزل پر جب پڑاؤ کرتے تو کوئی خیمہ یا شامیانہ نہیں لگواتے تھے۔ بلکہ یوں ہی کسی درخت کے نیچے کمبل یا کپڑے وغیرہ کا سائبان ڈال لیا کرتے تھے اور اسی کے سایہ میں آرام فرما لیا کرتے تھے۔ (ایضا)

حضرت محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خسر بیت المال سے کچھ لینے آپ کے پاس آئے تو آپ نے ان کو سختی سے منع کر دیا اور کہا کہ کیا آپ کی یہ خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان بادشاہوں کی فہرست میں شامل کرے جو خیانت کیا کرتے تھے؟ اس کے بعد آپ نے اپنے ذاتی مال سے دس درہم ان کو دیے۔ (تاریخ الخلفاء، ص۲۰۷)

آپ کی بے شمار کرامات یہاں پر تفصیلاً بیان کرنا ممکن نہیں، لہٰذا صرف دو کرامتوں پر اکتفا کیا جاتا ہے:

بیہقی اور ابو نعیم نے دلائل النبوت میں اور لالکائی نے شرح السنہ میں اور ابن العربی نے کرامات الاولیاء میں اور الخطیب نے رواۃ مالک میں حضرت نافع سے بروایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت

ساریہ رضی اللہ عنہ کو اسلامی لشکر کا امیر بنا کر نہاوند نامی مقام پر جنگ کے لئے بھیجا تھا۔ کچھ عرصہ بعد آپ نے اثنائے خطبہ جمعہ فرمایا: ''یَا سَارِیَۃُ الْجَبَلَ'' یعنی اے ساریہ! پہاڑ کی طرف۔ یہ جملہ آپ نے دوران خطبہ تین مرتبہ دہرایا۔ چند روز کے بعد اس لشکر کا فرستادہ ایلچی آیا۔ آپ نے اس سے جنگ کے حالات دریافت کئے اس نے کہا کہ اے امیر المؤمنین! ہم کو شکست ہو چکی تھی کہ یکا یک ہم نے تین بار یہ آواز سنی کہ ''اے ساریہ! پہاڑ کی طرف'' چنانچہ ہم نے فوراً پہاڑ کی طرف رخ کیا۔ ہمارا ادھر رخ کرنا تھا کہ جنگ کا رخ بدل گیا اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے دشمنوں کو شکست دی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب خطبہ کے دوران آپ نے ''یَا سَارِیَۃُ الْجَبَلَ'' کہا تھا تو لوگوں نے تعجب کا اظہار کیا تھا کہ حضرت ساریہ تو نہاوند (عجم) میں ہیں اور آپ ان کو یہاں پکار رہے ہیں۔ (تاریخ الخلفاء، ص ۲۰۱)

ابوالشیخ کتاب العصمت میں قیس بن حجاج سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مصر فتح کیا تو ایک مقررہ دن پر جو اہل عجم کا معمول تھا بہت سے لوگ حضرت عمرو بن العاص کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ہماری کھیتی باڑی کا دارومدار دریائے نیل کے پانی پر ہے۔ جب دریائے نیل خشک ہو جاتا ہے تو پھر وہ ایک قدیم طریقہ (ٹوٹکے) کے بغیر جاری نہیں ہوتا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ وہ قدیم طریقہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ جب چاند کی گیارہ تاریخ آتی ہے تو ہم ایک کنواری لڑکی کا انتخاب کر کے اس کے والدین کی رضا مندی سے اسے اعلیٰ درجہ کے زیورات اور کپڑے پہناتے ہیں اور پھر اسے دریائے نیل کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں۔ پس اس مرتبہ بھی دریائے نیل میں پانی نہیں، لہٰذا ہمیں بھینٹ چڑھانے کی اجازت دی جائے۔ حضرت عمرو بن العاص نے فرمایا کہ یہ تمام لغو اور بے سروپا باتیں ہیں۔ اسلام ان تمام باطل باتوں اور وہموں کو مٹانے آیا ہے، لہٰذا میں اجازت نہیں دیتا۔ آپ نے اجازت نہ دی اور دریائے نیل بالکل خشک ہو گیا۔ بہت سے لوگ ہجرت کر کے ترک وطن پر آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ حضرت عمرو بن العاص نے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو صورت حالت سے آگاہ کیا۔ حضرت عمر نے جب حضرت عمرو کا خط پڑھا تو آپ نے ان کو جواب میں لکھا کہ تم نے مصریوں کو بہت اچھا جواب دیا ہے۔ اسلام ان تمام لغو باتوں کو مٹانے آیا ہے۔ میں اس خط کے ہمراہ ایک رقعہ ملفوف کر رہا ہوں، اس کو دریائے نیل میں ڈال دینا۔ جب حضرت عمرو بن العاص کے پاس امیر المؤمنین کا وہ خط آیا تو اس میں دریائے نیل کے نام جو رقعہ تھا اس میں یہ لکھا تھا:

''بندۂ الٰہی عمر امیر المؤمنین کی طرف سے۔ دریائے نیل کو معلوم ہو کہ اگر تو خود بخود جاری ہوتا ہے تو مت جاری ہو اور اگر تجھے اللہ تبارک وتعالیٰ جاری فرماتا ہے تو میں اللہ واحد قہار سے استدعا کرتا ہوں کہ تجھے جاری کر دے۔ فقط''

حضرت عمرو بن العاص نے اس رقعہ کو صبح سورج طلوع ہونے کے پہلے دریائے نیل میں ڈال دیا۔ جب اہل مصر صبح کو خواب سے بیدار ہوئے تو دیکھا کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح جاری کر دیا ہے کہ معمول سے سولہ گز پانی زیادہ چڑھ گیا ہے، اور اسی دن سے اہل مصر کی یہ مذموم اور جاہلانہ رسم بھی ختم ہو گئی۔ (تاریخ الخلفاء، اردو ترجمہ، ص ۲۰۳)

آپ کے دور میں بے حد فتوحات حاصل ہوئیں اور اسلام جزیرۂ عرب کی سرحدوں کو عبور کر کے ممالک عجم میں دور دور

تک پہنچ گیا۔آپ کے دور خلافت میں جو فتوحات حاصل ہوئی ہیں ان میں سے اہم اہم چند فتوحات کی تفصیل ذیل میں درج ہے:

۱۴ھ: دمشق، حمص، بعلبک، بصرہ، اریکہ، اجنادین، سخنہ، تومر

۱۵ھ: اردن، طبریہ، یرموک، قادسیہ، نجم، نج، نابلس، یراعہ، جوسیہ، جابیہ

۱۶ھ: اہواز، مداین، عراق، جلولا، تکریت، بیت المقدس، قنسرین، سروج، حلب، انطاکیہ، منج، اعزاز

۱۸ھ: قرقیسا، نیشاپور، حلوان، سمساط، حران، نصیبین

۱۹ھ: قیساریہ

۲۰ھ: مصر، تستر

۲۱ھ: اسکندریہ، نہاوند

۲۲ھ: آذربائیجان، دینور، ماسبذان، ہمدان، طرابلس، الغرب، رے، عسکر، قومس

۲۳ھ: کرمان، سجستان، مکران، اصفہان

۲۳ ہجری کے آخر میں حج سے تشریف آوری کے بعد آپ کی شہادت واقع ہوئی، حضرت سعید بن میتب کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منیٰ سے ابطح واپس آتے ہوئے اپنے اونٹ کو راستہ میں بٹھایا اور اس کی پشت سے تکیہ لگا کر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا کی کہ الٰہی! میں بوڑھا ہو گیا ہوں، میرے قُویٰ میں ضعف آ گیا ہے۔رغبتوں میں انتشار آ گیا ہے۔ اس سے پہلے کہ میں ناکارہ ہو جاؤں اور میری عقل میں فتور پیدا ہو جائے، تو مجھے اپنے پاس طلب فرما لے۔ چنانچہ آپ کی دعا قبول ہوئی اور ابھی ذوالحجہ کا مہینہ ختم بھی نہیں ہونے پایا تھا کہ آپ شہید کر دیے گئے۔ (تاریخ الخلفاء، اردو ترجمہ، ص ۲۱۰)

آپ کی شہادت کا سبب یہ ہے کہ زہری اور ابورافع اور عمرو بن میمون انصاری نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ کسی نابالغ لڑکے کو مدینہ منورہ میں باہر سے داخل نہیں ہونے دیتے تھے۔ایک بار حاکم کوفہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو لکھا کہ یہاں ایک بہت ہی ہوشیار اور کاریگر لڑکا موجود ہے اور اس کو بہت سے ہنر آتے ہیں۔ لوہاری، بڑھئی گیری اور نقاشی کا کام عمدہ کرتا ہے۔لہٰذا اس کو مدینہ میں داخلہ کی اجازت دیں، تاکہ وہ اہل مدینہ کے کام آسکے۔آپ نے اسے اجازت دے دی۔ وہ لڑکا کوفہ سے مدینہ آیا اور آکر اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حضرت مغیرہ بن شعبہ کی شکایت کی کہ انھوں نے کوفہ میں مجھ پر سو درہم کا خراج (ٹیکس) لگا دیا ہے۔آپ نے اس سے فرمایا کہ یہ ٹیکس زیادہ نہیں۔آپ کا یہ جواب سن کر وہ لڑکا جس کا نام ابولولو تھا وہ غصہ سے تلملا اٹھا۔ ناگواری کے عالم میں آپ کے پاس سے اٹھ کر چلا گیا اور اس نے آپ کے قتل کا ارادہ کر لیا۔ایک دودھارا خنجر زہر میں بجھا کر اسے اپنی آستین میں چھپا کر مسجد کے ایک گوشے میں چھپ کر بیٹھ گیا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز فجر کے لئے لوگوں کو جگاتے ہوئے اس کے پاس سے گزرے تو اس نے آپ کے جسم پر پے در پے تین وار کیے۔شور و غل ہونے پر مسجد میں موجود لوگ وہاں پہنچے تو ابولولو نے بارہ (۱۲) اور افراد کو

بھی زخمی کیا۔ ان مجروحین میں سے چھ افراد کا انتقال ہوگیا۔ اس حال میں کہ ابولولو لوگوں کو زخمی کررہا تھا۔ ایک عراقی نے اس پر کپڑا ڈال دیا تا کہ وہ الجھ جائے اور اسے گرفتار کرلیا جائے۔ جب وہ اس کپڑے میں الجھ گیا تو اس نے اسی وقت خودکشی کرلی۔ (تاریخ الخلفاء، ص۲۱۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ ابولولو مجوسی تھا۔ اور عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ میری موت کسی مسلمان کے ہاتھ سے نہیں ہوئی۔ (تاریخ الخلفاء، ص۲۱۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ۲۶ رذی الحجہ ۲۳ھ بروز چہارشنبہ (بدھ) شہید ہوئے، اور یک شنبہ (اتوار) کے دن محرم کی چاند رات کو دفن ہوئے۔ آپ کے جنازے کی نماز حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اجازت حاصل کر کے آپ کو اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار میں دفن کیا گیا۔ (اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ)





میرے حق میں مخالفوں کی نہ سن

حق یہ میرا ہے احمد نوری

(حدائق بخشش، حصہ۳، ص۷۷)

حل لغت:

حق: سچ، صدق، لائق، واجب، درست، بجا، ٹھیک، ثابت، قائم، فرض، ذمہ دار، جائز، مباح، انصاف، صحت، واقعہ، منصب، اختیار، ملکیت، درست، راست، سزاوار، وعدہ پورا کرنا، بات سچ بولنا، خدائے تعالیٰ کا ایک صفاتی نام۔

(فیروز اللغات، ص۵۷۱ ☆ لغات کشوری، ص۲۳۷)

حقدار: مستحق، حق رکھنے والا، وارث، جس کا حق ہو، حصہ والا۔

(فیروز اللغات، ص۵۷۲ ☆ لغات کشوری، ص۲۳۸ ☆ کریم اللغات، ص۵۸)

حق میں: بارے میں، متعلق، تعلق سے، درباب، بابت۔

پہلے مصرع میں لفظ ''حق'' کا مطلب ''بارے میں'' ہے۔

دوسرے مصرع میں لفظ ''حق'' کا مطلب ''حقدار'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے پیر و مرشد آقائے نعمت، خاتم الاکابر حضرت سید شاہ آل رسول مارہروی رضی اللہ عنہ کے آستانہ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مقدسہ کے سجادہ نشین اور خلیفہ سراج السالکین، نور العارفین، حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہٗ کی بارگاہ میں معروضہ پیش کررہے ہیں۔ اور استدعا و التجا کرتے ہیں کہ اے میرے آقا! میرے حق (بارے) میں آپ کے پاس کوئی میرا مخالف آکر شکایت کرے یا اور کوئی درخواست لائے تو براہ کرم آپ اس پر التفات نہ فرمائیں اور سماعت نہ کریں۔ میں آپ کے در مقدس کا غلام ہونے کے ناطے ایک وفادار غلام کی حیثیت سے آپ کی جناب میں یہ معروضہ اس امید پر پیش کرتا ہوں کہ سرکار ایک آقا کی حیثیت سے اپنے غلام پر کرم فرما کر شرف قبولیت سے نوازیں گے۔

اس شعر میں لفظ ''حق'' کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ مصرع اول میں جو لفظ ''حق'' ہے اس کے معنی بارے میں، تعلق سے، متعلق وغیرہ ہیں۔ مصرع ثانی میں جو لفظ ''حق'' ہے اس کے معنی صلہ، حق، بدلہ، سزاوار، منصب، اختیار وغیرہ ہیں۔ دونوں لفظ حق حروف و اعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔ ''میرے حق میں مخالفوں کی نہ سن'' کا جملہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت رضا بریلوی تک یہ بات پہنچ چکی تھی کہ کچھ مخالف لوگ میرے مرکز عقیدت اور میرے پیر خانہ تک پہنچ گئے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ میرے لئے جو شخصیت واجب التعظیم والاحترام ہے۔ یعنی حضور قبلہ سید شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہٗ کی بارگاہ میں میرے خلاف شکایتیں اندراج کریں۔ اور وہ مخالفین کوئی بدعقیدہ گروہ کے نہ تھے، کیوں کہ اگر وہ بدعقیدہ گروہ کے ہوتے تو کبھی بھی مارہرہ شریف حضور سید شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہٗ کے پاس شکایت لے کر نہ آتے، کیوں کہ آپ کے یہاں کسی بدعقیدہ کے آنے کا امکان ہی نہیں تھا۔ اس لئے کہ متصلب فی الدین ہونے کی وجہ سے کسی بھی بدعقیدہ کا آپ کے دربار میں گزر نہ تھا۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے وقت کے مجدد تھے۔ دین کے معاملہ میں آپ کسی کی رعایت نہیں کرتے تھے۔ دین کے معاملے میں آپ کے یہاں اپنے و پرائے میں کوئی امتیاز نہیں تھا۔ بلکہ جو شریعت کا حکم ہوتا اسے آپ کسی کی رعایت ملحوظ رکھے بغیر بلا خوف لومۃ لائم بیان فرما دیتے تھے۔ جمعہ کی اذان ثانی خارج مسجد ہونی چاہیے یا اندرون مسجد، منبر کے قریب ہونی چاہیے یا دور؟ اس مسئلہ میں آپ کا علمائے بدایوں و رامپور سے اختلاف ہوا۔ امام احمد رضا محدث بریلوی کا موقف یہ تھا کہ جمعہ کی اذان خارج مسجد ہونی چاہیے۔ آپ نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں دلائل و شواہد کے انبار لگا دیے۔ صرف اذان جمعہ کے تعلق سے آپ نے چار کتابیں تصنیف فرما دیں:

(۱) اذان من اللہ لقیام سنۃ نبی اللہ

(۲) اوفی اللمعة فی اذان یوم الجمعة

(۳) شمامة العنبر فی محل النداء وراء المنبر

(۴) شمائم العنبر

آپ کی تصانیف میں مرقوم علمی دلائل کا جواب دینے سے مخالفین عاجز وقاصر رہ گئے۔لہٰذا انھوں نے میدان دلائل سے ہٹ کر الزامات، افتراءات، اتہامات کا سہارا لیا۔ وثائق وتعلقات کا استعمال کرنا شروع کیا اور یہاں تک معاملہ پہنچایا کہ کورٹ میں مقدمہ بھی دائر کردیا۔لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم ﷺ کے طفیل حضرت رضا بریلوی کو فتح مبین عطا فرمائی۔ حالاں کہ مخالفین نے جو طرز مخالفت اپنایا تھا وہ اتنا گھناؤنا اور غیر مہذب تھا کہ حضرت رضا بریلوی بہت کبیدہ خاطر ہوئے تھے اور اسی کبیدگی کے عالم میں بارگاہ غوثیت رضی اللہ عنہ میں استغاثہ واستعانت کرتے ہوئے عرض کیا کہ:

عدو بد دین مذہب والے حاسد — تو ہی تنہا کا زور دل ہے یاغوث
حسد سے ان کے سینے پاک کردے — کہ بدتر دق سے بھی یہ سل ہے یاغوث
عطائیں مقتدر غفار کی ہیں — عبث بندوں کے دل میں غل ہے یاغوث

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے بند لفظوں میں مولوی عبدالمقتدر بدایونی اور مولوی عبدالغفار رام پوری کی طرف اشارہ فرمایا۔

خیر! مخالفین نے امام احمد رضا بریلوی کے پیر خانے تک شکایتیں کیں، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت رضا بریلوی خاندان برکات، مارہرہ مطہرہ کے بے حد معتقد تھے۔ مارہرہ مطہرہ کے سادات کرام کا آپ اتنا ادب واحترام کرتے تھے کہ ان حضرات کا حکم حضرت رضا کے لئے حرف آخر ہوتا تھا۔ مخالفین اس حقیقت سے واقف تھے۔ انھیں معلوم تھا کہ صرف سادات کرام مارہرہ مطہرہ ہی حضرت رضا بریلوی کو کچھ کہنے سننے کا اختیار رکھتے ہیں۔ لہٰذا وہاں سے دباؤ ڈالو۔ افتراءات و کذب بیانی کا سہارا لے کر حضرت رضا بریلوی کے خلاف مہم چلاؤ۔ لیکن وہ اس حقیقت کو شاید فراموش کرگئے تھے کہ خاندان برکات کے افراد ہمیشہ حق وصداقت پر ہی گامزن رہے۔ احقاق حق اور ابطال باطل میں وہ ہمیشہ سرگرم رہتے ہیں۔ تصلب فی الدین اور اعلاء کلمۃ الحق کا جذبہ ان کے آباء واجداد نے ان کو گھٹی میں پلایا ہے۔ وہ ہر معاملے کو شریعت مطہرہ کے میزان عدل پر تولتے ہیں۔ علاوہ ازیں ان تمام حضرات کو مارہرہ مطہرہ کے مقدس آستانے کے مرید حضرت رضا بریلوی کی حقانیت پر اعتماد وبھروسہ بھی تھا اور ان کی علمی صلاحیت سے واقف بھی تھے، بلکہ ان کو ناز تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اذان ثانی کے مسئلہ کے تنازع میں حضرت رضا بریلوی کو آستانہ عالیہ قادریہ، برکاتیہ، مارہرہ کی بھرپور تائید حاصل ہوئی، یہاں تک کہ اس مقدس آستانہ کے شہزادے وسجادہ نشین پیر طریقت، حامیٔ سنت، ماحیٔ بدعت وضلالت، ناصر ملت، قاطع نجدیت ولامذہبیت، عالم باعمل، تاج العلماء، اولاد رسول حضرت علامہ سید محمد میاں قبلہ مارہروی قدس سرہٗ نے یہ ذمہ داری اٹھائی کہ حضرت رضا بریلوی، بدایوں کی کورٹ میں جو مقدمہ دائر ہوا ہے اس کی تمام قانونی کارروائی اور مقدمہ کے تعلق سے تمام جواب دہی میں

کروں گا۔ چنانچہ آپ نے حسن اسلوبی سے اس مقدمہ کو حل کیا اور فتح مبین حاصل کی اور یہ ثابت کر دیا کہ حضرات ساداتِ مارہرہ کی پشت پناہی حضرت رضا بریلوی کو حاصل ہے۔ حضرت رضا بریلوی ہمارے لئے پرائے نہیں بلکہ اپنے ہیں۔

حضرت رضا بریلوی اور حضرات سادات کرام مارہرہ مقدسہ کے مابین جو محبت، عقیدت اور تعلقات تھے اس کی نظیر شاذ و نادر ہی ملتی ہے۔ بریلی کا مرید اپنے آقاؤں پر قربان تھا اور مارہرہ کے پیر اپنے مرید پر مہربان تھے۔ بریلی کا مرید اپنے آقاؤں کے لئے اپنا دل بچھاتا تھا تو مارہرہ کے پیر اپنے مرید کے لئے آنکھیں بچھاتے تھے۔ بریلی کا مرید مارہرہ پر فدا تھا تو مارہرہ کے پیران عظام بریلی پر نازاں تھے۔ بریلی کا مرید اپنے مرشد کامل کی محبت میں فنائیت کی منزل میں پہنچ چکا تھا تو مارہرہ مقدسہ کے نفوس قدسیہ بریلی کے مرید کو ہمہ وقت نگاہ لطف وعنایت میں رکھتے تھے۔ بریلی کے مرید نے مارہرہ کے سادات کرام کے قدموں میں جگہ پانا باعث فخر سمجھا، تو مارہرہ کے پیروں نے بریلی کے مرید کے لئے اپنے دلوں میں مسکن عطا فرمایا۔ بریلی کا مرید اپنے آقاؤں کا خود کو غلام، گدا اور منگتا کہنے میں فخر محسوس کرتا تھا تو مارہرہ کے مرشدان کرام بریلی کے مرید کو اپنے خاندان کا چشم و چراغ کہنے میں فرحت وشادمانی محسوس کرتے تھے۔ بریلی کے مرید کو مارہرہ کے سادات کرام سے نسلاً کوئی نسبت نہ تھی۔ وہ پٹھان گھرانے کے اور یہ حضرات حضور اقدس ﷺ کی مقدس اولاد۔ دونوں کا سلسلہ نسب الگ، لیکن ایمانی نسبت اور بیعت کے رشتے نے وہ ترقی پائی کہ دونوں کے تعلقات میں اجنبیت کا شائبہ بھی نہ رہا۔ حضرت رضا بریلوی کو مارہرہ مطہرہ کے آقاؤں نے چشم و چراغ قوم پٹھان نہ کہا۔ ہاں، اگر کہا تو ایسا کہا کہ اس کے لہجے اور اس کہنے میں پوشیدہ اور عیاں محبت پر سب کچھ قربان، حضرت رضا بریلوی کو ''چشم و چراغ خاندان برکات'' کا لقب مارہرہ مطہرہ کے بزرگوں نے ہی عطا فرمایا ہے۔

محبت کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ جب محبت کی آگ دونوں طرف سے بھڑکتی ہے تو اس کے شعلے جہاں میں رونما ہوتے ہیں۔ محبت کا یہی رشتہ ثبات ودوام کو پہنچتا ہے۔ بریلی اور مارہرہ کی اٹوٹ اور لافانی محبت کا رشتہ اہل محبت کے لئے مشعل راہ ہے۔ پیر ومرید کے باہم ایسے تعلقات تھے کہ یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ کون کس پر نازاں ہے۔ پیر ومرید میں نوازش اور فنائیت کا ایسا مرکب جذبہ تھا کہ دیکھنے والے متعجب تھے، اور یہ جذبہ پہلی ہی ملاقات میں نظر کے اول ٹکراؤ کے وقت ہی پیدا ہو گیا اور اب تک باقی ہے اور ان شاء اللہ تا قیامت قائم رہے گا۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے والد ماجد رئیس الاتقیاء حضرت مولانا نقی علی خان قدس سرہٗ کے ساتھ بہ معیت تاج الفحول، محب رسول حضرت مولانا عبدالقادر صاحب بدایونی رحمۃ اللہ علیہ بارادۂ بیعت حضرت خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول قدس سرہٗ کی خدمت میں مارہرہ شریف حاضر ہوئے تو پہلی ہی نشست میں حضور سیدنا آل رسول مارہروی قدس سرہٗ نے حضرت رضا بریلوی کو مرید بنانے کے ساتھ ساتھ خلافت بھی عطا فرما دی اور اپنے رنگ میں ایسا رنگ دیا کہ جب حجرۂ بیعت سے پیر ومرید باہر تشریف لائے تو درگاہ معلیٰ میں حاضر خادموں نے یہ دیکھا کہ پیر اور مرید شکل وصورت میں اتنے مشابہ ہو گئے ہیں کہ پیر کون؟ اور مرید کون؟ یہ امتیاز صرف ڈاڑھی کے بالوں کی سفیدی اور سیاہی سے ہی ہو رہا تھا۔ یہ کوئی

معمولی بات نہیں تھی کہ پہلی ہی ملاقات میں مرید بنانے کے ساتھ ساتھ خلافت بھی عطا کر دی۔ ایک شور بپا ہو گیا، کیوں کہ مارہرہ مقدسہ کا آستانہ وہ مقدس آستانہ ہے کہ جہاں سے خلافت حاصل کرنا تو بہت دور کی بات ہے، صرف مرید ہونے کے لئے بھی مارہرہ کی گلیوں کی خاک چھاننی پڑتی ہے۔ یہاں پر مرید ہونے کی غرض سے آنے والے کو ایک عرصہ تک عبادت و ریاضت کی کٹھن منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے، تب جا کر کہیں مرید ہونے کی سعادت حاصل ہوتی ہے۔ ایسے ماحول میں خلافت کا متمنی ہونا بہت بڑی بات تھی اور اسی تمنا میں علماء و مفتیان کا ایک گروہ سالہا سال سے آستانہ برکاتیہ مارہرہ میں سکونت پذیر تھا اور مشغول عبادت و ریاضت، مصروف اوراد و وظائف تھا۔ جب ان کو پتہ چلا کہ ایک نوجوان کو خلافت سے سرفراز کیا گیا ہے تو وہ حضور سیدنا آل رسول کی خدمت میں شکایت کناں ہوئے۔ حضور آل رسول مارہروی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ تم لوگ جب میرے پاس آتے ہو تب میلا کچیلا دل لے کر آتے ہو، جسے میں عبادت و ریاضت سے صیقل کرتا ہوں اور یہ (حضرت رضا) تو صاف ستھرے آئے ہیں۔

حضرت خاتم الاکابر سید آل رسول مارہروی قدس سرہٗ کا یہ مقولہ قابل غور و فکر ہے۔ اس سے آپ کی فراست ایمانی کا بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ نے ایک نظر میں حضرت رضا بریلوی کے ظاہر اور باطن دونوں کو دیکھ لیا۔

حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

"اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ"

یعنی مومن کی فراست سے بچو کہ بے شک وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

فراست کے لغوی معنی دانائی، تیز فہمی، سمجھداری اور قیافہ شناسی ہے۔ (فیروز اللغات، ص ۹۲۶)

حضور سیدنا آل رسول نے حضرت رضا کو فراست ایمانی سے دیکھا اور جان لیا کہ اس وقت مجھ سے بیعت ہونے کے لئے جو آ رہا ہے یہ کوئی معمولی مولوی نہیں، بلکہ اپنے وقت کا عظیم مجدد ہے۔ جو فتنوں کی آندھیوں سے تن تنہا مقابلہ کرے گا۔ اس کی ہمت افزائی اور حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔ روحانیت کی طاقت سے اسے مزین کرنا چاہیے۔ لہٰذا آپ نے بلا تامل حضرت رضا بریلوی کو منصب خلافت سے پہلی ہی ملاقات میں مشرف فرمایا۔ بعض ناعاقبت اندیش بزعم خویش اپنے کو ماہر مصنف سمجھنے کے مغالطہ میں میدان فن تصنیف میں جولانی کرنے کی جرأت کرتے ہوئے اپنی موٹی موٹی انگلیوں میں قلم پکڑ لیتے ہیں۔ بلکہ یوں کہو کہ قلم کا گلا ہی دبا دیتے ہیں اور گلا دبانے کے نتیجہ میں قلم اشک سیاہ بہاتا ہے۔ جس کو وہ اپنے منہ میاں مٹھو مصنف صفحۂ قرطاس پر پھیلا کر اوراق ضائع کرتا ہے۔ اور اپنی بقراطی چھانٹتے ہوئے یہاں تک لکھ دیتا ہے کہ حضرت رضا بریلوی مرید ہونے سے قبل تک صرف مولانا احمد رضا تھے اور مرید ہونے کے بعد ان کو منصب مجدد حاصل ہوا۔ ایسا شخص اس مغالطہ میں ہے کہ اس جملہ کے ذریعہ میں حضور سیدنا سرکار آل رسول مارہروی رضی اللہ عنہ کی عظمت و فضیلت بیان کر رہا ہوں، لیکن درحقیقت وہ عظمت بیان کرنے کے بھرم میں نادانستہ تنقیص کر رہا ہے۔ اگر حضرت رضا بریلوی بیعت ہونے تک صرف مولانا احمد رضا ہی تھے تو حضور خاتم الاکابر نے پہلی ہی ملاقات میں خلافت کیوں دے دی؟ اور اپنا معمول اور اصول

کیوں توڑا؟ جب کہ علمائے کرام ومفتیانِ عظام کی ایک جماعت عرصۂ دراز سے خلافت کی متمنی تھی اور حصول تمنا کے لئے خانقاہ شریف میں مسلسل حاضر رہ کر مشغول عبادت وریاضت تھی۔ ان تمام معمر اور جید علماء کو محروم رکھ کر ایک نوجوان کو خلافت عطا کرنے میں سبقت اور عجلت کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ کیا حضور خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول مارہروی قدس سرہٗ نے پہلی ہی نشست میں ایسے شخص کو خلافت دے دی جو صرف مولانا احمد رضا تھا۔ نہیں، ہرگز نہیں۔ مارہرہ مقدسہ کے آستانہ عالیہ کی خلافت کوئی معمولی خلافت نہ تھی کہ آؤ اور خلافت لے لو۔ ارے جس مقدس آستانہ کے سلسلہ میں داخل ہونے کے لئے بھی سخت ریاضتیں کرنی پڑتی ہوں، وہاں کیا اتنی آسانی سے خلافت دی جاسکتی ہے؟ اور وہ بھی ایسے شخص کو جو صرف مولانا ہے۔
کیا حضور خاتم الاکابر قدس سرہٗ میں حضرت رضا بریلوی کے منصب مجدد سے بے خبر تھے؟ کیا بے خبری میں خلافت دے دی؟ حاشا اللہ! وہ بے خبر نہ تھے، بلکہ ولایت کی اس اعلیٰ منزل پر فائز تھے کہ آنے والے کے ظاہر و باطن کو ایک نظر میں جانچ لیتے تھے۔ مومن کی فراست ایمانی کی بصارت کے حامل تھے۔ آنے والے ہر شخص کو آپ پہلی نظر میں ناپ لیتے تھے کہ کون کتنے پانی میں ہے؟ کون کور باطن ہے، اور کون قلب نورانی کا حامل ہے؟ یہ آپ کسی سے پوچھ کر معلوم نہیں کرتے تھے، بلکہ آپ ایمانی ونورانی فراست سے اول نگاہ میں جان لیتے تھے، اور اسی لئے آپ نے پہلی نظر میں حضرت رضا بریلوی کو پہچان لیا کہ یہ صرف مولانا احمد رضا نہیں، بلکہ اپنے وقت کا مجدد اعظم ہے اور آپ کے اس تصرف کا اقرار کرنا ہی آپ کی یعنی حضور سید آل رسول مارہروی کی شان عظمت کا صحیح اعتراف ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ حضرت رضا بریلوی بیعت ہونے کے وقت صرف مولانا تھے اور بیعت ہونے کے بعد مرتبۂ مجددیت کو پہنچے اور اس نظریہ سے یہ استدلال حاصل کرنا کہ میں حضور خاتم الاکابر سید آل رسول مارہروی قدس سرہٗ کی شان وعظمت ظاہر کر رہا ہوں تو یہ سراسر غلط ہے۔ کیا ایسے مضحکہ خیز استدلال کو حب علی یا بغض معاویہ نہیں کہا جاسکتا؟ بلکہ یہاں تو خطرناک معاملہ درپیش ہے۔ حضرت رضا بریلوی کے مجدد ہونے کا انکار کرنے سے حضور خاتم الاکابر مارہروی قدس سرہٗ کی شان فراست ایمانی پر حرف آتا ہے۔
علاوہ ازیں مجدد کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی میں یہ الفاظ ہیں کہ
"اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ"
یعنی مبعوث فرمائے گا۔
مبعوث کے لغوی معنی اٹھایا گیا، بھیجا گیا، پیدا کیا گیا ہے۔ (فیروز اللغات، ص ۱۱۹۳)
ان تینوں معنی سے اور علاوہ ازیں علمائے ملت اسلامیہ کی تشریحات کے مطابق بحیثیت مجدد مبعوث ہونے والا پیدائشی مجدد ہوتا ہے۔ اس بحث کو طول نہ دیتے ہوئے صرف اتنا کہنا ہے کہ مبعوث کے جو تین لغوی معنی ہم نے لغت سے پیش کئے ہیں اس میں یہ کہیں بھی نہیں کہ مرید ہونے کے بعد۔ البتہ حضرت رضا بریلوی نے اپنے پیر ومرشد سے بہت کچھ فیض پایا۔ کامل بن کر آئے تھے لیکن پیر نے اکمل بنا دیا۔ پیر ومرشد نے اپنے اس مرید کو اتنا نوازا جس کا شمار کرنا مشکل ہے۔ پیر نے کیا دیا؟ مرید نے کیا حاصل کیا؟ یہ دینے والے پیر ومرشد جانیں اور لینے والا مرید جانے۔ ہم کو تھرمامیٹر لگانے کی کوئی ضرورت

نہیں اور نہ ہی یہ بے تکی بکواس کہنے یا لکھنے کی ضرورت ہے کہ مرید ہوتے وقت صرف مولانا تھے۔ ایسے عظیم الشان پیر اور عظیم الشان مرید کے آپسی تعلقات اور درجۂ مراتب کے بیچ میں ٹانگ لڑانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کون؟ کس وقت؟ کس مرتبہ پہ تھے؟ ہمیں تو صرف یہی کرنا چاہیئے کہ حضرت رضا بریلوی کے نقش قدم پر چل کر جس آستانۂ عالیہ کی عظمت واحترام میں حضرت رضا بریلوی نے جن جذبات کا اظہار فرمایا ہے انہیں خلوص دل سے اپنائیں۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے دل میں آستانۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ شریف اور خاندان برکات کے نفوسِ قدسیہ حضرات کی کیا عظمت ومحبت تھی، اس کا جائزہ لینے کے لئے آپ کی سوانح حیات اور آپ کے نعتیہ دیوان ''حدائق بخشش'' کی ورق گردانی کرنی ضروری ہے۔ حدائق بخشش میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے کل ۲۶۵؍اشعار خاندان برکات کے بزرگوں کی شان میں کہے ہیں۔ ان اشعار میں آپ نے اپنے دلی جذبات واعتقاد کا اظہار فرمایا ہے۔ سب سے زیادہ آپ نے سراج السالکین، نور العارفین، حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی رضی اللہ عنہ کی شان میں اشعار کہے ہیں۔ جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۲۳؍اشعار پر مشتمل منقبت:

برتر قیاس سے ہے مقام ابو الحسین — سدرہ سے پوچھو رفعت بام ابو الحسین

۹۳؍اشعار پر مشتمل منقبت:

ماہ سیما ہے احمد نوری — مہر جلوہ ہے احمد نوری

(حدائق بخشش، حصہ سوم، ص۲۷)

ایک شعر قصیدۂ نور کا مقطع:

اے رضا یہ احمد نوری کا فیض نور ہے — ہوگئی میری غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا

(حدائق بخشش، حصہ دوم)

ایک شعر لاکھوں سلام میں:

زیب سجادہ سجاد نوری نہاد — احمد نور طینت پہ لاکھوں سلام

ایک شعر منقبت اچھے میاں میں:

احمد نوری دریں ظلمات رنج وتشنگی — رہنمائم سوئے تو اے آب حیواں آمدہ

(حدائق بخشش، حصہ دوم)

اور کل ۱۱۹؍اشعار حضرت رضا بریلوی نے حضور سید شاہ ابوالحسین مارہروی کی شان میں قلم بند فرمائے ہیں۔ ان اشعار میں حضرت رضا بریلوی نے آپ کی عظمت وبزرگی کی شان کا اظہار کرنے کے ساتھ آپ کے ساتھ اپنی عقیدت، والہانہ محبت، حصول فیض، رشتہ گدائیت وغیرہ کا اظہار فرمایا ہے۔

چند اشعار بطور نمونہ پیش خدمت ہیں:

وارستہ پائے بستہ دام ابوالحسین | آزاد نار سے ہے غلام ابوالحسین
ہاں طالع رضا تیری اللہ رے یاوری | اے بندۂ جدود کرام ابوالحسین

●

شکل دیکھو تو نور کی تصویر | نوری پتلا ہے احمد نوری
شب بدعت سے کہئے ہو کافور | نور افزا ہے احمد نوری
جس کا میں خانہ زاد اس کا تو | پیارا بیٹا ہے احمد نوری
خاندانی کرم قدیمی جود | تیرا حصہ ہے احمد نوری
اتنا کہہ دے رضا ہمارا ہے | پار بیڑا ہے احمد نوری
ہیں رضا کیوں ملول ہوتے ہو | ہاں تمھارا ہے احمد نوری

اسی طرح حضرت رضا نے اپنے پیرومرشد آقائے نعمت خاتم الاکابر حضور سید شاہ آل رسول مارہروی رضی اللہ عنہ کی شان میں کئی اشعار کہے ہیں۔ مثلاً:

۴۲ر اشعار پر مشتمل منقبت:

خوشا دلے کہ دہندش ولائے آل رسول | خوشا سرے کہ کنندش فدائے آل رسول

ایک شعر شجرۂ منظوم میں:

دو جہاں میں خادم آل رسول اللہ کر | حضرت آل رسول مقتدا کے واسطے

ایک شعر لاکھوں سلام میں:

نور جاں عطر مجموعۂ آل رسول | میرے آقائے نعمت پہ لاکھوں سلام

ایک شعر منقبت اچھے میاں میں:

بہر آں رنگیں ادا گلبرگ چند آل رسول | برکش از دل خار آلاے کہ در جاں آمدہ

۱۱ر اشعار منقبت در مدح تاج الفحول محب رسول مولانا عبدالقادر بدایونی میں۔

۵ر اشعار آپ کی تاریخ وصال میں بزبان عربی۔

یہ کل ۶۱ر اشعار ہیں۔ ان کی جھلک ملاحظہ فرمانے کے لئے شعر نمبر 119 ''عین حق کا بنا محب رسول'' کی تشریح کا مطالعہ کرنے کی زحمت گوارا فرمائیں۔

حضرت رضا بریلوی خاندان برکات، مارہرہ مطہرہ کے ساتھ ایسے گھل مل گئے تھے کہ خاندان والے حضرت رضا کو اپنے گھرانے کے ایک فرد کی حیثیت دیتے تھے۔ البتہ حضرت رضا نے تو اپنے آپ کو اس مقدس خاندان برکات کا غلام،

گدا، منگتا اور سوالی ہی سمجھا اور اسی میں اپنی سعادت اور خوش نصیبی جانی، بلکہ انھوں نے اپنے کو خاندان برکات کا خانہ زاد ہی سمجھا۔ خانہ زاد یعنی مالک کے گھر میں پیدا ہونے والا، غلام، لونڈی کا بچہ۔ (فیروز اللغات، ص۵۸۴)

ان تمام تعلقات و رشتۂ عقیدت کی بناء پر حضرت رضا بریلوی حضور سید شاہ ابو الحسین احمد نوری مارہروی رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں

میرے حق میں مخالفوں کی نہ سن　　حق یہ میرا ہے احمد نوری

اس شعر کے مصرع ثانی میں حق یہ میرا ہے کا جملہ استعمال فرما کر حضرت رضا بریلوی اپنا حق غلامی جتارہے ہیں۔ کہ اے میرے کریم آقا! میں آپ کے در کا سوالی اور منگتا ہوں۔ اور کوئی حق اور شرف ہم کو آپ پر حاصل نہیں، البتہ آپ کے دامن کرم سے وابستہ ہو کر آپ کے حلقۂ غلامی میں شمولیت کا شرف ضرور حاصل ہے اور اسی شرف غلامی کی بناء پر ایک غلام کی حیثیت سے آپ کی بارگاہ عالیہ میں اس امید کے ساتھ گزارش کرتا ہوں کہ آپ کریم آقا ہیں۔ سخی داتا ہیں، اور اپنے در کے منگتا اور غلاموں کی بات آپ کبھی نہیں ٹالتے، بلکہ اسے شرف قبولیت سے نوازتے ہیں۔



(۱۴۹)

یہ رضا آپ کا ادنیٰ سگ در ہے واللہ
اس پر ہو لطف و رضا حضرت غوث الثقلین

(حدائق بخشش، حصہ۳، ص۶۲)

حل لغت:

رضا: امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا تخلص ہے۔

ادنیٰ: کمینہ، چھوٹے درجہ کا، کم قدر، نیچ، اعلیٰ کی ضد، خفیف، تھوڑا، فقیر، کنگال، مفلس، بے دولت، بہت نزدیک، نالائق، کم رتبہ۔ (فیروز اللغات، ص۷۸ ☆ لغات کشوری، ص۲۳ ☆ کریم اللغات، ص۶)

سگ: کتا۔ (فیروز اللغات، ص۸۰۴ ☆ کریم اللغات، ص۹۲)

در: دروازہ، پھاٹک، چوکھٹ، اندر، بیچ۔ (فیروز اللغات، ص۶۱۸ ☆ لغات کشوری، ص۲۸۳ ☆ کریم اللغات، ص۷۰)

واللہ: قسم خدا کی، بے شک، یقیناً، سچ مچ، فی الحقیقت۔ (فیروز اللغات، ص۱۴۰۳ ☆ لغات کشوری، ص۷۹۹ ☆ کریم اللغات، ص۱۹۰)

لطف: عنایت، مہربانی، خوبی، عمدگی، نرمی، ملائمت، لذت، مزہ، حلاوت، خوش طبعی، نازکی، باریک بینی۔
(فیروز اللغات، ص ۱۱۵۶ ☆ لغات کشوری، ص ۶۳۷ ☆ کریم اللغات، ص ۱۳۷)

رضا: راضی ہونا، خوش ہونا، خوشنودی، خوشی، خوش۔ (فیروز اللغات، ص ۷۱۲ ☆ لغات کشوری، ص ۳۲۵ ☆ کریم اللغات، ص ۷۹)

غوث: فریاد کو پہنچنے والا، فریادرس، اہل اسلام میں ولایت الٰہی کا ایک درجہ، فریاد، عرض سننا۔

ثقلین: دونوں جہان، انسان اور جن، دوگروہ انس اور جن کے۔
(فیروز اللغات، ص ۴۳۷ ☆ لغات کشوری، ص ۱۸۰ ☆ کریم اللغات، ص ۴۵)

پہلے مصرع میں وارد لفظ ''رضا'' سے مراد ''حضرت امام احمد رضا بریلوی'' ہیں۔
دوسرے مصرع میں وارد لفظ ''رضا'' کا مطلب ''راضی ہونا'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان حضور غوث الثقلین، غوث اعظم پیران پیر دستگیر، سید شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی رضی اللہ عنہ سے اپنی نسبت حلفیہ بیان کرنے کے ساتھ ساتھ بارگاہ غوثیت مآب میں عنایت و مہربانی کی درخواست کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ اے دوجہاں اور گروہ جن اور انسان کی فریاد سننے والے اور فریاد پوری کرنے والے! یہ احمد رضا بریلوی آپ کے در کا ادنیٰ سگ ہے اور اپنے در پاک کے ادنیٰ سگ پر اے آقا! آپ مہربانی اور کرم فرمائیں۔ اس شعر میں لفظ ''رضا'' کا دومرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ رضا ہے اس سے مراد حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات گرامی ہے۔ آپ اپنے نعتیہ کلام میں اپنا تخلص رضاؔ استعمال فرمایا کرتے تھے۔ دوسری مرتبہ جو لفظ رضا ہے اس کے معنی راضی ہونا خوش ہونا وغیرہ ہیں۔ دونوں لفظ رضا حروف واعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر میں حضرت رضاؔ اپنے آپ کو سرکار غوث اعظم دستگیر رضی اللہ عنہ کے در کا سگ یعنی کتا بتاتے ہیں، اور صرف کتا نہیں، بلکہ سگ کے ساتھ ادنیٰ کی اضافت فرما کر معمولی کتا کہہ رہے ہیں۔ حضور غوث اعظم کے در کا کتا ہونا بھی بڑی سعادت ہے آپ کے در کے کتے زمانے کے بڑے بڑے شیروں پر غالب آجاتے ہیں۔ جو مشہور واقعہ دیگر اشعار کی تشریح میں مذکور ہے حضرت رضا بریلوی اپنے آپ کو سرکار غوث اعظم کے در کا ادنیٰ سگ حلفیہ کہہ رہے ہیں۔ مصرع اول کے اختتام پر ''واللہ'' سے اپنی بات کو خدا کی قسم کے ساتھ بیان کررہے ہیں کہ خدا کی قسم! میں سرکار غوث پاک رضی اللہ عنہ کے در کا ادنیٰ سگ ہوں۔ اپنی اسی ایک نسبت پر حضرت رضا بریلوی قانع اور متوکل ہو کر سرکار غوثیت مآب مین لطف ورضا کی درخواست کرتے ہوئے سرکار غوث اعظم کی مدح وثنا میں غوث الثقلین کا جملہ استعمال فرماتے ہیں۔ غوث کے لغوی معنی فریادرس، فریاد کو پہنچنے والا ہیں، اور ثقلین کے معنی ہوئے دونوں جہان اور گروہ انس وجن، تو غوث الثقلین کے معنی ہوئے دونوں جہان اور جنات و

انسان کی فریاد کو پہنچنے والے۔ اور یہ حقیقت ہے جس طرح حضور اقدس ﷺ کی نبوت و رسالت دونوں جہاں اور گروہ جن و انس کو عام تھی، اسی طرح سرکار غوث اعظم دستگیر کی ولایت اور غوثیت بھی دونوں جہاں اور گروہ جن و انس کو عام تھی۔

شیخ الشیوخ شہاب الدین ابو حفص عمر بن عبد اللہ سہروردی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے شیخ محی الدین عبد القادر بغدادی رضی اللہ عنہ سے سنا، جب کہ آپ اپنے مدرسہ میں کرسی پر بیٹھ کر فرماتے تھے کہ ہر ولی کسی نہ کسی کے قدم پر ہے، اور میں اپنے نانا جان ﷺ کے قدموں پر ہوں۔ حضور اقدس ﷺ نے جہاں قدم رکھا ہے میں نے بھی وہیں قدم رکھا ہے، مگر اتنا فرق ہے کہ وہ نبی کا قدم ہے وہاں تک مرتبۂ نبی کے سوا اور کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ (بہجۃ الاسرار، اردو ترجمہ، ص ۵۴)

شیخ عارف ابو محمد بن ادریس یعقوبی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے سنا کہ آپ فرماتے تھے "انسانوں کے مشائخ ہوتے ہیں، جنوں کے بھی مشائخ ہوتے ہیں اور فرشتوں کے بھی مشائخ ہوتے ہیں، میں سب کا شیخ ہوں۔" (بہجۃ الاسرار، اردو ترجمہ، ص ۵۵)

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم ﷺ کے طفیل اپنے محبوب کے محبوب حضرت شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کو اتنا وسیع تصرف اور اختیارات عطا فرمایا تھا کہ آپ انسان، جنات، فرشتے، چرند، پرند اور حیوانات پر بھی حکومت فرماتے تھے۔ چرند اور پرند پر حکومت کے تعلق سے کچھ واقعات شعر نمبر 56 "بندہ قادر کا ہے، قادر بھی ہے عبد القادر" کی تشریح میں آپ ملاحظہ فرما چکے۔ آیئے آپ کو کچھ واقعات ایسے سناتے ہیں جن سے آپ کی جنات پر حکومت کا ثبوت ملتا ہے۔

شیخ ابو سعد بن عبد اللہ بن احمد بن علی بن محمد بغدادی ازجی بیان کرتے ہیں کہ میری بیٹی جس کا نام فاطمہ تھا وہ ہمارے مکان کی چھت پر چڑھی۔ اچانک اس کو کوئی اٹھا لے گیا۔ وہ کنواری تھی اور اس کی عمر اس وقت ۱۶ / سال تھی۔ میری لڑکی گم ہوگئی، میں پریشانی کے عالم میں شیخ محی الدین عبد القادر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور تمام ماجرا بیان کیا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا کہ آج کی رات تم کرخ (ایک مقام ہے) کے جنگل کی طرف جاؤ اور وہاں پانچویں ٹیلے کے پاس ٹھہرنا۔ زمین پر اپنے اردگرد ایک دائرہ کھینچ لینا، اور دائرہ کھینچتے وقت "باسم اللہ تعالیٰ عبد القادر" کہنا اور پھر اس دائرے کے اندر ہی بیٹھے رہنا۔ پھر جب تھوڑی رات گزرے گی تو تمھارے پاس جنوں کا گروہ آئے گا۔ جن کی صورتیں مختلف ہوں گی۔ تم ان سے مت ڈرنا۔ جب صبح ہو جائے گی تو اس وقت ان کا بادشاہ ایک لشکر کے ساتھ تمھارے پاس آئے گا اور تم سے تمھارا مقصد پوچھے گا۔ تم ان سے کہہ دینا کہ مجھ کو شیخ عبد القادر جیلانی نے تمھارے پاس بھیجا ہے اور اس سے اپنی لڑکی کا معاملہ بیان کر دینا۔ شیخ ابو سعد بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں آپ کے حکم کے مطابق اسی جگہ گیا اور حکم کے موافق عمل کیا، اور دائرہ کھینچ کر اندر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد میرے پاس ڈراؤنی شکل والی صورتیں آنے لگیں۔ لیکن کسی کو مجال نہ تھی کہ اس دائرے کے قریب آئے جس میں کہ میں تھا۔ رات بھر اسی طرح گروہ در گروہ آتے رہے، یہاں تک کہ جنات کا بادشاہ گھوڑے پر سوار ایک لشکر کے ساتھ آ پہنچا۔ وہ آ کر دائرے کے پاس کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ اے انسان! تمھاری کیا حاجت ہے؟ میں نے کہا کہ مجھ کو شیخ عبد القادر بغدادی نے تمھاری طرف بھیجا ہے۔

حضور غوث پاک کا نام سنتے ہی جنات کا بادشاہ گھوڑے سے اتر پڑا اور زمین کو بوسہ دے کر دائرے کے باہر بیٹھ گیا۔ اس کے ساتھی بھی اس کی اطاعت کرتے ہوئے بیٹھ گئے۔ جنات کے بادشاہ نے مجھ سے کہا کہ بتاؤ، تمھارا معاملہ کیا ہے؟ تب میں نے اپنی لڑکی کا حال بیان کیا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ یہ کام کس نے کیا ہے؟ تمام نے اپنی لاعلمی ظاہر کی۔ پھر تھوڑی دیر بعد ان ساتھیوں میں سے کچھ لوگ ایک جن کو پکڑ لائے۔ اس جن کے ساتھ وہ لڑکی بھی تھی، اس جن کو پکڑ لانے والے جنات نے بادشاہ سے کہا کہ یہ ملک ''چین'' کا جن ہے۔ بادشاہ نے چین کے اس جن سے پوچھا کہ تم کو کس چیز نے اس امر پر برانگیختہ کیا کہ قطب کی رکاب کے نیچے چوری کرے؟ اس جن نے کہا کہ میں نے اس لڑکی کو دیکھا تو دیکھتے ہی فریفتہ ہو گیا اور اس کی محبت میرے دل میں سرایت کر گئی اور میں اس کو اٹھا لایا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کی گردن اڑا دی جائے۔ چنانچہ اس کو قتل کر کے میری لڑکی میرے حوالے کی۔ میں نے جنات کے بادشاہ سے کہا کہ آج رات جیسا معاملہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ تم شیخ عبدالقادر کی اس قدر فرماں برداری کرتے ہو۔ اس نے کہا کہ ہاں! بیشک! وہ اپنے گھر بیٹھ کر ہم جنوں کو دیکھتے ہیں۔ حالاں کہ وہ جنات دور کے رہنے والے ہوتے ہیں۔ آپ جب جنات کی طرف دیکھتے ہیں تب آپ کی ہیبت کی وجہ سے جنات اپنے مکانوں کی طرف بھاگ جاتے ہیں، اور خدائے تعالیٰ جب کسی قطب کو مقرر کرتا ہے تو اس کو جنات اور انسانوں پر غلبہ دیتا ہے۔ (بہجۃ الاسرار، اردو ترجمہ، ص ۲۱۱)

شیخ نصر اللہ بن قاسم، شیخ احمد بن ہاشمی کرخی، شیخ ابو صالح نصر، شیخ ابو عبد الرزاق، شیخ ابو الخیر بشیر بن محفوظ بن غنیمہ وغیرہم بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ میں اصفہان کا رہنے والا ہوں۔ میری ایک بیوی ہے جس کو اکثر مرگی کا دورہ رہتا ہے۔ تعویذ، منتر وغیرہ کرنے والے بھی میری بیوی کے علاج سے عاجز آ گئے ہیں۔ لہٰذا آپ کچھ توجہ فرما دیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ ایک جن ہے جو سراندیپ کے جنگل کا رہنے والا ہے۔ اس کا نام خانس ہے۔ اب جب بھی تیری بیوی کو مرگی کا دورہ آئے تو اس کے کان میں یہ کہہ دینا کہ اے خانس! شیخ عبدالقادر جو کہ بغداد میں رہتے ہیں، وہ تم سے کہتے ہیں کہ اب پھر نہ آئیو، اور اگر اب بھی منع کرنے کے باوجود آؤ گے تو ہلاک ہو جاؤ گے۔ وہ شخص واپس گیا اور حضور غوث پاک کے کہنے کے مطابق اس نے اپنی بیوی کے کان میں مرگی کے وقت کہہ دیا۔ دس سال کے بعد وہ شخص جب بغداد آیا اور اس سے پوچھا گیا، تو اس نے کہا کہ اس وقت سے لے کر اب تک میری بیوی کو مرگی کا کچھ بھی اثر نہیں۔ اور منتر کرنے والوں کے سردار نے یہ بات کہی ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں چالیس سال تک بغداد میں کسی پر مرگی کا اثر نہیں ہوا۔ جب آپ کا انتقال ہوا تو وہاں مرگی کا اثر ہوا۔

(بہجۃ الاسرار، اردو ترجمہ، ص ۲۱۲)



(۱۳۰)

وہ گل ہیں لب ہائے نازک ان کے ہزاروں جھڑتے ہیں پھول جن سے
گلاب گلشن میں دیکھے بلبل یہ دیکھ گلشن گلاب میں ہے

حل لغت:

گل: پھول، معشوق، داغ، دھبہ، پھانسی، حقے کا جلا ہوا تمباکو، وغیرہ۔
(فیروز اللغات، ص۱۱۰۰ ☆ لغات کشوری، ص۶۱۷ ☆ کریم اللغات، ص۱۳۴)

لبہا: جمع ہے لب کی، ہونٹ، کنارہ، طرف، جانب، حاصل، کراڑا، حاشیہ، دور، کنی، منڈیر، تھوک، لعاب دہن، ہونٹوں کے اوپر کے بال، مونچھیں، مغز، خالص ہر چیز کا۔ (فیروز اللغات، ص۱۱۴۵ ☆ لغات کشوری، ص۶۳۲ ☆ کریم اللغات، ص۱۳۶)

نازک: پتلا، دبلا، چھریرا، لطیف، نفیس، نرم، کومل، جلد ٹوٹ جانے والا، خوبصورت، کمزور، باریک، دقیق، تیز، تند، ناز پروردہ، ناز کا پلا ہوا، خطرناک، پیچیدہ۔ (فیروز اللغات، ص۱۳۴۱ ☆ لغات کشوری، ص۶۳۷ ☆ کریم اللغات، ص۱۷۸)

جھڑنا: گرنا، ٹپکنا، بچت ہونا، نفع ہونا، انزال ہونا، منتر پھونکنا۔ (فیروز اللغات، ص۴۹۴)

گلشن: پھول کا مقام، باغ۔ (لغات کشوری، ص۶۱۹ ☆ کریم اللغات، ص۱۳۴)

دوسرے مصرع میں شروع والے لفظ ''گلاب'' کا مطلب ''گلاب کا پھول'' ہے۔
دوسرے مصرع میں بعد والے لفظ ''گلاب'' کا مطلب ''معشوق کا ہونٹ'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے فنافی الرسول کے جذبے کی کامل طور پر عکاسی کی ہے اور اپنے آقا ومولیٰ ﷺ کے ساتھ والہانہ الفت کے جذبے کا اظہار کرتے ہوئے جو تصور باندھا ہے، اس کی مثال اردو ادب میں درکنار کسی بھی زبان میں ملنا مشکل ہے۔ ایک عاشق صادق جب اپنے محبوب کے عشق کی اعلیٰ منزل پر پہنچ جاتا ہے تو اسے کائنات کی ہر شے میں اپنے محبوب کا جلوہ ہی نظر آتا ہے اور یہی کیفیت حضرت رضا کے عشق کی اس شعر میں محسوس ہو رہی ہے۔ اس شعر میں حضرت رضا نے عشق ومحبت کی نادر زمن مثال پیش کرنے کے ساتھ ساتھ اردو ادب کے بڑے بڑے شعراء اور ادباء کو بھی حیرت اور سکتہ میں ڈال دیا ہے۔ کیوں کہ مصرع ثانی میں دو تجنیس کامل بیان کر کے امام

الکلام کی اپنی حیثیت باور کرادی، جس کا صحیح اندازہ شعر کے مفہوم کو سمجھنے کے بعد ہی ہوگا۔

اس شعر میں حضرت رضا اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کے لب ہائے مقدسہ یعنی مبارک لبوں کی تعریف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ بے مثل و مثال آقا کے نازک ہونٹ مثل پھول کے ہیں، کہ جن سے ہزاروں پھول جھڑتے ہیں۔ پھر بلبل کا ذکر کرتے ہوئے مصرع ثانی میں فرماتے ہیں کہ اے بلبل! تو نے گلاب کے پھول کو گلشن میں کھلتا اور لہلہاتا ہوا دیکھا ہے۔ لیکن میرے آقا کے نازک لب ایسے گلاب ہیں کہ اس گلاب میں گلشن کھلتا ہوا نظر آرہا ہے۔ قارئین کی خاص توجہ درکار ہے کہ یہ مسلم دستور ہے کہ گلاب کا پھول باغ یعنی گلشن میں کھلتا ہے اور کئی گلاب کے پودے اور دیگر پھولوں کے پودے جمع ہو کر گلشن کہلاتے ہیں۔ صرف ایک پھول پر گلشن کا اطلاق نہیں ہوتا اور نہ ہی گل میں گلشن کھلتا ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ گلشن میں گل کھلتا ہے، لیکن یہاں معاملہ برعکس ہے۔ کیوں کہ یہ دنیا کے کسی گلشن کے پھول کا معاملہ نہیں ہے، بلکہ گلبن رحمت کے پھول کا معاملہ ہے۔ خالق کائنات جل جلالہٗ کی سب سے افضل و بہترین تخلیق ﷺ کے جسم اقدس کے ہونٹ کا معاملہ ہے۔ یہ گل (ہونٹ) وہ گل ہے کہ جو محتاج گلشن نہیں، بلکہ گلشن اس کا خوشہ چیں ہے۔ تو شعر کا مطلب یہ ہوا کہ عام طور پر گلشن میں پھول کھلتے ہیں، لیکن میرے آقا و مولیٰ ﷺ کے نازک ہونٹ ایسے پھول ہیں کہ جس پھول میں گلشن کھلتے ہیں۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ کا یہ مقدس تصور کوئی شاعرانہ تک بندی نہیں ہے، بلکہ حقیقت پر مبنی ہے اور قرآن و حدیث کے ثقہ شواہد اس کی بنا ہیں۔ اس شعر میں حضرت رضا نے ہونٹ کی صفت میں لفظ ''نازک'' کا استعمال فرما کر کتب احادیث کی ترجمانی کی ہے۔

طبرانی میں ہے:

''كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اَلْطَفُ عِبَادِ اللّٰهِ شَفَتَيْنِ''

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے ہونٹ اللہ کے تمام بندوں سے نرم و نازک تھے۔ وہ نازک ہونٹ جو پھول ہیں ان سے ہزاروں پھول جھڑتے ہیں۔

اس سے مراد حضور اقدس ﷺ کی خوش گو زبان فیض ترجمان سے رشد و ہدایت کے جو جملے اور الفاظ نکلتے تھے وہ تمام الفاظ رشد و ہدایت کے شاداب پھول ہیں اور ان کی تعداد ہزاروں، لاکھوں میں ہے۔ اور وہ تمام ہدایت کے پھول جمع ہو کر گلشن اسلام کی صورت اختیار کرتے ہیں۔ تو ثابت ہوا کہ گلاب دہن سے خوش بیانی، لینت کلامی، رشد و ہدایت اور معرفت الٰہیہ کے گلشن لہک اور مہک رہے ہیں۔ یہ وہ دہن مبارک ہے کہ بقول حضرت رضا بریلوی ''وہ دہن جس کی ہر بات وحیٔ خدا'' ہے۔ جس پر قرآن مجید کی گواہی موجود ہے۔

''وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى'' (سورۃ النجم، آیت ۳)

ترجمہ: اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے۔ وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے۔ (کنز الایمان)

حضرت عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے اپنے دہن شریف کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ

''فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ مَا یَخْرُجُ مِنْہُ اِلَّا الْحَقّ''

یعنی قسم ہے اس کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اس منہ سے حق کے سوا کچھ نکلتا نہیں۔

سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

''اِنِّی لَا اَقُوْلُ اِلَّا الْحَقّ''

یعنی میں حق کے سوا کچھ نہیں کہتا۔

حضرت رضا بریلوی کا حسن تخیل در پردہ قرآن وحدیث کی ترجمانی ہے کہ جن مبارک ہونٹوں سے علم وحکمت اور حق وصداقت کے شاداب پھول ہمیشہ جھڑتے ہوں۔ ان ہونٹوں کو گل سے تشبیہ دے کر یہ ثابت کرنا کہ اس پھول سے اور اس پھول میں گلشن آباد ہے۔ لہٰذا اے بلبل یعنی اے عاشق! اگر تجھے گلشن کی تمنا ہے تو پیارے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہونٹ (گل) کا فدائی ہو جا، کیوں کہ اس گل کے شیدا کو دنیا وآخرت میں رحمتوں کے صرف پھول ہی نہیں، بلکہ پورا گلشن عنایت کیا جائے گا اور اس گلشن کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس پر خزاں تو در کنار بلکہ خزاں کا سایہ بھی نہیں پڑے گا، بلکہ گلشن پر دائمی طور پر بہار ہی بہار ہے۔



مآخذ و مراجع

نمبر	اسمائے کتب	صاحب کتاب	المتوفی
۱	قرآن مجید	کلام اللہ	
۲	بخاری شریف	محمد بن اسمٰعیل بخاری	۲۵۶ھ/۸۶۹ء
۳	مسلم شریف	مسلم بن الحجاج قشیری	۲۶۱ھ/۸۷۴ء
۴	سنن ابن ماجہ شریف	محمد بن یزید بن ماجہ	۲۷۳ھ/۸۸۶ء
۵	ابوداؤد شریف	ابوداؤد سلیمان بن اشعث	۲۷۵ء/۸۸۸ء
۶	ترمذی شریف	محمد بن عیسیٰ ترمذی	۲۷۹ھ/۸۹۲ء
۷	سنن نسائی شریف	احمد بن شعیب نسائی	۳۰۳ھ/۹۱۵ء
۸	وفاء الوفاء	علامہ سمہودی	۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء
۹	جواہر البحار	علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی	۱۳۵۰ھ
۱۰	مسند بزار	سلیمان بن داؤد بن الجارود طیالسی، فارسی	۲۰۴ھ/۸۱۹ء
۱۱	الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ	قاضی ابوالفضل عیاض بن عمرو اندلسی	۵۴۴ھ/۱۱۴۹ء
۱۲	المواہب الدنیۃ بالمنح المحمدیۃ	امام احمد بن محمد المصری القسطلانی	۹۲۳ھ
۱۳	انباء الاذکیاء فی حیٰوۃ الانبیاء	امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال سیوطی	۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء
۱۴	جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب	شیخ محقق عبدالحق بن سیف الدین محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء
۱۵	بہجۃ الاسرار شریف	امام نورالدین ابوالحسن علی شطنوفی	
۱۶	کتاب الاصنام	ابوالمنذر ہشام کلبی	۲۰۴ھ/۸۱۹ء
۱۷	حیات الانبیاء	ابوبکر احمد بن حسین بیہقی	۴۵۸ء/۱۰۶۵ء
۱۸	مسند ابویعلی	احمد بن علی بن المثنی بن یحیٰ موصلی	۳۰۷ھ/۹۱۹ء
۱۹	معجم کبیر	ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب طبرانی	۳۶۰ھ/۹۷۰ء

نمبر	کتاب	مصنف	سن وفات
۲۰	الخصائص الکبریٰ فی معجزات خیرالوریٰ	امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال سیوطی	۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء
۲۱	مستدرک حاکم	عبداللہ محمد بن عبداللہ بن محمد نیشاپوری	۴۰۵ھ/۱۰۱۴ء
۲۲	دلائل النبوت	ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی	۴۳۰ھ/۱۰۳۸ء
۲۳	مسند دارمی	عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن فضل دارمی سمرقندی	۲۵۵ھ/۸۶۸ء
۲۴	معجم اوسط	ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب طبرانی	۳۶۰ھ/۹۷۰ء
۲۵	الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ	امام احمد رضا محدث بریلوی، مجدد	۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء
۲۶	فیروز اللغات	الحاج مولوی فیروز الدین	
۲۷	مدارج النبوت	شیخ محقق عبدالحق بن سیف الدین محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء
۲۸	شواہد النبوت	علامہ نورالدین عبدالرحمٰن جامی بن احمد بن محمد ایرانی	۸۹۸ھ/۱۴۹۲ء
۲۹	لغات کشوری		
۳۰	اسماء الاربعین فی شفاعۃ سید المحبوبین	امام احمد رضا محدث بریلوی، مجدد	۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء
۳۱	تفسیر کبیر	الامام فخر الدین رازی	۶۰۶ھ
۳۲	کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن	امام احمد رضا محدث بریلوی، مجدد	۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء
۳۳	خزائن العرفان فی تفسیر القرآن	صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی	۱۳۶۷ھ
۳۴	کریم اللغات	ملا کریم بخش بن ارادت اللہ برکاتی، بدایونی	
۳۵	معجم صغیر	ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب طبرانی	۳۶۰ھ/۹۷۰ء
۳۶	مسند بزار	علامہ ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق بزار	۲۹۲ھ/۹۰۴ء
۳۷	نسیم الریاض	امام علامہ احمد شہاب الدین خفاجی	۱۰۶۹ھ
۳۸	برکات الامداد لاہل الاستمداد	امام احمد رضا محدث بریلوی، مجدد	۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء
۳۹	اصح التواریخ	تاج العلماء علامہ سید محمد میاں مارہروی	
۴۰	تفسیر بیضاوی شریف	قاضی امام ناصر الدین ابوسعید عبداللہ بیضاوی شافعی	۶۸۵ھ/۱۲۸۶ء
۴۱	تقویت الایمان	مولوی اسمٰعیل دہلوی، وہابی	۱۲۴۶ھ/۱۸۳۰ء
۴۲	شرف النبوت	حافظ ابوسعید عبدالملک بن عثمان	
۴۳	الزبدۃ الزکیہ لتحریم سجود التحیۃ	امام احمد رضا محدث بریلوی، مجدد	۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء
۴۴	تفسیر سورۂ الم نشرح	رئیس الاتقیاء علامہ نقی علی خاں بریلوی	۱۲۹۷ھ/۱۸۷۹ء
۴۵	مغازی الصادقہ ترجمہ مغازی الرسول	شیخ الاجل امام العدل علامہ محمد بن عمر والواقدی	۲۰۷ھ/۸۲۳ء

نمبر	کتاب	مصنف	سن
۴۶	فتاویٰ رشیدیہ	مولوی رشید احمد گنگوہی، وہابی	۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء
۴۷	مشکوٰۃ المصابیح	امام ابوعبداللہ ولی الدین محمد بن عبداللہ عمری	۷۴۲ھ
۴۸	سمع وطاعۃ لاحادیث الشفاعۃ ۱۳۰۲ھ	امام احمد رضا محدیث بریلوی، مجدد	۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء
۴۹	الایمان بعوالم الآخرہ	امام قرطبی	۶۶۸ھ
۵۰	فتوح الشام	شیخ الاجل امام العدل علامہ محمد بن عمر والواقدی	۲۰۷ھ/۸۲۳ء
۵۱	برکات مارہرہ		
۵۲	تفسیر ابن کثیر	ابوالفدا اسمٰعیل بن کثیر	۷۷۴ھ
۵۳	بہار شریعت	صدر الشریعہ علامہ محمد امجد علی اعظمی	۱۳۶۷ھ
۵۴	الامن والعلی لناعتی المصطفیٰ بدافع البلاء	امام احمد رضا محدث بریلوی، مجدد	۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء
۵۵	تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ		
۵۶	حفظ الایمان	مولوی اشرف علی تھانوی، وہابی	۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء
۵۷	زاد المعاد علیٰ ہامش الزرقانی	شیخ ابن قیم جوزیہ	۷۵۱ھ
۵۸	حدائق بخشش (نعتیہ دیوان)	امام احمد رضا محدث بریلوی، مجدد	۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء
۵۹	حیوٰۃ الکرام		
۶۰	مآثر الکرام		
۶۱	برکاتِ قادریت	مداح رسول جمیل الرحمٰن قادری بریلوی	
۶۲	تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین	امام احمد رضا محدیث بریلوی، مجدد	۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء
۶۳	سیرت رسول عربی	علامہ محمد نور بخش توکلی	
۶۴	کتاب الاسماء والصفات	ابوبکر احمد بن حسین بیہقی الشافعی	۴۵۸ھ/۱۰۶۵ء
۶۵	انباء المصطفیٰ بحال سرواخفی	امام احمد رضا محدث بریلوی، مجدد	۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء
۶۶	بسط البنان	مولوی اشرف علی تھانوی، وہابی	۱۳۶۲ھ/۱۸۷۹ء
۶۷	سرور القلوب فی ذکر المحبوب ۱۲۸۴ھ	رئیس الاتقیاء علامہ نقی علی خاں بریلوی	۱۲۹۷ھ/۱۸۷۹ء
۶۸	سیرت ابن ہشام	عبدالملک بن ہشام	۲۱۸ھ
۶۹	صلات الصفا فی نور المصطفیٰ	امام احمد رضا محدث بریلوی، دہلوی	۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء
۷۰	مرثیہ گنگوہی	مولوی محمود الحسن دیوبندی، وہابی	
۷۱	حسام الحرمین علیٰ منحر الکفر والمین	امام احمد رضا محدث بریلوی، مجدد	۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء

نمبر	کتاب	مصنف	سن وفات
۷۲	قصیدۂ غوثیہ	شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی بغدادی، غوث اعظم	۵۶۱ھ/۱۱۶۲ء
۷۳	تذکرۃ الاولیاء		
۷۴	المہند علی المفند	مولوی خلیل احمد انبٹوی، وہابی	۱۳۴۶ھ/۱۹۲۷ء
۷۵	حجۃ اللہ البالغہ	شاہ ولی اللہ دہلوی	۱۱۷۶ھ
۷۶	فقہ شہنشاہ وان القلوب بید المحبوب بعطاء اللہ	امام احمد رضا محدث بریلوی، مجدد	۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء
۷۷	تاریخ الخلفاء	امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال سیوطی	۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء
۷۸	مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی	شیخ احمد سرہندی	۱۰۳۴ھ
۷۹	تاریخ ابن کثیر	ابوالفداء اسمٰعیل بن کثیر	۷۷۴ھ
۸۰	شرح فقہ اکبر	ملا علی قاری	۱۰۱۴ھ
۸۱	کتاب الرویہ	ابوبکر احمد بن حسین بیہقی	۴۵۸ھ/۱۰۶۵ء
۸۲	طبقات ابن سعد	امام محمد بن سعد	۲۳۰ھ
۸۳	طبقات الامم	صاعد اندلسی	
۸۴	مسند امام احمد	امام احمد بن حنبل	۲۴۱ھ
۸۵	بیاض اسماعلیہ		
۸۶	الہدایہ	علامہ ابوالحسن ابوبکر مرغینانی	۵۹۳ھ
۸۷	الشمائل المحمدیۃ	محمد بن عیسیٰ ترمذی	۲۷۹ھ/۸۹۲ء
۸۸	خاندان برکات		
۸۹	تذکرۂ نوری	پروفیسر محمد ایوب قادری	
۹۰	افضل القریٰ لقراء ام القریٰ	امام ابن حجر ہیتمی شافعی	۹۷۴ھ
۹۱	تفسیر روح البیان	علامہ اسمٰعیل حقی	۱۱۳۷ھ
۹۲	خالص الاعتقاد	امام احمد رضا محدث بریلوی، مجدد	۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء
۹۳	شرح المواہب اللدنیۃ	علامہ شمس محمد بن عبدالباقی الزرقانی	۱۱۲۲ھ
۹۴	موضوعات کبیر	ملا علی قاری	۱۰۱۴ھ
۹۵	الجامع الصغیر	امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال سیوطی	۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء
۹۶	ازاحۃ العیب بسیف الغیب	امام احمد رضا محدث بریلوی، مجدد	۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء

نمبر	کتاب	مصنف	سن
۹۷	حیات صاحب البرکات		
۹۸	معالم التنزیل	امام محی السنہ علامہ بغوی	۵۱۰ھ/۱۱۱۷ء
۹۹	شجرۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ	احسن العلماء سید مصطفیٰ حیدر حسن مارہروی	
۱۰۰	منبہات ابن حجر	امام شہاب احمد بن علی	۸۵۲ھ
۱۰۱	جامع معجزات		
۱۰۲	خزینۃ الاصفیاء		
۱۰۳	مسالک السالکین		
۱۰۴	سبل الہدیٰ والرشاد	علامہ محمد بن یوسف شامی	۹۴۲ھ
۱۰۵	حجۃ اللہ علی العٰلمین فی معجزات سید المرسلین	علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی	۱۳۵۰ھ
۱۰۶	اولیاء رجال الحدیث	علامہ عبد المصطفیٰ نبہانی	
۱۰۷	مطالع المسرات	علامہ فاسی	
۱۰۸	خمیس	علامہ دیار بکری	
۱۰۹	مدارک شریف	امام نسفی	
۱۱۰	حاشیہ سیرت الحلبیہ		
۱۱۱	عرائس البیان	شیخ مہائمی	
۱۱۲	الشرف المؤبد	علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی	
۱۱۳	تیسیر	علامہ عبد الرؤف مناوی	۱۰۰۳ھ
۱۱۴	ریاض الریاحین	علامہ یافعی	
۱۱۵	سیدنا محمد رسول اللہ (عربی)		
۱۱۶	برکات اولیاء		
۱۱۷	الادب المفرد	محمد بن اسمٰعیل بخاری	۲۵۶ھ/۸۶۹ء
۱۱۸	شجرۃ الکاملین		

